2ND EDITION

ہماری ویب ڈیجیٹل بک

سید انور محمود

SYED ANWER MAHMOOD

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Syed Anwer Mahmood"
at Hamariweb.com

پاکستانی جمہوریت اور سیاست ملوکیت پر مبنی ہے

آج پاکستان میں بے شک جمہورت کے نام پر سیاستدانوں کی حکومت قایم ہے۔ مانا کہ کوئی جنرل اب حکم نہیں چلا رہا ہے، مگر کیفیت یہ ہے کہ اس میں عوام کی قطعی نمائندگی نہیں ہے، کہنے کو تو ووٹ عوام نے دیے تھے مگر کیسے؟ کہیں دھمکا کر اور کہیں روٹی کپڑا اور مکان کا خواب دیکھا کر، کہیں برادری کے نام پر اور اکثر جاگیر دار، وڈیرے، خان اور سردار کو خوش کرنے کے لیے۔ اسمبلی میں کون بیٹھا جو صرف پاکستان کا پانچ فیصد طبقہ ہے، جاگیر دار اور سرمایہ دار، دونوں عوام کا خون چوستے ہیں اور جمہوریت کے نام پر ملوکیت قایم رکھتے ہیں۔ زید آئے یا بکر ان کے مفادات ایک جیسے ہوتے ہیں۔ آپ نے خلافت اور ملوکیت کے بارئے میں سنا یا پڑھا تو ضرور ہوگا۔ پاکستان میں تو کیا اب تو پورئے عالم اسلام میں کہیں بھی خلافت نہیں ہے بلکہ صرف ملوکیت ہے، کہیں بادشاہت اور کہیں جمہوریت کے نام پر، ملوکیت پاکستانی سیاست کا لازمی جز ہے پاکستانی جمہوریت اور سیاست ملوکیت پر مبنی ہے۔

جمہوریت کی تعریف: جمہوریت کا لفظ دو یونانی الفاظ Demo یعنی "عوام" اور Kratos یعنی "حکومت" سے مل کر بنا ہے، جمہوریت کے لغوی معنی "لوگوں کی

حکمرانی" کے ہیں ۔ یونانی مفکر ہیروڈوٹس کے مطابق "جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر پورے معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں" اس کی تعریف یوں بھی ہوتی ہے کہ لوگوں کی "اکثریت کی بات ماننا" لیکن درحقیقت یہ "اکثریت کی اطاعت" کا نام ہے۔ جمہوریت ایک رویے کا نام ہے کہ کچھ لوگٹ عوام کی بہتری کے لئے کام کریں اور وہ عوام کی نمائندگی بھی کرتے ہوں، عوام نے ہی انکا انتخاب کیا ہو۔ سابق امریکی صدر ابراہم لنکن نے جمہوریت کی تعریف یوں کی ہے کہ "عوام کی حاکیت، عوام کے ذریعے، عوام پر"۔ جمہورت کے چاہنے والے اس قول کو بار بار دہراتے ہیں [پاکستان میں نہیں]۔

سیاست کی تعریف: سیاست سے مراد ایک ایسا عمل ہے جس سے معاشرے کی معیشت عدل و انصاف اور آزادی کے اصولوں کو فراہم کرنا ہے۔ سیاست ایک طریقۂ کار ہے، جس کے ذریعے عوامی حلقوں کے مابین مسائل پر بحث یا کارروائی ہوتی ہے اور ریاستی فیصلے عوامی رائے عامہ کی مرضی کے مطابق کیئے جاتے ہیں۔ سیاست کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ "ایک معاشرے کے بڑے۔بڑے مسائل و مشکلات کے بارے میں فیصلہ کرنا اور انکی تدبیر کرنا اور اس معاشرے کی مشکلات کو رفع کرنے، مختلف امور کو منظم کرنے، منصوبہ بندی اور اسکے اجرا کو شامل کرنا ہے"۔ انسانی زندگی کے مختلف تاریخی ادوار نے ثابت کیا ہے کہ انسانی معاشرے سے وابستہ امور کی تدبیر اور سیاست پر خاص توجہ رکھنا چاہیے۔ سیاست کے

مقاصد :

اقتدار کے حصول کے لیے

حقوق کے حصول کے لئے

مذہبی اقدار کے تحفظ کے لئے

جمہوری روایات کے تحفظ کے لئے

سیاست کا پہلا بنیادی مقصد اقتدار کا حصول ہوتا ہے تاکہ عوام کو انکے حقوق ملتے رہیں، اپنے مذہبی اقدار کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور جمہوری روایات کے مطابق ملک کا نظم و نسق چلایا جائے۔ ہر انسانی معاشرے میں ایک یا چند افراد سیاسی اقتدار کے حامل ہوتے ہیں اور اس کے اجتماعی امور کی تدبیر اور اجتماعی زندگی کے مختلف امور کو انجام دینا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

ملوکیت کی تعریف: ملوکیت کے معنی ہیں شخصی حاکمیت، یعنی ایک ایسا نظام ہے جس میں ایک شخص طاقت کے زور پر اقتدار حاصل کرتا ہے۔ عوام اس کو اپنا حکمراں تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اسکی مثال بادشاہت یا پاکستان میں آپ اسکو مارشل لا یا جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی حکمرانی بھی کہہ سکتے ہیں، ملوکیت کے لیے چند باتیں ضروری ہیں :

حکمراں کی نامزدگی

حکمراں کا مرتبہ
حکمراں کے اختیارات
حکمراں کے جانشین کا تقرر

حکمراں طاقت کے زور پر حکومت کو حاصل کرتا ہے، اسکی حیثت مختار کل کی سی ہوتی ہے ۔ وہ اپنے ہر فیصلے کو نافذ کرنے اور منوانے کو اپنا حق سمجھتا ہے، اور قانون کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا ہے ۔ ملک کے وسائل پر اسکا مکمل کنٹرول ہوتا ہے اور وہ اسکو اپنی مرضی سے استمال کرتا ہے۔ حکمراں کے فیصلے کو رد کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہوتا۔ حکمراں کا جانشین کون ہوگا اس کا فیصلہ بھی حکمراں ہی کرتا ہے۔ سب کے علم میں ہوتا ہے کہ کہ اگر حکمراں کسی وجہ سے سے حکمرانی نہ کرپائے یا اسکی موت ہوجائے تو اسکا جانشین ہی حکمراں بنے گا۔

پاکستانی جمہوریت اور سیاست میں ملوکیت:

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ جمہوریت ایک رویے کا نام ہے کہ کچھ لوگ عوام کی بہتری کے لئے کام کریں مگر پاکستانی حکمران اور سیاستدان جمہوریت کا رونا تو روتے ہیں، مگر جمہوریت سے انکی مراد حصول اقدار ہوتا ہے جس سے انکی ذاتی خود غرضیاں پوری ہوسکیں ۔ اول تو پاکستان کی سیاست کا زیادہ عرصہ فوجی

حکمرانی میں گذراہ مگر جمہوری دور میں بھی سیاست سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کے گھر کی باندی بنی ہوتی ہے جس میں غریب صرف جلسوں کی نفری بڑھانے، نعرے بازی کرنے اور ووٹ ڈالنے میں حصہ لیتا ہے، لیکن کسی غریب کا سیاست میں حصہ لینا ناممکن ہے۔ ہمارے ملک میں جمہوریت سے عوام کا کوئی لینا دینا نہیں اگر جنرل کی غلامی سے جان چھوٹتی ہے تو جمہوریت کے نام پر چند برس بعد ووٹ ڈال کر آقا بدلنے کی اجازت ہوتی ہے، آقا بننے سی پہلے یہ سیاستدان عوام کو خوبصورت خواب دکھاتے ہیں لیکن آقا بنتے ہی انکو یاد بھی نہیں ہوتا کہ عوام سے انہوں نے کیا وعدہ کیا تھا، البتہ وہ دوبارہ جب عوام سے ووٹ مانگتے ہیں تو پھر وہی وعدہ کرتے ہیں جو پہلے کیا تھا، اسکی مثال پیپلز پارٹی کی یہ چوتھی حکومت ہے جو 1970 سے "روٹی کپڑا اور مکان" کا وعدہ کر رہی ہے مگر آج پاکستان کے عوام اور خاص طوپر کراچی اور بلوچستان کے عوام روٹی کپڑا اور مکان کو بھول کر اپنی جان کی امان مانگ رہے ہیں۔ جمہوریت اور سیاست کے بارے میں پاکستان کے رہنماؤں کی سوچ میں مکمل تضاد ہے، اس لئے کہ ان لوگوں نے عوام کی بہتری، ترقی اور سرحدوں کی حفاظت کے بجائے اپنی سیاست کی بنیاد، مکاری، قتل و غارت گری، جاہ طلبی، ریاست اور وسعت طلبی، نیز محروم عوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے پر رکھی ہے۔ یہ عوام دشمن غریبوں کو موت کے حوالے کرنے، انہیں علمی، فنی اور فکری افلاس کے حوالے کرنے کو اپنی سیاست کا محور سمجھتے ہیں۔ یہ اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے لئے

ہر قسم کے وسیلہ کو استمال کرتے ہیں چاہے وہ وسیلہ دھوکہ اور فریب کاری ہی کیوں نہ ہو، حتیکہ یہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے مذہب کا استمال بھی بڑی بے دردی سے کرتے ہیں۔ اس قسم کی سیاست کو یہ اپنی دانائی کہتے ہیں حالانکہ یہ دھوکے بازی کے علاوہ کچھ نہیں۔ پاکستانی سیاست میں جمہوریت کا اندازِ فکر ایک بھی سیاسی جماعت میں موجود نہیں، بلکہ ہر سیاسی رہنما نے اپنی اپنی جماعت میں ملوکیت قائم کی ہوئی ہے، جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ "ملوکیت کے معنی ہیں شخصی نظام" پاکستان میں ایک بھی ایسی سیاسی جماعت نہیں جس میں کبھی انتخابات ہوئے ہوں اور اگر کبھی ہوئے تو یہ صرف دکھاوہ ہوتا ہے۔ ان سیاسی پارٹیوں میں ملوکیت کا پورا پورا راج ہے۔ ہر پارٹی کے رہنما کی حیثت اپنی پارٹی میں مختار کل کی سی ہوتی ہے۔ اسکا فیصلہ ہی آخری ہوتا ہے، کہنے کو ہر پارٹی میں مشاورتی کمیٹی ہوتی ہے مگر صرف دکھاوے کیلیے۔ وہ پارٹی کو اپنی سوچ کے مطابق چلاتا ہے اور اگر کوئی اختلاف رائے کرے تو اسکو پارٹی چھوڑنے پر مجبور کردیا جاتا ہے، وہ ملوکیت کے بہت ہی اہم اصول کا پہلے دن ہی اعلان کرتا ہے کہ اس کے بعد اسکا جانشین کون ہوگا۔ پارٹی کو وہ ایک ذاتی کمپنی کے مالک کی طرح چلاتا ہے اور جانشین عام طور پر یا تو اُس رہنما کی بیوی یا اسکی اولاد ہوتی ہے ورنہ اسکے بہن بھائی میں سے کوئی۔ پاکستان بننے سے پہلے کے لیڈر مرحوم خان عبدالغفار خان نیشنل عوامی پارٹی کے قاید تھے، انکے جانشین انکے صاحبزادے خان عبدالولی خاں ہوئے، انکے بعد کچھ عرصے انکی

بیگم نسیم ولی خان ہوئیں ۔ آجکل انکے صاحبزادے اسفندیار ولی خان پارٹی کے سربراہ ہیں، پارٹی کا نام بدل کر اب عوامی نیشنل پارٹی رکھ لیا ہے، مرحوم مفتی محمود جمیعت علمائے اسلام کے سربراہ ہوا کرتے تھے ۔ آجکل انکے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن پارٹی کے سربراہ ہیں۔ پاکستان تو مسلم لیگ نے مسلمانوں کے اتحاد سے بنایا تھا مگر مسلم لیگ میں اتحاد نہیں رہا اسلیے اس وقت سب سے زیادہ سیاسی جماعتوں میں مسلم لیگیں ہیں، البتہ آپکو مسلم لیگ کے ساتھ الف سے ے تک کے حروف ملیں گے، جیسے مسلم لیگ ن، اسکے سربراہ نواز شریف ہیں یہ جماعت انکو ضیاالحق کی طرف سے ملی تھی کیونکہ ہر آمر کے پیچھے ایک نام نہاد مسلم لیگ کا ہونا ضروری ہوتا ہے، اب یہ مسلم لیگ ن نواز شریف کی ذاتی کمپنی کی طرح سے ہے، 1999 میں جب مشرف نے انکو گرفتار کیا تو انکی بیگم جو ایک گھریلو خاتون ہیں وہ پارٹی کی سربراہی کرتی رہیں جبتک وہ نواز شریف کے ساتھ جدہ نہیں چلی گئیں ۔ نواز شریف کے بھائی شہباز شریف پنجاب کے وزیراعلی ہیں، دونوں بھائی اور انکی اولادیں پارٹی کو اپنی کمپنی کی طرح کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ مسلم لیگ ق دو بھائی یعنی چوہدری شجاعت اور چوہدری پرویز چلا رہے ہیں، اب ان کی اولاد بھی شامل ہو گئی ہے، یہ بھی پارٹی کو اپنی ملکیت کی طرح ہی چلا رہے ہیں۔ مسلم لیگ ف یعنی فنکشنل کے سربراہ پیر پگارا تھے انکے بعد انکے صاحبزادے پیر صبغت اللہ شاہ راشدی مسلم لیگ ف کے سربراہ ہو گئے۔ آجکل پیپلزپارٹی پنجاب کے صدر منظور وٹو نے بھی 1995 میں مسلم لیگ جناح بنائی

تھی، اب اسکی ضرورت نہیں۔ عمران خان پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ ہیں، ان کی پارٹی کے اندر بھی کبھی انتخابات نہیں ہوتے، ابھی کوئی جانشین تو نہیں چنا مگر وہ بھی پارٹی کو اپنی ملکیت سمجھ کر چلارہے ہیں۔ مرحوم اکبر بگٹی جمہوری وطن پارٹی کے سربراہ تھے، آجکل انکے صاحبزادے طلال اکبر بگٹی اسکے سربراہ ہیں۔ بلوچستان نیشنل پارٹی کے بانی مرحوم سردار عطااللہ خان مینگل تھے، آجکل انکے صاحبزادے سردار اختر مینگل اسکے سربراہ ہیں۔ جی ایم سید جیئے سندھ تحریک کے بانی تھے آجکل انکے پوتے سید جلال محمود شاہ قوم پرست جماعت سندھ یونائیٹڈ پارٹی کے سربراہ ہیں، پارٹی انتخابات کی انکو بھی ضرورت نہیں ہے۔ الطاف حسین پہلے مہاجر قومی مومنٹ اور حالیہ متحدہ قومی مومنٹ ایم کیو ایم] کے بانی اور سربراہ ہیں، پارٹی کے انتخابات اس جماعت میں بھی نہیں] ہوتے، الطاف حسین نے کسی کو جانشین تو مقرر نہیں کیا ہے، مگر ایم کیو ایم انکی مرضی سے چلتی ہے، انہوں نے ایک رابطہ کمیٹی بھی بنائی ہوئی ہے مگر آخری فیصلہ الطاف حسین ہی کا ہوتا ہے۔ الطاف حسین بھی ایم کیو ایم کو اپنی ذاتی کمپنی کی طرح ہی چلارہے ہیں۔

جماعت اسلامی کے بانی اور امیر مولانا مودودی نے اپنی خرابی صحت کی وجہ سے اپنی زندگی میں ہی جماعت اسلامی کے امیر کی حیثیت سے علیدگی اختیار کرلی تھی، انکی اولادوں میں سے کوئی بھی سیاسی منظر پر نہیں آیا، انکے بعد آجکل تیسرے امیر جماعت اسلامی سید منور حسن ہیں، جمہوریت تو جماعت اسلامی میں بھی نہیں ہے مگر بظاہر یہ کسی کی

ذاتی کمپنی بھی نہیں ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی اور چیرمین ذوالفقار علی بھٹو تھے انہوں نے پہلے اپنی پارٹی کے دو ممبران معراج محمد خان اور غلام مصطفیٰ کھر کو اپنا جانشین بنایا مگر آگے چل کر ان دونوں کے بھٹو سے شدید اختلافات ہوگے، ہوا وہی جو ہونا تھا، ضیاالحق نے جب بھٹو کو گرفتار کیا اور بعد میں پھانسی دے دی بیگم نصرت بھٹو پارٹی کی سربراہ بن گئیں، تھوڑے عرصے بعد بے نظیر بھٹو اپنی والدہ کی جگہ پارٹی کی سربراہ بن گئیں، انکی ناگہانی موت کے بعد زرداری پارٹی کے سربراہ بن گئے اور انہوں نے پہلے دن ہی اعلان کر دیا تھا کہ پارٹی کا اگلا سربراہ بلاول ہوگا۔ ملوکیت کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی۔ پاکستان میں اسوقت کم و پیش دو سو کے قریب سیاسی پارٹیاں ہیں اور سب کا یہی حال ہے۔

قائدِاعظم محمد علی جناح نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ آگے چلکر پاکستان میں حقیقی جمہوریت اور اچھی سیاست کی جگہ ملوکیت ہوگی۔ یہ ملک جو جمہوری عمل کے نتیجے میں عمل میں آیا وہاں جمہوریت کا فقدان ہے۔ یہاں جب ایک جمہوری حکومت برسرِاقتدار ہوتی ہے اور عوام کی وہ درگت بنائی جاتی ہے کہ عوام جنرل کی آمد پر خوش ہوتے ہیں۔ جمہوریت کے علم بردار سب سے زیادہ ملوکیت کے رکھوالے ہوتے ہیں۔ ہمارے سیاسی رہنما سب سے زیادہ جاگیر دار طبقہ سے آتے ہیں، اور اپنی اغراض و مقاصد کو جمہوریت کا گلا گھونٹ کر پورا کرتے ہیں۔

پاکستان میں جمہوریت اور مارشلا میں صرف وردی کا فرق ہے، ورنہ دونوں کا مقصد ملوکیت ہے۔ 2013 کے انتخاب جلد ہی ہونگے، ہمیں اگلے پانچ سال کے لیے آقا کا انتخاب کرنا ہے۔ دیکھتے ہیں ہمارے جاگیردار اور سرمایہ دار سیاسی لیڈر ہمیں کون کون سے خواب دکھاتے ہیں۔ اس ملک میں وہ ہی قیادت عوام کے لیے کچھ کرئے گی جو ملک کی وفادار ہو اور جسے عوام کا احساس ہو۔ ورنہ تو شورش کاشمیری نے کہا تھا:

ہر رہنما کے لیے پرچم ہی کفن ہے - مل جائے وزارت یہی موقف ہے، یہی فن ہے
ہر دل میں سمائی ہو اپنی ہی لگن ہے - کچھ قوم سے مطلب ہے نہ کچھ فکر وطن ہے
کس جرم میں مینا و سبو بیچ رہے ہیں
رہزن ہیں شہیدوں کا لہو بیچ رہے ہیں
تولہ کی طرح کبھی ماشہ کی طرح - ہر چند گنہگار کے لاشے کی طرح
پانی کے کٹورے میں بتاشے کی طرح - جتنے بھی یہ لیڈر ہیں تماشے کی طرح
اب کس سے کہوں کون ہیں کیا ہیں؟
بازار میں بیٹھی ہوئی حیا کی طرح!

اسلام آباد میں ایک اور تحریر اسکوائر؟

مصر کی جدید سیاسی تاریخ اقتدار میں آنے والی کئی شخصیات کے عروج و زوال اور عالمی طاقتوں کی اِس خطے میں مسلسل دلچسپی کی وجہ سے بھرپور ہے۔ مصر میں شہنشاہیت کا اختتام انیس سو باون میں ہوا جب فوج کے چند افسروں نے شاہ فاروق کا تختہ الٹ دیا۔ پہلے صدر جنرل محمد نجیب اور ایک مختصر سے عرصے کے بعد جمال عبدلناصر 1954 سے 1970 میں اپنی وفات تک مصر کے دوسرے صدر رہے۔ جمال عبدلناصر کے بعد ایک اور فوجی فیلڈ مارشل انور سادات 15 اکتوبر 1970 سے 6 اکتوبر 1981 کو اپنے قتل تک مصر کے تیسرے صدر تھے۔ ستمبر 1981ء میں سادات نے اپنے مخالفین دانشوروں اور تمام نظریاتی تنظیموں کے کارکنوں کے خلاف کریک ڈاؤن کا آغاز کیا اور کمیونسٹوں، اسلام پسندوں، جامعہ کے معلّمین، صحافیوں اور طلبہ تنظیموں کے کارکنوں کو قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ اس مہم کے دوران 1600 افراد زیر حراست ہوئے جس کی عالمی سطح پر مذمت کی گئی۔ اس آپریشن کے ایک ماہ بعد 6 اکتوبر کو قاہرہ میں "یوم فتح پریڈ" کے موقع پر انور سادات کو قتل کر دیا گیا۔ انور سادات کے بعد ایر چیف مارشل محمد حسنی سید مبارک منصب صدارت پر فائز ہوئے۔ وہ ہر 6 سال بعد الیکشن کروا کر اگلے 6 سال کے لیے صدر بن جاتے تھے۔ بظاہر ایک بے ضرر شخصیت ہونے کی وجہ سے کم لوگوں کو یہ توقع تھی کہ وہ

اتنے لمبے عرصے تک برسرِ اقتدار رہیں گے۔ لیکن انہوں نے صدر سادات کے قتل کی وجہ بننے والے اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے کو عالمی سطح پر اپنی صلاحیتیں منوانے کے لیے استعمال کیا۔ یوں وہ مغربی طاقتوں کے منظور نظر بن گئے۔ انہوں نے اپنے پورے عرصۂ اقتدار میں ملک میں ہنگامی حالات کے سہارے حکومت کی جس کے تحت شہری آزادیاں سلب کر لی گئیں اور فوج اور سیکیورٹی اداروں کو وسیع اختیارات حاصل رہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی بے چینی، علاقائی سیاست میں ان کی گھٹتی ہوئی اہمیت اور تیونس میں انقلاب کے بعد جنوری 2011 میں مصری عوام میں بیداری کی ایک لہر نے جنم لیا۔ اور عوام حسنی مبارک کے خلاف سڑکوں پر نکل آئی۔ قاہرہ کا تحریر اسکوائر جمہوریت پسند لوگوں کا ٹھکانہ بن گیا۔ 11 فروری 2011 کو حسنی مبارک کے صدارتی عہدے سے مستعفی ہونے کا اعلان کیا گیا۔ اٹھارہ روزہ احتجاج میں 300 سے زیادہ افراد ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ الیکشن میں اخوان المسلمون نے کامیابی حاصل کی اور اسطرح مصر میں 62 سال بعد جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ مصری صدر ڈاکٹر مرسی کے ایک فرمان کے خلاف بھی قاہرہ کا تحریر اسکوائر ایک مرتبہ پھر احتجاج کا گڑھ بنا تھا۔

14 اگست 1947 کو پاکستان کا وجود عمل میں آیا، پہلے پاکستانی وزیراعظم لیاقت علی خان تھے۔ قائدِاعظم کی رحلت اور 1952 میں لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد پاکستانی جمہوریت لولے لنگڑے انداز میں 1958 تک چلتی رہی۔ ایوب خان ، یحی

خان، ضیاالحق اور پرویز مشرف یہ چاروں فوجی حکمراں 35 سال کے قریب اس قوم پر مسلط رہے۔ آدھا ملک ختم ہونے کے بعد ایک سویلین ذوالفقار علی بھٹو کو حکومت ملی مگر اسکو ضیاالحق نے پھانسی چڑھادیا۔ ضیاالحق کے بعد پھر مجبورا جمہوریت لانی پڑی تو پھر دو دو سال کا کھیل شروع کردیا اور پھر پرویز مشرف مسلط ہوگے۔ مجبوری سے گے تو پھر جمہوریت لوٹی۔ بھارت میں آزادی کے بعد سے آج تک کسی جنرل میں اتنی ہمت نہیں کہ حکومت پر قبضہ کرنے کی سوچے اور یہ ہی وجہ ہے کہ وہاں کا عام ووٹر اپنے ووٹ کی اہمیت کو جانتا ہے، دوسرے بھارتی سیاستدان اپنی ہار کو تسلیم کرنے کو بھی اصل جمہوریت سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جنرل خود آگے بلکہ اس کے سو فیصد قصوار ہمارے سیاستدان ہی ہیں۔ لیاقت علی خان کے بعد ہمارے ملک میں اتنی تیزی سے وزیراعظم بدلے گے کہ اُس وقت کے بھارتی وزیراعظم نے ہماری جمہوریت پسندی پر یہ کہہ کر طمانچہ مارا تھا کہ جتنی میں دھوتیاں نہیں بدلتا ہوں اس سے زیادہ پاکستان میں وزیراعظم بدل جاتے ہیں۔

موجودہ حکمراں ٹولے سے پورے ملک کے عوام پریشان ہیں، اس کے دور میں کرپشن کے عالمی ریکارڈ ٹوٹ گے ہیں، امن وامان ناپید ہوگیا ہے، ملک معاشی طور پر برباد ہوچکا ہے، دہشت گردی بے قابو ہے اور ملک کا ہر ادارہ اس حکمراں ٹولے نے برباد کردیا ہے۔ اب عوام کو امید ہوئی کہ شاید ان سے جان چھوٹ جائے گی۔

ایسے میں علامہ طاہرالقادری کی آمد اور سیاست نہیں ریاست بچاو کا نعرہ اور پھر اُس میں ترمیم۔ 23 دسمبر کے اُنکے جلسے میں ایم کیو ایم کے ایک بڑے وفد کی شرکت، پھر ایم کیو ایم کی دعوت پر کراچی آ کر ایک جلسے سے خطاب اور ایم کیو ایم جو حکومت کی اتحادی ہے علامہ کے اسلام آباد کے دھرنے میں شرکت کا اعلان۔ نہ سمجھ میں آنے والی سیاست ہے، نہ علامہ صاحب اور نہ ہی ایم کیو ایم غلط ہیں اور نہ ہی انکے مطالبے۔ علامہ صاحب کا یہ مطالبہ کہ اچھے کردار کے لوگوں کو حکومت میں آنا چاہیے اور نہ ہی ایم کیو ایم کا یہ مطالبہ کہ جاگیرداری نظام کو ختم ہونا چاہیے غلط ہیں مگر ان مطالبات کا وقت غلط ہے۔ موجودہ حکمراں ٹولہ تو چاہتا ہی یہ ہے کہ وہ پھر مظلوم بن جائے، اس لیے اپنے ایک وزیراعظم کو عدالت کے زریعے سیاسی شہید کرواچکے ہیں۔ اب اگر 14 جنوری کو یا اسکے بعد یہ لولی لنگڑی جمہوریت ختم ہوی تو لٹیروں کا یہ ٹولہ ایک مرتبہ پھر مظلوم بن جایگا اور اس ملک کے مقدر میں پھر اندھیرا ہوگا۔ کیا قائداعظم نے 23 مارچ 1940 کو قرارداد پاکستان کے منظور ہونے کے بعد یہ کہا کہ عوام نے منظوری دے دی ہے لہٰذا آج سے پاکستان بن گیا۔ انہوں نے جمہوری انداز سے یہ ملک حاصل کیا ہے، لہٰذا ہمارا انداز فکر جمہوری ہونا چاہیے۔ آج کی مت سوچیں کیونکہ سیاست ایک سائنس ہے اور سائنس کا اصول ہے تھیوری پھر پریکٹیکل پھر تھیوری اور یہ عمل بار بار کرنا پڑتا ہے پھر کہیں جاکر نتیجہ حاصل ہوتا ہے، یہ ہی آپکو مستحکم جمہوریت کے لیے کرنا پڑے گا۔

ہوسکتا ہے

اگلے الیکشن کے بعد بھی مطلوبہ نتایج نہ ملیں لیکن باربار اس عمل کو دھرانے کے بعد انشااللہ پاکستان میں جاگیردارنہ نظام بلکہ دوسرے مسائل بھی ختم ہوجاینگے۔ اس لیے علامہ طاہرالقادری اور ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کو سوچنا چاہیئے کہ وہ کس طرح جمہوریت کا تسلسل برقرار رکھ سکتے ہیں۔ انکے آج کے عمل کو آنے والا مورخ ضرور لکھے گا۔ اس لیے سوچ لیں کہ آپ اسلام آباد میں ایک اور تحریر اسکوائر بنانا چاہتے ہیں یاتاریخ میں اپنے بارے میں اچھی تحریر چاہتے ہیں۔

چیف جسٹس سپریم کورٹ سے کراچی کے ایک عام شہری کی فریاد

محترم چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان، میں کراچی کا ایک عام شہری ہوں اور ایک فریاد آپ سے کرنا چاہتا ہوں، محترم اگر آپ میری اس فریاد کو یہاں ہی پڑھ لیں تو یہ آپکا مجھ پر اور کراچی کے شہریوں پر احسان ہوگا کیونکہ موجودہ حکومت کے اس دور میں مہنگائی میں اسقدر ترقی ہوئی ہے کہ سارا کام کریڈٹ پر ہوتا ہے، اسلیے اسلام آباد آنے سے قاصر ہوں۔ سب سے پہلے میں اقرار کرتا ہوں کہ میرا کسی بھی سیاسی، مذہبی اور لسانی جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر ہر سیاسی، مذہبی اور لسانی جماعت نے مجھے خودکار انداز میں میری مادری زبان اور میرے مسلک کی بنیاد پر مجھے اپنا ممبر بنا لیا ہے۔ میں آپ کو کراچی میں ہر جگہ ملوں گا، ایک ٹھیلے والا، رکشہ والا، دفتر میں کام کرنے والا، دوکانوں پر بیٹھا ہوا غرضیکہ ہر جگہ میں ہی ہوں۔ میں اورنگی، کورنگی، پٹھان کالونی، پنجاب کالونی، لیاقت آباد، ناظم آباد غرضیکہ میں کراچی کی ہر بستی کا رہاشی ہوں۔ میں ایسا عام شہری ہوں جو روزانہ کی ہڑتالوں، لوٹ مار، بھتہ خوری، لاقانونیت، قتل وغارت گری اور دہشت گردی سے نہ صرف معاشی طور پر بلکہ ذہنی طور پر بھی دیوالیہ ہوچکا ہوں، مجھ پر ہر وقت خوف کا عالم رہتا ہے، آپ مجھے نفساتی مریض بھی کہہ سکتے ہیں۔ میرے بچے یا میں خود گھر سے باہر جاتے ہیں تو میں خوف زدہ

رہتا ہوں۔۔برداشت کسے کہتے ہیں میں بھول چکا ہوں۔اسلیے اپنی فریاد عرض کرنے سے پہلے میں اپنے شہر کا تھوڑا سا ذکر کرلوں تاکہ آپ میری فریاد کو بہتر طور سمجھ سکیں۔

میرا شہر کراچی جو کبھی روشنیوں کا شہر ہوا کرتا تھا اور جیسے منی پاکستان بھی کہا جاتا ہے امن وامان کا گہوارا ہوا کرتا تھا، نہ جانے کس کی نظر لگ گی کہ اب یہ شہر جرائم پیشہ افراد، دہشت گردوں، بھتہ خوروں، لٹیروں اور سفاک قاتلوں کے مکمل قبضہ میں ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قانون نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور پورا شہر بغیر کسی قانون کے چل رہا ہے۔ایک زمانے میں اس شہر میں گھروں کے دروازے صبح کو کھول کر رات کو سونے سے پہلے بند کیے جاتے تھے مگر آج اربوں روپے کا لوہا کھڑکیوں اور دروازوں پر خرچ ہوچکا ہے, مگراس کے باوجود زندگی خوف وہراس میں گزر رہی ہے۔ یہ شہر جو کبھی قائد اعظم کی وجہ سے پہچانا جاتا تھا اب یہ شہر دنیا بھر میں رحمان ڈکیت ،جاوید لنگڑا، فاروق دادا اور ارشد پپو وغیرہ کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ پہلے لوگ مزار قائد کو کراچی کی پہچان کہتے تھے، مگراب کٹی پہاڑی، قصبہ و بنارس، اورنگی، کورنگی، چکرا گوٹھ، لیاری وغیرہ سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ عسکری ونگز نے نوگو ایریا بنا کر اپنی اپنی حد بندیاں قائم کر رکھی ہیں اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ وہ آہنی ہاتھ کہیں نظر نہیں آتا جس کی ماضی میں کبھی دھوم تھی ،یہی

پولیس تھی جو کبھی قانون شکن عناصر کے لئے فولاد تھی مگر اب وہ بھی بے بس نظر آتی ہے۔ موجودہ حالات جن سے میرا شہر گزر رہا ہے شاید اس کی تاریخ کا بدترین دور ہے۔ انسانی جان کی کوئی حیثیت نہیں ہے ہر روز ایک عام سی بات ہوگی ہے آج دس مرگے اور آج بارہ۔ بے گناہ قتل ہونے والے کی تو شناخت ہو جاتی ہے لیکن قتل کس نے کیا یہ کبھی معلوم نہیں ہوتا۔بڑی ہی بے رحمی کے ساتھ ماؤں کے جوان بیٹے، بہنوں کے لاڈلے بھائی قتل ہورہے ہیں۔جوان سہاگنوں کے سہاگ کو اجاڑا جا رہا ہے اوران معصوم بچوں کے سروں سے باپ کا سایہ چھینا جارہا جن کو ابھی دنیا کاکچھ پتہ ہی نہیں۔ گذشتہ پچیس سال سے جاری اس قتل وغارت گری کی وجہ سے اب تک ایک اندازہ کے مطابق بیس ہزار کے قریب بے گناہ لوگ اپنی زندگی ہار چکے ہیں۔ یہ سب جو کھلے عام ہوتاہے اور جو سب کو نظر آتاہے مگر اس شہر کے نمائندوں اور افسران واہلکاروں کوہی نظر نہیں آتا، لیکن شاید ان تمام بے قاعدگیوں اور جرائم کے پیچھے سرپرست موجود ہیں جو بہت طاقتور ہیں۔ شہر کے سیاسی اور مذہبی رہنماوں کو ایک دوسرے پہ الزام لگانے سے ہی فرصت نہیں اسلیے انہیں کراچی کے حالات کی کوئی پرواہ نہیں صرف اپنی سیاست چمکانے کی فکر ہے، اگر اپنی سیاسی ضرورت ہوتی ہے تو پھر ایک آدھ اخباری بیان یا پریس کانفرنس کرلی، یا زیادہ سے زیادہ اپنی پارٹی کی طرف سے ایک آدھ مذمتی قرارداد پاس کردی۔ اس شہر کا شاید ہی کوئی خوش نصیب ہوگا کہ وہ یا اسکے گھر کا کوئی فرد لوٹ مار یا بھتہ خوری کا شکار نہ ہوا ہو،

شہری اپنی کار میں ہو، موٹر سائیکل پر ہو، بس میں سفر کررہا ہویا پیدل ہو اسکو ہر وقت اپنے لٹنے کا ڈر رہتا ہے۔عام شہری سے اگر راستے میں کوئی پتہ پوچھ لے یا کوئی اجنبی چہرہ اسکے دروازے پر آجائے تو وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے اور اسکو اپنی جان ومال کی فکر پڑجاتی ہے اور ایسا کراچی میں عام طور پر لٹیروں کا انداز ہے۔ عام طور سے اب کراچی کے شہری اور اس کے گھر والے لٹنے کے بعد خوش ہوتے ہیں کہ چلو مال ہی گیا جان تو بچ گی۔

کچھ عرصہ پہلے بغیر کسی وجہ کے شہر میں پولیو کی دوا پلانے والی چار خواتین کو ہلاک کردیا گیا جسکی وجہ سے پولیو مہم بند کردی گئی۔ یہ خواتین جو ایک مقدس فریضہ انجام دے رہی تھیں، ہماری آنے والی نسل کو محتاج اور اپاہج بننے سے بچارہی تھیں ساتھ ساتھ اپنے بچوں کے لیے تھوڑا بہت رزق حلال صرف 250 روپے روزانہ بھی کمارہی تھیں بغیر کسی وجہ کے ہلاک کردی گیں۔ اب مجھ بے بس شہری کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ اپنی بے بسی کا رونا روں یا بے حس حکمران ٹولے کی بے حسی کا ماتم کروں، آخر لوگ کب تک اپنے پیاروں کی لاشوں پر بے بسی کے آنسو روتے رہے گے۔ مگر ہمارے حکمران طبقے کی سوچ مختلف ہے، صوبے کے وزیراعلی جنکے پاس وزارت داخلہ کا چارج بھی ہے، وہ کہتے ہیں " کراچی میں امن وامان کی صورتحال اتنی خراب نہیں جس قدر میڈیا اور اخبارات میں پیش کی جارہی ہے"، گورنر صاحب کے بھی خیالات وزیراعلی جیسے ہی ہیں ۔ وفاقی وزیر

داخلہ تو جادو گر ہیں جب چاہتے ہیں، موٹر سائیکل پر ڈبل سواری اور موبائیل بند کرا کر امن وامان قایٔم کر دیتے ہیں مگر کوئی پائیدار حل انکے پاس نہیں ہے۔ صدر صاحب جب بھی اپنی ضرورت کے تحت کراچی میں ہوتے ہیں تو انکو کراچی کا درد اٹھتا ہے اور سارے ارباب اختیار کو حکم فرماتے ہیں کہ کراچی کے حالات فورا ٹھیک کرو مگر ہوتا کچھ نہیں۔ وزیر اعظم صاحب کا فرمانا ہے کہ جلد ہی حالات ٹھیک ہو جاینگے مگر کب ہونگے، گذشتہ پچیس سال سے ہر حکومت یہ ہی کہتی چلی آ رہی ہے۔

پاکستان کے دستور کے مطابق تمام شہریوں کو یکساں حقوق حاصل ہیں، ہر شہری کی جان ومال کی حفاظت مملکت کی ذمہ داری ہے۔ ہر شہری کو انصاف مہیا کرنا اور قانون پر عمل کروانا بھی مملکت کی ہی ذمہ داری ہے۔ مگر افسوس میرے شہر میں جان ومال لٹیروں اور سفاک قاتلوں کے اختیار میں ہے۔ جان ومال کی حفاظت ایسے ہی ہے جیسے کسی ہوٹل کے مسافر کا سامان، جہاں ہوٹل انتظامہ کی جانب سے ایک نوٹس میں لکھا ہوتا ہے کہ اپنے سامان کی خود حفاظت کریں انتظامیہ کسی بھی نقصان کی ذمہ دار نہیں ہوگی۔اسی طرح کسی لکھے ہوئے نوٹس کے بغیر کراچی کا ہر شہری جانتا ہے کہ اُسکے جان ومال کی ذمہ داری خود اُس پر ہے، مملکت کسی بھی شہری کے نقصان کی ذمہ دار نہیں ہے۔ قانون کسی بھی مجرم کو پکڑنے کا ذمیدار نہیں، حقوق صرف حکمرانوں کے لیے ہیں اور انصاف اول تو ملتا ہی نہیں اور اگر

کوشش کی جائے تو بہت مہنگا ہے۔ اسکا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہوا کراچی کے عام شہری کو نہ تو پاکستان کے دستور سے اور نہ ہی قانون سے کوئی فائدہ نہیں۔ انصاف کی بھی امید نہیں تو پھر میں کیا کروں۔ میں مملکت کا باغی بھی نہیں کہ حبیب جالب کی طرح کہوں:
ایسے دستور کو، صبح بے نور کو۔ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ کسی فوجی آمر کی حکومت ہو یا پھر جمہوری حکومت ہو، ہر دور میں ہمیں ہی جان ومال سے محروم ہونا پڑ رہا ہے۔

ہم کراچی کے شہریوں کو اس دستور، قانون اور انصاف سے آزاد کردیں کیونکہ اس سے ہمیں سوائے نقصان کے کچھ نہیں ملا۔ سنا ہے کہ جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے، لگتا ہے ہمارے لیے اس سے بہتر کوئی دستور نہیں ہوگا کیونکہ پھر جنگل کے دستور کے مطابق جب بھی ہمیں جان ومال کا خطرہ ہوگا ہم اپنی مادری زبان اور اپنے مسلک کو بھول کر ایک دوسرے کی مدد کرینگے۔ اس لیے کہ جنگل کا قانون کہتا ہے: "جب وہاں کوئی طوفان آجائے، کوئی پل ٹوٹ جائے۔ تو لکڑی کے کسی تختے پر گلہری، سانپ، بکری اور چیتا ساتھ ہوتے ہیں"۔ اس لیے آپ سے فریاد ہے:

خُداوندا، جلیل و معتبر، دانا و بینا، منصف واکبر
میرے اِس شہر میں اب جنگلوں کا ہی کوئی قانون نافذ کر
سُنا ہے جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے۔

الطاف حسین کا سیاسی ڈرون حملہ۔ پرزے ناکارہ نکلے

سب سے پہلے میں 9 جنوری کی رات سے 10 جنوری تک کراچی، کوئٹہ اور سوات میں ہونے والے پانچ بم دھماکوں میں سو سے زیادہ افراد کی شہادت پر افسوس کا اظہار کرتا ہوں اور آپ سب کے ساتھ دعاگو ہوں اللہ تعالی شہادت پانے والوں کے لواحقین کو صبر عطا فرمائے اور ہمارے وطن پر اللہ تعالی اپنا رحم فرمائے۔

انیس سو اسی سے پینٹاگون اور سی آئی اے ایک بغیر پائلٹ کے جاسوسی جہاز بنانے کے تجربات کر رہے تھے مگر انیس سو نوے میں سی اے آئی کو ابراہم کیرم کے بنائے ہوئے ڈرون میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ ابراہم کیرم اسرائیلی فضائیہ کا چیف ڈیزائنر تھا جو بعد میں امریکہ منتقل ہو گیا۔ ڈرون انیس سو نوے کی دہائی میں مختلف تجرباتی مراحل سے گزرتا رہا اور انیس سو پچانوے میں پہلی مرتبہ اسے بالکان میں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ابتداء میں بغیر پائلٹ کے جہاز کو دشمن کے علاقے میں فضائی جاسوسی یا نگرانی کرنے کے مقصد سے بنایا گیا تھا لیکن بعد میں اس پر اے جی ایم ہیل فائر میزائل بھی نصب کر دیئے گئے۔ ڈرون صرف ایک جہاز ہی نہیں بلکہ یہ ایک پورا نظام ہے۔ اس پورے نظام میں چار جہاز، ایک زمینی کنٹرول سٹیشن اور اس کو سیٹلائٹ سے منسلک

کرنے والا حصہ ہوتا ہے۔ انیس سو پچانوے سے امریکی فوج کے زیر استعمال یہ ڈرون افغانستان اور پاکستان کے قبائلی علاقوں سے پہلے بوسنیا، سربیا، عراق اور یمن میں بھی استعمال کیئے جا چکے ہیں۔ اب بھی یمن، افغانستان اور پاکستان میں ڈرون حملے عام ہیں۔ جن میں سے پاکستان کو سب سے زیادہ ڈرون حملوں کا سامنا ہے۔

متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے اب سے پانچ روز قبل کہا تھا کہ اگلے 72 گھنٹوں کے دوران سیاسی ڈرون حملہ کروں گا۔ بعد میں انہوں نے یہ کہہ کر دو دن کا اور اضافہ کر دیا کہ پرزے تلاش کرنے ہیں ۔ بہرحال انکے اعلان کے بعد پاکستان بھر میں قیاس آرایئاں شروع ہو گیں ۔ معاشی اور سیاسی طور پر بدحال پاکستان اور پاکستانی عوام ایک طرف علامہ طاہرالقادری کے بیانات اور اشتہارات تو دوسری طرف الطاف حسین کے ڈرون کے انتظار میں اور زیادہ معاشی اور سیاسی طور پر بدحالی کا شکار ہو گئے۔

علامہ طاہرالقادری کے بیانات اور اشتہارات تو بارہ جنوری تک چلیں گے اور چودہ جنوری کو تحریر اسکوائر کا نتیجہ آ جائیگا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ " ڈرون صرف ایک جہاز ہی نہیں بلکہ یہ ایک پورا نظام ہے۔ اس پورے نظام میں چار جہاز، ایک زمینی کنٹرول سٹیشن اور اس کو سیٹلائٹ سے منسلک کرنے والا حصہ ہوتا ہے"۔ الطاف حسین ایک سیاسی پارٹی کے سربراہ ہیں اور پارٹی کا ایک نظام ہے، انہوں نے

ڈرون سائنس کا پورا استعمال کیا، چار سیاسی پرزے، ایک زمینی کنٹرول سٹیشن یعنی رابطہ کمیٹی اور سیٹلائٹ کو استمال کرتے ہوئے فون کے زریعے دس جنوری کی شام ایک سیاسی ڈرون حملہ کیا۔ انکے ڈرون حملوں میں جو پرزے وہ تلاش کرکے لائے وہ کچھ اسطرح سے تھے۔

چودہ جنوری کو اسلام آباد میں عوامی لانگ مارچ میں ہر قیمت پر شرکت کریں گے ۔١

پاکستان میں بلدیاتی اداروں کے بغیر جمہوریت فراڈ کے سوا کچھ نہیں ہے ۔٢

ایم کیوایم ، سندھ کی تقسیم نہیں چاہتی الہذا اردو بولنے والے سندھیوں کو دیوار سے ۔٣ نہ لگایا جائے

ایم کیوایم جاگیردارانہ نظام کے خلاف ہے ۔٤

اپنے ڈرون حملے کے آخر میں الطاف حسین نے کہا "آخر میں، میں ان دعاؤں کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ پاکستان پر اپنا رحم وکرم فرمائے۔ اور عوام میرے بیان کردہ آج کے اس مقدمے کو جسے میں نے سیاسی ڈرون دھماکے سے تعبیر کیا اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرکے اپنے ضمیر کے مطابق فیصلہ کریں کہ میں کہاں تک درست ہوں۔اور کہاں تک غلط"۔ آیئے اس ڈرون حملہ کے پرزوں کو سیاسی طور پر چیک کریں کہ یہ پرزے کہیں ناکارہ تو نہیں تھے۔ بقول الطاف حسین ہم پہلی کلاس کی سیاسی تاریخ کے طالبعلم تو بن سکتے ہیں یا یوں سمجھیے کہ ہم کسی استاد

کاریگر کے چھوٹے ہیں۔

الطاف حسین نے اپنے پہلے پرزے "چودہ جنوری کو اسلام آباد میں عوامی لانگ مارچ میں ہر قیمت پر شرکت کریں گے" کا استعمال یہ کہہ کر کیا" علامہ طاہر القادری کے لانگ مارچ میں چند روز باقی ہیں، ان جائز مطالبات کی ایم کیوایم نے نہ صرف حمایت کی بلکہ ساتھ دینے کا بھی اعلان کیا ہے۔ انشاء اللہ ایم کیوایم چودہ جنوری کو اسلام آباد میں عوامی لانگ مارچ میں ہر قیمت پر شرکت کرے گی۔ ایم کیوایم کی شرکت پر اعتراضات کیے جاتے ہیں کہ ایم کیوایم حکومت کی اتحادی ہے اور لانگ مارچ میں شرکت بھی کررہی ہے تو لانگ مارچ میں شرکت کا اعتراض صرف ایم کیوایم پر کیوں کیا جاتا ہے کیا موجودہ حکومت سمیت تمام سیاسی ومذہبی جماعتوں نے لانگ مارچ نہیں کیے ؟جب کوئی جماعت کسی حکومتی جماعت سے اتحاد کرتی ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ حکومت کے ناجائز مطالبے تسلیم کرے۔حکومت بسااوقات ایسے اقدامات کرتی ہے جو اس کی اتحادی جماعت کو پسند نہیں آتے"۔

محترم الطاف حسین صاحب ایم کیوایم یا کسی بھی سیاسی جماعت کو جمہوری اور آئینی طور پر یہ پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ حکومت کے خلاف ضرور لانگ مارچ کرے لیکن اگر آپ بینظیر بھٹو یا نواز شریف کے لانگ مارچ کو مثال بناتے ہیں

تو یہ مناسب نہ ہوگا، کیونکہ یہ دونوں لیڈر لانگ مارچ کے وقت حکومت مخالف لیڈر رتھے، حکومت کے اتحادی نہیں تھے، ان کی جماعت کا کوئی بھی رکن وزیر یا حکومتی عہدے دار نہیں تھا۔ جبکہ آپکی جماعت نہ صرف حکومت کی اتحادی ہے بلکہ آپکی جماعت کے رکن وزیر بھی ہیں۔ پڑوسی ملک ہندوستان میں بھی اتحادی حکومت ہے اور وہاں بھی چھوٹی جماعتوں کو شکایات ہوئی لیکن ان جماعتوں نے پہلے اپنے آپ کو حکومت سے علیدہ کیا پھر احتجاج کیا۔ پاکستان میں نواب زادہ نصراللہ خاں کو بابائے احتجاج کہا جاتا تھا، ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ اگر حکومت میں ہوں تو اس کے خلاف بھی احتجاج کریں مگر ایک مرتبہ جب وہ بینظیر بھٹو حکومت میں تھے تو انہوں نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ کہیں نادانستہ طور پر آپ کا لانگ مارچ موجودہ حکمراں ٹولے کو نئی زندگی نہ دے بیٹھے ۔ موجودہ حکمراں ٹولہ تو چاہتا ہی یہ ہے کہ وہ پھر مظلوم بن جائے، اس لیے اپنے ایک وزیراعظم کو عدالت کے زریعے سیاسی شہید کرواچکے ہیں۔ اب اگر چودہ جنوری کو یا اسکے بعد یہ لولی لنگڑی جمہوریت ختم ہوی تو لٹیروں کا یہ ٹولہ ایک مرتبہ پھر مظلوم بن جایگا اور اس ملک کے مقدر میں پھر اندھیرا ہوگا۔ بہرحال آپکا یہ احتجاج تاریخی اور سیاسی طور پر غلط ہوگا۔

الطاف حسین نے اپنے دوسرے پرزے " پاکستان میں بلدیاتی اداروں کے بغیر جمہوریت فراڈ کے سوا کچھ نہیں ہے" کا استعمال یہ کہہ کر کیا "جمہوریت کے

بلند وبانگ دعوے کرنے والی جماعتیں جمہوریت کی نرسری لوکل باڈیز کے انتخابات کی حمایت نہیں کرتی، میں جمہوریت کے دعویداروں سے پوچھتا ہوں کہ جمہوریت کی پرائمری ادارے لوکل باڈیز کا خاتمہ کیوں کیا گیا؟انہوں نے کہا کہ پاکستان میں بلدیاتی اداروں کے بغیر جمہوریت فراڈ کے سوا کچھ نہیں ہے، جہاں لوکل باڈیز نہیں ہوں وہاں سینٹ، قومی وصوبائی اسمبلی کے ایوان ملک وقوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ۔یہ انتہائی تلخ حقیقت اور بدقسمتی ہے کہ پاکستان میں گلی گلی جمہوریت کے نظام یعنی بلدیاتی نظام کو سول حکومتوں کے دور کے بجائے صرف فوجی حکومتوں میں پہنچایا گیا"۔

محترم الطاف حسین صاحب آپکی یہ بات سو فیصد درست ہے۔ جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں آجتک جتنے بھی بلدیاتی انتخابات ہوئے ہیں وہ فوجی حکومت کے دور میں ہی ہوئے ہیں۔سیاستدان ہمیشہ بلدیاتی انتخابات سے بھاگتے ہیں جبکہ فوجی حکومت اپنے لیے بلدیاتی انتخابات کو آب حیات سمجھتی ہیں۔ایم کیو ایم کے سید مصطفیٰ کمال 2005 میں کراچی کے دوسرے ناظم بنے۔ نوجوان مصطفیٰ کمال نے وہ کمال کر دیکھایا جس کا کراچی میں رہنے والا کوئی باشندہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کا دور کراچی کی ترقی میں ایک سنہری دور کے نام سے یاد رکھا جائے گا۔ جس ملک میں لوگ کسی کام کے ہونے کا خواب دیکھتے ہوں، وہاں لوگوں نے ایک معجزہ دیکھا، کراچی صرف چند سال کیا سے کیا ہوگیا۔ اس بات کو

تقویت جب اور ملی جب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے کام کیسے ہوتا ہے کے لیے اس کی مثال کے طور پر کراچی کے کام کا حوالہ دیا تھا۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان کی کوئی بھی صوبائی حکومت بلدیاتی نظام کو واپس لانا نہیں چاہتی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ صوبائی اسمبلی سے پاس شدہ بل پر اب تک عمل نہیں ہو سکا۔ اور جب آپنے اسلام آباد لانگ مارچ کا اعلان کیا تو صوبائی وزیر بلدیات نے اس بل پر عمل نہ کرنے کا اعلان تک کرڈالا۔ ویسے بھی اگر اس سال عام انتخابات ہوتے ہیں تو بلدیاتی انتخابات شاید اگلی حکومت ہی کرائے۔ اسلیے اب جبکہ آپ لانگ مارچ کر رہے ہیں اور علامہ طاہر القادری کے مطالبات میں بلدیاتی انتخابات کا مطالبہ شامل نہیں ہے، آپکا یہ کہنا پاکستان میں بلدیاتی اداروں کے بغیر جمہوریت فراڈ کے سوا کچھ نہیں ہے" حکمراں" ٹولے پر اثرانداز نہ ہوسکے گا۔

الطاف حسین نے اپنے تیسرے پرزے " ایم کیوایم ، سندھ کی تقسیم نہیں چاہتی لہذا اردو بولنے والے سندھیوں کو دیوار سے نہ لگایا جائے" " کا استمال یہ کہہ کر کیا " پیپلزپارٹی والے کہتے ہیں کہ لوکل باڈی کے نظام سے سندھی قوم پرست ناراض ہوجائیں گے تو میرا ان سے سوال ہے کیا ہم سندھی نہیں ہیں ؟انہیں اردو بولنے والے سندھیوں کی ناراضگی کا خیال کیوں نہیں آتا۔جناب الطاف حسین نے کہاکہ ایم کیوایم یہ دھونس دھمکی اس لئے برداشت کررہی ہے کہ ہم سندھ کی

تقسیم نہیں چاہتے لیکن حکومت کو چاہئے کہ وہ اردو بولنے والے سندھیوں کو دیوار سے لگانے کا عمل بند کردے۔اگر اردو بولنے والے سندھی قوم پرست ناراض ہوگئے تو بات صرف لوکل باڈیز تک محدود نہیں رہے گی اور وہ مجبوراً سندھ کی تقسیم کا نعرہ لگانے پر مجبور ہوجائیں گے۔

محترم الطاف حسین صاحب آپکا یہ کہنا کہ " اگر اردو بولنے والے سندھی قوم پرست ناراض ہوگئے تو بات صرف لوکل باڈیز تک محدود نہیں رہے گی اور وہ مجبوراً سندھ کی تقسیم کا نعرہ لگانے پر مجبور ہوجائیں گے "۔ دراصل بلدیاتی نظام کے سلسے کی ہی ایک کڑی ہے اور اس سلسلے میں آپکے حکمراں اتحادی آپ سے کھیل رہے ہیں۔آپ لانگ مارچ کررہے ہیں اور علامہ طاہرالقادری کے مطالبات میں یہ مطالبہ بھی ہرگز شامل نہیں ہے کہ "اردو بولنے والے سندھیوں کو دیوار سے نہ لگایا جائے "۔ اس لیے آپکے حکمراں اتحادی بجائے پریشان ہونے کے خوش ہونگے کہ آپکے اس بیان کے بعد لازمی وہ سندھی قوم پرستوں سے اچھی سودے بازی کرسکیں گے اور دوسری طرف آپکے خلاف پروپگنڈہ کرکے ایم کیوایم کو ایک سندھ دشمن جماعت ظاہر کرینگے۔اور یہ بات سیاسی طور پر ایم کیوایم کے لیے نقصان دہ ہوگی۔

الطاف حسین نے اپنے چوتھے پرزئے " ایم کیوایم جاگیردارانہ نظام کے خلاف ہے " کا استعمال یہ کہہ کر کیا "ایم کیوایم ، جمہوریت کی روح کے مطابق ملک میں

جمہوریت کا نفاذ چاہتی ہے۔ بہت سے لوگ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ ایم کیوایم جاگیردارانہ نظام کے خلاف ہے لیکن اسمبلیوں میں جاگیرداروں اور وڈیروں کے ساتھ بھی بیٹھی ہے تو ایک راستہ یہ ہے کہ ہم اپوزیشن میں بیٹھیں اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم حکومت کی حلیف جماعت بن کر اپنے پیغام اور نظریہ کو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلائیں۔ الطاف حسین نے کہا کہ اسلام آباد کے لانگ مارچ پر تنقید کرنے والے کہتے ہیں کہ لانگ مارچ سے جمہوریت کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے، وقت پر الیکشن ہونے دیا جائے اور جو جماعت کامیاب ہو اسے حکومت بنانے دی جائے لیکن یہ ناقدین یہ بھول جاتے ہیں کہ اس فرسودہ جاگیردارانہ نظام میں جو بھی جماعت کامیاب ہوگی وہ اسی فرسودہ نظام کے تحت ہی کام کرے گی"۔

محترم الطاف حسین صاحب آپکا یہ کہنا کہ " اس فرسودہ جاگیردارانہ نظام میں جو بھی جماعت کامیاب ہوگی وہ اسی فرسودہ نظام کے تحت ہی کام کرے گی"، تو پھر آپکو ایک منٹ بھی ان کے اتحادی کے طور پر نہیں رہنا چاہیے۔ آپکی جماعت کے علاوہ پیپلزپارٹی، مسلم لیگ ق اور اے این پی میں اسی فرسودہ نظام کے حامی ہیں۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے یہ جماعتیں لبالب بھری ہوئی ہیں۔ پاکستان کا حکمراں طبقہ جو صرف پاکستان کا پانچ فیصد ہے، جاگیردار اور سرمایہ دار ہیں، دونوں عوام کا خون چوستے ہیں اور جمہوریت کے نام پر ملوکیت

قایم رکھتے ہیں۔ ایک طرف آپ کہتے ہیں کہ آپ اقتدار کے بھوکے نہیں ہیں مگر دوسری طرف آپکی جماعت کے گورنر اپنے دس سال پورے کر چکے اور وہ بھی ملوکیت میں۔ اگر ایم کیوایم ، جمہوریت کی روح کے مطابق ملک میں جمہوریت کا نفاذ چاہتی ہے تو سب سے پہلے اُسے ملوکیت کو ختم کرنا ہوگا۔ آصف زرداری نے بلاول کو ہمارا اگلا حکمراں بنادیا ہے، اس سے بڑی ملوکیت کی مثال اور کیا ہوگی۔ جدید سیاسی تاریخ میں نیلسن مینڈیلا ایک مثال ہے جو 28 سال تک قید میں تو رہے مگر اپنے نظریے سے ایک دن بھی انحراف نہیں کیا۔

الطاف حسین کے ڈرون حملے میں ان کے چاروں پرزئے اس وقت تو ناکارہ ہیں ۔ایک خبر کے مطابق علامہ طاہر القادری نے کہا ہے کہ قانون کی حکمرانی کیلئے جان دینے کو تیار ہوں، لانگ مارچ نہیں رکے گا،انتخابی اصلاحات کیلئے حکومت کو دی گئی ڈیڈ لائن آج ختم ہونے کے بعد لانگ مارچ سمیت آئندہ کی حکمت عملی کا اعلان کروں گا۔ طاہر القادری نے مزید کہا کہ ہم قوم کو کسی بھی صورت مایوس نہیں کریں گے بلکہ انتخابی اصلاحات، ملک کی بقاء و سلامتی اور ترقی کے لئے ہر قسم کی قربانی دیں گے۔ ایک مشترکہ بیان میں کہا گیا ہے کہ ایم کیوایم اور منہاج القرآن کا لانگ مارچ مسلم لیگ ن اور پیپلزپارٹی یا کسی اور جماعت کیخلاف نہیں بلکہ کرپٹ نظام کیخلاف ہے اور ایم کیو ایم پہلے بھی حکومت کی اتحادی تھی اور آج بھی ہے۔

عجب ہے تیری سیاست، عجب ہے تیرا نظام
حسین سے بھی مراسم، یزید کو بھی سلام

الطاف حسین کا قائداعظم پر تاریخی اور سیاسی ڈرون حملہ

برطانیہ میں ہونے والا سب سے ہائی پروفائل سیاسی قتل برصغیر کے آخری برطانوی گورنر جنرل لارڈ ماونٹ بیٹن کا تھا۔ انہیں 1979 میں آئرش ری پبلکن آرمی نے ان کی کشتی میں نصب بم کا دھماکہ کرکے ہلاک کیا۔ لارڈ ماونٹ بیٹن، قائداعظم کا بدترین دشمن تھا۔ حملے سے صرف پانچ روز قبل لارڈ ماونٹ بیٹن نے بی بی سی کو اپنی زندگی کا آخری انٹرویو دیتے ہوئے کہا: "لیڈی ماونٹ بیٹن وفات پا کر یسوع مسیح کے پاس پہنچ چکی ہیں، میں بھی بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا آخری وقت اب دور نہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اب سچ بولوں۔ میں نے دنیا کے اکثر و بیشتر حاکموں اور سیاستدانوں کو دیکھا مگر میں نے مسٹر جناح جیسا کھرا اور راست رو کسی کو نہیں پایا۔ مسٹر جناح بہت ہی ذہین شخص تھے۔ ہم نے اگر کبھی چاہا کہ کوئی لفظی کھیل کھیل کر، یہ یا وہ نکتہ لپیٹ کر پیش کردیں تو ان کی نظر فوراً اسی نکتے پر پڑتی تھی جسے ہم چھپانا چاہتے تھے۔ مجھے اپنی انگریزی زبان پر ناز تھا۔ مسٹر جناح کی مادری زبان انگریزی نہ تھی لیکن اس کے باوجود اعتراف کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے انگریزی زبان میں شکست دی۔ لارڈ ماونٹ بیٹن نے بتایا کہ اگر مسٹر جناح کسی بات پر نہیں کہتے یا ہاں کہتے تو اسکو بدلوایا نہیں جا سکتا تھا کیونکہ ان کے نہیں اور ہاں مدلل دلائل کے ساتھ ہوتے تھے۔

تقسیم ہند ایک بہت بڑا مسئلہ تھا، ہم تقسیم نہیں چاہتے تھے مگر حالات نے وہاں لا کھڑا کر دیا۔ ایک شخص واحد کی جنبش سر پر فیصلے کا انحصار تھا۔ وہ برعظیم کو متحد رکھنے کے حق میں سر کو جنبش دے دیتا تو برعظیم متحد رہتا لیکن اس نے تقسیم کے حق میں سر کو جنبش دی، لہذا تقسیم کے سوا چارہ نہیں تھا۔ "

جب ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کا سورج غروب ہونے کو تھا۔ ہندوستانی مسئلے کا منطقی حل قریب نظر آ رہا تھا۔ لارڈ ماونٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے بنا کر بھیجا گیا۔ مسلم لیگ اور کانگریس کا موقف جاننے کے بعد وائسرائے نے اپنی طرف سے ایک Dominion Status کی حامل دو منصوبے کا بلیو پرنٹ تیار کر لیا۔ ہندوستان میں ریاستوں کا قیام اس منصوبے کا سب سے اہم ترین مقصد تھا۔ 3 جون 1947ء کو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اصولی طور پر اس منصوبے کو منظور کر لیا۔ اسی روز شام کو آل انڈیا ریڈیو پر لارڈ ماونٹ بیٹن نے پاکستان اور ہندوستان کے نام سے دو آزاد مملکت کا برطانوی شہنشاہ جارج ششم گورنمنٹ کی طرف سے اعلان کیا۔ اس سے پہلے ہندوں کے رہنما گاندی جی نے قائد اعظم محمد علی جناح کو آزاد ہندوستان کا پہلا وزیر اعظم بنانے کی پیشکش بھی کی تھی۔ قائد اعظم نے صاف الفاظ میں اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔ 14 اگست 1947 تک پاکستان برطانوی ہندیا برٹش انڈیا کا حصہ تھالہٰذا عوام پر

برطانوی قانون لاگو ہوتا تھا۔

متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے اپنے 10 جنوری کے سیاسی ڈرون حملہ میں قائداعظم محمد علی جناح پر تاریخی اور سیاسی حملہ کیا۔ الطاف حسین نے کہا کہ " قائد اعظم محمد علی جناح سلطنت برطانیہ کے وفادار تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 15اگست 1947ء کو جو حلف اٹھایا تھا اس کے الفاظ بیان کرنے سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ یہ حلف قائداعظم سے لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر عبدالرشید نے انگریزی زبان میں لیا تھا"۔ حلف کے الفاظ کا اردو ترجمہ یہ ہے: ’’میں محمد علی جناح، قانون کے مطابق قائم ہونے والے پاکستان کے دستور سے سچی عقیدت اور وفاداری کا عہد مصمم کرتا ہوں اور میں عہد کرتا ہوں کہ میں پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے شہنشاہ معظم جارج ششم اور ان کے ولی عہدوں اور جانشینوں کا وفادار رہوں گا۔‘‘ یہ تاریخ کا ایسا سچ ہے جس سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ الطاف حسین نے دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ثابت کردیں گے کہ قائداعظم کے پاس برطانوی پاسپورٹ تھا۔ پاکستان کے 99 فیصد عوام کو تاریخ سے آگاہ ہی نہیں اور آج بہت سارے لوگوں کو یہ تک نہیں معلوم کہ بنگلہ دیش کب بنا۔

یہ بات نہ قابل سمجھ ہے کہ الطاف حسین کو قائداعظم محمد علی جناح سے کیا

تکلیف ہے۔ ایسا پہلی مرتبہ نہیں کہ الطاف حسین نے قائداعظم کے متعلق بیان دیا ہو۔اب سے کچھ عرصے پہلے بھی وہ قائداعظم کو سیکولر بنا چکے ہیں۔ اس سے قبل ہندوستانی دورے میں الطاف حسین پاکستان کی نفی کر چکے ہیں، چند سال قبل دہلی میں الطاف حسین نے کھلے عام لفظوں میں ہندوستان کی بیوروکریسی سے التجا کی تھی کہ کراچی میں ''مہاجروں'' کیلئے بارڈر کھول دیا جائے تاکہ وہ سب اپنے گھروں میں واپس لوٹ آئیں۔ الطاف حسین کے متنازعہ بیانات سے نہ صرف ایک محبِ وطن پاکستانی کو دکھ ہوتا ہے بلکہ انکی اپنی سیاسی جماعت کو بھی نقصان ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر ان لوگوں کو دکھ ہوتا ہے جن کے بزرگوں نے قائداعظم کی آواز پر لبیک کہا اور پاکستان ہجرت کی۔ الطاف حسین کہتے ہیں کہ 99 فیصد عوام کو تاریخ سے آگاہی نہیں جبکہ وہ خود تاریخ سے نابلد نظر آتے ہیں۔ یہ سیدھی سی بات ہے کہ قائداعظم کو برٹش انڈیا کے وقت جو پاسپورٹ جاری ہوا تھا وہ برطانوی پاسپورٹ تھا، لازمی بات ہے کہ پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے قائداعظم سفر کرتے رہے ہیں۔ جہاں تک بات رہی 15 اگست 1947 کو جو حلف قائداعظم اٹھایا تھا تو وہی حلف ہندوستان کے گورنر جنرل نے اٹھایا تھا کیونکہ یہ دونوں ملک تاج برطانیہ کے حکم پر ہی عمل میں آئے تھے اور اس وقت تاج برطانیہ کا آئین ہی تھا۔ لیکن الطاف حسین نے برطانوی شہریت کے لیے جو حلف اٹھایا ہے اس میں الطاف حسین نے یہ حلف بھی دیا ہے کہ وہ برطانیہ کے لیے ہتھیار بھی اٹھائینگے۔ پاکستان کا پہلا آئین 1956 میں بنا اور اسکے ساتھ

ہی تاج برطانیہ کا آئین ختم ہوگیا۔ الطاف حسین کو شاید یہ بات نہیں معلوم کہ لارڈ ماونٹ بیٹن کی یہ خواہش تھی وہ پاکستان اور ہندوستان دونوں کا گورنر جنرل بنے، ہندو رہنماوں نے اس بات کو مانا لیکن قائداعظم نے اس بات کو رد کردیا۔ یہ ہی وجہ ہے لارڈ ماونٹ بیٹن، قائداعظم کا بدترین دشمن تھا۔

آج ایک مخصوص گروہ یہ ثابت کرنے کی بار بار کوشش میں لگا ہوا ہے کہ قائداعظم انگریزی سامراج کے وفادار تھے دراصل یہ وہی الزام ہے جو پاکستان کی تحریک کے وقت کانگریس قائداعظم پر لگایا کرتی تھی۔ بھارتیہ جنتا پارٹی یا جن سنگھ ازل سے مسلمانوں کی سخت ترین دشمن رہی ہے اور اُس کی مسلم دشمنی کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں۔ اس کے ایک رکن اور بھارت کے سابق وزیر خارجہ جسونت سنگھ نے اپنی کتاب جناح، بھارت، تقسیم، آزادی' میں لکھا ہے کہ ہندوپاک میں محمد علی جناح سے بڑھ کر سامراج دشمن اور کوئی نہیں دیکھا۔ جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی نے اپنے سینئر رہنما اور سابق وزیر خارجہ جسونت سنگھ کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح پر ایک کتاب لکھنے کی بنا پر ان کی پارٹی رکنیت ختم کردی ہے۔ بھارت کے سابق ڈپٹی وزیراعظم اور بی جے پی کے صدر ایل کے اڈوانی نے دو ہزار پانچ میں کراچی میں قائداعظم کے مزار پر حاضری دینے کے بعد کہا تھا کہ جناح ان شخصیات میں سے ہیں جو نہ صرف سیکولر تھے بلکہ

انھوں نے اپنے ہاتھوں تاریخ بنائی۔ بھارتی اکھنڈتا کا پرچم اٹھانے والی آر ایس ایس کی جانب سے تو اڈوانی کے جو درگت بنی وہ اپنی جگہ لیکن سیکولر کانگریس بھی اڈوانی کی ذاتی رائے کو برداشت نہ کر سکی اور اسکے ترجمان نے جناح کو سیکولر قرار دینے کے اڈوانی کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اب اڈوانی کو یہ بھی بتانا چاہیے کہ انکے نزدیک سیکولر کے معنی کیا ہیں؟ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائداعظم کو ان کے کٹر دشمن بھی انکو سامراج دشمن مانتے ہیں اور وہ قائداعظم کو ایک سیکولر بھی نہیں مانتے ورنہ سیکولر کانگریس کا ترجمان اڈوانی سے یہ سوال کبھی بھی نہ کرتا کہ انکے نزدیک سیکولر کے معنی کیا ہیں؟

الطاف حسین نے اپنے 10 جنوری کے سیاسی ڈرون حملہ میں قائداعظم محمد علی جناح پر جوتاریخی اور سیاسی حملہ کیااس سے نہ توالطاف حسین کو اور نہ ہی انکی جماعت کو کوئی فائدہ ہوا بلکہ ان کی تقریر کو پورے پاکستان میں حدف تنقید بنایا جارہا ہے۔ الطاف حسین کی تقریر خالی انکے جلسے میں بیٹھے ہوے لوگ ہی نہیں سن رہے تھے بلکہ پورے ملک میں سنی جارہی تھی اور پاکستان میں ابھی ممتاز مورخ ڈاکٹر صفدر محمود اور ان جیسے لوگ موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے اس سلسے میں بات ہوئی توانھوں نے فرمایا ہے کہ عنقریب وہ اس حوالے سے لکھیں گے، ڈاکٹر صاحب الطاف حسین کی تقریر پر افسوس کا اظہار کررہے تھے۔

الطاف حسین کو چاہیے کہ وہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب "جہد وجہد پاکستان" ضرور پڑھیں تاکہ ان کو پاکستان اور قائدِ اعظم کے بارے میں حقیقی معلومات مل سکیں۔ وہ ڈاکٹر صفدر محمود کے اگر کالم ہی پڑھ لیا کریں تب بھی وہ بہت کچھ حاصل کر لینگے۔ لگتا ہے 99 فیصد تاریخ سے نابلد لوگوں میں الطاف حسین سرفہرست ہیں۔

الطاف حسین کا سیاسی ڈرون حملہ اور دہری شہریت

اکتوبر2012 میں میں نے ایک مضمون دہری شہریت کے نام سے لکھا تھا اسکا پہلا پیراگراف کچھ یوں تھا:

"اب سے کوئی پانچ سال پہلے پی آئی اے کی پرواز جو جدہ جارہی تھی میں بھی اُس میں سفر کررہا تھا۔ پرواز کے ایک گھنٹے بعد ایرہوسٹس نے کھانا دینا شروع کیا اور جب وہ میرے برابر والے صاب کے کھانے کی میز کھولنے لگی تو اُن صاب نے ایرہوسٹس کو بتایا کہ وہ کھانا نہیں کھاینگے اور وہ دل کے مریض ہیں اور اِس وقت اُن کی طبیت بہت خراب ہورہی ہے، ایرہوسٹس نے اپنے سپروائزر کو اطلاع کری وہ صاب میڈیکل میں اچھی معلومات رکھتے تھے، باتوں سے پتہ چلا کہ وہ اپنے گاؤں سے تین دن پہلے کراچی آگے تھے اور ڈاکٹر کو دکھایا تھا اور ڈاکٹر نے اُن کو کچھ ٹیسٹ بتاے تھے مگر پیسے نہ ہونے کی وجہ سے وہ جہاز میں بیٹھ گے۔ سعودی عرب کے ایک شہر قسیم میں ایک بقالہ میں 1200 ریال یعنی 40 ریال روزانہ پر کام کرتے ہیں یا تھے۔ ہر ماہ 1200 ریال میں سے 1100 ریال پاکستان بھیج رہے تھے۔ یہ صاحب صرف پاکستانی تھے اور سعودی عرب میں تھے اور اُنکو دہری شہریت کا بخار بلکل نہیں تھا۔ یاد رہے سعودی عرب وہ ملک ہے جہاں سب سے زیادہ پاکستانی تارکین وطن کام کرتے ہیں اور جہاں تک باہر سے رقوم بھیجنے کا معاملہ ہے تو سعودی عرب میں مقیم پاکستانی تارکین سرفہرست ہیں۔

گذشتہ سال کل آنے والی رقم 10.2 ارب ڈالر میں سے سعودی عرب سے
ملین ڈالر (27.5فیصد)، امریکا سے 1922.4 ملین ڈالر (17.7 فیصد)، 2987.9
.برطانیہ سے صرف 1263.7 ملین ڈالر (11.6فیصد) ہے۔ مشرق وسطی، دیگر عرب
اور افریقی ملکوں میں رہنے والے پاکستانیوں کو بھی دہری شہریت کا بخار سرے سے نہیں
ہے۔ سب کو نہیں ایک مخصوص ٹولے کو جو .برطانیہ اور امریکہ میں رہتا ہے اُسکو دہری
شہریت کا بخار آجکل شدت سے چڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ انکے مفادات پر عدالت عظمیٰ نے
چوٹ لگائی ہے۔ اب تک دوہری شہریت کے حامل قومی اسمبلی کے چار، سینیٹ کے ایک
اور صوبائی اسمبلیوں کے چار اراکین کی رکنیت معطل کر چکی ہے، ان میں سے اکثریت
کا تعلق حکمران پیپلز پارٹی ہے۔ جن اراکین پارلیمان کی رکنیت معطل کی گئی ہے ان میں
سابق وزیر داخلہ رحمٰن ملک اور صدر زرداری کی میڈیا کوارڈینیٹر فرح ناز اصفہانی
" بھی شامل ہیں۔ اور یہ زرداری کے عزیز ترین ساتھی ہیں۔

متحدہ قومی مومنٹ کے قائد الطاف حسین نے 10 جنوری کو سیاسی ڈرون حملہ کرتے ہو
ئے دعویٰ کیا کہ وہ ثابت کردیں گے کہ قائد اعظم کے پاس .برطانوی پاسپورٹ تھا۔ وہ
دراصل قائد اعظم کے پاس .برطانوی پاسپورٹ کا ذکر یوں کر رہے تھے تاکہ اپنی اور
علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کی دہری شہریت کا دفاع کر سکیں۔ الطاف حسین نے دہری
شہریت کے دفاع کرتے ہوئے کہا کہ "آج پاکستان میں دہری شہریت کے بارے میں
ہر جگہ بحث چل رہی ہے ۔دہری شہریت رکھنے والے پاکستانیوں کو نہ

صرف یہ کہ طرح طرح کے طعنے دیئے جاتے ہیں بلکہ ان کی حب الوطنی پر بھی شک کیا جاتا ہے۔ میں یہاں تمام پاکستانیوں سے ایک سوال پوچھنا چاہوں گا کہ کیا کوئی شہری اپنی خوشی اور رضا سے اپنا ملک چھوڑ کر دیار غیر میں بسنا چاہتا ہے ؟ 70 لاکھ پاکستانیوں کی حب الوطنی کو شک کی نگاہ سے دیکھنا کسی بھی طرح جائز نہیں کیونکہ وہ ہر سال کھربوں روپے کا زر مبادلہ پاکستان کو بھیجتے ہیں جو پاکستان کی کمزور معیشت میں ایک مضبوط ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہماری معزز و محترم عدلیہ اور مقننہ کو دہری شہریت کے معاملے کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنی چاہئے اور علامہ ڈاکٹر طاہر القادری سمیت کسی بھی پاکستانی شہری کے دوسرے ملک کی شہریت اختیار کرنے کے عمل کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے ان حالات اور مشکلات کو پیش نظر رکھنا چاہئے جن کے باعث انہیں کسی دوسرے ملک ہجرت کرنی پڑے اور وہاں کی شہریت اختیار کرنی پڑی۔ اسکے علاوہ میں مجبور ہوں کہ میرے پاس ڈپلومیٹک پاسپورٹ نہیں، کئی لوگ دس دس سال ڈپلومیٹک پاسپورٹ پر ملک سے باہر رہے"۔ اس کے علاوہ الطاف حسین نے سوال کیا کہ "کیا مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف نے 8 سال ملک سے باہر نہ گزارے ؟ کیا محترمہ بے نظیر بھٹو اور آصف علی زرداری نے جلاوطنی نہیں گزاری ؟ کیا ان کے دیگر رہنماؤں اور کارکنوں نے جلاوطنی نہیں گزاری ؟ انہوں نے یہ بھی کہا کہ سعودی عرب کے بادشاہ میرے دوست نہیں لہٰذا میں نے برطانوی شہریت لی کیوں کہ پاکستان میں میری جان کو خطرہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا

کہ اس کی وفاداری مشکوک ہو گئی یا وہ اپنے وطن اور ہم وطنوں سے بے خبر یا لاتعلق ہو گیا۔

الطاف حسین کا کہنا کہ ستر لاکھ پاکستانیوں کی حب الوطنی کو شک کی نگاہ سے دیکھنا کسی بھی طرح جائز نہیں کیونکہ وہ ہر سال کھربوں روپے کا زرمبادلہ پاکستان کو بھیجتے ہیں جو پاکستان کی کمزور معیشت میں ایک مضبوط ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔الطاف حسین کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان ستر لاکھ میں سے اکثریت محنت کشوں کی ہے جو نہ صرف اپنے پیاروں سے دور رات دن محنت کرتے ہیں، جبکہ ملکی معیشت کو ان سے بہت سہارا ملتا ہے، یہ تمام محنت کش مجبوری سے گے ہیں۔ان محنت کشوں کے نہ تو کوئی سیاسی عزام ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی حکومتی عہدے کی آرزو۔ یہ ستر لاکھ پاکستان کا سرمایہ ہیں اور سب کے سب محب وطن ہیں۔ یہاں انکے ماں باپ بیوی بچے موجود ہیں اور وہ ہم سے زیادہ ملک کے لیے فکر مند رہتے ہیں۔ میری اس بات کو وہ لوگ اچھی طرح سمجھ جائینگے جو خود یا انکے گھر کا کوئی فرد باہر ہو۔اصل مسلہ چند سو افراد کا ہے اور یہ دہری شہریت کے حامل افراد میں سے اکثر بیرون ملک رہائش رکھتے ہیں یا پھر محض پاکستان میں اہم حکومتی عہدوں کا حصول کرنے کیلے آتے ہیں مگر بنیادی طور پر اپنے تعلقات امریکا، کنیڈا، برطانیہ جیسی ریاستوں یا یورپی ممالک سے منقطع نہیں کرنا چاہتے۔ الطاف حسین کی برطانیہ میں رہنے کی وجہ جو بھی ہو مگر ان

کا یہ دعوی نہ قابل قبول ہے کہ قائدا عظم اور وہ دونوں دہری شہریت کے حامل ہیں۔ قائدا عظم کے جس پاسپورٹ کا الطاف حسین ذکر کر رہے ہیں وہ 1946 میں برٹش انڈیا کی حکومت کا جاری کردہ ہےاور اس وقت پاکستان کا وجود نہیں تھااور جب پاکستان بن گیا تو قائدا عظم کبھی ملک سے باہر نہیں گےاور جلد ہی انکا انتقال ہوگیا۔ مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف جوضیاالحق کی دین ہیں، جب وہ مشرف کی گرفت میں آئے توانہیں اپنا انجام ذوالفقار علی بھٹو کی طرح نظر آنے لگا لہذاانہوں نے سعودی حکومت کے کہنے پر دس سالہ معاہدہ پر ملک سے جانا منظور کرلیا۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی مرضی سے جلاوطنی گذاری اور آصف علی زرداری نے جلاوطنی اپنے کرپشن کی وجہ سے گذاری۔ الطاف حسین توگذشتہ 22 سال سے پاکستانی عوام سے رابطے میں ہیں لیکن آج پاکستان میں کسی کو نہیں معلوم کہ دہری شہریت رکھنے والے معین قریشی اور شوکت عزیز کہاں ہیں، دونوں پاکستان میں وزیر اعظم کے عہدے پر رہ چکے ہیں۔ معین قریشی اور شوکت عزیزاپنے اپنے مقاصد پورے کرکے جاچکے۔اسلیے اب پاکستان کے عوام اورپاکستان کی عدلیہ آئین کے اوپر عمل چاہتے ہیں تاکہ صرف اور صرف پاکستان کا ہی شہری پارلیمینٹ کا ممبر بنے اور وہی سرکاری عہدے دار۔ حال ہی میں جب ایم کیو ایم کے کچھ اراکین اسمبلی نے استعفی دیے ہیں توپتہ چلا کہ پاکستان کی ہر سیاسی جماعت

میں دہری شہریت کے حامل افراد موجود ہیں۔ روزنامہ جنگ بتاریخ 6 جولائی 2012 میں احمد نورانی نے دُہری شہریت والوں کا اصل مسئلہ کیا ہے؟ کے عنوان سے لکھا ہے کہ دہری شہریت کے بیشتر حامی جو کچھ پاکستان میں اور کچھ غیر ممالک میں مقیم ہیں ہر" قیمت پر امریکی موقف کی حمایت اور اسلام آباد کے اقدامات کی مخالفت کر رہے ہیں خواہ یہ کیری لوگر بل کا معاملہ ہو، دہشت گردوں کے خلاف جنگ کا معاملہ ہو ، وزیرستان آپریشن اور نیٹو سپلائی کی بحالی کا معاملہ ، ریمنڈ ڈیوس کا معاملہ ہو یا کچھ اور وہ اپنی تحریروں اور دلائل میں واشنگٹن کے موقف کی کھلی حمایت کرتے ہیں"۔ حسین حقانی اس کی ایک مثال ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کو کڑوں روپے خرچ کر کے وہ سیاسی حمایت حاصل نہیں ہے جس کی انکو توقع تھی۔ کیا وجہ ہے کہ اس کرپٹ حکومت کے مقابلے میں پاکستانی عوام علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے دلفریب نعروں کے باوجود الیکشن کا انقاد چاہتے ہیں۔ سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ 65 سال بعد پاکستانی عوام کو جمہوریت کا تسلسل نظر آ رہا ہے اور اس تسلسل کو وہ جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ ہر دہری شہریت رکھنے والے پاکستانی سے پاکستان میں کوئی مسلہ نہیں ۔ اصل مسلہ وہ چند سو لوگ ہیں جو دہری شہریت کی آڑ میں غیر ملکی مفادات کی تکمیل اور لوٹ مار کا کاروبار جاری رکھنا چاہتے ہیں اور ان کو ہی اس بات کی سب سے زیادہ تکلیف ہے۔ الطاف حسین کو چاہیے اس قانون کی بھرپور حمایت کریں کیونکہ یہ بات تو ریکارڈ پر ہے کہ جب الطاف حسین

پاکستان میں تھے تب بھی وہ کسی اسمبلی یا سرکاری عہدے کے امیدوار نہیں تھے۔

کوئٹہ پھلوں کے شہر سے شہر آشوب تک

کراچی کو روشنیوں کا شہر کہا جاتا ہے جبکہ لاہور زندہ دلوں کا شہر ہے، پشاور کے چپلی کباب مشہور ہے تو پھر ہمارے کوئٹہ کی کیا خصوصیت ہے؟ بیٹے نے اپنے والد سے سوال کیا۔ والد نے جواب دیا یہ تازے تازے خربوزے، انگور، آلوچے، تربوز، زرد آلو، آڑو، سیب اور یہ بادام، اخروٹ، چلغوزے اور شنیے، بیٹے کوئٹہ پھلوں کا شہر ہے۔

کوئٹہ کے ایک شہری نے اپنے وزیر آباد کے رہنے والے دوست سے کہا کہ "آپ وزیر آبادیوں سے ہمیں ڈر لگتا ہے" دوست نے پوچھا وہ کیوں؟ کوئٹہ کے شہری نے جواب دیا، "کیونکہ آپ چُھری کانٹوں کے شہر سے ہیں اور ہم پھلوں کی ٹوکری سے"۔ کوئٹہ شہر واقعی پھلوں کی ٹوکری ہی تھا جہاں مختلف طبقوں، مذاہب، عقیدوں، مختلف نسلوں اور زبانوں کے لوگ نیم قبائلی نیم شہری برادرانہ اقدار کے ساتھ رہتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ پھلوں کی منڈی میں مذہب کی دوکانیں سج گیں اور عقائد کے مقابلے میں انسانیت کی قیمت روز بہ روز کم ہوتی چلی گی۔ اب آڑو، سیب اخروٹ اور چلغوزے سے زیادہ 'جہاد' ایکسپورٹ ہونے لگا۔ اور تو اور پھلوں کی ٹوکری میں بسنے والے خوشبودار پھلوں کے بھی رویے تلخ ہو گئے۔ آپس میں شکوک و شبہات اور دُوریاں بڑھنے لگیں اور کوئٹہ کے عزاداروں کو خود ہی سبیلیں لگانی پڑ گیئں۔ پھر دھماکے ہونے لگے اور اُنھی سالوں میں کبھی سیاسی رہنما اور

مزاحیہ ڈرامہ نگار حسین علی یوسفی کو گولیوں سے بھون دیا گیا تو کبھی پروفیسر صبا دشتیاری جیسے انمول استادوں کے خون سے زمین سرخ ہوئی۔ کوئٹہ کو زخم پہ زخم لگتے رہے۔ پھر اس شہر کو وہ دن بھی دیکھنے پڑے جب بار بار بسوں کو روک کر، ہزار گنجی سبزی منڈی سے سبزی اور پھل لانے والے ہزارہ سبزی فروشوں کو لائن میں کھڑا کرکے گولیاں ماردی جاتی ہیں۔

کوئٹہ میں ناصر آباد اور سید آباد سے نوآباد تک پھیلے ہوئے یہ لوگ اس لئے بھی چپ چاپ مارے جارہے ہیں کہ بہت سے لوگ انہیں جانتے تک نہیں اور ساری بات سن کر پوچھتے ہیں "کون۔۔۔ہزارہ؟" ہزارہ آبادی ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف علمدار روڈ کے درمیان قید ہیں۔ پہاڑ چونکہ بے ضرر ہیں سو اس طرف آبادی کا جھکاؤ زیادہ ہے۔ علمدار روڈ پار کرنے پر سلامتی کی سرحد بھی پار ہو جاتی ہے۔ لوگ اب اپنے بچے اسکول نہیں بھیجتے کیونکہ بچوں کی زندگی کو خطرہ ہے اور بہت سے استاد جو کبھی بلوچستان یونیورسٹی میں علم بانٹنے پر مامور تھے، اب ہاؤسنگ سوسائٹی کی لکیر پار کرنے سے بھی ڈرتے ہیں۔ دکانوں پر تالے پڑ چکے ہیں اور شہر میں ہزارہ بہت کم نظر آتے ہیں۔ یونیورسٹی کی بس پہ دھماکہ ہوا تو باقی لوگوں نے اپنے بچوں کی بسیں علیحدہ کروالیں۔ ہزارہ کے لوگوں پہ زندگی تلخ کرنے والوں نے ہر راستہ بند کر رکھا ہے۔

فارسی کے سائن بورڈ، سنگتراشوں اور کاتبوں کی دکانوں سے ایک تنگ گلی اوپر کا رخ کرتی ہے، موڑ مڑنے پہ دو دیواروں کے بیچ بہت سے جھنڈے، علم اور نشان دور تک پھیلے نظر آتے ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں آباد یہ جگہ جمعے کی نماز کے بعد لوگوں سے بھر جاتی ہے۔ پتھروں کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریوں کے بیچ ایک راہداری میں دونوں طرف جیتی جاگتی تصویریں لگی ہیں۔ طالبعلم، اداکار، استاد، بینکر، سپاہی، وکیل اور کھلاڑی۔ خوش پوش، امنگوں سے بھرپور، جن کی آنکھوں سے زندگی جھلکتی ہے۔ سورج ڈھلنے کے ساتھ ساتھ قرآن شریف پڑھنے اور بین کرنے کی آوازیں بھی آہستہ آہستہ لرزنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ ہزارہ قبرستان ہے، جب قتل و غارت کا سلسلہ چل نکلا تو اپنی مدد آپ کے تحت اس قبرستان کا ایک حصہ شہداء کے نام مختص ہو گیا۔ جتنا وقت زمین کے اس ٹکڑے کے حصول میں لگا اس سے کہیں کم وقت میں یہ جگہ بھر گی۔ ایک میت دفنانے جاؤ تو پتہ چلتا ہے ایک اور میت تیار ہے۔ قبرستان کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ بنتے ہی بھر گیا، پھر دوسرا حصہ بنا اور بھر گیا اور اب تیسرا حصہ بھی بھرتا جا رہا ہے۔ قبروں کے کتبوں پہ ان لوگوں کی تصویریں ہیں، تاریخ پیدائش، مرنے کا دن اور حادثے کی جگہ درج ہے اور سب سے نیچے قرآن کی آیات لکھی گئی ہیں۔ ہر قبر ایک کہانی ہے، ایک جگہ پانچ قبریں اکٹھی ہیں، یہ سب ایک ہی باپ دادا کی اولاد تھے اور کرکٹ کھیلنے کی خواہش سے گھر سے چلے تھے۔ کوئی دفتر جاتے ہوئے مارا گیا، کوئی گھر کا سودا لاتے ہوئے تو کوئی دکان کھولنے جا رہا تھا

اور کوئی پڑھنے۔

تیس سال پہلے تک ہزارہ کوئٹہ کی شناخت میں شامل تھے مگر افغان جہاد نے جہاں پاکستان سے ایک آزاد اندازِ فکر کو چھین لیا، وہیں داخلی اور خارجی رویوں میں بھی نمایاں تبدیلی آگئی۔ مفاہمت کی جگہ مسابقت نے لے لی اور آہستہ آہستہ کوئٹہ بدلنا شروع ہو گیا۔ جن کی بات پسند نہیں آئی ان کو مار دیا اور جن کی سوچ مختلف لگی ان کو غائب کروا دیا۔ مگر اب ضیاالحق کی لگایا ہوا جہاد کا پودا تناور درخت بن چکا تھا۔ کوئٹہ شہر میں پہلا حملہ سردار نثار کی گاڑی پہ ہوا جس کے نتیجے میں ان کا گارڈ اور ڈرائیور ختم ہوئے۔ یہ پہلا قتل تھا مگر اب یہ تعداد ہزاروں میں ہے۔ مارنے والے اتنے اطمینان سے مارنے آتے ہیں گویا انہیں مکمل یقین ہے کہ ان کے اس فعل کے پیچھے مذہب سے لے کر ریاست تک تمام سرکردہ لوگ موجود ہیں۔یوں تو ہزارہ قوم کی آٹھ شاخیں ہیں جن میں سے چار سنی ہیں اور چار شیعہ، مگر مارنے والوں کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ تصدیق کریں، ان کے نزدیک تمام ہزارہ شیعہ ہیں اور ان کا جرم ان کا مسلک ہے۔

پھلوں کے شہر سے شہرِ آشوب تک کے اس سفر میں کیا کھویا کیا پایا۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ کوئٹہ کی پچھلی نسلیں پھلوں کے شوقین ہوا کرتی تھیں اور اب غریب سبزی فروش کا بیٹا اپنی بیوہ ماں سے کہتا ہے، "ماں، مجھے پھل نہیں کھانے ،اب اِن سے خون کی بُو آتی ہے"۔

ابھی اس شہر آشوب کو اور کتنا غمگین سفر کرنا یہ تو معلوم نہیں مگر دس جنوری کو اس شہر میں قیامت صغری کا منظر تھا۔ خود کش حملے اور دو بم دھماکوں کے زریعے دہشت گردوں نے سو سے زیادہ افراد کو شہید کر دیا، ہلاک ہونے والوں میں زیادہ تر ہزارہ شیعہ برادری کے لوگ ہیں ۔ کالعدم یونائیٹد بلوچ آرمی نے پہلے جبکہ شدت پسند کالعدم تنظیم لشکرِ جھنگوی نے بقیہ دو دھماکوں کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ شہید ہونے والوں کے ورثاء کا پرامن دھرنا40 سے زائد گھنٹے گزرنے کے بعد بھی جاری ہے، منفی چار ڈگری کی شدید سردی اور بارش کے باوجود اپنے 86 پیاروں کی لاشیں علمدار روڈ پر ساتھ لئے بیٹھے ہیں۔ دھرنے پر بیٹھے افراد میں بچے، خواتین اور بزرگ بھی شامل ہیں ۔ احتجاج میں شامل افراد کا مطالبہ ہے کہ صوبائی حکومت امن وامان کی صورت حال برقرار رکھنے میں ناکام ہونے والے متعلقہ افسران کو برطرف کرے اور کوئٹہ شہر کو فوج کے حوالے کیا جائے۔ مظاہرے میں شامل افراد نے دھماکوں میں مرنے والے اپنے عزیز واقارب کی لاشوں کو مطالبات پورے ہونے تک دفن کرنے سے انکار کردیا ہے۔ کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں شدید سردی کے باوجود لوگوں کے دھرنے ساری رات سے جاری ہیں۔ مگر بے حس حکمراں اپنے اپنے محلوں میں آرام کررہے ہیں۔ صوبہ کا وزیر اعلیٰ بہت ڈھونڈنے کے بعد ملا مگر وہ ملک میں ہی نہیں ہے۔ حکومت سے مظاہرین کے مذاکرات ناکام ہوگئے، بلوچستان کے سیکرٹری

داخلہ کا کہنا ہے کہ حکام کی مظاہرین سے بات چیت کا سلسلہ جاری ہے اور اس میں جلد کامیابی کا امکان ہے جس کے بعد لاشوں کی تدفین ہو سکے گی۔ شیعہ علماء کونسل بلوچستان کے صدر نے کہا کہ کوئٹہ میں دہشتگردی کی انتہاء ہو چکی ہے مگر حالات کی سنگینی کا احساس کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ وہ کچھ کریں۔ فوج کے سربراہ کو بھی پتہ ہونا چاہیے کہ یہ داخلی سلامتی کا مسئلہ ہے۔ ایک سرکاری بیان میں کہا گیا ہے وزیر اعظم نے بلوچستان کے وزیراعلیٰ کو بیرنی دورہ منسوخ کرکے جلد ملک واپس پہنچنے کے احکامات جاری کیے ہیں۔ جاری کردہ بیان کے مطابق وزیر اعظم اگلے ہفتے کوئٹہ سے تعلق رکھنے والے ہزارہ قبیلے کے نمائندوں سے ملاقات بھی کریں گے۔ منفی چار ڈگری کی شدید سردی اور بارش میں اپنے 86 پیاروں کی لاشوں کے ساتھ بیٹھے ہوے ان لوگوں کے ساتھ اس سے زیادہ بے حسی کیا ہوگی کہ صوبے کا وزیراعلیٰ ملک سے باہر ہے۔ ملک کا صدر کراچی میں بیٹھ کر سیاسی توڑجوڑ میں مصروف ہےاور وزیر اعظم کو ان سے ملنے کے لیے اگلے ہفتے تک فرصت نہیں۔ تو پھر بلوچستان کے لوگ ان حکمرانوں سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں تو کیا برا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ باقی ماندہ پاکستان کو بلوچستان کی نسبت ٹوئنٹی ٹوئنٹی کپ، لونگ مارچ، حکومت ۔ عدلیہ تنازع اور چڑیا گھر کے جانوروں کی زیادہ فکر ہے۔

کراچی، کوئٹہ اور سوات میں ہونے والے پانچ بم دھماکوں میں شہادت پانے والوں کے لیے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالی شہادت پانے والوں کے لواِیقین کو صبر عطافرمائے اور ہمارے وطن پر اللہ تعالی اپنا رحم فرمائے، ساتھ ساتھ ان بے حس حکمرانوں سے قوم کو نجات دلائے۔ آمین

دو پرامن دھرنے مگر سبق ایک

ہر پاکستانی کی طرح میں بھی روزانہ ہونے والی ہڑتالوں اور ہنگاموں سے پریشان ہوں، موجودہ حکومت کے دور میں امن و امان قائم رہنا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ صورتحال اسوقت ایسی ہے کہ آپ صبح کو پہلے ٹی وی دیکھتے ہیں اور خبریں دیکھ کر گھر سے نکلتے ہیں، کم از کم کراچی میں تو یہ لازمی ہے، کوئٹہ اور پشاور میں بھی تقریبا یہ ہی صورتحال ہے۔ ہمارے ہاں نکلنے والے جلوس اور جلسے اس تمام علاقے میں خوف و ہراس پھیلا دیتے ہیں جہاں جہاں سے جلوس کو گذرنا ہوتا ہے یا جہاں جلسہ ہوتا ہے۔ آپکو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ پہلے گستاخانہ فلم کے خلاف پرامن مظاہرے ہوے مگر پشاور اور کراچی میں ہونے والے کچھ مظاہرے بہت ہی پر تشدد تھے، جانی نقصان کے علاوہ سرکاری و نجی املاک کو بھی ایک بڑا نقصان پہنچا۔

دس جنوری کو بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں ہونے والے بم دھماکوں کے نتیجے میں 116 افراد ہلاک جبکہ تقریباً 250 افراد زخمی ہوگئے۔ ہلاک ہونے والوں میں زیادہ تر ہزارہ شیعہ برادری کے لوگ تھے۔ شہید ہونے والوں کے ورثا نے دھماکوں میں مرنے والے اپنے عزیز و اقارب کی لاشوں کو دفن کرنے سے انکار کردیا ہےاور مطالبہ کیا کہ صوبائی حکومت امن و امان کی صورت حال برقرار

رکھنے میں ناکام ہونے والے متعلقہ افسران کو برطرف کرے اور کوئٹہ شہر کو فوج کے حوالے کیا جائے۔ لاشوں کے ورثا اپنے 86 پیاروں کی لاشوں کے ساتھ علمدار روڈ پر دھرنے پر بیٹھ گئے۔ دھرنے میں بچے، خواتین اور بزرگ بھی شامل تھے۔ کراچی میں پانچ جگہ اور ملک کے کافی شہروں میں اس دھرنے کی حمایت میں دھرنے شروع ہوگئے۔ کوئٹہ سمیت ملک بھر میں تین دنوں سے جاری دھرنے کے بعد وزیراعظم راجہ پرویز اشرف نے تیرہ اور چودہ جنوری کو رات گئے مظاہرین سے مذاکرات کیے جو کامیاب ہوگئے۔انہوں نے صوبہ بلوچستان میں گورنر راج نافذ کرنے کا اعلان کیا جبکہ صوبائی حکومت کو برطرف کردیا گیا۔ وزیراعظم کے اعلانات پر عمل درآمد کے نوٹیفکیشن جاری ہونے کے بعد کوئٹہ میں دھرنا ختم ہوگیا اور لاشوں کی تدفین کے بعد کراچی سمیت ملک بھر میں ہونے والے دھرنے بھی ختم ہوگئے۔

تیرہ جنوری کوعلامہ طاہر القادری اپنے اعلان کردہ لانگ مارچ پر لوگوں کی ایک کثیر تعداد اور سینکڑوں بسوں، ٹرکوں، کاروں اور موٹر سایئکلوں کے ساتھ لاہور سے اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ انکی روانگی سے پہلے مرکزی وزیر داخلہ نے دہشت گردی کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ ملک بھر میں ہونے والی دہشتگردی کی وجہ سے وزیر داخلہ کی بات پر شک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دوسری طرف پنجاب کی صوبائی حکومت کے اپنے خدشات تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ کہیں جلوس کے شرکا

امن وامان کا مسئلہ نہ پیدا کردیں۔ علامہ طاہر القادری نے دونوں خدشات کو رد کردیا اور اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ انکے لانگ مارچ کے شرکا ایک پتہ بھی نہیں توڑینگے۔ پاکستانی اور غیر ملکی میڈیا لاہور سے اسلام آباد تک لانگ مارچ کی لمحے لمحے کی خبر نشر کر رہا تھا۔ میڈیا کی خبروں اور تبصروں میں دیکھا اور سنا گیا کہ فلاں شہر سے اتنے لوگ اس لانگ مارچ میں شامل ہوے یا شہر کے لوگوں نے کسطرح اس جلوس کا استقبال کیا - لاہور اور اسلام آباد کے درمیان جی ٹی روڈ پر آنے والے شہروں سے گذرتا ہوا یہ لانگ مارچ 38 گھنٹے میں پر امن طریقے سے اسلام آباد پہنچا جہاں اُسے دھرنا دینا تھا۔ کافی لوگ جو لانگ مارچ میں تو شامل نہ مگر دھرنے میں شریک ہونے کے لیے سیدھے اسلام آباد پہنچ گے اور لانگ مارچ کے شرکا کا پر امن طریقے سے انتظار کرتے رہے۔ اپنی آمد کے فورا بعد علامہ طاہر القادری نے اس جگہ اور اپنے لیے بنائے ہوے اسٹیج پر اعتراض کردیا اور پہلے پانچ منٹ اور بعد میں دوسرے دن صبح گیارہ بجے تک کا ٹائم دیتے ہوے یہ مطالبہ کیا کہ اس تمام انتظام کو وہاں سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ڈی اسکوئر پر شفٹ کیا جائے، تھوڑی دیر میں ہی دھرنے کے شرکا نے اسٹیج کے پیچھے رکھے ہوئے کنٹروہ ہٹا کر ڈی اسکوئر کی طرف جانے والے راستے کو کھول دیا۔ پندرہ لاکھ کی آبادی کے شہر اسلام آباد کے شہری خصوصا اور سارا پاکستان خوف زدہ تھا کہ اب کب اور کس وقت ہنگامہ شروع ہوتا ہے مگر دھرنے کی انتظامیہ نے اپنے کارکنوں کو یہ ہدایت جاری کردی کہ وہ ڈی اسکوئر پر رکھے

ہوئے کنٹینرز سے آگے نہ جایں۔ دھرنے کے شرکا نے اپنی انتظامیہ کے کہنے پر پورا پورا عمل کیا اور کسی ایک شخص نے بھی اسکی خلاف ورزی نہیں کی۔ اگلے دن اپنی مدد آپ کے آپ کے تحت ڈی اسکوئر سے پہلے جناع اسکوئر میں دھرنے میں شامل لوگوں نے سارا انتظام کرلیا۔ اس دھرنے میں معصوم بچے، خواتین اور بزرگ بھی شامل تھے، مگر پورے اسلام آباد میں اسکول، دکانیں اور دفاتر خوف سے بند تھے۔

منگل پندرہ جنوری کو دوپہر میں علامہ طاہر القادری نے تقریر کی اور اہم آدھی تقریر دوسرے دن کے لیے چھوڑ دی۔ بدھ سولہ جنوری کو شدید بارش کے دوران پھر تقریر ہوئی اور علامہ طاہر القادری نے اپنے چار نکاتی مطالبات کو حکومت سے منظور کرنے کا مطالبہ کیا۔ ابھی تک سوائے ایک ناخشگوار واقعے کے جس میں بقول علامہ پولیس نے انکو گرفتار کرنے کی کوشش کی اور بقول انتظامیہ کہ دھرنے کے شرکا نے اس آبادی کی طرف جانے کی کوشش کی تھی جہاں غیر ملکی سفارت خانے ہیں۔ اس واقعے میں پولیس کی طرف سے ہوائی فائرنگ بھی کی گی۔ سولہ جنوری کی شام سے پاکستانی میڈیا نے دھرنے کے شرکا کی پرامن رہنے پر تعریف کرنی شروع کردی۔ مگر دوسری طرف رات کو وزیر داخلہ نے دھرنے کے شرکا کو اسلام آباد خالی کرنے کا حکم دیتے ہوے کہا کہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو انکے خلاف کارروائی ہوگی۔ حکومت کے اتحادی اس کے خلاف چیخنے لگے دوسری طرف دھرنے کے

شرکا نے اپنی حفاظت کے لیے ہاتھوں میں ڈنڈے اٹھا لیے ان میں خواتین بھی شامل تھیں مگر تھوڑی دیر بعد ہی صدر آصف زرداری کی طرف سے یہ یقین دھانی کروائی گی کہ دھرنے کے شرکا کے خلاف کسی بھی قسم کی کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔ یہ ساری رات دھرنے کے شرکا نے اپنی پہرے داری میں گذری۔ جمرات سترہ جنوری کو اسلام آباد کے اسکول کھل گے اور کاروبار بھی شروع ہوگیا۔علامہ طاہر القادری نے دوپہر دو بجے اعلان کیا کہ آج فیصلہ کا دن ہے اگر ڈیڑھ گھنٹے میں حکومت نے مذکرات شروع نہیں کیے تو پھر میں دوسرا اعلان کرونگا۔ ایک مرتبہ پھر پورا پاکستان پریشان تھا کہ اب کیا ہوگا۔ ساڑھے چار بجے حکومت کا دس رکنی اتحادی جماعتوں کا وفد آیا اور ساڑھے دس بجے رات کو ایک معاہدہ کے بعد علامہ طاہر القادری نے دھرنے کے ختم ہونے کا اعلان کیا۔ تھوڑی دیر بعد دھرنے کے شرکا کی اسلام آباد سے روانگی شروع ہوچکی تھی۔

کوئٹہ میں منفی چار ڈگری کی شدید سردی اور بارش کے باوجود چار دن تک اپنے 86 پیاروں کی لاشیں علمدار روڈ پر ساتھ لئے دھرنے پر بیٹھے ہوے افراد یا ان کا ساتھ دیتے ہوئے پورے ملک میں دھرنے پر بیٹھے ہوے افراد میں سے کسی ایک نے بھی ایک پتھر نہیں مارا اور اپنے پر امن دھرنے کی بدولت ملک کے وزیر اعظم کو مجبور کیا کہ وہ خود وہاں پہنچ کر انکے تمام مطالبات منظور کریں۔ دوسری طرف چھ ڈگری کی شدید سردی اور بارش کے باوجود لاہور سے اسلام آباد تک لانگ

مارچ اور پھر چار دن تک اپنے پر امن دھرنے کی بدولت ایک پتہ توڑے بغیر دھرنے کے شرکا نے ملک کے صدر اور وزیر اعظم کو مجبور کیا اور اپنے تمام مطالبات منظور کروالیے۔ صرف سات دن میں ان دو دھرنوں نے پوری دنیا کو اور خاص کر ان کو جو ہمیں ایک دہشت گرد قوم کہتے ہیں یہ پیغام دیا ہے کہ ہم ایک پر امن قوم ہیں جبکہ ایک پیغام دہشت گردوں کو بھی گیا ہے کہ پاکستانی قوم انکی دہشت گردی کے سامنے کبھی نہیں جھکے گی۔ سب سے بڑھ کر ان دو پر امن دھرنوں نے ایک سبق ہم پاکستانیوں کو دیا ہے کہ پر تشدد جلوسوں اور ہنگاموں سے مسلے حل نہیں ہوا کرتے بلکہ ان سے مسلے الجھا کرتے ہیں۔ سیاسی طور پر کسے فاہدہ ہوا یا کسے نقصان یہ بغیر تعین کیے میں سلام کرتا ہوں کوئٹہ اور اسلام آباد کے پر امن دھرنے میں شامل لوگوں کو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ یہ دو پر امن دھرنے پاکستان کی سیاست پر ایک تاریخی اور سبق آموز اثر چھوڑینگے۔

سی این جی کیسے حاصل ہو؟ دہشت گرد بن کر یا پھر دعا سے

رات کا ایک بج رہا تھا میں اپنے کمرے میں لیٹا ہوا ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ اچانک میرے صاحبزادے کمرے میں داخل ہوئے، میں پریشان ہوا کیونکہ اسوقت تو وہ سوچکے ہوتے ہیں، ابھی میں کچھ کہتا کہ اس نے کہا ابو میں گاڑی میں سی این جی بھروانے جارہا ہوں، بیٹا آپ نے ٹائم دیکھا ہے؟ میرے سوال کے جواب میں اُس نے مسکراتے ہوئے میرے قریب رکھے ہوئے اخبار میں سے ایک تصویر جس میں سی این جی بھروانے والوں کی ایک لمبی لائن لگی ہوئی تھی میرے سامنے کردی اور بولا ابو دن میں میرے لیے مشکل ہوتا ہے کہ دفتر سے نکل سکوں، مجبوراً اسکو جانے دیا، وہ ایک گھنٹے کے بعد واپس آیا تب سکون ملا، یہ تو صرف میری کہانی ہے جس میں ایک شخص اپنی نیند کو چھوڑ کر آدھی رات کے بعد سی این جی کی تلاش میں نکلتا ہے جبکہ اس کا پورا گھر اسکے انتظار میں ہوتا ہے۔ مگر یہاں تو پورا پاکستان ہی کہانیوں سے بھرا ہوا ہے کہیں کوئی رکشہ ڈرائیور سنا رہا ہے کہ ہمارا گذارہ روزانہ کی آمدنی پر ہوتا ہے، رکشہ کا کرایہ ادا کرتا ہوں پھر جو بچ جاتا ہے اس سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرتا ہوں مگر اب تو سی این جی یا تو نایاب ہے یا پھر گھنٹوں لائن میں لگ کر حاصل ہوتی ہے۔ ڈیزل کے حساب سے بس کا کرایہ وصول کرنے والی پبلک ٹرانسپورٹ جس نے سی این جی کے ناغے یا ہڑتال والے دن یا تو

مکمل غائب ہوجاتی ہے اور اگر تھوڑی بہت ہوتی بھی ہے اور اُس میں جو لوگ سفر کرتے ہیں وہ ان کے لیے ایک اذیت کا وقت ہوتا ہے۔ صرف کراچی میں قریباایک کروڑاسی لاکھ افراد کے شہر میں ایک ہزار افراد کی شرح سے لگ بھگ بیس ہزار بسیں اور ویگنیں چل رہی ہیں جن میں میں کم از کم اسی سے پچانوے فیصد دس سال سے زیادہ پرانی ہیں اور ان میں قریباستر فیصد ہفتہ میں دو سے تین دن سی این جی کی بندش کی وجہ سے غائب ہوجائیں تو شہر کے بے بس عوام کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ آخر کس کی اجازت پر دس ہزار سے زائد بسوں اور ویگنوں نے اپنے ڈیزل انجن سی این جی پر تبدیل کرائے،آخر کس نے غیر معیاری سیلنڈر فراہم کئے ،جس کی وجہ سے یہ دس ہزار سے زائد بسیں اور ویگن موبائل بم بنکر کراچی کی سڑکوں پر دندانتے پھر رہے ہیں، اور اگر کسی نے بھی ایسانہیں کیا تو پھر کس طرح یہ بسیں اور ویگنیں سی این جی پمپ سے سی این جی بھرواتی ہیں۔ آپ خاص طور پر سی این جی کی بندش والے دن صبح یا شام کے اوقات میں کسی بھی بس اسٹاپ پر کھڑے ہوجائیں، پبلک ٹرانسپورٹ کی منتظر لوگوں کا ایک ہجوم آپکو نظر آے گا، ایک عجیب طوفان بد تمیزی نظر آئے گی، ایک عجیب ذلت و تحقیر کا عالم اور ایک عجیب نفسا نفسی، کہیں خواتین بسوں کی طرف آتی اور پھر اپنے لئے مخصوص کے گئے حصے کو مردوں سے بھرا دیکھ کر واپس لوٹتی نظر آئیں گی، پچیس سے چالیس افراد کی گنجائش رکھنے والی ایک ویگن میں سوا سو لوگ ٹھوسے ہوئے ہوتے ہیں، بسوں کی چھت لوگوں سے بھری ہوئی اور خطرئے کی حد تک لوگ لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔

سی این جی پیٹرول پمپوں پر رکشہ، ٹیکسی ،گاڑیوں اور بسوں کی لمبی قطاریں وقت کا بدترین ضیاع ہے، ذرا اس شخص کا خیال کریں جسکے آگے پچاس گاڑیاں ہوں، اسکے چہرے سے ٹپکتی بے بسی اور جھنجھلاہٹ کوئی بھی با آسانی دیکھ سکتا تھا مگر دیکھتا کون؟ کہ وہاں تو ہر ایک کا یہی حال تھا۔ سی این جی کے لیے جو عام طور پر شائد پانچ سے دس منٹ کا بھی کام نہیں مگر اب اتنا اہم کہ اس کے بغیر آپ ایک قدم گاڑی نہیں بڑھا سکتے۔ جب رکشہ، ٹیکسی اور بسوں کے ڈرائیور یہاں سے فارغ ہو کر لوٹیں گے تو کیا یہ اس قابل ہونگے کہ یہ ٹھیک طرح اپنی گاڑیاں چلا سکیں۔ ان گھنٹوں کے ضائع ہو جانے، نجانے کتنے ہی ضروری کاموں کا حرج ہو جانے کے بعد کیا لوگوں کے اعصاب اس قابل ہوں گے کہ وہ کوئی اور کام کر سکیں۔

بے روزگاری اس حکومت کے دیے ہوے بے شمار تحفوں میں سے ایک ہے، اگر سی این جی کی وجہ سے پبلک ٹرانسپورٹ اسی طرح بند ہوتی رہی تو لازمی بے روزگاری میں اضافہ ہوگا۔ مذکورہ صورتحال کے نتیجے میں عوام کا غصہ بڑھ رہا ہے۔ کچھ شہروں میں عوامی غصہ اور بے چینی ہنگامہ آرائی ، احتجاج اور توڑ پھوٹ کی صورت میں برآمد ہوئی اور یہ سلسلہ بڑھ بھی سکتا ہے اگر سی این جی کی بندش اسی طرح جاری رہی، مگر سی این جی مالکان اپنی لوٹ مار کو کم کرنے پر تیار

نہیں۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق " کالعدم تحریک طالبان نے سی این جی اسٹیشنوں کے مالکان کے خلاف کارروائی کی دھمکی دی تھی۔ سی این جی اسٹیشن مالکان کے قریبی ذرائع کے مطابق گزشتہ روز کوہاٹ روڈ، رنگ روڈ، یونیورسٹی روڈ، چارسدہ روڈ سمیت مختلف مقامات پر سی این جی اسٹیشنوں کے مالکان کو شدت پسندوں کی جانب سے دھمکی آمیز خطوط ارسال کیے گئے جس میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ اگر انہوں نے فوری طور پر سی این جی اسٹیشن نہیں کھولے تو سی این جی اسٹیشن مالکان کے خلاف کارروائی کی جائے گی جس کی ذمہ داری سی این جی اسٹیشن کے مالکان پر عائد ہوگی۔ اطلاعات کے مطابق خطوط ملنے کے بعد سی این جی اسٹیشنوں کو اڑائے جانے کے خوف کے باعث بھاری سیکیورٹی کو تعینات کر دیا گیا ہے۔ ذرائع نے بتایا ہے کہ شدت پسندوں کی دھمکیوں کے بعد پشاور میں بعض مقامات پر سی این جی اسٹیشن کھل گئے ہیں تاہم رش کے باعث شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے"۔

25 اکتوبر کو سپریم کورٹ نے فی کلو سی این جی گیس میں تیس روپے نوے پیسے کمی کا حکم دیا تھا جس سے عوامی سطح پر خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی تاہم اس کے بعد سے اب تک سی این جی مالکان نے مختلف بہانوں سے وقفے وقفے سے گیس کی سپلائی بند رکھی ہے۔ سی این جی اسٹیشن مالکان اپنے تقریباً نصف منافع کو کم کرنا نہیں چاہتے، اس لئے انہوں نے ہڑتالی حربے بھی اپنائے ہوئے ہیں جس کے

سبب عدالتی فیصلے کے ثمرات عوام تک نہیں پہنچ رہے۔ پاکستان کی عدلیہ قابل رحم ہے کہ اپنے جاری کیئے ہوئے فیصلوں کو بے حرمتی کی زینت بنتا روز دیکھتی ہے۔ ملک میں کرپشن ، سرکاری ملازمین سے ملی بھگت ، مافیا کی اجارہ داری اور کمزور قانون کے سبب سپریم کورٹ بھی سی این جی مالکان کی لوٹ مار کو کنٹرول میں رکھنے پر بری طرح ناکام ہو گئی ہے۔ چیئرمین آل پاکستان سی این جی ایسوسی ایشن غیاث پراچہ کا کہنا ہے کہ عدالت عظمیٰ کے حکم کے بعد 25 اکتوبر کو قیمتوں میں کمی کے بعد ان کے لیے نئے نرخوں پر گیس کی فروخت ممکن نہیں رہی۔ سی این جی بحران کی بنیادی وجہ سی این جی مالکان کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ پاکستان میں جتنے سی این جی اسٹیشنز ممکن ہو سکیں گے ان کو بند کر دیں گے تاکہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے پر عملدرآمد نہ ہو سکے۔ سی این جی مالکان کی بلاجواز ہٹ دھرمی دراصل عدلیہ کی لاچاری کو ظاہر کر رہی ہے اور یہ موجودہ حکومت کا ایک اور سیاہ کارنامہ ہے۔ حکومت کی طرف سے ابھی تک نہ تو عدالتی فیصلے کو نافذ کرانے کے لئے کوئی حکمت عملی اپنائی گئی ہے اور نہ ہی ایسا لگتا ہے کہ اسے اس معاملے میں کوئی تشوش ہے۔ لہٰذا ہوگا یہ کہ اوگرا کی نگرانی میں ہی دو چار دنوں میں گیس کے دام دوبارہ بڑھا دیئے جائیں گے اور یوں حکومت لٹیروں سے کیا ایک اور وعدہ پورا کرکے اپنے سیاہ کارناموں میں اضافہ کرلیگی اور لوٹ مار مافیا ایک مرتبہ پھر جیت جائے گی۔

اگر شدت پسندوں کی دھمکیوں کے بعد پشاور میں بعض مقامات پر سی این جی اسٹیشن کھل سکتے ہیں تو پھر پاکستان کے عوام کو شدت پسند بنتے دیر نہیں لگے گی مگر اس میں بھی نقصان پاکستانی عوام کا ہی ہوگا۔ کیا آپ دہشت گرد بننے کو تیار ہیں؟ اور اگر آپکا جواب نہیں میں ہے تو پھر رونا دھونا بند کردیار کہ سی این جی نہیں ہے، پانی نہیں ہے، بجلی نہیں ہے، سیلاب آگیا، بیروزگاری ہے، بھائی یہ سب کرپٹ سسٹم کا حصہ ہے جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اگر بے بس نہیں ہو تو پھر اس کرپٹ سسٹم کے خلاف بغاوت کرو اور اگر بے بس ہو تو پھر میرے ساتھ اس دعا میں شامل ہو جاو کہ اللہ تعالیٰ جدا کروانے والوں سے زیادہ ملوانے والوں کو پسند کرتا ہے اور میں دعا مانگ رہا ہوں کہ زرداری جلد از جلد دوبارہ بے نظیر سے مل جائیں، زرو سے بولیں آمین۔

حکومت اور علامہ طاہر القادری کا اسلام آباد آبرو بچاؤ اعلامیہ

ایک طویل عرصے ملک سے باہر رہنے کے بعد علامہ طاہر القادری پاکستان واپس آئے اور 23 دسمبر 2012 کو انہوں نے مینار پاکستان کے سائے میں جلسۂ عام کیا۔ اس سے پہلے پاکستانی میڈیا پر ایک بھرپور اشتہاری مہم اس جلسے کے سلسلے میں چلی اور پاکستانی میڈیا پر معتدد انٹرویو دیئے۔ جلسے کے لیے جو اشتہاری مہم چلائی گئی اس پر جس قدر پیسہ خرچ کیا گیا، اس کی مثال پاکستان کے ماضی کے کسی جلسے یا جلوس کی نہیں دی جا سکتی۔ علامہ طاہر القادری بنیادی طور پر ایک اسکالر ہیں اور ایک کامیاب اسکالر بغیر تحقیق کے آگے نہیں بڑھتا۔ علامہ طاہر القادری پاکستان میں پہلے بھی سیاست کر چکے ہیں مگر کوئی خاص کامیابی نہیں ملی لہٰذا اس مرتبہ وہ پاکستانی سیاست پر کافی تحقیق کے بعد ہی سیاست میں داخل ہوئے ہیں۔ علامہ صاحب نے اپنی تحقیق سے جان لیا کہ پاکستانی سیاست ایک کاروبار ہے اور دولت کے بغیر انکی سیاست نہیں چل سکتی، دوسرے پاکستان کی موجودہ صورتحال میں فوج اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ کاروبار حکومت سنبھال سکے، آخری چیز جو انکے سامنے آئی کہ اس وقت پاکستان میں سب زیادہ نفرت امریکہ سے ہی کی جاتی ہے۔ لہٰذا انہوں نے 23 دسمبر 2012 کو مینار پاکستان کے سائے میں جو جلسۂ عام کیا اس میں تین حلف اٹھائے۔ اپنے حلفوں میں انہوں نے فرمایا: "اس جلسے کے

لیے ایک روپیہ تک کسی نے امداد نہیں دی بلکہ تمام اخراجات منہاج القرآن کے کارکنان اور عوام نے خود اپنی جیب سے کیے ہیں۔ میں کسی بیرونی طاقت کے کہنے پر پاکستان نہیں آیا، نہ ہی میں کوئی بیرونی ایجنڈا پاکستان لانا چاہتا ہوں۔ اس اجتماع کی بنیاد ہرگز ہرگز آئین پاکستان کے خلاف نہیں اور نہ یہ جمہوریت کے خلاف ہے۔ اس عوامی جلسے کا مقصد کسی فوجی یا ملٹری ٹیک اوور کی طرف اشارہ نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں خود ملک کے تمام جمہوری اور سیاسی قائدین کے ساتھ فوجی ٹیک اوور کو روکنے والوں میں سب سے آگے ہوں گا"۔ یہ ان کی تحقیق کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنی سیاسی جماعت پاکستان عوامی تحریک" کو پس پشت ڈال کر ادارہ منہاج القرآن کے زریعے اپنی" سیاست شروع کی۔ علامہ طاہر القادری جانتے ہیں کہ پاکستان میں عوامی تحریک کے نام سے شاید ہی کوئی واقف ہو مگر ادارہ منہاج القرآن کی عام پہچان ہے۔ اس کے ہزاروں کارکن ہیں، ایک منظم انتظامیہ ہے۔ پھر اخراجات کا حساب دینا بھی مشکل نہیں، اور سب سے زیادہ منہاج القرآن کے نام پر اکثریت کو اور خاصکر خواتین کی اکثریت کو جلسے اور دھرنے میں لانا بہت آسان ہوگا۔ جہاں تک جلسے میں شامل لوگوں کی تعداد کا تعلق ہے اسے ایک بڑا جلسہ قبول کرنے میں کوئی دو رائے نہیں جس میں خواتین کی ایک اکثریت بھی تھی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ آئین کے آرٹیکل باسٹھ اور تریسٹھ کے اوپر پورا پورا عمل ہونا چاہیے اور اس کام میں اگر نوے دن سے زیادہ بھی لگ جائیں تو آئین اس کی اجازت دیتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ

نگراں حکومت بنانے کے لیے دو پارٹی کا مک مکا نہیں چلے گا اس لیے مطالبہ کیا حکومت کے اندر اور باہر موجود سیاسی قوتوں کی نمائندگی کے علاوہ عدلیہ اور فوج کی بھی نمائندگی ہو۔ انھوں نے اعلان کیا کہ اگر 10 جنوری تک ان کے مطالبات پورے کرنے کے لیے اقدامات نہ کیے گئے تو وہ 14 جنوری کو اسلام آباد میں عوامی پارلیمنٹ لگائیں گے۔ انھوں نے اپنی تنقید کا نشانہ زیادہ تر مرکز اور پنجاب میں برسر اقتدار پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کو بنایا۔ اس جلسے میں ایم کیو ایم کے وفد نے بھی خصوصی طور پر شرکت کی ۔ علامہ طاہر القادری کے حلفوں کا ایک ایک لفظ اور انکے مطالبات اور انتظامات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ اپنا ہوم ورک بہت اچھی طرح کرکے آئے ہیں۔

اسلام آباد کے دھرنے نے ہمیں پیر بنا دیا

کچھ سال پہلے کراچی کے علاقے لانڈھی کا رہنے والا نوجوان جاوید اپنی والدہ کے ساتھ عمرہ کرنے جب سعودی عرب پہنچا تو جدہ میں میری اس سے ملاقات ہوئی، مجھے جاوید سیدھا سادھا نوجوان لگا، اس نے بتایا کہ وہ کپڑے سینے جانتا ہے لہٰذا اپنی والدہ کو واپس بھیج کر یہاں غیر قانونی رکر کام کرے گا کیونکہ میرے پیر صاحب کا مشورہ تھا کہ سمندر پار جاوں لہٰذا میں نے اپنی امی کو بتایا تو امی نے بہنوں کے لیے رکھا ہوا زیور بیچ کر انتظام کیا۔ پھر جاوید کی والدہ واپس آگیں اور جاوید سے کبھی کبھی راستے میں ملاقات ہو جاتی۔ ایک دن جب جاوید سے ملاقات ہوئی تو اُس نے بتایا کہ بارہ ربیع الاول کی وجہ سے وہ رات کو مدینہ منورہ جارہا۔ میں نے کہا تم یہاں غیر قانونی ہو راستے کی چیک پوسٹ پر پکڑے جاوگے۔ جاوید نے بتایا کہ اس نے اپنے پیر صاحب سے بات کرلی ہے اور انھوں نے اجازت دے دی ہے اور اب کوئی مجھے نہیں پکڑے گا۔ ایک ہفتہ بعد وہ صاحب جن کے ساتھ جاوید رہتا تھا میرے پاس آئے اور بتایا کہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے جاوید چیک پوسٹ پر پکڑا گیا اور چار دن جدہ کی جیل میں رہنے کے بعد کل ہی پاکستان پہنچا ہے۔ ان صاحب نے کہا کہ جاوید نے بتایا کہ آپ پاکستان جانے والے ہیں اسلیے آپ سے درخواست کی ہے کہ اسکا سامان جو ایک بیگ میں اپنے ساتھ لیتے آئیں۔ کچھ دن

بعد میں کراچی پہنچا تو جاوید کا بیگ بھی میرے ہمراہ تھا۔ دو دن بعد جب جاوید اپنا بیگ لینے میرے پاس آیا تو میں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم اپنی بہنوں کا زیور بیچ کر سعودی عرب گے تھے اب کیسے پورا کروگے ۔ اُس نے کہا جب سے میں واپس آیا ہوں میری والدہ اور بہنیں مستقل رورہی ہیں اور مجھے ابھی تک کوئی کام بھی نہیں ملا ہے۔ میں نے غصے میں پوچھا اور وہ تمارا پیر اب کیا کہتا ہے ، وہ بولا میرے پیر صاحب کا کہنا ہے کہ فکر مت کرو میں تمارے لیے دعا کرونگا۔ اور جاتے جاتے بولا میں اپنے پیر صاحب پر مکمل بھروسہ کرتا ہوں مگر لگتا ہے آپکا ایمان کمزور ہے جب ہی میرئے پیر صاحب پر غصہ کررہے ہیں۔

اسلم ایک پڑھا لکھا نوجوان ہے ، وہ متحدہ قومی موومنٹ کا ایک بے لوث کارکن ہے۔ مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والا یہ نوجوان الطاف حسین کی ہر آواز پر لبیک کہنے کو تیار رہتا ہے اور الطاف حسین کے ہونے والے ہر جلسے میں شرکت کرتا ہے، چاہے وہ رات کو ہو یا دن میں اس وجہ سے وہ اکثر وبیشتر بے روزگار بھی رہتا ہے۔ کل اسلم سے ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا کیا تم اس جلسے میں موجود تھے جس میں الطاف حسین نے قائداعظم کی دہری شہریت کا ذکر کیا تھا تم تو تاریخ میں ایم اے کرچکے ہو کیا تم بھی الطاف حسین کی بات سے اتفاق کرتے ہو، اس نے جواب دیا جی میں اتفاق کرتا ہوں اور وہاں مجھ سے بھی زیادہ پڑھے

لکھے موجود تھے اور سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قائداعظم کی دہری شہریت تھی۔ مجھے غصہ آگیا میں نے کہا اور ابھی جو لانگ مارچ میں ہوا ایک دن پہلے تک آپ سب الطاف حسین کے کہنے پر لانگ مارچ کرنے کے لیے بیتاب مگر دوسرے دن لانگ مارچ سے انکار یہ کیا ہے۔ اسلم غصے میں کھڑا ہوگیا اور بولا ہماری پارٹی نظم و ضبط کی مثال ہے،جب ہم سے کہا گیا کہ زرداری زندہ باد تو ہم سب زرداری کی تعریفیں کرنے لگے ۔گذشتہ دنوں ہم سے کہا گیا کہ سپریم کورٹ کے خلاف بولو ہم خوب بولے، اور جب معافی مانگنے کو کہا تو ہمارے رہنماوں نے معافی مانگ لی۔ پیر صاحب نے کہا لانگ مارچ کرو ہم لانگ مارچ کے حق میں دلائل دیتے رہے اور جب لانگ مارچ میں عدم شرکت کا فیصلہ ہوا تب بھی ہم لوگوں کو دلائل دیکر ہی سمجھا رہے تھے۔ اور پھر جاتے جاتے بولا آپ ذرا تمیز سے بولا کریں ہم کارکن ان کو پیر صاحب کہتے ہیں ۔

بڑی آپا جو میری چچا کی بیٹی ہیں دو مرتبہ فون کرکے بلا چکی تھیں مگر میں اپنی مصروفیت کی وجہ سے نہ جاسکا تھا، آج وہ خود ہی چلی آیئں اور بولیں کیا تم نے تیاری کر لی۔ میں نے پوچھا کس بات کی؟ بولیں کیا تم کو پتہ نہیں کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری نے اسلام آباد میں دھرنے کا اعلان کیا ہے لہٰذا ہمیں وہاں جانا چاہیے ۔مگر بڑی آپا آپکو پتہ ہے میں بے روزگار ہوں میں کیسے جاسکتا ہوں، بولی کیوں بہانے کر رہے ہو اچھا یہ بتاو اس دھرنے کے لیے

کیا دے رہے ہو کیونکہ شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری نے اسلام آباد مارچ فنڈ قائم کیا ہے اور کہا ہے کہ اسلام آباد کی جانب مارچ کیلئے زیور، گھر، پلاٹ جو کچھ بھی بیچنا پڑے فروخت کردیں۔ گھر کے برتن یا تن کے کپڑے بیچ کر اسلام آباد آنا پڑے تو ضرور آئیں۔ شیخ الاسلام نے سب سے پہلے اپنی اہلیہ اور بہوؤں کا زیور مارچ فنڈ میں دیا ہے، اس کے بعد خواتین نے زیورات کا ڈھیر لگا دیا۔ نقد رقوم کا بھی انبار لگ گیا۔ میں بھی اپنا سارا زیور اس مارچ فنڈ میں دونگی اور دھرنے میں شرکت بھی کرونگی، اگر تم نہیں بھی جارہے تو ایسا کرو اپنی بیٹی کی شادی کے لیے جو زیور بنایا ہے وہ دے دو میں تمارے نام سے دے دونگی، میں نے معذرت کی تو بڑی آپا غصے سے یہ کہتی ہوئی چلی گیں کہ تم میں تو ذرا بھی جذبہ حب الوطنی نہیں۔

چار دن کے دھرنے کے بعد رات ساڑھے دس بجے علامہ طاہر القادری حکومت سے کیے ہوئے مذاکرات کے نتایج دھرنے کے شرکا کو بتارہے تھے اور شرکا جوش وجذبات سے لبریز ہورہے تھے۔ ٹی وی پر ایک جھلک بڑی آپا اور انکے شوہر کی بھی نظر آئی دونوں تھکے تھکے لگ رہے تھے۔ کل بڑی آپا واپس آگیں آج وہ ملنے آئیں تو بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ مگر جب میں نے ان سے پوچھا کہ عام لوگوں کو اس دھرنے سے کیا فائدہ ہوا تو انہوں نے کہا جناب طاہر القادری شیخ الاسلام ہی نہیں، علامہ،
ڈاکٹر، پروفیسر، مدرس، مفکر، فقیہ اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ بھی

ہیں، لہذا یقیناً انہیں علم ہوگا کہ قومی اصلاح کا عمل کب پورا ہوگا، اسکے بعد وہ غصے میں یہ کہتی ہوئی چلی گیں کہ مجھے تو لگتا ہے کہ تم بہت ہی بے عقیدہ ہو۔

عارف صاحب میرے بڑے پرانے اور اچھے دوست ہیں ان سے کہہ رکھا تھا کہیں نوکری دلادیں، آج بھی ان سے معلوم کرنے گیا تھا مگر وہ پہلے دھرنے کا ذکر لے بیٹھے ہم تو ڈرے ہوئے تھے لہذا ان سے پوچھا کہ اس عظیم اور پرامن دھرنے اور اس کے نتائج پر آپکا کیا خیال ہے۔ وہ بولے ایک قصہ سناتا ہوں۔ایک اسکول کے پی ٹی ماسٹر اپنے اسکول کے بچوں کو لیکر دوسرے شہر کے ایک اسکول میں بچوں کے کھیلوں کے مقابلے میں گے، واپسی میں انہوں نے ہیڈ ماسٹر کو رپورٹ دی کہ فٹبال وہ جیت گے، ہاکی ہم ہار گے اور میراثی اے ڈی اے حکومت پر واجب ہوگیا۔ اب دھرنے کے ٹی اے ڈی اے کے حقدار تو علامہ طاہر القادری ہی ہوے نہ۔ ہم نے بھی پھر اپنی بڑی آپا کا بتایا کہ وہ بھی دھرنے میں شریک ہویں اور ہمیں جو القابات "جذبہ حب الوطنی نہ ہونے" اور "بے عقیدہ" ہونے کے دیے تھے ان کا ذکر کیا اور ساتھ ساتھ جاوید اور اسلم کے القابات " آپکا ایمان کمزور ہے" اور "بدتمیز" کا ذکر بھی کرڈالا۔ عارف صاحب مسکرا کر بولے یہ تو آپکا مسلہ ہی حل ہوگیا اب آپکو نوکری کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کیسے ہم نے حیرانگی سے سوال کیا۔ عارف صاحب بولے اب آپ میری بات غور سے سنیں آپ ایسا کریں کہ آج

سے پیر بن جایں۔آپ کو معلوم ہے کہ صدر آصف زرداری گذشتہ ایک ماہ سے اپنے پیر صاحب کے کہنے پر کراچی میں ہیں، پیر صاحب پگارا پہلے حکومت میں تھے اب نہیں ہیں کیا انکے کسی مرید نے سوال کیا۔ مخدوم امین فہیم گدی نشین ہیں، وزیر بھی ہیں اور، ٹیکس دینا تو دور کی بات وہ تو بجلی کا بل تک نہیں دیتے، کیا انکا کوئی مرید کم ہوا۔ سابق وزیر خارجہ مخدوم شاہ محمود قریشی پیپلز پارٹی چھوڑ کر تحریک انصاف میں چلے گے انکے مرید بھی انکے ساتھ تحریک انصاف میں چلے گے اور تو اور سابق بدترین کرپٹ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی جن کو سپریم کورٹ نے نااہل قرار دیا کیا انکے کسی مرید نے اس بات کو مانا۔ یہ سب کچھ سنتے ہی ہم نے اپنے پیر ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب تک بڑی آپا، جاوید اور اسلم ہمیں اپنا پیر مان چکے ہیں۔ آپ بھی جب چاہیں ہمیں اپنا پیر بنالیں بس اس بھروسے کے ساتھ ہم کچھ بھی کریں وہ درست ہوگا چاہے آپکا کا کوئی بھی نقصان ہو۔ علامہ طاہر القادری نے کیوں دھرنا دیا یہ تو نہیں معلوم مگر اسلام آباد کے دھرنے نے ہمیں پیر بنادیا ہے۔

پیپلز پارٹی کے تیر اور مسلم لیگ ق کی سائیکل پر مٹی پاؤ

ایک اخباری اطلاع کے مطابق "پاکستان پیپلز پارٹی اور ق لیگ کی قیادتیں اس مفاہمت پر پہنچ چکی ہیں کہ دونوں پارٹیاں آنے والے قومی انتخابات میں ایک دوسرے کے مقابلے میں امیدوار نہیں لائیں گی اور ملک بھر میں کسی بھی حلقے میں تیر اور سائیکل مد مقابل نہیں ہوں گے"۔ تیر پاکستان پیپلز پارٹی کا اور سائیکل مسلم لیگ ق کا انتخابی نشان ہیں۔ اس سے پہلے کہ بات آگے چلے یہاں تیر اور سائیکل کے متعلق کچھ بات ہوجائے، پاکستان میں آپکو تیر کا نشان ہر غریب کے چہرے پر ملے گا، موجودہ حکومت نے عوام کو معاشی بدحالی، تعلیمی تنزلی، بدامنی، سی این جی کی ناپیدگی، بجلی کی لوڈشیڈنگ اور بہت سارے قسم کے تیر مارئے ہیں اس لیے تیر پاکستان کا مقبول ترین نشان ہے، مگر صاحب سائیکل کی بات بھی اہم ہے، کیونکہ جب پیٹرول اور سی این جی کا حصول ناممکن ہوگا تب یہ سائیکل ہی ہوگی جو آپکو پیدل چلنے سے بچاے گی، ویسے سائیکل دو پہیوں کی سواری ہے چلتے چلتے گر بھی جاتی ہے، پہلے یہ مشرف کے دربار میں تھی آجکل زرداری کے دربار میں گری ہوئی ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا قیام ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں عمل میں آیا، بھٹو صاحب نے تو تلوار کے نشان پر 1970 اور 1977 کے الیکشن لڑئے مگر

ضیاالحق نے جہاں بھٹو کو پھانسی دی وہیں پیپلزپارٹی کے انتخابی نشان کو بھی سولی پر چڑھادیا، اُس نے الیکشن کمیشن کو کہکر تلوار کانشان ہی ختم کرادیا، 1988 کے انتخابات پیپلزپارٹی نے بے نظیر بھٹو جو اُس وقت بیگم زرداری ہو چکی تھیں انکی قیادت میں تلوار کو چھوڑ کر اور تیر کو اپنا کر لڑے۔ پیپلزپارٹی کی موجودہ حکومت چوتھی بار اقتدار میں آئی ہے، بھٹو سے لیکر زرداری تک اس پارٹی نے روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگاکر عوام کے ووٹ حاصل کیے مگر عوام آج پہلے سے زیادہ ان بنیادی ضروریات کے لیے پریشان ہیں۔ کرپشن 1988 کی بے نظیر بھٹو حکومت سے شروع ہوا، یہ نہیں کہ پہلے کرپشن نہیں تھا مگر اسقدر بے شرم طریقے سے نہیں تھا، بے نظیر بھٹو کی 1988 اور 1994 کی دونوں حکومتیں دوسرے الزامات کے علاوہ کرپشن کے الزامات لگاکر ختم کی گیں، 2007 میں بے نظیر جاں بحق ہوگیں اور آصف زرداری پیپلزپارٹی کے سربراہ ہوگے۔ 2008 کے الیکشن میں پیپلزپارٹی کو اسقدر اکثریت حاصل نہ تھی کہ وہ اکیلے حکومت بنا سکتے، اسلیے زرداری نے سب سے پہلے نواز شریف کو بڑا بھائی بناکر استمال کیا، گیلانی اور خود کو بغیر کسی پریشانی کے وزیراعظم اور صدر منتخب کروایا اور پھر نواز شریف کو ہری جھنڈی دکھادی، نواز شریف آجتک فرینڈلی اپوزیشن کے طعنے سن رہے ہیں۔ ایم کیو ایم اور اے این پی کی حمایت زرداری کے لیے کافی ہے، مگر جب ایم کیو ایم نے کراچی کے حالات کی وجہ سے زرداری حکومت کو ہلایا تو زرداری نے کل کی قاتل لیگ کو اپنے ساتھ ملالیا، اب وہ اور انکے ساتھی

پہلے سے زیادہ مضبوطی سے کرپشن کر رہے ہیں، اب ایم کیو کی دھمکی نہیں چلے گی، اے این پی کی طرف سے کوئی خطرہ یوں نہیں کہ وہ خیبر پختون خواہ میں عیش کر رہی ہے۔
یاد رہے پیپلز پارٹی کا انتخابی نشان تیر ہے۔
مسلم لیگ ایک تو وہ تھی جس کی قیادت قائداعظم محمد علی جناح نے کی اُس مسلم لیگ کا انتقال 1953 میں غلام محمد کے ہاتھوں ہو چکا، بعد میں تو مسلم لیگ گھر کی لونڈی ہو گی اسکے آجتک الف سے ے تک تمام چربے آچکے ہیں۔ سیاستدانوں کی طرح ہر فوجی حکمراں کو بھی ایک مسلم لیگ اپنے اقتدار کے لیے چاہیے ہوتی ہے، اس لیے ایوب خان نے اسکو کنونشن مسلم لیگ کے نام سے استمال کیا، جبکہ ضیاالحق نے تو اسکو مسلم لیگ ہی کہہ کر محمد خان جونیجو کو اسکا سربراہ بنایا مگر ضیاالحق کے مرنے کے بعد نواز شریف اس پر قابض ہوگے، جب مشرف نے نواز شریف حکومت ختم کی تو پھر اقتدار کے متوالوں نے مسلم لیگ کے مزید حصے بقرے کیے۔ اور پھر جب مشرف کو مسلم لیگ کی ضرورت پڑی تو چوہدری شجاعت حسین اور نواز شریف کے باغیوں نے مسلم لیگ ق مشرف کی جھولی میں ڈال دی، پہلے اس کے سربراہ میاں محمد اظہر ہوے بعد میں چوہدری شجاعت حسین اس کے سربراہ بنے جو آج تک ہیں، مشرف کے زمانے میں چوہدری شجاعت حسین ق لیگ کے سربراہ ہونے کی وجہ سے نگراں وزیراعظم بھی بنے، انکے تایا کے بیٹے چوہدری پرویز الہی پانچ سال تک پنجاب کے وزیر اعلی رہے اور مشرف کے اقتدار تک یہ دونوں بھائی

صبح شام مشرف کے گن گاتے تھے حتکہ جتنی مرتبہ خود مشرف نے نہیں چاہ ہوگا چوہدری پرویز الہی اس سے زیادہ مرتبہ مشرف کو صدر بنانے کا اعلان کرتے رہے وہ بھی وردی میں، بدلے میں بہت پہلے ہی مشرف ان کے قرضے اور ان کے کرپشن کو معاف کرچکے تھے۔ پھر جیسے ہی مشرف کا اقتدار ختم ہوا، دونوں بھائیوں کی مشرف سے وفاداری بھی ختم ہوگی۔ اقتدار کے متوالوں نے فورا نواز شریف سے رابطہ کیامگر اسوقت نواز شریف زرداری کے بڑے بھائی بنے ہوے تھے اور انکو تازہ تازہ مشرف فوبیا تھا لہذا چوہدریوں کو وہاں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ زرداری اور نواز شریف کے اختلافات اور ایم کیو ایم کی دھمکیوں کے بعد چوہدریوں کی دلی مراد پوری ہوئی اور وہ اقتدار میں واپس آئے، آجکل چوہدری پرویز الہی نائب وزیر اعظم ہیں اور ق لیگ کے کچھ اور وزیر پیپلز پارٹی کی حکومت کے ساتھ ملکرپاکستان کے کرپشن کے اسکور میں اضافہ کر رہے ہیں۔یاد رہے مسلم لیگ ق کا انتخابی نشان سائیکل ہے۔

پاکستان کی سیاست اور جمہوریت دونوں ملوکیت کا شکار ہیں، مطلب سیاست سے مراد سیاسی پارٹی اُس پارٹی کے رہنما کی ذاتی ملکیت اور جمہوریت سیاسی پارٹی کے رہنما کی ذاتی خواہش ہے۔ پیپلز پارٹی کی قیادت بھٹو کے بعد بے نظیر پھر زرداری اور بعد میں بلاول، دوسری طرف مسلم لیگ ق کے مالکان چوہدری ہیں، مونس الہی پیچھے تیار ہے، اب آپ سمجھ گے ہونگے ہمارے ملک میں سیاست اور

جمہوریت دونوں ملوکیت کا شکار کیوں ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ چوہدری اور زرداری اتحاد پہلی مرتبہ اقتدار میں ساتھ ساتھ ہیں یہ ایک غلط خیال ہے، اس سے پہلے بھی یہ دونوں خاندان ذوالفقار علی بھٹو اور چوہدری پرویز الہی کے والد چوہدری ظہور الہی ایوب خان کی حکومت میں اقتدار میں شامل رہ چکے ہیں۔ چوہدری ظہور الہی جو 1930 میں پنجاب پولیس میں کانسٹیبل کے طور پر بھرتی ہوے تھے اور جنہیں بعد میں کرپشن کے الزامات پر نوکری سے نکال دیا گیا تھا۔ بعد میں وہ اپنے بھائی کے ساتھ کاروبار کرنے لگے، 1956 میں سیاست میں قدم رکھا۔ ذوالفقار علی بھٹو ایوب کابینہ میں وزیر خارجہ تھے اورچوہدری ظہور الہی کنونشن مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے۔ جب ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خان کی حکومت سے علیدگی اختیار کی اور ایوب خان کے خلاف تحریک چلائی تو کنونشن مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل کے طور پر چوہدری ظہور الہی نے ذوالفقار علی بھٹو کی مخالفت کی۔ یہ مخالفت آگے بڑی اور ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں چوہدری ظہور الہی کو بھینس چرانے اور دوسرے الزامات لگاکر قید کیا گیا تھا اور انکی فلورملوں کو حکومت نے اپنے کنٹرول میں کرلیا۔ چوہدری ظہور الہی ان نو اراکین پارلیمنٹ میں شامل تھے جنکو بھٹو حکومت کے دور میں اسمبلی کے سیشن کے دوران اسمبلی سے باہر پھکوایا گیا۔ ضیاالحق نے اقتدار میں آکر چوہدری ظہور الہی کی فلورملوں کوانہیں واپس کردیا اور جب ضیاالحق نے بھٹو کو پھانسی دی ے تو چوہدری ظہور الہی نے ضیاالحق سے اُس قلم کو اپنے

پاس رکھنے کی خواہش کی جس سے بھٹو کو پھانسی کا حکم لکھا گیا تھا، چوہدری ظہور الٰہی نے ضیاالحق کے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ میں اس قلم کو اس لیے رکھنا چاہتا ہوں تاکہ تاریخ میں میرا نام بھی شامل ہو جائے۔ ضیاالحق کے زمانے میں ذوالفقار علی بھٹو کے بڑے بیٹے میر مرتضیٰ بھٹو نے الذوالفقار نامی تنظم بنائی، چوہدریوں کے الزام کے مطابق 25 ستمبر 1981 کو لاہور میں الذوالفقار نے چوہدری ظہور الٰہی کو قتل کر دیا۔ چوہدری ظہور الٰہی کے قتل کے بعد چوہدری اور بھٹو خاندان میں اختلافات اور بڑھے اور چوہدریوں نے بارہا پیپلز پارٹی کو چوہدری ظہور الٰہی کا قاتل کہا اور پیپلز پارٹی سے اپنی برملا نفرت کا اظہار کیا۔ 1988 میں بے نظیر بھٹو نے اپنے دور اقتدار میں ایک دفعہ پھر چوہدری خاندان کو نشانہ بنایا، ان کی حکومت نے تمام بینکوں کو احکامات جاری کیے کہ چوہدریوں کے صنعتی یونٹوں کو ورکنگ کیپٹل جاری نہ کیا جائے، اسطرح انکے دیوالیہ ہونے کا خطرہ تھا، چوہدری خاندان نے عدالتوں سے ریلیف کی کوشش کی اور نجی شعبے سے مدد لیکر اپنے کاروبار کو جاری رکھا۔ نواز شریف حکومت کے زمانے میں چوہدری خاندان بے نظیر کے پیچھے لگا رہا، اس درمیان میں ہی بے نظیر ملک سے باہر چلی گیں۔ بے نظیر نے 2007 میں اپنی خود ساختہ جلاوطنی ختم کرکے وطن واپس آنے کا اعلان کیا اور مشرف حکومت کو ایک خط کے زریعے بتایا کہ دوسروں کے علاوہ انہیں چوہدری پرویز الٰہی سے اپنی جان کا خطرہ ہے، دوسری طرف چوہدری پرویز الٰہی ہر روز یہ بیان دیئے رہے تھے کہ

بے نظیر ملک کے لیے سیکورٹی رسک ہے، اس کے علاوہ بھی دونوں چوہدریوں نے بے نظیر اور پیپلز پارٹی کے خلاف الزامات کا پنڈورا کھولا ہوا تھا۔ 18 اکتوبر کو بے نظیر کی واپسی پر کراچی میں جس جلوس پر حملہ ہوا تھا اس کا الزام بھی بے نظیر نے دوسروں کے علاوہ چوہدری پرویز الٰہی پر بھی لگایا، 27 دسمبر 2007 کے دن راولپنڈی میں ایک عوامی جلسے کے بعد واپس جاتے وقت ایک حملے میں بے نظیر جاں بحق ہو گیں، آصف زرداری نے اس کا الزام مسلم لیگ ق کو دیا اور اور مسلم لیگ ق کو قاتل لیگ کہنا شروع کیا۔ یاد رہے پیپلز پارٹی کا انتخابی نشان تیر اور مسلم لیگ ق کا انتخابی نشان سائیکل ہے۔

مئی 2011 کی ایک اہم خبر یہ تھی کہ ایک اجلاس میں حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی اور حزب اختلاف کی دوسری بڑی جماعت مسلم لیگ ق کے درمیان شراکت اقتدار پر سمجھوتہ طے پا گیا ہے۔ اتحاد پر اصولی طور پر اتفاق ہو گیا ہے جو صرف شراکت اقتدار کے لیے ہی نہیں بلکہ آئندہ انتخابات کے لیے بھی ہوگا۔ اس اجلاس میں حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت آصف زرداری اور حزب اختلاف کی دوسری بڑی جماعت مسلم لیگ ق کی قیادت چوہدری شجاعت حسین نے کی۔ مسلم لیگ ق کے ایک رہنما نے کہا کہ صدر زرداری نے ان کی جماعت کو وفاقی اور صوبائی حکومتوں میں حصہ داری کے ساتھ ساتھ نائب وزیر اعظم کا عہدہ دینے کا بھی وعدہ کیا ہے۔

اب اگر عوام یہ سب جاننے کے باوجود" کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی" کے اوپر عمل پیرا ہوئے تو پھر عوام اگلے پانچ سال اس دو خاندانی اتحاد کی ملوکیت اور لوٹ مار کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہیں اور اگر عوام سمجھ گے تو پھر عوام خود کہیں گے: پیپلز پارٹی کے تیر اور مسلم لیگ ق کی سائیکل پر مٹی پاؤ

لٹیروں کا ہی دور ہے لٹیروں کا ہی زور ہے
لٹیروں سے بندھی ہوی لٹیروں کی ڈور ہے
سیاسی لٹیروں کا کیسا یہ دور ہے
کرپشن، کرپشن، کرپشن کا دور ہے

کیا محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا سیاست میں آنے کا فیصلہ درست ہے؟

مولانہ کوثر نیازی نے اپنی کتاب "اور لاین کٹ گی" میں لکھا ہے کہ "جب وہ ذوالفقار علی بھٹو سے ملکر واپس جارہے تھے تو بھٹو نے اپنی میزپر بہت زور کا ہاتھ مار کر کہا تھا اب میں ان ہندووں کو دیکھ لونگا"، اصل میں 1974 کے بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد بھٹو نے کہا تھا کہ ہم گھاس کھاکر گذارہ کرینگے لیکن ہم بھی ایٹم بم بنائینگے، اور جلد ہی ان کی ملاقات ہالینڈ سے ماسٹرز آف سائنس جبکہ بیلجیئم سے ڈاکٹریٹ آف انجینئرنگ کی اسناد حاصل کرنے والے ڈاکٹرقدیر خان سے ہوئی، ڈاکٹر صاحب کراچی اسٹیل مل میں نوکری کرنا چاہتے تھے لیکن جب ذوالفقار علی بھٹو نے ان سے بات چیت کی تو جلد ہی یہ معلوم کرلیا کہ ڈاکٹر صاحب ایٹمی سائنس دان ہیں۔ بھٹو سے ملاقات کے بعد جب وہ واپس جارہے تھے تب بھٹو نے کہا تھا "اب میں ان ہندووں کو دیکھ لونگا"۔

31 مئی 1976 سے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا یہ سفر 28 مئی 1998 میں پاکستان کے کامیاب ایٹمی تجربے پر ختم ہوا۔ یہ ایٹمی تجربہ بھارت کے ایٹمی تجربہ 11 مئی 1998کے ٹھیک 17 دن بعد کیا گیا۔ گزشتہ تیں برسوں میں پاکستان اور بھارت پانچ مرتبہ جنگ کے دہانے پر پہنچے ۔بھارتی پارلیمنٹ پر

حملے کے بعد تو بھارت نے 13 ماہ تک اپنی ساری فوج پاکستانی سرحد پر حالت جنگ میں رکھی۔ بھارت کو علم تھا کہ پاکستان روایتی ہتھیاروں میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا مگر بھارت کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ پاکستان اپنی جغرافیائی سلامتی کو خطرے میں دیکھ کر ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال بھی کر سکتا ہے۔ یہ ایٹمی ہتھیار ہی تھے جن کی بدولت یہ خطہ جنگ کی تباہی سے محفوظ رہا۔ ڈاکٹر قدیر خان اور ان کے ساتھیوں کی محنت اور کامیابیوں کے طفیل یہ ممکن ہوا کہ آج پاکستان کی جغرافیائی سلامتی کو کوئی بیرونی خطرہ لاحق نہیں۔اسکے علاوہ محسن پاکستان نے ایٹمی میزائلوں کے بھی کامیاب تجربے کیے۔
ڈاکٹر قدیر خان نے عالمی یونیورسٹیوں میں ایک سو سے زیادہ لیکچر دیے، ان کو مختلف اوقات میں مختلف معتبر تنظیموں اور اداروں کی طرف سے 42 طلائی تمغے دیے گے، انہوں نے ایک سو اٹھاسی سے زائد سائنسی تحقیقاتی مضامین بھی لکھے ہیں۔ انیس سو ترانوے میں کراچی یونیورسٹی نے ڈاکٹر قدیر خان کو ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی سند دی۔ کہوٹہ میں جہاں ڈاکٹر صاحب نے کام کیا پہلے اسکا نام انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز تھا مگر یکم مئی 1981 سے اسکا نام بدل کر "ڈاکٹر اے کیو خان ریسرچ لیبارٹریز" رکھ دیا گیا۔
2004 میں مشرف حکومت سے اختلاف کے باعث ڈاکٹر قدیر خان اپنی ذمیداریوں سے علیدہ ہوگے، اسکے بعد انہوں نے سیچٹ sachet کے نام سے ایک این جی او بنائی

جو تعلیمی اور دیگر فلاحی کاموں میں سرگرم ہے۔ کچھ عرصے بعد ڈاکٹر صاحب جن کو ادب سے بھی لگاؤ ہے روزنامہ جنگ میں " سحر ہونے تک " کے عنوان سے کالم لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ شروع شروع میں ڈاکٹر صاحب مختلف موضع کا انتخاب کرتے رہے مگر آہستہ آہستہ ان کے کالم سیاسی رنگ اختیار کرتے گے۔ بات یہیں تک رہتی تب بھی کچھ نہ تھا، مگر کچھ عرصے پہلے خبر ملی کہ ڈاکٹر صاحب تحریک انصاف میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں اور اسکا وہ اعلان عمران خان کے لاہور کے جلسہٗ میں کرینگے مگر وہ وہاں نہیں گے اور تحریک انصاف کے جلسے کے بعد ان کا ایک بیان سامنے آیا جس میں انہوں نے فرمایا کچھ دوستوں نے سیاست میں گھسیٹنے کی کوشش کی لیکن میں تیرتی ہوئی مچھلی ہوں، " کوزے میں بند نہیں ہونا چاہتا۔ خدا نے مجھے عزت، شہرت اور بلندی دی۔ اب یہی خواہش ہے کہ ایمان سلامت رہے "۔ اسی بات کو دہراتے ہوے ایک ٹی وی پروگرام میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا " مجھے دوستوں نے سیاست کے میدان میں گھسیٹنے اور اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ تحریک انصاف کے لوگوں نے بھی کئی مرتبہ رابطہ کیا لیکن میں ایک آزاد شہری اور سیدھا سادہ انسان ہوں۔ میں ان چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا"۔ سیاست ایک ایسا نشہ ہے کہ جو بھی اسکا شکار ہوجائے وہ پھر اسکو چھوڑتا نہیں، ڈاکٹر صاحب جو بھٹو سے مشرف تک ہر حکومت کے قریب رہے ہیں اسلیے سیاست کا نشہ وہ بھی کر بیٹھے اور اپنی نئی سیاسی جماعت تحریک تحفظ پاکستان بنائی ہے اور جس کی رجسٹریشن جولائی 2012 کو الیکشن کمیشن آف پاکستان میں کروادی 17

گئی ہے اور اب الیکشن کمیشن سے میزائل کا نشان مانگا ہے۔ تحریک تحفظ پاکستان کے سیکریٹری جنرل خورشید زمان نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان، ملک کی حالت بدلنے کیلئے سیاست میں آئے ہیں اور وہ آخری امید ہیں جبکہ باقی تمام سیاسی جماعتیں ناکام ہو چکی ہیں۔ خورشید زمان کے مطابق ڈاکٹر صاحب کو ابھی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ خود الیکشن میں کھڑے ہوں گے یا مہم کے ذریعے پارٹی کی رہنمائی کریں گے۔

محترم ڈاکٹر صاحب! ہم پاکستانی جو اسوقت بٹی ہوئی قوم ہیں، ہم جو لسانی، مذہبی، علاقائی تعصب کا بھرپور شاہکار ہیں مگر اس کے باوجود ہم آپ کے حوالے سے اس بات پر متفق ہیں کہ آپ محسن پاکستان ہیں۔ ہم آپ کو اسلامی دنیا کے پہلے ایٹم بم کے خالق اور ہیرو کے طور پر جانتے ہیں۔ ہمیں یہ بتانے کی بھی ضرورت نہیں کہ ہمارے دل میں آپ کا کیا مقام ہے۔ بھارت کے ایٹمی قوت بن جانے کے بعد اگر پاکستان ایٹمی صلاحیت سے محروم رہ جاتا تو آج پاکستان کی قومی سلامتی بہت بڑے خطرات سے دو چار ہوتی۔ جوہری صلاحیت کی بناہ پر پاکستان کا ایٹمی پروگرام آپ کے نام سے جوڑا گیا ہے۔ ہمیں 4 فروری 2004 کا وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب آپ کو ٹی وی پر لا کر آپ کو ایک ناکردہ گناہ کے اعتراف پر مجبور کیا گیا، آپ کو زیر حراست رکھنا، آپ کو ایک موذی مرض لاحق ہونے کی تکلیف دہ خبر، آپ کے خلاف بیہودہ الزامات، یہ سب کچھ آپکے چاہنے والے

پاکستانیوں کے لئے باعث اذیت تھا۔ آپ اُن چُنے ہوئے لوگوں میں سے ایک ہیں جس سے پورا پاکستان پیار کرتا ہے اور آپ کے لیے اس سے بڑا انعام کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی۔ پاکستانیوں نے آپ سے بے پناہ محبت کی ہے، اتنی بے پناہ کہ یہ محبت عقیدت کی حدوں کو چھونے لگی۔ لیکن اب آپ نے بھی ہم جو بٹی ہوئی قوم ہیں جو ایک بات پر متفق ہیں کہ آپ محسن پاکستان ہیں اسکو بانٹ دیا، آپکے سیاست میں آنے کی وجہ سے ہمارا محسن پاکستان بٹ جائے گا۔
آپ وہ شخصیت ہیں جسے کافی اعزازات ملے لیکن آپ کا اصل اعزازات وہ بوسے ہیں جو لوگوں نے آپ کے ماتھے اور آپ کے ہاتھوں پہ ثبت کئے۔ پھولوں کے وہ ان گنت گلدستے ہیں جو لوگوں نے آپکی بیماری پر ایک ہسپتال کے باہر رکھے اور وہ دعائیں ہیں جو ساری پاکستانی قوم نے آپ کے لئے مانگیں۔ ایسی چاہتیں اور محبتیں ہر کسی کو نہیں ملتیں۔ سیاست ہر گز گناہ نہیں لیکن پاکستان میں ایک قومی ہیرو کے طور پر جانے والے شخص کے لئے سیاست کا میدان اس لئے ٹھیک نہیں کہ پاکستانی سیاست ایک ایسی دنیا ہے جہاں لوگوں کی پگڑی اچھالنا ایک عام بات ہے۔ اس میدان کے لوگ بڑے بے رحم، بڑے بے لحاظ اور منہ پھٹ ہیں، اس میدان میں وہ وہ اوچھے وار کیے جاتے ہیں شاید جس کا آپ کو تصور بھی نہ ہو، یہاں نہ عورت کا لحاظ ہے، نہ کسی کے مرتبے کا۔
محترم ڈاکٹر صاحب! یہاں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف 1964 میں جب وہ

ایوب خان کے خلاف صدارتی الیکشن میں حصہ لے رہی تھی وہ گندی زبان استمال ہوئی جو ناقابل بیان ہے، محترمہ رانا لیاقت علی خان کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں جماعت اسلامی نے ہندنی کاخطاب دیا۔ 1970 کے الیکشن کے دوران بھٹو کو جماعت اسلامی کے حامی علمانے کافر قرار دیا، جواب میں بھٹوکے حامی علمانے مولانہ مودودی کو کافر قرار دے دیا۔ بھٹونے اصغر خان اور نور خان کوآلو کاخطاب دیا اور میاں ممتاز دولتانہ کو چوہا کہا، جبکہ چوہدری ظہور الہائی کو بھینس چور اور فٹ کانسٹبل کے خطاب ملے۔ الیکشن کے نتایج کے دوسرے دن پیپلزپارٹی کے اخبار نے اپنے صفہ اول پر موددی ٹھاہ، نصراللہ ٹھاہ، دولتانہ ٹھاہ کے نعروں کے ساتھ مولانہ مودودی کے چہرے کو ایک رقاصہ کے دھڑکے ساتھ جوڑ کر اپنی جیت کا اعلان کیا۔ 4 اپریل 1979 کو بھٹو کو پھانسی ہوئی ، جماعت اسلامی کے اخبار جسارت نے اپنے ضمیمے کی ہیڈنگ لگائی " بھٹو بغیر وضواور نماز کے پھانسی چڑھ گیا"، بے نظیر کے بارے میں بے ہودہ الفاظ عام طور پر استمال کیے گے، نواز شریف کو قاضی حسین احمد نے لوہاچور کاخطاب دیا، جبکہ جدہ جانے کے بعد وہ بھگوڑے بھی کہلائے۔ پاکستان کے تین ملٹری جنرلوں ایوب خان، ضیاالحق اور مشرف کو کتے کے خطاب ملے جبکہ یحیٰی خان تو تھا ہی شرابی اور زانی۔ موجودہ دور میں زرداری کو ان گنت ناموں سے نوازہ جاتاہے، کرپٹ صدر تو عام بات ہے۔ وزیراعظم کو بجلی چور کاخطاب ملاہے۔ الطاف حسین کے ان گنت نام ہیں جس میں دہشت گرد زیادہ استمال ہوتا ہے، مولانہ

فضل الرحمن کو بلا ڈیزل کہا جاتا ہے، حالیہ قومی اسمبلی میں عورتوں کے بارے میں وہ نازیبا الفاظ استمال ہوے جو اشاعت کے قابل نہیں، تھوڑے عرصے پہلے ایم کیو ایم نے عمران خان کے بارے میں کراچی میں وہ بہودہ وال چاکنگ کروائی کہ خود ایم کیو ایم کے ہمدرد بھی پڑھتے ہوئے شرماتے تھے، اب سے کچھ ماہ قبل مریم نواز کے بارے میں بھی بہودہ الفاظ کا استمال کیا گیا اور حال ہی میں پاکستانی وزیر خارجہ اور بلاول کے بارے میں بہودہ پروپگنڈا کیا گیا۔ گلوبل ولیج کے اس دور میں نہ لیڈر اور نہ عوام میڈیا کے محتاج نہیں ہیں وہ سوشل میڈیا کا بھرپور استمال جانتے ہیں اسلیے وہ جس کے خلاف یا حمایت میں جو بات کہنا چاہتے ہیں چند سیکنڈ میں اپنی بات پوری دنیا میں پھلا دیتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا، موجودہ وقت میں اب سیاست کے دل میں نہ ہی وفا رہی ہے اور نہ آنکھ میں شرم۔

محترم ڈاکٹر صاحب ! شاہ جہاں نے تاج محل بنوایا، دنیا کے اس آٹھویں عجوبے کو دیکھنے دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں، مگر اس عجوبے سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں، مگر سر سید احمد خان کے بنائے ہوئے ایک مدرسے سے جو آج علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے جانا جاتا ہے اس سے دنیا فیض یاب ہوئی، ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ ہمیں آج پہلے سے زیادہ سائنس دانوں کی ضرورت ہے، اگر آپ جعفر الحیان [بابائے کیمسٹری] ، ابن خلدون، ابو ریحان البیرونی ، سلیم الزماں

صدیقی، ثمر مبارک ، عطاالرحمان اور اپنے جیسے اور بنادیتے تو یہ آپکا پاکستانی قوم پر ایک اور احسان ہوتا، آپ اور دوسرے سائنس دانوں کو نمائش کی ضرورت نہیں ہوتی، آپکا کام ہی آنے والی نسلوں کو ہمیشہ یاد رہے گا- آج پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی کے بعد کوئی ایسا سیاست داں نہیں جو متنازہ نہ ہو، سلیم الزماں صدیقی، عطاالرحمان اور ثمر مبارک کا کوئی مخالف نہیں۔ آپکو بہتر معلوم ہوگا کہ پاکستان کے کامیاب ایٹمی تجربے کے بعد دنیا کی اچھی یونیورسٹیوں میں ہمارے بچوں کو نیوکلیر انجینئرنگ میں قطعی داخلے نہیں دیے جاتے۔ خاصکر گیارہ ستمبر کو امریکہ پر حملے کے بعد مختلف حلیے بہانے سے مسلمانوں اور خاص طور پر پاکستانیوں پر علم کے دروازے بند کردیے گئے ہیں،۔ ایسے میں آپکو چاہیے تو یہ تھا کہ ایسی درسگاہ بناتے جہاں ہمارے بچے زیادہ سے زیادہ سائنسی علوم حاصل کرتے۔ مگر آپ سیاست کے میدان میں اترگئے اور ابھی پوری طرح سیاست میں داخل بھی نہ ہوپائے ہیں کہ سیاست دانوں کے حملے آپ پر شروع ہوگئے، پیپلزپارٹی، نواز لیگ اور تحریک انصاف نے آپ پر چاروں طرف سے حملے بھی شروع کردیے۔ آپکے خلاف تنخواہ والے لکھاریوں نے اپنا کام شروع کردیا، آپ کے بارے میں ایک تنخواہ دار لکھاری نے کچھ یوں لکھا "پاکستان میں گندی سیاست میں مہارت رکھنے والوں میں ایک سے بڑھ کر ایک مداری شامل ہے۔ وہی بازیگر ڈاکٹر صاحب کو اپنے مفادات کی تکمیل کے لیئے بطور " بچہ جمہورا " استعمال کرنے کی کوشش میں ہیں ۔ اور منظر نامہ کچھ

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان مداریوں کے ہاتھوں میں کھیلتے اپنی شہرت و عظمت کو داؤ پر لگا دیں گے "۔ ایک اور تنخواہ دار لکھاری نے لکھا " ڈاکٹر قدیر خان جس زمانے میں کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز کے سربراہ تھے، وہ اس وقت بھی پیشہ ور سائنس دانوں سے مختلف تھے ۔ روز اول سے شخصیت کو نمایاں کرنا اور خبروں میں رہنا ڈاکٹر صاحب کی کمزوری ہے۔ اپنے کارناموں کی تشہیر کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔ ایک زمانے میں زاہد ملک بڑے تسلسل سے یہ خدمت سرانجام دیا کرتے تھے۔ کئی ایک اور صحافی بھی عشروں سے ڈاکٹر صاحب کی خدمت کرتے اور حصہ بقدر جثہ پاتے رہے "۔

پھر سیاست کے بارے میں آپکے اپنے خیالات بھی کچھ اچھے نہیں ہیں، آپ نے اپنے کالم سحر ہونے تک " میں بعنوان "پاکستانی جمہوریت : ایک مذاق" میں ایک جگہ آپ " نے لکھا "مغربی ممالک میں یا دوسرے چند ممالک میں جہاں جمہوری نظام کامیاب رہا ہے وہاں شرح خواندگی یعنی پڑھے لکھے عوام کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان ممالک میں عموماً تین چار سیاسی پارٹیوں سے زیادہ پارٹیاں نہیں ہوتی ہیں اور الیکشن کے بعد نفاق ختم ہوجاتا ہے۔ جہاں ملکی مفاد ہو وہ سب مل جاتے ہیں خواہ یہ قانونی ہو یا غیر قانونی سب ایک ہیں۔ اندرونی معاملات پر اختلاف ہوں تو یہ کشتی پارلیمنٹ میں لڑی جاتی ہے"۔ آگے آپ لکھتے ہیں "ہمارے ملک میں جمہوریت نام کا پرندہ عنقا ہے ۔ یہ پرندہ بے چارہ غلام محمد کے

ہاتھوں 1953 میں قتل ہوا اور دفن ہوگیا۔ اس وقت سے صرف نام نہاد جمہوریت رہی ہے جو بھی حکمران بنا اس نے یک شخصی حکومت قائم کی، درباریوں کا جمگھٹا لگایا اور من مانی کی۔ مخالف لوگوں کو جیلوں میں ڈالا، قتل کرایا اور تمام سرکاری ادارے اسی کام میں لگا دیے۔ بد قسمتی سے متاثرین کو عدلیہ سے بھی کوئی ریلیف نہیں ملا۔ کہانی غلام محمد سے شروع ہوئی اور اسکندر مرزا، ایوب خان، یحییٰ خان، بھٹو، ضیاء الحق، بینظیر، نواز شریف، مشرف اور اب زرداری اور گیلانی تک جاری ہے۔ صرف دکھاوے کے لئے تھوڑا سا میک اپ بدل جاتا ہے اور حکمران عوام کی ضروریات اور خواہشات کی پروا کئے بغیر من مانی کر رہے ہیں۔ پارلیمنٹ ربر اسٹیمپ ہے اور مخالف پارٹیاں ذاتی مفاد اور خود غرضی کا شکار ہیں اور "دوستانہ مخالفت" کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں"۔ پھر اسی کالم میں آپ اپنی سیاسی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ہمارے بے چارے سیدھے سادھے عوام کی اکثریت کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے وہ تماشہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے ملک کی حکمران پارٹی اور اپوزیشن پارٹیوں نے عوام کو بیوقوف بنانے کے نت نئے طریقہ جات ایجاد کر لئے ہیں۔ اپوزیشن پارٹیاں دھواں دھار تقریریں کرتی ہیں۔ اپنے ڈیمانڈ (شرائط) زور شور سے پیش کرتی ہیں اور پھر چپ چاپ حکومت سے مل کر وہی حلوہ پوری۔ حکومت جب کوئی کام پارلیمنٹ سے کرانا چاہتی ہے تو ملی بھگت کے تحت اپوزیشن پارٹیاں نام نہاد احتجاجی واک آؤٹ کرکے حکومت کو کھلی آزادی دے دیتی ہیں۔ جس طرح روس اور چین نے سیکیورٹی کونسل

میں ووٹ میں شرکت نہ کرکے امریکہ اور اس کے حواریوں کو جواز مہیا کیا کہ وہ لیبیا پر جارحانہ حملے کریں، تباہی پھیلائیں اور قتل عام کریں۔ جمہوریت کو بچانے کا ڈھونگ رچانے والی ن۔لیگ جمہوریت کے قتل کا وسیلہ بن کر کرپٹ اور نااہل حکومت کو موقع دیتی ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ یہی وطیرہ ایم کیو ایم نے اختیار کر رکھا ہے۔ اگرچہ پی پی پی حکمراں جماعت ہونے کی وجہ سے خرابیوں کی جڑ ہے مگر ن۔لیگ، ایم کیو ایم اور اے این پی بھی فرشتے نہیں ہیں۔ ان پر بھی ان خرابیوں کی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے"۔

محترم ڈاکٹر صاحب! پاکستان میں سیاست بہت سے لوگ کر رہے ہیں، ان لیڈروں پر انگلیاں اٹھتی ہیں تو کسی کو پرواہ نہیں ہوتی آپ پر اٹھیں گی تو شاید بہت سارے پاکستانیوں کو بہت تکلیف ہو، آج جیسے آپ نے ن لیگ، ایم کیو ایم اور اے این پی کے بارے میں لکھا ہے کیا آپ اپنی جماعت تحریکِ تحفظ پاکستان کا نام بھی ان میں شامل ہونا پسند کرینگے۔ اسلیے گذارش ہے کہ آپ اپنے آپ کو متنازع ہونے سے بچائیں ابھی وقت ہے۔ جو کام آپ نے پاکستان کے لیے کیا ہے اسی کو آگے بڑھائیں ورنہ یقین کریں آپ کی سائنس دان کی حیثیت بھی متنازعہ ہوجائے گی، اور نہ جانے آپ پر کیا کیا الزام لگیں گے۔ پاکستان میں اب کوئی عہدہ و منصب ایسا نہیں جو آپ کی قدر و منزلت میں اضافے کا باعث ہو۔ آپ تحریکِ تحفظ پاکستان کی قیادت کسی دوسرے کو سونپ کر واضح اور غیر مبہم اعلان کردیں کہ

تحریکِ تحفظ پاکستان سے اب آپکا کوئی واسطہ نہیں اور آپ عملی سیاست میں حصہ نہیں لینگے۔ آج کی سیاست، اور سیاسی شخصیات کے بارے میں آپ سے بہتر کون جانتا ہے لیکن اگر آپ نے اپنے اس سیاسی عمل کو جاری رکھا تو پھر اللہ تعالی آپکا حامی و ناصر رہے۔ آمین

اگر اچھے حکمران چاہیئے تو تعلیم ضروری ہے

علم یعنی تعلیم انسان میں شعور پیدا کرتا ہے، لہٰذا اس کے بارے میں ہمارے پیارے نبی کریم حضرت محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے فرمایا تھا "علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے"۔ میدانِ عرفات میں 25 اکتوبر 2012 کو مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز آل الشیخ نے مسجد نمرہ میں خطبہ حج دیتے ہوئے تعلیم کی بابت فرمایا: " مسلمانوں کو چاہئے کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ٹیکنالوجی کی طرف جائیں، مسلمانوں کی بقاء کیلئے ایسا کرنا بہت ضروری ہے"۔ تعلیم کے بغیر انسان بے شعور ہوتا ہے اور اُس کا عمل بے مقصد ہوتا ہے اور وہ جانے انجانے میں غلطیاں کرتا ہے۔ بدنصیبی سے ہمارا ملک تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے ہے۔ ہمارے صاحب اقتدار تو اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے ترقی یافتہ ممالک بھیج دیتے ہیں اور ان کے بچے وہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور واپس آکر ہمارے حکمراں بن جاتے ہیں، لیکن آجتک پاکستان میں عام آدمی کے لیے تعلیم کی ترقی کے لیے کچھ نہیں ہوا۔ آج حالت یہ ہے کہ ایک بین الاقوامی سروے کے مطابق پاکستان میں اس وقت 51 لاکھ بچے اسکول ہی نہیں جاتے، جن میں 27 فیصد لڑکے اور 63 فیصد لڑکیاں ہیں۔ شرم آنی چاہیے ہمارے حکمرانوں کو، بدنصیبی سے آج ہمارے صدر صاحب بھی صرف انٹر کیے ہوئے ہیں، اور چونکہ عام لوگوں میں تعلیم کی کمی ہے یعنی شعور کی

کی ہے اسلیے یہ احساس ہی نہیں کہ صدر جیسے عہدے پر ایک انٹرپاس کیسے؟ ہمارا تعلیمی نظام ناکارا ہے۔ یوں تو بہت سی دجوہات ہیں مگران میں خاص وجہ ہمارا تعلیمی بجٹ انتہاہی قلیل ہوتا ہے۔ مرحوم بھٹو بھی قومیانے کے نام پر اسکول اور کالجوں کو سرکاری سرپرستی میں دے گے۔ جس کی وجہ سے آج اسکول اور کالج کے ہر استاد کو پتہ ہے کہ وہ ایک سرکاری ملازم ہے لہذا پڑھاوں یا نہ پڑھاوں تنخواہ ملے گی۔ آج جہاں حکومت کو اپنے سیاسی فاہدے کے لیے لوگوں کو نوکری دینی ہوتی ہیں وہ سب سے زیادہ تعلیم کے شعبے میں ہی کاں تی ہے۔ کرپشن پر تو اب کچھ کہنا ہی بیکار ہے مگر تعلیم کے شعبہ کو پاکستان کا سب سے کرپٹ شبعہ کہا جائے تو بیجانہ ہوگا۔ سقراط نے کہا تھا کہ "جب ہمیں لکڑی کا کام ہوتا ہے تو ہم ایک اچھے لکڑی کا کام کرنے والے کا انتخاب کرتے ہیں، اور جب ہمیں لوہے کا کام ہوتا ہے تو ایک اچھا لوہار کا انتخاب کرتے ہیں، تو پھر جب ہمیں کسی کو حکمراں بنانا ہو تو ہم اچھے حکمراں کا انتخاب کیوں نہ کریں؟"۔ مگر افسوس ہمارا سیاسی نظام اسطرح ترتیب کیا گیا ہے کہ عام لوگوں میں تعلیم کی کمی رکھی جائے تاکہ شعور کی کمی کی وجہ سے عام لوگ گھوم پھر کر انہی جاگیرداروں، وڈیروں اور کرپٹ سیاستدانوں کا انتخاب کریں۔ پیپلزپارٹی کی یہ چوتھی حکومت ہے جو "روٹی، کپڑا اور مکان" کا نعرہ لگا کر ہماری درگت بنارہی ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس پارٹی کے پاس ایک بھی معشت،، داں نہیں ہے،۔ ایوب گوہر صرف انٹرپاس ہیں مگر پاکستان کے وزیر خارجہ بھی رہے اور قومی

اسمبلی کے اسپیکر بھی۔ اس وقت جو ہماری صف اول کی لیڈر شپ ہے اس میں نواز شریف ایم اے ہیں کسی بھی فیلڈ میں مہارت نہیں، زرداری صرف انٹر کیے ہوئے ہیں، وزیراعظم صرف بی اے ہیں، عمران خان یورپ میں پڑھے ہیں، اچھے بولرتھے مگر کسی بھی فیلڈ میں مہارت نہیں، الطاف حسین نے کراچی یونیورسٹی سے بی فارمیسی کیا ہوا ہے۔ مولانہ فضل الرحمان نے دینی مدرسے سے پڑھا ہے، منور حسن نے کراچی یونیورسٹی سے سوشیالوجی میں ایم اے کیا ہے، اسفندریار ولی کا معلوم نہیں۔برحال بی اے تو ہونگے، حنا ربانی کھر نے ایم بی اے کیا ہے مگر پاکستان کی وزیر خارجہ ہیں۔ دیکھ لیں کس قدر ماہر ہمارے رہنما ہیں۔ تعلیم انسان کو شعور دیتا ہے، وہ اپنے اچھے۔برے کی تمیز کرتا ہے، اسلیے عرض ہے کہ موجودہ یا آنے والوں میں کوئی تعلیم پر توجہ دیگا ایسا ممکن نظر نہیں آتا، یہ بات اور ہے کہ کوئی مہاتر مد کی طرح ہمارا رہنما بن جائے جس نے 20 سال تک بجٹ کا 30 فیصد تعلیم پر خرچ کیا اور ملیشیا کو ایک پڑھا لکھا ملک بنادیا۔ ہمیں اس گندے سسٹم میں رہتے ہوئے خود ہی کوشش کرنی ہوگی کہ ہماری آیندہ نسلیں تعلیم یافتہ ہوں تاکہ ہمارا ہر بچہ اور بچی باشعور ہوں۔

تاریخ کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کی تاریخ میں ایسے ادوار آتے ہیں جن میں ان کے یہاں مختلف علوم میں بے مثال ترقی ہوتی ہے۔ ہم اس دور کا جائزہ لیکر معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کونسی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے علمی

ترقی کا یہ دور شروع ہوا اور اس علمی ترقی کے اختتام کی کیا وجوہات تھیں۔
گیارہ ستمبر کو امریکہ پر حملے کے چند دن بعد صدر جارج بش نے دہشتگردوں اور اپنے درمیان فرق وضح کرنے کے لئے انجیل سے ایک حوالہ دیا کہ "ہمارا خدا وہ خدا ہے جس نے ستاروں کو ان کے نام دیئے۔" جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ستاروں کے جھرمٹوں کے نام تو یونانی اور لاطینی میں ہے لیکن جن ستاروں کو نام دیئے گئے ہیں ان کی اکثریت کا نام عربی زبان میں ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ستاروں کے نام عربی میں کیوں ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں سن آٹھ سو عیسوی سے گیارہ سو عیسوی تک کا دور علمی لحاظ سے انتہائی ترقی یافتہ دور تھا، اس تین سو سالہ دور میں جب پورا یورپ مرتدوں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف تھا، بغداد دنیا بھر میں مرکزِ علم و دانش تھا۔
سن آٹھ سو عیسوی سے گیارہ سو عیسوی صدی کا بغداد دنیا بھر میں علم ودانش کا مرکز کیسے بنا اس کی وجوہات جاننے کے لئے جب ہم اس دور کا جائزہ لیتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اس دور میں بغداد بلا تفریقِ رنگ و نسل ہر موضوع پر علم رکھنے والوں کے لئے کھلا تھا، مسلمان، عیسائی، یہودی سب ایک ہی شہر میں علم اور نظریات کا تبادلہ کر رہے تھے۔ یہ وہ دور تھا جس میں بنی نوع انسان نے

انجینئرنگ، حیاتیات، طب اور ریاضی میں ذبردست ترقی کی، آج ہم جو ہندسے 1, 2, 3
کااستعمال کرتے ہیں، کیاآپ جانتے ہیں کہ انہیں کیا کہا جاتا ہے؟ انہیں عربی
ہندسے کہا جاتا ہے، آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ ہندسے جنہیں روز ہم استعمال کرتے ہیں
عربی ہندسے کہلاتے ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ اس دور کے مسلم ریاضی دانوں نے صفر کی
ایجاد سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ریاضی کی ایک نئ شاخ الجبراء تخلیق کی، خود الجبراء
ایک عربی نام ہے، الگورتھم ایک عربی نام ہے۔ آج کے کئ جدید علوم مثال کے طور
پر ریاضی اور فلک پیائی کی جڑیں اس دور سے جا ملتی ہیں۔

لیکن اس سنہری دور کے بعد کچھ ایسا ہوا جس نے اسلامی دنیا کی ترقی کو تنزلی کے راستے پر
ڈال دیا، ویسے تو اس تنزلی کی وجہ سقوطِ بغداد کو بھی کہا جاتا ہے لیکن سقوط بغداد کے بعد
اسلامی تہذیب پھر کھڑی ہوئی لیکن اس بار علمی ترقی بغداد کے ان تین سو سال کے
مقابلے میں کچھ نہیں تھی۔ ایسا کیوں ہوا؟ جبکہ علمی ترقی مسلمانوں کا تہذیبی ورثہ تھا تو
۔کیوں وہ دوبارہ ایسا کرنے میں ناکام رہے؟ اسلیے کہ انہوں نے علم سے منہ موڑ لیا تھا
کیاآپ کو معلوم ہے کہ یہودیوں نے آج تک کتنے نوبل انعام برائے سائنس جیتے ہیں؟
یہ تعداد سائنس پر دیئے گئے کل نوبل انعاموں کا ایک چوتھائی ہے اور

دنیا میں زیادہ سے زیادہ پندرہ ملین یہودی ہونگے۔ مگر اسلامی دنیا میں صرف ایک پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام ملا۔ دنیا میں ایک ارب تیس کڑوڑ سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں، ذرا تصور کیجئے کہ اگر آج مسلمانوں میں علمی ترقی کا سفر جاری رہتا تو آبادی کے تناسب سے اگر دیکھا جائے تو آج سائنس کا ہر ایک نوبل انعام کسی مسلمان کو ملتا۔

بات کہیں سے کہیں جا پہنچی بس اتنی گذارش ہے کہ تعلیم کا مطلب حصول علم سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ تعلیم سے نہ صرف شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ انسان کو سیاسی طور پر بھی سرگرم رکھتی ہے اور یہ بات حکمرانوں کے مفاد میں نہیں۔ تعلیم اقتصادی اور سیاسی ترقی، جمہوریت اور سماجی انصاف کے لیے ایک بنیادی شرط ہے۔ اسلیے ہمیں ضرور تعلیمی، سائنسی، عسکری، معاشی ترقی کے لیے بھی کچھ سوچنا چاہیئے۔

بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام۔ ایک تاریخی جرم

کرپشن، کرپشن، کرپشن۔ جی ہاں کرپشن پاکستانی سیاستدانوں اور سرکاری اداروں کا سب سے محبوب مشغلہ ہے۔ کرپشن ہمارے ملک میں کینسر کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ کرپشن کا کینسر نہ صرف ہمارے سیاستدانوں، سرکاری اداروں بلکہ عام لوگوں میں بھی سرایت کر چکا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ بحیثت قوم ہم میں تھوڑے یا زیادہ کرپشن کے جراثیم ضرور پائے جاتے ہیں۔ کرپشن کی بہت سی اقسام ہیں، مثلا سیاسی کرپشن، معاشی کرپشن، رشوت، اقربا پروری، دھونس، دھاندلی، زمینوں پر قبضہ، سیاسی اور سرکاری اختیارات کا ناجائز استعمال، یہ تمام کرپشن ہم روز دیکھتے یا سنتے ہیں۔ مگر آج ایک نئے کرپشن پر بات ہوگی اور وہ ہے غریبوں سے ہمدردی کے بہانے لوٹ مار کا کرپشن۔
موجودہ حکومت کے دور میں اسطرح کے دو کرپشن ہمارے سامنے آئے، ایک پنجاب میں "سستی روٹی اسکیم" جس میں کروڑوں روپیہ کی کرپشن ہوئی مگر وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف نے بڑھتی ہوئی بدنامی سے بچنے کے لیے سستی روٹی اسکیم ختم کر دی اور اعلان کیا کہ اس اسکیم کی رقم سیلاب زدگان کی بحالی پر خرچ کی جائے گی، نہ پنجاب کے لوگوں کو سستی روٹی ملی اور نہ ہی سیلاب زدگان کو امداد، ہاں یہ ضرور ہوا کہ صوبہ کے حکمراں ٹولے کو لوٹ مار کرکے اپنے لیے روٹی اور سستی پڑنے لگی۔ سستی روٹی اسکیم کا کرپشن صرف صوبہ پنجاب تک

محدود تھامگر دوسرا کرپشن جس کو "بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام" کہا جاتا ہے پورے ملک میں 2008 سے جاری ہے۔ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی ویب سایٹ کے مطابق اس پروگرام کو 34 ارب روپے سے شروع کیا گیا جبکہ آج اسکا بجٹ 70 ارب روپے ہے۔ 09-2008 میں 35 لاکھ خاندان کی امداد کرنے والا یہ پروگرام 2012-13 میں 55 لاکھ خاندان یعنی پاکستان کی کل آبادی کے 18 فیصد اور غربت کی لکیر سے نیچے رہنے والے 40 فیصد لوگوں کی امداد کا دعوے دار ہے، اسی ویب سایٹ پر ایک وضاحتی خط میں کہا گیا کہ اس پروگرام سے 4 کروڑ افراد کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ویب سایٹ کے مطابق اس پروگرام کے تحت ہر رجسٹرڈ خاندان کو 1000 روپے ماہانہ کے حساب سے سال میں چار مرتبہ مالی امداد دی جاتی ہے۔ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کی چیئرپرسن محترمہ فرزانہ راجہ کا کہنا ہے کہ "بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام غریب خاندانوں کو خود کفیل بنانے کیلئے اپنی کارکردگی اور سٹریٹجی مزید بہتر بنائے گا۔ اس پروگرام نے سماجی شعبہ میں بڑی کامیابی حاصل کی ہے جس نے انتہائی غریب خاندانوں تک رسائی کرکے ان کے گزر بسر میں مدد دی ۔ اس پروگرام کے تحت شروع کئے گئے مختلف منصوبوں کی بدولت نہ صرف ملک سے غربت کے خاتمہ میں مدد مل رہی ہے بلکہ غریب اور بے سہارا افراد تعلیم، صحت اور روزگار سے بنیادی مسائل بھی حل ہو رہے ہیں"۔ محترمہ بے نظیر بھٹو روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے کے ساتھ حکومت میں آئی تھیں۔ انکے پہلے دورِ حکومت میں "پیپلز پروگرام" چلا جبکہ پیپلز پارٹی کے چوتھی حکومت کے اس

دور میں ان کی جماعت کا "بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام" چل رہا ہے۔ اس پروگرام کو شروع کرتے وقت چند شرائط بھی رکھی گئیں جن کے مطابق اس پروگرام سے غریب اور نادار افراد کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی مستفید ہو سکیں گے جن کی ماہانہ تنخواہ چھ ہزار روپے تک ہوگی جبکہ جو لوگ پنشن لے رہے ہیں یا بیت المال سے مستفید ہو رہے ہیں وہ اس پروگرام میں شامل ہونے کے اہل نہیں ہیں۔

پاکستان کی کل آبادی کے 18 فیصد یا 4 کروڑ لوگ جن میں خواتین کی اکثریت ہے اس پروگرام سے کس طرح "مستفید" ہو رہے ہیں اس کا اندازہ تو کسی بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے دفتر کے اندر اور باہر کے مناظر دیکھ کر ہی لگایا جاسکتا ہے، جہاں سینکڑوں مرد و خواتین تپتی دھوپ اور ٹھٹھرتی سردی میں سرکاری ملازمین سے اپنی عزت کا جنازہ نکلواتے ہیں اور جہاں عورت ذات کے تقدس، پاکیزگی، نسوانیت اور حرمت کو بری طرح پامال کیا جاتا ہے۔ کیا تین ماہ بعد تین ہزار روپے سے ایک غریب خاندان کے گھر کا چولہا جل سکتا ہے، کیا وہ بجلی کا بل ادا کر سکتا ہے؟ جس ملک میں اوسطاً پانچ افراد کے ایک متوسط کنبے کا کسی طور پر بھی اتنی مہنگائی کے عالم میں جس میں گھر کا راشن، بجلی، گیس، پانی کے بل، سفری اخراجات، تعلیم اور بیماری کے اخراجات، پھر پیدائش اور موت پچیس یا تیس ہزار روپے ماہانہ سے سے کم نہ ہو اور جس میں حکومت کے مطابق 34 فیصد اور ورلڈ بنک کے مطابق 64 فیصد لوگ غربت کی لکیر کے نیچے رہتے ہوں، بے روزگاری کی شرح

حکومت کے مطابق 12 فیصد اور حقیقی طور کئی گنا زیادہ ہو، وہاں غربت، افلاس اور پسماندگی کا حل روزگار کے وسائل پیدا کرنے سے ہوتا ہے، نام نہاد انکم سپورٹ پروگرام کے زریعے بھیک یا خیرات سے مسئلے حل نہیں ہوتے ہاں کرپشن کرکے اپنے مفادات حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ امداد ان ممالک میں لوگوں کو دی جاتی ہے جہاں ایک دو فیصد اسکے حقدار ہوتے ہیں اور وہ محتاجی کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ غیر ملکی امداد سے چلنے والے اس نام نہاد انکم سپورٹ پروگرام میں کچھ لوگوں کی غربت کم ہوئی ہے اور یہ لوگ اس پروگرام کو چلانے والے ٹھیکے دار ہیں جن کو صرف فارم پر کرنے کی مد میں چار ارب روپے کی خطیر رقم مل چکی ہے، باقی معاوضہ علیحدہ سے ہے۔ اگر جعلی ناموں اور فرموں والے ان ٹھیکے داروں نے اتنا مال کمایا ہے تو پھر کرپشن میں ڈوبے ہوئے حکمراں ٹولے نے اس کرپشن کے دریا میں کتنا غسل کیا ہوگا اس کا اندازہ لگایا جاسکتاہے۔اس پروگرام سے کتنی غربت کم ہوئی اس کا اندازہ سوشل پالیسی اینڈ ڈیولپمنٹ سینٹر کی ایک رپورٹ سے ہوتا ہے، رپورٹ کے مطابق پچھلے چھ سال سے پاکستان میں مزید ایک کروڑ اسی لاکھ لوگ غربت کی لکیر سے نیچے جاچکے ہیں ۔آج بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام میں 70 ارب روپے رکھے گے ہیں پھر کیا وجہ ہے ہر سال تیس لاکھ پاکستانی مزید غریب ہوجاتے ہیں۔ اگر مختلف سطحوں پر ہونے والی بدعنوانی اور اس ذلت کو فراموش کر بھی دیا جائے جو اس پروگرام سے فائدہ ہونے والی مرد وخواتین اور غریب لوگوں کا مقدر بن چکی ہے تب بھی ایک خاندان کو ملازمت

یا روزگار کا موقع دینے کی بجائے ایک ہزار روپے ماہانہ دیکر یہ سمجھ لیا جائے کہ اس سے غربت کم ہورہی ہے ایک احمقانہ سوچ ہے۔ غربت میں کمی صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب غریبوں کے مفادات پر مبنی پالیسی بنائی جایں اور اس پر عمل بھی کیا جائے۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مفادات کے لئے چلائے جانے والے نظام میں غریبوں کو صرف ذلت آمیز بھیک ہی دی جا سکتی ہے۔ حکمران طبقہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ذریعے لوگوں کی نفسیات کو بدلنا چاہتا ہے تاکہ لوگ ہاتھ پھیلانے، بے چارگی، خود ترسی اور خود کو لاچار و بے کار اور بھیکاری سمجھ کر دوسروں پر انحصار کریں۔ بھکاری اور کرپٹ حکمرانوں کی یہ پالیسی ایک تاریخی جرم ہے، جس پر اگر آج نہیں تو کل کا تاریخ داں ضرور اسکو ایک تاریخی جرم کے طور لکھے گا۔

یہ مثال تو آپ نے سنی ہوگی، "مرے پر سات درے" بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ذریعے اس مثال پر پورا پورا عمل ہو رہا ہے۔ جرائم پیشہ لوگ ان ضرورتمند غریبوں کو لوٹ رہے ہیں جو اس پروگرام شامل ہیں یا شامل ہونا چاہتے ہیں۔ پاک پتن کی چک 73 میں دو افراد نے مسجد میں اعلان کروایا کہ بے نظیر انکم سپورٹ اسکیم میں جن لوگوں کو رقم نہیں ملی فی کس 200 روپے رقم جمع کروایں، 50 لوگوں نے درخواستیں جمع کروائیں، نوسرباز بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے نام پر 10 ہزار روپے لے کر رفو چکر ہو گئے۔ خیبر پختونخوا میں صوبے اور

قبائلی علاقوں کے لیے 72 ہزار لوگوں کے لیے امدادی رقم بھیجی جاتی ہے۔ ہزاروں افراد تک یہ رقم نہیں پہنچتی، متاثرین کا کہنا ہے کہ ان کے نام پر کوئی اور رقم وصول کر لیتا ہے اور انہیں آج تک ایک روپیہ بھی نہیں ملا ،نیب حکام کے مطابق ابتدائی تحقیق میں کروڑوں روپے کے گھپلے ہوئے ہیں اس میں جی پی او جنرل پوسٹ آفس پشاور اور دوسرے پوسٹ آفسز کے عملے کی ملی بھگت سے یہ گھپلے ہو رہے ہیں۔ کچھ افراد نے ڈسکہ و گردو نواح کے لوگوں کو بے نظیر انکم سپورٹ اسکیم کے نام پر غلط میسج کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے جس میں تحریر کیا ہوتا ہے کہ بے نظیر انکم سپورٹ سروے کے تحت آپکو 25 ہزار روپے مبارک ہوں جس سے میسج پڑھنے والا خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور جب یہ لوگ متعلقہ فون نمبر پر رابطہ کرتے ہیں تو دوسری جانب سے ایزی لوڈ کی ڈیمانڈ کی جاتی ہے، ایزی لوڈ کی ڈیمانڈ پوری ہونے بعد یہ نمبر یا تو بند ہوتے ہیں یا پھر جواب نہیں دیا جاتا جس پر لوگ مایوس ہو جاتے ہیں۔

اگر بے نظیر انکم سپورٹ اسکیم کی جگہ صرف پچاس ارب روپے سالانہ کے حساب سے پاکستان میں مختلف صنعتیں لگائی جاتیں اور جن میں فزیکل انفراسٹرکچر بطور خاص بجلی کی فراہمی کے معاملے میں خرچ کرکے بحران سے نکلا جاسکتا تھا اور پانی کے ذریعے بہت ہی سستی بجلی پیدا کی جاسکتی تھی جس سے مہنگائی کو بڑی حد تک کم کیا جاسکتا تھا۔ ایک لاکھ میگا واٹ بجلی کی گنجائش اور 59 ہزار

میگاواٹ کے ادھورے منصوبوں کو پایہ تکمیل پہنچا کر نہ صرف صنعتوں کی ترقی میں رکاوٹ دور کی جاسکتی تھی بلکہ تیل کے اوپر خرچ ہونے والے بھاری زرمبادلہ میں کافی کمی کی جاسکتی تھی۔ ہر سال کم از کم پچاس ہزار خاندانوں کو تاحیات عزت و آبرو والا روزگار مہیا کیا جاسکتا تھا جس سے انکا معیار زندگی بلند نہیں تو غربت کی لکیر سے اوپر آسکتا تھا۔اس معاشی پروگرام سے محض سالانہ پچاس ہزار افراد کو براہ راست روزگار ہی مہیا نہیں ہوتا بلکہ اس معاشی دائرے کی وسعت سے دیگر کروڑوں لوگوں کو بھی فائدہ ہوتا۔ اگر بجلی 24 گھنٹے مہیا ہو تو روزانہ پرائیویٹ جنریٹرز میں جلنے والے کروڑوں لٹر پیٹرول، ڈیزل اور اتنی ہی گیس کو بچایا جاسکتا ہے۔اس تمام عمل کا اثر بہتر معیشت کی شکل میں ظاہر ہوتا، بیرونی سرمایہ کاری بڑھتی اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا۔ مگر جس پارٹی میں ایک بھی قابل معیشت دان نہ ہو، ایک بھی قوم سے ہمدردی رکھنے والا نہ ہو وہاں اس قسم کی بات دیوانے کی بڑ ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ اس پروگرام کی انچارج محترمہ فرزانہ راجہ جو اس بھاری رقم کو اس نام نہاد بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے زریعے ضائع کر رہی ہیں اُن کو ملک کا اعلی اعزاز "ملک میں بھیکاریوں میں اضافہ" کی بنا پر دیتے تو بہتر ہوتا۔ یہ پروگرام غربت کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اسے ختم کرکے لوگوں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کیے جاتے تو بہتر ہوتا۔

2013 کو پاکستان میں الیکشن کا سال کہا جا رہا ہے اور آج ہر سیاسی جماعت آپکا مقدر بدلنے کا دعوی کر رہی ہے اور ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا ہے۔ آنے والے الیکشن میں پیپلز پارٹی " بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام " کا کارڈ کھیلنے کا پروگرام بنا چکی ہے اسلیے ہی آجکل اخبارات اور ٹی وی چینل پر اشتہارات کے ذریعے اسکا بہت چرچا کر رہی ہے، مگر شاید یہ کامیاب نہ ہو۔ پاکستان میں کرپشن کی وجوہات میں کمزور سول سوسائٹی ، احتساب کا ناقص نظام، ایک مخصوص طبقہ کا سیاست پر حکمرانی ہو سکتی ہیں۔ ترقی یافتہ اقوام نے اپنے کرپشن زدہ مجرموں کو جو ملک کی ترقی میں رکاوٹ تھے دوسروں کے لئے عبرت کا ایک نشان بنا دیا۔ چین کی مثالیں موجود ہیں وہاں بڑے بڑے وزرا کو صرف کرپشن کے الزام میں پھانسی پر اٹکا دیا گیا، یہ ہی وجہ ہے کہ چین میں کرپشن نہ ہونے کے برابر ہے۔ پاکستان میں عوام ابھی تک اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔
سر سید احمد خان نے کہا تھا جو قومیں اپنے مسائل کے حل کے لئے کسی معجزہ یا کسی بیرونی نجات دہندہ کا انتظار کرتی ہیں ہمیشہ ناکام و نامراد رہتی ہیں۔ پاکستان میں ایک ایسے نظام کی شدت سے ضرورت ہے جو کرپٹ حکمرانوں کا سخت احتساب کرکے جنھوں نے پاکستان کو معاشی طور تباہ و برباد کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔

نوٹ: یہ مضمون دسمبر 2012 میں لکھا گیا تھا۔

پاکستان میں سالانہ 350 ٹن افغان ہیروئن کی کھپت

ویسے تو پاکستان کی زرداری کرپٹ حکومت نے کرپشن کے تمام ریکارڈ اپنے نام کر لیے ہیں اسلیے جہاں ضیاالحق کی کابینہ کے کرپٹ گیلانی کو ملک کا وزیراعظم بنایا وہاں اُس نے ضیاالحق کے دیے ہوے ہیروئن کے تحفے کی کھپت میں 350 ٹن تک کا اضافہ بھی کیا ہے یاد رہے 1980 تک پاکستان میں کوئی ہیروئن یا کلاشنکوف کا نام تک نہیں جانتا تھا ـ

۔

وائس آف امریکہ (VOA) کے مطابق پاکستان میں نشے کے عادی کم از کم ساڑھے چھ لاکھ لوگوں کو اگر روزانہ کی بنیاد پر ہیروئن کی خوراک نہ ملے تو ان کی موت واقع ہو سکتی ہے۔

وائس آف امریکہ ((VOA لکھتا ہے:

"اقوام متحدہ اور خود پاکستانی حکام کے لیے یہ امر انتہائی تشویش کا باعث ہے کہ ہر سال 350 ٹن سے زائد افغان منشیات پاکستان میں ہی استعمال ہو جاتی ہے کیونکہ ملک میں نشے کے عادی کم از کم ساڑھے چھ لاکھ لوگوں کو اگر روزانہ کی بنیاد پر ہیروئن کی خوراک نہ ملے تو ان کی موت واقع ہو سکتی ہے"۔

اقوام متحدہ کے ادارے برائے انسداد منشیات 'یو این او ڈی سی' کے پاکستان میں مشیر" ڈاکٹر ندیم رحمن کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر نشئی روزانہ اوسطاً ہیروئن کی خوارک خریدنے پر 300 روپے خرچ کرتا ہے"۔

نشے کے عادی افراد کئی دیگر بیماریوں میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور عام آبادی میں ان" "لوگوں کا گھل مل جانا انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔

اگر آپ پاکستان میں کسی جیل کا دورہ کریں تو وہاں پر لوگوں کی نصف تعداد کسی نہ" کسی طور منشیات فروشی سے منسلک جرائم میں قید ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کاروبار "سے منسلک افراد نے آپ کے پورے نظامِ عدل کو مفلوج کر رکھا ہے۔

اور اس قوم کو ہر طریقے سے برباد کرنے والے کرپٹ حکمران پر اُمید ہیں کہ وہ اگلا الیکشن بھی جیت جاہیں گے آپ کا کیا خیال ہے؟

ہم ان لوٹوں سے بہت پریشان ہوچکے ہیں

گھر کے کچن میں جو صاحب ٹائلکٹ لگانے آئے تھے چلتے وقت یہ نادر شاہی حکم فرماگئے کہ بارہ گھنٹے بعد انکو پانی دے دیجیے گا ورنہ یہ مضبوط نہ ہونگے ۔ دوسری صبح جب ہم نے اپنی بیٹی سے ٹائیلوں کو پانی دینے کے لیے لوٹا مانگا تو اس نے سوال کیا کہ آپکو لوٹا چاہیے یا لوٹی؟ یا خدا یہ لوٹا اور لوٹی کب سے ہونے لگے ہم نے تو ہمیشہ لوٹا ہی کہا ہے۔ ابو لوٹا اور لوٹی تو ہمیشہ سے ہیں بس آپ نے لوٹا کہنے کی عادت ڈالی ہوئی ہے۔ ابھی آپ اس ڈونگے سے پانی ڈالیں کیونکہ اسکا پیندہ بھی ہوتا ہے اور ہینڈل بھی۔ کیا کرتے ڈونگے سے پانی ڈالنا شروع کیا اور بیٹی سے پوچھا کہ چلو اب بتاو یہ لوٹا لوٹی کیا ہیں ۔ اس نے کہنا شروع کیا، آسان سی بات ہے لوٹا مذکر ہے اور لوٹی مونث۔ اس کی مثال یوں لے لیں کہ منظو وٹو جو کبھی مسلم لیگی تھے اور جناع مسلم لیگ بھی بنا چکے ہیں آجکل پیپلزپارٹی پنجاب کے صدر ہیں اور ماروی میمن جو پرویز مشرف کی بہت قریبی ساتھی تھیں وہ اب مسلم لیگ ن میں شامل ہوگیں ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں منظور وٹو لوٹا ہیں تو ماروی میمن لوٹی ہیں۔ مگر آپ انہیں لوٹا یا لوٹی کیوں کہہ رہی ہیں، وہ سیاست دان ہیں کسی بھی پارٹی میں جا سکتے ہیں تاکہ عوام کی خدمت کر سکیں آپ کو کیوں اعتراض ہے؟ میری بیٹی مسکرائی اور بولی آپکو ذرا تفصیل سے بتانا پڑے

:گا، تو سنیے

ہمارا ملک پاکستان 1947 میں آزاد ہوا، کافی ممالک ہمارے بعد میں آزاد ہوئے مگرسب نے ترقی کی لیکن نہ ہی ہمارے ملک میں ترقی ہوئی اور نہ ہی جمہورت آ سکی جبکہ اس ملک میں کسی چیز کی کمی نہیں، زراعت ، معدینات، ہنر اور محنت کشوں سے یہ ملک مالا مال ہے اور ہم نے یہ ملک بھی جمہوری طریقے سے ہی حاصل کیا ہے، مگر موقع پرستوں جن میں جاگیرداروں، سرداروں، خانوں، وڈیروں اور سرمایہ دار سیاستدانوں کی اکثریت ہے انہوں نے خود کو اقتدار کی کرسی سے کبھی دور نہ ہونے دیا۔ مسلم لیگ جب اقتدار سے آوٹ ہوئی توسازش کے زریعے ری پبلکن کو لایا گیا اور ان ہی موقع پرستوں نے جنھیں آج کی زبان میں آپ لوٹا بھی کہہ سکتے ہیں ڈاکٹر خان جیسے کانگریسی لیڈر کو جس نے پاکستانی پرچم کو سلامی دینے سے انکار کیا تھا اپنا لیڈر منتخب کیا۔ محترمہ فاطمہ جناع کو ایوب خان کے ہاتھوں شکست دلانے والے بھی یہ ہی موقع پرست لوٹے تھے لیکن جب ایوب خان کا سورج غروب ہوا تو 1970 کے الیکشن میں کنونشن مسلم لیگ کے پاس الیکشن لڑنے کے لیے امیدوار نہیں تھے۔ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر جب بھٹو نے 1970 کا الیکشن لڑا تو بعض مقامات پر انکو امیدوار نہیں مل رہے تھے کیونکہ موقع پرست لوٹے ابھی پیپلز پارٹی کو اقتدار میں آتا نہیں دیکھ رہے تھے۔ لیکن جیسے ہی پیپلز پارٹی اقتدار میں آئی لوٹوں کی یلغار ہو گی اور

پھر 1977 کے الیکشن میں پیپلز پارٹی کے امیدواروں میں اکثریت لوٹوں کی ہی تھی۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم نے کوثر نیازی کے بارئے میں کہا تھا کہ یہ شخص موقعہ پرست ہے جو پہلے جماعت اسلامی میں رہا اور بعد میں کونشن لیگ میں اور اب پیپلز پارٹی میں وہ بھٹو سے کیا وفا کرے گا اور ایسا ہی ہوا جب ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کیا تو مولانہ کوثر نیازی اور غلام مصطفیٰ جتوئی نے سب سے پہلے اس کے دربار میں حاضری دی۔ ان سیاستدانوں نے فوراً اپنا الگ پارٹی دھڑا بنا لیا یعنی جب مصیبت کا وقت آیا تو اپنی پارٹی سے یوں منہ پھیر لیا، گویا کبھی اس کے ساتھ نہ تھے۔ ضیاء الحق کے بعد اس کے دربار کے لوٹے اپنے اپنے مفاد کی تلاش میں نکلے۔ نواز شریف جو جونیجو کو اپنا عظیم قائد اور خود کو ضیاء الحق کا بیٹا قرار دیتے تھے سب سے پہلے لوٹا بنکر غلام اسحٰق خان کے ساتھ ملکر جونیجو کا پتہ صاف کیا اور 1990 میں ملک کے وزیر اعظم بنے۔

حکومتیں بدلتی رہیں مگر لوٹوں نے اپنا کھیل جاری رکھا، جدید دور کے مفاد پرست لوٹا منظور وٹو ہیں جنھوں نے غلام اسحاق سے مل کر پنجاب اسمبلی میں لوٹا کریسی کی فیکٹری بنا ڈالی اور راتوں رات مفاد پرست عناصر کو قومی خزانے سے اربوں روپے دے کر وفاداریاں تبدیل کروالیں۔ وہی جو ایک دن قبل نواز شریف کے ساتھ تھے، وہ منظور وٹو کے حامی بن گئے۔ جنرل مشرف کے دور میں تو لوٹوں کے کاروبار میں ایسی ترقی ہوئی کہ اب نہ صرف مفاد پرست بلکہ سیاسی جماعتوں

تک نے لوٹوں کا کردار ادا کیا۔ نواز شریف نے جونیجو سے جو مسلم لیگ چھینی تھی مشرف کے آنے بعد اس میں سے ق لیگ نے جنم لیا اور ری پبلکن پارٹی کی یاد تازہ کر دی اور پوری ق لیگ لوٹا بنکر مشرف کو اتنی مرتبہ وردی میں صدر بنانا چاہتی تھی جس کی خود مشرف کو بھی شاید تمنا نہ ہو۔ دوسری طرف جولائی 2001 میں پاکستان کی چھ مذہیر سیاسی جماعتوں نے ایک نئے اتحاد "متحدہ مجلس عمل" کے قیام کی منظوری دی تھی، جس کا مقصد ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کیلیئے اسلامی نظام کے قیام اور لادینی عناصر کی یلغار کا مقابلہ کرنا تھا مگر کچھ عرصے بعد متحدہ مجلس عمل نے بھرپور لوٹے کا کردار ادا کیا یعنی 19 دسمبر 2003 کو حکومت سے ایل ایف او پر تمام معاملات طے کرکے سودے باری کرلی۔ 28 دسمبر 2003 کو قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن و دیگر قائدین کی موجودگی میں متحدہ مجلس عمل نے آئین میں 17 ویں آئینی ترمیم کا بل منظور کرکے پرویز مشرف کی حکمرانی کو آئینی و قانونی جواز فراہم کردیا، اس زمانے میں ایم ایم اے کی جگہ ملا ملٹری اتحاد بہت مشہور ہو تھا۔ 2001 میں بنے والا اتحاد ایم ایم اے بہت پہلے ہی مشرف سے ساز باز کرچکا تھا اسلیے 2002 کے الیکشن میں ایم ایم اے نے قومی اسمبلی کی 68 اور سینٹ میں 20 نشستیں حاصل کیں، خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں بھی ایم ایم اے کی حمایت یافتہ حکومتیں قائم ہوئیں اور اگر ایم ایم اے نے لوٹے کا کردار ادا نہیں کیا تھا تو پھر 2008 میں کیا ہوا۔ آجکل مولانا فضل الرحمٰن پھر اپنا بھاؤ بڑھانے کیلیے

لیے دوبارہ ایم ایم اے کی دوکان کھول چکے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے موجودہ دور میں سابق وزیراعظم گیلانی بھی مفاد پرست لوٹا ہیں، موصوف ضیاء الحق کی کابینہ میں تھے۔ عمران خان کی تحریک انصاف کے جلسے کامیاب ہوتے دیکھکر نہ صرف مشرف دور کے مفاد پرست لوٹے بلکہ پیپلز پارٹی، ق لیگ اور نواز لیگ کے لوٹے بھی جوق در جوق تحریک انصاف میں جا پہنچے مگر ان لوٹوں کی وجہ سے تحریک انصاف کا گراف نیچے آنے لگا تو اکثر لوٹے واپس اپنی پرانی جماعت میں پہنچ گے۔

نواز شریف جب سے جدہ سے واپس آئے تھے تو مشرف فوبیا کا شکار تھے، ان سے کوئی بھی سوال کیا جاتا یا وہ کہیں بھی تقریر کرتے بغیر مشرف کو برا بھلا کہے ان کو چین نہیں آتا تھا۔ آصف زرداری کی مکاریوں کا اسقدر شکار ہوئے کہ آج بھی فرینڈلی اپوزیشن کا کردار ادا کررہے ہیں ۔ نواز شریف جو اپنی باری کا گذشتہ پانچ سال سے انتظار کررہے ہیں، عمران خان کے حملوں اور آصف زرداری کی چالاکیوں کی زد میں ہیں لہذا الیکشن جیتنے کے لیے اپنے اس انکار سے منکر ہوگے جس میں انہوں نے لوٹوں کو پارٹی میں شامل کرنے سے انکار کیا تھا لیکن الیکشن کے قریب آنے پر نواز شریف نے اپنی پارٹی کا دروازہ مفاد پرست لوٹوں کے لیے کھول دیا ہے اور اب لوٹوں کی آمد ہر وقت جاری ہے۔ ان مفاد پرست لوٹوں میں سابق اسپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب، انکے بیٹے عمر ایوب ،ماروی میمن ،

طارق عظیم، زاہد حامد سلیم سیف اللہ، ہمایوں اختر، حامد ناصر چٹھہ، امیر مقام، کشمالہ طارق اور سمیرا ملک نے بھی مسلم لیگ ن میں شمولیت اختیار کرلی ہے اور نواز شریف اسقدر خوش ہیں کہ جب ماروی میمن نواز شریف سے ملیں اور اپنے مفاد پرست لوٹی ہونے کا اعلان کیا تو ان کی واپسی پر نواز شریف بصد احترام انکی کار تک انکو چھوڑنے بھی گے۔ آپ ان مفاد پرست لوٹوں کا کمال دیکھیے آجکل چوہدری پرویز الٰہی اور میاں منظور وٹو آصف زرداری کے سب سے بڑے وکیل بنکر پیپلز پارٹی کی غلط پالیسیوں اور کرپشن کا دفاع کر رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی بھی نواز شریف کی طرح لوٹوں کی آمد پر خوش ہے۔
حال ہی میں مخدوم احمد محمود پنجاب کے گورنر مقرر ہوئے ہیں جبکہ ان کے تین صاحبزادے جن میں دو رکن اسمبلی ہیں پیپلز پارٹی میں شامل ہوگے ہیں جبکہ ان سب کا تعلق مسلم لیگ فنکشنل سے تھا۔ اسکے علاوہ پنجاب کے ضلع جہلم سے مسلم لیگ نون کے ٹکٹ پر قومی رکن اسمبلی بننے والے دو بھائیوں نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی ہے۔ ان موقع پرستوں یا لوٹوں کو نہ کسی نظریے سے دلچسپی ہوتی اور نہ ہی انکا کوئی اصول ہوتا ہے۔ انہیں اقتدار تک پہنچ کر اپنے مفادات سے غرض ہوتی ہے۔ چونکہ الیکشن کے موقع پر ہر پارٹی کو لوٹوں کی تلاش میں رہتی ہے لہذا ہر مفاد پرست لوٹا یا لوٹی ایسی جماعت کی تلاش میں ہوتے ہیں جہاں انکے زیادہ سے زیادہ مفادات پورے ہو سکیں
۔

یہ سب کہہ کر میری بیٹی نے سوال کیا کہ پاکستان بنانے کی جدوجہد میرئے دادا اور انکی نسل نے کی، پاکستان بن گیا اور گذشتہ 65 سال سے صرف پانچ فیصد مفاد پرست اس ملک کو لوٹ رہے ہیں، میرے دادا اور آپکی نسل نے کیوں ایسا ہونے دیا، آپ دو نسلوں کی اس کرپٹ سسٹم پر خاموشی ان مفاد پرستوں کے حوصلے بڑھاتے رہے اور آج پاکستان دہشت گردی، بھتہ خوری، رشوت خوری اور لاقانونیت کا بدترین شکار ہے، تعصب پوری قوم میں سرایت کرچکا ہے۔ مگر میری نسل اب خاموش نہیں بیٹھے گی، میری نسل کو سب سے پہلے ان لوٹوں سے چھٹکارا حاصل کرنا، آنے والے الیکشن سے پہلے ہم ہر سیاسی جماعت کے لیڈر کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اب اگر وہ لوٹوں کے ساتھ انتخابات میں اترے تو عوام ان کو ووٹ نہیں دینگے۔ ہم کوئی ایسا کام نہیں کرینگے جس کی وجہ سے جمہوریت کو خطرہ ہو، ہم کسی کو پتھر نہیں مارینگے، کسی کے خلاف ہم کوئی نعرے بازی نہیں کرینگے۔ لیکن ہم جدید سائنس کا استمال ضرور کرینگے، آج سوشل میڈیا کا دور ہے اسلیے ہم نہ تو الیکٹرنکٹ میڈیا اور نہ ہی پرنٹ میڈیا کے محتاج ہیں۔

ہمارئے پاس لاکھوں فورم ویب سائٹس پر موجود ہیں جہاں ہم اپنی بات بغیر وقت ضایع کیے ایک دوسرئے کو پہنچا سکتے ہیں، ہم آنے والے امیدواروں کے متعلق انٹرنیٹ کے زریعے ساری چھان بین کرینگے اور تمام معلومات پورے پاکستان میں شیر کرینگے اور اسکی اطلاع الیکشن کمیشن کے علاوہ پارٹی کے سربراہ کو بھی دینگے۔ اللہ کرئے میری بیٹی جو سوچ رہی ہے اس میں

وہ کامیاب ہو، مگر اس میں میری نسل کے لوگوں کو بھی آگے بڑھکر اپنے بچوں کے شانہ
بہ شانہ کام کرنا ہوگا۔ بہت ہو چکا، ہمارے بزرگ اور ہم ان لوٹوں سے بہت پریشان
ہو چکے ہیں۔

آیئے آپ کو ہندوستانی بچھوں سے ملاتا ہوں

حضرت سعدی فرماتے ہیں میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ " بچھوؤں کی پیدائش عام جانوروں کی طرح نہیں ہوتی، اپنی ماں کے پیٹ میں جب یہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو اندر سے پیٹ کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے اور یوں سوراخ کرکے باہر آ جاتا ہے"۔ حضرت سعدی مزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات ایک دانا کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا: "میں سمجھتا ہوں کہ بات درست ہی ہو گی بچھو کی فطرت اور عادت پر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے پہلے دن سے برائی ہی کی ہوگی"۔ آپ سب جانتے ہیں کہ ڈنک مارنا بچھو کی فطرت ہے۔ ایک جگہ بہت سارے بچھو جمع تھے کسی نے پوچھا کہ تمارا سردار کون ہے، ایک بچھو نے جواب دیا کہ ہم سب سردار ہیں تم کسی کو بھی ہاتھ لگا کر دیکھ لو۔ آیئے آپ کو ہندوستانی بچھوں سے ملاتا ہوں۔

بمبئ (حالیہ ممبی) کا رہنے والا ایک کارٹونسٹ بال ٹھاکرے 1966 میں تنخواہ پر جھگڑا ہو جانے کی وجہ سے اس نے نوکری چھوڑ دی اور لسانی اور مذہبی بنیادوں پر ایک تنظیم شیو سینا کے نام سے قائم کی اور بمبئ سے غیر مراٹھی لوگوں کو باہر رکھنے کے لئے ایک تحریک شروع کی۔ بال ٹھاکرے کھلم کھلا ہٹلر کو اپنا سیاسی پیشوا تسلیم کیا، اس کا کہنا تھا کہ جرمنی کے فسطائی رہنما

کے بارے میں لوگ جو بھی کہیں، ہٹلر نے جو بھی کیا جرمنی کے حق میں ہی کیا۔ بال ٹھاکرے کی پوری سیاست اسی نظریہ کے ارد گرد گھومتی رہی اور اپنے مسلمان مخالف نظریہ کو وہ اسی تناظر میں پیش کرتا رہا۔ 1992 میں جب بابری مسجد مسمار کی گئی تو بال ٹھاکرے نے کہا کہ یہ 'عظیم' کام شو سینکوں نے انجام دیا تھا جس پر مجھے فخر ہے۔ شیو سینا کو آپ آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کی کاپی بھی کہہ سکتے ہیں، بس فرق اتنا تھا کہ وہ مسلمانوں کا دشمن تو تھا ہی اسکے ساتھ ساتھ غیر مراٹھیوں کا بھی دشمن تھا۔ اپنی پاکستان دشمنی کا برملا اظہار کرتا تھا۔ یہ لیڈر کم غنڈا زیادہ تھا۔ دو ہزار دو میں بال ٹھاکرے نے ہندوؤں کے خود کش اسکواڈ کا اعلان کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوگا۔ شیو سینا نے چالیس لاکھ مسلمانوں کو مہاراشٹر سے نکلنے پر مجبور کیا اور یہ نعرہ بلند کیا کہ یہاں سب سے پہلے ہندو مذہب ہے، اس کے بعد دوسرے مذاہب کے بارے میں سوچا جائے گا۔ پاکستان کی کرکٹ ٹیم جائے، ہاکی ٹیم جائے یا کوئی اداکار اس کا دخل سب میں تھا، اور آج جب وہ مرچکا ہے تب بھی شیو سینا کی غنڈا گردی جاری ہے۔ حال ہی میں شیو سینا کی مخالفت کی وجہ سے ہی ہمارے ہاکی کے کھلاڑی واپس آئے اور ہماری خواتین کی کرکٹ ٹیم کو بمبئی کے بجائے دوسرے شہر میں جاکر ورلڈ کپ کے میچ کھیلنے پڑ رہے ہیں۔ بھارتی حکومت بھی شیو سینا کی غنڈا گردی سے آنکھیں چراتی ہے۔

ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور ہندوستان کے مشہور فلم اسٹار امیتابھ بچن کا تعلق شہر الہ باد سے ہے مگر اسی الہ باد کے ایک گھر میں ناتھورام گوڈسے کی باقیات موجود ہیں۔ 30 جنوری 1948 کو ہندوستانیوں کے باپو موہن داس گاندھی کو ناتھورام گوڈسے نے گولیاں چلا کر ہلاک کر دیا تھا۔ گوڈسے مہاراشٹر کا براہمن تھا جو آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کا رکن تھا۔ ناتھورام گوڈسے کو 15 نومبر 1949 کو گاندھی کے قتل کے الزام میں پھانسی دی گئی تھی۔ اپنی پھانسی سے پہلے اس نے جیل میں اپنے بھائی اور ایک دوست کو یہ وصیت کی تھی کہ میری باقیات کو دریائے سندھ میں بہانا کیونکہ جب اکھنڈ بھارت دوبارہ ہوگا تو دریائے سندھ بھی اکھنڈ بھارت کا ہی حصہ ہوگا، لہٰذا پھانسی کے بعد جب گوڈسے کو جلایا گیا تو اسکا بھائی اور دوست قریبی جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے، پولیس کے جانے کے بعد انہوں نے گوڈسے کی راکھ اور ہڈیاں جمع کریں جو آج بھی چاندی کے ایک برتن میں موجود ہیں۔ ناتھورام گوڈسے پڑھا لکھا تھا، وہ ایک اخبار کا ایڈیٹر تھا مگر مسلمانوں کا بدترین مخالف تھا۔ گوڈسے کی برسی کے دن ہر سال اس کے خاندان کے لوگ اور دوست احباب پونے میں جمع ہو کر اکھنڈ بھارت" کے کاز کیلئے کام کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ ناتھورام گوڈسے کی بھتیجی ہمانی ساورکر جو ایک کٹر ہندو پرست تنظیم ابھینو بھارت کی سربراہ بھی ہے مسلم دشمنی میں آگے آگے ہے۔ سنگھ پریوار سازشیں رچنے میں کس قدر ماہر ہے اس کا اندازہ تو گاندھی کے قتل کے وقت ہو گیا تھا۔ اگر ناتھورام

گوڈسے پکڑا نہ جاتا اور اس کی اصل شناخت سامنے نہ آئی ہوتی تو گاندھی کے قتل کا شبہ بھی مسلمانوں پر ہی جاتا۔ گاندھی کے قتل کے بعد آر ایس ایس پر ہندوستانی حکومت نے پابندی عائد کر دی تھی اور تنظیم کو چلانے والے مادھو سداشو گوالکر سمیت آر ایس ایس کے تمام رہنماؤں کو جیل میں بند کر دیا تھا مگر بعد ازاں آر ایس ایس پر سے پابندی ہٹا لی گئی تھی۔

آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کی حقیقت یہ ہے کہ یہ تنظیم روزِ اوّل سے پورے طور پر فاشسٹ سیاسی نظریات سے متاثر ہندو آمریت کی حامی رہی ہے اور مضبوط تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اس کے رہنماؤں نے ہٹلر اور مسولینی کے قومی و سیاسی نظریات سے براہِ راست استفادہ کیا ہے اور ان سے بے حد متاثر ہیں۔ اس کے بڑے بڑے لیڈروں نے اٹلی و جرمنی جاکر فاشزم کی تعلیم و تربیت حاصل کی ہے؛ چناچہ ہندو سماج کو فوجی تربیت دینے کی ضرورت و اہمیت کو انھوں نے اٹلی و جرمنی کے ماڈلوں کو دیکھنے کے بعد ہی محسوس کیا اور ہندو فاشزم کے زہریلے جراثیم پھیلائے۔ ریکارڈ کے مطابق سنگھ کے بانی ہیڈگوار اور چند دوسرے انتہا پسند ہندو رہنماوں کی 1934 میں ایک خفیہ میٹنگ ہوئی، جس میں یہ سوال اٹھایا کہ ہندوؤں کو کس تدبیر سے منظم کیا جاسکتا ہے؟ اس کے جواب میں ایک ہندو رہنما نے کہا کہ: ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اس اتحاد کی بنیادیں پائی جاتی ہیں؛ لیکن انھیں بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ قدیم زمانے

کے "شیواجی" یا جدید دور کے مسولینی یا ہٹلر جیسے کسی ہندو ڈکٹیٹر کے ہاتھوں میں ہندوستان کی باگ ڈور ہو۔ ہمیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک منصوبہ ترتیب دے کر اس کی تشہیر و تبلیغ کے لیے سرگرم عمل ہو جانا چاہیے۔ اسی منصوبہ کے مطابق 1934 میں مسولینی کے فکری و عملی طرز پر بھونسلا ملٹری اسکول قائم کیا گیا۔ کل کی جن سنگھ اور آج کی بھارتیہ جنتا پارٹی بھی دراصل آر ایس ایس ہی کا ایک سیاسی حصہ ہے۔

آر ایس ایس چونکہ ایک بدنام زمانہ تنظیم ہے لہٰذا بھارتیہ جنتا پارٹی بنائی گی تاکہ ہندوستان کی باگ ڈور کسی انتہا پسند ہندو ڈکٹیٹر کے ہاتھوں میں ہو۔ آر ایس ایس کو سیاست میں غیر معمولی دلچسپی ہے۔ ہندوستان آئینی اعتبار سے کیسا ملک ہو؟ اس کے دستوری ڈھانچہ کی شکل کیا ہو؟ ملک کی سیاسی و اقتصادی پالیسی کس نوعیت کی ہو؟ وغیرہ، سیاست کے تمام شعبوں کے بارے میں اس تنظیم کے اپنے مخصوص نظریات طے شدہ منصوبے اور متعینہ اصول ہیں، جن کا اظہار اس کے رہنما اکثر کرتے رہتے ہیں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کے دور حکومت میں ہی گجرات میں فروری دو ہزار دو میں مسلم کش فسادات کے دوران بھی سنگھ پریوار کا رہنما نریندر مودی وزیر اعلی تھا، اس مسلم کش فسادات میں دو ہزار سے زیادہ مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا۔ حال ہی میں بھارتی وزیر داخلہ سشیل کمار شندے نے بی جے پی اور آر ایس ایس کی جانب سے ہندو انتہا پسندوں کو دہشت گردی کی تربیت دینے کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ بھارت میں دہشت گردی کے تربیتی کیمپ موجود

ہیں، بی جے پی اور آر ایس ایس کے کیمپوں میں دہشت گردی کو فروغ دیا جارہا ہے، سمجھوتہ ایکسپریس ، مالے گاؤں بم دھماکوں میں ہندو انتہا پسند ملوث تھے، الزام مسلمانوں پر لگایا گیا۔

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام دسمبر 1885 میں عمل میں آیا۔ پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح بھی مسلم لیگ میں شمولیت سے قبل اس جماعت میں شامل رہے ہیں جبکہ ہندوستان کی تاریخ کی کئی شخصیات بھی اس جماعت سے وابستہ رہی ہیں جن میں موہن داس گاندھی، جواہر لعل نہرو، ولبھ بھائی پٹیل، خان عبدالغفار خان اور ابو الکلام آزادزیادہ معروف ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کو گاندھی کی ہندو پرست پالیسیوں نے کانگریس چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ ہندوستان کی آزادی کے لیے چلائی جانے والی تحاریک میں مسلمان اور ہندو دونوں شامل تھے مگر جواہر لال نہرو بنیادی طور پر ایک ہندو لیڈر تھے یہ ہی وجہ ہے کہ 1928 کی نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ مسلمانوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ اسی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان ان کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ہندو مسلم مسئلے کے حل کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے مارچ 1929 کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں نہرو رپورٹ کے جواب میں اپنے چودہ نکات پیش کیے جو کہ تحریک پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں کانگریس کی

حکومت بنی اور نہرو اسکے وزیر اعظم جو 1964 تک رہے۔ پاکستان بننے کے فورا بعد کانگریس کی حکومت نے پاکستان کے حصے کی رقم روک لی، کچھ زمینی حصے جو پاکستان میں آنے تھے ان پر قبضہ کرلیا اور سب سے بڑھ کر کشمیر کے مسئلے پر نہرو نے اقوام متحدہ کے زریعے دھوکہ بازی کی اور آج بھی کشمیری مسلمان آزادی کے لیے تڑپ رہے ہیں۔
پاکستان کی طرف آنے والے دریاوں کا پانی بھی کانگریس حکومتوں نے ہی روکا ہے۔
1965 کی جنگ میں بھی کانگریس ہی کی حکومت تھی۔ اندرا گاندھی جو نہرو کی بیٹی تھی اور کانگریس حکومت کی وزیر اعظم 1971 میں پاکستان کو توڑنے اور بنگلہ دیش بنوانے میں اس کا ہاتھ تھا۔ دسمبر 1992 میں جب انتہا پسند ہندوں نے بابری مسجد کو شہید کیا جب بھی مرکز اور صوبہ اترپردیش میں کانگریس ہی کی حکومت تھی۔ آزادی کے بعد سے ابتک ہندوستان میں زیادہ تر کانگریس ہی کی حکومت رہی ہے اور لا تعداد ہندو مسلم فسادات ہوچکے ہیں جس میں زیادہ تر مسلمانوں کا جانی اور معاشی نقصان ہوا ہے۔
کانگریس یا نہرو خاندان کی سیاست جواہر لال نہرو کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہوئی بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کی بیٹی اندرا گاندھی اور نواسا راجیو گاندھی ہندوستان کے وزیر اعظم بنے اور آج بھی انہیں کا خاندان ہندوستان کی سیاست پر حاوی ہے۔ آج بھی کانگریس کی ہی حکومت ہے مگر ہندو انتہا پسندوں کو مسلمانوں کے خلاف سب کچھ کرنے کی آزادی ہے۔ حال ہی میں لائن آف کنٹرول پر ہندوستانی فوجیوں نے خلاف ورزی کرکے ہمارے فوجیوں کو شہید کیا اور بعد میں اپنے فوجی

کے مرنے اور گلا کاٹنے کا افسانہ گڑھ دیا۔

ہندوستانی بچھوں کا ذکر تو ہوگیا اب کچھ ذکر اپنوں کا۔ ہمارا میڈیا پاک بھارت تعلقات کے سلسلے میں جو کردار ادا کر رہا ہے اسکے بدلے میں اگر آپ ہندوستانی میڈیا کو دیکھیں تو آپکو اپنے میڈیا کا کردار عجیب لگے گا۔ ہندوستانی میڈیا اول تو پاکستان کی خبروں کو اہمیت ہی نہیں دیتا اور عام طور پر پاکستان کی جو خبریں دیتا ہے اس کا مقصد صرف اور صرف پاکستان کو بدنام کرنا ہوتا ہے۔ ہماری سول سوسایٹی ، ادیب، شاعر، اداکار جس طرح ہندوستان سے دوستی کے لیے کوشش کرتے ہیں کیا ہندوستان کی طرف سے بھی اس طرح کا جواب ان کو ملتا ہے یقینا نہیں، ہمارے اکثر سیاست دان ہندوستان کے خیر سگالی دورے کرتے رہتے ہیں کیا ہندوستانی سیاست دان بھی ایسا کرتے ہیں ، اس بات کا جواب بھی نہیں ہے۔ ہندوستان کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہندوستان کبھی بھی اچھا ہمسایہ نہ بن سکا ہے۔ سکم، بھوٹان، نیپال اور سری لنکا کے ساتھ ہندوستان نے جو کچھ کیا وہ ہمارے سامنے ہے، چین کے ساتھ بھی وہ وہی سلوک کرنا چاہتا تھا جو ہمارے ساتھ کرتا رہا ہے لیکن 1962 کی ہند چین جنگ کے بعد اسکو سمجھ آگیا کہ چین اسکے لیے آسان نہیں ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہندوستان سے تعلقات خراب کیے جایں مگر جو قدم بھی تعلقات کے لیے اٹھایا جائے وہ بہت سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے۔۔ ہندوستان سے

تجارت کرنا کوئی بری بات نہیں مگر اس سے پہلے پاکستان کو اپنے آپ کو معاشی اور سیاسی طور پر مضبوط کرنا ہوگا ورنہ کمزوروں سے دوستی نہیں کی جاتی بلکہ اپنے مفادات پورے کیے جاتے ہیں۔ اب آپ چاہیں تو بچھوں کے دیس میں اپنا کمزور ہاتھ دیدیں یقیناً آپ اپنے انجام سے واقف ہونگے۔

نواز شریف صاحب اصل کہانی سیاچن سے شروع ہوتی ہے

نواز شریف کی مسلم لیگ ن نے مطالبہ کیا ہے کہ کارگل پر آزاد، خودمختار جوڈیشل کمیشن قائم کرکے رپورٹ قوم کے سامنے پیش کی جائے، پرویز مشرف کارگل ایشو پر حکومت کو اعتماد میں لینے کے حوالے سے غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ کمیشن ضرور بنایا جائے مگر کارگل کی اصل جڑ سیاچن کو بھی اس میں لازمی شامل کیا جائے کیونکہ بھارت اور پاکستان کے بیچ تنازع کا سبب سیاچن ہے کارگل نہیں۔ 1984 میں بھارت نے سیاچن پر قبضہ کیا تھا جس کا مقصد پاکستان اور چین کو فوجی اعتبار سے ہراساں کرنا تھا۔ دوسرے دریائے سندھ کو پانی بھی اسی گلیشیر سے ملتا ہے۔ جس وقت بھارت کی فوجوں نے سیاچن پر قبضہ کیا تھا، اس وقت پاکستان میں ضیاالحق کا راج تھا، اس نے کہا تھا کہ "سیاچن میں تو گھاس بھی نہیں اگتی۔" اس بیان کا مقصد سوائے قوم کو دھوکا دینے کے اور کچھ نہ تھا۔ یعنی دفاعی اور معاشی لحاظ سے سیاچن کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن بعد میں پاکستان کی فوجی قیادت کو اس بات کا احساس ہوا کہ بھارت کا سیاچن پر ناجائز قبضہ خالی کرانا بہت ضروری ہے۔ اگر پاکستان کی فوجی قیادت فوری طور پر اس جگہ بھارت کی جارحیت کو روکنے کے سلسلے میں اقدامات نہیں اٹھاتی تو بھارتی فوجی اسکردو تک پہنچ سکتے تھے اور ان کی جارحیت کے قدم مزید بڑھتے رہتے۔ اس بلند ترین

جگہ سے بھارت کا قبضہ ختم کرانے کے سلسلے میں بھارت اور پاکستان کی قیادتوں کے درمیان کئی مرتبہ بات چیت ہو چکی ہے لیکن بھارت جو کشمیر اور مونا بھاؤ پر بزورِ طاقت قبضہ کر چکا ہے۔ فوجی مداخلت کے ذریعے مشرقی پاکستان کے علیحدگی پسندوں کی حمایت کر کے بنگلہ دیش بنوانے میں مرکزی کردار ادا کر چکا ہے۔ کشمیر سے پاکستان کی طرف آنے والے دریاؤں پر مسلسل ڈیم بنا کر پاکستان کو بنجر کرنے کی پالیسی جاری رکھے ہوئے ہے وہ کسی بھی صورت سیاچن سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ بھارتی فوج کے سربراہ جنرل وی پی سنگھ نے اعلان کیا تھا کہ سیاچن پاکستان کو واپس نہیں دیں گے اس کا کہنا تھا کہ سیاچن قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ اسے ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ بھارتی آرمی چیف کا یہ خصوصی انٹرویو ایک ایسے وقت میں سامنے آیا تھا جب پاکستان اور بھارت کے درمیان خارجہ سیکرٹریوں کی سطح کے مذاکرات جاری تھے۔ کئی دفعہ دونوں ملکوں کے درمیان سیاچن پر مذاکرات ہوئے لیکن اس بات پر ناکام رہے کہ بھارت کہتا ہے کہ وہ اپنی فوجیں اس وقت واپس بلائے گا جب پاکستان وہاں بھارتی افواج کی قائم چوکیوں کو تسلیم کرے گا۔ پاکستان کا موقف رہا ہے کہ اس کا مطلب سیاچن پر بھارتی قبضہ ماننے کے مترادف ہوگا۔ ماضی میں اس برف پوش علاقے کو نو مین لینڈ قرار دینے کی بھی بات کی جاتی رہی۔

اپنے آپ کو ضیاالحق کا بیٹا کہلانے والے نواز شریف اپنے دوسرے دور

اقتدار میں چونکہ بھاری اکثریت سے جیتے تھے لہذا وہ اپنے آپ کو ہر چیز سے مبرا سمجھنے لگے تھے۔ انہوں نے ایک صدر، ایک آرمی چیف اور ایک چیف جسٹس آف پاکستان کو گھر روانہ کرنے کے علاوہ سپریم کورٹ پر حملہ کرنے اور ایک رات میں اپنے ہموطنوں کے بارہ ارب ڈالر کے اکاونٹ منجمد کرنے کے کارنامے اپنے دوسرے دور میں ہی انجام دیے۔ آہستہ آہستہ انکے خوشامدی ٹولے نے انکو قائدِ اعظم ثانی بھی کہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بھارت کے ساتھ دوستی بڑھانے میں مصروف تھے کہ پاکستانی افواج نے سیاچن میں اپنے مسلسل نقصانات کو روکنے کیلئے کارگل آپریشن کا فیصلہ کیا۔ آج نواز شریف کہتے ہیں کہ انہیں کارگل آپریشن بارے میں پیشگی باخبر نہیں رکھا گیا مگر ان کے دور کے وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین دعوے سے کہتے ہیں کہ کارگل پر نواز شریف کو باقاعدہ بریفنگ دی گئی تھی ۔ اس لیے کارگل کی پوری جنگ کے دوران ان کے وزیر اطلاعات سید مشاہد حسین اور آئی ایس پی آر کے ڈی جی میجر جنرل راشد قریشی روزانہ باقاعدگی سے بریفنگ دیا کرتے تھے۔ اس بریفنگ میں کارگل میں بھارتی افواج کی ہار اور تباہی کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی جاتی تھیں، اس ہی وجہ سے بھارت نے اپنے ملک میں پاکستان ٹی وی کی نشریات دیکھنے پر پابندی لگا دی تھی۔

کارگل میں پاکستانی افواج نے بھارت کو سخت پریشانی میں مبتلا کیا ہوا تھا اور

بھارت کی پریشانی امریکہ تک پہنچ چکی تھی۔ یہ تکلیف بھارت کے ساتھ ساتھ نواز شریف کو بھی کچھ کم نہ تھی۔ پاکستانی افواج نے سیاچن میں اپنے مسلسل نقصانات کو روکنے کیلیئے کارگل آپریشن کا فیصلہ کیا تو اس میں قباحت کیا تھی۔ کارگل کی چوٹیوں پر قابض ہو کر پاکستانی افواج نے بھارت کی شہ رگ کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ شہ رگ بھارت کی کٹی اور تکلیف کا اظہار نواز شریف نے کیا۔ وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود انہوں نے پاکستانی افواج کے خلاف ایک نشری تقریر کر ڈالی جس میں ایک بہت ہی طنز اور تذلیل سے بھرپور جملہ کچھ یوں کہا گیا کہ: "کارگل سے کوئی راستہ سری نگر کی طرف نہیں جاتا"۔ اس جملے سے نواز شریف کی قابلیت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ سری نگر سے نکل کر سیاچن کو جانے والا ہر راستہ کارگل سے ہو کر گذرتا ہے۔

بھارت کے لئے سیاچن میں فوجوں کو سپلائی فراہم کرنے میں اس لئے آسانی تھی کہ سری نگر سے کارگل کے راستے سیاچن تک اسے ایک کھلی سڑک میسر تھی۔ یہ زیادہ بہتر ہوتا کہ وہ نشری تقریر کرکے فوج کے مقابل صف آراء ہونے کے بجائے اس وقت کارگل کمیشن قائم کر دیتے جس کا آج وہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ نواز شریف نے اس کے برعکس فوج سے محاذ آرائی کا راستہ اختیار کیا۔ اس تقریر کا لازمی نتیجہ جو نکلا وہ یہ تھا کہ سیاسی اور فوجی قیادت میں دوریاں ہو گیں اور پھر بارہ اکتوبر 1999 کو نواز شریف اپنے پیر پر خود کلہاڑی مار بیٹھے جب اس وقت کے چیف آف آرمی جنرل پرویز مشرف کو ان کے سری لنکا کے دورے کے دوران برخواست کرکے جنرل ضیاالدین بٹ کو ان کی

جگہ آرمی چیف بنادیا۔ شام تک نواز شریف گرفتار ہوگے اور ملک ایک مرتبہ پھر جمہورت کی پٹری سے اتر گیا۔ دسمبر 1999 میں نواز شریف جدہ چلے گے اور پھر انکی واپسی نومبر 2007 میں ہوئی۔ جدہ سے واپسی پر نواز شریف اپنے ساتھ مشرف فوبیا بھی ساتھ لیکر آئے۔ اب انکے ہر سوال کے جواب میں یا بیان میں مشرف کا ذکر بڑی حقارت سے ہوتا ہے۔

گذشتہ سال گیاری سیکٹر میں گرنے والے برفانی تودے تلے دب کر ایک سو انتالیس افراد کی شہادت ہوئی، جن میں گیارہ شہری اور ایک سو اٹھائیس فوجی شامل تھے، جس کی وجہ سے سیاچن ایک مرتبہ پھر خبروں کا موضع بنا۔ گیاری سیکٹر کا دورہ کرتے ہوئے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کا کہنا تھا کہ سیاچن دونوں ملکوں کے ٹیکس گزاروں اور خزانوں پر بوجھ ہے۔ یہاں ہونے والے اخراجات عوام کی فلاح پر خرچ ہونے چاہییں۔ میڈیا سے بات کرتے ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ پاکستان سیاچن سے فوج نکالنے کے لیے مذاکرات کے لیے تیار ہے۔ مگر نواز شریف نے گیاری سیکٹر کے صرف 22 منٹ کے دورے کے دوران متاثرین اور میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ پاکستان کے سیاسی حلقوں کے لیے حیران کن تھا، انہوں نے فرمایا کہ پاکستان اور بھارت سیاچن سے اپنی اپنی افواج واپس بلالیں اور پاکستان اس سلسلے میں پہل کرے۔ انہوں نے ذرا آگے بڑھ کر یہاں تک کہا کہ اگر بھارت سیاچن سے اپنی فوجیں نہیں نکالتا تو پاکستان کو اپنی

افواج واپس بلالینی چاہئیں یاد رہے کہ یہ ایسا ہی بیان تھا جو ضیاالحق نے دیا تھا کہ سیاچن میں تو گھاس بھی نہیں اگتی۔" نواز شریف کا یہ بیان جتنا اچانک تھا اتنا ہی" حیران کن بھی تھا کہ یہ وہی نواز شریف ہیں جن کی حکومت سیاچن کے مسئلے پر پرویز مشرف کے ساتھ اختلاف کے باعث ختم ہوئی تھی اور آج بھی انکا موقف یہ ہی ہے کارگل پر حملے کے وقت فوج نے انہیں آگاہ کیا تھا نہ اعتماد میں لیا تھا۔

حال ہی میں "لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز کی کتاب "یہ خاموشی کہاں تک؟" منظر عام پر آئی ہے۔ اس کتاب پر ایک علیدہ مضمون کی ضرورت ہے، مگر اس کتاب کے بعد ایک مرتبہ پھر کارگل کا آپریشن موضوع بنا ہوا ہے۔ ایک انٹرویو میں سابق صدر پرویز مشرف نے کہا ہے کہ کارگل میں پاک فوج نے دشمن کو سیاچن کا بھرپور جواب دے دیا تھا، دشمن کے پاس تابوتوں کیلئے لکڑی ختم ہو گئی تھی، کارگل میں جیتی جنگ نواز شریف نے میز پر ہار دی جب اُنھوں نے راجہ ظفرالحق اور خود مشرف کے کہنے کے باوجود کارگل سے فوج واپس بلالی۔ ق لیگ کے سربراہ چوہدری شجاعت نے پرویز مشرف کی جانب سے کارگل اور نواز شریف سے متعلق دیئے گئے بیانات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ کارگل مشن سے نوازشریف آگاہ تھے۔ سابق صدر پرویز مشرف کے انٹرویو کے دوران ق لیگ کے سربراہ چوہدری شجاعت نے پرویز مشرف کے بیانات کی تصدیق کر دی۔ چوہدری شجاعت کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف

نے جو کچھ کہا وہ درست ہے، چوہدری شجاعت کے مطابق ہم کارگل محاذ سیاست پر ہار گئے، اس پر متفق ہوں۔ چونکہ نواز شریف کی حکومت مشرف کے ہاتھوں ختم ہوئی تھی اس لیے ان کا موقف جنرل پرویز مشرف سے ذاتی عداوت کا آئینہ دار ہے۔ نواز شریف کو چاہیے کہ ملک کے موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے سیاست کریں، اگر وہ الیکشن جیت جایں تو پھر ضرور جوڈیشل کمیشن قائم کریں لیکن صرف کارگل نہیں بلکہ بھارت کے سیاچن پر ناجائز قبضہ کا بھی معلوم ہونا ضروری ہے، نواز شریف صاحب اصل کہانی سیاچن سے شروع ہوتی ہے۔

گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان کو نشانِ امتیاز، خدمات کیا ہیں؟

سابق فوجی حکمراں جنرل پرویز مشرف نے ڈاکٹر عشرت العباد خان کو 27 دسمبر 2002 کو صوبہ سندھ کے گورنر کے طور پر نامزد کیا۔ سب سے طویل عرصہ تک گورنر شپ کا اعزاز رکھنے والے ڈاکٹر عشرت العباد خان کے بحیثیت گورنر سندھ دس سال مکمل ہوگئے ہیں۔ 2 مارچ 1963 کو کراچی میں پیدا ہونے والے ڈاکٹر عشرت العباد خان پاکستان کے سب سے کم عمر گورنر ہیں۔ گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان کو صدر آصف علی زرداری کی جانب سے نشانِ امتیاز پیش کیا گیا۔ نشانِ امتیاز دینے کی وجہ ڈاکٹر عشرت العباد خان کی وہ پیشہ ورانہ خدمات ہیں جو انہوں نے غیر ملکی سرمایہ کاری، تعلیم، امن و امان کے قیام، فن و ثقافت اور زندگی کے دیگر شعبہ جات میں سر انجام دیں ہیں۔ گورنر صاحب نے ساڑے پانچ سال سابق صدر پرویز مشرف کے دور حکومت میں اور ساڑے چار سال صدر آصف علی زرداری کے دور حکومت میں گذارے ہیں۔ گورنر صاحب کے بارئے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انتہائی خوش اخلاق، ملنسار، منکسر المزاج اور پرخلوص انسان ہیں۔ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے سے متحدہ قومی موومنٹ کے طلبہ ونگ پلیٹ فارم سے کیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد متحدہ قومی موومنٹ میں شمولیت اختیار کی اور 1990 میں ہاوسنگ ٹاون پلاننگ کے وزیر مقرر ہوئے۔ 1992

میں جب متحدہ قومی موومنٹ کے خلاف نواز شریف حکومت نے آپریشن کا آغاز کیا تو وہ برطانیہ چلے گئےاور طویل عرصے تک برطانیہ میں جلا وطن رہے۔ گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان نے انصار برنی کے ساتھ ملکر صومالی قزاقوں سے پاکستانی اور دوسرے ملکوں کے باشندوں کو رہا کروانے کے لیے جو کامیاب کوششیں کیں، وہ انتہائی قابل تعریف اور انسان دوستی کی بہترین مثال ہے، عالمی سطح پر بھی اُن کو اس پر کافی شہرت ملی۔

محترم گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان صاحب آپکو نشانِ امتیاز ملنے پر آپ ہی کے شہر کراچی سے تعلق ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے مجھے آپکو مبارک باد دینا لازمی ہوتا ہے مگر آپکی جن خدمات پر یعنی غیر ملکی سرمایہ کاری، تعلیم، امن و امان کے قیام، فن و ثقافت اور زندگی کے دیگر شعبہ جات ان میں سے ایک کے بھی بارے میں بھی میرے پاس جو معلومات ہیں وہ اچھی نہیں ہیں۔

غیر ملکی سرمایہ کاری: محترم گورنر سندھ 16 جولائی 2012 کی ایک خبر کے مطابق پاکستان میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کی عدم دلچپسی کے باعث مالی سال 12-2011 میں غیر ملکی سرمایہ کاری کے حجم میں 65 فیصد کمی واقع ہوئی۔ مرکزی بینک کے جاری اعداد و شمار کے مطابق مالی سال 12-2011 میں غیر ملکی سرمایہ کاری کا حجم 68 کروڑ ڈالر رہا جو مالی سال 11-2010ء میں 1 ارب 90 کروڑ ڈالر

سے بھی زائد تھا۔ اعداد و شمار کے مطابق خوراک کے شعبے میں 61 فیصد، توانائی کے شعبے میں 154 فیصد اور کمیونی کیشن میں 800 فیصد سے زیادہ کی کمی واقع ہوئی۔ میں ایک امریکی ڈالر 62 روپے کا تھا جو آج 98 روپے کا ہے۔آپ کہہ سکتے 2002 ہیں کہ یہ صوبائی معاملہ نہیں ہے لہٰذا اسے چھوڑتے ہیں۔

تعلیم : محترم گورنر سندھ تعلیم کے شعبے کا حال کیا ہے وہ بھی سن لیں ۔ آغا خان یونیورسٹی کی ایک تحقیق کے مطابق سندھ کے ستر فیصد پرائمری اسکولوں میں طلبہ کو سارے دن میں صرف پندرہ منٹ پڑھایا جاتا ہے۔ تحقیق کے نتائج کے مطابق بیس فیصد اساتذہ بیس منٹ سے زائد اور دس فیصد پانچ منٹ سے بھی کم وقت تک پڑھاتے ہیں۔ یہ تحقیق چوتھی اور پانچویں کلاس کے طالب علموں پر کی گئی ہے۔ تحقیق کے مطابق ایک ہی معاشی اور سماجی پس منظر کے باوجود ان اضلاع کے مختلف نتائج سامنے آئے ہیں، مٹیاری، خیرپور اور سکھر کی کارکردگی ٹنڈو محمد خان اور ٹنڈہ الہ یار سے مختلف رہی۔اس تحقیق میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ چھپن فیصد طالب علم روزانہ اسکول جاتے ہیں جبکہ چوالیس فیصد مسلسل غیر حاضر رہتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق اسکول میں صنفی امتیاز بھی نظر آیا جس کے تحت بچیوں کے اسکول جانے کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ اساتذہ کی بھرتی میرٹ پر نہیں بلکہ اقرباپروری پر کی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اسکول سے غیر حاضر رہتا ہے اگر کوئی استاد اسکول جاتا بھی ہے تو اس میں

یہ قابلیت نہیں ہوتی ہے کہ وہ بچوں کو پڑھا سکے۔ سندھ میں تعلیم کے شعبے میں اصلاحات کے لیے عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک، یورپی کمیشن اور دیگر عالمی ترقیاتی ادارے صوبائی حکومت کی معاونت کرتے رہے ہیں۔ مگر تعلیم کے شعبے میں حکومت کے ساتھ ساتھ ڈونرز کی بھی مکمل ناکامی سامنے آ رہی ہے کیونکہ 2002 سے دعوے کیے جا رہے ہیں کہ تعلیم تک رسائی اور معیاری میں بہتری لائی جائے گی مگر صورتحال دن بدن بہتری کے بجائے ابتری کی طرف جا رہی ہے۔ آپکو یاد ہو گا کہ فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے سابق جج جسٹس (ر) رانا بھگوان داس نے آپکے نام ایک خط لکھا تھا جس میں سی ایس ایس کے امتحانات میں سندھ سے پاس ہونے والے امیدواروں کی روز بروز کم ہوتی تعداد پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ نہ صرف پاس ہونے والے امیدواروں کی تعداد کم ہوئی ہے بلکہ سندھ کے لیے دستیاب کوٹہ کے حوالے سے بھی امیدوار کم ہوئے ہیں، جس کا اندازہ 2000 سے 2010 کے اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔ اعداد و شمار سے معلوم ہو گا کہ سندھ کا کوٹہ 19 فیصد ہے لیکن پاس ہونے والے امیدواروں کی تعداد بتدریج کم ہو کر 7 فیصد پر آ گئی ہے۔ جسٹس (ر) رانا بھگوان داس کے مطابق صوبے میں تعلیم کا معیار زوال پذیر ہو رہا ہے جس کی وجہ سے سندھ سے مقابلے کے اس امتحان میں حصہ لینے والے امیدوار دوسرے صوبوں کے امیدواروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

امن وامان کے قیام: محترم گورنر سندھ امن وامان کے قیام کے حوالے سے سندھ کے لوگ اور خاصکر کراچی کے لوگ روزانہ کی ہڑتالوں، لوٹ مار، بھتہ خوری، لاقانونیت، قتل وغارت گری اور دہشت گردی سے نہ صرف معاشی طور پر بلکہ ذہنی طور پر بھی دیوالیہ ہوچکے ہیں۔ کراچی کا شاید ہی کوئی خوش نصیب ہوگا کہ وہ یا اسکے گھر کا کوئی فرد لوٹ مار یا بھتہ خوری کا شکار نہ ہوا ہو۔ عام شہری سے اگر راستے میں کوئی پتہ پوچھ لے یا کوئی اجنبی چہرہ اسکے دروازے پر آجائے تو وہ خوف زدہ ہوجاتا ہے اور اسکو اپنی جان ومال کی فکر پڑجاتی ہے۔ 2002 سے ابتک کراچی میں قتل ہونے والوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے، ان میں ہلاک ہونے والے ٹارگٹ کلنگ، دہشت گردی، اغوا، زیادتی، ذاتی جھگڑے، سیاسی جھگڑے اور فرقہ واریت کے شکار ہوئے ہیں۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی چیئرپرسن زہرہ یوسف نے 5 جولائی کو ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ "2005 سے 2010 تک چھ سالوں میں 2011 افراد قتل ہوئے۔ سب سے زیادہ 798 افراد اغوا کے بعد قتل کئے گئے۔ فرقہ 8913 وارانہ بنیادوں پر 116 اور براہ راست گولیاں لگنے سے 238 افراد قتل ہوئے۔ لیاری گینگ وار میں مجموعی طور پر 216 مرد، 3 بچے اور 7 خواتین کا قتل ہوا۔ لسانی بنیادوں پر 296 افراد قتل ہوئے"۔ 2012 میں دوہزار سے زیادہ افراد قتل ہوچکے ہیں ۔آج کراچی کو جو دنیا کے چند بڑے شہروں میں سے ایک ہے جس کو ہم روشنیوں کا شہر کہتے تھے اب لاقانونیت اور لاشوں کا شہر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ انسانی جان کی کوئی حیثیت نہیں ہے

ہر روز ایک عام سی بات ہوگی ہے آج دس مرگئے اور آج بارہ۔ بےگناہ قتل ہونے والے کی تو شناخت ہو جاتی ہے لیکن قتل کس نے کیا یہ کبھی معلوم نہیں ہوتا۔ حال ہی میں بغیر کسی وجہ کے شہر میں پولیو کی دوا پلانے والی پانچ خواتین کو ہلاک کردیا گیا جسکی وجہ سے پولیو مہم بند کردی گی۔ یہ خواتین جو ایک مقدس فریضہ انجام دے رہی تھیں، ہماری آنے والی نسل کو محتاج اور اپاہج بننے سے بچارہی تھیں ساتھ ساتھ اپنے بچوں کے لیے تھوڑا بہت رزق حلال صرف 250 روپے روزانہ بھی کمارہی تھیں بغیر کسی وجہ کے ہلاک کردی گیں۔ جان ومال کی حفاظت ایسے ہی ہے جیسے کسی ہوٹل کے مسافر کا سامان، جہاں ہوٹل انتظامہ کی جانب سے ایک نوٹس میں لکھا ہوتا ہے کہ اپنے سامان کی خود حفاظت کریں انتظامیہ کسی بھی نقصان کی ذمیدار نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی لکھے ہوئے نوٹس کے بغیر کراچی کا ہر شہری جانتا ہے کہ اُسکے جان ومال کی ذمیداری خود اُس پر ہے، حکومت کسی بھی شہری کے جان ومال کی ذمیدار نہیں ہے۔ قانون کسی بھی مجرم کو پکڑنے کا ذمیدار نہیں، اسکے علاوہ پورے سندھ میں وڈیروں کے ظلم عام ہیں، قانون پر عملدرآمد نہ ہونے کی وجہ سے جرائم پیشہ عناصر کھلے عام جرائم کرتے ہیں۔ کاروکاری عام ہے، ڈاکو آزادانہ گھومتے ہیں۔

محترم گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان صاحب جس صوبہ میں غیر ملکی سرمایہ کاری، تعلیم، امن وامان کے قیام کے حالات اس قدر بھیانک ہوں وہاں، فن و

ثقافت اور زندگی کے دیگر شعبہ جات کہاں باقی رہتے ہیں۔ فن و ثقافت کبھی کراچی کی پہچان ہوا کرتے تھے اب نہ فن ہے اور نہ ہی ثقافت۔ بس فن آپ اسلحہ چلانے اور ثقافت انسانی قتل کو کہہ لیں۔ ان حالات میں زندگی کے دیگر شعبہ جات زوال پزیر ہی ہونگے۔ آپکو نشانِ امتیاز غیر ملکی سرمایہ کاری، تعلیم، امن و امان کے قیام، فن و ثقافت اور زندگی کے دیگر شعبہ جات کی اچھی خدمات پر ملا ہے، مگر مجھے یاد ہے کہ خود آپکی پارٹی کے ممبران اسمبلی کافی مرتبہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں سے سندھ اور خاصکر کراچی کی بدترین امن و امان کی صورتحال کی وجہ سے نہ صرف واک آوٹ کرچکے ہیں بلکہ بھرپور احتجاج بھی کرچکے ہیں۔ بدترین امن و امان کی صورتحال کی وجہ سے ہی آپکی پارٹی حکومت سے علیدگی بھی اختیار کرچکی ہے مگر نہ معلوم وجوہات کی وجہ سے پھر حکومت کا حصہ بن گی۔ آپکی پارٹی کے سربراہ کافی مرتبہ صدر، وزیراعظم، وزیراعلی سندھ اور آپکو گورنر مخاطب کرکے بدترین امن و امان کی صورتحال کی وجہ سے بھرپور احتجاج بھی کرچکے ہیں۔ صوبہ سندھ میں انتہائی مخدوش، پریشان کن اور پر انتشار صورتحال کے باوجود آپکو نشانِ امتیاز پیش کیا گیا جو سندھ اور خاصکر کراچی میں رہنے والوں کی سمجھ سے باہر ہے۔ اس لیے میں آپکو مبارکباد دینے سے قاصر ہوں۔

نوٹ: یہ مضمون دسمبر 2012 میں لکھا گیا تھا

جنرل شاہد عزیز کا ضمیر بہت دیر سے جاگا

جب کارگل کا واقعہ ہوا تو لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز اپنے ضمیر کو تھپک تھپک کر سلا رہے تھے کیونکہ ابھی بہت کچھ حاصل کرنا تھا، مثلاً ترقی پا کر لیفٹیننٹ جنرل بنایا تھا، پھر کور کمانڈر اور پھر سارے فائدے اٹھانے تھے ، مشرف کے رشتہ دار تھے وہ علیدہ ایک بونس پوائنٹ تھا۔ پاک فوج نے بھی اُن کا حق نہیں مارا اور انہیں اعلیٰ عہدے تک ترقی دی۔ لیفٹیننٹ جنرل بنے، کور کمانڈر رہے لیکن کیا مجال جو ضمیر کو جاگنے دیا ہو۔ حتیٰ کہ وہ ریٹائر ہوگئے وہ بھی مکمل مراعات کے ساتھ۔ سرکاری گھر، پلاٹ، پینشن اور سینئر افسران کو دی جانے والی تمام سہولیات وصول کیں۔ بونس میں چیئرمین نیب رہے مگر ضمیر سویا ہوا تھا۔ نو سال پہلے حج بھی کیا اور باشرع مسلمان بنکر زندگی گزارنی شروع کر دی لیکن ان کا ضمیر سوتا رہا۔ شاید اس ملک میں جمہوریت کو رواں دواں دیکھ کر چودہ سال بعد مری کے قریب فوجی کمائی سے بنائے گئے پر تعیش فارم ہاؤس میں بیٹھ کر اچانک انکا ضمیر جاگ اٹھا۔ وہ مشرف کو اور کارگل کو رونے بیٹھ گے۔ اب اسلام اور مسلمانوں کا درد بھی جاگ اُٹھا ہے ، مشرف کی بداعمالیاں بھی یاد آ رہی تھیں، کارگل میں بیچارے ہندوستانی فوجیوں کے ساتھ پاکستانی فوج نے جو ظلم کیئے، امریکہ نے ہم پر جو مہربانیاں کی ہیں یہ سب کچھ انہیں چین سے نہیں بیٹھنے

دے رہا تھا، اس لیے ایک متنازعہ کتاب لکھ ڈالی اور وہ بھی اس وقت جب پاکستان اپنے داخلی اور خارجی مسائل میں گھرا ہوا ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز کا ضمیر بہت دیر سے جاگا مگر پھر بھی پورا نہیں، موصوف شاید پاکستان کے ہی نہیں بلکہ دنیا کے پہلے فوجی ہونگے جس نے اپنی ہی فوج کے خلاف ایک کتاب لکھی اور اس کتاب میں اپنے عشق کی داستان بھی بیان کردی، بقول ایک کالم نگار کہ "لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز کی یادداشتوں پر مبنی ضخیم کتاب "یہ خاموشی کہاں تک ؟" ایک مستعد فوجی کے بجائے اکبر بادشاہ کے "شیخو" جیسے انارکلی کے دیوانے کی "داستانِ پروانگی" نظر آتی ہے"۔ ساتویں جماعت سے ہی موصوف عشق میں مبتلا تھے مگر شرم کے مارے کبھی اپنی محبوبہ کو کچھ نہ کہا۔ بس اپنے عشق کی وجہ سے ہی موصوف نے پڑھنے کی طرف دھیان دیا۔ دوران جنگ جب عمر بائیس سال تھی اپنی محبوبہ کی تصویر جیب میں رکھی ہوئی تھی کہ اگر گولی آئی تو یہ تصویر روک لے گی، عشق کی داستان سے تو یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کا فوج میں کام بلکل نہیں تھا بلکہ کسی ویرانے میں جاکر صرف اپنی محبوبہ کو ہی یاد کرنا چاہیئے تھا۔

لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز نے انکشاف کیا ہے کہ کارگل آپریشن صرف 4 افراد کا فیصلہ تھا جن میں جنرل پرویز مشرف چیف آف جنرل اسٹاف لیفٹیننٹ جنرل محمد

عزیز فورس کمانڈ ناردرن ایریا کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن اور دسویں کور کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل محمود احمد شامل تھے۔ ایک نجی ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق جنرل ر) شاہد عزیز نے کہا کہ جنرل پرویز مشرف اپنے دور میں صرف اسے کام بتاتے تھے) جس سے وہ کام لینا ہو۔ باقی سب سے راز رکھا جاتا تھا، کارگل کا آپریشن پاکستان نے 1999ء میں شروع کیا تھا جب کارگل کے مقام پر لائن آف کنٹرول پر پاکستانی فوج نے کمانڈنگ پوزیشن حاصل کرلی تھی اور اس ساری کارروائی سے لاعلم بھارتی فوج حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ شاہد عزیز نے کہا کہ کارگل کی کارروائی بھارتی انٹیلی جنس کے لیے ایک بہت بڑی ناکامی تھی۔ جنرل شاہد عزیز نے کہا کہ کارگل آپریشن ایک ناکام آپریشن تھا کیونکہ اس کے مقاصد چھپائے گئے اور نتائج سے اپنے ہی لوگوں اور قوم کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ جبکہ سابق صدر جنرل پرویز مشرف نے کہا ہے کہ کارگل آپریشن ایک علاقائی ایکشن تھا، لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز کے بیان پر حیرت ہوئی، آرمی کے ضابطے کے مطابق جن لوگوں کو آگاہ کرنا ہوتا ہے، انہیں ضرور بتایا گیا۔ پرویز مشرف نے کہا کہ کارگل میں تین ساڑھے تین سو نوجوان شہید ہوئے، شاہد عزیز کا کہنا ہے کہ ہزاروں شہید ہوئے غلط ہے جبکہ بھارتی فوجی 1700 کے قریب ہلاک ہوئے، اس آپریشن میں بھارت کا زیادہ نقصان ہوا تھا۔ مشرف نے کہا کہ کارگل کمیشن بنا تو تمام ثبوت پیش کروں گا تاہم کارگل کمیشن کا مطالبہ غیر مناسب ہے، کمیشن کی تشکیل سے پاکستان کی دفاعی پالیسیاں منظر عام پر آ

جائیں گی۔ ایک نجی ٹی وی انٹرویو میں انھوں نے کہا کہ لائن آف کنٹرول پر حکمت عملی کے لئے اجازت نہیں لی جاتی، جنرل (ر) شاہد عزیز پاکستان کے راز افشا کر رہا ہے۔

آجکل آپ جس بھارتی ٹی وی چینل پر خبریں دیکھیں سب کی توپوں کا رخ پاکستان کی طرف ہی ہے، ان کے اینکر خونخوار لہجے میں اپنے ناظرین کو پاکستان کے بارے میں من گھڑت کہانیاں سنانے میں مصروف ہیں۔ کارگل کے بارے میں لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز کے ایک ٹی وی انٹرویو کے حوالے دے دے کر جنرل مشرف کو کارگل معرکے میں شکست کے طعنے دیئے جارہے ہیں اور کارگل محاذ میں اپنی ہار کو پاکستان کی ہار بتایا جارہا ہے۔ایک خاتون اینکر پاکستان کے خلاف زمانے بھر کی نفرتوں کے اظہار کے لئے ایسی ایسی گھٹیا باتیں کررہی تھی کہ اُس کے اخلاقی دیوالیہ پن کا صاف اظہار ہو رہا تھا اور پھر عملاً ننگی گالیاں دیتے ہوئے پاکستان کے خلاف بکواس شروع کردی۔ خاتون اینکر چلانے بلکہ بھونکنے کے انداز میں ایک مبصر سے پوچھ رہی تھی کہ ہم پھر بھی بار بار پاکستان سے مذاکرات سے کیوں کرتے ہیں۔ بھارتی ٹی وی چینل دہشت گردی کے حوالے سے بھی پاکستان پر گند اچھالتے رہتے ہیں۔ جنرل (ر) شاہد عزیز کے انٹرویو پر مبنی ہمارے جس ٹی وی چینل کے حالیہ پروگرام کو بطور خاص "زی نیوز" کے زہر میں ڈوبے پروگرام میں بار بار دکھایا جارہا تھا، بھارتی

میڈیا کو زہر افشانی کا موقع فراہم کرنے کے لئے یہ انٹرویو کافی تھا، خاص طور پر اس وقت جب بھارت نے سرحد پر کچھ زیادہ ہی کشیدگی کی ہوئی ہے۔

ہندوستان کی یہ تاریخ ہے کہ وہ ایک جارحیت پسند ملک ہے اور جنوبی ایشیا کی تھانیداری کا خواہشمند بھی ہے۔اُس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ کبھی سیاچن خالی کر دے گا ایک خام خیالی کے سوا کچھ نہیں لہٰذا کارگل کا آپریشن اسی تناظر میں ہوا تھا۔ سال دو ہزار میں جب پاکستان میں عام طور پر لوگ کارگل کے واقعے کو بھول چکے تھے ہندوستانی حکومت اور عوام کارگل پر گلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہے تھے اس لیے کہ کارگل میں انہیں بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔ جنرل (ر) شاہد عزیز کی کتاب کا ایک ایک لفظ گواہی دے رہا ہے کہ وہ فوج کے لیے قطعی نامناسب تھے، یہ ہی وجہ ہے کہ بہت ہی غیر ذمہ داری کے ساتھ وہ اپنے ہی ملک کے انتہائی حساس ادارے کے بارے میں رازوں کو افشاء کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ موصوف کو اس بات کا قطعی خیال نہیں کہ ہمارا ازلی دشمن ہندوستان اس کا کس طرح فائدہ اٹھا رہا ہے اور اٹھائے گا۔ عام طور پر کہا جارہا ہے کہ جنرل (ر) شاہد عزیز کی حالیہ کتاب "یہ خاموشی کہاں تک؟" کارگل کے حوالے سے ایک انتہائی متنازعہ کتاب ہے اور اس سلسلے میں جنرل شاہد عزیز، نواز شریف اور جنرل ضیاالدین بٹ کا موقف جنرل مشرف پرویز سے ذاتی عداوت کا آئینہ دار ہے۔

طالبان دہشتگردوں کے بھی بند بھائی

ایک ایسے وقت جب پاکستان میں الیکشن ہونے جارہے ہیں اچانک طالبان دہشتگردوں کی طرف سے حکومت سے مذاکرات کی مشروط پیش کش کی گئی تھی جس میں انہوں نے پاکستانی فوج پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے میاں نواز شریف، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان اور امیر جماعت اسلامی منور حسن کی مذاکرات سے متعلق ضمانت مانگی تھی۔ دہشتگردوں کے ترجمان احسان اللہ احسان نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر پاکستان کا سرمایہ ہیں انکی مذاکرات میں ثالثی کیلئے پیش کش زیر غور ہے، متحدہ قومی موومنٹ کیخلاف کارروائیاں مزید تیز کردی جائیں گی یعنی ابھی دہشت گرد کراچی کے عام لوگوں پر اور ظلم کرینگے۔ حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکرات میں مسلم لیگ (ن)، جماعت اسلامی اور جمیعت علماء اسلام (ف) کو ضامن بنانے کے اعلان کے بعد تینوں جماعتوں کے رہنماوں کے نمائندہ وفد کو قبائلی علاقوں کے دورہ کی دعوت بھی دی ہے۔ دہشت گرد گروہ طالبان کے ترجمان نے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ دہشت گردانہ کاروائیوں میں ملوث اور سیکڑوں بےگناہ پاکستانیوں کے قاتل پانچ طالبان دہشت گرد حاجی مسلم خان، مولوی عمر اور مولانا محمود سمیت دیگر دو کو بھی رہا کیا جائے۔ مولوی عمر جو کہ حکیم اللہ محسود کا خاص ساتھی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا ترجمان بھی ہے اسکو

سیکورٹی فورسز نے ایک کاروائی کے دوران اگست 2009ء میں گرفتار کیا تھا۔ مسلم خان جو کہ کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے مشہور معروف رہنما ملا فضل اللہ کا ترجمان ہے ملا فضل اللہ کا گروہ سوات میں کاروائیوں میں ملوث رہا ہے۔ مسلم خان کو سیکورٹی، فورسز نے ایک کاروائی کے دوران ستمبر 2009ء میں گرفتار کیا تھا۔ یہ وہ دہشت گرد ہیں کہ جنھوں نے علی الاعلان پاکستانی فوج سے تعلق رکھنے والے جانبازوں کے گلے کاٹے ہیں اور ان ہی دہشت گردوں نے سیکڑوں پاکستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنے پیغامات میں بڑے فخریہ انداز میں اپنی کامیابیاں ظاہر کی ہیں اور پاکستان کے عوام پر خود کش حملوں کو جائز قرار دیا ہے۔ انھی دہشت گردوں نے پاکستان میں بزرگ اولیائے کرام بشمول کراچی میں عبد اللہ شاہ غازی، اسلام آباد میں بری سرکار بابا، پاک پتن میں بابا فرید گنج شکر، خیبر پختون خواہ میں رحمان بابا سمیت بلوچستان میں متعدد بزرگان دین کے مزارات پر دہشت گردانہ حملے کروائے ہیں جن میں نہ صرف اولیائے اللہ کے مزارات کو نقصان پہنچا بلکہ سیکڑوں بے گناہ اور معصوم انسانوں کی جانیں بھی ضائع ہوئیں جن میں خواتین، بچے اور نوجوانوں سمیت بزرگ شامل تھے۔ افواج پاکستان، نیول فورسز اور پاک فضائیہ بھی ان کالعدم طالبان دہشت گردوں کی دہشت گردی کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ دہشت گرد طالبان کے ترجمان احسان اللہ احسان نے اعتراف کیا ہے کہ پاکستان کی افواج اور پاک افواج کے جنرل ہیڈ کوارٹر پر دہشت گردانہ حملے کالعدم تحریک طالبان پاکستان

کرتی رہی ہے۔ عدنان رشید جس کا نام مذاکرات کے لئے دہشت گرد طالبان نے اپنے نمائندے کی حیثیت سے پیش کیا ہے، شہر بنوں کی جیل پر طالبان چھاپہ ماروں کے حملے میں جیل سے نکل بھاگا تھا۔ عدنان رشید سابق صدر پرویز مشرف پر قاتلانہ حملے کے الزام میں گرفتار ہوا تھا۔

اگر دہشتگردوں کی تاریخ پر غور کریں تو اسکے ذمے دار ضیاالحق، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان، مرحوم بے نظیر بھٹو، نواز شریف اور پرویز مشرف ہیں۔ پاکستان میں شاید ہی کوئی ہوگا جو امریکی ڈرون حملوں کی مخالفت نہ کرتا ہو، مگر ساتھ ساتھ عوام ان دہشتگردوں سے بھی نفرت کرتے ہیں جو آئے دن پاکستان کے بے گناہ لوگوں کو مارتے ہیں۔ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ، آئی جے آئی کے خالق اور دہشت گردوں کے ہمدرد سابق جنرل حمید گل نے کہا ہے کہ طالبان کو فوج سے مذاکرات کرنے چاہئیں۔ اس وقت حکومت سے مذاکرات ممکن نہیں، فوج کو الگ رکھ کر معاملات طے بھی نہیں ہو سکتے۔ جی ایچ کیو، مہران بیس، کامرہ، پشاور ائیرپورٹ سمیت تمام حملے فوج پر ہوئے لہذا فوج کو کیسے الگ رکھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ طالبان ہم سے گارنٹی مانگ رہے ہیں مگر ان کی گارنٹی کون دے گا۔ اگر ایک گروپ سے مذاکرات کرتے ہیں تو دوسرے گروپ کی گارنٹی کون دے گا۔ نواز شریف خود بھی اپنا دامن بچا کر علیحدہ ہو گئے۔ مگر ان دہشت گردوں کے پیٹی بند بھائی مولانہ فضل

الرحمان اور منور حسن کی سیاست کی دوکان چلانے کے لیے طالبان دہشتگردوں کا ساتھ بہت ضروری ہے۔ طالبان کی اکثریت تو مولانہ فضل الرحمان کے مدرسوں کی پڑھی ہوئی ہے جبکہ دہشت گردوں کی حمایت اور ان کو اس ملک میں درآمد کرنے کا ٹھیکہ جماعت اسلامی کے پاس ہے۔ پورے ملک میں کہیں بھی چھوٹا یابڑا دہشتگردی کا کوئی بھی واقعہ ہو جماعت اسلامی نے کبھی کسی مرنے والے سے ہمدردی کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی دہشت گردوں کی مذمت۔

کیا وجہ ہے کہ طالبان نے ایک ایسے وقت جب موجودہ حکومت کے جانے میں چند دن ہیں مذاکرات کی بات شروع کی، دہشت گرد آنے والے الیکشن میں اپنے پیٹی بند بھائیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں اور اس کے پیٹی بند بھائی مولانا فضل الرحمان اور منور حسن ہیں۔ جہاں تک منور حسن کا تعلق ہے تو جماعت اسلامی کی تاریخ دہشت گردوں کی حمایت سے بھری پڑی ہے، امریکہ سے جب تک ڈالر ملتے رہے امریکہ ان کا یار تھا۔ 1979 سے نام نہاد جہاد کے نام پر پوری دنیا سے فسادیوں کو پاکستان میں جمع کرتے رہے اور امریکی ڈالر ہڑپ کرتے رہے، مگر الیکشن میں کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ منور حسن جن کو آپ طالبان دہشتگردوں کا ترجمان بھی کہہ سکتے ہیں فرماتے ہیں "حکومت طالبان کی پیشکش قبول کرتے ہوئے ان سے فوری مذاکرات کا آغاز کرے۔ فوج کی طرف سے ایسا رویہ سامنے آنا چاہیے جس سے اعتماد بحال اور مذاکرات کامیاب ہوں۔ خطے سے دہشتگردی کے خاتمے اور

ملک میں امن و امان کی بحالی کے لیے پورے اعتماد اور خلوص نیت سے مذاکرات شروع کیے جائیں "۔ مگر منور حسن کو اتنا نصیب نہیں ہوا کہ ساتھ میں طالبان کے ظلم کے خلاف بھی کچھ بولتے۔ ملک کی اور بھی جماعتوں نے مذاکرات کی بات کی ہے مگر جہاں تک جماعت اسلامی اور منور حسن کی بات ہے ہے انکے خیال کے مطابق طالبان تو حریت پسند ہیں مگر پاکستان کی فوج اور عوام ناقابل معافی ہیں ۔ اب اگر منور حسن کو طالبان دہشت گردوں کا چیٹی بند بھائی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ پاکستان کے عوام کو چاہیئے کہ منور حسن سے طالبان دہشتگردوں کی گارنٹی کا ضرور مطالبہ کریں۔

پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کا مک مکا

قائداعظم محمد علی جناح نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ وہ جو ملک بنارہے ہیں کل اسکی سیاست میں اصول نام کی کوئی شے نہیں ہوگی۔ جمہوریت اور سیاست کے بارے میں پاکستان کے رہنماوں کی سوچ میں مکمل تضاد ہوگا، یہ اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استمال کریں گے، دھوکہ اور فریب کاری ہی کے زریعے یہ مک مکا کی سیاست کو اپنی دانائی سے تعبیر کرینگے۔ نواز شریف کی مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی تو پہلے ہی نگراں حکومت کے لیے مک مکا کرچکے ہیں مگر سندھ میں دو بڑے اتحادیوں ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کے درمیان جو مک مکا ہوا ہے وہ جمہوریت اور سندھ کے عوام کے ساتھ کھلا دھوکا ہے۔ چار سال 11 ماہ تک حکومت سے تعاون کرنے کے بعد آج متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین فرمارہے ہیں کہ پیپلز پارٹی سے پہلے سال الگ ہو جاتے تو وہ وہ ہمارے بغیر چار سال تو کیا چار مہینے بھی نہیں گزار سکتی تھی۔ ایک ایسی حکومت جو ہر شعبے میں ناکام رہی ہے جس نے ملک کے ہر ادارے کو تباہ کرکے رکھ دیا۔ آج ملک میں ہر طرف کرپشن کا راج ہے۔ آج خاص طور پر کراچی، بلوچستان اور صوبہ خیبر پختون خواہ جرائم پیشہ افراد، دہشت گردوں، بھتہ خوروں، لٹیروں اور سفاک قاتلوں کے مکمل قبضہ میں ہیں۔ معاشی طور پر ملک کا برا حال ہے۔ ڈالر آج سو روپے کا ہوچکا ہے اور پاکستان

ارب ڈالر کا مقروض۔ ان تمام حالات کے باوجود ایم کیو ایم پیپلز پارٹی کی اتحادی 65 رہی۔ اسکو عام لوگوں سے زیادہ اس بات کا پتہ ہوگا کہ ملک میں کیا تباہی ہو رہی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ حکومت کے ختم ہونے سے صرف ایک ماہ قبل ایم کیو ایم کو پیپلز پارٹی میں کیڑے نظر آنے لگے۔

اب تک جو اعتراضات یا الزامات ایم کیو ایم کی جانب سے سامنے آئے ہیں ان میں سے پہلا یہ ہے کہ پیپلز پارٹی نے پیپلز امن کمیٹی تشکیل دیکر کراچی میں جرائم پیشہ عناصر کو ایم کیوایم کے کارکنوں اور ہمدردوں، تاجروں، دکانداروں اور دیگر شہریوں کے قتل اور دہشت گردی کی کھلی چھوٹ دی۔ لیاری گینگ وار کے ان دہشت گردوں نے شہر بھر میں تاجروں، صنعتکاروں اور دکانداروں سے کھلے عام جبری بھتوں اور اغوا برائے تاوان کی وارداتوں کا سلسلہ شروع کیا، ان جرائم پیشہ عناصر نے بھتہ دینے سے انکار پر شہر کی مختلف مارکیٹوں میں دکانوں پر فائرنگ اور دستی بموں سے حملے شروع کئے، کئی تاجروں کو بیدردی سے شہید کر دیا گیا۔ جبکہ دوسرا اعتراض ان کو یہ ہے سندھ پیپلز لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2012 واپس اور سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 1979 بحال کیا گیا ہے۔ بقول الطاف حسین لوکل باڈیز کا سسٹم عوامی نمایندوں کے پاس نہ ہونا جعلی جمہوریت کی پہچان ہے۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی، امریکا سمیت ہر جگہ لوکل کونسل موجود ہیں۔

ایم کیو ایم کو ہم سے زیادہ معلوم ہے پیپلز امن کمیٹی ابھی نہیں بنی بلکہ ایک عرصہ سے موجود ہے اور اس کا بانی ذوالفقار مرزا جو آصف زرداری کا لنگوٹیا یار ہے، اُس نے لیاری کے عوام اور قائدین کو بطور صوبائی وزیر داخلہ ایم کیو ایم کے خلاف اکسایا اور لیاری میں جرائم پیشہ عناصر کی تربیت اور ان کو جدید ترین اسلحہ کے انبار کی فراہمی کیلئے ذرائع اور وسائل فراہم کئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ شہر بھر میں جرائم، قتل و غارت، بھتہ خوری اور لوٹ مار کا ایسا بازار گرم کروایا جس کی مثال اس شہر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ شہر کے ہر علاقے میں پیپلز امن کمیٹی کے نام پر غنڈے مجرمانہ سرگرمیوں میں مصروف نظر آتے اور انتظامیہ کی جانب سے مکمل طور پر خاموشی پیپلز پارٹی کی مکمل سرپرستی اور جرائم کے فروغ کا ثبوت بنی رہی۔ ذوالفقار مرزا نے بانگ دہل نہ صرف الطاف حسین پر مختلف الزامات لگائے اور ہر اردو بولنے والے کو بھکاری کا خطاب دیا مگر پیپلز امن کمیٹی کی دہشت گردی اور ذوالفقار مرزا کے الزامات کے باوجود ایم کیو ایم حکومت کا حصہ بنی رہی۔ پیپلز پارٹی جب حکومت میں آئی اسوقت ایم کیو ایم کے مصطفیٰ کمال ناظم کراچی تھے اور اُن کے زمانے میں ہی پیپلز پارٹی مختلف طریقے سے ان کو تنگ کرتی رہی۔ رہی بات سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 1979 بحال کرنے کی تو عرض ہے کہ پاکستان میں آجتک جتنے بھی بلدیاتی انتخابات ہوئے ہیں وہ فوجی حکومت کے دور میں ہی ہوئے ہیں۔ کسی بھی جمہوری حکومت کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ بلدیاتی انتخابات کراتی۔ ساستدان

ہمیشہ بلدیاتی انتخابات سے بھاگتے ہیں جبکہ فوجی حکومت اپنے لیے بلدیاتی انتخابات کو آب حیات سمجھتی ہیں۔اب جب بلدیاتی انتخابات ہی نہیں ہونے تو پھر لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 1979 یا2012 سب برابر ہیں۔اسلیے یہ بات بھی نہ قابل قبول ہے کہ ایم کیوایم اس وجہ سے علیدہ ہوئی ہے۔

پیپلزپارٹی کی پانچ سالہ کارکردگی بھی سب کے سامنے ہے، سندھ کے عام لوگ بھی پریشان ہیں، اس مرتبہ سندھ میں قوم پرست جماعتوں نے لوکل گورنمنٹ آرڈیننس کے بعد پیپلزپارٹی کو اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ سندھ کارڈ استمال کر سکے۔ 2012 کراچی میں لیاری کے عوام کے ساتھ وہ برا سلوک ہوا کہ آج پیپلزپارٹی کا لیاری میں کوئی نام سننے کو تیار نہیں ۔ دوسری طرف جبکہ ایم کیوایم حکومت کی اتحادی تھی ااور اپنے آپ کو کراچی کی نمائند ہونے کی دعوے دار بھی ہے صرف اس حکومت کے دور میں پانچ ہزار سے زیادہ لوگ کراچی میں مارے گے ہیں، اس حکومت کے دور میں ہی سب سے زیادہ بدامنی ہوئی ہیں، آج کراچی میں لوٹ مار عام ہے۔ شہر میں فرقہ وارانہ، لسانی اور سیاسی گروہوں کے ساتھ ساتھ قبضہ اور بھتہ مافیا سرگرم ہیں جبکہ طالبان گروپس کی جانب سے بھی شہر کے بعض حصوں میں جرائم کی وارداتیں کی جارہی ہیں۔ایم کیوایم اور پیپلزپارٹی دونوں کے پاس الیکشن میں عوام کا سامنا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ پیپلزپارٹی کے پاس کوئی تازہ تازہ شہید بھی نہیں، کارکردگی کے نام پر صرف

لوٹ مار ہے جبکہ ایم کیو ایم جو کبھی مہاجر کارڈ کا استمال کرتی تھی اب اس کا استمال ذرا مشکل نظر آتا ہے۔ دونوں پارٹیوں کو اقتدار میں بھی رہنا ہے اور اس کے لیے لازمی اپنی مرضی کا نگراں سیٹ اپ لانا ہے۔ اس لیے ایک مک مکا کیا گیا ہے اور ایم کیو ایم کو اپوزیشن میں لایا گیا ہے۔ اس ڈرامے میں رنگ بھرنے کے لیے لیاری کے غنڈوں کو رہا کیا گیا ہے اور سندھ پیپلز لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2012 واپس لیکر سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 1979 بحال کیا گیا ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے کہا ہے کہ سندھ کے عوام کے جذبات اور مطالبات کی روشنی میں سندھ پیپلز لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2012 واپس اور سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 1979 بحال کیا گیا ہے۔ دوسری طرف سندھ کے گورنر دوسری مرتبہ روٹھ کر اپنے گاؤں دبئ چلے گے تھے مگر چونکہ گورنر بھی مک مکا کا ہی حصہ ہیں لہٰذا وہ واپس آ گے ہیں۔

ایک سیاسی ورکر کسی بھی پارٹی کے پر ہوتے ہیں، جسطرح ایک پرندہ بغیر پروں کے نہیں اُڑ سکتا اس طرح ہی کوئی بھی سیاسی جماعت اپنے ورکروں کے بغیر عوام میں نہیں پہچانی جاتی، پارٹی کے ہمدرد وہ ہوتے ہیں جو اس جماعت کے منشور کو قبول کرتے ہیں اور نہ صرف الیکشن میں اس جماعت کو ووٹ دیتے ہیں بلکہ دوسرں کو بھی قائل کرتے ہیں۔

آج میری ایک گذارش پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے ورکروں اور ہمدردوں سے ہے کہ بیشک آپ اپنی پارٹی کی حمایت کریں ووٹ بھی اُس

کو ہی دیں مگر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اپنے ضمیر سے یہ سوال ضرور کریں کہ واقعی ہماری پارٹی نے گذشتہ پانچ سال میں جو کچھ کیا ہے وہ درست ہے، اگر آپ کو جواب ہاں میں ملے تو ٹھیک اور اگر جواب نہ ہو تو پھر سمجھ لیں کہ یہ موجودہ اختلافات پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کا مک مکا ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کا حامی و ناصر رہے اور ہمارے پیارے وطن پاکستان پر اپنا رحم فرمائے۔ آمین

بلاول کا زرداری پر ایک مضمون

پیارے پاکستانیوں ہر بچے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے والد کی خوبیوں کو بیان کرئے۔ میں بھی آج اپنے والد کی خوبیوں سے آپکو آگاہ کرونگا۔ تاکہ آپکو اور دنیا کو معلوم ہوسکے کہ میرے والد میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔

میرے دادا حاکم علی زرداری کا تعلق ایک متوسط درجے کے زمیندار گھرانے سے تھا، میرئے دادا کی تین اولادیں ہیں، میرئے والد ان کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ میرئے والد آصف علی زرداری اس وقت پاکستان کے صدر ہیں جبکہ میری دو پھوپیاں فریال تالپور اور عذرا پیچوہو قومی اسمبلی کی رکن ہیں۔ میرے والد نے ابتدائی تعلیم سینٹ پیٹرکس اسکول کراچی سے حاصل کی، جس کے بعد انہوں نے دادو میں قائم کیڈٹ کالج پٹارو سے 1974 میں انٹرمیڈیٹ کیا۔ میرے والد کہتے ہیں کہ بعد میں انہوں نے لندن اسکول آف اکنامکس اینڈ بزنس نامی ادارے میں بھی داخلہ لیا جو میرئے اور بہت سارے لوگوں کے ڈھونڈے کے باوجود آج تک نہیں ملا۔ میرئے دادا جان نے کراچی میں بمبینو چیمبر قائم کرکے بمبینو اور اسکالا سینما قائم کیا، اسکے علاوہ ڈسٹری بیوٹرز کا بزنس بھی شروع کیا۔ اسلیے میرئے والد نے انیس سو اڑسٹھ میں ایک اردو فلم 'منزل دور نہیں' میں چائلڈ

سٹار کے طور پر بھی اداکاری کی۔

سیاست سے میرے والد آصف زرداری کا دور دور تک واسطہ نہیں تھا۔ بس ایک مرتبہ انیس سو پچاسی کے غیر جماعتی انتخابات میں انہوں نے نواب شاہ میں صوبائی اسمبلی کی ایک نشست سے کاغذاتِ نامزدگی جمع کرائے تھے۔ مگر یہ کاغذات واپس لے لئے گئے تھے۔ اٹھارہ دسمبر انیس سو ستاسی کو میرے والد کی شادی میری والدہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ ہوئی۔ اگرچہ اس وقت میرے نانا ذوالفقار علی بھٹو کا خاندان ضیا حکومت کے عتاب کا شکار تھا مگر میرے دادا نے کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا اسلیے میرے والد مطمین تھے۔ انیس سو اٹھاسی میں جب میری والدہ بے نظیر بھٹو برسرِ اقتدار آئیں تو ہمارا خاندان وزیر اعظم ہاؤس میں منتقل ہوگیا اور میرے والد کی سیاسی زندگی باضابطہ طور پر شروع ہو گئی۔ صرف 20 مہینوں کے بعد اس وقت کے صدر پاکستان غلام اسحاق خان نے بے پناہ بدعنوانی کے باعث میری والدہ بے نظیر کی حکومت کو ختم کردیا اور اپنے خصوصی اختیارت کو استعمال کرتے ہوئے اسمبلی کو ختم کرتے ہوئے نئے الیکشن کروائے۔ انیس سو نوے کے انتخابات میں میرے والد رکن قومی اسمبلی بنے۔ انیس سو ترانوے میں وہ نگراں وزیر اعظم میر بلخ شیر مزاری کی کابینہ میں وزیر بنے۔ انیس سو ترانوے میں ہماری پارٹی کے دوسرے دور میں رکن قومی اسمبلی اور وزیر ماحولیات و سرمایہ کاری رہے۔ میری والدہ کی دوسری حکومت کے ساتھ میرے ماموں

میر مرتضی بھٹو کے شدید اختلافات تھے اور وہ میرے والد آصف زرداری کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بیس ستمبر انیس سو چھیانوے کو میرے ماموں میر مرتید بھٹو کو انکے چھ ساتھیوں کے ہمراہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جبکہ اس وقت اس کی بہن ملک کی وزیر اعظم اور چیف ایگزیکٹیو تھی۔ پانچ نومبر 1996 کو ہماری دوسری حکومت کی برطرفی کے بعد میرے والد آصف زرداری کا نام مرتضی بھٹو قتل کیس میں بھی آیا۔

میرے والد پر کرپشن کے الزامات تو ہماری پہلی حکومت سے ہی لگنے شروع ہو گے تھے اور ان کو مسٹر ٹین پرسنٹ کا خطاب بھی دیا گیا اگر یہ خطاب ان کو آج دیا جاے تو لازمی مسٹر ہنڈریڈ پرسینٹ دیا جا سکتا ہے۔ میرے والد آصف زرداری کو سب سے پہلے اس الزام میں گرفتار کیا گیا کہ انھوں نے انیس سو نوے میں ایک برطانوی تاجر مرتضٰی بخاری کی ٹانگ پر بم باندھ کر آٹھ لاکھ ڈالر اینٹھنے کی سازش کی۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی ایک رپورٹ کے مطابق غلام اسحاق خان نے میری والدہ بے نظیر اور والد آصف زرداری پر کرپشن کے انیس ریفرینسز فائل کئے لیکن ان میں سے کوئی ثابت نہیں ہو سکا۔ ہوتا کیسے والد نے کچا کام ہی نہیں کیا تھا۔

نواز شریف حکومت کے دوسرے دور میں میرے والد آصف زرداری پر اسٹیل مل کے سابق چیئرمین سجاد حسین اور سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج جسٹس نظام احمد کے قتل اور ، منشیات کی سمگلنگ میں ملوث ہونے، سوئس کمپنی ایس جی ایس کو ٹیکنا

دوبئ کی اے آر وائی گولڈ کمپنی سے سونے کی درآمد، ہیلی کاپٹروں کی خریداری، پولش ٹریکٹروں کی خریداری اور فرانسیسی میراج طیاروں کی ڈیل میں کمیشن لینے، برطانیہ میں راک وڈ سٹیٹ خریدنے، سوئس بینکوں کے ذریعے منی لانڈرنگ اور اسپین میں آئیل فار فوڈ سکینڈل سمیت متعدد الزام لگاے گے۔ یہ بھی الزام لگا کہ آصف زرداری نے حیدرآباد، نواب شاہ اور کراچی میں کئی ہزار ایکڑ قیمتی زرعی اور کمرشل اراضی خریدی، چھ شوگر ملوں میں حصص لیے۔ برطانیہ میں نو، امریکہ میں نو، بلجیو اور فرانس میں دو دو اور دوبئ میں کئی پروجیکٹس میں مختلف ناموں سے سرمایہ کاری کی۔ جبکہ اپنی پراسرار دولت کو چھپانے کے لئے سمندر پار کوئی چوبیس فرنٹ کمپنیاں تشکیل دیں۔ اس دوران انہوں نے تقریبا دس سال قید میں کاٹے اور 2004 میں سارے مقدمات میں بری ہونے کے بعد انکو رہا کردیا گیا۔ جیل میں انہوں نے قیدیوں کی فلاح و بہبود کے لیے کئی کام کئے، اور کافی بدماش اور ڈاکوں کو اپنا دوست بنالیا۔

ستائیس دسمبر دوہزار سات کو میری والدہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد پیپلز پارٹی کے اراکین نے مجھے پیپلز پارٹی کا نیا چیئرمین بنادیااوراس موقع پر یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ میری تعلیم مکمل ہونے تک پارٹی کی قیادت میرے والد آصف زرداری کو شریک چیئرمین کی حیثیت سے کرینگے۔ اکتوبر دوہزار سات میں متعارف کرائے گئے این آر او نے بھی ہمارے لیےاہم کردار ادا کیا۔ این آر او

ختم ہونے کے بعد ایک مقدمہ کی سماعت کے دوران قومی احتساب بیورو نے عدالت کو بتایا گیا کہ آصف زرداری پر بے نظیر حکومت کے زمانے میں ڈیڑھ بلین ڈالر کے ناجائز اثاثے حاصل کرنے کے الزامات ہیں۔ دو ہزار آٹھ میں پیپلز پارٹی انتخابات میں سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری۔ شروع میں اندازہ یہ تھا کہ میرئے والد آصف زرداری صرف پارٹی قیادت پر توجہ مرکوز رکھیں گے ۔ مگر انہوں نے ملک کا صدر بننے کا فیصلہ کرلیا آخر اس قوم کی مزید کھال بھی تو اتارنی تھی۔ پیپلز پارٹی نے باطابطہ طور پر انکو 6 ستمبر 2008 کے صدارتی انتخاب کے لیے نامزد کر دیا۔ عموماً صدر نامزد ہونے والے سیاسی جماعت سے مستعفی ہو جاتے ہیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ پیپلز پارٹی کے فعال سربراہ بھی رہے۔ میرے نانا ذوالفقار علی بھٹو کے قاتل ضیاالحق کی کابینہ کے ایک سابق وزیر یوسف رضا گیلانی کو میرے والد نے وزیر اعظم مقرر کیا۔ ہماری پانچ سال سے فرینڈلی اپوزیشن پارٹی مسلم لیگ ن کے سربراہ نواز شریف شروع شروع میں میرے والد سے کافی میٹنگ کر رہے تھے لیکن شاید انکو یاد نہیں تھا کہ جہاں نواز ختم ہوتا ہے وہاں سے زرداری شروع ہوتا ہے۔ نواز شریف نے مشرف کے معزول کیے ہوے ججوں کے بارے میں بھوربن اور اسلام آباد معاہدے کیے، مگر تھوڑے عرصے بعد میرے والد آصف زرداری ان معاہدوں سے پھر گئے اور کہا کہ معاہدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے جن میں ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ قریباً پانچ سو برس پہلے عظیم سیاسی شاطر میکاولی یہی بات کہہ چکا ہے کہ کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ

اقتدار کی بساط پر وعدے اور اصول کی اوقات ایک چال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔
گذشتہ ساڑھے چار سال سے زائد سے میرے والد آصف زرداری صدر ہیں اور ہماری حکومت کو پانچ سال ہو رہے ہیں، اس حکومت نے وہ وہ کارنامے انجام دیے ہیں کہ آنے والی تاریخ میں اگر کرپشن ، بدامنی،.بری گورننس کے اوپر کوئی کتاب لکھی گی تو مورخ کو صرف اس حکومت کی تاریخ میں سب کچھ مل جایگا۔ گزشتہ پانچ سال کے دوران بدترین کرپشن ' بری گورننس ' طویل لوڈشیڈنگ ' غربت کیساتھ اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ ' قومی ملکیتی ادارے تباہ ہوئے ۔کارنامہ تو ایک سے.بڑھ کر ایک ہے، کرپشن پیپلزپارٹی کی حکومت میں فیشن رہی ہے۔ میرے والد آصف زرداری، دو وزیراعظم ، وفاقی اور صوبائی وزرا نے ملکر تاریخ میں کرپشن اور.بری گورننس کے حوالے سے ماضی کے کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑڈالے اور دنیا کی کرپٹ ترین اقوام میں پاکستان کا درجہ اوپر کی طرف.بڑھنا شروع ہوا۔ جن اداروں کو روک ٹوک کرنا چاہیے تھی انکو ساتھ ملالیا لہذا کرپشن پر کوئی روک ٹوک نہ رہی اسلیے قومی احتساب بیورو اور فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی جیسے انسداد بدعنوانی کے ادارے کرپشن.بڑھانے میں شانہ بشانہ رہے۔ یہ ادارے بااثر ملزموں کے ثبوت ختم کرنے اور انہیں بچانے میں پیش پیش رہے۔ یہ ہی وجہ ہے بین الاقوامی ادارے ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے 2012 کیلئے 18 ویں سالانہ

کرپشن درجہ بندی جاری کی جس میں 176 ممالک میں پاکستان 139 ویں نمبر پر تھا۔ ہمارے دور حکومت پاکستان کو کرپشن ٹیکس چوری اور بری گورننس کے باعث 8500 ارب سے زائد کی کثیر رقم کا نقصان اٹھانا پڑا۔ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل پاکستان کے مطابق گیلانی حکومت کے دوران 2008 سے 2011 تک پتہ چلنے والے کرپشن کیسوں کا مجموعہ 2 ہزار 765 ارب روپے ہے۔ اس کے علاوہ حکومتی وزیر خزانہ نے خود ایف بی آر میں سالانہ 500 ارب سے زائد کی کرپشن کی تصدیق کی جو چار سال میں 2 ہزار ارب روپے بنتی ہے۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان نے 2010 میں 315 ارب کی کرپشن کی نشاندہی کی۔ گردشی قرضے 19 کروڑ سے زائد ہیں۔ پی آئی اے پاکستان اسٹیل ملز ریلوے سوئی سدرن سوئی ناردرن گیس اور پی ایس او جیسے قومی ادارے آج تباہی کے دھانے پر ہیں۔۔ چیئرمین نیب ایڈمرل (ر) فصیح بخاری نے بھی اعتراف کیا کہ کرپشن سے ملک کو یومیہ 12 ارب کا نقصان ہو رہا ہے۔ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام میں 70 ارب روپے کی خطیر رقم خرچ کرنے کے باوجود 2011 کے سروے کے مطابق کم آمدن معاشی بدحالی اور مہنگائی کی وجہ سے 58 فیصد پاکستانی کو خوراک کے حوالے سے عدم تحفظ کا سامنا ہے۔ 2011 میں اسلامی ترقیاتی بینک نے خبردار کیا کہ پاکستان میں غذائی عدم تحفظ کی صورتحال تشویشناک ہو چکی ہے جبکہ ورلڈ فوڈ پروگرام کے مطابق 10 کروڑ پاکستانی غذائی بحران سے دوچار ہیں۔ معاشی طور پر ملک کا برا حال ہے۔ ڈالر آج سو روپے کا ہو چکا ہے اور پاکستان 65 ارب ڈالر کا

مقروض۔

ہماری پارٹی کے پانچ سالا دور میں ملک بھر میں دہشت گردی کا نشانہ بننے ہزاروں افراد کے علاوہ صرف کراچی میں ساڑھے پانچ ہزار سے زیادہ افراد قتل ہوئے، کوئٹہ میں دو مرتبہ ہزارہ برادری کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ ملک جو کبھی امن وامان کا گہوارا ہوا کرتا تھا آج یہ جرائم پیشہ افراد، دہشت گردوں، بھتہ خوروں، لٹیروں اور سفاک قاتلوں کے مکمل قبضہ میں ہے۔ مسجدوں، امام بارگاہوں، اسپتالوں میں پاکستانیوں کا قتل عام، پاکستانیوں کی حفاظت پہ مامور پولیس والوں، فوجیوں کو نشانہ بنا کر مارنا، پاکستان کی بیش قیمت املاک کی تباہی اور فوجی اڈوں پر حملے ہونا ایک عام بات ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ قانون نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور پورا ملک بغیر کسی قانون کے چل رہا ہے۔ دوسری طرف عدالتوں کے فیصلے کچھ بھی ہوں مگر میں نہ مانو کے اصول پر ہر فیصلہ کو رد کیا سوائے ہمارے کرپٹ وزیراعظم گیلانی کی نہ اہلی کے کیونکہ اس مرتبہ ہم ایک سیاسی شہید کے نام پر انتخابات لڑیں گے ۔ میرے والد آصف زرداری بھی کچھ کم نہیں انہوں نے کہا تم نے ہمارا ایک کرپٹ باہر کیا ہے لو بھگتو اس سے بھی بڑے کو، تم نے استثنٰی کی ہماری بات نا مانی اب کے ہم پہلے سے ٹھہرے راجہ رینٹل ملزم کو وزیراعظم بناتے ہیں۔ اس راجہ میں تو بجلی کی سی مہارت ہے جس نے صرف ایک محکمے سے چار سو ارب چھاپنے کا ہنر دکھا

کر ثابت کر دیا تھا۔اب دیکھنا کیسے نوٹ چھاپنے کی مشین کام کریگی کہ تم گیلانی کو بھول جاؤگے۔آنے والے الیکشن میں ہمارے سابق کرپٹ وزیر اعظم گیلانی انتخابی مہم چلاینگے اور ووٹوں میں اپنے کرپشن کی مہارت دیکھانے کی کوشش کرینگے۔

لکھنے کو تو اور بھی کافی کارنامے ہیں لیکن مضمون پہلے ہی کافی لمبا ہوگیا ہے باقی

کارنامے آیندہ مگر اتنا ضرور کہونگا کہ میرے والد نے انیس سو اڑسٹھ میں ایک اردو فلم منزل دور نہیں' میں چائلڈ سٹار کے طور پر صرف اداکاری کی تھی لیکن اس پانچ سال' میں انہوں نے حقیقت میں ثابت کردیا کہ کرپشن میں ان کی "منزل دور نہیں" رہی۔آنے والے الیکشن میں اب آپ کی مرضی کسے ووٹ دینگے مگر کل ایک فقیر صدا لگا کر بھیک مانگ رہا تھا اور لوگوں کو کہہ رہا تھا کہ ائے لوگوں اگر تم نے مجھے خیرات نہ دی تو میں ووٹ پیپلز پارٹی کو دے دونگا اور پھر یقین زرداری آئندہ پانچ سال میں تمیں اس قابل کردیگا کہ تم بھی میرے ساتھ ساتھ صدا لگارہے ہوگے۔اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے اگر فقیر کے ساتھ صدا نہیں لگانی تو اسکو خیرات دیں ورنہ پیپلز پارٹی کو ووٹ دیں۔

عباس ٹاؤن۔ وزیر اعلیٰ بانسری بجاتے رہے

دہشت گرد عناصر پاکستان میں غیر یقینی صورتحال پیدا کر کے ملک میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ دہشت گرد گولی کے زور پر اپنا سیاسی ایجنڈا پاکستان پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ نیز دہشت گرد قومی وحدت کے لیے سب سے.بڑا خطرہ ہیں۔اسلام

امن، سلامتی، احترام انسانیت کا مذہب ہے لیکن چند انتہا پسند عناصر کی وجہ سے پوری دنیا میں پاکستان اور اسلام کا امیج خراب ہو رہا ہے۔ یہ جو درندے روز معصوم انسانوں کا لہو بہا رہے ہیں ان کے نزدیک انگور کی شراب کا پینا تو حرام ہے مگر انسان کا لہو پینا حلال ہے۔ بدنصیب کراچی اور کراچی کے رہنے والوں کا لہو کبھی فرقہ پرستی، کبھی تعصب اور کبھی سیاست کی بنیاد پر بہایا جا رہا ہے۔ کوئٹہ کا علمدار روڈ اور کراچی کا ابوالحسن اصفہانی روڈ وہ جگہ ہیں جہاں مسلسل انسانوں کا لہو بہایا جا رہا ہے۔ ابوالحسن اصفہانی روڈ سے ملحق عباس ٹاؤن میں دوسری مرتبہ خون بہایا گیا ہے مگر اس مرتبہ خون ریزی.بڑے پیمانے پر کی گی ہے۔150 کلو گرام بارودی مواد کے ذریعے عباس ٹاؤن دو خوفناک دھماکوں سے لرز اٹھا، دھماکے کے نتیجے میں پچاس کے قریب افراد جاں بحق اور 150 کے قریب زخمی ہو گئے۔

دنیا میں کہیں بھی اور کبھی بھی جب اس قسم کے حادثات ہوتے ہیں تو حکومت کے

تمام ذمہ دادارے حرکت میں آ جاتے ہیں، پاکستان جو گذشتہ ایک دھائی سے زیادہ عرصے سے دہشت گردی کا شکار ہے کسی بھی حادثے کی صورت میں حکومتی ادارے فورا پہنچ جاتے تھے۔ عباس ٹاؤن دھماکے کے بعد آمنے سامنے موجود چار منزلہ بلڈنگوں کے تیسرے اور چوتھے فلوروں سے آگ کے شعلے باہر کی جانب لپک رہے تھے اور عورتیں، بچے، بوڑھے فلیٹوں سے نکل کر باہر آ رہے تھے۔ بازار میں سیکڑوں دکانیں مٹی کا ڈھیر بن چکی تھیں، عمارتوں کی بالکونیاں نیچے گر رہی تھیں اور ملبے تلے دبے ہوئے زخمی مدد کے لیے چیخ رہے تھے، علاقہ مکینوں نے اپنی مدد آپ کے تحت زخمیوں کو نکال کر اسپتال پہنچانا شروع کیا۔ ملبے کو ہٹا کر زخمی نکالے، جلتے فلیٹوں سے لوگوں کو نکالا، یہ سب کام علاقہ مکین ہی کرتے رہے، پولیس، رینجرز کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔ البتہ آگ بجھانے والی گاڑیاں اور مختلف سماجی تنظیموں کی ایمبولینسیں، کچھ دیر بعد ہی جائے حادثہ پر پہنچ گئی تھیں۔ پورے پاکستان کا میڈیا اس خبر کو دکھا رہا تھا اور اس بات پر بار بار حیرانگی کا اظہار کر رہا تھا کہ حکومتی مشنری کا دور دور پتہ نہیں۔ عین اس وقت جب عباس ٹاؤن میں قیامت برپا تھی، حکمران حلقے میں جشن برپا تھا، سندھ کے وزیر اعلی کی مشیر شرمیلا فاروقی کی منگنی پر ایک بہت بڑا جشن مہٹہ پیلس میں منایا جا رہا تھا، جس میں اسلام آباد سے وزیر اعظم بھی آئے ہوئے تھے۔ سندھ کے وزیر اعلی قائم علی شاہ اپنی اس مشیر کی منگنی کو یادگار بنانے کے لیے مہٹہ پیلس میں اپنی ساری حکومتی مشنری کے ساتھ موجود

تھے۔ منگنی کے جشن میں پورے ملک سے معزز مہمان آ رہے تھے، ایئرپورٹ سے مہٹہ پیلس تک، پولیس رینجرز، خفیہ والے ڈیوٹیاں دے رہے تھے، وزیر اعظم راجہ صاحب کے آگے پیچھے، سیکیورٹی والے کانوائے کی شان دبدبہ اور پھر دوسرے وزرا کی آمد۔ شہر کی تمام فورسز جشن والوں کے ساتھ مصروف تھیں، عباس ٹاؤن کی سیکیورٹی پر مامور پولیس کو بھی حکمرانوں نے اپنے جشن میں ڈیوٹی دینے کے لیے بلا لیا تھا اور یوں میدان بالکل خالی تھا اور قیامت.برپا کرنے والے بلا روک ٹوک بارود سے بھری گاڑی لے کر آ گئے۔ روم جل رہا تھا اور نیرو بیٹھا بانسری بجا رہا تھا ٹھیک اسی طرح عباس ٹاؤن دھماکے کے بعد لوگ مر رہے تھے، بلڈنگیں جل رہی تھیں اور سندھ کے وزیر اعلی شرمیلا کی منگنی میں بیٹھے بانسری بجا رہے تھے۔ فلیٹوں میں لگی آگ اس قدر شدید تھی کہ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ سارے ملک اور دنیا بھر میں اس حکومتی بے حسی کو ساری رات دھڑکتے دلوں، اداس آنکھوں، ویران چہروں کے ساتھ جلتے گھر، تباہ حال بازار، سراسیمہ عورتیں بچے، اور نوجوان لڑکوں کو امدادی کاموں میں مصروف دیکھتے رہے۔ کوئی پرسان حال نہ تھا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکومت کے تمام ادارے حرکت میں آتے۔

ساری رات گذرنے کے بعد وزیر اعلی سندھ نے واقعے کی مذمت کرتے ہوئے سانحے میں جاں بحق ہونے والوں کے لواحقین کیلئے 15,15 لاکھ روپے فی کس اور زخمیوں کے

لے 10،10 لاکھ روپے امداد کا اعلان کیا ہے۔ اب سب جاگ گے ہیں ۔ صدر اور وزیراعظم کے علاوہ سیاسی جماعتیں بھی جاگ گی ہیں۔ سپریم کورٹ نے سانحہ عباس ٹاؤن ازخود نوٹس لے لیا، آرمی چیف بھی کراچی میں دوسرے دن موجود تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا 15,15 لاکھ روپے کی امداد سے یا آئی جی اور ڈی آئی جی کو ہٹانے سے کسی کے پیارے کو واپس لایا جاسکتا ہے۔ فوج کا کام ہے ملک کی بیرونی اور اندرونی سلامتی کو لازمی بنانا، مگر اس حکومت کے دور میں کراچی کی سلامتی کسی کو بھی پیاری نہیں۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس چوہدری محمد افتخار فرماتے ہیں کہ سندھ حکومت ناکام ہوچکی ہے، اگر اکتوبر کے فیصلے میں حکومت تحلیل کردیتے تو سب ٹھیک ہوجاتا۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "دولت' رُتبہ اور اختیار" ملنے سے انسان بدلتا نہیں، اس کا اصل چہرہ سامنے آجاتا ہے" ، اور جب اصل چہرہ بے نقاب ہو جاتا ہے تو ہنستے بستے گھر ختم ہو جاتے ہیں۔ اعتماد کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں۔ کراچی کی آئے دن کی مصیبتوں نے کم از کم کراچی کے ہر باشندے کو ایک سبق ضرور دیا ہے کہ انکی کسی بھی مصیبت کے وقت کوئی ان کا نہیں ہے۔ انہیں خود اپنی مدد کرنی ہوگی اسلیے اگر کراچی میں امن اور سکون چاہتے ہو تو پھر متحد ہوجاو، ایک وعدہ اپنے آپ سے کرلو کہ فرقہ پرستی اور تعصب سے ہم دور رہینگے۔ یہ حکومت تو اب ختم ہی سمجھو مگر ایک سوال فوج کے سربراہ سے کرنا ہے کہ کیا

کراچی کا امن آپ کی ذمیداری نہیں ہے؟ ایک سوال چیف جسٹس چوہدری محمد افتخار صاب سے بھی پوچھنا ہے کہ کراچی کے سلسے میں آپ نے اب تک جو سوموٹو ایکشن لیے ہیں اس سے کراچی کے لوگوں کو کیا فاہدہ ہوا؟ آخر میں ایم کیو ایم کی قیادت سے یہ سوال کرنا ہے کہ چھ مارچ کی دوپہر کو آپنے تڑتڑ کی جھنکار میں کراچی کو بند کروایا تھا اسکی کیا وجہ تھی؟ اور ہاں آپکا شکریہ کہ آپنے کراچی پر جو معاشی پابندی لگائی تھی اسکو چند گھنٹے بعد واپس لے لیا۔ اللہ تعالی ہم سب پر اور پاکستان پر اپنا کرم فرمائے۔

آمین

الوداع الوداع۔ بھٹو صاحب الوداع

ایوب خان کی کابینہ میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے شہرت پانے والے ذوالفقار علی بھٹو نے پاک بھارت جنگ کے بعد تاشقند معاہدہ سے اختلاف کی وجہ سے ایوب کابینہ سے استعفی دیااور 30 نومبر 1967 کو لاہور میں پاکستان پیپلز پارٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ 1970 کے انتخابات میں روٹی کپڑااور مکان کا نعرہ لگا کر جب بھٹو نے انتخابات لڑا تو مغربی پاکستان بھٹو کا ہمنوا تھااس لیے پیپلز پارٹی اکثریتی پارٹی کے طور پر سامنے آئی اور بنگلہ دیش بننے کے بعد بیس دسمبر 1971 کو ذوالفقار علی بھٹو صدر بننے اور بعد میں وزیراعظم۔1977 میں ان پر انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگا اور بعد میں ضیاالحق حکومت پر قابض ہوگیا۔ ضیا حکومت نے جب یہ دیکھا کہ بھٹو کی مقبولیت اقتدا رسے علیدہ ہونے کے بعد بھی کم نہیں ہورہی تو اس نے غیر سیاسی ہتکنڈے استمال کیے۔ سب سے پہلے اُس نے بھٹو پر مالی بدعنوانی کا الزام لگایا کہ عرب امارات سے ملنے والے پچیس لاکھ ڈالر بھٹو نے خرد برد کر لیے مگر اس وقت کے عرب امارات کے حکمراں نے خود اس کی تردید کردی۔ چار اپریل 1979 کو ضیا حکومت نے بھٹو کو پھانسی دے دی جسکو آج ایک عدالتی قتل بھی کہا جاتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو پر اُن کے مخالفین بہت سے الزامات لگاتے ہیں مگر انکے ایک کٹر نظریاتی مخالف جماعتِ اسلامی کے نائب

امیر پروفیسر غفور احمد سے کئی برس پہلے جب پوچھا گیا کہ کیا بھٹو صاحب مالی خرد برد میں ملوث تھے تو پروفیسر غفور نے جواب دیا تھا کہ بھٹو پر ہر الزام لگایا جا سکتا ہے لیکن بھٹو پر مالی خرد برد اور لوٹ مار کا الزام کوئی نہیں لگا سکا۔ 1988 میں ضیا کی موت کے بعد انتخابات میں پیپلز پارٹی نے روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے کے ساتھ ساتھ ایک نیا نعرہ لگایا "کل بھی بھٹو زندہ تھا، آج بھی بھٹو زندہ ہے"۔ پاکستان کے عوام اس وقت بھی بھٹو کے سحر میں تھے لہٰذا بینظیر بھٹو برسر اقتدار آئیں مگر اس سے پہلے بینظیر بھٹو بیگم زرداری بھی بن چکی تھی اس لیے وہ زرداری کے رنگ میں جلد ہی رنگ گیں اور صرف بیس مہینوں کے بعد اُس وقت کے صدر پاکستان غلام اسحاق خان نے بے پناہ بدعنوانی کے باعث بینظیر بھٹو کی حکومت کو ختم کر دیا۔ نواز شریف اور غلام اسحاق کے اختلافات کے باعث 1993 میں بینظیر بھٹو دوسری مرتبہ برسر اقتدار آئیں۔ اس درمیان میں بینظیر بھٹو نے ایک کام یہ بھی کیا کہ اپنے والد کے زمانے کے پرانے پیپلز پارٹی کے لوگوں کو صاف کر دیا۔ ان کے شوہر آصف زرداری پر کرپشن کے الزامات تو انکی پہلی حکومت سے ہی لگنے شروع ہو گئے تھے اور زرداری کو مسٹر ٹین پرسنٹ کا خطاب بھی دیا گیا۔ آصف زرداری پر یہ الزام بھی تھا کہ انہوں نے 1990 میں ایک برطانوی تاجر مرتضٰی بخاری کی ٹانگ پر بم باندھ کر آٹھ لاکھ ڈالر اینٹھنے کی سازش کی۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی ایک رپورٹ کے مطابق غلام اسحاق خان نے بینظیر بھٹو اور آصف زرداری پر کرپشن کے

انیس ریفرینسز فائل کئے لیکن ان میں سے کوئی ثابت نہیں ہو سکا۔ آصف زرداری کے میر مرتضی بھٹو سے شدید اختلافات تھے، بیس ستمبر 1996 کو میر مرتضی بھٹو کو انکے چھ ساتھیوں کے ہمراہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پانچ نومبر 1996 کو بینظیر بھٹو کے لائے ہوئے صدر فاروق لغاری نے بینظیر بھٹو کی دوسری اور آخری حکومت کو کرپشن کی بنیاد پر برطرف کردیا بعد میں آصف زرداری کا نام مرتضی بھٹو قتل کیس میں بھی آیا۔ بینظیر بھٹو اور آصف زرداری اس وقت کرپشن میں دھنس چکے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کینیڈا کی حکومت نے صرف اس بنیاد پر بینظیر بھٹو کو کینیڈا کا ویزہ دینے سے انکار کردیا تھا کہ ان پر سوئس عدالتوں میں کرپشن کے مقدمے چل رہے ہیں۔

نواز شریف کے دوسرے دور میں آصف زرداری پر اسٹیل مل کے سابق چیئرمین سجاد حسین اور سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج جسٹس نظام احمد کے قتل اور منشیات کی سمگلنگ میں ملوث ہونے، سوئس کمپنی ایس جی ایس کوٹیکنا، دوبئی کی اے آر وائی گولڈ کمپنی سے سونے کی درآمد، ہیلی کاپٹروں کی خریداری، پولش ٹریکٹروں کی خریداری اور فرانسیسی میراج طیاروں کی ڈیل میں کمیشن لینے،برطانیہ میں راک وڈ سٹیٹ خریدنے، سوئس بینکوں کے ذریعے منی لانڈرنگ اور اسپین میں آئل فار فوڈ سکینڈل سمیت متعدد الزام لگائے گئے۔ یہ بھی الزام لگا کہ آصف زرداری نے حیدرآباد، نواب شاہ اور کراچی میں کئی ہزار ایکڑ قیمتی زرعی اور کمرشل

اراضی خریدی، چھ شوگر ملوں میں حصص لیے۔ برطانیہ میں نو، امریکہ میں نو، بلمیا اور فرانس میں دو دو اور دوبئی میں کئی پروجیکٹس میں مختلف ناموں سے سرمایہ کاری کی۔ جبکہ اپنی پراسرار دولت کو چھپانے کے لئے سمندر پار کوئی چوبیس فرنٹ کمپنیاں تشکیل دیں۔ بینظیر بھٹو نواز شریف کے دوسرے دور میں ملک سے باہر چلی گیں اور سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں زرداری بھی ملک سے باہر چلے گئے۔ اکتوبر 2007 میں بینظیر بھٹو نے مشرف حکومت سے ایک معاہدہ کیا اور پھر این آر او کا وجود عمل میں آیا جس کے تحت پرانے مقدمات کو حکومت نے ختم کردیا یہ الگ بات ہے کہ بعد میں سپریم کورٹ نے این آر او کو ختم کردیا۔ این آر او ختم ہونے کے بعد ایک مقدمہ کی سماعت کے دوران قومی احتساب بیورو نے عدالت کو بتایا کہ آصف زرداری پر بینظیر بھٹوحکومت کے زمانے میں ڈیڑھ بلین ڈالر کے ناجائز اثاثے حاصل کرنے کے الزامات ہیں۔

اٹھارہ اکتوبر 2007 کو بینظیر بھٹو اپنی طویل جلاوطنی ختم کرکے کراچی پہنچی جہاں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں تو وہ بچ گیں مگر اُسی سال ستائیس دسمبر کو راولپنڈی میں ایک خود کش حملے میں انکو قتل کر دیا گیا۔ اپنے قتل کیے جانے سے قبل تک بینظیر بھٹو یہ نعرہ مسلسل لگاتی رہیں "کل بھی بھٹو زندہ تھا، آج بھی بھٹو زندہ ہے"۔ ان کے قتل کے بعد آصف زرداری نے سب سے پہلے اپنے بیٹے بلاول زرداری کا نام بلاول بھٹو زرداری کردیااور 2008 کے

انتخابات میں ایک اور نئے نعرہ کا اضافہ کیا "تم کتنے بھٹو مارو گے، ہر گھر سے بھٹو نکلے گا"۔ زرداری کو معلوم ہے کہ بھٹو کا نام لیے بغیر وہ کچھ نہیں ہیں۔ پارٹی کی قیادت آصف زرداری نے سنبھالی اور فروری 2008 کے انتخابات کے بعد اقتدار سنبھالا اور جسطرح بینظیر بھٹو نے اپنے والد سے قریب لوگوں کی چھٹی کی ٹھیک اُسی طرح آصف زرداری نے ان لوگوں کی چھٹی کی جو بینظیر بھٹو کے قریب تھے۔ گزشتہ پانچ سال کے دوران زرداری حکومت نے بدترین کرپشن ' بری گورننس ' طویل لوڈشیڈنگ ' غربت کیساتھ اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ کیا اور قومی ملکیتی ادارے تباہ کیے۔

آصف زرداری، دو وزیراعظم ، وفاقی اور صوبائی وزرا نے ملکر کرپشن اور بری گورننس کے حوالے سے ماضی کے کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ۔ آج ملک کا سیاسی اور معاشی طور پر برا حال ہے۔ مگر ان تمام تر برے حالات کے باوجود بھٹو کے نام کو استمال کیا جاتا رہا۔ آج پیپلز پارٹی اور خاصکر زرداری کے قریب صرف وہ لوگ ہیں جو نہ صرف بھٹو کے سخت ترین مخالف تھے، بلکہ ضیا کی کابینہ میں بھی شامل تھے۔ آج وہ لوگ بھی آصف زرداری کے بہت قریب ہیں جو کل تک بینظیر بھٹو کو ملک کے لیے سیکورٹی رسک کہتے تھے۔ آج پیپلز پارٹی پر زرداری خاندان کا قبضہ ہے، بیگم نصرت بھٹو کو تو آصف زرداری نے بینظیر بھٹو کے ساتھ ملکر پہلے ہی یرغمال بنایا ہوا تھا اب تو وہ بھی اس دنیا میں نہیں رہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خاندان کی واحد شخصیت صنم بھٹو اس دنیا میں موجود ہیں مگر سیاست اور پاکستان سے دور ہیں۔

بھٹو خاندان کو پیپلزپارٹی سے دور رکھنے کے لیے آصف زرداری نے بینظیر بھٹو کو کبھی انکو انکے خاندان کے قریب نہیں جانے دیا یہی وجہ ہے کہ غنوئ بھٹو اور انکے بچے بینظیر بھٹو کے جنازے سے دور رہے۔پاکستان کی سیاست میں ذوالفقار علی بھٹو ایک بڑا نام ہے مگر جسطرح آج کی کسی بھی مسلم لیگ کا تعلق قائد اعظم سے نہیں مگر سب اپنا تعلق ان سے بتاتے ہیں بلکل اسطرح آج کی پیپلزپارٹی جو زرداری خاندان کی ملکیت بن چکی ہے ذوالفقار علی بھٹو سے کوئی تعلق نہیں۔ پیپلز پارٹی جو ماضی کے تین انتخابات میں سے دو مرتبہ بھٹو کی شہادت اور ایک مرتبہ بینظیر کی شہادت پر عوام کے ووٹ حاصل کرچکی ہےاس کی چوتھی حکومت ختم ہورہی ہے۔ کوئی تازہ شہید بھی اب بھٹو خاندان سے نہیں مل سکتا لہذا آنے والے انتخابات میں آصف زرداری پھر بھٹو اور بینظیر کا نام استمال کرینگے ۔ مگر اب قوم بھٹو صاحب کو الوداع کہہ رہی ہے اور زرداری کے کانوں تک یہ بات پہنچ جانی چاہیے کہ اب بھٹو کے نام پر قوم دھوکا نہیں کھاے گی۔ بھٹو صاحب کے نام پر پیپلزپارٹی اور آصف زرداری تین مرتبہ اس قوم کو لوٹ چکے ہیں اور گذشتہ پانچ سال سے پاکستانی قوم جو اذیت.برداشت کررہی ہے اسکے بعد قوم اب کہہ رہی ہے الوداع الوداع۔ بھٹو صاحب الوداع"۔

پیپلز پارٹی کا پانچ سالہ دور حکومت

پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کو تو شاید اپنی زندگی میں یہ پتہ ہی نہ تھا کہ کل انکے داماد آصف زرداری ہونگے۔ آصف زرداری کی سیاست میں آنے کہ وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ مرحوم بینظیر بھٹو کے شوہر ہیں۔ بینظیر بھٹو کی دونوں حکومتوں کو کرپشن کے الزامات لگا کر ختم کیا گیا تھا اور اس میں سے زیادہ الزامات آصف زرداری کی وجہ سے ہی لگے اور اسی وجہ سے اپنے آخری وقت میں بینظیر بھٹو نے انکو گھر میں بٹھایا ہوا تھا۔ مگر آصف زرداری کی خوش قسمتی کہ جب بینظیر بھٹو دو ہزار سات میں اپنی خود ساختہ جلاوطنی ختم کرکے پاکستان واپس آئیں تو دہشت گردی کا شکار ہو گیں۔ اس موقعہ پر آصف زرداری نے بینظیر بھٹو کی ایک ان دیکھی وصیت کا اعلان کیا اور اُس وصیت کے مطابق انکے صاحبزادے بلاول کو پیپلز پارٹی کا چیرمین بنایا گیا اور خود آصف زرداری نے بلاول کی تعلیم کی تکمیل تک اپنے آپ کو معاون چیرپرسن مقرر کر لیا اور اس طرح پیپلز پارٹی جو کبھی بھٹو خاندان کی ملکیت ہوا کرتی تھی اب وہ زرداری خاندان کی ملکیت بن گی۔ فروری 2008 کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی نے آصف زرداری کی قیادت میں ایک بار پھر "روٹی، کپڑا اور مکان" کا نعرہ لگایا اور بینظیر بھٹو کی شہادت کی وجہ سے عام لوگوں کی ہمدردی کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور انتخابات میں

کامیابی حاصل کی۔ اگرچہ پیپلزپارٹی کو اسقدر اکثریت حاصل نہ تھی مگر اسوقت نواز شریف جو تازے تازے جدہ سے وارد ہوئے تھے اور مشرف فوبیا کا شکار تھے اس خوش فہمی کا شکار ہوئے کہ اگلی باری میری ہوگی آصف زرداری کا اسقدر ساتھ دیا کہ اپنے وزیروں کو صدر جنرل مشرف سے حلف لینے پر بھی اعتراض نہ کیا۔ اور جب تک نواز شریف کی سمجھ میں کچھ آتا آصف زرداری صدر بن چکے تھے اور نواز شریف آجتک فرینڈلی اپوزیشن کا طعنہ سن رہے ہیں۔

آج جب پانچ سال کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی حکومت کی مدت پوری ہوگی ہے تو صدر آصف زرداری، وزیراعظم راجہ پرویز اشرف اور انکی کابینہ کے اراکین، پیپلز پارٹی کے لیڈران اس بات پر خوشی سے پھولے ہوئے ہیں کہ ان کی حکومت نے پانچ سال تک ایک جمہوری حکومت کو چلایا جبکہ دوسری طرف پاکستان کے عوام بھی بہت خوش ہیں کہ ایک انتہائی بدعنوان حکومت سے ان کی جان چھوٹی۔ موجودہ پیپلزپارٹی جو اب دراصل زرداری صاحب کی ملکیت میں آچکی ہے اسکا یہ ریکارڈ بنا ہے اس سے قبل کسی سیاسی حکومت نے 1973 کے آئین کے تحت پانچ سال کی مدت پوری نہیں کی۔ پیپلز پارٹی کا پانچ سالہ دور حکومت کا یہ ریکارڈ بھی ہے کہ اس میں پاکستان کی زیادہ تر سیاسی پارٹیاں کسی نہ کسی طریقے سے اقتدار میں شامل رہی ہیں۔اس حکومت کا یہ بھی ریکارڈ ہے کہ قومی اسمبلی سے متفقہ طور پر منتخب وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو چند سیکنڈ کی سزا کے بعد نہ صرف وزارت

عظمیٰ بلکہ پانچ سال کے لئے الیکشن لڑنے سے بھی نا اہل قرار دے دیا گیا۔ دنیا کی سیاسی تاریخ میں میں اس سے پہلے ایسی کوئی مثال موجود نہیں تھی ۔ ایک اور ریکارڈ بھی اسی زرداری حکومت کو جاتا ہے کہ اس سے زیادہ بدعنوان حکومت پاکستان میں اس سے پہلے کوئی نہ تھی۔ گذشتہ پانچ سال کے دوران زرداری حکومت کے دور میں دہشت گردی ، ٹارگیٹ کلنگ، بدترین کرپشن ، بری گورننس، طویل لوڈشیڈنگ ، غربت کیساتھ اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوا، مشرف دور کے 34 بلین ڈالر کے قرضے پانچ سال میں ڈبل ہوگے، 62 روپے کا ڈالر اب 100 روپے کا ہے، ملک کے تمام ادارے تباہ ہو چکے ہیں۔ خود کش دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ کی یلغار نے کوئٹہ اور پشاور جیسے بڑے شہروں کو درہم برہم کرکے رکھ دیا ہے، کراچی جو پاکستان کا معاشی حب ہے اسکا وہ برا حال ہے کہ یہ شہر جو کبھی امن کا گہوارا تھا آج لاقانونیت اور لاشوں کا شہر بن چکا ہے، زرداری حکومت کے پانچ سالہ دور میں کراچی میں دہشت گردی اور ٹارگیٹ کلنگ سے پانچ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے، بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان اس شہر میں عام بات ہے۔ سرکاری اور فوجی املاک پر حملے ، فرقہ وارانہ نفرت ، بے روز گاری اور مہنگائی اس حکومت کے تحفے ہیں ۔کہنے کو تو عدلیہ آزاد ہے مگر زرداری حکومت نے عدلیہ کے کسی بھی فیصلے پر کبھی بھی عمل نہیں کیا۔ آصف زرداری، دو وزیراعظم ، وفاقی اور صوبائی وزرا نے ملکر کرپشن اور بری گورننس کے حوالے سے ماضی کے کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ۔ اربوں روپے کی کرپشن کر

کے قومی خزانے کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا اور ملکی معیشت کو مفلوج بناڈالا۔
پیپلز پارٹی پر جب اس کی پانچ سالہ حکومت کی بدترین کارکردگی پر تنقید کی جاتی ہے جس میں خاص کر مہنگائی، بیروزگاری، لوڈ شیڈنگ ، ٹارگٹ کلنگ ، دہشت گردی، اغوا برائے تاوان اور بھتہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ملکی معاشی اور سیاسی تباہی کا تو وہ اپنی آیئنی اصلاحات کا ڈنکہ پیٹتے ہیں اور بڑی ہی ڈھٹائی سے یہ سوال کرتے ہیں کہ حکومت پر تنقید کرنے والے بتائیں کہ دنیا میں کہاں پانچ سال میں سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اصل میں انکے کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم جس قدر اس ملک کو نقصان پہنچا سکتے تھے وہ پہنچا دیا لیکن اگر آپ اسقدر بربادی پر بھی ہم سے ناخوش ہیں تو ہمیں پھر آئندہ مزید پانچ سال کے لیے حکومت کرنے کا موقع دیں باقی کسر بھی پوری کر دیں گے۔ راجہ پرویز اشرف تو دعوی کر رہے ہیں کہ ہم اپنی کارکردگی کی بنیاد پر جیتیں گے اور ان کی کارکردگی سے ہم سب واقف ہیں۔ مغلوں کے رشتہ دار اور پاکستان کے سب سے زیادہ کرپٹ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی تو فرماتے ہیں کہ ہم نے سب وعدے پورے کر دیے ہیں۔ ملک کے عوام نے گذشتہ پانچ سال بڑی اذیت میں گذارئے ہیں یوں سمجھ لیں ایک عام آدمی جو پانچ سال پہلے دس ہزار روپے میں گذارہ کرلیتا تھا آج اسکا گذاراہ پچیس ہزار روپے میں بھی مشکل سے ہورہا ہے۔ اس سال

انتخابات ہونگے لٹیرے اپنا وہ ہی پرانا کھیل دوہرائینگے ، کہیں تعصب کو ابھارینگے، کہیں فرقہ پرستی کو اور کہیں.برادری کا واسطہ ہوگا، کہیں اپنے آقا ہونے کا اظہار بھی ہوگا، کہیں اپنے آپ کو مظلوم کہا جائے گا اور کہیں اپنے آپ کو لبرل کہتے نظر آئینگے۔ مذہب سے بیزار سیکولر بھی ہونگے اور مذہب کے ٹھیکدار بھی۔ فیصلہ اب ہم نے کرنا ہے اور اگر واقعی غیر جانبدارانہ انتخابات ہوئے تو پھر وقت آگیا ہے کہ ہم ان کو اپنا رہنما چنیں جو واقعی عوام کے لیے اور پاکستان کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ آج ملک کا مستقبل ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ موقعہ پانچ سال بعد دوبارہ ملے گا، لہٰذا ہمیں ووٹ دیتے وقت یہ ضرور سوچنا ہے کہ ہمارا یہ ایک ووٹ قوم کا مستقبل ہے۔ سوچیں کیا ہم گذشتہ پانچ سال کو دہرانا چاہتے ہیں یا پھر ہم اپنے ملک کو آگے.بڑھانا چاہتے ہیں فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔

پاکستان کا مستقبل اور آنے والے انتخابات

تقریباً چھیاسٹھ سال بعد پاکستانی قوم کو گیارہ مئی 2013 کو ایک ایسا موقعہ ملنے جا رہا ہے جسکے لیے پوری قوم صرف تصور ہی کیا کرتی تھی حالانکہ یہ کوئی خاص بات نہیں دنیا کے اکثر ممالک جہاں جمہوریت ہے وہاں ہر چار یا پانچ سال بعد انتخابات ہوتے ہیں اور عوام اپنی مستقبل کی حکومت کو ووٹ کے زریعے منتخب کرتے ہیں۔ بد قسمتی سے بانی پاکستان قائدا عظم محمد علی جناع اور پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان ہم سے بہت جلد جدا ہوگے لہذا پھر بد عنوان اس ملک کے سیاہ سفید کے مالک بن بیٹھے، اُس میں سرکاری افسران، فوجی جنرل اور بد عنوان سیاستداں سبھی شامل ہیں۔ 1973 کے متفقہ آئین کے بعد ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہوگیا لیکن صرف چار سال بعد 1977 میں ضیاالحق نے شب خون مارا اور پاکستان اگلے گیارہ سال تک صرف نام کی حد تک "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رہا۔ جمہوریت تو اس آمر کے آنے کے ساتھ ہی ختم ہو گئی ساتھ ساتھ اس نے مذہب کا بھی ناجائز استمال کیا اور ملک آہستہ آہستہ انتہا پسندی کی طرف چلا گیا جس کا آج ہم سب شکار ہیں۔ مگر یہ سب کیونکر ممکن ہوا اس کا سیدھا جواب ہے ہمارے سیاستدان اس کے ذمیدار ہیں۔ 1977 میں بھٹو کے خلاف چلنے والی تحریک میں سیاستدانوں نے فوج کو مداخلت کی دعوت دی۔ ضیاالحق کی موت کے بعد 1988 سے 1999 تک دو دو مرتبہ

بینظیر بھٹو اور نواز شریف کی حکومتیں رہیں اور یہ ایک دوسرے کی حکومت ختم کرنے کے درپے رہے۔ مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، لوٹ کھسوٹ، بے روزگاری، غربت و افلاس، بدامنی، کرپشن جیسے تحفے ان دونوں حکومت ہی کی دین ہیں۔ نواز شریف 1997 میں دو تہائی اکثریت حاصل کرنے پر اپنی کامیابی کو ہضم نہ کرپائے اور انہوں نے اپنے دوسرے دور میں اقرباپروری کی انتہا کی ہوئی تھی، دوسرے اب وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، ان کے ہی دور میں سپریم کورٹ پر حملہ ہوا۔ وہ ایک صدر، ایک چیف جسٹس اور ایک آرمی چیف کو گھر بھیج کر یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ ہی عقل کل ہیں۔ اکتوبر 1999 میں ان کے ہی ایک غلط فیصلے نے جنرل پرویز مشرف کو اقتدار پر قبضہ کرنے کا موقعہ دیا۔ مشرف حکومت کی طوالت کے ذمیدار بھی بدعنوان سیاستداں ہی تھے۔

جب بینظیر بھٹو 2007 میں دہشت گردی کا شکار ہوئیں تو عام پاکستانیوں کی ہمدردیاں اُن کے ساتھ ہوگیں۔ فروری 2008 کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی نے آصف زرداری کی قیادت میں ایک بار پھر "روٹی، کپڑا اور مکان" کا نعرہ لگایا اور بینظیر بھٹو کی شہادت کی وجہ سے عام لوگوں کی ہمدردی کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ عوام کی اکثریت نے پیپلز پارٹی کو ووٹ دیئے اور عوام کی یہ ہمدردی عوام کو ہی بہت مہنگی پڑ گئی۔ گزشتہ پانچ سال کے دوران زرداری حکومت نے بدترین کرپشن، بری گورننس، طویل

لوڈشیڈنگ، غربت کیساتھ اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ کیا اور قومی ملکیتی ادارے تباہ کیے۔ آصف زرداری، دو وزیراعظم، وفاقی اور صوبائی وزرانے ملکر کرپشن اور بری گورننس کے حوالے سے ماضی کے کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑڈالے۔ آج جب پانچ سال کے بعد پاکستان پیپلزپارٹی حکومت کی مدت پوری ہو گی ہے تو صدر آصف زرداری اور پیپلز پارٹی کے لیڈران اس بات پر خوشی سے پھولے ہوئے ہیں کہ ان کی حکومت نے پانچ سال تک ایک جمہوری حکومت کو چلایا جبکہ دوسری طرف پاکستان کے عوام بھی بہت خوش ہیں کہ ایک انتہای بدعنوان حکومت سے ان کی جان چھوٹی۔ آج مرکز اور چاروں صوبوں میں نگراں حکومت کا قیام عمل میں آچکا ہے اور انتخابات کی تاریخ کا اعلان بھی ہوچکا ہے یہ پاکستان اور پاکستانی عوام کے لیے ایک خوشی کی بات ہے۔ آج چھیاسٹھ سالہ پاکستان جو چھیاسٹھ ارب ڈالر کا مقروض ہے، چھیاسٹھ ہی سال بعد پہلی مرتبہ جمہوریت کے تسلسل کے عمل سے گزر رہا ہے۔ پاکستان دنیا کے ان ممالک میں سے ہے جہاں کی معاشی صورتحال کے اعداد و شمار گذشتہ ایک دہائی سے بد سے بدترین کی جانب اشارہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان اس وقت اپنی تاریخ کے ایک ایسے مشکل دور سے گزر رہا ہے جب اسے دہشت گردی، توانائی کی قلت، بگڑی ہوئی امن وامان کی صورتحال اور سیلابوں سے ہونے والی تباہی جیسے مسائل سے نمٹنا ہے اسکے علاوہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کو بھی روکنا ہے تاکہ عام آدمی کی حالت زندگی بہتر ہوسکے۔

چھیاسٹھ سال کی تاریخ ہمارے سامنے ہے ایسا ہوا ہی نہیں کہ ایک کے بعد دوسری سیاسی حکومت آتی ۔ یہ پہلا موقعہ ہوگا لہذا پاکستان کے عوام کے اوپر ایک بھرپور ذمیداری ہے اور اگر وہ اپنی ذمیداری ٹھیک طرح ادا کرتے ہیں تو انشااللہ پاکستان کا مستقبل تابناک ہوگا۔ سب سے پہلے تو ہمیں اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ ہم سب لازمی ووٹ دینگے۔ اسکے علاوہ اس مرتبہ ووٹ دیتے وقت ہمیں تعصب، فرقہ پرستی اور برادری کو بھی نظر انداز کرنا ہوگا۔ پاکستان کی اکثریت ہمارے گاؤں اور پس ماندہ علاقوں میں ہیں اور یہ جاگیردار طبقہ وہاں سے ہی فاہدہ اٹھاتا ہے، یہ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم تعصب، فرقہ پرستی اور برادری سسٹم کے خلاف ایک بھرپور آواز اٹھایں۔ ویسے تو الیکشن کمیشن بھی اس مرتبہ بہت سخت طریقے سے امیدواروں کی تفتیش کرے گا لیکن ہمیں بھی دیکھنا ہوگا:

ہر پارٹی کا ماضی ہمیں لازمی دیکھنا ہے -

پارٹی کا منشور -

پارٹی کی قیادت کا ذاتی کردار -

کس پارٹی کے پاس کس کس شعبے کے ماہرین ہیں -

ایک بات یاد رہے کہ قومی اسمبلی کے ممبر کا اصل کام ملک کی خارجہ، داخلی،

معاشی، تعلیمی، دفاعی، تجارتی اور قانونی پالیسیاں بنانا ہے، جبکہ صوبائی اسمبلی کے ممبر کا کام داخلی، معاشی، تعلیمی، تجارتی اور قانونی پالیسیاں بنانا ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی زمیداری یہ نہیں کہ محلے کے روڈ بنوائے یا گلیاں محلے صاف کروائے، یہ کام بلدیاتی نمائدوں کا ہے۔ لہذا ہم نے اگر ان باتوں پر عمل کرلیا تو امید ہے کہ ہمارے اگلے پانچ سال بہتری کی طرف ہونگے۔ سقراط نے کہا تھا کہ "جب ہمیں لکڑی کا کام ہوتا ہے تو ہم ایک اچھے لکڑی کا کام کرنے والے کا انتخاب کرتے ہیں، اور جب ہمیں لوہے کا کام ہوتا ہے تو ایک اچھا لوہار کا انتخاب کرتے ہیں، تو پھر جب ہمیں کسی کو حکمراں بنانا ہو تو ہم اچھے حکمراں کا انتخاب کیوں نہ کریں"۔ ہمیں یہ موقعہ پہلی بار مل رہا ہے اور ہم سب کچھ ایک مرتبہ میں ہی ختم نہیں کرسکتے لہذا آخر میں بی بی سی پر لکھے وسعت اللہ خان کے ایک مضمون "جمہوریت کا جانگیہ" کے آخری حصہ کو پڑھ لیں :

آپ تو جانتے ہیں کہ کہیں بھی زمین میں بورنگ کرکے پانی کا نلکا لگایا جائے تو اس میں " سے بہت دیر تک کیچڑ نکلتا رہتا ہے۔ پھر گدلا پانی آنے لگتا ہے اور اگر آپ نلکہ مسلسل ہلاتے رہیں تو آدھے پونے گھنٹے بعد صاف پانی گرنا شروع ہوجاتا ہے۔ جمہوریت کا نلکا بھی ایسے ہی کام کرتا ہے۔ کیچڑ سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اگلے الیکشن میں یہی کیچڑ گدلا پانی بن جائے گا اور اس سے اگلے الیکشن کے بعد یہی پانی پینے کے قابل ہوجائے گا۔ جہاں پینسٹھ برس سہی وہاں

"دس برس اور سہی۔۔۔

آیئے ہم سب ملکر اپنے ملک کو ایک اچھے مستقبل کی طرف گامزن کریں تاکہ ہماری آئندہ نسلیں ایک اچھے پاکستان کو دیکھیں۔ اللہ تعالی پاکستان اور ہم سب کا حامی و ناصر رہے۔ آمین

تاج مسلم لیگ تاج۔ جنرلوں اور سیاستدانوں کی نام نہاد مسلم لیگ

امراؤ جان ادا مرزا محمد ہادی رسوا لکھنوی کا معرکتہ الآرا معاشرتی ناول ہے۔ امراؤ جان پیدائشی طوائف نہ تھی وہ شریف زادی تھی اور شریف گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔ دس برس تک شریف والدین کے زیرسایہ زندگی بسر کی۔ پھر ایک منتقم مزاج شخص کے انتقام کی بھینٹ چڑھ کر اغوا ہوکر خانم کے کوٹے پر پہنچی۔ جہاں تعلیم وتربیت پا کر طوائف بنادی گئی۔ شاعرہ تھی۔ قبول صورت تھی، رقص وسرور میں ماہر تھی۔ ان خوبیوں کی بنا پر مشہور ہوئی جہاں جاتی سر آنکھوں پر بٹھائی جاتی۔

برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور تقدیر کی ستم ظریفی کی وجہ سے 1857 کی جنگ آزادی بھی مسلمان ہار چکے تھے انگریزوں نے چونکہ حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور غدر میں بھی مسلمان ہی پیش پیش تھے اس لیے انگریزوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم کی ساری حدیں پار کرلیں اور لاکھوں مسلمانوں کو بے دردی سے پھانسی دے کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ انگریز نے اپنی مکارانہ سوچ کو بروئے کار لاتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں کو تعلیمی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی طور پر زوال پذیر کردیا تھا۔ دوسری طرف ہندو انگریز کی چاپلوسی کرکے انگریزوں کے نور نظر بن گئے تھے، انگریز کی تمام

مہربانیاں ان پر تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہندو مفاد پرست جماعت کی تشکیل کے لیے انگریز قانوں دان ہیوم نے 1885 میں آل انڈیا نیشنل کانگرس بنائی جو بظاہر تو ہندو مسلم دونوں کی جماعت ہونے کا دعوی کرتی تھی مگر اصل میں وہ صرف ہندو مت کی نمائندہ جماعت تھی جو انگریز کے بعد ہندوستان مین ہندو راج قائم کر کے مسلمانان ہند کو اپنا غلام بنانا چاہتی تھی۔ جلد ہی مسلمانان ہند کو ہندو ذہنیت کی دوغلی پالیسی سمجھ میں آنے لگی۔ مسلم مفادات کو نظر انداز کرنا، دھوکہ دہی، وعدہ خلافی اور بداعتمادی کے متعدد واقعات نے مسلمان لیڈروں کو مایوس کیا اسلیے مسلمانوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے 1906 میں ڈھاکہ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی۔ اور پھر اسی آل انڈیا مسلم لیگ نے آگے چلکر تحریک پاکستان کی بنیاد ڈالی اور 14 اگست 1947 کو قائداعظم محمد علی جناح کی رہنمائی میں پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔ کچھ عرصہ تک دونوں ممالک میں آل انڈیا مسلم لیگ اور پاکستان مسلم لیگ کے نام چلے۔ آج انڈیا میں تو یہ انڈین یونین مسلم لیگ کے نام سے موجود ہے اور فی الحال ریاست کیرلا، تامل ناڈو اور مہاراشٹر میں متحرک ہے۔ پاکستان میں قائداعظم اور لیاقت علی خان کے بعد کوئی ایسا رہنما نہ تھا جو مسلم لیگ کو زندہ رکھتا لہذا ایک سرکاری ملازم غلام محمد نے 1953 میں مسلم لیگ کو اذیت دے دے کر کومے میں بھیج دیا جو آج تک کومے میں ہی ہے۔

اکتوبر 1958 میں جنرل ایوب خان نے اقتدار پر قبضہ کرلیا اور 1962 میں جب وہ صدر بنا تو اسکو ایک سیاسی جماعت کی ضرورت پڑی تو اس نے مسلم لیگ کا نام استعمال کیا اور کنونشن مسلم لیگ کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنائی۔ 1964 میں جب مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح ایوب خان کے خلاف صدارتی الیکشن لڑ رہی تھیں تو وہ امیدوار تھیں متحدہ حزب اختلاف کی جبکہ ایوب خان کنونشن مسلم لیگ کا۔ کیا یہ یقین کرنے والی بات ہے کہ اپنی ساری زندگی مسلم لیگ میں گذارنے والی محترمہ فاطمہ جناح مسلم لیگ کے خلاف الیکشن لڑ رہی تھیں ،یقینا نہیں کیونکہ اصل مسلم لیگ تو 1953 سے کومے میں ہے۔ایوب خان کو اقتدار میں ایک ایسی سیاسی جماعت کی ضرورت تھی جو اس کی مرضی سے ناچتی رہے۔ ایوب خان کی کنونشن لیگ میں ذوالفقار علی بھٹو اور چوہدری ظہور الہی دونوں شامل تھے۔ جب ایوب خان کا سورج غروب ہوا تو ساتھ ہی کنونشن لیگ کا ناچنا بھی ختم ہوگیا اور 1970 کے الیکشن میں کنویشن مسلم لیگ کے پاس الیکشن لڑنے کے لیے امیدوار نہیں تھے۔ ایوب خان کے مخالف سیاسی رہنماؤں نے بھی ایوب خان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کونسل مسلم لیگ کی تشکیل دی جس کے سربراہ میاں ممتاز دولتانہ تھے بعد میں خان عبدالقیوم خان نے کونسل مسلم لیگ سے پاکستان مسلم لیگ قیوم کو جنم دیا۔ دونوں کا مقصد وہی تھا ایک ایسی سیاسی جماعت جو اُن کی مرضی سے ناچتی رہے۔پاکستان مسلم لیگ فنکشنل کا قیام 1973 میں کونسل اور کنونشن مسلم لیگ کے انضمام سے عمل میں آیا اور پیر پگارا کو اس کا سربراہ

مقرر کیا گیا۔ جنرل ضیاء الحق نے 1977 میں اقتدار پر قبضہ کیا اور 1985 میں غیر جماعتی الیکشن کروائے مگر نام نہاد الیکشن کے بعد اسکو بھی ایک سیاسی جماعت کی ضرورت پڑی تو 1985 میں پاکستان مسلم لیگ ج، یا جونیجو کے نام سے بنائی گئی۔ جونیجو دراصل پیر پگارا کے دیئے ہوئے تھے مگر جب ضیاء الحق نے تمام نام نہاد مسلم لیگوں کو اکٹھے کیا اور محمد خان جونیجو کو اس کا سربراہ مقرر کیا تو اس صورتحال میں پیر پگارا نے 1985 میں اپنی مسلم لیگ ف کو علیحدہ کر لیا۔ اب جونیجو یا ج لیگ ضیاء الحق کے دربار میں ناچ رہی تھی۔ ضیاء الحق کی موت کے بعد محمد خان جونیجو کی جونیجو یا ج لیگ پر نواز شریف نے قبضہ کر لیا اور پھر ج لیگ ن لیگ بن گئی۔ مگر 1993 میں حامد ناصر چٹھہ، منظور وٹو اور اقبال احمد خان نے اسے پاکستان مسلم لیگ ج کے نام سے دوبارہ بحال کر لیا۔

پاکستان مسلم لیگ جناح 1995 میں منظور وٹو نے حامد ناصر چٹھہ سے اختلافات کے باعث تشکیل دی۔ جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو 1999 میں ہٹا کر اقتدار پر قبضہ کیا تو اسکو بھی ایک سیاسی جماعت کی ضرورت پڑی تو چوہدری شجاعت حسین اور نواز شریف کے باغیوں نے مسلم لیگ ق مشرف کی جھولی میں ڈال دی، پہلے اس کے سربراہ میاں محمد اظہر ہوے بعد میں چوہدری شجاعت حسین اس کے سربراہ بنے جو آج تک ہیں۔ ضیاء الحق کی طرح پرویز مشرف نے بھی نام نہاد مسلم لیگیوں کو 2004 میں اکٹھا کیا لیکن چند ماہ بعد پیر پگارا نے اس مشترکہ مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنی ف کو پھر بحال

کر لیا۔ مشرف کے دربار سے فارغ ہونے کے بعد ضیاء الحق کے بیٹے اعجاز الحق نے اپنے باپ کے نام پر ضیا مسلم لیگ کا اجرار کیا۔ ایوب خان سے لیکر آجتک ان نام نہاد مسلم لیگیوں میں جس کا جی چاہتا ہے وہ مسلم لیگ کا اپنا دھڑا بنا لیتا ہے۔ مشرف کو جب چوہدری شجاعت نے ہری جھنڈی دکھائی تو مشرف نے آل پاکستان مسلم لیگ بنا ڈالی۔ تازہ خبر ہے سابق وزیر اعلیٰ سندھ ڈاکٹر ارباب غلام رحیم نے بھی پیپلز مسلم لیگ بنالی ہے۔

ہمارے جنرلوں اور سیاستدانوں نے نام نہاد مسلم لیگ کا وہ حال کیا ہے جو ایک طوائف کا ہی ہوتا ہے۔ اب اگر ایسے میں چوہدری شجاعت حسین نے ایک نام نہاد مسلم لیگ کا سربراہ ہوتے ہوئے ثقافت کے نام پر ایک طوائف کا ناچ دیکھ لیا اور ہاں جس سٹیج پر بیٹھ کر وہ یہ ناچ دیکھ رہے تھے اسکے پیچھے قائد اعظم اور علامہ اقبال کی تصاویر آویزاں تھیں تو کیا ہوا۔ آپ ان سے کیونکر توقع کرتے ہیں یہ کوئی اچھا کام کرینگے، شاید ان کو تو ٹھیک طرح قائداعظم اور علامہ اقبال کے بارے میں بھی معلوم نہ ہو۔ ان کو کیا معلوم مسلم لیگ کیوں بنی کیسے بنی کس نے کیا قربانی دی، ان باتوں سے ان کو کیا مطلب یہ جو آج اپنے اپنے نام نہادی مسلم لیگ کے سربراہ بنے ہوئے ان کے باپ دادا میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے کبھی قائد اعظم کی شکل بھی دیکھی ہو۔ یہ تو اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے نام نہاد مسلم لیگ کو نچا رہے ہیں، شاعر فقری

نے کیا خوب کہا ہے

شور ہوتا رہا مے خانوں میں
حسن لٹتا رہا ایوانوں میں
رات ڈھل جانے کو تھی جب فقری
سسکیاں مل گئیں آذانوں میں

امراؤ کے کردار میں تدریجی تبدیلیاں دراصل اس کی فطرت کی شریفانہ جوہر کی پیداوار ہیں۔ یہ جوہر اسے ورثہ میں ملا تھا۔ اس کی زندگی میں ایک نیا موڑ اس وقت آیا جب وہ طوائف کے گھناونے ماحول سے متنفر ہو چکی تھی اور اسے طوائف بن کر جینا پسند نہیں تھا۔ اس کردار کا یہ ارتقاء اس کی شخصیت و کردار میں عجیب مقناطیسی کشش پیدا کر دیتا ہے۔ اور قاری کی نظر میں مطعون اور مقہور ہونے کی بجائے رحم اور ہمدردی کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ آخری عمر میں وہ سب کچھ ترک کر دیتی ہے۔ اور عام لوگوں سے بھی ملنے جلنے سے احتراز کرتی ہے۔ اور نماز روزے کی سختی سے پابندی کرنے لگتی ہے۔ آخری عمر میں کربلا معلیٰ کی زیارت سے بھی فیض یاب ہوئی۔ اس طرح اس کردار کی تشکیل میں رسوا نے گہرا نفسیاتی مطالعے سے کام لیا ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو فکری لحاظ سے ناول امراؤ جان ادا لکھنوی معاشرت کے زوال کی داستان ہے۔

قائد اعظم کی مسلم لیگ بھی وہی تھی جس نے جمہوریت کے زریعے اس ملک کو ایک مقصد کے لیے بنایا تھا۔ قائد کا مقصد تھا کہ نہ صرف مسلمان مذہبی طور پر آزاد ہوں بلکہ وہ معاشی اور سماجی طور پر بھی آزاد ہوں۔ مگر افسوس جس مسلم لیگ نے ہم سب کو پاکستان دیا وہ تو کومے میں چلی گی ۔ امید تو مشکل ہے لیکن شاید اللہ تعالی ہم پر مہربانی کردے اور کوئی ایسا لیڈر آجائے جو اصلی مسلم لیگ کو کومے سے باہر لاکے اور اس ملک کے عوام کو وہی سب دیکھنے کو ملے جو قائد اعظم اور علامہ اقبال کے خواب تھے۔ مگر ابھی تک تو ہمارے حکمراں جنرلوں اور سیاستدانوں نے امراؤ کے کردار کی طرح ایک نام نہاد مسلم لیگ بنابنا کر اپنے اپنے فاہدے میں نچایا یا نچارہے ہیں اور اس سے وہ صرف اور صرف پاکستانی معاشرہ اور مقصد پاکستان کی زوال پذیری کر رہے ہیں۔ آغا شورش کاشمیری نے شاید اسی بات کو سامنے رکھ کر کہا تھا۔

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

بنیے کا بیٹا اور مولانہ فضل الرحمان۔ ایک کہانی ایک حقیقت

پتہ نہیں آپ میری اس بات سے متفق ہونگے یا نہیں کہ اگلے وزیر اعظم نواز شریف ہونگے۔ اس بات کا یقین مجھے مولانا فضل الرحمان کی وجہ سے ہے، کیوں؟ اسکا جواب آخر میں۔

پرانے زمانے میں ایک کہاوت بڑی مشہور تھی کہ " بنیے کا بیٹا ہے کچھ فائدہ دیکھ کر ہی گرا ہوگا "۔ایک بنیے کا بیٹا پانچ پیسے کا تیل لینے گیا، واپسی میں ایک جگہ گر گیا، کسی نے آ کر بنیے کو بتایا کہ آپکا بیٹا تیل لاتے ہوئے گر گیا ہے اور تیل بھی گر گیا، بنیے نے جواب دیا وہ بنیے کا بیٹا ہے کچھ فائدہ دیکھ کر گرا ہوگا۔ جب بیٹا واپس آیا تو اُس نے بتایا، ابا جب میں واپس آ رہا تھا تو راستے میں ایک روپیہ پڑا تھا، اگر میں اٹھاتا تو سب دیکھ لیتے اسلیے میں وہاں ایسے گرا جیسے ٹھوکر لگی ہو، پانچ پیسے کا تیل تو گرا مگر میں نے ایک روپیہ اٹھا لیا۔ بنیے نے کہا مجھے معلوم تھا کہ میرا بیٹا کچھ فائدہ دیکھ کر ہی گرا ہوگا۔

جنرل ایوب خان کا 1964 میں صدارتی انتخاب کا مقابلہ محترمہ فاطمہ جناح سے تھا اور ملک بھر میں اتفاق رائے یہ تھا کہ اگر ایوب خان عہدے سے علیحدہ

ہو کر صدارتی انتخاب میں حصہ لیں گے تو ہار جائیں گے۔ آئین کے تحت صدر مملکت کے عہدے پر رہتے ہوئے ایوب خان دوبارہ صدر مملکت بننے کے لئے انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ البتہ دو تہائی اکثریت کی حمایت سے آئین میں ترمیم کرکے وہ اس آئینی پابندی کو ترمیم کے ذریعے ختم کر سکتے تھے۔ ایوب خان کو ایوان میں دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کے لئے جن دو ووٹوں کی ضرورت تھی ان میں ایک ووٹ مولانہ مفتی محمود کا بھی تھا۔ مولانہ مفتی محمود نے ایوب خان کو ووٹ دیا اور بعد میں اعتراض کرنے والوں کو بتایا کہ اگر ایوب خان صدارت چھوڑ کر انتخابات لڑتے تو محترمہ فاطمہ جناح جیت کر پاکستان کی صدر بن جاتی اور اسلامی نقطہ نگاہ سے عورت کا سربراہ مملکت بن جانا جائز نہیں ہے۔ انیس سو ستر کے انتخابات میں مولانہ مفتی محمود کی جماعت جمیعت علمائے اسلام نے سرحد [موجودہ خیبر پختونخواہ] اسمبلی میں چار نشستوں پر کامیابی حاصل کی اور ایک غیر جمہوری مطالبہ پیش کیا کہ وہ ایسی جماعتوں کی حمایت کریں گے جو انہیں سرحد کا وزیر اعلی بنائیں گی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس وقت صوبائی اسمبلی کے کل اراکین کی تعداد چالیس تھی اور چار اراکین کے ساتھ مفتی محمود وزیر اعلیٰ بنانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس وقت عوامی نیشنل پارٹی کا نام نیشنل عوامی پارٹی تھا، غفار خان بھی زندہ تھے اور ولی خان بھی مگر سیاسی حالات کی وجہ سے مفتی محمود کا مطالبہ ماننے پر مجبور تھے لہٰذا مفتی محمود وزیر اعلیٰ بن گئے۔ جنرل ضیاالحق نے 1977 میں حکومت پر قبضہ کیا تو اُس نے

پاکستان قومی اتحاد کی جماعتوں کو حکومت میں شمولیت کی دعوت دی تو جمعیت علمائے اسلام نے اسکو قبول کرلیا اور اسکے تین وزیر جنرل ضیاالحق کی حکومت میں شامل ہوگئے۔

مفتی محمود کی 1980 میں وفات کے بعد جمعیت علمائے اسلام کی قیادت کے معاملے پر جھگڑا ہوگیا اور جمعیت کے دو گروپ بن گئے جس میں سے ایک کے سربراہ مولانہ فضل الرحمان بنے اور دوسرے گروپ کے سربراہ مولانہ سمیع الحق بنے۔ جنرل ضیاالحق کے 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں بھی جمعیت علمائے اسلام ف نے حصہ لیا جبکہ اُس وقت کی بڑی سیاسی جماعتوں نے اس میں حصہ نہیں لیا تھا۔ مولانہ فضل الرحمان نے اپنے والد مولانہ مفتی محمود کی سنت کی خلاف ورزی کرتے ہوے 1994 میں بینظیر بھٹو کی پیپلزپارٹی سے اتحاد کرلیا اور ایک عورت کی حکومت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اُس کے اتحادی بھی بنے۔ بینظیر بھٹو نے مولانہ کو خارجہ امور کی کمیٹی کا چیرمین بنادیا تھا۔ امور خارجہ کی الف ب سے ناواقف مولانا نے جسطرح اس کا استمال کیا اسکی کوئی مثال نہیں ملتی، مولانا نے 1994 میں صرف ایک ماہ کے عرصے میں بے انتہا دورے کیے جس پر حکومت کے 6 لاکھ 35 ہزار روپے سے زیادہ خرچ ہوئے۔ مولانہ فضل الرحمان کو مولانا ڈیزل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ بینظیر بھٹو کی حکومت کے دوران مولانہ بینظیر بھٹو سے ڈیزل افغاستان بھیجنے کے لیے پرمٹ لیا کرتے تھے یہ ہی وجہ ہے

بینظیر بھٹو اور پیپلز پارٹی کے لوگ اپنی نجی محفلوں میں انکو مولانہ ڈیزل کہا کرتے تھے۔

پرویز مشرف کی سیاسی غلطیوں کے دوران ہی 2008 کے انتخابات ہوئے۔اس انتخابات میں متحدہ مجلس عمل کا شیرازہ بکھر چکا تھا لہٰذا علاوہ مولانہ فضل الرحمٰن کی جماعت کے متحدہ مجلس عمل کی کسی جماعت نے انتخابات میں حصہ نہیں لیا، چونکہ میں مولانہ کی جماعت جمیعت علمائے اسلام ف کو فوجی قیادت کی مدد بھی 2008 حاصل نہیں تھی اسلیے مولانہ فضل الرحمٰن کو قومی اسمبلی کی 7 اور صوبائی میں خیبر پختونخواہ میں 14، بلوچستان میں 10 اور پنجاب میں صرف دو نشستیں ملیں۔ شاید بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہو کہ 2008 میں مولانہ کو ڈیرہ اسمائیل خان سے شکست ہوئی تھی جو ان کی آبائی سیٹ ہے، مولانہ بنوں سے کامیاب ہوئے تھے۔اگرچہ مولانہ کی جماعت 2008 کے انتخابات میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کرپائی تھی مگر مسلم لیگ ن کی حمایت ختم ہونے کے بعد پیپلز پارٹی کو حکومت قائم رکھنے کے لیے آصف زرداری اور مولانہ کی دوستی بہت کام آئی۔ مولانہ نہ صرف 2008 میں قائم ہونے والی پیپلز پارٹی کے اتحادی بن گے بلکہ کشمیر سے متعلق خصوصی کمیٹی کی چیئرمین شپ حاصل کی، مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے تو وہ کچھ نہ کرسکے لیکن اس چیئرمین کے زریعے اپنے معاشی معاملات بہتر کرتے رہے۔ وہ، اُن کے بھائی اور اُن کی پارٹی کے ممبران حکومت کے اتحادی ہونے کے ناطے

تمام مراعات بلکہ کچھ زیادہ ہی حاصل کرتے رہے، بلوچستان کا ہر ممبر تو وزیر تھا لہٰذا جو حاصل نہ ہوا ہو وہ کم۔ مولانا فضل الرحمان کی سیاسی چالوں کا تو ہر کوئی معترف ہے، 2010 میں اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ کے حصول کیلئے مولانا نے متحدہ مجلس عمل کی بحالی کا ڈرامہ رچا کر کامیابی سے مولانا شیرانی کیلئے اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ حاصل کرلی۔ اس کے بعد مولانا فضل الرحمان نے پیپلز پارٹی سے گلگت بلتستان کی گورنر شپ کا مطالبہ کیا تھا لیکن ان کے دوست آصف زرداری نے ان کے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ گلگت بلتستان میں اس وقت پاکستان پیپلز پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام کی مخلوط حکومت تھی۔ مولانہ فضل الرحمان کا گلگت بلتستان کی گورنر شپ کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو وہ کچھ عرصے بعد حکومت سے علیدہ ہوگے، شروع شروع میں تو حکومت نے مولانہ کو منانے کی کوشش کی مگر جب وہ اپنے مطالبات پر اڑے رہے تو آصف زرداری نے بھی اُنکی پرواہ نہیں کی، اور اسطرح پیپلز پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام کا اتحاد ختم ہوا۔

پیپلز پارٹی کی گذشتہ پانچ سال میں جو کارکردگی رہی اُس سے ہر ایک واقف ہے۔ گذشتہ پانچ سال پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں دہشت گردی ، ٹارگیٹ کلنگ، بدترین کرپشن ، بری گورننس، طویل لوڈشیڈنگ، غربت کیساتھ اندرونی وغیر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوا۔ خودکش دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ کی یلغار نے کوئٹہ اور

پشاور جیسے بڑے شہروں کو درہم برہم کرکے رکھ دیا ہے۔ ان تمام حالات کی وجہ سے پیپلز پارٹی اور اُس کے رہنما اپنی حکومت کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہی سیاسی طور پر ختم ہو چکے تھے۔ مولانا فضل الرحمان انتہائی چالاک اور معاملہ فہم سیاستدان ہیں، اپنی سیاسی پوزیشن کے بارے میں بھی وہ اچھی طرح جانتے ہیں، آنے والے انتخابات میں اپنی کامیابی کے لیے پہلے تو انہوں نے متحدہ مجلس عمل کے مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے کی کوشش کی مگر انکے پرانے اتحادی ان کی چال میں نہ آئے۔ مولانا فضل الرحمان بھی بنیے کے بیٹے کی طرح تیل لینے جارہے تھے یعنی سیاسی ہاتھ پیر مار رہے تھے کہ اچانک دسمبر 2012 میں علامہ طاہر القادری پاکستان آئے اور پاکستانی سیاست پر چھاگئے اور جب جنوری 2013 میں علامہ نے اسلام آباد میں دھرنا دیا تو پاکستان کی سیاست میں ایک بھونچال آگیا۔ نواز شریف کو اپنی آتی ہوئی باری دور جاتی نظر آئی تو انہوں نے ایک کانفرنس میں ان جماعتوں کو بلالیا جو یا تو حکومت مخالف تھیں یا پھر وہ علامہ طاہر القادری کے دھرنے کے خلاف تھیں۔ مولانا فضل الرحمان بھی اس کانفرس میں شامل تھے۔ چار دن بعد علامہ طاہر القادری کا دھرنا ختم ہوگیا اور اسکے ساتھ ساتھ علامہ کی سیاست بھی ختم ہوگی۔

شروع میں میں نے لکھا کہ "پتہ نہیں آپ میری اس بات سے متفق ہونگے یا نہیں کہ اگلے وزیراعظم نواز شریف ہونگے۔ اس بات کا یقین مجھے مولانا فضل الرحمان کی

وجہ سے ہے، کیوں؟" اسکا جواب یہ ہے کہ شاید مولانہ کی تیز آنکھوں نے بنیے کے بیٹے کی طرح وہ روپیہ نواز شریف کی شکل میں دیکھ لیا ہے۔ ایسی وجہ سے نہ وہ اب زرداری کے دوست ہیں اور نہ ہی اپنے پرانے اتحادیوں کے اتحادی۔ بنیے کے بیٹے کی طرح وہ سیاسی ٹھوکر کھاکر مسلم لیگ ن سے سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ بنیے نے کہا تھا مجھے معلوم ہے کہ میرا بیٹا کچھ فاہدہ دیکھ کر ہی گرا ہوگا، مولانہ مفتی محمود کے بیٹے مولانا فضل الرحمان کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی کوشش اس امید پر ہی ہوگی کہ اگلے وزیراعظم نواز شریف ہونگے۔ بنیے کے بیٹے کی داستان صرف ایک کہانی ہے، مگر مولانا فضل الرحمان کی داستان ایک حقیقت ہے۔

لٹیروں کا جنازہ ہے، ذرا دھوم سے نکلے

میں نے اپنے ایک مضمون " پیپلز پارٹی کا پانچ سالہ دور حکومت " میں لکھا تھا
گذشتہ پانچ سال کے دوران زرداری حکومت کے دور میں دہشت گردی، ٹارگیٹ
کلنگ، بدترین کرپشن، بری گورننس، طویل لوڈشیڈنگ، غربت کیساتھ اندرونی و غیر
ملکی قرضوں میں اضافہ ہوا، مشرف دور کے 34 بلین ڈالر کے قرضے پانچ سال میں
ڈبل ہوگے، 62 روپے کا ڈالر اب 100 روپے کا ہے، ملک کے تمام ادارئے تباہ
ہوچکے ہیں۔ خود کش دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ کی یلغار نے کوئٹہ اور پشاور جیسے بڑے
شہروں کو درہم برہم کرکے رکھ دیا ہے، کراچی جو پاکستان کا معاشی حب ہے اسکا وہ برا
حال ہے کہ یہ شہر جو کبھی امن کا گہوارہ تھا آج لاقانونیت اور لاشوں کا شہر بن چکا ہے،
زرداری حکومت کے پانچ سالہ دور میں کراچی میں دہشت گردی اور ٹارگیٹ کلنگ
سے پانچ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے، بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان اس شہر
میں عام بات ہے۔ سرکاری اور فوجی املاک پر حملے، فرقہ وارانہ نفرت، بے روزگاری
اور مہنگائی اس حکومت کے تحفے ہیں۔کہنے کو تو عدلیہ آزاد ہے مگر زرداری حکومت نے
عدلیہ کے کسی بھی فیصلے پر کبھی بھی عمل نہیں کیا۔ آصف زرداری، دو وزیراعظم،
وفاقی اور صوبائی وزرا نے

ملکر کرپشن اور بری گورننس کے حوالے سے ماضی کے کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ۔ اربوں روپے کی کرپشن کرکے قومی خزانے کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا اور ملکی معیشت کو مفلوج بناڈالا"۔

یہ اوپر لکھی ہوئی باتیں زرداری اور پیپلز پارٹی کی بدترین کردگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں ۔ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر چوتھی مرتبہ پیپلز پارٹی نے پاکستان کو کسقدر پیچھے کردیا ہے یہ پورا پاکستان جانتا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ پیپلز پارٹی اور اسکے رہنما اس ڈھٹائی سے اپنی حکومت کے گن گا رہے ہیں کہ جیسے انہوں نے پورے ملک کو ایک مثالی ملک بنادیا ہوں۔ اپنے منشور میں تو پھر روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا ہے مگر اخبارات اور ٹی وی اشتہارات کچھ اور ہیں۔ پیپلز پارٹی کی بدقسمتی کہ اس مرتبہ اُسکے پاس کوئی شہید بھٹو بھی نہیں اس لیے ٹی وی کی حدتک تو دو شہید ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے علاوہ ایک نام نہاد بھٹو یعنی بلاول سے کام چلا رہے ہیں۔ مگر پانچ سال کی لوٹ مار کے بعد اب اخبارات میں پیپلز پارٹی کے نئے مالک آصف زرداری کی تعریفوں کے اشتہارات آرہے ہیں۔ آج کے ایک اخبار کے پورے آخری صفحہ پر آصف زرداری کی تصویر کے ساتھ انکے جیل میں گذارے ہوئے گیارہ سال کا ذکر ہے ۔ یہ یاد رہے کہ آصف زرداری نے جیل میں جو وقت گذارا وہ ایک لوٹ مار کے ملزم کی حیثیت سے نہ کہ سیاسی قیدی کی حیثیت سے ۔اسکے علاوہ اشتہار میں جو بڑے

کارنامے جتائے گئے ہیں ان میں بہت سے اختیارات اور شعبہ جات کو صوبوں میں منتقلی کے لیے کی جانے والی آئینی ترامیم، اور چند مزید قانونی اصلاحات و سطحی اقدامات شامل ہیں جن سے اس ملک کے عوام کی وسیع اکثریت کو کوئی سروکار نہیں۔

اسکے علاوہ اسی اخبار کے صفحہ اول پر چوتھائی صفحہ پر بے نظیر بھٹو اور بلاول کی تصویر کے ساتھ ایک اور اشتہار بھی کراچی سٹاک ایکسچینج کے حوالے سے شایع ہوا ہے جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ 2007-2008 میں کراچی سٹاک ایکسچینج کے ایس ای 100 انڈیکس صرف 4800 پوائنٹس پر تھا جبکہ 2013 میں 18500 پوائنٹس پر ہے۔ اگرچہ عام لوگوں کا اس اشتہار سے کوئی واسطہ نہیں مگر حقیقت یہ تھی کہ جس دن جنرل مشرف نے صدارت سے استعفیٰ دیا اس دن کے ایس ای 100 انڈیکس 15400 پوائنٹس پر تھا مگر اسکے بعد اس میں کمی آتی چلی گئی اور نوبت یہاں تک آگئی کہ چھوٹے سرمایہ دار تو تقریباً برباد ہوگئے اور بہت سارے لوگوں کو یاد ہوگا کہ ٹی وی پر ان خبروں کے دوران لوگ رو رہے ہوتے تھے۔ بڑے بروکرز کا کام بھی ختم ہوگیا تھا اور تقریباً 9 ماہ سٹاک مارکیٹ میں کاروبار ہی نہ ہوا اور تمام بڑے بڑے بروکرز نے اپنے ممبر سے اس عرصے کی فیس نہیں لی اُس وقت تک 100 انڈیکس صرف 4800 پوائنٹس پر پہنچ گیا تھا۔ پانچ سال میں پیپلز پارٹی کا یہ بھی ایک کارنامہ تھا کہ 15400 کے انڈیکس کو 4800 پر پہنچادیا

تھا. اگر ملک کچھ ترقی کرتا تو آج یہ انڈیکس 20 یا 22 ہزار سے زیادہ پر ہوتا- لہٰذا یہ اشتہار سراسر جھوٹ کا پلندہ ہے۔

حقیقت دیکھیں تو پیپلز پارٹی کا خاتمہ ہوچکا ہے ہاں اگر آج آپ پیپلز پارٹی کے بارے میں مجھ سے پوچھیں تو میں پیپلز پارٹی کی تعریف کچھ یوں کرونگا "اس وقت پیپلز پارٹی اصل معنوں میں ایک سیاسی جماعت نہیں بلکہ بھٹو خاندان کے عشق میں مبتلا ہجوم کا نام ہے۔اسکی اگر مثال آپکو دیکھنی ہو تو کراچی کا لیاری دیکھ لیں، یہ غریب بلوچوں کا علاقہ ہے، 1970 سے بھٹو خاندان کے عشق میں مبتلا ہے، مگر آج لیاری میں زرداری کی پیپلز پارٹی سے نفرت عام ہے، بھٹو یا بینظیر سے اُنکا عشق اب بھی برقرار ہے"۔ ہجوم کی نفسیات میں جتنا والہانہ پن ہوتا ہے اتنا ہی وہ منہ پھٹ بھی ہوتا ہے۔ ہجوم بلا کی یادداشت رکھتا ہے جو دیوانگی میں بھی قائم رہتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ عام لوگوں کو تو چھوڑیں خود پیپلز پارٹی کے حامی زرداری کی پیپلز پارٹی سے نفرت کرتے ہیں۔

گیارہ مئی کو پاکستان کے عوام نے فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کیسی اسمبلیاں یا کیسا پاکستان چاہتے ہیں، ان کا ووٹ انکی قسمت کا فیصلہ کرئے گا۔ آج کل ہر پارٹی اپنا منشور عوام کے سامنے لارہی ہے، بڑئے بڑئے وعدئے کیے جارہے۔ مگر چار مرتبہ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگانے والی یہ پارٹی جسکو اب ہم زرداری

لوٹ مار پارٹی کہہ سکتے ہیں پاکستان کے عوام کو سوائے .بربادی اور کرپشن کے کچھ نہیں
دیا۔ لہٰذا اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ زرداری اور انکے حواریوں کے پاس 2013 کے
الیکشن میں حصہ لینے کے لیے عوام کی بہتری کا کوئی پروگرام نہیں ہے ۔اس مرتبہ عوام کو
چاہیے کہ وہ زرداری ٹولے کے لیے ایک پروگرام بنایں اور زرداری ٹولے ووٹ نہ دے
کرانکی ضمانتیں ضبط کروادیں یقین کریں آنے والی حکومت صرف آپ کے اس عمل کے
ڈر سے اگلے پانچ سال بہترین کام کرئے گی ۔آپ اپنے ووٹ کا استمال ایسے کریں کہ
لگے کہ پاکستان کے عوام نے اس الیکشن میں ایک ہی کام کیا ہے کہ زرداری ٹولے
کوپاکستان کی سیاست سے صاف کردیا ہے۔ تو آیئے ملکر نعرہ لگاتے ہیں "لٹیروں کا جنازہ
ہے، ذرا دھوم سے نکلے"۔

پرویز مشرف اور دودھ پینے والے مجنوں

لیلیٰ اپنے محل میں تھی کہ اُسے اطلاع ملی کہ باہر اُس کا مجنوں آیا ہے اور لیلیٰ لیلیٰ پکار رہا ہے۔ محل سے باہر پڑا ہوا مجنوں لیلیٰ لیلیٰ پکارتا رہتا تھا اور لیلیٰ اپنی ایک سہیلی کے زریعے مجنوں کا بہت خیال رکھتی اور روز مجنوں کے لیئے اچھے اچھے کھانے بجھواتی اور رات کو دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ۔ لیلیٰ کی سہیلی لیلیٰ کے کہنے سے سب کرتی تو تھی مگر اُسے اِس مجنوں پر شک تھا کہ وہ لیلیٰ کا اصل مجنوں نہیں ہے۔ وہ بار بار لیلیٰ کو سمجھاتی کہ وہ دھوکا کھا رہی ہے یہ اصل مجنوں نہیں ہے۔آخرکار لیلیٰ نے اپنی سہیلی کے کہنے پر ایک دن اپنے ایک ملازم کو اُس پیالے کے ساتھ جس میں روز اُس کو دودھ بھیجا کرتی تھی اِس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ لیلیٰ کی طبیت بہت خراب ہے اور اُس کو خون کی ضرورت ہے لہذا اس پیالے میں تم اپنا خون بھر کردے دو۔ مجنوں نے ملازم سے کہا کہ میں دودھ پینے والا مجنوں ہوں خون دینے والا نہیں اور یہ کہ کر وہ جھوٹا مجنوں وہاں سے چلا گیا۔

لاہور کے موچی دروازے پر پیپلزپارٹی کے جلسے میں مولانہ کوثر نیازی تقریر کر رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ بھٹو سورج ہے ہم اُسکی روشنی ، بھٹو چاند ہے

ہم اُسکی کرنیں، ایک جیالا کھڑا ہوا اور بولا بھٹو دیگ ہے اور آپ اُسکے کفگیر۔ مولانہ جیالے کی بات پر مسکرائے اور دوبارہ بھٹو کی تعریف میں لگ گئے۔ مولانہ کوثر نیازی نے ذوالفقار علی بھٹو پر ایک کتاب بھی لکھی جسکا عنوان "دیدہ ور" رکھا۔ لیکن جب 5 جولائی 1977 کو جنرل ضیا الحق نے اقتدار سنبھالا تو صرف چند دن کے بعد دیدہ ور کے مصنف مولانہ کوثر نیازی اور غلام مصطفٰی جتوئی جن کو بھٹو نے سندھ کا وزیر اعلیٰ بنایا تھا جنرل ضیا الحق کے دربار میں حاضری دینے پہنچ گے۔ دونوں نے ایک علیحدہ پیپلز پارٹی کا دھڑا بھی بنالیا۔ بیگم نصرت بھٹو کا یہ بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ اب میرا دوپٹا بیچ کر کھالو کیونکہ بھٹو کے دودھ پینے والے مجنوں اُن سے بھٹو کی رہائی کی کوششیں کرنے کے لیے لاکھوں روپے وصول کر رہے تھے اور پھر جب 4 اپریل 1979 کو بھٹو کو پھانسی دی گی تو بھٹو کے دودھ پینے والے مجنوں غائب تھے۔

میاں نواز شریف دوسری مرتبہ 1997 میں اس اکثریت سے کامیاب ہوئے کہ انکو حکومت چلانے کے لیئے کسی سے بھی اتحاد کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر دودھ پینے والے مجنوں انکے ساتھ بھی تھے۔ نواز شریف اپنے دوسرے دور اقتدار میں چونکہ بھاری اکثریت سے جیتے تھے لہٰذا انکے مجنوں ان سے فرمائش کرتے اور وہ انکی فرمائش پوری کرتے۔ انہوں نے ایک صدر، ایک آرمی چیف اور ایک چیف جسٹس آف پاکستان کو گھر روانہ کرنے کے علاوہ سپریم کورٹ پر حملہ کرنے اور ایک

رات میں اپنے ہموطنوں کے بارہ ارب ڈالر کے اکاونٹ منجمد کرنے کے کارنامے اپنے مجنوں کی فرمائش پر ہی کیئے ۔ آہستہ آہستہ انکے مجنوں نے انکو قائد اعظم ثانی بھی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اپنے کسی مجنوں کے کہنے پر ہی انہوں نے جنرل پرویز مشرف کو بھی نکالنا چاہا مگر مشرف نے انکو نکال باہر کیا۔ ملک سے باہر جانے کے بعد جب بھی انہوں نے یا شہباز شریف نے پاکستان میں داخل ہونے کی کوشش کی مشرف نے انکو واپس بھیج دیا۔ ایرپورٹ پر ان کا کوئی مجنوں کبھی بھی نہیں دکھائی دیا۔ ان کے بہت سارے دودھ پینے والے مجنوں اب جنرل پرویز مشرف کے دربار میں حاضری دے رہے تھے۔ جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو 1999 میں ہٹا کر اقتدار پر قبضہ کیا تو وہ بھی سیاسی لیلیٰ بن گے اور انکے عشق میں بہت سے مجنوں پیدا ہو گے۔ سب سے پہلے اُنکے مجنوں میں چودھری شجات اور چودھری ظہور الہیٰ شامل ہوئے اور باقی اور بھی بہت سارے تھے، مگر مشرف کے مجنوں میں خالی شخصیات ہی نہ تھی بلکہ سیاسی جماعتیں بھی تھیں۔ مسلم لیگ ق کے علاوہ ایم کیو ایم اور متحدہ مجلس عمل بھی تھیں۔ مشرف کے برسر اقتدار آنے کے بعد ق لیگ نے جنم لیا اور پوری ق لیگ مجنوں بنکر مشرف کو اتنی مرتبہ وردی میں صدر بنانا چاہتی تھی جس کی خود مشرف کو بھی شاید تمنا نہ ہو، حاصل یہ تھا کہ چوہدری ظہور الہی پورے پانچ سال پنجاب کے وزیر اعلی رہے۔ دوسری طرف جولائی 2001 میں پاکستان کی چھ مذہبی سیاسی

جماعتوں نے ایک نئے اتحاد "متحدہ مجلس عمل" کے قیام کا اعلان کیا۔ متحدہ مجلس عمل کے قیام اور انتخابات میں ملک کے شمالی صوبے میں اس کی واضح اکثریت میں پاکستان کی فوجی قیادت کا بڑا ہاتھ تھا۔ 2002 کے انتخابات میں متحدہ مجلس عمل نے قومی اسمبلی کی اور بعد میں سینٹ میں 20 نشستیں حاصل کیں، سرحد اور بلوچستان میں متحدہ 68 مجلس عمل کی حمایت یافتہ حکومتیں قائم ہوئیں۔ 28 دسمبر 2003 کو قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن و دیگر قائدین کی موجودگی میں متحدہ مجلس عمل نے آئین میں 17 ویں آئینی ترمیم کا بل یعنی لیگل فریم ورک آرڈر منظور کرکے پرویز مشرف کی حکمرانی کو آئینی و قانونی جواز فراہم کر دیا اور اسکے ساتھ ہی متحدہ مجلس عمل "ملا ملٹری الائنس" بن گی۔ ایم کیو ایم بھی مشرف کے مجنوں میں شامل تھی اور حاصل یہ تھا کہ مرکز اور صوبہ سندھ میں وزارتیں تھیں۔ پیپلز پارٹی کا ایک دھڑا فیصل صالح حیات کی قیادت میں مشرف کے دودھ پینے والے مجنوں میں شامل تھا۔ اگست 2008 میں مشرف صدارت سے علیحدہ ہوئے اور کچھ عرصے بعد ملک سے باہر چلے گے۔

پانچ سال بعد جنرل پرویز مشرف بڑے طمطراق سے پاکستان پہنچے تو وہ اب بھی اپنے آپ کو سیاسی لیلیٰ ہی سمجھ رہے تھے، حالانکہ اُنکو معلوم تھا کہ انکے وہ سارے مجنوں جو دودھ پینے والے تھے انہوں نے اپنی لیلیٰ بدل لیں ہیں۔ شاید تاریخ سے انہوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا اسلیے آج انکے کھاتے میں وہ

سارے جرائم ہیں جو وہ اپنے مجنوں کے ساتھ ملکر کرتے رہے۔ آج این آر او ہو یا لال مسجد کا واقعہ، اکبر بگٹی کی ہلاکت ہو، یا ججوں کو نظر بند کرنے کا جرم، آیئن سے انحراف ہو یا ایمرجنسی کا نفاظ ہر جرم کے ملزم پرویز مشرف ہیں۔ ایم کیو ایم آج کراچی کی ایک سیٹ انکو دینے پر تیار نہیں، سابقہ متحدہ مجلس عمل والے ساری خرابی کی جڑ انکو ہی کہتے ہیں۔ چوہدری برادران تو اب پیپلز پارٹی کے مجنوں ہیں کون مشرف وہ جانتے ہی نہیں۔ باقی ماروی میمن، قصوری اور امیر مقام بھی اپنی اپنی لیلیٰ کے دربار میں ہیں۔ گیارہ مئی کو انتخابات ہونگے۔ آنے والے حکمراں اگر تاریخ کا یہ سبق سیکھ لیں کہ اپنے آپ کو دودھ پینے والے مجنوں سے بچا کر رکھیں تو ان کے ہی حق میں بہتر ہوگا۔ بھٹو اور نواز شریف انجام بھگت چکے ہیں، مشرف اب بھگت رہے ہیں اور دودھ پینے والے مجنوں عیش کر رہے ہیں۔ آیندہ تاریخ کا مورخ ہمارے مستقبل کے حکمرانوں کے لیے کیا لکھے گا یہ آنے والے حکمرانوں کے طرز حکمرانی پر ہوگا مگر مشرف صاحب آپ دھوکا کھاگے آپکے پاس سب دودھ پینے والے مجنوں تھے خون دینے والے نہیں ورنہ آج شاید آپکا یہ انجام نہ ہوتا۔

دوسیاسی خبریں اور تبصرے یوسفی کے ساتھ

ہمیں بچپن سے ہی سیاست کا چسکا لگ گیا تھا، لہٰذا ہر بات میں سیاست کا دخل ہم اپنی طرف سے کردیتے ہیں۔ تاریخ اور سیاست پسندیدہ موضوع ہیں لیکن طنزومزاح بھی پڑھنے کا شوق ہے۔ مشتاق احمد یوسفی پسندیدہ مصنف ہیں اسلیے سلسلہ یوسفیہ کے مریدوں میں اپنے آپ کو بھی شمار کرتے ہیں۔ حال ہی میں دو سیاسی خبریں سامنے آیں تو یوسفی صاب یاد آگے۔

پہلی سیاسی خبر

شیخ رشید کے خلاف کسی نے ایک درخواست داخل کی کہ شیخ صاحب نے جھوٹ لکھا ہے، وہ کنوارے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے 1996 میں شادی کی تھی۔ اب یہ تو پتہ نہیں کہ شیخ صاحب نے شادی کی تھی یا نہیں مگر مشتاق احمد یوسفی صاحب نے ضرور کی تھی لہٰذا اپنی کتاب "زرگزشت" میں ایک مضمون "کراچی کی برسات" میں وہ اپنی شادی کا ذکر کچھ یوں کرتے ہیں۔

بارش اور ایسی بارش ! ایسی بارش ہم نے صرف مسوری میں اپنی شادی کے دن دیکھی تھی کہ پلاؤ کی دیگوں میں بیٹھ کر دلہن والے آ جا رہے تھے خود ہمیں ایک

کفگیر پر بیٹھا کر قاضی کے سامنے پیش کیا گیا- پھر نہ ہم نے ایسی حرکت کی، نہ بادل ایسا ٹوٹ کے برسا۔ عجب سماں تھا۔ جدھر دیکھو پانی ہی پانی۔ اس دن سوائے دلہن کی آنکھ کے ہمیں کوئی چیز خشک نظر نہیں آئی۔ ہم نے ٹھوکا دیا کہ رخصتی کے وقت دلہن کا رونا رسومات میں شامل ہے۔ انھوں نے بہت پلکیں ٹپٹپائیں، مگر ایک آنسو نہ نکلا۔ پھر کار میں سوار کراتے وقت ہم نے سہرا اپنے چہرے سے ہٹایا۔ خوب پھوٹ کر روئیں۔

ہو سکتا ہے شیخ صاحب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہو اگر وہ شادی کر چکے ہیں تو۔

دوسری سیاسی خبر

سابق صدر پرویز مشرف اسلام آباد ہائی کورٹ سے گرفتار ہونے کے بجائے اپنے گھر چلے گئے۔ شام کو انکے وکیل احمد رضا قصوری نے فرمایا کہ سابق صدر بہت آرام سے ہیں سگار اور کافی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ یہ خبر دیکھ کر ہمیں پھر یوسفی صاحب یاد آگئے وہ سگار اور کافی کے بارے میں اپنی کتاب "چراغ تلے" میں ایک مضمون "کافی" میں کچھ یوں کہتے ہیں۔

”میں نے سوال کیا ”آپ کافی کیوں پیتے ہیں؟

"انھوں نے جواب دیا "آپ کیوں نہیں پیتے؟

"مجھے اس میں سگار کی سی بو آتی ہے۔"

اگر آپ کا اشارہ اس کی سوندھی سوندھی خوشبو کی طرف ہے تو یہ آپ کی قوت شامہ "کی کوتاہی ہے۔

گو کہ ان کا اشارہ صریحاً میری ناک کی طرف تھا، تاہم رفع شر کی خاطر میں نے کہا تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیتا ہوں کہ کافی میں سے واقعی بھینی بھینی خوشبو آتی" ہے۔ مگر یہ کہاں کی منطق ہے کہ جو چیز ناک کو پسند ہو وہ حلق میں انڈیل لی جائے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کافی کا عطر کیوں نہ کشید کیا جائے تاکہ ادبی محفلوں میں ایک دوسرے "کے لگایا کریں۔

تڑپ کر بولے "صاحب! میں ماکولات میں معقولات کا دخل جائز نہیں سمجھتا، تاوقتیکہ اس ڈھکلے کی اصل وجہ تلفظ کی مجبوری نہ ہو----کافی کی مہک سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک تربیت یافتہ ذوق کی ضرورت ہے۔ یہی سوندھا پن لگی ہوئی کھیر اور دُھنگارے "ہوئے رائتہ میں ہوتا ہے۔

"میں نے معذرت کی "کُھرچن اور دُھنگار دونوں سے مجھے متلی ہوتی ہے۔

فرمایا "تعجب ہے! یوپی میں تو شرفا بڑی رغبت سے کھاتے ہیں"۔

"میں نے اسی بنا پر ہندوستان چھوڑا۔"

یہاں مجھے کافی سے اپنی بیزاری کا اظہار مقصود ہے۔ لیکن اگر کسی صاحب کو یہ سطور شراب کا اشتہار معلوم ہوں تو اسے زبان و بیان کا عجز تصور فرمائیں۔ کافی کے طرفدار اکثر یہ کہتے ہیں کہ یہ بے نشے کی پیالی ہے۔ بالفرض محال یہ گزارش احوال واقعی یا دعویٰ ہے تو مجھے ان سے دلی ہمدردی ہے۔ مگر اتنے کم داموں میں آخر وہ اور کیا چاہتے ہیں؟

عمدہ کافی بنانا بھی کیمیا گری سے کم نہیں۔ یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ دونوں کے متعلق یہی سننے میں آیا ہے کہ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ ہر ایک کافی ہاؤس اور خاندان کا ایک مخصوص نسخہ ہوتا ہے جو سینہ بہ سینہ، حلق بہ حلق منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مشرقی افریقہ کے اس انگریز افسر کا نسخہ تو سبھی کو معلوم ہے جس کی کافی کی سارے ضلعے میں دھوم تھی۔ ایک دن اس نے ایک نہایت پر تکلف دعوت کی جس میں اس کے حبشی خانساماں نے بہت ہی خوش ذائقہ کافی بنائی۔ انگریز نے بہ نظر حوصلہ افزائی اس کو معزز مہمانوں کے سامنے طلب کیا اور کافی بنانے کی ترکیب دریافت پوچھی۔

حبشی نے جواب دیا "بہت ہی سہل طریقہ ہے۔ میں بہت سا کھولتا ہوا پانی اور دودھ لیتا ہوں۔ پھر اس میں کافی ملا کر دم کرتا ہوں۔"

"لیکن اسے حل کیسے کرتے ہو۔ بہت مہین چھنی ہوتی ہے۔"

"حضور کے موزے میں چھانتا ہوں۔"

کیا مطلب؟ کیا تم میرے قیمتی ریشمی موزے استعمال کرتے ہو؟" آقا نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔

"خانساماں سہم گیا "نہیں سرکار! میں آپ کے صاف موزے کبھی استعمال نہیں کرتا۔

کافی امریکہ کا قومی مشروب ہے۔ میں اب بحث میں نہیں الجھنا چاہتا کہ امریکی کلچر کافی کے زور سے پھیلا، یا کافی کلچر کے زور سے رائج ہوئی۔ یہ بعینہٖ ایسا سوال ہے جیسے کوئی بے ادب یہ پوچھ بیٹھے کہ "غبار خاطر" چائے کی وجہ سے مقبول ہوئی یا چائے "غبار خاطر" کے باعث؟ ایک صاحب نے مجھے لاجواب کرنے کی خاطر یہ دلیل پیش کی امریکہ میں تو کافی اس قدر عام ہے کہ جیل میں بھی پلائی جاتی ہے۔ عرض کیا کہ جب خود قیدی اس پر احتجاج نہیں کرتے تو ہمیں کیا پڑی کہ وکالت کریں۔ پاکستانی جیلوں میں بھی قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جائے تو انسداد جرائم میں کافی مدد ملے گی۔ پھر انھوں نے بتایا کہ وہاں لاعلاج مریضوں کو بشاش رکھنے کی غرض سے کافی پلائی جاتی ہے۔ کافی کے سریع التاثیر ہونے میں کیا کلام ہے۔ میرا خیال ہے کہ دم نزع حلق میں پانی چوانے کی بجائے کافی کے دو چار قطرے ٹپکا دیے جائیں تو مریض کا دم

آسانی سے نکل جائے۔ بخدا، مجھے تو اس تجویز پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ گناہ گاروں کی فاتحہ کافی پر دلائی جائے۔

آپ کے ذہن میں خدانخواستہ یہ شبہ نہ پیدا ہوگیا ہو کہ راقم السطور کافی کے مقابلے میں چائے کا طرف دار ہے تو مضمون ختم کرنے سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا از بس ضروری سمجھتا ہوں۔ میں کافی سے اس لیے بیزار نہیں ہوں کہ مجھے چائے عزیز ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافی کا جلا چائے بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس

ایک وہ ہیں کہ جنہیں چائے کے ارماں ہوں گے

اب اگر سابق صدر پرویز مشرف تک کافی بنانے کی ترکیب پہنچ گی تو پھر وہ عدالت کی وجہ سے پریشان ہوں یا نہ ہوں مگر اپنے خانساماں سے ضرور پریشان ہونگے اور اپنے موزے کبھی گندے نہ ہونے دینگے۔

مصر میں بچوں کی صرف تین قسمیں

عربی زبان میں انجینئر کو "مہندس" اور ڈاکٹر کو "دکتور" کہتے ہیں اور مصری ان دو الفاظ کا استعمال خوب کرتے ہیں، یوں سمجھ لیجیے اگر آپ اپنے گھر میں پلمبر کو بلائیں تو وہ کہے گا "انا مہندس" یعنی میں انجینئر ہوں، اسطرح ہی آپ کسی بجلی ٹھیک کرنے والے کو بلالیں یا کسی موٹر مکینک کے پاس جائیں اگر وہ مصری ہے تو وہ "مہندس" ہوگا۔ دوسری قسم یعنی "دکتور" یہ اصلی سے لیکر کمپوڈر اور کسی دوا کی دوکان پر کام کرنے والے سیلز مین اپنے بارئے میں استمال کرتے ہیں، یہ سب اپنے بارئے میں کہتے ہیں "انا دکتور" یعنی میں ڈاکٹر ہوں"۔ ایسا نہیں ہے کہ مصری انجینئر یا ڈاکٹر نہیں ہیں وہ بھی ہیں۔ ایسے ہی ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر محترم عادل عبداللہ کے ساتھ جدہ کی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں ریسرچ کے کاموں میں کافی وقت ساتھ گزرا۔ ایک دن اُن سے پاکستان اور مصر کے حالات پر گپ شپ ہو رہی تھی کہ اچانک ذہن میں کافی عرصہ سے موجود سوال اُن سے کیا کہ، ڈاکٹر یہ بتائیں کہ مصر میں کیا دو ہی قسم کے بچے ہوتے ہیں، یعنی یا تو وہ "مہندس" ہوتا ہے یا پھر "دکتور"؟ یہ سن کر ڈاکٹر عادل نے بہت زور کا قہقہ لگایا اور کہا سید آج پہلی مرتبہ کسی نے یہ سوال کیا ہے بہت مزا آیا آپکا سوال سنکر اور اب جو میں آپ کو جواب دونگا اُس کو سنکر آپکو مزا آئیگا۔ پہلی بات کہ آپکی معلومات مکمل نہیں ہیں میرئے جواب سے وہ بھی مکمل ہو جائیگی۔ جب مصر میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو

ماں اور باپ اسکو یا تو "مہندس" کہتے ہیں یا پھر "دکتور"، اور اگر آگے چل کر وہ بچہ ان دونوں میں کچھ نہیں بن پاتا تو پھر ہم اُسے "استاد" کہتے ہیں۔ یعنی جو کام "مہندس" اور "دکتور" نہ کرتے ہوں۔ وہ بچہ آگے چل کر کسی اسکول کالج میں پڑھائے، اپنا کاروبار کرے، کسی دفتر کا کلرک ہو یا کوئی جیب کترا یہ سب بچوں کی تیسری قسم میں آتے ہیں یعنی "استاد"۔

اب آپ سمجھ گئے ہونگے کہ مصر میں بچوں کی صرف تین قسمیں کیوں پائی جاتی ہیں۔

کیا اگلا وزیر اعظم طالبان کا ہوگا؟

لگ تو یہ ہی رہا ہے کہ اس ملک کا اگلا وزیر اعظم طالبان کا ہی ہوگا۔ اور یہ بات سمجھنے کے لیے تھوڑے عرصے پہلے طالبان کی امن مذاکرات کی پیشکش پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ میں نے اپنے ایک مضمون " طالبان دہشتگردوں کے چٹے بٹے بھائی " میں لکھا تھا کہ "ایک ایسے وقت جب پاکستان میں الیکشن ہونے جا رہے ہیں اچانک طالبان دہشتگردوں کی طرف سے حکومت سے مذاکرات کی مشروط پیش کش کی گئی تھی جس میں انہوں نے پاکستانی فوج پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے میاں نواز شریف، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان اور امیر جماعت اسلامی منور حسن کی مذاکرات سے متعلق ضمانت مانگی تھی۔ دہشتگردوں کے ترجمان احسان اللہ احسان نے کہا کہ متحدہ قومی موومنٹ کیخلاف کارروائیاں مزید تیز کر دی جائیں گی یعنی ابھی دہشت گرد کراچی کے عام لوگوں پر اور ظلم کرینگے۔ حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکرات میں مسلم لیگ (ن)، جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام (ف) کو ضامن بنانے کے اعلان کے بعد تینوں جماعتوں کے رہنماوں کے نمائندہ وفد کو قبائلی علاقوں کے دورہ کی دعوت بھی دی ہے۔"

پاکستان کی تقریبا تمام سیاسی جماعتیں یہ کہہ رہی تھیں کہ مذکرات ہونے

چاہیں مگر پیپلز پارٹی کی حکومت کا وقت ختم ہوچکا ہے۔ میاں نواز شریف نے تو چپ سادھ لی مگر مولانہ فضل الرحمان اور جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن بہت پرجوش تھے۔ اے این پی نے پہلے آل پارٹی کانفرنس بلائی جس میں جماعت اسلامی نے شرکت نہیں کی مگر تھوڑے دن بعد ہی مولانہ فضل الرحمان کی آل پارٹی کانفرنس میں جماعت اسلامی موجود تھی۔ مگر دونوں کانفرنس بے نتیجہ ثابت ہویں۔ بعد میں منور حسن نے حکومت کو کہا کہ وہ فورا مذاکرات کرے اور طالبان کو ایک ٹی وی انٹرویو میں سلام بھی پیش کیا۔

طالبان کے مذاکرات پیش کرنے کے پیچھے اصل بات یہ تھی کہ وہ پاکستان میں کس کی حکومت چاہتے ہیں۔ مگر بات اسطرح بھی پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھی لہذا پاکستان کی تین بڑی سیاسی جماعتوں پیپلز پارٹی، اے این پی اور ایم کیوایم کو دھمکی دی گی کہ اگر وہ انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لینگے تو اُن کے جلسے اور جلسوں پر حملے کیے جاینگے۔ اور اب عملا ایسا ہو بھی رہا ہے۔ خیبر پختونخواہ میں اے این پی پر تقریبا سولہ حملے ہوچکے ہیں اور اسکے کافی کارکن مرچکے ہیں، کراچی میں بھی اے این پی ایک ہی دن میں دو مرتبہ دہشت گردی کا شکار ہوئی، اسکے الیکشن آفس پر ایک بڑا دہشت گردی کا واقعہ ہوا ہے جس میں 9 افراد کی ہلاکت اور 55 سے زیادہ زخمی ہوئے ہیں۔ ایم کیوایم کے خلاف دہشت گردوں نے پہلے حیدرآباد میں اسکے صوبائی امیدوار کو مارا اور اسکے بعد تین

دن میں ایم کیو ایم کے دو الیکشن آفس پر دہشت گردی کی گی جس میں 11 افراد ہلاک ہوئے،سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ ناحق مرنے والوں میں 3 سگے بھائی بھی شامل ہیں۔ پیپلز پارٹی تو اپنی پانچ سالہ بدترین کارکردگی پر پہلے ہی برے حالات کا شکار تھی، اس دھمکی کے بعد وہ سرے سے غائب ہو گی ہے اور اسکی کوئی سیاسی سرگرمی بظاہر نظر نہیں آتی۔ اے این پی اور ایم کیو ایم اپنی انتخابی مہم معطل کرچکی ہیں۔ جہاں تک مسلم لیگ ن کے صوبائی صدر پر بلوچستان میں ہونے والے حملے کا تعلق ہے تو اسکا طالبانی دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے اسکا تعلق سرداروں کی آپس کے اختلافات ہیں۔

اگر آپ روزانہ خبریں دیکھتے ہیں تو الیکشن کے سلسلے کی خبروں کا تعلق صرف اور صرف پنجاب سے ہے۔ باقی تین صوبوں میں حالات یہ ہیں کہ جیسے ان صوبوں میں الیکشن ہی نہیں ہو رہے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں آپکو جماعت اسلامی اور جے یو آئی ف کا ذکر مل جائے گا۔ صوبہ پنجاب میں بھی آپکو صرف دو جماعتیں ہی عملا نظر آئینگی، ایک مسلم لیگ ن اور دوسری عمران خان کی پی ٹی آئی۔ ان دونوں جماعتوں کے سربراہ نواز شریف اور عمران خان پنجاب میں اپنی انتخابی مہم ایسے چلا رہے ہیں جیسے صرف اگر وہ پنجاب سے جیت گے تو باقی صوبے خود بخود انکی ماتحتی میں آجائینگے۔ دہشت گردی کے مسلسل ہونے والے واقعات پر یہ دونوں رہنما ایسے بے حس بنے ہوئے ہیں جیسے دہشت گردی انکے ملک میں نہیں کسی

اور ملک میں ہو رہی ہے، نہ ہی نواز شریف اور نہ ہی عمران خان دہشت گردی کی مذمت کر رہے ہی بلکہ اس کا ذکر ان کی تقریروں میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کی تمام جماعتیں سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس مشترکہ دشمن کے سلسلے میں کم از کم ایک رائے قائم کریں ورنہ اس ملک کا کیا انجام ہوگا وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ نگراں حکومت سے کوئی امید رکھنا بیکار ہوگا وہ اپنے حلوے مانڈے میں مصروف ہے۔

اگر حالات اس طرح ہی رہے اور ملک کے تین صوبے الیکشن سے دور رہے، تین بڑی سیاسی جماعتوں کو دہشت گردی کے زریعے الیکشن سے دور رکھا گیا تو پھر نواز شریف جیتیں یا عمران خان اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان حالات میں یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ آنے والی حکومت اور وزیر اعظم الیکشن سے نہیں طالبان دہشت گردوں کے سلیکشن سے آیں گے، چاہے اگلے وزیر اعظم نواز شریف ہوں یا عمران خان، مولانہ فضل الرحمان ہوں یا سید منور حسن۔ تو پھر یہ سوال کرنا درست لگتا ہے کہ "کیا اگلا وزیر اعظم طالبان کا ہوگا؟

طالبان دہشگردوں کو پاک فوج کا پیغام

پاکستان جمہوری طریقے سے حاصل کیا گیا اور یہ ایک جمہوری ملک ہے۔ اس ملک کو حاصل کرنے کی وجہ مسلمانوں کی اپنی ایک خود مختار ریاست تھا، جس میں انکو مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی آزادی حاصل ہو۔ مگر آج بدقسمتی سے ہم کو نہ ہی مذہبی آزادی ہے اور نہ ہی سیاسی۔ معاشی اور معاشرتی آزادی جب ہوتی ہے جب مذہبی اور سیاسی آزادی ہو۔ آج مذہب کے نام پر انتہا پسندی اور دہشتگردی کا راج ہے اور سیاسی آزادی کے نام پر گذشتہ پانچ سال لیٹروں کا راج رہا۔ بڑی مشکل سے چھیاسٹھ سال بعد آج ہم جمہوریت کے تسلسل کو رواں رکھنے کے لیے 11 مئی کو انتخابات کے عمل سے گذرنے جا رہے ہیں۔ عام انتخابات میں صرف چند روز باقی ہیں، مگر انتخابی گہما گہمی کے مناظر صرف پنجاب میں نظر آرہے ہیں باقی تین صوبے دہشتگردی کا شکار ہیں۔ بلوچستان، خیبر پختونخواہ اور سندھ خاصکر کراچی میں اے این پی، متحدہ قومی مومنٹ اور پیپلز پارٹی کے الیکشن دفاتر یا اُنکی کارنر میٹنگ پر ہونیوالے بم دھماکوں نے عام لوگوں کو خوف زدہ کیا ہوا ہے اور طالبان دہشت گردوں کا اصل مقصد بھی یہ ہی ہے۔ انتخابات کو سبوتاژ کرنے کیلئے دہشت گردکارروائیوں کا دائرہ وسیع کیا جا رہا ہے، تاکہ لوگ اپنے ووٹ کا استمال کم سے کم کرپایں، اور ملک

جمہوری طور پر مستحکم نہ ہونے پائے۔

پاکستان میں دہشتگردوں اور فسادیوں کو لانے کا سہرا تو پاکستان کے سب سے وحشی آمر جنرل ضیاالحق کو جاتا ہے جس نے امریکہ کے ڈالروں اور اپنی حکومت کو طویل کرنے کے لیے روس کے ساتھ افغانستان میں کرائے کی جنگ لڑئی۔اور جب امریکہ میں 9/11 کا واقعہ ہوا تو امریکہ کا سابق ایجینٹ اسامہ بن لادن افغانستان میں موجود تھا۔ اُس وقت افغانستان میں جاہل ملا عمر کی طالبانی حکومت تھی جسکو امریکہ کی رضامندی سے صرف تین ممالک نے تسلیم کیا ہوا تھا یعنی پاکستان، متحدہ عرب عمارات اور سعودی عرب۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ امریکہ جس نے کہا تھا کہ 11/9 کے واقعہ میں 17 سعودی عرب اور 2 متحدہ عرب عمارت کے باشندے شامل ہیں سیدھا دوڑا افغانستان کیوں چلا آیا۔ اسکی وجہ اسامہ بن لادن تھا جسکو ملا عمر نے پناہ دی ہوئی تھی اور بقول امریکہ اسامہ اور اسکے ساتھی اس دہشت گردی کے ماسٹر مائنڈ تھے اور امریکہ اپنے پالتو کو کبھی نہیں چھوڑتا، جدید تاریخ میں صدام حسین اسکی ایک مثال ہے۔اور جب پاکستان کی افواج اور عوام اس جنگ میں اپنی سرزمین کو بچانے کے لیے حرکت میں آئے تو یہ پاکستان کی افواج اور پاکستانی عوام کے خلاف دہشت گردی پر اتر آئے۔طالبانی حکومت بنوانے کا سہرا جماعت اسلامی، مولانہ فضل الرحمان اور بے نظیر کو جاتا ہے۔ یہ سانپ اِن کے ہی پالے ہوئے ہیں اور سانپ چونکہ

کسی کے نہیں ہوتے اسلیے جب بے نظیر کو ہوش آیا اور انکی شدت سے مخالفت کی تو 2007 میں بے نظیر کو ڈس لیا۔ گذشتہ گیارہ سال سے یہ دہشتگردی اتنی بڑھ گی ہے کہ اب پاکستان کا کوئی باشندہ اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ اب جبکہ انتخابات میں صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں، حال یہ ہے کہ ملک کے تین صوبوں میں کوئی بھی سیاسی جماعت ابھی تک جلسے جلوسوں کی سیاست شروع نہیں کر سکی ہے، صرف پنجاب میں ایسا لگتا ہے کہ الیکشن ہونے جارہے ہیں۔ اے این پی ، متحدہ قومی مومنٹ اور پیپلز پارٹی اپنی انتخابی مہم نہیں چلاپارہی ہیں۔ پیپلز پارٹی اور اسکے اتحادی اپنی گذشتہ پانچ سالہ کارکردگی کی وجہ سے سیاسی طور پر ختم ہونے جارہے ہیں اور بقول عمران خان کہ آصف زرداری تو پیپلز پارٹی پر خود کش حملہ کرچکا ہے۔ اس دہشت گردی میں جس میں صرف عام لوگ اپنی جان سے جارہے ہیں ، اگر دہشتگردی کا سلسلہ جاری رہا تو ان جماعتوں کو سیاسی موت کی جگہ سیاسی شہادت مل جائے گی۔

پیپلز پارٹی کی حکومت کا صرف ایک ماہ باقی تھا کہ اچانک طالبان دہشتگردوں کی طرف سے حکومت سے مذاکرات کی مشروط پیش کش کی گئ تھی جس میں انہوں نے پاکستانی فوج پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے میاں نواز شریف، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان اور امیر جماعت اسلامی سید منور حسن کی مذاکرات سے متعلق ضمانت مانگی تھی۔ میاں نواز شریف نے تو چپ

سادھ لی مگر مولانہ فضل الرحمان اور جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن بہت پر جوش تھے۔جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن نے تو فوج کو نصیحت بھی فرمائی کہ وہ طالبان سے کوئی وعدہ خلافی نہ کریں اور حکومت کو حکم فرمایا کہ وہ فورا مذاکرات کرے اور طالبان کو ایک ٹی وی انٹرویو میں سلام بھی پیش کیا۔ اس مشروط مذکرات کی پیشکش کا مطلب حکومت سے مذکرات کرنا ہرگز نہیں تھا بلکہ اپنے امیدواروں کا بتانا تھا۔ نواز شریف کا نام تو رسما لیا گیا تھا، اصل مقصد جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام (ف) کی مدد کرنا تھا۔ لیکن چونکہ نہ حکومت نے اس کا کوئی جواب دیا اور نہ ہی عام لوگوں نے لہٰذا دہشتگردی میں اضافہ ہوگیا ہے۔ آپ نوٹ کریں جب بھی سید منور حسن یا مولانہ فضل الرحمان سے طالبانی دہشتگردی کے حوالے سے کوئی سوال کیا جاتا ہے یہ دونوں کبھی طالبان کی مذمت نہیں کرتے اور نہ ہی دہشتگردی کا شکار ہونے والوں سے ہمدردی۔

طالبان کے مذاکرات کی پیشکش کا جواب 30 اپریل کی شب یوم شہدا پر پاکستان کے فوجی سربراہ نے بھرپور انداز میں دیا۔ آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے کہاہے کہ الیکشن گیارہ مئی کو ہوں گے، دہشتگردی کیخلاف جنگ کو صرف فوج کی جنگ " سمجھنا ہمیں انتشار کی طرف لے جائے گا، پاکستان مزید کسی انتشار کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اُن کا کہنا تھا کہ ایک اہم سوال دہشت گردی کیخلاف جنگ

ہے، کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ یہ ہماری جنگ ہے۔ایک سپاہی کا ذہن اور مشن اس قسم کے شکوک کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ کئی حلقے اس بحث میں الجھنا چاہتے ہیں کہ یہ جنگ کیوں شروع ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اور پاکستانی عوام آج اس جنگ کا نشانہ ہیں، دہشت گردی کا ناسور اب تک ہزاروں پاکستانیوں کی جان لے چکا ہے، شہیدوں کے لواحقین اور زخمیوں کو شامل کرلیں تو تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔اگر کوئی ٹولہ ہم پر اپنے نظریات مسلط کرنا چاہے تو اسے کس طرح برداشت کیا جاسکتا ہے۔ ملک اور آئین سے بغاوت کبھی برداشت نہیں کی گئی، پاکستان اس کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا۔ ہتھیار بند قومی دھارے میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو آئین کو تسلیم کریں تو انہیں خوش آمدید کہیں گے"۔

یہ پیغام ویسے تو جنرل کیانی کا ہے مگر یہ پیغام پوری پاک فوج کا ہے اور پوری پاکستانی قوم کا ہے۔ اس پیغام میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ دہشت گردی کیخلاف جنگ ہماری جنگ ہے پوری قوم کی جنگ ہے اسلیے طالبان دہشتگردوں کی دہشتگردی ، ملک اور آئین سے بغاوت کبھی برداشت نہیں کی جائے گی۔ طالبان دہشتگرد اور ان کے ہمدردوں کو پاکستانی قوم کی طرف سے یہ کھلا پیغام ہے کہ پہلے اپنی دہشتگردی بند کرو، ہتھیار ڈالو اور پاکستان کے آئین کو تسلیم کرو تو خوش آمدید ورنہ طالبان دہشتگردوں کو پاک فوج کا پیغام پوری پاکستانی قوم کا پیغام ہے۔

گیارہ مئی چھٹی کا نہیں وُوٹ کا دن ہے

اس ملک کی تاریخ میں یہ دن پہلی مرتبہ آرہا ہے کہ گیارہ مئی 2013 کو پوری پاکستانی قوم جمہوریت کے تسلسل کے لیے اپنے وُوٹ کا استمال کرے گی۔یعنی ایک جمہوری حکومت کی مدت کے بعد دوسری جمہوری حکومت کا قیام۔ بد نصیبی سے ہمارے ملک کے سیاسی حالات ایسے رہے ہیں کہ جو ملک جمہوری طور سے حاصل کیا گیا اس میں ایک جمہوری حکومت آتی مگر اسکے بعد ایک جنرل کی حکومت آجاتی اور وہ چونکہ غیر جمہوری ہوتی اسلیے ایسی حکومت ہمیشہ لمبی مدت رہی ہے اور آمر کی خواہش کے بر عکس ختم ہوئی ہے۔ 1988 سے 1999 تک دو دو سال کا کھیل جمہوریت کے نام پر کھیلا گیا مگر اس میں بھی اس میں بھی فوج کے جنرلوں کا عمل دخل رہا جس کی ایک مثال IJI کا قیام تھا۔ہرحال اب 11 مئی کو پاکستان کے عوام نے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اگلی حکومت کس کی ہوگی۔ ویسے تو الیکشن کمیشن کے پاس 100 سے زیادہ سیاسی پارٹیاں رجسٹرڈ ہیں مگر صرف دس کے قریب ایسی سیاسی پارٹیاں ہیں جن کے بارے عام لوگ جانتے ہیں ۔ ان کی ترتیب کچھ یوں ہے۔پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان مسلم لیگ ن ، پاکستان مسلم لیگ ق ، پاکستان مسلم لیگ فنکشنل، متحدہ قومی مومنٹ، عوامی نیشنل پارٹی، جمیت علمائے پاکستان ف ، جماعت اسلامی، جمہوری وطن پارٹی اور پاکستان تحریک انصاف۔

پاکستان کی موجودہ سیاسی صورتحال میں بظاہر اسوقت سیاسی دنگل میاں نواز شریف کی مسلم لیگ ن اور عمران خان کی پاکستان تحریک انصاف میں ہو رہا ہے۔ دہشت گردی کی وجہ سے پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی اور ایم کیو ایم اپنی سیاسی سرگرمیاں بھرپور طریقے سے نہیں چلا پا رہے ہیں اور اب اس دہشت گردی میں جمیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی بھی شامل ہوگئے ہیں۔ ایک دوسری صورتحال یہ ہے کہ بھرپور سیاسی سرگرمیاں صرف پنجاب میں ہیں باقی تین صوبے دہشت گردی کا شکار ہیں۔ ایک سیاسی المیہ ہمارے ملک کا یہ ہے کہ مندرجہ بالا سیاسی پارٹیوں میں سے ایک بھی قومی سطع کی پارٹی نہیں ہے۔ 1997 میں میاں نواز شریف کو یہ اعزاز حاصل ہوا تھا مگر وہ اس کو برقرار نہ رکھ سکے۔ عمران خان کی پاکستان تحریک انصاف نے دیکھتے ہی دیکھتے جو مقبولیت حاصل کی ہے وہ نوجوان نسل کے لیے یقینا حیران کن ہے مگر ان لوگوں کے لیے بلکل نہیں جنھوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو مقبول ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر یہ کہنا بلکل بجا ہوگا کہ عمران خان اس وقت ملک میں مقبول لیڈر ہیں۔ بظاہر جو سیاسی صورتحال ہے اس میں کسی بھی جماعت کا سادہ اکثریت بھی حاصل کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ عمران خان اور نواز شریف دونوں کی دلی خواہش یہ ہے کہ وہ صرف اپنی پارٹی کی اکثریت کی بنیاد پر حکومت بنایں۔ ویسے تو قومی اسمبلی کی 342 نشستیں ہیں مگر ان میں 60 خواتین اور 10 اقلیت کے لیے مخصوص ہیں جو پارٹی

کی حاصل کردہ نشستوں کے تناسب سے ملتی ہیں۔اسطرح 242 نشستوں پر براہ راست مقابلہ ہونا ہے۔جس میں پنجاب اور اسلام آباد کی 150 ، سندھ کی 61 ، خیبر پختونخواہ کی 35، بلوچستان کی 14 اور فاٹا کی 12 نشستیں ہیں۔اقتدار کا ہمااُسکے سر پر بیٹھے گا جو پنجاب میں اکثریت حاصل کرئے گا، سادہ اکثریت کے لیے کسی بھی جماعت کو اکیلے یا دوسری جماعتوں کو شامل کرکے 136 ارکان لازمی چاہیے۔سیاسی پارٹیوں میں پہلے اور دوسرے نمبر پر پاکستان تحریک انصاف اور مسلم لیگ ن میں سے کوئی پہلے اور دوسرے نمبر پر ہونگے۔جبکہ تیسرے نمبر پر پیپلز پارٹی اور چوتھے نمبر پر ایم کیو ایم نظر آرہی ہیں۔مسلم لیگ ق، عوامی نیشنل پارٹی ، جمیت علمائے پاکستان ف، پاکستان مسلم لیگ فنکشنل اور جمہوری وطن پارٹی بعد میں آتی ہیں، جو اپنے مخصوص حلقوں میں نشستیں حاصل کرلینگی ، جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے اسکے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا یہ ایک منظم جماعت ہے، اسکے ہمدرد پورے پاکستان میں ہیں مگر اسکا کوئی ایسا حلقہ نہیں جہاں اسکی کامیابی یقینی ہو، امیدوار تو اس نے کافی کھڑے کیے ہیں مگر زیادہ زور کراچی پر ہے مگر اسکے ہمدردوں سے معذرت کے ساتھ کراچی میں بھی اس کا ایک نشست حاصل کرنا ناممکن نہیں تو بے انتہا مشکل ضرور ہوگا۔جہاں تک صوبوں کی حکومت کا سوال ہے صوبہ پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں مسلم لیگ ن یا پاکستان تحریک انصاف میں سے کسی ایک کی حکومت بنے گی۔صوبہ سندھ میں دو پرانے اتحادی یعنی پیپلز پارٹی اور ایم کیوایم کی حکومت کے

زیادہ امکان ہے۔ جبکہ بلوچستان میں ایک مخلوط حکومت بنے گی مگر اس مرتبہ امکان ہے کہ اس کی رہبری جمہوری وطن پارٹی کے حصے میں آئے۔ بظاہر جو سمجھ میں آرہا ہے اسکا ایک تجزیہ آپکے سامنے پیش کردیا ہے لیکن انہونیوں کو کون ٹال سکتا ہے اور غیب کے بارے میں صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات ہی جانتی ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ سارا تجزیہ دھرارہ جایگا جب اس سے مختلف نتایج آیں گے اور وہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ہم 11 مئی کو لازمی پولنگ اسٹیشن جایں اور اپنے ووٹ کا استمال کریں اور جس پارٹی کے ہم حامی ہیں اسکو لازمی ووٹ ڈالیں۔ یہ بات بھی نوٹ کرلیں کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے ووٹ ڈالنے کے باوجود آپکی پارٹی جیت نہیں پائے گی پھر بھی ووٹ ضرور ڈالیں اسکے دو فاہدے ہیں کہ جب یہ ریکارڈ بنایا جایگا کہ کس پارٹی نے کتنے ووٹ لیئے تو آپکا ووٹ بھی شامل ہوگا اور دوسری طرف پوری دنیا کو بھی یہ پیغام جائے گا کہ کتنے فیصد پاکستانیوں نے ووٹ کا استمال کیا تب بھی آپکا ووٹ اس میں شامل ہوگا۔ جس قدر زیادہ ووٹ ہونگے اس قدر ہی ہم ایک جمہوری ملک کہلاینگے۔ انشااللہ روشنی ضرور ہوگی، خدا کرے کہ الیکشن ایک مثبت تبدیلی لائے، لٹیروں اور نااہلوں سے چھٹکارا ملے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذرا سی سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص اس بات کا فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ کس کو ووٹ دئے جو ملک و قوم کے

لیے بہتر ہو۔ یقیناً اب آپ بھی اس بات سے متفق ہونگے کہ گیارہ مئی چھٹی کا نہیں ووٹ کا دن ہے۔ کاش اس الیکشن کے بعد ہم کرپشن اور دہشت گردی سے پاک معاشرہ دیکھیں، آمین۔

نوٹ: آپکو پورا پورا حق ہے کہ آپ اس مضمون سے مکمل طور پر یا اسکے کسی حصے سے اختلاف کریں لیکن برائے مہربانی تبصرہ کرتے وقت تمیز کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔
شکریہ

ایم کیو ایم اپنی تباہی کی طرف گامزن

گیارہ مئی 2013 کے الیکشن سے قبل ایم کیو ایم گذشتہ پانچ سال تک ایک ایسی حکومت کا حصہ رہی ہے جس سے زیادہ کرپٹ حکومت کی مثال پاکستان کی تاریخ میں نہیں ہے، اسکے علاوہ ایم کیو ایم پر یہ عام الزامات تھے کہ بھتہ خوری اور ٹارگیٹ کلنگ میں یہ جماعت ملوث ہے اور اسکے سب سے زیادہ لوگ ان جرائم میں پکڑے بھی گے ہیں۔
اسکے ساتھ ساتھ دوسری طرف ایم کیو ایم کو پیپلز پارٹی اور اے این پی کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کا نشانہ بھی بنایا جارہا تھا۔ اسی ماحول میں گیارہ مئی کے الیکشن ہوئے، عوام کافی تعداد میں باہر آئے اور ووٹ ڈالے مگر اُسی شام الیکشن کمیشن نے کراچی میں ہونے والے الیکشن میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرلیا اور اس سے پہلے ہی جماعت اسلامی اور کچھ اور جماعتوں نے الیکشن کے بایکاٹ کا اعلان کردیا۔ یہ درد سر الیکشن کمیشن کا تھا کہ کہاں کہاں دھاندلی ہوئی اور اسکو کیسے ٹھیک کرے۔
الیکشن کمیشن آف پاکستان کی کوتاہیاں اور ناکامیاں ایک داستان کی صورت میں ہم سب جان چکے ہیں۔ کراچی سے لیکر فاٹا تک ہر کوئی الیکشن کمیشن کو رو رہا ہے۔ مگر یہ رونا تو ابھی کا ہے اور جلد ہی ختم ہوجائے گا لیکن کراچی کے عوام

تو ایک عرصہ دراز سے رو رہے ہیں، ایک دن بھی سکون کا نہیں گذرتا ہر سال مرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا شہر ہو جہاں یہ صورتحال ہو۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جو شہر روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا، جسے منی پاکستان بھی کہا جاتا ہے امن وامان کا گہوارا ہوا کرتا تھا، اب یہ شہر جرائم پیشہ افراد، دہشت گردوں، بھتہ خوروں، لٹیروں اور سفاک قاتلوں کے مکمل قبضہ میں ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قانون نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور پورا شہر بغیر کسی قانون کے چل رہا ہے۔

2012 میں کراچی میں ناگہانی اموات کی تعداد 2300 سے زیادہ ہے۔

ہر شعبے کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے مثلا ایک ڈاکٹر جب اپنے شعبے کے بارے میں بات کرتا ہے تو وہ میڈیکل کی زبان کہلائے گی، ٹھیک اسطرح سیاست کی بھی ایک زبان ہوتی ہے اور ایک سیاست دان جب کوئی بیان دیتا ہے یا بات کرتا ہے تو وہ ایک سیاسی زبان استمال کرتا ہے وہ اپنے مخالفوں کو جب مخاطب کرتا ہے تو انکی تمام برائیوں کا ذکر کرتا ہے لیکن اپنی زبان سے ناشاستہ بات نہیں کرتا لیکن بدقسمتی سے الطاف حسین کو اپنی زبان پر بلکل قابو نہیں ہے، جنوری 2013 کی بات ہے کہ وہ اپنی اور علامہ طاہرالقادری کی دہری شہریت کی وکالت کرتے ہوئے قائداعظم پر حملہ کر بیٹھے الطاف حسین نے کہا تھا کہ " قائداعظم محمد علی جناح سلطنت برطانیہ کے وفادار تھے "، الطاف حسین نے دعویٰ کرتے ہوئے

کہا کہ وہ ثابت کر دیں گے کہ قائدِ اعظم کے پاس برطانوی پاسپورٹ تھا۔ یہ بات نہ قابل سمجھ ہے کہ الطاف حسین کو قائدِ اعظم محمد علی جناح سے کیا تکلیف ہے۔ ایسا پہلی مرتبہ نہیں کہ الطاف حسین نے قائدِ اعظم کے متعلق بیان دیا ہو۔ اب سے کچھ عرصے پہلے بھی وہ قائدِ اعظم کو سیکولر بنا چکے ہیں۔ اس سے قبل ہندوستانی دورے میں الطاف حسین پاکستان کی نفی کر چکے ہیں، چند سال قبل دہلی میں الطاف حسین نے کھلے عام لفظوں میں ہندوستان کی بیوروکریسی سے التجا کی تھی کہ کراچی میں ''مہاجروں'' کیلئے بارڈر کھول دیا جائے تاکہ وہ سب اپنے گھروں میں واپس لوٹ آئیں۔ الطاف حسین کے متنازعہ بیانات سے نہ صرف ایک محبِ وطن پاکستانی کو دکھ ہوتا ہے بلکہ انکی اپنی سیاسی جماعت کو بھی نقصان ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر ان لوگوں کو دکھ ہوتا ہے جن کے بزرگوں نے قائدِ اعظم کی آواز پر لبیک کہا اور پاکستان ہجرت کی۔ الطاف حسین کہتے ہیں کہ 99 فیصد عوام کو تاریخ سے آگاہی نہیں جبکہ وہ خود تاریخ سے نابلد نظر آتے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستان مسلم لیگ ن کو اسکی کامیابی پر مبارکباد سبکو دینی چاہیے تھی مگر ہمارے ملک میں یہ رواج قائم ہونے میں ابھی کچھ عرصہ لگے گا۔ نواز شریف کو سب سے پہلے الطاف حسین نے ہی مبارک باد دی لیکن اسکے ساتھ ساتھ حسب دستور اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکے اور ان پر پنجابی

مینڈیٹ کی پھبتی کسی اور اسے جاگ پنجابی جاگ کے نعرے کا نتیجہ قرار دے ڈالا، ان کے اس بیان کو عام طور پر ناپسند کیا گیا۔ دوسرے روز انہوں نے پاکستان کے حکمرانوں اور ارباب اختیار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ " اگر آپ کو کراچی اور کراچی کے عوام کا مینڈیٹ پسند نہیں ہے تو صبح شام کراچی والوں کو مغلظات بکنے کی بجائے کراچی کو پاکستان سے علیحدہ کیوں نہیں کر دیتے"۔ اس بیان پر پورے پاکستان میں احتجاج کیا گیا۔ اگلا بیان پی ٹی آئی کی حمایت میں دھرنا دینے والوں کو دھمکی تھا۔ پھر پاکستانی میڈیا کے لیے فرمادیا کہ "کارواں چلتے ہیں، کتے بھونکتے ہیں"۔ اسکے علاوہ وہ مسلسل اپنی تقریروں میں گندی زبان استمال کرتے رہے ہیں۔ ایک سیاسی لیڈر کے طور پر یہ زبان جو گذشتہ چند دنوں میں انہوں نے استمال کی ہے اسکو کبھی بھی پسند نہیں کیا جا سکتا۔ لگتا ہے الطاف حسین اپنے خلاف بات نہ سننے کے اسقدر عادی ہوگے ہیں کہ وہ تھوڑی سی مخالفت ہونے پر ہی گھبرا گے ہیں۔

پاکستانی عوام نے سابقہ حکومتی اتحاد کی چار پارٹیوں میں سے اے این پی اور مسلم لیگ ق کو تو مکمل طور پر رد کر دیا جبکہ پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم اپنے اپنے علاقوں سے ہی کامیاب ہو پائے، چار کے ٹولے نے گذشتہ پانچ سال میں عام لوگوں کو جو کچھ دیا اسکا بدلہ عوام نے لے لیا۔ کراچی میں کافی عرصے سے عام لوگ خوف اور دہشت کے ماحول میں ہیں اور لوگ اس کو بدلنا چاہتے ہیں یہ

ہی وجہ ہے کہ اس مرتبہ ایم کیو ایم کے خلاف کراچی سے آواز اٹھی ہے اور اگر ایم کیو ایم اور اسکے لیڈر اپنی سیاسی بقا چاہتے ہیں تو انکو اپنے طور طریقے بدلنے ہونگے اور خاصکر الطاف حسین کو اپنی زبان پر قابو کرنا ہوگا۔ ورنہ کہا جاسکتا ہے کہ ایم کیو ایم اپنی تباہی کی طرف گامزن ہے۔

نوٹ: برائے مہربانی اس مضمون پر تبصرہ ضرور کریں مگر اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں

نواز شریف کے وعدے اور کرپشن کا خاتمہ

سب سے پہلے تو گیارہ مئی 2013 کے الیکشن میں کامیابی پر محترم نواز شریف اور ان کی آنے والی حکومت کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد۔ اپنی الیکشن مہم کے دوران نواز شریف نے اپنی قوم سے بہت سے وعدے کیے ہیں ، وہ سابقہ حکومت کی کرپشن پر بھی بہت برسے ہیں، آج قوم نے انکو یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنے وعدے پورے کریں، پاکستانی قوم اُن سے امید کرتی ہے کہ وہ اپنے وعدے ضرور پورے کرینگے۔ یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ نواز شریف ایک ایسے وقت میں اس ملک کے وزیراعظم بننے والے ہیں جبکہ گذشتہ پانچ سال کے دوران پیپلزپارٹی کی سابقہ حکومت کے دور میں بدترین کرپشن، دہشت گردی، ٹارگیٹ کلنگ، توانائی کا بدترین بحران، بری گورننس، معیشت کی بدحالی اور غربت کے ساتھ ساتھ اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوا ، مشرف دور کے 34 بلین ڈالر کے قرضے پانچ سال میں ڈبل ہوگے، 62 روپے کا ڈالر اب 100 روپے کا ہے، ملک کے تمام ادارے تباہ ہوچکے ہیں۔ مسائل سے گھرے اس پاکستان میں بے شمار مسائل ہیں لیکن اگر چار بنیادی مسائل کے حل پر پوری توجہ دی جائے تو امید ہے کہ بہت سے مسائل بھی خودبخود حل ہوجاینگے۔ ہمارے چار بنیادی مسائل ہیں: کرپشن، دہشت گردی، توانائی کا

بحران، معیشت کی بحالی۔ کیونکہ یہ چاروں مسائل اسقدر گھمبیر ہیں کہ ایک مضمون میں اُن کا احاطہ کرنا نہ صرف مشکل بلکہ شاید میرے لیے ناممکن بھی ہے۔ لہٰذا آج اس مضمون میں صرف کرپشن کے مسلہ پر بات ہوگی۔

کرپشن ہمارے ملک میں کینسر کی شکل اختیار کر چکا ہے، کرپشن نے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ کرپشن کا کینسر نہ صرف ہمارے سیاستدانوں، سرکاری اداروں بلکہ عام لوگوں میں بھی سرایت کر چکا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ بحیثت قوم ہم میں تھوڑے یا زیادہ کرپشن کے جراثیم ضرور پائے جاتے ہیں ۔ کرپشن کی بہت سی اقسام ہیں، مثلا سیاسی کرپشن ، معاشی کرپشن، عدالتی کرپشن، رشوت، اقربا پروری ، دھونس، دھاندلی، سیاسی اور سرکاری اختیارات کا ناجائز استعمال ، یہ تمام کرپشن ہم روز دیکھتے یا سنتے ہیں۔پاکستان میں کرپشن کی وجوہات میں کمزور سول سوسائٹی ، احتساب کا ناقص اور کمزور نظام ہیں۔

پیپلزپارٹی کی سابقہ حکومت کے دور میں ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی سالانہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ہر سال کرپشن میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے، پچھلے پانچ 2012 برسوں کے دوران 12 ہزار 600 ارب روپے کی کرپشن کی گئی جو ایک ریکارڈ ہے۔ یہ رقم سالانہ 2520 ارب روپے اور یومیہ تقریباً 7 ارب روپے بنتی

ہے۔ ٹرانسپیرنسی انٹر نیشنل کے مطابق بدعنوانی کے حوالے سے پاکستان 47 نمبر سے نمبر پر آگیا ہے۔ اسی طرح سے 28 نومبر 2012 کو ورلڈ جسٹس پراجیکٹ کی سالانہ 33 رپورٹ میں پاکستان کو 97 بدعنوان ممالک کی فہرست میں ساتواں بدعنوان ترین ملک قرار دیا گیا تھا۔ دو عالمی اداروں کی طرف سے پاکستان میں کرپشن میں ریکارڈ اضافہ کی یہ رپورٹیں پیپلز پارٹی کی حکومت کی بدعنوانیوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آج آپ کسی بھی ادارے کو دیکھ لیں، پی آئی اے، اسٹیل مل اور ریلوے کا حال تو سب جانتے ہیں مگر اس کے علاوہ وہ کونسا محکمہ ہے جو کرپشن سے پاک ہے۔ بینکوں سے قرض لے کر معاف کرانے والوں کی اس ملک میں کمی نہیں، سرکاری کاموں کے ٹھیکے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو دینا سابقہ حکومت کا اولین کام رہا ہے۔ جب ملک میں کرپشن کا راج ہو تو پھر صنعتی و کاروباری اداروں کے لئے کام کرنا مشکل ہوتا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ ملکی صنعت کار دیگر ممالک کا رخ کر رہے ہیں، غیر ملکی سرمایہ کاری جو پاکستان جیسے ملک کی معیشت کو ترقی دینے میں آکسیجن کا کام کرتی ہے نہ ہونے کے برابر ہے، دہشت گردی اور لاقانونیت بھی کرپشن کی ہی پیداوار ہیں۔ جن ممالک میں احتساب کا نظام مضبوط ہے ان ممالک میں یا تو کرپشن ہے ہی نہیں یا پھر بہت کم لیکن جن ممالک میں احتساب کا نظام کمزور ہو یا احتساب کرنے والے خود کرپشن میں ملوث ہوں وہاں کرپشن کو خوب مواقع ملتے ہیں جیسا کہ پاکستان میں عام دیکھا جاسکتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا عدالتی نظام ناکارہ ہے اور ہماری ماتحت

عدالتوں میں بھی کرپشن عام ہے۔ ترقی یافتہ اقوام نے اپنے کرپشن زدہ مجرموں کو جو ملک کی ترقی میں رکاوٹ تھے دوسروں کے لئے عبرت کا ایک نشان بنا دیا۔ چین کی مثالیں موجود ہیں وہاں بڑے بڑے وزرا کو صرف کرپشن کے الزام میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا، یہ ہی وجہ ہے کہ چین میں کرپشن نہ ہونے کے برابر ہے۔

اگر نواز شریف حکومت کرپشن ختم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو امید کی جا سکتی ہے کہ دہشت گردی، توانائی کا بحران، معشیت کی بحالی کے مسائل حل کرنے میں انکو وہ مشکلات نہیں ہونگی جو کرپشن کے ہوتے ہوئے ہیں۔ کرپشن اور دہشت گردی کا ساتھ ہے، دہشت گرد اپنے منصوبوں میں زیادہ تر ان کرپٹ لوگوں سے معلومات حاصل کرتے ہیں جو اپنے تھوڑے سے فاہدے کے لیے دہشت گردوں کے ہاتھ بک جاتے ہیں۔ توانائی کے بحران میں بھی اصل کردار کرپشن کا ہی ہے، رینٹل پاور کیس اسکی ایک مثال ہے، معیشت کی بدحالی میں بھی سب سے زیادہ ہاتھ کرپشن کا ہی ہے، اسکی مثال غیر ملکی سرمایہ کاری کے ناپید ہونے میں کرپشن سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر نواز شریف چاہتے ہیں کہ وہ ملک کے لیے کچھ کریں تو سب سے پہلے انکو کرپشن کو ختم کرنے کے لیے احتساب کا نظام مضبوط بنانا ہوگا، اور کرپشن کے خاتمے کے لیے مکمل غیر جانبداری کا ایک شفاف مظاہرہ کرنا ہوگا۔ کسی بھی قسم کی جانبداری انکی تمام محنت پر پانی پھیر دیگی۔ کیا نواز شریف ایسا

کرپاینگے ؟ اگر نواز شریف واقعی پاکستان سے مخلص ہیں اور اپنا نام تاریخ میں اچھے الفاظ
میں دیکھنا چاہتے ہیں تو پاکستان سے کرپشن کا خاتمہ انکی اولین ترجیع ہونا لازمی ہے۔

طالبان دہشت گردوں کا مذکرات سے انکار

طالبان دہشت گردوں نے ایک امریکی ڈرون حملے میں اپنے دہشت گرد ساتھی ولی الرحمان جس کے سر کی قیمت امریکہ نے پچاس لاکھ امریکی ڈالر مقرر کی تھی، اُسکی ہلاکت کی تصدیق کرتے ہوئے رواں ہفتے میں برسر اقتدار آنے والی نواز شریف کی حکومت سے امن مذاکرات کی پیشکش واپس لینے کا اعلان کیا ہے۔ طالبان کے ترجمان نے پاکستانی اداروں پر الزام عائد کیا کہ وہ امریکی ڈرون حملوں کے لیے معلومات فراہم کرتے ہیں اور اس ماحول میں طالبان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ حکومت سے مذاکرات کریں۔ اس کے ساتھ ہی طالبان دہشتگردوں نے پاکستان کی حکومت اور فوج کو بدلہ لینے کی دھمکی بھی دی ہے۔ یاد رہے مذکرات کی یہ دعوت طالبان نے از خود فروری 2013 میں دی تھی، طالبان نے ایک ویڈیو پیغام میں حکومت کو مذاکرات کی دعوت اس شرط پر دی تھی کہ اگر مولانا فضل الرحمن، نواز شریف اور سید منور حسن فوج یا حکومت کے لیے ضمانت دیں تو مذاکرات کامیاب ہو سکتے ہیں۔ طالبان کی اس پیشکش کے فوری بعد جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن اور جمعیت علماء اسلام ف کے سربراہ مولانا فضل الرحمان نے بہت پر جوش انداز میں اسکا خیر مقدم کیا تھا۔ پاکستان مسلم لیگ [ن] کے صدر نواز شریف نے ایک بیان میں کہا تھا کہ طالبان کی طرف

سے مذاکرات کی پیشکش کو سنجیدگی سے لینا چاہیے اور اب انتخابات میں واضح اکثریت حاصل کرنے کے بعد بھی نواز شریف نے کہا ہے کہ وہ طالبان سے مذکرات کرنے میں سنجیدہ ہیں۔انکا کہنا ہے کہ اس سے ملک میں امن آئے گا۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان بھی طالبان سے مذکرات کے حامی ہیں اور کسی بھی قسم کے طالبان کے خلاف فوجی آپریشن کے سخت خلاف ہیں۔

مذاکرات کی دعوت کے بعد نہ ہی امریکہ نے ڈرون حملے بند کیے اور نہ ہی طالبان نے اپنی دہشت گردی بند کی، بلکہ انتخابات کے دوران طالبان نے پورے ملک میں ایسا ماحول بنادیا کہ پنجاب کے علاوہ کہیں پر بھی انتخابات کا ماحول نہیں تھا۔ انتخابات سے پہلے اے این پی نے ایک کل جماعتی کانفرس کی تھی جس کے بعد جمعیت علماء اسلام [ف] کے سربراہ مولانا فضل الرحمان کے ذریعے طالبان سے مذاکرات شروع کرنے کے لیے کوششیں کی گئی تھیں لیکن وہ کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں۔ ابھی کچھ دن پہلے جمعیت علماء اسلام [س] کے سربراہ مولانا سمیع الحق کے بقول نواز شریف نے ان سے رابطہ کیا اور طالبان سے مذکرات میں اُن کی مدد کی درخواست کی، دوسری طرف تحریک انصاف کے رہنما اور خیبر پختونخواہ کے نئے وزیر اعلی پرویز خٹک نے بھی مولانا سمیع الحق سے امن وامان کے قیام کے لیے طالبان سے مذاکرات شروع کرنے کے لیے مدد طلب کی تھی۔ مولانا سمیع الحق نے ایک بیان میں فرمایا کہ طالبان انھیں باپ کا درجہ دیتے

ہیں اور ان کے دارلعلوم سے فارغ التحصیل طالبان افغانستان میں جہاد کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نواز شریف ہمت کریں اور بیرونی دباؤ میں نہ آئیں تو مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق انیس سو اٹھاسی سے دارالعلوم حقانیہ کے سربراہ ہیں جہاں سے ہزاروں طالبان نے دینی تعلیم حاصل کی ہے۔ ہم تو اب تک سید منور حسن اور مولانہ فضل الرحمان کو ہی طالبان کا پیٹی بند بھائی سمجھتے تھے مگر اب پتہ چلا کہ طالبان کے باپ بھی موجود ہیں جو مولانا سمیع الحق ہیں۔

جہاں تک افغانستان کے طالبان کا تعلق ہے نہ انھوں نے مذکرات کی دعوت دی ہے اور نہ ہی نواز شریف اور عمران خان نے ان سے مذکرات کی بات کی ہے، مولانہ فضل الرحمان نے مذاکرات سے انکار پر افسوس کا اظہار کیا ہے جبکہ جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن نے شمالی وزیرستان میں ڈرون حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ آنے والی حکومت کے لیے سب سے بڑا چیلنج امریکی ڈرون حملے ہیں جنہیں روکنے کے لیے فوری پالیسی نہ بنائی گئی تو عوام کا نئی حکومت پر اعتماد مایوسی میں بدلتے دیر نہیں لگے گی۔ لگتا ہے جماعت اسلامی جو گرگٹ کی طرح سے رنگ بدلنے میں ماہر ہے اب شاید اُسکو تحریک طالبان پاکستان کے دہشت گردوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہےاور منور حسن کا یہ بیان نواز شریف کے وزیراعظم بننے سے پہلے ہی اُن کے خلاف جماعت اسلامی کا پہلا حملہ ہے۔

کیونکہ جماعت اسلامی کے ترجمان روزنامہ "جسارت" نے اپنے 21 مئی کے اداریئے بعنوان "میاں صاحب کی طالبان کو پیشکش" میں لکھا ہے کہ

مسلم لیگ ن کے صدر اور متوقع وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے گزشتہ پیر کو اپنی" پارٹی کے نو منتخب ارکان اسمبلی سے خطاب کیا جس میں انہوں نے بطور حکمران اپنی آئندہ کی حکمت عملی کا خاکہ پیش کیا ہے۔ میاں نواز شریف کے خطاب کا اہم نکتہ طالبان سے مذاکرات کا ہے جسے انہوں نے بہترین راستہ قرار دیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق میاں صاحب طالبان سے مذاکرات کے لیے جمعیت علماء اسلام (س) کے مولانا سمیع الحق کی خدمات حاصل کررہے ہیں۔ مولانا سمیع الحق کا دعویٰ ہے کہ وہ طالبان کے باپ ہیں اور 90 فیصد طالبان ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ لیکن کون سے طالبان؟ یہ وہ طالبان تو ہوسکتے ہیں جو افغانستان میں غیر ملکی تسلط کے خلاف جہاد کررہے ہیں۔ ان کی قیادت بھی مدارس سے فارغ التحصیل ہوگی لیکن وہ جو اپنے آپ کو پاکستانی طالبان کہتے ہیں اور تحریک طالبان پاکستان چلارہے ہیں، ان کی قیادت اور کارکنوں کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ مدارس کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں اور کسی عالم دین کی بات ماننے پر تیار ہوں گے۔ سیکولر طبقے کی طرف سے مدارس پر طرح طرح کے الزامات کے باوجود کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے جو مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کے قتل کو جائز قرار دیتا ہو۔ ہر عالم دین یہ بات خوب سمجھتا ہے کہ جس نے کسی

بے گناہ انسان کا خون کیا اس نے گویا پوری انسانیت کا خون کر دیا۔ دوسری طرف قتل وغارت گری کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جن میں بے گناہ انسان بڑی تعداد میں مارے گئے اور طالبان نے ان واقعات کی ذمہ داری قبول کرلی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ انہیں دین اسلام کا صحیح شعور ہے اور انہوں نے کسی عالم دین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہوگا۔ پھر اہم سوال یہ ہے کہ طالبان سے مذاکرات کن بنیادوں پر؟ طالبان کو اس سے پہلے بھی مذاکرات کی پیشکش کی جاچکی ہے اور یہاں تک کہا گیا کہ اگر وہ ہتھیار رکھ دیں تو قومی دھارے میں شامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ مذاکرات کبھی آگے نہیں بڑھ سکے۔ ناکامی کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن طالبان کو اب یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ہر خاص وعام ان کے نام سے خوف کھاتا ہے، عزت یا محبت نہیں کرتا۔ جبکہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے عوام کا دل جیتنا بہت ضروری ہے۔ تحریک طالبان کی مجلس شوریٰ کا موقف ہے کہ پاکستان کے جمہوری نظام اور اس کے محافظ سیکورٹی اداروں کے خلاف ان کی جنگ مقدس جہاد ہے اور اسے قرآن وحدیث سے ثابت بھی کیا جاسکتا ہے۔ ایسی صورتحال میں طالبان سے کیا بات ہو سکتی ہے جو صرف اپنے آپ کو راہ حق پر سمجھتے ہوں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بہت خون، خرابہ ہوچکا۔ اب انہیں نئی حکومت کی طرف سے مذاکرات کی پیشکش سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اصل جہاد تو افغانستان میں ہو رہا ہے جہاں صلیبی اور صہیونی طاقتیں قابض ہیں اور بے شمار مسلمانوں کو شہید کرچکی ہیں"۔

جماعت اسلامی کے ترجمان روزنامہ جسارت کا یہ اداریہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ مرحوم قاضی حسین احمد اور سید منور حسن سے لیکر دوسرے جماعت اسلامی کے رہنما ابتک اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر تحریک طالبان پاکستان کے فسادیوں اور دہشتگردوں کو جھوٹے بیانات کے زریعے جہادی کہتے رہے ہیں۔ دہشتگردی پاکستان کی وہ بیماری ہے جسکا دوا سے علاج کیا جارہا ہے مگر صاف نظرآتا ہے کہ یہ مرض اسقدر بڑھ چکا ہے کہ اب آپریشن کے علاوہ شاید کوئی چارہ نہ ہو۔ اب جبکہ طالبان تو مذکرات سے منکر ہوگے ہیں تو کیا نواز شریف اور عمران خان اب بھی طالبان دہشتگردوں سے مذکرات کرینگے ۔ چلیں ضرور کریں کیونکہ دنیاکے بڑے بڑے مسلئے بات چیت سے ہی حل ہوتے ہیں، مگرجب مذاکرات کا نتیجہ نہ نکلے تو پھرآپریشن لازمی ہوگا۔ دوسری طرف اپنی خارجہ پالیسی میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ پاکستان اور امریکی تعلقات میں بھی تبدیلی کی ضرورت ہے تاکہ ڈروں حملوں کا سلسلہ بند ہو کیونکہ اب تک ہونے والے ڈرون حملوں میں دہشتگرد کم لیکن معصوم لوگوں کی زیادہ ہلاکت ہوتی رہی ہیں۔ آیئے دعا کریں کہ ڈرون حملوں اور دہشتگردوں سے اللہ تعالی پاکستان کو محفوظ بنادے۔ آمین

اقتدار کے متوالے مسٹر مولانہ فضل الرحمان

پاکستان میں اقتدار کے متوالوں کی کوئی کمی اور اُن ہی متوالوں میں سے ایک ہیں مسٹر مولانہ فضل الرحمان۔ آپ سوچ رہے ہونگے کہ میں مولانہ فضل الرحمان کی جگہ مسٹر مولانہ فضل الرحمان کیوں لکھ رہا تو عرض ہے کہ جب تک مولانہ الیکشن لڑتے ہیں تو وہ مولانہ ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اسلام کے نام پر ووٹ مانگتے ہیں، آپکو یاد تو ہوگا حالیہ الیکشن میں مولانہ اپنے سیاسی جلسے "اسلام زندہ باد کانفرنس" کے نام سے کرتے رہے اور اسلام کے نام پر ووٹ مانگتے رہے لیکن الیکشن کے بعد مولانہ مسٹر بن جاتے ہیں، پھر مولانہ کو اسلام کی فکر کم اور اسلام آباد کی فکر زیادہ ہوتی ہے۔ مولانا فضل الرحمان انتہائی چالاک اور معاملہ فہم سیاستدان ہیں، اپنی سیاسی پوزیشن کے بارے میں بھی وہ اچھی طرح جانتے ہیں، انتخابات سے پہلے انہوں نے متحدہ مجلس عمل کے مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے کی کوشش کی مگر انکے پرانے اتحادی ان کی چال میں نہ آئے۔ مولانہ کی سیاست کا محور صرف انکے مفادات ہوتے ہیں اس سے مولانہ کو غرض نہیں ہوتی کہ کون مصیبت میں ہے یا کس کا نقصان ہو رہا ہے، مولانہ کو اس سے بھی کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کون مرا یا کون جیا، مولانہ کا مقصد صرف اپنی غرض سے ہوتا ہے۔ آپکو یاد ہوگا دس جنوری 2013 کو بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں بم دھماکوں کے نتیجے

میں 116 افراد ہلاک جبکہ تقریباً 250 افراد زخمی ہوگئے۔ شہید ہونے والوں کے ورثا نے دھماکوں میں مرنے والے اپنے عزیز و اقارب کی لاشوں کو دفن کرنے سے انکار کردیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ صوبائی حکومت کو برطرف کرکے کوئٹہ شہر کو فوج کے حوالے کیا جائے۔ سابق وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف نے تیرہ اور چودہ جنوری کو رات گئے مظاہرین سے مذاکرات کے بعد صوبہ بلوچستان میں گورنر راج نافذ کرنے کا اعلان کیا جبکہ صوبائی حکومت کو برطرف کردیا گیا تھا۔ اس واقع میں ہلاک ہونے والوں سے تو مولانا فضل الرحمٰن کو کوئی ہمدردی نہ تھی مگر مولانہ اور انکی جماعت نے بلوچستان حکومت کی برطرفی کے خلاف احتجاجی تحریک شروع کردی تھی۔ مولانا فضل الرحمٰن نے بظاہر گورنر راج کو جمہوریت کے خلاف اقدام قرار دیا تھا لیکن دراصل وہ اپنے مفادات کے چھن جانے پر بلبلا رہے تھے۔ مولانہ اور انکی جماعت جمعیت علمائے اسلام نے بلوچستان حکومت کی برطرفی کے مسئلے پر جو ردعمل ظاہر کیا تھا، وہ نہ صرف ظالمانہ تھا بلکہ خودغرضانہ بھی تھا۔

ویسے تو مولانہ نے الیکشن کے دوران لاتعداد جلسوں سے خطاب کیا تھا لہٰذا انکے ایک خطاب کو میں یہاں بیان کرونگا۔ الیکشن سے صرف 12 دن پہلے ٹانک کے علاقے مُلازئی میں 29 اپریل 2013 کو مولانا فضل الرحمان نے ایک انتخابی جلسے سے خطاب کے دوران کہا کہ " عوامی نیشنل پارٹی اور پیپلزپارٹی نے 5 سال

میں قوم کو بے روزگاری، مہنگائی اور خونریزی کے سوا کچھ نہیں دیا، ذوالفقار علی بھٹو امریکا مخالف نعرے سے ہی عوامی لیڈر بنے تھے لیکن اب ان ہی کی جماعت امریکا کی سب سے بڑی حامی ہے لیکن ہم نے امریکا کو آقا نہیں مانا۔ مولانا کا یہ بھی کا کہنا تھا کہ ان کی جماعت آئندہ انتخابات میں تاریخی فتح حاصل کرے گی اور حکومت سازی میں ان کا کردار بھی کلیدی ہوگا، جے یو آئی کے بغیر ملک میں آئندہ حکومت نہیں بنے گی اور اگر بن بھی گئی تو ہمارے بغیر چلے گی نہیں"۔

مولانا فضل الرحمان نے سچ کہا مگر آدھا" عوامی نیشنل پارٹی اور پیپلزپارٹی نے 5 سال میں قوم کو بے روزگاری، مہنگائی اور خونریزی کے سوا کچھ نہیں دیا" لیکن وہ اور انکی جماعت 2008 میں قائم ہونے والی پیپلزپارٹی کے اتحادی بن گئے اور کشمیر سے متعلق خصوصی کمیٹی کی چیئرمین شپ حاصل کی، بلوچستان میں انکی جماعت کا ہر ممبر وزیر تھا لہذا جو حاصل نہ ہوا ہو وہ کم۔ 2010 میں اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ کے حصول کیلئے مولانا نے متحدہ مجلس عمل کی بحالی کا ڈرامہ رچا کر کامیابی سے مولانا شیرانی کیلئے اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ حاصل کرلی۔ مگر جب مولانا فضل الرحمان نے پیپلزپارٹی سے گلگت بلتستان کی گورنرشپ کا مطالبہ کیا تو پیپلزپارٹی نے ان کے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، گلگت بلتستان میں

اس وقت پاکستان پیپلز پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام کی مخلوط حکومت تھی۔ مولانہ فضل الرحمان کا گلگت بلتستان کی گورنر شپ کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو وہ کچھ عرصے بعد حکومت سے علیدہ ہوگئے۔ اس پورے وقت میں جب قوم کو بے روزگاری، مہنگائی اور خونریزی کا سامنا تھا، پیپلز پارٹی کے اتحادی مولانہ فضل الرحمان اور انکے ساتھیوں کا روزگار اپنے عروج پر تھا۔

مولانہ نے فرمایا تھا کہ " ذوالفقار علی بھٹو امریکا مخالف نعرے سے ہی عوامی لیڈر بنے تھے لیکن اب ان ہی کی جماعت امریکا کی سب سے بڑی حامی ہے لیکن ہم نے امریکا کو آقا نہیں مانا"۔ لیکن الیکشن کے کچھ ہی دن بعد مولانہ امریکی سفیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور الیکشن کی دھاندلی کا رونا رؤیا۔ بقول مولانہ کے امریکی سفیر نے ان کی باتوں کو توجہ سے سنا۔ پیپلز پارٹی نے تو امریکہ کو اپنا آقا بہت دیر میں مانا مگر مولانہ تو 1979 سے اپنے آقا کی خدمت کر رہے ہیں، اس خطے میں اپنے اس آقا کو لانے میں اُن کا بہت بڑا کردار ہے۔ لہٰذا اگر وہ امریکی سفیر کے پاس جاکر روئے تو اُن کے نزدیک کوئی غلط بات نہ ہوگی۔

مولانہ کا یہ بھی کا کہنا تھا کہ " ان کی جماعت آئندہ انتخابات میں تاریخی فتح حاصل کرے گی اور حکومت سازی میں ان کا کردار بھی کلیدی ہوگا، جے یو آئی

کے بغیر ملک میں آئندہ حکومت نہیں بنے گی اور اگر بن بھی گئی تو ہمارے بغیر چلے گی نہیں"۔ گیارہ مئی کے الیکشن میں انکی پارٹی کو قومی اسمبلی کی 10، صوبہ خیبر پختونخواہ میں 13 اور صوبہ بلوچستان میں صرف 6 سیٹیں ملیں جبکہ باقی دو بڑے صوبوں یعنی سندھ اور پنجاب میں جے یو آئی کوئی سیٹ حاصل نہ کر سکی۔ بس یہ صورتحال دیکھکر مولانہ مسٹر بن گے ، مسٹر فضل الرحمان نے سب سے پہلی کوشش صوبہ خیبر پختونخواہ میں تحریک انصاف کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کی کوشش کی مگر نواز شریف اس گندئے کھیل میں اُن کے ساتھ شامل نہیں ہوئے، لہذا پھر اُن کو اسلام آباد کی فکر زیادہ ہوئی۔ ماضی میں مسٹر فضل الرحمٰن حکومتوں کا حصہ اپنی شرائط پر بنتے تھے تاہم اس مرتبہ صورتحال ذرا مختلف ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ پہلے وہ امریکی سفیر سے ملے، بغیر کسی شرط کے قومی اسمبلی میں پہلے اسپیکر اور پھر ڈپٹی اسپیکر کے منصب کے لئے مسلم لیگ نون کے امیدواروں کو، اور وزیراعظم کے لیئے نواز شریف کو ووٹ دیا، بلوچستان میں مخلوط حکومت کی حمایت کا اعلان بھی کیا۔

ایک خبر کے مطابق راتوں رات زرداری کیمپ چھوڑ کر نواز شریف کیمپ میں آنے والے مسٹر فضل الرحمٰن نے ایک تازہ تازہ ملاقات وزیراعظم نواز شریف سے کی اور سرکاری بینچوں پر بیٹھنے کا اعلان کیا ہے۔ دوسری طرف نواز شریف نے بھی مسٹر فضل الرحمٰن کی ایک دو پسندیدہ وزارتوں کو ابھی تک پر نہیں کیا ہے اور

کشمیر کی خصوصی کمیٹی کی چیرمین شپ بھی خالی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ مسٹر فضل الرحمٰن ابھی بھی پرامید ہیں۔ ہوسکتا ہے کابینہ کی توسیع میں اُن کا کام ہو جائے اور آپ پھر اُن کے بھائی کو وزیر اور اقتدار کے متوالے مسٹر مولانہ فضل الرحمٰن کو کشمیر کی خصوصی کمیٹی کی چیرمین شپ پر دیکھیں گے۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

نواز شریف حکومت۔ داخلی اور خارجہ پالیسی

کسی بھی ملک کو ترقی دینے کے لیے اسکی داخلی اور خارجہ پالیسی بہت اہم ہوتی ہیں، پاکستان کی سابقہ پیپلزپارٹی کی حکومت اِن دوُنوں پالیسیوں میں بدترین ناکام رہی ہے۔ سابق وزیر داخلہ رحمان ملک نے کبھی بھی امن امان کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ وہ ملک کی داخلی پالیسیوں میں ناکام رہے، یہ ہی وجہ ہے کہ پاکستان ایک غیر محفوظ ملک کے طور پر پہچانا جانے لگا۔ جب یہ صورتحال کسی ملک کی ہوگی تو لازمی وہاں معاشی مسائل پیدا ہوتے ہیں، یہ ہی وجہ ہے نہ صرف غیر ملکی سرمایہ کاری رک گی بلکہ ملکی سرمایہ باہر چلا گیا، ایک طرف یہ داخلی صورتحال تھی تو دوسری طرف پاکستان میں ایک ایسی خاتون کو وزیر خارجہ بنایا گیا جن کا خارجہ امور میں دور دور تک کوئی تجربہ نہ تھا، انکی تعلم ایم بی اے ہے اور وہ وزیر خارجہ سے زیادہ فیشن شو کا چلتا پھرتا نمونہ تھیں، سابق وزیر خارجہ حنا ربانی کھر کے ہندوستانی دورےَ کے دوران ہندوستانی میڈیا خارجہ امور کی جگہ اُن کے لباس، ہینڈبیگ اور میک اپ پر بات کرتا رہا۔ مختصر یہ کہ جہاں پیپلزپارٹی کی حکومت نے دوسرےَ شعبوں کا ستیاناس کیا، وہیں داخلی اور خارجہ پالیسی بھی پستی میں چلی گیں۔

پاکستان میں اقتدار کی منتقلی مکمل ہوچکی ہے، میاں نواز شریف وزیراعظم کا منصب سنبھال چکے ہیں۔ نواز شریف کابینہ میں ابھی تک وزیر خارجہ کا تقرر ممکن نہ ہوسکا ہے۔ابھی تک جو اعلان سامنے آیا ہے اسکے مطابق خارجہ امور کا قلمدان نواز شریف اپنے پاس رکھیں گے۔ یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ سیاسی جماعتیں اقتدار میں تو آنا چاہتی ہیں مگر اُن میں ماہرین کا قحط ہوتا ہے۔ مسلم لیگ ن میں اسوقت صرف سرتاج عزیز ہیں جو نواز شریف کے سابق دور میں وزیر خزانہ اور وزیر خارجہ رہے ہیں۔ سرتاج عزیز جب وزیر خزانہ تھے تو وہ ہر معاشی مسلے کا حل سرچارج میں نکالتے تھے لہٰذا وہ سرتاج عزیز کی جگہ سرچارج عزیز کہلانے لگے تھے، وزیر خارجہ کی حیثیت سے وہ ناکام رہے اور ایک ایسا بھی وقت آیا کہ بھارت کے وزیر خارجہ نے ان سے ہاتھ ملانے سے بھی گریز کیا، انکی جو تصویر اخبارات میں چھپی تھی اس میں وہ بھارت کے وزیر خارجہ کے ساتھ بھیگی بلی بنے کھڑے تھے۔ اسوقت ملک جن معاشی اور بدامنی کا شکار ہے اُس سے ہم سب واقف ہیں۔ معاشی طور پر ہم ایک تباہ حال ملک ہیں جبکہ داخلی طور ہم امن وامان کے مسلئے سے دوچار ہیں۔ ہماری خارجہ پالیسی کا یہ حال ہے کہ حال ہی میں جرمنی کے وزیر خارجہ نے دورہ پاکستان میں ڈرون حملوں کا نہ صرف دفعاع کیا بلکہ وہ امریکوں کے لیے رونے لگے۔ نواز شریف کو ابھی صرف تین دن ہوئے تھے وزیراعظم بنتے ہوئے کہ نوشہرہ میں ایک اور ڈرون حملہ ہوا جس میں

سات افراد ہلاک ہوئے۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں ایک مضبوط داخلی اور خاجہ پالیسی کی اشد ضرورت ہے۔ مندرجہ ذیل نکات کو سامنے رکھ کر اگر داخلی اور خارجہ پالیسی کو ترتیب دیا جائے تو بہتری کی امید کی جا سکتی ہے۔

امریکی اعلان کے مطابق امریکہ 2014 میں افغانستان سے چلا جائے گا۔ ماضی کی تاریخ پر اگر نگاہ ڈالیں تو افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کے بعد امریکہ نے افغانستان سے اپنے آپ کو ایسے علیدہ کرلیا تھا جیسے افغان مسلئے سے اسکا کوئی تعلق نہ ہو جبکہ پاکستان جہاں 20 لاکھ سے زیادہ افغان مہاجرین موجود تھے اور ان تمام کا بوجھ اکیلا پاکستان برداشت کرتا رہا ہے اور ان افغان مہاجرین کی وجہ سے آج پاکستان میں امن و امان ایک بہت بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اب جب امریکہ خود افغانستان میں موجود ہے اسکے جانے کے بعد جو صورتحال تباہ حال افغانستان کے اندر پیدا ہوگی اُس سے پاکستان کے داخلی حالات کے مزید خراب ہونے کا ڈر ہے۔ حامد کرزئی ٹولے سے پاکستان کو کوئی خیر کی امید نہیں ہونی چاہیے۔

اگلے سال 2014 میں بھارت میں الیکشن ہونگے، کانگریس کا مقابلہ ہندو انتہا پسند جماعت بی جے پی سے ہونا ہے۔ اس مرتبہ بی جے پی نے ایل کے ایڈوانی سے بھی زیادہ انتہا پسند نریندر مودی جو مسلمانوں اور پاکستان کے بدترین

دشمنوں کے طور پر پہچانا جاتا ہے بی جے پی کی قیادت اسکو حوالے کی ہے اور اگر بھارت میں بی جے پی آئندہ انتخابات کے بعد اقتدار میں آتی ہے تو متوقع وزیر اعظم نریندر مودی ہو سکتا ہے جس سے بھارت کی خارجہ پالیسی خاص طور پر پاکستان کے لیے یکسر بدل سکتی ہے۔

توانائی کا بحران حل کرنے کے لیے پاکستان ایران سے گیس پایپ لاین کے زریعے گیس حاصل کرنا چاہتا ہے جس پر کام ہو رہا ہے جبکہ امریکہ اس منصوبے کا مخالف ہے۔ ایران امریکہ تعلقات خراب تر ہیں جبکہ عرب دنیا کے ممالک جن میں خاصکر سعودی عرب، کویت اور یواےای شامل ہیں اُن کے ایران سے اچھے تعقارت نہیں ہیں۔ جبکہ گذشتہ حکومت کے دور میں سعودی عرب، کویت اور یواےای سے پاکستان کے تعلقات کافی حد تک سرد مہری کا شکار رہے ہیں۔ اِن تینوں ممالک میں لاکھوں پاکستانی برسر روزگار ہیں جس سے نہ صرف ہمارے لاکھوں گھروں کا گذارہ ہو رہا ہے بلکہ ایک کثیر زر مبادلہ پاکستان آتا ہے جو ہماری معشیت کی مدد کرتا ہے۔

چین جس کی دوستی کے بارئے ہمارئے ملک میں کوئی دو رائے نہیں ہیں کہ پاک چین دوستی ہمالیہ سے بھی بلند ہے، ماضی میں بھی اور اب بھی چین نہ صرف سفارتی بلکہ معاشی اور فنی طور ہماری بھرپور مدد کر رہا ہے، گوادر کی بندرگاہ اسکی

ایک مثال ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے اس عظیم دوست کو ہم سے یہ شکایت ہو گی ہے کہ ایک طرف ہم اُس سے پاکستان میں سرمایہ کاری چاہتے ہیں جبکہ دوسری طرف پاکستان سے دہشت گرد خنجراب ہائی وے کے راستے مغربی چین میں داخل ہو کر وہاں دہشت گردی کر رہے ہیں، یہ ایک ایسا علاقہ ہے جہاں چینی مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی موجود ہے۔

پورے یورپ سے اس وقت ہمارے تعلقات سفارتی تعلقات سے زیادہ کچھ نہیں ہیں، آج صورتحال یہ ہے کہ امریکہ، کنیڈا یا پورے یورپ میں کسی بھی قسم کی دہشت گردی ہو جائے وہ سب سے پہلے اسکو پاکستان سے جوڑتے ہیں اور کچھ واقعات میں یہ ثابت بھی ہوا ہے۔ ہمیں بیرونی سرمایہ کاری اور فنی امداد کے لیے ان ممالک کی ضرورت ہے اور رہے گی۔

اوپر جو نکات بیان کیے گے ہیں ان کے تدارک کے لیے پاکستان کو اپنی داخلی اور خارجہ پالیسی پر لازمی نظرثانی کی ضرورت ہے۔ داخلی طور پر نواز شریف طالبان سے مذکرات کرنا چاہتے ہیں اور ملک میں امن وامان کے لیے اقدامات کرینگے۔ وزیر داخلہ کی حیثیت سے چوہدری نثار علی خان چارج لے چکے ہیں جبکہ وزارت خارجہ کو نواز شریف خود دیکھیں گے۔ نواز شریف کی خارجہ پالیسی کا حدف تجارت، غیر ملکی سرمایہ کاری اور اقتصادی تعاون بڑھانے سے ہے، جبکہ وہ افغانستان

کے اندر مفاہمانہ عمل اور ہندوستان کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے اور خطے میں امن کے لیے بھارت کے ساتھ امن مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ کافی نہ ہوگا کیونکہ سب سے پہلے ہمیں اپنے گھر کو دیکھنا ہوگا۔ نواز شریف کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے داخلی حالات کو ٹھیک کریں اور ملک میں لازمی امن و امان قائم کریں۔ خارجہ پالیسی کے لیے سب سے پہلے اپنے تمام سفارتکاروں کو متحرک کرنا ہوگا۔ سفارتکاری ایک بہت ہی فنی شعبہ ہے لہٰذا حکومت کو اپنے تمام سفیروں کی جانچ پڑتال کرنی ہوگی۔ اس سلسلے میں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ سفارتکاروں کی سابقہ کارکردگی کیا رہی اور وہ سیاسی یا سفارشی طور پر تو سفیر نہیں بنے، ماضی کی ایک مثال حسین حقانی ہیں جو سفیر تو پاکستان کے تھے لیکن مفاد انکو امریکہ کا عزیز تھا۔ایک آخری بات یہ کہ نواز شریف کے لیے یہ ایک مشکل کام ہوگا کہ وہ وزیراعظم کی ذمیداری کے ساتھ ساتھ وزیر خارجہ کی ذمیداری بھی پورا کریں۔ انکو چاہیے کہ وزیر خارجہ کے لیے ایک ایسے شخص کا انتخاب کریں جو سفارتکاری کا ماہر ہو اور پاکستان کے مفاد میں خارجہ پالیسی کو آگے بڑھائے۔ پاکستان کے حق میں بہتر ہوگا کہ نواز شریف وزیر اعظم کی حیثیت سے کام کریں اور ملک کی داخلی اور خارجہ پالیسی ملک کے حالات کے مطابق بدلیں اور اپنے وزیروں اور سفیروں سے کام لیں تاکہ داخلی اور خارجی محاذ پر پاکستان میں بہتری آسکے۔

جہیز ہمارے معاشرہ کا ایک سماجی کینسر

مداوا ایک اینٹی جہیز موومنٹ کے نام سے ایک این جی او ہے، اس کے صدر محترم طاہر اقبال طائر ہیں۔ میں اُنکو اپنے فیس بک کے حوالے سے جانتا ہوں۔ کل انکا ایک پیغام فیس بک پر دیکھا جس کا کچھ حصہ یوں تھا۔

" کئی زندگیوں کا سوال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فیس بک قارئین مشورہ دیں

میری بچیوں کو انصاف دلائیے ، میرا مداوا کیجئے۔ میں جیتے جی مر جاؤنگا۔ میری بچیوں کا قصور کیا ہے ؟رات ایک بجے کے قریب میرے موبائل فون پر آنے والے ایس ایم ایس نے مجھے تشویش میں بتلا کر دیا۔ میں نے اس نمبر پر فوراً فون کیا۔ دوسری طرف چیخ وپکار تھی ۔ خواتین کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک شخص نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا سر میری بچیوں کو مارپیٹ کر گھر سے نکال دیا گیا ہے وہ کہہ رہے تھے کل ہم انہیں طلاق بھی دے دیں گے ۔ تین سال قبل میرے بڑے بھائی نے اپنے دو بیٹوں کیلئے میری بیٹیوں کا رشتہ مانگا میں نے سوچا خاندان میں ہی رشتے ہو جائے تو نکاح میں بھی آسانی ہوگی۔ بچیوں کے تایا ابو اپنی بیٹیوں کی طرح ان کا خیال بھی رکھیں گے میں نے حامی بھر لی ۔

رخصتی سے قبل میرے بھائی نے کہا کہ جہیز کیلئے پریشان مت ہونا یہ میری بیٹیاں ہیں اور مجھے اپنے گھر میں صرف اِن کی ضرورت ہے۔ میں بہت خوش تھا کہ بچیوں کی رخصتی میں میری غربت آڑے نہیں آئی اور وہ بغیر جہیز کے ہی اپنے گھر چلی گئیں لیکن شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی جہیز کو لیکر جھگڑے شروع ہو گئے۔ میری بھابھی کی زبان پر تو بس ہر وقت ایک ہی طعنہ رہتا ہے کہ تمہارے باپ نے تمھیں دیا ہی کیا ہے۔ تم دونوں اپنے گھر سے لیکر ہی کیا آئی ہو۔ کل رات سب گھر والوں نے ملکر میری بچیوں کو مارا اور آدھی رات کو یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ ہمیں تم جیسی کنگلیوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ دفع ہو جاو کل تمہاری طلاق تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔ میری ان بچیوں کا رو رو کر برا حال ہے جبکہ ان میں سے ایک بچی امید سے بھی ہے۔ ہمارے گھر میں جیسے ماتم ہے۔ خدا کیلئے کچھ کیجئے میری بیٹوں کا گھر اجڑنے سے بچایئے"۔ آخر میں جناب طاہر اقبال طائر صاحب اپنے فیس بک کے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میری رہنمائی کیجئے۔ تجویز کیجئے کہ کیا بہتر ہوگا۔ ہمیں کیا کرنا چاہیئے"؟

اوپر فیس بک میں لکھا ہوا واقعہ ہمارے معاشرے کا نہ تو پہلا واقعہ ہے اور نہ ہی آخری۔ آپ اکثر اس سے بھی زیادہ سنگین واقعات اخبارات میں پڑھتے اور میڈیا پر دیکھتے رہتے ہیں۔ آج کل ہمارا معاشرہ انسانی رشتوں سے زیادہ دولت کو اہمیت دیتا ہے جس کی وجہ سے جہیز کی لعنت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔

اسلام میں جہیز کی کوئی گنجائش نہیں، اسلام سادگی کا دین ہے اور اسلام کی نظر میں عورت کا بہترین جہیز اس کی بہترین تعلیم و تربیت ہے۔ بے شمار بچیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے گھر میں بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ کم جہیز کی وجہ سے بھی بہت سی بچیوں کی زندگی عذاب ہو جاتی ہے؛ مار پیٹ کے علاوہ اُن کو جلایا بھی جاتا ہے اور اب تو اُن پر تیزاب بھی پھینکا جانے لگا ہے۔ دوسری طرف عرب دنیا میں رسم ہے کہ لڑکا شادی سے پہلے ایک رقم دلہن کے گھر والوں کو ادا کرتا جب اسکی شادی ہوتی ہے۔ سعودی عرب میں دو ہزار نو میں جدہ سے شایع ہونے والے اردو اخبار "اردو نیوز" میں ایک خبر شایع ہوئی جس میں کہا گیا کہ آٹھویں جماعت کی طالبات سے اُنکی ایک پینتیس سالہ استانی نے اُن سے کہا کہ اُسکی شادی کے لیے کوئی لڑکا تلاش کریں جو اسکے والد کو پیسے ادا کرسکے تاکہ اسکی شادی ہوسکے۔ اس غلط رسم کی وجہ سے سعودی عرب جیسے ملک میں معاشرتی برائیاں پیدا ہوئیں ہیں اور حالت یہ ہے کہ بچیاں عمر کی اس منزل کو طے کرجاتی ہیں جب انکی شادی ہوجانی چاہیے وجہ لڑکی کے والدین کی زیادہ مانگ ہوتی ہے، یعنی خربوزہ چھری پر یا چھری خربوزے پر کٹتا خربوزہ ہی ہے۔ آپ دونوں رسموں کو دیکھ لیں ہر صورت میں نقصان بچیوں کو ہی ہوتا ہے۔ نتیجہ دونوں جگہ شادی ایک مشکل مرحلہ بن گیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں لڑکی کے باپ بھائی لڑکی کی شادی کے وقت اسکو جہیز کے

نام پر بہت کچھ دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ رسم ہندو اثرات کی وجہ سے داخل ہوئی اور ایک لعنت کی شکل اختیار کر لی۔ ہندو معاشرے میں عورت کو نہ صرف باپ کی جائیداد سے محروم رکھا گیا بلکہ شادی کے بعد اگر اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اسے بھی بعض اوقات اس کے ساتھ ستی ہونا پڑتا یعنی آگ میں جلنا پڑتا۔ عورت چونکہ باپ کی وارث نہیں بن سکتی تھی اس لیے والدین بوقتِ شادی حسبِ استطاعت اپنی بیٹی کو ''دان'' کے نام پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرتے۔ اور جن لڑکیوں کے والدین ''دان'' کی سکت نہ رکھتے ان کی بیٹیوں کو معاشرہ بیوی کی حیثیت سے قبول کرنے سے عاری تھا۔ برصغیر میں اسلام کا سورج طلوع ہوا تو یہی ''دان'' ''جہیز'' کے نام میں تبدیل ہو گیا۔ چونکہ اب یہ کام کرنے والے صرف ہندو نہیں بلکہ مسلمان بھی تھے۔ وہاں سے چلتی ہوئی یہ رسم آج شادی کا لازمی جز بن چکی ہے۔ اور اس سے بڑی افسوس کی بات یہ ہے کہ کچھ لوگ ''جہیز'' کے جواز کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ کی شادی کے موقع پر دیے جانے والے سامان کو جہیز سے تعبیر کرتے ہوئے اسے اسلامی رسم باور کراتے ہیں۔ حالانکہ یہ دعوی بالکل بے بنیاد ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اپنا گھر بار سب کچھ مکہ چھوڑ آئے۔ مدینہ میں آپ مالی لحاظ سے مکہ کی نسبت اتنے مستحکم نہ تھے۔ جب آپ کا رشتہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے طے ہوا تو اس وقت آپ کے پاس صرف ایک تلوار، ایک گھوڑا اور ایک زرہ تھی۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علی کو

زرہ بیچ دینے کا حکم دیا جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خریدا۔ان پیسوں سے آپ نے چند گھریلوں استعمال کی بنیادی چیزیں خریدیں۔ مگر اس واقع سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام میں جہیز کے نام پر لوٹ مار جائز ہے۔

اگر آپ والدین ہیں تو اللہ تعالی نے آپکو بیٹے اور بیٹیوں سے نوازہ ہوگا۔ ذرا غور کیجیے کہ اگر آپ اپنے بیٹوں کی شادی کے وقت جہیز کی تمنا کر رہے ہیں تو بدلے میں جب آپکی بیٹی کی شادی کے وقت جہیز مانگا جائے گا اور وہ بھی اتنا کہ آپکے لیے مشکل ہو تو آپکو کیسا لگے گا، آپکی بہو جو جہیز آپکے مانگنے پر اپنے ساتھ لائی ہے وہ تو آپکو ملنے سے رہا، پھر آپ کیا کرینگے لازمی پریشان ہونگے اور اُس وقت آپ اس رسم کو کوس رہے ہونگے۔جس بچی کی شادی ہونے والی ہے وہ آپکی پریشانیاں دیکھ کر شرمندہ اور پریشان ہورہی ہوگی۔ چلیے مان لیتے ہیں بیٹی جیسی نعمت آپکے گھر میں ہے ہی نہیں، آپ صرف بیٹوں کے والدین ہیں لہذا اُن کی شادیوں کے وقت آپ جہیز کی مانگ یا خواہش کرتے ہیں، دوسری طرف بیٹی کے باپ بھائی جہیز کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں، لازمی وہ بچی جس کی شادی ہونے والی ہے وہ اپنے باپ بھائی کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے تو پھر کیا ہوگا، وہ جہیز کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھ آپ کے لیے نفرت بھی لائے گی اور شادی کے چند دن بعد ہی یہ نفرت آپ پر ظاہر ہوجائے گی۔آپکے بیٹے کی زندگی اجیرن ہوجائے گی، اس کے بعد صرف دو انجام ہوتے ہیں یا تو وہ

بچی اپنے گھر جا کر بیٹھ جائے گی اور مقدمہ بازی ہوگی، آپکے بیٹے کا گھر برباد ہو جائے گا، اور اگر ایسا نہ ہوا تو دوسری صورت میں آپکا بیٹا اپنے لیے علیحدہ گھر لے گا اور جاتے وقت آپکی بہو اپنے جہیز کی ایک ایک چیز ساتھ لے جائے گی اور اس جہیز کے ساتھ جو آپنے مانگا تھا یا آپکو ملا تھا سود کے طور پر آپکا بیٹا ساتھ لے جائے گی۔ گویا آپنے جہیز کی لالچ کی اور اپنا بیٹا اپنے آپ سے دور کر لیا۔ بات صرف یہاں ہی ختم نہیں ہوگی آپکی بہو جہیز کے ساتھ جو نفرت لائی تھی اسکو اگلی نسل میں منتقل کرئے گی اور کل آپکے بچوں کے بچے آپ سے نفرت کرینگے۔ ہو سکتا ہے آپ سوچ رہے ہوں کہ یہ سب کچھ سب کے ساتھ نہیں ہوتا، ٹھیک ہے چلیے مان لیتے ہیں ایسا صرف 5 فی صد کے ساتھ ہوتا ہے، تو کل یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان 5 فی صد میں آپ بھی شامل ہوں۔ اگر آپ کے محلے یا عزیزوں میں کوئی ایسا گھر آپکو معلوم ہو جہاں جہیز جیسی بیماری کے بغیر شادی ہوئی ہو تو ضرور ایک مرتبہ اس گھر میں جایں اور اگر اس گھر میں جہیز کی بیماری کا کوئی شکار نہ ہو تو شاید آپکو اُس گھر سے زیادہ خوشحال گھر کہیں نہ ملے۔

اس وقت پاکستان اُن خوش نصیب ممالک میں شامل ہے جہاں آبادی کی اکثریت کا تعلق نوجوانوں سے ہے، آپ نوجوان جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں اگر آپ چاہیں تو معاشرے کے اس کینسر کو جسکو جہیز کہا جاتا ہے جڑ سے ختم

کر سکتے ہیں۔ ایک لڑکے ہونے کے ناطے آپ اپنے گھر والوں کو کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنی شادی پر کوئی جہیز نہیں لینا چاہتے، اگر گھر والے آپ کے خیالات سے متفق نہ ہوئے تو شور مچائینگے مگر کچھ کر نہیں سکیں گے، اگر آپ اس سسٹم سے بغاوت کرینگے تب ہی اس جہیز جیسے کینسر سے نجات پائینگے۔ آپ سوال کر سکتے ہیں کہ ایک بیٹا تو یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنی شادی پر جہیز نہیں لے گا مگر ایک بیٹی تو نہیں کہہ سکتی کہ وہ اُس سے شادی کرے گی جو جہیز نہیں لے گا، لازمی بات ہے کہ جس معاشرہ میں ہم رہتے ہیں وہاں کسی بھی بیٹی کو ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ ایک بیٹی اپنے بارے میں تو نہیں کہہ سکتی مگر جس گھر میں وہ ہے وہاں اسکے بہت ہی محبت کرنے والے بھائی، ماموں اور چچا بھی ہوتے ہیں۔ یہ اُسکے وہ رشتے ہیں جو اُس سے بہت محبت کرتے ہیں، اُسکی بات غور سے سنتے ہیں، وہ اپنے بھائی، ماموں اور چچا کے لیے تو کہہ سکتی ہے وہ بغیر جہیز کے شادی کریں، ضروری نہیں کہ ہر ایک کو اس بات پر کامیابی ملے مگر اگر صرف 5 فیصد بھی کامیابی ملتی ہے تو یہ ابتدا ہوگی۔ ذرا اس تمام معاملے میں اس بے چاری بچی کے بارے میں سوچیں جو آئے دن آنے والے مہمانوں کی چبھتی ہوئی نظروں کا عتاب وہ کس طرح سہتی ہے اور جہیز کے نام پر بکنے والی لڑکی لڑکے کے گھر جا کر بھی خوشحال رہے گی اس بات کی بھی کیا گارنٹی ہے ،یقیناً ایسے لالچی لوگوں کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا پہلے جہیز کے نام پر لڑکی کے گھر والوں کو بلیک میل کیا جاتا ہے پھر بعد میں اس کو گھر سے نکال دینے کے ڈر سے۔ بہت سی

لڑکیوں کو ان کے سسرال والے اسی بنا پر زندہ تک جلا دیتے ہیں کہ ان کی جہیز کی مانگ لڑکی کے گھر والے پوری نہیں کرپاتے۔ ظالم یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ خود بھی بیٹی کے والدین اور بھائی ہیں۔

پاکستانی معاشرے میں تبدیلی آ سکتی ہے اگر نوجوان نسل اور اُنکے والدین چاہیں تو سب ممکن ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کوئی مدد نہیں کر سکتی ہے اور نہ ہی اسکو جہیز کی لعنت ختم کرنے میں کوئی دلچسپی ہے۔ یہ آپ ہی ختم کر سکتے ہیں۔ تو آیئے! عہد کریں جہاں تک ممکن ہو سکے ہم جہیز جو ہمارے معاشرے میں ایک سماجی کینسر ہے اس رسم کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں گے اور لوگوں میں اس کی حقیقت کا شعور بیدار کریں۔ تاکہ ہم بھی اس معاشرے کا حصہ بن جائیں جس میں جہیز کی لعنت کا سرے سے کوئی وجود نہ ہو۔

آخر میں آپسے گذارش ہے کہ اگر آپ نے اس مضمون کو شروع سے آخر تک پڑھا ہے تو صرف چند منٹ بیٹھ کر سوچیئے گا، اگر میری بات آپکی سمجھ میں آئے تو اپنے خیالات کو ضرور شیر کریں اور اگر نہیں تو پھر دیوانے کی بَڑ سمجھ کر بھول جایئے گا۔

نوٹ: یہ مضمون میں "مداوا این جی او" اینٹی جہیز موومنٹ کے صدر محترم طاہر

اقبال طائر کے نام کرتا ہوں۔

شریفوں کا پاکستانی بجٹ یا آہنی پنجرہ

پاکستان کے ہر محلے میں مرغی کا گوشت بیچنے والے کی دوکان کے باہر ایک بڑا سا مضبوط آہنی پنجرہ رکھا ہوتا ہے۔ اس میں سینکڑوں بیمار اور صحت مند مرغیاں ایک دوسرے سے لگ کر بیٹھی رہتی ہیں۔ وہ اتنی تھکی اور سہمی ہوئی ہوتی ہیں کہ پھڑ پھڑاہٹ تو کجا کُڑک کُڑک کی آواز بھی نہیں آتی۔ ہر پانچ دس منٹ بعد پنجرے کا چھوٹا سا دروازہ کھلتا ہے۔ ایک ہاتھ اندر جاتا ہے، پنجرے میں تیس سیکنڈ کے لیے اجتماعی سی پھڑ پھڑاہٹ اور خوفزدہ سی کُڑک کُڑک سنائی دیتی ہے مگر ایک اور مرغی کم ہو جاتی ہے اور اس کی خوفزدہ چیخیں سن کر باقی مرغیاں پھر ڈری سہمی ایک دوسرے سے لگ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ مجھے آج کا پاکستان اسی طرح کا ایک آہنی پنجرہ محسوس ہوتا ہے۔ جس میں ایک اور مرغی کم ہونے پر ذرا سی احتجاجی پھڑ پھڑاہٹ اور کُڑک کُڑک ہوتی ہے اور باقی رہ جانے والی مرغیاں شکر ادا کرتی ہیں کہ اس دفعہ وہ بچ گئیں۔ ہر دس منٹ بعد پنجرے کے تنگ دروازے میں داخل ہونے والے پُر اعتماد قاتل ہاتھ کو خوب معلوم ہے کہ سینکڑوں میں سے کوئی ایک مرغی بھی اپنی نوکیلی چونچ سے کام لینا نہیں جانتی۔ ذوالفقار علی بھٹو سے زیادہ نواز شریف نہ کبھی مقبول ہوئے اور نہ ہو سکتے

ہیں، بھٹو صاحب بھی روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر اقتدار میں آئے تھے مگر اُن کی پارٹی کی چار مرتبہ حکومت رہی اور عوام کو غریب سے غریب تر کرتی رہی۔ نواز شریف بھی پریشان حال پاکستانیوں کے مسائل کا رونا رو کر تیسری مرتبہ اقتدار میں آئے ہیں۔ 11 مئی کو دہشت گردی کے خوف کے باوجود لوگ گھروں سے نکلے اور نواز شریف کو کامیاب کیا، میاں صاحب کی خواہش تھی کہ انکو قومی اسمبلی میں اتنی اکثریت ملے کہ وہ کسی اور سیاسی پارٹی کے محتاج نہ ہوں، ایسا بھی ہوگیا اور بغیر کسی رکاوٹ کے وہ اقتدار میں آگئے۔ آپنے نواز شریف کے جلسوں میں جا کر یا ٹی وی پر وہ خوبصورت مناظر تو لازمی دیکھے ہونگے جس میں نواز شریف زرداری کو مہنگائی، لوڈشیڈنگ اور امن و امان کے مسلئے پر کوس رہے ہوتے تھے۔ عوام سے بڑی معصومیت سے معلوم کرتے تھے آپکے علاقے میں بجلی کتنے گھنٹے نہیں آتی ہے، پھر عوام کو یاد دلاتے کہ مہنگائی نے غریب آدمی کی تو کمر توڑ دی ہے اور اسکے بعد کراچی سے خیبر تک کی بدامنی پر روتے۔ چلیئے مان لیتے ہیں کہ لوڈشیڈنگ اور امن امان کے مسلئے حل کرنے میں وقت لگے گا مگر بجٹ میں غریب آدمی کی ٹوٹی ہوئی کمر پر جو لات ماری گی ہے کیا یہ ضروری تھی۔

گذشتہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے پاکستان کی آدھی سے زیادہ آبادی کو غربت کی لکیر سے نیچے پہنچادیا ہے، اور حالیہ بجٹ نے پاکستانی عوام پر جو مہنگائی

کا بم گرایا ہے اُس نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے۔ جسطرح گذشتہ حکومت کے دور میں عام لوگ یہ کہنے لگے تھے کہ اس سے اچھی حکومت تو مشرف کی تھی، اگر مسلم لیگ نون کی حکومت اس طرح کی کڑوی گولیاں عوام کو کھانے پر مجبور کرے گی تو جلد ہی لوگ یہ کہتے نظر آئینگے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت اس سے بہتر تھی۔ سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ ایک عام آدمی کو وزیر خزانہ کی لمبی چوڑی تقریر، اُس میں کھربوں کے ذکر سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ GST اور IMF کو جانتا ہے۔ اُس کی دلچسپی کا اصل محور اپنے خاندان کی کفالت ہوتا ہے جو وہ اپنی آمدنی سے کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لیے روٹی اور کپڑے آسانی سے مہیا کر سکے، اُس کے بچے تعلیم حاصل کر سکیں۔ وہ نہ گرمی دیکھتا ہے نہ سردی بس وہ اسی لگن میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیاروں کی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ایک عام پاکستانی کا یہ سوچنا تھا کہ شاید نواز شریف نے اپنے گذشتہ ماضی سے ضرور سیکھا ہو گا مگر شاید سرمایہ دار طبقہ سے تعلق رکھنے والے نواز شریف کو تو یہ معلوم ہی نہیں کہ غربت کیا ہوتی ہے۔

اسحاق ڈار صاحب جو ہمارے ماضی کے ناکام وزیر خزانہ رہے ہیں اور IMF کو اعداد و شمار میں دھوکا دے چکے ہیں مسلم لیگ نون میں اندھوں میں کانے راجہ ہیں جو معاشیات سے واقف ہیں اسلیے حالیہ وزیر خزانہ بھی وہ ہی ہیں۔ اپنی بہت ہی

خوبصورت اور میٹھی آواز میں انہوں نے بجٹ کا اعلان کیا۔ عام آدمی کی امید کے برخلاف وہ ایسے ایسے اعلانات فرمارہے تھے کہ لوگ پریشان تھے۔ آٹا مہنگا، چینی مہنگی، دال مہنگی، پیٹرول مہنگا، گیس مہنگی، لازمی ہے سبزی بھی مہنگی ہوجائے گی اور بسوں کے کرائے بھی بڑھ جاینگے۔ یہ بجٹ جو اعداد و شمار کا گورکھ دھندہ ہےاور جس کے لیے کہا گیا تھا کہ یہ عوام دوست اور غریب دوست ہوگا، افسوس یہ نہ عوام دوست ہے اور نہ ہی غریب دوست، یہ سیدھا سیدھا عوام دشمن بجٹ ہے۔ بجٹ میں ٹیکس تو بہت سارے لگائے گے ہیں لیکن عام آدمی کے لیے کسی بھی طرح کی کوئی مراعات نہیں ۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کے لیے کہا گیا کہ اگلے سال بڑھے گی لیکن جب سرکاری ملازمین نے شور مچایا تو وزیر خزانہ نے 10 فیصد اضافے کے اعلان کے ساتھ اپنی بات کا مطلب ہی بدل دیا اور فرمایا کہ میرا مطلب جولائی سے تھا۔ اس ایک بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ابھی وہ اور کتنی باتوں کے مطلب بدلینگے۔

میں نے یہاں جو بھی لکھا ہے وہ ایک عام فہم انداز میں ہے، اسلیے ایک عام فہم زبان میں نواز شریف صاحب سے کہنا چاہونگا کہ عام آدمی کو اس سے غرض نہیں کہ ستر ارب روپے کے لیپ ٹاپ کس کس کو دیے جاینگے، بلٹ ٹرین کب چلے گی یا کراچی میں میٹرو بس کب چلائی جائے گی۔ عام آدمی کو صرف اور صرف اپنی بنیادی ضروریات سے غرض ہے اس لیے پہلے وہ پوری ہونے دیں۔ ابھی وقت ہے قومی اسمبلی

میں بجٹ بل زیر بحث ہے، اُس کو عوام دشمن کے بجائے عوام دوست بجٹ بنانے کی کوشش کریں اور اگر ایسا نہ ہوا تو جو لوگ دہشت گردی کے خوف کے باوجود آپکے لیے 11 مئی کو اپنے گھروں سے نکلے تھے کہیں ایسا نہ ہو وہ بہت جلد دوبارہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں اور آپکو واپس آپکے گھر روانہ کردیں۔ دوبارہ عرض ہے کہ مجھے آج کا پاکستان اسی طرح کا ایک آہنی پنجرہ محسوس ہوتا ہے، جس میں ایک اور مرغی کم ہونے پر ذرا سی احتجاجی پھڑ پھڑاہٹ اور کُڑک کُڑک ہوتی ہے اور باقی رہ جانے والی مرغیاں شکرادا کرتی ہیں کہ اس دفعہ وہ بچ گئیں۔پُر اعتماد قاتل ہاتھ کو خوب معلوم ہے کہ سینکڑوں میں سے کوئی ایک مرغی بھی اپنی نوکیلی چونچ سے کام لینا نہیں جانتی۔ لیکن آپ اپنے وزیر خزانہ کی پراعتمادی پر عام آدمی اور غریب آدمی سے یہ توقع مت کریے گا کہ وہ احتجاج نہیں کرے گا۔ عام آدمی جب احتجاج کرتا ہے تو پھر اسکے مقابل کوئی نہیں ٹھیرپاتا ہے۔ دو شریفوں یعنی اسحاق ڈار اور نواز شریف کے اس عوام دشمن بجٹ کو دیکھ کر یہ شعرپڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

گھرآکے بہت روئے ماں باپ اکیلے میں
مٹی کے کھلونے بھی سستے نہ تھے میلے میں

قائد اعظم ریذیڈنسی پر حملہ دراصل پاکستان پر حملہ ہے

سولہ مئی دو ہزار نو سری لنکا کی تاریخ کا ایک یادگار دن۔ تقریبا 26 سال بعد سری لنکا کی حکومت اعلان کر رہی تھی کہ اسکی فوج نے تامل باغیوں کے رہنما اور ہندوستانی خفیہ ایجنسی را کے ایجنٹ ویلوپلائی پربھاکرن کو ہلاک کر دیا ہے اور تامل باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ ستر ہزار افراد 26 سال میں اس دہشت گردی کا شکار ہوئے۔ ان ستر ہزار افراد کے قاتل امریکہ، برطانیہ اور ہندوستان ہیں۔ ہندوستان کی خفیہ ایجنسی را نے 1983 میں سازش کرکے سری لنکا کے خلاف مختلف تامل گروپوں کو اکٹھا کرکے لبریشن آف تامل ٹائیگرز ایلام "ایل ٹی ٹی ای" بنائی اور اسکے ممبر تامل ٹائیگرز کے نام سے جانے گے۔ اس تنظیم کو بنانے کا مقصد یہ تھا کہ سری لنکا کے خلاف ایک منظم باغی تحریک چلائی جاسکے تاکہ سری لنکا کی تامل آبادی کو سری لنکا سے علیحدہ کیا جاسکے۔ ہندوستان یوں تو ایک جمہوری ملک ہونے کا دعویدار ہے لیکن 1947 کے بعد سے ابتک ہندوستانی حکمرانوں نے کبھی بھی جمہوری رویہ نہیں اپنایا۔ اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھنے والے ہندوستانی لیڈر ہمیشہ سے جارحانہ پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ پاکستان ہو یا سری لنکا، نیپال ہو یا اُس کا لے پالک بنگلہ دیش، ہندوستانی حکمران ان سب ملکوں کے بارے میں جارحانہ پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ ہندوستان کے ان ناپاک

عزائم میں اُس کا ساتھ دینے میں امریکہ،.برطانیہ اور اسرائیل پیش پیش رہے ہیں۔
ہندوستانی حکمران اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے سری لنکا کے باغیوں کو کوئی ہتھیار فراہم کیۓ ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے نہ صرف تامل ٹائیگرز کو سری لنکا حکومت کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں کے لیے ہر قسم کا اسلحہ مہیا کیا بلکہ اِسکے ساتھ ساتھ اپنے صوبے تامل ناڈو سے افرادی قوت بھی مہیا کی، جیساکہ وہ پہلے سابق مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کے لبادۓ میں کرچکا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نام نہاد انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ اور.برطانیہ اس مشکل وقت میں سری لنکا کا ساتھ دیتے مگر یہ کاروباری ملک پہلے اپنا فاہدہ دیکھتے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ امریکہ نے اُس وقت اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کونسل میں ایک قرارداد پیش کی ہے جس میں سری لنکا سے کہا گیا ہے کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں بند کرے۔ امریکی تھنک ٹینک نے تامل باغیوں کی حمایت کرتے ہوۓ ایک رپورٹ میں کہا کہ تامل باغیوں کو تاریخ سے مسخ کیا جاسکتا ہے نہ ہی یہ طاقت کے زور پر جھکیں گے۔.برطانیہ کا سابق وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ سری لنکن حکومت کی تامل باغیوں کے خلاف جنگ کے طریق کار کا سخت ترین مخالف رہا اور وہ.برطانیہ میں لبریشن آف تامل ٹائیگرز ایلام نواز لابی کا ہمدرد سمجھا جاتا تھا۔
پندرہ جون 2013 کو شاید ہی کوئی پاکستانی ہوگا جو اداس نہ ہو۔ اس دن زیارت

میں موجود قائداعظم ریذیڈنسی کو دہشت گردوں نے بم دھماکوں سے تباہ کردیا۔
زیارت میں موجود ریذیڈنسی جس میں بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے اور جس کے باعث اس کا نام قائداعظم ریذیڈنسی رکھاگیا کوئٹہ سے تقریبا 120 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ دہشت گردوں کی اس بزدلانہ کارروائی کے بعد پورے پاکستان میں سوگ اور غم کے بادل چھاگئے۔ چار سے پانچ دہشت گردوں نے کارروائی کرتے ہوئے چار بم دھماکے کئے فائرنگ بھی کی، جس سے وہاں موجود ایک پولیس اہل کار جاں بحق ہوا۔ دھماکوں کے بعد لکڑی سے بنی قائداعظم ریذیڈنسی میں آگ لگ گئی عمارت میں موجود قیمتی نادر ونایاب اشیا بھی جل کر خاکستر ہوگئیں۔ دہشت گرد باآسانی اور بلا خوف وخطر اپنا کام کرکے وہاں سے فرار ہوگئے۔
حملہ آوروں نے ریذیڈنسی سے قومی پرچم اتار کر بی ایل اے کا پرچم لہرایا۔پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں سرگرم ایک گوریلا تنظیم بلوچ لبریشن آرمی جو عام طور پر بی ایل اے کہلاتی ہے بلوچستان کی علیحدگی کے ایجنڈے پر کام کر رہی ہے۔ اپنے قیام سے ہی یہ بلوچستان میں گیس لائنیں اڑانے، فوج و پولیس اور غیر مقامی افراد پر حملوں، لوگوں کو گھات لگا کر قتل کرنا، اغوابرائے تاوان کی وارداتیں اور صوبہ میں دہشتگردی میں ملوث رہی ہے۔ میر بالاچ مری اس کا پہلا کمانڈر تھا جو 2008 میں افغانستان میں مارا گیا۔ حکومت پاکستان کے مطابق اس دہشت گرد تنظیم کے پیچھے ہندوستانی حکومت کا ہاتھ ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ایک بہت بڑی سازش ہے، جس کے

پیچھے نہ صرف ہندوستان بلکہ امریکہ اور اسکے اتحادی بھی ہیں۔

جہاں تک بلوچستان کے عوام کے سیاسی اور جمہوری حقوق کا تعلق ہے تو بلوچستان کے عوام انتہائی بدنصیب واقع ہوئے ہیں۔ یہاں سرداروں کا ایک مخصوص ٹولہ جو اسٹیبلشمنٹ کے منظور نظر ہیں وہی حکومت کا حصہ بنے۔ ان سرداروں نے کبھی بھی بلوچستان کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔ ان کے بچے تو باہر کے ممالک سے پڑھکر آتے ہیں مگر یہ اپنے علاقے میں ایک اسکول بھی قائم نہیں ہونے دیتے۔ بلوچستان کے حوالے سے بہت سارے مسائل ہیں، معاشی مسائل، روزگار کے مسائل اور تعلیم کے مسائل مگر اسوقت سب سے بڑا مسلئہ گمشدہ افراد کا ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جنرل مشرف کے زمانے سے یہ بری رسم چلی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے لوگوں کو پکڑ کر غائب کردیتے ہیں مگر یہ صرف بلوچ عوام کے ساتھ نہیں ہوا ہے بلکہ اسکا شکار تو پورا پاکستان ہے، یہ نہ صرف خلاف قانون ہے بلکہ انسانیت کے کسی بھی پہلو سے اس کو اچھا نہیں کہا جاسکتا۔ اگر دنیا کے مسائل پر نظر ڈالیں تو آپکو اس سے زیادہ بڑے بڑے مسائل ملیں گے مگر دنیا میں کہیں بھی اس قسم کی کوئی تحریک آپکو نہیں ملے گی۔

بلوچستان میں ہندوستان، امریکہ اور اسکے اتحادی اپنی سازشوں کے جال بچھائے ہوئے ہیں۔ آخر کیوں تو اس کا سیدھا جواب ہے کہ بلوچستان نہ صرف معدنی دولت سے مالامال بلکہ جغرافیائی طور پر پاکستان کا ایک اہم صوبہ ہے۔

اوپر ایک چھوٹی سی داستان سری لنکا کی آپ نے پڑھی ہے اُس سے آپکو ہندوستان،
امریکہ اور برطانیہ کے اصل چہرے دیکھنے میں مدد ملی ہوگی۔ جسطرح ہندوستان کی خفیہ
ایجنسی را نے مکتی باہنی اورتامل ٹائیگرز کو دہشت گردی کے لیے استمال کیا ٹھیک
اسطرح ہی را نے بلوچ لبریشن آرمی بنائی۔ ہندوستان کا مسلہ یہ ہے کہ وہ پاکستان کو
کبھی بھی ایک پرسکون اور معاشی طور پر ترقی کرتے ہوئے ملک کے نہیں دیکھ سکتا،
دوسرے چین جو پاکستان کا مخلص دوست ہے اور بلوچستان کی ترقی اور خاصکر گوادر کی
بندرگاہ کے حوالے سے اُس کو چین کے کردار پر سخت تکلیف ہے۔ جبکہ پاکستان کا
بلوچستان ہی وہ علاقہ ہے جہاں امریکہ سمیت بڑی طاقتوں کی چپقلش عروج پر ہے۔
امریکہ کی پالیسی یہ ہے وسطی ایشیا کو کنٹرول کرنے کے لیے بلوچستان پر کنٹرول لازمی ہے
لیکن چین یہ سمجھتا ہے کہ اگر ایسا ہوا تو اسکی معاشی ترقی اور بین الاقوامی قوت کے طور پر
ابھرنا اسکے لیے مشکل ہو سکتا ہے۔
ایک امریکی دانشور ایرک ڈرائیسٹر جو نیویارک سٹی کے ڈیپارٹمنٹ آف ایجوکیشن میں
پیشہ درس وتدریس سے وابستہ ہے اور ایک کالم نگار بھی ہے۔ اُس کا ایک مضمون جس کا
عنوان تھا "بلوچستان۔ کراس روڈز آف پراکسی وار" 25 جولائی 2012 کو چھپا اُس
میں ایرک نے بلوچستان کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھا کہ بظاہر

ویران نظر آنے والی یہ زمین اپنی آغوش میں بہت بڑے معدنی خزانے چھپائے ہوئے ہے اور اسکے علاوہ یہ تیل اور گیس کی بین الاقوامی تجارت کے کراس روڈ پر بھی واقعہ ہے اور مستقبل کے سارے گیس پائپ لائنز بھی یہاں ہی سے گذرنے ہیں۔ ایرک نے لکھا کہ ’’ مغربی طاقتیں ایک مضبوط بلوچستان کو ابھرتا نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ علاقہ نہ صرف چین کیخلاف استعمال کرنے کیلئے ضروری ہے بلکہ ایران اور پاکستان پر بھی یہاں سے نظر رکھی جا سکتی ہے۔ یہاں پر موجود دہشت گردوں کے مغربی طاقتوں کی سراغ رساں ایجنسیوں سے تعلقات ہیں اور پاکستانی حکومت اور اُسکے سیکورٹی ادارے اس چیز کو بخوبی جانتے ہیں‘‘۔ ایرک نے اپنے مضمون میں قطر کے ایک انگریزی اخبار دی پینیسوالہ کا بھی حوالہ دیا جس کے مطابق "امریکی ایجنسی سی آئی اے مقامی لوگوں کو 500 ڈالر ماہانہ پر بھرتی کر رہی ہے اسکے علاوہ سی آئی اے کا انچارج جنرل پیٹریاس بلوچستان کو غیر مستحکم اور غیر متوازن کرنے کیلئے افغان مہاجرین کو بھی استعمال کرتا رہا ہے"۔ کالم نگار کے مطابق بلوچستان میں سی آئی اے کے علاوہ برطانیہ کی ایم آئی سکس ، اسرائیل کی موساد اور انڈیا کی ایجنسی راملوث ہیں۔۔برطانیہ کی ایم آئی سکس کے تو بلوچستان لبریشن آرمی سے اسکے بننے کے کچھ عرصہ بعد ہی سے تعلقات ہیں۔ امریکی کانگرس کے دانا روہر باچر جیسے کئی قانون دان بھی اس سازش میں شریک ہیں اور بلوچستانیوں کو حق خود ارادیت دینے کی باتیں کر رہے ہیں۔ دانا روہر باچر امریکی حکومت کو صلاح دیتا رہا ہے کہ دہشت گردوں سے

تعلقات قائم کرو اور پاکستان کی جمہوری حکومت سے رشتے توڑ لو۔ ان تمام سازشوں کا مقصد یہ ہے بلوچستان کو پرامن نہ رہنے دیا جائے کیونکہ اسکے پیچھے امریکہ کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ اگر امریکہ بلوچستان کو کنٹرول نہ بھی کرپائے تو چین بھی بلوچستان میں سکون سے اپنی سرمایہ کاری نہ کرسکے یعنی معدنی ذخائر کو نکالنے میں اور گوادر پورٹ بنانے میں چین کے کردار کو روکنا مقصود ہے اور یہ ہی مقصد ہندوستان اور ہندوستانی لیڈروں کا ہے تاکہ پاکستان معاشی اور سیاسی طور پر ترقی نہ کرسکے۔

گیارہ مئی کے الیکشن کے بعد وزیر اعظم نواز شریف نے جو دو سیاسی فیصلے کیے اور مولانا فضل الرحمان کی سازشوں کا شکار نہیں ہوئے وہ یقینا قابل تعریف ہیں، انکا پہلا فیصلہ صوبہ خیبر پختونخواہ میں تحریک انصاف کی اکثریت کو تسلیم کرنا اور وہاں انکی حکومت بغیر کسی رکاوٹ کے تشکیل ہونے دینا۔ جبکہ انکا دوسرا فیصلہ صوبہ بلوچستان میں اکثریت ہونے کے باوجود دوسری جماعت سے وزیر اعلی بنانے کا فیصلہ جس کی وجہ سے آج ڈاکٹر عبد المالک بلوچ بلوچستان کے وزیر اعلی ہیں۔ اب ایک کام وزیر اعظم نواز شریف اور وزیر اعلی ڈاکٹر عبد المالک بلوچ ملکر کردیں وہ یہ کہ بلوچستان میں ہونے والی سازشوں، غیر ملکی ایجنٹوں، ملک کے غداروں اور دہشت گردوں کے خلاف کے خلاف ایک گرینڈ آپریشن کرکے ہمیشہ کے لیے ان کا وجود ختم کردیں کیونکہ زیارت میں موجود قائداعظم

ریذیڈنسی پر حملہ دراصل پاکستان پر حملہ ہے۔ بلوچستان کے محب وطن عوام ان سے چھٹکارا چاہتے ہیں، یہ لاتوں کے بھوت ہیں باتوں سے ماننے والے نہیں۔ سری لنکا اور ہندوستانی دہشت گرد تامل ٹائیگرز کی داستان ہمیں ایک ہی سبق دیتی ہے کہ دہشت گردوں اور غداروں سے جبتک انکے انداز میں بات نہ کی جائے وہ قابو میں نہیں آتے۔

مشرف پر آرٹیکل چھ کا نفاذ یا ذاتی انتقام

ذوالفقار علی بھٹو کا یہ جملہ بہت یادگار ہے "اگر کسی نے آئین میں تبدیلی کی تو میں اُسے لٹکا دونگا"۔ یہ جملہ بھٹو صاحب نے 1977 میں اپنی حکومت ختم ہونے کے بعد مری میں جنرل ضیاالحق سے اپنی آخری ملاقات کے بعد اخباری نمائندوں سے کہا تھا۔ بھٹو اُن لوگوں میں سے تھے کہ اگر اُن کو ایک مرتبہ بھی موقعہ ملتا تو 4 اپریل 1979 کو اُن کی نہیں ضیا کی گردن میں پھانسی کا پھندا ہوتا۔ بھٹو کے لیے دوسرے ملکوں کے علاوہ سعودی عرب اور لیبیا نے بھی جنرل ضیا سے معافی کی اپیل کی تھی اور کرنل قذافی نے تو بھٹو کو لیبیا میں پناہ دینے کو بھی کہا تھا، اس پورے عرصے میں نہ ہی بھٹو نے اور نہ ہی انکے اہل خانہ نے کسی قسم کی معافی کی اپیل کی۔ بزدل جنرل ضیاالحق جو بھٹو کے سامنے صرف "جی جناب" کرتا تھا یہ جانتا تھا کہ اگر اُس نے بھٹو کو زندہ چھوڑ دیا تو پھر اُس کی خیر نہیں۔ بزدل انسان میں دو خصوصیت اور بھی ہوتی ہیں، وہ ظالم بھی ہوتا ہے اور اپنے دل میں بغض بھی رکھتا ہے۔ سونے کا چمچہ منہ میں لیکر پیدا ہونے والے نواز شریف کی سیاسی پیدائش اور تربیت جنرل ضیا کے دور میں ہی ہوئی ہے۔ نواز شریف ایک عرصے تک جنرل ضیا کی صحبت میں رہے ہیں، وہ جنرل ضیا کو اپنا سیاسی باپ کہتے تھے۔

جنرل ضیا کی موت کے بعد ایک عرصے تک نواز شریف ہر سال ضیا کی برسی پر اُس کی قبر پر جاکر اُس کے تمام اقدامات کی تعریف کیا کرتے تھے۔ وہ یہ کبھی یاد نہیں رکھتے تھے کہ اُن کے سیاسی باپ نے آئین کے متعلق کہا تھا کہ " آئین چند صفحات کی ایک کتاب ہے جس کو پھاڑ کر پھنکا جاسکتا ہے"، نواز شریف کو یہ بھی یاد نہیں کہ جنرل ضیا نے آرٹیکل چھ کی خلاف ورزی کی تھی اور اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ بھٹو حکومت کے خاتمہ پر پورے ملک میں نہ تو کہیں مٹھائی بٹی تھی اور نہ ہی لاہور یاملک کے کسی حصے میں کسی آرٹسٹ نے دوسرے روز جنرل ضیا کی تصویر روڈ پر بیٹھ کر بنائی تھی۔

آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل جو طالبان دہشت گردوں کے بانیوں میں سے ایک ہیں 1988 میں انھوں نے پیپلز پارٹی کے خلاف ایک سیاسی اتحاد آئی جے آئی کے نام سے تشکیل دیا جس میں نواز شریف کی مسلم لیگ بھی تھی۔ جنرل ضیا کی مدد سے پنجاب کے وزیراعلی بننے والے نواز شریف ایک اور جنرل کی مدد سے آئی جے آئی کے زریعے 1990 میں پہلی مرتبہ وزیراعظم بنے۔ انکی پہلی حکومت کو اُس وقت کے صدر غلام اسحاق خان نے 18اپریل1993 کو آٹھویں ترمیم کے ذریعے ختم کیا تو نواز شریف نے سپریم کورٹ میں صدر کے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کردی، اُس وقت کی سپریم کورٹ نے اُن کی بھرپور مدد کی اور 26 مئی1993 کو وہ دوبارہ وزارت عظمی کے عہدے پر واپس آگئے لیکن اب صدر غلام اسحاق خان کی طرف

سے ان کے دل میں بغض آچکا تھا لہذا اس وقت کے آرمی چیف جنرل عبدالوحید کاکڑ کی مصالحت سے صدر اور وزیراعظم دونوں کو اقتدار سے علیحدہ ہونا پڑا، اس کے ساتھ ہی آئی جے آئی کا خاتمہ بھی ہوگیا۔

نواز شریف دوسری مرتبہ فروری 1997 کو ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں ملک کے وزیراعظم منتخب ہوئے۔ نواز شریف اپنے دوسرے دور اقتدار میں چونکہ بھاری اکثریت سے جیتے تھے لہذا وہ اپنے آپ کو ہر چیز سے مبرا سمجھنے لگے تھے۔ جنرل پرویز مشرف کو انہوں نے 2007 کے آخر میں آرمی چیف بنادیا۔ نواز شریف بھارت کے ساتھ دوستی بڑھانے میں مصروف تھے کہ پاکستانی افواج نے سیاچن میں اپنے مسلسل نقصانات کو روکنے کیلئے کارگل آپریشن کا فیصلہ کیا۔ کارگل میں پاکستانی افواج نے بھارت کو سخت پریشانی میں مبتلا کیا ہوا تھا اور بھارت کی پریشانی امریکہ تک پہنچ چکی تھی۔

نواز شریف نے وزیراعظم کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود پاکستانی افواج کے خلاف ایک نشری تقریر کرڈالی جس میں ایک بہت ہی طنز اور تذلیل سے بھرپور جملہ کچھ یوں کہا کہ "کارگل سے کوئی راستہ سری نگر کی طرف نہیں جاتا"۔ اس جملے سے نواز شریف کی قابلیت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ سری نگر سے نکل کر سیاچن کو جانے والا ہر راستہ کارگل سے ہو کر گذرتا ہے۔ اس تقریر کا لازمی نتیجہ جو نکلا وہ یہ تھا کہ سیاسی اور فوجی قیادت میں دوریاں ہوگیں اور پھر بارہ اکتوبر 1999 کو نواز شریف نے اپنے پیر

پر خود کلہاڑی مار بیٹھے جب جنرل پرویز مشرف کو ان کے سری لنکا کے دورے کے دوران برخواست کر کے جنرل ضیاالدین بٹ کو ان کی جگہ آرمی چیف بنادیا۔ شام تک نواز شریف گرفتار ہوگئے اور ملک ایک مرتبہ پھر جمہورت کی پٹری سے اتر گیا۔ نواز شریف حکومت کے خاتمہ پر پورئے ملک میں مٹھائی بٹی تھی اور لاہور کا ایک آرٹسٹ دوسرئے روز جنرل پرویز مشرف کی تصویر روڈ پر بیٹھ کر بنارہا تھا۔ دسمبر 1999 میں ایک دس سالہ معاہدہ کر کے نواز شریف بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جدہ چلے گئے اور پھر انکی واپسی نومبر 2007 میں ہوئی۔ جدہ سے واپسی پر نواز شریف اپنے ساتھ مشرف فوبیا بھی ساتھ لیکر آئے۔ اب انکے ہر سوال کے جواب میں یا بیان میں مشرف کا ذکر بڑی حقارت سے ہوتا تھا۔

جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو 1999 میں ہٹا کر اقتدار پر قبضہ کیا تو چودھری شجات اور چودھری ظہور الہیٰ اُن کے ساتھ شامل ہوگے ۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے تمام جج صاحبان بشمول موجودہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری تمام نے پی سی او کے تحت حلف لیا۔ مشرف کے برسراقتدار آنے کے بعد ق لیگ نے جنم لیا اور مسلم لیگ ق کے علاوہ ایم کیو ایم اور متحدہ مجلس عمل بھی تھیں۔ پہلے ظفراللہ خان جمالی، اور بعد میں شوکت عزیز وزیراعظم رہے۔ بیچ میں عارضی طور پر چودھری شجات وزیراعظم بنے۔ چوہدری ظہور الہی پورے پانچ سال پنجاب کے وزیر اعلی رہے۔ 28 دسمبر 2003 کو قاضی حسین احمد، مولانا فضل

الرحمٰن و دیگر قائدین کی موجودگی میں متحدہ مجلس عمل نے آئین میں 17 ویں آئینی ترمیم کا بل یعنی لیگل فریم ورک آرڈر منظور کرکے پرویز مشرف کی حکمرانی کو آئینی و قانونی جواز فراہم کردیا۔ اس درمیان میں جنرل مشرف کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری سے اختلافات ہوئے اور پھر انکو معطل کردیا بعد میں وہ بحال ہوئے مگر جنرل مشرف نے تین نومبر کو ایمرجنسی کا نفاذ کیا جسکو سپریم کورٹ نے منسوخ کردیا۔ بعد میں ججوں کو نظربند کردیا۔ اگست 2008 میں مشرف صدارت سے علیحدہ ہوئے اور کچھ عرصے بعد ملک سے باہر چلے گے۔ پانچ سال بعد جنرل پرویز مشرف پاکستان پہنچے تو وہ اپنے خلاف تمام مقدمات کا سامنا کرنے کو تیار ہو کر آئے تھے۔ آج بے نظیر کے قتل کا الزام ہو یا این آر او، لال مسجد کا واقعہ یا اکبر بگٹی کی ہلاکت، ججوں کو نظربند کرنے کا جرم ہو یا آیئن سے انحراف ہو یا پھر ایمرجنسی کا نفاظ ہر جرم کے ملزم پرویز مشرف ہیں، عدالتوں میں ان کے خلاف مقدمات چل رہے ہیں اور وہ اپنے گھر میں بنی جیل میں بند ہیں۔

نواز شریف اپنے ذاتی بغض میں کسقدر آگے جا سکتے ہیں اس کا سب سے بڑا ثبوت تو جاوید ہاشمی ہیں، جنھوں نے اُن کی خاطر مشرف کے دور میں طویل جیل کاٹی مگر بعد میں انکو تحریک انصاف میں جانا پڑا۔ حالیہ دنوں میں بظاہر تو نواز شریف یہ کہتے رہے کہ میں نے مشرف کو اپنے اوپر ذاتی مظالم پر معاف کیا مگر وہ

اپنے ذاتی بغض کو ختم نہ کرسکے۔ شیر کے نشان پر کامیاب ہونے والے نواز شریف نے اس پوری قوم پر بجٹ کے ذریعے جو بھوکا شیر چھوڑا ہے وہ پوری قوم کی ہڈیاں چبا رہا ہے، عام لوگ مہنگائی کی دہائی دے رہے ہیں۔ دہشت گرد ان کے وزیراعظم بننے کے بعد سے دہشت گردی کا ہنی مون منا رہے ہیں۔ کراچی میں نہ صرف عام لوگ قتل کیے جارہے ہیں بلکہ اسمبلی کے ممبر بھی قتل ہورہے ہیں، پورا کراچی قاتلوں سے بھرا ہوا ہے جبکہ بلوچستان میں دہشت گرداور باغی دہشت گردی کررہے ہیں جبکہ ملک کے باغیوں نے زیارت میں قائدا‌عظم ریذیڈنسی پر چار بم دھماکے کرکے اسکو تباہ کردیا۔ 24 جون کو جب قومی اسمبلی میں نواز شریف اپنی تقریر کرنے کھڑئے ہوئے تو ایک اکثریت کا خیال تھا کہ وہ دہشت گردی، امن وامان اور بجٹ سے جو مہنگائی ہوئی ہے اس پر اپنے خیالات کا اظہار کرینگے مگر انہوں نے تو صرف مشرف سے انتقام لینے کے لیے یہ تقریر فرمائی تھی۔ یہ کام جو انہوں نے قومی اسمبلی میں کیا اسکی قطعی ضرورت نہیں تھی، یہ کام توحکومت کے اٹارنی جنرل کا تھا کہ پرویز مشرف پر آرٹیکل چھ کے اطلاق کے لیے انکی حکومت کا کیا موقف ہے سپریم کورٹ کوآگاہ کرتا۔ نواز شریف نے آج ایک تیر سے کافی شکار کیے ہیں یعنی مہنگائی کا کیا حل ہے، لوڈ شیڈنگ کب ختم ہوگی، دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ اور باغیوں کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے ان کی حکومت کیا کررہی ہے اس سلسے میں ان سے کوئی سوال نہ ہو۔ مشرف کے اسی فیصد ساتھی توآج انکی گود میں بیٹھے ہیں جن میں سے کچھ توانکی کابینہ میں بھی

موجود ہیں ۔ایک بات نواز شریف یاد رکھیں یہاں کہانی الٹی ہے ، آپ بھٹو نہیں ہیں اور جنرل مشرف جنزل ضیا نہیں ہے۔ نواز شریف نے جو کچھ آج کیا ہے اسکے بارے میں ایک سوال کہ کیا یہ مشرف پر آرٹیکل چھ کا نفاذ ہے یا ذاتی انتقام۔

نوٹ: یہ تاریخ یہاں ہی ختم نہیں ہوتی، جب یہ پنڈورا بکس کھل ہی گیا ہے تو ابھی کہنے کو بہت کچھ باقی ہے جو میں اپنے اگلے مضامین میں لکھونگا۔

تاریخ: 25 جون 2013

ایک بچی خواہش سے دہشت گردی کا خاتمہ

خوشی محمد میرے بہت اچھے دوست ہیں۔ میاں چنوں کے رہنے والے ہیں۔کافی عرصہ سے وہ سعودی عرب کے شہر جدہ میں مقیم ہیں، جدہ میں اُنکی سائیکل کی دوکان ہے، وہ نئ سائیکل بیچتے ہیں اور پرانی کی مرمت کرتے ہیں۔ عام طور پر بچے اُن کے پاس آتے ہیں۔ جدہ میں رہتے ہوئے اکثر رات کو میں ان کے پاس جاکر بیٹھ جاتا اور ہم اپنے ملک کے حالات کا ذکر کرتے رہتے اور اپنی اپنی سوچ کے مطابق اسکا حل ایک دوسرے کو بتاتے۔ ایک دن میں اُن کے پاس جاکر بیٹھا ہی تھا کہ ایک بچہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ اپنی سائیکل لیکر آیا، پتہ لگا کہ گھر میں بچے کے بڑے بھائی نے دیکھا نہیں اور جب اپنی کار کو پیچھے کیا تو وہ کار کے پیچھے رکھی سائیکل پر چڑھ گی اور سائیکل کافی ٹوٹ پھوٹ گی جس کا ٹھیک ہونا بظاہر مشکل نظر آ رہا تھا۔ بچے کا بڑا بھائی نئ سائیکل لینا چاہتا تھا مگر بچہ رو رو کر اپنے بڑے بھائی سے ضد کر رہا تھا کہ اُسکو اپنی پرانی سائیکل ہی چاہیے کیونکہ کچھ عرصے قبل اُسکے والد کا انتقال ہوگیا تھا اور سائیکل اُسکے والد نے اُسکو دلائی تھی۔ آخر بچے کی ضد سے مجبور ہو کر اسکے بڑے بھائی نے پوچھا کیا یہ سائیکل ٹھیک ہو سکتی ہے، خوشی محمد کا جواب تھا، جی یہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ

خوشی محمد نے مرمت کے دوران مختلف قسم کے اوزار استعمال کیے جن میں چھوٹے سے اسکرو ڈرائیور سے لیکر بھاری ہتوڑے تک تھے۔ ایک گھنٹے کی لگاتار محنت کے بعد وہ سائیکل ٹھیک ہو چکی تھی اور وہ بچہ خوشی خوشی سائیکل چلا رہا تھا اور اپنے بڑے بھائی سے کہہ رہا تھا یہ میرے مرحوم والد کا تحفہ ہے اور مجھے اس سے بہت پیار ہے۔ بچے کے بڑے بھائی نے طے شدہ معاوضہ سے زیادہ معاوضہ دینا چاہا تو خوشی محمد نے انکار کر دیا اور کہا شیخ اس بچے کی ضد نے آج مجھے کچھ سکھایا ہے تب ہی یہ سائیکل ٹھیک ہوئی ہے۔ بچے کے جانے کے بعد میں نے خوشی محمد سے پوچھا کہ آپکو بچے کی ضد نے ایسا کیا سیکھا دیا کہ آپ نے اس سائیکل کو ایک گھنٹے کی قلیل مدت میں ٹھیک کر دیا۔ پہلے خوشی محمد مسکرائے اور پھر اُن کی آنکھیں نم ہو گیں اور کہا جب وہ بچہ اپنی بگڑی ہوئی سائیکل کے لیے رو کر بتا رہا کہ وہ اُسکے والد مرحوم کا تحفہ ہے تو بچے کی اپنی سائیکل اور والد سے محبت دیکھ کر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں یہ سائیکل ٹھیک کروں اور میں نے اپنی خواہش کے مطابق محنت سے سائیکل ٹھیک کر دی۔ میں خوش اس بات پر ہوں کہ بچے کی محبت کی وجہ سے اُسکو سائیکل ٹھیک حالت میں واپس مل گی اور میری آنکھیں اس لیے نم ہو گیں کہ میرا وطن پاکستان بھی تو بگڑا ہوا ہے اور مرحوم بابائے قوم قائدا عظم محمد علی جناح کا دیا ہوا تحفہ ہے۔ پاکستان کے عوام تو اپنے بابائے قوم کے تحفے پاکستان کے بگڑنے پر رو رہے ہیں مگر ہمارے ایک بھی رہنما کے دل میں یہ خواہش پیدا ہی نہیں ہوتی کہ

اسکو ٹھیک کریں۔

نواز شریف حکومت آنے کے بعد دہشت گرد کارروائیوں میں جو تیزی آئی ہے اُس سے پورا ملک پریشان ہے۔ شاید دہشت گردوں کا مقصد نئی حکومت پر اپنا زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالنا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ دہشت گرد بابائے قوم قائداعظم کی زیارت کی تاریخی عمارت کو بم دھماکوں سے برباد کرنے، نوشہرہ، کراچی، پشاور، مردان اور کوئٹہ میں پاکستانیوں کے ساتھ ساتھ اب ضلع دیامر غیر ملکی سیاحوں کا خون بھی بہا چکے ہیں۔ 23 جون کو گلگت بلتستان کے ضلع دیامر میں نانگا پربت بیس کیمپ پر دہشتگردی کے واقعے میں 10 غیر ملکی سیاحوں اور ایک پاکستانی سمیت 11 افراد دہشت گردوں کا نشانہ بنے۔ ضلع دیامر کی دہشت گردی کے لیے تحریک طالبان پاکستان کے دو گروپوں نے واقعے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ طالبان ترجمان نے اپنے بیان میں کہا کہ حملے کا مقصد ڈرون حملوں پر دنیا کی توجہ مبذول کروانا اور ولی الرحمٰن کی ہلاکت کا بدلہ لینا ہے۔ ذرا غور کریں ڈرون حملوں کا ذمیدار امریکہ ہے مگر ہلاک ہونے والوں میں صرف ایک امریکی تھا وہ بھی چینی نژاد باقی یوکرائن کے پانچ، چین کے دو، ایک روسی، ایک نیپالی اور ایک پاکستانی شامل ہیں۔ طالبان کہتے ہیں کہ ڈرون حملوں پر دنیا کی توجہ دلانے کے لیے انھوں نے یہ مقدس کام کیا ہے، مگر اس دہشت گردی سے پوری دنیا میں یہ پیغام گیا ہے کہ پاکستان میں حکومت نام کی کوئی چیز

نہیں ہے، یہ ملک دہشت گردوں کے رحم و کرم پر ہے۔ اس واقعہ کا جو بدترین اثر فوری طور پر آیا ہے وہ چین کا شدید احتجاج ہے، چین نے پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ چینی باشندوں کا تحفظ یقینی بنایا جائے اور حملہ آوروں کو سخت سزا دی جائے۔ باقی تمام ممالک سے بھی ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں وہ بھی اگر احتجاج کریں تو بیجا نہ ہوگا۔

اس دہشت گردی کا مقصد نہ صرف سیاحت کے ادارے کا خاتمہ، قومی آمدنی کے ایک زریعے کو مفلوج کرنا اور ہزاروں لوگوں کے روزگار کا خاتمہ ہے تو دوسری طرف پاکستان کی بین الاقوامی ساکھ خراب کرکے اسے ایسے دوست ملکوں سے محروم کرنا ہے جو ابھی تک اچھے برے وقتوں میں پاکستان کے ساتھ رہے ہیں۔ یہ دہشت گردی کے علاوہ پاکستان کی سالمیت پر بھی حملہ ہے۔ ویسے تو ایک عرصے سے دنیا بھر کے باشندوں نے پاکستان آنا ہی چھوڑ دیا ہے، کرکٹ تو کیا باقی دوسرے کھیلوں کا کوئی کھلاڑی پاکستان آنے کو تیار نہیں ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کاری نہ صرف رک گی ہے بلکہ واپس جارہی ہے۔ ملک کا اپنا سرمایہ دار بھاگ رہا ہے۔ کون رہنا چاہے گا یہاں اسلیے ماہرین کا اس ملک میں آہستہ آہستہ کال پڑرہا ہے۔ دہشت گردی کی وجہ سے ملک کی معیشت زبوں حالی کا شکار ہورہی ہے۔ جرائم کا گراف بڑھ رہا ہے۔ لوگ ذہنی مریض ہورہے ہیں، لوگوں کی قوت برداشت کم سے کم ہوتی جارہی ہے۔

ایک خبر کے مطابق کالعدم تحریک طالبان پاکستان نے وزیر اعظم نواز شریف اور تحریک انصاف کے قائد عمران خان پر واضح کیا ہے کہ اگر وہ دونوں ملک میں قیام امن کیلئے حقیقی معنوں میں بامقصد اور سنجیدہ مذاکرات کا عمل شروع کرنا چاہتے ہیں تو طالبان بھی مثبت جواب دینے کیلئے تیار ہیں۔ طالبان ترجمان نے کہا ہے کہ انھوں نے اپنی شوریٰ کے فیصلے کے مطابق طالبان رہنما ولی الرحمٰن محسود کی ڈرون حملے میں ہلاکت کے بعد حکومت کو مذاکرات کی پیشکش واپس لی تھی کیونکہ پاکستان کی سیاسی قیادت اپنے فیصلوں میں آزاد نہیں تاہم انھوں نے کہا کہ اگر وزیر اعظم نواز شریف اور خیبر پی کے میں عمران خان کی حکومت آزاد حیثیت میں ملک میں قیام امن کی خاطر آگے بڑھتی ہے تو طالبان بھی مثبت جواب دینے کیلئے تیار ہیں۔ ترجمان نے کہا کہ اگر حکومت انکے تحفظات دور کر دے تو طالبان پولیو ویکسین کی اجازت دے سکتے ہیں۔

اس خبر کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ نواز شریف کی وفاقی حکومت اور عمران خان کی صوبائی حکومت اسقدر بے بس ہیں کہ بچوں کو پولیو ویکسین دینے کے لیے انکو دہشت گردوں کی اجازت چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ نواز شریف حکومت کو قائم ہوئے ایک ماہ بھی نہیں ہوا ہے اور یہ ہی عمران خان کی خیبر پختون خواہ کی حکومت کا عرصہ ہے مگر عوام اُن سے جلد از جلد دہشت گردی کے خاتمے کی امید کر رہے

ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسطرح اس مسلہ کا حل نکالا جائے۔ اپنی دہشت گردی کو جائز قرار دینے کے لیے طالبان دہشت گرد امریکہ کے ڈرون حملوں کا ذکر کرتے ہیں اسلیے امریکہ کو کہا جائے کہ وہ ڈرون حملوں کو بند کرے، جبکہ اس معاملے کو لازمی سفارتی سطح پر حل کیا جائے۔ طالبان سے کہا جائے کہ وہ اپنی ہر قسم کی دہشت گردی بند کریں تو حکومت اُن سے مذکرات کرے گی۔ لیکن اگر دہشت گرد اپنی اپنی دہشت گردی سے باز نہیں آتے تو پھر نواز شریف کو خاصکر اپنے اندر ایک خواہش پیدا کرنی ہوگی کہ بابائے قوم کے اس بگڑے ہوئے وطن کو ٹھیک کرنا ہے۔ کیونکہ عوام اس وطن کو ایک خوشحال پاکستان کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ خوشی محمد نے بچے کی سائیکل ٹھیک کرنے کے لیے اپنے سارے اوزار استمال کرڈالے مگر اس خواہش کے ساتھ کہ سائیکل کو ٹھیک کرنا ہے۔ نواز شریف بھی خواہش کریں تو پھر وہ سفارت کاری اور مذکرات سے لیکر فوج کے استمال تک سب کچھ استمال کر سکتے ہیں۔ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے پوری قوم اُن کا ساتھ دے گی، بس صرف اُن کی ایک سچی خواہش کی ضرورت ہے کہ پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ کرنا ہے۔ کیونکہ کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک سچی خواہش کا ہونا لازمی ہے۔

آرمی چیف سری لنکا نہ جایا کریں

آج صبح سے بہت فکر مند ہوں، فکر مندی کی وجہ جنرل کیانی کی وہ تصویر ہے جو اخبارات میں اُن کے حالیہ سری لنکا کے دورے کی ہے۔ پاکستان کے چیف آف آرمی اسٹاف جب سری لنکا سے واپس آئینگے تو لازمی انکو کراچی ایرپورٹ آنا پڑے گا اور مجھے خوف اس بات کا ہے کہ کہیں 12 اکتوبر 1999 کی تاریخ نہ دہرادی جائے، کیونکہ ایک مرتبہ پھر نواز شریف ہی وزیرِاعظم ہیں اور آرمی چیف بھی سری لنکا ہی گے ہیں۔ 12 اکتوبر 1999 کی شام کولمبو سے کراچی آنے والی پی آئی اے کی پرواز پی کے 805 جس میں 200 سے زیادہ لوگ موجود تھے، جن میں عام مسافر، جہاز کا عملہ، جنرل پرویز مشرف اور انکی بیگم سوار تھے، اُس وقت اور آج کے وزیرِاعظم نواز شریف نے سول ایوی ایشن اتھارٹی کے سربراہ کو فون پر حکم دیا تھا کہ پی آئی اے کی پرواز پی کے 805 کو کراچی ایئرپورٹ پر نہ اترنے دیا جائے۔ سول ایوی ایشن اتھارٹی کی جانب سے ہوائی جہاز کے کپتان کو حکم دیا گیا کہ ہوائی جہاز کو ملک سے باہر لے جائے چاہے تو اُس کو ہندوستان کی سرزمین پر اتار دے۔ لیکن ہوائی جہاز کے کپتان نے کنٹرول ٹاور کو بتایا کہ اس کے پاس زیادہ پیٹرول نہیں ہے لہٰذا وہ جہاز کو کہیں دور نہیں لے جاسکتا۔ اسی دوران میں فوج نے ایرپورٹ کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور کراچی ایرپورٹ پر مقامی کور کمانڈر جنرل

عثمانی کا قبضہ تھا، انہوں نے جہاز کے کپتان کو حکم دیا کہ وہ کراچی ایرپورٹ پر جہاز کو اتارئے، تھوڑی دیر بعد کولمبو سے آنے والا جہاز جس کے پاس اُس وقت صرف آٹھ منٹ کا پیٹرول باقی رہ گیا تھا کراچی ایرپورٹ پر بحفاظت اترگیا۔ نواز شریف کی غلطیوں کی وجہ سے سابق آرمی چیف جنرل پرویز مشرف جب ہوائی جہاز سے باہر نکلے تو پاکستان ایک مرتبہ پھر فوج کی حکمرانی میں چلاگیا اور پھر اگلے نو سال تک جنرل مشرف ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بنے رہے۔ پرویز مشرف پاکستان کے چوتھے فوجی سربراہ تھے جو پاکستان کے صدر بھی رہے۔

نواز شریف جو جنرل مشرف سے پہلے جنرل جہانگیر کرامت کو ان کے ایک بیان کی پاداش میں ہٹاچکے تھے، 12 اکتوبر 1999 کی سہ پہر اچانک اُنھوں نے جنرل پرویز مشرف کو برخواست کرکے جنرل ضیاالدین بٹ کو ان کی جگہ آرمی چیف بنادیا۔ اوراس کا بار بار سرکاری ٹی وی پر اعلان بھی ہوا۔ جب جنرل ضیاالدین بٹ آرمی چیف کے تمغے سجاکر ملٹری ہیڈکوارٹر گئے تو وہاں فوج کی اعلی قیادت نے انکو آرمی چیف ماننے سے انکار کردیا اور ان سے کہاگیا کہ اگر وہ ملٹری ہیڈکوارٹر سے فوری طور نہ گئے تو انکو گرفتار بھی کیا جاسکتا ہے۔ جنرل ضیاالدین بٹ فوری طور پر واپس وزیراعظم ہاوس پہنچے جہاں فوجی حکام موجود تھے۔ پہلے نواز شریف سے فوج کی اعلی قیادت نے کہاکہ وہ اپنے فیصلے کو واپس

لیں اور جنرل مشرف کا انتظار کریں مگر نواز شریف نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جسکے بعد فوجی حکام آپس میں مشورہ کرنے چلے گئے اور شاید اس درمیان میں ہی نواز شریف نے جنرل مشرف کے ہوائی جہاز کو نہ اترنے دینے کا حکم دیا۔ جیسے ہی نواز شریف کے اس حکم کے بارے فوج کی اعلیٰ قیادت کو معلوم ہوا فوج ایکشن میں آ گی اور فوج کی اعلیٰ قیادت نے وزیراعظم نواز شریف سے مستعفی ہونے کو کہا لیکن نواز شریف نے اس بات کو بھی ماننے سے انکار کر دیا جس کے بعد فوج نے نواز شریف کو اپنی تحویل میں لے لیا اور وزیراعظم ہاؤس اسلام آباد کا کنٹرول راولپنڈی کے کور کمانڈر جنرل محمود نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اب سرکاری ٹی وی پہلے اعلان کے برعکس اعلان کر رہا تھا کہ نواز شریف حکومت ختم ہو گی ہے۔

ایسا کیا ہوا اور کیوں ہوا کہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت رکھنے والے نواز شریف اچانک آرمی چیف کو فارغ کرتے ہیں اور جواب میں نہ صرف وزیراعظم کے عہدے سے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں بلکہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے چلے جاتے ہیں اور آخر میں جلاوطن ہو جاتے ہیں۔ نواز شریف اور ان کے 2008 میں لائے ہوئے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل پرویز مشرف کے درمیان بہت جلد اختلافات منظر عام پر آ چکے تھے۔ نواز شریف اور جنرل مشرف کے اختلاف کا اصل سبب کارگل کا واقعہ ہے۔ نواز شریف بھارت کے ساتھ دوستی بڑھانے میں مصروف

تھے کہ کارگل میں پاکستانی افواج نے بھارت کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد کارگل کی کامیابی کو نواز شریف واشنگٹن میں ہار آئے، اسکے علاوہ نواز شریف کی وہ تقریر بھی ریکارڈ پر ہے جس میں انہوں نے ہندوستان کی ہمدردی میں اپنی ہی فوج پر طنز اور تذلیل سے بھرپور جملے کہے۔ بارہ اکتوبر 1999 کے واقعہ میں جہاں نواز شریف ملوث تھے وہاں انکے والد مرحوم میاں محمد شریف بھی اسکے ذمیدار تھے۔ میاں محمد شریف ایک کاروباری انسان تھے اور اتفاق گروپ کے مالکان میں سے ایک تھے۔ اپنے بیٹے نواز شریف کو سیاست میں بھی وہی لائے اور انکا بیٹا جب وزیراعظم کے عہدے پر فائز ہوا تو وہ بہت سے حکومتی فیصلوں میں نظر آنے لگے۔ 1990 سے 1993 تک اور پھر 1997 سے 1999 تک جب نواز شریف پاکستان کے وزیراعظم رہے تو میاں محمد شریف کو پاکستان کا طاقتور ترین شخص سمجھا جاتا تھا جو پس پردہ رہ کر پاکستانی سیاست کے اہم فیصلے کیا کرتے۔ اسکی ایک مثال نواز شریف حکومت اور جنگ گروپ میں جولائی 1998 میں جو اختلافات ہوے تھے اس کو ختم کرنے کے لیے جنگ گروپ کے سربراہ میر شکیل الرحمان کو میاں محمد شریف کے پاس جانا پڑا۔ جب جنرل پرویز مشرف سری لنکا میں تھے نواز شریف جنرل ضیاالدین بٹ کو اپنے والد میاں محمد شریف کے پاس لے گئے اور پھر دوسرے دن بغیر کسی پروگرام کے وہ جنرل ضیاالدین بٹ کو اپنے ساتھ دوبئی لے گئے اور شام کو اسلام آباد پہنچ گئے۔ ان دو دن میں سب کچھ فائنل ہوچکا تھا۔ بارہ اکتوبر 1999 کو یہ تاثر دینے کے لیے سب کچھ نارمل ہے

نواز شریف شجاع آباد گے مگر پھر وہاں اس قسم کا تاثر دیا کہ کوئی ایمرجینسی ہو گی ہے اسلام آباد لوٹ آئے۔ کھیل شروع ہوا تو نواز شریف کے حامی خوشی کا اظہار کر رہے تھے اور جنرل ضیاالدین کی بیگم اپنے دروازے پر کھڑی مٹھائی بانٹ رہی تھیں مگر جب کھیل ختم ہوا تو نواز شریف کے مخالف مٹھائی باٹنے لگے۔

قومی اسمبلی میں 24 جون کو سپریم کورٹ کے اس سوال پر کہ کیا مرکزی حکومت پرویز مشرف پر غداری کا مقدمہ چلانا چاہتی ہے، نواز شریف نے کہا کہ مشرف کو اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا اور ہماری حکومت اپنے اٹارنی جنرل کے زریعے سپریم کورٹ کو آگاہ کررہی ہے۔ تین نومبر 2007 کے اصل مدعی خود سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اور دوسرے جج ہیں، نواز شریف واقعی یہ چاہتے ہیں کہ پرویز مشرف اپنے کیے کا حساب دیں جو پوری قوم بھی چاہتی ہے اور سپریم کورٹ بھی پنڈورا بکس کھولنے پر راضی ہے تو ایک مرتبہ اس پنڈورا بکس کو کھول ہی لیا جائے اور لیاقت علی خان سے لیکر نواز شریف تک، جنرل ایوب خان سے جنرل پرویز مشرف تک اور جسٹس منیر سے لیکر جسٹس افتخار محمد چوہدری تک سب کو اس پنڈورا بکس سے باہر نکالنے کے لیے سپریم کورٹ کو کہیں اور اگر وہ ایسا نہ بھی کریں تو کم از کم 12 اکتوبر سے جنرل مشرف کے اقتدار تک کا ہی پنڈورا بکس کھلوادیں۔ عام طور پر کہا جارہا کہ وہ ایسا نہیں کرینگے

کیونکہ انکی اپنی ہی پارٹی کے ختم ہونے کا ڈر ہے اس لیے کہ مشرف کے 80 فیصد مجنوں جو مشرف کے غیر آئینی اقدامات میں مشرف کے ساتھ تھے آج انکی پارٹی کے ممبر قومی اور صوبائی اسمبلی ہیں اور ان میں کچھ وزرا بھی ہیں۔ چھوڑیں نواز شریف صاحب آپ کوئی پنڈورا بکس نہیں کھلوا سکتے مگر ایک کام اپنے حق میں ضرور کریں کہ کولمبو سے کراچی آنے والی پی آئی اے کی پرواز جس سے موجودہ آرمی چیف واپس آرہے ہوں اُسے بخیریت اترنے دیا جائے۔ آخر میں ایک مشورہ آرمی چیف کے لیے بھی ہے کہ خواہ وہ کہیں بھی جایں مگر آرمی چیف سری لنکا نہ جایا کریں۔

ہمیں پاکستانی ڈریکولا بہت پسند ہیں

انٹرنیٹ پر چلنے والی ڈریکولا کی ایک کہانی کو میں نے کچھ تبدیل کیا ہے، اُن دوستوں سے معذرت جن کے فیس بک پر یہ کہانی چل رہی ہے۔ بدلی ہوئی کہانی کچھ یوں ہے۔

ایک بحری جہاز پر ایک ڈریکولا انسانی روپ میں سوار تھا۔ رات ہوتے ہی وہ جہاز پر سوار کسی انسان کا خون پیتا اور یوں اپنی پیاس بجھاتا۔ ایک روز یہ بحری جہاز بیچ سمندر میں کسی چٹان سے ٹکرا گیا۔ یہ ڈریکولا بھی ایک آدمی کی مدد سے ایک لائف بوٹ پر سوار ہو گیا۔ لائف بوٹ پر صرف ایک ہی شخص تھا اور یہ ہی وہ شخص تھا جس نے اسے بچایا اور بوٹ یا کشتی میں آنے میں مدد کی۔ رات ہوئی تو ڈریکولا کو انسانی خون پینے کی پیاس ہوئی مگر سوچا اگر میں نے ایک دن میں ہی سارا خون پی لیا تو یہ مرجائے گا اور کوئی اسکے علاوہ ہے بھی نہیں، لہٰذا صرف دو گھونٹ ہی پیوں گا اور وہ بھی اس وقت جب وہ نیند میں ہو گا۔ تاکہ اس کی صحت پر کوئی واضح فرق بھی نہ پڑے اور میری پیاس بھی تنگ نہ کرے۔ یہ سوچ کر روزانہ اس نے دو دو گھونٹ خون پینا شروع کر دیا۔

ایک رات کافی رات گذرنے کے باوجود جب ڈریکولا نے اُس شخص کا خون نہیں پیا تو وہ بے چینی

سے اٹھا اور ڈریکولا سے بولا تم خون کیوں نہیں پیتے۔ ڈریکولا حیرت سے بولا کہ تمھیں پتہ ہے کہ میں ڈریکولا ہوں اور تمھارا خون پیتا ہوں۔ وہ شخص بولا ہاں میں جانتا ہوں کہ تم ڈریکولا ہو کیونکہ انسان کسی کا خون نہیں پیتے۔ تم میرا خون پیو کیونکہ اب مجھے خون پلانے کی عادت ہو گئی ہے۔

دوہزار آٹھ یعنی پانچ سال قبل پیپلز پارٹی نے جب حکومت سنبھالی تو غربت کیساتھ اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوا، مشرف دور کے 34 بلین ڈالر کے قرضے پانچ سال میں 66 بلین ہوگے، 62 روپے کا ڈالر اب 100 روپے سے زیادہ کا ہے۔ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر پانچ سال پیپلز پارٹی مسلسل عوام کا خون پیتی رہی۔ 2008 کے الیکشن جیتنے کے بعد پیپلز پارٹی نے صرف ایک منصوبہ پر کام کیا اور وہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوٹ مار کرو اور عوام کا خون پیو۔ آصف زرداری، دو وزیراعظم، وفاقی اور صوبائی وزرا نے ملکر کرپشن اور بری گورننس کے حوالے سے ماضی کے کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ۔ اربوں روپے کی کرپشن کرکے قومی خزانے کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا اور ملکی معیشت کو مفلوج بناڈالا۔ آصف زرداری نے ایک کام یہ کیا کہ لوٹ مار میں دوسروں کو بھی شامل کرلیا تھا۔ مسلم لیگ ق، اور ایم کیو ایم کو اپنے ساتھ ملالیا جبکہ خیبر پختونخواہ میں اے این پی اور پنجاب میں مسلم لیگ ن کو حکومت کرنے دی، آصف زرداری کو اتحادیوں اور فرینڈلی اپوزیشن کی ضرورت تھی

کیونکہ اکیلے پانچ سال لوٹ مار کرنا مشکل تھا۔ بس پھر کیا تھا مغلوں کے رشتہ دار گیلانی، راجہ رینٹل اور باقی کوئی پیچھے نہ تھا، حتی کہ مولانا فضل الرحمان کو بھی انکا حصہ برابر ملتا رہا۔ خون پینے والوں کو اس بات کا قطعی احساس نہ تھا اور نہ ہے کہ ان حالات میں پاکستان کے عوام کا جینا دو بھر ہوگیا ہے یا پاکستان کسقدر پیچھے چلا گیا ہے۔

اب تھوڑا سا اس پاکستان کا حال بھی سن لیں جس کا مسلسل خون پیا جا رہا ہے۔ آج پاکستان 18 کڑوڑ 35 لاکھ کی آبادی کے ساتھ دنیا میں چھٹے نمبر پر آتا ہے۔ پاکستان کی فیصد آبادی خط غربت کے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے، عالمی سطح پر خط غربت یومیہ 60 دو ڈالر یا دو سو روپے آمدن کے برابر ہے۔ عالمی بینک کی رپورٹ "ورلڈ ڈویلپمنٹ انڈیکیٹر" کے مطابق پاکستان کے 60 فیصد افراد کی آمدن یومیہ دو ڈالر یا دو سو روپے سے بھی کم ہے، جبکہ اکیس فیصد آبادی انتہائی غربت کا شکار ہے۔ پانی جو انسان کی بنیادی ضرورت ہے، مگر پاکستان میں 60 فیصد عوام پینے کے صاف پانی کی سہولت سے محروم ہیں۔ پانی میں آلودگی بڑھ رہی ہے جسکی وجہ سے کئی امراض میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جن میں ڈائریا، ٹائیفائڈ اور ہیپاٹائٹس شامل ہیں۔ تعلیم کے شعبے پر ہماری حکومتیں کوئی توجہ نہیں دے رہی ہیں بلکہ تعلیمی بجٹ میں مسلسل کٹوتی کی جا رہی ہے۔ گزشتہ ایک دہائی میں پاکستان میں تعلیم کا بجٹ 2.6 فیصد سے کم ہو کر 2.3 فیصد پر

آگیا ہے اور یوں دنیا کی تعلیمی انڈیکس میں 120 ممالک میں سے پاکستان 113 نمبر پر ہے۔ ملک کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں اسکول میں داخل نہ کروائے جانے والے بچوں کی شرح سب سے زیادہ 61 فیصد ہے جبکہ سندھ میں یہ شرح 53 فیصد، خیبر پختونخواہ میں 51 فیصد اور بلوچستان میں 47 فیصد ہے۔ صحت کے شعبے کا حال یہ ہے کہ سرکاری ہسپتالوں میں اگر ڈاکٹر مل بھی جایں تو دوا ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ملک میں لوگوں کی اکثریت کو صحت کی سہولتیں دستیاب نہیں۔ اٹھارویں ترمیم کے تحت وفاق کی سطح پر وزارت صحت کا خاتمہ کر دیا گیا تاہم عوام کو صحت کی بہتر سہولیات کی فراہمی کے لیے کوئی بڑا منصوبہ شروع نہ کیا جاسکا، پاکستان کو پولیو فری ملک بنانے کا خواب بھی پورا نہ ہو سکا۔ بجلی کی عدم دستیابی نے پورے ملک کو ایک اذیت میں مبتلا کیا ہوا ہے، ہمارے نئے وزیر بجلی فرمارہے ہیں کہ بجلی تو تین سال بعد ملے گی مگر 300 یونٹ سے جو زیادہ استمال کرے گا اُسکو دیکھیں گے کھائے کہاں سے کیونکہ حکومت میں آنے سے پہلے ہمارا وعدہ تھا کہ عوام کو سہولت دینگے مگر حکومت میں آنے کے بعد ہماری پارٹی کی اکثریت کا فیصلہ ہے کہ جو قوم زرداری کی لوٹ مار اور غربت کو بڑھانے کے باوجود اسکو پانچ سال بغیر کسی چیخ و پکار کے برداشت کر سکتی ہے وہ بجلی کی قیمت کے اضافے کو بھی برداشت کر سکتی ہے، عوام کی اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کرکے ہی ہم حکومت میں آئے ہیں ۔ اب پارٹی کے فیصلے پر عمل کرنے کا وقت ہے لہذا اسکی ایک جھلک بجٹ میں عوام کو دکھادی

ہے۔ باقی اور بھی بہت کچھ ہے اس 18 کروڑ سے زیادہ آبادی کے لیے، کہاں تک سنوگے ، کہاں تک سناوں۔

ڈریکولا کا جب بھی تصور کرو تو سامنے یہ ہی نظر آتا ہے کہ مظلوم انسان کا خون پیا جارہا ہے پاکستان میں اس خیالی کردار کو حقیقت کا روپ ملا اور ایک ڈریکولا سسٹم یعنی خون پینے والا سسٹم ، اور اس سسٹم کے زریعے ہی گذشتہ 65 سال سے پاکستان کے عوام کا خون پیا جارہا ہے۔ ملک کے جاگیردار، سرمایہ دار، بیوروکریسی ، جنرل اور سیاستدان سب ملکر عوام کا خون پیتے رہے ہیں اور پی رہے ہیں۔ مگر لگتا ہے بحثیت پاکستانی قوم ہمیں بھی خون پلانے کی عادت ہو چکی ہے، ہم اپنی خوشی اور مرضی سے خون پینے والوں کو منتخب کرتے ہیں اور پھر اپنا خون پلا پلا کر انہیں پالتے ہیں ،تاکہ اگلی دفعہ بھی انہیں خون پینے والوں کو منتخب کر سکیں۔لگتا ہے ہمیں پاکستانی ڈریکولا بہت پسند ہیں۔

باسٹھ سالہ پاک چین دوستی زندہ باد

پاکستان اور چین کی دوستی سمندروں سے گہری اور ہمالیہ سے اونچی ہے۔ اکیس مئی 1951 پاکستان اور چین کی دوستی اور سفارتی تعلقات کے آغاز کا دن تھا۔ چین نے ہر مرحلے پر یہ ثابت کیا کہ وہ پاکستان کا سچا دوست ہے جبکہ پاکستان نے بھی جواب میں ایسا ہی کیا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان 1965اور 1971 کی جنگوں میں چین نے کھل کر پاکستان کا ساتھ دیا اور اسے نہ صرف جنگی سازو سامان مہیا کیا بلکہ بھارت کو جنگ بندی کے لیے الٹی میٹم بھی جاری کیا۔ پاکستان نے بھی 1962کے چین بھارت سرحدی تنازعے میں چین کا ساتھ دیا تھا۔ ساری دنیا اس پاک چین دوستی کی قدر کرتی ہے، ایک عرصے تک پاکستان اقوام متحدہ میں چین کا کیس لڑتا رہا۔ امریکہ بھی گہری پاک چین دوستی سے اچھی طرح واقف ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ 9 جولائی 1971 کو سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے چین سے دوستی کے لیے پاکستان کی مدد سے چین کا پہلا خفیہ دورہ کیا تھا۔ اسوقت کے چینی وزیر اعظم چو این لائی نے امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر سے کہا تھا کہ "آپ جس پُل یعنی پاکستان کے ذریعے ہم تک آئے ہیں اسے ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیئے"۔ آج چین اپنے عوام اور اپنے عظیم سیاسی رہنماوں کی شب و روز محنت سے دنیا کی عظیم معاشی اور سیاسی طاقت بننے جا رہا ہے۔ وزیر اعظم چو این لائی سے موجودہ

وزیر اعظم لی کی چیانگ تک چین کی خارجہ پالیسی ہمیشہ غیر جانبدارانہ اور منصفانہ رہی ہے۔ چین کے نئے وزیر اعظم لی کی چیانگ نے ماہ مئی میں پاکستان کا دورہ کیا تھا اور وزیر اعظم نواز شریف کو دورہ چین کی دعوت دی تھی۔

وزیر اعظم نواز شریف کے دورہ چین کے موقع پر پاکستان اور چین کے درمیان 8 معاہدوں پر دستخط کیے گئے ہیں، ان میں اقتصادی راہداری کے معاہدے کے تحت گوادر سے کاشغر تک سڑکوں اور ریلوے کا نیٹ ورک تعمیر کیا جائے گا، راولپنڈی سے خنجراب تک 440 ملین ڈالر کی لاگت سے فائبر آپٹک نیٹ روک تین سال کے عرصے میں بچھایا جائیگا، کوئلے سے چلنے والے 2000 میگاواٹ کے پلانٹس کی تعمیر بھی معاہدوں کا حصہ ہے ، اس کے علاوہ پولیو کے خاتمے ، اقتصادی اور تکنیکی شعبوں میں تعاون، ایکس چینج اور کارپوریشن کی مفاہمتی یادداشت پر دستخط بھی کیے گئے ہیں، پنجاب حکومت اور چین کے درمیان شمسی توانائی کے منصوبے پر معاہدہ ہوا ہے۔ اسکے علاوہ نواز شریف نے چین کے بڑے بنکوں کے سربراہوں سے بھی ملاقات کی جس میں بنکوں کے سربراہوں نے معدنیات ، ٹیلی کمیونیکشن اور توانائی کے اربوں ڈالر کے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرنے میں دلچسپی ظاہر کری۔ آج پاکستان کی جو معاشی صورتحال ہے اُس میں ان منصوبوں کی تکمیل پاکستان کی معیشت کو آکسیجن کا حصول ہوگا اور جس سے ہماری معیشت کو صحت ملے گی۔ وزیر اعظم نواز شریف ان معاہدوں کو اپنی کامیابی قرار دینگے اور دینا

بھی چاہیے۔ لیکن نواز شریف مبارکباد کے حقدار تب ہی ہونگے جب یہ منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچ جاینگے۔

سابق پیپلز پارٹی کی حکومت نے بھی کافی منصوبوں پر چین سے معاھدئے کیے مگر ان میں سے اکثریت پر عمل نہ ہوسکا اور منصوبے صرف منصوبے ہی رہے۔ چین کی طرف سے ان منصوبوں کو مکمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی مگران منصبوں پر عمل نہ ہونے کی وجہ پاکستان میں کرپشن کی بھرمار، انتظامی نااہلی، سیاسی مخالفت، دہشت گردی اور دوسرئے ملکوں کی بے جامداخلت ہے۔ ان وجوہات کی وجہ سے مارچ دوہزار بارہ میں کمرشل و صنعتی ترقی کے چینی بینک نے پاک ایران گیس پایپ لائن منصوبے کے لئے مالی وسائل کی فراہمی سے باضابطہ معذرت کر لی تھی۔ نندی پور پاور پراجیکٹ جس سے 450 میگاواٹ بجلی پیدا ہوگی پیپلزپارٹی کی حکومت کی طرف سے پراجیکٹ کو غیر معمولی تاخیر کا شکار کرنے پر چینی ماہرین واپس چلے گئے تھے اور کراچی پورٹ پر کروڑوں روپے کی مشینری ضائع ہورہی ہے۔ سابقہ دور حکومت میں مختلف منصوبوں پر کام کرنے والے چینی انجینئرز کو نہ صرف اغوا کیا گیا بلکہ ان کے کو قتل بھی کردیا گیا جس کی وجہ سے مختلف منصوبے یا تو ختم کردیےَ گے یا ان میں تاخیر کی وجہ ان کی لاگت بڑھ گی۔ اب بھی ملک میں صورتحال ویسی ہی ہے جو پیپلزپارٹی کے رمانے میں تھی۔ اسلیے نواز شریف حکومت کو ان وجوہات کو سب سے پہلے ختم کرنا ہوگا۔ کرپشن،

انتظامی نااہلی اور سیاسی مخالفت نواز شریف حکومت کا ایک طرح سے اندرونی مسئلہ ہے، اگر سابق حکومت کی طرح نواز شریف اور انکی پارٹی کے لوگ کرپشن میں ملوث نہ ہوئے تو نہ صرف کرپشن بلکہ انتظامی نااہلی بھی ختم ہو سکتی ہے، سیاسی طور پر ابھی تک نواز شریف کی جانب سے کیئے جانے والے اقدامات مثبت ہیں تو امید کی جا سکتی ہے کہ قومی معاملات میں سیاسی مخالفت آڑے نہیں آئے گی۔ پاکستان ایک عرصے سے دہشت گردی کا شکار ہے اور اسکی ہی وجہ سے پاکستان کی معاشی صورتحال مسلسل تنزلی کا شکار ہے، اس دہشت گردی میں ہندوستان، مغربی طاقتیں اور امریکہ شامل ہیں۔ مذہب اور آزادی کے نام پر ہونے والی اس دہشت گردی کا مقصد پاکستان کو معاشی اور سیاسی طور پر کمزور کرنا ہے، اس کے علاوہ چین کے دنیا میں بڑھتے ہوئے معاشی اور سیاسی اثرورسوخ کو روکنا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ پاکستان میں ڈرون حملے اور دہشت گردوں کے حملے مسلسل جاری ہیں۔ اسلیئے حکومت کو اگر ان معاہدوں میں شامل منصوبوں پر مکمل عمل کرنا ہے تو ڈرون حملوں کو روکنا اور دہشت گردی کو جڑ سے ختم کرنا ہوگا۔ پاکستان اور چین کی دوستی سمندروں سے گہری اور ہمالیہ سے اونچی ہے اور انشااللہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ باسٹھ سالہ پاک چین دوستی زندہ باد۔

کرکٹ مگر یوسفی کی زبانی

ہم نے اپنے بچپن کا دور صرف ٹیسٹ کرکٹ کو دیکھنے اور سننے میں گذارا پھر ایک روزہ کرکٹ کا وجود ہوا مگر ٹیسٹ کرکٹ شاید دنیا کا واحد کھیل ہے جس میں عام طور پر 5 روز میں بھی کوی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، جبکہ ایک روزہ کرکٹ بھی پورے دن پر محیط ہوتی۔ جبکہ ٹی ٹوئنٹی نے تو دورانیے کا مسئلہ ہی ختم کر دیا۔ شرفاء کا کھیل کرکٹ جو اب سٹہ بازوں اور جواری کھلاڑیوں کی وجہ سے مشکوک کھیل بن گیا ہے اس کرہ ارض پر سو سال سے زائد بہاریں دیکھ چکا ہے۔ جو کرکٹ کو واقعی سمجھتا ہے، صرف وہی جانتا ہے کہ کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جو آپ کو ہر ہر لمحے محظوظ کرے گا۔ایک بلے باز کا میدان میں بلا گھماتے ہوئے داخل ہونا، پھر گارڈ لینے اور کھیلنے کے لیے تیار کھڑے ہونے کا اپنا انوکھا انداز، جو بلے بازی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی باریکیوں کو سمجھتے ہیں، اُن کے لیے اس پورے عمل کا ایک ایک لمحہ لذت آمیز ہے۔ اس کے بعد جب کھیل کا آغاز ہوتا ہے اور بلے باز اپنی تکنیکی مہارت کا مظاہرہ کرتا ہے، چاہے دفاعی انداز میں کلائی کا استعمال ہو یا جارحانہ انداز سے بلا گھمانا، ہر انداز ایک نا قابل بیان لذت کا احساس دیتا ہے۔ دوسری طرف گیند بازی اپنے اندر ایک الگ قسم کی خوبصورتی سموئے ہوئے ہے۔ تیز گیند

باز ہو، یا بلے باز کو اپنی انگلیوں کے ذریعے نچانے والا اسپن گیند باز، گیند لے کر ان کا دوڑنے اور گیند پھینکنے کا مرحلہ تو ہیجان خیز ہے ہی لیکن ٹپہ پڑنے کے بعد گیند کس طرح بلے باز کو دھوکا دیتی ہے، یہ سب بھی شائقین کرکٹ کے لیے لذت بے شمار ساماں لیے ہوئے ہیں۔

مشتاق احمد یوسفی صاحب ہمارے ملک کے مایہ ناز مزاح نگار ہیں، انہوں نے اپنی ایک مشہور کتاب "چراغ تلے" میں ایک مضمون کرکٹ کے نام سے لکھا ہے مگر یاد رہے یہ کتاب تب لکھی گی تھی جب ایک روزہ یا ٹونٹی 20 کا کوئی وجود نہ تھا صرف ٹیسٹ کرکٹ کھیلا جاتا تھا۔ وہ اپنے مضمون کرکٹ میں لکھتے ہیں :

ہم آج تک کرکٹ نہیں کھیلے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں اس کی بُرائی کرنے کا حق نہیں۔ اب اگر کسی شخص کو کتے نے نہیں کاٹا، تو کیا اس بدنصیب کو کتوں کی مذمت کرنے کا حق نہیں پہنچتا؟ ذرا غور کیجیے۔ افیم کی بُرائی صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو افیم نہیں کھاتے، افیم کھانے کے بعد ہم نے کسی کو افیم کی بُرائی کرتے نہیں دیکھا۔ دیکھا جائے تو کھیل کام کی ضد ہے۔ جہاں اس میں گمبھیرتا آئی یہ کام بنا۔ یہی وجہ ہے کہ پولو انسان کے لیے کھیل ہے اور گھوڑے کے لیے کام۔ فی زمانہ ہم شاعری کو، جب تک وہ کسی کا ذریعہ معاش نہ ہو، نری عیاشی بلکہ بدمعاشی سمجھتے ہیں۔

کرکٹ سے ہماری دل بستگی ایک پرانا واقعہ ہے جس پر آج سو سال بعد تعجب یا تاسف کا اظہار کرنا اپنی ناواقفیت عامہ کا ثبوت دینا ہے۔ 1857 کی رستخیز کے بعد بلکہ اس سے کچھ پہلے ہی، ہمارے پُرکھوں کو انگریزی کلچر اور کرکٹ کے باہمی تعلق کا احساس ہو چلا تھا۔ چنانچہ سرسید احمد خان نے بھی انگریزی تعلیم و تمدن کے ساتھ ساتھ کرکٹ کو اپنانے کی کوشش کی۔ روایت ہے کہ جب علیگڑھ کالج کے لڑکے میچ کھیلتے ہوتے تو سرسید میدان کے کنارے جانماز بچھا کر بیٹھ جاتے۔ لڑکوں کا کھیل دیکھتے اور رو رو کر دعا مانگتے۔

"الٰہی! میرے بچوں کی لاج تیرے ہاتھ ہے۔"

جیسا کہ اُوپر اشارہ کیا جاچکا ہے، کرکٹ انگریزوں کے لیے مشغلہ نہیں، مشن ہے۔ لیکن اگر آپ نے کبھی کرکٹ کی ٹیموں کو مئی جون کی بھری دوپہر میں ناعاقبت اندیشانہ جرات کے ساتھ موسم کو چیلنج کرتے دیکھا ہے تو ہماری طرح آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ ہمارے ہاں کرکٹ مشغلہ ہے نہ مشن، اچھی خاصی تعزیری مشقت ہے۔ ہمارے ہاتھوں جس طرح ہلکا پھلکا کھیل ترقی کرکے کام میں تبدیل ہوگیا وہ اس کے مُوجدین کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ غالب نے شاید ایسی ہی کسی صُورت حال سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ ہم مغل

بچے بھی غضب ہوتے ہیں، جس پر مرتے ہیں اس کو مار رکھتے ہیں۔اور اس کا سبب
بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کھیل کے معاملے میں ہمارا رویہ بالغوں جیسا نہیں ، بلکل
بچوں کا سا ہے۔ اس لحاظ سے کہ صرف بچے ہی کھیل میں اتنی سنجیدگی برتتے ہیں۔ پھر
جیسے جیسے بچہ سیانا ہوتا ہے، کھیل کے ضمن میں اس کا رویہ غیر سنجیدہ ہوتا چلا جاتا ہے
اور یہی ذہنی بلوغ کی علامت ہے۔

کرکٹ کے رسیا ہم جیسے ناآشنائے فن کو لاجواب کرنے کے لیے اکثر کہتے ہیں :

"میاں ! تم کرکٹ کی باریکیوں کو کیا جانو؟ کرکٹ اب کھیل نہیں رہا، سائنس بن گیا ہے

سائنس! "

ایبٹ آباد: کیا اسامہ زندہ تھا؟

دو مئی 2011 کو پاکستان کے شہر ایبٹ آباد میں ایک ڈرامہ ہوا جس کی ہدایت کاری امریکی صدر اوبامہ کر رہا تھا۔ڈرامہ کا نام تھا "اسامہ بن لادن کی موت" ڈرامہ کا آغاز آدھی رات کے بعد شروع ہوا جب چار امریکی ہیلی کاپٹر افغانستان کے شہر جلال آباد سے روانہ ہوئے اور قریبا چالیس منٹ تک پاکستان کی حدود میں بغیر کسی رکاوٹ کے پرواز کرتے ہوئے ایبٹ آباد میں جہاں پاکستان کی سب سے بڑی فوجی تربیت گاہ ہے اس کے بہت قریب ہی ایک مکان کے پاس اترے۔ ان ہیلی کاپٹروں میں امریکی کمانڈوز موجود تھے جو بغیر کسی رکاوٹ کے اس مکان میں داخل ہوئے، پانچ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا، گھر کی تلاشی لی اور کچھ سامان اپنے قبضے میں لیا۔ ایک ہیلی کاپٹر کو خرابی کی بناہ پر دھماکے سے اڑادیا، پھر پانچ لاشوں میں سے ایک لاش کو اپنے ساتھ لیا اور واپس اپنے ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر بڑے اطمینان کے ساتھ جہاں سے آئے تھے وہاں واپس پہنچ گے۔ ڈرامہ کا کل دورانیہ تھا تقریبا دو گھنٹے پینتالیس منٹ۔ڈرامہ کے ہدایت کار اوبامہ نے اس ڈرامہ کے خاتمے کے چند گھنٹے بعد ہی اوٹ پٹانگ طریقے سے پوری دنیا کو مطلع کیا کہ امریکہ کا بنایا ہوا مجاہد اسامہ بن لادن جو بعد میں امریکہ کی مخالفت کی وجہ سے دہشتگرد ہوگیا اسکو امریکی کمانڈوز نے پاکستان کے شہر ایبٹ آباد میں

ہلاک کر دیا۔ امریکی صدر نے یہ خبر دیتے ہوئے کبھی کہا "مجھے اطلاع موصول ہوئی تھی"، کبھی کہا "میں نے بذات خود نگرانی کی" اور کبھی کہا کہ "میں نے حکم دیا"۔ یہ خبر پوری دنیا کے لیے اور خاصکر امریکہ اور مغربی ممالک کے لیے بہت ہی خوشی کا باعث تھی۔ اگلے دن پاکستانی صدر آصف زرداری کا ایک مضمون ایک امریکی اخبار میں شائع ہوا جس میں اس غلط امریکی کارروائی کو جائز قرار دیا بلکہ امریکہ کو تعریف و تحسین کی سند بھی دی۔ اس وقت کے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے اسے امریکہ کی عظیم کامیابی قرار دیا۔ لندن میں مقیم اس وقت کے پاکستانی ہائی کمشنر واجد شمس الحسن نے تو یہ انکشاف کرڈالا کہ آپریشن ہمارے تعاون سے ہوا ہے۔ جبکہ ہماری مسلح افواج نے تین دن کے بعد چپ کا روزہ توڑا اور جو کہا وہ نا قابل اعتبار تھا۔

اس ڈرامے کی تیاری میں چھ ماہ کا عرصہ لگا، اس عرصہ میں اس گھر کے قریب جہاں نام نہاد اسامہ رہتا تھا امریکن ایڈ پروگرام کا آفس کھولا گیا، ایک پاکستانی ڈاکٹر شکیل آفریدی کو پولیو کی فرضی مہم چلانے اور علاقے کی جاسوسی کرنے کے لیے امریکی ڈالرز کے عوض خریدا گیا۔ ڈاکرا شکیل آفریدی کا امریکن ایڈپروگرام کے آفس میں آزادی سے آنا جانا تھا جہاں اُس نے امریکیوں سے تقریبا پچیس ملاقاتیں کیں۔ یہ ڈرامہ اس وقت رچایا گیا جب اسامہ بن لادن کو مرئے ہوئے نوسال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا تھا۔ یہ بات ساری دنیا کو معلوم

ہے کہ اسامہ بن لادن شگر اور بلڈ پریشر کے مرض میں مبتلا تھا، 2001 میں ان بیماریوں کی وجہ سے اُس کے گردے ناکارہ ہو چکے تھے اور اسکو ہر تیسرے روز ڈالیسیز کرانا لازمی تھا، اسکے لیے ایک موبائل ڈالیسیز مشین اسکے پاس تھی جس سے قندھار میں رہتے ہوئے اُسکا علاج ہوتا رہا۔ افغانستان پر امریکی حملے کے بعد اسامہ بن لادن کبھی ایک جگہ نہ رہ سکا، اس کو آخری بار تورا بورا کے پہاڑوں میں دیکھا گیا۔ اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ اُسکے ساتھ ایک ڈالیسیز مشین تھی تب بھی ایک ڈالیسیز مشین کے لیے بجلی کا ہونا لازمی ہے جو تورا بورا کے پہاڑوں میں میسر نہیں تھی، دوسرے ڈالیسیز کا عمل کرنے کے لیے ایک مخصوص ماحول ہوتا ہے تاکہ مریض کو انفیکشن نہ ہو، اور جن حالات کا اسامہ کو سامنا تھا اس میں اس کا علاج ناممکن تھا۔

اس ڈرامے کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس ڈرامے کے شروع ہونے سے پہلے ایک ویب سائٹ ایسی بھی تھی جس کو وقتی طور پر ہیک کر لیا گیا اس سائٹ کا نام ہے واٹ ریلی ہیپنڈ" یعنی اصل میں کیا ہوا۔ دو دن بعد یہ سائٹ بحال ہو گئی اور اس کے " بعد سے یہ نارمل کام کر رہی ہے۔ اس ویب سائٹ کو ہیک کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس ویب سائٹ پر ایسی خبریں موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسامہ بن لادن کی موت کو کافی عرصہ بیت چکا تھا۔ ان خبروں میں امریکی فوجی افسران کے بیانات، نامور اخبارات گارجین، نیویارک ٹائم، ٹیلیگراف اور معروف ٹیلی

وژن چینل سی این این ، فوکس نیوز اور بی بی سی پر نشر ہونے والی خبریں اور انٹرویو موجود ہیں۔ اسی ویب سائٹ پر مصر سے شایع ہونے والے ایک میگزین ال وفد کے دسمبر 2001 کی ایک خبر کا عکس بھی موجود ہے جس میں واضع طور پر کہا گیا ہے 26 کہ اسامہ بن لادن کا انتقال دس روز قبل ہوچکا ہے۔ برطانیہ کا اخبار ٹیلیگراف 28 دسمبر میں لکھتا ہے کہ پینٹاگون کے مطابق 14 دسمبر تک خفیہ ادارے تورابورا پر 2001 موجود اسامہ بن لادن کی آواز کو ریڈیو کے زریعے مستقل سنتے رہے مگر اُس کے بعد نہیں، اور صدر بش نے یہ اشارہ بھی دیا کہ شاید بن لادن کی خاموشی اس لیے ہو کہ وہ مرچکا ہے۔ نیویارک ٹائم نے اپنی 11 جولائی 2002 کی اشاعت میں لکھا ہے کہ اسامہ بن لادن جو ہمیشہ خبروں میں رہنا پسند کرتا ہے چاہے اُس نے کچھ بھی نہ کیا ہو گذشتہ نو ماہ سے خاموش ہے۔ 26 جولائی 2001 کو فوکس نیوز نے روزنامہ پاکستان آبزرور کے حوالے سے بتایا کہ اسامہ بن لادن مرچکا ہے۔ فوکس نیوز نے بتایا تھا کہ گردوں کے مرض میں مبتلا اسامہ بن لادن علاج نہ ہونے کی وجہ سے مرچکا ہے، یہ بات ایک طالبان لیڈر نے بتائی جو اسکی تدفین میں شریک تھا۔ بقول فوکس نیوز افغانستان میں موجود کولیشن ٹروپس جو اسامہ کو تلاش کر رہے ہیں وہ اب کبھی بھی القائدہ کے رہنما کو زندہ یا مردہ تلاش نہیں کرپائینگے۔

الجزیرٹی وی نے 27 جولائی 2001 کو اسامہ بن لادن کی ایک ویڈیو ٹیپ چلائی جس

میں واضح نظر آرہا ہے کہ اسامہ بہت بیمار ہے۔ بعد میں جب یہ ٹیپ سی این این پر چلی تو ٹیلیگراف کے مطابق بش انتظامیہ نے اسکو جعلی قرار دیا کہ اس میں ماسک کا استمال کیا گیا ہے اور اسامہ مرچکا ہے، شاید یہ اسامہ کا حکم ہو کہ اُسکے مرنے کے بعد یہ ٹیپ چلائی جائے۔ سی این این نے اس وقت کے پاکستانی صدر پرویز مشرف کے حوالے سے بتایا کہ شاید اسامہ تورابورا میں مرچکا ہے، افغانی صدر حامد کرزئی نے بھی کہا کہ ممکن ہے اسامہ مرچکا ہے، جبکہ ملا عمر زندہ ہے۔ ایف بی آئی کے ٹیررزم کاونٹر کے سربراہ ڈیلی واٹسن نے بھی بی بی سی سے یہ ہی کہا تھا کہ شاید اسامہ مرچکا ہے۔ سی این این کی رپورٹ کے مطابق 2001 میں سعودی عرب کے انگریزی اخبار عرب نیوز کے لندن آفس کے ایڈیٹر انچیف نے اخبار میں لکھا تھا کہ اسامہ مرگیا ہے یا مرنے والا ہے۔

افغانستان میں طالبان کو منظم کرنے والے افسانوی شہرت کے حامل سابق فوجی افسر امیر سلطان تارڑ نے افغانستان میں فرائض کی بجاآوری کے دوران کرنل امام کا فرضی نام اختیار کیا تھا۔ وہ آئی ایس آئی کے ان افسران میں شامل تھے جنھوں نے سوویت فوجوں کے خلاف نام نہاد جہاد کیلئے افغان مجاہدین کی براہ راست بھرتی کی تھی۔ان کے نام نہاد جہادی شاگردوں میں افغان طالبان کا سربراہ ملا عمر بھی شامل ہے۔ پاکستان کے ایک صحافی چودھری ذبیح اللہ بلگن کی اس بات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ کرنل امام نے ایک ٹی وی انٹرویو میں اُنکو ایبٹ آباد واقعہ سے تین سال قبل بتلایا کہ وہ خود اسامہ بن لادن کے جنازے اور

تدفین میں شریک ہو چکے ہیں۔ اسامہ کو گردے کا عارضہ تھا وہ تمامتر علاج کے باوجود اس مرض سے صحت یاب نہ ہو سکا اور اس کا انتقال ہوگیا۔ اُسکو افغانستان کے ایک گاؤں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اگر اوپر بیان کی گی تفصیلات سچ ہیں تو دو سوال پیدا ہوتے ہیں کہ اوبامہ نے یہ ڈرامہ کیوں کیا ؟ اور ایبٹ آباد میں مارا جانے والا شخص کون تھا ؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایبٹ آباد کمیشن ان دو سوالوں کا جواب تلاش کرتا مگر وہ دوسری طرف نکل گیا جس کی وجہ سے اس کمیشن کی رپورٹ بے مقصد ہے۔ اب کمیشن سے پاکستانی قوم کا ایک سوال ہے کہ "کیا ایبٹ آباد آپریشن کے وقت اسامہ بن لادن زندہ تھا؟"۔

دوستوں ایبٹ آباد آپریشن کی حقیقت جاننا کوئی مشکل کام نہیں بس تھوڑی سی تحقیق کی ضرورت ہے۔ ایک سوال کہ "اوبامہ نے یہ ڈرامہ کیوں کیا؟" اسکا جواب آپکو میرے اگلے مضمون میں مل جائے گا۔

کراچی یا "لاوارث کراچی"؟

دو دن پہلے میرے ایک دوست کے صاحبزادے شکیل بہت عرصے بعد ایک کام کے سلسلے میں میرے گھر آئے تو خیریت کے ساتھ ساتھ دوسری باتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ شکیل 1980 میں کراچی میں پیدا ہوا تھا۔ میں شکیل کو بتانے لگا کہ میری اور اُسکے والد کی دوستی بہت پرانی ہے ،ہم دونوں ہی کراچی میں پلے بڑھے ہیں۔ پھر میں نے اُس سے کراچی کا ذکر شروع کردیا اور کہنا شروع کیا کہ کراچی روشنیوں اور امن کا شہر تھا، کراچی بڑا غریب پرور شہر تھا، یہاں ہر ایک کو روزگار کی آسانیاں تھیں، کراچی رات کو بھی جاگتا تھا، اگر آپ کو رات کو گرم کھانا کھانے کا دل چاہے تو رات کے تین بجے گرما گرم روٹی اور نہاری مل جاتی تھی۔چوبیس گھنٹے میں کسی بھی وقت کراچی کے کسی بھی علاقے میں جہاں آپکا دل چاہے یا کوئی کام ہو آپ جاسکتے تھے۔ ایک ہی محلے میں مختلف زبانیں اور مختلف عقائدکے لوگ امن وامان سے رہتے تھے، ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں رشتہ داروں کی طرح شریک ہوتے تھے۔ ابھی میں کراچی کے بارے اور بھی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ شکیل کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور مجھ سے احتجاج کے انداز میں کہنے لگا انکل شاید آپ مجھے مائی کلاچی کے زمانے کی تاریخ سنا رہے ہیں جس کو آپ کراچی کہتے ہیں اور جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں، میں تو اٹھارہ ملین کی آبادی کے اس شہر "لاوارث

کراچی" میں رہتا ہوں اور اگر آج ان خوبیوں میں سے جو آپ نے بیان کی ہیں ایک بھی موجود ہو تو بتادیں۔ میں آج گھر سے باہر جاتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کوئی مجھے لوٹ نہ لے، کوئی ٹارگیٹ کلر مجھے اپنا نشانہ نہ بنالے، کسی بازار میں کوئی خود کش حملہ آور نہ آجائے، کسی مسجد میں نماز کے لیے جاتا ہوں تو بم دھماکے کا خوف رہتا ہے، کسی بس میں سفر کرتا ہوں تو خوف رہتا ہے کہ اس کا گیس کا سلنڈر نہ پھٹ جائے، کسی ایسے علاقے میں نہیں جاتا جہاں دوسری زبان بولنے والے رہتے ہوں، ڈرتا ہوں مجھے میری زبان کی بنیاد پر نہ مار دیں، اور کسی دوسرے عقیدے والے کو اپنے عقیدہ کا پتہ نہیں ہونے دیتا کہ کہیں وہ مجھ کو مار کر جنتی نہ ہوجائے۔ آج میرے اس شہر "لاوارث کراچی" کا حال یہ ہے کہ جس کی جب مرضی چاہے چند غنڈوں سے ہوائی فائرنگ کرواکر بازار بند کرادیتا ہے، آپ رات کو گرم کھانا کھانے کی بات کرتے ہیں یہاں کبھی کبھی دن میں بھی آٹا نہیں ملتا۔ ہر طرف موت کا رقص ہے، ہر آنکھ اشک بار، ہر دل غم زدہ ہے، مرنے والے کو نہیں پتہ اسے کیوں مارا گیا، اب تو درندوں سے نہیں انسانوں سے خوف آتا ہے۔ یہ شہر جس کے ماضی کو آپ دودھ اور شہد کی بہتی نہروں سے تشبیہ دے رہے ہیں آج اس میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں، شہر کا کوئی ایسا گھر نہیں جس کے مکین راستوں میں لیٹروں اور گھروں میں ڈاکوں سے نہ لٹے ہوں، یا پھر کوئی غیر فطری موت کا شکار نہ ہوئے ہوں۔ اور اگر خوقسمتی سے ایسا نہ ہوا ہو تو اُنکے عزیزوں اور دوست احباب میں ایسے ضرور موجود ہونگے۔

ابھی میں شکیل کی باتوں پر غور ہی کر رہا تھا کہ وہ پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا آپ جس کراچی کی بات کر رہے ہیں اُس میں آپ جب بھی قبرستان گے ہونگے تو آپکو قبرستان کا ایک بڑا حصہ خالی ملا ہوگا مگر اب میرے شہر "لاوارث کراچی" میں قبرستان آباد ہوگئے بلکہ کم پڑ گے ہیں، کپڑے میں لٹھے کا کاروبار سب سے زیادہ ہو رہا ہے، گورکنوں کے گھر خوشحالی آ گئی ہے، مردہ خانے کم پڑ گئے ہیں، گھر ویران اور سستے مگر قبروں کی قیمتیں چار گنا ہو گئی ہیں۔ ویسے تو پورا شہر ہی ایک آفت زدہ شہر بنا ہوا ہے جہاں موت کا رقص ہر روز ہو رہا ہے۔ ابلیس بھی حیران اور پریشان ہوگا کہ یہ کون ہیں جو میرا کام مجھ سے زیادہ کر رہے ہیں۔ میں اِسی آفت زدہ شہر "لاوارث کراچی" کے صرف ایک علاقہ لیاری کے بارے میں آپکو بتاتا ہوں جہاں آج حکومت کی کوئی عملداری نہیں ہے۔ لیاری کراچی کا ایک بہت پرانا اور بدنصیب وہ علاقہ ہے جہاں اکثریت میں غریب لوگ رہتے ہیں۔ لیاری کے 11 علاقے آگرہ تاج کالونی، بہار کالونی، رانگیواڑہ، سنگولین، علامہ اقبال کالونی، چاکیواڑہ، شاہ بیگ لین، دریا آباد، نوا آباد، کھڈا میمن، بغدادی ہیں۔ آپ ان میں سے کسی علاقے میں بھی چلے جایں آپکو ہر طرف غربت، جہالت اور لاچاری دیکھنے کو ملے گی۔ ویسے تو پورے پاکستان کا ہی کچھ نہیں بدلا بلکہ پاکستان پیچھے چلا گیا مگر آج جو لیاری کا حال ہے اُس پر ہر پاکستانی کو فکر ہے۔ لیاری میں جرائم پیشہ عناصر تو ہمیشہ سے ہی رہے

ہیں مگر آج جیسی صورتحال کبھی نہ تھی۔ سندھ کے سابق صوبائی وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا نے لیاری پر جو کمال مہربانی کیا آج لیاری میں رہنے والے اُس کی بھرپور قیمت ادا کر رہے ہیں۔ رحمان ڈکیت جیسے لوگ ذوالفقار مرزا کی ہی پیداوار ہیں اور گینگ وار بھی ان ہی کی مہربانی ہے۔ جب سے سندھ میں مئی 2013 کے انتخابات کے بعد حکومت قائم ہوئی ہے، پورے شہر میں ٹارگٹ کلنگ اور لیاری میں گینگ وار بڑھ گیں ہیں۔ یوں تو لیاری میں رہنے والا ہر شخص ہی پریشان ہے مگر اس مرتبہ بڑھتے ہوئے تشدد کا سب سے زیادہ شکار کچھی برادری کے لوگ ہوئے ہیں۔ ہزاروں پریشان حال لوگ اپنی اور اپنے گھر والوں کی زندگی بچانے کے لیے نہ صرف دوسرے علاقوں میں چلے گے ہیں بلکہ سینکڑوں ایسے ہیں جو یا تو شہر چھوڑ کر چلے گئے ہیں یا جا رہے ہیں۔ کچھی برادری کے بدین میں 450 اور بھنبور میں 150 افراد موجود ہیں جو لیاری سے نقل مکانی کر کے وہاں پہنچے ہیں، ان میں خواتین، بچے اور بوڑھے بھی شامل ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ ان کے گھروں پر حملے ہوئے ہیں اور حملہ آور لوگوں کے گھروں کو بھی مسمار کر رہے ہیں۔ لیاری سے سینکڑوں افراد کا دوسرے شہروں کو چلا جانا اس بات کی نشاندہی ہے کہ اُن مظلوموں کا اب اس شہر میں کوئی وارث نہیں، اور اگر اس رسم کو ابھی نہ روکا گیا تو آج لیاری تو کل کسی دوسرے علاقے کی باری ہوگی۔ یہ کہہ کر شکیل جانے کے لیے کھڑا ہوا اور مجھے کہنے لگا انکل یہ تو صرف کراچی کے ایک علاقے کی صورتحال ہے، باقی کراچی کا حال چاہے وہ اورنگی ہو یا پٹھان کالونی،

ملیر ہو یا لانڈھی سب کی صورتحال لیاری سے ملتی جلتی ہی ہے، اس لیے آپ اسے کراچی کہیں مگر جب لوگ اپنا شہر چھوڑنے پر مجبور ہونگے تو میں آپکے کراچی کو "لاوارث کراچی" کہونگا۔

مرکز میں پیپلزپارٹی کی حکومت کے دوران سپریم کورٹ نے قائم علی شاہ کی حکومت کو نا اہل قرار دیا تھا، اگر مرکز میں پیپلزپارٹی کی حکومت نہ ہوتی تو شاید سندھ میں گورنر راج آجاتا۔ بدنصیبی سے سندھ میں پیپلزپارٹی اپنی پانچ سالہ بری کارکردگی کے باوجود دوبارہ سندھ میں برسراقتدار ہے اور قائم علی شاہ ہی وزیراعلی ہیں۔ قائم علی شاہ کی گذشتہ 5 سال میں جو کارکردگی رہی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ سندھ کے بڑے شہروں کے لئے کوئی بڑا ترقیاتی منصوبہ نہیں بنایا۔ امن وامان کی صورتحال بدترین رہی۔ اسٹریٹ کرائم کے حوالے سے کراچی سرفہرست ہے۔ کراچی کی سڑکوں پر صرف 2012 میں 2300 افراد کو ٹارگٹ کلنگ کانشانہ بنایاگیا، کرپشن عام رہی۔ رشوت لے کر نوکریاں دینے کا رواج عام رہا۔ کراچی جو پاکستان کا معاشی حب ہے اسکا وہ برا حال ہے کہ یہ شہر جو کبھی امن کا گہوارہ تھا آج لاقانونیت اور لاشوں کا شہر بن چکا ہے۔ قائم علی شاہ کے پانچ سالہ دور میں کراچی میں دہشت گردی اور ٹارگیٹ کلنگ سے پانچ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے، بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان اس شہر میں عام بات تھی اور اب بھی ہے۔ سرکاری اور فوجی املاک پر حملے، فرقہ وارانہ

نفرت، بے روزگاری اور مہنگائی اس حکومت کے تحفے تھے جو اب بھی جاری ہیں۔ کراچی کے ان حالات کی ذمیدار نہ صرف پیپلزپارٹی کی حکومت ہے بلکہ وہ تمام سیاسی اور مذہبی سیاسی جماعتیں ذمیدار ہیں جو اس شہر کی سیاست میں شامل ہیں۔ ان میں ایم کیوایم پر سب سے زیادہ ذمیداری ہے، کچھ حلقوں کی طرف سے کہا گیا ہے کہ لیاری کی بدامنی میں ایم کیوایم بھی ذمیدار ہے مگر ایم کیوایم اس سے انکاری ہے۔ بہرحال نہ صرف ایم کیوایم بلکہ جماعت اسلامی، اے این پی، تحریک انصاف اور باقی دوسری جماعتوں کی ذمیداریاں کم نہیں ہیں۔ نواز شریف اور قائم علی شاہ کو کراچی چھوڑ کر بدین جانے والوں کا خیال جب آیا جب ملکی اور غیر ملکی میڈیا میں یہ خبر سرفہرست بن گی۔

لاقانونیت کا شکار یہ شہر جب تک بدحالی کا شکار رہے گا جب تک صاحب اقتدار اس شہر کو سیاست سے بالاتر ہو کر اس کا علاج نہیں کرینگے۔ کڑوی گولیاں نگلیں پڑینگی تب ہی علاج ہوگا۔ وہ سریلے ترانے جو یہ کہتے تھے کہ ریاست ہوگی ماں کے جیسی پتہ نہیں کس نے کہے تھے۔ اب بھی مرکز میں موجود مسلم لیگ ن اور سندھ میں موجود پیپلزپارٹی نے اس شہر کے لیے کچھ نہ کیا تو پھر اس شہر پر دہشت گردوں، ٹارگیٹ کلرز، بھتہ خوروں، اسٹریٹ کرمنلز، ڈاکوں اور ڈرگ مافیا کا راج ہوگا۔ پھر صرف لیاری نہیں پوری کراچی میں گینگ وار ہونگیں اور کراچی کا کوئی شہری محفوظ نہیں ہوگا، اللہ نہ کرے اگر ایسا کچھ ہوا تو پھر اس شہر کو کراچی نہیں بلکہ "لاوارث کراچی" کہنا بہتر ہوگا۔

سزائے موت جلد بحال کی جائے

شاہ رخ جتوئی جب شاہ زیب کو قتل کرنے کے جرم میں سزائے موت کا حکم سننے کے بعد عدالت سے باہر آیا تو اپنی انگلیوں سے وی کا نشان بنایا یعنی کامیابی یا جیت اُسکی ہوئی ہے۔ پاکستان اور دنیا بھر میں میڈیا کے زریعے شاہ رخ جتوئی کی قانون سے اس بے خوفی کو دیکھ کر بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں قانون کا خوف دور دور نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ اسکا سیدھا سیدھا جواب یہ ہے جن کو قانون پر عمل کرانا ہوتا ہے وہ خود قانون شکن ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ راستے میں لوٹنے والے، ٹارگیٹ کلر، اور دہشت گرد روز لوگوں کو مار رہے ہیں، اول تو نا معلوم ہوتے ہیں اور اگر تمام ثبوتوں کے ساتھ پکڑے بھی جایں تب بھی مجرموں کو کوئی خوف نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتے ہیں پاکستان میں مجرموں کو سزا نہیں ملتی، اسکا سب سے بڑا ثبوت وہ آٹھ ہزار موت کی سزا پانے والے قیدی ہیں جن کی سزا پر 2008 سے صدر آصف زرداری نے عمل نہیں ہونے دیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ شاہ رخ جتوئی نے عدالت سے باہر آ کر اسطرح وی کا نشان بنایا جیسے وہ جج کو سزائے موت دے کر آیا ہو۔

کیا آپ کو پاکستان کے اس بدلے ہوئے معاشرے میں ایسا نہیں لگتا کہ ہم درندوں

سے بھی زیادہ بدتر کسی ایسی مخلوق کے ساتھ رہ رہے ہیں جس کے نزدیک انسانی جان کی کوئی حیثیت نہیں۔ دہشت گردی، خود کش حملے، ٹارگٹ کلنگ اور مذہبی عصبیت کے دہشت گرد ایک تسلسل کے ساتھ بے گناہ انسانوں کو خون میں نہلا رہے ہیں۔ موجودہ مسلم لیگ کی حکومت آنے کے بعد جہاں سابق حکومت کے بہت سارے نامعلوم

کارناموں کا پتہ چل رہا ہے وہاں ہی اخبارات کے ذریعے عام لوگوں کو یہ بھی پتہ چلا کہ مجرموں کی حکومت میں مجرموں کو سزا کا خوف بلکل نہیں تھا اور شاید آج بھی نہیں ہے، بدقسمتی سے آج اس ملک میں جو لاقانونیت ہے وہ شاید ہی دنیا کے کسی ملک میں ہو۔ کیا وجہ ہے کہ جرم اسقدر بڑھ گے ہیں کہ اب پاکستان ایک غیر محفوظ ملک کی شکل اختیار کرچکا ہے۔ بات سیدھی سیدھی یہ ہے کہ جرم کی سزا نہیں ملتی۔ پورا کا پورا نظام بدعنوانی کی علامت بنا ہوا ہے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس لاکھ سوموٹو ایکشن لیتے رہیں، یا قاتلوں کو سزا دیتے رہیں، یہ خونی سلسلہ اُس وقت تک چلتا رہے گا جبتک مجرم اپنے انجام کو نہیں پہنچ جاتے اور جرم کرنے سے پہلے جرم کرنے والے کو اُس جرم کی سزا کا یقین نہ ہوجائے۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کہتے رہیں کہ عدلیہ بہت اچھا کام کررہی ہے مگر عام آدمی حقیقت سے واقف ہے۔ اِس ملک میں مجرم تو ہیں ہی مجرم مگراُن سے بڑے مجرم وہ ہیں جو ان مجرموں کی سزاوں پر عمل نہیں ہونے دیتے۔

اسوقت پاکستان میں آٹھ ہزار سے زیادہ قیدیوں کو پھانسی کی سزا ہوچکی ہے اور جن میں اکثریت کی اپیل کے حق کی مدت بھی ختم ہو چکی ہے۔ یہ سزائیں ایک دن، ایک ماہ یا ایک سال میں نہیں ہوئی ہیں بلکہ گذشتہ پندرہ سال میں ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک ہزار سے زائد ایسے قیدی بھی ہیں جنہیں مختلف عدالتوں سے موت کی سزا سنائے ہوئے بھی پندرہ سال سے زیادہ ہوگئے ہیں۔ یعنی ان آٹھ ہزار میں ایک ہزار سے زائد مجرم ایسے بھی ہیں جنکو نواز شریف کے گذشتہ دور میں موت کی سزا ہوئی ہے۔ جنرل مشرف کے دور میں بھی مجرموں کو کو پھانسی دی جاتی رہیں مگر 2008 میں پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہونے کے بعد سے ابتک سوائے ایک فوجی کو اپنے ساتھی فوجی کو گولی مار کرہلاک کرنے کے جرم میں پھانسی دی گئی ہےاور یہ فیصلہ فوجی عدالت تھا کسی سول عدالت کا نہیں۔ پاکستان کے صدر آصف زرداری نے 2008 میں سزائے موت پر عملدرآمد پر عارضی تعطل کا حکم جاری کیا تھا جس کی میعاد اس سال 30 جون کو ختم ہو گئی ہے۔ اخبارات اور میڈیا میں آنے والی خبروں سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ موجودہ نواز شریف حکومت ملک میں امن وامان کی صورت حال کو ٹھیک کرنے کے لیے موت کی سزا کو بحال کرئے گی۔ اس خبر کے سامنے آتے ہی انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹر نیشنل نے پاکستان کی حکومت سے مطالبہ کردیا کہ وہ جیلوں میں سزائے موت کے منتظر قیدیوں کو پھانسی دینے کا سلسلہ بحال کرنے کے بجائے اس پر عارضی طور پر عملدرآمد معطل کرنے کا حکم جاری کرے۔ ایمنسٹی انٹر نیشنل کے مطابق پاکستان "

کی جیلوں میں موت کی سزا پانے والے 8,000 قیدی موجود ہیں اور اتنی بڑی تعداد کے لیے سزائے موت پر عملدرآمد بحال کرنا بہت خوفناک ہوگا"۔ انصار برنی ٹرسٹ کے چیرمین انصار برنی اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے جنرل سیکرٹری آئی اے رحمان بھی سزائے موت کے خلاف ہیں، کہتے ہیں کہ سزائے موت یعنی قصاص کو عمر قید میں تبدیل کی جانی چاہیئے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کو تو کیا کہا جائے مگر انصار برنی اور آئی اے رحمان تو پاکستانی ہیں اور اُن کی این جی او بھی پاکستان میں ہی کام کر رہی ہیں، ہاں یہ بات اور ہے کہ این جی او کے اخراجات تو باہر والے پورے کر رہے لہذا اُن کے مفادات کا سب سے پہلے خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ جہاں سے ان کو پیسہ مل رہا ہے وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان میں امن و امان ہو، اسلیے وہ پاکستان میں موت کی سزا کے خلاف ہیں۔

اس وقت ملک کے قانون کے مطابق اٹھائیس جرائم ایسے ہیں جن میں جُرم ثابت ہونے پر موت کی سزا دی جاتی ہے۔ ان میں قتل کے علاوہ دہشت گردی، زنا بالجبر اور اغوا برائے تاوان سمیت دیگر جرائم شامل ہیں۔ مگر ہمارے ملک میں قاتلوں اور دہشت گردوں کو سزا دینے کے بجائے انکو سرکاری مہمانوں کا درجہ دیا جاتا ہے، پولیس کی غفلت، مجرموں کا اثر و رسوخ اور پیچیدہ عدالتی طریقہ کار اور گواہوں کی عدم دستیابی کے باعث سزاؤں کی شرح انتہائی کم ہے، اس لیے وہ درندہ بنکر جیل سے باہر آتے ہیں اور بلا خوف وخطر پہلے سے زیادہ جرائم میں

ملوث ہوجاتے ہیں۔ سزاؤں پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے ان مقدمات کے گواہوں کی زندگیوں کو بھی خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ پنجاب میں 6082 موت کی سزا کے قیدی ہیں جن میں 27 عورتیں بھی شامل ہیں، ان موت کے سزایافتہ قیدیوں میں سے 4500 نے ہائی کورٹ میں، 1300 نے سپریم کورٹ میں جبکہ 40 نے وفاقی شریعت کورٹ میں سزا کے خلاف اپیلیں داخل کی ہوئی ہیں۔ ان ہی میں سے 242 نے صدر کو رحم کی اپیل کی ہوئی ہیں۔ ملک بھر میں 526 قیدی ایسے ہیں جنھیں پھانسی دینے کا تمام قانونی عمل مکمل ہوچکا ہے۔ ان قیدیوں میں 143 قیدی سندھ کی جیلوں کے پھانسی گھاٹ میں ہیں، جو قتل، دہشت گردی اور دیگر جرائم میں ملوث تھے۔ بدقسمتی سے ان افراد میں سیاسی جماعتوں اور کالعدم مذہبی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے مجرم بھی شامل ہیں۔ ان مجرموں کو ماتحت عدالتوں سے سزا سنائے جانے کے بعد اعلیٰ عدالتوں نے بھی ان فیصلوں کی توثیق کردی ہے اور صدر نے بھی انکی رحم کی اپیلیں مسترد کردی ہیں مگر جیل حکام کے مطابق صدر آصف زرداری کی جانب سے غیر سرکاری ہدایات ہیں کہ اُن کے دور حکومت میں کسی شخص کو پھانسی کی سزا نہیں دی جائیگی۔ حال ہی میں چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ جسٹس مشیر عالم کے اس سوال پر کہ پھانسی کے منتظر افراد کی سزا پر عملدرآمد کیوں نہیں ہورہا؟ صوبہ سندھ کے چیف سیکریٹری چوہدری اعجاز نے جواب میں کہا کہ صوبے میں پھانسی کے منتظر مجرموں کی سزا پر عملدرآمد نہ ہونے کے پیچھے سیاسی عوامل ہیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں موت کی سزا برقرار ہے جن میں ،امریکہ، بھارت، جاپان

گیمبیا، چین، ایران، عراق اور سعودی عرب شامل ہیں۔ گذشتہ سالوں میں چین میں سب سے زیادہ سزائے موت دی گئیں جبکہ ایران، عراق، سعودی عرب اور امریکہ اس فہرست میں بالترتیب دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں نمبر پر ہیں۔

ایک طرف ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس سال جون 2013 کے اختتام تک کراچی میں تشدد کے واقعات میں ایک ہزار سات سو چھبیس لوگ ہلاک ہوئے جبکہ اسی عرصے کے دوران پچھلے سال یعنی 2012 میں ایک ہزار دو سو پندرہ لوگ مارے گئے تھے اور دوسری طرف اس کے جنرل سیکرٹری آئی اے رحمان ان مجرموں کی سزائے موت کے خلاف ہیں جو 1726 افراد کی موت کے ذمیدار ہیں۔ ان اعداد و شمار کو اگر دیکھا جائے تو دونوں سالوں کے پہلے 6 ماہ کا فرق پانچ سو گیارہ افراد کا ہے اور اگر ملک کے باقی حصوں سے اعداد و شمار اکھٹے کیے جایں تو یہ فرق ہزاروں کی تعداد میں ہو جائے گا۔ اس سے پہلے کہ مزید بے گناہ مرنے والوں کا فرق بڑھے حکومت کو چاہیے کہ وہ مجرموں کو سزائے موت دینا شروع کر دے تاکہ جرائم کی تعداد میں کمی اور عام شہریوں کو تحفظ کا احساس ہونے لگے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر لوگ اپنے فیصلے خود کرنے لگیں گے اور کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ ویسے تو بے شمار واقعات بیان کیے جا سکتے ہیں مگر قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی ایک خبر کراچی کے علاقے رنچھوڑ لائن کی ہے، اس علاقے کے عوام نے ایک فلیٹ میں ڈکیتی کے بعد فرار ہوتے ہوئے تین ڈاکو

کو پکڑ کر انہیں زبردست تشدد کا نشانہ بنایا اور جب پولیس اہلکار وہاں پہنچے تو اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ ان تینوں کو گولی مار دے لیکن پولیس کے انکار کے بعد عوام نے نہ صرف پولیس اہلکاروں کو تشدد کا نشانہ بنا کر بھگا دیا بلکہ قانون کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے تینوں ڈاکوؤں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی اور زندہ جلا دیا۔ یہ اور اس سے ملتے جلتے واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ جب ایک معاشرے میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے تو اس میں موجود مایوس، بھوکے اور بے روزگار افراد کو اپنی محرومیاں دور کرنے کے مواقع نظر آنے لگتے ہیں اور یہی سلسلہ جو ابتدا میں جرائم پیشہ لوگوں کے خلاف ہجوم کی سزاؤں سے شروع ہوتا ہے، طبقاتی جنگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ تہی دست، خوشحال لوگوں پر حملے کرنے لگتے ہیں۔ لوٹ مار شروع ہو جاتی ہے اور لوٹ مار میں دوسروں کو سبقت حاصل کرتے دیکھ کر باقی لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اِس طرح انارکی جنم لیتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ریاستی ڈھانچہ زمین بوس ہو جاتا ہے۔

پاکستان کا ریاستی ڈھانچہ پہلے ہی بے حد کھوکھلا اور فرسودہ ہو چکا ہے۔ انارکی اور بدامنی کے سامنے ہمارا ملک چار دن بھی نہیں ٹھہر پائے گا۔ اگر موجودہ حکومت اس ملک کو انارکی سے بچانا چاہتی ہے ہیں تو بلا تاخیر مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائے اور سابقہ حکومت کے برخلاف فوری طور پر موت کی سزا کو بحال کرئے۔ شاہ رخ جتوئی نے جب وی کا نشان بنایا ہو گا تب شاہ زیب کے والدین پر کیا گزری ہو گی اس کا اندازہ وہ ہی کر سکتے ہیں جن کے گھروں کے

بے گناہ لوگ قتل ہوئے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ کوئی بھی حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتی ہے لیکن ظلم اور ناانصافی کے ساتھ اس کا باقی رہنا ناممکن ہے، اور اس سے بڑا ظلم اور ناانصافی کیا ہوگی کہ قاتلوں کو سزا نہ ملے، اس لیے ہم سب کو مطالبہ کرنا چاہیے کہ سزائے موت جلد بحال کی جائے۔

نواز شریف اور نئے صدر کا انتخاب

نواز شریف جو تیسری مرتبہ وزیر اعظم بنے ہیں انکو چھ اگست کو اگلے پانچ سال کے لیے نئے صدر کا انتخاب کرنا ہے۔ صدر زرداری سے تو وقتی واسطہ ہے مگر اس سے پہلے ان کا واسطہ غلام اسحٰق خان، سردار فاروق احمد خان لغاری اور اپنے لائے ہوئے محمد رفیق تارڑ سے رہا ہے۔ 17 اگست 1988 کو جنرل ضیا کی ایک فضائی حادثے میں موت ہوئی تو غلام اسحاق خان نے بحیثیت قائم مقام صدر اپنی صدارت کی ابتدا کی۔ جنرل ضیا اپنی زندگی میں ہی جونیجو حکومت کو ختم کر چکے تھے اور پھر جنرل ضیا کی موت کے تین ماہ بعد جماعتی بنیاد پر عام انتخابات کے نتیجے میں پیپلز پارٹی اکثریتی جماعت کے طور پر ابھری۔ پیپلز پارٹی کو روکنے کے لیے اُس وقت کے آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل حمید گل اور غلام اسحٰق خان نے پیپلز پارٹی کے سامنے اسلامی جمہوری اتحاد کی شکل میں ایک قوت بھی کھڑی کر دی تھی جسکے سربراہ تو غلام مصطفیٰ جتوئی تھے مگر بڑے لیڈر نواز شریف تھے۔ پیپلز پارٹی 93 نشستیں مرکز میں جیت گی اور پیپلز پارٹی کو مشروط طور پر اقتدار منتقل کیا گیا، اور شرط کے تحت غلام اسحاق خان پیپلز پارٹی اور آئی جے آئی کی مشترکہ حمایت سے دسمبر 1988ء میں نوابزادہ نصراللہ خان کے مقابلے میں پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے۔ غلام اسحٰق خان نے بینظیر

کی پہلی حکومت کو کرپشن کے الزامات لگا کر اٹھاون ٹو بی کے تحت اگست 1990 میں فارغ کر دیا اور 1990ء کے عام انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد نے بھرپور کامیابی حاصل کی اور قومی اسمبلی کی 105 نشستیں حاصل کرکے اقتدار حاصل کر لیا اور یوں میاں نواز شریف پہلی مرتبہ پاکستان کے وزیر اعظم بن گئے۔ مگر جلد ہی غلام اسحاق خان اور نواز شریف کے درمیان بھی اختلاف ہوگئے اور غلام اسحٰق خان نے ایک مرتبہ پھر اٹھاون ٹو بی کے تحت اپریل 1993ء میں نواز شریف حکومت بھی فارغ کر دیا، نواز شریف سپریم کورٹ چلے گئے۔ سپریم کورٹ نے نواز شریف حکومت کی برطرفی کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے مئی 1993 میں اس کی بحالی کا حکم جاری کر دیا۔ مگر اب غلام اسحٰق خان اور نواز شریف کا ساتھ چلنا مشکل ہوگیا تھا۔ چنانچہ بری فوج کے سربراہ جنرل عبدالوحید کاکڑ کے دباؤ پر نواز شریف اور غلام اسحاق خان کو اپنے عہدوں سے علیحدہ ہونا پڑا۔

سردار فاروق احمد خان لغاری 1993ء میں سب سے زیادہ ووٹ لے کر رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے اور بینظیر بھٹو نے انہیں اپنی کابینہ میں وزیر خارجہ بنایا اور صدر پاکستان بننے تک وہ اسی عہدے پر فائز رہے۔ فاروق لغاری صدارتی انتخابات میں اپنے مدمقابل حزب اختلاف کے امیدوار سینیٹر وسیم سجاد کو شکست دے کر صدر منتخب ہوئے۔ 1996 میں بینظیر بھٹو اور آصف زرداری کے کرپشن میں ملوث ہونے کی خبریں عام تھیں اور اس وجہ سے فاروق لغاری اور

بینظیر بھٹوکے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔ نومبر 1996ء میں آئین میں دیے گئے اختیارات اٹھاون ٹو بی کے تحت فاروق لغاری نے بینظیر بھٹو کی دوسری حکومت ختم کردی اور اسمبلیاں تحلیل کردیں۔ 1997ء کے انتخابات میں نواز شریف کی جماعت مسلم لیگ ن بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ نواز شریف نے نے صدر کے اسمبلی توڑنے اور فوجی سربراہاں کی تقرری کا اختیار واپس لینے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لیے آئین میں ترمیم کی اور اس ترمیم کی منظوری کے لیے اس وقت حزب اختلاف کی قائد بینظیر بھٹو نے بھی ترمیم کی منظوری کی مکمل اور بھرپور حمایت کی۔ 1997ء میں نواز شریف حکومت اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کے درمیان تنازعے کی وجہ سے فاروق لغاری نے 2 دسمبر 1997ء کو صدر کے عہدے سے استعفی دے دیا۔

محمد رفیق تارڑ یکم جنوری 1998ء سے 20 جون 2001ء تک پاکستان کے صدر رہے، نواز شریف نے تیرھویں ترمیم کے ذریعے صدر کے اختیارات تقریبا ختم کردیے تھے۔ رفیق تارڑ جنوری 1991ء سے اکتوبر 1994ء تک سپریم کورٹ کے جج رہے، وہ چیف جسٹس نسیم حسن شاہ کی اُس گیارہ رکنی بینچ کا حصہ تھے جس نے 1993 ء میں نواز شریف حکومت کو بحال کیا تھا۔ 1997ء میں رفیق تارڑ مسلم لیگ ن کے ٹکٹ پر سینٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور پھر نواز شریف نے اُن کو اپنا صدارتی امیدوار بنایا جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ رفیق تارڑ ایوان صدر میں ہی موجود تھے کہ بارہ

اکتوبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کی حکومت ختم کردی۔ جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کے خلاف طیارے کو اغوا کرنے کا مقدمہ بنایا اور عدالت نے سماعت کے بعد نواز شریف کو قید کی سزا سنا دی۔ بارہ اکتوبر 1999ء کی شب جب نواز شریف مصیبتوں میں گھر چکے تھے ایوان صدر میں کسی بھی قسم کی کوئی ہل چل نہ تھی اور نواز شریف کی مہربانیوں سے بنا ہوا صدر ایوان صدر میں آرام سے مقیم تھا۔ نواز شریف کے ہتھکڑیاں لگیں، جیل گئے' تذلیل ہوئی، سزا ہوئی اور شب و روز تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں گزرے۔ پھر سعودی عرب کے بیچ میں آجانے سے دسمبر 2000ء میں وہ سعودی عرب چلے گے۔ اگر رفیق تارڑ میں ذرا بھی آیئن کی پاسداری یا احسان مندی کے جذبات ہوتے تو وہ بارہ اکتوبر کی رات ہی صدارت سے استعفی دیکر ایوان صدر سے اپنے گھر چلے گے ہوتے۔ رفیق تارڑ کی مدت صدارت یکم جنوری 1998ء تا 31 دسمبر 2002ء تھی اور شاید وہ یہ پوری مدت ایوان صدر میں گذارنا چاہتے تھے مگر انتظامی ضرورت کے تحت جنرل مشرف نے ایک آرڈینس جاری کر کے رفیق تارڑ کو 20 جون 2001ء کو صدارت سے فارغ کر دیا۔ نواز شریف حکومت ختم ہونے کے بعد ایک سال پانچ ماہ تک رفیق تارڑ صدارت سے چپکے رہے مگر ایک مرتبہ بھی نہ اُنکو آیئن یاد آیا اور نہ ہی نواز شریف۔ نواز شریف اور بے نظیر کی دو دو مرتبہ حکومتیں توڑ دی گئیں۔ اُن کو آئینی مدت پوری نہ ہونے کا افسوس تھا۔ لیکن تارڑ صاحب کو اپنی مدت صدارت پوری نہ ہونے کا افسوس ہے۔ وہ کافی عرصہ تک خود کو آئینی صدر قرار دیتے رہے۔ انہوں نے 2011ء میں لاہور

ہائیکورٹ میں جنرل مشرف کے خلاف ایک درخواست میں موقف اختیار کیا کہ ان کو آصف زرداری کی صدارت کے آغاز تک آئینی صدر قرار دیتے ہوئے تمام بقایاجات واجبات ادا کیئے جائیں اور مشرف کا نام سرکاری دستاویزات و مقامات سے حذف کیا جائے یعنی پرویز مشرف پاکستان کے کبھی صدر رہے ہی نہیں۔ رفیق تارڑ مراعات اور واجبات 8 ستمبر 2008ء تک کلیم کر رہے ہیں۔ اگر رفیق تارڑ کی درخواست پر عمل ہوا اور اگر جنرل مشرف کا نام حذف کردیا جائے تو باقی تین جنرلوں ایوب خان، یحیٰ خان اور ضیاالحق بھی صدر کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے ہیں تو اُن کے نام بھی حذف کرنے ہونگے، اسکا مطلب ہوگا 33 سال اس ملک کا کوئی سربراہ ہی نہیں تھا، شاید تاریخ میں اس سے بھونڈا مذاق اور کوئی نہیں ہوگا۔

غلام اسحاق خان اور فاروق لغاری تو نواز شریف کی مرضی سے صدر نہیں بنے تھے مگرآیئن اور قانون کے مطابق اپنی صدارتی مدت گذار کر چلے گۓ۔ نواز شریف نے رفیق تارڑ کا انتخاب اسلیے کیا تھا کہ وہ نہ صرف سپریم کورٹ کے سابق جج تھے بلکہ انکے قریبی ساتھی بھی تھے اس لیے اُن سے اُنکو وفا کی امید بھی تھی۔ نواز شریف آنے والے صدر کا انتخاب کس طرح کرتے ہیں یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ اُن کے ذہن میں شاید اب بھی اپنا کوئی وفادار ہو اور رفیق تارڑ جیسے صدر کی ضرورت ہے مگر رفیق تارڑ نہ اُن سے وفادار تھے اور نہ ہی ملک

آیئن اور قانون سے۔ ملک کو اسوقت ایک ایسے پرخلوص انسان کی ضرورت ہے جو صدر بننے کے بعد ملک، آیئن اور قانون کا وفادار ہو۔

الطاف حسین نواز شریف کے بھائی

امریکی صدر کلنٹن چین کے دورے پر گئے تو ایک عام اجلاس میں انہوں نے کہا کہ امریکہ چین سے بہترین تعلقات چاہتا ہے۔ اب چینی صدر ہمیں بتائیں کہ وہ ہمیں اپنا بھائی سمجھتے ہیں یا دوست۔ چینی صدر نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ چین بھی امریکہ سے بہترین تعلقات چاہتا ہے مگر ہم امریکہ کو اپنا دوست سمجھتے ہیں بھائی نہیں، کیونکہ دوست تو بدلا جاسکتا مگر بھائی نہیں۔ یہ بات یوں یاد آئی کہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین مسلم لیگ ن کے وفد کے سربراہ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار سے ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرہ آنے پر فون پر بات کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ نواز شریف اور شہباز شریف میرے بھائی ہیں۔ 1992 کے کراچی میں فوج کے آپریشن کے بعد ایم کیو ایم اور مسلم لیگ ن کے تعلقات خراب ہوئے اور الطاف حسین یہ کہتے رہے کہ نواز شریف نے انکی پیٹھ میں خنجر گھونپا ہے۔ دوسری طرف نواز شریف نے اپنی سربراہی میں لندن میں ہونے والی آل پارٹیز کانفرس میں یہ بات ہر پارٹی سے منوالی تھی کہ ایم کیو ایم سے کوئی بھی پارٹی آیندہ اتحاد نہیں کریگی۔ گذشتہ چھ سال سے تو مسلم لیگ ن اور ایم کیو ایم کے تعلقات خراب ترین تھے۔ 27 جولائی کی رات مسلم لیگ ن کے وفد میں چوہدری نثار شامل نہیں تھے اور نہ

ہی وسیم اختر استقبال کرنے والوں میں موجود تھے۔ یہ ہی دونوں تھے جو سیاست کو ذاتیات پر لے گئے، بعد میں اس پر پیٹرول نواز شریف اور الطاف حسین نے ڈالا اور سیاست سے اخلاقیات کو نکال باہر کیا۔ وفد کے سربراہ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے وزیر اعظم نواز شریف کی جانب سے ایم کیوایم کی قیادت سے درخواست کی وہ صدارتی انتخابات میں ن لیگ کے امیدوار ممنون حسین کی حمایت کریں اور تھوڑی دیر بعد ہی متحدہ قومی موومنٹ نے 30 جولائی کو ملک میں ہونے والے صدارتی انتخاب کے لیے پاکستان مسلم لیگ ن کے صدارتی امیدوار ممنون حسین کی غیر مشروط طور پر حمایت کا اعلان کردیا۔ وفد کے سربراہ اسحاق ڈار نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ایم کیوایم کی جانب سے ن لیگ کے صدارتی امیدوار ممنون حسین کی غیر مشروط حمایت کی جس پر ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور جو سوچ اور پالیسیاں میاں نواز شریف کی ہیں وہ سوچ اور پالیسیاں ایم کیوایم کی بھی ہیں۔ کہتے سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا لیکن اگر آپ پاکستانی سیاست کو دیکھیں تو پاکستان کی سیاست میں شرم، حیا اور لحاظ بھی نہیں ہے۔ ہمارے ملک کے سیاست دان صرف اپنے مفاد کے حصول کا سوچتے ہیں۔

گیارہ مئی کے الیکشن میں دونوں جماتوں کے موقف علیحدہ علیحدہ تھے، ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی بھی کی۔ ایم کیوایم کو نشستیں تو اُتنی ہی ملیں جتنی

اُسے ملتی رہی ہیں لیکن الیکشن کے بعد سے ایم کیو ایم سیاسی طور پر دباؤ میں آتی چلی گئی اور کراچی کے پس منظر میں اُس پر کافی دباؤ تھا، الیکشن کے بعد الطاف حسین کی دو تین تقریریں قابل اعتراض تھیں۔ لندن پولیس ان تقاریر کا جائزہ لے رہی تھی اور ڈاکٹر عمران فاروق مرڈر کیس میں بھی الطاف حسین کے کردار کو دیکھا جارہا تھا، اس سلسے میں لندن میں الطاف حسین کے دو گھروں پر چھاپا بھی مارا گیا اور وہاں سے ایک کثیر تعداد میں نقد رقم برآمد ہوئی جس کی وجہ سے اب الطاف حسین کے خلاف منی لانڈرنگ کی تحقیقات بھی ہورہی ہے۔ الیکشن میں ایم کیو ایم کے اتحادی بھی شکست سے دوچار ہوئے اسلیے ایم کیو ایم اس وقت بے انتہا سیاسی تنہائی اور دباؤ کا شکار تھی، سندھ میں وہ پیپلز پارٹی سے اگر اتحاد بھی کرتی تب بھی سیاسی بحران سے وہ نہیں نکل سکتی تھی۔ دوسری طرف نواز شریف سندھ میں پیر پگارا، ممتاز بھٹو، سید جلال محمود شاہ اور دوسرے بہت ساروں سے اتحاد کرکے الیکشن کی مہم چلاتے رہے۔ الیکشن کے دوران وہ ایم کیو ایم پر کراچی کی صورتحال کی وجہ سے گرجتے بھی رہے۔ سندھ میں نہ مسلم لیگ ن اور نہ ہی انکے اتحادی الیکشن میں کوئی خاص کامیابی حاصل کرسکے۔ صدارتی الیکشن میں مسلم لیگ ن نے سابق صدر رفیق تارڑ سے ملتی جلتی ایک شخصیت ممنون حسین کو اپنا امیدوار بنایا ہے، جن کا تعلق تو کراچی سے ہے لیکن وہ کبھی بھی کراچی کی سیاست میں فعال نظر نہیں آئے۔ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو آنے والے وفد میں سندھ سے تعلق رکھنے والے ن لیگ کا کوئی

اہم رہنما شامل نہیں تھا۔ اندرون خانہ دونوں جماعتوں کے درمیان کیا معاہدہ ہوا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا مگر مسلم لیگ ن کا اپنے سندھ کے اتحادیوں سے کوئی مشورہ کیے بغیر ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو جانے کا پہلا ردعمل تو فنکشنل لیگ کے سربراہ پیر پگارا کی طرف سے آیا جنھوں نے اس وفد کے اعزاز میں دیا جانے والا ایک استقبالیہ منسوخ کردیا اوراس وفد سے ملنے سے انکار کردیا۔ فنکشنل لیگ کے ایک رہنما نے کہا کہ جس طرح ن لیگ کے وفد نے فنکشنل لیگ یا دوسرے سندھی قوم پرست اتحادیوں کو مکمل نظر انداز کرکے نائن زیرو پر حاضری دی۔ فنکشنل لیگ کو اس طرح نظر انداز کرنے پر وہ خود بہت شرمندہ ہیں۔ دریں اثناء اکثر قوم پرست سیاسی رہنماؤں نے قوم پرست رہنماؤں کو نظر انداز کرکے نائن زیرو کی حاضری کے بارے میں شدید ردعمل ظاہر کیا ہے جن میں خاص طور پر کامریڈ جام ساقی، ایس ٹی پی کے ترجمان حیدر ملاح، عوامی جمہوری پارٹی کے سربراہ ابرار قاضی اور کمیونسٹ پارٹی کے امداد قاضی خاص طور پر شامل ہیں۔ انہوں نے موقف اختیار کیا ہے کہ ن لیگ وفد کی طرف سے نائن زیرو کی حاضری کے نتیجے میں شاید مسلم لیگی قیادت لندن میں اے پی ڈی ایم بنتے وقت کئے گئے وعدوں سے پھر گئی ہے۔ آصف زرداری نے نواز شریف سے مشرف کے معزول کیے ہوئے ججوں کے بارے میں بھوربن اور اسلام آباد معاہدے کیے، مگر تھوڑے عرصے بعد آصف زرداری ان معاہدوں سے پھر گئے اور کہا کہ سیاسی معاہدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے جن میں ردوبدل نہیں ہوسکتا اور اب شاید نواز شریف

اپنے سندھ کے اتحادیوں کو یہ ہی کہہ رہے ہیں کہ معاہدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے۔

ممنون حسین جو 30 جولائی کو اگلے پانچ سال کے لیے صدر منتخب ہوجایں گے اس کے لیے اگر ایم کیو ایم کی حمایت نہ بھی ملتی تب بھی وہ منتخب ہو جاتے۔ حزب اختلاف تو آدھی آدھی پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف میں بٹی ہوئی ہے اور اب جبکہ پیپلز پارٹی کے صدارتی امیدوار رضا ربانی جو تین اداروں کے یکمشت ہونے کے وجہ سے دستبردار ہو چکے ہیں ممنون حسین کی کامیابی تو لازمی ہے۔ یہاں یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مسلم لیگ ن کے سندھ میں موجود سیاسی اتحادی جن میں خاصکر پیر پگارا، ممتاز بھٹو اور سید جلال محمود شاہ کے لیے ایک کھلا سبق موجود ہے کہ مسلم لیگ ن کے نزدیک بھی سیاسی معاہدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے۔ صدر تو ممنون حسین ہی ہونگے مگر الطاف حسین نے اپنے بھائی نواز شریف کی حمایت کرکے جو سیاسی فاہدہ اس وقت حاصل کیا ہے یہ ایم کی ایم کی سیاسی طور وقت کی اہم ضرورت تھی۔۔ اب الطاف حسین نواز شریف کے بھائی بن چکے ہیں اور بقول چینی صدر دوست بدلے جا سکتے ہیں بھائی نہیں۔ مگر کیا پتہ پاکستانی سیاست کا کہ اس میں بھائی بھی بدل جاتے ہیں۔

عمران خان نے شرمناک کا پتھر کیوں مارا؟

گیارہ مئی کے عام انتخابات میں جو دھاندلیاں ہوئیں اُس کے خلاف پاکستان کی تقریبا ہر جماعت نے احتجاج کیا۔ تیس جولائی کے صدارتی انتخابات جس طرح منعقد ہوئے اُس پر احتجاج کرتے ہوئے پاکستان پیپلز پارٹی کے صدارتی امیدوار رضا ربانی، اعتزاز احسن اور دیگر رہنماوں نہ صرف سپریم کورٹ کے فیصلے پر سخت الفاظ میں تنقید بلکہ صدارتی انتخابات کا بایکاٹ بھی کیا۔ عمران خان کی جماعت پاکستان تحریک انصاف کا نعرہ ہے "انصاف، انسانیت اور باعث فخر"۔ بد قسمتی سے یہ تینوں پاکستان میں ناپید ہیں۔
تحریک انصاف کے بانی اور رہنما عمران خان نے صدارتی انتخابات کا تو بایکاٹ نہیں کیا لیکن جس انصاف کے حصول کے لیے بقول اُنکے وہ جیل بھی گے اور موجودہ چیف جسٹس کی بحالی میں جدوجہد کی اُن کے ہی ہاتھوں انصاف کا خون ہوتے دیکھ کر 26 جولائی کو عمران خان نے عام انتخابات میں مبینہ دھاندلیوں کا ذمہ دار الیکشن کمیشن اور سپریم کورٹ کو قرار دیتے ہوئے دونوں اداروں کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ عمران خان الیکشن کمیشن اور عدلیہ پر تنقید کرتے ہوئے کہہ بیٹھے " عدلیہ کا کردار شرمناک رہا"۔ سپریم کورٹ میں موجود بقول جسٹس جواد ایس خواجہ " شیشے میں بند مچھلیاں" عمران خان کے پتھر شرمناک کو برداشت نہ کرپایں اور عمران خان کو توہین عدالت کا نوٹس

جاری کر دیا۔ عدالت کے نوٹس میں کہا گیا ہے کہ "بادی النظر میں عمران خان نے عدلیہ کو اسکینڈلائز کیا اور ججوں کے خلاف نفرت پھیلائی"، لیکن اگر اسکا عام فہم زبان میں مطلب نکالیں تو یہ ہے کہ سپریم کورٹ پوچھ رہی ہے کہ " شیشے میں بند مچھلیوں پر عمران خان نے شرمناک کا پتھر کیوں مارا؟"۔

عمران خان نہ ہی پہلے فرد ہیں اور نہ ہی پہلے رہنما جن کو سپریم کورٹ نے توہین عدالت کا نوٹس جاری کیا ہو۔ اس سے پہلے ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کو توہین عدالت کے سلسلے میں 7 جنوری کو عدالت میں طلب کیا گیا تھا۔ سپریم کورٹ کے ایک محترم جج صاحب نے کراچی میں بدامنی کیس کی سماعت کرتے ہوئے سیکرٹری الیکشن کمیشن کو کراچی میں نئی حلقہ بندیوں پر لائحہ عمل طے کرکے رپورٹ عدالت میں پیش کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ کراچی میں ایسے انتخابی حلقے تشکیل دیئے جائیں جہاں کسی ایک سیاسی جماعت کی اجارہ داری قائم نہ ہو۔ محترم جج صاحب کے لفظ اجارادادری پر ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے سخت احتجاج کیا تھا۔ عدالتی حکم میں کہا گیا تھا کہ الطاف حسین عدالت میں آکر وضاحت دیں کہ کیوں نہ انکے خلاف توہین عدالت کی کارروائی کی جائے۔ سپریم کورٹ کے مطابق توہین عدالت کی وجہ یہ تھی کہ "الطاف حسین نے ایک عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کراچی میں نئی حلقہ بندیوں کے فیصلے اور ججوں پر تنقید کی ہے۔ جلسے سے خطاب میں الطاف حسین نے کہا تھا کہ ججوں کو معافی

مانگی چاہیے۔ جلسہ میں استعمال کی گئی زبان عدالتی کاموں میں رکاوٹ ڈالنے کے مترادف بھی تھی۔ الطاف حسین کے الفاظ نہ صرف توہین آمیز بلکہ دھمکی آمیز بھی ہیں۔ عدالت نے اپنے ریمارکس میں کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم یہاں بیٹھ کر کام نہ کریں، ایم کیو ایم کے رہنما نے قابل احترام ججز کیلئے نامناسب الفاظ استعمال کیے "۔ الطاف حسین خود تو حاضر نہیں ہوئے مگر سپریم کورٹ سے غیر مشروط معافی مانگ لی انکے تین اور ساتھیوں نے بھی غیر مشروط معافی مانگی تھی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی الطاف حسین کو جس زمانے میں نوٹس ملا تھا اُس سے پہلے پاکستان پیپلز پارٹی کے سینیٹر فیصل رضا عابدی نے ایک نہیں دو نہیں بلکہ درجنوں مرتبہ چیف جسٹس صاحب پر ذاتی حملے کیے بلکہ ایک نیوز چینل پر فیصل رضا عابدی نے چیف جسٹس صاحب اور ارسلان چوہدری کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں کی ہیں جنہیں اخلاقی طور پر یہاں نہیں لکھا جاسکتا۔ پاکستان کے تمام نیوز چینلز شرجیل میمن ، فواد چوہدری اور فیصل رضا عابدی کے انٹرویو مسلسل نشر کرتے رہے اور سارا پاکستان حیرت میں ڈوبا ان الزامات کو سن رہا تھا۔ ہر چینل پر اور ہر پیریس کانفرس میں فیصل رضا عابدی نے چیف جسٹس صاحب پر الزامات لگائے اور ارسلان کے خلاف کرپشن کے ثبوت پیش کیے، چیف جسٹس آف پاکستان پر اس طرح کے الزامات تاریخ میں پہلی مرتبہ سامنے آئے۔ لیکن فیصل رضا عابدی کو کبھی کوئی توہین عدالت کا نوٹس نہیں ملا اور نہ ہی کسی نیوز چینل کو۔ ملک ریاض جنہوں نے ارسلان کے خلاف فراڈ کی درخواست دی

تھی الٹا اُنہیں توہین عدالت کا ملزم ٹھہرا دیا گیا اور کاروائی بھی شروع ہو گئی۔ ارسلان کیس میں سپریم کورٹ خود بطور ادارہ ملوث ہو گئی، حتیٰ کہ چیف جسٹس صاحب خود اس کیس کی سماعت کرنے لگے مگر جب میڈیا نے شور کیا تو چیف جسٹس صاحب کیس سے الگ ہوئے، البتہ نیب کو تحقیقات کرنے سے روک دیا گیا۔ بیرسٹر اعتزاز احسن نے چیف جسٹس صاحب کو کہا تھا کہ فیصل رضا عابدی کو فوراً بمعہ تمام ثبوت کے عدالت میں طلب کر لیا جائے تاکہ سچ اور جھوٹ کا پتا چل سکے مگر ایسا نہ کیا گیا۔ ارسلان کے خلاف پرویز مشرف دور میں بھی سنگین الزامات لگے تھے اور ارسلان کو نوکری سے نکالا گیا تھا۔

اُسی زمانے میں لاہور ہائی کورٹ نے کالا باغ ڈیم پر اپنا فیصلہ سناتے ہوئے حکم دیا کہ کالا باغ ڈیم بنایا جائے حالانکہ معزز عدالت اس بات سے لازمی آگاہ ہو گی کہ پاکستان کے تین صوبے کالا باغ ڈیم کے نہ صرف خلاف ہیں بلکہ تینوں صوبوں کی اسمبلیاں کالا باغ ڈیم کے خلاف قرارداد منظور کر چکی تھیں۔ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف میڈیا سے بات کرتے ہوئے عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اسفندیار ولی نے کہا ہے کہ پاکستان اور کالا باغ ڈیم ایک ساتھ نہیں چل سکتے، عدالت توہین عدالت کا نوٹس بھیج دے میں تیار ہوں"۔ اُن کا کہنا تھا کہ "سپریم کورٹ بھی یہ ہی فیصلہ دے تو قبول نہیں"۔ لیکن اسفندیار ولی کی خواہش پوری نہیں ہوئی اور فیصل رضا عابدی کی طرح انہیں بھی

کوئی توہین عدالت کا نوٹس نہیں ملا۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جج نہیں بولا کرتے انکے کیے ہوئے فیصلے بولا کرتے ہیں مگر بد قسمتی سے ہمارے ملک میں جب بھی جج بولے اُنکے فیصلے اُنکے بولنے کے مطابق ہوے، لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف مقدمے میں مسلسل بولے اور جو کچھ وہ کہتے تھے ایسا لگتا تھا جیسے بھٹو سے انکو ذاتی عناد ہے، عدالتی کارروائی کے دوران بھٹو کو نام کا مسلمان قرار دیا اور ان کیخلاف سزائے موت کا فیصلہ دیا، فیصلہ وہی تھا جو وہ بولے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کا کیس جب سپریم کورٹ پہنچا تو وہاں چیف جسٹس انوارالحق تھے، جسٹس دراب پٹیل کے مطابق جسٹس انوارالحق کو بھٹو سے ذاتی عناد اور دشمنی تھی۔گذشتہ سال اُسی بینچ کے ایک رکن جسٹس نسیم حسن شاہ نے اپنا گناہ قبول کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت کے سپریم کورٹ نے پھانسی کے حق میں فیصلہ ضیاء حکومت کے دباؤ میں آ کر دیا تھا۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی ایک عدالتی قتل تھا۔ نواز شریف کی پہلی حکومت کو جب برطرف کیا گیا تو نواز شریف اپنا کیس سپریم کورٹ میں لے گے، اسوقت سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نسیم حسن شاہ ہی تھے، جسٹس نسیم حسن شاہ نے اس کیس کے پہلے دن ہی اپنے ریمارکس میں کہا تھا کہ "ہم جسٹس منیر بننے کو تیار نہیں" ہر شخص سمجھ گیا کہ نواز شریف حکومت بحال ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔ یہاں یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ سابق صدر رفیق تارڑ بھی اُسی بینچ کا حصہ تھے جس نے نواز شریف حکومت کو بحال کیا

تھا۔ نواز شریف کی دوسری حکومت کے وقت نسیم حسن شاہ نے مسلم لیگ ن سے سینٹر کا ٹکٹ مانگا تھا۔

دو اگست کو عمران خان نے دو مرتبہ اپنا جواب جمع کرایا مگر سپریم کورٹ نے عمران خان کے جواب کو مایوس کن قرار دیا اور ایک بار پھر جواب داخل کرانے کیلئے 28 اگست تک کی مہلت دی ہے۔ جہاں تک بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ کی یہ خواہش تھی کہ دوسروں کی طرح عمران خان بھی معافی مانگ لیں مگر ایسا نہ ہوا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ میچ کھیلتے ہیں تو ایک کی جیت اور دوسرے کی ہار ہوتی ہے لیکن امپائر پر الزام نہیں لگا سکتے۔ شاید ایسا کہتے ہوئے اُنکو یاد نہیں رہا کہ کرکٹ کی دنیا میں عمران خان ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے نیوٹرل امپائر کا مطالبہ کیا تھا۔ چیف جسٹس نے یہ بھی کہا ہزاروں لوگ روز ہرزہ سرائی کرتے ہیں لیکن وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے. عمران خان کے منہ سے نکلنے والی بات کی اہمیت ہوتی ہے، عمران خان وہ ہیں جنھوں نے اداروں کی بالادستی کا جھنڈا اٹھایا۔ چیف جسٹس کے ان ریمارکس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہزاروں لوگ روز ہرزہ سرائی کیوں کرتے ہیں اور عمران خان کیوں یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ "عدلیہ کا کردار شرمناک رہا"۔ حالیہ انتخابات میں اگر الیکشن کمیشن اور عدلیہ مکمل غیر جانبدار رہتے تو عمران خان الیکشن کمیشن اور عدلیہ کے کردار کو شرمناک نہ کہتے اور جب انکو عدلیہ پر تنقید کرنے کی وجہ

سے توہین عدالت کا نوٹس جاری کیا تھا تو ساتھ ہی رضا ربانی اور بیرسٹر اعتزاز احسن کو بھی نوٹس جاری ہونے چاہیئے تھے ورنہ یہ کہنا کہ ہم نیوٹرل امپائر ہیں بے معنی ہے۔ اس پر کوئی دو رائے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پاکستان کے آئین و قانون کے مطابق کوئی کسی سے بالاتر نہیں۔ وزیر اعظم ہو یا گورنر، کسی سیاسی پارٹی کا لیڈر ہو یا بیوروکریسی کا افسر، فوجی جرنیل ہو یا اعلی عدلیہ کا جج، یا پھر عام لوگ قانون اور انصاف کی نظر میں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیے۔ اورجب ایسا ہوگا تو نہ ہزاروں لوگ روز ہرزہ سرائی کرینگے اور نہ ہی سپریم کورٹ کو یہ سوال کرنے کی ضرورت پڑے گی کہ " شیشے میں بند مچھلیوں پر عمران خان نے شرمناک کا پتھر کیوں مارا؟"

جنگ کھیڈ نئیں ہوندی زنانیاں دی

چھوڑیں اس بات کو ہندوستانی جنگی طیارہ سیالکوٹ سیکٹر میں ہماری حدود میں کیوں داخل ہوا، بس ہمارے حکمراں اپنے لیےایک جنگی نغمہ "جنگ کھیڈ نئیں ہوندی زنانیاں دی" سنیں گے اور پھر ہندوستان کو کہہ دینگے اب دوبارہ برداشت نہیں کرینگے، ٹھیک اسطرح ہی جیسے ایبٹ آباد آپریشن جو تقریبا دو گھنٹےپینتالیس منٹ تک امریکی ہماری سرزمین پر کرتے رہے اور دو دن بعد ہمارے حکمران بولے آئندہ برداشت نہیں کرینگے۔ جناب اپنے سابق اور موجودہ دونوں حکمرانوں کو سلام پیش کریں کہ اپنے سے بڑی طاقت کو یہ کہہ دیتے ہیں ورنہ چند ہزار طالبانی دہشت گردوں کے معاملے میں حضرت یسوع مسیح کی اس بات کو مانتے ہیں کہ اگر کوئی تمارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کر دو۔ اس کی تازہ مثال یہ ہے کہ بنوں کے بعد دہشت گرد ڈیرہ اسمٰعیل خان جیل پر حملہ آور ہوئے، دہشت گرد عدنان رشید کی قیادت میں آئے بھی پوری بارات کے ساتھ تھے، ڈیڑھ سو کی تعداد، 13 بڑی گاڑیاں اور کئی موٹر سائیکلیں۔ پانچ خودکش دھماکوں اور پچاس راکٹ میزائل سے حملہ کی ابتدا کی، پورا شہر دھماکوں اور فائرنگ سے گونج اٹھا۔ دہشت گردوں کا ہدف اپنے سزایافتہ 35 دہشت گردوں چھڑانا تھا۔ وہ لاؤڈ سپیکرز پر اپنے ساتھیوں کے نام پکارتے رہے۔ چار گھنٹے تک جیل میں اطمینان سے کارروائی کرتے رہے اور

بعد ازاں تین سو کے قریب قیدیوں کو آزاد کروا کر اور چار قیدیوں کو نشاندہی کے بعد موقعے پر موت کے گھاٹ اتار کر اپنا بغیر کچھ نقصان کیے واپس لوٹ گئے۔ ایک لیڈی پولیس کانسٹیبل گلاب بی بی کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ جیل پر حملہ میں 16 افراد ہلاک ہوئے ان میں 6 پولیس اہلکار شامل ہیں۔ دہشت گردوں کے سرغنہ عدنان رشید کے بقول پہلے اس پوری کارروائی کی منصوبہ بندی کی گی پھر اس پر عمل کیا اور اس پر ایک کروڑ روپے کے اخراجات آئے۔ اس دہشت گردی کا نام "آپریشن مرگ نجات" رکھا گیا تھا۔ آپریشن میں 18 خصوصی دہشت گرد کمانڈوز نے حصہ لیا اور ان کے پاس نائٹ وژن آلات اور جدید اسلحہ موجود تھا، شمالی وزیرستان سے ڈیرہ اسمٰعیل خان آنے اور واپس جانے کے لیے دو راستوں درازندہ اور پہنرو کو استعمال کیا گیا۔ ہمارے ہاں دہشتگردوں کی پہنچ سے تھانہ اور جیلیں تو کیا جی ایچ کیو، آرمی، آئی ایس آئی، فضائیہ اور بحریہ کی تنصیبات تک محفوظ نہیں۔ بس ابھی تک وزیراعلی ہاوس، وزیراعظم ہاوس اور ایوان صدر باقی رہ گے ہیں۔

ڈیرہ اسماعیل خان کی سینٹرل جیل میں جو کچھ ہوا وہ خیبر پختونخوا کی صوبائی اور مرکزی حکومت کی بدترین ناکامی ہے۔ عمران خان جو یورپ کے ممالک کی مثالیں دیتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں انکو یہ تو معلوم ہو گا کہ وہاں کوئی وزیر اپنی ذرا سی غلطی پر استعفی دے دیتا ہے۔ مگر اس پاکستان میں ایسی کوئی مثال

نہیں ہے اسلیے صوبہ خیبر پختونخواکے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک نے بجائے استعفیٰ دینے کہ ڈیرہ اسماعیل خان سینٹرل جیل پر دہشتگردوں کے حملے کو انٹیلیجنس اور دیگر متعلقہ محکموں کی ناکامی قرار دیا۔ جبکہ انٹیلیجنس ایجنسیزانٹیلیجنس اداروں کی جانب سے وزیر اعظم نواز شریف کو پیش کی جانے والی رپورٹ کے مطابق خفیہ ایجنسیوں کی ایک روز پہلے ہی ڈیرہ اسماعیل خان جیل پر متوقع حملے اطلاع کے باوجود خیبر پختونخواہ حکومت حفاظتی انتظامات کرنے میں مکمل ناکام رہی۔ رپورٹ کے مطابق وزارت داخلہ نے باقاعدہ اجلاس منعقد کیا اور حملے کی پیشگی اطلاع دی تھی لیکن اس کے باوجود دہشتگرد جیل پر حملہ کرنے میں کامیاب رہے. حملے کی اطلاع ایک ہفتہ پہلے ہی مل چکی تھی۔ اجلاس میں بتایا گیا تھا کہ ایک کالعدم تنظیم جیل میں اپنے ساتھ قیدیوں کو رہا کروانے کے لئے 29 جولائی کو سنٹرل جیل پر حملہ کر سکتی ہے اور اس حملے سے ایک روز قبل کالعدم تنظیم کے قیدی جیل میں ہنگامہ بھی کریں گے۔ لیکن تمام تر ہدایات کے باوجود پولیس، جیل انتظامیہ اور سول انتظامیہ حملہ نہ روک سکے اور فوج کی مدد بھی حملہ ہونے کے بعد طلب کی گئی۔ نیشنل کرائسز مینیجمنٹ سیل نے بھی حملے سے ایک دن پہلے خیبر پختونخوا حکومت کے اعلیٰ افسران، ایڈیشنل آئی جی وغیرہ کو بھی خط لکھا تھا جس میں جیل اور ڈی پی او ڈیرہ اسماعیل خان کو حملے کی خبر دی گئی تھی۔

عمران خان جن کو گذشتہ انتخابات میں صرف صوبہ خیبر پختونخوا میں اتنی اکثریت ملی تھی کہ وہ دوسروں کو ملا کر حکومت بنالیں۔ افسوس یہ ہے وہ لیڈر تو بن گے ہیں مگر اُن کو لوگوں کی پیچان نہیں ہے، اور اسکا ذکر وہ انتخابات کے وقت یہ کہکر قبول کر چکے ہیں کہ انہوں نے کافی غلط لوگوں کو ٹکٹ دیئے ہیں، اور شاید ان میں سے ایک خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک بھی ہیں۔ یہ کس نوعیت کی گورننس ہے؟ انٹیلی جنس ایجنسی کی جانب سے تین چار روز قبل ملنے والی رپورٹس کے باوجود دہشت گرد اپنے منصوبے میں کامیاب رہے۔ خیبر پختونخوا حکومت کی بدترین درجے کی نااہلیت اور حاصل معلومات پر شرمناک غفلت ، نہ وفاقی حکومت سے اور نہ ہی فوج سے کوئی مدد مانگی اور نہ ہی خود کچھ کیا۔ اے این پی کی حکومت جیسی بھی تھی کم از کم دہشت گردوں کے مقابلے میں ہر جگہ کھڑی نظر آتی تھی۔ صوبے کے ریونیو وزیر نے جس قسم کا بیان میڈیا پر دیا وہ ایک آقا کا تو ہوسکتا ہے کسی عوامی نمائیدے کا نہیں ، فرمایا "جیل گارڈز اور پولیس کے پاس فائر کے لئے اسلحہ ختم ہو گیا تھا" پھر سیکوریٹی پر مامور پولیس کے لیے فرمایا "یہ چوہوں کی طرح گٹروں میں چھپ گئے۔ صرف چار پانچ نے مقابلہ کرکے جان دی۔ کوئی پچاس ساٹھ جان دیتے تو میرا بھی سینہ فخر سے پھولتا"۔کیا عمران خان نے خیبر پختونخوا کی انتظامیہ کی اس بدترین نااہلی پر وزیر اعلیٰ پرویز خٹک سے کوئی جواب طلب کیا؟ کیا عمران خان نے صوبے کے ریونیو وزیر کے شرمناک بیان پر کوئی نوٹس لیا؟ یقیناً نہیں، شاید تحریک

انصاف میں ایسا کوئی نظام نہیں ہے۔

جہاں تک صوبائی حکومت کا تعلق ہے یقینا وہ ناکام رہی مگر ملک میں امن و امان کے مسلئے کی ذمیداری مرکزی حکومت کی صوبائی حکومت سے زیادہ ہے، وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار نے اس واقعے پر جسطرح مجرمانہ خاموشی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ایک شرمناک عمل ہے۔ پیپلزپارٹی کی حکومت کے وقت موصوف سب سے پہلے بیان داغا کرتے تھے لیکن اس واقعہ کے بعد وہ خاموش ہیں، حالانکہ یہ براہ راست انکی ذمیداری ہے۔ شمالی وزیرستان سے آنے والے دہشت گرد جو 13 بھاری گاڑیوں اور کئی موٹرسائیکلوں میں سوار تھے راستے کی متعدد چیک پوسٹوں سے کیسے آئے اور کیسے واپس چلے گے۔ ان چیک پوسٹوں پر خاصہ دار بھی متعین ہیں اور فوجی بھی۔ جہاں قبائلی علاقہ نہیں ہے جیسا کہ ٹانک اور ڈیرہ اسمٰعیل خان وغیرہ، وہاں پر پولیس موجود ہے مگر اتنے بڑے جلوس کو کسی ایک جگہ بھی روک کر نہیں پوچھا گیا، مان لیتے ہیں یہ سب پولیس کی وردیوں میں تھے تب بھی کاؤنٹر چیکنگ تو کی جانے چاہئے تھی کہ قبائلی علاقے میں پولیس کہاں سے آ گئی؟، کیونکہ اس علاقے میں پولیس نہیں فوج کارروائی کرتی ہے۔ اگر وزارت داخلہ نے صوبائی حکومت کو حملے کے بارے میں مطلع کیا تھا تو لازمی مرکزی وزیر داخلہ چوہدری نثار کو بھی معلوم ہوگا پھر سوال یہ ہے کہ دہشت گردوں کا جلوس کی صورت میں ایک طویل سفر کرکے ڈیرہ اسمٰعیل خان کیسے پہنچ گیا؟ دہشت

گرد ایک کامیاب کارروائی جو چار گھنٹے تک جاری رہی کو مکمل کرکے واپس شمالی وزیرستان پہنچ گئے یہ یقیناً مرکزی حکومت کی بھی بدترین ناکامیابی ہے۔

گذشتہ دور حکومت جو دہشت گردی ہوتی رہی اُس کی ذمیداری لازمی پیپلز پارٹی اوراُس کے اتحادیوں پر جاتی ہے۔ اس وقت بلوچستان کے علاوہ کوئی اتحادی حکومت نہیں ہے۔ عمران خان اور نواز شریف دونوں گذشتہ اتحادی حکومت کی طرح طالبان مخالف بھی نہیں ہیں۔ جبکہ طالبان نے ایک موقعے پر مذکرات کے لیے منور حسن اور مولانا فضل الرحمان کے ساتھ ساتھ نواز شریف کو بھی ضامن کے طور پر تسلیم کیا تھا۔ مگر افسوس کہ نواز شریف کے اقتدار میں آنے کے بعد طالبان دہشت گردوں نے اپنی دہشت گردی میں اضافہ کردیا ہے۔ پندرہ جون کو کوئٹہ میں بس دھماکے میں 14 طلبہ ہلاک جبکہ بعد میں کوئٹہ کے ہسپتال پر حملے میں دس افراد ہلاک ہوئے، 23 جون کو نانگا پربت بیس کیمپ کے ایک ہوٹل میں دہشت گردوں نے نو غیر ملکی کوہ پیما سمیت دس افراد ہلاک کردیے، 30 جون کو کوئٹہ اور پشاور میں دھماکوں میں کم از کم 56 افراد ہلاک، 10 جولائی کو صدر آصف علی زرداری کے چیف سکیورٹی آفیسر بم دھماکے میں ہلاک ہوئے، 24 جولائی کو سندھ کے شہر سکھر میں خفیہ ادارے آئی ایس آئی کے دفتر پر دہشت گردوں نے حملہ کیا اور 27 جولائی کو پارہ چنار میں دہشت گردوں کے بم دھماکوں میں 57 افراد ہلاک ہوئے۔ اب دہشت گردوں کے ڈیرہ اسمٰعیل خان جیل پر حملے نے پورے

ملک کی سیکورٹی پر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ خیبر پختونخواکے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک اور مرکزی وزیر داخلہ چوہدری نثار ڈیرہ اسماعیل خان کی سینٹرل جیل کے واقعے کے بعد اپنی انتظامی ناکامی کے سبب استعفیٰ دے دیتے۔ پاکستان کے عوام نواز شریف اور عمران خان کے شکر گذار ہوں یا نہ ہوں مگر پاکستان کی دہشتگرد تنظیمیں انکی بے انتہا شکرگذار ہیں، دہشت گرد جو مرضی چاہئے کریں مرکزی اور صوبائی حکومت کی طرف سے اُن کو کھلی چھٹی ہے۔ دہشت گردوں نے نواز شریف اور عمران خان سمیت تمام حکمرانوں کو واضح پیغام دے دیا کہ وہ کسی صورت پاکستان میں امن قائم نہیں ہونے دینگے۔ کیا اب بھی نواز شریف یہ ہی سوال دہرایں گے کہ کیا میں مذاکرات نہ کروں؟ یا عمران خان ڈرون حملوں کی آڑ لیکر اپنے ملک کو برباد ہونے دینگے۔ اگر نہیں تو پھر طالبان دہشت گردوں کی زبان میں ہی اُنکو جواب دیجیے اور اگر نواز شریف اور عمران خان ایسا نہیں کر سکتے تو پھر واقعی کہنا پڑے گا کہ "جنگ کھیڈ نئیں ہوندی زنانیاں دی"۔

عمران خان اپنے مہروں پر دھیان دیں

اگر آپ شطرنج کے کھیل سے واقف ہیں اور آپ شطرنج کے اچھے کھلاڑی ہیں تو آپ سیاست میں بھی اچھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ شطرنج کے کھیل کا اصول یہ ہے کہ جب آپ کوئی چال چلتے ہیں تو اگلی چالوں کا حساب لگاتے ہیں کہ میں اگر یہ چال چلونگا تو میرا مخالف کیا کرے گا اور پھر میں کیا کرونگا، اور اسطرح سولہ اگلی چالوں کا سوچ کر آپ ایک چال چلتے ہیں۔ اس ایک چال کا مقصد ہوتا ہے مخالف کھلاڑی کو مات دینا۔ شطرنج کے کھلاڑی یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ شطرنج "بادشاہ کی بقاء" کی جنگ ہے۔ شطرنج کی بساط پر ہر مہرے کی "قیمت" ہے۔اس کے چھ مہرے بادشاہ، وزیر، فیل، گھوڑا، ہاتھی اور پیادہ ہیں۔ ہر مہرہ اپنی چال میں بے مثال ہے، اور یہ چھوٹے بڑے منفرد قدم اٹھائے اپنے بادشاہ کی حفاظت پہ معمور ہوتے ہیں۔ شطرنج اور سیاست دونوں کھیلوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ شطرنج کی بازی سیاست اور سیاست کی بازی شطرنج کے اصولوں پر کھیلی جاتی ہے۔

ضمنی انتخابات ہوچکے ہیں اور ان انتخابات سے مرکزی یا صوبائی حکومتوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا مگر سیاسی طور پر بہت کچھ ہوا۔ پاکستان تحریک انصاف

عمران خان کی جیتی ہوئی دو قومی اسمبلی کی نشستوں پشاور اور میانوالی سے شکست سے دوچار ہوئی ہے۔ مسلم لیگ ن شہباز شریف کی جیتی ہوئی راجن پور کی نشست سے محروم ہوگی ہے۔کے پی کے میں مولانا فضل الرحمٰن کے بھائی مولانا عطاالرحمٰن لکی مروت سے ہار گئے ہیں اور سندھ میں سانگھڑ سے پیر صدرالدین شاہ کی خالی کردہ نشست پر پیپلزپارٹی کی شازیہ مری جیت گئی ہیں۔پگارہ خاندان کی اس نشست پر پہلی بار ہار اور ذوالفقار علی بھٹو سے لے کر آج تک پیپلزپارٹی کی پہلی کامیابی ہے۔ یہ ضمنی انتخابات پاکستان کی تاریخ کے سب سے بڑے ضمنی انتخابات تھے۔ ضمنی انتخابات میں تقریبا تمام ہی قومی جماعتوں نے حصہ لیا تھا، مسلم لیگ ن ان انتخابات کے نتیجے میں سب سے زیادہ فاہدئے میں رہی ، دوسرئے نمبر پر پیپلزپارٹی رہی جو 11 مئی کو اپنی خراب کارکردگی کی وجہ سے صرف سندھ تک محدود ہوگی تھی۔ ضمنی انتخابات میں اگر سب سے زیادہ کسی سیاسی جماعت کو سیاسی نقصان اٹھاناپڑا تو وہ ہے عمران خان کی پاکستان تحریک انصاف۔

قومی اسمبلی کی نشست این اے ون پشاورون میں سب سے بڑااپ سیٹ ہواجہاں پرعمران خان کی چھوڑی ہوئی نشست پراے این پی کے غلام احمد بلور نے تحریک انصاف کے گل بادشاہ کوشکست دی، جبکہ عمران خان کی چھوڑی گئی نشست این اے 71 میانوالی پر مسلم لیگ ن کے عبیداللہ شادی خیل نےکامیابی حاصل کرلی۔ ضمنی انتخابات سے صرف ایک دن پہلے تحریک انصاف نے 2500 صفحات پر مشتمل ایک وائٹ پیپر بھی جاری کیا جس میں گیارہ مئی کے انتخابات والے دن بقول تحریک انصاف

جو انتخابی دھاندلیاں ہوئی تھی اُن کو اجاگر کیا گیا ہے۔ لیکن ضمنی انتخابات کے نتیجے میں اُس وائٹ پیپر کی اب کوئی اہمیت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سو دن کسی بھی نئی آنے والی حکومت کا ہنی مون پیریڈ ہوتا ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے کہ سو دن میں وہ حکومت نہ صرف کاروبار حکومت کو سمجھ لے بلکہ اپنی آئینی مدت کی منصوبہ بندی بھی کرتی ہے کہ وہ کسطرح عوام سے کیئے گے وعدے اور عوام کی بھلائی کے لیے کام کرےَ گی۔ ان سو دن میں وہ ایسے اقدامات بھی کرتی ہے جس سے عوام کو اُس حکومت کی موجودگی کا احساس بھی ہوتا ہےاور عوام کچھ کچھ تبدیلی بھی محسوس کرتے ہیں۔ لیکن افسوس گیارہ مئی سے پہلے ملک کے جو خراب حالات تھے گذشتہ سو دن میں ان حالات میں اور زیادہ خرابیاں ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں مرکزی اور چاروں صوبائی حکومتیں ناکام نظر آتی ہیں۔ پنجاب اور سندھ میں تو حکومتوں کی تجدید ہوئی ہے، بلوچستان میں ایک نئے انداز میں مسلم لیگ ن کے اشتراک سے حکومت بنی ہے، اس حکومت کا حال یہ ہے کہ صرف وزیراعلی ہے باقی کابینہ کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا ہے۔ عام انتخابات کے نتیجے میں خیبر پختونخواہ یاکے پی کے میں پاکستان تحریک انصاف کی حکومت بنی جس کے سربراہ عمران خان نے عام انتخابات میں ایک نئے پاکستان کا نعرہ لگایا تھا اور اُن کی جماعت پاکستان کی تیسری بڑی سیاسی پارٹی بن کر ابھری، مگر افسوس کہ گذشتہ سو دن میں کے پی کے کی حکومت

نے بہت مایوس کن کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس میں ڈیرہ اسمٰعیل خان جیل پر حملہ صوبائی حکومت کی سب سے بڑی ناکامیابی ہے۔ امن وامان کی اصل ذمیدار صوبائی حکومت ہوتی ہے جس میں صوبائی حکومت بری طرح ناکام رہی ہے۔ غرضیکہ عمران خان کی ٹیم ابھی تک ناکام رہی ہے۔ اور آخری کام جو اس ٹیم نے کیا وہ ہے عمران خان کی خود کی جیتی ہوئی دو قومی اسمبلی کی سیٹوں پر ہار جس کا اثر یہ بھی پڑے گا کہ خواتین کی مخصوص نشستوں میں کم از کم ایک سیٹ کا تحریک انصاف کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

کیا وجہ ہے کہ صرف سو دن بعد عمران خان ضمنی انتخابات میں اپنی جیتی ہوئی قومی اسمبلی کی دو نشستیں کھو بیٹھے۔ وجہ یہ ہے کہ عمران خان لیڈر تو بن گے ہیں مگر اُن کو لوگوں کی پہچان نہیں ہے، اور اسکا ذکر وہ عام انتخابات کے وقت یہ کہہ کر قبول کر چکے ہیں کہ انہوں نے کافی غلط لوگوں کو ٹکٹ دیئے ہیں، اور شاید ان میں سے ایک خیبر پختونخواکے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک بھی تھے۔ رہی سہی کسر جب پوری ہوئی جب انہوں نے ضمنی انتخابات میں ایسے فیصلے کیے جو اُن کے لیے سیاسی نقصان کا باعث بنے۔ میانوالی این اے 71 ان کی آبائی نشست تھی۔ 2002 کے الیکشن میں یہ واحد نشست تھی جو عمران خان یا تحریک انصاف نے جیتی تھی۔ اب عام انتخابات میں اہل میانوالی سے عمران خان کا وعدہ تھا کہ اُن کا جینا مرنا میانوالی کے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ میانوالی کا بیٹا میانوالی سے

بیوفائی نہیں کرے گا لیکن انتخابات کے بعد انہوں نے راولپنڈی کی نشست این اے 56 رکھی کہ یہاں ضمنی الیکشن میں حنیف عباسی کو ہرانا بہت مشکل ہوتا۔ عمران خان جو موروثی سیاست کے بے انتہا خلاف ہیں اُن کے اس موقف کی اس وقت دھجیاں اڑ گیں جب عائلہ ملک نے اپنے بہنوئی اور سمدھی ملک وحید خان کو ٹکٹ دلا دیا اور وزیر اعلیٰ پرویز خٹک نے اپنی خالی کردہ نشست پر اپنے داماد کو اور اسپیکر نے اپنی نشست پر اپنے بھائی کو ٹکٹ دلوادیا تھا۔ اور یہ فیصلے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ عمران خان مردم شناسی کے جوہر سے مکمل محروم ہیں۔ پشاور کا نتیجہ تحریک انصاف کے لیے ایک بہت بڑا اپ سیٹ ہے۔ عام انتخابات میں عمران خان نے غلام احمد بلور کو ایک بڑے مارجن سے ہرایا تھا۔ اب صرف سو دن بعد پشاور سے غلام احمد بلور کا دوبارہ جیت جانا عمران خان کے غلط فیصلے اور تحریک انصاف کی صوبائی حکومت کی سو دن کی "ناکام کارکردگی" کا ردعمل ہے۔

عمران خان جو کرکٹ کی دنیا کے ایک نامور کھلاڑی رہے ہیں انکو چاہیے کہ اب وہ کرکٹ سے ریٹائر ہوجایں تو اچھا ہے کیونکہ کرکٹ کے بارئے میں کہا جاتا ہے کہ کرکٹ بائی چانس" کا کھیل ہے، کرکٹ ڈپلومیسی ہر وقت کامیاب بھی نہیں ہوتی ۔ کرکٹ اور" سیاست کا کوئی جوڑ بھی نہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے شطرنج اور سیاست کا جوڑ ہے لہٰذا عمران خان اگر شطرنج کے اصول کو سامنے رکھ کر اپنی

سیاست کو آگے بڑھایں تو کامیابی کے چانس ہیں۔ کیونکہ شطرنج کے کھیل کا اصول یہ ہے کہ ایک چال چلنے سے پہلے اگلی سولہ چالوں کا حساب لگانا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں عمران خان کو اپنے مہروں پر خاص طور پر دھیان دینا ہوگا۔ اگر پرویز خٹک، عائلہ ملک اور ہارون رشید جیسے مہرے اُن کی بساط پر موجود رہے تو بہت جلد وہ شہہ اور مات کا شکار ہوجاینگے۔ آخر میں عمران خان کو ایک مشورہ ہے کہ راولپنڈی کی نشست این اے 56 جو اُن کے پاس باقی رہ گی ہے کم از کم اُس حلقے کا ایک چکر ضرور لگالیں، سنا ہے وہ ابتک اُس حلقے میں نہیں گے ہیں۔

مجھے جوڑیا بازار، کھارادر اور چاکیواڑہ لیجا کر دکھائیں۔ چیف جسٹس

کراچی میں دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری اور قبضہ گیری کے واقعات اگرچہ ایک طویل عرصے سے جاری ہیں تاہم کچھ عرصے سے اُن میں خاصی تیزی آئی ہے۔ روزانہ دس بارہ افراد ناگہانی موت کا شکار ہورہے ہیں۔ تاجر برادری بھتہ مافیا کے بڑھتے ہوئے مطالبات سے پہلے ہی تنگ تھی مگر تشدد، قتل اور بم دھماکوں کے بعض واقعات نے کاروباری حلقوں کے خوف میں اضافہ کردیا ہے۔ لیاری کے علاقے میں جرائم پیشہ افراد کی گینگ وار کو وہاں پر امن طور پر رہنے والی دو برادریوں کی محاذ آرائی میں تبدیل کردیا گیا جس کے باعث کچھی برادری کے متعدد خاندانوں کو اپنے گھر بار چھوڑ کر صوبے کے اندرونی علاقوں کا رخ کرنا پڑا تھا۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے مطابق اس سال جون 2013 کے اختتام تک کراچی میں تشدد کے واقعات میں ایک ہزار سات سو چھبیس لوگ ہلاک ہوئے جبکہ اسی عرصے کے دوران پچھلے سال یعنی 2012 میں ایک ہزار دو سو پندرہ لوگ مارے گئے تھے۔ ان اعداد و شمار کو اگر دیکھا جائے تو دونوں سالوں کے پہلے 6 ماہ کا فرق پانچ سو گیارہ افراد کا ہے۔ کراچی کو فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ تو ایم کیو ایم نے اب کیا ہے، اس سے بہت پہلے کراچی کی تاجر برادری اور عام لوگ کافی مرتبہ یہ مطالبہ کرچکے ہیں۔ اٹھارہ

اگست کی ایک خبر کے مطابق "کراچی میں قتل و غارت گری اور بھتہ خوری کے خلاف اولڈ سٹی ایریا کے تجارتی مراکز بند رہے، تاجروں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ شہر میں جاری بدامنی پر قابو پانے کے لئے ہنگامی اقدامات کئے جائیں اور شہر کو فوج کے حوالے کر دیا جائے"۔ ایم کیو ایم تو ایک عرصے تک کراچی کو فوج کے حوالے کرنے اور کراچی میں مجرموں کے خلاف آپریشن کرنے کے خلاف تھی۔۔بر حال اب یا تو ایم کیو ایم کی کوئی سیاسی ضرورت ہے یا پھر کراچی کے عوام کا موڈ دیکھ کر ایم کیو ایم نے کراچی کو فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ مطالبہ نہ صرف سندھ حکومت بلکہ ایم کیو ایم کی بھی ناکامی ہے۔ ایم کیو ایم جو اس شہر کی نمائدہ سیاسی جماعت ہےاور پچھلے کئی سالوں سے شریک اقتدار بھی رہی ہے اور آج بھی صوبہ سندھ کے گورنر کا تعلق ایم کیو ایم سے ہے، کراچی کے بدترین حالات کی وہ بھی اتنی ہی ذمیدار ہے جتنی کل یا آج کی.بر سر اقتدار پیپلز پارٹی۔

کیوں نہیں آ سکتی فوج کراچی میں، کیا کراچی اور کراچی کے شہری لاوارث ہیں؟ سندھ کے حکمرانوں کچھ تو شرم کرو، آج جب کراچی.برباد ہو چکا ہے اور باقی بچا کچا تم.برباد کر رہے ہو تو تمارے ہی ایک سابق اتحادی نے شہر کو فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا ہے، تو تم کو یہ مطالبہ جمہوریت کے منہ پر طمانچہ لگ رہا ہے، اور چوبیں گھنٹے جو لاشیں گر رہی ہیں وہ کس کے منہ پر طمانچہ ہے۔

اِس سے بڑا اور کیا تمارے منہ پر طمانچہ لگے گا کہ چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس افتخار محمد چوہدری نے ڈی جی رینجرز سے مکالمہ کرتے ہوئے کہا ''میں تیار ہوں اگر صورتحال آپ کے قابو میں ہے تو مجھے جوڑیا بازار، کھارادر اور چاکیواڑہ لیجاکر دکھائیں''۔ لیکن ڈی جی رینجرز میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کہہ سکتے کہ چلیں میں آپکو لیکر چلتا ہوں۔ چیف جسٹس نے ریمارکس دیئے کہ جب تک ادارے غیر جانبدار نہیں ہوں گے امن قائم نہیں ہو سکتا۔ کراچی بے امنی عملدرآمد کیس میں آئی جی سندھ اور چیف سیکریٹری نے عدالت میں شہر کے حالات سے متعلق جو رپوٹ پیش کی، اُس پر عدالت نے عدم اطمینان ظاہر کیا۔ چیف جسٹس نے ریمارکس دیئے کہ چیف سیکریٹری کی رپورٹ کو اگر تسلیم کرلیں تو اس کا مطلب ہے کہ آج سے ایک بھی قتل نہیں ہونا چاہیئے چیف جسٹس نے ریمارکس دیئے کہ گزشتہ سماعت پر رینجرز اور پولیس نو گوایریاز ماننے کو تیار نہیں تھی ،آج کی رپورٹ میں یہ خود مان رہے ہیں کہ نو گوایریاز موجود ہیں۔ بڑا ہی بدنصیب ہے صوبہ سندھ اور اسکے باسی کہ مسلسل دوسری بار نااہل اور کرپٹ حکمرانوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔جب روم جل رہا تھا تو نیرو چین کی بانسری بجا رہا تھا اور صوبہ سندھ کے وزیراعلی جب بھی میڈیا سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کراچی اتنا برباد نہیں ہو رہا جتنا بتایا جارہا ہے۔ پیپلزپارٹی کی اِس ناکارہ حکومت کے بارے میں بس یہ کہا جاسکتا ہے۔

محل سرا میں رنگ جما ہے چور اُچکوں نیچوں کا

ہر منصب پر فائز ہیں بے قدرے گھسیارے لوگ

ایم کیو ایم جو قومی و صوبائی اسمبلی میں کراچی کی نشستوں کی تعداد کے اعتبار سے شہر کی بڑی نمائندگی کی حامل سمجھی جانے والی پارٹی ہے اُسکی طرف سے فوج کی تعیناتی کے مطالبے پر مختلف اور متضاد نوعیت کے رد عمل سامنے آئے ہیں، پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن، تحریک انصاف اور جماعت اسلامی نے اس کی مخالفت کی جبکہ عوامی نیشنل پارٹی نے اس کی حمایت کی ہے، اسکے علاوہ کراچی کی تاجر برادری، مقامی تنظیموں نے اسکی حمایت کی ہے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کی مخالفت تو سمجھ میں آتی ہے کہ یہ دونوں ہی کراچی میں کسی بھی قسم کے فوجی آپریشن کے ذمیدار ہونگے، لیکن تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کی مخالفت شاید اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں جماتیں ایم کیو ایم کی بدترین مخالف ہیں۔ کراچی میں امن وامان کی جو کیفیت نظر آرہی ہے اُس پر سپریم کورٹ سمیت سب ہی تشویش مبتلا ہیں۔ اس حقیقت کو بھی یکسر نظرانداز کرنا ممکن نہیں کہ کراچی کی حیثیت ملکی معیشت کی شہ رگ ہے، جہاں بڑی ہول سیل مارکیٹوں کا کئی کئی روز مسلسل بند رہنا اور تاجروں کا خوف کی کیفیت سے دوچار رہنا معیشت پر تباہ کن اثرات مرتب کررہا ہے۔ ان حالات میں صوبائی حکومت سے کسی قسم کی امید رکھنا بیکار ہے، کیونکہ نہ ہی پیپلزپارٹی کی صوبہ میں یہ پہلی حکومت ہے اور نہ ہی وزیراعلی نئے ہیں۔ بدنصیبی سے نہ ہی وزیراعلی کو اور نہ ہی

اُنکی کابینہ کے کسی ممبر کو اس شہر سے دلچسپی ہے۔ اب رہ گئی مرکزی حکومت تو وہ صوبہ کے وزیراعلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی کوشش کررہی ہے جیسا کہ وزیر داخلہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ وزیراعظم نواز شریف اگر واقعی کراچی کے حالات کو بہتر کرنا چاہتے ہیں تو اُن کو کچھ سخت فیصلے کرنے ہونگے جس میں کراچی کو فوج کے حوالے بھی کرنا ہوگا اور بغیر کسی امتیاز کے بڑی بے رحمی کے ساتھ مجرموں کے خلاف آپریشن کرنا ہوگا، اگر فوجی عدالتوں کا قیام بھی عمل میں لانا پڑے تو وہ بھی کریں، جب کسی کو تیز بخار ہوتا ہے تو اُس کو کڑوی گولی کھانی پڑتی ہے۔

کراچی کے عام لوگوں سے جس کی مرضی چاہے پوچھ لے ہر ایک ان حالات سے پریشان ہے اور چاہتا ہے کہ شہر میں امن قائم ہو، عام شہریوں سے جب پوچھا گیا تو سب نے ایک ہی بات کی کہ کراچی کے حالات اسقدر خراب ہیں کہ صرف فوج ہی اسکو کنٹرول کرسکتی ہے۔ کراچی سے باہر پورے پاکستان میں رہنے والے پاکستانی بھی ایک بات سمجھ لیں کہ اگر کراچی کے حالات ٹھیک نہ ہوئے تو کم یا زیادہ وہ بھی لازمی متاثر ہونگے، اسلیے وہ بھی مرکزی حکومت سے کراچی کے حالات ٹھیک کرنے کا مطالبہ ضرور کریں۔ اگر ملک کے اس سب سے بڑے شہر کے حالات نہیں ٹھیک ہوتے تو پھر اس ملک کے حالات کا اللہ ہی مالک ہے۔ کراچی کے حالات اب ایسے ہوگئے ہیں کہ اِن کو سدھارنا لازمی ہے، سول انتظامیہ، پولیس اور

رینجرز سب ناکام ہو چکے ہیں۔ لہذا صرف اب ایک ہی حل ہے کہ اس شہر کو فوج کے حوالے کیا جائے، اس کے لیے دستور کی کونسی شق استمال ہوگی یہ حکمراں جانیں ۔پاکستان کے دستور کے مطابق تمام شہریوں کو یکساں حقوق حاصل ہیں، ہر شہری کی جان ومال کی حفاظت مملکت کی ذمیداری ہے۔ ہر شہری کو انصاف مہیا کرنا اور قانون پر عمل کروانا بھی مملکت کی ہی ذمیداری ہے۔ اگر جرائم پیشہ عناصر اس طرح ہی من مانی کرتے رہے اور حکمران انکی سرپرستی کرتے رہے اور ہر روز تاجر اور عام لوگ لوٹتے رہے اور اپنی جان گنواتے رہے تو پھر حکمراں ایک کام ضرور کریں کہ پاکستان کے اس دستور کو پھاڑ کر پھینک دیں جو اپنے ملک کے شہریوں کے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتا۔

سزائے موت نہیں تو عدالتیں بند کردیں

آصف زرداری کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جس کو اپنا دوست بنالیتے ہیں پھر اُس پر ہمیشہ مہربان رہتے ہیں۔ نواز شریف کے دوسرے دور میں آصف زرداری کرپشن کے الزامات کی وجہ سے جیل گئےاور جنرل مشرف کے دور میں رہا ہوئے۔ آصف زرداری نے جیل میں رہتے ہوئے کافی مجرموں سے دوستیاں کیں اور انکی وہ دوستیاں ابھی تک قائم ہیں۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد بھی آصف زرداری نے اپنے جیل کے دوستوں سے تعلق نہ توڑااور دوہزار آٹھ میں صدر بننے کے بعد تو اس دوستی میں وسعت آگی، اب اِن دیکھے مجرم بھی ان کے دوست بن گے، جن میں خاصکر قاتل جو ٹارگیٹ کلر بھی ہیں، دہشت گرد بھی ہیں اور عام قاتل بھی ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے پورے پانچ سال کے دور میں کسی ایک قاتل کو بھی پھانسی نہیں ہوئی۔ قیدیوں کی فلاح و بہبود کے ادارے ’وائس آف پرزنرز‘ کے سربراہ، ایڈووکیٹ نور عالم کے مطابق، پاکستان کی جیلوں میں اس وقت سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی کل تعداد تقریباً 8000 ہے۔ پنجاب میں 6082 موت کی سزا کے قیدی ہیں جن میں 27 عورتیں بھی شامل ہیں، ان موت کے سزا یافتہ قیدیوں میں سے 4500 نے ہائی کورٹ میں، 1300 نے سپریم کورٹ میں جبکہ 40 نے وفاقی شریعت کورٹ میں سزا کے خلاف اپیلیں داخل کی ہوئی ہیں۔ ان ہی میں سے 242 نے صدر کو رحم کی اپیل کی ہوئی ہیں۔ ملک بھر

میں 526 قیدی ایسے ہیں جنھیں پھانسی دینے کا تمام قانونی عمل مکمل ہو چکا ہے۔ ان قیدیوں میں 143 قیدی سندھ کی جیلوں کے پھانسی گھاٹ میں ہیں، جو قتل، دہشت گردی اور دیگر جرائم میں ملوث تھے۔ ان افراد میں سیاسی جماعتوں اور کالعدم مذہبی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے مجرم بھی شامل ہیں۔ 103 مجرموں کو دہشت گردی کے الزام میں سزائے موت سنائی جاچکی ہے۔ان مجرموں کو ماتحت عدالتوں سے سزا سنائے جانے کے بعد اعلیٰ عدالتوں نے بھی ان فیصلوں کی توثیق کردی ہے اور صدر نے بھی انکی رحم کی اپیلیں مسترد کردی ہیں۔ مگر جیل حکام کے مطابق صدر آصف زرداری کی جانب سے غیر سرکاری ہدایات ہیں کہ اُن کے دور حکومت میں کسی شخص کو پھانسی کی سزا نہیں دی جائیگی۔ آصف زرداری اگر گذشتہ پانچ سال پھانسی کی سزا پر عمل ہونے دیتے تو آج جو قاتل اور دہشت گرد پاکستان میں کھلے عام بغیر کسی خوف کے گھوم رہے ہیں، شاید ایسا نہ ہوتا۔

پاکستان میں سزائے موت ختم ہونے یا نہ ہونے پر انسانی حقوق کی تنظیموں اور سیاسی و مذہبی نظریات کی حامل جماعتوں میں ایک نئی جنگ چھڑ گئی، بعض حلقے سمجھتے ہیں کہ انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے سزائے موت نہیں ہونی چاہیئے جب کہ بعض کی نظر میں اسلام میں سزائے موت کا تصور موجود ہے اس لئے اس کو یکسر ختم نہیں کیا جا سکتا۔
ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے سابق صدر اور انسانی حقوق کے ایک سرگرم کارکن، ڈاکٹر مہدی حسن کہتے ہیں کہ پاکستان میں

فوجداری جرائم سے متعلق قوانین میں خامیوں کی وجہ سے انسانی غلطی کے زیادہ امکانات موجود ہیں، جس کی وجہ سے کئی جانیں ضائع ہو جانے کا خطرہ موجود ہے۔ اس لئے ان کے الفاظ میں، پاکستان میں انصاف مہیا کرنے کے کمزور نظام کو سامنے رکھتے ہوئے ملک میں سزائے موت کو ختم کرنا چاہیئے۔ پاکستان میں سزائے موت کے حامیوں کا خیال ہے کہ جرائم کو روکنے کے لئے معاشرے میں سزا کا تصور اور خوف کا ہونا ضروری ہے۔ سزائے موت ختم کرنے سے نہ صرف ایسے جرائم کی تعداد میں اضافہ ہوگا، جن میں پاکستان کے قانون کے تحت سزائے موت دی جا سکتی ہے بلکہ یہ مرنے والوں کے لواحقین کو انصاف فراہم نہ کرنے کے مترادف بھی ہوگا۔ بعض حلقے ملک میں جرائم اور انسداد دہشت گردی کے لیے سزائے موت پر عملدرآمد کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے سزائے موت پر
عملدرآمد کے حوالے سے عارضی پابندی عائد کر رکھی تھی جسے موجودہ حکومت نے اس کی مدت ختم ہونے پر بحال کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس سلسلے میں اکیس اور بائیس اگست کو دو مجرموں کو کراچی کی جیل میں پھانسی دینے کا اعلان بھی کیا گیا، جبکہ پچیس اگست تک کچھ طالبانی اور لشکر جھنگوی کے دہشت گردوں کو بھی پھانسی دینی تھی۔ ان دہشت گردوں میں عقیل احمد عرف ڈاکٹر عثمان بھی شامل تھا جس نے 10 اکتوبر 2009ء کو دس دہشت گردوں کی قیادت کرتے ہوئے جی ایچ کیو پر حملہ کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ ان مجرموں کو پھانسی دی جاتی میڈیا کے ذریعے ایک حکومتی ترجمان کا بیان آیا جس میں کہا

گیا کہ صدر زرداری نے وزیراعظم نواز شریف کو خط لکھا ہے کہ وہ سیکڑوں مجرموں کی زیرالتواسزائے موت کے معاملے پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ ترجمان کے بقول کیونکہ سزائے موت پر عملدرآمد کی تاریخ قریب آرہی ہے اور صدر مملکت بیرون ملک ہیں وزیراعظم نے وزارت داخلہ کو ہدایت کی ہے کہ صدر اوران کے درمیان ملاقات تک سزائے موت پر عملدرآمد روک دیا جائے۔

طالبان نے 14اگست کو جنوبی وشمالی وزیرستان میں پمفلٹ کے ذریعے دھمکی دی تھی اگر قیدی ساتھیوں کو پھانسی دی گئی تو یہ حکومت کی طرف سے اعلان جنگ کے " مترادف ہوگا" ۔ حکومت کی طرف سے سزائے موت پر عملدرآمد کے اپنے سابقہ اعلان سے انحراف سے لگتا ہے کہ تحریک طالبان کی طرف سے وہ دھمکی کام کر گئی ہے جس میں کہاگیا تھاکہ زیرحراست عسکریت پسندوں کو پھانسی تحریک طالبان کو ن لیگ کی قیادت کے خلاف اعلان جنگ پر مجبور کردے گی۔ پنجابی طالبان کے امیر عصمت اللہ معاویہ نے ایک بیان کہا تھا کہ پھانسی پر عملدرآمد انہیں ن لیگ کے خلاف اعلان جنگ شروع کرنے پر مجبور کردے گا۔ان کی دھمکی کے بعد تحریک طالبان کے ترجمان کی طرف سے بھی ایک بیان جاری کیا گیا کہ اگر 23 اگست کو شیڈول کے مطابق عقیل عرف ڈاکٹر عثمان کو فیصل آباد میں پھانسی دی گئی تو ن لیگ کی دواہم شخصیات کو نشانہ بنانے کے لئے انتہائی تربیت یافتہ خود کش بمباروں کاایک اسکوارڈ تیار کرلیا گیا ہے۔ جبکہ حکومتی ترجمان نے اس بات

کی تصدیق کردی ہے کہ وزیراعظم نواز شریف نے تاحکم ثانی ملک میں سزائے موت پر عملدرآمد روک دیا ہے۔

چلیے مان لیتے ہیں کہ اس وقت آصف زرداری کی وجہ سے پھانسی کی سزا پر عملدرآمد نہ ہو سکا، لیکن آٹھ ستمبر زیادہ دور نہیں ہے، کیا نواز شریف آصف زرداری کی رخصتی کے بعد دہشت گردوں اور ٹارگیٹ کلرز کو انکے منطقی انجام یعنی پھانسی کے پھندے تک پہنچایں گے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ن لیگ کی دو شخصیات وہ خود اور انکے بھائی ہیں مگر اس قسم کی دھمکیوں سے اگر وہ اپنے فیصلے بدلینگے تو پھر ہر طرف سے سنگین مسائل میں گھرے وطن کو مسائل سے نجات دلانے کے بجائے وہ مزید سے مزید تر مصائب ومشکلات میں اُلجھادینگے۔ مسائل میں گھرے عوام اور بنیادی سہولیات کے لئے سسکتے بلکتے لوگوں کی دادرسی کے لئے مہنگائی، بجلی، بے روزگاری اور بدامنی جیسی بدترین صورتحال سے نمٹنے کا حکومت کے پاس ایک ہی طریقہ ہے کہ ملک میں سب سے پہلے امن ہو اور امن قائم کرنے کے لیے امن دشمنوں کو پھانسی دینا اس ملک کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔ اگر نواز شریف جو اٹھارہ کڑوڑ عوام کے وزیراعظم ہیں ایسا نہیں کر سکتے تو ایک اعلان ضرور کریں کہ ہم سزائے موت نہیں دے سکتے اسلیے عدالتیں بند کی جاتی ہیں۔

مجرموں کا حکومت کو کھلا چیلنج

وزیراعظم نواز شریف کی جانب سے کراچی میں امن وامان کی بحالی کے لیے لائحہ عمل طے کرنے سے سرمایہ کاروں کا اعتماد بحال ہوا ہے۔ جمرات 5 ستمبر کو کراچی اسٹاک ایکسچینج میں زبردست کاروباری تیزی رہی اور 100 انڈیکس میں 575 پوائنٹس کا اضافہ ہوااور 100 انڈیکس 22 ہزار 450 پوائنٹس کی سطح پر بند ہوا۔ ہر حکومت اسٹاک ایکسچینج میں تیزی کو اپنی سیاسی اور معاشی کامیابی قرار دیتی ہے، الیکشن کے بعد کراچی اسٹاک ایکسچینج میں زبردست تیزی آئی اور خیال کیا جارہا تھا کہ نواز شریف کے حلف اٹھاتے ہی انڈیکس 24 ہزار پوائنٹس کی نفسیاتی حد عبور کرجائے گا لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہمارا کاروباری طبقہ مسلم لیگ ن کی حکومت سے جو امید کررہا تھا وہ اُس پر پوری نہیں اتری، سب سے بڑا مسئلہ امن وامان کا ہےاور تین ماہ گزرنے کے باوجود حکومت کا اس سلسلے میں کوئی منصوبہ سامنے نہیں آیا کہ امن وامان کسطرح قائم کیا جائے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ انڈیکس 22 ہزار سے بھی نیچے چلا گیا تھا جو جمرات کو 22 ہزار 450 پوائنٹس کی سطح پر آیا ہے۔ کراچی اسٹاک ایکسچینج میں اس تیزی کو وقتی تو کہا جاسکتا ہے مستقل نہیں۔ کراچی میں امن وامان کے لیے وزیراعظم دو دن کراچی میں مصروف رہے اور کراچی کی حد تک ایک لائحہ عمل بھی طے کرلیا جسکو سیاسی اور کاروبای حلقوں کی مکمل تائید

بھی حاصل ہے۔ اس لائحہ عمل کا نتیجہ چند دن میں ہم سب کے سامنے ہوگا مگر قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک طرف وزیراعظم کراچی کی بدامنی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو دوسری طرف مجرم حکومت کو کھلا چیلنج کرتے رہے اور وزیراعظم کی موجودگی میں پہلے روز گیارہ اور دوسرے روز بارہ افراد کو ٹارگیٹ کلنگ کا نشانا بنایا، بھتہ خوری اور لوٹ مار بھی جاری رہی۔

وزیراعظم نواز شریف تو ایک لائحہ عمل بنا کر چلے گئے، اب اُس پر عمل کرانا صوبائی حکومت کی ذمیداری ہوگی۔ مگر کیا اس لائحہ عمل سے کراچی اور پاکستان میں امن و امان کا مسلہ حل ہوسکے گا، اسکے لیے ہمیں کراچی اور ملکی حالات پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔ کراچی میں اس سال ابتک ڈیڑھ ہزار افراد سے زیادہ قتل ہوچکے ہیں، 13 ہزار گاڑیاں اور دس ہزار سے زیادہ موبائل فونز چھینے گئے، غیر رجسٹرڈ واقعات کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ ہے، زیادہ تر مجرم و قاتل گرفتار ہی نہیں ہوتے، جو ہوتے ہیں وہ سیاسی مداخلت، استغاثہ کی کمزوریوں، گواہوں کے خوف سے بری ہوجاتے ہیں، معمولی تعداد میں جرم ثابت ہونے پر عدالتیں مجرموں کو سزائیں سناتی ہیں تو ان پر عمل درآمد نہیں ہوتا، اسی لیے مجرم بے خوفی سے وارداتیں کرتے ہیں، سب کچھ لوٹ لینے کے بعد بلا سبب قتل بھی کردیتے ہیں۔ دوسری جانب اگر کوئی مجرم عام لوگوں کے ہاتھ لگ جائے تو اُس پر جان لیوا تشدد کرتے ہیں اور اب مجرموں کو زندہ جلادینا عوامی ردعمل بنتا

جارہا ہے۔ سیاسی مداخلت کی وجہ سے قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی بعض اوقات ایسے مجرموں کو قانون کے حوالے کرنے کے بجائے ماورائے عدالت قتل کردینے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ انھیں یقین نہیں ہوتا کہ مجرم کیفر کردار تک پہنچیں گے۔ اس قسم کے رویوں سے معاشرے میں لاقانونیت و بربریت کا دور دورہ ہوتا ہے، جس کا سامنا آج ہم کررہے ہیں۔ بد قسمتی سے ہماری جیلیں دہشت گردوں اور جرئم پیشہ افراد کی آرام گاہیں بنیں ہوئی ہیں، وہ نہ صرف اپنے رشتے داروں اور جرائم پیشہ دوستوں سے رابطوں میں رہتے ہیں بلکہ جیلوں میں بیٹھ کر اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کو بھی جاری رکھے ہوئے ہیں، یوں قانون کے رکھوالے ہی جب ان کو پناہ دیں گے تو جرائم میں زیادتی تو ہوسکتی ہے کمی نہیں۔ قاتلوں اور دہشت گردوں کی گرفتاری اور پھر ان کو کیفر کردار تک نہ پہنچانا انصاف اور قانون کی ایک بہت بڑی ناکامی ہے۔ پاکستان کی عدالتوں پر عوام کی اکثریت کا اعتماد مسلسل کم ہوتا جارہا ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہونے والے جرائم پر سزا کا فیصلہ جلد نہیں دیا جاتا۔ دوسری وجہ سنگین قسم کے جرائم سے لے کر عام نوعیت کے معمولی جرم پر بھی فیصلہ سنادینے کے باوجود سزادینے کی شرح افسوس ناک حد تک کم ہے۔

دنیا میں سزائے موت ختم کرانے اور پاکستان سے اس پر عمل کرنے کا مطالبہ کرنے والے ممالک اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر تو دنیا بھر میں قتل عام کرتے

ہیں، مگر ہماری عدالتوں سے سزائے موت پانے والے مجرموں کے لیے انسانیت کا رونا روتے ہیں۔ ملک میں تشدد اور دہشت گردی کو ختم کرنے کے دعویدار حکمران سزائے موت کے خاتمے کی صورت میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت، اغوا برائے تاوان، قتل اور دھماکوں کے مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے کونسا قانونی طریقہ استعمال کریں گے؟ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔ دہشت گردوں کو اگر پکڑا بھی گیا تو عبرت ناک سزا دینے کی بجائے چھوڑ دیا گیا، ملکی سطح پر بھی ہونے والے بڑے بڑے جرائم جنھوں نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے کسی قسم کی کوئی سزا نہیں دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بڑے بڑے ملکی ادارے تباہی کی دہلیز پر کھڑے ہیں، عوام کا بنیادی مسئلہ پانی، بجلی، اور امن و امان ہے، مگر افسوس کہ عوام آج ان سے بھی محروم ہیں۔ چین نے ٹیکنالوجی کے میدان میں بے پناہ ترقی کی ہے، ان کا ریلوے کا نظام انتہائی ترقی یافتہ اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہے، ان کے وزیر ریلوے کو کرپشن کے الزام میں موت کی سزا دی گئی تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں مجرموں کو سزا دینے کی بجائے ان کے حق میں اور ان کی ہمدردی میں آوازیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ سزاوں پر عملدرآمد نہ ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج پاکستان میں ہر طرف لاقانونیت کا دور دورہ ہے، انسانیت مردہ ہو چکی ہے اور عوام امن و سلامتی کی دہائی دیتی نظر آتی ہے۔ پاکستان میں مجرم اور ملزم کا فرق مٹتا جا رہا ہے، اب بڑے سے بڑا مجرم بھی اپنے آپ کو مظلوم ثابت

کرتا نظر آتا ہے۔ہمارے بہت سے حکمرانوں کی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے قومی اداروں کی بربادی اور تباہی میں اپنا بھرپور حصہ ڈالا مگر پھر بھی معصومیت اور مظلومیت کی تصویر بنے اپنی صفائیاں پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

وزیر اعظم نواز شریف نے جو لائحہ عمل بنایا ہے اسکے مطابق اب کراچی میں رینجرز ایک بااختیار ادارے کے طور پر کام کرئے گی۔اب رینجرز کراچی میں آپریشن کرئے گی اور مجرموں کا پیچھا کرئے گی۔ مجرموں کو پکڑنے کے ساتھ ساتھ اُن کو جلد از جلد کڑی سزایں دینی ہونگیں اور ان پر عملدرآمد لازمی بنانا ہوگا، جیلوں کو مجرموں کی آرامگاہ کی جگہ لازمی سزاگاہ بنانا ہوگا۔ اگر اب بھی کچھ نہ ہوا تو پاکستان کے اس معاشی حب کراچی کی بربادی پاکستان کی بربادی ہوگی اور آپ جلد ہی کراچی اسٹاک ایکسچینج میں زبردست مندی دیکھ رہے ہونگے اور مجرموں کا حکومت کو کھلا چیلنج ہوگا کہ ہمارا کچھ بگاڑ سکتے ہو تو بگاڑ لو۔

حاجی آصف زرداری اور حاجی نواز شریف

وزیراعظم نواز شریف نے ایوان وزیراعظم میں رخصت ہونے والے صدر آصف زرداری کو ایک الوداعی ظہرانہ دیا۔ ظہرانے میں نواز شریف نےاور آصف زرداری نے جو تقاریر کیں وہ" تو مجھے حاجی کہہ میں تجھے حاجی کہوں" کے مصادق تھیں۔
الوداعی ظہرانے میں وزیراعظم نواز شریف نے اپنی تقریر میں بہت ساری باتوں کے علاوہ کہا کہ " صدر زرداری کو باوقار طریقے سے رخصت کرکے تاریخ رقم کی ہے، آئینی مدت پوری کرنے والے وہ پہلے جمہوری صدر ہیں، ہم نے ہر قسم کی غیر آئینی تبدیلی کی راہ روکنے کے کلچر کی بنیاد رکھی دی، میرا اور آصف علی زرداری کا ایک جیسا ایجنڈا ہے، صدر زرداری 73ء کے آئین کو اصل شکل میں بحال کرنے پر تادیر یاد رکھے جائیں گے، مجھے امید ہے کہ نو منتخب صدر ممنون حسین بھی صدر زرداری کی طرح ملک کی خدمت کریں گے"۔ شاید نواز شریف اپنی تقریر کے وقت اپنی، اپنے بھائی شہباز شریف اور اپنی پارٹی کے رہنماوں کی اُن تقاریر کو فراموش کر بیٹھے جو وہ ماضی میں کرتے رہے ہیں۔ اپنی انتخابی مہم کے دوران نواز شریف نے لیہ کے ایک جلسہ عام میں کہا تھا کہ " پیپلز پارٹی کی حکومت میں پچھلے پانچ سالوں میں غربت اور لوڈ شیڈنگ میں بے پناہ اضافہ ہوا، ہم

ایٹمی ملک ہیں لیکن نہ تو آج عوام کے پاس کھانے کے لئے روٹی ہے نہ ہی پینے کا صاف پانی اور نہ ہی روزگار، پیپلز پارٹی کے کرپشن نے ملک کو تباہ.برباد کردیا ہے"۔ نواز شریف شاید اس بات کو بھی فراموش کر بیٹھے کہ معزول کیے ہوئے ججوں کے بارے میں بھوربن اور اسلام آباد میں انہوں آصف زرداری سے جو معاہدے کیے تھے اُن سے آصف زرداری پھرگے تھے اور کہا تھا کہ معاہدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے جن میں ردوبدل نہیں ہوسکتا، بعد میں نواز شریف نے ججوں کی بحالی کے لیے باقاعدہ ایک تحریک چلائی تھی اور ایک.بڑئے جلوس کی قیادت بھی کی تھی۔

پانچ سال تک فرینڈلی اپوزیشن کا کردار نبھانے والے مسلم لیگ ن کے سر.براہ اور موجودہ وزیراعظم نوازشریف جو اس دعوئے کے ساتھ اقتدار میں آئے ہیں کہ وہ پیپلز پارٹی اور آصف زرداری کا احتساب کرینگے اپنی تقریر میں فرمارہے تھے "یادیں یقینا تلخ بھی ہوتی ہیں اور شیریں بھی، اس وقت میرے دل میں صرف شیریں یادوں کی خوشبو ہے، میں اِسی خوشبو کے ساتھ صدر کو الوداع کہنا چاہتا ہوں"۔ لیکن شاید نواز شریف کی اپنی پارٹی کے بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اُن کی اس تقریر سے متفق نہیں انہی میں ایک ممتاز بھٹو بھی ہیں جو آصف زرداری کے بہت قریبی سسرالی رشتہ دار، بھی ہیں وہ اس ظہرانے پر بہت ناراض ہیں، انہوں نے اپنے ایک بیان کہا ہے کہ " صدر زرداری کا احتساب کرنے کی

بجائے ان کو ظہرانہ دیا جا رہا ہے۔ آصف زرداری نے پانچ سالہ دور حکمرانی میں لوٹ مار، آئین اور قانون کی پامالی کی، تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ صدر کے ہی مقرر کردہ نیب چیئرمین ایڈمرل فصیح بخاری کا یہ بیان آج بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ زرداری دور میں روزانہ ملکی خزانے سے 12 ارب روپے رشوت میں غرق ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ زرداری کو میموگیٹ اور ایبٹ آباد واقعہ کا بھی جواب دینا ہے۔ بدامنی، مہنگائی اور توانائی بحران سمیت تمام مسائل جو نئی حکومت کے گلے پڑ گئے اس کی ذمہ داری بھی زرداری پر عائد ہوتی ہے"۔ شہباز شریف کا یہ بیان تو عام لوگوں کو زبانی یاد ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ "الیکشن کے بعد زرداری کو کراچی، پشاور اور لاہور کی سڑکوں پر نہ گھسیٹا تو میرا نام شہباز شریف نہیں"۔

ظہرانے میں تقریر کرتے ہوئے صدر آصف زرداری نے دوسری باتوں کے علاوہ کہا کہ مفاہمت وقت اور ملک کی ضرورت ہے، مفاہمت سے ہی چیلنجز کا سامنا کر سکتے ہیں، " اگر پاکستان کو مضبوط نہیں کیا اور تقسیم ہوتے رہے تو لیبیا، مصر اور شام جیسا طوفان یہاں بھی آسکتا ہے، یہ وقت سیاست کا نہیں، پانچ سال تک تعاون کریں گے، سیاست پانچ سال بعد کریں گے، اختیارات پارلیمنٹ کو واپس کرنے پر فخر ہے، دل پر کوئی بوجھ نہیں، مطمئن ہو کر ایوان صدر سے رخصت ہو رہا ہوں"۔ آصف زرداری کی تقریر کا یہ حصہ ایک پالیسی بیان ہے۔ میثاق

جمہوریت کا معاہدہ تو بینظیر بھٹو کی موت کے ساتھ ختم ہوگیا تھا اب لگتا ہے کہ نواز شریف اور آصف زرداری کے درمیان ایک دوسری غیر تحریر شدہ مفاہمت موجود ہے جس کے تحت آصف زرداری پانچ سال تک بغیر کسی مشکل کے ایوان صدر میں بیٹھے رہے اور اب اُن کی پانچ سال تک فرینڈلی اپوزیشن کا کردار نبھانے کی باری ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آصف زرداری اس بات کو فراموش کر بیٹھے کہ اُن پر کرپشن کے الزامات لگا کر انکو جیل کا راستہ دکھانے والا کوئی اور نہیں نواز شریف ہی تھے۔ آصف زرداری اُن تقاریر کو بھی فراموش کر بیٹھے جو نواز شریف، انکے بھائی شہباز شریف گذشتہ انتخابات کے دوران کرتے رہے۔

آصف زرداری نے ایک بیان میں کہا تھا کہ "اُنہیں کوئی پچھتاوا نہیں، وہ عزت سے رخصت ہورہے ہیں"۔ پورئے پانچ سال اس ملک کو برباد کرنے والے کو جماعت اسلامی پاکستان کے امیر سید منور حسن نے بہت شاندار جواب دیا ہے، انہوں نے صدر زرداری کے بیان کو مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے کہا کہ "شاید پیپلزپارٹی اورآصف زرداری نے کوئی نئی ڈکشنری ایجاد کی ہے جس میں عزت کے معنی مختلف ہیں۔ "مسٹر ٹین پرسنٹ" کے لقب سے شہرت پانے والے زرداری صاحب نے اپنے دور صدارت میں کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑ دیے،اُن کی پارٹی نے اصل کارنامہ کرپشن کے میدان میں سب کو پیچھے چھوڑ کر سرانجام دیا۔ صدر زرداری کی طرف سے عزت سے رخصت ہونے کا دعویٰ صدی کا سب سے بڑا لطیفہ ہے"۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ

کرپشن کی غلاظت میں لتھڑے ہوئے آصف زرداری اور اُنکے حواریوں کو اس لیے احتساب کے عمل سے نہ گذارہ جائے کہ وہ اب فرینڈلی اپوزیشن کا کردار نبھانے کو تیار ہیں۔ نواز شریف کی یہ امید کہ نو منتخب صدر ممنون حسین بھی صدر زرداری کی طرح ملک کی خدمت کریں گے تو کیا پاکستانی قوم یہ سمجھے کہ صرف صدر کی شکل بدل جائے گی کرتوت وہ ہی ہونگے اور ملک مزید.بربادی کی طرف جائے گا۔ ایک جیسا ایجنڈا رکھنے والے نواز شریف اور آصف زرداری نو ستمبر کے بعد ایک دوسرے کو کب تک حاجی کہتے رہیں گے یہ آنے والا وقت بتائے گا۔

زرداری پر ایمانداری کا کوئی الزام نہیں

ضیاالحق نے جب یہ دیکھا کہ پیپلزپارٹی کے بانی اور چیرمین ذوالفقار علی بھٹو کی مقبولیت اقتدار سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی کم نہیں ہورہی تو اُس نے غیر سیاسی ھتکنڈئے استمال کیے۔ سب سے پہلے اُس نے بھٹوپر مالی بدعنوانی کا الزام لگایا کہ عرب امارات سے ملنے والے پچیس لاکھ ڈالر بھٹو نے خرد برد کرلیے مگراس وقت کے عرب امارات کے حکمراں نے خود اس کی تردید کردی۔ ذوالفقار علی بھٹو پر اُن کے مخالفین بہت سے الزامات لگاتے ہیں مگرانکے ایک کٹر نظریاتی مخالف جماعتِ اسلامی کے سابق نائب امیرپروفیسر غفور احمد مرحوم سے کئی برس پہلے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا بھٹو صاحب مالی خرد برد میں ملوث تھے توپروفیسر غفور نے جواب دیا تھا کہ بھٹوپر ہر الزام لگایا جاسکتا ہے لیکن بھٹوپر مالی خرد برد اور لوٹ مار کا الزام کوئی نہیں لگا سکا۔

آصف زرداری جو اب سابق صدر ہوگے ہیں اپنی صدارت کی آئینی مدت مکمل ہونے کے بعد ایوان صدر سے رخصت ہوچکے ہیں کہتے ہیں کہ وہ پاکستانی تاریخ کے پہلے صدر ہیں جو اپنے عہدے کی میعاد پوری کرکے "باعزت" طورپر ایوان سے رخصت ہوئے ہیں۔اس سے پہلے کوئی صدر عزت سے ایوان صدر سے رخصت نہیں ہوا۔ انکی رخصتی

سے پہلے کافی تقریبات کی گیں ان میں انکی اپنی جماعت نے انہیں عشائیہ اور وزیراعظم نواز شریف نے انہیں الوادعی ظہرانہ دیا۔ نواز شریف نے اپنی تقریر میں اُن کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ "صدر زرداری 1973ء کے آئین کو اُسکی اصل شکل میں بحال کرنے پر تادیر یاد رکھے جائیں گے"، وزیراعظم نواز شریف نے ایک نئ بات یہ بھی بتائی کہ "میرا اور آصف علی زرداری کا ایک جیسا ایجنڈا ہے"۔ پیپلز پارٹی کے جیالوں نے انکی پانچ سالہ مدت مکمل ہونے پر بھنگڑے ڈالے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی سابقہ حکومت میں قومی اسمبلی میں چند آئینی ترامیم کی گیں جن میں اٹھارویں ترمیم اور صدر مملکت کے کسی حکومت کو برطرف کرنے کے اختیارات قومی اسمبلی کو واپس مل گئے، جس سے عام آدمی کا کوئی لینا دینا نہیں۔

آصف زرداری کی پاکستانی سیاست میں آمد صرف اس وجہ سے ہوئی کہ اُن کی شادی بینظیر بھٹو سے ہوئی، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایک گمنام انسان ہوتے اور شاید اپنے قریبی حلقے میں ہی پہچانے جاتے۔ بینظیر بھٹو 1988 میں پہلی مرتبہ وزیراعظم بنی اور تھوڑے عرصے بعد ہی آصف زرداری "مسٹر ٹین پرسینٹ" کے طور پر سامنے آئے۔ بینظیر بھٹو کی دونوں حکومتوں کو کرپشن کی بنیاد پر ختم کیا گیا، اُنکی دوسری حکومت کو ختم اُس وقت کے صدر فاروق لغاری نے کیا جن کو خود بینظیر بھٹو ہی لیکر آیں تھیں۔ لیکن اُس وقت تک شاہی جوڑے کی کرپشن

اسقدر بڑھ چکی تھیں کہ فاروق لغاری کو بینظیر بھٹو کی حکومت ختم کرنی پڑی۔ شاہی جوڑے کی کرپشن کا یہ حال تھا کہ بینظیر بھٹو نے وزیراعظم ہوتے ہوئے یہ بیان دیا تھا کہ کک بیک اور کمیشن کو قانونی حیثیت دے دینی چاہیے۔ بینظیر بھٹو تو 27 دسمبر 2007 کو قتل کردی گیں جو اکتوبر میں خود ساختہ جلاوطنی ختم کر کے پاکستان واپس آئیں تھیں۔ اپنی جلاوطنی ختم کرنے سے پہلے بے نظیر بھٹو نے جنرل پرویز مشرف کیساتھ کے ساتھ ایک معاہدہ جسکو این آر او کہا گیا کیا تھا۔ این آر او کے تحت جو ثمرات بے نظیر بھٹو نے حاصل کرنے تھے، وہ آصف زرداری کے حصے میں آئے۔ پیپلز پارٹی نے فروری 2008ء کے عام انتخابات میں بھرپور حصہ لیا اور اس عوامی ہمدردی کا فائدہ اٹھایا جو دہشت گردی کی سفاکانہ واردات میں بے نظیر بھٹو کی موت سے پیدا ہوئی تھی، ستمبر 2008 میں آصف زرداری پاکستان کے صدر بن گے۔ آصف زرداری کی قیادت میں جو پیپلز پارٹی کی شکل بنی اُس میں اب ذوالفقار علی بھٹو اور بینظیر بھٹو کا کردار صرف اُنکے نام کے نعرے تک تھا، اب پیپلز پارٹی دراصل آصف زردارری کی ذاتی کمپنی بن گی ہے۔

پیپلز پارٹی کی حکومت کی پانچ سالہ مدت پوری ہونے پر آصف زرداری، سابق وزیراعظم راجہ پرویز اشرف، اُنکی کابینہ کے اراکین ، پیپلز پارٹی کے لیڈران اس بات پر خوشی سے پھولے ہوئے تھے کہ ان کی حکومت نے پانچ سال تک ایک

جمہوری حکومت کو چلایا۔ پیپلز پارٹی کا پانچ سالہ دور حکومت کا یہ ریکارڈ ہے کہ اس سے زیادہ بدعنوان حکومت پاکستان میں اس سے پہلے کوئی نہ تھی۔ گذشتہ پانچ سال کے دوران زرداری حکومت کے دور میں دہشت گردی، ٹارگیٹ کلنگ، بدترین کرپشن، بری گورننس، طویل لوڈشیڈنگ، غربت کیساتھ اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوا، مشرف دور کے 34 بلین ڈالر کے قرضے پانچ سال میں ڈبل ہوگے، 62 روپے کا ڈالر 100 روپے کا ہوگیا، ملک کے تمام ادارے تباہ ہوگے۔ آصف زرداری، دو وزیراعظم، وفاقی اور صوبائی وزرا نے ملکر کرپشن اور بری گورننس کے حوالے سے ماضی کے کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑڈالے۔ اربوں روپے کی کرپشن کرکے قومی خزانے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور ملکی معیشت کو مفلوج بناڈالا۔ خود کش دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ کی یلغار نے کوئٹہ اور پشاور جیسے بڑے شہروں کو درہم برہم کرکے رکھ دیا ہے، کراچی جو پاکستان کا معاشی حب ہے اسکا وہ برا حال ہے کہ یہ شہر جو کبھی امن کا گہوارہ تھا آج لاقانونیت اور لاشوں کا شہر بن چکا ہے، زرداری حکومت کے پانچ سالہ دور میں کراچی میں دہشت گردی اور ٹارگیٹ کلنگ سے پانچ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے، بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان اس شہر میں عام بات ہے۔ سرکاری اور فوجی املاک پر حملے، فرقہ وارانہ نفرت، بے روزگاری اور مہنگائی اس حکومت کے تحفے تھے۔

آصف زرداری اور پیپلز پارٹی کی حکومت کے دور میں کرپٹ ترین اقوام میں پاکستان کا درجہ اوپر کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ جن اداروں کو روک ٹوک کرنا چاہیے تھی انکو ساتھ ملالیا لہذا کرپشن پر کوئی روک ٹوک نہ رہی اسلیے قومی احتساب بیورو اور فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی جیسے انسداد بدعنوانی کے ادارے کرپشن بڑھانے میں شانہ بشانہ رہے۔ یہ ادارے بااثر ملزموں کے ثبوت ختم کرنے اور انہیں بچانے میں پیش پیش رہے۔ یہ ہی وجہ ہے بین الاقوامی ادارے ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے 2012 کیلئے 18 ویں سالانہ کرپشن درجہ بندی جاری کی جس میں 176 ممالک میں پاکستان 139 ویں نمبر پر تھا۔ پاکستان کو کرپشن، ٹیکس چوری اور بری گورننس کے باعث 8500 ارب سے زائد کی کثیر رقم کا نقصان اٹھانا پڑا۔ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل پاکستان کے مطابق گیلانی حکومت کے دوران 2008 سے 2011 تک پتہ چلنے والے کرپشن کیسوں کا مجموعہ 2 ہزار 765 ارب روپے ہے۔ اس کے علاوہ حکومتی وزیر خزانہ نے خود ایف بی آر میں سالانہ 500 ارب سے زائد کی کرپشن کی تصدیق کی جو پانچ سال میں ڈھائی ہزار ارب روپے بنتی ہے۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان نے 2010 میں 315 ارب کی کرپشن کی نشاندہی کی۔ گردشی قرضے 19 کروڑ سے زائد تھے۔ پی آئی اے، پاکستان اسٹیل ملز، ریلوے، سوئی سدرن، سوئی ناردرن گیس اور پی ایس او جیسے قومی ادارے آج تباہی کے دھانے پر ہیں ۔ سابق چیئرمین نیب فصیح بخاری نے اعتراف کیا تھا کہ کرپشن سے ملک کو یومیہ 12 ارب کا نقصان ہو رہا ہے۔ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام میں 70 ارب

روپے کی خطیر رقم خرچ کرنے کے باوجود 2011 کے سروے کے مطابق کم آمدن، معاشی بدحالی اور مہنگائی کی وجہ سے 58 فیصد پاکستانی کو خوراک کے حوالے سے عدم تحفظ کا سامنا ہے۔ 2011 میں اسلامی ترقیاتی بینک نے خبردار کیا کہ پاکستان میں غذائی عدم تحفظ کی صورتحال تشویشناک ہو چکی ہے جبکہ ورلڈ فوڈ پروگرام کے مطابق 10 کروڑ پاکستانی غذائی بحران سے دوچار ہیں۔

گذشتہ پانچ سالوں میں غربت عام ہوگی ہے، آج عوام کے پاس کھانے کے لئے روٹی ہے نہ ہی پینے کا صاف پانی اور نہ ہی روزگار، بجلی کے بحران کی وجہ سے لوڈ شیڈنگ میں بے پناہ اضافہ ہوا، جس کے باعث عوام پریشان اور ملکی معیشت تباہ ہو گی ہے، پیپلز پارٹی کے کرپشن نے ملک کو تباہ،برباد کردیا ہے۔ آصف زرداری نے پانچ سالہ دور حکمرانی میں جو لوٹ مار کی ہے اسکے بعد صرف یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ ایوان صدر سے باعزت" رخصت کے دعوے دار آصف زرداری کو پاکستانی عوام نے گیارہ مئی کو اس" کا بھرپور جواب دے دیا تھا۔ آصف زرداری کے بارے میں پاکستانی عوام کا کہنا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو پر کرپشن کا کوئی الزام نہیں تھا اور آصف زرداری پر ایمانداری کا کوئی " الزام نہیں ہے"۔

لاہور: درندہ نہ پکڑا جائے تو اچھا ہے

جدہ کی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں ایک ریسرچ سینٹر ہے جس کا نام "اسلامک اکنامکس ریسرچ سینٹر ہے" میں نے اُس سینٹر میں کافی عرصہ ملازمت کی ہے۔ سینٹر میں ڈاکٹرز اور باقی اسٹاف کی اکنامکس سدھر رہی تھی۔ سینٹر میں وحید خان نامی ایک ہندوستانی لائبریرین ہوا کرتے تھے۔ ایک دن وہ بہت غصے میں آئے اور پوچھنے لگے کیا اس سینٹر میں کوئی اسلامی کام بھی ہوتا ہے۔ اس سینٹر میں تو باتھ روم بھی انگریزی طرز کے ہیں۔ جواب میں میں نے اُنکو کہا وحید صاحب جس دن اس سینٹر میں اسلام آگیا ہم سب اس سینٹر سے باہر کھڑے ہونگے۔ کچھ یہ ہی حال پاکستان کا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جس دن اسلام آگیا۔ اسکے بعد آپکو اس ملک میں کم از کم درندے نہیں ملینگے۔

اکیسویں صدی کی دنیا میں پاکستان، جہاں ہم رہ رہے ہیں وہ ایک بھیانک اور وحشت ناک جنگل ہے اور اس جنگل کی خاصیت یہ ہے کہ یہ عام جنگلوں سے ہٹ کر ہے کیوں کہ اس میں درندہ صفت جانور نہیں بلکہ درندہ صفت انسانوں کا راج ہے۔ اس صدی میں جہاں انسان ترقی یافتہ دور میں داخل ہوچکا ہے، وہاں یہ جنگل بھی خاطر خواہ ترقی کرتے ہوئے اپنے درندہ پن کی وجہ سے گلوبل دنیا میں علیحدہ

پہچانا جاتا ہے۔ اس جنگل میں دو قسم کی مخلوق بستی ہیں،ایک بے کس اور مجبور عوام اور دوسرے درندے۔ درندوں کی کئی اقسام ہیں، ان کی خوراک لوٹ مار، انسان کا خون بہانا اور معصوم عورتوں اور بچیوں کے ساتھ ظلم کرنا ہے۔ یہ درندہ صفت انسانی شکل میں بھیڑیے کسی کے لیے بھی کسی وقت بھی کسی سے بھی بغیر کسی وجہ کے دشمنی کر سکتے ہیں۔ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنیوالے اسلامی ملک میں درندوں کا وہ راج ہے جو کم از کم کسی بھی طور پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ معصوم بچوں اور بچیوں کی ساتھ درندگی کے واقعات آپکے علم میں ہونگے۔لاہور میں ہونے والے واقعہ پر الیکٹرانک ،پرنٹ اور سوشل میڈیا ان واقعات پر نوحہ خانی کر رہا ہے، سیاسی و مذہبی قائدین اس واقعہ کی مذمت کر رہے ہیں اور ملزم کی گرفتاری اور اُس کو قرار واقعی سزادینے کے راگ بھی الاپ رہے ہیں،انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں مظاہروں کے ذریعے اس جیسے واقعات کی مذمت کر رہے ہیں۔ پولیس نے بھی اُس درندے کا اسکیچ جاری کر دیا ہے، مگر میں سوچ رہا ہوں کہ درندہ نہ پکڑا جائے تو اچھا ہے، ورنہ درندے کے پکڑے جانے کے بعد آپکو اور بہت سارے مکروہ چہرے بھی دیکھنے پڑینگے، ایک بے غیرت وکیل یہ ثابت کرنے کے لیے تیار ہوجایگا کہ مجرم بے گناہ ہے، اُسکو نفسیاتی مریض اور پاگل ثابت کرنے کے لیے کسی بے ضمیر ڈاکٹر کا سرٹیفیکٹ لے آئے گا، آخر سربجیت سنگھ کا بھی تو وکیل تھا۔ پھر ایک عدالت سے دوسری عدالت، ہائی کورٹ، سپریم کورٹ میں دس پندرہ سال تو لگ ہی جاینگے، اُس وقت

تک کس کو یاد رہے گا کہ کیا ہوا تھا۔ چلیں مان لیتے ہیں کہ حکومت اس کیس کو ایک ایسی عدالت میں لے جاتی ہے جہاں جلد فیصلہ ہوجائے اور اگر کسی بے خوف اور باضمیر جج نے اسکو سزائے موت دے دی تو پھر انصار برنی اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے کرتا دھرتوں کے پیٹ میں درد اٹھے گا کہ پھانسی کی سزا تو انسانیت کے خلاف ہے۔ ویسے بھی اس ملک میں درندوں کو کھلی آزادی ہے، چاہے وہ طالبانی دہشت گرد درندے ہوں، ٹارگیٹ کلر ہوں، اسٹریٹ کریمنلز ہوں، سزا کا خوف کسی کو نہیں اور ہو بھی کیسے، اول تو پکڑے نہیں جاتے، بس ان کا ایک ہی نام ہے "نامعلوم" اور اگر یہ پکڑے جایں تو ہماری جیلیں اُن کی آرام گاہیں ہوتی ہیں۔ عوام کے دیے ہوئے ٹیکس کے پیسوں سے مجرم اور درندے پل رہے ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں درندہ صفت انسانوں کا راج ہے۔ وجہ سیدھی سیدھی یہ ہے کہ ملزم اور مجرم میں فرق نہیں ہے، ملزم وہ ہوتا ہے جس پر ایک جرم کا الزام ہوتا ہے، اور مجرم وہ ہوتا ہے جس پر الزام ثابت ہوجاتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں مجرم سزا کے بعد بھی ملزم ہی رہتا ہے۔ سابقہ پیپلزپارٹی کی حکومت جو خود مجرموں کا ایک ٹولہ تھی اُس کے تمام دور میں کسی ایک پھانسی کے مجرم کو پھانسی نہیں دی گئی بلکہ مجرموں کو ہر طرح بچانے کی کوشش کی گئی۔ نواز شریف حکومت آنے کے بعد کچھ مجرموں کو پھانسی دینے کا اعلان

ہوا لیکن دہشت گردوں کی ایک دھمکی کے بعد وہ اعلان واپس لے لیا گیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ وجہ یہ بتائی گئ کہ یورپی یونین اس کی مخالف ہے اور اگر ہم نے پھانسی کی سزا پر عمل کیا تو وہ ہمارے ساتھ تجارت نہیں کرینگے جبکہ یورپی یونین کے آقا امریکہ میں اب بھی پھانسی دی جارہی ہیں، شک تو اب یہ بھی ہے کہ کشکول توڑنے والے کل دوبارہ کشکول لیکر آئی ایم ایف کے پاس جایں تو وہ بھی یہ حکم نامہ جاری نہ کردیں کہ خبردار اگر کسی کو سزا دی تو تمارا کشکول نہیں بھرینگے۔ گذشتہ چند دنوں میں معصوم بچیوں کے ساتھ دردنگی کے جو واقعات ہوئے ہیں کم از کم شہباز شریف استعفی تو دور کی بات ہے، وہ کم از کم پنجاب حکومت کی نااہلیت پر ہی شرمندگی کا اظہار کردیتے۔ جس ملک میں مجرم کو اُسکے جرم کی سزا نہ ملتی ہو وہاں اگر لاہور کے واقعے کا درندہ نہ پکڑا جائے تو اچھا ہی ہوگا، ورنہ قوم کو وکیل اور ڈاکٹر کے علاوہ اور بہت ساری مکروہ شکلیں بھی دیکھنی پڑئے گی جو ابھی تک پردے میں ہے۔ ہمارے حکمرانوں نے اس ملک کو صرف نام کی حد تک ہی "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھا ہوا ہے، ورنہ اسلام میں تو ہر جرم کی سزا لازم ہے۔

دہشتگردوں تم انسانیت کو نہیں مار سکتے

اگر آپ وزیراعظم نواز شریف کے موجودہ دورۓ امریکہ کا تجزیہ کریں تو آپ کو آخر میں جو نتیجہ ملے گا وہ صرف یہ ہوگا کہ ہمارۓ وزیراعظم پندرہ سال بعد امریکہ دیکھ آۓ، اس دورۓ سے نہ آپکو کوئی معاشی فاہدہ نظر آیگا اور نہ ہی سیاسی، اسکے علاوہ نہ ہی خارجہ پالیسی میں کوئی بہتری نظر آیگی اور نہ ہی داخلی انتشار میں کوئی کمی۔ بڑی ہی مشکل سے بھارتی وزیراعظم من موھن سنگھ سے اُن کی ملاقات طے ہوئی ہے جو ایک فوٹو سیشن سے زیادہ کچھ نہیں ہوگی، جبکہ امریکی صدر سے ملاقات کے لیے شاید وہ پندرہ دن بعد دوبارہ امریکہ جاینگے۔ اپنی روانگی سے پہلے نواز شریف نے ایک بیان دیا تھا کہ "پاکستان ایک پرامن ملک ہے" مگر شاید ابھی انھوں نے ایک ہزار کلومیٹر کا بھی سفر نہ کیا ہوگا کہ دہشت گردوں نے پشاور میں چرچ پر دو خود کش حملے کرکے اُن کے بیان کا جنازہ نکال دیا۔ پاکستانی میڈیا نے نواز شریف کے حوالے سے ایک بیان نشر کیا جس میں نواز شریف نے وفاقی وزیر داخلہ کو فورا پشاور پہنچنے کو کہا۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ اُن کو اپنے جہاز میں ہی اس حادثہ کی اطلاع مل گی تھی کہ اُن کے ملک میں تراسی شہریوں کا قتل عام ہوا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنا جہاز واپس پاکستان کی طرف موڑتے اور پشاور پہنچتے اور اپنے شہریوں کے غم میں شریک ہوتے، خواہ ایک دن بعد وہ

واپس نیویارک جاکراقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں لکھی ہوئی تقریر پڑھ دیتے۔ ویسے بھی اس لکھی ہوئی تقریر کو کوئی وزیر یا سفیر بھی پڑھ سکتا تھا۔ وزیراعظم کے اس عمل سے مرنے والے تو واپس نہیں آتے لیکن عوام کو ضرور حوصلہ ملتا اور عالمی برادری میں اُن کو خاصا احترام بھی ملتا۔

مہذب اور انسانیت سے بھرپور کسی بھی معاشرئے میں آپکو شاید ایسا دیکھنے کو نہ ملے، ایسا تو نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارئے ملک میں انسانیت دم توڑ چکی ہے وہ عام لوگوں تک ابھی باقی ہے اور رہے گی، لیکن اگرہم اپنے حکمرانوں اور سیاست دانوں کی طرف دیکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ اب ہم کسی مہذب اور انسانیت سے بھرپور معاشرئے میں نہیں رہ رہے ہیں۔ جب ہمارئے ہاں سیلاب سے لوگ مر رہے ہوتے ہیں تو ہمارئے سابق صدر آصف زرداری یورپ کی سیر کررہے ہوتے ہیں اورجب پشاور میں قتل عام ہوتا ہے تو ہمارئے وزیراعظم اپنے امریکہ کے سفر کو جاری رکھتے ہیں، ہاں ایک احسان انہوں نے لندن پہنچ کراور نیویارک روانگی سے قبل ضرور کیا اور ایک بیان میڈیا پر دیا جس میں پشاور کے چرچ میں ناحق بہائے جانے والے خون اور مرنے والے مظلوم عیسائیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا، مگر افسوس وہ اُس وقت بھی دہشت گردوں سے مذکرات کے بارئے میں فکرمند تھے، انکا طالبان سے ہمدردانہ لہجہ اور باڈی لینگویج اس بات کی غمازی کررہی تھی کہ انہیں دہشت گردوں کے ساتھ ہونے والے مذاکرات خطرہ میں اور ناکام ہوتے نظر آرہے تھے۔

وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے پشاور میں چرچ پر حملے کو غیر انسانی فعل قرار دیتے ہوئے 23 ستبر کو قومی اسمبلی میں ایک پالیسی بیان دیتے ہوئے کہا کہ "ایک گروپ نے ذمہ داری قبول کی ہے لیکن اس حوالے سے ہمیں شک ہے کیونکہ اس گروپ کا وہاں کوئی وجود نہیں، اے پی سی کی قرار داد کو گڈمڈ نہ کریں ایوان سے یکجہتی کا پیغام جانا چاہئے"۔ اس بیان کا مطلب بھی سیدھا سیدھا یہ ہی ہے دہشتگرد جو چاہیں کریں مگر ہم مذکرات ضرور کرینگے۔

نواز شریف ایک معاملے میں بڑے خوش قسمت ہیں کہ اُن کے سامنے اپوزیشن نام کی کوئی چیز نہیں ہے، طالبان دہشتگردوں کے دو بڑے حامی یعنی دونوں جمیت علمائے پاکستان مولانا فضل الرحمان اور مولانا سمیع الحق انکے ساتھ ہیں، جبکہ طالبان کے دوسرے بڑے ہمدرد پی ٹی آئی اور جماعت اسلامی صوبہ کے پی کے حکمراں ہیں۔ عمران خان اور سید منور حسن تو پہلے سے ہی طالبان کے ہمدرد ہیں اور اب جب وہ ملے ہیں تو صوبہ کے پی کے میں موت کی سونامی آئے دن آتی رہتی ہے۔ باقی رہ گیں تین بڑی سیاسی پارٹیاں یعنی پیپلزپارٹی، اے این پی اور ایم کیو ایم جو طالبانی دہشتگردوں کے کھلے مخالف تھے مگر گذشتہ پانچ سال میں ان جماعتوں کی کارکردگی اسقدر بری تھی کہ نو ستمبر کی اے پی سی میں ان کے پاس اتنی سیاسی قوت نہیں تھی کہ مذکرات کے خلاف کچھ کہتے یہ مذکرات کی حمایت میں ہاتھ اٹھا کر چلے آئے۔

مذکرات ہونے چاہیے یا نہیں یہ ایک علیدہ بحث ہے مگر جو کچھ پشاور میں ہوا وہ ایک دل ہلادینے والا واقعہ ہے۔ ہمارے حکمرانوں اور سیاست دانوں کا کیا رویہ رہا یہ بھی سب کے سامنے ہے مگر بغیر کسی مذہبی تفریق کے عوام کا کیا رویہ تھا وہ دہشت گردوں کے لیے ایک کھلا پیغام تھا کہ "پشاور کے چرچ دھماکے میں تر اسی پاکستانی عیسائی ہلاک ہوگئے، مسلمانوں اور دوسرے مذاہب کے عام لوگوں نے اُن کے غم کو اپنا سمجھا اور آگے بڑھکر اُن کا ساتھ دیا، مساجد میں اعلانات ہو رہے تھے کہ کالو محلے میں مدد کرنے پہنچو اور جو جوان ہیں وہ قبرستان پہنچیں تاکہ قبریں کھودی جا سکیں۔ یہ سارے مقامی لوگ اور جوان دھماکہ ہونے سے لیکر رات گئے تدفین تک لواحقین کے ہمراہ موجود رہے اور میتیں دفنا کر ہی اپنے گھروں کو لوٹے۔ مسلمانوں نے قبرستان پہنچ کر قبریں تیار کیں، مذھب اپنا اپنا مگر انسانیت زندہ ہے۔ اس سارے عمل نے پاکستان کو اقلیت کی بنیاد پر تقسیم کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دے دیا ہے۔ اُو وحشی درندوں تم مسلمانوں کو مارو یا عیسائیوں کو مگر یقین کرو دہشتگردوں تم انسانیت کو نہیں مار سکتے"۔ اور یہ پیغام ہی پاکستان کی سالمیت ہے۔

خیبر پختونخواہ وزیر اعلیٰ ہاؤس یا طالبان ہاؤس

ہمارے ملک میں سو سے زیادہ سیاسی پارٹیاں ہیں اور ہر سیاسی پارٹی کا ایک رہنما ہے جو دراصل اُس سیاسی پارٹی کا مالک بھی ہوتا ہے۔ الطاف حسین ایم کیو ایم کے رہنما ہیں جو دل میں آتا ہے کہہ جاتے ہیں اور پھر بیچارے اُن کی پارٹی کے لوگ اُس کی وضاحت کرتے رہتے ہیں لیکن اپنے رہنما کے وفادار ہیں، مثال کے طور پر آپ الطاف حسین کی وہ تقریر اٹھا کر دیکھ لیں جس میں انہوں نے قائداعظم کو دوہری شہریت کا حامل قرار دیا تھا اور جس پر کافی لے دے مچی تھی مگر مجال ہے ایم کیو ایم کی پڑھی لکھی لیڈر شپ میں سے کسی نے قائداعظم کی دوہری شہریت کی تردید کی ہو۔ جاوید ہاشمی جو نواز شریف کے چکر میں جیل گئے مگر جب تھوڑی سی نواز شریف کی مخالفت کی تو مسلم لیگ ن کے رہنما نواز شریف نے اُنکو مسلم لیگ ن چھوڑنے پر مجبور کردیا اور وہ اُڑ کر تحریک انصاف میں پہنچ گے یہاں انکو عہدہ بھی ملا اور الیکشن میں تحریک انصاف کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی میں پہنچ گے مگر جب نواز شریف کو قومی اسمبلی نے وزیر اعظم چن لیا تو جاوید ہاشمی شاید یہ بھول گے کہ اب ان کے رہنما عمران خان ہیں اور نہ صرف انہوں نے نواز شریف کو مبارکباد دی بلکہ کہہ دیا کہ وہ کل بھی میرے لیڈر تھے اور آج بھی ہیں، بس پھر کیا تھا عمران خان کا

غصہ تھا اور بیچارہ جاوید ہاشمی ۔ آخرکار جاوید ہاشمی نے میڈیا کے سامنے آ کر نہ صرف اپنے الفاظ واپس لیے بلکہ تحریک انصاف کے رہنما عمران خان سے معافی بھی مانگی، سزا کے طور پر جاوید ہاشمی کو پارلیمانی لیڈرشپ سے محروم ہونا پڑا۔ اب دیکھیں اسد عمر کا کیا ہوتا ہے کیونکہ اُنھوں نے اپنے رہنما کے اس فلسفے کو ماننے سے انکار کر دیا کہ "دہشت گرد طالبان کا آفس قائم کیا جائے" اس بات کو انھوں نے عمران خان کا ذاتی خیال قرار دیا اور کہا کہ "عمران خان کا پاکستانی طالبان کے دفتر قائم کرنے کا بیان اُن کی ذاتی رائے ہے اور یہ پارٹی کا پالیسی بیان نہیں"۔ اب دیکھیں اسد عمر کب معافی مانگتے ہیں یا پھر تحریک انصاف سے باہر ہوتے ہیں۔ اسد عمر کے اس بیان کے بعد تحریک انصاف نے پارٹی رہنماوں پر ٹی وی مباحثوں میں براہ راست شرکت پر پابندی عائد کر دی ہے۔ ٹی وی کی انتظامیہ کو ایک سرکلر میں کہا گیا ہے کہ حالات حاضرہ کے پروگراموں اور ٹی وی مباحثوں میں پارٹی کی نمائندگی کے لئے تحریک انصاف کے سینٹرل میڈیا سیل سے رابطہ کیا جائے جو کسی بھی پروگرام میں تحریک انصاف کی نمائندگی کے لئے پارٹی رہنما کا نام تجویز کرنے کا مجاز ہے۔

نو ستمبر کی اے پی سی سے پہلے بھی دہشت گردی کے واقعات ہوتے رہے ہیں مگر اے پی سی کے بعد جس میں طالبان کے ساتھ مذکرات کرنے کا متفقہ فیصلہ کیا گیا تھا، دہشت گرد طالبان نے اپنی دہشت گردی بڑھا دی، اپر دیر میں بارودی

سرنگ کے دھماکے سے پاک فوج کے میجر جنرل لیفٹیننٹ کرنل اور لانس نائیک ہلاک کیے جاتے ہیں اور دہشتگرد طالبان اُسکی زمیداری بھی قبول کرتے ہیں۔ اُسی دن وزیرستان میں چار سیکورٹی اہلکار راکٹ حملے میں مارے جاتے ہیں۔ پشاور میں 22 ستمبر کو اقلیتوں پر خود کش حملہ، 27 ستمبر کو سرکاری بس میں بم دھماکا اور 29 ستمبر کو قصہ خوانی بازار میں بم دھماکا، ان دھماکوں میں ڈیڑھ سو سے زیادہ افراداپنی جانوں سے گے جن میں ترا سی عیسائی برادری کے لوگ شامل ہیں۔ بائیس ستمبر کو کوہاٹی چرچ دھماکوں کے کئی گھنٹے کے بعد وزیر اعلی پرویز خٹک عمران خان کے ساتھ پہنچے، جب میڈیا نے پرویز خٹک سے بات کی اور زخمیوں کی بات کی تو بہت ہی شان سے انہوں نے فرمایا کہ ہم زخمیوں کو وی آئی پی علاج کی سہولتیں دئے رہے ہیں، اگلے لمحے ہی عمران خان نے میڈیا کو اپنی جانب متوجہ کرلیا ورنہ شاید پرویز خٹک میڈیا والوں کو بتارہے ہوتے کہ ہم مرنے والوں کو وی وی آئی پی قبریں دے رہے ہیں۔ عمران خان کا کہنا تھاالمناک واقعے کو سیاسی رنگ نہ دیا جائے، ملک کے حالات بگاڑے جارہے ہیں، مسیحی برادری کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں، واقع کو سیاسی رنگ دینے والوں کو شرم آنی چاہیے۔اُن کا کہنا تھاکہ یہ انسانیت پر حملہ ہے۔ لیکن اسکے بعد ہی پشاور کے لیڈی ریڈنگ اسپتال میں کوہاٹی چرچ دھماکوں میں زخمی ہونے والے افراد کی عیادت کے بعد عمران خان خود سیاسی ہوگے اورمیڈیا سے بات چیت میں عمران خان کا کہنا تھا کہ حکومت جنگ بندی کرتے ہوئے طالبان کو مذاکرات

کے لئے دفتر کھولنے کی اجازت دے۔ انہوں نے کہا کہ آل پارٹیز کانفرنس میں مذاکرات کا فیصلہ ہوا تھا اس لئے جنگ کی بجائے مذاکرات کو موقع دیا جائے۔ عمران خان نے کہا کہ تحریک انصاف کو امن کے نعرے پر مینڈیٹ ملا ہے۔ ہم عوامی مینڈیٹ کا احترام کرتے ہیں۔

عمران خان کے اس بیان کے بعد کہ "حکومت جنگ بندی کرتے ہوئے طالبان کو مذاکرات کے لئے دفتر کھولنے کی اجازت دے" سیاست میں ایک بھونچال آگیا کیونکہ ابھی تک طالبان کی اتنی ہمدردی میں نہ جماعت اسلامی گی تھی اور نہ جمیت علمائے اسلام، اور نہ ہی عمران خان کو اس مطالبے کا عوام نے مینڈیٹ دیا تھا۔ عمران خان نے الیکشن میں نہ ہی دہشت گردی پر کوئی بات کی تھی۔ وہ تو ایک نئے پاکستان کی بات کر رہے تھے، وہ سونامی کی بات کر رہے تھے جس سے پاکستانی قوم کی تقدیر بدلنا چاہ رہے تھے، مگر شاید عمران خان کا مطلب نئے پاکستان سے مراد دہشتگرد طالبانی پاکستان اور سونامی سے مطلب موت کی سونامی تھا۔ پرانے زمانے کی کہاوت ہے کہ " تخم تاثیر صحبت کا اثر" اسکا مطلب یہ ہے کہ جس کے ساتھ رہوگے اسکا اثر آپ پر آئے گا،

بدنصیبی سے اس وقت نواز شریف مولانہ فضل الرحمان کے اور عمران خان سید منور حسن کے ساتھی ہیں اور یہ دونوں پاکستان میں طالبان کے نہ صرف ہمدرد بلکہ ترجمان ہیں۔ جو کام مرحوم قاضی حسین احمد اپنی پوری زندگی میں نہ کرپائے وہ موجودہ جماعت اسلامی کے

امیر سید منور حسن عمران خان کے زریعے کروا رہے ہیں، آخر امریکہ ان کا پرانا آقا ہے جو ایک عرصے سے پاکستان کو ختم کرنا چاہتا ہے، جماعت اسلامی اور جمیت علمائے پاکستان ضیاالحق کے دور سے امریکی ڈالروں کے عوض نام نہاد جہاد کے نام پر یہ کام کر رہے ہیں۔
عمران خان اگر اپنی سیاسی بقا چاہتے ہیں تو طالبان کی ترجمان جماعت اسلامی سے اپنی جان چھڑائیں اور طالبان کا دفتر کھولنے کے بارے میں جو دلائل دئے رہے ہیں وہ پہلے آئرلینڈ میں آئرش ری پبلک آرمی کو مذاکرات سے پہلی دی جانے والی مراعات اور سری لنکا کے تامل ناڈو کے واقعات کا ضرور مطالعہ کریں۔ ایک بات عمران خان اور یاد رکھیں کہ امریکا اپنی ذلت آمیز پسپائی کی وجہ سے افغان طالبان سے قطر میں مذاکرات کر رہا ہے مگر ہمارے ساتھ ایسا کوئی مسلہ نہیں ہے۔
اے پی سی کے بعد پورے پاکستان سے مذکرات کے خلاف ایک بھی آواز نہیں اٹھی تھی بلکہ ہر پاکستانی جس کا سکون غارت ہوچکا ہے وہ مذاکرات کا حامی تھا، لیکن دہشتگرد طالبانوں کی مسلسل دہشتگردی کے بعد اب مذکرات کے خلاف آواز آنے لگیں ہیں۔
بقول عمران خان کے نو سال میں کچھ نہیں ہوا اور پچاس ہزار افراد مارے گے تو عمران خان اگلے نو سال اُن سے مذکرات کرلیں مگر یہ درندئے نہیں مانیگے، ہاں شاید اگلے نو سال میں یہ پچاس ہزار افراد کی جگہ پانچ لاکھ کو مار دیں۔ اگر ان تمام باتوں کے باوجود عمران خان بضد ہیں کہ طالبان کا دفتر

کھولا جائے تو پھر انکے لیے جگہ کا کوئی مسلہ نہیں ہے بس پرویز خٹک کو پشاور کے چیف منسٹر ہاوس سے کہیں اور جانا پڑے گا۔ بقول طالبان کے زبردست حامی سابق جنرل حمید گل طالبان کے پچیس گروپ ہیں تو پچیس دفاتر کی تو لازمی ضرورت پڑے گی۔ بس عمران خان کو ایک کام کرنا ہوگا کہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے وزیراعلی ہاوس کا نیا نام طالبان ہاوس رکھنا ہوگا۔ ویسے بھی جماعت اسلامی کے اتحادی ہونے کے ناطے وزیراعلی ہاوس یا طالبان ہاوس کہنا ایک ہی بات ہے۔آخر میں اسد عمر کے لیے نیک خواہشات کہ وہ سچ بولنے کی ہمت تو رکھتے ہیں اور وہ بھی اپنی سیاسی پارٹی کے رہنما کے خلاف۔

شیر آدم خور شیر بن گیا

عام انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ ن کی طرف سے ایک نعرہ گونجا کرتا تھا "دیکھو دیکھو کون آیا شیر آیا شیر آیا"، مسلم لیگ ن کے صدر نواز شریف اس نعرے کی گونج میں عوام کی پریشانیوں کا ذکر کرتے تھے، وہ بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کرنے، امن و امان قائم کرنے، مہنگائی اور بے روزگاری کو ختم کرنے کے وعدے کر رہے تھے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ پیر 25 مارچ 2013 کو مانسہرہ میں پاکستان مسلم لیگ ن کے جلسہ میں ہزاروں کی تعداد میں عوام موجود تھے، اُس جلسے میں نواز شریف نے کہا تھا کہ "انہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا جس کی وجہ سے سزائیں بھگتیں، مصیبتیں اور مشکلات آئیں لیکن برداشت کیا اور پیچھے نہیں ہٹے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے پہلے ایٹمی دھماکہ کیا اب اقتدار میں آئے تو معاشی دھماکا کریں گے۔ نواز شریف نے یہ بھی کہا کہ انہیں اقتدار کا کوئی شوق نہیں ہے، میں اپنے ملک کو ترقی یافتہ اور عوام کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہوں"۔ نواز شریف اپنے جلسوں میں زرداری کو مہنگائی، لوڈشیڈنگ اور امن و امان کے مسئلے پر کوس رہے ہوتے تھے۔ عوام سے بڑی معصومیت سے معلوم کرتے تھے آپکے علاقے میں بجلی کتنے گھنٹے نہیں آتی ہے، پھر عوام کو یاد دلاتے کہ مہنگائی نے غریب آدمی کی تو کمر توڑ دی ہے۔ نواز شریف نے 5 جون کو وزارت عظمی کا حلف اُٹھایا اور اپنے تمام

وعدوں اور انتخابی منشور کو فراموش کر بیٹھے۔ حکومت کے سو دن کے ہنی مون پیریڈ میں جو سخت فیصلے ہوئے اُس کے نتیجے میں عوام کی چیخیں نکل گئیں تھیں۔ بجٹ میں ایک فیصد جی ایس ٹی کے نفاذ سے مہنگائی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔اوراب نواز شریف کی حکومت قائم ہوئے چار ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے، یکم اکتوبر کو مرئے پر سو درئے کے مصادق رہی سہی کسر بجلی پر دی جانے والی سبسڈی ختم کرکے اور پٹرولیم کی مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کرکے عوام پر مہنگائی کے کوڑے برسائے گے ہیں۔ اگر یہ اضافہ واپس نہ لیاگیا تو پاکستانی عوام جو پہلے ہی مہنگائی، بیروزگاری، دہشتگردی، ٹارگیٹ کلنگ، بھتہ خوری اوراسٹریٹ کرائم سے بدحال ہیں مزید بدحال ہوجاینگے۔

نواز شریف نے شیر کے انتخابی نشان پر عوام سے مہر لگوانے کے لیے عوام کو اس خوش فہمی میں بتلا کیا کہ وہ حکمران بن گے تو عوام کا مقدر بدل دینگے، پانچ سال تک پیپلزپارٹی سے ڈسی ہوئی قوم ایک اور جھانسے میں آگی اور صرف چار ماہ میں ہی شیر آدم خور شیر بن گیا۔ نواز شریف جو انتخابات میں اور بعد میں بھی غریب عوام کے دکھ درد کا رونا روتے رہے ہیں اُنکے وزیر خزانہ اسحاق ڈار ہیں جنکو عوام سے کوئی ہمدردی نہیں، وہ ہمارئے ماضی کے ناکام وزیر خزانہ ہیں، جو آئی ایم ایف کو اعداد و شمار میں دھوکا دے چکے ہیں مسلم لیگ ن میں اندھوں میں کانے راجہ ہیں جو معاشیات سے واقف ہیں اسلیے حالیہ وزیر خزانہ

اب بھی وہ ہی ہیں۔ کشکول توڑنے والے پہلے سا بڑا کشکول لیکر آئی ایم ایف کے پاس چلے گے اور انکی تمام عوام دشمن شرطوں کے عوض اپنا کشکول بھرلائے، لیکن اس سے غربت تو کیا ختم ہوگی البتہ غریب اپنے پیٹ کے لئے روٹی اور جسم کے لئے معمولی لباس کو مزید ترس جاینگے۔ پانی و بجلی کے وفاقی وزیر خواجہ آصف جو کبھی عوام کے دکھ درد میں ہر وقت روتے تھے، آج اُنکا انداز فرعونیت کا سا ہے اور وہ یہ سننا بھی گوارہ نہیں کررہے ہیں کہ عوام اُنکے اس فیصلے سے روٹیوں سے محتاج ہوجاینگے، کیونکہ بجلی اور پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا اثر زندگی کے ہر شعبے پر پڑئے گا جسکی ابتدا انسان کی بنیادی ضرورت آٹے کی قیمت میں اضافے سے ہوچکی ہے۔ مسلم لیگ ن کے انتخابی منشور میں ’توانائی‘ کا لفظ 42 مرتبہ استعمال کیا گیا اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ توانائی کی قیمت میں کمی لائی جائے گی۔ لیکن ہوا اسکے برعکس بجائے قیمت کم کرنے کے اضافہ کردیا گیا اور بڑی ڈھٹائی سے کہا جارہا ہے کہ عوام کو یہ کڑوی گولی نگلنی ہوگی۔

سپریم کورٹ کے ازخود نوٹس میں چیف جسٹس کے ریمارکس ”غریب کو مت ماریں“ حکومت کے منہ پر ایک بھرپور طمانچہ ہے کیونکہ عوام کی نمایندہ سپریم کورٹ نہیں بلکہ نواز شریف ہیں۔ جو کام عوامی نمایندہ ہونے کی وجہ سے نواز شریف کو کرنا چاہیے وہ سپریم کورٹ کررہی ہے۔ سپریم کورٹ میں فیصلہ جو بھی ہو لیکن

مسلم لیگ ن کی حکومت نے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ عوام کی دوست نہیں ہے اور اُس کو عوامی مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دلچسپی تو نواز حکومت کو قومی اسمبلی سے بھی نہیں، اسلیے تمام فیصلے نواز شریف اور اُنکے قریبی ساتھی قومی اسمبلی میں لائے بغیر کررہے ہیں۔ نواز شریف کو اُن کے ساتھیوں اور بیوروکریسی نے اقتصادی اور معاشی مسائل کے حل کے لئے بجلی، تیل، اور گیس کی قیمتں بڑھانے کی صورت میں بالواسطہ ٹیکس لگانے کا جو مشورہ دیا ہے، کیا وہ اس سے بدترین اقتصادی اور معاشی مسائل پر قابو پاسکیں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا ہے۔ دنیا میں اکثر ممالک میں اقتصادی اور معاشی بحران جنم لیتے ہیں مگروہ اپنے معاشی ماہرین سے رجوح کرتے ہیں ۔ اُنکے ماہرین عام لوگوں پر بوجھ ڈالنے کے بجائے حکومت کی آمدنی بڑھانے کے طریقے تلاش کرتے ہیں، مثلاُ ان لوگوں کا ٹیکس نیٹ ورک میں اضافہ جن کو ٹیکس ادا کرنا چاہیے، بیرونی سرمایہ کاری اور برآمدات میں اضافہ اسکے علاوہ کرپشن کی روک تھام کیسے کی جائے۔ لیکن کوئی ایسا مشورہ ماہرین کی طرف سے نہیں دیا جاتا جس سے عوام براہ راست متاثر ہوں ۔ پٹرولیم مصنوعات ، بجلی اور گیس جیسی عوامی ضروریات کی قیمتوں میں اضافہ کرکے بالواسطہ ٹیکسوں سے اضافہ ہرگز نہیں کرتے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں اس کے بلکل برعکس ہوتا ہے، نالائقوں پر مشتمل غیرپروفیشنل ایک معاشی ٹیم بنائی جاتی ہے جس کے پاس صرف ایک حل ہوتا ہے کہ عوام کا خون کیسے چوسا جائے، یہ نہ خود ٹیکس دیتے اور نہ ہی ٹیکس کا

دائرہ بڑھاتے ہیں، غیر ملکی سرمایہ کاری تو دور کی بات یہ ملک کا سرمایہ بھی ملک سے باہر لے جاتے ہیں، اسلیے یہ نام نہاد معاشی ماہرین صرف عوام کو برباد کرنے پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ برآمدات کو بڑھانے کے لیے ہر سفارت خانے میں ایک کمرشل اتاشی موجود ہوتا ہے مگر بد قسمتی سے اُن میں سے 99 فیصد سفارشی ہیں جنکو اپنے کام کی الف بے بھی نہیں آتی لہذا برآمدات میں اضافہ کیسے ہو۔ کرپشن کا کینسر پورے ملک میں ہر شعبے میں موجود ہے اور جب تک اسکا سختی سے علاج نہیں ہوتا اقتصادی اور معاشی شعبے میں ترقی نہ ممکن ہے اور عام لوگوں کے حالات بد سے بدتر ہوتے جائینگے۔

پاکستان کا غریب اور متوسط طبقہ پچھلے 65 سال سے اپنے لیے کوئی مسیحا تلاش کر رہا، مگر بد قسمتی سے ایسا ابھی تک نہیں ہوا ہے کہ کوئی اُن کی مشکلات کو کم کر سکے۔ 11 مئی کو دہشت گردی اپنے عروج پر تھی لیکن عوام اپنی جانوں کو خطرے ڈالکر ووٹ دینے نکلے تھے کہ آنے والی حکومت پیپلز پارٹی کی حکومت سے بہتر ہوگی اور اقتدار میں آنے کے بعد بجلی، گیس، پیٹرول، ڈیزل اور دوسری چیزوں کی قیمتوں میں کمی کرئے گی جسکی وجہ سے بنیادی ضروریات کی اشیاء آٹے، گوشت، چاول، دودھ، دالوں، تیل، مرچ، سبزیوں اور دوسری اشیاء کے سستا ہونے کی امید کر رہے تھے، مگر صرف چار ماہ کی قلیل مدت میں پیٹرولیم مصنوعات میں چوتھی بار اضافے اور بجلی کے مہنگا ہونے کے باعث عوام بلبلا اٹھے ہیں۔

نواز شریف صاحب یکم اکتوبر کو آپکی حکومت نے پٹرولیم مصنوعات اور بجلی کی قیمتوں میں جو اضافہ کیا ہے وہ عام لوگوں کے لیے واقعی ایک تباہ کن معاشی دھماکہ ہے، آپنے معاشی دھماکہ کا وعدہ کیا تھا، آپکا وعدہ پورا ہوا، بقول اسلم رہیسانی کے دھماکہ دھماکہ ہوتا ہے، چاہے وہ قوم کو بدحال ہی کیوں نہ کردے۔ اب آپکو کسی جلسہ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ شیر کا نعرہ عوام اب سڑکوں پر جمع ہوکر خود لگالینگے بس تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ وہ ایسے کہ "دیکھو دیکھو کون آیا۔ آدم خور شیر آیا"۔

ایک اور بارہ اکتوبر

ایک خبر کے مطابق مسلم لیگ ن کے سیکرٹریٹ کے ملازمین دو ماہ سے تنخواہ سے محروم ہیں، جس پارٹی کا صدر ملک کا وزیر اعظم ہو، اس کے مرکزی سیکریٹریٹ کے ملازمین کو دو ماہ سے تنخواہ نہ ملے اور وہ فاقہ کشی پر مجبور ہو جائیں تو عوام کو کڑوی گولیاں نگلنے کے لیے تیار ہی رہنا ہی چاہیے۔ ن لیگ کے مرکزی سیکریٹریٹ کے ملازمین کا کیا دکھ ہے ،70 سالہ چاچا مجید جو نواز شریف کی محبت میں مسلم لیگ ن کے مرکزی سیکریٹریٹ اسلام آباد میں ایسی مزدوری کر رہا ہے جس کا معاوضہ اسے پسینہ تو کجا خون خشک ہونے پر بھی نہیں مل پا رہا۔ چاچا مجید اور اس کے باقی ساتھی سوچ رہے ہیں کہ وہ عید الاضحیٰ پر کوئی جانور قربان کریں گے یا انہیں نواز شریف کی محبت میں اپنی خواہشات کی قربانی دینا پڑے گی۔ مسلم لیگ ن کے مرکزی سیکریٹریٹ میں مجموعی طور پر 13 ملازمین ہیں جن کی ماہانہ تنخواہ 8 ہزار سے 28 ہزار روپے تک ہے۔ انہیں عید الفطر پر بھی آخری تنخواہ صرف 10 گھنٹے پہلے ملی تھی، اب تو گھر جانے کا کرایہ بھی نہیں۔ اٹھارہ کروڑ عوام کو خوشحالی دینے کے دعوے دار حکمرانوں سے پارٹی سیکریٹریٹ کے 13 ملازمین سراپا سوال ہیں کہ وہ انہیں عیدی نہیں دے سکتے تو کم از کم تنخواہ ہی دے دیں۔

نیپرا نے اعداد و شمار کے ہیر پھیر کے بعد بجلی کی وہی قیمتیں مقرر کی ہیں جس کا اطلاق حکومت نے یکم اکتوبر سے کیا تھا۔ غربت، مہنگائی اور بیروزگاری سے پریشان عوام کی کھال نیپرا والوں نے اتار کر حکومت کو پیش کر دی۔ سپریم کورٹ کو جو کرنا ہے کر لے، بھوکا شیر آدم خور بنکر عوام پر قہر ڈھا رہا ہے۔ چار ماہ کے قلیل عرصہ میں غربت، دہشتگردی اور مہنگائی کی ستائی عوام پر جو بوجھ اس حکومت نے لادا ہے اُس نے عوام کے چودہ طبق روشن کر دیئے ہیں اور وہ یہ سوچ کر خوف زدہ ہیں کہ اگر صرف چار ماہ میں اس حکومت نے عوام کو اس حال پر پہنچا دیا ہے تو پانچ سال کے بعد وہ کس مقام پر پہنچ جائینگے۔ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار فرماتے ہیں "گزشتہ حکومت نے بجلی کی قیمتوں میں اضافہ نہ کرکے آئی ایم ایف کی شرائط کی خلاف ورزی کی، اسی وجہ سے موجودہ حکومت کو بجلی کی قیمتوں میں ایک دم اضافہ کرنا پڑا جو ناگزیر تھا، نہ عالمی مالیاتی اداروں کے ساتھ وعدہ خلافی کر سکتے ہیں اور نہ ہی نادہندگی کے متحمل ہو سکتے ہیں"۔ یہ بیان دیتے وقت انکو اس بات کا کوئی خیال نہیں تھا کہ اُنکے وزیراعظم نے عوام سے کیا وعدے کیے تھے۔ چار ماہ میں یہ پہلا موقعہ نہیں بلکہ اس سے پہلے نواز شریف حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی جو بجٹ پیش کیا تھا اُس میں تیل، گیس، بجلی اور روزمرہ کی اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں اضافہ اور جی ایس ٹی کے نفاذ کا اعلان کرکے عوام کو مہنگائی کی چکی میں پیس ڈالا تھا۔

وفاقی بجٹ میں آئی ایم ایف کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عوام پر ٹیکسوں کے مزید پہاڑ توڑے گئے اور کشکول توڑنے کا جھوٹا نعرہ لگانے والے پہلے سے بڑا کشکول لیکر آئی ایم ایف کے پاس جا پہنچے۔ زرداری ہوں یا نواز شریف ہر حکمران ٹولا عوام سے بڑی ڈھٹائی سے جھوٹ بولتا ہے اور اس جھوٹ کو سچ دکھانے کے لیے مزید کتنے جھوٹے اعداد و شمار اور دلائل دیے جاتے ہیں۔ اس ملک میں لوٹ مار کی انتہا کرنے کے باوجود سرمایہ دار اور جاگیر دار آج بھی کوئی ٹیکس دینے کے لیے تیار نہیں اور اسکی بدترین مثال خود نواز شریف، زرداری اور اُنکے ساتھی ہیں۔ ظلم یہ ہے کہ معیشت کی ناکامی کا تمام بوجھ پہلے سے تباہ حال عوام پر ڈالا جا رہا ہے۔ جمہوریت کے نام پر پانچ سال پیپلز پارٹی زرداری کی سربراہی میں عوام کا خون چوستی رہی اور اب مسلم لیگ ن نواز شریف کی سربراہی میں اقتدار پر قابض ہے اور پہلے سے جاری عوام دشمن معاشی پالیسیاں مزید شدت سے نافذ کرکے عوام کا باقی خون نچوڑ رہی ہے۔ آئی ایم ایف کی غلامی کی وجہ سے نواز حکومت کو اپنے عوام سے زیادہ اپنا اقتدار عزیز ہے، جس کو بچانے کے خاطر یہ مسلسل عوام دشمن اقدامات کر رہی ہے، جس کی وجہ سے عوام کی پریشانیوں اور مشکلات میں اضافہ ہوگیاہے۔ ان حکمرانوں کو معلوم ہے کہ جو معاشی پالیسیاں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے اشاروں پر وہ اس ملک کے عوام

پر مسلط کر رہے ہیں اس سے معیشت میں کوئی بہتری نہیں آگئی اور یہ ہی وجہ ہے کہ یہ اپنا ذاتی سرمایہ اس ملک میں نہیں لاتے۔ پاکستان کے اربوں ڈالر بیرونی ممالک میں لٹیروں کے ذاتی اکاؤنٹس میں جمع ہیں یا پھر وہاں مختلف کاروباروں میں سرمایہ کاری کی گئی ہے، ان ذاتی اکاؤنٹس اور سرمایہ کاری کرنے والوں میں نواز شریف اور آصف زرداری دونوں شامل ہیں۔

ظلم کی انتہا یہ ہے بجلی اور پیٹرولیم کی مصنوعات میں اضافہ ، جی ایس ٹی کا نفاذ کرکے جہاں عوام پر ٹیکسوں میں اضافہ کیا گیا ہے وہیں امیر افراد، اپنے عزیز و اقارب اور ان کی صنعتوں پر ٹیکسوں میں کمی کی گئی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ یہ سب ''عوام کے وسیع تر مفاد'' میں کیا گیا۔ اس جھوٹ کی حمایت میں دلائل گھڑنے کے لیے بہت سے موقع پرست اور لالچی، دانشور اور معاشی تجزیہ نگار کا بھیس بدل کر حکومت کی تعریفوں کے پل باندھ رہے ہیں۔ بجٹ کے مطابق کارپوریٹ ٹیکس میں ایک فیصد کمی فوری طور پر لاگو کی گی جبکہ اس کمی کو بتدریج پانچ فیصد تک لایا جائے گا تاکہ منافع نچوڑنے والوں کی دولت میں مزید اضافہ ہوسکے۔ سپیشل اکنامک زون میں ٹیکس چھوٹ کی مدت پانچ سال سے بڑھا کر دس سال تک کر دی گئی ہے مگر وہاں کام کرنے والے محنت کشوں کے حقوق کی کوئی بات نہیں کی گئی ہے۔ سرمایہ داروں کے لیے ٹیکسوں میں 3 ارب روپے کی کمی کا اعلان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی 11 مئی کے الیکشن میں سرمایہ کاری کرنے

والے صنعتکاروں کو قطعاً فراموش نہیں کیا گیا اور مخصوص شعبوں کے لیے کسٹم ڈیوٹی میں 150 ارب روپے کی چھوٹ دی گئی ہے، گزشتہ بجٹ میں یہ چھوٹ 119.71 ارب روپے تھی لہٰذا سرمایہ داروں نے اس غریب دشمن بجٹ کو خوش آمدید کہا تھا۔ نواز لیگ حکومت آنے کے بعد سے کراچی اسٹاک ایکسچینج میں 800 ارب روپے یا 8 ارب ڈالر کا اضافہ دیکھنے میں آیا ہے اگر یہ آٹھ ارب ڈالر کے مساوی اضافہ حقیقی ہوتا تو ہمیں آئی ایم ایف سے 5 ارب ڈالر قرض لینے کے لئے ہاتھ نہ پھیلانا پڑتا مگر چونکہ یہ اضافہ حقیقی نہیں تھا لہٰذا کراچی اسٹاک ایکسچینج پہلے سے بھی نیچے چلا گیا۔ جبکہ الیکشن مہم کے دوران ''جوش خطابت'' میں کئے گئے دوسرے وعدوں کی طرح کم از کم تنخواہ پندرہ ہزار روپے کرنے کا وعدہ بھی ہوا ہو گیا ہے۔

مسلم لیگ ن کے سیکرٹریٹ کے ملازمین چاچا مجید اور اس کے باقی ساتھی اکیلے پریشان نہیں بلکہ ہر پاکستانی شیر کی آدم خوری پر پریشان ہے۔ ملک میں ایسے بہت سے سرکاری ادارے ہیں جہاں ملازمین کو وقت پر تنخواہ نہیں ملتیں اور اس عید پر بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔ نواز شریف نے اپنی سابقہ روش کے مطابق عوام کو ریلیف دینے کی بجائے آئی ایم ایف سے قرضے لینے کی خاطر ٹیکسز میں اضافے اور بجلی کے نرخوں میں اضافہ کر کے مہنگائی کا تحفہ دیا ہے۔ انہوں نے حکومتی ایوانوں کو روشن رکھنے اور حکومتی عیاشیوں کا بوجھ اٹھانے کیلئے مہنگائی

اور ٹیکسز نافذ کر دیے ہیں جو غربت میں پسی ہوئی عوام پر سراسر ظلم ہے اور صرف چار ماہ کے عرصے میں عوام سے کیے ہوئے وعدوں کی اجتماعی قربانی دے دی ہے۔ چار ماہ میں قوم کو مہنگائی اور ٹیکسز کے علاوہ کچھ نہیں ملا لہٰذا اگر نواز شریف نے اپنی موجودہ روش نہ بدلی تو جلد ہی ایک اور بارہ اکتوبر دیکھنے کے لیے تیار رہیں مگر اس مرتبہ کا بارہ اکتوبر کسی فوجی جنرل کے ذریعے نہیں بلکہ غربت کی ماری عوام اور چاچا مجید جیسے کسی عوامی جنرل کے ہاتھوں سڑکوں پر عوامی انقلاب سے آئے گا۔

بلاول پیپلز پارٹی کا نیا تیر

پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن اور سابق وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو کئی سالہ خود ساختہ جلا وطنی کے بعد اٹھارہ اکتوبر 2007 کو کراچی ائرپورٹ پہنچی تو عوام کی ایک بڑی تعداد نے اُن کا استقبال کیا۔ پیپلز پارٹی کی خصوصی سیکورٹی "جاں نثاران بھٹو" کے حصار میں بینظیر بھٹو کا استقبالی جلوس جب شارع فیصل پر کارساز کے مقام پر پہنچا تو بینظیر بھٹو کے ٹرک کے قریب دو بم دھماکے ہوئے۔ بینظیر بھٹو اور پیپلز پارٹی کی قیادت تو محفوظ رہی لیکن کارکنوں سمیت 177 افراد جاں بحق جبکہ 600 سے زائد زخمی ہوگئے۔ چھ سال مکمل ہونے پر اس واقعے کی یاد تازہ کرنے انکے صاحبزادے بلاول نے سانحہ کارساز کے مقام پر جاکر سانحہ کارساز کے شہداء کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے پھول چڑھائے اور ایک تقریر بھی کی۔ اپنی تقریر میں اُنھوں نے خاص طور پر مسلم لیگ ن، تحریک انصاف اور ایم کیو ایم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ شیر کا شکار کرینگے جو اپنا پیٹ غریبوں کے خون سے بھرتا ہے، خیبر پختونخواہ کی عوام کو سونامی سے بچائیں گے۔
اُنھوں نے کہا کہ پاکستان 1947 میں آزاد ہوا لیکن کراچی آج بھی لندن کی کالونی ہے، ہم فون پر چلنے والی پتنگ کو کاٹ دیں گے۔ اپنی تقریر میں اُنھوں نے یہ دعوع کیا کہ ہم نے سینہ تان کر دہشت گردوں کا مقابلہ کیا۔ ایک اور

اہم بات بلاول نے اپنی تقریر میں یہ کہی کہ اگلے الیکشن میں آصف زرداری کمان ہوں گے اور میں تیر بنوں گا۔

بلاول جن کی سیاسی پیدائش کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا بلکہ یوں کہہ لیں کہ ابھی انکے سیاسی دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے ہیں، سیاست کی دنیا میں ابھی بچے ہیں، انکے والد آصف زرداری کی کسی سے لکھائی ہوئی تقریر انہوں نے سانحہ کارساز کے مقام

پر جا کر پڑھ دی۔ آصف زرداری اپنے اس سپوت کو جو تاریخ اور واقعات سے نابلد ہے لاکھ بھٹو کا نام دیں اور اسکو بلاول زرداری کی جگہ بلاول بھٹو زرداری کہیں مگر پاکستان کے عوام انکو گیارہ مئی کو بتاچکے ہیں کہ اب عوام نے بھٹو کو اپنے گھروں سے نکال کر بھٹو کو الوداع کہہ دیا ہے۔پورے پانچ سال عوام پیپلز پارٹی کی کمان اور تیر سے زخمی ہوتے رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی کمان تو خود آصف زرداری تھے اور اُنکے تیر یوسف رضا گیلانی، راجہ پرویز اشرف اور رحمان ملک جیسے لوگ تھے جو پانچ سال تک اس ملک کو لوٹ مار کرکے زخمی کرتے رہے۔فروری 2008 کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی نے بینظیر بھٹو کی شہادت کی وجہ سے مظلوم بنکر اور ایک بار پھر "روٹی، کپڑا اور مکان" کا نعرہ لگا کر اقتدار حاصل کرلیا۔اگلے پانچ سال میں پاکستان پیپلز پارٹی نے بری گورنس اور کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ پانچ سال میں دہشت گردی، ٹارگیٹ کلنگ، بدترین کرپشن، بری گورننس، طویل لوڈشیڈنگ، غربت کیساتھ

اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوا۔ اس تمام عرصے میں ملک کے حالات خراب ہوتے چلے گے۔ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر چوتھی مرتبہ پیپلز پارٹی نے پاکستان کو کسقدر پیچھے کر دیا ہے یہ پورا پاکستان جانتا ہے۔

بلاول زرداری کی تقریر پر تینوں متاثرہ جماعتوں کا رد عمل بھی سامنے آگیا ہے، مسلم لیگ ن نے تو صاف صاف ہری جھنڈی دیکھا دی کہ شیر نے جو کرنا تھا وہ کر لیا، اب 2018 کا انتظار کرو، جبکہ ایم کیو ایم جو پانچ سال تک پیپلز پارٹی کی اتحادی رہی ہے اسکا کہنا ہے کہ بلاول کا وہی حال ہے جو پاکستان ریلوئے اور پی آئی ائے کا ہے جو ہمیشہ لیٹ ہوتے ہیں لہذا بلاول بھی لیٹ ہوگے اور الیکشن کے موقعہ پر کی جانے والی تقریر اب کی ہے، سونامی کی دعوے دار تحریک انصاف نے بھی بلاول کو بچہ کہکر مخاطب کیا اور بتایا کہ سونامی تو آ بھی چکی۔ سانحہ کارساز کے مقام پر بلاول نے اپنی تقریر میں جس شیر کو مارنے کی بات کی ہے اسکی حمایت میں ایک دن پہلے کا آصف زرداری کا بیان ہے جس میں انہوں نے شیر کی آدم خوری پر اپنے بھرپور حمایت کا نواز شریف کو یقین دلایا ہے۔ آصف زرداری اور نواز شریف باری باری کھیل رہے ہیں۔ آصف زرداری کی باری پر نواز شریف بھی یہ ہی سب کچھ کر چکے ہیں جو اب نواز شریف کی باری پر آصف زرداری کر رہے ہیں۔ جہاں تک ایم کیو ایم کی پتنگ کاٹنے کی بات ہے تو ڈور اور مانجھا لیکر آصف زرداری خود نائن زیرو گے تھے اور آجتک فون کی ڈور سے

لندن رابطہ کرتے ہیں، پیپلز پارٹی کے دورے حکومت میں ایم کیوایم کی پتنگ بہت اونچی اڑتی رہی ہے جسکا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی صوبہ سندھ کے گورنر کا تعلق ایم کیوایم سے ہے، اب اس پتنگ کو کاٹنا پیپلز پارٹی کے بس میں نہیں۔ جہاں تک خیبر پختونخواہ کی عوام کو سونامی سے بچانے کی بات ہے تو پیپلز پارٹی اور اسکی اتحادی اے این پی کے پانچ سال کے دورے حکومت میں لاتعداد بلکہ مسلسل خیبر پختونخواہ میں دہشتگرد موت کی سونامی لاتے رہے۔ تحریک انصاف کے دور میں بھی پورے صوبے میں اور خاصکر پشاور میں کچھ دن قبل موت کی سونامی آچکی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ بینظیر ایک بہادر خاتون تھیں اور دہشتگردی کا نشانہ بنیں مگر بلاول کا اپنی تقریر میں یہ دعوٰع کہ ہم نے سینہ تان کر دہشت گردوں کا مقابلہ کیا ہے، واقعی اس کا تو ہر وہ پاکستانی گواہ ہے جو اخبار پڑھتا اور ٹی وی دیکھتا ہے کہ کس بہادری سے

اشتہارات کے زریعے پیپلز پارٹی نے انتخابی مہم چلائی، یہ حقیقت ہے کہ دہشتگردوں نے پیپلز پارٹی کو کھلی دھمکی دی ہوئی تھی اور اُس پر حملے بھی ہوئے مگر یہ کہنا کہ ہم نے سینہ تان کر دہشت گردوں کا مقابلہ کیا صرف لفاظی ہے، کیونکہ اگر ایسا کیا ہوتا تو آج دہشتگرد نہ ہوتے، ہاں یہ ضرور ہے کہ زرداری اور انکے ٹولے نے ایمانداری کا سینہ تان کر مقابلہ کیا اور انکی حکومت کے دور میں کرپشن کا بول بالا ہوا۔ بقول بلاول

اگلے الیکشن میں آصف زرداری کمان ہوں گے اور میں تیر بنوں گا تو واقعی کہنا پڑتا ہے کہ ابھی اس بچے کے پاس معلومات کی بے انتہا کمی ہے، اُس کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جس کمان کا وہ تیر بننے کی بات کر رہا ہے، وہ اپنی کرپشن اور بیڈ گورنس کی وجہ سے سڑ گل چکا ہے۔ آصف زرداری جو کھیل اپنے بیٹے کے زریعے کھیلنا چاہ رہے وہ لاکھ شاطر سہی مگر لوگ اب ان کو جان چکے ہیں۔ بلاول کا نام بلاول بھٹو زرداری رکھنے یا بلاول پیپلز پارٹی کی کمان کا نیا تیر بن جائے پیپلز پارٹی کو کوئی فاہدہ نہیں کیونکہ جس طرح پیپلز پارٹی اپنے اصل منشور کو پارٹی سے نکال چکی ہے اس طرح ہی پاکستانی عوام بھٹو کو اپنے دماغوں اور گھروں سے نکال چکے ہیں۔ سانحہ کارساز کے مقام پر بم دھماکوں میں مرنے والے 177 افراد میں سے دوسروں کے علاوہ اکثریت کا تعلق لیاری کے غریب بلوچ کارکنوں کا تھا، دعا ہے کہ اللہ تعالی ان تمام مرنے والوں کی ماغفرت کرے۔ آمین

عمران خان طالبان کے ترجمان

پشاور کے لیڈی ریڈنگ اسپتال میں کوہاٹی چرچ دھماکوں میں زخمی ہونے والے افراد کی عیادت کے بعد عمران خان کا کہنا تھا کہ حکومت جنگ بندی کرتے ہوئے طالبان کو مذاکرات کے لئے دفتر کھولنے کی اجازت دے۔ لگتا ہے عمران خان اخبارات سے بہت دور رہتے ہیں ورنہ یہ جو تسلسل کے ساتھ وہ طالبان کے لیے دفتر کھولنے کا مطالبہ کررہے ہیں اور خاصکر ہر دہشت گردی کے بعد تو وہ اپنی جماعت کے کم طالبان کے ترجمان زیادہ نظر آتے ہیں، اگر وہ اخبارات پڑھ رہے ہوتے تو لازمی اُن کی نظر میں طالبان کے ترجمان کا بیان ضرور آتا جس نے اُن کے طالبان کا دفتر کھولنے کے مطالبے کے سوال پر کہا کہ "عمران خان تو خود سیکولر نظام کا حصہ ہیں اور ہم سیکولر نظام کے باغی ہیں اگر وہ مذاکرات کے شوقین ہیں تو وہ اس کفریہ نظام سے باہر آ کر مذاکرات کی بات کریں"۔ خیبر پختونخوا میں عمران خان کی جماعت تحریک انصاف کی حکومت کو ابھی صرف چار ماہ ہوئے ہیں دوسرے بڑے دہشتگردی کے واقعات کے علاوہ اس عرصے میں اُن کے تین منتخب نمائندے بھی دہشت گردی کا شکار ہوچکے ہیں۔ مگر افسوس وہ اب بھی طالبان کے دفتر کا راگ الاپ رہے ہیں۔ عمران خان تسلسل کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں نو سال میں کچھ نہیں ہوا اور پچاس ہزار افراد مارے گے اسلیے مذاکرات

ہی وہ راستہ ہے جس سے امن آسکتا ہے۔اے پی سی کے بعد پورے پاکستان سے مذکرات کے خلاف ایک بھی آواز نہیں اٹھی تھی لیکن طالبان کی مسلسل دہشتگردی کے بعد اب مذکرات کے خلاف آواز آنے لگیں ہیں۔ جس دہشتگردی میں پچاس ہزار افراد مارے گے ہیں عمران خان نے کبھی بھی اُسے اپنی جنگ نہیں کہا اور یہی آج اُن کی پریشانی کی سب سے بڑی وجہ ہے، اگر وہ اس خیال و خواب میں ہیں کہ امریکہ اُن کی جنگ لڑیگا تو وہ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔یا پھر اگر وہ طالبانی نظام کے حامی ہیں تو قوم کو کھل کربتادیں کیونکہ طالبان کہتے ہیں "حکومت مذاکرت کیلئے ہر گز سنجیدہ نہیں کبھی وزیراعظم نواز شریف کہتے ہیں کہ طالبان ہتھیار ڈال کر سامنے آئیں تو کبھی کہتے ہیں کہ طالبان پاکستان کے آئین کو تسلیم کریں تو مذاکرت کو آگے بڑھائیں گے۔ طالبان مذاکرات کے خواہش مند ہیں لیکن پاکستان کے آئین کے تحت ہم کبھی بھی مذاکرت نہیں کریں گے کیونکہ پاکستانی آئین جمہوری آئین ہے اور سیکولر اقوام کا ایجنڈہ ہے"۔اے پی سی کا یہ قطعی مطلب نہیں تھا کہ طالبان کو مادر پدر آزادی دے دی جائے۔ مگر شاید عمران خان پاکستان کے آئین کی بھی پرواہ نہیں کر رہے ہیں۔

تحصیل کلاچی میں صوبائی وزیر قانون اسرار گنڈاپور پر حملے اور اُنکی شہادت کے بعد پشاور میں ہونے والی صوبائی کابینہ کے اجلاس میں اس برہمی کا اظہار کیا

گیا کہ مرکزی حکومت ائے پی سی میں ملک کی سیاسی جماعتوں اور عسکری قیادت سے پورا اختیار لینے کے بعد بھی مذاکرات میں دیر کیوں کر رہی ہے؟ جبکہ ان میں سے بعض اس بات پر پریشان ہیں کہ تحریک انصاف اور اُسکی قیادت تو طالبان کے خلاف ڈرون حملوں اور فوجی آپریشن کی مخالفت کر رہی ہے تو اُسے کیوں نشانہ بنایا جارہا ہے۔ انتخابات سے کچھ عرصہ قبل جب طالبان پیپلزپارٹی، ایم کیو ایم اور ائے این پی کو اپنی دہشت گردی کا نشانہ بنارہے تھے تو بہت سے مفاد پرست یہ سوچکر تحریک انصاف اور مسلم لیگ ن میں شامل ہوگئے تھے کہ جماعت اسلامی اور جمیت علمائے اسلام کے علاوہ یہ دونوں جماعتیں دہشت گردوں کا نشانہ نہیں ہیں۔ عمران خان تو ویسے بھی مردم ناشناس ہیں جسکا اعتراف وہ خود الیکشن میں دیے جانے والے پارٹی ٹکٹ پر کرچکے ہیں، اسلیے جو بھی انکی پارٹی میں آیا اُسکو تحریک انصاف میں شمولیت مل گی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ 22 اگست کے ضمنی انتخابات میں پشاور اور میانوالی کی سیٹ سے محروم ہوگے۔ بات تو اس بھی آگے جاتی ہے کہ وہ اب خود دہشت گردوں کے سب سے بڑے ترجمان اور حمایتی جماعت اسلامی کے اتحادی بنے ہوئے ہیں، سید منور حسن جو انکے پارٹنر ہیں انکے بغل میں چھری اور منہ میں رام رام ہے۔ شاید عمران خان بھول گے کہ لاہور یونیورسٹی میں جماعت اسلامی کے غنڈوں نے اُنکے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ جماعت اسلامی اور سید منور حسن کی منافقت سے تو پورا پاکستان واقف ہے مگر شاید عمران خان کو یہ احساس ہی نہیں کہ وہ استمال ہورہے ہیں۔ جماعت اسلامی

کی منافقت کا یہ حال ہے کہ ابھی تھوڑے دن پہلے جب عمران خان نے کہا کہ "ملالہ یوسفزئی کو نوبل انعام نہ ملنے پرانہیں مایوسی ہوئی ہے" تو جماعت اسلامی کے ترجمان روزنامہ جسارت نے عمران خان کے خلاف ایک مضمون لکھا گیا جس میں عمران خان کے اس بیان کی مذمت کی گی تھی۔

عمران خان کا یہ کہنا کہ نواز شریف کو جب یہ اختیار مل گیا ہے کہ وہ مذاکرات کریں تو وہ دیر کیوں کر رہے ہیں بلکل صحیح ہے مگر یہ اسقدر آسان بھی نہیں ، نواز شریف پہلے اپنے سیاسی مفادات دیکھیں گے اُسکے بعد وہ طالبان سے بات کرینگے دوسری طرف طالبان بھی اپنے آقاوں کی مرضی کے خلاف نہیں جاینگے، آخر ان طالبان پر امریکہ، ہندوستان اور دوسرے ایسے ہی تو مہربان نہیں ہیں اُن کے بھی کچھ مفادات ہیں۔ مسلہ یہ ہے کہ تحریک انصاف اس خطے میں ان تمام حالات کا اور خاصکر بڑھتی ہوئی دہشت گردی کا تصور نہیں کر رہی تھی، یہ بھی دہشت گردوں اور اُن کے آقاوں کی چال تھی۔ تحریک انصاف عوامی سطح کے فلاحی پروگراموں کے ذریعے عدالتی انصاف، تعلیم اور صحت جیسے اداروں میں لوگوں کو آسانیاں مہیا کرکے یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ وہ تبدیلی لاسکتی ہے۔ بدنصیبی سے تحریک انصاف کو حکومت چلانے کے لیے وہ حالات ہی نہیں مل سکے جس کی وہ تیاری کرکے آئی تھی ،.بڑھتی ہوئی دہشت گردی اور اتحادی جماعتوں خصوصا جماعت اسلامی اور قومی وطن پارٹی کے فرنٹ لائن جماعتوں کے کردار ادا نہ کرنے کی

وجہ بھی تحریک انصاف کی ناکامی کا سبب ہیں ۔ دہشت گردی کے سلسلے میں اکی اتحادی جماعت اسلامی نے بڑی چالاکی سے عمران خان اور انکی جماعت کو فرنٹ لائن پر پہنچا دیا ہے۔ دوسری طرف خود عمران خان کی ٹیم میں ناکارہ لوگ ہیں، چلیں مان لیتے ہیں کہ طالبان سے مذاکرات جلد از جلد کرنے کی ذمیداری مرکزی حکومت کی ہے مگر صوبے میں امن و امان کی ذمیداری تو صوبائی حکومت کی ہے اور جس میں صوبائی حکومت مکمل طور پر ناکام ہے۔ تحریک انصاف تو شاید ابتک یہ ہی طے نہیں کرپائی ہے کہ صوبہ کے بے گناہ لوگوں کو دہشت گردی سے کیسے محفوظ رکھا جائے اور اُن کے پاس جو وسائل ہیں اُس سے عوام کو کیسے فاہدہ پہنچایا جائے۔ اسکے برعکس عمران خان مسلسل طالبان کے لیے دفتر کھولنے کا راگ الاپ رہے ہیں، کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ عمران خان طالبان کے ترجمان ہیں" یا پھر جماعت اسلامی اُنکو طالبان کے مفاد میں" بھرپور استمال کررہی ہے۔ آخر میں عمران خان کو ایک پرخلوص مشورہ ہے کہ زمینی حقایق کو تسلیم کریں اور سوشل میڈیا کی دنیا سے باہر آیں ورنہ بہت جلد وہ صرف سوشل میڈیا پر ہی رہ جاینگے۔

وزیر داخلہ چوہدری نثار کی بڑھکیں

مرحوم سلطان راہی پاکستانی فلم انڈسٹری میں ایک بہت ہی مشہور اداکار کے طور پر جانے جاتے ہیں، سلطان راہی نے اپنے فلمی کریئر کا آغاز ولن کے طور پر کیا تھا مگر فلم بشیرا نے اُن کے کردار کو اچانک بدلا اور پھر وہ اس فلم کے ذریعے ولن سے ہیرو بن گئے اور کیوں نہ بنتے اس فلم کے ایک سین میں اُنکی بہن کی جان اور آبرو دونوں خطرے میں تھیں اور وہ اپنے گاؤں سے آٹھ گاؤں دور تھے تب ہی اُنکی ماں نے آواز دی "او بشیرا جلدی آ"۔ آٹھ گاؤں دور بشیرا نے جوابدیا "آیاماں" اور پھر بشیرا اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے گاوں پہنچا اور ایک بڑے چاقو سے قصائی کی طرح اپنے دشمنوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور یوں سلطان راہی ہیرو بن گے، اسکے بعد وہ بشیرا ٹائپ کی فلموں میں ہی کام کرتے رہے اور ایک وقت ایسا آیا کہ لوگ اُن کی بڑھکوں اور مار دھاڑ سے نفرت کرنے لگے۔ افسوس فلموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسلام آباد سے امریکہ کا ویزہ لیکر واپس آرہے تھے تو لاہور کے قریب جی ٹی روڈ پر چند لیٹروں نے اُن کو روک لیا، انھوں نے اُنکو بتایا بھی کہ وہ سلطان راہی ہیں مگر صرف ایک گولی نے اُنکا کام تمام کر دیا، اُنکی فلمی بڑھکیں اور مار دھاڑ اُنکے کام نہ آسکیں۔

پانچ ماہ قبل نواز شریف نے جب اپنی حکومت کا آغاز کیا تو پاکستانی عوام کو یہ امید تھی کہ اب انکے حالات بہتر ہونگے۔ حالات تو کیا بہتر ہوتے بلکہ ہر محاز پر حالات مزید خراب ہوتے چلے گے۔ معاشی طور پر عام آدمی کی زندگی اجیرن ہوگی اور امن و امان کی صورتحال روز بروز بگڑتی چلی گی۔ غرضیکہ پاکستان مسلسل تباہی کہ طرف جارہا ہے۔ دہشت گردی میں اضافہ بڑھتا چلاگیا مگر نواز شریف کو غیر ملکی دوروں سے فرصت نہ ملی۔ نواز شریف کا حالیہ دورہ امریکہ ایک ناکام دورہ تھا اور امریکہ نے نہ صرف انکے تمام مطالبات رد کردیے بلکہ اُن کو واضع طور پر بتادیا گیا تھا کہ ڈرون حملے نہیں رکیں گے۔ اس دورے میں پاکستان کے وزیراعظم عافیہ صدیقی کی بات کررہے تھے تو امریکی صدر شکیل آفریدی کو رو رہے تھے۔ کشمیر کے مسلئے پر اوبامہ من موھن سنگھ کی زبان بول رہے تھے۔ دونوں کی باڈی لینگویج دو مختلف زاویوں پر تھیں۔ نواز شریف ملک میں رہنے کو تیار نہیں اور انکی غیر حاضری میں پشاور مستقل دہشت گردی کا شکار رہا۔ اُنکے انگلینڈ کے ایک بے وجہ دورہ کے دوران امریکہ نے دہشت گردوں کے سرداراور ہزاروں پاکستانیوں کے قاتل کالعدم تحریک پاکستان کے سربراہ حکیم اللہ محسود کو ڈرون حملوں میں مار دیا۔ اب پاکستانی حکومت ہائے ہائے کار مچارہی ہے اور وزیر داخلہ چوہدری نثار جدید سلطان راہی بنے ہوئے بڑھکے مار رہے ہیں۔ 9 ستمبر کو آل پارٹی کانفرنس ہوئی تھی جس میں پاکستان کی تمام جماعتوں نے حکومت کو دہشت گردوں سے مذکرات کا اختیار دے

دیا تھا۔ مگر اس کے بعد حکومت تو سوگی اور دہشت گرد طالبان نے اپنی دہشت گردی بڑھا دی، اپر دیر میں بارودی سرنگ کے دھماکے سے پاک فوج کے میجر جنرل لیفٹیننٹ کرنل اور لانس نائیک ہلاک کیے جاتے ہیں اور دہشتگرد طالبان اُسکی زمیداری بھی قبول کرتے ہیں۔ اُسی دن وزیرستان میں چار سیکورٹی اہلکار راکٹ حملے میں مارے جاتے ہیں۔ پشاور میں 22 ستمبر کو اقلیتوں پر خود کش حملہ، 27 ستمبر کو سرکاری بس میں بم دھماکا اور 29 ستمبر کو قصہ خوانی بازار میں بم دھماکا، ان دھماکوں میں ڈیڑھ سو سے زیادہ افراد اپنی جانوں سے گئے۔ صرف رسمی تعزیت کے علاوہ حکومت نے کچھ نہیں کیا۔

یکم نومبر کو ہونے والا ڈرون حملہ کوئی پہلا حملہ نہیں تھا اور نہ ہی حکیم اللہ محسود پہلا دہشت گردوں کا سردار تھا، اس سے پہلے بیت اللہ محسود جو دہشت گردوں کا سردار تھا ڈرون حملے میں ہی مارا گیا تھا تو پھر حکیم اللہ محسود پر اسقدر شور کیوں۔ جماعت اسلامی کے سید منور حسن اور مولانا فضل الرحمان کا رونا تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ بقول مولانا فضل الرحمان کہ اُنکے دل طالبان دہشت گردوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ عمران خان کا واویلا بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جس صوبے میں اُن کی پارٹی اقتدار میں ہے سب سے زیادہ وہ صوبہ ہی متاثر ہے۔ مگر چوہدری نثار کی بڑھکیں سمجھ میں نہیں آتیں کیونکہ جو وزیر داخلہ ایک شخص کے پانچ گھنٹے اسلام آباد پر قابض ہونے والا کا کچھ نہیں

بگاڑ سکے وہ امریکہ کے خلاف بڑھکیں مار رہے ہیں۔ حکیم اللہ محسود نے اپنے آخری انٹرویو میں جو اُس نے بی بی سی کو دیا تھا صاف صاف کہا تھا "حکومت کی جانب سے مذکرات کے لیے کوئی سنجیدہ قدم نہیں اٹھایا گیا اور آل پارٹیز کانفرنس کے بعد حکومت نے مذکرات میڈیا کے حوالے کر دیے ہیں، ہم میڈیا کے ذریعے مذکرات نہیں کرینگے"۔ بات سیدھی سیدھی یہ ہے کہ وزیراعظم کو غیر ملکی دوروں سے فرصت نہیں ہے اور وزیر داخلہ کو اپنی ذمیداری کا احساس نہیں ہے۔ 9 ستمبر اور یکم نومبر کے درمیان پورے اکیاون دن کا فاصلہ ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب نواز حکومت آنے کے بعد پورا ملک مسلسل دہشت گردی کا شکار بنا ہوا ہے اس مسلئہ پر سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت تھی۔ چلیں اب تو آپ کے پاس ڈرون حملے کا بہانہ ہے مگر سوال یہ ہے کہ اکیاون دن آپ کیا کر رہے تھے۔

نواز شریف کے دورہ امریکہ سے پہلے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایک رپورٹ ڈرون حملوں پر جاری کی تھی جس کے مطابق امریکی ڈرون حملے جنگی جرائم میں آتے ہیں مگر اوبامہ انتظامیہ نے اس کے باوجود نواز شریف کو ڈرون نہ گرانے کی کوئی یقین دھانی نہیں کرائی تھی، جبکہ واشنگٹن پوسٹ کے مطابق پاکستان میں ہونے والے ڈرون حملوں کا حکومت پاکستان کو علم ہوتا ہے بلکہ کچھ ڈرون حملے حکومت پاکستان کے کہنے پر بھی ہوئے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ڈرون بھی پاکستان کی حکومت کے ایما پر ہی ہوا ہو، کیونکہ طالبان کے جو مطالبات سامنے

آئے تھے اسکو پورا کرنا نواز حکومت کے لیے ناممکن تھا۔ دوسری طرف آل پارٹیز کانفرنس کے بعد مذاکرات کی ابتدا کرنے کے لیے پاکستانی عوام اور سیاسی جماعتوں اور خاصکر تحریک انصاف کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔ طالبان دہشت گردوں کی کسی بھی اگلی دہشت گردی سے پہلے حکومت اگر مذکرات کرنا چاہتی ہے تو طالبان کو مذکرات کی میز پر لایں ورنہ اگلی کسی بھی دہشت گردی کی حکومت اتنی ہی ذمیدار ہوگی جتنے کے دہشت گرد۔ وزیر داخلہ امریکہ کے خلاف بڑھکیں مارنا چھوڑیں اور ملک کو دہشت گردی کی دلدل سے نکالنے کی کوشش کریں کیونکہ اُن سے پہلے سابق وزیر داخلہ رحمان ملک پانچ سال صرف بڑھکیں ہی مارتے رہے تھے۔ اگر بڑھکیں مارنے سے مسائل حل ہو سکتے تو آج نہ دہشت گردی ہوتی اور نہ ہی ڈرون حملے۔ سلطان راہی نے صرف فلموں ہی بڑھکیں ماری تھیں مگر اصل زندگی میں اُن کی فلمی بڑھکیں اُن کے کام نہ آیں تو پھر وزیر داخلہ چوہدری نثار صاحب آپکی امریکہ کے خلاف بڑھکیں پاکستان کے کسی کام نہیں آئیگیں۔

جماعت اسلامی کی منافقت۔ درندہ شہید

منافقت کی علامات کیا ہیں؟ جواب: منافقت ایسے طرز عمل کو کہتے ہیں جو قول و فعل کے تضاد سے عبارت ہو جس میں انسان کا ظاہر، باطن سے مختلف بلکہ برعکس ہو۔
سب سے پہلے تو میں اس منافقت پر افسوس کا اظہار کرنا چاہونگا جو جماعت منافقین یعنی جماعت اسلامی کے امیر جناب سید منور حسن نے اپنے بھائی، ہزاروں انسانوں کے قاتل اور دہشت گرد طالبان کے سربراہ حکیم اللہ محسود کی موت پر اُسکو شہید کہا ہے۔ منور حسن صاحب سے ایک پرانا تعلق ہے اور وہ ہے نیشنل اسٹوڈینٹ فیڈریشن کا، کبھی منور حسن صاحب بھی این ایس ایف میں ہوا کرتے تھے مگر وہ کرتے یہ تھے کہ این ایس ایف کی میٹنگ میں جو بات چیت ہوتی تھی اُسکی مخبری وہ اسلامی جمیت طلبا کو کردیا کرتے تھے، وہ اپنی اس منافقت میں کچھ عرصے کامیاب رہے مگر پھر پکڑے گے تو این ایس ایف سے نکال دیے گے اور جمیت میں شامل ہوگے، اُس منافقت کا فاہدہ یہ ہوا کہ آج وہ جماعت اسلامی کے امیر ہیں۔ یہ بات تو مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوئی کہ جماعت اسلامی کے خود ساختہ اسلام میں ایک دہشت گرد درندہ شہید بھی ہوسکتا ہے، خدا ایسی شہادت کسی

مسلمان کو نصیب نہ کرئے۔ ہاں ایک بات مجھے یہ بھی یاد آئی کہ ہندوں کے ہاں بھی شہید ہوتے ہیں تو شاید منور حسن صاحب اُس ہی وجہ سے ایک درندئے کو شہید کہہ رہے ہیں، اور یہ بات سب جانتے ہیں ٹی ٹی پی کو ہندوستانی خفیہ ایجینسی را کی افغان حکومت کے زریعے مکمل حمایت حاصل ہے۔ ویسے بھی پچھلے کچھ عرصے سے منور حسن صاحب عجیب و غریب حرکتیں کر رہے ہیں، مثال کے طور پر ایک ٹی وی اینکر شاہ زیب خانزادہ نے انکی اور جماعت اسلامی کی منافقت پر ایک سوال کیا اُس سے الجھ گے اور پروگرام کو بیچ میں چھوڑ کر چلے گے۔ عام انتخابات سے قبل کراچی کے ایک جلسے میں فرمارہے تھے کہ لبرل اس ملک میں بہت اقلیت میں ہیں پاکستان چھوڑ کر چلے جایں۔ لبرل تو کہیں نہیں گے مگر عام انتخابات میں جناب منور حسن کی جماعت کی مقبولیت سامنے آ گی۔ دو دن پہلے ایک ٹی وی پروگرام میں عمران خان صاحب فرمارہے تھے کہ ہر مسلمان لبرل ہے اور مجھ سے بڑا لبرل پاکستان میں کوئی نہیں، اب اس کو تو جماعت اسلامی اور منور حسن صاحب کی منافقت ہی کہیں گے کہ وہ ایک لبرل کے ساتھ کے پی کے میں حکومت میں شامل ہیں۔ کچھ دن پہلے منور حسن صاحب نے ایک طلبہ کنونشن میں فرمایا کہ اگر مجھے پانچ سے دس ہزار جانثار مل جائیں تو میں نیٹو سپلائی بند کرادوں، اگلے دن ایک ٹی وی شو میں اینکر نے پوچھا کہ یہ دس ہزار والی بات آپ نے کیوں کی تو ہنس کر بولے ارے وہ تو ایسے ہی کہہ دی تھی آخر نوجوانوں کو گرمانا بھی تو ہوتا ہے۔ اب آپ ہی بتایں منافقت کسے کہتے ہیں اور ایک منافق

کیا ہوتا ہے یہ آپ بکو معلوم ہے۔
آج جس دہشت گرد درندئے حکیم اللہ محسود کو منور حسن صاحب شہید کہہ رہے ہیں اُس کو اور بڑے درندئے امریکہ کو لانے والے ضیاالحق اور جماعت اسلامی ہیں۔ روس کے افغانستان میں آنے کے بعد روس کو سبق یکھانے کے لیے امریکہ کو کرائے کے فسادی درکار تھے اور اسکا کنٹریکٹ ضیاالحق کی حکومت اور جماعت اسلامی کو دیا گیا، جماعت تو پہلے ہی سے امریکہ کی غلامی کررہی تھی۔ 1977 میں امریکہ نے ڈالر دیے اور جماعت اسلامی نے نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگاکر ذوالفقار علی بھٹوکے خلاف تحریک چلائی اور اپنی منافقت سے ضیاالحق کے ساتھ ملکر بھٹو کو پھانسی دے دی۔ نظام مصطفیٰ توآجتک نہیں آیا مگر منافق ضیاالحق ضرور آگیا تھا۔ امریکی ڈالرکے سہارئے جماعت اسلامی نے ساری دنیا سے فسادی لاکر پاکستان اور افغانستان میں جمع کیے اورنام نہاد جہادکے بہانے فساد برپا کرتے رہے، روس تو واپس چلاگیا مگر بڑا درندہ امریکہ واپس جاکر پھر لوٹ آیاوجہ تھی وہ فسادی جو پہلے امریکہ کے پالتو تھے اب وہ ہی امریکہ کو ہی آنکھیں دیکھارہے تھے، جن میں سب بڑا فسادی اسامہ بن لادن بھی تھا۔ 11/9 کے بعد امریکہ جاہل ملا عمر سے اسامہ بن لادن کو مانگ رہا تھا، اگراس جاہل انسان میں عقل ہوتی تو اسامہ کو افغانستان سے نکال دیتا جیسا اس سے پہلے سوڈان کرچکا تھامگرایسا نہ ہوااور امریکہ افغانستان پر چڑھ دوڑا۔ جماعت

اسلامی اپنا کھیل کھیل رہی تھی کیوں کہ ار ب پتی اسامہ سے جماعت اسلامی مالی اور سیاسی فائدہ اٹھارہی تھی ۔ سابق جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد تو اسامہ بن لادن کے بہت بڑے فین تھے اور منافقت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ جماعت اسلامی اور دہشت گردوں کے حامیوں نے پرویز مشرف کو استمال کیا اور متحدہ مجلس عمل کا خیام عمل میں آیا، ایم ایم اے میں وہ تمام جماعتیں موجود تھیں جو طالبان دہشت گردوں کی پشت پناہی کرتی ہیں۔ پرویز مشرف کو بھی سیاسی حمایت چاہیے تھی لہٰذا 2002 کے انتخابات میں متحدہ مجلس عمل نے قومی اسمبلی کی 68 نشستیں حاصل کیں، سرحد اور بلوچستان میں متحدہ مجلس عمل کی حمایت یافتہ حکومتیں قائم ہوئیں۔ 28 دسمبر 2003 کو قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن و دیگر قائدین کی موجودگی میں متحدہ مجلس عمل نے آئین میں 17 ویں آئینی ترمیم کا بل یعنی لیگل فریم ورک آرڈر منظور کرکے پرویز مشرف کی حکمرانی کو آئینی و قانونی جواز فراہم کردیا اور اسکے ساتھ ہی متحدہ مجلس عمل "ملا ملٹری الائنس" بن گی۔ اس ملا ملٹری الائنس نے عوام کے لیے تو کچھ نہیں کیا، مگر یا تو مشرف کی خدمت کی یا پھر دہشت گردوں کی تعداد بڑھائی اور سیاسی طور پر حمایت کی جو آج بھی جاری ہے۔ القاعدہ کے کمزور پڑنے کے بعد فسادیوں کو پاکستانی طالبان کا نام دیا گیا اور پھر پاکستان میں دہشت گردی کا آغاز ہوا، دوسری طرف ہندوستانی خفیہ ایجینسی را نے بھی طالبان دہشت گردوں کو اپنا خدمت گذار بنالیا۔

منافقت یہ ہے کہ جس مشرف کی حکمرانی کو

آئینی و قانونی جواز فراہم کیا آج اسکے سب سے بڑے مخالف منور حسن ہیں اور مرحوم قاضی حسین احمد تھے۔

پاکستان میں مہذب کے نام پر جس قدر اسلام کو نقصان ان مذہبی سیاسی جماعتوں نے پہنچایا ہے اسکی مثال آپکو پوری دنیا میں نہیں ملے گی اور ان میں سرفہرست جماعت اسلامی ہے۔ اسکی ایک مثال 1970 کے عام انتخابات ہیں جس میں جماعت اسلامی نے نعرہ لگایا تھا کہ "اسلام خطرے میں ہے" لیکن عوام نے جماعت کو مسترد کردیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ 1970 کے الیکشن میں جماعت کو جو ذلت آمیز شکت ہوئی تھی کیا پاکستان میں اسلام ختم ہوگیا؟ جی نہیں اسلام قیامت تک قائم رہے گا مگر یہ منافق اسلام کو اپنے مفاد میں استمال کرنے سے باز نہیں آئینگے۔ اب تک پچاس ہزار بے گناہ پاکستانی ان درندوں کے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں مگر جماعت اسلامی نے اُن میں سے کسی ایک کو بھی شہید نہیں کہا۔ امریکہ نے نواز شریف کو کسی قسم کی یقین دھانی نہیں کرائی تھی کہ وہ ڈرون حملہ نہیں کرئے گا، اُن کے دورہ امریکہ کے بعد جو دوسرا حملہ ہوا وہ پاکستان کے لیے بے انتہا نقصان دہ تھا۔ اس لیے پاکستان میں شدت سے اسکی مخالفت ہورہی ہے لیکن اس کا قطعی یہ مطلب نہیں تھا کہ دہشت گرد اور ہزاروں انسانوں کے قاتل معصوم ہوگے ہیں مگر اس شور میں منور حسن اپنی بھرپور منافقت کا اظہار کرنے سے باز نہیں آئے اور ایک درندہ کو شہید کا درجہ دے

بیٹھے۔ آخر میں میرا اُن ہلاک شدگان پچاس ہزار پاکستانیوں کے ورثا سے صرف یہ سوال ہے کہ کیا آپ اس بات کو صحیح سمجھتے ہیں کہ آپ کے گھر کے جو افراد مرے وہ شہید نہیں ہوئے مرگے، مگر امریکی ڈرون حملے میں مارا جانے والا درندہ شہید ہے۔ اگر نہیں تو یہ جماعت اسلامی کی منافقت ہے کیونکہ درندے شہید نہیں ہوتے۔ منافقت یہ ہے کہ پچاس ہزار پاکستانی میں ایک بھی شہید نہیں مگر ہزاروں پاکستانیوں کا قاتل شہید ہے۔ منور حسن لاکھ منافقت کرلیں مگرایک دن وہ ان پچاس ہزار پاکستانیوں کی بے گناہ موت کا حساب ضرور دینگے۔

گدھے اور کتے کی سیاست

مرحوم اداکار رنگیلا اور مرحوم اداکار سید کمال ہماری فلم انڈسٹری کے دو بڑے نام ہیں۔ سید کمال بہت اچھے اداکار ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی دلچسپی لیتے تھے، مٹکے کے نشان پر الیکشن بھی لڑا مگر کامیاب نہ ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے میں انہوں نے ایک سیاسی فلم "انسان اور گدھا" بنائی جس میں ہیرو کا کردار اداکار رنگیلے نے ادا کیا تھا، اس فلم پر پابندی بھی لگی تھی کیونکہ اس فلم میں رنگیلے نے گدھوں کے ہجوم کے سامنے بھٹو کے انداز میں تقریر کی تھی۔ اسطرح گدھا ہماری قومی سیاست میں داخل ہوا۔ اب مولانا فضل الرحمان جو طالبان کے حق میں بڑے بڑے جلوس نکالتے رہے ہیں اور امریکی سفیر کے لیے پُرتکلف کھانے کا اہتمام کرکے اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں وزیراعظم بنوایا جائے یہ کہہ کر "اگر امریکہ کتے کو بھی مارے گا تو شہید کہوں گا"، کتے کو بھی ہماری قومی سیاست کا حصہ بنادیا۔ کتے کی موت مرنے کا مطلب ہے بہت بری حالت میں جان دینا ہے۔ ہمارے معاشرے میں روایتی طور پر کتے کو برا سمجھا جاتا ہے اور کتے کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ کتے کی زندگی ہونا بری زندگی کو کہتے ہیں، کتے کی طرح بھونکنا بھی بری طرح ناراض ہونے اور بک بک کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ دھوبی کا کتا گھر کا نہ

گھاٹ کا ایک عام مثال ہے، جسکا مطلب ہے کہ کتا کسی کا نہیں ہوتا۔ کتے کے لیے کہا جاتا ہے کہ بہت وفادار ہوتا ہے مگراس کی وفاداری کا ذکر بھی اچھے الفاظ میں نہیں ہوتا، کتے کی طرح وفاداری کا پٹا گلے میں ہونا اچھی بات نہیں سمجھی جاتی یہ وفاداری کا پٹا بے انتہا نکمے پن کو ظاہر کرتا ہے۔

امریکی ڈرون حملے سے آٹھ کمروں کے مکان میں اپنی دو بیگمات کے ساتھ پُرآسائش زندگی گزارنے والے طالبان کے سربراہ دہشت گرد حکیم محسود کی ہلاکت پر ایک طرف وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان حیران اور پریشان ہیں کہ جنھوں نے صرف ایک ہفتے قبل ڈرون حملوں کی وکالت فرمائی تھی اور غلط اعداد و شمار کا چکر چلایا تھا تو دوسری طرف ہزاروں لوگوں سے اسلامی بینکنگ اور یونزی اسکیم جیسے مالیات فراڈز کے ذریعے اربوں کمانے والے کچھ عُلماء نے اپنے کرتوت بھول کر ایک فتوی ڈرون کی شرعی حیثیت پر داغ دیا ہے۔ سستی جذباتیت اور عمومی مذہبیت کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے میں منور حسن کہاں پیچھے رہتے ، انھوں نے ہزاروں معصوم پاکستانی شہریوں کے قتل میں مُلوث اور پاکستانی ریاست کے باغی دہشت گرد طالبان پاکستان کے لیڈر حکیم محسود کو شہید قرار دے دیا، جس سے دو ہاتھ آگے بڑھکر مولانا فضل الرحمان نے فرمادیا کہ امریکہ کے ہاتھوں مرنے والا کتا بھی شہید ہوگا"۔ افسوس مولانا نے ایک سیکنڈ بھی نہیں" سوچا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بلکہ اُن پچاس ہزار پاکستانیوں کے گھر والوں

کو رلادیا جو طالبانی دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں۔

مولانا فضل الرحمان اور منور حسن دونوں میں کوئی ایک بھی مفتی نہیں ہے لیکن دونوں سیاسی طور پر ایک دوسرے سے آگے جانے کے لیے مذہب کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

اِن دونوں کے اِن بیانات کے بعد مذہبی حلقے میں بے چینی ہو گئی اور پاکستان کے تمام مذہبی حلقے نے دونوں کے بیانات کی مذمت کی۔ چیئرمین سنی اتحاد کونسل صاحبزادہ حامد رضا کے استفسار پر سنی اتحاد کونسل سے وابستہ 30 جید علماء اور مفتیان اہلسنت نے اپنے اجتماعی شرعی اعلامیہ میں قرار دیا ہے کہ "پچاس ہزار بے گناہ انسانوں کے قتل ناحق کے مجرم حکیم اللہ محسود کو شہید قرار دینا قرآن و سنت کے منافی ہے۔ علمائے کرام اور مفتیان نے اعلامیہ میں کہا ہے کہ ڈرون حملوں میں جاں بحق ہونے والے معصوم اور بے گناہ خواتین، بچے اور مرد شہید ہیں۔ ریاست مخالف عناصر کے امیر حکیم اللہ محسود کے جرائم اور گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ اللہ ظالموں کو ظالموں کے ہاتھوں ہی مرواتا ہے۔ حکیم اللہ محسود کے چار سالہ دور امارت کے دوران مساجد، مزارات، اسپتالوں، مارکیٹوں، جنازوں، چرچوں، امام بارگاہوں، سرکاری دفاتر، تعلیمی اداروں، فوجیوں، پولیس اہلکاروں، معصوم بچیوں، دینی و سیاسی رہنمائوں پر سینکڑوں حملے کئے گئے۔ ان حملوں کے ماسٹر مائنڈ حکیم اللہ محسود کو شہید قرار دینا ملک سے غداری ہے۔ ڈرون حملوں کو پاکستان میں دہشت گردی کا جواز

نہیں بنایا جا سکتا۔ امریکی مظالم کا بدلہ بے گناہ پاکستانیوں سے لینا جہاد نہیں فساد ہے۔ امریکا کے خلاف جہاد کا اصل میدان پاکستان نہیں افغانستان ہے لیکن پاکستانی طالبان نے مسلسل پاکستان کو نشانہ بنا رکھا ہے اس لئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حکیم اللہ محسود امریکا کے خلاف جہاد کرتا ہوا شہید ہوا۔ اسلام انسانی جان کی حرمت کا سب سے بڑا علمبردار اور قتل ناحق کا سب سے بڑا مخالف ہے جبکہ حکیم اللہ محسود ایک نہیں ہزاروں بے گناہوں کا قاتل ہے۔ اس لئے ایسا شخص شہید نہیں ہو سکتا"۔

مولانا فضل الرحمٰن کی طرف سے امریکا کے ہاتھوں مرنے والے کتے کو بھی شہید قرار دینے کے بیان پر مختلف دینی رہنماؤں نے سخت رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ " شہید کا لفظ کتے سے منسوب کرنا گستاخی و جہالت اور گمراہی ہے۔ سنّی اتحاد کونسل کے چیئرمین صاحبزادہ حامد رضا نے کہا ہے کہ فضل الرحمٰن نے شہید جیسے مقدس لفظ کو کتے سے منسوب کرکے شریعت کا مذاق اڑایا ہے، امریکا کے اسلام اور پاکستان دشمن ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن امریکا کے ہاتھوں مرنے والے کتے کو بھی شہید کہنا شریعت کے منافی ہے، فضل الرحمٰن اپنا بیان واپس لے کر توبہ کریں۔اسلامک ریسرچ کونسل کے صدر مفتی محمد کریم خان نے کہا ہے کہ امریکا کے ہاتھوں مرنے والا ہر شخص شہید نہیں ہے، علمائے دیوبند مولانا فضل الرحمٰن کے بیان سے لاتعلقی کا اعلان اور اپنی پوزیشن واضح کریں،

فضل الرحمٰن نے جوش میں ہوش کھو کر جہالت کا مظاہرہ کیا ہے۔انجمن طلبائے اسلام پاکستان کے مرکزی صدر اسد خان جدون نے کہا ہے کہ فضل الرحمٰن نے قرآن و حدیث کے احکامات کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے، فضل الرحمٰن مفتی بننے کے شوق میں شرعی احکامات کا مذاق اڑانے سے باز آجائیں"۔ مولانا فضل الرحمٰن اقتدار سے بہت دیر تک دور رہنے کے عادی نہیں اور ابھی تک نواز شریف نے انکو راتب بھی نہیں دیا ہے، اکرم درانی کی وزارت اور مولانا کی ممکنہ کشمیر کمیٹی کی چیرمین شپ کا دور دور امکان نہیں ہوپارہا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ مولانا وہ واحد سیاست دان تھے جنکو نواز شریف کا دورہ امریکہ بہت کامیاب نظر آیا۔ دوسری طرف مولانا کے گذشتہ ماہ کے دورہ افغانستان پر طالبان ناراض تھے۔ مولانا دونوں کو ہی خوش رکھنا چاہتے ہیں اسلیے وہ اس قسم کے بیہودہ بیانات دے رہے ہیں۔ اس بیان سے ایک طرف وہ خود سے روٹھے ہوئے طالبان کو منارہے ہیں تو دوسری طرف نواز شریف کو یہ تاثر دے رہے کہ طالبان سے انکا مسئلہ وہی حل کرا سکتے ہیں۔ نواز شریف کو چاہیے کہ مولانا کی مرادیں جلد از جلد پوری کردیں تاکہ قوم انکے شرانگیز اور بے ہودہ بیانات سے محفوظ رہ سکے۔

امیروں کے کتے غریبوں پر بھونکتے ہیں۔ غریبوں کے کتے اپنے آپ پر بھونکتے ہیں۔ کتا اپنی گلی میں شیر ہوتا ہے، جس طرح شیر کسی دوسرے کے گلی میں کتا بن جاتا ہے۔

کتوں اور عاشقوں میں کئی چیزیں مشترک ہیں۔ دونوں راتوں کو

گھومتے ہیں، اور اپنا اپنا کلام پڑھ پڑھ کر لوگوں کو جگاتے ہیں۔ اور اینٹ اور پتھر کھاتے ہیں۔ ہاں ایک کتا لیلیٰ کا بھی تھا۔ لوگ لیلیٰ تک پہنچنے کے لئے اس سے پیار کرتے تھے۔ اس کی خوشامد کرتے تھے جس طرح آجکل ہماری حکومت مذاکرات کے لیے طالبان کی خوشامد کر رہی ہے۔ گھوڑے کی شکل ایک حد تک گدھے سے ملتی ہے، بعض لوگ گدھے گھوڑے کو برابر سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ دونوں کو ایک تھان پر باندھتے ہیں، یا ایک لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیتے ہیں۔ شاعروں نے بھی گدھے کی ایک خوبی کی تعریف کی ہے، خرِ عیسیٰ ہو یا کوئی اور گدھا اگر وہ مکہ بھی ہو آئے تو گدھا ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو گدھے اور کتے کی سیاست سے نجات دلائے۔

اسلام اور راولپنڈی کا المناک حادثہ

اسلام سے قبل دنیا اندھیری تھی، ہر طرف ظلم وجبر کا دور دورہ تھا، امن وامان نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ کبھی وطنیت و قومیت کی آڑ میں تو کبھی رنگ ونسل کے نام پر اور کبھی زبان و تہذیب کے نام پر انسانیت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھااور ان ٹکڑوں کو باہم اس طرح ٹکرایا گیا تھا کہ انسانیت چیخ اٹھی تھی، بدقسمتی سے آج پاکستان میں وہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ راولپنڈی کے المناک حادثے اور مسلسل پاکستان میں ہونے والی قتل و غارت گری کو سامنے رکھ کر اگر آپ اسلام سے قبل کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو اندازہ ہوگا کہ پوری دنیا بدامنی و بے چینی سے لبریز تھی، وہ پسماندہ علاقہ ہویا ترقی یافتہ اور مہذب دنیا، روم وافرنگ ہویا ایران وہندوستان، عجم کا لالہ زار ہویا عرب کے صحرا وریگزار، ساری دنیا بدامنی و بے چینی کی آگ میں لپٹی ہوی تھی۔ آج کا پاکستان شاید اُسی تاریخ کو دہرا رہا ہے۔ اسلام سے قبل بہت سے مذہبی پیشواؤں اور انسانیت کے علمبرداروں نے اپنے اپنے طورپر امن ومحبت کے گیت گائے اور اپنے اخلاقی درس سے اس آگ کو سرد کرنے کی کوشش کی جس کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آئے مگر اس عالمی آتش فشاں کو پوری طرح ٹھنڈا نہیں کیا جاسکا۔

جس معاشرہ کا امن بکھرتا ہے اس کی پہلی زد انسانی جان پر پڑتی ہے۔ اسلام سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی مگر اسلام نے انسانی جان کو وہ عظمت واحترام بخشا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص کسی انسانی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زمینی فساد برپا کرنے کے علاوہ کسی اور سبب سے قتل کرے اس نے گویا ساری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے کسی انسانی جان کی عظمت واحترام کو پہچانا اس نے گویا پوری انسانیت کو نئی زندگی بخشی۔" [المائدہ: ۳۲]

انسانی جان کا ایسا عالم گیر اور وسیع تصور اسلام سے قبل کسی مذہب و تحریک نے پیش نہیں کیا تھا۔ اسی آفاقی تصور کی بنیاد پر قرآن اہل ایمان کو امن کا سب سے زیادہ مستحق اور علمبردار قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "دونوں فریقوں (مسلم اور غیر مسلم) میں امن کا کون زیادہ حقدار ہے؛ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم وشرک کی ہرملاوٹ سے پاک رکھا ہے امن انہی لوگوں کے لئے ہے اور وہی حق پر بھی ہیں۔" [الانعام: ۸۱،۸۲]

اسلام قتل و خونریزی کے علاوہ فتنہ انگیزی، دہشت گردی اور جھوٹی افواہوں کی گرم بازاری کو بھی سخت ناپسند کرتا ہے وہ اس کو ایک جارحانہ اور وحشیانہ عمل قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[ترجمہ: "اصلاح کے بعد زمین میں فساد برپا مت کرو" [الاعراف:۵۶

[ترجمہ: "اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔" [القصص:۷۷

اسلام نے پہلی بار دنیا کو امن و محبت کا باقاعدہ درس دیا اور اس کے سامنے ایک پائیدار ضابطۂ اخلاق پیش کیا جس کا نام ہی "اسلام" رکھا گیا یعنی دائمی امن وسکون اور لازوال سلامتی کا مذہب" یہ امتیاز دنیاکے کسی مذہب کو حاصل نہیں، اسلام نے مضبوط بنیادوں پر امن وسکون کے ایک نئے باب کاآغاز کیا اور پوری علمی و اخلاقی قوت اور فکری بلندی کے ساتھ اس کو وسعت دینے کی کوشش کی، آج دنیا میں امن وامان کا جو رجحان پایا جاتا ہے اور ہر طبقہ اپنے اپنے طور پر سکون کی تلاش میں ہے یہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کی دین ہے۔ امن ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن نے اس کو عطیۂ الٰہی کے طور پر ذکر کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "صاحب ایمان" کی علامت یہ قرار دی ہے کہ اس سے کسی انسان کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس" [سے لوگوں کے جان ومال کو کوئی خطرہ نہ ہو۔" [ترمذی: حدیث نمبر ۲۶۲۷

:رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت وتنگ نظری کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا

وہ ہم میں سے نہیں؛ جو عصبیت کی طرف بلائے اور جو عصبیت کی بنیاد پر قتال" [کرے" [ابوداؤد: کتاب الآداب، باب العصبیة، حدیث نمبر ۱۵۲۱

میں اپنے تمام پاکستانی مسلمان بھائیوں سے گزارش کروں گا کہ آپ خود سے بھی اسلام کو سمجھیں اور کسی اچھے عالم سے سمجھیں پھر آپ کو پتا چلے گا کہ اسلام کتنا امن پسند مذہب ہے کہ جو انسان کی اتنی عزت کرتا ہے تو مسلمان کی کتنی کرتا ہو گا مگر چند لوگوں نے اسلام کا اتنا غلط زاویہ لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ ہم نے اسلام کو تعصب کا دین سمجھ لیا ہے۔ ہمارا ملک جو اس وقت انتشار میں گھرا ہوا ہے اور ہم سنی، شیعہ، وہابی اور دیوبندی تقسیم سے باہر نہیں نکل پا رہے ہیں اور اس کو ہوا دینے والے کون ہیں جو اس وطن کے دشمن ہیں۔ خدارا راولپنڈی میں جو کچھ ہوا ہے اُس کو آگے نہ بڑھایئے، یہی اسلام اور پاکستان کی خدمت ہو گی۔ اللہ پاک ہمیں سمجھ عطا فرمائے آمین۔

شیر تو ہو مگر اقامہ بندر کا ہے

سعودی عرب میں غیر ملکیوں کے لیے کفالت کا سسٹم ہے جس کا مطلب ہے کہ آپ چاہے نوکری کریں یا کاروبار آپکا کوئی نہ کوئی کفیل ہوگا اور حکومت کفالت کی بنیاد پر آپکو ورک پرمٹ جسکو عربی زبان میں اقامہ کہتے ہیں جاری کرتی ہے۔ سعودی عرب میں کفالت لازمی ہے یہاں تک کہ ایر لائنز بھی کسی نہ کسی کی کفالت میں ہیں، پی آئی اے کی کفالت بھی سعودی شہری کی ہے۔اقامے کی پابندی اسقدر سخت ہے کہ آپ سب کچھ بھول سکتے ہیں مگر اقامہ آپکی جیب میں لازمی ہو، اور اگر ایسا نہ ہوا تو جرمانہ اور جیل کا قیام لازمی ہے۔ اسکے علاوہ آپ کے اقامہ پر جو پیشہ درج ہے وہی کام کرینگے یعنی اگر آپ کے اقامہ پر پلمبر کا پیشہ درج ہے تو پلمبر کے علاوہ آپ کوئی اور کام نہیں کر سکتے۔ ہمارے ملک سے بہت سارے پڑھے لکھے لوگ لاکھوں روپے خرچ کرکے کسی نوکری کے بغیر لیبر کے ویزے پر جاتے ہیں جسکو عام طور پر آزاد ویزا کہا جاتا، وہاں پہنچ کر اُنکو لیبر کا اقامہ ملتا ہے۔ جس کفیل کے پاس وہ جاتے ہیں وہ اُنکو کوئی نوکری نہیں دیتا اور پھر جب وہ کہیں کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو انکو لازمی اپنا پیشہ تبدیل کروانہ پڑتا ہے، اور اگر ایسا نہ کریں اور پکڑے جایں تو جرمانہ اور جیل کا قیام تو لازمی ہے بلکہ کبھی

کبھی سعودی عرب سے اُنکو اُنکے ملکوں کے لیے روانہ کردیا جاتا ہے۔اس مختصر بات سے میں آپکو یہ سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں کہ سعودی عرب میں ورک پرمٹ یعنی اقامے میں جو آپ کا پیشہ لکھا ہے اسکے مطابق ہی آپ اہل ہونگے، اگر سمجھ گے ہیں تو اور نہ سمجھیں ہیں تب بھی یہ لطیفہ پڑھ لیں۔ "ریاض کے چڑیا گھر میں ایک شیر لایا گیا تو دوسرے دن اسکے رکھوالے نے اسکو کھانے کو چنے دیے، شیر حیران تو ہوا مگر چپ چاپ کھاگیا کہ شاید رکھوالا غلطی سے گوشت کی جگہ چنے لے آیا ہے۔ اگلے دن رکھوالا پھر چنے لے آیا اور شیر نے چپ چاپ کھالیے مگر جب تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا تو شیر پہلے تو غرایا پھر رکھوالے سے پوچھا یہ بتا میں کون ہوں؟ رکھوالے نے جواب دیا تو شیر ہے۔ شیر نے اگلا سوال کیا کہ کیا تجھ کو پتہ ہے شیر کیا کھاتا ہے؟رکھوالے نے جواب دیا شیر گوشت کھاتا ہے۔ شیر نے پوچھا تو پھر تو مجھے گوشت کی جگہ چنے کھانے کو کیوں دیتاہے؟ یہ سنکر رکھوالا مسکرایا اور کہا بیوقوف شیر تو یہاں بندر کے ویزے پر آیا ہے اور تیرا اقامہ بندر کا ہے شیر کا نہیں، اسلیے تجھ کو کھانے کو چنے ملتے ہیں۔ پہلے اپنا اقامہ شیر کا کراؤ پھر تجھ کو گوشت ملے گا، اور ہاں جب تک تیرا اقامہ بندر کا ہے کبھی غرانامت ورنہ ہنٹر پڑینگے، بس چپ چاپ بندر کی طرح اچھل کود کر اور چنے کھا"۔

الیکشن کا زمانہ تھا اور مسلم لیگ کے جلسوں میں نواز شریف، شہباز شریف اور

باقی مسلم لیگ ن کے قائدین بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کرنے، امن وامان قائم کرنے، مہنگائی اور بے روزگاری کو ختم کرنے کے وعدئے کر رہے تھے۔ نواز شریف نے 5 جون کو وزارت عظمی کا حلف اُٹھایا اور اپنے تمام وعدوں اور انتخابی منشور کو فراموش کر بیٹھے۔ صرف پانچ مہینوں میں ہوشربا مہنگائی نے ماضی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ بجلی پر دی جانے والی سبسڈی ختم کرکے اور پٹرولیم کی مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کرکے عوام پر مہنگائی کے کوڑئے برسائے گے ہیں۔ پانی و بجلی کے وفاقی وزیر خواجہ آصف جو اب فرعون بن چکے ہیں یہ سننا بھی گوارہ نہیں کر رہے ہیں کہ عوام اُنکے اس فیصلے سے روٹیوں سے محتاج ہورہے ہیں کیونکہ بجلی اور پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا اثر زندگی کے ہر شعبے پر پڑرہا ہے۔ مسلم لیگ ن کے انتخابی منشور میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ توانائی کی قیمت میں کمی لائی جائے گی۔ کشکول توڑنے والے پہلے سے بڑا کشکول لیکر آئی ایم ایف کے پاس چلے گے اور انکی تمام عوام دشمن شرطوں کے عوض اپنا کشکول بھرلائے، اور اب آئی ایم ایف کی مزید ظالمانہ شرطوں پر عمل کا اقرار بھی کررہے ہیں۔ ایک طرف زرمبادلہ کے ذخائر چار ارب ڈالر سے بھی کم ہوگے ہیں تو دوسری طرف روپے کی شرح میں مسلسل کمی ہوری ہے جس کی وجہ سے پیٹرولیم مصنوعات سمیت ہر درآمدی شے کی قیمت میں خودبخود اضافہ ہوجاتا ہے۔ نواز شریف کے گذشتہ دور حکومت میں بھی اسحاق ڈار وزیر خزانہ تھے اور ان کی ناکام پالیسیوں کی بدولت ڈالر 55 روپے سے 66 روپے پر پہنچ گیا تھا۔ اُس زمانے میں

ایک کالم نویس نے اُنکو اسحاق ڈالر کے خطاب سے نوازا تھا۔ جنرل مشرف کے پورے وقت میں ڈالر 60 روپے سے 62 روپے کے درمیان ہی رہا۔ 2008 سے 2013 تک زرداری اور اُنکے حواری لوٹ مار کرتے رہے اور ڈالر پانچ سال میں 97 روپے کا ہوگیا۔ مگر اسحاق ڈار کا کمال ہے کہ اسوقت ڈالر 108 روپے کا ہوگیا ہے۔ فرض کریں آپ کو کسی کو ایک ڈالر ادا کرنا ہے جو اگر آپ اس حکومت کے آنے سے پہلے ادا کرتے تو 97 روپے ادا کرتے مگر اب آپ کو ایک ڈالر پر 11 روپے زیادہ ادا کرنے پڑینگے تو سوچیں کہ اگر اسحاق ڈار کی یہ ہی پالیسیاں رہی تو ہم کو اربوں روپے بغیر لیے ادا کرنے پڑینگے۔ اس کا لازمی اثر
ملکی معیشت پر پڑے گا۔

گیارہ مئی کے انتخابات میں عوام نے یہ سوچ کر نواز شریف کو اکثریت دلائی تھی کہ نواز شریف مسائل حل کرنے کا وعدہ بھی کر رہے ہیں اور انہوں نے ماضی سے سبق بھی سیکھا ہوگا، مگر افسوس نہ انہوں نے کوئی وعدہ پورا کیا اور نہ ہی ماضی سے کوئی سبق سیکھا ہے۔ وہ اکثر غیر ملکی دوروں پر ہوتے ہیں، اُن کا انحصار اسحاق ڈار اور چوہدری نثار کے علاوہ نااہل معیشت دانوں اور مشیروں پر ہے جو اُنکو لیپ ٹاپ اور چھوٹے قرضوں کی اسکیموں کے زریعے خوش رکھتے ہیں۔ نواز شریف کے ابھی تک کے دور حکومت میں دہشت گردی اور مہنگائی میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔ امن و امان کی صورتحال حال ہی میں پنڈی میں ہونے والے

واقعے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ نواز شریف کو بہترین موقعہ ملا تھا کہ پیپلز پارٹی کی حکومت سے بہتر کرتے مگر وہ "تو مجھے حاجی کہہ، میں تجھے حاجی کہوں" کی مثال پر عمل پیرا ہیں یعنی جیسا زرداری نے کیا وہی میں بھی کرونگا۔ بڑے بڑے دعوے کرنے والے نواز شریف اُس ملک کے وزیراعظم ہیں جہاں اٹھارہ کروڑ سے زیادہ آبادی میں 60 فیصد عوام پینے کے صاف پانی کی سہولت سے محروم ہیں۔ پانی میں آلودگی بڑنے کی وجہ سے کئی امراض میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جن میں ڈائریا، ٹائیفائڈ اور ہیپاٹائٹس شامل ہیں۔ تعلیم کے شعبے پر کوئی توجہ نہیں ہے، تعلیمی بجٹ کم ہے، یوں دنیا کی تعلیمی انڈیکس میں 120 ممالک میں سے پاکستان 113 نمبر پر ہے۔ ملک کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں اسکول میں داخل نہ کروائے جانے والے بچوں کی شرح سب سے زیادہ 61 فیصد ہے جبکہ سندھ میں یہ شرح 53 فیصد، خیبر پختونخواہ میں 51 فیصد اور بلوچستان میں 47 فیصد ہے۔ اٹھارہ کروڑ سے زیادہ کی آبادی میں 60 فیصد آبادی خط غربت کے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے، عالمی سطح پر خط غربت یومیہ دو ڈالر یا دو سو روپے آمدن کے برابر ہے۔ عالمی بینک کی رپورٹ "ورلڈ ڈویلپمنٹ انڈیکیٹر" کے مطابق پاکستان کے 60 فیصد افراد کی آمدن یومیہ دو ڈالر یا دو سو روپے سے بھی کم ہے، جبکہ اکیس فیصد آبادی انتہائی غربت کا شکار ہے۔ ایسے میں تیزی سے بڑھتی ہوئی مہنگائی، امن و امان کی خراب صورتحال سے عوام پریشان ہیں۔ اگر ہم اسطرح ہی آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے احکامات مانتے رہے تو شاید ہمیں بھی کھانے میں

چنے ہی ملینگے۔ مسلم لیگ ن کا شیر عوام کے لیے تو آدم خور شیر بن چکا ہے مگر آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کو اس بات کی قطعی پرواہ نہیں کہ مسلم لیگ ن شیر کے انتخابی نشان پر جیتی ہے شاید آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے حکام نے اس کا اقامہ بندر کا بنایا ہے۔

آؤ نواز شریف جدہ چلیں

خوشی محمد میرے دوست ہیں اور سیاست پر بہت گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ خوشی محمد کہتے ہیں کہ نواز شریف اُنکے اچھے دوست ہیں، ہمیں مان لینے میں کوئی نقصان نظر نہیں آیا لہٰذا مان لیا۔ کل ہم سے ملنے آئے تو بولے آج نواز شریف سے ملنے چلا گیا تھا وہاں سے ہی آرہا ہوں۔ ہم نے پوچھا کیا بات ہوئی، سگریٹ جلا کر بولے سیاست پر بات ہوئی تھی، لو سن لو تمہیں بغیر بات سنے چین نہیں آیگا، اُسکے بعد انھوں نے اپنی اور نواز شریف کی ملاقات کا ذکر کیا جو کچھ اسطرح تھی۔

خوشی محمد نے نواز شریف سے کہا کہ الیکشن کے وقت تو آپ ہر جلسے میں پاکستانی عوام سے وعدہ کررہے تھے کہ آپ ملک کے تمام مسائل سے واقف ہیں، امن وامان، مہنگائی، لوڈشیڈنگ اور دہشت گردی سب کو آپ ختم کردینگے۔ زرداری کو آپ ان تمام مسائل کا ذمیدار قرار دیکر کوس رہے تھے اور آپ کے بھائی پنجاب کے وزیراعلی شہباز شریف زرداری کو روڈ پر گھسیٹنے کا وعدہ کررہے تھے، مگر بعد میں پتہ چلا کہ زرداری تو آپکے سیاسی جڑواں بھائی ہیں۔ لوگوں نے آپ پر اعتماد کیا اور آپکو یہ سہولت بھی دی کہ آپ بغیر کسی اور سیاسی پارٹی کو

ملائے حکومت بنالیں اور ایسا ہی ہوا۔ مگر افسوس کہ پانچ ماہ کے بعد آپکی حکومت کی کارکردگی یہ ہے کہ آج لوگ مہنگائی کے سبب بلبلا رہے ہیں، بجلی کی صورتحال یہ ہے کہ آپنے جو قیمت اب رکھی ہے اُس سے عوام ازخود لوڈشیڈنگ کر رہے ہیں، اگر پہلے دو بلب چلاتے تھے تو ایک چلا رہے ہیں۔ آپنے کشکول توڑنے کا وعدہ کیا اور پہلے سے بڑا کشکول آئی ایم ایف کے سامنے کردیا جسکا اثر سیدھا سیدھا عام لوگوں پر ہو رہا ہے، امریکی ڈالر اسحاق ڈار کو اپنا بھائی سمجھ کر پانچ ماہ میں 96 روپے سے بڑھکر 108 روپے کا ہوگیا ہے۔ کرپشن مزید بڑھ گیا ہے، پنڈی کا المناک سانحہ اسکی ایک مثال ہے کیونکہ جس آر پی او کی ذمیداری تھی وہ سرکاری ہیلی کاپٹر میں ہنگامے کے وقت اٹک کی سیر کرنے چلا گیا تھا۔ امن و امان کی صورتحال یہ ہے کہ کراچی کا ایک علاقہ لیاری آپکے قابو میں نہیں آرہا، کیونکہ جس کو آپ نے کیپٹن بنایا ہے وہ خود مجرموں کی پشت پر ہے، میں دوسرے صوبوں کی بات نہیں کرونگا صرف پنجاب کی بات کرونگا جہاں آپکی پارٹی کی حکومت ہے، ان پانچ ماہ کے دوران اغواء برائے تاوان کی پورے ملک میں ہزاروں وارداتوں میں سے تقریبا پانچ ہزار سے زیادہ پنجاب میں ہوئی ہیں۔ خواتین سے زیادتیوں کے سیکڑوں واقعات ہوئے ہیں، جن میں معصوم بچیاں بھی شامل ہیں، بھتہ خوری اور قتل کی سیکڑوں وارداتیں اس کے علاوہ ہیں۔

خوشی محمد ذرا رکے تو نواز شریف نے پوچھا آپ نے اور بھی کچھ کہنا ہے، خوشی

محمد نے کہا جی بلکل ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی ہے۔

آپنے وعدہ کیا تھا کہ آپ کے آنے کے بعد دہشت گردی اور ڈرون حملے دونوں بند ہو جائینگے مگر ہوا یہ کہ دہشت گردی مزید بڑھ گی ہے اور ڈرون حملے مسلسل ہو رہے ہیں، اگرچہ آپ نے طالبان کو مذاکرات کی دعوت دی اور 9 ستمبر کو پاکستان کی تمام چھوٹی بڑی سیاسی جماعتوں نے آپکے اس پروگرام کی تائید کی، مگر دہشت گردوں نے اپنی کاروایاں اور بڑھادی ہیں۔ یہ اتفاق ہے کہ گذشتہ پانچ ماہ کے دوران آپنے کافی ملکوں کے دورے کیے مگر بدقسمتی سے آپکے ہر دورے کے دوران دہشت گردوں نے پاکستانیوں کو لاشوں کے تحفے دیے ہیں۔ بقول آپکے آپ نے امریکی صدر اور امریکی انتظامیہ پر واضع کردیا تھا کہ ڈرون حملے ہماری خودمختاری پر حملہ ہے، مگر جب آپ اپنے ہرجائی محبوب اوبامہ کے نام اپنا لکھا ہوا محبت نامہ پڑھ رہے تھے، دال اور قیمہ کی دعوت دے رہے تھے تو اُس محبت نامہ میں محبوب کی ہرجائی پن یعنی ڈرون حملوں کا کوئی ذکر نہ تھا، اور آپکے ہرجائی امریکی صدر کی انتظامیہ نے صاف کہہ دیا تھا ڈرون حملے نہیں رکیں گے۔ آپکی امریکہ سے واپسی کے فورا بعد ڈرون حملہ ہوا اور دوسرے ڈرون حملے میں دہشت گردوں کا سردار مارا گیا، جس سے مذکرات کرنے کے لیے بقول آپکے وزیر داخلہ کے مذکرات کے لیے وفد تو تیار تھا مگر ہرجائی امریکہ اپنا کام کرگیا۔

صورتحال یہ ہے کہ آپکی ٹیم میں نااہل لوگ موجود ہیں، شاید یہ ہی وجہ

ہے کہ آپنے زیادہ تر وزارتیں اپنے پاس رکھی ہوئی ہیں۔ نہ ہماری دفاعی پالیسی ہے اور نہ ہی خارجہ پالیسی، جسکا تازہ ثبوت ہنگو میں ڈرون حملہ ہے جبکہ اُس سے صرف چند گھنٹے پہلے ہمارے آدھے وزیر خارجہ سرتاج عزیز صاحب نے فرمایا تھا امریکہ اب ڈرون حملہ نہیں کرئے گا جبکہ اُن کے بیان کو وزیر داخلہ چوہدری نثار نے بوگس قرار دئے دیا۔ نواز شریف صاحب باتیں تو بہت ہیں مگر صرف دو تین باتیں اور سن لیں، آپکی حکومت نے سرکلر ڈیٹ کے لیے پانچ سو ارب روپے کس بینک سے لے کر بجلی پیدا کرنے والی کمپنیوں (آئی پی پیز) کو دیئے ہیں، اور کس کو کتنے پیسے دیئے ہیں۔ اور اگر یہ قرض لیا گیا ہے تو اس پر کتنا سود دیا جائے گا؟ یہ بات عوام کو معلوم ہونا چاہیے۔ آپکی حکومت بھارت سے ''دوستی'' چاہتی ہے جبکہ اگر آپ بھارت کے رویے پر غور کریں تو وہ پاکستان سے کیا علاقے کے کسی بھی ملک سے دوستی نہیں علاقائی بالادستی چاہتا ہے اور امریکی پالیسی یہ ہے کہ ہر صورت خطے میں پاکستان کو بھارت کی بالادستی تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے، ایسی صورت میں آپکی حکومت کیا کرئے گی؟ اور اب آخری بات یہ ہے کہ قسمت سے مشرف آپکے ہاتھ آگے ہیں تو اُنکا اور کتنی بار استمال کرینگے۔ مثلا 24 جون کو جب آپ قومی اسمبلی میں تقریر کرنے کھڑئے ہوئے تو اسمبلی کے اندر اور باہر سب کا خیال تھا کہ آپ دہشت گردی، امن و امان اور بجٹ سے جو مہنگائی

ہوئی ہے اُس پر اپنے خیالات کا اظہار کرینگے مگر لگتا ہے آپ نے مشرف سے انتقام لینے
کے لیے وہ تقریر فرمائی تھی جس میں مشرف کے خلاف آرٹیکل چھ کا استمال
کرنا ہے۔آپ نے 24 جون کو ایک تیر سے کافی شکار کیے ، مہنگائی کا کیا حل ہے، لوڈ
شیڈنگ کب ختم ہو گی ، دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ اور باغیوں کی سرگرمیوں کو ختم
کرنے کے لیے آپ کی حکومت کیا کر رہی ہے اس سلسلے میں آپ سے کوئی سوال نہ ہو،
اور اب جب عاشورہ والے دن پنڈی میں جو المناک سانحہ پیش آیا تو اُس سے پورا ملک
پریشان تھا اور امید کر رہا تھا کہ آپکی حکومت کوئی سخت کارروائی کرئے گی، مگر اپنی
کمزوری چھپانے کے لیے ایک مرتبہ پھر مشرف کے خلاف کارروائی کرنے کا اعلان کیا گیا،
یہ بات اور ہے کہ سانحہ پنڈی کے سارئے مجرم آجتک نہیں پکڑئے گے ہیں، اور اگر
پکڑئے بھی جایں تو کیا ہوگا کیونکہ آپ بھی وہ ہی کر رہے ہیں جو زرداری نے کیا، ملک
میں آٹھ ہزار سے زیادہ پھانسی کے مجرم ہیں مگر طالبان کی ایک دھمکی کے بعد جن
مجرموں کو پھانسی دینے کا اعلان ہوا تھا وہ بھی منسوخ کردیا گیا، جس معاشرئے میں
مجرموں کو سزا نہیں ملتی وہاں جرائم امر بیل کی طرح سے بڑھتے ہیں اور پورئے
معاشرئے کو تباہ کردیتے ہیں۔
یہ تمام باتیں کرکے خوشی محمد جیسے ہی خاموش ہوئے تو نواز شریف نے پوچھا کہ یہ جو
تمام الزامات آپنے مجھ پر اور میری حکومت پر لگائے ہیں اسکا کوئی حل

ہے آپکے پاس، خوشی محمد نے فوراً کہا جی ہاں ہے، سنیے۔
نواز شریف صاحب یہ تو پانچ ماہ میں ثابت ہوچکا ہے کہ آپ اور آپکی ٹیم کی نااہلیت کی وجہ سے پاکستان کے عوام جو پہلے ہی پریشان تھے مزید پریشان ہوچکے ہیں، اُنکے لیے ضروریات زندگی کا حصول مشکل ہوگیا ہے، بجلی کا بل اُنکے اوپر بجلی بنکر گرتا ہے، امن و امان کی صورتحال مزید خراب ہوچکی ہے، اسٹریٹ کرائم، بھتہ خوری، اغواء برائے تاوان ، دہشت گردی اور ڈرون حملوں نے لوگوں کو نفسیاتی مریض بنادیا ہے۔ ایسے میں عوام کا طیش میں آنا اور آپکے خلاف ہونا قدرتی بات ہوگی، ویسے بھی فیصل آباد میں آپکے امیدوار کی ناکامی عوام کا آپکے خلاف پہلا اظہار ہے، پھر آرمی چیف کی تبدیلی ہورہی ہے کیا پتہ نیا آنے والا آرمی چیف مشرف جیسا ہو اور آپ اُس کا جہاز بھی زمین پر نہ اترنے دینے کی کوشش کریں اور پھر وہ آپکی حکومت کو فارغ کردئے، جلد ہی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار چوہدری بھی جانے والے ہیں جو آپکے کافی احسان مند بھی ہیں کہ مشرف کے زمانے میں آپ نے اپنے پیسے سے اور زرداری کے زمانے میں آپنے سیاسی جلوس نکال کر اُنکو بحال کرایا تھا، مگر آنے والے چیف جسٹس اگر جسٹس سجاد علی شاہ جیسے ہوئے تو وہ پہلے کی طرح آپکی حکومت کے خاتمے کا اعلان کرسکتے ہیں۔ اسلیے ان تمام مسائل کا ایک ہی حل ہے کہ ابھی تک جدہ کا سُرور پیلس خالی ہے اور اگلی دفعہ ،کا پتہ نہیں کہ کوئی جانے دے یا نہ جانے دئے

اسلیے ابھی وقت ہے" آؤ نواہر شریف جدہ چلیں"۔

ڈرون حملے اور ہماری سیاسی قیادت

امریکی ڈرون حملوں اور دہشت گردی نے ہر پاکستانی کو نفسیاتی مریض بنادیا ہے، مگر ہماری سیاسی قیادت وہی کردارادا کررہی جو تاریخ میں ایک افسوس ناک واقعے کی صورت میں لکھا ہوا ہے۔ آخری عباسی خلفیہ مستعصم باللہ کی حکمرانی کا دور تھا اورہلاکو خان خراسان، آذربائیجان اور ایران کو تہ و بالا کرنے کے بعد جب ایران سے عراق پر چڑھ دوڑنے کی تیاری کر رہا تھا، تو روائت ہے کہ اُس وقت بغداد میں حکمران اور علما اس بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ کوا حرام ہے کہ حلال۔ کوے کے حرام یا حلال کا تو پتہ نہیں مگر ہلاکو خان نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ حکمرانوں اور علماء کو چن چن کر قتل کیا اور انسانی کھوپڑیوں کے مینار کھڑے کردیئے۔ بدقسمتی سے یہ تاریخ پاکستان میں دہرائی جارہی ہے اور اس وقت پاکستان میں ہماری ساری سیاسی قیادت دہشت گردی اور امریکن ڈرون حملوں پر منقسم ہے جس کا ایک مظاہرہ تھوڑے دن پہلے حکیم محسود پر ڈرون حملے میں مارے جانے کی شکل میں سامنے آیا، اس مرتبہ بحث کوے پر تو نہیں ہورہی بلکہ اس بات پر ہورہی ہے کہ حکیم محسود شہید ہے یا نہیں، اس بحث کو اسقدر آگے بڑھایا گیا کہ عسکری ادارے کو بھی ایک بیان جاری کرنا پڑا اور واضح طور پر سوچ کی تقسیم دیکھی جارہی ہے۔

دوسری طرف یہ ہی حال ہر ڈرون حملے کے بعد سامنے آرہا ہے۔ حال ہی ہنگو میں ہونے والے حملے نے مرکز اور صوبہ پختون خوا کی حکومت کو آمنے سامنے لا کھڑا کیا ہے جبکہ کراچی میں انچولی کے مقام پر ہونے والی دہشت گردی اور طالبان کی طرف سے اسکی ذمیداری قبول کرنے کے بعد کراچی سے پشاور تک سیاسی قیادت ایک دوسرے کے خلاف بیان داغ رہی ہے۔ تحریک انصاف ڈرون حملوں کی وجہ سے نیٹو سپلائی کی بندش کے لیے کے پی کے میں دھرنوں کے زریعے اپنی طاقت کا مظاہرہ کر رہی ہے، سوائے جماعت اسلامی کے باقی ساری جماعتیں اس سے لاتعلق نظر آرہی ہیں، مسلم لیگ ن کی مرکزی اور پنجاب حکومت نے اپنی توپ کے دھانے تحریک انصاف کی طرف کیے ہوئے ہیں۔ امریکہ اس سارے منظر سے لطف اندوز ہو رہا ہے کہ ڈرون حملوں کے ذمیدار ہم ہیں اور یہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں میں جب بھی نااتفاقیاں بڑھی ہیں دشمن فاہدے میں رہے ہیں۔ بدقسمتی سے اس وقت پوری مسلم دنیا دو حصوں میں تقسیم ہے، پرو امریکہ یا اینٹی امریکہ۔ پاکستان میں صورتحال اور بھی خراب ہے، یہاں حکومت چاہے فوجی ہو یا جمہوری دونوں صورت میں یہ پرو امریکہ ہوتی ہے اور عوام کی اکثریت امریکہ کے خلاف۔ کیا وجہ ہے کہ ہماری ہر حکومت پرو امریکہ ہوتی ہیں؟ اسکا پہلا جواب یہ ہے کہ ہماری معیشت امریکہ کے پاس گروی پڑی ہوئی ہے کیونکہ اب تک ہمارے جتنے بھی حکمراں آئے ہیں وہ ملک کے بجٹ

میں امریکی امداد کے محتاج ہوتے ہیں۔ آپ ایوب خان کے زمانے کا وہ شرمناک واقعہ یاد کرلیں جب پی ایل 480 کے معاہدے کے تحت امریکن گندم پاکستان آئی اور بندرگاہ سے اونٹ گاڑیوں پر لد کر یہ گندم جب گوداموں کی طرف روانہ ہوئی تو ہر اونٹ کی گردن میں "شکریہ امریکہ" کا بورڈ لٹکا ہوا تھا۔ پی ایل 480 کے معاہدے کے تحت یہ گندم پاکستان کو مفت دی گی تھی لیکن اس میں ایک شرط یہ تھی کہ یہ امریکن بحری جہازوں کے زریعے پاکستان آئے گی جسکا کرایہ حکومت پاکستان پاکستانی روپے میں ادا کرئے گی اور اسکا کوئی آڈٹ نہیں ہوگا، یعنی حکومت پاکستان کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ یہ پوچھ سکے کہ یہ رقم کس مد میں خرچ ہوئی، یہ ساری رقم امریکن سی آئی اے کو پاکستان میں پروان چڑھانے پر خرچ ہوئی۔ ایوب خان سے لیکر آجتک ہماری ہر حکومت سوائے کشکول کو پہلے زیادہ بڑا کرنے کے کچھ نہیں کررہی ہے۔ بدقسمتی سے آجتک ہماری سیاسی قیادت نے کرپشن کو تو بہت ترقی دی لیکن کسی بھی حکومت نے پاکستان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور ہم معاشی دلدل میں پھستے چلے گے، ہم ایک ایٹمی ملک ہونے کے باوجود 67 ارب ڈالر کے مقروض ہیں جسکی وجہ سے ہم امریکہ کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ پرو امریکہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم آجتک پاکستان میں ایک مضبوط سیاسی نظام نہیں لاپائے ہیں، اسکے ذمیدار ہمارئے سیاسی رہنما، ملٹری اور سول بیوروکریسی ہیں۔ جب آپکے گھر کی دیواریں مضبوط نہ ہوں تو ہر کوئی آپکے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہذا دنیا کے اس اہم جغرافیائی

خطے پاکستان میں مضبوط سیاسی نظام نہ ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی سازشیں ہوتی رہی ہیں اور ہورہی ہیں جس میں امریکہ کے ساتھ ساتھ ہماراپڑوسی ملک ہندوستان بھی شامل ہے۔آج ہمارے ملک میں ایک بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ ہماراہر حکمران امریکہ کی مرضی سے ہی حکومت میں آتا ہے، وہ اپنے ملک کے کم اور امریکن مفادات کے زیادہ محافظ ہوتے ہیں۔

ہماری موجودہ خراب صورتحال کی تمام تر ذمیداری امریکہ کی سازشوں اور ہماری حکومتوں پر ہے۔آج ایک طرف امریکہ ہمارے اوپر ڈرون حملے کررہاہے تو دوسری طرف دہشت گردی نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ 70ء کی دہائی تک خودکش دھماکے اور بلاامتیاز قتل و غارت ایک ناقابل تصور بات تھی۔امریکہ نے 70ء کی دہائی کے آخر میں افغانستان میں سوویت یونین کی پیش قدمی کو روکنے اور اپنے معاشی اور سامراجی بالادستی کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے خطے میں اپنے سب سے اہم حلیف پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق کے ذریعے افغان مزاحمت کاروں کو قومی مزاحمتی جنگ کی بجائے نام نہاد عالمی اسلامی جہاد کے نام پر دنیا بھر سے نام نہاد جہادیوں کو جمع کیا۔جنگ افغانستان میں سوویت یونین جو پہلے ہی معاشی بحران کا شکار تھا، اسکی شکست اور ٹوٹنے کے بعد دنیا میں طاقت کا توازن ختم ہوگیا اورپوری دنیاامریکہ کے سامراجی نظام کے شکنجے میں آگئی۔چنانچہ ہر فاتح کی طرح امریکہ

نے ایک نیو ورلڈ آرڈر کا اعلان کر دیا جس کا مقصد دنیا کو امریکی مفادات کے تحت لانا تھا۔ فاتحین افغانستان آجتک صرف اسی بات پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے دنیا کی ایک بڑی سپر پاور کو ختم کرنے میں ہراول دستے کا کام کیا ہے، لیکن کیا سوویت یونین کے زوال کے بعد فاتحین افغانستان نے اس کی جگہ لے لی۔ افغانستان میں جنگ کے دوران ہمارے فوجی حکمرانوں نے امریکہ کے ساتھ مل کر قومی آزادی کی جس تحریک کو مذہبی جنگ میں تبدیل کر دیا تھا اس میں شامل مجاہدین سوویت یونین کے منظر سے ہٹتے ہی پہلے ڈاکٹر نجیب کی حکومت کے ساتھ اور پھر آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ یوں اسلام کی خاطر لڑنے والے اب ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ جب تک یہ نام نہاد مجاہدین سوویت یونین کے خلاف لڑتے رہے امریکہ اور ہمارے حکمران خوش رہے۔ 9/11 کے بعد خود امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کر لیا، لیکن اس سے پہلے ان نام نہاد مجاہدین کو بندوق کے زور پر مخالفین کو قتل کرنے کا کھلا لائسنس مل گیا تھا۔ کل کے نام نہاد مجاہدین جو اب دہشت گردوں کا روپ اختیار کر چکے ہیں امریکہ کے ہی کارخانے میں ڈھالے گئے ہیں۔ اب ایک طرف امریکی ڈرون حملے ہیں جن میں دہشت گردوں کے علاوہ نہتے پاکستانی بھی ایک کثیر تعداد میں ہلاک ہو رہے ہیں تو دوسری طرف دہشت گردوں کے پاکستانیوں پر حملوں میں ابتک پچاس ہزار بے گناہ افراد مارے جا چکے ہیں۔

نو ستمبر کو جب نہ صرف ہمارے ملک کی سیاسی قیادت اور عوام طالبان سے مذاکرات پر اتفاق کر چکے تھے حکومتی تاخیر کی وجہ سے امریکہ نے ڈرون حملے کر کے اس سیاسی اتفاق کو سیاسی مخالفت میں بدل دیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نواز شریف غیر ملکی دوروں کے بجائے مذاکراتی عمل کو جلد از جلد شروع کرتے مگر وہ غیر ملکی دورے کرتے رہے۔ ایک بات تو طے ہے کہ امریکی ڈرون حملوں سے نہ صرف ہمارے معصوم لوگ مر رہے ہیں بلکہ ہماری خود مختیاری بھی مجروح ہو رہی ہے، جبکہ طالبان ڈرون حملے بند کرنے کا مطالبہ کرنے کی آڑ میں اپنی دہشت گرد کاروایاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسلیے ہماری ساری سیاسی قیادت کو یکجا ہو کر ڈرون حملوں کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے جبکہ دوسری طرف دہشت گردی ختم کرنے کے لیے بھی سب کا یکجا ہونا لازمی ہے۔ اگر ہماری حکومت امریکہ کے سامنے کھڑی ہوتی ہے تو شاید ہماری معاشی مشکلات اور بڑھ جایں، لیکن اگر ہم اپنے سارے ملکی وسائل کو استمال کریں اور کرپشن کی روک تھام کریں تو امید کی جا سکتی ہے کہ ہم اپنے معاشی مسائل پر قابو پا سکتے ہیں۔ کیا ہماری سیاسی قیادت اپنے سیاسی اختلافات وقتی طور پر بھول کر اس قومی مسلئے پر یکجا ہو سکتی ہے، اگر ایسا ہوا تو ڈرون حملے بھی رک سکتے ہیں اور دہشت گردی بھی ختم ہو سکتی بس آپس میں اتفاق کی ایک خواہش کی ضرورت ہے۔ مستقبل کا مورخ ڈرون حملے اور ہماری سیاسی قیادت کے متعلق کیا لکھے گا یہ ہماری سیاسی قیادت کے عمل سے وابستہ ہوگا۔

حکمرانوں بلوچستان کے لیے کچھ تو کرو

یہ کوئی آٹھ سال پرانی بات ہوگی کہ جدہ میں رہتے ہوئے جب میں جون کے مہینے میں تین بجے دوپہر گھر پہنچا تو سخت گرمی تھی، پتہ لگا کہ گیس کا سلنڈر ختم ہوگیا ہے اور کھانے کے انتظام کے لیے گیس کا سلنڈر لازمی چاہیے، ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ میرے گھر کے نیچے گیس کا سلنڈر بجنے کی آواز آئی، یہ طریقہ گیس کا سلنڈر بیچنے والے استمال کرتے تھے کہ اُن کے پاس گیس کا سلنڈر کھولنے کا جو اوزار ہوتا تھا اُس سے سلنڈر بجایا کرتے تھے۔ میں نے جلدی سے اُسکو اوپر سے ہی آواز دی اور اُسکو اشارہ کیا کہ وہ گیس کا سلنڈر لیکر اوپر آئے۔ طریقہ یہ تھا کہ یہ لوگ گیس کا سلنڈر دوکان سے 15 ریال کا لیتے اور سایکل پر رکھ کر پھرتے تھے اور ضرورت مندوں کو گھر پہنچا کر 20 ریال لیتے، عام طور پر یہ کام وہ لوگ کرتے تھے جو یا تو وہاں غیر قانونی رہتے تھے یا پھر وہ جو ویزا خرید کر جاتے اور کوئی کام نہ ملتا تو اس کام میں لگ جاتے۔ اُس نوجوان نے اپنی سایکل ایک لوہے کے پایپ سے باندھی اور گیس کا سلنڈر اپنے کندھے پر لاد کر اوپر لے آیا۔ کچن میں جا کر پرانے سلنڈر سے نئے سلنڈر کو بدل کر جب وہ جانے لگا تو میں نے اُس سے پوچھا اگر آپ کو پیاس لگی ہے تو پانی دوں، اُس نے فورا کہا جی مجھے پیاس لگی ہے، میں اُسکے لیے نہ

صرف پانی لے آیا بلکہ مشروب کی ایک ٹھنڈی بوتل بھی لے آیا اور اُسکو ایک کرسی دی کہ اس پر بیٹھ جایں، پہلے اُس نے پانی پیا اور پھر مشروب پی کر کھڑا ہوا تو پیسے دیتے وقت میں نے اُس سے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں، تو اس نے جواب دیا کہ میں بلوچ ہوں اور میرا تعلق بلوچستان سے ہے یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو اُس نے مجھے انگریزی میں کہا "جناب آپکے پانی کے لیے پوچھنے کا شکریہ اور آپکا خاص شکریہ مشروب پیش کرنے کا" اُسکو انگریزی میں بات کرنے پر میں چونک پڑا اور پوچھا آپ کی تعلیم کتنی ہے، پہلے وہ مسکرایا اور پھر بولا "ڈبل ایم اے"۔ یہ سنتے ہی مجھے غصہ آگیا اور میں نے اُس سے کہا کہ تم کو شرم نہیں آتی ہے کہ تم ڈبل ایم اے ہو اور یہ کام کر رہے ہو تو اُس نے جواب دیا مجھے کوئی نوکری نہیں ملی تو میں نے یہ کام شروع کر دیا، میرا غصہ تب بھی کم نہیں ہوا اور میں نے اُس سے کہا کہ اسطرح تم پاکستان کو بدنام کر رہے، تم واپس پاکستان چلے جاؤ وہاں تم کو لازمی نوکری مل جائے گی، اُس نے بجائے کوئی جواب دینے کے پرانا گیس کا سلنڈر اپنے کندھے پر رکھا اور سلام کرکے چلا گیا، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ میں اس بات کو بھول گیا۔

آج پاکستان کے تقریبا تمام اخبارات میں یہ خبر موجود ہے کہ "بلوچستان یونیورسٹی میں گذشتہ چھ ماہ سے اُسکے کسی بھی ملازم کو تنخواہ نہیں ملی ہے۔ وفاقی حکومت کی مسلسل عدم توجہی اور فنڈز کی عدم فراہمی کے نتیجے میں

یونیورسٹی انتظامیہ نے مرکزی حکومت سے مایوس ہوکر بالآخر فیصلہ کیا کہ تمام اساتذہ گورنر ہاؤس، وزیراعلیٰ ہاؤس اور دیگر اہم مقامات پر کشکول اٹھا کر بھیک مانگیں گے۔

بلوچستان یونیورسٹی اسٹاف ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر حکیم اللہ نے کہا کہ ہم نے اپنی مدد کے لیے آج سے بھیک مانگنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ 465 اساتذہ اور تقریباً 1200 ملازمین آج سے سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر آئینگے"۔ حکومت کی غفلت اور ہائیر ایجوکیشن کمیشن کی جانب سے فنڈ کی 50 فیصد کٹوتی سے بلوچستان یونیورسٹی میں تدریسی عمل رک گیا، جب کہ یونیورسٹی کے پاس اساتذہ سمیت دیگر ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے بھی رقم موجود نہیں۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبداللہ خان نے بتایا کہ وفاقی حکومت اور ایچ ای سی کو یونیورسٹی کے مالی بحران سے آگاہ کر دیا تھا۔ ایچ ای سی کی 50 فیصد کٹوتی سے بیرون ملک اسکالر شپ کے لیے گئے سیکڑوں طلبہ کی تعلیمی سرگرمیاں متاثر ہو رہی ہیں۔

بلوچستان کے شہر کوئٹہ سے 'وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز' کے زیر اہتمام 27 اکتوبر کی شام تیس افراد کا ایک قافلہ کراچی کے لیے پیدل روانہ ہوا۔ اس قافلہ کی قیادت ستر سال کے بزرگ قدیر بلوچ عرف ماما قدیر کر رہے تھے، قدیر بلوچ کے ساتھ اس لانگ مارچ میں 12 عورتیں اور 8 مرد شامل تھے۔ ان میں صاحب خان عمرانی کی بوڑھی والدہ اور محمد رمضان بلوچ کا دس سالہ بیٹا علی حیدر

کے علاوہ اور دیگر لاپتہ افراد کے رشتہ دار بھی شامل تھے۔ یہ قافلہ کوئٹہ سے کراچی
کلومیٹر کے فاصلے کو 27 دن میں روزانہ صبح 6 بجے سے شام 6 بجے پیدل سفر 730
کرکے کراچی پریس کلب پہنچا۔ ان بیس افراد میں بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کی
چیئرپرسن بی بی گل واحد خاتون ہیں جنھوں نے کوئٹہ سے کراچی تک لاپتہ افراد کے
لواحقین کے ساتھ یکجہتی کے لیے پیدل مارچ کیا۔ بی بی گل جاگرافی اور بلوچی زبان میں
ڈبل ایم اےٗ" ہیں اور گزشتہ ایک سال سے بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن سے"
وابستہ ہیں۔ ہاتھوں میں مقتول بلوچ دانشور اور شاعر صبا دشتیاری کی تصویر اور پیروں
میں ربڑ کی معمولی سی چپل، وہ کوئٹہ میں قتل کیے گئے لیاری کے رہائشی پروفیسر صبا کی
رشتے دار نہیں۔ ان کے گھر سے نہ کوئی لاپتہ ہوا اور نہ کوئی ناخوشگوار واقعے پیش آیا
لیکن وہ لاپتہ افراد کے لواحقین کے مارچ میں شریک تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انسانیت اور
ایک بلوچ کے ناتے انھوں نے لانگ مارچ میں شرکت کا فیصلہ کیا، یہ میری ذمہ داری
بنتی ہے کہ بلوچستان میں جو نسل کشی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ان کو دنیا
کے سامنے لانے کے لیے اس لانگ مارچ میں شریک ہوں اور دیکھوں کہ کون اس کی
حمایت کرتا ہے؟

بلوچستان میں مسلم لیگ ن ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ کی مخلوط حکومت میں شامل ہے اور
بڑی دیر کے بعد ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ اپنی کابینہ مکمل کرپائے ہیں۔ پہلے

کہا جاتا تھا کہ بلوچستان احساس محرومی کا شکار ہے جسکی وجہ بلوچستان کی پسماندگی ہے، لیکن اب حالات اس سے بہت آگے جاچکے ہیں۔۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ بدامنی اور لاقانونیت ہے، غیر مطمئن بلوچوں کی بغاوت اور ملک سے علیحدگی کی تحریک کنٹرول سے باہر ہو رہی ہے کوئٹہ سمیت صوبے کے مختلف علاقوں میں فائرنگ اور بم دھماکے روزمرہ کا معمول ہیں۔ فرقہ وارانہ دہشت گردی کے خونی واقعات کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری ہے، جس کے نتیجے میں ہزارہ برادری کے گھر گھر میں ماتم برپا ہے اور قبیلے کے ساٹھ فیصد پڑھے لکھے لوگ بلوچستان سے چلے گئے ہیں۔ مستونگ، قلات، خضدار اور دوسرے اندرونی علاقوں میں روزمرہ کے کام کرنے والے اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگ چکے ہیں، کئی پروفیسر، اسکول ٹیچرز، ڈاکٹر، صحافی، وکلا اور دوسرے ہنر مند لوگ قتل ہوچکے ہیں۔ دو سو سے زائد پروفیسر، ان گنت ٹیچر اور سرکاری ملازم نوکریاں چھوڑ کر یا تبادلے کراکے دوسرے صوبوں میں چلے گئے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے حفاظتی اقدامات اور مدافعانہ کاروائیوں کے باجود دہشت گردی جاری ہے۔ خوف و ہراس کی اس فضا میں ایک جائزے کے مطابق دوسروں کے علاوہ 60 فیصد بلوچ نوجوان بھی نفسیاتی مریض بن گئے ہیں۔ اپنی جان و مال کو لاحق خطرات کی وجہ سے لوگ خصوصاً تجارت، تعلیم صحت اور قانون کے پیشوں سے وابستہ اہل علم و ہنر صوبے سے نقل مکانی کر رہے ہیں۔

آج مجھے گیس کا سلنڈر لانے والا وہ بلوچ نوجوان یاد آ رہا ہے جو میرے یہ کہنے پر " کہ اسطرح تم پاکستان کو بدنام کر رہے ہو، تم واپس پاکستان چلے جاؤ وہاں تم کو لازمی نوکری مل جائے گی" کوئی جواب دیئے بغیر چلا گیا تھا، لیکن اگر آج میں اسکو ایسا کہتا تو وہ جواب میں کہتا کہ یہاں گیس کا سلنڈر بیچنا اس لیے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے مگر ہمارے ملک میں یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی ڈاکٹر کو تو چھ ماہ تک تنخواہ نہیں ملتی، میرے ماں باپ مجھے کہیں نہیں ڈھونڈتے ہیں کیونکہ میں ان سے دور ضرور ہوں مگر لاپتہ نہیں ہوں، انہیں یہ بھی فکر نہیں ہوتی کہ کوئی مجھے قتل کر دیگا یا کسی بم بلاسٹ کا شکار ہو جاونگا، لہٰذا میں جو ڈبل ایم اے ہوں گیس کا سلنڈر بیچ کر کچھ کما لیتا ہوں اور زندہ ہوں۔ گمشدہ افراد کے مسلئے میں نواز شریف الیکشن سے پہلے بہت تڑپا کرتے تھے، تڑپتے تو اور بہت سے مسائل پر بھی تھے مگر یہ کمبخت اقتدار سارے وعدے اور ساری تڑپ بھلادیتا ہے۔ مگر میں پھر بھی کہتا ہوں " حکمرانوں بلوچستان کے لیے کچھ تو کرو"۔

لکھ پتی مقروض پاکستانی قوم

بے باک صاحب محلے کے چوک میں کھڑے ہوئے گلو حلوائی کی دوکان سے قرض پر لائی ہوئی باسی مٹھائی بانٹ رہے تھے اور جب لوگ اُن سے پوچھتے کہ یہ کس خوشی میں تو فوراً خوش ہو کر کہتے لکھ پتی ہوگے لکھ پتی۔ ہمیں شوگر ہے مگر مفت میں مٹھائی مل رہی تھی اس لیے بے باک صاحب سے آگے بڑھکر گلے ملے اور اپنے قومی رہنماؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بے باک صاحب کے سامنے ہاتھ پھیلا دیے، بے باک صاحب نے ہمارے پھیلے ہوئے ہاتھ میں انکل سام کے انداز میں دو لڈو رکھے اور بولے لکھ پتی بننا مبارک ہو، بدبودار لڈو حلق سے اتارتے ہوئے ہم نے پوچھا کیا مطلب، ہم کیسے لکھ پتی ہوگے؟ تو بے باک صاحب بولے صرف آپ ہی نہیں پوری قوم بلکہ آنے والی نسل تک لکھ پتی ہوگی ہے۔ محلے میں رہنے والے سقراط صاحب جو اپنے لڈوُ کھا کر مزید کے لیے ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے خوش ہو کر لڈوں کے لیے ہاتھ پھیلائی آتی ہوئی تانیہ صاحبہ سے کہنے لگے مبارک ہوتانیہ جی ہماری پوری قوم لکھ پتی ہوگی ہے۔ تانیہ جی ذرا چونکی اور بے باک صاحب سے سوال کیا کہ آپکو کیسے پتہ چلا کہ ہم لکھ پتی ہوگئے ہیں؟ پہلے تو بے باک صاحب نے انکل سام کے انداز میں سقراط اور تانیہ جی کو لڈو دیئے اور بولے کیا آپ لوگ اخبار نہیں پڑھتے، ارے اخبار میں صاف صاف لکھا

ہے کہ ستمبر 2013ء کے اعداد و شمار کے مطابق ہر پاکستانی مجموعی طور پر 96422 روپے کا مقروض ہوچکا تھا تو لازمی ابتک لاکھ کا مقروض تو ہوگیا ہوگا تو ہوئے نہ لکھ پتی، اب یہ بات اور ہے کہ مقروض لکھ پتی۔

پاکستان میں کرپشن کا دور دورہ ہے، خصوصاً پاکستانی سیاست تو سرتاپا اس غلاظت میں لتھڑی ہوئی ہے۔ جو بھی حکمران آتا ہے وہ مختلف خفیہ و عیاں طریقے اختیار کرکے قومی خزانہ لوٹتا اور لوٹی ہوئی دولت اپنے اکاؤنٹس میں جمع کرا دیتا ہے۔ بینک بھی تعلقات اور اثرورسوخ دیکھ کر طبقہ بالا کو قرضے دیتے ہیں۔ قرضے لینے والے رقم کھاتے یا باہر لے جاتے ہیں اور انھیں واپس کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔ یوں تو کرپشن پاکستان بننے کے فورا بعد ہی شروع ہوگیا تھا مگر 1988ء کے بعد سیاست دانوں اور افسر شاہی کا یہ وطیرہ بن گیا کہ بھاری بھاری رشوتیں لو اور انھیں ذاتی اکاؤنٹس میں جمع کرا دو۔ ایک اندازے کے مطابق 1988ء کے بعد سے ابتک پاکستان کا قومی خزانہ کرپشن کی وجہ سے ساٹھ تا سو ارب ڈالر (54 کھرب 60 ارب روپے تا 90 کھرب 10 ارب روپے) سے محروم ہوگیا۔ 1988ء سے پاکستان پر دو خاندان یعنی بھٹو اور شریف خاندان حکمرانی کرتے رہے۔ جہاں تک قومی معیشت کی تباہی کا معاملہ ہے، ان میں زیادہ فرق نہیں۔ درمیان میں مشرف حکومت بھی آئی کرپشن جب بھی تھی مگر بھٹو اور شریف خاندان کی طرح نہیں۔ جنرل مشرف پر آپ بہت سارے الزامات لگا سکتے ہیں مگر معاشی کرپشن میں

بھٹو اور شریف خاندان بہت آگے ہیں۔

بینظیر بھٹو نے پہلی بار 1988ء میں اقتدار سنبھالا۔ 1990ء میں کرپشن اور اقربا پروری کے الزامات پر ان کی حکومت ختم ہوئی۔ 1993ء میں پھر حکومت میں آئیں۔ 1996ء میں کرپشن کے مزید الزامات نے دوبارہ ان کی حکومت برطرف کرادی۔ دونوں ادوار دیکھے جائیں تو بینظیر بھٹو اور آصف زرداری اس وقت کرپشن میں دھنس چکے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کنیڈا کی حکومت نے صرف اس بنیاد پر بینظیر بھٹو کو کنیڈا کا ویزہ دینے سے انکار کردیا تھا کہ ان پر سوئس عدالتوں میں کرپشن کے مقدمے چل رہے ہیں۔ آصف زرداری پر سوئس کمپنی ایس جی ایس کو ٹیکنا، دوبئی کی اے آر وائی گولڈ کمپنی سے سونے کی درآمد، ہیلی کاپٹروں کی خریداری، پولش ٹریکٹروں کی خریداری اور فرانسیسی میراج طیاروں کی ڈیل میں کمیشن لینے، برطانیہ میں راک وڈ سٹیٹ خریدنے، سوئس بینکوں کے ذریعے منی لانڈرنگ اور اسپین میں آئیل فار فوڈ سکینڈل سمیت متعدد الزام لگائے گئے۔ یہ بھی الزام لگا کہ آصف زرداری نے حیدرآباد، نواب شاہ اور کراچی میں کئی ہزار ایکڑ قیمتی زرعی اور کمرشل اراضی خریدی، چھ شوگر ملوں میں حصص لیے۔ برطانیہ میں نو، امریکہ میں نو، بلجیا اور فرانس میں دو دو اور دوبئی میں کئی پروجیکٹس میں مختلف ناموں سے سرمایہ کاری کی۔ جبکہ اپنی پراسرار دولت کو چھپانے کے لئے سمندر پار کوئی

چوبیس فرنٹ کمپنیاں تشکیل دیں۔

جنرل ضیا الحق نے 1980ء میں شریف خاندان کو ان کا ادارہ، اتفاق برادرز واپس لوٹا دیا۔ بعدازاں نواز شریف جرنیلوں سے تعلقات قائم کرنے میں کامیاب رہے۔ چنانچہ جلد ہی وہ پنجاب کے وزیرِ خزانہ بن گئے۔ انھوں نے سیاسی کامیابیاں تیزی سے حاصل کیں اور 1985ء میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ بعدازاں 1990ء میں وزیر اعظم بنے۔ 1980ء سے 1990ء تک نواز شریف خصوصاً پنجاب میں سیاہ و سفید کے مالک رہے۔ شروع میں ''اتفاق برادرز'' محض ایک فاؤنڈری کا مالک تھا۔ لیکن اگلے دس برس میں یہ ادارہ تیس کمپنیوں کا مالک بن گیا۔ یہ کمپنیاں اسٹیل، چینی، کاغذ اور ٹیکسٹائیل سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی مجموعی آمدن 400 ملین ڈالر (36 ارب کروڑ روپے) سالانہ تک پہنچ گئی۔ پاکستان میں یہ دستور ہے کہ جو اقتدار تک پہنچے، 40 وہ پھر جو چاہے کر سکتا ہے۔ بینظیر وزرداری کے مانند شریف خاندان نے بھی بیرون ممالک (آف شور) کمپنیاں کھولیں۔ انہی بیرونی کمپنیوں کی مدد سے شریف خاندان نے پھر پارک لین، لندن میں چار عالی شان فلیٹ خریدے جو مختلف ادوار میں ان کے زیرِ استعمال رہے۔ نواز شریف حکومت کے دونوں ادوار میں کرپٹ پاکستانی امرا وسیع پیمانے پر بینکوں سے قرضے لیتے رہے۔ دوسری طرف ٹیکسوں کی رقم چوری کرنا ان کا وطیرہ رہا۔ 1993ء میں جب نواز شریف کی پہلی حکومت ختم ہوئی، تو اتفاق گروپ دیوالیہ ہوگیا۔ اس

وقت گروپ کی صرف تین کمپنیاں کام کر رہی تھیں۔ بقیہ کمپنیوں پر تقریباً ساڑھے ساتھ ارب روپے کا قرضہ چڑھ چکا تھا۔ 1999ء میں جب مشرف حکومت نے نادہندگان کی فہرست شائع کی، تو انھوں نے چار ارب ڈالر (364ارب روپے) میں سے تین ارب ڈالر (273 ارب روپے) بینکوں کے لوٹانے تھے۔ فہرست کی رو سے شریف خاندان 60 ملین ڈالر (پانچ ارب 46 کروڑ روپے) کا نادہندہ تھا۔

موجودہ نواز شریف کی حکومت کے ابتدائی تین مہینوں کے دوران 1128ارب تک اضافہ ہوگیا ہے۔ شاید یہ اعداد و شمار اب تک دگنے ہو چکے ہوں لیکن اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق سرکاری قرضے اور واجبات جون 2013 کے آخر تک 16228 ارب روپے تھے جو ستمبر2013ء میں بڑھ کر 17356 ارب روپے تک جا پہنچے۔ ستمبر2013ء کے اعداد و شمار کی روشنی میں اس مدت تک ہر پاکستانی مجموعی طور پر 96422 روپے کا مقروض ہوچکا ہے جبکہ 2008ء میں ہر پاکستانی شہری روپے کا مقروض تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک اس رقم میں 59250 37172 روپے کا اضافہ ہوچکا ہے۔ 2012ء میں ہر پاکستانی شہری پر یہ بوجھ تقریباً80 ہزار روپے کے لگ بھگ تھا۔ یکم جولائی 2013ء سے ستمبر2013ء تک مقامی سطح پر قرضے اور واجبات بڑھ کر656 ارب روپے تک بڑھ گئے جس کا روپے کی بے قدری سے کوئی تعلق نہیں۔ زخموں پر نمک چھڑکنے والی بات تو یہ ہے کہ جون 2013ء میں اسٹیٹ بینک میں غیر ملکی کرنسی کے ذخائر 01.11 ارب ڈالرز تھے جو اب کم ہو

کر 04.3 ارب ڈالرز رہ گئے ہیں۔ اسٹیٹ بینک میں غیر ملکی کرنسی کے ذخائر میں 8 ارب ڈالرز کی کمی واقع ہوئی ہے۔ نواز شریف حکومت کے اقتصادی جادوگروں کے پاس سوائے پیلی ٹیکسی، لیپ ٹاپ یا اب نوجوانوں کو قرض دینے کے علاوہ کوئی اسکیم نہیں۔ مندرجہ بالا اعدادوشمار دیکھ کر لگتا ہے کہ کرپشن جاری ہے یہ بات اور ہے کہ غریب آدمی کا اب جینا مشکل ہوگیا ہے۔

بے باک جی آج تو آپ ہمیں گلوُ حلوائی کی دوکان سے قرض پر لائی ہوئی باسی مٹھائی کھلا کر یہ بتا رہے ہیں کہ ہم "لکھ پتی مقروض پاکستانی قوم" ہیں، مگر ایک بات یاد رکھیں کہ اس باسی مٹھائی سے اس قوم کی صحت ہی خراب نہیں ہو رہی بلکہ اُس کا دماغ بھی خراب ہو رہا ہے، بس دعا کریں کہ حکمراں اب بھی سنبھل جایں تو اچھا ہوگا ورنہ تاریخ بتاتی ہے کہ پھر حکمرانوں کا گریبان ہوتا ہے اور عوام کا ہاتھ اور اُس وقت ان کو بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔

حسینہ واجد میر جعفر کا روپ

یہ دسمبر 1971ء کی ایک دوپہر تھی، ابھی مشرقی پاکستان باقی تھا، ہم کراچی کی شارع عراق پار کررہے تھے، میں روڈ پار کرکے پیراڈائز سینما کی طرف پہنچ چکا تھا تو میرے ساتھ چلتا ہوا نذراسلام بیچ روڈ پر کھڑا ہوا مجھے پکار رہا تھا کہ یہاں آؤ، میں واپس پھر بیچ روڈ پر پہنچ گیا تو نذراسلام سے پوچھا کیا بات ہے یہاں کیوں کھڑے ہوگے، تو وہ بولا زور زور سے سونگھو اور بتاؤ اس سڑک سے کس چیز کی خوشبو آرہی ہے، میں نے ہنس کر اُسکو جواب دیا کہ یا تو جلے ہوئے ڈیزل کی بو ہے یا پھر گھوڑے کی لیت کی کیونکہ اس سڑک پر کبھی کبھی بھی چلتی ہیں۔ وہ بولا یہ ہی تو بے ایمانی ہے تم مغربی پاکستانیوں میں، پٹ سن ہمارا بیچتے ہو اور سڑکیں اپنی بنوالیتے ہو، قبول کرو یا نہ کرو تماری ہر سڑک سے ہماری پٹ سن کی بو آتی ہے۔ میں حیران تھا، میں نے نذراسلام سے پوچھا یہ بات تمیں کس نے بتای ہے کہ مشرقی پاکستان کا پٹ سن بکتا ہے اور مغربی پاکستان کی سڑکیں بنتی ہیں۔ وہ بولا اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مشرقی پاکستان میں ہر سال جو سمندری طوفان آتے ہیں اُنکو روکنے کے لیے کوئی کام کیوں نہیں ہوا۔ میں نے اسکو جواب دیا کہ تم اسٹیٹ بنک بلٹین اٹھا کر دیکھ لو، پاکستان بننے کے بعد سے ابتک مشرقی پاکستان اگرچہ 60 پیسے کماتا ہے مگر اُس پر پورا روپیہ خرچ ہورہا ہے، لیکن

یہ گھر کی بات ہے کون کم کما رہا ہے اور کون زیادہ، دو بھائیوں کے درمیان یہ نہیں سوچا جاتا۔ وہ بولا بہرحال وقت آ رہا ہے کہ اب ہم اپنی پٹ سن خود ہی فروخت کرینگے۔ نذر اسلام ایک عام مشرقی پاکستانی تھا اور اس کی نفرت کا آپکو اندازہ ہو جانا چاہیے۔ اب سوچیے ایک بنگالی کا مغربی پاکستان میں رہتے ہوئے نفرت کا یہ حال تھا تو اُس وقت مشرقی پاکستان میں جب سارا کھیل عوامی لیگ کے ہاتھ میں تھا تو عام بنگالی کی ہم سے نفرت کس عروج پر ہوگی۔ اور اس ساری نفرت کے پیچھے ہمارا ازلی دشمن بھارت تھا اور بھارت کا پٹھو تھا غدار شیخ مجیب الرحمان۔

سابقہ مشرقی پاکستان اور حالیہ بنگلہ دیش میں آج بھی پچیس فیصد سے زیادہ آبادی ہندوؤں کی ہے ان ہندوؤں میں سے اکثریت آج بھی ہندوستان کی وفادار ہے، پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان میں یہ پروپگنڈا عام تھا کہ مغربی پاکستان ان کو لوٹ رہا ہے. شیخ مجیب الرحمٰن 1947 میں پاکستان بننے کے فوراً بعد مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر پاکستان مسلم اسٹوڈنٹس لیگ قائم کرکے اردو کی مخالفت کرنا شروع کردی جس سے صاف ظاہر تھا کہ شیخ مجیب شروع ہی سے مسلم قومیت کے بجائے بنگالی قومیت کا علمبردار تھا اور اس نے مسلم لیگ کے بہت سے دوسرے رہنماؤں کی طرح مسلم لیگ کا ساتھ محض اس لیے دیا کہ وہ اس زمانے میں مقبول تحریک تھی۔ اور اس میں شامل ہو کر اقتدار حاصل کیا جاسکتا تھا۔ 1952ء

میں جب حسین شہید سہروردی نے عوامی لیگ قائم کی تو شیخ مجیب نے اس کی تشکیل میں حصہ لیا۔ 1965 کی پاک بھارت جنگ کے بعد بھارت نے مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کے زریعے مشرقی پاکستان کو علیدہ کرنے کی سازشیں تیز کر دیں۔ 1966 میں پہلی مرتبہ نیشنل کانفرنس لاہور کے اجلاس میں چھ نکات پیش کیے۔ دسمبر 1970 میں جب پاکستان کے عام انتخابات ہوئے تو شیخ مجیب کی عوامی لیگ نے 162 امیدوار کھڑے کیے، جن میں سے 160 کامیاب ہوئے، یہ ایک ناقابل یقین نتیجہ تھا۔ بنگلہ دیش بنانے میں بھارتی پروپگنڈا ایک بڑا موثر ہتھیار تھا، امریکہ، کنیڈا اور پورے یورپ میں ہر بنک کے باہر بھارت نے ایک بکس رکھا ہوا تھا جس کے اوپر ایک پوسٹر لگا ہوتا تھا جس میں دیکھایا گیا ہوتا تھا کہ پاکستانی فوجی بنگالی عوام کو مار رہے ہیں اور نیچے لکھا ہوتا کہ بنگالیوں کی مدد کریں، بھارتی پروپگنڈے کا مقصد پیسے حاصل کرنا نہیں ہوتا تھا لیکن جو بھی ایک سکہ اُس بکس میں ڈالتا تھا ساتھ ہی اسکی سیاسی ہمدردی بھی بھارتی پروپگنڈے کے ساتھ ہو جاتی تھی اور بھارت کا اصل مقصد بھی یہ ہی تھا۔ جبکہ دوسری طرف پاکستانی سفارت خانوں میں موجود بنگالی سفارتکار مسلسل غداری کا اعلان کر رہے تھے اور پروپگنڈے میں بھی ہم بہت پیچھے تھے۔ یحیٰ حکومت اس پورے سانحے کے دوران صرف ایک منظم مظاہرہ 14 اگست 1971ء کو لندن کے ٹریفیگل اسکوائر میں کرا سکی۔

جب 1971ء میں بنگلہ دیش بنا تو اس وقت انسانیت کو بربریت میں بدل دیا گیا۔ ایک طرف جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیمیں البدر اور الشمس کے کارکن انسانیت کے خلاف پوری بربریت کے ساتھ انسانوں کا قتل عام کرتے رہے تو دوسری طرف بھارتی فوجیوں نے مکتی باہنی کے بھیس میں غیر بنگالیوں کا قتل عام کیا۔ مجیب الرحمان جسکو گرفتار کرکے مغربی پاکستان لایا گیا تھا اپنی رہائی کے بعد ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں ایک جلسے میں دعوی کر رہا تھا کہ 30 لاکھ انسانوں کا قتل ہوا ہے جبکہ 5 لاکھ عورتوں کی آبروزی کی گی۔ یہ دونوں اعداد وشمار بین الاقوامی طور پر غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ جب خانہ جنگی ہوتی ہے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے، انسانیت کو دونوں طرف سے پامال کیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا خونی سانحہ تھا، پاکستان کی وزارت اطلاعات نے ایک کتاب " ٹیررز ان ایسٹ پاکستان" چھاپ کر یا تو اپنے سفارت خانوں کے زریعے تقسیم کی یا پھر لندن کے ٹریفیگل اسکوائر کے مظاہرے میں تقسیم کی، یہ کتاب آج بھی ریکارڈ کے طور پر وزارت اطلاعات میں موجود ہونی چاہیے۔ اس کتاب میں وہ تصاویر موجود تھیں جو انسانیت کو شرمارہی تھیں۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے جارہے تھے، بچوں کے پیٹوں میں بندوقوں کی سنگین ڈال کر انکو مردہ حالت میں اٹھا کر ناچا جارہا تھا۔ اگر یہ کتاب اُس وقت پاکستان میں منظر عام پر آجاتی تو شاید مغربی پاکستان میں جو بنگالی موجود تھے انکا حفاظت سے یہاں سے جانا ناممکن ہوتا۔

پندرہ اگست 1975ء جو بھارت کی آزادی کا دن ہے مجیب الرحمان اپنے پورے خاندان کے ساتھ اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں مارے گے، یہ وہی فوجی تھے جنھوں نے بنگلہ دیش کی جنگِ آزادی میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا تھا۔ مجیب الرحمان کی دو بیٹیاں ریحانہ اور حسینہ ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے بچ گئیں تھیں۔ مجیب الرحمان کی بچ جانے والی ایک بیٹی حسینہ واجد اس وقت بنگلہ دیش کی وزیراعظم ہیں، یہ اپنے باپ سے زیادہ بھارت کی وفادار ہے اور پاکستان سے اپنی نفرت کو کھلے عام ظاہر کرتی ہیں۔ یہ اس سے پہلے بھی اقتدار میں رہیں مگر 2008ء میں اُنکو پہلی مرتبہ دو تہائی کی اکثریت ملی تو اُنہیں یاد آیا کہ 1971ء کے نامکمل انصاف کو پورا کیا جائے، جبکہ مجیب بھٹو کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ 1971ء کے مجرموں کو عام معافی دی جائے گی اور ڈھاکہ پہنچ کر مجیب الرحمان نے اس کا اعلان بھی کیا تھا۔ بنگلہ دیشی حکومت نے ایک خصوصی ٹربیونل 2010 میں قائم کیا تھا جس کا مقصد ان ملزمان پر مقدمہ چلانا تھا جنھوں نے پاکستانی سکیورٹی فورسز کے ساتھ مل کر اس وقت کے مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بننے کی مخالفت کی تھی۔ پہلے ان کی تعداد تیس سے چالیس ہزار تھی لیکن اب یہ تعداد سرکاری طور پر سولہ سو کے لگ بھگ ہے۔ عبدالقادر ملا حسینہ واجد کی نفرت کا پہلا شکار بنا۔

ہیومین رائٹس واچ، ایمنسٹی، امریکا، یورپی یونین، جرمنی، برطانیہ، آسٹریلیا اور اقوام متحدہ نے دوہزار دس میں وار کرائمز ٹریبونل بنانے کا خیر مقدم کیا تھا۔ لیکن آج یہ سب تنظیمیں یک

زبان ہیں کہ مقدمات انصاف کے بین الاقوامی معیار کے مطابق نہیں چلائے گئے۔ حسینہ
واجد جو بھارت کی وفاداری میں میر جعفر کا روپ دھار کر اپنے ہی لوگوں کو پھانسی
چڑھارہی ہیں اور پاکستان سے اپنی نفرت کا اظہار کررہی ہیں انکو چاہیے کہ بھارت کے
بجائے بنگلہ دیش کی وفادار بنیں ورنہ بھارت کی وفاداری کرنے سے صرف میر جعفر ہی
بن سکی ہیں اور بھارت سے وفاداری کا صلہ اُنکے خاندان کو بھارت 15 اگست 1975ء
کو دے چکا ہے۔

محسن پاکستان، پاکستان پر رحم کریں

جنوری 2013 میں ، میں نے ایک طویل مضمون " کیا محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا سیاست میں آنے کا فیصلہ درست ہے؟" لکھا تھا۔ اس مضمون کو لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب جو محسن پاکستان کہلاتے ہیں سیاست میں آنے کے بعد تقسیم ہو جاینگے اور وہ سیاست سے دور رہیں تو اچھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جو ایک نہایت ہی شریف اور معصوم انسان ہیں اپنی شرافت اور معصومیت میں یہ دھوکہ کھاگئے کہ سیاست میں بھی لوگ اُن کو وہی مقام دینگے جو ایک ایٹمی سائنسداں کے طور پر محسن پاکستان کے خطاب کے ساتھ اُنکو ملا ہے۔ وہ بھٹو سے لیکر مشرف تک ہر حکومت کے قریب رہے ہیں اسلیے سیاست کا نشہ وہ بھی کر بیٹھے اور ایک سیاسی جماعت تحریک تحفظ پاکستان کے نام سے بنائی ۔ الیکشن سے پہلے اور الیکشن کے بعد اُنکو جو سیاسی تجربہ ہوا اور انکی جماعت کا جو رزلٹ آیا اُس نے آخرکار انکو مجبور کیا کہ وہ سیاست سے دور ہو جایں۔ عملی سیاست سے دور ہونے کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے اپنے بیانات اور مضامین کے زریعے اپنے آپ کو سیاست سے دور نہیں کیا۔ ڈاکٹر صاحب کافی عرصہ سے روزنامہ جنگ میں مضامین لکھ رہے ہیں، انکے مضامین کبھی سماجی اور کبھی سیاسی ہوتے ہیں۔ لیکن حیرت انگیز طور پر گذشتہ 28 اکتوبر سے ابتک ڈاکٹر صاحب اپنے پانچ مضامین میں پاکستان کے ایک کٹر مخالف مولانا

ابو کلام آزاد کے ہم خیال بنے ہوئے ہیں، ڈاکٹر صاحب بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ بانی پاکستان قائدا عظم محمد علی جناع مولانا آزاد کو سخت ناپسند کرتے تھے اور انکو کانگریس کا شوبوائے کہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے 28 اکتوبر 2013 کے مضمون پاکستان کا مستقبل" میں لکھتے ہیں " ہمیں پاکستان حاصل کئے 66 سال ہو گئے۔ اس" کے حاصل کرنے میں ہم نے بے حد قربانیاں دیں۔ علامہ اقبال کی نصیحت و رہنمائی اور قائدِ اعظم اور ان کے ساتھیوں کی انتھک، مخلصانہ اور بے لوث قیادت نے ہمیں پاکستان دلوادیا۔ اس میں ہندوستان کے مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں وہ دنیا کی کسی اور قوم نے اپنے ملک کو حاصل کرنے کے لئے نہیں دیں"۔ آگے چلکر اسی مضمون میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ " انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا ایک خاص غلام طبقہ پیدا کرلیا اور یہی طبقہ آج تک ہم پر مسلط ہے۔ بہرحال ان کی تمام سازشوں اور تدبیروں کے باوجود ہندوستان اور پاکستان کا قیام وجود میں آگیا۔ سر ونسٹن چرچل کی پیشگوئی جو انہوں نے ہندوستان کو آزادی دینے کے خلاف کی تھی۔ ”اقتدار بے ایمانوں، بدمعاشوں، گھٹیا، غیر ذمہ دار، قانون شکن لٹیروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا، تمام ہندوستانی لیڈر بدکردار اور بیکار و بے قیمت ہوں گے۔ ان کی زبان چرب و میٹھی ہو گی مگر دل احمقانہ ہوں گے۔ وہ آپس میں اقتدار کی خاطر لڑتے جھگڑتے رہیں گے اور ہندوستان سیاسی کشمکش کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔ ایک ایسا وقت آئے گا کہ جب ہوا اور پانی پر بھی ٹیکس ادا کرنا پڑے گا“۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے

ہیں کہ "چرچل ایک نہایت قوی ہیکل، دانشور اور اپنے وقت کا بہترین لیڈر تھا۔ وہ گاندھی کی عیاری و مکاری سے پوری طرح واقف تھا جبکہ بیچارے 40 کروڑ ہندوستانی اُس کے جال میں اندھے تھے۔ اس کی پیشگوئی 100 فیصد صحیح ثابت ہوئی اور موجودہ حالات اس کا کھلا آئینہ ہے"۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اسی مضمون میں گاندھی اور نہرو کے بہت قریبی ساتھی مولانا ابوکلام آزاد کے ایک انٹرویو جو شورش کاشمیری کو اُن کے میگزین چٹان کو اپریل 1946 میں دیا تھا، اُس میں سے مولانا آزاد نے پاکستان کے بارے میں جو پیشگویاں کی تھیں اسکے چند اقتباسات لکھے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے وزیر تعلیم، اعلیٰ دینی عالم اور آزادی ہند کے ممتاز لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا ''ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ نفرت و حقارت پاکستان و ہندوستان کے تعلقات پر غلبہ پالیں گے۔ تقسیم ہند خود ایک بڑی رکاوٹ ہو گی نفرت تعلقات پر غلبہ پالے گی اور دونوں ممالک کبھی ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکیں گے اور آپس میں مسلسل لڑتے رہیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ مشرقی پاکستان زیادہ عرصہ تک مغربی پاکستان کا حصہ نہ رہ سکے گا کیونکہ بنگالی مسلمانوں نے کبھی کسی غیروں کی چوہدراہٹ قبول نہیں کی''۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے مولانہ آزاد کے انٹرویو سے دس عدد پیشگوئیاں بھی لکھی ہیں جو سب کی سب پاکستان کے خلاف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اگلے تین کالم میں جو

دو، نو اور سولہ دسمبر 2013 کو روزنامہ جنگ میں شایع ہوئے اس میں مولانہ آزاد کا انٹرویو تھا۔ اگر آپ اس پورے انٹرویو کو پڑھینگے تو یہ آپکو ایک ایسے سیاستدان کا انٹرویو لگے گا جو پاکستان اور قائدِاعظم کا بدترین مخالف تھا، مثال کے طور پر جب اُن سے کہا گیا کہ " بعض علماء بھی تو قائدِاعظم کے ساتھ ہیں"۔ تو مولانا آزاد کا جواب تھا " علماء اکبر اعظم کے ساتھ بھی تھے، اُس کی خاطر انہوں نے "دین اکبری" ایجاد کیا تھا، اس شخصی بحث کو چھوڑو، اسلام کی پوری تاریخ ان علماء سے بھری پڑی ہے جن کی بدولت اسلام ہر دور میں سسکیاں لیتا رہا۔ راست باز زبانیں چند ہی ہوتی ہیں"۔ ڈاکٹر صاحب نے اس انٹرویو کے بعد 23 دسمبر 2013 کو ایک اور مضمون "16 دسمبر 1971ء" کے عنوان سے لکھا جس میں وہ لکھتے ہیں "پاکستان ٹوٹنے کی پیشگوئی مولانا ابوالکلام آزاد نے 1946ء میں جناب شورش کاشمیری کو دیئے گئے انٹرویو میں کردی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ قائدِاعظم اور لیاقت علی خان کی رحلت کے بعد یہ واقعہ یقینی ہے"۔ اسی مضمون میں آگے چلکر ڈاکٹر صاحب نے ایک پیراگراف ایسا لکھا جس میں انکی پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ ناراضگی کا بھرپور اظہار ہے اور شاید 28 اکتوبر سے 23 دسمبر تک اُنکے لکھے ہوئے کا حاصل بھی ہے، وہ لکھتے ہیں "16 دسمبر 1971ء کے دردناک اور شرمناک واقعات دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھااور جب 18 دسمبر 1974ء کو ہندوستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تو مجھے پاکستان کا مستقبل نہایت تاریک نظر آیااور میں نے بھٹو صاحب کو اپنی خدمات

پیش کردیں۔ اپنے نہایت روشن مستقبل کو، آرام دہ اور باعزت زندگی کو خیرباد کہا، اس ملک کو دو ارب ڈالر کی دنیا کی مشکل ترین اور اہم ترین ٹیکنالوجی مفت دے دی اور اپنے محب وطن و مخلص ساتھیوں کی مدد سے اپنا خون پسینہ ایک کرکے سات سال میں ایک ایٹمی قوت بنادیا اور پھر چند سال بعد اس کو ایک میزائل قوت بنا کر ہمارے دشمن کے مذموم ارادوں کو خاک میں ملا دیا لیکن ہمارے حکمرانوں نے اپنی اسلامی تاریخی روایات (یعنی احسان فراموشی، نمک حرامی، ناشکری، حسد، بغض) پر عمل کرکے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان حکمرانوں اور اس ملک کی تاریخ پر ہمیشہ ایک سیاہ داغ رہے گا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے"۔

محترم ڈاکٹر صاحب! ہم پاکستانی جو اسوقت بٹی ہوئی قوم ہیں، ہم جو لسانی، مذہبی، علاقائی تعصب کا بھرپور شاہکار ہیں مگر اس کے باوجود ہم آپ کے حوالے سے اس بات پر متفق ہیں کہ آپ محسن پاکستان ہیں۔ ہم آپ کو اسلامی دنیا کے پہلے ایٹم بم کے خالق اور ہیرو کے طور پر جانتے ہیں۔ ہمیں یہ بتانے کی بھی ضرورت نہیں کہ ہمارے دل میں آپ کا کیا مقام ہے۔ آپکے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی ہیں یقینا وہ نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن آپ کی 28 اکتوبر سے 23 دسمبر 2013 تک کی تحریروں کو پڑھکر افسوس ہوا ہے، آپ نے خود بھی تسلیم کیا ہے کہ "میرے چند ہم وطن ''دانشوروں'' کو میرا مولانا ابوالکلام آزاد کا جناب شورش کاشمیری

کو دیئے گئے انٹرویو کو عوام کی خدمت میں پیش کرنا بہت ناگوار گزرا ہے"۔ جبکہ آپکی اپنی تحریروں میں بھی تضاد ہے، ایک طرف آپ لکھتے ہیں "علامہ اقبال کی نصیحت و رہنمائی اور قائدِ اعظم اور ان کے ساتھیوں کی انتھک، مخلصانہ اور بے لوث قیادت نے ہمیں پاکستان دلوادیا۔ اس میں ہندوستان کے مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں وہ دنیا کی کسی اور قوم نے اپنے ملک کو حاصل کرنے کے لئے نہیں دیں"۔ لیکن دوسری طرف آپ مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک سیاسی انٹرویو کو بنیاد بنا کر علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کی رہنمائی کی نفی کر رہے ہیں۔ چرچل نے جو بھی کچھ کہا تھا وہ نہرو اور گاندھی کو سامنے رکھ کر کہا تھا، یہ بات تو مولانا آزاد نے بھی کہی تھی کہ ہندوستان کی تقسیم کا ذمیدار نہرو ہے۔ مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے میں یقیناً ہماری غلطیاں ہیں لیکن کیا پاکستان نہ بنتا تو اب جو 50 کڑوڑ سے زیادہ مسلمان ہیں ،کیا ہندوں اُن 16 کڑوڑ مسلمانوں کو جو ہندوستان میں ہیں اُنکے حقوق دے رہے ہیں، ہر گز نہیں ، بہت کم تعداد میں جو مسلمان اعلیٰ پوزیشنوں پر نظر آئیں گے ان کی اکثریت ہندو کلچر میں رچی بسی ہے اور یہی ان کی ترقی کا راز ہے، جس کی ایک مثال موجودہ ہندوستانی وزیر خارجہ سلمان خورشید ہیں ۔ اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں سرکاری تقریب میں کسی نے اُن سے پوچھا کہ وہ مسلمان ہونے کے باوجود بھارت کے اس کلیدی عہدے پر کیسے پہنچ گئے، انھوں نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ ان کی بیگم ہندو ہیں۔ بقول ڈاکٹر صفدر محمود صاحب جن حضرات کو یہ "

حسن ظن ہے کہ پاکستان نہ بننے کی صورت میں مسلمان ہندوستان میں چالیس پچاس کروڑ ہوتے اور ہندوستان کی کل آبادی کا تہائی حصہ ہوتے جو تقسیم ہند کے وقت تھے وہ یقین رکھیں کہ پچاس کروڑ مسلمانوں کا بھی وہی حشر ہونا تھا جو آج ہندوستان میں پندرہ سولہ کروڑ مسلمانوں کا ہو رہا ہے"۔ محترم ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب اگر آپکو وقت ملے تو سیچر رپورٹ کا مطالعہ ضرور کیجئے جو ہندوں کی مسلمانوں سے دشمنی کی ہوشربا داستان ہے۔ آپسے گذارش ہے کہ " محسن پاکستان، پاکستان پر رحم کریں" اور متنازہ تحریریں نہ لکھیں۔

بھیڑیا اور شیر پاکستان کے معاشی قاتل

معاشی قاتل کے اعترافات ایک کتاب کا نام ہے جو ایک امریکی جان پرکنز نے لکھی ہے۔ یہ کتاب 2004 میں چھپی تھی۔ کتاب کے سرورق پر جو تصویر بنی ہے اس میں ایک گدھ دکھایا گیا ہے جس نے پوری دنیا کو اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا ہے اور پس منظر میں امریکی جھنڈا ہے۔ ہٹ مین کرائے کے قاتل کو کہتے ہیں۔ پرکنز اپنے آپ کو اکنامکس ہٹ مین کہتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ہم جیسے لوگوں کی تنخواہ بہت زیادہ ہوتی تھی اور ہم ساری دنیا کے ممالک کو دھوکہ دے کر کھربوں ڈالر کا کاروبار کرتے تھے۔ پرکنز کے مطابق اُسکا کام یہ تھا کہ ترقی پذیر ممالک کے سیاسی اور معاشی رہنماوں کو جھانسہ یا رشوت دے کر ترقیاتی کاموں کے لیے عالمی بینک اور یو ایس ایڈ سے بڑے۔بڑے قرضے لینے پر آمادہ کرے۔ اور جب یہ ممالک قرضے واپس کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے تو انہیں مختلف ملکی امور میں مجبوراامریکی سیاسی دباو قبول کرنا پڑتا ہے۔ پرکنز کے مطابق اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ عالمی بینک بھی معاشی کرائے کے قاتلوں کا ایک آلہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میرے کاموں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ایسے ممالک کو تلاش کروں جہاں قدرتی وسائل موجود ہوں۔ اور پھر ان ممالک کے لیے عالمی بینک اور اسکی ساتھی کمپنیوں سے بڑے۔بڑے قرضوں کا بندوبست کروں۔ ساری

رقم اور سود چند مٹھی بھر خاندانوں میں چلی جاتی جبکہ اس ملک کے عوام پر قرضوں کا ایسا انبار رہ جاتا تھا جو وہ کبھی ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ہم پھر واپس آتے اور کہتے کہ چونکہ تم قرض ادا نہیں کر سکے ہو اس لیے تمہارا قرض "ری اسٹرکچر" کرنا پڑے گا۔ اب آئی ایم ایف کو گھسنے کا موقع ملتا ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ [آئی ایم ایف] اُن سے کہتا کہ ہم تمہارا قرض ری اسٹرکچر کرنے میں تمہاری مدد کریں گے، پھر وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے بجلی اور پانی کے ذرائع ہمارے کنٹرول میں دے دو یا ہمیں فوجی اڈہ بنانے کی اجازت دی جائے یا ایسی ہی کوئی اور شرط۔ حتیٰ کہ وہ اسکولوں اور جیلوں تک کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

صدر مملکت ممنون حسین کا شکریہ کہ وہ ایک ایسا سچ بول گے جو نہ نواز شریف بول رہے ہیں اور نہ ہی وزیر خزانہ اسحاق ڈار۔ صدر مملکت ممنون حسین نے کہا ہے کہ حکومت اعلان کے باوجود قرضوں کا کشکول توڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک پر قرضوں کا بوجھ ساڑھے چودہ ہزار ارب سے تجاوز کر گیا ہے۔ قرضے ہمارے لئے افیون کا نشہ بن چکے ہیں۔ اس افیون کی عادت ختم کرنے کے لئے مزید افیون کھانا پڑ رہی ہے۔ ساتھ ہی صدر صاحب نے نواز شریف کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومت درست سمت میں گامزن ہے اس لئے عوام کو مہنگائی،
بیروزگاری، لوڈشیڈنگ اور دہشت گردی سے جلد نجات مل

جائے گی۔ پیپلز پارٹی کے 2008ء میں اقتدار میں آنے کے وقت پاکستان پر 34 ارب ڈالر کا قرض تھا جو 2013ء میں بڑھ کر 66 ارب ڈالر ہوگیا تھا۔ زرداری جو جنرل پرویز مشرف کو دودھ پینے والا بلا کہہ رہے ہیں مگر بقول ممتاز بھٹو" جس کو زرداری بلا کہہ رہا ہے اس سے ہی شہید بے نظیر نے معاہدہ کرکے این آر او پاس کروایا جس میں سینکڑوں پیپلیوں سمیت دیگر سیاستدانوں پر کرپشن اور قتل وغیرہ کے مقدمات معاف ہو گئے۔ اسکے بعد انہوں نے ہی اسکو صدر منتخب کرکے کرسی پر بٹھائے رکھا۔ تب تو یہی بلا بہت پیارا تھا اور اچھا بھی لگتا تھا لیکن اب اسکے دودھ پینے پر بھی اعتراض ہے"۔ اُس پر آئین سے غداری کے علاوہ اور بہت سے الزامات ہیں مگر ایک بھی کرپشن کا الزام نہیں ہے، جبکہ اپنے پانچ سالہ جمہوری دور میں زرداری اور اُنکے ہمنوا اس غریب ملک کی دولت کو بھیڑیوں کی طرح کھاتے رہے۔ پاکستان ساٹھ یا اکسٹھ سال میں جتنا مقروض ہوا تھا پیپلز پارٹی کی حکومت نے اپنے صرف پانچ سالہ دور اقتدار میں اُسکو دگنا کردیا، کوئی ادارہ پیپلز پارٹی کی لوٹ مار سے نہ بچا، یہاں تک کے حاجیوں کو بھی نہ بخشا۔ زرداری کے دونوں وزیراعظم کرپٹ ترین تھے، روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگانے والے دنیا کے بدترین لٹیرے ثابت ہوئے۔ یا تو نواز شریف بہت بھولے ہیں کہ اُن کو یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ پیپلزپارٹی نے ملک کو معاشی طور پر تباہ کردیا ہے یا پھر اب پانچ سال نواز شریف کمائینگے۔ زرداری نواز شریف گٹھ جوڑ کے تحت اب باری نواز شریف کی تھی لہذا نواز شریف

اپنے جلسوں میں معاشی بد حالی، کرپشن، لوڈ شیڈنگ، طرزِ حکمرانی اور بے روزگاری پر پیپلز پارٹی کی قیادت پر شدید تنقید کیا کرتے تھے اور وعدہ کرتے تھے کہ اگر ہماری حکومت آ گئی تو لوڈ شیڈنگ ختم کر دینگے، کشکول توڑ دینگے، بین الا قوامی قرضے لینا بند کر دینگے۔ لوگوں کو لگا شاید یہ کچھ کریں گے لہٰذا نواز شریف کو کامیاب کرواکر وزیر اعظم بنوادیا، مگر نواز شریف کا خیال ہے کہ چونکہ اب اُنکی باری تھی اسلیے وہ وزیر اعظم بنے ہیں۔ زرداری کو وہ حاجی کہتے ہیں اور زرداری اُنکو حاجی کہتے ہیں لہٰذا سات ماہ میں نواز شریف کی حکومت نے نہ تو کشکول توڑا اور نہ ہی عوام کو کسی قسم کی سہولت دی بلکہ عوام کی مشکلات میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ اتفاق سے نہ پیپلز پارٹی کے پاس اور نہ ہی مسلم لیگ نون کے پاس ایک بھی معاشی ماہر موجود نہیں ہے اور نہ ہی یہ جماعتیں اسکی ضرورت محسوس کرتی ہیں، انکا اقتدار میں آنے کا مقصد صرف اور صرف اپنے اثاثے بڑھانا ہوتا ہے، یہ علی بابا چالیس چور ہیں، انکو ملک سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ نواز حکومت میں اقتدار یا تو اُنکے خاندان میں بٹا ہوا ہے یا صرف چند قریبی دوستوں میں، کوئی وزیر خارجہ نہیں، وزیر خزانہ ایک چیف اکاونٹنٹ ہے جو پہلے بھی ایک ناکام وزیر خزانہ رہ چکے ہیں، لیکن کشکول کا سائز بڑا کرنے میں ماہر ہیں۔

صدر مملکت ممنون حسین کا کہنا تھا ابھی یہ حکومت تین سال اور قرضے کے لیے

بھیک کا پیالہ پھیلاتی رہے گی۔ پاکستان میں سیاست کے نام پر چند خاندان حکومت کر رہے ہیں جو اپنے مالی وسائل میں اضافے اور قومی وسائل کی لوٹ مار میں غرق رہتے ہیں۔ یہ ہی حکمراں اس بھیک کے پیالے میں پڑی ہوئی بھیک کو اپنا حق سمجھ کر لوٹ لیتے ہیں اور عوام کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان کے ان علی بابا چالیس چوروں نے پچاس ارب ڈالر سے زائد کی قومی دولت غیر ملکی بینکوں میں جمع کروا رکھی ہے۔ پاکستان کی ستر فیصد کے قریب آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے، جن کی روزانہ کی آمدنی دو سو روپے یا اُس سے کم ہے۔ ملک کی اکثریت کو پینے کا صاف پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہسپتالوں کے بستر ان مریضوں سے بھرے رہتے ہیں جو یہ پانی استمال کرتے ہیں۔ بچوں کی ایک بڑی اکثریت تعلیم سے محروم ہے۔ غیر ملکی قرضے یا بھیک ابھی تک پاکستانی عوام کی مشکلات بڑھاتے رہے ہیں، یہ عام آدمی کے کسی کام کے نہیں اور اس کے نتیجے میں آنے والی نسلیں بھی مشکلات کا شکار ہونگی۔ پاکستان بنیادی طور پر جن عالمی مالیاتی اداروں کا مقروض ہے انکا ہمیشہ سے مطالبہ غریب کش اور امرا نواز پالیسیوں کا نفاذ رہا ہے۔ اگر حکمراں چاہیں تو اپنے اثاثے بڑھانے کی جگہ پاکستان اور پاکستانی عوام کے لیے سوچیں تو یہ بھیک کا پیالہ ٹوٹ سکتا ہے۔ اسکے لیے ملک کے تمام وسائل کو استمال کیا جائے، صرف ٹیکس کا نظام ٹھیک کرلیا جائے تو شاید آئی ایم ایف کے پاس جانے کی ضرورت نہ پڑے مگر جہاں اسمبلی کے ممبران اور حکمران ہی ٹیکس ادا نہ

کرتے ہوں وہاں یہ سب دیوانے کی بڑ ہے۔ 2008ء میں ہر پاکستانی شہری 37000 روپے کا مقروض تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک اس رقم میں 63000 روپے سے زیادہ کا اضافہ ہوچکا ہے اور 31 دسمبر 2013ء تک ہر پاکستانی ایک لاکھ روپے سے زیادہ کا مقروض ہے۔ پیپلز پارٹی اپنے پانچ سالہ دور میں 34 ارب ڈالر سے قرض کو بڑھا کر 66 ارب ڈالر پر لے آئی تھی، لیکن مسلم لیگ نون کی حکومت جس حساب سے کشکول کا سائز بڑا کرتی جارہی ہے لگتا ہے یہ قرض کے ہندسے کو 100 ارب ڈالر تک پہنچا کر زرداری کو باری دیگی۔ کیا نصیب پایا ہے اس بدنصیب پاکستانی قوم نے کہ اُسکا صدر قوم کو بتا رہا ہے کہ "قرضے ہمارے لئے افیون کا نشہ بن چکے ہیں۔ اس افیون کی عادت ختم کرنے کے لئے مزید افیون کھانا پڑ رہی ہے"۔ لیکن افیون کھانے والے کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کبھی بھی افیون کھانا نہیں چھوڑتا ہے۔ آصف زرداری جن کی پیپلز پارٹی اسوقت بھی صوبہ سندھ میں حکومت کر رہی ہے، انہوں نے گڑھی خدا بخش میں ایک مرتبہ پھر نواز شریف کو یقین دلایا کہ وہ اُنکے ساتھ ہیں، ساتھ ہی انہوں نے مشرف کو بلا بنادیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ بلا دودھ پی گیا۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ بلا تو دودھ پی گیا لیکن بھیڑیا اور شیر پاکستان کے معاشی قاتل ہیں۔

مولانا فضل الرحمان کو راتب مل گیا

مولانا فضل الرحمان انتہائی چالاک اور معاملہ فہم سیاستدان ہیں، اپنی سیاسی پوزیشن کے بارے میں بھی وہ اچھی طرح جانتے ہیں، حکومت چاہے ضیاالحق کی ہو یا بینظیر بھٹو کی فضل الرحمان کو حکومت سے اپنا حصہ لینا آتا ہے، جس طرح مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہتی اسطرح فضل الرحمان کا بغیر اقتدار گذارا ممکن نہیں۔ حکومت چاہے فوجی ہو یا جمہوری مولانا فضل الرحمان آپکو حکومت میں ملینگے، یہ ہی انکی کامیابی ہے۔ جبتک راتب پرویز مشرف کے دربار سے ملتا رہا وہ مشرف کے ساتھ تھے۔ 2008ء کے انتخابات میں متحدہ مجلس عمل کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور چونکہ 2008ء میں مولانا کی جماعت جمعیت علمائے اسلام ف کو فوجی قیادت کی مدد بھی حاصل نہیں تھی اسلیے مولانا فضل الرحمٰن کو قومی اسمبلی کی 7 اور صوبائی میں خیبر پختونخواہ میں 14، بلوچستان میں 10 اور پنجاب میں صرف دو نشستیں ملیں۔

دو ہزار آٹھ میں مسلم لیگ ن کی حمایت ختم ہونے کے بعد میں پیپلز پارٹی کو مولانا کی دوستی بہت کام آئی۔ مولانا نہ صرف 2008ء میں قائم ہونے والی پیپلز پارٹی کے اتحادی بن گے بلکہ کشمیر سے متعلق خصوصی کمیٹی کی چیرَمین

شپ حاصل کی، مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے تو وہ کچھ نہ کرسکے لیکن اس چیئرمین شپ کے زریعے اپنے معاشی معاملات بہتر کرتے رہے۔ وہ، اُن کے بھائی اور اُن کی پارٹی کے ممبران حکومت کے اتحادی ہونے کے ناطے تمام مراعات بلکہ کچھ زیادہ ہی حاصل کرتے رہے، بلوچستان کا ہر ممبر تو وزیر تھا لٰہذا جو حاصل نہ ہوا ہو وہ کم۔ مولانا فضل الرحمان کی سیاسی چالوں کا تو ہر کوئی معترف ہے، 2010ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ کے حصول کیلئے مولانا نے متحدہ مجلس عمل کی بحالی کا ڈرامہ رچا کر کامیابی سے مولانا شیرانی کیلئے اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ حاصل کرلی۔ لیکن پیپلزپارٹی سے گلگت بلتستان کی گورنرشپ کا مطالبہ پورا نہ ہونے پر حکومت سے علیدہ ہوگے، پیپلزپارٹی کی حکومت کا وقت بھی ختم ہونے والا تھا اور مولانا فضل الرحمٰن کو پیپلزپارٹی کا آنے والے الیکشن میں انجام بھی صاف نظر آرہا تھا۔ اس پورے وقت میں جب قوم کو بے روزگاری، مہنگائی اور خونریزی کا سامنا تھا، پیپلزپارٹی کے اتحادی مولانہ فضل الرحمان اور انکے ساتھیوں کا روزگار اپنے عروج پر تھا۔

مئی 2013ء کے الیکشن کے موقعہ پرپہلے تو انہوں نے متحدہ مجلس عمل کے مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے کی کوشش کی مگر انکے پرانے اتحادی ان کی چال میں نہ آئے۔ مولانا فضل الرحمان ابھی سیاسی ہاتھ پیر مار رہے تھے کہ اچانک دسمبر

2012ء میں علامہ طاہر القادری پاکستان آئے اور پاکستانی سیاست پر چھا گئے اور جب جنوری 2013ء میں علامہ نے اسلام آباد میں دھرنا دیا تو پاکستان کی سیاست میں ایک بھونچال آگیا۔ نواز شریف کو اپنی آتی ہوئی باری دور جاتی نظر آئی تو انہوں نے ایک کانفرنس میں ان جماعتوں کو بلالیاجو یا تو حکومت مخالف تھیں یا پھر وہ علامہ طاہر القادری کے دھرنے کے خلاف تھیں۔ مولانا فضل الرحمان بھی اس کانفرس میں شامل تھے۔ چار دن بعد علامہ طاہر القادری کا دھرنا تو ختم ہوگیا مگر انہوں نے نواز شریف کے دربار میں مستقل دھرنا دیدیا، پہلے تو وہ مسلم لیگ ن کے ساتھ سیٹ ایڈ جسٹمنٹ کی کوشش میں لگے رہے لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ نواز شریف کے اقتدار میں آنے کے بعد انہوں نے نواز شریف کے دربار سے راتب کے حصول کی کوشش شروع کردی۔

مولانا فضل الرحمان نے سب سے پہلی کوشش صوبہ خیبر پختونخواہ میں تحریک انصاف کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کی تھی مگر نواز شریف یا تو اس گندے کھیل میں اُن کے ساتھ شامل نہیں ہوئے یا پھر اُن میں اتنی ہمت نہ آپائی، لہٰذا وہ اسلام آباد کی فکر میں زیادہ لگے رہے۔ ماضی میں مولانا فضل الرحمٰن حکومتوں کا حصہ اپنی شرائط پر بنتے تھے تاہم اس مرتبہ صورتحال ذرا مختلف ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ پہلے وہ امریکی سفیر سے ملے، بغیر کسی شرط کے قومی اسمبلی میں پہلے اسپیکر اور پھر ڈپٹی اسپیکر کے منصب کے لئے مسلم لیگ ن کے امیدواروں کو، اور وزیراعظم کے لیئے نواز شریف کو ووٹ دیا، بلوچستان میں مخلوط حکومت کی حمایت کا اعلان

بھی کیا۔ لہٰذا اس قدر وفاداری کے بعد راتوں رات زرداری کیمپ چھوڑ کر نواز شریف کیمپ میں آنے والے مولانا فضل الرحمٰن کو نواز شریف نے اُن کی ایک دو پسندیدہ وزارتوں کو کا دلاسہ دیا تھا۔

ایک طویل عرصے سے اقتدار کے مزے لوٹنے والے مولانا فضل الرحمان اور انکے ساتھی نواز شریف کو مختلف طریقے سے اپنی وفاداری کا یقین دلا رہے تھے، نواز شریف کے ناکام دورہ امریکہ کو مولانا فضل الرحمان واحد سیاستدان تھے جنھوں نے اُسکو کامیاب قرار دیا، نواز شریف کو وہ یہ تاثر دیتے رہے کہ طالبان سے صرف وہی مذکرات کرا سکتے ہیں، وہ بہت اضطراب میں تھے کہ کب انکا اور اُنکے ساتھیوں کا وظیفہ جاری ہو۔ وہ میر تقی میر کے ان شعروں کے مانند تھے

بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے
میں جو بولا، کہا کہ یہ آواز
اُسی خانہ خراب کی سی ہے

آخر کار سات ماہ کے طویل انتظار کے بعد نواز شریف نے خانہ خراب کی آواز سن لی اور بالآخر وفاقی کابینہ میں توسیع کر دی اور جے یو آئی (ف) کو کابینہ میں نمائندگی دیدی، اکرم خان درانی اور سینٹر عبدالغفور حیدری وفاقی کابینہ

میں شامل ہوگے ہیں جبکہ مولانا فضل الرحمٰن ایک مرتبہ پھر کشمیر کمیٹی کے چیرمین بن گے ہیں جو ایک وفاقی وزیر کے برابر کا عہدہ ہے۔ مولانا فضل الرحمان اس سے پہلے بھی کشمیر کمیٹی کے چیرمین رہے ہیں لیکن صرف اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کے انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ کشمیر کے مسلئے پر نہ پہلے کچھ ہوا ہے اور نہ اب ہوگا لیکن وفاقی کابینہ میں شامل ہوکر مسلم لیگ ن کی حکومت میں اتحادی ہونے کے بعد اُن کا اگلا مشن تحریک انصاف اور مسلم لیگ ن کے اختلافات کو بڑھانا ہوگا اور اپنی سیاسی مہارت کے زریعے وہ یہ کوشش ضرور کرینگے کہ مسلم لیگ ن خیبر پختون خوا کی حکومت کو ختم کرنے پر آمادہ ہوجائے اور یہ نواز شریف کی ایک بہت بڑی سیاسی غلطی ہوگی۔ فی الحال تو سات ماہ سے جاری مولانا کی مسلسل محنت رنگ لے آئی ہے اور نواز شریف حکومت کی طرف سے مولانا فضل الرحمٰن کو راتب مل گیا۔

طالبان کے طالبان سے مذاکرات

جو نہ مذاکرات کا ہنر جانتے ہوں اور نہ ہی طاقت کے ذریعے دہشت گردی ختم کر سکتے ہوں ایسے رہنماؤں اور حکومتوں کا کیا کیا جائے ! ایک صوبہ کا آئی جی یہ اقرار کر رہا ہو کہ صوبہ کی 30 فیصد پولیس کرپٹ ہے، پولیس اور خفیہ اداروں کا یہ عالم ہے کہ امن قائم کرنے کے بجائے غنڈے اور قاتلوں کو پال رہے ہیں۔ اگر ریاست کے طول و عرض میں حالات کا نقشہ اس طرح ہو کہ روز بے گناہ مارے جا رہے ہوں اور قاتل بانگ دہل قتل کا اعتراف کر رہے ہوں اور حکومت کو کہہ رہے ہوں ہم تو ایسے ہی مارینگے تم کیا کرلوگے تو پھر ایک ناکام ریاست کا تصور ہی ذہن میں آئے گا۔طالبان سے مذاکرات حقیقی معنوں میں مذاق بن چکے ہیں۔ وزارت داخلہ کے اپنے بیان کے مطابق طالبان کے 45 سے زائد گروہ ہیں۔ ان میں سے کون پاکستانی ریاست سے نبرد آزما ہے اور کون عام انسانوں کا قتل عام کر رہا ہے؟ فرقہ وارانہ قتل و غارت گری میں کون مصروف ہے؟ طالبان کا کون سا گروہ کس کی ایما پر اغوا برائے تاوان کا دھندہ کرتا ہے اور اس کاروبار میں مزید کتنے حصہ دار ملوث ہیں؟ بھتہ خوری، ٹارگیٹ کلنگ، منشیات کی اسمگلنگ، ڈکیتیوں اور دوسرے جرائم میں کون کون سے گروہ سرگرم ہیں؟ طالبان کے پاس وہ کون سی عسکری تربیت، جدید اسلحہ یا لاجسٹک سپورٹ ہے کہ حکومت ان کے سامنے بے بس نظر آتی ہے؟

مذاکرات میں ایک سرکاری کمیٹی ہے جس میں چار ارکان شامل ہیں اور یہ چاروں ارکان طالبان کے پہلے سے ہی ہمدرد ہیں جبکہ تعجب ہے کہ طالبان نے اپنی مذاکراتی کمیٹی میں عمران خان کے ساتھ نواز شریف کا نام تجویز نہیں کیا کیونکہ 2012ء کے آخر میں طالبان نے نواز شریف، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان اور امیر جماعت اسلامی منور حسن کی مذاکرات سے متعلق ضمانت مانگی تھی۔ گزشتہ کئی مہینوں سے مذاکرات کا راگ الاپ کر اپنی سیاست چمکانے والے عمران خان اس ڈرامے کی حقیقت اور نتائج سے بخوبی آگاہ ہیں۔ شاید اسی لئے انہوں نے طالبان کی تجویز کا خیر مقدم تو کیا لیکن مذاکراتی کمیٹی کا حصہ نہیں بنے۔ کمیٹی میں عمران خان کی نامزدگی سے اب تک انہیں لبرل سمجھنے والی شہری مڈل کلاس کو تحریک انصاف کے اور خاصکر عمران خان کے نظریات کا علم ہوگیا ہوگا اور وہ جو عمران خان سے انقلابی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے اُن کی اکثریت اب جان چکی ہے کہ تحریک انصاف سیاسی اور نظریاتی طور پر مذہبی بنیاد پرستوں، خاص کر جماعت اسلامی کی نمائندہ تنظیم سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور عمران خان سیاسی طور پر منور حسن کے اسسٹنٹ ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان کو شاید یہ گھاٹے کا سودا نظر آیا لہٰذا انہوں نے بھی بات چیت کے عمل سے الگ رہنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ قیام امن سے متعلق قبائلی جرگہ پر قومی اتفاق رائے کے باوجود

حکومت نے اسے نظر انداز کیا ہے۔ ڈنڈہ بردار عورتوں کے ذریعے پورے اسلام آباد کو یرغمال بنانے اور درجنوں لوگوں کو شہید کروا کر خود برقعے میں شہادت سے راہ فرار اختیار کرنے والے لال مسجد کے مولانا عبدالعزیز بھی ان مذاکرات کے ذریعے پاکستانی آئین کو ختم کرنے کی کوشش میں پیش پیش ہیں۔

طالبان نے جن پانچ لوگوں کے نام دیئے یہ تمام کے تمام طالبان پرست ہیں، اس کے علاوہ دو کٹر طالبان پرست صحافی انصار عباسی اور اوریا مقبول جان بھی طالبان کی مذاکراتی ٹیم کی لسٹ میں شامل تھے۔ پاکستان کا ہر فرد اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ سرکاری اور طالبان کی بنائی ہوئی کمیٹیاں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ مذاکرات کے پہلے دن ہی سرکاری کمیٹی کے سربراہ عرفان صدیقی کہہ چکے ہیں کہ ہم دراصل ایک ہی ہیں۔ میڈیا پر روزانہ رات آٹھ بجے سے بارہ بجے تک بازار مذاکرات سجتا ہے اور مثبت پیش رفت کے منافقانہ بیانات کے باوجود مذاکراتی کمیٹیوں کے ممبران اچھی طرح جانتے ہیں کہ شروع سے آخر تک یہ سارا عمل ایک ڈھونگ ہے اسکے سوا کچھ نہیں۔ میڈیا پر ملنے والی کوریج کو طالبان پرست کمیٹی کے ممبران اپنے ایجنڈے کی تشہیر، ذاتی شہرت اور سیاسی مفادات کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ دونوں طرف طالبانی رجحان کی نمائندگی کرنے والے مذہبی انتہاپرست بیٹھے ہیں جسے ریاست کے بعض حصوں کی مکمل پشت پناہی کے باوجود آج تک 5 فیصد سے زیادہ ووٹ نہیں ملے۔ ان مذاکرات کی حیثیت شریعت کے

نفاذکے لئے حکمران طبقے کے طالبان پرست دھڑے کی آپکی بات چیت اور تبادلہ خیال سے بڑھ کے کچھ نہیں ہیں۔ جماعت اسلامی، جمیعت علمائے اسلام اور مذہبی انتہا پرستوں کے کچھ دوسرے سیاسی رجحانات کے مطابق پاکستان کا آئین شریعت سے مطابقت رکھتا ہے اور مسئلہ صرف آئین میں درج اسلامی نکات پر عمل درآمد کا ہے۔ دوسری طرف زیادہ شدت پسند ملا ہیں جو شریعت کا ذرا سخت ورژن نافذ کرکے ملا عمر کو امیر المومنین اور ملا فضل اللہ کو امیر بنانے کی باتیں کررہے ہیں۔

پاکستان کی 96 فیصد آبادی مسلمان ہے مگر بدقسمتی سے ہمارے علما اور مذہبی رہنماوں نے ان مسلمانوں کو سنی، شیعہ، وہابی، دیوبندی، بریلوی اور بہت سارے فرقوں تقسیم کردیا ہے۔ اگر آپ سیاسی یا مذہبی طور پر پوری ایمانداری سے پاکستان کے حالات کو دیکھیں تو آپکو پاکستان میں ہندو، عیسائی، قادیانی، سکھ، پارسی سب مل جائینگے لیکن مسلمان نہیں ملینگے، البتہ سنی، شیعہ، وہابی، دیوبندی، بریلوی اور بہت سارے فرقوں کے لوگ ضرور ملینگے، لیکن اگر ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ وہ صرف مسلمان ہے اور انسانیت پر یقین رکھتا ہے تو پھر ہمارے نام نہاد مذہبی ٹھیکیدار اُسکو لبرل، سیکولر بلکہ کبھی کبھی اُسے دہریہ یا کافر بھی کہہ دیتے ہیں لیکن کیا مجال اُسکو مسلمان مان لیں، دوسری طرف منافقت کا یہ حال ہے کہ چند مخصوص مذہبی سیاسی جماعتوں کے نزدیک

دہشتگرد اور ہزاروں انسانوں کے قاتل طالبان نہ صرف مسلمان ہیں بلکہ اُن میں سے کسی کے بیٹے ہیں تو کسی کے بھائی، جیسے کہ جمعیت علمائے اسلام (س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق اپنے آپ کو طالبان کا باپ کہتے ہیں اور جماعتِ اسلامی کے امیر منور حسن طالبان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ ایک طرف حکومت اس آپسی بات چیت کے زریعے مسائل کا شکار پاکستانی عوام کو بیوقوف بنا رہی ہے تو دوسری طرف خود کش حملوں اور بم دھماکوں کے زریعے معصوم انسانوں کی قتل و غارت گری مسلسل جاری ہے۔ دہشت گردی کی کم از کم ایک واردات ہر روز ہو رہی ہے جو "طالبان کے طالبان سے مذاکرات" کے فریب کو عیاں کرنے کے لئے کافی ہے۔

مذاکرات کی بانسری

اگر 1999ء میں نواز شریف کو رخصت نہ کیا جاتا تو ملا عمر اور طالبان کی طرز حکمرانی سے بے انتہا متاثر نواز شریف آج ہمارے وزیر اعظم نہیں بلکہ امیر المومنین ہوتے اور ہم ایک طالبانی ریاست ہوتے مگر کیا کہیں سابق صدر پرویز مشرف کو کہ انہوں نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ 2013ء کے پورے الیکشن مہم میں نواز شریف دوسرے مسائل کے علاوہ دہشت گردی کو بھی روتے رہے لیکن جیسے ہی اقتدار میں آئے وہ اپنے سارے وعدے فراموش کر بیٹھے۔ دوسری طرف طالبان جو 2012ء میں انکو اپنا ضامن کہہ چکے تھے اُنکے الیکشن میں کامیابی کے بعد دہشت گردی میں بے پناہ اضافہ کردیا جو ابتک جاری ہے۔ نواز شریف کی حکومت بنانے کے بعد تو طالبان کو انسانوں کو قتل کرنے کا کھلا لاسنس مل گیا، مگر جب عام لوگوں کا دباؤ پڑا تو طالبان سے مذاکرات مذکرات کا کھیل شروع کردیا جو گذشتہ چھ ماہ سے جاری ہے۔ حکومت نے مذاکرات کا مینڈیٹ حاصل کرنے کے لیے اے پی سی بلائی' ملک کی 12بڑی جماعتوں نے حکومت کو مذاکرات کا بلینک چیک دے دیا مگر اس کے جواب میں طالبان تباہی مچاتے جارہے ہیں۔طالبان کی طرف مذاکرات کا ہاتھ بڑھایا تو ابتک جواب میں طالبان سیکڑوں دہشت گرد حملے کرچکے ہیں، ہزاروں لوگ شہید ہو چکے ہیں۔ درمیان میں ڈرون حملے کے نام

پر ڈرامہ رچایا گیا، پھر ایک سرکاری مذاکراتی کمیٹی بنادی گئی، جواب میں طالبان نے اپنی ایک کمیٹی بنادی، دونوں کمیٹوں میں شامل افراد طالبان کے ہمدرد ہیں اور دہشت گردوں کو مجاہد کہتے ہیں۔ پنجاب تو کافی حد تک محفوظ رہا، لیکن باقی تین صوبے بری طرح دہشت گردی کا شکار ہیں۔ خیبر پختون خواہ جس میں سب سے زیادہ دہشت گردی ہورہی ہے وہاں کے لیڈر عمران خان بہادر ہیں، میں بہادر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ الیکشن سے پہلے عمران خان اپنا انتخابی نشان بلا گھما گھما کر سب کو ڈرایا کرتے تھے۔ الیکشن سے پہلے بہت بڑے انقلابی لیڈر تھے مگر اب طالبان کے ہمدرد ہیں، طالبان کی کسی بھی دہشت گردی پر افسوس ضرور کرتے ہیں لیکن اُسکے بعد قوم کو ڈرانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، حادثہ کی جگہ پر ہی کہہ دیتے ہیں آپریشن کا کوئی فاہدہ نہیں ہوگا، نو سال سے آپریشن ہورہا ہے ہم نے کیا کرلیا، لوگ بھی اب انکو کبھی طالبان خان اور کبھی بزدل خان کہہ دیتے ہیں، ویسے یہ جس تیزی سے مقبول ہوئے تھے اُسی تیزی سے غیر مقبول ہورہے ہیں۔ بزدلوں اور کاہلوں کی ایک ٹیم انکے ساتھ ہے جو انکی غیر مقبولیت میں اہم کردار ادا کررہی ہے۔

طالبان کے لفظی معنی کچھ بھی ہوں مگر ہمارے ملک میں طالبان عام طور پر دہشت گردوں کو کہا جاتا ہے، طالبان کے 45 سے زائد گروہ ہیں اور ہر گروہ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی قتل و غارت گری کی کسی بڑی مہم کا حصہ رہ چکا ہے اور اس کا

اقرار بھی کرچکا ہے، ان گروہ میں سے کوئی عام انسانوں کا قتل عام کررہا ہے تو کوئی فرقہ وارانہ قتل و غارت گری میں مصروف ہے، یہ اغوا برائے تاوان، بھتہ خوری، ٹارگیٹ کلنگ، منشیات کی اسمگلنگ، ڈکیتیوں اور دوسرے جرائم میں بھی مصروف ہیں۔ یہ صرف نام کے انسان ہیں خصلتیں سب کی درندوں جیسی ہیں، لہٰذا ان میں یہ احمقانہ تمیز کرنا کہ اچھے کون ہیں اور برے کون ہیں اسکی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ کسی درندے سے انسانیت کی امید نہیں کی جاسکتی۔ پاکستان میں طالبان کی دو قسمیں ضرور موجود ہیں ایک وہ ہیں جو قتل و غارت گری اور دوسرے جرائم کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی آڑ میں اُن کی حمایت کرتے ہیں۔ پاکستان کی تین مذہبی سیاسی جماعتیں جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام (ف) اور جمعیت علمائے اسلام (س) طالبان کی کسی بھی قتل و غارت گری کے بعد ان جماعتوں کے سربراہ سید منور حسن، مولانا فضل الرحمان اور مولانا سمیع الحق قطع نظر اس کے مرنے والوں سے ہمدردی کریں یہ طالبان کی صفایاں دینے لگتے ہیں، اُن کے ساتھ ہی کچھ صحافی جن میں خاصکر انصار عباسی اور اوریا مقبول جان صحافت کی آڑ میں طالبان کی ہمدردی میں پیش پیش ہیں۔ گذشتہ 9 سال میں کسی بھی حکومت نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف کبھی کوئی ڈھنگ کا آپریشن کیا ہی نہیں اور نہ ہی اُن کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش کی، کراچی اسکی واضع مثال ہے۔ طالبان دہشت گردوں کے ہمدرد مذہبی سیاسی رہنما اور صحافی ایک ہی بات کی رٹ لگائے

ہوئے ہیں کہ طالبان سے مذاکرات کریں، چاہئے وہ کتنی بھی دہشت گردی کریں۔ یہ کہتے ہیں دہشت گردی طالبان نہیں بلکہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت کروا رہے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو حکومت مذاکرات کا ڈرامہ رچا رہی ہے وہ کس لیئے۔ جب دہشت گردی امریکہ، اسرائیل اور بھارت کروا رہے ہیں تو پھر مذاکرات طالبان سے کیوں؟ ان سے کیوں نہ کیئے جایں جو پاکستان میں دہشت گردی کروا رہے ہیں؟ یہ رپورٹس تو ایک عرصے پہلے منظر عام پر آچکی ہیں کہ دہشت گرد طالبان، اس کی دیگر ذیلی تنظیمیں جو پاکستان میں دہشت گردی کر رہی ہیں اُن کے امریکہ، اسرائیل اور بھارت کی ایجنسیوں سے گہرے روابط ہیں۔

اسلام آباد کے تازہ واقعہ کے بعد قوم اب یہ جاننا چاہتی ہے کہ مذاکرات کا یہ ڈرامہ کب تک چلے گا۔ جب روم جل رہا تھا تو "نیرو" بانسری بجا رہا تھا، موجودہ حکومت عوام کو بتائے کہ اور کتنے عرصے وہ مذاکرات کی بانسری بجائے گی۔ پاکستانی فوج پر ساری قوم بھروسہ کرتی ہے کیا اسکا کام بھی اب مذاکرات کی بانسری بجانا رہ گیا ہے؟۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ لاشوں کے ڈھیروں اور قبرستانوں کو کسی فوج یا محافظ کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ جب تک طالبان کے ہمدرد موجود ہیں یہ ہوتا رہے گا، جبتک یہ مذہب کے ٹھیکدار، یہ طالبانی صحافت کے علمبردار موجود ہیں یہ ہی کچھ ہوگا۔ رہی بات حکومت کی تو طالبان کا سربراہ ملا عمر تو نواز شریف کا آیڈیل ہے۔ ٹیپو سلطان انگریزوں سے لڑتے

ہوئے شہید ہوگے، شہادت سے پہلے ٹیپو سلطان سے جب ایک افسر نے کہا کہ 'آپ انگریزوں سے عافیت طلب کرکے اپنے خاندان کو رسوا ہونے سے بچالیں تو غیرت مند ٹیپو سلطان نے پلٹ کر غصے سے جواب دیا "گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے"۔ آج ٹیپو سلطان کا کہا ہوا یہ قول تو امر ہے مگر کیا کہیں شیر کے نشان پر جیتنے والے نواز شریف اور انکے ساتھیوں کا عمل اس قول کے برعکس ہے۔ اس وقت عملی طور پر طالبان بلواسطہ پاکستان پر حکومت کر رہے ہیں۔ آیئے خیبر پختون خوا کے بہادر چیف منسٹر پرویز خٹک کی دعا میں شامل ہوتے ہیں کہ اللہ ہمیں طالبان سے بچاے کیونکہ ہم خود کچھ نہیں کر سکتے۔ دہشتگردی دو ہی صورت میں ختم ہوگی یا تو طالبان کے غلام بن جاو یا پھر طالبان کو تباہ کردہ۔ مذاکرات کا ڈرامہ اس کا حل نہیں۔

صحرائے تھر میں بچے مرے تو روٹی ملی

کافی عرصہ ہوا ایک ترک افسانے کا اردو ترجمہ پڑھا تھا جو آج قحط زدہ صحرائے تھر کے حالات دیکھ کر یاد آگیا۔ افسانہ دراصل میاں بیوی اور تین بچوں پر مشتمل گھرانے کی کہانی تھی جو جیسے تیسے زندگی گذار رہا تھا۔ گھر کا سربراہ بیمار ہوا تو جو جمع پونجی تھی وہ اُسکے علاج معالجے پر لگ گی مگر وہ بچ نہ سکا اورایک دن بچوں کو یتیم کر گیا۔ رواج کے مطابق تین روز تک پڑوس سے کھانا آتا رہا، چوتھے روز بھی وہ مصیبت کا مارا گھرانہ کھانے کا منتظر رہا مگر لوگ اپنے اپنے کام دھندوں میں لگ چکے تھے، کسی نے بھی اس گھر کی طرف توجہ نہیں دی۔ بچے بار بار باہر نکل کر سامنے والے سفید مکان کی چمنی سے نکلنے والے دھویں کو دیکھتے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے لیے کھانا تیار ہو رہا ہے۔ جب بھی قدموں کی چاپ آتی انھیں لگتا کوئی کھانے کی تھالی اٹھائے آ رہا ہے مگر کسی نے بھی ان کے دروازے پر دستک نہ دی۔ ماں تو پھر ماں ہوتی ہے، اس نے گھر سے کچھ روٹی کے سوکھے ٹکڑے ڈھونڈھ نکالے، ان ٹکڑوں سے بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دیا۔ اگلے روز پھر بھوک سامنے کھڑی تھی، گھر میں تھا ہی کیا جسے بیچا جاتا، پھر بھی کافی دیر کی تلاش کے بعد دو چار چیزیں نکل آئیں جنھیں کباڑیے کو فروخت کرکے دو چار وقت کے کھانے کا انتظام

ہو گیا۔ جب یہ پیسے بھی ختم ہو گئے تو پھر جان کے لالے پڑ گئے۔ایک تو باپ کی جدائی کا صدمہ اور اوپر سے مسلسل فاقہ، آٹھ سالہ بیٹے کی ہمت جواب دے گئی اور وہ بخار میں مبتلا ہو کر چارپائی پر پڑ گیا۔ دوا دارو کہاں سے ہو، کھانے کو لقمہ نہیں تھا، ماں بخار سے آگ بنے بیٹے کے سر پر پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی، جب کہ پانچ سالہ بہن اپنے ننھے منے ہاتھوں سے بھائی کے پاؤں دبا رہی تھی۔ اچانک وہ اٹھی، ماں کے پاس آئی اور کان سے منہ لگا کر بولی:۔

اماں بھائی کب مرے گا؟۔

ماں کے دل پر تو گویا خنجر چل گیا، تڑپ کر اسے سینے سے لپٹا لیا اور پوچھا، میری بچی، تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟۔

بچی معصومیت سے بولی: "ہاں اماں! بھائی مرے گا تو کھانا آئے گا ناں"۔

دو ہزار آٹھ سے 2013ء تک مرکز اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران سپریم کورٹ نے سندھ کی قائم علی شاہ حکومت کو نا اہل قرار دیا تھا، اگر مرکز میں پیپلز پارٹی کی حکومت نہ ہوتی تو شاید سندھ میں گورنر راج آ جاتا۔ بدنصیبی سے سندھ میں پیپلز پارٹی اپنی پانچ سالہ بری کارکردگی کے باوجود دوبارہ سندھ میں برسراقتدار ہے اور قائم علی شاہ ہی وزیراعلی ہیں۔ قائم علی شاہ کی گذشتہ 5 سال میں جو کارکردگی رہی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ کسی چھوٹے سے شہر کے لیے بھی کچھ نہیں کیا، صرف لوٹ مار اور اقرباپروری میں مصروف قائم

علی شاہ کی حکومت ہر شعبہ میں ناکام رہی ہے۔ امن و امان کی صورتحال بدترین ہے، اسٹریٹ کرائم، ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری، اغوابرائے تاوان اور کرپشن عام ہے۔ رشوت لے کر نوکریاں دی جاتی ہیں ، لہٰذا کارکردگی صفر ہے، مگر سندھ کے لوگوں کی بدنصیبی کہ ابھی تک ذوالفقار علی بھٹو اور بینظیر بھٹو کے نام پر نام نہاد پیپلز پارٹی نے پورے سندھ کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ آصف زرداری کے سپوت اور پیپلز پارٹی کے سرپرست اعلی بلاول کی سرپرستی میں یکم فروری سے آٹھ فروری تک سندھ کلچرل فیسٹول منایا گیا جس میں سندھ حکومت نے کروڑوں روپے خرچ کیے۔ اس فیسٹول کے افتتاح سے صرف ایک دن پہلے سندھ کے ایک حصے صحرائے تھر میں وزیراعظم محمد نواز شریف اور سابق صدر آصف علی زرداری نے 31 جنوری 2014ء کو 1.6 ارب ڈالر کے تھر کول منصوبے کا افتتاح کیا تھا۔ تھر کول میں 175 ارب ٹن سے زائد کوئلے کے ذخائر وجود ہیں اور یہ مقدار سعودی عرب اور ایران کے تیل کے مشترکہ ذخائر سے زیادہ ہے۔ تحقیق کے مطابق اگر ان ذخائر کو استعمال کیا جائے تو اس سے 200 سال تک ایک لاکھ میگا واٹ بجلی پیدا ہو سکتی ہے۔ پاکستان کے سنہرے مستقبل کا خواب ہے یہ تھر کول منصوبہ، لیکن افسوس جس وقت اس منصوبے کی بنیاد رکھی جارہی تھی اور پھر اگلے آٹھ دن دن تک سندھ کلچرل فیسٹول کے نام پر بلاول کے دوستوں کی مہمان نوازی کی جارہی تھی اور کروڑوں روپے خرچ کیے جارہے تھے، ٹھیک اُس وقت صحرائے تھر کے باشندے مصنوئی قحط سالی کے باعث خوراک اور صاف پانی کی کمی کی وجہ سے بیمار ہو کر موت کی

آغوش میں چلے جانے والے اپنے بچوں کو دفنانے میں مصروف تھے اور ابھی تک ہیں۔
کہا جاتا ہے کہ صحرائے تھر، جہاں انسانی زندگی بارش کی محتاج ہے، ابر رحمت برسے تو
جل تھل ایک ہوجاتا ہے، جانوروں کیلئے چارہ بھی دستیاب ہوتا ہے اور انسانوں کو
خوراک بھی، مگر دو سال سے بارش نہ ہونے پر تھرپارکر قحط سالی کا شکار
ہے۔جانوروں کے بعد بھوک و افلاس نے انسانی زندگیوں کو نگلنا شروع کردیا ہے،
حکومت نے تھرپارکر کو آفت زدہ تو قرار دے دیا مگر متاثرین کیلئے مختص گندم محکمہ
خوراک کے گوداموں میں سڑتی رہی۔غذائی قلت کا شکار معصوم بچے مختلف بیماریوں
میں مبتلا ہوکر دم توڑتے رہے ہیں، ضلعی ہیڈ کوارٹر مٹھی کے سرکاری اسپتال میں گزشتہ
تین ماہ کے دوران علاج کیلئے لائے گئے بچوں میں سے دسمبر سے ابتک 150 سے
زیادہ بچے ہلاک ہوچکے ہیں۔ مارچ کے شروع تک نہ تو مرکزی حکومت کو ہوش تھا اور
نہ ہی سندھ کی صوبائی حکومت کو لیکن جب میڈیا نے لگاتار اس خبر کو نشر کرنا شروع کیا
تو سب جاگ گے، وزیراعظم نے نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی جو اب تک سو رہی تھی
اُسکو ہدایت کی ہے کہ وہ امداد فراہم کرنے کے لیے سندھ اتھارٹی سے رابطہ کرے۔
سندھ حکومت بھی جاگی اور دس کڑوڑ روپے کی امداد کا اعلان کیا، دس مارچ کو
وزیراعظم نوازشریف نے مٹھی کا دورہ کیا، ایک ارب روپے کی امداد کا اعلان کیا جسکے
بارئے اُس وقت ہی شبہ ظاہر کیاگیا کہ اس رقم میں خردبرد ہونے کا اندیشہ ہے۔پاکستان
کی

تمام این جی اوز بھی پہنچ گی ہیں، ڈالر ایڈ پر چلنے والی این جی اوز کو ڈالر کمانے کا سنہری موقعہ دستیاب ہوا ہے، سیاسی جماعتیں بھی امداد کے نام پر اپنی سیاست چمکانے میں لگی ہوئی ہیں۔ البتہ کچھ این جی اوز اور کچھ ادارئے واقعی مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کررہے ہیں۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور اجناس میں خود کفیل ہے، خشک سالی ایک قدرتی عمل ہے جبکہ قحط انسانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے، اسلیے یہ کہنا کہ یہ ایک قدرتی آفت ہے قطعی غلط ہوگا، سوائے صحرائے تھر کے باقی پورئے ملک میں بارشیں بھی ہوئیں اور اجناس کی پیداوار بھی ہوئی۔ یوایس ایڈ نے قحط کو تباہ کن غذائی بحران قرار دیا ہے جو بڑے پیمانے پر غذائی قلت اور اموات کا باعث ہوتا ہے۔ حکومت سندھ نے اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں دی کہ تھرپارکر نے خشک سالی سے قحط کی جانب سفر شروع کردیا ہے۔ وفاقی حکومت بھی سمجھنے میں ناکام رہی کہ خشک سالی قحط میں تبدیل ہو رہی ہے۔ خشک سالی سے قحط تک کافی وقت تھا، مگر حکمراں یا تو سوئے ہوئے تھے یا اپنی کرپشن میں مصروف تھے، یہ ہی وجہ ہے کہ گندم گوداموں میں تو موجود تھی مگر ضرورت مند ترستے رہے۔ وزیر اعلی سندھ فرماتے ہیں کہ تھر میں گندم درست طریقے سے تقسیم نہ ہوسکی جس کی وجہ سے مسئلہ پیدا ہوا۔ صحرائے تھر میں خشک سالی وقفوں سے بارہا ہوتی رہتی ہے، جو بچے مرئے ہیں یا اب بھی ہسپتالوں میں ہیں اُسکی اصل ذمیدار حکومت سندھ ہے جو

اپنی لاپرواہی کی وجہ سے خشک سالی کو قحط میں تبدیل ہونے سے روکنے میں ناکام رہی۔ یہ قحط اور اموات سندھ حکومت کی نااہلیت اور کرپشن ہے۔

ترک افسانے کے آخر میں بچی اپنی ماں سے پوچھتی ہے کہ "بھائی کب مرے گا؟" ۔ اور پھر ماں کے سوال کے جواب میں بچی معصومیت سے بولی: "ہاں اماں! بھائی مرے گا تو کھانا آئے گا ناں"۔ ٹھیک اسطرح ہی سپریم کورٹ میں قحط کے اوپر "از خود نوٹس" کی سماعت کے دوران ایک جج صاحب نے بھی اٹارنی جنرل سے یہ سوال کیا تھا کہ "کتنے بچے مرینگے توآپکی حکومت حرکت میں آئے گی؟"۔ سندھ فیسٹیول کے نام پر ثقافت کا جشن منانے اور کروڑوں روپے اڑانے والی سندھ حکومت کو نہ ہی بلکتے بچوں کی صدائیں سنائی دیں اور نہ ہی ماؤں کے بہتے ہوئے آنسوں کا اُن پر اثر ہوا، لیکن میڈیا کے شور مچانے اور مرنے والے بچوں کی تعداد منظر عام پر آنے سے حکومت سندھ حرکت میں آئی، پوری طرح تو اب بھی پریشان حال لوگوں تک امداد نہیں پہنچ پائی ہے، لیکن امداد شروع ہوگی ہے۔ سپریم کورٹ کے جج کے سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ صحرائے تھر میں بچے مرے تو روٹی ملی"۔

پاکستان اور ہندوستان کے سرحدیں دیوار برلن نہیں

بھارتی فلم انڈسٹری کے لیجنڈ اداکار اوم پوری کسی بھی کردار میں اپنے آپ کو ڈھالنے میں جواب نہیں رکھتے۔ اُن کے ہدایت کار اُن کو جو بھی کردار ادا کرنے کو کہتے ہیں یا جو مکالمے اُن کو بولنے کو کہا جاتا ہے وہ کبھی بھی اپنے ہدایت کار کو مایوس نہیں کرتے۔ اوم پوری بھارت کی کچھ ایسی فلموں میں کام کرچکے ہیں جو پاکستان مخالف تھیں، جس کے لیے انہوں نے اپنے حالیہ دورہ پاکستان کے شروع میں کہا کہ اُن کو پاکستان مخالف فلموں میں کام کرنے پر افسوس ہے اور آئندہ وہ کسی پاکستان مخالف فلم میں کام نہیں کرینگے بلکہ انہوں نے بھارتی حکومت سے اپیل بھی کی کہ وہ پاکستان مخالف فلموں پر پابندی لگادے۔ سب سے پہلے تو بھارت کے اس لیجنڈ اداکار کا شکریہ کہ وہ پاکستان آئے اور یہاں آکر انہوں نے اپنے اس گناہ کا اعتراف کیا کہ وہ کچھ ایسی بھارتی فلموں میں کام کرنے پر افسوس کرتے ہیں جو پاکستان مخالف تھیں۔ اتوار 16 مارچ کو بھارتی اداکار اوم پوری نے لاہور پریس کلب میں میٹ دی پریس میں بات چیت کرتے ہوئے بھارتی حکومت کے اکھنڈ بھارت کے کسی ہدایت کار کی وہ لائینیں دہرائی جو شاید اُن کو پاکستان روانگی سے قبل بتائی گیں تھیں ، بھارتی اداکار نے کہا کہ "برلن اپنی دیواریں گرا سکتا ہے، یورپ

ایک ہو چکا تو پاکستان اور ہم ایک کیوں نہیں ہو سکتے؟، کچھ لوگ نفرتیں پھیلا رہے ہیں اور ان کی تعداد اقلیت میں ہے اس کو کنٹرول کرنا کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں بلکہ حکمرانوں کا کام ہے حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ ایسے عناصر کو کنٹرول کریں"۔ بھارتی اداکاراوم پوری کا یہ بیان کسی اداکار کا بیان تو ہر گز نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ ایک مخصوص ذہنیت کے حامل سیاست داں کا بیان ہی کہلائے گا۔

دوسری عالمی جنگ میں جرمنی کے شکست کے بعد برلن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ مشرقی حصہ سوویت فوج کے زیراثر رہا، جبکہ مغربی حصہ امریکی فوج کے زیر کنٹرول تھا لیکن مشرقی و مغربی برلن کی سرحد پر تناؤ کی صورتحال تھی اورامریکی اور سوویت افواج تیسری عالمی جنگ کے دہانے پر کھڑیں تھیں۔ 1961ء میں مشرقی جرمنی کی کمیونسٹ حکومت نے ’’دیوار برلن‘‘ تعمیر کی جس نے آئیڈیلوجی کے ساتھ ساتھ خاندانوں، دوستوں اور ہمسایوں کو بھی جدا کر دیا۔ دیوار برلن ایک رکاوٹی دیوار تھی، یہ مشرقی و مغربی جرمنی کے درمیان حد بندی بھی مقرر کرتی تھی۔دیوار برلن کی تعمیر سے قبل 35 لاکھ مشرقی جرمن باشندے مغربی جرمنی ہجرت کر گئے، جن کی بڑی اکثریت نے مشرقی سے مغربی برلن کی راہ اختیار کی۔ 1961ء سے 1989ء تک اپنے وجود کے دوران دیوار برلن نے اس طرح کی ہجرتوں کو روکے رکھا اور 28 سال تک مشرقی جرمنی کو مغربی جرمنی سے

جدا کیے رکھا۔ 9 نومبر 1989ء کا دن جرمنی کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہے۔اس دن سرد جنگ کی یادگار دیوار برلن کو گرا دیا گیا۔ مشرقی برلن کے باشندوں کے احتجاجی مظاہروں اور بین الاقوامی دباؤ کے باعث مشرقی جرمنی کی حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور اس طرح جرمنی کے لاکھوں باشندوں کا خواب تکمیل کو پہنچا۔ اس رات دیوار برلن کے تمام دروازے کھول دیئے گئے۔اس موقع پر بے شمار جذباتی مناظر دیکھنے میں آئے۔ ہزاروں لوگ اپنے عزیزوں اور پیاروں سے ملے اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔

ہندوستان میں مسلمان اپنی آزادی کی جنگ 1857ء سے لڑ رہے تھے ۔ 90 سال کی جدوجہد کے بعد ایک جمہوری طریقے سے 14 اگست 1947ء کو مسلمانوں کو پاکستان کی شکل میں ایک ملک نصیب ہوا۔ جس کے بنانے کی وجہ دو قومی نظریہ تھا۔ دو قومی نظریہ صاف صاف کہتا ہے کہ ہندوستان میں اکثریت میں ہندو اور مسلمان دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں اور جن کا کسی بھی جگہ اشتراک نہیں۔ نہ ہی مذہبی طور پر، نہ ہی ثقافتی یا سماجی طور پر۔ اسکے علاوہ انگریزوں اور ہندوؤں نے مشترکہ سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کو معاشی اور تعلیمی میدان میں بہت پیچھے کر دیا تھا۔ یہ ہی وہ بنیادی نکات تھے جس کی بنیاد پر پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔یعنی وجہ پاکستان یہ تھیں کہ مسلمان اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگی گذاریں اور معاشی اور تعلیمی میدان میں آگے بڑھیں۔ مسلم ثقافت کے ساتھ اپنے

سماج کو انصاف کی بنیاد پر چلائیں۔ چودہ اگست 1947ء کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جو سرحدیں قائم ہوئیں اُن کو بھارتی اداکار دیوار برلن سے مشابہت دے رہے تھے، یا تو وہ تاریخ سے نابلد ہیں یا پھر وہ پاکستان آکر اپنے اُس ہدایت کار کی ہدایت پر عمل کررہے ہیں جس کی اُنکو ہدایت ملی تھی۔ پاکستان اور ہندوستان کی سرحدوں کو دیوار برلن سے مشابہت دینا ناقابل سمجھ ہے کیونکہ دیوار برلن ایک ہی قوم اور ایک ہی مذہب کے لوگوں کی تقسیم تھی اور یہ دیوار برلن کے رہنے والوں کی مرضی کے خلاف بنائی گی تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ 1989ء میں جب اس دیوار پر پہلا ھتوڑا مارا گیا تو بہت جلد یہ اپنا وجود کھو بیٹھی۔ پاکستان جو جمہوری طریقے سے عمل میں آیا اُس میں ہندوستان کے عام لوگوں کی مرضی شامل تھی اور خاصکر ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی مرضی شامل تھی ۔ یہ بات لازمی بھارتی اداکار اوم پوری کو معلوم ہو گی کہ ہندوستان نے تو کبھی پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کیا اور ہندوانتہا پرست اکھنڈ بھارت کا ہمیشہ نعرہ لگاتے رہے ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ اپریل سے ہونے والے ہندوستان کے انتخابات میں وہاں کے لیڈروں کی تقریریں عام طور پر پاکستان مخالف ہوتی ہیں۔

دنیا بھر میں کہیں بھی دیوار برلن کو پسند نہیں کیا گیا اور نہ ہی کسی دوسرے ملک نے کبھی بھی انسانوں کو تقسیم کرنے کا نفرت انگیز کام کیا مگر

ہندوستان وہ واحد ملک ہے جو دھوکے سے قابض مقبوضہ کشمیر میں دیوار برلن کی طرز پر دیوار برلن سے بڑی 198 کلو میٹر طویل اور 135 فٹ چوڑی دیوار کی تعمیر کے منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ بھارتی اخبار "دی اکنامک ٹائمز" کے مطابق جموں کو پاکستان سے الگ کرنے والی دیوار، دیوار برلن اور فلسطین کے علاقے مغربی کنارے میں اسرائیل کی تعمیر کردہ دیوار سے زیادہ بلند ہوگی اور اس کی اونچائی دس میٹر ہوگی۔ پاکستان سے ملنے والی جموں و کشمیر کی سرحد پر پہلے ہی بارہ فٹ کی دہری متوازی خار دار تاروں سے بنی دیوار موجود ہے لیکن بھارت نہ صرف پاکستانی علاقے پر قابض ہے بلکہ اب وہ جو دیوار قائم کر رہا ہے وہ کھلا ہوا ظلم ہے ، یہ دیوار جموں، کٹھوا اور سامبا کے دیہات کے درمیان سے گزرے گی، بارڈر سکیورٹی فورسز کے زیر اہتمام تعمیر 118 ہونے والی اس دیوار کا فنڈ بھارتی وزارت داخلہ کی جانب سے جاری ہوگا۔ بھارتی اداکار اوم پوری کو معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان اور ہندوستان کی سرحدیں تو ہرگز دیوار برلن نہیں لیکن ہندوستان وادی کشمیر میں دیوار برلن کی طرز پر جو دیوار تعمیر کرنا چاہ رہا ہے اُس سے نفرتوں میں ضرور اضافہ ہوگا۔ بھارتی اداکار کا یہ بیان سفارتی آداب کے بھی خلاف ہے جس کا پاکستانی وزارت خارجہ کو لازمی نوٹس لینا چاہیے ۔

حامد میر۔ جیو نیوز کا پاک فوج پر حملہ

پاکستان میں کسی کی بھی جان محفوظ نہیں اور خاصکر اُن کی تو بلکل نہیں جو اپنے خیالات کو اخبارات، میڈیا یا سوشل میڈیا کے زریعے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ پاکستان میں بے شمار صحافی صرف اس لیے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے کہ اُن کے خیالات سے اُن کے مخالفین متفق نہیں تھے۔ تازہ مثال "جیو نیوز کے اینکر حامد میر" کی ہے جن کو ہفتہ 19 اپریل کو اسلام آباد سے کراچی آمد پر قتل کرنے کی بھرپور کوشش کی گی۔ حامد میر کی اپنی ایک سوچ ہے اور وہ اپنی سوچ میں اکثر انتہا پسندی کو چھولیتا ہے۔ بلوچستان کے مسنگ پرسن ہوں، یا پرویز مشرف کیس حامد میر نے اپنا زہن فوج کے خلاف بنایا ہوا ہے، پرویز مشرف کیس میں وہ پرویز مشرف کی مخالفت میں ذاتی ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ وہ کوئی موقعہ نہیں چھوڑتا جب روزانہ اپنے پروگرام کیپٹل ٹاک میں بہانے بہانے سے فوج کو اور خاصکر آئی ایس آئی کو بدنام کرنے کی کوشش نہ کرتا ہو، گذشتہ ہفتہ تو پاکستان کا وزیر دفاع اور وزیر ریلوے بھی اُسکے ساتھ فوج کو بدنام کرنے میں پیش پیش تھے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے پاکستان میں لاکھوں لوگ اُس کے خلاف سوشل میڈیا اور دوسرے طریقے سے اُس کے خلاف لکھتے ہیں اور ذاتی طور پر میں بھی اُس کے خیالات کو سخت ناپسند کرتا ہوں

مگراپنے دل کی گہرائیوں سے حامد میر پر ہونے والے حملے کی مذمت کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی حامد میر کو جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔

ایک عرصے سے یہ خبر میڈیا میں گردش کر رہی تھی کہ کچھ صحافی حضرات دہشت گردوں کی ہٹ لسٹ میں موجود ہیں، ان میں ایک نام حامد میر کا بھی تھا، مسنگ پرسن اور کچھ صحافیوں کی موت کی وجہ سے آئی ایس آئی بھی بدنام ہے کہ یہ لوگوں کو غائب کرتی ہے اور کچھ صحافیوں کو مروانے میں اسکا ہاتھ ہے، آئی ایس آئی نے اسکو کبھی تسلیم نہیں کیا لیکن اس ادارئے کے کچھ لوگوں پر ذاتی طور پر یہ الزام ضرور لگا۔ حامد میر نے ایک عرصے سے اپنے ادارئے جنگ اور جیو میں ، کچھ صحافیوں اور اپنے جاننے والوں میں جس میں اُس کے خاندان کے لوگ بھی شامل ہیں یہ الزام لگانا شروع کردیا تھا کہ آئی ایس آئی اُسکو جانی نقصان پہنچانا چاہتی ہے، اس الزام کو آگے بڑھانے میں جنگ گروپ کے اخبارات اور جیو نیوز پیش پیش رہے، صحافت کی بے ایمانی کی انتہا یہ ہے کہ جنگ گروپ سے منسلک انصار عباسی جو طالبان دہشت گردوں کا کھلا حامی اور پاک فوج کا کھلا مخالف ہے وہ روز دو تین مضمون یا تو پاک فوج کے خلاف لکھتا ہے یا طالبان کی حمایت میں، جنگ گروپ اپنے اخبارات میں ان مضامین کو خبر کے طور شایع کرتا ہے اور جیو نیوز اُسکو خبر کے طور پر نشر کرتا ہے۔ خبر اور خیالات میں بہت فرق ہوتا ہے لیکن جنگ گروپ ایک عرصے سے یہ صحافتی بے ایمانی

کر رہا ہے۔ طالبان کے پجاری انصار عباسی اور جنگ گروپ اور جیو نیوز کے کرتا دھرتا اس بات کا کبھی ذکر نہیں کرتے کہ حامد میر کو نہ صرف طالبان دہشت گردوں سے بلکہ دوسری کالعدم تنظیموں سے بھی موت کی دھمکیاں مل چکی ہیں جبکہ حامد میر اپنے پروگرام میں خود اُسکا تذکرہ بھی کرچکا ہے، مگر امن کی آشا کا پجاری جنگ گروپ اور جیو نیوز کچھ اور کھیل کھیلنا چاہ رہے تھے۔

کراچی آمد کے فورا بعد شام پانچ بجے کے قریب حامد میر پر جان لیوا حملہ ہوتا ہے اور جیو نیوز اسکے کچھ منٹ بعد ہی اپنا مکروہ کھیل شروع کرتا ہے، اور کھل کر افواج پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیتا ہے۔ حامد میر کے بھائی عامر میر کے حوالے سے کھل کر آئی ایس آئی اور پاک فوج کے خلاف زہر اگلا جاتا ہے۔ "حامد میر کے بھائی عامر میر نے پندرہ منٹ سے زائد پاک فوج پر کیچڑ اچھالا جس میں اُس کا کہنا تھا کہ حامد میر نے ویڈیو پیغام ریکارڈ کروایا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اگر انہیں کچھ ہو جاتا ہے تو اس حملے کی ذمہ داری آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل ظہیر الاسلام ہوں گے۔ عامر میر نے کہا کہ پاک فوج ہماری ملازم ہے اور ہمارے ٹیکس کے پیسے پر پلتی ہے اور یہ ہمارے ملازم ہیں۔ ہم انہیں کسی بھی صورت اجازت نہیں دیں گے کہ وہ حق کی آواز کو دبا سکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ حامد میر نے کھل کر بلوچستان کے مسئلہ پر پاک فوج پر تنقید کی۔ ہم آئی ایس آئی کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم کسی سے نہیں

ڈرتے"۔ جیو نیوز جس طرح سے مسلسل افواج پاکستان کے خلاف اپنے رد عمل کا اظہار کر رہا تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ سب پہلے سے تیار منصوبے کے مطابق ہو رہا ہے۔ حادثہ کے صرف ایک گھنٹہ کے اندر ہی بغیر کسی ثبوت یا تحقیقات کے آئی ایس آئی پر الزام لگا دیا گیا۔ آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل ظہیر الاسلام کی تصویر مستقل جیو نیوز پر ایک مجرم کی حیثیت سے دکھائی جاتی رہی۔ جیو نیوز جسطرح پاک فوج کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہا تھا اُس نے بھارتی پروپیگنڈہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا جو بھارتی میڈیا پاکستان کے خلاف کرتا ہے۔ یہاں یہ بات قبل ذکر ہے کہ "ٹائمز آف انڈیا" نے اس واقعہ پر لکھا کہ وہ صحافی نشانہ بنے ہیں جن کو طالبان سے خطرہ تھا یعنی بھارت نے بھی اس طرح کا الزام نہیں لگایا جس طرح جیو نیوز کی جانب سے دیکھنے میں آئے۔

پاکستان کے تمام ٹی وی چینل نے حامد میر پر حملے کی خبر کو نشر کیا اور اسکے بعد دوسری خبریں نشر کیں جن میں سابق صدر پرویز مشرف کی کراچی آمد اور جیو نیوز کے الزام کے جواب میں آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل میجر جنرل عاصم باجوہ کی اِس الزام کی سختی سے تردید، اور حامد میر پر حملے اور آئی ایس آئی پر بلا ثبوت الزام کو افسوسناک قرادیتے ہوئے الزامات کی سختی سے تردید اور حملے کی آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ ترجمان میجر جنرل عاصم باجوہ نے نے کہا کہ بغیر کسی ثبوت آئی ایس آئی یا اس کے سربراہ کو حملہ کا

ذمہ دار قرار دینا 'افسوسناک' اور 'گمراہ کن' ہے۔ان کا کہنا تھا کہ آئی ایس آئی اور ادارے کے سربراہ پر الزامات لگانا افسوس ناک ہیں۔ جیو نیوز نے یہ دونوں خبریں نامکمل نشر کیں کیونکہ اُسکو پاک فوج کے خلاف پروپیگنڈے سے فرصت نہیں تھی۔ حامد میر پر حملے کے بعد سارے ملک میں ہر طبقہ اس کی مذمت کر رہا ہے۔ وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ، گورنروں، وزراء سمیت ہر کسی نے واقعے کی مذمت کی ہے۔ وفاقی حکومت نے سپریم کورٹ کو ایک خط لکھ دیا جس میں ایک عدالتی کمیشن بنانے کی درخواست کی گئی ہے۔ یہ کمیشن تین رکنی ہوگا اور تین ہفتوں کے اندر اپنی تحقیقات مکمل کرے گا۔ اس اقدام سے واضح ہے کہ حکومت کو بھی اس واقعے پر تشویش ہے اور وہ بھی تحقیقات کرانا چاہتی ہے کہ اس واردات کے محرکات کیا ہو سکتے ہیں۔ اسکے بعد آئی ایس پی آر کے سربراہ میجر جنرل عاصم باجوہ نے حامد میر پر حملے کی تحقیقات کے لئے حکومتی کمیشن کے قیام کے فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے تاہم انہوں نے کہا کہ قومی اداروں کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کی جائے گی، دفاعی اداروں کے خلاف بات کرنا ملک کو کمزور کرنے کے مترادف ہے، میجر جنرل عاصم باجوہ نے کہا ہم قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھتے ہیں، قانون کے مطابق چارہ جوئی کی جائے گی ،ڈی جی آئی ایس آئی پر الزامات جھوٹ پر مبنی اور گمراہ کن ہیں، یہ حملہ شر پسندوں کی کارروائی ہے۔ دفاعی ریاستی اداروں پر الزامات کا جواز نہیں بنتا، بے بنیاد الزامات سے جگ ہنسائی ہوئی ہے، انہوں نے کہا مسلح افواج ملک میں آزادی صحافت اور

جمہوریت کے استحکام کے لئے مثبت سوچ رکھتی ہیں۔

مسلسل چوبیس گھنٹے سے زیادہ جیو نیوز پاک فوج کے خلاف پروپیگنڈے کے بعد جو کچھ حاصل کرنا چاہ رہا تھا ایسا ممکن نہ ہوا بلکہ خود جیو نیوز کے پروگرام کے شرکا نے جن میں جیو نیوز سے منسلک اینکر پرسن بھی شامل تھے علاوہ انصار عباسی کے جیو نیوز کی پاک فوج مخالف پالیسی کی مخالفت کردی، اکثر شرکا نے آئی ایس آئی پر لگائے جانے والے الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا، جبکہ دوسری طرف یہ الزام بھی سامنے آیا کہ یہ حملہ طالبان نے کیا ہے۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس نے حامد میر پر قاتلانہ حملے کی شدید مذمت، حملہ آوروں کی فوری گرفتاری کا مطالبہ اور پارلیمنٹ کی کارروائی کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے تاہم یہ بھی واضح کیا ہے کہ پی ایف یو جے کسی صورت بھی آئی ایس آئی کیخلاف یکطرفہ طور پر اپنا پلیٹ فارم فراہم نہیں کرے گی۔ ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے تقریباً چوبیس گھنٹے بعد جیو نیوز نے کراچی سینٹر میں اپنے اینکر عامر لیاقت حسین کے ذریعے اپنی پسپائی کا اعلان کیا اور عامر لیاقت نے کہا کہ "آئی ایس آئی پر جو الزام عامر میر نے لگائے ہیں وہ حامد میر اور عامر میر کے ذاتی ہیں اور جنگ گروپ یا جیو نیوز کا اس سے کوئی تعلق نہیں، جیو نیوز اپنی افواج کے خلاف قطعی نہیں ہے"۔ اسکے بعد عامر لیاقت نے بہت ہی بھونڈے انداز میں اس حملہ کی ذمیداری طالبان پر ڈالی اور اپنی نام

نہاد بہادری کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ رات تک جیونیوز کے غبارے میں سے ہوا نکل چکی تھی جسکا واضع ثبوت رات آٹھ بجے کے پروگرام "آپس کی بات" سے مل گیا جس میں نجم سیٹھی اور میزبان منیب نے جیونیوز کی گذشتہ چوبیس گھنٹے کی نشریات کی باقاعدہ مذمت کی۔

حکومتی کمیشن کو چاہیے کہ جہاں وہ اس بات کی تحقیقات کرئے کہ حامد میر پر کس نے حملہ کیا، اُسکے محرکات کیا تھے تو دوسری طرف وہ جنگ گروپ اور جیونیوز کے پاک فوج مخالف طرز عمل پر بھی ضرور تحقیقات کرے تاکہ آیندہ کوئی میڈیا گروپ اس طرح کے طرز عمل کا مظاہرہ نہ کرئے۔ آخر میں ایک مرتبہ پھر حامد میر کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی انکو جلد از جلد صحتیاب کرئے اور وہ دوبارہ اپنے بچوں کے ساتھ اچھی زندگی گذاریں۔

جنگ گروپ اور جیو نیوز کی کھلی بغاوت

روزنامہ جنگ میر خلیل الرحمٰن نے 1940ء میں دہلی سے شروع کیا۔ اس وقت کے حالات کے مطابق یہ اخبار بھی برصغیر کے مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کررہا تھا اور مسلم لیگ کی ترجمانی کررہا تھا۔ 1947ء میں قیام پاکستان کے بعد کراچی کو دارلحکومت بنایا گیا، دارلحکومت ہونے کی وجہ سے کراچی کی آبادی میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا اور کراچی ایک ابھرتا ہوا صنعتی شہر بن گیا۔ آبادی میں اضافہ اور کراچی کی ترقی میں اخبارات کے قارئین میں بھی بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ دہلی کے تین مسلم اخباروں روزنامہ ڈان، روزنامہ جنگ اور روزنامہ انجام نے آزادی کے بعد اپنے دفاتر کراچی منتقل کیے۔ روزنامہ ڈان چونکہ انگریزی زبان کا اخبار ہے لہٰذا اُس کا مقابلہ نہ جنگ سے تھا اور نہ ہی انجام سے لیکن جنگ اور انجام میں مقابلہ جاری رہا جس میں انجام کو پڑھنے والے جنگ سے کافی زیادہ تھے۔ لیکن بعد میں دیکھتے ہی دیکھتے روزنامہ جنگ ترقی کرتا چلا گیا اور روزنامہ انجام کافی اتار چڑھاؤ کے بعد آخرکار بند ہوگیا۔ روزنامہ جنگ کی ترقی کے پیچھے دراصل میر خلیل الرحمٰن کی قابلیت نہیں بلکہ کاروباری سازشیں تھیں، جن کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے "روزنامہ انجام" جیسے اخبار کو اپنی سازشوں کے زریعے بند کرادیا۔

قیام پاکستان سے قبل "روزنامہ انجام" کو مسلم لیگ کا آرگن ہونے کا اعزاز تو حاصل نہیں تھا لیکن انجام شہرت میں سب سے آگے تھا۔ انہیں دنوں میر خلیل الرحمان نے سید محمد تقی صاحب کی زیرادارت "روزنامہ جنگ" کا آغاز کیا مگر قیام پاکستان تک روزنامہ جنگ دہلی میں مقبول نہیں ہو سکا تھا اور نہ ہی مدیران اخبار کی نیتوں سے پردہ اٹھا تھا۔ سنسنی خیزی اور عوام کے جذبات سے کھیلنا اور اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں سے روزنامہ جنگ روزنامہ انجام جیسے بھاری قدیم اخبار کا وقار نہیں گرا سکا تھا۔ جرم وسزا کی خبریں نمایاں کرنا، نیم برہنہ عورتوں کی تصویروں کی نمائش کرکے ظاہر ہے روزنامہ جنگ کسی سیاسی یا تہذیبی تربیت کا فریضہ انجام نہیں دے رہا تھا۔ روزنامہ جنگ نے ایک اور گھٹیا حربہ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ جن کے ہاں "روزنامہ انجام" باقاعدگی سے آتا تھا وہاں صبح سویرے ہاکر جو اخبار پھینک جاتا وہ "روزنامہ جنگ" ہوتا، ہاکر سے اتنی صبح ملنا کوئی آسان نہیں تھا مہینے کے آخر میں حساب کرتے وقت جب پوچھا جاتا تو ہاکر کا جواب ہوتا کہ "انجام" ہم کو ملتا ہی نہیں، نیوز ایجنسی جا کر معلوم ہوا کہ انجام" وقت پر نہیں پہنچ پاتا۔ ایسی بدنظمی کا شکار "انجام" نہیں ہو سکتا تھا، مگر ہاکر، " نیوز ایجنسی اور حکام کے ساتھ ملی بھگت کرکے ایسا کیا گیا، اسکے علاوہ جنگ نے اپنی ذاتی نیوز ایجنسیاں بھی قائم کر لی تھیں۔ بازار سے "انجام" کے بنڈل کے بنڈل خرید

کر نذر آتش کر دیے جاتے۔ عثمان آزاد کو الگ بدنام کرنے کی مہم چل نکلی تھی، اور پھر ایک سازش کرکے انجام کو فروخت کروادیا گیا۔ اسکے بعد انجام کبھی شایع ہوا اور کبھی بند اور پھر آخرکار " روزنامہ انجام" اپنے انجام کو پہنچا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا، شاید آج کی نوجوان نسل کو "روزنامہ انجام" کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو۔ میر خلیل الرحمٰن کا ہدف تھا کہ "روزنامہ جنگ" کو جنگ گروپ بنانا اور پورے پاکستان میں "جنگ گروپ" کی اجارادار ی قائم کرنا اور اس مقصد میں میر خلیل الرحمٰن اپنی زندگی میں ہی کامیاب ہو چکے تھے۔ روزنامہ حریت کے فخر ماتری نے ہاکرز کی انفرادی ٹیم کے ذریعے اپنے اخبار کو بروقت پہنچانے کا اہتمام کیا۔ طباعت کے معیار میں بھی روزنامہ حریت" جنگ سے کہیں بہتر تھا مگر کاروباری سازشی ذہن، کثیر سرمایہ اور" سیاسی اثر ونفوذ والے "جنگ" کا مقابلہ وہ نہ کر سکے۔

ہندوستان اور پاکستان کے ابتدائی زمانے میں لمحہ لمحہ بدلتے ہوئے سیاسی تناظر، کشمیر کے مسئلے، نئی سرحدوں اور دریاؤں کی تقسیم کے نہایت اہم معاملات کے ساتھ بین الاقومی سطح پر ایک خاص انداز کی گروہ بندیوں میں " روزنامہ جنگ" نے تمام اخبارات کے مقابلے پر سب سے زیادہ سیاسی استحصال کیا اور اپنے عوام میں کبھی وہ شعور پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی جو ایک حقیقی صحافت کا فرض ہوتا ہے۔ چڑھتے سورج کے ساتھ موضوعات بدل دینا جنگ کی صحافت

کا ایک بدترین کارنامہ رہا ہے۔ بحران کی صورت میں ٹھہراؤ پیدا کرنے کی بجائے اپنی اشاعت کو بڑھانا اور حقائق سے پردہ نہ اٹھانا جنگ کی پالیسی ہے، چاہے اس کے نتیجے میں غلام محمد جیسے افراد اقتدار میں آئے، فوج کو مداخلت کا موقع فراہم ہو یا ملک ٹوٹ جائے۔ پاکستانی معاشرے کی تباہی میں جتنا کردار جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور ان کی محافظ نوکر شاہی اور اقتدار پسند فوج کا رہا ہے اتنا ہی کردار روزنامہ جنگ کا بھی ہے۔ ملک کی تباہی میں جنگ گروپ کی ترقی کا سامان وافر تھا، جنگ گروپ کے اثاثے لاکھوں سے کروڑوں میں ہو گئے تھے جو اب اربوں میں ہو نگے۔جنگ گروپ نے محض اپنی ذاتی مفاد کیلئے ہر اُس قدر کو پامال کیا جو ایک نو تعمیر معاشرے کی بنیاد مضبوط کر سکتی تھی۔ روزنامہ جنگ کے بانی میر خلیل الرحمان نے ایک موقعہ پر کہا تھا "یہ کسی پارٹی کا نمائندہ اخبار نہیں ہے جو اپنے نصب العین کیلئے نقصان اٹھانا برداشت کر لے"۔ بھٹو دور میں جب مخالف صحافیوں پر قیامت ٹوٹی ہوئی تھی تو ہڑتالیوں کی حالت زار دیکھ کر میر خلیل الرحمان نے کہا تھا، "بیشک آپ مشنری لوگ ہیں۔ آپ کا اخبار کاغذ کے پرزے پر بھی بک جائے گا۔ روزنامہ جنگ پر اگر کوئی ایسی افتاد پڑے تو اس کو دوسرے دن پوچھنے والا کوئی نہیں ہوگا"۔ انہوں نے بارہا کہا کہ جنگ ایک کمرشل اخبار ہے۔ اس سے آپ "زمیندار" یا "کامریڈ" والی کسی قربانی اور ایثار کی توقع نہ رکھیئے۔ ان بیانات میں کسی قسم کی شرمندگی کے بغیر جو نیم فخریہ انداز اخبار کے کمرشل ہونے پر موجود ہے اُسی نے جنگ کو

ابتداء سے پاکستان کی سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی تباہی میں 'قابل فخر' کردار انجام دینے کے قابل بنا دیا تھا۔

میر خلیل الرحمٰن کے بعد اب اُن کے چھوٹے بیٹے میر شکیل الرحمٰن اخبار کے مالک، چیف ایگزیکٹو اور ایڈیٹر انچیف ہیں۔ آج روزنامہ جنگ پاکستان کے بڑے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی، اسلام آباد، کوئٹہ اور ملتان کے علاوہ برطانیہ کے شہر لندن سے بھی شائع ہوتا ہے۔ جنگ گروپ نے 11 فروری 1991 سے لاہور، راولپنڈی اور کراچی سے بیک وقت انگریزی اخبار "دی نیوز" جاری کیا۔ جنگ گروپ نے 2002ء میں جیو ٹی وی چینل کے نام سے پاکستان میں اپنی نشریات کا آغاز کیا بعد میں اس چینل میں توسیع ہوئی اور اس کے مزید چینل کھلے جو اب جیو نیوز، جیو سپر، جیو ٹی وی اور جیو کہانی کے نام سے چل رہے ہیں۔ جیو نیوز پر چلنے والے کافی پروگرام باہر کے ممالک سے فنڈیڈ ہیں، ان میں سے کچھ پروگراموں پر پاکستان کے دفاعی اداروں کو بہت عرصے سے اعتراض ہے، جس میں "امن کی آشا" سرفہرست ہے، چونکہ نواز شریف صاحب کو بھی ہندوستان سے دوستی اور تجارت کرنے کا بہت شوق ہے لہذا جیو نیوز اور نواز شریف کے مفادات ایک جیسے ہوگئے ہیں، جبکہ جنگ گروپ اور جیو کا اصول یہ رہا ہے کہ "اپنا فاہدہ کس میں ہے" اُسکو دیکھو، اور "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کا شور مچاتے رہو۔ ان دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر جنگ گروپ اور جیو نیوز فوج کے خلاف خاصکر آئی

ایس آئی کے خلاف اپنی مہم چلاتے ہیں، حامد میر مسلسل کئی ماہ سے آئی ایس آئی کے خلاف محاذ کھولے ہوئے تھا، وہ اپنے پروگرام میں کسی بھی بہانے فوج کو ضرور برا بھلا کہتا تھا، اپنے پروگرام کیپٹل ٹاک میں اُن لوگوں کو بلا رہا تھا جو فوج کے خلاف ہوتے۔ جیو نیوز کے ایک اور پروگرام "جرگہ" کے اینکر سلیم صحافی نے تو فوج کے خلاف ایک بہت بڑا کارنامہ اسطرح انجام دیا کہ سابق امیر جماعت اسلامی سید منور حسن سے یہ کہلوادیا کہ طالبان دہشت گردوں میں سے اگر کوئی امریکی ڈرون حملوں میں مرئے تو وہ شہید مگر پاک فوج کا کوئی جوان یا عام شہری اگر مرئے تو وہ شہید نہیں۔ جنگ گروپ میں موجود طالبان کا حامی اور پاک فوج کا مخالف انصار عباسی کا کام یہ ہے کہ روزانہ دو تین مضمون لکھے جن میں کچھ طالبان کی حمایت میں ہوں اور کچھ فوج کی مخالفت میں ، جو جنگ اور دی نیوز میں خبر کے طور پر شایع ہوں اور جیو نیوز پر خبر کی طرح نشر ہوں، یہ ایک کھلی صحافتی بے ایمانی ہے۔ نواز شریف کے لیے شاید یہ مشکل ہے کہ وہ ذاتی طور پر جنرل پرویز مشرف سے بدلا نہ لیں ، لہذا اُنکا دوست اور سابق چیف جسٹس افتخار چوہدری اُنکو آرٹیکل چھ کی لالی پاپ دئے گیا ہے، مگر فوج کو انکا یہ لالی پاپ چوسنا پسند نہیں ، دوسرئے نواز شریف کے طالبان کے ساتھ مذاکرات کی بانسری بجانے پر بھی فوج کو اعتراض ہے۔ اس موقعہ پر جیو نیوز کا نواز شریف

کی حمایت کرنا اور نواز شریف حکومت کا جیو نیوز کی حمایت کرنا ہر پاکستانی کی سمجھ میں آ رہا ہے۔

ہفتہ 19 اپریل کو اسلام آباد سے کراچی آمد کے فوراً بعد شام پانچ بجے کے قریب حامد میر پر جان لیوا حملہ ہوتا ہے اور جیو نیوز اسکے کچھ منٹ بعد ہی اپنا مکروہ کھیل شروع کرتا ہے، اور کھل کر افواج پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیتا ہے۔ اس حملے کا ذمیدار آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل ظہیر الاسلام کو بتاتا ہے اور جنرل ظہیر الاسلام کی تصویر مستقل جیو نیوز پر ایک مجرم کی حیثیت سے دکھائی جاتی رہی۔ پاکستان کی وزارت دفاع کی شکایت کے بعد پیمرا نے جیو نیوز کو جاری کئے جانے والے اپنے نوٹس میں کہا ہے کہ کیوں نہ جیو نیوز کو بند کر دیا جائے۔ جیو نیوز ایک طرف تو اپنی شرمناک حرکت پر معافی مانگ رہا ہے جبکہ دوسری طرف پیمرا پر یہ الزام لگاتا ہے کہ ہم کو نوٹس جواب سنے بغیر جاری کیا گیا ہے۔ جیو نیوز کیوں لوگوں کو بیوقوف سمجھ رہا ہے یہ جو چودہ دن میں جواب داخل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے یہ کیا ہے۔ وزارت دفاع نے پیمرا حکام کو بھجوائی گئی درخواست میں کہا ہے کہ جیو نیوز کے خلاف ثبوت اور حقائق کو دیکھنے کے بعد فوری طور پر جیو نیوز کا لائسنس منسوخ کر دیا جائے۔ یاد رہے کہ اس خط پر وزیر دفاع خواجہ محمد آصف نے دستخط کیے ہیں، مگر اس وقت یہ مرد کا بچہ منظر سے غائب ہے۔

آخر میں حکومتی کمیشن سے مطالبہ ہے کہ وہ اس بات کو لازمی معلوم کرئے کہ ایک میڈیا گروپ کس کے اشاروں پر پاکستان کی سلامتی پر حملہ کر رہا تھا، کمیشن اس بات کی بھی تحقیقات کرئے کہ حامد میر پر کس نے حملہ کیا، اُسکے محرکات کیا تھے اور حامد میر مسلسل فوج کے خلاف کس کے اشارے پر پروگرام کر رہے تھے، انصار عباسی کس حیثیت سے آئی ایس آئی کے سربراہ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ حکومتی کمیشن کو چاہیے کہ وہ جنگ گروپ اور جیو نیوز کے پاک فوج مخالف طرز عمل پر بھی ضرور تحقیقات کرے اور اپنی رپورٹ کو مقرر وقت پر عوام کے لیے شایع بھی کرئے۔ حکومت سے بھی یہ مطالبہ ہے کہ کمیشن کی تجاویز پر شفاف عمل کرئے۔ آخر میں ایک مرتبہ پھر حامد میر کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی انکو جلد از جلد صحتیاب کرئے اور وہ دوبارہ اپنے بچوں کے ساتھ اچھی زندگی گذاریں۔ دوستوں کوشش کی ہے آپ لوگوں کو جنگ گروپ اور جیو نیوز کی کھلی بغاوت کی اصل شکل دکھانے کی، امید ہے آپ بھی سوشل میڈیا اور دوسرئے زرائع سے کمیشن اور حکومت سے میرئے مطالبے کی تائید کریں گے۔

یکم مئی: "یوم مزدور" صاحب کے آرام کا دن

ہم محنت کش جگ والوں سے جب اپنا حصہ مانگیں گے
اِک دیس نہیں اِک کھیت نہیں ہم ساری دنیا مانگیں گے

یکم مئی "یوم مزدور" کی بچپن سے اب تک کی رٹی ہوئی تاریخ تو کچھ یوں ہے ۔۔۔۔۔۔

یکم مئی مزدوروں کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے اس دن کو منانے کا مقصد امریکہ کے شہر شکاگو کے محنت کشوں کی جدوجہد کو یاد کرنا ہے۔یوم مئی کا آغاز 1886ء میں محنت کشوں کی طرف سے آٹھ گھنٹے کے اوقات کار کے مطالبے سے ہوا ۔اس دن امریکہ کے محنت کشوں نے مکمل ہڑتال کی ۔تین مئی کو اس سلسلے میں شکاگو میں منعقد مزدوروں کے احتجاجی جلسے پر حملہ ہوا جس میں چار مزدور شہید ہوئے۔اس بربریت کے خلاف محنت کش احتجاجی مظاہرے کے لئے ایک اسکوائر میں جمع ہوئے پولیس نے مظاہرہ روکنے کے لئے محنت کشوں پر تشدد کیا اسی دوران بم دھماکے میں ایک پولیس افسر ہلاک ہوا تو پولیس نے مظاہرین پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جس کے نتیجے میں بے شمار مزدور شہید ہوئے اور

درجنوں کی تعداد میں زخمی، اس موقعے پر سرمایہ داروں نے مزدور رہنماؤں کو گرفتار کرکے پھانسیاں دی حالانکہ ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا کہ وہ اس واقعے میں ملوث ہیں۔انہوں نے مزدور تحریک کے لئے شہادت دے کر سرمایہ دارانہ نظام کا انصاف اور بربریت واضح کر دی۔ان شہید ہونے والے رہنماؤں نے کہا۔"تم ہمیں جسمانی طور پر ختم کر سکتے ہو لیکن ہماری آواز نہیں دبا سکتے" اس جدوجہد کے نتیجے میں دنیا بھر میں محنت کشوں نے آٹھ گھنٹے کے اوقات کار حاصل کئے۔

دنیا بھر میں دوسرے ممالک کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے سرمایہ دار ممالک بھی اس دن کو بڑے اہتمام کے ساتھ مناتے ہیں اور بڑے بڑے عالمی لیڈر یکم مئی کی جدوجہد کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں، یہ دن عام طور پر دنیا میں مزدوروں کی کامیابی کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے اور اسکو "یوم مزدور" کہتے ہیں۔ جہاں تک ترقی یافتہ ممالک کی بات ہے وہاں یقیناً مزدوروں کے لیے بنیادی سہولتوں میں کافی آسانیاں ہوئیں ہیں، صحت اور تعلیم ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور اُس میں چھوٹے یا بڑے کا کوئی فرق
نہیں۔مزدوروں کو جو بنیادی اجرت دی جاتی ہے اُس سے اُنکا اور اُنکے بچوں کا گذارا آرام سے ہوجاتا ہے۔پاکستان میں اس دن کو متعارف کرانے کا سہرا ذوالفقار علی بھٹو کو جاتا ہے، بھٹو نے روٹی، کپڑا اور مکان کا دلکش نعرہ لگا کر پورے پاکستان کے مزدوروں

کو اپنے ساتھ ملالیا، لیکن افسوس بھٹو صاحب مزدوروں کی حالت تو کیا بدلتے اُنکے دور میں صنعتوں، بنکوں، لائف انشورنس اور دوسرے زرائع پیداوار حکومتی تحویل میں لینے سے مزدوروں کو نقصان ہی پہنچا۔ بعد میں دو مرتبہ اُنکی بیٹی بینظیر بھٹو اور ایک مرتبہ اُنکے داماد آصف علی زرداری بھی روٹی، کپڑا اور مکان کا دلکش نعرہ لگا کر برسر اقتدار رہے، مگر مزدوروں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گی۔ بھٹو کے بعد ضیاء الحق سے آج نواز شریف تک ہر حکومت یکم مئی ضرور مناتی ہے، اور اُس دن وزیراعظم یا صدر سے لیکر محلے کے لیڈر تک ہر ایک اپنے مزدور بھائی کی پریشانیوں کے غم ڈوبا ہوا ہوتا ہے، حکومتی سطع پر بہت سارے وعدئے کیے جاتے ہیں لیکن اگلے یکم مئی کو مزدوروں کی حالت پہلے سے بدتر ہوتی ہے۔

یکم مئی کے بارئے میں کمال احمد جو ایک جوتوں کی دوکان پر کام کرتے ہیں اُنکا کہنا ہے کہ اُنہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یکم مئی کو "یوم مزدور" منایا جاتا ہے۔" مزدوروں کے اس دن کی ان کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "یومِ مزدور میرے لئے صرف کاغذوں پر ہے کیونکہ مجھے اس دن کوئی چھٹی نہیں ملتی۔ اگر اس روز میں چھٹی کرلوں تو ایک دن کی تنخواہ کاٹ لی جائے گی"۔ یہ کہانی صرف کمال احمد کی ہی نہیں ہے بلکہ اس طرح کے لاتعداد مزدور جو سبزی فروخت کرتے ہیں یا رکشہ چلاتے ہیں یا روز کی

مزدوری کرتے ہیں ملک کے گوشے گوشے میں مل جائیں گے۔ بات ان پریشان حال مزدوروں کی ہو رہی ہے جو ملک کو ترقی کی راہ پر آگے بڑھانے میں خوب محنت و مشقت کرتے ہیں لیکن ان کی نجی زندگی زبوں حالی کا شکار ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ایسے پریشان حال مزدوروں کی تعداد ہمارے ملک میں بہت زیادہ ہے۔ ملک میں شاید ہی کوئی ایسا مقام ہو جہاں مزدوروں کا استحصال نہ ہوتا ہو۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور افسوس کا مقام بھی کہ جو دن مزدوروں کے لئے مخصوص کر دیا گیا اس دن بھی انہیں سکون میسر نہیں۔ ایک طرف جہاں روزانہ کی آمدنی کی مزدوروں کو یہ فکر ہوتی ہے کہ کام نہیں کریں گے تو گھر میں چولہا کیسے جلے گا وہیں مہینے میں تنخواہ پانے والے مزدور ایک دن کی تنخواہ کٹنے سے خوفزدہ رہتے ہیں اور یکم مئی کو بھی کام پر چلے جاتے ہیں۔ آج صورت حال یہ ہے کہ حکومتی سطح پر یکم مئی کو عام تعطیل ہوتی ہے، حکومتی اور عوامی سطح پر بڑے بڑے اجلاس ہوتے ہیں اور سیمینار کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے لیکن اس کا فائدہ مزدوروں کو ہرگز نہیں ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے ذریعہ مزدوروں کے لئے شروع کئے گئے منصوبے بھی صرف دھوکہ ثابت ہوتے رہے ہیں۔ مزدوروں کی آواز اٹھانے کے لئے کئی ادارے بھی ہیں لیکن یہ ماضی کی بات ہو گئی ہے کہ وہ خلوص نیت کے ساتھ مزدوروں کے مفاد کی بات کریں۔ زیادہ تر ٹریڈ یونینوں کے لیڈران بدعنوان سیاسی نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔

یہ مزدور لیڈران اسٹیج پر تو باآواز بلند مزدوروں کے مفاد کی بات کرتے ہیں لیکن تنہائی میں کمپنی یا کارخانہ مالکان سے سودے بازی کرکے مزدوروں کی پریشانیوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں مزدوروں کی حالت زار سے سبھی واقف ہیں ۔آج حالات یہ ہیں کہ بہت سے مزدوروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یکم مئی کے روز "یوم مزدور" منایا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بھی منصوبہ یا کوئی بھی قانون مزدوروں کو اس کا حق دلانے میں کامیاب نہیں ہے ۔ مزدور کل بھی کمزور تھے، آج بھی کمزور ہیں ۔ مزدور کل بھی مفلوک الحال تھے ، آج بھی مفلوک الحال ہیں۔ مزدور کل بھی مظلوم تھے، آج بھی مظلوم ہیں۔ ان ہی مفلوک الحال اور مظلوم مزدوروں کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے :۔

سو جاتے ہیں فٹ پاتھ پہ اخبار بچھا کر
مزدور کبھی نیند کی گولی نہیں کھاتے

پاکستان میں جہاں پچاس فیصد سے زیادہ آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذار رہی ہو، وہاں مزدور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کی فکر میں ہی "یوم مزدور" عام دنوں کی طرح گذار دیتے ہیں لیکن دوسری طرف اس ملک میں "یوم مزدور" کو بڑی بڑی کمپنیوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز اور آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے والے، سرکاری اداروں میں کام کرنے والے صاحب لوگ یہ ضرور جانتے ہیں کہ یکم مئی کے روز چھٹی ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی صرف اتنا ہی جانتے

ہیں کہ اس روز چھٹی ہوتی ہے۔ "یوم مزدور" کیوں منایا جاتا ہے اور اس کے کیا مقاصد ہیں، اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ۔ اس ملک کے مفلوک الحال اور مظلوم مزدور شاید یہ سمجھتے ہیں کہ یکم مئی: "یوم مزدور" صاحب کے آرام کا دن ہوتا ہے اور اُس دن صاحب لوگ آرام کرتے ہیں ، کام نہیں کرتے۔

عرش منیر: دھابے جی آئے تو بتانا

مہاتما بدھ نے کہا تھا کہ لوگ بچوں کی طرح ہوتے ہیں، یہ قصے کہانیوں، واقعوں اور داستانوں میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کو سننے اور دیکھنے کی تمنا بھی رکھتے ہیں، جن کا سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ لفظ ڈرامہ یونان سے نکل کر جہاں بھی گیا اسکا ایک ہی مطلب لیا گیا کہ افعال و اعمال کی نقالی سے کئی کہانیاں، کئی قصے، کئی واقعات اور کئی داستانوں کو تمثیل کی شکل میں پیش کرنا یا کرکے دکھانا۔ یہ ساٹھ اور ستر کی دھائی کی بات ہے ابھی پاکستان میں ٹی وی کا دور دور پتہ نہیں تھا، لہذا خبروں سے لیکر ڈراموں تک کو سننے کا ریڈیو واحد زریعہ تھا، اُس زمانے میں ریڈیو پاکستان کے ڈرامے بہت مقبول ہوا کرتے تھے۔ سید ذوالفقار علی بخاری پاکستان براڈکاسٹنگ سروس کے سربراہ کی حیثیت سے کراچی ریڈیو پاکستان پر اس کے افتتاح کے فوراً بعد ہی ڈرامہ کلچر پیدا کرنے کے لئے اپنے تھیٹر کے تجربہ کو مصرف میں لائے، خوش قسمتی سے کراچی میں عبدالرحمٰن کابلی، مغل بشیر، امیر خان، عرش منیر، فاطمہ خانم اور عبدالماجد جیسے صداکاروں کی ٹیم موجود تھی جس کی وجہ سے سید ذوالفقار علی بخاری کے خواب کو تعبیر ملی۔

صداکاروں کی ٹیم کی ایک رکن عرش منیر کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ ان کے شوہر شوکت تھانوی اردو کے معروف ادیب تھے اور آل انڈیا ریڈیو سے بھی وابستہ تھے۔ انہی کی کہنے پر عرش منیر نے آل انڈیا ریڈیو سے صداکاری کا آغاز کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان آگئیں اور ریڈیو پاکستان سے بطور اسٹاف آرٹسٹ وابستہ ہوگئیں۔ ٹیلی وژن کے آغاز کے بعد انھوں نے متعدد ٹی وی ڈراموں میں بھی اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ 1983ء میں حکومت پاکستان نے انہیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا تھا۔ 8 ستمبر 1998ء کو ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی وژن کی مشہور صداکارہ اور اداکارہ عرش منیر کراچی میں وفات پاگیں۔ اپنی وفات سے پہلے عرش منیر نے ریڈیو پاکستان میں لاتعداد ڈراموں میں صداکاری کی تھی، انکا ایک ڈرامہ "دھابے جی آئے تو بتانا" مجھے آج بھی یاد ہے جو میں آپ کے ساتھ شیر کررہا ہوں یہ یاد رہے کہ اُس وقت کراچی سے حیدرآباد تک صرف نیشنل ہائی وے کے زریعے ہی سفر ہوتا تھا، اُس وقت سپر ہائی وے کا وجود نہیں تھا۔

دھابے جی آئے تو بتانا

کنڈکٹر۔۔۔۔۔ حیدرآباد، حیدرآباد، جلدی کریں، اماں جلدی چڑھو۔

ڈرائیور۔۔۔۔۔۔ چلو بھائی اوپر آجایں اور سیٹوں پر بیٹھ جایں۔

بس اسٹارٹ ہو کر چلنے لگی، لانڈھی آنے سے پہلے پہلے کنڈکٹر نے سب سے ٹکٹ کے پیسے وصول کر لیے، جس مسافر نے جہاں تک جانا تھا اُس نے اُس کے مطابق کرایہ ادا کر دیا۔ اس بس میں عرش منیر بھی سوار ہیں جو ایک بوڑھی خاتون ہیں۔ لانڈھی گذرنے کے بعد۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عرش منیر۔۔۔۔۔ بھیا کنڈکٹر "دھابے جی آئے تو بتانا"۔

کنڈکٹر۔۔۔۔۔ جی اماں ضرور

اب کنڈکٹر لانڈھی سے سوار ہونے والے مسافروں سے ٹکٹ کے پیسے لے رہا تھا کہ

عرش منیر۔۔۔۔۔ بھیا کنڈکٹر "دھابے جی آئے تو بتانا"۔

کنڈکٹر۔۔۔۔۔ جی اماں ضرور بتادونگا۔

عرش منیر۔۔۔۔۔ بھیا کنڈکٹر بھول مت جانا "دھابے جی آئے تو بتانا"۔

کنڈکٹر۔۔۔۔۔ اچھا اماں ضرور بتادونگا اب آپ خاموش بیٹھو۔
عرش منیر۔۔۔۔۔ اۓ لو میں نے کیا برا کہہ دیا بس یہ ہی تو کہا تھا کہ بھیا کنڈکٹر بھول مت جانا "دھابے جی آئے تو بتانا"، اس پر اتنا ناراض ہونے کی کیا ضرورت ہے کہ کہہ رہے ہو کہ میں خاموش بیٹھوں، کیا دھابے جی کا پوچھنا کوئی جرم ہے۔
کنڈکٹر۔۔۔۔۔ کتنی مرتبہ پوچھو گی، جب دھابے جی آئے گا تو بتادونگا، اب نہیں پوچھنا
پہلا بزرگ مسافر کنڈکٹر سے۔۔۔۔۔ اگر پوچھ لیا تو تمارا کیا نقصان ہوگیا۔
دوسرا نوجوان مسافر بزرگ مسافر سے۔۔۔۔۔۔ چاچا ایک مرتبہ، دو مرتبہ کتنی مرتبہ پوچھیں گیں یہ بڑی بی، اور آپ کہہ رہے کہ نقصان کیا ہوا۔
تیسرا مسافر دوسرۓ مسافر سے۔۔۔۔ تو آپکو کیا تکلیف ہوگی آپ سے تو نہیں پوچھا اور تھوڑی بات کرنے کی تمیز سیکھو اماں یا خالا کی جگہ بڑی بی کہہ

رہے ہو۔

کنڈکٹر تیسرے مسافر سے۔۔۔۔۔ تو پھر اماں کو جب کہہ دیا کہ بتادونگا تو بار بار پوچھنا ضروری ہے۔

عرش منیر۔۔۔۔۔ ارے بھیا کنڈکٹر تم بھول مت جاو اسلیے بار بار تم کو یاد دلایا ہے کہ دھابے جی آئے تو بتانا"۔"

پہلی خاتون مسافر۔۔۔۔۔۔ اماں خدا کے لیے اب خاموش ہو جاؤ جب دھابے جی آئے گا تو کنڈکٹر بتا دیگا۔

دوسری خاتون پہلی مسافر خاتون سے۔۔۔۔ ارے بہن تم کو کیا مصیبت آ گی اماں جی کے دھابے جی کے پوچھنے سے۔

ڈرائیور۔۔۔۔۔۔ اُو بہنوں خدا کے واسطے خاموش ہو جاو، کیوں آپس میں لڑ رہی ہو۔

اب پوری بس کی صورتحال یہ تھی کہ مردوں کے حصے میں تمام مرد آپس میں لڑ رہے

تھے جن میں کنڈکٹر بھی شامل تھا جبکہ عورتوں کے حصے میں تمام عورتیں آپس میں لڑرہی تھیں ان میں بس کا ڈرائیور بھی شامل تھا، غرضیکہ پوری بس لڑرہی تھی عرش منیر کی حمایت اور مخالفت میں، سب چیخ وپکار کررہے تھے مگراب عرش منیر خاموش تھیں۔ اس چیخ و پکار میں ڈرائیور نے دھیان ہی نہیں دیا اور بس دھابے جی سے کوئی ایک میل آگے چلی گی تو ڈرائیور کو ہوش آیا، اُس نے کنڈکٹر کو اپنے پاس بلایا اور بتایا کہ دھابے جی تو پیچھے رہ گیا، یہ سنتے ہی کنڈکٹر نے ڈرائیور کو کہا کہ بس کو واپس لے، ڈرائیور نے جلدی سے بس کو واپس لیا اور دھابے جی پر جاکر بس کو روک لیا۔ اب کنڈکٹر نے عرش منیر کو مخاطب کیا اور کہا کہ اماں اترؤ "دھابے جی آگیا"۔

عرش منیر۔۔۔۔۔ بھیا کنڈکٹر میں نے تم کو حیدرآباد کا کرایہ دیا ہے تو دھابے جی پر کیوں اتروں ؟۔

کنڈکٹر بہت غصے میں۔۔۔۔۔ تو پھر بار بار کیوں پوچھ رہی تھیں کہ "دھابے جی آئے تو بتانا"۔

عرش منیر۔۔۔۔۔ بھیا کنڈکٹر آج صبح سے میری طبیت خراب تھی تو میں ڈاکٹر صاحب کے پاس گی تھی، اُنکو اپنی بیماری کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتادیا کہ میں

حیدرآباد جارہی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے دو والی گولیاں دیں اور کہا کہ ایک ابھی کھالیں اور حیدرآباد جاتے ہوئے جب دھابے جی آئے تو دوسری گولی دھابے جی پر کھالیں، اسلیے ہی میں تم سے بار بار پوچھ رہی تھی کہ "دھابے جی آئے تو بتانا"۔

---------------- ختم شد ----------------

محاوروں کی برسات

کچھ عرصے پہلے ہم نے ایک مضمون "گدھے اور کتے کی سیاست" لکھا تھا اور دو عدد محاورے گھوڑے اور کتے پر تفصیل سے لکھے تھے، کچھ دوستوں نے مضمون کو تو گھاس نہیں ڈالی البتہ محاوروں کی تعریف خوب کی، ہم نے کچھ یوں لکھا تھا:۔

گھوڑے کی شکل ایک حد تک گدھے سے ملتی ہے، بعض لوگ گدھے گھوڑے کو ۔1 برابر سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ دونوں کو ایک تھان پر باندھتے ہیں، یا ایک لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیتے ہیں۔ شاعروں نے بھی گدھے کی ایک خوبی کی تعریف کی ہے، خرِ عیسٰی ہو یا کوئی اور گدھا اگر وہ مکہ بھی ہو آئے تو گدھا ہی رہتا ہے۔

امیروں کے کتے غریبوں پر بھونکتے ہیں۔ غریبوں کے کتے اپنے آپ پر بھونکتے ہیں۔ ۔2 کتا اپنی گلی میں شیر ہوتا ہے، جس طرح شیر کسی دوسرے کے گلی میں کتا بن جاتا ہے۔ کتوں اور عاشقوں میں کئی چیزیں مشترک ہیں۔ دونوں راتوں کو گھومتے ہیں، اور اپنا اپنا کلام پڑھ پڑھ کر لوگوں کو جگاتے ہیں۔ اور اینٹ اور پتھر کھاتے ہیں۔ ہاں ایک کتا لیلیٰ کا بھی تھا۔ لوگ لیلا تک پہنچنے کے

لئے اس سے پیار کرتے تھے۔

دوستوں نے جب ان محاوروں کی تعریف کی تو ہم پھول کر کپا ہوگے مگر تھوڑے دن پہلے نیٹ پر کچھ تلاش کرتے ہوئے ایک صاحب کے بلاگ پر پہنچ گے اور وہاں ہم نے اُنکا ایک مضمون دیکھا جو خالص محاوروں پر ہے پڑھکر ہمارے چودہ طبق روشن ہوگے اور ماننا پڑا کہ ہم سیر ہیں تو سوا سیر لازمی موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل بلاگ واقعی اگر محاوروں کا مجموعہ ہے تو لکھنے والے کی قابلیت کو داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔

ایک سوال

اس تحریر کو غور سے پڑھیے اور بتایئے کہ میں نے کونسا محاورہ یاد کیا؟

دس محاورات یاد کرنے کے لیے میں نے بڑے پاپڑ بیلے... خوب ایڑی چوٹی کا زور لگایا... دن رات ایک کردیا... مگر شاید محاورات اور میرے دماغ کے درمیان چھتیس کا آنکڑا تھا... کہ اوّل تو کوئی محاورہ دماغ کی گرد کو بھی نہ پہنچ پاتا... لیکن اگر قدم رنجہ فرماتا بھی تو... جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوتے نہیں اور وہ محاورہ ایسا غائب ہوجاتا... جیسے گدھے کے سر سے سینگ... پتا ہی نہ

چلتا کہ اسے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔

خیر... ! میں ہمتِ مرداں مددِ خدا کے اصول کے تحت حفظِ محاورات کے میدان میں کافی تگ و دو کرتا رہا... لیکن ڈھاک کے وہی تین پات... محاورات یاد ہو کے ہی نہیں دے رہے تھے... پتا نہیں یہ دماغ محاورات یاد کر رہا تھا کہ بنا رہا تھا... تھکاوٹ نے میرے دانت کھٹے کر دیے... بس کیا بتاؤں ! نانی یاد آ گئی... اس تھکاوٹ نے ناکوں چنے چبوا دیے... دانتوں تلے پسینا آ گیا... دن میں تارے دکھائی دینے لگ گئے... !!... میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی خالہ جی کا گھر نہیں... اور پھر... بیماری نے مجھے آ گھیرا یعنی ایک تو کڑوا کریلا دوسرا نیم چڑھا... کہ ایک تو میں پہلے ہی محاورات کے یاد نہ ہونے پر جل بھن کر کباب ہو رہا تھا... اوپر سے بیماری نے اور لال پیلا کر دیا... نہ جانے اس اونٹ کو کس کروٹ بیٹھنا تھا... شاید میں نے اس مہم کا آغاز کر کے آ بیل مجھے مار پر عمل کیا تھا... لیکن جب اوکھلی میں دیا سر تو موسلوں کا کیا ڈر... دن رات کی جاں فشانی سے ایک محاورہ لے دے کے یاد کر ہی لیا... عرصۂ دراز تک اسے طوطی وار ازبر کرتا رہا... حتیٰ کہ اطمینان ہو گیا کہ اب یہ محاورہ نسیًا منسیًا نہیں ہو گا۔

اب میرا دل بلیوں اچھلنے لگا... اور میں سر جھاڑ منہ پھاڑ... بغلیں بجاتا ہوا اپنے استاد صاحب کے پاس پہنچا... اور یہ خوش خبری سنائی... تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں... لیکن میں نے منہ کی کھائی... اور بڑے سنگین حالات سے دوچار ہوا... کیوں کہ محاورہ سنتے ہی وہ آگ بگولہ ہو گئے... سونے پر سہاگا یہ کہ ایک زناٹے دار طمانچہ میرے رخسارِ غم گسار پر جڑ دیا۔

اب تو میری حالت اور پتلی ہو گئی... پیروں تلے زمین نکل گئی... رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے... کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں... اور پھر... ایک دم میرا پارہ چڑھ گیا... اور میرا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا... کہ میں نے سر دھڑ کی بازی لگا کر اور خون پسینا ایک کرکے جو کام کیا تھا... اس میں بھی مجھے ڈانٹ ڈپٹ اور مار کٹائی کا سامنا کرنا پڑا... ایسی کی تیسی ایسے محاورات کی... اگر میرا بس چلتا تو ان محاورات کو نیست و نابود ہی کر دیتا... ان کے گلستان کو تہ و بالا کر دیتا... ان کے چمن کو زیر و زبر کر دیتا... اور پھر میں کافی دیر تک پیچ و تاب کھاتا رہا... بڑی بڑی ہانکتا رہا... یہاں تک کہ استاد صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا... اور پھر انھوں نے مجھے خوب سنائی... کہ تم بڑے طوطا چشم ہو... ماننے کی صلاحیت تم میں صفر بٹا صفر ہے... اور نہ ماننا تمھارے اندر سولہ آنے فٹ ہے... دس میں سے صرف ایک محاورہ یاد کیا... وہ بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ... اور آٹے میں نمک کے برابر... پھر اس پر قیامت یہ

کہ... الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ... کہ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری... حد ہو گئی
!!!! کہ صرف تین لفظی محاورہ یاد کیا... وہ بھی نقطے سے... خالی

امید ہے کہ اب آپ محاورات میں خود کفیل ہوگے ہونگے، اپنی دعاوں میں ضرور یاد
رکھیں۔ شکریہ

عمران خان: آپکا انقلاب کہاں گیا؟

گیارہ مئی 2014ء کو اسلام آباد، راولپنڈی، لاہور اور کراچی میں بڑے پیانے پر جبکہ ملک کے باقی شہروں میں چھوٹے پیانے پر گذشتہ سال گیارہ مئی 2013ء کے انتخابات میں ہونے والی دھاندلی کے خلاف عوامی تحریک، پاکستان تحریک انصاف، جماعت اسلامی اور مجلس وحدت المسلمین نے الگ الگ احتجاج کیے اور دھرنے دیئے۔ عام طور پر لوگوں کو عمران خان اور علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے جلسوں سے دلچپی تھی۔ پہلے سننے میں یہ آرہا تھا کہ عمران خان اور علامہ طاہر القادری دونوں مشترکہ جلسہ کرینگے، جس میں جماعت اسلامی بھی شامل ہوگی۔ مگر گیارہ مئی کو عوامی تحریک، پاکستان تحریک انصاف اور جماعت اسلامی نے علیدہ علیدہ جلسے کیئے۔ ایسا کیوں ہوا اسکی وجوہات جو سمجھ میں آیں وہ یہ تھیں کہ علامہ طاہر القادری تو اس پورے نظام کو ہی تسلیم نہیں کرتے جبکہ عمران خان اس نظام کو تسلیم کرتے ہیں اور صرف انتخابی دھاندلی تک محدود تھے لہذا احتجاج میں دونوں کے راستے الگ الگ تھے۔ عمران خان کی اتحادی جماعت اسلامی جو صوبہ کے پی کے میں اُنکے ساتھ حکومت میں شامل ہے دور دور تک ڈی چوک میں موجود نہیں تھی، پہلی بات تو یہ کہ جماعت اسلامی اور علامہ طاہر القادری سیاسی طور پر ایک دوسرے سے بہت دور ہیں جبکہ جماعت

اسلامی کے نئے امیر اور صوبہ کے پی کے کے وزیر خزانہ سراج الحق نے ایک ٹی وی پروگرام میں واضع طور پر کہہ دیا تھا کہ اُن کو عمران خان کا علامہ طاہر القادری کے ساتھ اتحاد عجیب سا لگ رہا ہے، مطلب وہ اس کے حامی نہیں ہیں۔ جنگ گروپ اور جیو نیوز کی اچانک مخالفت اور فوج کی حمایت والے عمران خان کے یوٹرن نے بھی جماعت اسلامی کو تحریک انصاف کے احتجاج سے دور کردیا۔

عمران خان کی سیاسی عمر ابھی کچھ عرصئے پہلے ہی اٹھارہ سال ہوئی ہے، اس عرصے میں پہلی بار 2002ء کے انتخابات میں عمران خان کی جماعت تحریک انصاف کو قومی اسمبلی کی ایک اور ایک صوبہ کے پی کے کی سیٹ حاصل ہوئیں تھیں، 2008ء کے الیکشن کا انکی جماعت نے بائیکاٹ کیا۔ 2011ء ۔2012ء میں عمران خان کی مقبولیت میں کافی اضافہ ہوا جس کا بنیادی سبب نوجوان اور خاصکر پڑھے لکھے نوجوان تھے، ان نوجوانوں نے عمران خان کو سوشل میڈیا پر کافی سپورٹ کیا، یہ حقیقت ہے کہ پی ٹی آئی کے علاوہ پاکستان کی باقی سیاسی جماعتیں سوشل میڈیا پر اس قدر انحصار نہیں کرتی جتنا کہ پی ٹی آئی کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سوشل میڈیا پر اپنی مقبولیت کے باعث 2013ء کے انتخابات کے وقت عمران خان یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بغیر کسی اور جماعت کو ملائے اقتدار حاصل کرلینگے۔ 2013ء کے انتخابات کے موقعہ پر طالبان کی کھلی دھمکی کے باعث پاکستان پیپلزپارٹی، عوامی نیشنل پارٹی اور ایم کیو ایم اپنی انتخابی مہم ٹھیک طرح نہیں چلاسکیں

جبکہ مسلم لیگ ن، تحریک انصاف، جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام کو طالبان کی طرف سے کھلی چھٹی تھی۔ عمران خان کو قومی اسمبلی میں 26 سیٹیں ملیں مگر خیبر پختون خوامیں کامیابی کے باوجود اتنی اکثریت نہیں ملی کہ تن تنہاہ حکومت بنالیتے لہٰذا جماعت اسلامی اور دو چھوٹی پارٹیوں کو ملا کرکے پی کے میں تحریک انصاف کی حکومت بنائی، اگرچہ اقتدار کے متوالے مولانا فضل الرحمان نے بہت زور لگایا کہ نواز شریف اُن کے ساتھ ملکر حکومت بنالیں مگر وہ شاید مولانا کو سمجھ گئے ہیں اسلیے عمران خان کو چانس ملا۔

گیارہ مئی 2013ء کے انتخابات میں دھاندلی کی پاکستان کی تقریبا ہر جماعت نے شکایت کی مگر سب سے زیادہ شکایت عمران خان کو ہوئی اور اسی وجہ سے عمران خان موجودہ حکومت کے حاصل شدہ مینڈیٹ کو جعلی قرار دیتے ہیں۔ عمران خان کا کہنا تھا کہ ہم نے انتخابات کو تسلیم کرلیا لیکن دھاندلی قبول نہیں کی۔ اُن کا کہنا تھا کہ تحریک انصاف نے صرف چار حلقوں میں دھاندلی کی تحقیقات کا مطالبہ کیا تھا اور گیارہ مئی 2014ء کا احتجاج جو ڈی چوک اسلام آباد میں ہوا وہ اُسی انتخابات میں ہونے والی دھاندلی کے خلاف تھا۔ چلیں مان لیتے ہیں کہ کپتان کے ساتھ یہ زیادتی ہورہی ہے کہ سال گذر جانے کے باوجود کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مگر جہاں عمران خان کو حکومت ملی کیا وہاں کچھ ہوا، خود اُنکی جماعت کی ایک سال کی کارکردگی کیسی رہی۔ اُنکے مقرر کردہ وزیر اعلی نے

جو بلند دعوئے کیے تھے کہ نوے دن میں سرکاری مشنری کرپشن سے پاک ہوگی، پٹواری کلچر کا خاتمہ، تعلیمی اصلاحات، ایک جیسا تعلیمی نظام، بیروزگاری کا خاتمہ اور لوکل باڈی الیکشن کا انعقاد۔ کیا یہ سب کچھ ہوگیا؟ جی نہیں ایک سال میں کچھ نہیں ہوا۔ عمران خان تو ویسے بھی مردم ناشناس ہیں جسکا اعتراف وہ خود الیکشن میں دیے جانے والے پارٹی ٹکٹ پر کرچکے ہیں، اسلیے جو بھی انکی پارٹی میں آیا اُسکو تحریک انصاف میں شمولیت مل گی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ گذشتہ سال 22 اگست کے ضمنی انتخابات میں پشاور اور میانوالی کی سیٹ سے محروم ہوگے۔ کپتان صاحب اپنے صوبے میں ناکام ہورہے ہیں، انکے اتحادی اُنکا ساتھ چھوڑ گئے ہیں، صرف جماعت اسلامی رہ گی ہے مگر اُس نے بھی گیارہ مئی کے جلسے میں عمران خان کا ساتھ نہیں دیا۔

گیارہ مئی 2013ء کے انتخابات کے بعد عمران خان اپنی جماعت کے کم طالبان کے ترجمان زیادہ نظر آتے ہیں اور طالبان دہشتگردوں سے مذاکرات کا مطالبہ کرتے ہیں، خیبر پختونخوا میں تحریک انصاف کی حکومت کو صرف گیارہ ماہ میں بڑے بڑے دہشتگردی کے واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس عرصے میں اُن کے تین منتخب نمائندے بھی دہشت گردی کا شکار ہوچکے ہیں، مگر افسوس وہ مذاکرات کا راگ الاپتے رہے، عمران خان تسلسل کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ نو سال میں کچھ نہیں ہوا اور پچاس ہزار افراد مارئے گے اسلیے مذاکرات ہی وہ راستہ ہے

جس سے امن آسکتا ہے۔ جس دہشتگردی میں پچاس ہزار افراد مارئے گے ہیں عمران خان نے کبھی بھی اُسے اپنی جنگ نہیں کہا۔ طالبان مذاکرات کے خواہش مند ہیں لیکن بقول طالبان وہ پاکستان کے آئین کے تحت مذاکرت نہیں کریں گے کیونکہ پاکستانی آئین جمہوری آئین ہے اور سیکولر اقوام کا ایجنڈہ ہے۔ طالبان کھل کر پاکستانی افواج کے خلاف بولتے ہیں مگر عمران خان نے کبھی بھی اس عرصے میں پاک فوج کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، یہاں تک کہ جماعت اسلامی کے سابق امیر سید منور حسن نے دہشت گرد حکیم محسود کو شہید قرار دیا اور پاک فوج کے جوانوں کی شہادت کو ماننے سے انکار کردیا اس وقت بھی عمران خان خاموش رہے۔ اب چونکہ اُنکی حکومت کا عنقریب ایک سال مکمل ہونے والا ہے اور ابھی تک کے پی کے کے عوام کے حالات میں بہتری نہیں آئی لہذا جیو نیوز جو اپنی آئی ایس آئی کے ساتھ کی گی اپنی بدترین غلطی کو بھگت رہا ہے اسکا فاہدہ عمران خان نے اٹھانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور جیو نیوز کو انتخابی دھاندلی میں ملوث کردیا، مگر شاید وہ یہ بات بھول گے اپنی ناکامیوں کا ملبہ میڈیا پر ڈالنے سے وہ لوگوں کے سوالات سے نہیں بچ سکیں گے جو اُن سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپکا انقلاب کہاں گیا؟" جس کے زریعے آپ لوگوں کی تقدیر بدلنے چلے تھے۔"

گیارہ مئی کو ڈی چوک کے اجتماع میں جہاں عوامی مسلم لیگ کے شیخ رشید موجود

تھے وہاں ہی مسلم لیگ (ق) کی نمایندگی ایک وفد کی شکل میں موجود تھی۔ پنجاب اور مرکز کی حکومتیں جو سارا دن اس بات کی کوشش کرتی رہیں کہ کسطرح لوگوں کو ڈی چوک جانے سے روکا جائے، اس کے لیے سرکاری وسائل کا بے دردی سے استمال ہوا۔ دوسری طرف ہر پانچ منٹ کے بعد ایک وزیر ٹی وی پر آ کر اس جلسے کے اور عمران خان کے خلاف کچھ نہ کچھ کہتا رہتا، اور آخرکار رات کو جلسے کے بعد حکومت کی طرف سے کہہ دیا گیا کہ شو فلاپ ہوگیا۔ شو تو فلاپ نہیں ہوا البتہ حکومت اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگی کہ عمران خان اس احتجاج کو کہیں عوامی مسائل کی جانب نہ لے جایں اور عمران خان نے بھی حکومت سے جو مطالبے کیے اُن میں سے ایک بھی مطالبہ عوامی مسائل پر نہیں تھا اور یہ ہی حکومت کی کامیابی ہے۔ اس جلسے کو کامیاب بنانے میں سب سے زیادہ حکومت کی مہربانی شامل ہے، اگر حکومت اس جلسہ کے خلاف بولنے پر اپنے وزیروں کا استمال کم کرتی تو شاید اتنے لوگ نہ جمع ہوتے۔ آخر میں ایک سوال عمران خان سے کہ ڈی چوک کا دھرنا جلسہ میں کیوں تبدیل ہوا؟ چلیے جلسہ ہوگیا سب نے اپنا اپنا کردار بھی ادا کردیا، یہ جلسہ چونکہ پی ٹی آئی کا تھا لہذا اس کا سیاسی فاہدہ یا نقصان جو بھی ہوگا پی ٹی آئی کو ہی ہوگا۔

نواز شریف۔ بھارت کے ساتھ تجارت

ایسا 67 سال کی تاریخ میں پہلی بار ہوا ہے کہ کسی بھارتی وزیر اعظم نے اپنے حلف اٹھانے کی تقریب میں اپنے پڑوسی ممالک اور خاصکر سارک ممالک کے سربراہوں کو دعوت دی، بھارت کے ایک پڑوسی ہونے کے ناطے پاکستانی وزیر اعظم کو بھی اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی گی۔ دہلی جانے والے پاکستانی وفد میں وزیر اعظم کے معاون خصوصی طارق فاطمی، مشیر خارجہ سرتاج عزیز، پولیٹیکل سیکریٹری آصف کرمانی، سیکرٹری خارجہ اعزاز احمد چودھری اور وزیر اعظم کے صاحبزادے حسین نواز شامل تھے جبکہ بھارت میں پاکستان کے ہائی کمشنر عبدالباسط دہلی سے اس وفد کا حصہ بنے۔ یہ یاد رہے کہ ابھی تک نواز شریف کو وزیر خارجہ کے لیے کوئی شخصیت نہیں ملی ہے۔ 1947ء کے بعد سے پاکستان اور بھارت کے تعلقات کبھی بھی مثالی تو کیا اچھے بھی نہیں رہے، درمیان میں دو جنگیں ہو چکی ہیں، بنیادی طور پر دونوں ممالک کے درمیان کشمیر کا مسلئہ موجود ہے جس کو حل کرنے کا وعدہ اقوام متحدہ میں کرکے بھارت اب مکر چکا ہے، جب تک اس مسئلے کا حل نہیں ہوتا دوسرے معاملات پر بات چیت تو جاری رکھی جاسکتی ہے لیکن خطے میں پائیدار امن قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے علاوہ سیاچین، کارگل اور سرکریک کے بھی مسائل ہیں۔ بھارت ایک عرصے سے پاکستان کے حصے میں آنے والے پانی کو روک کر اُسکا ناجائز استمال کر رہا ہے،

اس پر ڈیم پر ڈیم تعمیر کئے جارہے ہیں، پن بجلی گھر اور نہریں تعمیر ہو رہی ہیں اور معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستان کا پانی بھارتی علاقوں میں استعمال ہو رہا ہے۔پاکستان کو اپنے دریاؤں میں پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے اور اگر ایسا ہی رہا تو چند سالوں کے بعد یہ قلت مزید بڑھ جائے گی۔گذشتہ دس سال سے پاکستان دہشت گردی کا شکار بنا ہوا ہے جس میں سب سے زیادہ صوبہ بلوچستان، صوبہ خیبر پختون خوا اور کراچی متاثر ہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بھارت افغانستان میں اپنے قائم کیے ہوئے بے ضرورت کونسلیٹ خانوں کے زریعے پاکستان مخالف دہشت گردوں اور علیدگی پسندوں کی مدد کررہا ہے۔مندرجہ بالا تمام مسائل کے باوجود اس دعوت نامے کی عام لوگوں کی طرف سے حمایت کی گی کہ شاید اس طرح دونوں ملکوں کے حالات کو ٹھیک کرنے میں کچھ مدد ہو۔

نام نہاد سیکولرازم سے 26 مئی 2014ء کو ہندوازم میں داخل ہونے والے بھارت کے بارےمیں ایک مضمون " آیئے آپ کو ہندوستانی بچھوؤں سے ملاتا ہوں " میں نے فروری 2013ء میں لکھا تھا۔اُس مضمون کے شروع لکھا تھا، "حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ " بچھوؤں کی پیدائش عام جانوروں کی طرح نہیں ہوتی، اپنی ماں کے پیٹ میں جب یہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو اندر سے پیٹ کو کاٹنا شروع کردیتا ہے اور یوں سوراخ کرکے باہر آجاتا ہے"۔ حضرت سعدی مزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات ایک دانا کے سامنے بیان کی تو انہوں

نے فرمایا: "میں سمجھتا ہوں کہ بات درست ہی ہو گی بچھو کی فطرت اور عادت پر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے پہلے دن سے برائی ہی کی ہو گی"۔ ڈنک مارنا بچھو کی فطرت ہے، اور ایسا ہی ہوا جب راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کی کوکھ سے جنم لینے والی سیاسی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کے نامزد وزیر اعظم اور سنگھ پریوار کے رہنما نریندر مودی نے وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اٹھانے کے دوسرے روز پاک بھارت وزرائے اعظم ملاقات میں اپنے پاکستانی ہم نصب نواز شریف کے سامنے پانچ نکات اٹھائے۔ ان پانچ نکات میں کہا گیا ہے کہ "پاکستان دہشت گرد حملوں کو روکے، ممبئی ٹرائل کو جلد منطقی انجام تک پہنچایا جائے، حکومت پاکستان ممبئی حملوں کے منصوبہ سازوں کے خلاف کارروائی کو یقینی بنائے، ممبئی حملوں میں ملوث ملزموں کے درمیان ہوئی گفتگو کے وائس سیمپلز مہیا کئے جائیں اور دہشت گردی کے خاتمے کیلئے خطے کی سطح پر تعاون کرے"۔

دونوں وزرائے اعظم کی ملاقات کا نہ تو کوئی مشترکہ اعلامیہ جاری ہونا تھا اور نہ ہی ملاقات کے بعد دونوں وزرائے اعظم میڈیا کے سامنے آئے، البتہ بعد میں ایک پریس بریفنگ میں بھارت کی سیکریٹری خارجہ سجاتا سنگھ نے کہا کہ وزیر اعظم نواز شریف سے ملاقات میں وزیر اعظم نریندر مودی نے دہشت گردی کے حوالے سے بھارت کی تشویش کا اظہار کیا۔ سجاتا سنگھ نے مزید کہا کہ وزیر اعظم

نواز شریف سے کہا گیا ہے کہ پاکستان کو اپنی سرزمین اور وہ سرزمین جو اس کے زیر اثر ہے اسے دہشت گردی کے لیے استعمال نہ ہونے دینے کے اپنے وعدے پر قائم رہنا ہو گا۔ بھارتی سیکریٹری خارجہ نے کہا کہ دونوں ملکوں کے سیکریٹری خارجہ رابطے میں رہیں گے اور دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے کے مواقع تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ بھارتی سیکریٹری خارجہ سجاتا سنگھ نے کہا ہے کہ نریندر مودی اور نواز شریف کے درمیان ملاقات میں دہشت گردی کے مسئلے پر بھی بات چیت ہوئی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جسطرح بھارتی سیکریٹری خارجہ سجاتا سنگھ نے ایک پریس بریفنگ میں بھارت کا موقف میڈیا کے سامنے پیش کیا ٹھیک اُسی طرح پاکستانی سیکرٹری خارجہ اعزاز احمد چودھری بھی ایک پریس بریفنگ میں پاکستان کا موقف پیش کردیتے، لیکن شاید پاکستانی وزارت خارجہ اور باقی وفد کے ارکان اپنا ہوم ورک کیے بغیر بھارت پہنچ گے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ بھارت کی طرف سے پیدا کیے ہوئے کسی ایک بھی مسلئے کی طرف بات نہ کرسکے، تعجب ہے کہ ہمارے وزیراعظم بھارتی وزیراعظم سے مسلئہ کشمیر اور پانی کے مسلئے پر کوئی بات کیے بغیر واپس آگے۔ ملاقات کے بعد وزیراعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ بھارتی وزیراعظم کے ساتھ ہونے والی ملاقات انتہائی خوشگوار اور تعمیری ماحول میں ہوئی، مودی نے پاکستان کے پرامن ایجنڈے کا خیر مقدم کیا ہے۔ ان

کا کہنا تھا کہ دونوں ملکوں کے عوام خوشحالی چاہتے ہیں۔ خطے میں امن کے بغیر ترقی ممکن نہیں ہے۔ پاکستان اور جنوبی ایشیاء میں خوشحالی کیلئے امن کا قیام ناگزیر ہے۔ دونوں ملکوں کو ماضی کی رنجشیں بھولنا ہونگی۔ تصادم نہیں تعاون سے آگے بڑھنا ہوگا۔

وزیراعظم نواز شریف کے بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف بھارت کے الزامات سنے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ وہ بھارت میں کوئی بیان نہ دیتے اور واپس پاکستان پہنچ کر ایک پریس کانفرنس میں ان پاکستانی مسائل کو بیان کرتے جو بھارت کے پیدا کردہ ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف نے بھارتی صدر پرناب مکھرجی سے ملاقات کے علاوہ سابق بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی سے بھی ملاقات کی لیکن افسوس اُنھوں نے یا اُنکے وفد کے کسی ممبر نے کسی بھی کشمیری حریت پسند لیڈر سے ملنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔

نواز شریف ایک عرصے سے بھارت کے ساتھ تجارت کا فروغ چاہتے ہیں لیکن اگر بھارت کے پاکستان کے بارے میں یہی عزائم ہوں گے جو اُس نے حالیہ پاک بھارت وزرائے اعظم ملاقات میں ظاہر کیے ہیں اور اگراس کے باوجود پاکستان بھارت کے ساتھ صرف تجارت میں دلچسپی لے گا تو ایسا ناممکن ہے۔ پاکستان اور بھارت کو ملکر ان بنیادی مسائل کو حل کرنا ہوگا جن کی وجہ سے دونوں ممالک کے ڈیڑھ ارب لوگ بنیادی مسائل کا شکار ہیں۔ اگر بھارت ممبئی کی دہشت گردی کو رو رہا ہے تو بلوچستان، کے پی کے اور کراچی میں ہونے والی دہشت گردی میں بھارت ملوث

ہے۔ ویسے تو بھارت کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ بھارت کبھی بھی ہمارا اچھا پڑوسی نہ بن سکا لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ بھارت سے تعلقات خراب کیے جایں۔ دونوں وزرائے اعظم کی ملاقات میں نریندر مودی نے وہی کیا جو راشٹریہ سویم سیوک سنگھ سے اُس نے سیکھا ہے، کہا جاسکتا ہے کہ سنگھ پریوار کا رہنما نریندر مودی پاکستان کے خلاف نواز شریف کو الزامات سنانے میں کامیاب رہا۔ نواز شریف صاحب آخر میں ایک مرتبہ پھر عرض ہے کہ بھارت سے تجارت کرنا کوئی بری بات نہیں مگر اس سے پہلے پاکستان کو اپنے آپ کو معاشی اور سیاسی طور پر مضبوط کرنا ہوگا ورنہ کمزوروں سے دوستی نہیں کی جاتی بلکہ اپنے مفادات پورے کیے جاتے ہیں۔ اب آپ چاہیں تو بچھوں کے دیس میں اپنا کمزور ہاتھ دیدیں، یقینا آپ کو اپنے حالیہ دورہ بھارت سے سبق ضرور ملا ہوگا۔

صدر پاکستان کا عہدہ ختم کر دیا جائے

عمران خان اپنی سونامی اور چار حلقوں کی دوبارہ گنتی کے مطالبے کے ساتھ سیاست میں گرمی پیدا کرتے ہوئے اب سیالکوٹ سے گذر چکے ہیں، اُنکے سارے ہی جلسے کامیاب رہے ہیں مگر ان جلسوں کی کامیابی کا سہرا جہاں عمران خان کی ٹیم کو جاتا ہے وہاں ہی نواز شریف کے وزیروں کو بھی جاتا ہے جو ہر پانچ منٹ کے بعد عمران خان کے جلسے کے خلاف بیان بازی کر رہے ہوتے ہیں، علامہ طاہر القادری اور چوہدری شجاعت حسین اپنے دس نکاتی چارٹر کے ساتھ عنقریب دوبارہ سرگرم ہونگے۔ عمران خان کی موجودہ سیاست اور وزیراعظم نواز شریف کے دورہ بھارت پر میں لکھ چکا ہوں، آج صدر کے پارلیمینٹ سے خطاب اور کیا ہمارے معاشی حالات میں ایک صدر کی ضرورت ہے یا نہیں کچھ اس پر بات ہوجائے، باقی الطاف حسین کی گرفتاری اور رہائی اور اگلے سال کے بجٹ پر آئندہ بات ہوگی۔

پاکستان کے بارویں صدر ممنون حسین نے گذشتہ سال ستمبر میں منصبِ صدارت سنبھالا تھا۔ پارلیمانی سال کے آغاز پر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے صدر کا خطاب ایک آئینی ضرورت ہے، یہ آئینی ضرورت سابق

ڈکیٹٹر ضیاالحق کے زمانے سے شروع کی گی ہے، 1973ء کے اصل آئین میں یہ موجود نہیں تھی۔ صدر کی تقریر ایک رسمی کارروائی ہوتی ہے، اسے پارلیمنٹ سے مشترکہ خطاب بھی کہا جاتا ہے مگر ایسا پہلی بار ہوا کہ یہ خطاب صرف قومی اسمبلی کے ارکان کے سامنے کیا گیا، اس میں سینیٹ موجود نہیں تھی۔ صدر کی بلا سے کون آیا یا کون نہیں آیا اس سے صدر کو کیا فرق پڑتا ہے۔ صدر نے ایک آئینی ضرورت پورا کرنی تھی سو وہ پوری ہوگی۔ صدر ممنون حسین سابق صدر جنرل ضیاالحق کی بدت کی پیروی کرتے ہوئے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں تقریباپنتالیس منٹ وزیراعظم آفس میں تیار کی ہوئی تقریر پڑھتے رہے، انکی پہلی تقریر سے یہ توبڑا واضع ہوگیاکہ وہ نواز شریف سے وفاداری میں سابق صدر رفیق تارڑ سے دو ہاتھ آگے ہیں۔اپنی پہلی تقریر میں صدر ممنون حسین نے یہ تو تسلیم کیا کہ عوام کو لوڈ شیڈنگ، مہنگائی، بیروزگاری اور دہشت گردی جیسے مسائل کا سامنا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی انہوں نے موجودہ حکومت کی پالیسیوں کی تعریف کی اور ان اقدامات کا ذکر کیا جوان مسائل کو حل کرنے کے لئے حکومت کررہی ہے۔ صدرنے خود جن مسائل کی نشاندہی کی اُنکے لیے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے رہے کہ پاکستان کے تمام مسائل بس اب حل ہونے والے ہی ہیں۔ ملک میں بجلی کی فروانی ہونے والی ہے، مہنگائی کا جلد خاتمہ ہوجایگا، لا اینڈ آرڈر کی صورتحال مثالی ہوجاگی۔ ملک میں زرمبادلہ کے ڈھیر لگ چکے ہیں اورپاکستان ایک جدید اسلامی اور فلاحی ریاست بن چکا ہے۔ بلوچستان میں

علیحدگی کی تحریک ختم ہونے والی ہے۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں جلد امن امان ہو جایگا، کراچی میں مکمل امن ہے، بھتہ خوری، دہشت گردی اور ٹارگیٹ کلنگ کا نام ونشان مٹنے والا ہے، اور ملک میں امن وامان ترقی اور خوشحالی کا دور دورہ ہے۔ اپوزیشن جماعتوں کے ارکان نے صدر کے خطاب کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ یہ ریاست کے سربراہ کی کم اور ایک سیاسی جماعت کے وفادار کی تقریر زیادہ لگ رہی تھی۔

صدر وفاق کا سربراہ ہوتا ہے۔ پارلیمانی نظام میں یہ غیر انتظامی عہدہ ہوتا ہے کیونکہ صدر وزیر اعظم کے کہنے پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ البتہ پاکستان کے فوجی حکمران صدر کے عہدے کو اپنے لیے استمال کرتے رہے ہیں اور وزیر اعظم کے انتظامی اختیارات بھی اپنے پاس رکھتے رہے ہیں، چاہے ان کا اپنا مقرر کیا وزیر اعظم موجود ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی سب سے بُری دو مثالیں ضیاالحق کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو اور پرویز مشرف کے دور کے دو وزرائے اعظم میر ظفراللہ خان جمالی اور شوکت عزیز ہیں۔ پارلیمانی نظام میں صدر کو وفاق کا نمائندہ کہا جاتا ہے اور صدر سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ سیاسی وابستگی سے بالاتر ہوکر نامزد ہونے کے بعد اپنی سیاسی جماعت سے مستعفی ہو جائے۔ مثال کے طور پر صدر نامزد ہونے کے بعد فاروق احمد خان لغاری پیپلز پارٹی کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے تھے جبکہ آصف علی زرداری پاکستان کے صدر

ہوتے ہوئے بھی پیپلز پارٹی کا سربراہ بنے رہے۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک صدر کے عہدے پر فائز رہنے والی شخصیات میں چار فوجی جنرل ہیں جبکہ آٹھ سول حکمران ہیں، فوجی صدر نے تو خود ہی سارے اختیارات کا استمال کرنا ہوتا ہے تو اُنکے وقت میں وزیراعظم ایک شوپیس ہوتا ہے، ٹھیک اسطرح ہی جمہوری دور میں وزیراعظم انتظامی سربراہ ہوتا ہے جبکہ صدر غلامی کی نشانی ہوتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو فوجی اور سول حکومت میں کسی ایک کے پاس اختیارات ہوتے ہیں جبکہ دوسرا سوائے معاشی بوجھ کے کچھ نہیں ہوتا۔

ہمارے وزیر خزانہ کے بقول پاکستان کی پچاس فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذار رہی ہے، دو ڈالر یا دو سو روپے یومیہ کمانے والے کو غربت کی لکیر سے نیچے ہی تصور کیا جاتا ہے، ایک طرف تو یہ صورتحال ہے جبکہ دوسری طرف آئندہ سال کے بجٹ میں صدر کے لیے مختص اخراجات 74 کروڑ 32 لاکھ روپے رکھے گئے ہیں، جو گزشتہ سال کے 69 کروڑ میں مزید 6 کروڑ روپے کا اضافہ ،یعنی اب مہینے بھر کا صدر کا خرچ سوا چھ کروڑ روپے ہے۔ کراچی سے تعلق رکھنے والے صدر ممنون حسین کو کراچی کے حالات کے بارے میں تو اپنی تقریر میں ایک لفظ کہنے کی توفیق تو نہیں ہوئی مگر اخباری اطلاعات کے مطابق اپنے خاندان اور رشتہ داروں کی سیکوریٹی کے نام پر کراچی کے اسٹیٹ گیسٹ ہاوس میں رہائش پذیر ہیں جسکی وجہ سے اسٹیٹ گیسٹ ہاوس میں ٹھرنے والوں کو بڑے ہوٹلوں میں ٹھرانے کے

اخراجات بھی حکومت کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ صدر مملکت نے گذشتہ سال فریضہ حج بھی ادا کیا، اُنکے ساتھ جانے والے اکتیس رکنی وفد میں صدر مملکت سمیت اُنکے بائیس رشتہ دار اور دوست شامل تھے، اُن سب نے سرکاری خرچ پر حج کی سعادت حاصل کی، یہ حج ہوا یا نہیں اور اس کا ثواب کس کو ملے گا، حج کرنے والوں کو یا پاکستان کے غریب عوام کو، جنھوں نے اخراجات برداشت کئے، جبکہ قوم تو مقروض ہے اور قرض دار پر حج واجب ہی نہیں، وہ بھی ایسے حالات میں جب پاکستان کے پچاس فیصد سے زیادہ عوام غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذار رہے ہوں اور فاقوں پر مجبور ہوں۔ کراچی کے علاقے ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کے بنگلے میں رہنے والے صدر مملکت ممنون حسین کے پاس شاید تین یا چار ملازم ہوں، لیکن ایوان صدر میں وہ 497 ملازمین کا اسٹاف رکھتے ہیں، جن میں 200 ملازمین کنٹریکٹ پر ہیں، صدر صاحب کے اِن ملازمین کی سال بھر کی تنخواہیں اور الاؤنسز 16 کروڑ کے لگ بھگ ہیں۔ ایوان صدر کو سرسبز وشاداب رکھنے کے لیے 85 مالیوں کی خدمات لی جاتی ہیں جن کی تنخواہیں 3 کروڑ 13 لاکھ ہیں۔ صدر مملکت کے غیر ملکی دوروں کے لیے 54 لاکھ 50 ہزار روپے رکھے گئے ہیں جبکہ پہلے ہی سے شاہانہ فرنشڈ ایوان صدر کی آرائش وزیبائش کے لیے بھی 19 لاکھ روپے رکھے گئے ہیں۔ ملک میں اس وقت سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی ہے لہٰذا صدر کی مومنٹ پر سیکوریٹی کا انتظام لازمی ہے جس پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں اور عوام پریشان ہوتے ہیں۔

آئین میں اٹھارویں ترمیم کے بعد صدرِ کا عہدہ محض رسمی رہ گیا ہے کیونکہ ماضی کے برعکس اب بیشتر صدارتی اختیارات وزیرِ اعظم کو منتقل ہو چکے ہیں۔ صدر کا انتخاب کسی طرح بھی عوام سے تعلق نہیں رکھتا، صدر کا انتخاب پارلیمینٹ کے زریعے ہوتا ہے اور صدر وہی بنتا جس پارٹی کی پارلیمینٹ میں اکثریت ہوتی ہے بظاہر اسوقت آئینی طور پر صدر پر کسی بھی قسم کی سیاسی ذمیداری نہیں ہیں، صدر آرڈینس پر دستخط کرتا ہے، قومی اسمبلی یا سینٹ کے اجلاس طلب کرتا ہے، جب کبھی صدر ملک سے باہر جاتے ہیں تو سینٹ کے چیرمین قائم مقام صدر کی ذمیداری پوری کرتے ہیں۔ موجودہ دور حکومت ایک پارلیمانی جمہوری حکومت ہے لہٰذا تمام اختیارات وزیرِ اعظم نواز شریف کے پاس ہیں، صدر کو کسی بھی قسم کا انتظامی اختیار نہیں ہیں تو پھر اس نمایشی عہدے کو ختم کر دینا چاہیے، جہاں آئین میں اتنی ترمیم ہو چکی ہیں وہاں ایک ترمیم اور سہی جسکے زریعے صدر کی موجودہ ذمیداریاں سینٹ کے چیرمین کو سونپ دی جایں، اس سے نہ تو ہماری خارجہ پالیسی پر کوئی اثر پڑے گا اور نہ ہی داخلی سلامتی پر البتہ صدر کے انتخابات سے لیکر اگلے پانچ سال تک صدر پر ہونے والے اربوں روپے کی بچت ضرور ہو گی، لہٰذا بہتر ہو گا کہ صدر پاکستان کا عہدہ ختم کر دیا جائے۔

طالبان دہشت گردوں سے مذاکرات کب تک؟

اگر قاتل اور بھڑیے جنھیں ہم درندہ کہیں تو غلط نہ ہوگا، وہ اگر ہمیں ماریں، ہماری آنکھ نکال لیں یا ہمیں ڈس لیں تو ہمارے حکمرانوں کو کیا کرنا چاہیے یہ حکمرانوں کے طرز عمل سے آپکو پتہ چل جایگایا چل گیا ہوگا۔ لیکن میں ذرا مختلف ہوں شاید اُسکی وجہ یہ ہے کہ میں نہ تو سیاسی لیڈر ہوں اور نہ ہی حکمرانوں کا حصہ ہوں لہٰذا میں یسوع مسیح کی اس بات کو بلکل نہیں مانتا کہ "اگر کوئی تمارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کردو" اور نہ ہی گاندھی جی کے اس فلسفے کو مانتا ہوں کہ " اگر آنکھ کا بدلہ آنکھ ہو تو پوری دنیا اندھی ہو جائے گی"۔ مجھے اس مثال سے بھی سخت اختلاف ہے کہ "سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"۔ میرا ماننا ہے کہ لاٹھی ٹوٹتی ہے تو ٹوٹے لیکن سانپ لازمی مرے۔ لیکن ہمارے حکمراں اور ہمارے کچھ لیڈر یسوع مسیح کی اس بات کو بہت سنجیدگی سے لیتے ہیں کہ اگر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کردو، وہ ہر مرتبہ یہ سوچ کردوسرا گال آگے کرتے ہیں کہ شاید وہ اب نہیں مارے گا لیکن وہ پھر مارتا ہے۔ ہمارے یہ حکمراں اور لیڈر گاندی جی کے بہت بڑے بھگت ہیں اور اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر آنکھ کا بدلہ آنکھ ہو تو پوری دنیا اندھی ہو جائے گی اور یہ لوگوں کی

آنکھیں نکلتی دیکھتے ہیں اور گاندھی جی کے بڑے بھگت بننے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لاٹھی بچانے کی فکر میں کبھی بھی سانپ پر کاری وار نہیں کرتے۔ سانپ نکل جاتا ہے اور یہ لکیر پیٹتے رہتے ہیں پھر سانپ پلٹ کر ان کو ڈس لیتا ہے اور یہ لاٹھی بچانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، لاٹھی تو بچ جاتی ہے مگر یہ نہیں بچتے۔ میں جنہیں درندہ کہہ رہا ہوں عام طور پر انہیں طالبان دہشت گرد کہا جاتا ہے۔

آٹھ جون 2014ء کی درمیانی شب کو کراچی کے جناح انٹرنیشنل ایرپورٹ پہ حکومت کی ناقص سیکوریٹی انتظام اورایک اندیشے کے مطابق انتظامیہ میں سے چند بکے ہوئے ارکان کی وجہ سے طالبان دہشت گردوں کی جانب سے ایرپورٹ پر حملہ ہواتو پھر سے دہشت گردی سے متعلق کئی سنجیدہ سوال سامنے آئے، جن میں سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ حکومت اور طالبانی دہشت گردوں کا مذاکرات کا ڈرامہ کب ختم ہوگا۔ جناح انٹرنیشنل ایرپورٹ پہ ہوئے حملے میں 26 افراد شہید ہوئے، ان میں سات افراد وہ بھی شامل ہیں جو دہشت گردوں کے حملے کے بعد کولڈ اسٹوریج میں پناہ لیے ہوئے تھے لیکن بدقسمتی اور انتظامیہ کی لاپرواہی سے کولڈ اسٹوریج میں لگنے والی آگ کی وجہ سے زندگی کی بازی ہار گئے، سیکورٹی فورسز نے تمام دہشت گردوں کو ہلاک کردیا جن کی تعداد دس تھی۔ دہشت گردوں کے ترجمان شاہداللہ شاہد نے کہا ہے کہ کراچی ایرپورٹ پہ کیا جانے والا حملہ

حکومت پاکستان کو پیغام ہے کہ ہم ابھی زندہ ہیں اور اپنے بے قصور لوگوں کو مارے جانے کا جواب دے سکتے ہیں۔ دہشت گردوں کے ترجمان کے مطابق کراچی ائیرپورٹ پر حملہ کرکے تحریک طالبان نے اپنے سابق امیر حکیم اللہ محسود کی ہلاکت کا بدلہ لے لیا ہے۔طالبان نے جو نہیں کہا وہ یہ ہے کہ ہم پاکستان کے دشمنوں کے آلہ کار ہیں جن میں بھارت خاصکر شامل ہے اسلیے کراچی جو پاکستان کا معاشی حب ہے اُسکے ایرپورٹ پر حملہ کرنے کا مقصد واضع طور پاکستان کی معاشی تباہی ہے۔ کسی بھی ایرپورٹ پر اترنے والے جہاز اُس ملک کی ایک بڑی آمدنی کا زریعہ ہوتے ہیں، اسکے علاوہ بین الاقوامی تجارت کو بڑھانے کا بھی زریعہ بنتے ہیں، بدقسمتی سے پہلے ہی بہت ساری ایرلائن پاکستان اور خاصکر کراچی نہیں آتیں، اس دہشت گردی کا کیا اثر ہوتا ہے اور پاکستان پر اسکا کتنا معاشی اثر آتا ہے وہ عنقریب سامنے آجائے گا۔ کراچی ایرپورٹ پر حملے کے بعد دہشت گردوں کے ترجمان شاہداللہ شاہد نے حکومت پاکستان کو یہ پیغام بھی دیا ہے کہ "ہم حکومت کو ایک اور موقع دیتے ہیں اور اگر وہ بات چیت کے لئے تیار ہے تو ہم پھر بات کریں گے"۔یقینا طالبان دہشت گردوں کے ہمدرد جن میں لکھاری، سیاسی جماعتیں، نواز شریف اور اُنکے وزرا شامل ہیں دہشت گردوں کی اس پیش کش پر خوشی کا اظہار کرینگے کہ دہشت گردی کے باوجود طالبان نے بات چیت کے دروازے بند نہیں کیے ہیں اور حکومت کو بات چیت کے لیے ایک اور موقعہ دیا ہے۔

کراچی ایرپورٹ پہ دہشت گردانہ کارروائی سے ایک اور بات توجہ طلب ہے کہ ان مذاکرات کے نتائج پر کس قدر اعتبار کیا جائے جو حکومت پاکستان نے تحریک طالبان پاکستان کے رہنماؤں کے ساتھ کیے تھے۔ درحقیقت بات وہی ہے جو بہت سے مبصرین نے کہی تھی کہ دہشت گردوں کا مذاکرات کرنے پر رضامند ہونا ایک ہی مقصد کے تحت تھا کہ دہشت گردوں کے آقاوں کا خیال تھا کہ حکیم اللہ محسود کی ہلاکت کے بعد دہشت گردوں کو اپنی صف بندی نئے سرے سے کیے جانے کی خاطر وقت چاہیے تھا تاکہ اس دوران دہشت گردوں کی طاقت بڑھا لی جائے۔ یہ طالبان کا پرانا حربہ ہے جسکو وہ ابھی تک بڑی کامیابی سے استمال کر رہے ہیں۔ گذشتہ سال ابھی نواز شریف برسر اقتدار نہیں آئے تھے لیکن اُنکو طالبان نے امن مذاکرات کی پیش کش کی ہوئی تھی کہ ایک امریکی ڈرون حملے میں دہشت گردوں کا ساتھی ولی الرحمان جس کے سر کی قیمت امریکہ نے پچاس لاکھ امریکی ڈالر مقرر کی تھی مارا گیا۔ 4 دسمبر 2005ء کو پریڈ گراؤنڈ راولپنڈی میں طالبان دہشت گردوں نے ایک مسجد پر حملہ کرکے چالیس افراد کو شہید کیا جن میں نمازی بچے بھی شہید ہوئے اور مسجد کا ایک حصہ شہید ہوا۔ شقی القلب طالبان نے 17 مسجد پر حملہ اور اس قتل و غارت کی ذمہ داری قبول کر لی۔ یہ ذمہ داری دہشت گرد طالبان کے جرائم پیشہ رہنماء ولی الرحمٰن نے قبول کی تھی۔ اُسکی ہلاکت کے بعد طالبان دہشت گردوں نے برسر اقتدار آنے والی نواز شریف کی حکومت سے امن مذاکرات کی

پیشکش واپس لینے کا اعلان کر دیا تھا، لیکن نواز شریف نے حکومت بنانے کے بعد اور ستمبر میں تمام پاکستانی سیاسی جماعتوں کی حمایت حاصل کرکے جب مذاکرات کی پیش کش کی تو کالعدم تحریک طالبان نے اسکو قبول کر لیا۔یکم نومبر 2013ء کو آٹھ کمروں کے مکان میں اپنی دو بیگمات کے ساتھ پُرآسائش زندگی گزارنے والے ہزاروں معصوم پاکستانی شہریوں کے قتل میں مُلوث اور پاکستانی ریاست کے باغی دہشت گرد طالبان پاکستان کے لیڈر حکیم اللہ محسود ایک امریکی ڈرون حملے میں ہلاک ہوا تو طالبان نے ایک مرتبہ پھر مذاکرات سے انکار کر دیا تھا، اس وقت کالعدم تحریک طالبان پاکستان نے مذاکرات نہ کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ مذاکرات کے منتظر تھے تاہم حکومت نے انہیں حکیم اللہ محسود کی لاش تحفے میں دے دی، حالانکہ یہ تحفہ اُن کے بڑے آقا امریکہ نے دیا تھا۔ پاکستانی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان بھی حیران اور پریشان تھے، اس لیے کہ وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار پوری قوم سے مسلسل جھوٹ بول رہے تھے، اُس وقت قومی اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "دو ہفتوں میں کافی حد تک بات آگے جا چکی تھی،ڈرون حملے سے پہلے طالبان کو آگاہ کیا تھا کہ ایک وفد آپ کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں،حکومت جو وفد بھیج رہی تھی ان میں علمائے کرام شامل تھے"، جب اُن سے وفد کے ارکان کے نام معلوم کیے گے تو وہ بتا نہ سکے۔

پاکستان مسلم لیگ ن کی پارلیمانی پارٹی کا ایک اجلاس 27 جنوری 2014ء کو

ہوا جس میں تقریبا 90 فیصد ارکان نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کی حمایت کی، اس اجلاس کے بعد عام خیال یہ ہی تھا کہ اب دہشت گردوں کے خلاف آپریشن ہوگا مگر افسوس اسکے صرف دو دن بعد نواز شریف نے قومی اسمبلی میں خطاب کے دوران طالبان سے مذاکرات کیلئے چار رکنی کمیٹی کا اعلان کیا جس میں عرفان صدیقی، میجر (ر) محمد عامر، رحیم اللہ یوسفزئی ، اور افغانستان میں پاکستان کے سابق سفیر رستم شاہ مہمند کو شامل کیا گیا، بقول وزیراعظم اس کمیٹی کی تشکیل اس لیے کی ہے کہ امن ہماری خواہش نہیں، منزل ہے۔ دو دن بعد طالبان نے بھی اپنی ایک پانچ رکنی کمیٹی کا اعلان کیا جس میں جے یو آئی س کے رہنما مولانا سمیع الحق، جماعت اسلامی کے پروفیسر ابراہیم، لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز، تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اور جے یو آئی ف کے رہنما مفتی کفایت اللہ شامل تھے۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اور جے یو آئی ف کے رہنما مفتی کفایت اللہ نے اس کمیٹی میں شمولیت سے انکار کردیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ دونوں طرف کی کمیٹیوں میں سوائے رحیم اللہ یوسفزئی باقی سارے طالبان کے ہمدرد ہیں۔ دونوں طرف کی کمیٹیوں کی ملاقات ایسے ہورہی تھیں جیسے دو ملکوں کے وفود کی ہوتی ہیں، دونوں کمیٹیاں پورے ملک میں اپنی مشہورت میں لگی ہوئی تھیں، مولانا سمیع الحق کی پریس کانفرس پر پریس کانفرس ہورہی تھیں، جماعت اسلامی کے پروفیسر ابراہیم روز کسی نہ کسی ٹی وی چینل کے ٹاک شو میں موجود ہوتے، اسکے علاوہ روزانہ مذاکرات پر

ایک اخباری بیان پروفیسر ابراہیم کے معمولات میں شامل ہوتا جبکہ لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز برقعے میں فرار کو عین اسلامی قرار دیتے رہے، پاکستان کے آئین سے منکر اور مذاکرات کو چھوڑ کر اپنی سیاسی دوکان کو دوبارہ کھول بیٹھے اور آخرکار طالبان کمیٹی سے علیحدہ ہوگئے، اُن کی جگہ مولانا یوسف شاہ کو کمیٹی کے کوآرڈینیٹر کے طور پر شامل کیا گیا۔ اس درمیان میں حکومت اور طالبان کی جانب سے نام نہاد جنگ بندی کا اعلان بھی ہوا، جس کے باوجود دہشت گردی جاری رہی، اب ہر دہشت گردی سے طالبان انکار کرتے اور ہر ہونے والے حملے کی ذمہ داری احرار الہند نامی ایک غیر معروف دہشت گرد گروپ تسلیم کرتا تھا۔ جرائم کا ریکارڈ رکھنے والی ایک ویب سائٹ "ساٹہپ" کے مطابق جنوری 2014ء سے 8 جون 2014ء تک پاکستان میں دہشت گردانہ تشدد میں اموات کی کل تعداد 1893 ہے، جس میں 859 عام شہری، 277 سکیورٹی فورسز کے ارکان اور 757 دہشت گرد شامل ہیں۔

وزیراعظم نواز شریف صاحب اگر آپ واقعی پاکستان سے مخلص ہیں تو آپکو یہ گومگوں کی پالیسی کو ترک کرنا ہوگا اور دوٹوک فیصلہ کرنا ہوگا کہ کہ آپ یسوع مسیح کو نہیں مانتے اور اپنا دوسرا گال پیش کرنے کے بجائے اسکو سبق سکھاینگے جس نے آپکے گال پر تھپڑ مارا ہو، آپ گاندھی جی کے بھگت بھی نہیں ہیں اور آنکھ کے بدلے آنکھ پر عمل کرینگے، آپ سانپ پر کاری وار کرینگے اور

اسکو نہیں چھوڑینگے چاہے اس میں لاٹھی ہی کیوں نہ ٹوٹ جائے۔ ہمیں پاکستان اور اسکے دوستوں اور دشمنوں میں امتیازی فرق کرنا ہوگا، پاکستان کے لیے جانیں دینے والوں کو شہید کہنا ہوگا اور دہشت گردوں کو "کتے کی موت مارے گے" لکھنا اور کہنا ہوگا۔
دہشتگردی پاکستان کی وہ بیماری ہے جسکا علاج نام نہاد "مذاکرات" سے کیا جارہا ہے مگر اب صاف نظر آتا ہے کہ یہ مرض اسقدر بڑھ چکا ہے کہ آپریشن کے علاوہ شاید کوئی چارہ نہیں۔ اب جبکہ طالبان تو کھل کر اپنی دہشت گردی کا اعلان کر رہے ہیں اور مذاکرات کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا ہے تو پھر آپریشن لازمی ہے لیکن اگر آپریشن نہیں تو پھر نواز شریف صاحب "طالبان دہشت گردوں سے مذکرات کب تک"؟۔

دہشت گردوں کے خلاف آخری معرکہ

آٹھ جون 2014ء اتوار کی درمیانی شب کو کراچی کے جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہ حکومت کی ناقص سیکوریٹی انتظام اورایک اندیشے کے مطابق انتظامیہ میں سے چند بکے ہوئے ارکان کی وجہ سے طالبان دہشت گردوں کی جانب سے ایئرپورٹ پر حملہ ہواتوپھر سے دہشت گردی سے متعلق کئی سنجیدہ سوال سامنے آئے، جن میں سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ حکومت اور طالبانی دہشت گردوں کامذاکرات کاڈرامہ کب ختم ہوگا۔ آٹھ جون 2014ء تک ملک میں دہشتگردی کے واقعات میں 52ہزار409 افراد نشانہ بنے جبکہ سیکورٹی فورسز کے 5ہزار775 اہلکار شہید ہوئے، 396 خود کش حملے ہوئے جس میں 6ہزار21 افراد جاں بحق اور12ہزار558 افراد زخمی ہوئے، 4ہزار932 بم دھماکے ہوئے، دہشتگردی کے نتیجے میں شہید ہونیوالوں میں پاک فوج کے سینئر افسران میں لیفٹیننٹ جنرل مشتاق بیگ، میجر جنرل امیر فیصل علوی، اور میجر جنرل ثناء اللہ نیازی شامل ہیں، جبکہ اہم فوجی تنصیاب جن پر حملے کیے گئے ان میں جی ایچ کیو، منہاس ایئر بیس، مہران نیول بیس اور پاکستان آرڈیننس فیکٹری شامل ہیں۔ آخرکاراتوار 15 جون کو افواج پاکستان نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن کا آغاز کیا۔ 'العضب' نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی تلوار کا نام ہے،

اسی مناسبت سے پاک فوج نے آپریشن کا نام "ضرب عضب" رکھا ہے جس کا مطلب ضرب کاری" یعنی دہشت گردوں کا مکمل خاتمہ۔آپریشن کو ایسا مقدس نام دینے پر" پاک فوج کو بہت بہت مبارکباد کے ساتھ دلی دعا ہے کہ یہ آپریشن کامیاب ہو اور اللہ تعالی معصوم شہریوں کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وزیراعظم ٹی وی پر آکر قوم سے خطاب کرتے اور مذاکرات کی ناکامیابی کے اسباب پر روشنی ڈالتے اور آپریشن شروع کرنے کا اعلان کرتے۔ مگر قوم کو آئی ایس پی آر کے پریس ریلیز کے زریعے آپریشن شروع ہونے کی اطلاع ملی، آئی ایس پی آر کے پریس ریلیز کے مطابق شمالی وزیرستان میں حکومتی ہدایت پر باقاعدہ فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا ہے۔ اگلے روز وزیراعظم نواز شریف نے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہم مذاکرات کر رہے تھے جبکہ دوسری جانب تنصیبات کو نشانہ بنایا گیا، ہماری نیک نیتی پر مبنی پیش رفت کو اسی جذبے کے ساتھ نہیں لیا گیا، کراچی حملے کے بعد مشاورت سے آپریشن کا فیصلہ کیا، دہشت گردی نے معیشت کو گہرا زخم لگایا، پاکستان دہشت گردی کی بھاری قیمت ادا کر چکا ہے۔ دکھ کی بات ہے مساجد، امام بارگاہیں، عبادت گاہیں محفوظ نہیں ہیں، کھیل کے میدان ویران ہیں، بازار و شہر خوف کے سائے میں ہیں۔ دہشت گردی ہماری معیشت کو 103 ارب ڈالر کا زخم لگا چکی ہے۔ ہم کسی قیمت پر ملک کو دہشت گردوں کی پناہ گاہ نہیں بننے دیں

گے۔ قومی اسمبلی میں یہ سب باتیں کرنے والے نواز شریف اور اُنکے وزرا گذشتہ ایک سال اور خاصکر 23 جنوری سے مذاکرات کے نام پر پوری قوم کو دھوکا دے رہے تھے۔ وزیراعظم نواز شریف جس وقت مذکراتی کمیٹی کا اعلان کر رہے تھے اُس وقت بھی کراچی کی فضائیں یکے بعد دیگرے ہونیوالے دھماکوں سے گونج رہی تھیں، ان دھماکوں میں دو رینجرز اہلکاروں سمیت چار بے گناہ انسانوں کا خون بہایا گیا تھا۔ آٹھ جون کو ایک مرتبہ پھر کراچی میں خون بہایا گیا اور ملکی معیشت کو تباہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گی۔ نواز شریف جو فی الوقت آپریشن کے لیے تیار نہیں تھے کراچی ایئرپورٹ پر حملے کے بعد اُنہیں آپریشن کی منظوری دینا پڑی یا افواج پاکستان کے آپریشن کے مشورہ کو قبول کرنا پڑا اسکے علاوہ اُنکے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا کیونکہ پوری قوم افواج پاکستان کے ساتھ کھڑی ہے۔

طالبان دہشت گردوں سے مذاکرات کے ڈرامے میں وزیراعظم نواز شریف کی حکومت کے علاوہ تین مذہبی سیاسی جماعتیں جماعت اسلامی، جمیعت علمائے اسلام (ف) اور جمیعت علمائے اسلام (س) اور ان جماعتوں کے سربراہ پہلے سابق امیر جماعت سید منور حسن اور اب موجودہ امیر سراج الحق، مولانا فضل الرحمان اور مولانا سمیع الحق بھی برابر کے ذمیدار ہیں۔ طالبان کی کسی بھی قتل و غارت گری کے بعد قطع نظر اس کے مرنے والوں سے سراج الحق، مولانا فضل الرحمان اور مولانا

سمیع الحق ہمدردی کریں یہ طالبان کی صفایاں دینے لگتے ہیں، اُن کے ساتھ ہی کچھ صحافی جن میں خاصکر انصار عباسی اور اوریا مقبول جان صحافت کی آڑ میں طالبان کی ہمدردی میں پیش پیش رہے ہیں۔ پاکستان تحریک انصاف اور اسکے سربراہ عمران خان بھی طالبان کے ہمدرد ہیں، طالبان کی کسی بھی دہشت گردی پر افسوس ضرور کرتے ہیں لیکن اُسکے بعد قوم کو ڈرانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، حادثہ کی جگہ پر ہی کہہ دیتے ہیں آپریشن کا کوئی فاہدہ نہیں ہوگا، نو سال سے آپریشن ہو رہا ہے ہم نے کیا کرلیا۔ فوجی آپریشن کے بعد انہوں نے آپریشن کی حمایت تو کی مگر مذاکرات کا راگ الاپنا نہیں بھولے۔ جماعت اسلامی کو تو اب بھی دہشت گردوں کے خلاف ہونے والے آپریشن پر اعتراض ہے، مولانا فضل الرحمان کا تو سب کو پتہ ہے کہ جس طرف فاہدہ نظر آئے اُس طرف ہی مولانا ہوتے ہیں، طالبان کے نام نہاد باپ اور مذاکرتی کمیٹی کے ایک کردار مولانا سمیع الحق جو مذاکرات کے نام پر روز پریس کانفرنس کر رہے تھے اور جس کے زریعے وہ مسلسل قوم سے جھوٹ بولتے رہے اب بھی حکومت سے مذاکرات کا ڈرامہ جاری رکھنے پر اسرار کر رہے ہیں۔

دہشت گردوں کے خلاف آپریشن شروع ہوتے ہی اُنکے ہمدرد انصار عباسی نے ایک کالم لکھا جسکا عنوان "اچھے طالبان ہوں یا برے، آپریشن میں سب کو نشانہ بنایا جایگا" ہے، اس کالم کے شروع میں ہی انصار عباسی نے لکھا ہے "اسلام

آباد (انصار عباسی) معلوم ہوا ہے کہ اچھے اور برے طالبان میں تفریق کیے بغیر اور فوجی حکام کے ساتھ معاہدے کرنے والے طالبان سمیت آپریشن ضرب عضب میں تمام جنگجوئوں کو نشانہ بنایا جائے گا۔ باخبر ذرائع کے مطابق صرف ان ہی جنگجوئوں اور گروپس کو چھوڑا جائے گا جو ہتھیار ڈال دیں گے"۔ اس کالم کو روزنامہ جنگ نے ایک اہم خبر کے طور پر صفحہ اول پر شائع کیا ہے جبکہ یہ خبر نہیں انصار عباسی کے ذہن کی پیداوار ہے، جنگ انتظامیہ اور انصار عباسی اب بھی فوج کے خلاف لگے ہوئے ہیں۔
افواج پاکستان کو یہ لازمی سمجھنا ہوگا کہ " طالبان کے لفظی معنی کچھ بھی ہوں مگر ہمارے ملک میں طالبان عام طور پر دہشت گردوں کو کہا جاتا ہے، طالبان کے 45 سے زائد گروہ ہیں اور ہر گروہ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی قتل و غارت گری کی کسی بڑی مہم کا حصہ رہ چکا ہے اور اس کا اقرار بھی کرچکا ہے، ان گروہ میں سے کوئی عام انسانوں کا قتل عام کررہا ہے تو کوئی فرقہ وارانہ قتل و غارت گری میں مصروف ہے، یہ اغوا برائے تاوان، بھتہ خوری، ٹارگیٹ کلنگ، منشیات کی اسمگلنگ، ڈکیتیوں اور دوسرے جرائم میں بھی مصروف ہیں۔ یہ صرف نام کے انسان ہیں خصلتیں سب کی درندوں جیسی ہیں، لہٰذا ان میں یہ احمقانہ تمیز کرنا کہ اچھے کون ہیں اور برے کون ہیں اسکی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ کسی درندے سے انسانیت کی امید نہیں کی جاسکتی۔ پاکستان میں طالبان کی دو قسمیں ضرور موجود ہیں ایک وہ ہیں جو قتل و غارت گری اور دوسرے جرائم کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو سیاسی اور مذہبی

جماعتوں یا پھر صحافت کی آڑ میں اُن کی حمایت کرتے ہیں۔ افواج پاکستان کو دونوں قسم کے طالبان کا آپریشن کرنا ضروری ہے۔ آیئے ملکر دعا کریں کہ افواج پاکستان کا یہ آپریشن طالبان اور اُنکے ہمنوا دہشت گردوں کے خلاف آخری معرکہ ہو۔

نواز شریف اور طاہر القادری آمنے سامنے

سترہ جون کو لاہور میں منہاج القرآن کے کارکنوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نہ صرف باعث افسوس ہے بلکہ ہر محب وطن پاکستانی کا سر شرم سے جھکا ہوا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پولیس کو جو ٹریننگ دی جاتی ہے اسکا پہلا سبق یہ ہوتا ہے کہ حکمرانوں کے تلوے چاٹنا تمارا اولین فرض ہے، دوسرے حکمرانوں کے مخالفین یا عام لوگوں کے ساتھ بدترین سلوک کرنا بھی پولیس کے فرائض کا حصہ ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے باوردی سرکاری ملازم جنھیں عام زبان میں پولیس کہا جاتا ہے یوں تو پورے پاکستان میں ہی بدنام ہیں لیکن صوبہ پنجاب کی پولیس کرپشن اور ظلم وزیادتی میں باقی صوبوں سے آگے ہے۔ کسی بھی حکومت کے بارے میں اگر آپ کو یہ جانچنا ہو کہ وہاں کے حکمراں کیسے ہیں تو سرکاری ملازمین کے زریعے اور خاصکر پولیس کے زریعے یہ جانچا جاسکتا ہے کہ اُس ملک یا اُس صوبہ کے حکمران کیسے ہیں کیونکہ سرکاری مشنری اور پولیس اپنے ملک یا صوبہ کے سربراہ کے مطابق بہت جلد اپنے آپ کو ڈھال لیتے ہیں۔ کہنے کا مطلب سیدھا سیدھا یہ ہے کہ لاہور میں جو آٹھ افراد جن میں دو خواتین بھی شامل ہیں زندگی کی بازی ہار گئےاُن کی موت کی زمیداری کسی عام پولیس والے یا کسی ایس ایچ اوپر نہیں ڈالی جاسکتی ہے، سیدھی سی بات

ہے کہ ان آٹھ اموات اور 90 زخمی افراد کے علاوہ املاک کی بربادی کے ذمیدار صوبہ کے سربراہ شہباز شریف ہیں۔

پاکستان دوہری شہریت کو تسلیم کرتا ہے اور ہر اُس شخص کو پاکستان کی سیاست میں حصہ لینے کا حق دیتا ہے جو دوسرے کسی بھی ملک کے ساتھ پاکستان کا شہری بھی ہو۔ پاکستان کی دو شخصیات ایسی ہیں جو دہری شہریت کی حامل ہیں اور پاکستان کی سیاست میں بھرپور حصہ لیتی ہیں، اُن میں ایک تو ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین ہیں جبکہ دوسری شخصیت ادارہ منہاج القرآن کے سربراہ علامہ طاہرالقادری کی ہے جو اپنی سیاسی جماعت پاکستان عوامی تحریک" کے بھی سربراہ ہیں۔ علامہ طاہرالقادری کی سیاست سے " ضروری نہیں کہ میں اور آپ متفق ہوں، گیارہ مئی کے راولپنڈی کے جلسے میں اعلان کردہ اُنکے دس نکات سے بھی متفق ہونا ضروری نہیں، لیکن اس بات سے یقینا میں اور آپ دونوں لازمی متفق ہونگے کہ گذشتہ سال علامہ طاہرالقادری نے لاہور سے اسلام آباد تک جو 38 گھنٹے کا لانگ مارچ کیا تھا وہ پرامن تھا، اس بات سے بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ اگلے چار روز اسلام آباد کے ڈی چوک میں جو دھرنا دیا گیا وہ بھی پرامن تھا۔ میں نے طاہرالقادری کے اسلام آباد دھرنے کے خاتمے کے بعد ایک مضمون دو پرامن دھرنے مگر سبق ایک" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس کا کچھ حصہ " یوں تھا" تیرہ جنوری کو علامہ طاہرالقادری اپنے اعلان کردہ لانگ

مارچ پر لوگوں کی ایک کثیر تعداد اور سینکڑوں بسوں، ٹرکوں، کاروں اور موٹر سائیکلوں کے ساتھ لاہور سے اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل علامہ طاہر القادری نے اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ انکے لانگ مارچ کے شرکا ایک پتہ بھی نہیں توڑینگے۔ لاہور اور اسلام آباد کے درمیان جی ٹی روڈ پر آنے والے شہروں سے گذرتا ہوا یہ لانگ مارچ 38 گھنٹے میں پرامن طریقے سے اسلام آباد پہنچا جہاں اُسے دھرنا دینا تھا۔ جمرات سترہ جنوری کو ساڑھے چار بجے حکومت کا دس رکنی اتحادی جماعتوں کا وفد آیا اور ساڑھے دس بجے رات کو ایک معاہدہ کے بعد علامہ طاہر القادری نے دھرنے کے ختم ہونے کا اعلان کیا۔ تھوڑی دیر بعد دھرنے کے شرکا کی اسلام آباد سے روانگی شروع ہوچکی تھی۔ چھ ڈگری کی شدید سردی اور بارش کے باوجود لاہور سے اسلام آباد تک لانگ مارچ اور پھر چار دن تک اپنے پرامن دھرنے کی بدولت ایک پتہ توڑے بغیر دھرنے کے شرکا نے ملک کے صدر اور وزیر اعظم کو مجبور کیا اور اپنے تمام مطالبات منظور کروالیے"۔ سیاسی طور پر کسے فایدہ ہوایا کسے نقصان یہ تعین کیے بغیر میں سلام کرتا ہوں اسلام آباد کے پرامن دھرنے میں شامل لوگوں کو کیونکہ اس دھرنے نے پاکستان کی سیاست پر ایک تاریخی اور سبق آموزاثر چھوڑا تھا کہ تشدد کیئے بغیر بھی سیاست کی جاسکتی ہے۔

دسمبر 2012ء میں علامہ طاہر القادری پاکستان آئے اور پاکستانی سیاست پر

چھاگئے اورجب جنوری 2013ء میں علامہ نے اسلام آباد میں دھرنا دیا توپاکستان کی سیاست میں ایک بھونچال آگیا۔ سچی بات یہ ہے کہ سابق صدر آصف زرداری نے اس سیاسی بھونچال کو بہت ہی آسان لیا جبکہ نواز شریف کو اپنی آتی ہوئی باری دور جاتی نظر آرہی تھی لہٰذا انھوں نے ایک کانفرنس میں ان جماعتوں کو بلالیا جو یا توحکومت مخالف تھیں یا پھر وہ علامہ طاہر القادری کے دھرنے کے خلاف تھیں ۔ جبکہ علامہ نے اُس وقت مرکزی حکومت کے ساتھ ساتھ پنجاب کی مسلم لیگ ن کی حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ تیرہ سال بعد نواز شریف کو حکومت ملی ہے اور اس مرتبہ وہ اپنے پانچ سال مکمل کرنا چاہ رہے ہیں لیکن اُن کی ایک سال کی حکومت کے بعد پاکستان کے عوام جو پہلے ہی پریشان تھے مزید پریشان ہوچکے ہیں، اُنکے لیے ضروریات زندگی کا حصول مشکل ہوگیا ہے، بجلی کا بل اُنکے اوپر بجلی بنکر گرتا ہے، امن وامان کی صورتحال مزید خراب ہوچکی ہے، اسٹریٹ کرائم، بھتہ خوری، اغواء برائے تاوان ، دہشت گردی اور ڈرون حملوں نے لوگوں کو نفسیاتی مریض بنادیا ہے، نواز شریف تیسری مرتبہ حکومت میں آئے ہیں لیکن اُن کو کوئی کامیابی نہیں ملی ہے۔ طالبانی دہشتگردوں سے نام نہاد مذاکرات ختم ہوچکے ہیں اور فوجی آپریشن شروع ہوچکا ہے لیکن شاید مسلم لیگ ن کی یہ پالیسی کے خلاف ہے لیکن عوام اور فوج کو ایک ساتھ دیکھ کر نواز شریف کو بھی آپریشن کے فیصلے کو تسلیم کرنا پڑا۔ نواز شریف کی یہ خواہش تو پوری ہوگی کہ اُنکی اکیلی پارٹی حکومت بنائے

لیکن ایک سال میں وہ کوئی کامیابی حاصل نہ کرپائے۔

نواز شریف اور اُنکے بھائی شہباز شریف نے کچھ نورتن پالے ہوئے ہیں جو شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ہیں، مثال کے طور پر عمران خان کوئی جلسہ کریں یا حکومت کے خلاف کوئی بیان دیں تو یہ نورتن فوراحرکت میں آجاتے ہیں اور شاہ سے زیادہ شاہ کی وفاداری میں لگ جاتے ہیں، یہ ہی سلوک یہ ہراُس لیڈر یا سیاسی جماعت کے ساتھ کرتے ہیں جو دونوں بھائیوں یا انکی حکومت کے خلاف کچھ بولے، ان نورتن میں سے ایک پنجاب کے وزیر قانون رانا ثناء ہیں۔ علامہ طاہر القادری کا پاکستان آنے کا پروگرام سب کو پتہ ہے اور اگر رانا ثناء کو ایک عرصے سے لگے ہوئے حفاظتی بیریئرز پر اعتراض نہیں تھا تو پھر ڈھائی بجے رات کو پولیس ادارہ منہاج القرآن کے باہر کیا کررہی تھی، بقول رانا ثناء قانون کے مطابق حفاظت کے لئے حفاظتی بیریئر لگائے جا سکتے ہیں اور وہاں حفاظتی بیریئر کئی سال سے موجود تھے اور پولیس پہرا بھی دے رہی تھی، رانا ثناء کو اعتراض اس بات پر تھا کہ علامہ طاہر القادری کی واپسی کے اعلان کے بعد پولیس کا پہرا ہٹا کر نجی سیکوریٹی کو لگا دیا گیا۔ جس پولیس پر رانا ثناء کے آقا بھروسہ نہیں کرتے اگر اُس کو ہٹا کر ادارہ منہاج القرآن نے اپنی نجی سیکوریٹی لگالی تو اس میں قانون کی ایسی کیا خلاف ورزی ہوگئی کہ آٹھ انسانوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا اور نوئے زخمی ہو کر ہسپتال پہنچ گے۔

آنے والے چند دنوں میں نواز شریف اور طاہر القادری آمنے سامنے ہونگے، انتظار کریں اور دیکھیں کہ نواز شریف کیا وہی حکمت عملی اختیار کرتے ہیں جو آصف زرداری نے اختیار کی تھی یا کچھ اور۔ شاید اس مرتبہ نواز شریف اور انکی حکومت کا اپنے مخالفین کو ڈنڈے کے زور پر دبانے کا پروگرام ہے جسکا مظاہرہ 17 جون کو منہاج القرآن کے کارکنوں پر کیا گیا۔ علامہ طاہر القادری کے ادارہ منہاج القرآن کی عام پہچان ہے اور اس کے ہزاروں منظم کارکن ہیں، یہ طاہر القادری کی ہر بات کو لبیک کہتے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے سا نحے کے باوجود علامہ طاہر القادری کے کہنے پر اگلے دن سکون ہوگیا۔ علامہ طاہر القادری کی سیاست کو عوام قبول کرتے یا مسترد کرتے ہیں یہ آنے والا وقت بتائے گا لیکن لاہور میں ہونے والے اس سانحہ کی جسقدر مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سرکاری وردی پہنے پولیس نے جس بربریت کا مظاہرہ کیا ہے اور بغیر وردی کے گلو بٹ نے پولیس سرپرستی میں جو املاک کو نقصان پہنچایا اسکے بعد اگر شہباز شریف میں تھوڑی بھی شرم ہوتی تو وہ استعفی دے چکے ہوتے۔

نواز شریف: دھرنے اور جلسے جلوس کیوں؟

چین کے عظیم رہنما ماوزے تنگ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ جو لوگ آپکی مخالفت کرتے ہیں آپ اُنکو جواب کیوں نہیں دیتے، ماوزے تنگ نے جواب میں کہا تھا "میرے مخالف میری جتنی چاہیں مخالفت کریں میں اپنے عوام کے لیے کام کر رہا ہوں، لہٰذا میرا کام دیکھ کر ہی عوام فیصلہ کرینگے، اگر میرا کام اچھا ہوا تو میرے مخالف کچھ حاصل نہیں کرپاینگے"۔ آج چین دنیا میں جس صف اول کی پوزیشن میں کھڑا ہے اسکی وجہ چین کے عظیم رہنما ماوزے تنگ اور چین کے پہلے وزیراعظم چو این لائی کی لازوال جہد و جہد کا نتیجہ ہے جو انہوں نے اپنی قوم کے لیے کی۔ ایک بات یاد رہے کہ چینی وزیراعظم چو این لائی ایک صنعت کار کے بیٹے تھے مگر اُن کا کہنا تھا کہ وہ اپنے طبقے کے غدار ہیں۔ دور حاضر میں ہمارے پاس ایک اور مثال ملیشیا کے وزیراعظم مہاتر محمد کی ہے، مہاتر محمد بائیس سال اقتدار میں رہے۔ جمہوری انتخابات کے ذریعے منتخب ہو کر حکمراں کے طور پر جنوب مشرقی ایشیا میں مہاتر محمد سب سے زیادہ دیر تک اقتدار میں رہے۔ ملائیشیا کے اپوزیشن رہنما اور سابق نائب وزیراعظم انور ابراہیم مہاتر محمد کے سب سے بڑے مخالفوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ مہاتر محمد پر یہ الزامات لگے کہ انہوں نے دوسرے سیاستدانوں کو اقتدار میں آگے بڑھنے

سے روکا اور آزادی اظہار اور پریس پر پابندی لگائی۔ یہ تمام الزامات اپنی جگہ لیکن کوئی بھی مہاتر محمد کو اُن کے مقصد سے نہیں ہٹا سکا، مہاتر محمد بلاشک و شبہ ایک عظیم لیڈر ثابت ہوئے جنھوں نے بے شمار مسائل سے دوچار ملیشیا کو جنوبی ایشیاء کا اقتصادی ٹائیگر بنا دیا۔ اُن کا دورِ حکومت یقینی طور پر ملیشیا کے لیے کسی نعمت سے کم نہ تھا۔ آج ملیشیا ہر شعبے میں ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا ہے، بیشک مہاتر محمد کی شخصیت مسلم رہنماؤں کے لیے ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے۔

بیس جون کو اسلام آباد کی ایک تقریب میں وزیراعظم نواز شریف نے قوم کو بتایا کہ اُنھیں سیکورٹی خدشات ہیں اور سیکورٹی خدشات کی وجہ سے اُنھیں اس تقریب میں شرکت سے روکنے کی کوشش کی گی مگر اُنھوں نے کوئی پرواہ کیے بغیر تقریب میں شرکت کی۔ اللہ تعالی اُنکی اور اُنکے اہلخانہ کی حفاظت فرمائے۔ بقول نواز شریف پاکستان ایک نہیں دو جنگیں لڑ رہا ہے، ایک طرف ہماری افواج دہشت گردی کے عفریت سے نبرد آزما ہیں اور دوسری جانب ہم ایک تباہ حال معیشت کو دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس بات سے کسی پاکستانی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا کہ دہشت گردی کی وجہ سے نہ صرف ہمارے ملک میں امن وامان کا مسئلہ ہے بلکہ دہشت گردی ہماری معیشت کی تنزولی کی بھی ایک بڑی وجہ ہے۔ نواز شریف جو اب وزیراعظم ہیں جس وقت اپوزیشن میں تھے تو پانچ سال

تک وہ اور اُنکی جماعت پیپلز پارٹی کی فرینڈلی اپوزیشن کا کردار ادا کرتے رہے۔ جس پیپلز پارٹی کے وہ فرینڈلی اپوزیشن رہے آج وہ پیپلز پارٹی بھی اُنکی فرینڈلی اپوزیشن بنی ہوئی ہے لیکن باقی جماعتیں وہی کررہی ہیں جو اپوزیشن جماعتیں کرتی ہیں۔ نواز شریف نے تھوڑے دن پہلے سوال کیا تھا کہ یہ دھرنے اور جلسے جلوس کیوں؟ ساتھ ہی اپنے مخالفین کو مشورہ دیا تھا کہ یہ کام اب وہ چار سال بعد الیکشن کے وقت کریں۔ اسلام آباد کی تقریب میں نواز شریف نے دوبارہ اس سوال اسطرح دہرایا کہ "ہم کام کرنے آئے ہیں، ہماری ٹانگیں نہ کھینچی جائیں اور ہمیں ٹک کر کام کرنے دیا جائے تو پانچ سالوں میں پاکستان کی تقدیر بدل دیں گے۔ وزیر اعظم نے اپوزیشن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے پچھلے پانچ سال بڑی بردباری کے ساتھ گزارے اور صبر کا مظاہرہ کیا، اس دوران نہ ہم سڑکوں پر آئے اور نہ ہی حکومت کے خلاف دھرنے دیئے لیکن اب ایک پارٹی احتجاج، دوسری دھرنے اور تیسری اس نظام کو لپیٹنے اور تباہی کی بات کرتی ہے۔ نواز شریف نے سوال کیا کہ یہ سب کس لئے کیا جارہا ہے اور حکومت جو کررہی ہے کیا وہ درست نہیں ہے؟"۔ دو مرتبہ اپنی مدت پوری نہ کرنے والے نواز شریف کی یہ خواہش ہے کہ وہ تیسری مرتبہ اپنی پانچ سال کی مدت لازمی پوری کریں۔ پیپلز پارٹی اُن کے ساتھ ہے، نیشنل عوامی پارٹی بھی اُنکی مدت پوری کرنے کے حق میں ہے، ایم کیو ایم بھی اسی حق میں ہے کہ نواز شریف حکومت اپنی مدت پوری کرے۔ عمران خان بھی یہ نہیں کہہ رہے کہ حکومت

اپنی مدت پوری نہ کرے۔ رہ گئے طاہر القادری صاحب تو وہ گذشتہ سال بھی انقلابی تھے اور اب بھی انقلابی ہیں، لیکن سترہ جون کو لاہور میں اُن کے ادارہ منہاج القرآن کے کارکنوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نہ صرف باعث افسوس ہے بلکہ دھرنوں، جلسے اور جلوسوں کا سبب بھی بنے گا جس سے نواز شریف کو شکایت ہے۔

وزیر اعظم نواز شریف کا سوال ہے کہ یہ دھرنے اور جلسے جلوس کیوں؟۔ نواز شریف کے ہر صحیح اقدام سے اُنکی مخالفت میں کمی آئے گی جسکی واضح مثال دہشت گردوں کے خلاف ہونے والا آپریشن کا فیصلہ ہے، کیا کسی نے اس فیصلے کے خلاف کوئی جلسہ کیا، کوئی جلوس نکالا یا پھر کوئی دھرنا دیا؟۔ جواب نہیں میں ہے لیکن دوسری طرف عمران خان طاہر القادری اور دوسری سیاسی اور مذہبی جماعتیں اگر دھرنے دے رہی ہیں، جلسے ، کررہی ہیں اور جلوس نکال رہی ہیں تو اُسکی ذمیدار بھی نواز شریف حکومت ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ ایک سال کی حکومتی کارکردگی یہ ہے کہ عوام کے مسائل بڑھے ہیں، عوام جو پہلے ہی پریشان تھے مزید پریشان ہوچکے ہیں، عام لوگوں کے لیے ضروریات زندگی کا حصول مشکل ہوگیا ہے، کراچی سے خیبر تک امن وامان کی صورتحال مزید خراب ہوچکی ہے، اسٹریٹ کرائم، بھتہ خوری، اغواء برائے تاوان ، دہشت گردی نے لوگوں کو نفسیاتی مریض بنادیا ہے جسکی وجہ سے عوام میں مایوسی پھیلی ہے، اور یہ ہی

وجہ دھرنے، جلسے اور جلوسوں کی ہے۔ نواز شریف کو ایک بار پھر اکثریت کے ساتھ الیکشن میں کامیابی ہوئی تو عام لوگوں کو امید ہوئی کہ اب اُنکے مسائل ضرور حل ہونگے ۔ نواز شریف کو تیسری بار وزیر اعظم بنتے دیکھ کر ہمیں یہ یقین ہونے لگا تھا کہ اب پاکستانی عوام کے حالات میں ضرور مثبت تبدیلی آئے گی ، مثبت تبدیلی تو ضرور آئی لیکن شریف خاندان میں۔ اُنکے بھائی وزیر اعلیٰ، بھتیجے، بھانجے وزیر اور سمدھی وزیر خزانہ بن گئے۔ اُنکے ہم زلف کا بیٹا بجلی کا وزیر بن گیا، بیٹی یوتھ لون سکیم کی چیئرپرسن بن گئی جبکہ اُنکے کچھ قریبی دوست بھی وزیر بن گئے۔ اُن سب کے آگے پیچھے قیمتی گاڑیاں ہوتی ہیں اور اُن کے گھروں کے باہر سیکیورٹی ہی سیکیورٹی ہوتی ہے لیکن عوام کیلئے اُن کے گھروں کے راستے بند ہوتے ہیں۔ اپنے وعدوں کے باوجود حکومت قرضوں کا کشکول نہ توڑ سکی بلکہ اُسکا سائز ضرور بڑا ہوگیا۔ ملک پر قرضوں کا بوجھ ساڑھے چودہ ہزار ارب سے تجاوز کرگیا ہے۔ اگر حکمراں پاکستانی عوام کے لیے سوچیں تو یہ بھیک کا پیالہ ٹوٹ سکتا ہے۔ لیکن صدر ممنون حسین کہتے ہیں کہ قرضے ہمارے لئے افیون کا نشہ بن چکے ہیں اوراس افیون کی عادت کو ختم کرنے کے لئے ہمکو مزید افیون کھانا پڑ رہی ہے۔ اگر حکومت یہ افیون نہ کھانا چاہے اور صرف ٹیکس کا نظام ٹھیک کرلے تو شاید آئی ایم ایف کے پاس جانے کی ضرروت نہ پڑے مگر جہاں اسمبلی کے ممبران اور حکمران ہی ٹیکس ادا نہ کرتے ہوں وہاں بہتری امید نہیں کی جاسکتی۔

پاکستان کی ستر فیصد کے قریب آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے، جن کی روزانہ کی آمدنی دو سو روپے یا اُس سے کم ہے۔ ملک کی اکثریت کو پینے کا صاف پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہسپتالوں کے بستر ان مریضوں سے بھرے رہتے ہیں جو یہ پانی استمال کرتے ہیں۔ بچوں کی ایک بڑی اکثریت تعلیم سے محروم ہے۔ شدید گرمی کے موسم میں عوام روزانہ کم از کم دس گھنٹے سے زیادہ بجلی سے محروم رہتے ہیں۔ ان گنت اور بھی مسائل ہیں لیکن بقول نواز شریف "پاکستان کو دہشت گردی سے پاک کرنے کے لئے جدوجہد کرکے ایک پرامن ملک بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، ہم چاہتے ہیں پاکستان سے غیر قانونی اسلحے کو مکمل طور پر ختم کردیا جائے اور اس پر عمل درآمد کے لئے سخت قوانین لائے جائیں تاکہ بھتہ خوری، ڈکیتیاں، قتل و غارت اور چوری چکاری بند ہو جس کے بعد لاقانونیت پر بھی قابو پالیں گے"۔ اگر نواز شریف واقعی یہ سب کرنا چاہتے ہیں تو پورے خلوص سے ان کاموں میں لگ جائیں۔ اُن کو اپنے سامنے چین کے عظیم رہنما ماوزے تنگ، چین کے پہلے وزیراعظم چو این لائی اور ملیشیا کے سابق
وزیراعظم مہاتر محمد کی لازوال جہدوجہد کو رکھنا ہوگا اور چونکہ وہ خود بھی ایک صنعت کار ہیں تو کیا وہ بھی پہلے چینی وزیراعظم چو این لائی کی طرح سے یہ کہنے کو تیار ہیں کہ وہ اپنے طبقے کے غدار ہیں۔ اگر وہ یہ سب کچھ کرپائینگے تو پھر اُنکو یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ یہ دھرنے اور جلسے جلوس

کیوں؟۔

دوہائی جیکرز: نواز حکومت اور طاہر القادری

گیارہ مئی سے شروع ہونے والی ہنگامہ خیزی نے ابھی تک سکون نہیں لیا ہے، نواز شریف حکومت کو اس ہنگامہ خیزی کا فاہدہ بھی ہوا ہے اور نقصان بھی ، مثلا بجٹ کب پیش ہوا یہ تو شاید سب کو معلوم ہوگا، لیکن بجٹ کب منظور ہوا یہ صرف نواز شریف اور وزیر خزانہ اسحاق ڈار کو ہی معلوم ہے۔ عام لوگوں کو نہیں معلوم کہ بجٹ نے اُن کے اخراجات کو کم کیا یا بڑھا دیا، یہ تو انکو پرچون ، گوشت اور سبزی کی دوکان پر پہنچ کر ہی پتہ چلتا ہے۔ آٹھ جون کو کراچی ایئرپورٹ پر ہونے والی دہشت گردی کے بعد پندرہ جون کو افواج پاکستان نے دہشت گردوں کے خلاف آپریشن شروع کیا، وزیراعظم نے بعد میں پارلیمینٹ میں ایک تقریر کردی جس میں آپریشن کی اطلاع دے دی، لیکن اس قوم کو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ گذشتہ چار ماہ سے طالبان دہشت گردوں کے ساتھ مذاکرات کا جو ڈرامہ چل رہا تھا وہ اچانک کیسے ختم ہوگیا۔ پوری قوم ابتک منتظر ہے کہ کوئی اسکو بتائے کہ کراچی میں دہشت گردی کس کی غفلت یا نااہلی کی وجہ سے ہوئی۔ ابھی فوجی آپریشن کو تین دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ پنجاب حکومت ادارہ منہاج القران کے مرکز ماڈل ٹاون لاہور پر چڑھ دوڑی، بقول حکمراں پولیس منہاج القران سے غیر قانونی تجاوزات کا خاتمہ کرنے گی تھی، رات

ڈیڑھ بجے سے اگلے بارہ تیرہ گھنٹے گھسان کا رن پڑا اور نتیجہ میں آٹھ لاشیں ملیں جن میں دو خواتین بھی تھیں۔ بعد میں ان لاشوں میں اور بھی اضافہ ہوا۔ پولیس کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا کہ منہاج القران کے ورکروں اور طالبعلموں نے پہلے پولیس پر گولی چلائی مگر اگلے دن جو لاشیں ملیں وہ منہاج القران والوں کی ملیں۔ ماڈل ٹاون حادثہ کے ذمیدار وہ ہیں جو ماڈل ٹاون لاہور کے واقعہ کو لیڈ کر رہے تھے، بقول وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف انہیں تو پتہ ہی نہیں کہ اتنا بڑا حادثہ ہوگیا، غالبا وہ سو رہے تھے مگر انہوں نے جو نادان دوست پالے ہوئے ہیں وہ یہ سب کر رہے تھے جواب ثابت بھی ہوچکا ہے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ طاہر القادی اور اُنکے مرید اتنے بھی ہنسا کے پجاری نہیں ہیں جتنا وہ پروپگنڈہ کرتے ہیں، اسلام آباد ایئرپورٹ پر طاہر القادری کی آمد کے موقعہ پر اُنکے مریدوں نے پولیس پر جو تشدد کیا وہ قابل مذمت ہے، اس تشدد کو تمام ٹی وی چینل پر دیکھا گیا۔ ایک بات یاد رکھیں پاکستان کے سیاستدان لاشوں کے اوپر سیاست کرتے ہیں یہ لاشوں کے سوداگر ہیں، شہید بھٹو، شہید بنظیر کی سیاست تو اس ملک میں عرصے سے چل رہی ہے۔ ماڈل ٹاون میں وہی ہوا جو پلان کا حصہ تھا۔ مرے بیچارے تقلید کے مارے مریدین۔ فاہدہ کس کا ہوا؟ سیدھا سیدھا طاہر القادری کا، آٹھ لاشیں کم نہیں ہوتی سیاست چمکانے کے لیے۔ نقصان کس کو ہوا؟ مسلم لیگ ن کی حکومت کو مرکزی اور صوبائی دونوں سطع پر، وجہ ہے نادان دوست یا شاہ سے زیادہ شاہ کے وفاداروں پر بھروُسہ۔

اگر پاکستان میں یہ ہی حالات رہے تو اگلے چند برسوں کے بعد صرف اُس سیاستدان کو الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت ہوگی جو پیر بھی ہو اور اُسکے مرید بھی ہوں، سیاسی ورکر ہوں نہ ہوں لیکن مرید جتنی زیادہ تعداد میں ہونگے پیر کی کامیابی کی اسقدر زیادہ ہی امید ہوگی۔ ایک مضمون جو گذشتہ سال طاہرالقادری کے اسلام آباد کے دھرنے کے موقعہ پر لکھا تھا، اُس کا بہت تھوڑا سا حصہ کچھ یوں تھا، " کل بڑی آپا واپس آگیں آج وہ ملنے آئیں تو بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ مگر جب میں نے ان سے پوچھا کہ عام لوگوں کو اس دھرنے سے کیا فائدہ ہوا تو انھوں نے کہا جناب طاہر القادری شیخ الاسلام ہی نہیں، علامہ، ڈاکٹر، پروفیسر، مدبر، مفکر، فقیہ اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ بھی ہیں، الہذا یقینا انہیں علم ہوگا کہ قومی اصلاح کا عمل کب پورا ہوگا، اسکے بعد وہ غصے میں یہ کہتی ہوئی چلی گیں کہ مجھے تو لگتا ہے کہ تم بہت ہی بے عقیدہ ہو"۔ "عارف صاحب بولے اب آپ میری بات غور سے سنیں آپ ایسا کریں کہ آج سے پیر بن جایں۔ آپ کو معلوم ہے کہ صدر آصف زرداری گذشتہ ایک ماہ سے اپنے پیر صاحب کے کہنے پر کراچی میں ہیں، پیر صاحب پگارا پہلے حکومت میں تھے اب نہیں ہیں، کیا اُنکے کسی مرید نے سوال کیا۔ مخدوم امین فہیم گدی نشین ہیں، وزیر بھی ہیں، ٹیکس دینا تو دور کی بات وہ تو بجلی کا بل تک نہیں دیتے، کیا انکا کوئی مرید کم ہوا۔ سابق وزیر خارجہ مخدوم شاہ محمود قریشی پیپلزپارٹی

چھوڑ کر تحریک انصاف میں چلے گے انکے مرید بھی انکے ساتھ تحریک انصاف میں چلے گے اور تو اور سابق بدترین کرپٹ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی جن کو سپریم کورٹ نے نااہل قرار دیا کیا انکے کسی مرید نے اس بات کو مانا"۔

طاہر القادری نے کافی دن پہلے ہی 23 جون کو پاکستان آنے کا اعلان کیا تھا، اُنھوں نے پاکستان پہنچنے کے لیے اسلام آباد ایئرپورٹ کا انتخاب کیا جس کے بعد جی ٹی روڈ کے راستے ایک رات گجرات میں ٹھیر کر وہ 24 جون کو لاہور پہنچتے۔ پاکستان پہنچنے سے چار روز قبل ہی طاہر القادری کو آٹھ لاشیں مل گیں تھیں جنکو اُنھوں نے بھرپور طریقے سے کیش کرانے کی کوشش کی، اس سلسلے میں میڈیا کے کچھ چینل بھی خرید لیے گے تھے جنکی رپوٹنگ صاف بتارہی تھی کہ یہ وہی کچھ رپورٹ کررہے ہیں جو طاہر القادری کی سیاسی ضرورت ہے۔ پیر 23 جون کو اسلام آباد ایئرپورٹ پر طاہر القادری کے جہاز آنے سے قبل اُنکے چند ہزار ڈنڈا بردار مرید جسطرح ایئرپورٹ پر دندناتے پھر رہے تھے اُسکی بنیادی وجہ ماڈل ٹاون لاہور میں ہونے والی قتل و غارت گری تھی، حکومت نے جہاں امن وامان کا کوئی مسلئہ نہیں تھا وہاں لاشیں گرادیں اور جہاں امن وامان کا مسلئہ پیدا کیا گیا، قانون کے رکھ والوں کے سر پھاڑئے گئے اور اُن کو مارا پیٹا گیا، جہاں قانون شکنی کی گی وہاں بزدلی کا مظاہرہ کیا، قانون پر عملدرآمد کرانے کے لیے شیر کا دل چاہیے شیر کا انتخابی نشان نہیں۔

طاہر القادری روانہ تو کنیڈا سے ہی ہوئے تھے لیکن وہ لندن میں رک گے تھے، جہاں سے اُنھوں نے پاکستان کے لیے ایمرٹس ایئرلاین سے سفر شروع کیا، دبئ میں کچھ دیر گذار کر وہ اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ پہلے یہ اطلاعات تھیں کہ طاہر القادری کا طیارہ اسلام آباد لینڈ کرے گا لیکن ایوی ایشن حکام نے لینڈنگ کی اجازت نہ دی اور ایک انٹر نیشنل ایئر لائینز کا بغیر کسی معقول وجہ کے رخ ہی تبدیل کر دیا۔ سول ایوی ایشن ذرائع کے مطابق طیارے نے بے نظیر انٹر نیشنل ایئرپورٹ کے 8 چکر لگائے لیکن پرواز کو لینڈنگ کی اجازت نہ دی گئی۔پاکستان نے دنیا بھر میں ایک منفرد ریکارڈ بنایا ہے جسکے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں، دبئ سے اسلام آباد آنے والے ایک غیر ملکی جہاز کو اسلام آباد ایئرپورٹ پر اترنے سے قبل نواز شریف حکومت نے ہائی جیک کرلیا اور جہاز کو لاہور پہنچا دیا۔ لاہور پہنچنے پر طاہر القادری نے جہاز سے اترنے سے انکار کردیا اور مطالبہ کیا کہ طیارہ واپس اسلام آباد لے جایا جائے۔ طاہر القادری نے اس موقعہ پر کہا کہ وہ موجودہ حکومت کے کسی بھی اہلکار سے بات نہیں کریں گے اور صرف کسی فوج کے اہلکار سے ہی بات کریں گے۔ انقلابی طاہر القادری جو بڑے بڑے مطالبے کر رہے تھے، صوبہ سندھ کے گورنر ڈاکٹر عشرت العباد کی وزیراعظم نواز شریف، وزیر داخلہ چوہدری نثار اور صوبہ پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف سے بات چیت کے بعد صوبہ پنجاب کے گورنر چوہدری سرور

لاہور ایئرپورٹ پہنچے اور تھوڑی دیر مذاکرات کے بعد وہ طاہر القادری کو جہاز سے اتار لائے۔ ایئرپورٹ سے گورنر چوہدری سرور طاہر القادری کے ساتھ جناح ہسپتال بھی گئے۔ اسطرح صبح سے اسلام آباد سے شروع والا ڈرامہ شام چار بجے کے بعد ختم ہوا مگراس ڈرامے کے ختم ہونے سے پہلے ایمرٹس ایئر لاین نے پنجاب حکومت سے شکایت کی کہ طاہر القادری نے جہاز پر قبضہ کیا ہوا ہے، لہٰذا ایئر لاین حکومت پاکستان سے جہاز کے ہائی جیک ہونے کی شکایت کر سکتی ہے۔ اسلام آباد ایئر رپورٹ پر نواز حکومت نے جہاز نہیں اترنے دیا اور لاہور پہنچنے کے بعد اُس پر طاہر القادی اور اُنکے حواریوں نے قبضہ کرلیا جو پانچ گھنٹے سے زیادہ جاری رہا۔ کہا جاسکتا ہے "دو ہائی جیکرز: نواز حکومت اور طاہر القادری" کی وجہ سے پاکستان پوری دنیا میں بدنام ہوا ہے۔

شمالی وزیرستان کے متاثرین

گذشتہ دس سال سے پاکستان دہشت گردی کا شکار ہے، آٹھ جون 2014ء تک ملک میں دہشتگردی کے واقعات میں 52ہزار409 افراد نشانہ بنے جبکہ سیکورٹی فورسز کے 5ہزار775 اہلکار شہید ہوئے، 396 خود کش حملے ہوئے جس میں 6ہزار21 افراد جاں بحق اور12ہزار558 افراد زخمی ہوئے، 4ہزار932 بم دھماکے ہوئے۔ اسکے علاوہ پاکستان کو معاشی طور پر بھی بہت نقصان ہوا، اب تک 103 ارب ڈالر کا نقصان ہوچکا ہے جس کی وجہ سے پاکستانی معیشت تباہ ہوچکی ہے، غیر ملکی سرمایہ کاری نہ ہونے کے برابر ہے۔ دہشت گردی کی وجہ سے دوسرے جرائم کو بھی پھلنے پھولنے کا موقعہ ملا، آج پاکستان میں ٹارگیٹ کلنگ، بھتہ خوری اور اسٹریٹ کرائم عام بات ہے۔ امن وامان کی صورتحال یہ ہے کہ پورے ملک میں کہیں کوئی محفوظ نہیں۔ موجودہ حکومت اورپاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں گذشتہ سال سے طالبان سے مذاکرات کرنے پر راضی تھیں، اس سال جنوری کے آخر سے ابتک طالبان سے مذاکرات کے زریعے امن قائم کرنے کی کوشش کی جاتی رہیں، لیکن دہشت گرد جو کسی اور کے ایجنڈے پر قتل و غارت گری کررہے ہیں، مذاکرات کے دوران بھی دہشت گردی میں مصروف رہے۔ آخر کار حکومت کو فوجی آپریشن کا فیصلہ کرنا پڑا لیکن لگتا ہے اس آپریشن کو شروع کرنے سے پہلے

حکومت نے کوئی ہوم ورک نہیں کیا ورنہ آج جسطرح شمالی وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے متاثرین پریشان ہورہے ہیں ایسا نہیں ہوتا۔

وزیرستان کا دشوار گزار پہاڑی علاقہ گیارہ ہزار پانچ سو پچاسی مربع کلومیٹر پر پھیلا ہواہے اور یہ شمالی وزیرستان اور جنوبی وزیرستان ایجنسیوں میں منقسم ہے۔ان علاقوں کی آبادی کا تخمینہ بالترتیب چھ اور آٹھ لاکھ لگایا گیا ہے۔ جنوبی وزیرستان کا علاقہ دریائے ٹوچی اور دریائے گومل کے درمیان پشاور کے مغرب و جنوب مغرب میں آتا ہے ۔ شمالی اور جنوبی وزیرستان کی سرحدیں آپس میں بھی ملتی ہیں۔ شمالی وزیرستان پاکستان کا ایک قبائلی علاقہ ہے جس کو شمالی وزیرستان ایجنسی بھی کہا جاتا ہے جو کہ بنوں کے سنگم پر واقع ہے۔ اس کا صدر مقام میران شاہ ہے۔ یوں تو اسوقت پورے پاکستان میں دہشت گرد موجود ہیں لیکن وزیرستان دہشت گردوں کا اصل گڑھ ہے۔ کراچی میں دہشت گردی کے بعد اتوار 15 جون سے افواج پاکستان نے شمالی وزیرستان کے قبائلی علاقے میں ایک جامع فوجی آپریشن ''ضربِ عضب'' شروع کردیا ہے، اس آپریشن میں پاکستان ایئر فورس بھی اپنی زمینی فوج کی مدد کررہی ہے۔ یہاں ایک بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ طالبان دہشت گرد بچیوں کی تعلیم کے سخت مخالف ہیں اور انھوں نے بچیوں کے سینکڑوں اسکول تباہ کرڈالے۔ قدرت کے کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں، قوم کی ایک بیٹی عائشہ فاروق جو پاکستان ایئر فورس کی ایک پایلٹ ہیں طالبان کے

ٹھکانوں کو نشانا بناکراور دہشت گردوں کو جہنم میں پہنچا کر اپنا قومی فریضہ ادا کیا، سلام عائشہ فاروق اس قومی فریضہ ادا کرنے پر، اللہ تعالی قوم کی اس بیٹی کی حفاظت کرے۔شمالی وزیرستان میں افواج پاکستان کی جانب سے ایک جامع آپریشن کا بڑے عرصے سے انتظار کیا جا رہا تھا۔اس علاقے میں ٹھکانے بنائے ہوئے دہشت گرد پاکستان، سکیورٹی فورسز، افغانستان اور نیٹو فوج پر بھی حملوں سے گریز نہیں کرتے تھے۔ طالبان کے خلاف اس آپریشن کے شروع ہونے کے بعد نواز شریف حکومت کے عسکریت پسندوں سے مذاکرات جاری رکھنے کی پالیسی کی عملا موت واقع ہو گئی ہے۔ قبائلی علاقوں میں آفات سے نمٹنے والے ادارے ایف ڈی ایم اے کے ایک اندازے کے مطابق عسکریت پسندوں کے خلاف فوجی کارروائی سے شمالی وزیرستان سے 6 لاکھ سے زائد افراد کی نقل مکانی ہو سکتی ہے۔شمالی وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے بنوں، ٹانک، ڈی آئی خان اور لکی مروت میں لگائے ہوئے حکومتی کیمپوں میں آنے سے گریز کر رہے ہیں۔ابھی تک ساڑھے چار لاکھ افراد جو نقل مکانی کر چکے ہیں وہ حکومتی کیمپوں کے بجائے اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے گھروں میں ٹھیر رہے ہیں یا پھر کرائے کے گھروں میں رہائش کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اپنے ہی بھائیوں کے مشکل وقت میں مفاد پرست ہوجاتے ہیں اسلیے موقعہ سے فاہدہ اٹھاتے ہوئے گھروں کے مالکان نے مکانات کے

کرایوں میں کافی اضافہ کردیا ہے۔انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنے گھروں سے نکلنے والوں کو میرانشاہ اور شمالی وزیرستان کے دیگر علاقوں سے بنوں تک پہنچنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔بنوں میرانشاہ شاہراہ پر ہزاروں گاڑیاں پھنسی ہوئی ہیں اور گاڑیوں میں موجود بچوں خواتین اور معمر افراد کو اس شدید گرمی میں انتہائی سخت اور برے حالات کا سامنا ہے۔اگرچہ حکومت کا دعوہ ہے کہ وہ نقل مکانی کرنے والوں کی ہر ممکن مدد کررہی ہے لیکن جو اطلاعات آرہی ہیں وہ اس کے برعکس ہیں،لوگوں کو کھانے کی اشیا، دوایئاں اور پینے کے پانی کے حصول میں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ اتفاق سے یہ آپریشن ایک ایسے وقت میں شروع کیا گیا ہے جب کہ گرمی عروج پر ہے اور رمضان المبارک شروع ہونے والا ہے۔

نقل مکانی کرنے والوں کے لیے حکومت نے بنوں میں متاثرین کی رجسٹریشن کا عمل شروع کررکھا ہے اور ایف ڈی ایم اے کے ذرائع کے مطابق متاثرین کو سات ہزار روپے ماہانہ دیئے جائیں گے تاہم اصل مسئلہ بحفاظت نقل مکانی ہے جس کے لئے حکومت نے کوئی خاص انتظامات نہیں کئے۔صرف بنوں میں الخدمت فاوٗنڈیشن اور چند مقامی افراد متاثرین کو خوراک، شربت اور دیگر ضروری اشیاء فراہم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ایک اور مسائہ پولیو کے قطرے پلانے کا ہے۔طالبان شدت پسندوں کی پابندی کے باعث گزشتہ دو سال سے محکمہ صحت سے منسلک رضاکار شمالی

وزیرستان میں تقریباً تین لاکھ بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے نہیں پلا سکے، جس سے رواں سال ملک میں رپورٹ ہونے والے پولیو کے 83 کیسز میں 60 سے زائد کا تعلق اسی علاقے سے بتایا جاتا ہے۔ امتیاز شاہ جو پولیو کے قطرئے پلانے والی ٹیموں کے انچارج ہیں اپنی مشکلات کا ذکر یوں کر رہے تھے کہ "اتنے زیادہ لوگ ہوں تو آپ کو نہیں پتہ چلتا کہ آپ نے کس کو قطرے پلائے ہیں اور کس کو نہیں۔ پھر جو نقل مکانی کر کے آرہے ہیں ان کی کیفیت کو بھی ذہن میں رکھیں۔ تو انہیں بار بار پوچھنا کہ آپ نے پیئے یا نہیں تو وہ بھی رضاکاروں کے لیے ممکن نہیں"۔

اور بھی بہت ساری مشکلات ہیں ان لاکھوں متاثرین کو اور شکایت بھی۔ پہلی شکایت تو پاکستان کی سیاسی جماعتوں سے ہے کہ وہ ان لاکھوں متاثرین کے لیے کچھ نہیں کر رہے ہیں، مذاکرات یا آپریشن کی حامی جماعتوں کو چاہیے کہ اسوقت جب قوم حالت جنگ میں ہے وقتی طور پر سیاسی اختلاف بھلا کر ان متاثرین کی مدد کریں، یہ نہ تو بھکاری ہیں اور نہ ہی غیر ملکی مہاجرین یہ ہمارئے اپنے ہی بھائی ہیں، اسلیے وزیر اعظم نواز شریف سے لیکر مجھ جیسے عام آدمی تک سب کا یہ فرض ہے کہ مشکل کی اس گھڑی میں اپنے متاثرین بھائیوں کا ساتھ دیں۔ اسکے علاوہ دیکھا یہ جارہا ہے کہ پاکستانی میڈیا وزیرستان آپریشن کو پوری طرح کور نہیں کررہاہے، میڈیا کے پاس طاہر القادری کی کوریج کیلیے تو پورا دن ہے

لیکن شمالی وزیرستان کے لاکھوں انسانوں کی مشکلات کو اجاگر کرنے کا ٹائم نہیں ہے۔
اب تک درجنوں فوجی اور سیکڑوں قبائلی وزیرستان آپریشن میں زندگی کی بازی ہار چکے ہیں لیکن میڈیا اُنکے ساتھ ایسا سلوک کر رہا ہے جیسے شمالی وزیرستان افغانستان ہے اور مرنے والے پاکستانی نہیں ہیں۔ پاکستانی میڈیا کا فرض بنتا ہے کہ آپریشن کو زیادہ سے زیادہ کوریج دے اور روز اُن لوگوں کے مسائل کو اجاگر کرے جو آپریشن کی وجہ سے اپنا گھر چھوڑ کر نقل مکانی کر رہے ہیں یا کر چکے ہیں۔ ہماری حکومت، ہمارے سیاست دان اور ہم تمام پاکستانیوں کو اپنے بھائیوں کی آگے بڑھکر مدد کرنی چاہیے تاکہ دشمن اُنکو یہ کہہ کر نہ بہکا سکیں کہ اگر آپریشن نہ ہوتا تو آپکو یہ مشکلات پیش نہ آتیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ یہ آپریشن کامیابی کے ساتھ جلد ختم ہو اور عید سے پہلے ہمارے متاثرین بھائی اپنے اپنے گھروں میں واپس جا کر عید کی خوشیاں منائیں، آمین۔

نفیس سوتی کفن

پندرہ مئی کو اخباروں میں شایع ہونے والی ایک خبر کے مطابق رواں مالی سال کے 10 ماہ کے دوران ملک میں بیرونی سرمایہ کاری گزشتہ سال سے تقریباً ڈھائی گنا زائد ہے۔ تین سال بعد پہلی بار پاکستان میں 2 ارب ڈالر کا بیرونی سرمایہ آیا ہے۔اسٹیٹ بینک کے مطابق رواں مالی سال جولائی سے اپریل کے دوران 2 ارب 97 کروڑ ڈالر کی غیر ملکی سرمایہ کاری ہوئی جو گزشتہ سال سے 133 فیصد زیادہ ہے۔ مالی سال 2011 کے بعد پہلی بار ملک میں 2 ارب ڈالر سے زائد کا بیرونی سرمایہ آیا ہے۔

میں حیران اور پریشان ہوا کہ توانائی کے بحران کے علاوہ جس ملک میں باون ہزار سے زیادہ لوگ دہشت گردی کے زریعے مار دیے گئے ہوں وہاں کون سرمایہ کاری کرے گا، ضرور یہ سرمایہ کاری حکومتیں کر رہی ہونگی لیکن یہ سوچ جب بدلی جب وزیر اعظم نواز شریف نے بھارتی سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کی دعوت دی۔

لازمی بات ہے کہ جو بھی سرمایہ کار آئے گا وہ اپنا سرمایہ ایسے شہر میں لگائے گا جو پاکستان کی معیشت میں اپنا ایک کردار ادا کرتا ہو، ویسے تو لاہور ، فیصل آباد، حیدر آباد، ملتان اور بھی بہت سے شہر ایسے ہیں جو پاکستانی معیشت کو آگے بڑھا سکتے ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس وقت پورے پاکستان میں لاقانونیت کا

بول بالا ہے اور امن وامان کی صورتحال یہ ہے کہ ایک واقعہ ہونے کے بعد اگلا واقعہ ہونے سے قبل کے وقت تک امن وامان ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی سرمایہ کار سرمایہ لگانے کو تیار ہے۔ چلیں کراچی چلتے ہیں، اٹھارہ ملین سے زیادہ کی آبادی کے اس شہر کو پاکستان کا معاشی حب بھی کہتے ہیں۔ لازمی بات ہے کہ سرمایہ کار اپنا سرمایہ اس شہر میں لگانے میں زیادہ دلچسپی لے گا مگر اس شہر کراچی کو اب "لاواث کراچی" کہتے ہیں۔ میں نے کراچی کے ایک بازار کی فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے ایک شخص سے جب کراچی کے بارے میں پوچھا تو اُس نے کہا کہ یہ شہر جو کبھی امن کا گھوارہ تھا آج لاقانونیت اور لاشوں کا شہر بن چکا ہے۔ کسی زمانے کے اس پرسکون اور غریب پرور شہر کا اب یہ حال ہے کہ میں آج گھر سے باہر نکلتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کوئی مجھے لوٹ نہ لے، کوئی ٹارگیٹ کلر مجھے اپنا نشانہ نہ بنالے، کسی بازار میں کوئی خودکش حملہ آور نہ آجائے، کسی مسجد میں نماز کے لیے جاتا ہوں تو بم دھماکے کا خوف رہتا ہے، کسی بس میں سفر کرتا ہوں تو خوف رہتا ہے کہ اس کا گیس کا سلنڈر نہ پھٹ جائے، کسی ایسے علاقے میں نہیں جاتا جہاں دوسری زبان بولنے والے رہتے ہوں، ڈرتا ہوں مجھے میری زبان کی بنیاد پر نہ مار دیں، اور کسی دوسرے عقیدے والے کو اپنے عقیدہ کا پتہ نہیں ہونے دیتا کہ کہیں وہ مجھ کو مار کر جنتی نہ ہوجائے۔ ہر طرف موت کا رقص ہے، ہر آنکھ اشک بار، ہر دل

غم زدہ ہے، مرنے والے کو نہیں پتہ اسے کیوں مارا گیا، اب تو درندوں سے نہیں انسانوں سے خوف آتا ہے۔ اب تو لگتا ہے کتے بھی آپس میں بات کرتے ہوئے یہ ہی کہتے ہونگے بھاگ ورنہ انسان کی موت مارا جایگا۔ اس شہر کا کوئی ایسا گھر نہیں جس کے مکین راستوں میں لیٹروں اور گھروں میں ڈاکوں سے نہ لٹے ہوں، یا پھر کوئی غیر فطری موت کا شکار نہ ہوئے ہوں۔ اور اگر خوقسمتی سے ایسا نہ ہوا ہو تو اُنکے عزیزوں اور دوست احباب میں ایسے ضرور موجود ہونگے۔

ابھی میں اُس شخص کی باتوں پر غور ہی کر رہا تھا کہ وہ پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا آپ جس کراچی کی بات کر رہے ہیں اُس میں آپ جب بھی قبرستان گے ہونگے تو آپکو قبرستان کا ایک بڑا حصہ خالی ملا ہوگا مگر اب میرئے شہر "لاوارث کراچی" میں قبرستان آباد ہوگئے بلکہ کم پڑگے ہیں، کپڑئے میں لٹھے کا کاروبار سب سے زیادہ ہورہاہے، گورکنوں کے گھر خوشحالی آگئی ہے، مردہ خانے کم پڑ گئے ہیں، گھر ویران اور سستے مگر قبروں کی قیمتیں چارگنا ہو گئی ہیں۔ ویسے تو پورا شہر ہی ایک آفت زدہ شہر بنا ہوا ہے جہاں موت کا رقص ہر روز ہو رہا ہے۔ ابلیس بھی حیران اور پریشان ہوگا کہ یہ کون ہیں جو میرا کام مجھ سے زیادہ کر رہے ہیں۔ کراچی کی سڑکوں پر 2012ء میں اور 2013ء تقریبا 4000 افراد کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ قائم علی شاہ کے گذشتہ پانچ سالہ دور میں کراچی میں دہشت گردی اور ٹارگیٹ کلنگ سے 2300 پانچ

ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے، بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان اس شہر میں عام بات تھی اور اب بھی ہے۔ یہ سب بتا کر وہ شخص تو چلا گیا مگر میرے ذہن میں یہ سوال چھوڑ گیا کہ پھر سرمایہ کار یہاں سرمایہ لگا کر کیا کاروبار کرینگے۔ جواب مجھے مبشر علی زیدی کی 100 لفظوں کی کہانی "گدھ" میں ملا، آپ بھی پڑھ لیجیے۔

سو (100) لفظوں کی کہانی ۔۔۔۔۔۔ گدھ ۔۔۔۔۔۔ مبشر علی زیدی

اِس ملک میں سرمایہ کاری کے بہت مواقع ہیں

ہم بڑے پیمانے پر سرمایہ لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں

اپنی مصنوعات بھی اِسی ملک میں بیچیں گے

ہم نے بھاری مشاہرے پر منیجر رکھ لیے ہیں

ٹیکسٹائل کی کئی فیکٹریاں لگا رہے ہیں

روئی کے مستقبل کے سودے کر لیے ہیں

سیکڑوں افراد کو روزگار ملنے والا ہے

جی ہاں، ہمیں حالات کا علم ہے

ہم جانتے ہیں کہ مقامی سرمایہ کار دہشت گردی سے ڈر کے بھاگ رہے ہیں

لیکن ہم خوف زدہ نہیں ہیں

ہم نہیں بھاگیں گے
اپنی کمپنی کے نہایت نفیس سوتی کفن اِسی ملک میں بیچیں گے

سو (100) لفظوں کی کہانی بشکریہ روزنامہ جنگ

ہمارا لیڈر بہادر ہے یا منافق

کراچی میں دہشت گردی کے بعد اتوار 15 جون سے افواج پاکستان نے شمالی وزیرستان کے قبائلی علاقے میں ایک جامع فوجی آپریشن "ضربِ عضب" شروع کر دیا ہے، اس آپریشن میں پاکستان ایئر فورس بھی اپنی زمینی فوج کی مدد کر رہی ہے۔ طالبان دہشت گرد بچیوں کی تعلیم کے سخت مخالف ہیں اور انہوں نے بچیوں کے سینکڑوں اسکول تباہ کر ڈالے۔ قدرت کے کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں، قوم کی ایک بیٹی عائشہ فاروق جو پاکستان ایئر فورس کی ایک پایلٹ ہیں انہوں نے طالبان کے ٹھکانوں کو نشانا بنا کر اور دہشت گردوں کو جہنم میں پہنچا کر اپنا قومی فریضہ ادا کیا، سلام عائشہ فاروق اس قومی فریضہ ادا کرنے پر، اللہ تعالی قوم کی اس بیٹی کی حفاظت کرئے۔ آمین
کور کمانڈر پشاور لیفٹیننٹ جنرل خالد ربانی کے جواں سال فرزند کیپٹن سعد ربانی پاک فوج کی جانب سے وزیرستان میں دہشت گردوں کے خلاف کئے جانے والے آپریشن کی کمانڈ کر رہے ہیں وہ فوج میں صف اول کے بہادر، جری اور نڈر افسر کے طور پر جانے جاتے ہیں اور اسی بناء پر انہیں دہشت گردوں سے نبرد آزما ہونے کا ٹاسک دیا گیا ہے وہ کئی روز سے پاک فوج کے آپریشنل معاملات کی نہ صرف کمانڈ کر رہے ہیں بلکہ پاک فوج کے اُس ہراول دستے میں شامل ہیں جو دن رات

ایک کرکے دہشت گردوں کے ٹھکانے تباہ کررہا ہے۔ بہادر باپ کے بہادر فرزند کیپٹن سعد ربانی کی سربراہی میں فوجی دستے نے گزشتہ 4 روز کے درمیان مجموعی طور پر 36 دہشتگردوں کو ہلاک کیا جبکہ ان کے 14 ٹھکانے بھی تباہ کئے۔ پاکستانی قوم سعد ربانی کی دہشتگردوں کے خلاف کارروائیوں پر اُنکو خراج تحسین پیش کررہی ہے اور پوری قوم دل کی گہرائیوں سے ان دونوں بہادر اور نڈر باپ بیٹے اور افواج پاکستان کو سلام پیش کرتی ہے۔

کچھ بات ہماری سیاسی قیادت کی بھی ہو جائے، ہمارے لیڈر کے دہشت گردی کے خلاف ہونے والے جلسے میں ہم بسوں میں دھکے کھا کر پہنچے، دو گھنٹے کے انتظار کے بعد ہمارا لیڈر آیا تو ہم بے قابو ہو کر نعرے لگا رہے تھے۔ بہادر لیڈر قدم بڑھاؤ۔۔۔۔۔۔ ہم تمارے ساتھ ہیں۔ باقی کی کہانی آپ صرف 100 لفظوں میں پڑھ لیں جس میں ہمارے لیے ایک سبق ہے اور ایک منافق لیڈر کے لیے سیاست۔ اب کہانی پڑھکر آپ کیا فیصلہ کرتے ہیں کہ ہمارا لیڈر بہادر ہے یا منافق ہماری بلا سے ہمیں تو بس یہ پتہ ہے کہ کل پھر جلسہ ہے کل پھر جاینگے اور نعرہ ہوگا۔ اۓ بہادر لیڈر قدم بڑھاؤ۔۔۔۔۔۔ ہم تمارے ساتھ ہیں۔ کہانی پڑھیں۔۔۔۔۔

سو (100) لفظوں کی کہانی ۔۔۔۔۔۔ بہادری ۔۔۔۔۔۔ مبشر علی زیدی

،دوستو! ہم سب مل کر دہشت گردوں سے لڑیں گے

،یہی ایک طریقہ ہے دہشت گردی ختم کرنے کا

،یہی حل ہے اس ملک میں حقیقی امن لانے کا

،بس یہی صورت ہے عوام کے جان و مال کا تحفظ یقینی بنانے کی

اس کی خاطر ہم طویل جنگ لڑیں گے۔

ہماری پارٹی کے لیڈر نے بہت جوشیلی تقریر کی۔

ہم کارکنوں نے نعرے لگا لگا کر پنڈال آسمان پر اٹھالیا۔

اس کے بعد ہم سب نہتے کارکن اور ہمارے نہتے رہنما بڑی بہادری سے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

...ہم بسوں میں بھر کے

لیڈر اپنی بلٹ پروف کار میں۔

سو (100) لفظوں کی کہانی بشکریہ روز نامہ جنگ

رمضان شریف اور نواز شریف

پریشان حال پاکستانی قوم ایک ایسے شریف کی تلاش میں گذشتہ 67 سال سے لگی ہوئی ہے جو ان کا نجات دہندہ ہو، آیئے آپکی ملاقات کچھ شریفوں سے کرواتا ہوں۔
ماضی قریب میں ہمیں جنوبی افریقہ کے نیلسن مینڈیلا اور ملائیشیا کے ڈاکٹر مہاتر محمد نظر آتے ہیں جو اپنی اپنی قوم کے نجات دہندہ ثابت ہوئے۔ ہماری موجودہ نواز شریف حکومت کہتی ہے کہ اگر اُسکو پانچ سال سکون سے حکومت کرنے دی جائے تو حالات بدل سکتے ہیں، کیوں پانچ سال کا کہہ رہی کہ اگر آپ کو یاد ہو تو نواز شریف صاحب 1999 میں امیر المومنین بننے جارہے تھے یعنی قوم کے نجات دہندہ مگر برا ہو پرویز مشرف کا اچھا بھلا قوم کو نجات دہندہ مل رہا تھا، مگر مشرف نے نجات دہندہ کی بساط ہی لپیٹ دی اور اب دوبارہ نواز شریف اسی کوشش میں ہیں کہ وہ قوم کے نجات دہندہ بن جایں۔اب جو اکویشن بنی ہے وہ کچھ یوں ہے ہماری قوم کا نجات دہندہ تو نواز شریف ہیں، دہشت گردی کے نجات دہندہ راحیل شریف ہیں، بدماشوں سے نبٹنے کے لیے شہباز شریف ہیں، جہاں شہباز شریف نہ پہنچ پایئں وہاں حمزہ شریف ہیں۔ جبکہ مہنگائی، بھتہ خوری اور اسٹیریٹ کرائم کے لیے شریفوں کی تلاش جاری ہے۔ ویسے تو ہمارے ہاں انسانوں، مہینوں،

دفتروں اور دکانداروں میں زندگی کے مختلف شعبوں میں بھی شریف پائے جاتے ہیں جو اپنے پیشے کے اعتبار سے بڑے عجیب لگتے ہیں۔ مثلا سیاست میں نواز شریف، شہباز شریف اور حمزہ شریف جبکہ اداکاری کے شعبے میں عمر شریف، بابرا شریف۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ان دونوں شعبوں کو شریف نہیں سمجھا جاتا حالانکہ ان شعبوں کو غیر شریف بنانے میں خود شعبوں کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذمیدار اس شعبے میں کام کرنے والے ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں انسانوں میں شریف اُسے کہا جاتا ہے جو محلے کی خواتین میں مقبول ہو، اُنہیں خالہ، آنٹی، اور باجی باجی کہتا ہو۔ محلے کے مرد اُسکو مسکین سمجھتے ہوں اور وہ بزرگوں کی ہر بات مانتا ہو، محلے کے بچوں سے دوستی رکھتا ہو اور محلے میں سر جھکاکے گزرتا ہو۔ محلے کے تمام لوگوں کے کام بلا معاوضہ اور بلا چوں وچرا بغیر کسی حیل حجت کے کر دیتا ہو، مثلا بجلی، گیس اور پانی کے بل جمع کرانا، گھر کا سودا سلف لا دینا، اسکے علاوہ حسب ضرورت محلے والوں کے کام کرنا، یعنی محلے کا شریف وہ ہوتا ہے جو سارے محلے کی بیگار ڈھوتا ہے۔ جس طرح ہر محلے کی بیگار ڈھونے کے لیے ایک شریف موجود ہوتا ہے اسطرح ہی ہر دفتر میں بھی ایک شریف ملازم ہوتا ہے، اس شریف ملازم کا مقصد حیات اپنے باس کو خوش رکھنا ہوتا ہے، یہ اپنے باس کے ذاتی کام بھاگ بھاگ کر کرتا ہے۔ یہ دفتری شریف وقت پہ دفتر آتا ہے اور چھٹی کے بعد بھی کافی

دیر تک دفتر میں رہ کر اپنے کام چور ساتھیوں کا کام نبٹاتا ہے۔
جیسے برے سیاستدانوں میں سے ایک شریف سیاستدان بھی مل ہی جاتا ہے ایسے ہی سال کے بارہ مہینوں میں ایک مہینہ ایسا بھی آتا ہے جس کے ساتھ شرافت کا تمغہ لگا ہوتا ہے اور جسے ہم رمضان شریف کہہ کر پکارتے ہیں۔ رمضان شریف کو ہم لوڈ شیڈنگ کا نجات دہندہ بھی سمجھتے ہیں۔ بلوں اور مہنگائی کے مارے عوام رمضان شریف کے آنے کا یوں بے چینی انتظار کرتے ہیں جیسے عوام کو ہر گھنٹے بجلی جانے کے بعد بجلی کے آنے کا انتظار رہتا ہے۔ حکومت رمضان شریف کے مہینے میں ملک کو بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے کافی نجات دلا دیتی ہے، اسلیے عوام تو سال کے بارہ مہینوں کو رمضان شریف کہنے کو تیار ہے، ویسے بھی ساٹھ فیصد سے زیادہ خطہ غربت سے نیچے رہنے والوں کو کم از کم ایک فاہدہ ضرور ہوگا، روزے کا ثواب مفت میں مل جائے گا۔ ادھر ہماری حکومتیں بھی ہر سال اس شریف مہینے میں قیمتوں کو اعتدال میں رکھنے کا اعلان یوں کرتی ہیں جیسے باقی کے گیارہ مہینوں کی کرپشن اور مہنگائی کی ذمہ داری اُن پہ عائد ہی نہیں ہوتی۔ انسانی شرافت کی طرح رمضانی شرافت کا بھی ہمارے ہاں ناجائز فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ یوں تو ہمارے دفتروں میں سال بھر چھٹیوں کا میلہ لگا رہتا ہے مگر رمضان شریف میں پورا مہینہ سرکاری چھٹی رہتی ہے۔ رمضان شریف کی عقیدت کی آڑ میں دفتروں، سرکاری اداروں اور بینکوں کے ملازم روزے دار آدھا دن کام کرکے پورے

دن کی تنخواہ وصول کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھ کر اسے بڑی ایمانداری سے پورا کرتے ہیں۔ آپ کسی دفتر میں چلے جائیں، روزے دار آپ کو دس بجے سے پہلے سیٹ پہ نہیں ملے گا۔ اگر مل بھی گیا تو وہ بہت جلدی میں ہوگا اس لیے کہ گیارہ بجے سے اُسکو ظہر کی نماز کی تیاری کرنی ہوتی ہے، جس میں وہ ایک سپارہ بھی پڑھے گا اور اسکے لیے یہ دور کی کسی اپنے عقیدئے والی مسجد میں جایگا۔ وہاں سے واپس آکر یہ اپنے گھر فون کرکے افطاری کے سامان کا معلوم کرئے گا جو اُسکو اپنے ساتھ گھر لے جانا ہے، اب یہ دو چار فون اپنے جاننے والوں کو کرئے گا، آپ جس کام سے صبح سے دھکے کھا رہے ہیں وہ اب بھی نہیں ہو پائے گا کیونکہ اُس نے دو بجے گھر جانا ہے اور اگر آپ نے اُس کے کام نہ کرنے کی وجہ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو وہ آپکو ایسے دیکھے گا جیسے ایک سچا مسلمان کسی کافر کو دیکھتا ہے۔

ہمارے دکاندار بھی رمضان شریف کو نہایت مقدس اور مبارک سمجھتے ہوئے تیس دن جھوٹ نہ بولنے کا عہد کرتے ہیں اور ہر فروخت کی جانے والی اشیا کی قیمتیں منہ سے بتانے کی بجائے ان پر پرائس ٹیگ لگا دیتے ہیں تاکہ رمضان شریف میں انہیں جھوٹ نہ بولنا پڑے لیکن جب خریدار مول تول کرتا ہے تو یہ سب کچھ بھول کر جھوٹ پہ جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ رمضان شریف میں جس شریف انسان کا حلال آمدنی میں گزارہ نہیں ہوتا وہ صبح دس بجے سے ہی پکوڑے اور

سموسے کا ٹھیلا سرراہ لگا کراُن روزئے داروں کا پیٹ بھر رہا ہوتا ہے جو دن میں تین چار روزے رکھتے ہیں، آپ صرف کچھ دیر ٹھیلے کے قریب کھڑئے رہیں پھر دیکھیں کیسے کیسے روزے دار صبح دس بجے سے ہی روزئے کا انتظام کررہے ہوتے ہیں۔ ان پکوڑوں اور سموسوں کو بیچنے والا صرف رمضان میں اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ نہیں بھرتا بلکہ اُس کی مہربانی سے ڈاکٹروں اور حکیموں کے روزگار میں بھی برکت ہوتی ہے۔ پکوڑے اور سموسے بیچنے والوں کی طرح رمضان شریف میں سی ڈی کی دوکانیں بھی خوب چلتی ہیں، ایک بھارتی فلم دیکھئے، روزہ آپ کا یوں کٹ جائے گا جیسے چاند رات کو جیب کٹ جاتی ہے۔

آخر میں کچھ ذکر جمہوریت شریف کا بھی ہوجائے، نواز شریف کے اس "جمہوری نواز شریف دور" میں دو بجٹ آچکے ہیں لیکن نہ تو حکومت نے کشکول کو توڑا ہے اور نہ ہی غربت اور مہنگائی میں کوئی کمی آئی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس ملک کے عوام مہنگائی سے بلبلا رہے ہیں، زرداری سے لوگوں نے جان اسلیے چھڑائی کہ نواز شریف عوام کے لیے کچھ بہتر کرینگے لیکن گذشتہ ایک سال میں ملک پرمزید قرضوں کا بوجھ بڑھ گیا ہے۔ نواز شریف خوف زدہ انداز میں حکومت کررہے ہیں، دہشت گردوں کے خلاف جو آپریشن سال بھر پہلے شروع ہونا چاہیے تھا وہ اب شروع ہوا ہے۔ الیکشن کے دوران عوام سے جو وعدئے کیے تھے وہ ہوا میں اڑ گئے۔ ایک مرتبہ پہلے بھی لکھ چکا ہوں، اب دوبارہ لکھ رہا ہوں کہ "ایک سال کی شریف

خاندان کی خاندانی حکومت دیکھنے کے بعد ہمیں جمہوریت شریف کا مطلب اتنا ہی پتہ ہے کہ الیکشن ہوتے ہیں، لوگ ووٹ ڈالتے ہیں۔ پھر جو بندہ جیت جاتا ہے اسکا بھائی وزیر اعلیٰ، بھتیجے، بھانجے وزیر بن جاتے ہیں، سمدھی وزیر خزانہ بن جاتا ہے۔ ہم زلف کا بیٹا بجلی کا وزیر بن جاتا ہے۔ بیٹی یوتھ لون سکیم کی چیئرپرسن بن جاتی ہے۔ ان سب کے آگے پیچھے قیمتی قیمتی گاڑیاں ہوتی ہیں۔ ان کے گھروں کے باہر سیکیورٹی ہی سیکیورٹی ہوتی ہے، عوام کیلئے ان کے گھروں کے راستے بند ہوتے ہیں"۔ اب بھی اگر آپ شکایت کریں کہ شریف نہیں ملتا تو یہ آپکی زیادتی ہوگی، اتنے شریفوں سے تو ملوادیا آپکو۔ اور اب دوسرے شریفوں کا اسٹاک بھی ختم ہوچکا ہے لہذا گذشتہ سال گیارہ مئی 2013ء کو جو شریف آپ نے منتخب کیا تھا اگلے چار سال اُس پر ہی گذارہ کریں۔

طاہر القادری: ابھی وقت ہے جہاز چھوڑ جا

بھٹو صاحب کی عوامی سیاست میں جہاں عام آدمی میں سیاسی شعور آیا وہاں ایسے کیمونسٹ اور سوشلسٹ ذہن رکھنے والے بھی بہت سے سامنے آئے جو اپنے کردار سے تو کسی طرح بھی کیمونسٹ یا سوشلسٹ نہیں تھے مگر اپنے آپ کو کامریڈ کہلاتے تھے، ایسے ہی ایک کامریڈ کبھی کبھی مجھ سے ملنے میرے گھر آتے تھے، گھر چھوٹا تھا اسلیے میں اُنکو قریبی ہوٹل میں لے جاتا تھا، آپ یقین کریں وہ ایک گھنٹے کے لیے آتے تھے اور غریبوں اور مزدوروں کے مسائل کا رونا روتے تھے لیکن جب چائے کے آڈر کا وقت آتا تو وہ عام چائے پینے سے صاف انکار کردیتےاور مہمان ہونے کے باوجود خود اسپیشل چائے کاآڈر دیتے اور چائے کے ساتھ وہ پیسٹری بھی ضرور کھاتے، لیکن زبانی طور پر وہ غریبوں کی مشکلات کا غم کھاتے اور ہمیشہ یہ فرماتے اس ملک میں جلد ہی سرخ انقلاب آئے گا۔

احمد صاحب جو اسلام آباد کے رہاشی ہیں اور جدہ میں ملازمت کرتے ہیں کل ایک دوست کے گھر ملے تو انھوں نے سنایا کہ وہ چند دن پہلے ہی چھٹیاں گذارنے پاکستان آئے ہیں، انھوں نے بتایا کہ جدہ سے اسلام آباد آتے ہوئے میرے دو دوست بھی ساتھ تھے، اُن میں سے ایک جعفر تیموری تھے جو شاعر ہیں اور اپنا

حسب نسب مغلوں سے جوڑتے ہیں۔ ایمرٹس ایئرلاین کی پرواز سے ہم پہلے جدہ سے دبئی پہنچے جہاں سے ہمیں دو گھنٹے بعد دوسرے جہاز سے اسلام آباد آنا تھا، اسلام آباد کے جہاز میں سوار ہونے سے قبل ہم کو پتہ چلا کہ اس جہاز سے علامہ طاہر القادری بھی اسلام آباد جارہے ہیں اور اُن کے انقلابی اسلام آباد ایئرپورٹ پر اُنکے استقبال کے لیے موجود ہونگے۔ ہم اکنانومی کلاس کے مسافر، ہم نے سوچا انقلابی رہنما بھی کہیں ہمارے قریب ہی اکنانومی میں ہی موجود ہونگے۔ مگر معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ محترم انقلابی طاہر القادری بزنس کلاس میں سفر کر رہے ہیں۔ کینیڈا سے اسلام آباد براستہ لندن اور دبئی کے بزنس کلاس ٹکٹ کا کرایہ اور سستا ترین پیکیج سترہ ہزار کینیڈین ڈالر یعنی سولہ لاکھ روپے سے زیادہ کی ٹکٹ بنتی ہے۔ یہ ٹکٹ اگر اکانومی کلاس کی خریدی ہوتی تو ڈھائی لاکھ سے کم میں آجاتی۔ باقی کے تیرہ لاکھ سے کسی بیمار کا علاج ہوجاتا، کسی بیوہ کی امداد ہوجاتی، کسی غریب کی لڑکی کی شادی ہوجاتی، کئی غریب طلبا کے تعلیمی اخراجات ادا ہو جاتے۔۔۔۔ وہ جب یہ بتارہے تھے تو مجھے وہ کامریڈ یاد آگے جو مجھ سے ملنے آتے تو اسپیشل چائے پیتے تھے۔ اب جبکہ علامہ طاہر القادری دس انقلابی نکات کا اعلان کرچکے ہیں تو جیسے میں اپنے مہمان کو اسپیشل چائے پلاتا تھا، بلکل اسطرح ہی پاکستانی عوام کو کنیڈا سے آئے ہوئے اس مہمان کے نخرے تو اٹھانے پڑیں گے۔

احمد صاحب نے بتایا کہ جب جہاز اسلام آباد کے قریب پہنچا تو جہاز کے کپتان نے سیٹ بیلٹ باندھنے کا اعلان کیا۔ ہم سب نے سیٹ بیلٹ باندھ لیئے مگر مغلوں کے چشم و چراغ جناب تیموری نے سیٹ بیلٹ نہیں باندھی میں نے جب اُنکی توجہ دلائی اور سیٹ بیلٹ باندھنے کو کہا تو فرمایا ضرورت نہیں ہے، میرے اصرار کرنے پر وہ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے آپکے کہنے سے باندھ لیتا ہوں ورنہ اس ہوائی کوچوان کے کہنے سے کبھی نہیں باندھتا، یہ سن کر ہم تو اچھل پڑے کہ جہاز کے کپتان کو ہوائی کوچوان کہا جا رہا ہے جبکہ وہاں سے گذرتی ایئر ہوسٹس نے بھی یہ سن لیا، اُسنے مسکراتے ہوئے کہا کہ میں ابھی جاکر کپتان کو اُس کا نام بتاتی ہوں۔ کپتان کے اسلام آباد اترنے کے اعلان کو کافی دیر ہو گی تو کچھ پریشانی ہوئی، اب جہاز اسلام آباد کے اُوپر چکر لگا رہا تھا اور ہمیں اپنے شاعر دوست پر غصہ آ رہا تھا کہ شاید ایئر ہوسٹس نے کپتان کو اُسکے نئے نام سے آگاہ کر دیا ہے اور کپتان غصے میں جہاز نہیں اتار رہا ہے۔ تقریبا جہاز نے اسلام آباد کے اُوپر دس چکر کاٹنے کے بعد اپنا رخ لاہور کی جانب کیا تو پتہ چلا کہ چونکہ اسلام آباد میں علامہ کے مریدوں نے پولیس کی ٹھیک ٹھاک ٹھکائی کی ہے اور علامہ کے انقلابیوں نے ایئرپورٹ کی حساس مقامات پر قبضہ کیا ہوا ہے لہٰذا جہاز کو لاہور میں اتارنے کا فیصلہ کیا ہے،

تھوڑی دیر بعد جہاز لاہور ایئرپورٹ پر اتر چکا تھا۔ طاہر القادری نے طیارے سے اترنے سے انکار کردیا اور پہلا مطالبہ کیا کہ انہیں اسلام آباد ائرپورٹ پر ہی اتارا جائے

پھر انہوں نے مطالبہ کیا کہ اگر پاک فوج کے کور کمانڈر یا فوج کے اعلیٰ افسران سکیورٹی کی ضمانت دیں گے تو پھر طیارے سے گھر جائیں گے ورنہ انہیں اسلام آباد میں ہی اتا را جائے لیکن وفاقی حکومت نے یہ مطالبہ مسترد کردیا۔ طاہر القادری کسی صورت اپنے مطالبات سے دستبردار نہیں ہورہے تھے، چھ گھنٹے سے لاہور میں جہاز پر قبضہ کیے بیٹھے تھےاور ہوائی کوچوان کی نمائندہ ایک ہوائی میزبان اُنکو شاعرانہ انداز میں سمجھارہی تھی:۔۔

ابھی وقت ہے جہاز چھوڑ جا

یہ سفر نہیں عذاب ہے۔۔۔۔۔۔یہاں ہر قدم پہ سراب ہے

یہاں بدگمانی کا راج ہے۔۔۔۔۔یہاں بے وفائی رواج ہے

ابھی ہوش کھونے کے دن نہیں۔۔ابھی تیرے رونے کے دن نہیں

ابھی وقت ہےجہاز چھوڑ جا

اُسی درمیان میں اس سیاسی دنگل میں ایم کیوایم کودپڑی اور گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العبادنے طاہر القادری، وزیراعظم نواز شریف، پنجاب کے وزیراعلی شہباز شریف اور گورنر پنجاب سے فون پر رابطہ کیااور تھوڑی دیر بعد ہی کہ اچانک مبارک ہو، مبارک ہو کا شور مچ گیااور طاہر القادری کے ایک انقلابی نے اعلان کیا کہ:۔

انقلاب کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔۔۔۔۔ قائد انقلاب کے چار مطالبات حکومت نے مان لیے ہیں جس پر فورا عمل ہو گا۔

پہلا مطالبہ ۔۔۔ذاتی سیکیورٹی میں گھر جانے دیا جائے۔

دوسرا مطالبہ ۔گارڈز کو طیارے اور رن وے تک آنے دیا جائے۔

تیسرا مطالبہ ۔۔بلٹ پروف گاڑی دی جائے اور گورنر ساتھ جائیں۔

چوتھا مطالبہ ۔۔میڈیا میرے جانے کی براہ راست کوریج کرے ۔

جس انقلابی لیڈر کے یہ مطالبات ہوں اُس سے اُس کی انقلابی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے، طاہر القادری کو پتہ ہونا چاہیے کہ اپنے لیے آسانی کے مطالبات منوانے سے انقلاب نہیں آیا کرتے اور نہ ہی انقلابی تقریروں سے انقلاب آیا کرتے ہیں، انقلاب کے لیے انقلابی سوچ کو عمل کی بھٹی میں پکانا پڑتا ہے جو شاید علامہ طاہر القادری کے لیے مشکل ہو۔

کرپشن: چوراہوں پر پھانسی گھاٹ

چینی بھی عجیب قوم ہے ہر وہ کام کرجاتی ہے جو ہم سوچتے رہ جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال چینی عدالتوں کے فیصلوں پر عمل درآمد ہے۔ اس وقت چین کی آبادی ایک ارب پینتیس کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے، امپورٹ ایکسپورٹ کے لحاظ سے دنیاکا سب بڑا ملک ہے اور معیشت کے لحاظ سے بھی مضبوط ترین ملک ہے۔ اس ترقی کا راز یہ ہے کہ چین میں کرپٹ لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ 2011ء میں چین کے ریلوے کے وزیر لی ژونگ نے کچھ غیر قانونی بھرتیاں کیں اور اپنے سرکاری عہدہ سے ناجائز مراعات اور مالی فوائد حاصل کئے، اس پر مقدمہ چلایا گیا اور جرم ثابت ہونے پر اسے پھانسی کی سزا سنائی گئی، بغیر کسی تاخیر کے سزا پر عمل ہوا۔ چین میں دو سابق نائب میئرز کو پھانسی دی گئی، ان دونوں پر اختیارات کے ناجائز استعمال اور رشوت لینے کے الزامات ثابت ہو گئے تھے۔ چینی عدالت عظمی اور سرکاری ذرائع ابلاغ کے مطابق دونوں میئر حضرات نے مشرقی چین میں تیزی سے ترقی کرتے ہوئے دو شہروں میں تعمیراتی اور مختلف قسم کے دیگر منصوبوں میں دخل اندازی کی اور اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا۔ ٹھیکے اپنے من پسند افراد کو دلانے کے لیے انہوں نے لاکھوں ڈالر رشوت لی۔

شاید چین کے کرپشن اور دہشت گردی کی سزاوں کے اوپر عمل ہونے سے متاثر ہو کر لفظوں کی کہانی، "انتباہ" میں مبشر علی زیدی نے لکھا کہ "چین کے ایک شہر کے 100 بیچ چوراہے پر پھانسی گھاٹ دیکھ کر میں لرز گیا۔ اس سال یہاں کتنے مجرموں کو لٹکایا گیا ہے؟ میں نے چینی میزبان سے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ایک کو بھی نہیں۔ اس نے بتایا۔ گذشتہ سال؟ گذشتہ سال بھی نہیں، اس سے پہلے بھی کبھی نہیں۔ پھر اس چوراہے سے پھانسی گھاٹ کو ہٹاتے کیوں نہیں؟ وہ ہنسا۔ کہنے لگا، اس چوراہے کے اطراف سرکاری دفاتر قائم ہیں۔ سرکاری ملازم آتے جاتے اسے دیکھتے ہیں اور انھیں یاد رہتا ہے کہ کرپشن کی سزا موت ہے"۔ چین میں کرپشن کرنے والے ایک وزیر کو پھانسی کی سزا دے کر آئندہ کرپشن کی راہ میں ایسی رکاوٹ ڈال دی گئی ہے جسے عبور کرنے کے لیے بہت مشکل سے ہی کوئی سوچ گا۔ بد قسمتی سے پاکستان میں الٹا گنگا بہتی ہے جو بڑا رشوت خور ہوتا ہے اسے بڑا عہدہ دیا جاتا ہے۔

موجودہ حکومت جو گذشتہ ایک سال سے حکمراں ہے اور بڑے بڑے وعدے جن میں سے ایک کرپشن کا خاتمہ تھا کچھ نہیں کر پائی ہے۔ ابتدا تو بجلی چوروں کو پکڑنے سے کی تھی مگر بڑے بڑے چوروں کو چھیڑنے کی ہمت نہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ پیپلز پارٹی کی پانچ سالہ حکومت نے سوائے کرپشن کے کچھ نہیں کیا، 2012ء کے آخر میں پہلے 28 نومبر کو ورلڈ جسٹس پراجیکٹ نے سال 2012ء کی رپورٹ جاری

کی تھی جس میں پاکستان کو 97 ممالک کی فہرست میں ساتواں بدعنوان ترین ملک قرار دیا گیا تھا۔ صرف ایک ہفتے بعد ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل، جو دنیا بھر میں کرپشن پر نظر رکھنے والا ادارہ ہے اپنی 5 دسمبر کو جاری کردہ سالانہ رپورٹ 2012ء میں نشاندہی کی تھی کہ پاکستان 175 ممالک کی فہرست میں بدعنوانی کے حوالے سے 47ویں نمبر سے 33 ویں نمبر تک پہنچ گیا ہے۔

پاکستان میں کرپشن کا امر بیل کی طرح بڑھنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں زیادہ تر کرپشن حکومت کی چھتری کے نیچے ہوتا ہے، پیپلز پارٹی کی پچھلی حکومت کے دونوں وزراعظم آجکل عدالتوں میں اپنے خلاف ہونے والے کرپشن کے الزامات کو بھگت رہے ہیں، مگر اُنہیں اس بات کا پورا یقین ہوگا کہ اُنکا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ سرکاری عملداری میں تو کرپشن نے ہر جگہ جھنڈے گاڑھے ہوئے ہیں، ہمارے سرکاری ملازمین جن کا شاید دنیا کے کرپٹ ترین اُن ملازمین میں ہوتا ہے جو شاید ہی کسی اور ملک میں پائے جاتے ہوں۔ ہمارے ہاں بڑے عہدیدار سے لیکر چھوٹے سے اہلکار تک سب اپنی اپنی بساط کے مطابق کرپشن کے ذریعے اپنا اپنا حصہ وصول کررہے ہیں۔اس کرپشن زدہ ماحول میں یقیناً کچھ ایسے ایماندار لوگ بھی ہوتے ہیں جو بے ایمانی کے کام نہیں کرنا چاہتے تو انہیں کھڈے لائن لگا دیا جاتا ہے۔اس ملک میں کرپشن کی صورت حال نے دہشت گردی اور لاقانونیت کو جنم دیا اور اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ غیر ملکی سرمایہ

کار تو بھاگا ہی اپنے ملک کے صنعت کار بھی دوسرے ممالک جانے لگے۔

سیاست جسکے بارے کہا جاتا تھا کہ یہ ایک عبادت ہے عملاً پاکستان کی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ سیاست کو سیاست دانوں نے ایک منافع بخش کاروبار بنادیا ہے اور جس کی وجہ سے موروثی سیاست کا وجود عمل میں آیااور اب یہ کاروبار جو تمام کاروبار سے زیادہ منافع بخش ہے خاندان در خاندان چل رہا ہے۔ سیاست جو اب ایک پیشہ بن گیا ہے اُس میں کرپشن کا یہ عالم ہے کہ صرف لوٹ مار ہی لوٹ مار ہے، پیسہ ہی پیسہ ہے۔ ہمارا سیاستدان جب سیاست کے کاروبار میں سرمایہ کاری کرتا ہے تو کرپشن کے زریعے اس سے کئی گنا زیادہ وصول کرتا ہے۔ آجکل جو کروڑوں روپے خرچ کرکے اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں وہ قوم کی خدمت کرنے کی بیوقوفی ہرگز نہیں کرتے بلکہ جو کروڑوں لگائے تھے اُنکو اربوں میں وصول کرتے ہیں۔ ہمارے کرپٹ حکمرانوں نے ایسی پالیسی بنائی ہوئی ہے کہ اربوں روپے کے ترقیاتی کاموں کے فنڈز ممبران اسمبلی کے حوالے کردیے جاتے ہیں کہ جتنی چاہو کرپشن کرو۔ جبکہ دنیا بھر کے دیگر جمہوری ممالک میں ایسے ترقیاتی کام بلدیاتی حکومتوں اور خودمختار اداروں کے ذریعے انجام پاتے ہیں لیکن ہمارے سرکاری ملازمین اور سیاستدان ایک دوسرے کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن چکے ہیں، اور یہ ہی وجہ ہے کہ کرپشن کے تمام ریکارڈ بھی ناقابل شکست سطح پر پہنچ چکے ہیں۔

ملک بھر میں بجلی کی شدید قلت اور لوڈشیڈنگ کی وجہ سے آئے دن امن و امان کا مسئلہ ہوتا ہے، اربوں روپے کی بجلی چوری اور ناجائز کنڈہ گردی کرپشن کی ایک مثال ہیں۔ یہ بھی سنا جارہا ہے کہ ملک میں چلنے والے کارخانوں کی ایک بڑی اکثریت گیس اور بجلی چوری پر ہی چل رہے ہیں، اور یہ بات تو آپ سب جانتے ہی ہونگے کہ زیادہ تر ایسے کارخانے اور فیکٹریاں سیاستدانوں کی ملکیت ہیں، جہاں سرکاری ملازمین اُن کے دست راست ہیں۔جب حکومت نے ایسے کچھ کارخانوں پر چھاپے مارے ہیں تو یہی پتہ چلا کہ یہاں تو آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا ہے، ہر طرف ہی کرپشن کا کینسر پھیلا ہوا ہے۔ اب اگر حکومت نے واقعی ایسا کوئی نیک کام کرہی لیا ہے اور کرپشن کی اس غلاظت کو ختم کرنے کیلئے کچھ بڑوں پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت یا بیوقوفی کر ہی لی ہے تو بہادری کے ساتھ کم از کم ان بڑے لٹیروں کو کیفر کردار تک پہنچائے، اگران بڑے لٹیروں کو سزا ملے تو باقی چھوٹے چھوٹے لٹیریوں پر ہاتھ ڈالنا قطعی مشکل نہیں ہوگا لیکن بڑے یا چھوٹے کو کیفر کردار تک پہنچانے کی امید کم ہے، لیکن اگر ایسا ہوا تو پھر حکومت چوراہوں پر پھانسی گھاٹ ضرور بنوادے۔

سو (100) لفظوں کی کہانی بشکریہ روزنامہ جنگ

فٹ بال نہیں پولیو ویکسین کا تحفہ لانا

فٹ بال نہیں پولیو ویکسین کا تحفہ لانا۔۔۔۔100 لفظوں کی کہانی

فٹ بال کا عالمی کپ اپنے آخری مراحل میں ہے اور صرف تین میچوں کے بعد اُس ملک کو چیمپین ٹرافی مل جائے گی جو فائنل جیتے گا، پاکستان کا نام بھی اس ورلڈ کپ میں لیا گیا کہ یہ ملک ہم نے فٹبال مہیا کرتا ہے، اس ملک میں ٹیلنٹ تو بہت ہے مگر یہ اس ملک کی بدنصیبی ہے کہ فٹ بال تو دور کی بات اب یہ اپنے قومی کھیل ہاکی سے بھی باہر ہوگیا ہے، لیکن ایسی بات نہیں کہ کہیں ہم اول نہ ہوں بلکل ہیں، 2011ء سے ابتک پاکستان میں پولیو کے سب سے زیادہ کیسز سامنے آئے ہیں، اسطرح ہم پولیو کی بیماری میں پوری دنیا میں اول نمبر پر ہیں۔ پولیو ایک ایسا نا قابل علاج مرض ہے جو عمر بھر کی معذوری دے جاتا ہے۔ دنیا بھر تین ممالک نائیجیریا، پاکستان اورافغانستان ہیں جن سے ابتک پولیو کا خاتمہ نہیں ہوا ہے۔ عالمی ادارہ صحت کی جانب سے پاکستان پر سفری پابندیاں لگ چکی ہیں۔ اس ذلت کے باوجود ہم اس میں بھی کرپشن کررہے ہیں۔ پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (پیما) کے تحت عالمی ادارہ صحت کی جانب سے پاکستان پر سفری پابندیوں سے متعلق پریس بریفنگ میں پروفیسر اعجاز وہرہ

نے کہا کہ "سفری پابندیوں کے بعد پاکستانیوں نے پولیو کے قطرے پینے سے بچنے کے لیے سرٹیفکیٹ خریدنا شروع کر دیے ہیں، عوام پولیو کے خلاف کسی قسم کے پروپیگنڈے کا شکار نہ ہوں اور ملک سے پولیو کا داغ مٹانے کے لیے پولیو کے قطرے ضرور پئیں"۔

پاکستان میں اس مرض کی پھیلنے کی پہلی وجہ غربت، افلاس، صاف پانی کا نہ ملنا، گندے پانی کی نکاسی کا خراب نظام، خالص غذا اور صحت کی بنیادی سہولتوں سے محرومی ہیں۔ دوسری وجہ اس مرض کے پھیلنے کی عام لوگوں میں تعلیم کی کمی، معاشرتی رویہ اور قدامات پسندی بھی ہے۔ پاکستان میں پولیو کی حمایت میں تو کم اسکی مخالفت میں زیادہ مہم چلائی گئی، اسلیے بہت سے علاقوں میں عوام انسداد پولیو ویکسین کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پولیو سے حفاظت کے قطرے پلانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق 2012ء میں 60ہزار بچوں کے والدین نے اپنے بچوں کو قطرے پلوانے سے انکار کر دیا اور 2013 میں 2 لاکھ سے زائد بچے ویکسین سے محروم رہ گئے۔ اس مہم کو سب سے زیادہ نقصان ڈاکٹر شکیل آفریدی کے اُس منفی کردار سے پہنچا جب اُسکی اسامہ بن لادن کے خلاف ایبٹ آباد آپریشن میں شمولیت کے بارے میں پتہ چلا۔ اس کے بعد دہشت گردوں کی طرف پولیو کے قطرے پلانے والی ٹیموں پر حملے شروع ہوئے۔

کیا وجہ ہے کہ ہمارا پڑوسی بھارت جو آبادی میں ہم سے پانچ گنا زیادہ ہے اُسکو عالمی ادارہ صحت کی جانب سے پولیو فری ملک قرار دیا گیا ہے اور پاکستان پر سفری پابندیاں لگادی گیں۔ نواز شریف نے اپنی انتخابی مہم میں پولیو ختم کرنے کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا، لیکن یہ نیک کام اگر وہ کرجایں تو اسکا اجر اللہ تعالی اُنکو دیگا۔ اُنکی حکومت کو سب سے پہلے ایک بھرپور مہم پولیو کے خاتمے کے لیےمیڈیاکے زریعے شروع کرنا چاہیے جس سے لوگوں میں یہ شعور اجاگر کیا جائے کہ اپنی آنے والی نسلوں کو اپاہج ہونے سے بچانے کے لیےپولیو کے قطرئے بچوں کو پلانا لازمی ہےاور ساتھ ہی اس تاثر کوزائل کیا جائے کہ پولیو ویکسین مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش ہے۔ حکومت اپنی طرف سے بھرپور کوشش کررہی ہے لیکن قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن اورملک کے دوسرے حصوں میں دہشت گردوں کی وجہ سے اہداف مکمل نہیں کرپارہی ہےاور بچوں کی ایک بڑی تعداد پولیو کے قطروں سے محروم ہیں۔ اگر آپ کچھ وقت اس نیک کام کے لیے نکال سکتے ہیں تو اُن لوگوں کے پاس جایں جو اپنے بچوں کو پولیو کے قطرئے پلانے کے خلاف ہیں، شاید آپ ہی وہ انسان ہوں جو کسی یا کئی بچوں کو اپاہج ہونے سے بچالیں، اسکا اجرآپکو اللہ تعالی کی طرف سے ضرور ملے۔ آیئے مبشر علی زیدی کی 100 لفظوں کی کہانی پڑھتے ہیں جس میں وہ بھی یہ ہی سمجھارہے ہیں کہ اب جبکہ فٹ بال کا عالمی میلہ لگا ہوا ہے پہلے اپنے بچوں

کو پولیو کی بیماری سے بچایں پھر اُسکو ضرور فٹ بال کا تحفہ دیں۔

سو (100) لفظوں کی کہانی ۔۔۔فٹ بال ۔۔۔ مبشر علی زیدی

میں بڑا ہو کر میسی بنوں گا۔" میرے بیٹے نے کہا۔"

بڑا کھلاڑی نہیں، بڑے آدمی بننا۔ دوسروں کے کام آنا۔" میری بیوی نے نصیحت کی۔"

بچے کے دل پر اثر ہوا۔ وہ جیب خرچ سے ایک فٹبال خرید لایا۔

"پھر مجھ سے کہا، "سامنے والی بستی لے چلیں۔

وہاں پہنچ کر بیٹے نے ایک دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک بچہ آیا۔

ہم یہ تمھارے لیے لائے ہیں۔" میرے بیٹے نے فٹبال آگے بڑھائی۔"

،بچے نے فٹبال کو دیکھا، اپنی بیساکھی کو دیکھا، اپنی ٹانگوں کو دیکھا اور کہا

فٹبال نہیں چاہیے۔"

"اگلی بار اِس بستی میں آنا تو پولیو ویکسین لیتے آنا۔

سو (100) لفظوں کی کہانی بشکریہ روزنامہ جنگ

نواز شریف اور عمران خان کی منتقی سیاست

سابق وزیر خارجہ اور سابق اسپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب نے اپنی یادداشتوں میں جو بی بی سی کی ویب سائٹ پر موجود ہیں نواز شریف کے اُس دور کا ذکر کیا جب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سجاد علی شاہ تھے اور نواز شریف وزیراعظم۔ "دونوں کے اختلاف ہوئے اور جب اُن کی چپقلش عروج پر پہنچ گئی تو وزیراعظم نے مجھے قومی اسمبلی میں اپنے چیمبر میں آنے کو کہا۔ میں پہنچا تو وزیراعظم نے کہا کہ میں اُنکے ساتھ وزیراعظم ہاؤس چلوں۔ راستے میں انہوں نے اپنا ہاتھ میرے گھٹنے پر رکھتے ہوئے
کہا۔ گوہر صاحب مجھے کوئی ایسا راستہ بتائیں کہ میں ایک رات کے لیے چیف جسٹس کو گرفتار کرکے جیل بھیج سکوں۔ میں نے کہا کہ خدا کے واسطے ایسا سوچیں بھی نہیں ورنہ پورا نظام ہل جائے گا۔اسکے بعد نواز شریف خاموش ہوگئے"۔ دسمبر 1997 میں جب سجاد علی شاہ نے نواز شریف کی حکومت سے ٹکر لی تھی اس وقت وکلاء عدلیہ کے ساتھ نہیں تھے۔ نواز شریف حکومت نے جسٹس سجاد علی شاہ کے خلاف عدلیہ میں دراڑیں ڈالیں اور پھر سپریم کورٹ کے کوئٹہ اور پشاور میں بیٹھے ججوں کی طرف سے سجاد علی شاہ کے خلاف پے در پے فیصلے سامنے آئے۔ جسٹس سجاد علی شاہ اور وزیر اعظم نواز شریف کے درمیان جھگڑا سپریم کورٹ کے دو حصوں میں بٹوارے، ملک کی اعلی ترین عدالت پر سیاسی غنڈوں کے حملے، چیف جسٹس

سجاد علی شاہ کی برطرفی اور صدر فاروق لغاری کے استعفی پر جاکر ختم ہوا تھا۔ نواز شریف اپنے دوسرئے دور اقتدار میں چونکہ بھاری اکثریت سے جیتے تھے لہذا وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بارہ اکتوبر 1999 کو نواز شریف نے جنرل پرویز مشرف کو اُن کے سری لنکا کے دورے کے دوران برخواست کرکے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مارلی ۔ شام تک نواز شریف کی حکومت ختم ہوگئی اور وہ گرفتار ہوگے۔ دسمبر میں حکومت سے ایک دس سالہ معاہدہ کرکے جدہ چلے گے ۔ اُنکی واپسی نومبر 1999 میں ہوئی۔ 2008 کے الیکشن میں وہ مرکز میں تو اقتدار حاصل نہ کرسکے مگر 2007 پنجاب میں اُنکی حکومت بنی، 2013 کے الیکشن میں کامیاب ہوکر وہ تیسری مرتبہ پاکستان کے وزیراعظم بنے۔

کرکٹ پاکستان کا وہ واحد کھیل ہے جس میں پوری قوم دلچسپی لیتی ہے، 1992 کا ورلڈ کپ پاکستان نے عمران خان کی قیادت میں جیتا تھا لہذا عمران خان قوم کے ہیرو بن گئے یہ بات اور ہے ورلڈکپ لیتے وقت قوم کے اس ہیرو نے اُس وقت بننے والے شوکت خانم ہسپتال کا ذکر تو ضرور کیا مگر پاکستان کے بارئے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ 25 اپریل، 1996 کو تحریک انصاف قائم کرکے سیاسی میدان میں قدم رکھا۔ ابتدائی طور پر تو کوئی کامیابی نہ ملی لیکن وزیراعظم بننے کی تمنا ضرورت سے زیادہ تھی، ابھی پارٹی نے کوئی خاص مقبولیت حاصل نہیں کی تھی کہ 1996 میں بے نظیر حکومت کے خاتمے پر صدر لغاری کے کندھوں پر

بیٹھ کر وزیراعظم بننے کی کوشش مگر کامیاب نہ ہوئے تو فاروق لغاری کے خلاف خوب برسے۔ 1999 میں جنرل مشرف نے اقتدار پر قبضہ کیا تو مشرف کے ساتھ ہوگے مگر اُس نے بھی وزیراعظم نہ بنایا تو پھر اُسکے خلاف بھی ہوگے۔ 2008 کے الیکشن کا بایئکاٹ کیا پھر 2013 کے الیکشن میں حصہ لیا، سونامی اور انقلاب کے نعرے لگائے تو نوجوان ساتھ ہوئے لیکن زیادہ تر کی حمایت سوشل میڈیا پر تھی اور ہے، لہذا وزیراعظم بننے کی تمنا اب بھی پوری نہ ہو سکی۔ الیکشن میں ان کی جماعت کو توقع سے کم کامیابی ملی لیکن کے پی کے میں تحریک انصاف کو حکومت سازی کا موقع مل گیا۔

وزیراعلی کے انتخاب کا موقع آیا تو نوجوان قیادت کو آگے لانے کا وعدہ بھول گئے۔ ایک سال سے کے پی کے میں حکومت کر رہے ہیں مگر بڑے بڑے دعوے کرنے کے باوجود کوئی انقلابی تبدیلی نہ لاسکے۔ نیا پاکستان بنانے کا وعدہ کیا اور الیکشن کے بعد طالبان کی حمایت میں اسقدر آگے چلے گئے کہ طالبان خان کا لقب حاصل کیا۔ جس حامد میر کے ساتھ جیو پر روزانہ بیٹھ کر اپنی بات کیا کرتے تھے، اُس جیو پر اچانک الزامات کی بارش کردی اور فوج کے ہمدرد بن بیٹھے۔ افواج پاکستان کے طالبان دہشت گردوں کے خلاف آپریشن شروع ہونے کے بعد اُسکی بھی حمایت کردی اور یوٹرن لینے کا ایک ریکارڈ قائم کیا۔ گیارہ مئی سے جلسے کر رہے ہیں اور ہر جلسے میں الیکشن میں دھاندلی کا مختلف لوگوں پر الزام لگاتے ہیں۔ آجکل سابق چیف جسٹس افتخار چوہدری کو نشانے پر لیا ہوا ہے۔

عمران خان نے رمضان سے پہلے اپنے آخری جلسہ

بہاولپور میں الیکشن کے نتائج کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور چار مطالبات کر دیئے جبکہ ان چاروں مطالبات میں سے ایک بھی عوامی مسائل پر نہیں ہے۔ بقول عمران خان کہ "اب چار حلقے کھولنے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت کو ایک ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر ہمارے مطالبات تسلیم نہ کئے تو 14 اگست کو اسلام آباد میں لانگ مارچ ہوگا اور دس لاکھ لوگ اکھٹے کروں گا"۔ دیکھیے کہیں طاہر القادری والی گنتی نہ گننے لگیں۔

بہاولپور کے جلسہ سے پہلے وزیر اعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ نے ریکوڈک اور گوادر میں اہم پراجیکٹس کی نگرانی کے لیے سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے بیٹے ارسلان افتخار کو بورڈ آف انوسٹمنٹ بلوچستان کے وائس چیئر مین کے عہدے پر تقرری کی، جس کی یقینا منظوری نواز شریف نے دی ہوگی، اس تقرری کے خلاف اپنے جلسے میں عمران خان نے سابق چیف جسٹس اور ارسلان افتخار پر الزامات کی بوچھاڑ کردی، دوسری طرف باقی اپوزیشن نے بھی اس تقرر کی سخت مخالفت کی تو ارسلان افتخار نے اس تقرر سے علیدگی کا اعلان کردیا اور وزیر اعلیٰ بلوچستان نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ ارسلان افتخار کا تقرر غلط تھا۔ ہمارئے ہاں ہر رات ٹی وی چینل پر سیاسی مکالمے کا جو بازار لگتا ہے ایسے ہی ایک بازار میں ارسلان افتخار اور تحریک انصاف کے نوجوان رکن اسمبلی مراد سعید موجود تھے، ارسلان افتخار نے عمران خان کے اپنے

اوپر لگائے جانے والے الزامات کا سخت جواب دیتے ہوئے عمران خان کی نجی زندگی کے حوالے سے اخلاقی کرپشن کے الزامات لگائے اور ان کیخلاف لاس اینجلس کی ایک عدالت کا فیصلہ بھی دکھایا۔ عمران خان پر لگائے گئے سنگین اخلاقی الزامات پر تحریک انصاف کے نوجوان رکن قومی اسمبلی مراد سعید بہت غصے میں آگے اور انہوں نے ارسلان افتخار کو برا بھلا کہا اور معافی مانگنے کو کہا، اس درمیان میں مراد سعید نے ارسلان کو دھکے بھی دیئے۔ قومی اسمبلی کے بجٹ اجلاس میں مراد سعید نواز شریف کی ذات پر برستے رہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے بیٹے ارسلان افتخار عمران خان کی نجی زندگی پر حملے کررہے ہیں جبکہ مراد سعید بھی نواز شریف کی ذاتی زندگی کو ٹٹول رہے ہیں، اس سلسلے میں ارسلان اور مراد سعید دونوں ہی الیکشن کمیشن جاپہنچے ہیں۔

پاکستان جو اسوقت مشکل ترین حالات کی زد میں ہے، ملک میں دہشت گردوں کے خلاف آپریشن ہورہا ہے، جسکی وجہ سے قومی اتحاد کی سخت ضرورت ہے، لیکن بد قسمتی سے ہمارے ملک کی دو بڑی سیاسی جماعتیں پاکستان مسلم لیگ ن جو مرکز اور پنجاب میں اور پاکستان تحریک انصاف جو صوبہ کے پی کے میں حکومت میں ہیں ایک دوسرے کے پارٹی سربراہوں کی ذاتی کردار کشی میں لگی ہوئی ہیں۔ لگتا ہے ابھی تک ہمارے سیاستدان اپنی پرانی ڈگر پر ہی چل رہے ہیں، نواز شریف اور

عمران خان کو سوچنا چاہیے کہ اُنکی منفی سیاست سے ملک کو نقصان ہو رہا ہے فاہدہ نہیں۔آخر میں سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری سے بھی ایک بات کہنی ہے کہ اب وہ اپنے عہدے سے ریٹائر ہو چکے ہیں لہذا اپنے بیٹے کو کسی ڈھنگ کے کام پر لگایں، یہ جو ارسلان افتخار نواز شریف کے گلو بٹ بنے ہوئے ہیں یہ کام زیادہ عرصے چلنے والا نہیں۔

آصف زرداری کا خالص کاروباری سیاسی بیان

پاکستان پیپلز پارٹی کی گذشتہ پانچ سال کی حکومت کے عرصے میں مسلم لیگ نون بہت ہی دریا دلی کے ساتھ فرینڈلی اپوزیشن کا کردار ادا کرتی رہی اور پیپلز پارٹی بہت ہی دریا دلی کے ساتھ کرپشن کے سمندر میں غوطے لگاتی رہی جو ایک ریکارڈ ہے، اب فرینڈلی اپوزیشن کا کردار پیپلز پارٹی مسلم لیگ نون کی حکومت میں کر رہی ہے، عمران خان اور طاہر القادری کے سارئے باونسر گذشتہ ایک سال سے مسلم لیگ نون کی حکومت پیپلز پارٹی کی مدد سے ناکام بناتی رہی ہے۔ گذشتہ سال صدارت کے منصب سے فارغ ہوتے وقت سابق صدر آصف زرداری کو وزیراعظم نواز شریف نے ایوان وزیراعظم میں ایک الوادعی ظہرانہ دیا۔ ظہرانے میں نواز شریف نےاور آصف زرداری نے جو تقاریر کیں وہ "تو مجھے حاجی کہہ میں تجھے حاجی کہوں" کے مصادق تھیں۔ مثلاً وزیراعظم نواز شریف نے اپنی تقریر میں بہت ساری باتوں کے علاوہ کہا تھا کہ "صدر زرداری کو باوقار طریقے سے رخصت کرکے تاریخ رقم کی ہے، میرا اور آصف زرداری کا ایک جیسا ایجنڈا ہے"، جبکہ آصف زرداری نے کہا تھا کہ "مفاہمت وقت اور ملک کی ضرورت ہے، مفاہمت سے ہی چیلنجز کا سامنا کر سکتے ہیں، یہ وقت سیاست کا نہیں، پانچ سال تک تعاون کریں گے، سیاست پانچ سال بعد کریں گے"۔ اُس وقت ایک سوال یہ اٹھا تھا کہ ایک جیسا ایجنڈا رکھنے والے نواز

شریف اور آصف زرداری ایک دوسرے کو کب تک حاجی کہتے رہیں گے؟

آصف زرداری جنہوں نے کہا تھا کہ " نواز حکومت سے پانچ سال تک تعاون کریں گے "، اپنے اس بیان سے ایک سال سے بھی کم عرصے میں منحرف ہوگئے اور منگل پندرہ جولائی 2014ء کو سابق صدر نے حکومت اور وزیراعظم کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ "عوام نے نواز شریف کو وزیراعظم منتخب کیا ہے وہ شہنشاہ نہ بنیں، وفاقی حکومت دوسرے صوبوں کے معاملات میں مداخلت کر رہی ہے، ساتھ ہی آصف زرداری نے قومی اسمبلی کے چار حلقوں میں دوبارہ گنتی کے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کے مطالبے کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ نواز شریف چار حلقوں میں دوبارہ گنتی سے خوفزدہ کیوں ہیں؟ چار حلقوں میں دوبارہ گنتی کرانے میں کوئی حرج نہیں، ہم نے صرف جمہوریت کی بقاء کیلئے انتخابی نتائج کو تسلیم کیا تھا"۔ عمران خان جنہوں نے صرف دو دن پہلے ہی پیپلزپارٹی کے خلاف بیان دیا تھا، وہ آصف زرداری کے اس بیان پر کافی خوش ہیں کیونکہ اُنکے لیے تو آصف زرداری کا یہ بیان اُنکی سیاست کے لیے ایک ٹانک کا کام کرئے گا۔ ہوسکتا ہے اگلے ایک دو روز میں آصف زرداری اپنے کسی بیان میں طاہرالقادری کے انقلاب کی بھی حمایت کردیں۔ لازمی ہے کہ آصف زرداری کے بیان سے نواز شریف حکومت جو خود ساختہ مسائل کا شکار ہے اور خوف زدہ انداز میں کاروبار حکومت چلارہی ہے مزید دباؤ کا شکار ہوجائے گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا

ہے پیپلز پارٹی جو اب تک تحریک انصاف کی سیاسی مخالف رہی ہے اچانک آصف زرداری کو اُس کے مطالبے سے ہمدردی کیوں ہو گئی، جواب سیدھا سیدھا ہے کہ یہ اپنی لوٹ مار کو جاری رکھنے کے لیے سیاسی بلیک میلنگ ہے اور کچھ نہیں، سندھ میں پیپلز پارٹی کے کالے کرتوت چلتے رہیں تو آصف زرداری اور پیپلز پارٹی کی باقی قیادت مسلم لیگ نون کی حکومت کے حامی ہیں ورنہ نہیں۔

صوبہ سندھ میں قائم علی شاہ کے گذشتہ پانچ سالہ دور میں کراچی میں دہشت گردی اورٹارگیٹ کلنگ سے پانچ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے، بھتہ خوری اوراغوا برائے تاوان اس شہر میں عام بات تھی اور اب بھی ہے۔ سرکاری اور فوجی املاک پر حملے، فرقہ وارانہ نفرت ، بے روزگاری اور مہنگائی اس حکومت کے تحفے تھے جو اب بھی جاری ہیں ۔ کراچی کے ان حالات کی ذمیدار پیپلز پارٹی کی حکومت ہے، کراچی تو چھوڑیں اُنھوں نے تو لاڑکانہ، نواب شاہ یا خیرپور میں بھی عوامی بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا۔ کراچی چونکہ پاکستان کا معاشی حب ہے لہذا کسی بھی مرکزی حکومت کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اُسکو نظرانداز کرسکے، یہ ہی وجہ ہے کہ نواز شریف کراچی کے حالات کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں، لیکن بدقسمتی سے جس ٹیم کا انتخاب نواز شریف نے کیا ہے اُس کا کپتان وزیراعلی قائم علی شاہ کو بنادیا ہے۔ افسوس قائم علی شاہ جو خود ایک نااہل اور کرپٹ وزیراعلی ہیں اُن سے یہ امید کرنی کے وہ صوبے اور خاصکر کراچی کے

حالات کو درست کرسکیں گے غلط ہوگا۔ پیپلز پارٹی جو روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر حکمرانی کرتی رہی ہے، صرف ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کو چھوڑ کر باقی پیپلز پارٹی کی تمام حکومتیں لوٹ مار میں ملوث رہی ہیں، اسکی تمام کی تمام قیادت کرپٹ ہے۔ تھوڑے عرصے پہلے ہی سندھ کلچرل فیسٹول کے نام پر بلاول کے دوستوں کی مہمان نوازی کی جارہی تھی اور کروڑوں روپے خرچ کیے جارہے تھے، ٹھیک اُس وقت صحرائے تھر کے باشندے مصنوئی قحط سالی کے باعث خوراک اور صاف پانی کی کمی کی وجہ سے بیمار ہوکر موت کی آغوش میں چلے جانے والے اپنے بچوں کو دفنانے میں مصروف تھے اور جب وزیراعظم نواز شریف نے مٹھی کا دورہ کیا اور ایک ارب روپے کی امداد کا اعلان تو اُس وقت ہی شبہ ظاہر کیا گیا کہ اس رقم میں خرد برد ہونے کا اندیشہ ہے۔ نواز شریف نے کراچی کے لیے اربوں روپوں کے میگا پروجیکٹس کا اعلان کیا ہے، لیکن یہ پروجیکٹس جب شروع ہو سکتے ہیں جب کراچی میں امن و امان ہو۔ امن وامان کے لیے ضروری ہے کہ کراچی پولس جسے اے پی سیز، بلٹ پروف جیکٹس، ہیلمیٹس اور دیگر سیکورٹی آلات کی شدید ضرورت ہے فورا مہیا کیے جایں لیکن وہ بے سروسامانی کے عالم میں دہشت گردوں اور جرائم پیشہ عناصر کی مافیا رکے ساتھ لڑنے پر مجبور ہیں۔ ایسا کیوں ہے اسکی وجہ صرف موجودہ کرپٹ حکمرانوں کی لوٹ مار ہے جسکی تازہ مثال سندھ پولیس کے لئے ایک مشرقی یورپی ملک کے بیوپاری سے 8ء ارب روپے مالیت کی بم پروف بکتر بند گاڑیوں (اے پی سیز) اور دیگر سیکورٹی آلات کی خریداری کے

حوالے سے وہ کہانی ہے جس میں ابتک پانچ پولیس افسران شکار ہو چکے ہیں اور ابھی تک کوئی بھی اعلیٰ پولیس افسر اس قابل اعتراض سودے میں شریک ہونے پر راضی نہیں ہے۔ حکومت سندھ کی یہ مجبوری ہے کہ ایڈیشنل انسپکٹر جنرل (اے آئی جی) لاجسٹک ہیں اور ان کی منظوری کے بغیر اے پی سیز خریدی نہیں جا سکتیں۔

نواز شریف جو پورے ملک کے وزیراعظم ہیں اُنکو شہنشاہ کا لقب کیوں ملا اور یہ الزام کیوں لگایا گیا کہ وفاقی حکومت دوسرے صوبوں کے معاملات میں مداخلت کر رہی ہے اسکی شاید یہ وجوہات ہوں کہ حالیہ دورہ کراچی میں وزیراعظم نواز شریف نے اپنے بنائے ہوئے کپتان سے یہ پوچھ لیا کہ "شاہ صاحب آئی جی بھی آپ کی مرضی کا لگاتے ہیں، آپ نے پھر موجودہ آئی جی کی خدمات وفاق کے حوالے کر دی ہیں، اگر بار بار آئی جی سندھ تبدیل کریں گے تو پھر کراچی آپریشن کے نتائج کیسے حاصل ہوں گے؟"، جدید اسلحہ کی خریداری فوری کی جائے۔ سات ہزار سے زائد پولیس اہلکاروں کی بھرتی مکمل کرنے کی اطلاع پر وزیراعظم یہ سوال کرے کہ گذشتہ اجلاس میں بھی ہدایت کی گئی تھی کہ سندھ پولیس میں بھرتی کے عمل کیلئے آرمی کے بھرتی مراکز کی معاونت حاصل کی جائے، کیا ایسا کیا گیا؟۔ یا وزیراعظم وزیراعلیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہے کہ شاہ صاحب جس طرح سڑکوں پر کچرے کی صفائی کی جاتی ہے اسی طرح کراچی سے

بھتہ خوروں کی صفائی کریں، وفاق آپ کے ساتھ ہے۔ایک سال میں تیسری بار وزیراعظم کی کراچی آمد کے موقع پر کراچی کی چھ اہم ترین صنعتی تنظیموں نے وزیراعلی کی موجودگی میں ایک دستاویز وزیراعظم کو پیش کی جس میں اُن سے مطالبہ کیا گیا کہ کراچی کی صورتحال اتنی خراب ہو گئی ہے کہ اس کو مکمل طور پر فوج کے حوالے کیا جائے؟ بس یہ ہی وجوہات تھیں کہ آصف زرداری کو نواز شریف کے خلاف اسقدر سخت بیان دینا پڑا کیونکہ اب صرف صوبائی طور پر ہی کرپشن کر سکتے ہیں اور یہ اختیار بھی کہیں ہاتھ سے نہ چلا جائے۔ عمران خان کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوں یہ آصف زرداری کا خالص کاروباری سیاسی بیان ہے جسکو ہمارے کاروباری وزیراعظم بہت جلد سمجھ لینگے اور اگلی نواز زرداری ملاقات میں وہ پھر ایک دوسرے کو حاجی کہہ رہے ہونگے۔

کسی بدتمیز نے مجھ سے پوچھا

کسی بدتمیز نے مجھ سے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔100 لفظوں کی کہانی

اب آپ اس کا کیا کریں کہ جہاز کے سفر کے دوران آپکے برابر میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ بھارتی شخص موجود ہو اور باتیں کرنے کے موڈ میں بھی ہو۔ یہ بھی شکر ہوا کہ وہ مسلمان تھا مگر ساتھ ہی پکا بھارتی، سارے راستے وہ پاکستانی سیاست اور پاکستان کے سیاست دانوں کو روتا رہا، جہاں جہاں مجھے موقعہ ملا میں بھی بھارتی سیاست کی برائیاں کرتا رہا۔ کپتان نے جہاز اترنے اور سیٹ بیلٹ باندھنے کا اعلان کیا تو مجھے سکون ہوا کہ اس بھارتی سے اب جان چھوٹی، جہاز رن وے پر دوڑنے لگا تو وہ بولا ایک اور بات بھی سن جایں: "کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہودیوں نے آج تک کتنے نوبل انعام برائے سائنس جیتے ہیں؟ یہ تعداد سائنس پر دیے گئے کل نوبل انعاموں کا ایک چوتھائی ہے اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ پندرہ ملین یہودی ہونگے۔ مگر اسلامی دنیا میں صرف ایک پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام ملا۔ دنیا میں ایک ارب تیس کروڑ سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں، ذرا تصور کیجئے کہ اگر آج مسلمانوں میں علمی ترقی کا سفر جاری رہتا تو آبادی کے تناسب سے اگر دیکھا جائے تو آج سائنس کا

ہر ایک نوبل انعام کسی مسلمان کو ملتا"۔

محترم استاد ڈاکٹر عطاء الرحمان صاحب اپنے دو مضامین میں تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ ایک شرمناک حقیقت ہے کہ پاکستان اپنی جی ڈی پی کا صرف 1.8 فیصد حصّہ تعلیم پر خرچ کرتا ہے جس سے اس کا شمار دنیا کے ان آٹھ ممالک میں ہوتا ہے جو دنیا میں تعلیم پر سب سے کم خرچ کرتے ہیں۔ قومی تعلیمی ہنگامی صورت حال کا فوراً اعلان ہونا چاہئے اور تعلیم کے لئے جی ڈی پی کا کم از کم 5 فیصد حصہ مختص کر دینا چاہئے جو اگلے پانچ سالوں میں بڑھا کر 8 فیصد کر دیا جائے۔ پی ایم ایل (ن) سے وابستہ ہیں۔ سچ کہوں تو تھری جی اور فور جی ٹیکنالوجی متعارف کراکے پاکستان مسلم لیگ (ن) نے بہت اچھا قدم اٹھایا ہے، نہ کرنے سے دیر سے کرنا بہتر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کچھ غلط فیصلے بھی کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک لاکھ لیپ ٹاپ بانٹنے کے لئے 4 ارب روپے خرچ کئے جائیں گے جبکہ یہ پیسہ عالمی سطح کی جامعہ کو تعمیر کرنے کے لئے بھی لگایا جاسکتا تھا جس سے طلبہ نسل در نسل ان جامعات مستفید ہوتے۔ 17 سے 23 سال کی عمر کے طلبہ کی اوسط اندراج صرف 8 فیصد ہی ہے لہٰذا عالمی سطح کی جامعات کے قیام کی اشد ضرورت ہے۔ پاکستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں 249 اراکینِ پارلیمنٹ جن میں اراکان قومی و صوبائی اسمبلی اور سینیٹر بھی شامل ہیں جو جعلی ڈگریوں کے بل بوتے پر منتخب ہوئے۔ حتیٰ کہ شرمناک حقیقت یہ ہے

کہ گزشتہ حکومت میں وفاقی وزیر برائے تعلیم کی بھی اسناد و ڈگریاں جعلی تھیں۔ پہلے تو وہ پاکستان مسلم لیگ (ق) کے رکن تھے اور پاکستان مسلم لیگ (ن) کے اقتدار میں آتے ہی بڑی چالاکی سے اپنی پارٹی تبدیل کرلی"۔ ان حالات میں سوچیں کہ پاکستان اور پاکستانیوں کی دنیا میں کیا عزت ہے، اور واضح طور پر سمجھنے کے لیے آیئے مبشر علی زیدی کی 100 لفظوں کی کہانی پڑھ لیں۔۔۔۔

سو (100) لفظوں کی کہانی ۔۔۔۔۔۔مثال ۔۔۔۔۔۔ مبشر علی زیدی

....

''من موہن سنگھ نے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کیا تھا، صاحبِ کتاب ہیں۔''

بھارتی مندوب نے بتایا۔

''انجیلا مرکل نے کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی، متعدد تحقیقی مقالے شائع ہوچکے ہیں۔''

جرمن پروفیسر نے مطلع کیا۔

''صدر اوباما نے تین کتابیں لکھی ہیں، شکاگو یونیورسٹی میں بارہ سال تک قانون کے استاد رہے۔''

امریکی میزبان بولے۔

''صدر حسن روحانی بیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ برطانیہ سے قانون میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔''

ایرانی صحافی نے فخر سے کہا۔

پھر کسی بد تمیز نے مجھ سے پوچھا، ''تمھارے لیڈر نے کہاں سے ڈاکٹریٹ کیا؟ کتنی کتابیں لکھی ہیں؟

سو (100) لفظوں کی کہانی بشکریہ روزنامہ جنگ

اسرائیلی جارحیت اور مسلم دنیا کا کردار

اسرائیل کی ریاستی دہشتگردی کی تازہ لہر میں سینکڑوں فلسطینی شہید ہو چکے ہیں۔ ابھی نہتے اور مظلوم فلسطینیوں پر اسرائیلی جارحیت کا سلسلہ جاری ہے، مسلم دنیا کو یورپ اورامریکی کنٹرول میں رکھنے کے لیے ایک ملک اسرائیل کی شکل میں مشرق وسطی میں وجود میں آیا۔ بظاہر یہ چھوٹا سا ملک ایک ملک نہیں بلکہ یہ یورپ اور امریکہ کی ایک ناجائز تجاوز ہے، اسلیے ہی یورپ اور خصوصا امریکہ کا یہ کہنا ہے کہ اسرائیل پر حملہ امریکہ پر حملہ تصور ہو گا اور اسرائیل کی سلامتی امریکہ کی سلامتی کے مترادف ہے۔

دراصل یہ امریکی ضمانت ہے جو اسرائیل کی حیات ہے اور مسلم دنیا اور خاصکر فلسطینیوں کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنانے کا کھلا لائسنس ہے۔ اس سے پہلے بھی اسرائیل کافی مرتبہ جارحیت کا مرتکب ہوا ہے۔ لبنان میں صابرہ اور شتیلہ کے مہاجر کیمپوں پر زبردست تباہ کن حملے ہوئے۔ جنین مہاجر کیمپ کا واقعہ ہوا اور 2009ء میں غزہ کی پٹی پر زبردست ہوائی اور زمینی حملے ہوئے۔ 2010ء فریڈم یا لبرٹی فلوٹیلا پر اسرائیلی فوج نے بے شرمی سے حملہ کیا۔ ریاستی دہشتگردی کے اس سارے گھٹاٹوپ اندھیرے میں اقوام متحدہ کی قرار دادیں اور عرب پیس کا روڈ میپ گم ہو گیا۔ اسرائیلی فوج کی جانب سے غزہ کے کئی علاقوں میں بمباری کی گئی ہے۔۔بربریت کا حال یہ ہے کہ اسرائیلی ٹینکوں

نے غزہ سٹی کے اشرف القدر ہسپتال کو نشانہ بنایا جس میں ہسپتال کے عملے سمیت درجنوں فلسطینی شہید جبکہ 10 زخمی ہو گئے۔ دوسری جانب دنیا بھر کے ممالک میں جن میں غیر مسلم کی اکثریت ہے اسرائیل کے خلاف مظاہرے کئے جا رہے ہیں مگر بد قسمتی سے کسی بھی ملک کی جانب سے اور خاصکر مسلم ممالک کی جانب سے فلسطینیوں پر جاری مظالم روکنے کیلئے سنجیدہ کوششیں نہیں کی گئیں۔ شجاعیہ میں بدترین بمباری اور سینکڑوں شہادتوں کے بعد اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ہنگامی اجلاس تو طلب کر لیا لیکن دونوں فریقین سے صرف جنگ بندی کا مطالبہ ہی کیا ہے۔

عرب دنیا اور بیشتر اسلامی ممالک سمیت عالمی برادری کی غزہ پر صیہونی فوج کی جارحیت کے ردعمل میں مکمل خاموشی کو قانونی جواز بناتے ہوئے اسرائیلی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے کہا ہے کہ اسرائیل کو غزہ پر فوجی حملے کے لیے بین الاقوامی جواز حاصل ہوگیا ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے اتوار کو تل ابیب میں ایک نیوز کانفرنس کے دوران کہا ہے کہ '''اسرائیل کو غزہ سے آنے والے راکٹوں کے جواب میں اپنے دفاع کا حق حاصل ہے اور اس سلسلے میں اس کو بہت مضبوط بین الاقوامی حمایت حاصل ہے''۔

نیتن یاہو نے نہتے فلسطینیوں پر اس ننگی جارحیت کو جائز قرار دینے کے لیے دعوی کیا کہ "اسرائیل نے 15 جولائی کو مصر کی جانب سے پیش کردہ جنگ بندی کی تجویز کو قبول کر لیا تھا لیکن

حماس نے اس کو مسترد کردیا تھا۔اس لیے اس کے بعد اسرائیل کو اہل غزہ کے خلاف فوجی کارروائی کا جائز حق حاصل ہوگیا ہے"۔بقول اسرائیلی وزیراعظم کہ "اس فوجی آپریشن کو واشنگٹن کی حمایت حاصل ہے۔اسرائیل ایک جمہوری ریاست کی حیثیت سے اپنے دفاع کے لیے جائز آلات و ذرائع استعمال کررہا ہے اور انھی لوگوں کو نقصان پہنچا رہا ہے جو ہم پر راکٹ برسا رہے ہیں اور یہ امتیاز بہت سے عالمی لیڈروں پر واضح ہے"۔اب جھوٹ کا سہارا لینے والے نیتن یاہو یا ان کے ہم نوا مغربی لیڈر ہی بتا سکتے ہیں کہ غزہ میں اسرائیلی فوج کی وحشیانہ بمباری اور گولیوں کا نشانہ بننے والے بچوں بوڑھوں اور خواتین نے کہاں راکٹ فائر کیے تھے۔امریکی صدر براک اوباما نے کہنے کی حدتک غزہ میں شہریوں کی بڑھتی ہوئی ہلاکتوں پر تشویش کا اظہار کیا ہے لیکن انھوں نے اسرائیلی فوج کو جارحیت سے روکنے کے لیے کچھ نہیں کیا جبکہ امریکی وزیرخارجہ جان کیری نے اسرائیل کو جارحیت سے باز رکھنے کے بجائے حماس کو غزہ میں فلسطینیوں کی بڑھتی ہوئی ہلاکتوں کا ذمے دار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے جنگ بندی کی کوششوں سے انکار کردیا ہے اور اس طرح اسرائیل کو مزید اقدامات کی دعوت دی ہے۔

مسلم دنیا کا کردار

مسلم دنیا میں صرف ترک وزیراعظم رجب طیب ایردوان ہیں جنھوں نے غزہ میں

اسرائیلی جارحیت پر تنقید کرتے ہوئے اسرائیلی جارحیت کو نازی جرمنوں سے مشابہ قرار دیا۔ ترکی کے وزیراعظم نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے امریکا کو بھی اسرائیل کی فلسطینیوں کے خلاف طاقت کے بے مہابا استعمال کی حمایت کرنے پر تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اس سے کہا ہے کہ وہ غزہ پر اسرائیلی جارحیت کو رکوانے کے لیے اپنی ذمے داریوں کو پورا کرے۔انھوں نے فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت پر عالم اسلام کی خاموشی پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ سعودی عرب کی حکومت نے فلسطینی شہر غزہ کی پٹی پر قابض اسرائیلی فوج کے وحشیانہ حملوں کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے سلامتی کونسل اور جنیوا میں قائم انسانی حقوق کونسل پر زور دیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت بند کرانے کے لیے اپنی ذمہ داریاں ادا کریں۔ نائب وزیر اعظم اور ولی عہد شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز کی زیر صدارت کابینہ کے ہفتہ وار اجلاس میں غزہ پر اسرائیلی بمباری کی شدید مذمت کی گئی۔ جبکہ سعودی عرب کے مفتی اعظم عبدالعزیز الشیخ نے فتوی دیا ہے کہ اہلیان غزہ کو زکواۃ دینا جائز ہے، اللہ غزہ کے مکینوں کی مشکلات دور کرے۔ الشیخ نے اپنے حالیہ فتوی میں کہا ہے کہ غزہ کے باسیوں کو قتل، بیدخلی اور اپنے مال و متاع کی تباہی کا سامنا ہے، مصیبت کی گھڑی میں یہ لوگ دوسروں سے زیادہ ہماری زکواۃ کے مستحق ہیں، ان کے زخموں پر مرہم کی کوشش انتہائی مقبول ہے۔پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف نے غزہ پر اسرائیلی جارحیت کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے، فلسطینیوں کے

خلاف اسرائیل کی وحشیانہ کارروائیوں کو جنگی جرائم قرار دیا ہے۔ پاکستانی وزیراعظم نے کہا کہ پاکستانی قوم غزہ کے عوام کے ساتھ ہے اور ہم آزاد اور خود مختار فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اسرائیل نے ہمیشہ نہتے فلسطینیوں کے خلاف طاقت کا بیہمانہ استعمال کیا اور اسرائیلی جارحیت جنگی جرائم کے زمرے میں آتی ہے جس کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ نہتے فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت ناقابل قبول اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے جس کا عالمی برادری اور اسلامی ممالک کو بھی نوٹس لینا چاہیے۔

باقی اسلامی دنیاکے حکمران اپنے اپنے سیاسی مفادات میں مصروف ہیں، لیکن متحدہ عرب امارات کی خبر کچھ الگ ہی ہے۔ ایک بھارتی اخبار سیاست کے مطابق اسرائیل کے قومی ٹی وی اسٹیشن (عبرانی میں چینل 2) نے اپنی ایک شائع شدہ رپورٹ میں واضح طور پر کہا ہے کہ متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ شیخ عبداللہ بن زید النہیان نے اپنے اسرائیلی ہم منصب اویگڈور لیبرمین سے گزشتہ ماہ کے آخر میں پیرس میں ملاقات کی تھی جہاں مشرق وسطیٰ اور فلسطین کے موضوع پر تبادلہ خیال ہوا تھا۔ اسرائیل کے چینل نے دعویٰ کیا کہ متحدہ عرب امارات کو غزہ پر اسرائیلی فضائی حملوں کے بارے میں پیشگی اطلاع تھی ۔ یہی نہیں بلکہ اُسے ’’آپریشن ‘‘ کیلئے درکار فنڈس بھی متحدہ عرب امارات فراہم کرنے تیار

تھا بشرطیکہ اسرائیل یہ وعدہ کرے کہ حملوں کے ذریعہ فلسطینی عسکریت پسند تنظیم حماس کا مکمل صفایا کردیا جائے کیونکہ حماس کے اخوان المسلمین سے قریبی روابط ہیں۔ اخبار سیاست کے مطابق یہ اطلاع مقامی عربی اخبار الشرق نے دی ہے جو یقینا چونکا دینے والی ہے۔

اسرائیل کی تازہ ترین جارحیت اور مسلم دنیا کی بے حسی اور شرمناک خاموشی کو اور واضح طور پر سمجھنے کے لیے آیئے مبشر علی زیدی کی 100 لفظوں کی کہانی "رد عمل" پڑھ لیں۔۔۔۔

سو (100) لفظوں کی کہانی ۔۔۔۔۔۔ رد عمل ۔۔۔۔۔۔ مبشر علی زیدی

فلسطینیوں پر ظلم کرنے والا اسرائیل اور اُس کے حواری ہمارے ردِّ عمل سے کانپ اُٹھیں گے۔"

ایک لیڈر نے کہا۔

اُس مقام پر پچاس سے زیادہ دوسرے رہنما بھی تھے۔

،کوئی کسی ملک کا صدر تھا، کوئی وزیرِ اعظم، کوئی جرنیل، کوئی بادشاہ

کسی کے پاس درجنوں ایٹم بم تھے، کسی کے پاس سیکڑوں جنگی طیارے، کسی کے پاس لاکھوں سپاہی،

سب ایک پلیٹ فارم پر جمع تھے،
سب دُکھی تھے، چہرے سُتے ہوئے تھے۔
انھوں نے مکمل اتفاقِ رائے سے فیصلہ کیا،
پھر ایک رہنما نے کمپیوٹر کا بٹن دبایا اور۔۔۔
انتہائی سخت مذمّتی بیان میڈیا کو ای میل کر دیا۔

سو (100) لفظوں کی کہانی بشکریہ روزنامہ جنگ

آئی ڈی پیز یا بنوں کے غریب

عراق کے شہر موصل میں داعش کے دہشت گردوں نے حضرت یونس علیہ السلام کا مزار دھماکے سے شہید کردیا، اسی مزار کے احاطے میں ایک مسجد کو بھی شہید کردیا گیا جوآٹھویں صدی عیسوی میں تعمیر کی گئی تھی۔ داعش دہشت گردوں نے گذشتہ ایک ماہ کے دوران 45 مزارات، مساجد اور امام بارگاہوں کو نشانہ بنایا۔ اہل بصیرت مسلمان بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ "داعش" کو بنانے والے کون کون سے اسلامی وغیر اسلامی ممالک ہیں۔ جب شام پر کثیرالملکی حملہ نہ کیا جاسکا تو داعش کو متعارف کروایا گیا۔ اس حقیقت کو پاکستان میں بھی سب جانتے ہیں، مگر کچھ امن کے دشمن حضرت یونس علیہ السلام کے مزار کو گرانے کی اسی طرح تردید کرتے نظر آتے ہیں جیسے طالبان کی دہشت گردی کی واردات کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد یہ طالبانی حمایتی دہشت گردی کی تردید کرتے ہیں۔ دہشت گرد تنظیم داعش کا سربراہ ابو بکر البغدادی خودساختہ خلیفہ بھی ہے مگر ابو بکر بغدادی کی نام نہاد خلافت کو کئی دوسری دہشت گرد تنظیموں نے مسترد کردیا ہے۔ مسلم مبصرین کا کہنا ہے کہ ابو بکر بغدادی اور اسکی تنظیم داعش امریکی اور اسرائیلی ایجنٹ ہیں اور ابو بکر بغدادی خود ایک مشکوک انسان ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے اس دہشت گرد تنظیم داعش نے بیت المقدس کو فتح کرنے کے بجائے کلیسائے روم کو فتح کرنے کا مشکوک نعرہ

لگایا ہے۔ داعش دہشت گرد تنظیم کے مشکوک نعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خطے میں امریکہ اور اسرائیل کے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ گذشتہ دو ہفتوں سے اسرائیل غزہ کے مسلمانوں کا قتل عام کر رہا ہے لیکن القاعدہ سے لیکر داعش تک کسی بھی ایک دہشت گرد تنظیم نے دنیا بھر میں کہیں بھی امریکی یا اسرائیلی مفادات کو معمولی سا بھی نقصان نہیں پہنچایا اور یہ ہی حال باقی تمام دہشت گرد تنظیموں کا ہے، ان میں آئی ایس آئی ایس بھی شامل ہے اور پاکستانی اور افغانی دہشت گرد تنظیم طالبان بھی شامل ہے۔

آج جو کام داعش عراق میں کر رہی ہے وہ ہی کام طالبان دہشت گرد پاکستان اور افغانستان میں کرتے رہے ہیں۔ ان دہشت گردوں کا بھی یہ ریکارڈ ہے کہ انہوں بھی پورے پاکستان میں کہیں بھی امریکی ، مغربی یا اسرائیلی مفادات کو معمولی سا بھی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔

طالبان دہشت گردوں نے کافی تعداد میں پاکستان میں مزاروں، مسجدوں اور امام باگاہوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ اسکے علاوہ طالبان دہشت گردوں کی دہشت گردی سے گذشتہ دس سال میں جون 2014ء تک پاکستان میں 52ہزار409 افراد شہید ہوئے، سیکورٹی فورسز کے 5ہزار775 اہلکار شہید ہوئے، 396 خود کش حملے ہوئے جس میں 21ہزار افراد جاں بحق اور 12ہزار558 افراد ذخمی ہوئے، 4ہزار932 بم 6 دھماکے ہوئے۔ گذشتہ سال سے مسلم لیگ نون کی حکومت نے مذاکرات مذاکرات کا کھیل رچایا ہوا تھا، اور اس مذاکرات کے کھیل میں مسلم لیگ نون، جماعت اسلامی

اورطالبان کے نام نہاد باپ مولانا سمیع الحق شامل تھے جبکہ عمران خان اور مولانا فضل الرحمان بلواسطہ شامل تھے، اور یہ تمام جو مذاکرات کا کھیل کھیل رہے تھے آپریشن کی مخالفت میں آگے آگے تھے۔ مسلم لیگ نون کے سربراہ اور موجودہ وزیراعظم تو مجبور ہیں ورنہ وہ کافی عرصہ پہلے طالبان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امیر المومنین بن چکے ہوتے۔ جماعت اسلامی اور دونوں جمیت علمائے اسلام، فضل الرحمان اور سمیع الحق گروپ مذہب کی آڑ لیکر آپریشن کی مخالفت کر رہے تھے، جبکہ عمران خان جو یوٹرن کے چیمپین ہیں آپریشن سے لوگوں کو ڈراتے رہے اور جب آپریشن شروع ہوا تو فوج کے حامی بن گے۔ آٹھ جون کو کراچی ایئرپورٹ پر طالبان دہشت گردوں کے حملے کے بعد اتوار 15 جون کو افواج پاکستان نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن کا آغاز کیا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپریشن شروع ہونے سے پہلے مرکزی حکومت اور خیبر پختونخوا کی صوبائی حکومت ملکر یہ پروگرام بناتے کہ آپریشن شروع ہونے کے بعد کیا کیا مشکلات پیش آینگیں اور اُنکا سامنا کیسے کیا جائے گا؟ لاکھوں آئی ڈی پیز کے رہنے، کھانے پینے اور اُنکی صحت کا خیال کیسے رکھا جائے گا؟ بدقسمتی سے ان مسائل سے نبٹنے کے لیے کوئی ہوم ورک نہیں ہوا، اب صورتحال یہ ہے کہ شمالی وزیرستان میں جاری آپریشن کے نتیجے میں گھربار چھوڑنے والوں کی تعداد 9 لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ سینٹ کی قائمہ کمیٹی کے ارکان نے حیرانگی کا

اظہار کرتے ہوئے استفسار کیا کہ شمالی وزیرستان کی کل آبادی تو 6 لاکھ رجسٹرڈ ہے یہ 9 لاکھ متاثرین کہاں سے آ گئے۔ اگر پہلے سے یہ سروے کروالیا جاتا تو یہ پچاس فیصد کا جو اضافہ ہوا ہے اور اس کی وجہ سے متاثرین کی مشکلات میں کمی تو دور کی بات، الٹا اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گھروں سے دربدر ہونے والے متاثرین کو روزے کی حالت میں کڑی دھوپ ہر کام کے لیے الگ الگ قطار میں لگنا پڑتا ہے۔ پہلے رجسٹریشن، پھر راشن اور پھر مالی امداد والی موبائل فون سمز کے حصول کے لیے قطار۔ پریشانی صرف لائنوں میں لگنا ہی نہیں، بلکہ مالی امداد کی فراہمی کے طریقہ کار سے بھی لوگ پریشان ہیں، شمالی وزیرستان کے اکثر رہائشی موبائل فون کے استعمال سے ناواقف ہیں، ان متاثرین کو امدادی رقم موبائل فون سمز کے ذریعے دی جارہی ہے، جبکہ وہ موبائل فون سم کے استعمال اور اسے ایکٹی ویٹ کرنے سے بھی ناواقف ہیں۔ متاثرین کا کہنا ہے کہ اگر پہلے سے منصوبہ بندی کر لی جاتی تو یہ سارا کام ایک ہی جگہ پر ہو سکتا تھا۔

پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو اس آپریشن کے موقعہ پر جو کردار ادا کرنا چاہیے تھا اسکا دور دور پتہ نہیں، تحریک انصاف جس کی خیبر پختونخوا میں حکومت ہے اُسکے سربراہ عمران خان کو آئی ڈی پیز سے زیادہ 14 اگست کو اسلام آباد فتح کرنے کی فکر ہے، لندن کے بھی دو چکر لگا آئے ہیں جبکہ وزیراعظم

نواز شریف نو لاکھ بے گھروں کے لیے کچھ کرنے کے بجائے سعودی عرب عبادت کرنے گئے ہوئے ہیں اور یہاں اُنکے وزیروں کو آئی ڈی پیز سے زیادہ 14 اگست کی فکر کھا رہی ہے، شاید وزیر اطلاعات کو تو طوطے کی طرح سے رٹا دیا گیا ہے کہ صبح سے شام تک اُنکو 14 اگست اور عمران خان کے لیے کیا کہنا ہے۔ علامہ طاہر القادری بھی ہر روز اپنے انقلاب کے پرچار میں لگے ہوئے ہیں، آصف زرداری امریکہ میں ہیں، اے این پی اور ایم کیوایم آپریشن کے تو بہت زبردست حامی ہیں لیکن آئی ڈی پیز کے ساتھ وہ کہیں نظر نہیں آرہے ہیں۔ جماعت اسلامی آئی ڈی پیز کے ساتھ اپنی این جی او کے گشتی دواخانوں کے زریعے موجود ہے، جہاں تک مولانا فضل الرحمان یا مولانا سمیع الحق کا تعلق ہے، آئی ڈی پیز سے چونکہ کوئی سیاسی یا مالی فاہدہ نہیں ہے لہذا وہ دور ہیں۔
پاکستانی میڈیا شمالی وزیرستان کے آئی ڈی پیز کی مشکلات کی پوری کوریج نہیں کررہا ہے اُسکو رمضان بازار سے فرصت نہیں ہے۔ پیپلز پارٹی کے چیرمین بلاول نے شمالی وزیرستان کے آئی ڈی پیز کے لئے عید کے پر مسرت موقع پر عید گفٹ بھیجنے کا اعلان کیا ہے اور بھی کچھ ایسا ہی کرینگے ، لیکن میں ایک مرتبہ پھر یہ ہی کہونگا کہ یہ نہ تو بھکاری ہیں اور نہ ہی غیر ملکی مہاجرین یہ ہمارے اپنے ہی بھائی ہیں۔ مشکل کی اس گھڑی میں ان متاثرین بھائیوں کے حالات کو واضع طور پر سمجھنے کے لیے آیئے مبشر علی زیدی کی 100 لفظوں کی کہانی "انکشاف" پڑھ لیں۔۔۔۔

سو (100) لفظوں کی کہانی ۔۔۔۔۔۔انکشاف ۔۔۔۔۔۔ مبشر علی زیدی

ہمارا گھر گاؤں میں تھا۔ ہم نے کبھی شہر نہیں دیکھا تھا۔

مکان میں صرف ایک کمرہ تھا جس میں اندھیرا بھرا رہتا تھا۔

بارشوں میں چھت ٹپکتی تھی، دروازہ گرمی سردی کو گھسنے سے نہیں روکتا تھا۔

،ماں کبھی آلو کا بھرتا، کبھی ٹماٹر کی چٹنی بناتی تھی

کبھی ہم پیاز کے ساتھ روٹی کھاتے تھے۔

خاندان میں آٹھ افراد تھے لیکن چارپائیاں صرف تین، کوئی تکیہ نہیں تھا۔

رات کو سب زمین پر چٹائی بچھا کر سوتے تھے۔

اس کے باوجود ہم خوش تھے، خود کو امیر سمجھتے تھے۔

یہ ہمیں بنوں آکر پتہ چلا کہ ہم غریب ہیں۔

سو (100) لفظوں کی کہانی بشکریہ روزنامہ جنگ

افتخار محمد چوہدری بمقابلہ عمران خان

پاکستانی ریاست کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ریاست کے چار ستون ہیں یعنی سیاست دان، فوج، عدلیہ اور میڈیا۔ پاکستان کے ابتدا میں صرف دو ستون تھے سیاست دان اور فوج، لیکن جب پاکستان کے ایک ستون فوج کی ریاست میں مداخلت بڑھی تو اس مداخلت کو قانونی اور آئینی قرار دینے کے لیے انصاف کرنے والے ججوں نے آمروں کا ساتھ دیا، انھوں نے آمروں کی حکومتوں کو نہ صرف قانونی قرار دیا بلکہ اُسے آئین میں ترامیم تک کا حق بھی دئے دیا، عدلیہ کے اس کردار سے اُسے ریاست کے تیسرے ستون کی حیثیت مل گئی، اورجب پرنٹ میڈیا کے عروج کے بعد اکیسویں صدی کے آغاز میں دنیا الیکٹرانک میڈیا کے دور میں داخل ہوئی اور الیکٹرانک میڈیا کی پرائیوٹائزیشن نے اپنے قدم جمائے تو پاکستان بھی گلوبل ویلج کا حصہ بن کر اس سے محفوظ نہ رہ سکا، جب ہمارے سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، عسکری اور انصاف مہیا کرنے والے حلقے اس کے اثر سے نہ بچ سکے تو میڈیا کو ریاست کے چوتھے ستون کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا۔ آج یہ چاروں ہی ستون متحرک ہیں لیکن اس مضمون کے لکھنے کا مقصد اعلی عدلیہ کے ایک سابق جج اور ایک سیاست دان کے ایک دوسرے کے آمنے سامنے آنا ہے، میری مراد سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اور تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان سے ہے۔

جسٹس محمد منیر، جسٹس مولوی مشتاق، جسٹس انوارالحق، جسٹس نسیم حسن شاہ، سابق پاکستانی صدر جسٹس رفیق تارڑ اور جسٹس افتخار محمد چوہدری پاکستان کے وہ جج ہیں جو آمروں کا ساتھ دیتے رہے، جسٹس محمد منیر سے لیکر جسٹس افتخار محمد چودھری تک سب نے آمروں کی خدمت کی ہے۔ بارہ اکتوبر 1999 کو آئین کو عارضی طور پر معطل کرتے ہوئے عبوری آئین جاری کیا گیا۔ سابق صدر پرویز مشرف کی فوجی حکومت کو تین سال کام کرنے کی اجازت اور آئین میں ترمیم کرنے کا جو اختیار دیا گیا تھا اُس میں جسٹس افتخار محمد چودھری شامل تھے جنکو 4 فروری 2000ء کو سپریم کورٹ کا جج مقرر کیا گیا اورانہوں نے پی سی او کے تحت حلف اٹھایا، 30 جون 2005ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس مقرر ہوئے۔ سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے آہستہ آہستہ اپنا رخ بدلا اور کچھ معاملات میں حکومت کے خلاف فیصلے دیئے اور نو مارچ 2007ء کو مشرف کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا، مشرف نے اُنکو عدلیہ سے علیحدہ کیا تو وکیلوں کو ساتھ ملا کر لیبر لیڈروں کے انداز میں اپنی بحالی کی تحریک چلائی، اس درمیان میں سابق صدر پرویز مشرف سے سیاسی غلطیاں ہوتی چلی گیں اور افتخار محمد چوہدری کی عدلیہ بحالی تحریک ایک بڑی سیاسی تحریک بن گئی، جس سے سیاسی فاہدہ اٹھانے کے لیے حکومتی جماعتوں ایم کیو ایم اور قاف لیگ کے علاوہ تقریباپاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں شمولیت اختیار کرتی چلی گیں، اس میں

تحریک انصاف بھی تھی تو جماعت اسلامی بھی، پیپلز پارٹی بھی اس تحریک کا حصہ بنی اور اُسکی مرحوم لیڈر بینظیر بھٹو تو افتخار محمد چوہدری کے گھر پر پاکستان کا جھنڈا دوبارہ لہرانے کا وعدہ بھی کر آیئں، لیکن اس سارے کھیل میں سابق چیف جسٹس کا مرحوم بینظیر بھٹو کی زبان میں چمک کا معاملہ نواز شریف کے ساتھ طے تھا جو اب بھی چل رہا ہے، نواز شریف کو مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کی لالی پاپ بھی افتخار محمد چوہدری کی دی ہوئی ہے، افتخار محمد چوہدری نے جب وہ چیف جسٹس تھے جب اور اب سبکدوش ہونے کے بعد بھی حکومت سے وہ فاہدئے اٹھارہے ہیں جس کے وہ حقدار نہیں ہیں، اپنے بیٹے ارسلان کو کرپشن کیس سے صاف بچاگئے،اپنے عروج کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی فیصل رضا عابدی کے لگائے ہوئے بے شمار الزامات میں سے کسی ایک الزام کا کبھی بھی جواب نہیں۔

سابق چیف جسٹس جو گذشتہ سال بارہ دسمبر کو سبکدوش ہوچکے ہیں، انہوں نے تحریک انصاف کے رہنما عمران خان کو 11 مئی 2013ء کے عام انتخابات میں دھاندلی کا الزام عائد کرنے پر 20 ارب روپے کے نوٹس بھیج دیے ہیں جن میں 15 ارب کا ہتک عزت کا دعویٰ ہے اور 5 ارب روپے ذہنی اذیت پہنچانے کی وجہ سے ہے۔ سابق چیف جسٹس کا کہنا تھا کہ اللہ تعالی نے انہیں جو عزت دی ہے اسے مال کی ترازو میں تولا نہیں جاسکتا مگر ایک علامتی ہرجانے کے طور پر وہ

عمران خان سے 15 ارب روپے ہتک عزت کے زمرے میں طلب کرتے ہیں جبکہ مزید 5 ارب روپے ذہنی اذیت کی تلافی کے لئے طلب کرتے ہیں۔ اگر آئندہ 14 روز میں عمران خان نے معذرت نہ کی یا ہرجانہ ادا نہ کیا تو عدالت میں مقدمہ دائر کریں گے۔ چوہدری افتخار نے عمران خان کو جو نوٹس بھیجا ہے اُس میں عمران خان کی جلسوں کی تقاریر، پریس کانفرنس اور تحریک انصاف کی طرف سے جاری کردہ وائٹ پیپر کے حوالے شامل ہیں۔

عمران خان نے سابق چیف جسٹس پر اپنے دور میں 2013ء کے انتخابات میں دھاندلی کا الزام عائد کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ سابق چیف جسٹس نے انتخابات میں مسلم لیگ ن کو فائدہ پہنچا کر تحریک انصاف کو نقصان پہنچایا۔ عمران خان نے انہیں مختلف جلسوں اور دیگر مقامات پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ عمران خان نے افتخار چوہدری کے بیٹے کو بلوچستان سرمایہ کاری بورڈ کے نائب چیئرمین کا عہدہ دیے جانے کو مسلم لیگ ن کی جانب سے سابق چیف جسٹس کی مبینہ خدمات کے عوض انتہائی گھٹیا قیمت قرار دیا تھا۔ اس سے پہلے عمران خان گیارہ مئی 2013ء کے عام انتخابات میں جو دھاندلیاں ہوئیں اُس کے خلاف انہوں نے احتجاج کیا اور 26 جولائی 2013ء کو عام انتخابات میں مبینہ دھاندلیوں کا ذمہ دار الیکشن کمیشن اور سپریم کورٹ کو قرار دیتے ہوئے دونوں اداروں کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ عمران خان الیکشن کمیشن اور عدلیہ پر تنقید کرتے ہوئے کہہ

بیٹھیے "عدلیہ کا کردار شرمناک رہا"۔ سپریم کورٹ میں موجود بقول جسٹس جواد ایس خواجہ " شیشے میں بند مچھلیاں" عمران خان کے پتھر "شرمناک" کو برداشت نہ کرپایں اور عمران خان کو توہین عدالت کا نوٹس جاری کردیا۔ افسوس عدالت پہنچنے پر عمران خان اپنے موقف پر قائم نہ رہ سکے اور انھوں نے اپنے الزامات ریٹرننگ آفیسرز کی طرف موڑ دیے، دو اگست کو عمران خان نے دو مرتبہ اپنا جواب جمع کرایا مگر سپریم کورٹ نے عمران خان کے جواب کو مایوس کن قرار دیا اور ایک بار پھر جواب داخل کرانے کیلیے 28 اگست تک کی مہلت دی ہے۔ سپریم کورٹ یا افتخار محمد چودھری کی یہ خواہش تھی کہ عمران خان معافی مانگ لیں مگر ایسا نہ ہوا۔ 28 اگست کو سپریم کورٹ نے عمران خان کے تحریری جواب پر عدم اطمینان کا اظہار کیا، تاہم اٹارنی جنرل منیر اے ملک کے دلائل سُننے کے بعد اس نوٹس کو خارج کردیا ہے۔اُس روز چیف جسٹس افتخاد محمد چوہدری دوسری کسی اور عدالت میں پہنچے ہوئے تھے۔

اب جو نوٹس عمران خان کو ملا ہے وہ عدلیہ کی جانب سے نہیں بلکہ ایک شخصیت افتخار محمد چودھری کی طرف سے ملا ہے جو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس تھے، امید ہے اس مرتبہ عمران خان اپنے موقف پر قائم رہینگے۔ 20 ارب روپے کا نوٹس ملنے کے بعد عمران خان کا کہنا ہے کہ وہ افتخار محمد چودھری کی جانب سے نوٹس ملنے پر خوش ہیں، اب سب کچھ سامنے لاونگا، عوام کو بتاونگا کہ دھاندلی کس نے اور

کس طرح کی، افتخار محمد چوہدری کو پتہ ہونا چاہئے کہ میری تربیت مقابلہ کرنے کی ہے، انصاف نہ ملنے پر احتجاج کرنا میرا حق ہے۔ ویسے پاکستان میں ہتک عزت کے مقدمات کی تاریخ دوسرے ملکوں کی طرح زیادہ تابناک نہیں ہے۔ ہتک عزت کا قانون موجود ہے اور بظاہر متاثر کن بھی ہے لیکن اس پر کبھی بھی عملدرآمد نہیں ہوا، لہٰذا یہ قانون محض کاغذ کا ایک ٹکڑا بن کر رہ گیا ہے۔تاہم اگر سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے ہتک عزت کا مقدمہ دائر کیا تو "افتخار محمد چوہدری بمقابلہ عمران خان" کے اس مقابلے کا مستقبل کیا ہوگا، ابھی یہ واضح نہیں ہے۔

میرے سیاسی کالموں کا انجام

جب میں نے سیاسی کالم لکھنے شروع کیے تو ہر ملنے والے کو اکثر اکثر کر بتاتا تھا کہ پورے ملک میں یا میرے شہر کراچی میں جب بھی کوئی واقعہ ہوتا ہے میں فوراً اُس واقعہ پر سیاسی کالم لکھتا ہوں، میرے مخاطب کبھی ملک کے وزیراعظم ہوتے تو کبھی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، صوبے کے وزیراعلیٰ کو بھی سنا دیتا ہوں اور خاصکر سندھ کے وزیراعلی کو تو اکثر اُن کی نااہلی پر سناتا رہتا ہوں۔ صوبائی وزیروں کو تو میں کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا ہوں، کبھی کبھی مرکزی وزیروں سے مخاطب ہوجاتا ہوں، وزیر خزانہ، وزیر تعلیم کو اکثر حکم دیتا رہتا ہوں کہ یہ یہ کرو۔ اگر وزیراعظم، چیف جسٹس، وزیراعلی یا پھر کوئی وزیر اُن مسائل کا تذکرہ کرتے تو میں سب کو بتاتا ہوں کہ یہ میرے مضمون کا نتیجہ ہے، لیکن کبھی کوئی مسلئہ حل نہیں ہوا اور میں اس خوش فہمی میں رہا کہ بس اب جلد ہی میرے لکھے پر عمل ہوگا۔ لیکن پھر ایک دن مبشر علی زیدی کی 100 لفظوں کی کہانی ۔۔۔پریس ریلیز۔۔۔۔پڑھی تو اپنے کالموں کے انجام سے آگاہی ہوئی۔ آیئے میرے کالموں کے انجام کو واضع طور پر سمجھنے کے لیے آپ بھی مبشر علی زیدی کی 100 لفظوں کی کہانی "پریس ریلیز" پڑھ لیں۔۔۔۔

سو (100) لفظوں کی کہانی ۔۔۔۔۔۔پریس ریلیز۔۔۔۔۔۔ مبشر علی زیدی

''کراچی ایئرپورٹ پر حملے کے ذمّے دار فی الفور گرفتار کیے جائیں، نھو موچی۔''
یہ پریس ریلیز میرے پاس پہنچی تو میں مسکرادیا۔
،اگلے دن پھر فیکس آیا
''لیاری میں راکٹ حملے کرنے والوں کو گرفتار کیا جائے، نھو موچی۔''
میں نے اُسے بھی ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔
،تیسرے دن جب ٹارگٹ کلرز کی گرفتاری والا بیان آیا تو میں نے اُسے فون کیا
ابے نھو! روز بیان کیوں جاری کرتا ہے؟''
تُو کوئی وزیرِ اعلیٰ ہے؟
''تیرے کہنے سے کوئی دہشت گرد پکڑے جائیں گے؟
''نھو بولا، ''تو کیا وزیراعلیٰ کے کہنے سے پکڑے جاتے ہیں؟

سو (100) لفظوں کی کہانی بشکریہ روزنامہ جنگ

پاکستانی سیاست "ہلہ بول"

دو لفظوں کے مجموعے "ہلہ بول" عام فہم زبان میں حملہ کرنے کے معنوں استعمال کیا جاتا اور اسکے معنی "طوفان" کے بھی ہوتے ہیں۔ "ہلہ بول" کو عام طور پر خبروں میں بھی استمال کیا جاتا ہے، جیسے "لاہور میں شادی کی تقریب پر پولیس نے ہلہ بول دیا" یا "دہشت گردوں نے کراچی ایئر پورٹ پر ہلہ بول دیا"۔ بھارت میں ایک فلم "ہلہ بول" بنائی گئی، جسکے ڈاریکٹر کا کہنا تھا کہ اُسکا فلم "ہلہ بول" بنانے کا مقصد عوام کواُن واقعات سے روشناس کرانا ہے جو اُنکے اطراف میں رونما ہوتے ہیں۔ فلم میں ایسی ڈرامائی کہانی ہے جس میں آج کے دور میں عوام کے اُن مسائل کی عکاسی کی گئی جن کی فکر دوسرے افراد کو نہیں ہوتی۔

پاکستان میں آجکل "ہلہ بول" کی سیاست عروج پر ہے، پاکستان تحریک انصاف کے مطابق مئی 2013ء کے انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی ہوئی۔ لہٰذا شروع میں صرف چار حلقوں کو چیک کرنے کی بات ہوئی لیکن جب یہ مطالبہ پورا نہیں ہوا تو رمضان سے پہلے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے ایک عوامی جلسہ میں حکومت پر ہلہ بولا اور 14 اگست کو اسلام آباد میں 10 لاکھ لوگوں کے ہمراہ سونامی مارچ کا اعلان کیا، بعد میں اسکا نام آزادی مارچ ہوگیا۔ پہلے عمران

خان صرف چار حلقوں کی بات کر رہے تھے، اب وہ نئے الیکشن اور وزیراعظم کے استعفیٰ تک چلے گئے ہیں۔ بظاہر عمران خان ساری سیاسی حدیں پار کر گئے ہیں، اگر وہ اپنے آزادی مارچ میں کامیاب نہ ہوئے تو اسکا سیدھا سیدھا نتیجہ اُنکی سیاست سے بید خلی کی صورت میں آئے گا۔ عمران خان جو شدت سے طالبان کی حمایت کرنے کی وجہ سے طالبان خان تک کہلائے ہمیشہ طالبان سے مذاکرات کی بات کرتے رہے ہیں لیکن اس بات پر حیرت ہے کہ وہ نواز شریف حکومت سے مذاکرات کرنے کو قطعی تیار نہیں ہیں، حالانکہ نواز شریف بھی طالبان کے کبھی مخالف نہیں رہے ہیں۔

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ علامہ طاہر القادری کے بقول پاکستان کے آئین پر پوری طرح عمل نہیں ہو رہا ہے جسکی وجہ سے عوام اپنے حقوق سے محروم ہیں لہٰذا ایک عوامی انقلاب لایا جائے۔ وہ دس نکاتی ایجنڈئے کے ساتھ انقلاب کا نعرہ لگا کر ہلہ بول چکے ہیں، اب انکا دعوی ہے نواز اور شہباز دونوں کی حکومتیں یکم ستمبر سے پہلے ختم ہو جائے گی، جبکہ خیبر پختون خوا، بلوچستان اور سندھ کی صوبائی حکومتوں کے لیے کچھ نہیں فرمایا۔

علامہ طاہر القادری کی سیاسی جماعت پاکستان عوامی تحریک نے مئی 2013ء کے انتخابات میں یہ کہکر حصہ لینے سے انکار کر دیا کہ اُنہیں الیکشن کمیشن کی تشکیل پر اعتراض ہے۔ اس سے پہلے علامہ طاہر القادری نے 23 دسمبر 2012ء کو مینار پاکستان میں منعقد ہونے

والا سیاست نہیں ریاست بچاؤ کا جلسہ اور اس کے بعد 13 جنوری 2013ء کو لاہور سے شروع ہونے والا لانگ مارچ اور 4 دن کا اسلام آباد میں دھرنا کے شرکاء کے نظم وضبط کی مثال ملکی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے، اس بحث سے قطع نظر کہ سیاسی حوالے سے علامہ طاہر القادری اور ان کی سیاسی جماعت پاکستان عوامی تحریک اور منہاج القرآن نے کیا کھویا کیا پایا ایک نتیجہ جو سامنے آیا وہ انتہائی قابل تعریف ہے ان ہر دو مواقع پر شرکاء میں انتہائی نظم وضبط پایا گیا لاہور کے جلسے میں جس میں ہزاروں خواتین و حضرات کی بچوں سمیت شرکت کے دوران کوئی بھی قابل مذمت واقع سامنے نہ آیا اور نہ ہی لاہور سے تین سو کلومیٹر کا طویل سفر طے کرکے اسلام آباد پہنچنے والے قافلے کا راستہ میں کسی بھی قسم کی قانون شکنی کا کوئی ثبوت ملا۔ ایک وقت کے کھانے پر لڑنے والے سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کے برعکس جو صبر و تحمل اسلام آباد میں دھرنا کے شرکاء میں دیکھنے میں آیا اس نے بیرونی دنیا کو ایک واضح پیغام دیا کہ پاکستانی قوم ایک مہذب اور صبر و برداشت کی حامل ہے۔

جون 2014ء میں دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے پروگرام کا اعلان کیا، پاکستان تحریک انصاف نے 14 اگست کو آزادی مارچ اور اسلام آباد میں دھرنے کا اعلان کیا، جبکہ علامہ طاہر القادری نے ابھی تک انقلاب کی تاریخ تو نہیں دی، لیکن ماڈل ٹاون ، لاہور کے سانحے میں شہید ہونے والوں کے لیے 10 اگست کو قران

خوانی کا اعلان کیا۔ دونوں جماعتوں کے پروگرام سے آپ اور میں سیاسی اختلاف ضرور کر سکتے ہیں لیکن ہم میں سے کوئی بھی دونوں جماعتوں کی لیڈر شپ یا کارکنوں پر یہ الزام نہیں لگا سکتے کہ وہ غیر قانونی حرکات ، توڑ پھوڑ یا عوام کو تنگ کرنے میں ملوث ہیں۔ بدقسمتی سے یہ سارے الزامات حکمراں جماعت مسلم لیگ ن نے اپنے ذمہ لے لیے ہیں۔ علامہ طاہر القادری کی کنیڈا سے پاکستان آمد سے قبل ہی سترہ جون کو لاہور میں منہاج القرآن کے کارکنوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نہ صرف باعث افسوس ہے بلکہ ہر محب وطن پاکستانی کا سر شرم سے جھک گیا۔ منہاج القرآن سیکرٹریٹ پر پولیس حملہ اور ریاستی دہشت گردی کے نتیجے میں لاہور میں جو 14 افراد جن میں دو خواتین بھی شامل ہیں زندگی کی باری ہار گئےاُن کی موت کی زمیداری کسی عام پولیس والے یا کسی ایس ایچ او پر نہیں ڈالی جا سکتی ہے، سیدھی سی بات ہے کہ ان اموات اور 90 زخمی افراد کے علاوہ املاک کی بربادی کے ذمیدار انقلابی شاعر حبیب جالب کے اشعار پڑھنے والے صوبہ کے سربراہ نام نہاد انقلابی شہباز شریف ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکومت عمران خان کے 14 اگست کے پروگرام اور علامہ طاہر القادری کے انقلاب کے پروگرام کو سنجیدگی سے لیتی کسی بھی حکومتی سطع پر اسکا نوٹس نہیں لیا گیا۔ ہر اہم موقعہ سے غائب ہوجانے والے وزیر داخلہ چوہدری نثار اس اہم موقعہ پر بھی وزیر اعظم سے کسی اور معاملے پر روٹھ کر

گھر بیٹھ گے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ پاکستان کے وزیر داخلہ نہیں بلکہ اتفاق فاونڈری کا سیکورٹی گارڈ ہیں۔ وزیر اعظم کی غیر ذمیداری کا یہ حال ہے کہ ایک طرف ملک سیاسی ہلچل سے دوچار ہے، جبکہ دوسری طرف ہماری فوجیں عسکریت پسندوں کے ساتھ جنگ میں مصروف ہیں اور لاکھوں لوگ شمالی وزیرستان میں اپنے گھروں سے بے گھر ہیں اور انتہائی مشکلات کا شکار ہیں، وزیر اعظم پندرہ روز تک اسلام آباد میں موجود ہی نہیں تھے۔ نواز شریف نے دس روز سعودی عرب میں اور باقی لاہور اور مری میں گذار دیے۔ وزیر اعظم کی 30 رکنی کابینہ میں اُنکے ساتھ کافی خوشامدی بھی موجود ہیں، پرویز رشید، خواجہ آصف، خواجہ سعد رفیق، عابد شیر علی اور پنجاب کے وزیر قانون رانا مشہود اپنی اپنی وزارت میں تو کچھ کر نہیں پائے، البتہ روز صبح سے رات تک عمران خان اور علامہ طاہر القادری کے خلاف بیان دیتے رہتے ہیں۔ ان خوشامدیوں نے شاید نواز شریف کو یہ باور کرادیا تھا کہ آپکو تو عوام نے پانچ سال کے لیے منتخب کیا ہے، اس لیے آپ کسی آزادی مارچ یا کسی انقلاب کی پرواہ نہ کریں۔

وزیر اعظم نواز شریف کو اب یہ احساس ہوا کہ پانی سر سے اوپر چلا گیا ہے، لہذا اب وہ سیاسی ملاقاتیں بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی سیاسی فریادیں بھی کر رہے ہیں، لیکن شاید نااہلی کی اس سے بڑی مثال نہ ہوگی جو کچھ وہ اور پنجاب حکومت لاہور اور اسلام آباد میں کر رہے ہیں۔ پورے پنجاب میں پیٹرول کا حصول

ناممکن بنادیا گیا ہے، عام لوگوں کو انکی ذاتی موٹر سایکل سے محروم کردیا، ہزاروں موٹر سایکلیں تھانوں میں بند کردی گی ہیں جو بعد میں پولیس کو رشوت دیئے بغیر نہیں ملینگی۔ عام لوگوں کی نقل و حرکت ناممکن بنادی گئ ہے، مختلف شہروں سے لاہور یا اسلام آباد کی طرف سفر کرنے والوں پر تشدد کیا جارہا جسکی وجہ سے آج منہاج القران کے ایک ورکر کی موت ہوئی ہے۔اس وجہ سے ہی علامہ طاہر القادری نے نواز شریف اور شہباز شریف کو داخلی دہشت گرد کا خطاب دیا ہے۔ پاکستان کا دارلخلافہ اسلام آباد، تقریبا پندرہ لاکھ کی آبادی کا شہر پاکستان کی یوم آزادی پر قید ہوگا، 14 اگست کواس شہر میں کسی کو داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، بجلی کا بحران تو پہلے سے ہی موجود ہے، موبائل سروس بند کرکے رابطے کا بحران بھی پیدا کیا جائے گا۔

بہت ہی ذمیدار وزیراعظم صاحب پندرہ روز آپ اسلام آباد سے غایب رہے،آپنے پرواہ ہی نہیں کی کہ ملک کس طرف جارہا ہے۔ عمران خان اورعلامہ طاہر القادری جو کچھ کررہے ہیں ہوسکتا ہے وہ غلط ہو، لیکن اگر آپ یہ دعوی کرتے ہیں کہ عوام نے آپکو پانچ سال کے لیے حکمراں بنایا ہے تو عوام کی جان و مال کی حفاظت کی ذمیداری بھی آپکی ہے۔ آج آپ لاہور کے ماڈل ٹاون اور اسلام آباد میں کنٹینر سے راستے بند کرکے مسلئہ کو حل کرنے کی کوشش کررہے ہیں، افسوس یہ مسلئے کا حل نہیں، ہاں اسلام آباد اور لاہور کے عوام کو پریشان کرنے اور

اُن میں خوف کو بڑھانے کا زریعہ ضرور ہے، جناب وزیراعظم صاحب اُس وقت سے آپ بھی ڈریں جب عام لوگ آپکی حکومت پر ہلہ بولیں، بہتر ہوگا مسلئہ کا حل تلاش کریں۔

پاگل خانہ

محترم مبشر علی زیدی صاحب، آج آپکی سو لفظوں کی کہانی "غلط فہمی" پڑھی تو سوچا کہ میرے ساتھ جو مسئلہ ہے وہ آپکو لکھ کر دیکھ لوں شاید آپ کوئی مدد کر سکیں۔ میرے ایک دوست آجکل جیل میں ہیں، رشک آتا ہے اُنکی زندگی دیکھ کر، اکثر بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہیں، صبح کو حلوہ پوری، دوپہر میں سیخ کباب اور رات کو کبھی نہاری، تو کبھی بروسٹ یا پیزہ کھاتے ہیں۔ اپنا پورا کاروبار جیل میں رہتے ہوئے موبائل سے کرتے ہیں اور اپنے بھتہ خور گینگ کو بھی جیل سے ہی کنٹرول کرتے ہیں، بڑی جلدی بڑی ترقی کی ہے، اُنکی بیگم زیورات سے لدی رہتی ہیں اور ہر بچے کے پاس نئی ماڈل کی کار ہے۔ جیل میں رہنے کی وجہ سے میرے دوست کو نہ ٹارگیٹ کلنگ کی فکر ہے، نہ ہی روڈ پر لٹ جانے کا ڈر، بم دھماکے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہر جیل میں دھماکے کرنے والوں کے بھائی بھی مہمان ہیں۔ دوسری طرف میں ہوں، پرسوں رات ہی اپنی بلڈنگ کے سامنے لٹا ہوں، آٹھ سو روپے لے گئے مگر موبائل پرانا دیکھ کر چھوڑ گئے، کسی طرف سے گولی نہ آجائے اسکی بھی فکر ہے، رات کو اٹھ اٹھ کر گھر کے دروازے اور تالے چیک کرتا ہوں، بچے کہیں جاتے ہیں تو اُنکو بار بار تاکید کرتا ہوں کہ پہنچتے ہی اطلاع کرنا اور ہاں کسی

ایسے علاقے میں مت جانا جہاں دوسری زبان بولنے والے رہتے ہوں، نہ خود بتاتا ہوں اور بچوں کو بھی منع کر رکھا کہ اپنے عقیدئے کا کسی کے سامنے ذکر مت کرنا، میری ان ساری حرکتوں کو میرے بچے نوٹ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں ابو آپ نفسیاتی مریض ہوگے ہیں، وہ بہت ہی اخلاقی انداز میں مجھ کو سمجھارہے ہیں کہ ابو آپ پاگل ہوگئے ہیں۔ اب اگر میں پاگل ہوں تو پھر جیل سے باہر کی یہ دنیا تو پاگل خانہ ہے، لہٰذا جیل سے باہر آنے والوں کو صیح بتایا گیاہے کہ جو بھی جیل سے باہر جایگا اُسکی منزل پاگل خانہ ہوگی۔
اب تو صورتحال یہ ہے کہ اپنے ملک کی یوم آزادی سے لیکر آجتک "اب کیا ہوگا"، اب کیا ہوگا" نے پریشان کیا ہوا ہے، لہٰذا اب میں سوچ رہا ہوں کہ کچھ دن کسی جیل" میں رہ کر سکون سے گذار لوں، مگر ابھی تک کوئی تگڑی سفارش نہیں مل پائی ہے، اگر آپ کا کوئی جاننے والا میرا یہ کام کرادئے تو میں آپکا اور اُسکا بہت شکرگذار ہونگا، کم از کم کچھ دن تو پاگل خانے سے دور رہ سکونگا۔ پیشگی شکریہ، ایک نفسیاتی مریض یا پاگل۔
سید انور محمود

سو (100) لفظوں کی کہانی ۔۔۔۔۔۔غلط فہمی ۔۔۔۔۔۔ مبشر علی زیدی

،میں نے جیل جیسی عمارت میں داخل ہونے کے بعد مڑکے دیکھا

''دروازے کے اوپر لکھا تھا، ''پاگل خانہ

میں نے اُس شخص کو گھور کے دیکھا جو مجھے بہانے سے وہاں لایا تھا۔

اُس نے نگاہیں چرالیں اور اپنے افسر کے پاس چھوڑ کے چلا گیا۔

،میں نے افسر سے کہا

شاید یہاں سب یہی کہتے ہوں گے''

''لیکن میں واقعی پاگل نہیں ہوں۔

''وہ بولا، ''مجھے معلوم ہے۔

''میں نے پوچھا، ''پھر مجھے پاگل خانے کیوں لایا گیا ہے؟

اُس نے کہا، ''آپ غلط سمجھے۔

،پاگل خانہ اندر آنے والے راستے پر نہیں

''باہر جانے والے دروازے پر لکھا ہے۔

سو (100) لفظوں کی کہانی بشکریہ روزنامہ جنگ

اسلام آباد دو دھرنوں کی زد میں

اسلام آباد دو دھرنوں کی زد میں آیا ہوا ہے، حکومت کی نااہلی اور کیا ہو گی کہ وہ اس مسلئے کا ابھی تک کوئی حل نہیں نکال سکی ہے۔ عمران خان اور طاہر القادری شاید آج اسلام آباد میں نہ ہوتے اور نہ ہی نواز شریف کی مرکزی حکومت اور شہباز شریف کی صوبہ پنجاب کی حکومت کے خاتمے کے اعلانات کرتے اگر وزیراعظم کی کرسی پر تیسری بار بیٹھنے والے نواز شریف تلخ تجربات کے بعد حکومت چلانا سیکھ لیتے لیکن وہ تو الٹا اپنی حکوت گرانا خوب سیکھ چکے ہیں اور صرف ڈیڑھ سال سے بھی کم مدت میں ان کی حکومت دو دو دن کے نوٹس پر ختم کرنے کی کوششیں رنگ لاتی دکھائی دے رہی ہیں، حکومت کی جانب سے ان احتجاج سے نمٹنے کے لیئے گذشتہ دو ماہ میں کچھ نہیں کیا گیا یا یوں کہہ لیں کہ پرواہ ہی نہیں کی۔ نواز شریف کی غیر ذمیداری کا یہ حال ہے سیاسی مسائل کو حل کرنے کے بجائے پندرہ دن عمرہ اور مری کی سیر میں لگادیے، اس درمیان میں دار لحکومت میں آئین کی دفعہ دوسوپینتالیس کے ذریعے فوج کو تعینات کردیا گیا، اگر کچھ کوشش کی جاتی تو عمران خان اور طاہر القادری سے کچھ لو اور کچھ دو کے درمیانی راستے پر سیاسی معاملات طے ہوجاتے اور یہ جو آج پاکستان کو بدنام کرنے پر عمران خان اور طاہر القادری پیش پیش ہیں اس میں نواز شریف کا حصہ بھی برابر کا ہے۔ عمران خان تو الیکشن

کے بعد سے ہی یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ چار سیٹوں کو چیک کر لیا جائے لیکن سعودی بادشاہت کے سائے تلے سات سال سعودی عرب میں گذارنے والے نواز شریف 2013ء کے الیکشن کے بعد ملک کے وزیر اعظم کم نام نہاد بادشاہ زیادہ بن گے۔ جس کا واضع ثبوت اُنکی قومی اسمبلی اور سینٹ سے عدم دلچپسی ہے۔ غیر ملکی دوروں کی بھرمار، ہر بڑی دہشت گردی کے وقت عام طور پر نواز شریف کسی غیر ملکی دورئے پر ہوتے تھے۔ ابھی عمران خان کے مطالبات چل رہے تھے کہ کنیڈا سے طاہر القادری نے اپنے دس نکات اور انقلاب کا نعرہ لگادیا اور 19 جون کو اپنی پاکستان آمد کا اعلان کر دیا۔ 17 جون کو پنجاب حکومت ادارہ منہاج القران کے مرکز ماڈل ٹاون لاہور پر چڑھ دوڑی، رات ڈیڑھ بجے سے اگلے بارہ تیرہ گھنٹے گھمسان کا رن پڑا اور نتیجہ میں چودہ لاشیں ملیں جن میں دو خواتین بھی تھیں۔ روزانہ صبح ساڑے پانچ بجے اٹھنے والے وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف کے بقول اُنہیں تو پتہ ہی نہیں کہ اتنا بڑا حادثہ ہوگیا، اُنکی یہ بات نا قابل اعتبار ہے۔ پاکستان کے سیاستدان لاشوں کے اوپر سیاست کرتے ہیں یہ لاشوں کے سوداگر ہیں، مرئے بیچارے تقلید کے مارے مریدین۔ فاہدہ کس کا ہوا؟ سیدھا سیدھا طاہر القادری کا۔ چودہ لاشیں کم نہیں ہوتی سیاست چمکانے کے لیے۔ 19 جون کو طاہر القادری کو اسلام آباد کی جگہ لاہور اترا گیا۔

اگست کے شروع میں سیاسی حدت بڑھ گی جسکی ذمیدار حکومت ہے جس نے ماڈل ٹاون

میں ادارہ منہاج القران کو کنٹینرلگا کرچاروں طرف سے بند کردیا۔ پاکستان تحریک انصاف نےآزادی مارچ اورپاکستان عوامی تحریک نے انقلاب مارچ کے نام سے 14 اگست کو لاہور سے اسلام آباد کا سفر کیا۔ اس وقت صورتحال یہ کہ دونوں مارچ دو دھرنوں کی شکل میں قومی اسمبلی کے سامنے ریڈزون میں موجود ہیں۔ عمران خان کے انتخابی نظام پر اعتراضات بالکل بجا ہیں اور جن خامیوں کی وہ نشاندہی کرتے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں، مگر عمران خان کے پاس ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے کوئی پروگرام نظر نہیں آتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُنکے مطالبات بڑھتے چلے گے اور اب عمران خان نے چھ مطالبات کیے ہیں جس میں پہلا مطالبہ نواز شریف کا وزیراعظم کے منصب سے استعفٰی ہے، دوسری طرف طاہرالقادری اپنے دس نکات کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ نہیں بتاتے کہ وہ اس دس نکاتی ایجنڈئے کو کیسے نافظ کرینگے، کیا وہ حکومت پر قبضہ کرینگے یا کوئی اور طریقہ ہے۔ دوسری طرف وہ اس پورئے نظام کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں، جبکہ ماڈل ٹاون میں قتل ہونے والے افراد کے قتل کا مقدمہ 21 افراد کے خلاف درج کرانا چاہتے ہیں جن میں نوار شریف اور شہباز شریف سرفہرست ہیں۔ نواز شریف اور انکی حکومت کو یہ تمام مطالبے منظور نہیں ہیں جسکی وجہ سے عمران خان اور طاہر القادری نے اپنے اپنے حامیوں کے ساتھ حکومت پر دباؤ بڑھا دیا ہے۔ ان دھرنوں کی وجہ سے ملکی معیشت بری طرح متاثر ہورہی ہے، عمران خان نے دھرنوں کو دوسرئے شہروں میں بھی پھیلا دیا ہے جس میں کراچی اور لاہور بھی شامل ہیں جبکہ کراچی کو

ملک کا معاشی حب بھی کہا جاتا ہے۔

عمران خان اپنے مطالبات پر بہت سخت موقف اپنائے ہوئے ہیں جبکہ ایک اچھا سیاستدان ایسا بے لچک رویہ کبھی بھی اختیار نہیں کرتا۔ عمران خان کو اپنے مطالبات میں کامیابی ہو یا ناکامی ہر دو صورتوں میں عمران خان کے لئے سیاسی مشکلات میں اضافہ ہی ہوگا۔ کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ عمران خان کے مطالبات کی منظوری اور ان پر عمل درآمد کی بنیاد پر ہوگا۔ ایک بات جو عمران خان کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اگر وہ اس نظام کو نہیں چلنے دینگے تو کل اگر وہ وزیر اعظم بن گے تو دوسرے بھی اُنکو آرام سے نہیں رہنے دینگے۔ عمران خان کو یہ بھی یاد رہے کہ دھرنے اور احتجاج کے زریعے وزیر اعظم کو ہٹانے اور ملکی نظام کو غیر فعال کر دینا کسی بھی طرح آئینی اور قانونی طریقہ نہیں۔ اگر نواز شریف خود استعفیٰ دینا چاہئں اور موجود اسمبلی ختم کر دینا چاہئے تو پھر یہ صیح آئینی اور قانونی طریقہ ہوگا۔ آئین میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ وزیر اعظم صدر پاکستان سے درخواست کرے کہ اسمبلی تحلیل کر دی جائے تو صدر اس بات کا پابند ہے کہ وہ اسمبلی تحلیل کر دے۔ عمران خان کا سارا جھگڑا انتخابات میں ہونے والی دھاندلی سے ہے لیکن یہ بات تو پاکستان کی ہر سیاسی جماعت نے 11 مئی 2013ء کو ہی کہہ دی تھی مگر ان انتخابات میں ایک اور دھاندلی بھی ہوئی جو شاید عمران خان کے نزدیک دھاندلی نہ ہو اور عمران

خان نے کبھی غلطی سے یا اخلاقی طور پر اس کا ذکر نہیں کیا۔ 2013ء کے انتخابات سے قبل طالبان کی دہشت گردی اپنے عروج پر تھی، طالبان دہشتگردوں نے اپنی مخالف سیاسی جماعتوں کو یہ دھمکی دی تھی کہ وہ الیکشن کی مہم نہ چلائیں ورنہ اُن پر حملہ ہوگا اور ایسا ہوا بھی ، اُن جماعتوں میں تین بڑی جماعتیں پیپلزپارٹی، ایم کیوایم اور اے این پی شامل تھیں،طالبان نے اپنی دھمکیوں پر عمل بھی کیاتو ان سیاسی جماعتوں نے اپنی انتخابی مہم بند کردی۔ پاکستان تحریک انصاف، مسلم لیگ ن، جماعت اسلامی اور جمیت علمائے اسلام کے دونوں گروپ ف اور س کو انتخابی مہم چلانے کی کھلی چھٹی تھی کیونکہ عمران خان ، نواز شریف، منور حسن، فضل الرحمان اور سمیع الحق یہ سب اور اُنکی جماعتیں طالبان دہشت گردوں کے حامی تھے اور ہیں۔ لہذا نواز شریف، عمران خان، جماعت اسلامی اور فضل الرحمان کو جو سیٹیں ملی ہیں وہ سب کی سب دھاندلی کی مہربانی سے ملی ہیں، آپ سوال کرسکتے ہیں کہ کیسی دھاندلی؟ جواب یہ ہے کہ دھاندلی یہ تھی کہ تمام سیاسی پارٹیوں کو الیکشن سے پہلے اپنی انتخابی مہم چلانے کے لئے ریاست نے ایک جیسے مواقع فراہم نہیں کئے۔ مسلم لیگ ن ،پاکستان تحریک انصاف، جماعت اسلامی اور جمیت علمائے اسلام تو بغیر کسی خوف کے شہر شہر سیاسی جلسے کر رہے تھے مگر پیپلزپارٹی، ایم کیو ایم اور اے این پی کو چھپ چھپ کر انتخابی مہم چلانی پڑی۔تینوں جماعتوں کے جلسوں پر جان لیوا حملے بھی ہوئے لیکن نواز شریف یا عمران خان کو کبھی یہ توفیق

نہیں ہوئی اسکی مذمت کرتے، مذمت کرتے تو اتنی سیٹیں نہ ملتیں۔ دھاندلی شدہ 2013ء کے انتخابات میں نواز شریف کی کامیابی یقیناً جعلی ہے تو پھر عمران خان کی قومی اسمبلی میں حاصل ہونے والی سیٹیں بھی دھاندلی کی پیداوار ہیں، اُنکی کے پی کے کی حکومت بھی جعلی ہے کیونکہ یہ سب دہشتگردوں کی مدد سے حاصل ہوا ہے۔ نواز شریف اورعمران خان کو یہ تو معلوم ہوگا جب دو مقابل پارٹیوں کو انتخابی مہم چلانے کی ایک جیسی آزادی نہ ہو تو اسے بھی دھاندلی کہتے ہیں۔

اسلام آباد کے دھرنے میں شریک دوسرے لیڈر طاہر القادری اُس وقت کنیڈا میں تھے جب مئی 2013ء میں پاکستان میں انتخابات ہوئے، ملک میں دہشت گردی عروج پر تھی اور ملک کے کڑوڑوں عوام دہشت گردوں کے سامنے بے بس تھے۔آج طاہر القادری نے جس انتخابی اصلاحات ، دس نکاتی ایجنڈے اور انقلاب کی وجہ سے انہوں نے اسلام آباد میں دھرنا دیا ہوا ہے اُسکا صحیح وقت جب تھاجب مئی 2013ء میں پاکستان میں انتخابات ہورہے تھے۔ عالمی میڈیا ان دھرنوں کی خبریں اور اُن پر تبصرے نشر کررہا ہے۔ امریکی اخبار نیویارک ٹائمز نے لکھاہے کہ عمران خان اور طاہر القادری کے احتجاج نے پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں زندگی معطل کردی ہے اور شہر کے لوگ پوچھ رہے ہیں کہ انہیں کس بات کی سزا دی جارہی ہے۔برطانوی اخبار گارجین، نے تجزیہ کاروں کے حوالے سے لکھا

ہے کہ حکومت سے پُر تشدد تصادم میں ہی اس احتجاج کا منطقی نتیجہ ہوتا نظر آرہا ہے۔
آج اسلام آباد کے دھرنوں کے پہلے ذمیدار تو نام نہاد بادشاہ سلامت نواز شریف اور اُنکے نادان دوست یا شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ہیں ، صرف چودہ ماہ بعد ہی عام لوگوں کا مسلم لیگ ن کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے جسکی وجہ نواز شریف اور شہباز شریف کی طرز حکمرانی ہے اور اسکی وجہ سے ہی آج عمران خان اور طاہر القادری کو بڑی آسانی سے اسلام آباد پر قبضہ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ عمران خان اور طاہر القادری نے آزادی مارچ اور انقلاب مارچ سے پہلے عوام کے سامنے جو وعدئے کیے اُنکو وہ توڑ چکے ہیں۔ پوری قوم ہیجان میں مبتلا ہے، معاشی طور پر ملک بربادی کی طرف گامزن ہے۔ طاہر القادری اور عمران خان کو چاہیے کہ اپنے سخت موقف میں لچک پیدا کریں جبکہ حکومت جسقدر ممکن ہو ان دونوں کے مطالبات منظور کرئے۔ بقول عمران خان اللہ نے اُنکو سب کچھ دیا ہوا ہے ، یہ ہی حال طاہر القادری کا ہے اور نواز شریف کو بھی کوئی کمی نہیں، لیکن اس ملک کے 60 فیصد سے زیادہ عوام غربت کی لکیر سے نیچے کی زندگی گذار رہے ہیں لہذا اس ملک پر اور اس ملک کے غریب عوام پر آپ لوگ رحم فرمایں اور یہ جو اسلام آباد دو دھرنوں کی زد میں ہے اسکو جلد از جلد ختم کریں۔

کل گو مشرف گو۔ آج گو نواز گو

دنیا بھر میں آئے دن سیاسی ڈراموں کا انعقاد ہوتا ہے، اسٹیج سجائے جاتے ہیں اور ڈرامہ شروع کیا جاتا ہے، آجکل پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں قومی اسمبلی اور وزیراعظم ہاوس کے سامنے بیک وقت دو اسٹیج سجائے گے ہیں ایک اسٹیج پر پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان ہیں اور دوسرے اسٹیج پر پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ طاہرالقادری ہیں، تیسرا اسٹیج وزیراعظم ہاوس میں پہلے سے سجا ہوا ہے جہاں پاکستان مسلم لیگ نون کے سربراہ نواز شریف وزیراعظم کی حیثیت سے موجود ہیں۔ 2007ء اور 2008ء میں وکلا تحریک میں ایک نعرہ ضرور لگایا جاتا تھا "گو مشرف گو"، نواز شریف کو یہ نعرہ اسقدر پسند تھا کہ سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان افتخار محمد چوہدری اوراُنکے حواریوں کے اوپر اسقدر سرمایہ کاری کی کہ آخرکار 18اگست 2008ء کو "گو مشرف گو" کا نعرہ پایہ تکمیل کو پہنچااور سابق صدر جنرل پرویز مشرف کو استعفی دیناپڑا۔ آج وزیراعظم ہاوس کے سامنے جو دو اسٹیج آزادی اور انقلابی دھرنے کے نام سے لگے ہوئے ہیں، اُنکے مطالبات مختلف اور کم زیادہ ہیں، مگر ایک مطالبے یا نعرہ پر دونوں کا مکمل اتفاق ہے، نعرہ کسی بھی اسٹیج سے لگے، نعرہ ہوتا ہے "گو نواز گو"۔ بدلتا ہے رنگ

آسماں کیسے کیسے۔ اِسکا شاید نواز شریف کو اسوقت بلکل احساس نہیں تھا جب وہ مشرف کو اقتدار سے علیدہ کرنے کے لیے افتخار محمد چوہدری اور اُنکے حواریوں کو استمال کر رہے تھے۔ اُنھوں نے شاید سوچا بھی نہ ہوگا کہ ایک دن "گو مشرف گو" کا نعرہ تبدیل ہو کر گو نواز گو" بن جائے گا، جب یہ نعرہ لگایا جاتا ہوگا تو شاید وزیر اعظم ہاوس میں صاف" سنائی دیتا ہوگا۔ عوام جو اُن ڈراموں میں شامل ہوتے ہیں، ڈرامہ ختم ہونے کے بعد اُنکو کو نہ داد ملتی ہے نہ معاوضہ، جسکی دو مثالیں دی جا سکتی ہیں، 2009ء میں نواز شریف کا ججوں کی بحالی کے لیے لانگ مارچ اور 2013ء میں طاہر القادری کا لانگ مارچ اور پانچ روز کا دھرنا، دونوں میں عوام شامل، عوام کو کچھ نہ ملا، نواز شریف وزیر اعظم بن گے اور طاہر القادری دوسری مرتبہ اسلام آباد کا گھیراو کرنے میں کامیاب۔

نواز شریف کے والد میاں محمد شریف ایک کاروباری شخص تھے، مرحوم کو جہاں فایدہ نظر آتا وہ اُسکو حاصل کرنے کی کوشش کرتے، بڑی بڑی شخصیات کو خریدنے میں کبھی جھجک محسوس نہیں کی جو بک گیا وہ شریف فیملی کا غلام بن گیا، بکنے والے تو کبھی نہیں اعتراف کرینگے مگر سابق آرمی چیف آصف نواز جنجوعہ اور سابق صدر جنرل پرویز مشرف جب جب وہ آرمی چیف تھے بتایا کہ اُن کو نواز شریف نے کھانے پر بلایا اور اُنکے والد میاں شریف نے اُنھیں نئی کار کی چابیاں دی جو انھوں نے اُنکو واپس کردی، آصف نواز جنجوعہ کے میاں شریف کی اس حرکت کے

بعد نواز شریف سے تعلقات بہت خراب ہوگئے تھے لیکن جلد ہی اُنکا انتقال ہوگیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُنکی ہلاکت زہر سے ہوئی، انکو زہر دینے کا الزام موجودہ وزیر داخلہ چوہدری نثار پر لگایا گیا، جبکہ پرویز مشرف کے بھی تعلقات میاں شریف کی حرکت کے بعد نواز شریف سے اچھے نہیں رہے، تھوڑے ہی عرصے بعد کارگل کا واقعہ ہوااور پھر 1999ء میں جنرل مشرف نے نواز شریف کو اقتدار سے محروم کردیا۔ نواز شریف کی سیاست کا آغاز فوجی آمر جنرل ضیاءالحق کے زیر سایہ ہوا۔ انہوں نے 1981ء میں پنجاب کی صوبائی کابینہ میں بطور وزیر خزانہ شامل ہوکر اقتدار کے ایوان میں شمولیت اختیار کی۔ 1988ء میں جنرل ضیاءالحق ایک ہوائی حادثہ میں ہلاک ہوگے مگر نواز شریف آگے بڑھتے ہوئے ایک اور فوجی جنرل حمید گل کی مدد سے 6 نومبر 1990ء کو پہلی مرتبہ ملک کے وزیراعظم بنے لیکن جلدی اُسوقت کے صدر سے اُن کے اختلاف ہوگے جنھوں نے اُن کو ان کے منصب سے فارغ کردیا۔ وہ سپریم کورٹ چلے گے اور چمک کے کرشمے سے دوبارہ بحال ہوگے، جس بینچ نے اُنکو بحال کیا تھا اُسکے سربراہ جسٹس نسیم حسن شاہ تھے جو نواز شریف کے دوسرے دور میں سینٹ کے امیدوار تھے لیکن بن نہ سکے۔ جبکہ سابق صدر رفیق تارڑ بھی بینچ کا حصہ تھے جو نواز شریف کے دوسرے دور میں صدر بن گے۔ نواز شریف کو سپریم کورٹ نے بحال تو کیا لیکن اُنکو جولائی 1993ء میں صدر کے ساتھ استعفی دینا پڑا۔

نواز شریف دوسری مرتبہ 17 فروری 1997ء سے 12 اکتوبر 1999ء تک وزیراعظم رہے، اُنکا یہ تمام عرصہ مختلف اداروں سے اختلاف میں گذرا۔ اپنے دوسرے دور اقتدار میں چونکہ بھاری اکثریت سے جیتے تھے لہٰذا وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ دسمبر 1997 میں جب جسٹس سجاد علی شاہ نے نواز شریف کی حکومت سے ٹکر لی تھی اس وقت وکلاء عدلیہ کے ساتھ نہیں تھے۔ جسٹس سجاد علی شاہ اور وزیر اعظم نواز شریف کے درمیان جھگڑا سپریم کورٹ کے دو حصوں میں بٹوارے، ملک کی اعلی ترین عدالت پر سیاسی غنڈوں کے حملے، چیف جسٹس سجاد علی شاہ کی برطرفی اور صدر فاروق لغاری کے استعفی پر جاکر ختم ہوا تھا۔ بارہ اکتوبر 1999 کو نواز شریف نے جنرل پرویز مشرف کو اُن کے سری لنکا کے دورے کے دوران برخواست کرکے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مارلی ۔ شام تک نواز شریف کی حکومت ختم ہو گئی اور وہ گرفتار ہوگے۔ دسمبر 1999 میں حکومت سے ایک دس سالہ معاہدہ کرکے جدہ چلے گے، اُنکی واپسی نومبر 2007 میں ہوئی۔ 2008 کے الیکشن میں وہ مرکز میں تو اقتدار حاصل نہ کرسکے مگر پنجاب میں اُنکی حکومت بنی، 2013 کے الیکشن میں کامیاب ہوکرنواز شریف تیسری مرتبہ پاکستان کے وزیراعظم بنے۔ آج اُنکے بھائی تو اپنے آپ کو خادم اعلی کہلاتے ہیں جبکہ نواز شریف کے دوست آصف زرداری نے اُنکو بادشاہ کا لقب دیا۔ دراصل نواز شریف اور شہباز شریف نے اپنی جلاوطنی کا زیادہ وقت سعودی عرب میں گذارا ہے اور سعودی شاہی خاندان سے اُنکی ملاقاتیں رہیں ہیں لہٰذا دونوں بھائیوں پر وہاں کے نظام کا کچھ اثر

آگیا ہے، شاہ فہد بن عبدالعزیز نے پہلی مرتبہ اپنے آپ کو بادشاہ کہلانے کے ساتھ ساتھ "خادم الحرمین الشرفین" کہلایا تو موجودہ بادشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز بھی اپنے آپ کو "خادم الحرمین الشرفین" ہی کہلاتے ہیں، شاہ فہد ہوں یا شاہ عبداللہ لاکھ اپنے آپ کو "خادم الحرمین الشرفین" کہلایں مگر وہ اپنے ملک کے بادشاہ ہیں۔ اب شہباز شریف تو کافی عرصہ سے خادم اعلی ہیں اور نواز شریف گذشتہ سال 5 جون سے اس ملک کو بادشاہ بن کر چلارہے ہیں۔

ملک آج کل پھر سیاسی ہلچل سے دوچار ہے، ایک طرف آزادی والے ہیں جو الیکشن کمیشن کے سابق ایڈیشنل سیکریٹری محمد افضل خان کے بیان کو بنیاد بناکر استعفی کا مطالبہ کرچکے ہیں تو دوسری طرف کفن دکھاکر انقلاب کی آمد کا اعلان ہورہا ہے۔ بدقسمتی کا پورا سایہ نواز شریف اور اُنکے بھائی شہباز شریف پر لہرارہا ہے۔پہلے اچانک راتوں رات کسی کے دماغ میں ماڈل ٹاون لاہور میں لاشیں گرانے کا خیال آیا اور اب الیکشن کمیشن کا سابق ایڈیشنل سیکریٹری کا انتخابات میں دھاندلی کا اعتراف۔ اسلام آباد میں اس وقت دو دو دھرنے دیے جارہے ہیں ، ہمارئے ہاں تو ایسا ہوتا رہا کہ آج حکومت بنی اور کل سے حکومت کے خاتمے کی تاریخیں آنا شروع کوئی تعجب کی بات نہیں، اور اگر حکومت کے سربراہ نواز شریف ہوں جو پہلے بھی دو مرتبہ اپنی حکومت کا خاتمہ وقت سے پہلے ہوتا دیکھ چکے ہوں، یہ بات کسی کے لیے بھی تعجب کا باعث نہیں کیونکہ

نواز شریف ماضی سے کبھی کچھ نہیں سیکھتے۔ اگر نواز شریف اپنی ملکی مسائل پر ذرا بھی توجہ دیتے،بڑھتی ہوئی مہنگائی کم کرنے کی کوشش کرتے، بجلی کے بحران میں کچھ بہتری لاتے اور بجلی کے بلوں کے زریعے عام غریب لوگوں کو جو جھٹکے دے رہے ہیں یہ نہ دیتے، کشکول توڑنے کے وعدئے کو توڑ کر اور بڑا کشکول پھیلا کر اپنی معاشی پالیسیوں کی ناکامیابی کا ڈھول نہ پیٹتے، اپنے سمدھی اسحاق ڈار جو پہلے بھی ایک ناکام وزیر خزانہ رہ چکے ہیں، اُنکی جگہ کسی قابل آدمی کو آگے لاتے جو ملک کو آگے بڑھاتا۔ طالبان سے مذاکرات کے بہانے وقت برباد کرنا اور پھر فوج سے بلاوجہ کے اختلاف پیدا کرنا، دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کے بعد آئی ڈی پیز کی امداد میں ناکامی، یہ سب کچھ نہ کرتے۔ اپنی ناکام انتظامی اور معاشی پالیسیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے حکومتی پیسے سے اخبارات میں اشتہار باری کے زریعے اپنی ذات کا پروپگنڈا، نواز حکومت کی ناکامی ہے۔ غیر آئینی اور غیر جمہوری طریقے سے نواز حکومت کا خاتمہ غلط ہوگا لیکن پورے ملک میں نواز شریف کی تیسری حکومت کے خاتمے کی باتیں ہورہی ہیں۔ مولانا فضل الرحمان بھی نواز حکومت کو بچانے کے لیے جلسے جلوس کررہے ہیں کیونکہ نواز شریف کی حکومت جائے گی تو اُنکی اور اُنکے وزیروں کی نوکری بھی جائے گی۔ آصف زرداری بھی رائے ونڈ میں ستر قسم کے کھانے کھانے کے بعد اپنے بھائی کی حکومت کو بچانے کی پوری پوری کوشش کررہے ہیں اور "پہلے میری باری تھی اب آپ کی باری" والے وعدے پر قائم ہیں مگر جناب یہ آصف

زرداری ہیں جو کسی وقت بھی کہہ سکتے ہیں کہ وعدے "قرآن یا حدیث نہیں ہوتے"۔ کیا ان باتوں کے باوجود کسی نجومی سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہے کہ اس مرتبہ نواز شریف اپنی حکومت کے پانچ سال پورے کرینگے یا نہیں۔ اب "گو مشرف گو" کے نعرے میں تبدیلی آچکی ہے اور اب اسلام آباد کے دھرنوں میں تبدیلی کے بعد نعرہ لگ رہا ہے "گو نواز گو"۔

جمہوریت کا جنازہ ہے، ذرا دھوم سے نکلے

کون جھوٹا ہے اور کون سچا کوئی ماننے کو تیار نہیں، انتظامی اور سیاسی طور پر بدحال نواز شریف حکومت کچھ نہیں کرپارہی ہے۔ قائد حزب اختلاف پیپلزپارٹی کے خورشید شاہ قومی اسمبلی میں کھڑے ہوئے بلکل اسمبلی کے سامنے گذشتہ پندرہ دن سے دھرنا دینے والوں پر برس رہے تھے اور آئین بچانے کی دھائی دے رہے تھے، شاید خورشید شاہ کی یاداشت کمزور ہے اسی لیے شاید اُن کو این آر اُو یاد نہیں، شاید یہ بھی انکو یاد نہیں کہ اُنکی پارٹی نے پانچ سال تک سپریم کورٹ کے کسی بھی حکم پر عمل نہیں کیا۔ آصف زرداری نواز شریف کو بچانے اُن کے پاس نہیں گئے تھے بلکہ لوٹ مار کے اُس سسٹم کو بچانا چاہتے جو اُنکے اور نواز شریف کے لیے دبئی، جدہ اور لندن میں کاروبار وسیع کرنے اور محلات بنانے میں مدد کرتا ہے۔ مولانا فضل الرحمان کا بھی یہ ہی مسلئہ ہے کہ اگر زرداری اور نواز شریف کی باریاں نہ لگیں تو پھر مولانا اور اُنکے حواری کشمیر کمیٹی کی چیرمین شپ اور وزارتیں کیسے حاصل کرینگے، ایم کیو ایم کے گورنر اور رابطہ کمیٹی کے ارکان کافی عرصہ تک دونوں طرف ثالث کا کردار ادا کرتے رہے لیکن اب اس میں اُنکو کوئی فاہدہ نظر نہیں آرہا ہے لہذا آج الطاف حسین نے سیدھی سیدھی فوج کو دعوت دے ڈالی کہ آیئے

اور اس سسٹم کو لپیٹ دیجیے، کیونکہ ہمیں زیادہ فاہدہ فوجی حکومت میں ہوتاہے۔اے این پی وہ واحد جماعت ہے جو گذشتہ انتخابات میں اپنی بری کارکردگی اور دہشت گردی کا شکار ہونے کی وجہ سے بری طرح ناکام ہوئی اور سسٹم سے باہر ہوگی لیکن وہ بھی اس سسٹم کو بچانا چاہتی ہے، آخر وزیر تو اُسکے بھی رہے ہیں۔

جماعت اسلامی ہمیشہ نواز شریف کے ساتھ چلی لیکن 2013ء کے الیکشن میں جب جماعت کے سابق امیر سید منور حسن نے نواز شریف اور عمران خان سے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی سیٹوں کے بٹوارے پر اتحاد کی بات کی تو نواز شریف اور عمران خان دونوں نے اُنکو ہری جھنڈی دکھادی۔ انتخابات کے بعد صوبہ خیبر پختونخوا میں حکومت بنانے کے لیے عمران خان کو جماعت اسلامی کی ضرورت پڑی تو جماعت اسلامی حاضر تھی، لیکن جماعت اسلامی پاکستان تحریک انصاف کی صرف حکومتی اتحادی رہی اور ہے۔حالیہ سیاسی بحران میں جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق بھی ایک ثالث کے طور پر نظر آئے، یہ وہی سراج الحق ہیں جنکو اسی نواز شریف حکومت کے ایک وزیر عابد شیر علی نے چند ماہ پہلے دماغی مریض قرار دیا تھا، لیکن اُسی دماغی مریض سے نواز شریف درخواست کرتے نظر آئے کہ وہ عمران خان سے اُنکی حکومت بچانے میں مدد کرے، جبکہ اس لوٹ مار کے سسٹم کو بچانے کے لیے 37 سال بعد پیپلزپارٹی کے سربراہ آصف زرداری جماعت اسلامی کے ہیڈکواٹر منصورہ پہنچ جاتے ہیں، سسٹم بچانے کا فاہدہ جماعت اسلامی کو بھی

ہے، صوبہ خیبر پختونخوا کی حکومت میں حصہ دار تو جماعت اسلامی بھی ہے۔

پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی اتحاد گذشتہ پندرہ دن سے اسلام آباد میں دھرنے دیئے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مطالبات میں اسقدر آگے چلے گے ہیں اور اپنے دھرنوں کے شرکا کو اسقدر حکومت بیزار کردیا ہے کہ اُنکو ابھی اشارہ ملے تو ابھی اسلام آباد کی اینٹ سے اینٹ بجادیں، مگر عمران خان اور طاہر القادری دونوں جانتے ہیں کہ یہ اُن کی سیاسی خودکشی ہوگی، دونوں کے سیاسی پروگرام بہت اچھے ہیں لیکن اُن پر عمل کرانے کا طریقہ کار بہت غلط ہے، گذشتہ پندرہ روز سے دونوں رہنما اگلے 48 اوراب 24 گھنٹے میں تبدیلی اور انقلاب آنے کا کہہ کر دھرنے کے شرکا کو روک رہے ہیں، اگلے 48 گھنٹے میں یا اتوار کی شام تک اگر کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا تو بہت ممکن ہے کہ دھرنے کے شرکا کی تعداد کم ہونے لگے جو حکومت کا اصل مقصد ہے، اس لیے دونوں رہنماوں کو اس کالازمی حل تلاش کرنا ہے، حکومت کی پہلے دن سے یہ کوشش ہے کہ یہ دھرنے خود ختم ہوجایں کیونکہ سانحہ ماڈل ٹاون کی مشکلات بھی حکومت کے گلے میں پڑی ہوئی ہیں۔ حکمران آئین کا استمال اپنے مفاد میں فورا کرتے ہیں جیسے آئین کی شق 245 کو اسلام آباد میں استمال کیا ہے اور فوج کو لاکر کھڑا کردیا ہے، حالانکہ اس آئینی شق کے استمال کی ایک عرصے سے کراچی میں ضرورت ہے۔

جمرات 28 اگست کو وزیراعظم نواز شریف نے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف سے موجودہ سیاسی تعطل کے حل کے لئے "سہولت" کا کردار ادا کرنے کو کہا تو آرمی چیف نے جماعت اسلامی پاکستان کے امیر سراج الحق کے ذریعے عمران خان اور گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد کے ذریعے طاہرالقادری کو پیغام بھیجا۔ اس پیغام پر عمران خان اور طاہر القادری جمعرات کو نصف شب کے بعد آرمی ہاؤس راولپنڈی گئے جہاں آرمی چیف سے اُن کی تفصیلی ملاقات ہوئی۔ اب حکومت "سہولت" کا مطلب کچھ اور نکال رہی ہے جبکہ حکومت مخالفین اسکا مطلب اپنے حساب سے نکال رہے ہیں، کل کیا ہوگا، پرسوں کیا ہوگا کسی کو معلوم نہیں۔ نواز شریف جو پانچ سال تک پاکستان کی سب زیادہ بدعنوان پیپلز پارٹی کی حکومت اور اسکے بدعنوان سربراہ آصف زرداری کی حمایت کرتے رہے اُنکو پہلی مرتبہ پاکستان میں فرینڈلی اپوزیشن کا خطاب حاصل ہوا، شیر کے نشان پر ایک معاہدئے یا دھاندلی سے اب سے چودہ ماہ پہلے تیسری مرتبہ ملک کے وزیراعظم بنے تھے۔ پانچ سال اقتدار میں رہنے کے خواہش مند وزیراعظم جسکو اسلام آباد میں گذشتہ 14 دن سے دو سیاسی جماعتوں کے دھرنوں نے بے بس کیا ہوا ہے، جسکو پارلیمینٹ میں پاکستان تحریک انصاف کے علاوہ تمام چھوٹی بڑی جماعتوں حمایت حاصل ہے، ایک ناکام حکومت کے ذمیدار ہیں، وہ آج سیاسی سوجھ بوجھ سے اسقدر کنگال ہوگئے ہیں کہ فوج کو سیاسی امور میں مداخلت کی درخواست کرڈالی۔

آپکو یہ تو معلوم ہوگا کہ پاکستان میں لیفٹ اور رائٹ کی سیاست ضیاالحق کے زمانے سے ختم ہوچکی ہے، اب پاکستان میں لیفٹ اور رائٹ کے سیاستداں آثار قدیمہ کا حصہ بن چکے ہیں، اب مفادات کی سیاست ہوتی ہے، زرداری اور سراج الحق کے مشترکہ مفادات ہیں اسلیے لیفٹ اور رائٹ یعنی اصولوں کو چھوڑ کردونوں ایک ہی مقصد کے لیے سیاست کررہے ہیں۔ دوسری طرف " لیفٹ رائٹ لیفٹ، لیفٹ رائٹ لیفٹ " کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ فوج لاکھ تردید کرئے لیکن اس کڑوئے سچ کا کیا کریں کہ پاکستانی تاریخ بتاتی ہے کہ "اندھا کیا چاہے دو آنکھیں"۔ نواز شریف آپنے تیسری مرتبہ جمہوریت کو قتل کیا ہے۔ جنرل راحیل شریف ہم پاکستانی اپنی فوج سے بہت عقیدت رکھتے ہیں اور آپسے تو ایک اور بھی رشتہ ہے کہ آپ شہیدوں کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ہم پاکستانی عوام جو آپسے عقیدت کے ساتھ ساتھ جمہوریت کو بھی بہت چاہتے ہیں، آجکل بہت پریشان ہیں کیونکہ پاکستانی سیاست دانوں نے جمہوریت کو نزع کے عالم میں پہنچادیا ہے، جمہوریت کا چراغ کسی وقت بھی بجھ سکتا ہے، لازمی بات ہے اُسکی آخری رسموعات آپ ہی کرینگے، اس لیے آپ سے صرف ایک درخواست ہے کہ اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ یہ "جمہوریت کا جنازہ ہے، ذرا دھوم سے نکلے"، کیونکہ ہمارئے سیاستدان آزادی کے اڑسٹھ سال بعد بھی بالغ نہیں ہوئے ہیں۔

صاحب! آج کل وفادار مالک کہاں ملتا ہے؟

ہم نے یہ ملک جمہوری طریقے سے حاصل کیا ہے، مگر موقع پرستوں نے جن میں جاگیردار، سردار، خان، وڈیرے اور سرمایہ دار سیاستدانوں کی اکثریت ہے انھوں نے خود کو اقتدار کی کرسی سے کبھی دور نہ ہونے دیا۔ان موقع پرستوں کو آج کی زبان میں آپ لوٹا بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہمارا ملک پاکستان 1947 میں آزاد ہوا، کافی ممالک ہمارے بعد میں آزاد ہوئے مگر سب نے ترقی کی لیکن نہ ہی ہمارے ملک میں ترقی ہوئی اور نہ ہی جمہورت آسکی جبکہ اس ملک میں کسی چیز کی کمی نہیں، زراعت، معدینات، ہنر اور محنت کشوں سے یہ ملک مالا مال ہے۔ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر جب ذوالفقار علی بھٹو نے 1970 کا الیکشن لڑا تو بعض مقامات پر انکو امیدوار نہیں مل رہے تھے کیونکہ موقع پرست لوٹے ابھی پیپلز پارٹی کو اقتدار میں آتا نہیں دیکھ رہے تھے۔ لیکن جیسے ہی پیپلز پارٹی اقتدار میں آئی لوٹوں کی یلغار ہوگی اور پھر 1977 کے الیکشن میں پیپلز پارٹی کے امیدواروں میں اکثریت لوٹوں کی ہی تھی۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم نے کوثر نیازی کے بارے میں کہا تھا کہ یہ شخص موقعہ پرست ہے جو پہلے جماعت اسلامی میں رہا اور بعد میں کنونشن لیگ میں اور اب پیپلز پارٹی میں،" وہ بھٹو سے کیا وفا کرے گا" اور ایسا ہی ہوا جب ضیاء الحق نے مارشل

لاء نافذ کیا تو مولانا کوثر نیازی اور غلام مصطفیٰ جتوئی نے سب سے پہلے اُس کے دربار میں حاضری دی۔ نواز شریف جو جونیجو کو اپنا عظیم قائد اور خود کو ضیاء الحق کا بیٹا قرار دیتے تھے سب سے پہلے لوٹا بنکر غلام اسحٰق خان کے ساتھ ملکر جونیجو کا پتہ صاف کیا اور 1990 میں ملک کے وزیر اعظم بنے۔

حکومتیں بدلتی رہیں مگر لوٹوں نے اپنا کھیل جاری رکھا، جو اب بھی جاری ہے۔ نواز شریف نے اپنی باری کا پانچ سال انتظار کیا، لیکن الیکشن کے وقت عمران خان کے حملوں اور آصف زرداری کی چالاکیوں سے پریشان ہو کر اپنے اس انکار سے منکر ہو گے جس میں اُنھوں نے لوٹوں کو پارٹی میں شامل کرنے سے انکار کیا تھا۔ الیکشن کے قریب آنے پر نواز شریف نے اپنی پارٹی کا دروازہ مفاد پرست لوٹوں کے لیے کھول دیا، ان مفاد پرست لوٹوں میں سابق اسپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب، اُنکے بیٹے عمر ایوب ، ماروی میمن، طارق عظیم، زاہد حامد، سلیم سیف اللہ، ہمایوں اختر، حامد ناصر چٹھہ، امیر مقام، کشمالہ طارق اور سمیرا ملک نے بھی مسلم لیگ ن میں شمولیت اختیار کر لی ۔ لوٹوں کی شمولیت سے نواز شریف اسقدر خوش تھے کہ جب ماروی میمن نواز شریف سے ملیں اور اپنے مفاد پرست ہونے کا اعلان مسلم لیگ ن میں شمولیت کے اعلان کے زریعے کیا تو اُن کی واپسی پر نواز شریف بصد احترام اُنکی کار تک اُنکو چھوڑنے بھی گے۔ آپ ان مفاد پرست لوٹوں کا کمال دیکھیے آجکل چوہدری شجاعت اور چوہدری پرویز الٰہی طاہر القادری کے

انقلاب اور نظریات کے سب سے بڑے وکیل بنکر طاہر القادری کی پالیسیوں کا دفاع کر رہے ہیں۔

باغی کے نام سے مشہور مخدوم جاوید ہاشمی سے عمران خان نے اسلام آباد میں دھرنے کے مقام پر اپنی ایک کنٹینر تقریر کے دوران تمام تعلقات توڑ لیے، جبکہ یہ باغی عمران خان کی لاتعداد درخواستوں کے بعد پاکستان تحریک انصاف میں شامل ہوا تھا۔ تحریک انصاف میں آنے سے قبل یہ باغی نواز شریف کے ساتھ تھا۔ مشرف کے زمانے میں جب سب نواز شریف کا ساتھ چھوڑ چکے تھے یہ باغی نواز شریف کے ساتھ رہا، آج جس سیاسی پارٹی کے نواز شریف مالک بنے بیٹھے ہیں شاید اسکا وجود ہی نہ ہوتا اگر جاوید ہاشمی نواز شریف کی جلاوطنی کے وقت پارٹی کی دیکھ بھال نہ کرتے۔ مشرف کی مخالفت اور نواز شریف کی حمایت کی وجہ سے باغی کے چار سال جیل میں گذرے۔ جدہ سے واپس آکر نواز شریف نے دوبارہ پارٹی کا کاروبار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ بعد میں نواز شریف اور نواز شریف کے ساتھ موقعہ پرست لوٹوں نے ملکر باغی کا مسلم لیگ ن میں رہنا مشکل کردیا کیونکہ باغی موقعہ پرست نہیں ہے۔آج جب عمران خان نے باغی سے اپنے تعلقات ختم کرنے کا اعلان کیا تو مریم نواز ٹویٹر پر جاوید ہاشمی سے پوچھ رہی ہیں تھیں کہ : ہاشمی صاحب۔۔۔ میاں صاحب تو یاد آتے ہونگے؟ مریم نواز صاحبہ، ہاشمی صاحب کو اگر کوئی یاد آتا ہے تو وہ صرف آپکے والد صاحب ہی ہیں کیونکہ باغی کے ساتھ

آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب آپکے والد صاحب کی مہربانی ہے۔ پاکستان مسلم لیگ ن اور پاکستان تحریک انصاف سے علیدہ ہو جانے والے مخدوم جاوید ہاشمی کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ وہ باغی تو ہے لیکن لوٹا نہیں۔

اسلام آباد میں دو دھرنوں کے 16 دن تو بغیر تشدد کے گذرے لیکن آخرکار جس کا ڈر تھا وہی ہوا اور معصوم بچوں سے لیکر بوڑھوں تک پر تشدد ہوا۔ آیئے دھرنے اور تشدد پر دو موقعہ پرست لوٹوں کے بیانات پڑھ لیں:۔

پاکستان مسلم لیگ ق کے رہنماء اور سابق وزیراعلیٰ پنجاب پرویز الٰہی نے کہا کہ دھرنا جاری رہے گا، شریف برادران ڈی ریل ہوں گے جمہوریت نہیں۔ نواز اور شہباز شریف کے استعفے تک معاملہ چلے گا، سانحہ ماڈل ٹاؤن کی ایف آئی آر تک بات نہیں ہو سکتی، شریف برادران استعفیٰ دیں اور گھر جائیں، وہ کہتے ہیں کہ استعفوں سے کم کچھ قبول نہیں، ہماری جماعت کے ارکان کے استعفیٰ سمیت سب کچھ ہوگا۔

مسلم لیگ (ن) کی رہنما ماروی میمن کا کہنا ہے کہ مظاہرین کے ساتھ ابھی نرمی کی گئی ہے۔ نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ حکومت نے دھرنوں کے شرکاء پر ہاتھ 'ہولا' رکھا، عوامی تحریک اور تحریک انصاف مظاہرین پہلے سے ہی اس کی منصوبی بندی کرکے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت

نے اپنے بچاؤ میں یہ حکمت عملی اپنائی ہے ،اس میں حکومت کا کوئی قصور نہیں ہے۔
اس وقت جب ملک سیاسی انتشار کا بدترین شکار ہے، موقعہ پرست سیاسی لوٹے اپنی اپنی سیاسی پارٹی کے مالکان سے زیادہ سے زیادہ وفاداری نباہ رہے ہیں، یہ موقعہ پرست لوٹے آپکو مسلم لیگ ن میں بھی مل جائینگے، تحریک انصاف میں بھی اور غضب کی بات یہ ہے پاکستان عوامی تحریک کے ساتھ تو پوری مسلم لیگ ق لوٹے کی شکل میں موجود ہے، ماروی میمن، خورشید قصوری، چوہدری شجاعت، چوہدری پرویز الہی یہ سب پرویز مشرف کی کچن کیبینیٹ میں تھے، چلیں ہم اُنہیں آسانی کے لیے "خانساماں" کہہ لیتے ہیں۔جب مشرف کے گردش کے دن آئے تو یہ خانساماں دوسرے مالکوں کے پاس پہنچے تو نئے مالکوں میں شامل نواز شریف، عمران خان اور طاہر القادری نے اُن سے ایک ہی سوال کیا۔کیا سوال تھا اور کیا جواب؟۔۔۔۔۔۔۔ سوال اور سوال کا جواب ہمیں مشتاق احمد یوسفی صاحب کے پاس سے ملا، غور سے پڑھیے گا :

جنون لطیفہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مشتاق احمد یوسفی

گزشتہ سال ہمارے حال پر رحم کھاکرایک کرم فرمانے ایک تجربہ کار خانساماں بھیجا۔ جو ہر علاقے کے کھانے پکانا جانتا تھا۔ہم نے کہا" بھئی اور تو سب ٹھیک ہے

مگر تم سات مہینے میں دس ملازمتیں چھوڑ چکے ہو۔ یہ کیا بات ہے؟"۔

کہنے لگا "صاحب! آج کل وفادار مالک کہاں ملتا ہے؟"۔

نواز شریف سمیت اکیس نامزد

علامہ طاہرالقادری 2012ء کے آخر سے اُس پاکستانی سسٹم کو ختم کرنا چاہتے ہیں جس کے تحت انتخابات ہوتے ہیں، وہ جمہوری سسٹم کے طریقہ کار جس میں الیکشن کمیشن کا قیام اور ووٹ دینے کا طریقہ بھی شامل ہے کو بدلنا چاہتے۔ اسکے علاوہ انھوں نے عوام کے سامنے ایک دس نکاتی ایجنڈا بھی پیش کیا ہے جو عوام کی بہتری کے لیے ہے، جس کی لازمی تعریف کرنی چاہیے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس دس نکاتی ایجنڈے پر عمل کیسے ہو اسکے لیے لازمی ہے کہ علامہ طاہر القادری کے پاس پاکستانی عوام کی رضامندی یعنی نمایندگی ہو۔ پرانے زمانے میں طاقت ور لشکر کشی کرکے ملکوں پر قبضہ کرلیتے تھے اور پھر اپنا حکم صادر کرتے تھے، جبکہ جدید دور میں امریکہ جیسا طاقتور ملک عراق اور افغانستان پر قبضہ کرتا ہے، علامہ امریکہ کی طرح پاکستان پر قبضہ تو نہیں کر سکتے لیکن آجکل وہ ایک لشکر لیکر اسلام آباد پہنچ کر دھرنا دئے رہے ہیں اور اپنے مطالبات ماننے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ شاید آج طاہر القادری اسلام آباد میں نہ ہوتے اگر مرکزی اور صوبہ پنجاب کی حکومتیں پے در پہ حماقتیں یا پھر ایسا بھی کہا جاسکتا ہے کہ اپنا جرم چھپانے کی کوشش نہ کرتیں۔ طاہر القادری نے 23 جون کو پاکستان آنے کا اعلان کیا تو 17 جون کی رات کو پنجاب حکومت ادارہ منہاج القران کے مرکز ماڈل ٹاون

لاہور پر چڑھ دوڑی، بقول حکمراں پولیس منہاج القران سے غیر قانونی تجاوزات کا خاتمہ کرنے گی تھی، رات ڈیڑھ بجے سے اگلے بارہ تیرہ گھنٹے گھمسان کا رن پڑا، نتیجہ میں 14 لاشیں گریں جن میں دو خواتین بھی تھیں اور 80 زخمی ہوئے۔ شاید علامہ طاہر القادری کو اپنے دس نکاتی ایجنڈئے پر اتنی حمایت بھی نہ ملتی مگر اب اُن کے پاس 14 مظلوموں کی لاشیں اور 80 سے زیادہ زخمی افراد ہیں۔

معافی چاہتا ہوں لیکن سچ کڑوا ہوتا ہے، ایک بات یاد رکھیں پاکستان کے سیاستدان لاشوں کے اوپر سیاست کرتے ہیں یہ لاشوں کے سوداگر ہیں، شہید بھٹو، شہید بینظیر کی سیاست تو اس ملک میں عرصے سے چل رہی ہے۔ماڈل ٹاون میں مرئے بیچارے تقلید کے مارے مریدین۔ فاہدہ کس کا ہوا؟ سیدھا سیدھا طاہر القادری کا، 14 لاشیں کم نہیں ہوتی سیاست چمکانے کے لیے اور مخالفوں کو ختم کرنے کے لیے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ افراد کے قتل کی ایف آئی آر اُنکے ورثا کی مدعیت فورا درج کرلینی چاہیے تھی۔اس 14 میں کوئی شک نہیں کہ ملکی حالات کو آج جو بدترین سامنا ہے اور حکومت جو بند گلی میں قید ہوگی ہے اُس کی بنیاد منہاج القران ماڈل ٹاؤن لاہور میں رکھی گئی ہے، جہاں کم ازکم 14 بے گناہوں کو دن دیہاڑے بہت سارئے کیمروں کی آنکھوں کے سامنے سیدھی گولیاں مار کر خون میں لت پت کر دیا گیا۔ ماڈل ٹاون حادثہ کے ذمیدار وہ ہیں جو ماڈل ٹاون لاہور

کے واقعہ کو لیڈ کر رہے تھے، بقول وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف انہیں تو پتہ ہی نہیں کہ اتنا بڑا حادثہ ہوگیا، انہوں نے جو نادان دوست پالے ہوئے ہیں وہ یہ سب کر رہے تھے جو اب ثابت بھی ہوچکا ہے اور اس قتل عام کے وہ بھی ذمیدار ہیں۔

پاکستان پہنچنے سے چار روز قبل ہی طاہر القادری کو چودہ لاشیں مل گیں تھیں جنکو اُنھوں نے بھرپور سیاسی طریقے سے کیش کرانے کی کوشش کی، اس سلسلے میں میڈیا کے کچھ چینل بھی خرید لیے گے تھے جنکی رپورٹنگ صاف بتارہی تھی کہ یہ وہی کچھ رپورٹ کر رہے ہیں جو طاہر القادری کی سیاسی ضرورت ہے۔ انقلاب مارچ کے دھرنے میں ہونے والی تقاریر میں بار بار سب سے بڑا مطالبہ بے گناہوں کے خلاف مقتولین کے ورثاء کی مدعیت میں ایف آئی آر درج کرنے کا تھا۔ یہ وہ مطالبہ ہے جس کی حمایت پاکستان کے طول و عرض میں تمام مذہبی اور سیاسی جماعتیں کر رہی ہیں۔ پہلے 27 اگست کو اور اب دوبارہ دو ستمبر کو تھانہ فیصل ٹاون پولیس نے بالآخر سترہ جون کے خونیں پولیس آپریشن کی نئی ایف آئی آر سانحہ ماڈل ٹاون کے متاثرہ فریق ادارہ منہاج القرآن کی درخواست پر درج کر لی ۔ درخواست میں وزیر اعظم نواز شریف، وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف اور ان کے بیٹے حمزہ شہباز، چار وفاقی وزرا، ایک وزیر مملکت اور سابق وزیر قانون پنجاب رانا ثنا اللہ سمیت نو مقتدر سیاسی شخصیات اور بارہ پولیس و انتظامی

افسران کو قتل اور اعانت قتل کا ملزم نامزد کیا گیا ہے۔

پاکستانی سیاست میں ویسے تو عام طور فاہدہ ہی فاہدہ ہے لیکن کبھی کبھی کسی سیاست دان کے قدم خارزار جھاڑیوں پر پڑ جاتے ہیں اور پھر اُن سیاستدانوں کو اُس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ نواز شریف اگر اپنی، اپنے بھائی اور ساتھیوں کی خیریت چاہتے تو پہلی فرصت میں اس ایف آئی آر کی صاف اور شفاف تفتیش مکمل کروا کر اُسکو عدالت میں لے جایں، اگر وہ یا نامزد کردہ افراد میں جو بھی مجرم ہو اُسکو لازمی سزا بھگتنی چاہیے۔

سیاستدانوں کے خلاف ایف آئی آر کے اندراج کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں بلکہ پاکستانی سیاست کی تاریخ میں اس طرح کی مثالیں پہلے سے موجود ہیں، ان میں سے ایک مثال ذوالفقار علی بھٹو کی ہے۔ علامہ طاہر القادری کے پاس تو چودہ لاشیں ہیں جبکہ پیپلز پارٹی کے باغی احمد رضا قصوری کے پاس تو صرف ایک لاش اُسکے اپنے والد نواب محمد احمد خان کی تھی، لیکن اُس ایک لاش سے فاہدہ اٹھانے والے بہت تھے، احمد رضا قصوری کے تو باپ کی لاش تھی وہ تو تھا ہی بھٹو کے خون کا پیاسا، بھٹو سے اقتدار چھینے والے ضیاالحق کو بھی سمجھا دیا گیا تھا کہ بھٹو اگر بچ گیا تو پھر اپنی قبر کی جگہ طے کرلو، لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس مولوی مشتاق کو بھی بھٹو سے بدلا لینا تھا کہ اُسکو بھٹو نے چیف جسٹس نہیں بنایا تھا، لہٰذا انصاف کے تقاضے پورے کیے بغیر بھٹو سے اپنی بھرپور نفرت کا اظہار کرتے

ہوئے جسٹس مولوی مشتاق نے اُسکو سزائے موت دی۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس انوار الحق کو بھی ضیا الحق ء کا حق نمک ادا کرنا تھا، جبکہ جسٹس نسیم حسن شاہ جو کبھی جماعت اسلامی کا وفادار تھا، اُسکو بھی اپنے آقاوں کا حکم ماننا تھا، دوسروں کے ساتھ دونوں نے بھٹو کے لیے پھانسی کے پھندے کا انتخاب کیا، ایک عرصے بعد جسٹس نسیم حسن شاہ کا ضمیر جاگا تو انھوں نے بھٹو کے عدالتی قتل کا اقرار کیا۔

نواز شریف آپ یہ بات یاد رکھیں کہ بھٹو نے جس ایف آئی آر کو اہمیت نہیں دی وہی اُسکو پھانسی کے پھندے پر لے گی۔ بھٹو بھی وزیر اعظم تھے اور آپ بھی ہیں، مشرف کے پاس اپنی کٹوائی ہوئی ایف آئی آر تو تھی مگر ایسی کوئی ایف آئی آر موجود نہیں تھی جیسی ضیاالحق ء کو مل گئی تھی۔ آپ جس رات دس سالہ معاہدہ پر سعودی عرب جارہے تھے تو آپکی بیگم، بیگم کلثوم نواز نے فرمایا تھا کہ جنرل کا بھروسہ نہیں ہوتا وہ کب پھانسی دے دے۔ لہٰذا میں ان سب کو لازمی یہاں سے لیکر جاونگی، وہ ضیا الحق ء کی بربریت کو سامنے رکھ کر ایسا کہہ رہی تھیں، ویسے بھی ضیاالحق ء کے بعد آپکے کسی فوجی جنرل کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں رہے، ہاں ججوں سے ضرور آپکے تعلقات اچھے رہتے ہیں، لیکن نظریہ ضرورت کے تحت یہ جج صاحبان کسی وقت بھی اپنی نظر پھیر لیتے ہیں۔ لہٰذا آپکو مشورہ ہے کہ اپنے نادان دوستوں سے بچتے ہوئے اس ایف آئی آر پر عدالتی کارروائی تک کسی

قسم کی رکاوٹ نہ ڈالیں۔ شاید بھٹو صاحب بھی اپنے کسی نادان دوست کا کہنا مان بیٹھے تھے اور ایک برے انجام سے دوچار ہوئے۔

اسلام آباد کے دو دھرنوں کی دو تصویریں

اسلام آباد میں دو سیاسی دھرنے چل رہے ہیں، سیاسی دھرنے دینا کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن ان دو سیاسی دھرنوں کی پورے ملک میں حمایت بھی ہو رہی ہے اور مخالفت بھی، دھرنے دینے والوں میں سے ایک کا مطالبہ ہے موجودہ حکومت کا خاتمہ، جبکہ دوسرے کا مطالبہ نہ صرف حکومت کا خاتمہ اور وزیراعظم اور وزیراعلی پنجاب کی گرفتاری کے ساتھ ساتھ موجودہ سیاسی اور انتخابی نظام میں وسیع تبدیلی۔ ایک دھرنا پاکستان تحریک انصاف کا ہے جس کی قیادت عمران خان کر رہے ہیں جبکہ دوسرا دھرنا پاکستان عوامی تحریک کا ہے جس کی قیادت علامہ طاہر القادری کر رہے ہیں۔ دوسری طرف وزیراعظم نواز شریف حکومت اور اُسکے حلیف ہیں جو اس نظام میں تبدیلی لانے پر تو رضامند ہیں، لیکن وزیراعظم اور وزیراعلی پنجاب کو اپنے عہدوں سے الگ کرنے پر قطعی راضی نہیں، نواز شریف حکومت پہلے تو ان مطالبات پر کان دھرنے کو تیار نہیں تھی لیکن اب پوری کوشش میں ہے کہ بگڑی ہوئی سیاسی صورتحال کو جلد از جلد ٹھیک کیا جائے۔

اس سال 14 اگست کو حکومت نے اس دن کو "حکومت بچاو" کے طور پر، تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک نے "یوم تبدیلی" اور "یوم انقلاب" کے طور پر منایا

اور لاہور سے اسلام آباد کی طرف نواز حکومت کے خاتمہ کے لیے خاص 14 اگست کے روز "تبدیلی اور انقلاب مارچ" شروع کیا، ان دونوں مارچوں کے رہنماوں نے یوم آزادی کی اہمیت کو ختم کرکے رکھ دیا۔ باقی رہے عوام اُنھوں نے 14 اگست کو "یوم چھٹی" کے طور پر منایا، پورے ملک میں کہیں بھی سرکاری یا غیر سرکاری طور پر 14 اگست عوام کو ساتھ ملا کر "یوم آزادی" نہیں منایا گیا۔ 6 ستمبر کو بھی پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے رہنما عمران خان اور طاہر القادری اپنے اپنے دھرنے کا دفاع کرینگے۔ عمران خان اور طاہر القادری تبدیلی اور انقلاب مارچ کے نام پر اسلام آباد میں دھرنے دینے پہنچے، ان دھرنوں کو اسلام آباد لانے کے ذمیدار نہ تو عمران خان ہیں اور نہ ہی طاہر القادری بلکہ ان کے اصل ذمیدار شریف.برادران اور اُنکی مرکزی اور صوبائی حکومت کے وزرا ہیں۔ چار انتخابی حلقوں کو دوبارہ چیک کرنے کا مطالبہ آج.بڑھکر نواز شریف کے وزیراعظم کے عہدئے سے استعفی، دوبارہ الیکشن، آرٹیکل چھ کے تحت مقدمات اور دوسرئے مطالبات تک جا پہنچا، اگر نواز شریف شروع میں ہی اس معاملے کو دیکھ لیتے تو آج اسلام آباد میں عمران خان کا دھرنا نہ ہوتا۔ شیخ رشید جو خود لیڈر خود عوام ہیں اور اُنکی قومی اسمبلی کی سیٹ بھی عمران خان کی حمایت سے حاصل ہوئی ہے، وہ اپنی نام نہاد پارٹی کے سربراہ کی حیثیت سے عمران خان کے سیاسی حلیف ہیں، جبکہ عمران خان نے اپنی ضد اور شیخ رشید جیسوں کے غلط مشورئے مان کر جاوید ہاشمی جیسے سیاستدان کو

اپنے سے دور کرلیا۔ عمران اپنی کرکٹ فلاسفی کا اپنی سیاست میں بے انتہا استمال کرتے ہیں لہٰذا وہ اپنے دھرنے کے شرکا کو کافی دفعہ یہ کہہ چکے ہیں کہ امپائر انگلی اٹھانے والا ہے، ابھی تک تحریک انصاف والے امپائر کی انگلی اٹھانے کا انتظار کررہے ہیں مگر شاید کپتان کو امپائر نے ملاقات کے وقت بتادیا کہ اُسکا ابھی انگلی اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں۔

علامہ طاہر القادری بھی لاہور میں ہی ہوتے کیونکہ انہوں نے کنیڈا سے اپنی پاکستان آمد کے اعلان کے ساتھ ایک دس نکاتی اصلاحات کا ایجنڈا دیا اور اس ایجنڈے کی تکمیل کے لیے انہوں نے انقلاب کا نعرہ لگایا، باربار سوال کرنے پر بھی علامہ نے انقلاب کی کسی تاریخ کا اعلان نہیں کیا، لیکن اُنکے آنے سے قبل ہی منہاج القران ماڈل ٹاون لاہور کا واقعہ ہوگیا جس میں 14 بے گناہ لوگوں کو پولیس نے بڑی بے دردی سے قتل کردیا اور 80 سے زیادہ افراد زخمی کردیے گے اور پھر حکومت کی طرف سے توایک ایف آئی آر کاٹی گی لیکن لواحقین کی طرف سے ایف آئی آر کٹنے میں دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ لگا، طاہر القادری جن کے پاس ایک دس نکاتی اصلاحات کا ایجنڈا تھا، آج انکے ہاتھ میں 14 افراد کے قتل کی ایف آئی آر ہے جس میں وزیراعظم نواز شریف، شہباز شریف کے علاوہ انیس اور افراد شامل ہیں، اب علامہ کے مطالبات حکومت کا خاتمہ اور وزیراعظم اور وزیراعلی پنجاب کی گرفتاری کے ساتھ ساتھ موجودہ سیاسی اور انتخابی نظام

میں وسیع تبدیلی ہے جو ناممکن ہے، اسلام آباد دھرنے میں اُنکے سیاسی حلیف پاکستان مسلم لیگ ق کے کرتا دھرتا چوہدری شجات اور چوہدری پرویزالہی ہیں۔ ایک تازہ خبر یہ ہے کہ مشرف دور کے بادشاہ گر چوہدری شجات اور موجودہ حالات میں طاہرالقادری کے انقلابی ساتھی، اُنھوں نے دوسروں کے علاوہ جنرل کیانی پر بھی یہ الزام لگایا ہے کہ وہ بھی انتخابات کی دھاندلی میں شامل تھے ۔یقینا یہ الزام طاہرالقادری کے انقلاب کا دفاع کرئے گا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ طاہرالقادری جو فوج کے حق میں زوردار نعرئے لگواتے ہیں شاید کہہ دیں چوہدری صاحب اس الزام پر مٹی پاوٗ۔

دوسری طرف حکومت اور خاصکر نواز شریف دھرنوں والوں سے اپنی حکومت کا دفاع کررہے ہیں، لیکن پارلیمینٹ میں جو سیاسی اتحاد ہوا ہے اُسکو دو چوہدریوں کی ذاتی لڑائی اور بدکلامی کے باعث جو خطرہ ہے اُسکا دفاع کرنے کے لیے اُنکو اپنے منہ چڑھے اور مغرور وزیرداخلہ کا منہ بند کرنے میں کامیاب ہونا لازمی ہے تب ہی وہ اس سیاسی اتحاد کا دفاع کرپاینگے۔ ویسے جس سسٹم کے زریعے پیپلزپارٹی لوٹ مار کے ریکارڈ توڑ چکی ہو تو اُسکو بچانے کے لیے وہ نواز شریف کی قدرتی ساتھی ہے۔ 11 ستمبر کو بابائے قوم کو یاد یوں بھی نہیں کیا جائے گا کہ وزیراعظم نواز شریف کے دو بہت ہی قریبی سیاسی حلیف مولانہ فضل الرحمان اور محمود خان اچکزئی کے نزدیک قائداعظم ناپسندیدہ شخصیت ہیں۔ مولانہ فضل

الرحمان کے والد مفتی محمود کھلے الفاظ میں پاکستان کی مخالفت کرتے تھے، مولانا فضل الرحمان کی سوچ اپنے والد سے مختلف نہیں وہ آج بھی ہندوستان کی تعریف کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، حالیہ پارلیمینٹ کے اجلاس میں بھی وہ دھرنوں کے حوالے سے بھارتی پارلیمینٹ کا ذکر فرما چکے ہیں، یہ اور بات ہے کہ سارے پاکستان میں مولانا فضل الرحمان کو ایک مفاد پرست اور موقعہ پرست سیاستدان کے طور پر جانا جاتا ہے۔

نواز شریف کے دوسرے سیاسی حلیف محمود خان اچکزئی کے باپ خان عبدالصمد اچکزئی نے 1973ء کے آئین کو تسلیم نہیں کیا تھا اور اپنی پوری زندگی خان عبدالصمد اچکزئی یہ درس دیتا رہا کہ پختون قوم کی آزادی کے لئے آزاد پختونستان کا قیام ضروری ہے۔
لیکن خان عبدالصمد اچکزئی کا بیٹا اور اُس کا سیاسی جانشین محمود خان اچکزئی نے اپنے باپ کی قوم پرستی کی سیاست چھوڑی اور مفاد پرستانہ سیاست کو اپنا لیا یہ ہی وجہ ہے نواز شریف حکومت میں اُس کے خاندان کے دس افراد مختلف حکومتی عہدوں پر موجود ہیں، خود یہ وزیراعظم کا مشیر خاص ہے اور ایک بھائی گورنر بلوچستان ہے، باقی دوسرے عہدوں پر ہیں۔جب 13 جون 2013ء کو زیارت میں قائداعظم ریذیڈنسی کو دہشت گردوں نے بم دھماکوں سے تباہ کیا تو محمود خان اچکزئی نے اس دہشت گردی کی مذمت کرنے سے انکار کردیا جس پر آج بھی قائم ہے۔ محمود خان اچکزئی جو غریبوں اور مظلوموں کا

ہمدرد بنتا ہے اور اپنے آپ کو ایک اصول پسند سیاستدان کہتا ہے، افسوس یہ دھرنے میں آئے ہوئے غریب لوگوں کو خانہ بدوش کہتا ہے۔

اسلام آباد کے تین ہفتے سے جاری دو دھرنوں کی دو تصویریں بنتی ہیں جن میں سے ایک سیاسی ہے جبکہ دوسری معاشی۔ سیاسی تصویر آپ اوپر پڑھ آئے کہ کون کیا ہے اور کیا کر رہا ہے، لیکن اسکی معاشی تصویر بہت پریشان کن ہے جس کے خراب اثرات جلد ہی پاکستانی عوام کے سامنے ہونگے جسکی وجہ سے غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذارنے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ کوشش ہوگی کہ اگلے مضمون میں دوسری تصویر یعنی دھرنوں کے معاشی اثرات پر تفصیل سے لکھونگا۔

دھرنوں کے معاشی اثرات

پورے ملک میں مئی سے شروع ہونے والی سیاسی بے چینی اگست میں اسلام آباد میں دو دھرنوں کے ریڈزون میں داخل ہونے کے بعد اپنی انتہا کو پہنچ گی۔ان دھرنوں نے سیاسی اور سماجی ماحول میں توطوفانی ہلچل مچا ہی دی ہے ، اس کے ساتھ ساتھ ملک کی معیشت کو بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ گذشتہ تین ہفتوں کے دوران دھرنا دینے والوں اور حکومت کی طرف سے جسطرح کے بیانات آرہے وہ عام لوگوں کو مایوسی طرف لے جارہے ہیں۔ اسلام آباد میں پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے دھرنوں نے ملک کی معیشت کو بحران سے دوچار کردیا ہے۔ سپریم کورٹ کے حکم پر وفاقی حکومت نے ایک جواب داخل کیا ہے جس میں دھرنوں کے حوالے سے ملک کو پہنچنے والے نقصان کی تفصیلات جمع کرائی ہیں۔ حکومتی جواب کے مطابق "پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے دھرنوں احتجاج اور سول نافرمانی کے اعلانات سے ریاست کو اب تک 547ارب روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔ زرمبادلہ کے ذخائر13.9 سے کم ہوکر 13.5ارب ڈالر رہ گئے۔ اسٹاک مارکیٹس میں مندی کے رجحان کے باعث 319ارب روپے کا نقصان ہوا۔جواب میں مزید بتایا گیا ہے کہ قانون کے نفاذ پر اب تک 357 ملین روپے خرچ ہو چکے ہیں اور 130 ملین روپے مزید مانگے گئے ہیں جبکہ سی ڈی اے کے تخمینہ کے مطابق اسلام آباد کی املاک کو اب تک پانچ ملین

روپے کا نقصان پہنچا ہے۔ پی ٹی وی پر حملے کے دوران بڑے پیانے پر آلات کو نقصان پہنچایا گیا جس کا تخمینہ لگایا جارہا ہے"۔ مظاہروں کے باعث اسلام آباد کے تاجروں کا بھی ارب روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔ روپے کے قدر میں کمی اور ڈالر کی قیمت میں 10 اضافے کی وجہ سے پاکستان کے ذمہ واجب ادا قرضوں میں 180 ارب روپے کا اضافہ ہو چکا ہے۔ مندی کے باعث چھوٹے کاروبار کرنے والے تاجر بھی ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں۔

عمران خان کی سول نافرمانی کی اپیل کو زندگی کے تمام شعبوں نے مسترد کر دیا ہے۔

تاجروں اور صنعتکاروں نے سول نافرمانی، ہُنڈی اور حوالہ کے ذریعے رقم کی ترسیل کو ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے عمران خان کے بیانات کو غیر سنجیدہ اور معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا ہے۔ فیڈریشن چیمبر آف کامرس کے صدر ذکریا عثمان اور سارک چیمبر آف کامرس کے افتخار علی ملک مارچ اور دھرنوں کو معیشت کے لیے خطرناک قرار دیتے ہیں۔ اقتصادی امور پر گہری نظر رکھنے والے تجزیہ کار اشرف خان کا کہنا ہے کہ دارالحکومت میں دیے گئے دھرنوں نے ملک کی معیشت پر نہایت منفی اثرات مرتب کیے ہیں: ''اس بحران کے بعد ملکی کرنسی کی قدر چار فیصد سے زیادہ گر چکی ہے،

زرمبادلہ کے ذخائر کم ہوئے اور پھر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے وفود نے پاکستان آنے سے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ماہر معاشیات آئی ایم ایف کی اگلی قسط کے حوالے سے فکر

مند ہیں۔" تجزیہ کار اشرف خان کا کہنا ہے کہ اس صورت حال میں جہاں سرمایہ کار یہاں آنے سے گریزاں ہیں وہیں تاجر سرمایہ منتقل کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ جو کہ ملکی معیشت کے لیے خطرے کی علامت ہے۔ ایک اور اقتصادی تجزیہ کار محمد سہیل کے مطابق حکومت پاکستان نے 500 ملین سے ایک بلین تک کے سکوک بانڈز جاری کیے تھے جو اب تاخیر کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ اگر آئی ایم ایف کے 500 ملین ڈالر کی قسط تاخیر کا شکار ہوئی تو مشکلات مزید بڑھ جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ اگر جمہوریت خطرات سے دو چار ہوئی تو پھر امریکا اقتصادی پابندی لگانے پر بھی غور کر سکتا ہے۔

دھرنوں کے درمیان ہی ورلڈ اکنامک فورم نے ایک رپورٹ جاری کی جس میں کہا گیا کہ پاکستان کی معیشت میں چار درجے بہتری آئی۔ اس طرح پاکستان اب 129 ویں پر آ گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق گزشتہ ایک سال میں پاکستان کی معیشت بہتری کی طرف گامزن ہے۔ لیکن اُسکے فورا بعد ہی بین الاقوامی کریڈٹ ریٹنگ ایجنسی موڈیز نے پاکستان میں جاری سیاسی بے یقینی کو پاکستانی معیشت کے لیے منفی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر یہ دھرنے اور سیاسی بے چینی مزید جاری رہے تو پاکستان کے آئی ایم ایف سمیت دیگر عالمی اداروں سے تعلقات مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔ موڈیز کے مطابق پاکستان میں موجودہ سیاسی ہلچل معیشت کے لیے منفی ہے اور یہ پاکستان کے آئی ایم ایف سے تعلقات کو مشکل میں ڈال سکتی ہے۔

معاشی تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ پاکستان کی تمام سیاسی قیادت کو چاہیے کہ جلد از جلد ملک کو سیاسی بحران سے نکالیں ورنہ پہلے سے تباہ حال معیشت دیوالیہ پن کا شکار بھی ہو سکتی ہے۔

سپریم کورٹ میں وفاقی حکومت نے دھرنوں کے حوالے سے جمع کرائے جواب میں مزید کہا کہ مظاہروں کے باعث بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا وقار مجروح ہوا ہے اور کئی بین الاقوامی رہنماؤں کے دورے منسوخ ہوئے۔ جواب میں کہا گیا ہے کہ سیکیورٹی فورسز اور مظاہرین کے درمیان تصادم کے نتیجے میں 717 افراد زخمی ہوئے جن میں سے پولیس اہلکاروں کی تعداد 202 ہے جب کہ 3 افراد ہلاک بھی ہوئے، قانون کی خلاف ورزی کرنے پر 13 مقدمات درج کئے جا چکے ہیں۔ مظاہروں کے دوران پی ٹی وی اور پولیس گاڑی سمیت 7 گاڑیوں کو نقصان پہنچا جب کہ وفاقی دارالحکومت میں 2 لاکھ بچوں کی تعلیم متاثر ہوئی۔ عدالت میں عمران خان اور طاہر القادری کی تقاریر کی سی ڈیز بھی پیش کی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ دونوں لیڈر پاکستان کو بند کرنے، حکومت کو گرانے، نظام حکومت کو جام کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ سپریم کورٹ میں اپنے جواب میں حکومت نے جو کچھ کہا ہے اسکو حکومتی موقف تو کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس موقف میں حکومت نے کہیں بھی حکومتی غلطیوں کا اظہار نہیں کیا، بہتر ہوتا اگر حکومت اپنے جواب میں وہ وجوہات بھی بیان کرتی جسکی وجہ سے دھرنے دیے جا رہے ہیں۔

اگر حکومت اپنے جواب میں عمران خان کے اُس مطالبے کا ذکر کر دیتی تو بہتر ہوتا جس میں عمران خان نے صرف چار حلقوں کو دوبارہ چیک کرنے کو کہا تھا۔ یہ بھی لازمی تھا کہ ماڈل ٹاون لاہور میں ہونے والے 14 افراد کی ہلاکت اور 80 سے زیادہ افراد کے زخمی ہونے کے ذکر کے ساتھ مقتولین کے ورثا کی جانب سے ایف آئی آر درج نہ کیے جانے کے حکومتی ہٹ دھرمی کا ذکر بھی حکومتی جواب میں موجود ہوتا۔ سیاسی تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ صورتحال مشکل ضرور ہے مگر جب لوگوں کو انصاف نہیں ملے گا تو پھر دھرنے اور احتجاج کرنا عوام کا فطری عمل ہے اگر حکومت پہلے ہی عمران خان اور طاہر القادری کے مطالبات پر غور کر لیتی تو آج یہ صورتحال نہیں ہوتی اور ملک دھرنوں کے معاشی اثرات سے محفوظ رہتا۔

موجودہ پاکستان جناح نے نہیں بنایا

ہم پاکستانی یوم آزادی 14 اگست کو، یوم دفاع 6 ستمبر کو اور قائد اعظم محمد علی جناح کا یوم وفات 11 ستمبر کو مناتے ہیں۔ یہ تینوں دن ہمارے قومی تاریخی دن ہیں۔ 14 اگست 2013ء تک ہم اس دن کو یوم آزادی کے طور پر مناتے رہے ہیں لیکن اس سال ہم نے اس دن کو یوم مارچ کے طور پر منایا ہے، 14 اگست کو لاہور سے آزادی یا تبدیلی مارچ اور انقلابی مارچ نکالے گے جو اسلام آباد پہنچ کر دھرنوں کی شکل اختیار کر گے، مارچوں کی وجہ سے پاکستان میں یوم آزادی نہیں منایا گیا، سرکاری طور پر بھی اس دن کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جو اُسکو ملتی رہی ہے۔ 6 ستمبر کو ہم یوم دفاع کے طور پر مناتے ہیں کیونکہ 6 ستمبر 1965ء کو بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تھا، سترہ روزہ جنگ میں ہم جیت گے تھے لیکن تاشقند جا کر ہم مذاکرات کی میز پر سب کچھ ہار گئے، اُسکے بعد سے ہم اس دن کو یوم دفاع کے طور پر مناتے ہیں، کافی عرصے تک 6 ستمبر کو سرکاری چھٹی بھی ہوا کرتی تھی مگر شاید کسی نے ارباب اختیار کو 16 دسمبر 1971ء کا آئینہ دکھایا تو 6 ستمبر کی چھٹی ختم کردی گی۔ گذشتہ سال تک اس دن کو یاد کر کے ملک کے دفاع کی قسمیں کھائی جاتی تھیں لیکن اس سال 6 ستمبر کی صبح نیوی ڈاکیارڈ کراچی پر دہشت گردوں نے حملہ کیا، دہشت گردوں کا اصل نشانہ حساس تنصیبات تھیں،

بدقسمتی سے دہشت گردوں نے نیوی کے دو اہلکاروں کے ساتھ مل کر میزائلوں سے لیس جنگی جہاز تک پہنچنے کی کوشش کی، یعنی گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ نیوی کے سکیورٹی سٹاف نے جوابی فائرنگ کی اور دو دہشت گردوں کو گرفتار بھی کیا ہے، واقعہ کے بعد نیوی کے اہلکاروں کی سکروٹنی شروع ہو گئی۔

گیارہ ستمبر 1948ء کو بانی پاکستان قائدا عظم محمد علی جناح اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی سرکاری طور پر تقریبات کی گیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ وہی پاکستان ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے بابائے قوم بانی پاکستان قائدا عظم محمد علی جناح نے رات دن انتھک محنت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کے پاکستان سے قائد اعظم محمد علی جناح کا کوئی لینا دینا نہیں۔ قائدا عظم کی خدمات اور صلاحیتوں پر کوئی شک نہیں پر یہ کہنا کے آج کا پاکستان اُن کا تصور تھا سو فیصد غلط ہے۔ سڑسٹھ سال پہلے لوگوں نے سوچا بھی نہ ہو گا کہ آج کا پاکستان کتنا مختلف ہوگا۔مثال کے طور پر قائدا عظم نے کراچی کو دارلخلافہ منتخب کیا تھا لیکن اُسے بغیر کسی عوامی رضا مندی کے اور بغیر کسی خاص وجہ کے خالص لسانی اور صوبائی تعصب کی بنیاد پر تبدیل کیا گیا۔اسی طرح جو پاکستان قائدا عظم لینے میں کامیاب ہوئے تھے اس میں سے آدھا1971ء میں چلا گیا، اس کی وجہ بھی لسانی اور معاشی جھگڑے تھے اور آزادی حاصل کرنے والا ملک بھی مسلمانوں کا ہی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں

کی پاکستان بناتے وقت صرف یہی سوچ تھی کے انگریزوں اور ہندوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ لیکن زمینی حقائق یہ تھے کہ پاکستان بنتے وقت صوبائی اور لسانی تفریق بہت واضح تھی جو بڑھتی گئی۔ دنیا بہت تیزی سے تبدیل ہو گئی ہے،آج کے پاکستان کو قائداعظم سے جوڑنا ایسے ہی ہے جیسے آج کے کراچی کو کل کے پارسیوں،انگریزوں اور چھوٹے سے صاف ستھرے شہر کراچی کے ساتھ جوڑنا یا پھر مغلوں کے شہر لاہور کو آج کے لاہور سے ملانا۔ آپ ایسے بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح سو سال پہلے کا برطانیہ آج والا نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح سڑسٹھ سال پہلے والا پاکستان آج والا نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ قائداعظم نے ملک دیا پر قوم نہیں دی، اور قوم بنانے کے لیے اُنکی زندگی نے وفا نہیں کی، آج کے پاکستان میں وطن اور ملک کی تشریح کیا ہے اور پاکستان جو ایک ملک ہے لیکن کیا یہ ایک قوم ہے کوئی بھی بتانے سے قاصر ہے۔ اگر پاکستانی قوم کی بنیاد مذہب یعنی اسلام ہے تو پوری دنیا میں بسنے والے مسلمان پاکستانی ہونگے اور پاکستان کے دروازے خصوصی طور پر ہندوستان اور بنگلادیش کے مسلمانوں کے لیے کھلے ہونے چاہیں کیوں کہ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بنا تھا۔ اگر ملک زبان کی بنیاد پر ہونا چاہیے تو ہمارا ملک کئی زبانوں میں بٹا ہوا ہے بلکہ ایک زبان بولنے والے لوگ دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں مثلاً پنجابی اور سندھی انڈیا اور پاکستان میں بٹے

ہوئے ہیں، بلوچ ایران، پاکستان اور اومان میں بٹے ہوئے ہیں، پختون افغانستان اور پاکستان میں بٹے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے لوگوں کو ایک زبان کی چھتری میں لینے کی اچھی کوشش کی گئی اور اردو کو قومی زبان کا درجہ دیا گیا جو یقینا ایک رابطے کی اور پاکستانی قومی زبان بنی پر اس پوری اور مخلصانہ کوششوں کے باوجود آج بھی پاکستان میں لسانی بنیادوں پر تفریق میں ایک فیصد بھی کمی نہیں ہوئی، سڑسٹھ سال بعد بھی سندھی آج بھی سندھی ہے، پنجابی بھی پنجابی ہی ہے اور اردو سپیکنگ وہی کہلاتا ہے جس کی زبان پاکستان بننے سے پہلے اردو ہی تھی۔

آج پاکستان کا نام دینا میں دہشت گردی اور کرپشن کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ سڑسٹھ سالوں کی سیاست میں اسلام کو بے دریغ طریقے سے استمال کیا گیا، مثلا 1970ء کے انتخابات میں کہا گیا کہ اسلام خطرئے میں اور 1977ء میں انتخابات میں ہوئی دھاندلی کی تحریک کو نظام مصطفیٰ تحریک میں بدل دیا گیا جسکے نتیجے میں گیارہ سال تک جنرل ضیاالحق اسلام کے نام پر حکمراں بنا بیٹھا رہا، آج پاکستان میں جسقدر دہشت گردی ہورہی ہے، اُسکا ذمیدار ضیا الحق ہے، اسی کے نتیجے میں ہم آج خودکش دھماکوں اور دہشتگردی کا شکار ہیں۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ سوات کے دہشت گرد مولویوں فضل اللہ اور صوفی محمد کے لائے ہوئے اسلامی نظام اور شریعت پر ساری مذہبی جماعتیں متفق ہوگیں تھیں۔

بہت زیادہ افسوس جب ہوا جب گذشتہ سال جماعت اسلامی کے سابق امیر منور حسن نے امریکی ڈرون حملے میں مارے گے ہزاروں انسانوں کے قاتل اور دہشت گرد طالبان کے سربراہ حکیم اللہ محسود کی موت پر اُسکو شہید کہااور مولانا فضل الرحمان نے تو امریکی ڈرون حملے میں مارے گے کتے کو بھی شہید کا درجہ دے ڈالا۔

دہشت گردی کے بعد پاکستان کو جو سب سے زیادہ نقصان ہو رہا ہے اُسکی وجہ کرپشن ہے۔ پاکستانی سیاستداں، سیاست کاروبار کے طور پر کرتے ہیں اور کروڑوں لگا کر اربوں کماتے ہیں۔یقیناً اس پاکستان کا قائدا عظم سے تعلق جوڑنا اُنکے ساتھ زیادتی ہوگی۔ صورتحال یہ ہے کہ ہمارے کرپٹ سیاستدان جو عوام کے بنیادی حقوق روٹی کپڑا اور مکان کے علاوہ غربت کا خاتمہ، لوڈ شیڈنگ، پانی اور صحت جیسے عوامی مسائل پر روتے رہتے ہیں عملی طور پر کرپشن اور لوٹ مار سے اثاثے بڑھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر ایسا کہا جائے کہ ہم بحثیت قوم کرپٹ ہو چکے ہیں تو غلط نہ ہوگا کیونکہ ہمارا ہر ادارہ اور لوگ کرپٹ ہو چکے ہیں۔ ریلوے، پی آئی اے، اسٹیل مل، واپڈا، پولیس، عدلیہ، پٹواری، تحصیل دار وغیرہ سب کے سب کرپٹ ہیں اور رشوت دیئے بغیر جائز کام بھی نہیں ہو سکتے۔ پاکستان میں ہر وہ شخص لوٹ مار کر رہا ہے جس کو موقع مل رہا ہے۔ جیلیں مجرموں کی پناہ گاہیں بن چکی ہیں، تھانوں میں پولیس اور عدالتوں میں انصاف بکتا ہے۔ ہم ایک دوسرے

کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں کھانے پینے کی اشیا کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور ناجائز منافع خوری کرتے ہیں۔ اگر پاکستان کا یہ ہی حال رہا تو یقینا یہ ہماری آئندہ نسلوں کی بربادی ہو گی۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی برسی کے موقعے پر ہمیں لازمی یہ سوچنا چاہیے کہ مستقبل کا پاکستان ہم کیسا بنائیں جس میں ہماری مذہبی، اخلاقی اقدار بھی ہوں اور انسانی اور سماجی حقوق بھی حاصل ہوں، جس کے لیے محمد علی جناح نے انتھک جہد وجہد کی تھی۔۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ "موجودہ پاکستان جناح نے نہیں بنایا"۔

نواز شریف حکومت کے خاتمے کا اعلان کریں

نواز شریف کے تیسری مرتبہ وزیراعظم بننے کے بعد عام پاکستانی عوام کو اُن کی حکومت سے بہتری کی امید تھی۔ عوام پانچ سال تک پیپلز پارٹی کی جمہوریت کے نام پر لوٹ مار اور بدترین گورننس میں پستے رہے، گیارہ مئی دو ہزار تیرہ کے انتخابات کے موقعہ پر نواز شریف اپنے جلسوں میں معاشی بدحالی، کرپشن، لوڈ شیڈنگ، طرزِ حکمرانی اور بے روزگاری پر پیپلز پارٹی کی قیادت پر شدید تنقید کیا کرتے تھے اور وعدہ کرتے تھے کہ اگر ہماری حکومت آ گئی تو لوڈ شیڈنگ ختم کر دینگے، کشکول توڑ دینگے، بین الاقوامی قرضے لینا بند کر دینگے۔ عمران خان کے انتخابی دھاندلیوں کے الزامات سے پہلے ایسا کہا جاتا تھا کہ لوگوں کو لگا شاید نواز شریف کچھ کریں گے، لہٰذا نواز شریف کو کامیاب کروا کر وزیراعظم بنوادیا، عوام نے نواز شریف کو اُنکے وعدوں پر منتخب کیا، نواز شریف اپنے وعدئے تو کیا پورے کرتے الٹا عوام کی مشکلات میں اضافہ کرتے چلے گے۔ نواز شریف کا خیال ہے کہ چونکہ اب اُنکی باری تھی اسلیے وہ وزیراعظم بنے ہیں۔ وہ ملکی مسائل کی طرف کم اور غیر ملکی دوروں کی طرف زیادہ راغب رہے، یہ ہی وجہ ہے کہ مختلف لوگوں نے اُنکو "پارٹ ٹائم وزیراعظم" کا خطاب دیا۔ ایک وزیراعظم سے اُسکے عوام یہ اُمید کرتے ہیں کہ مشکل حالات میں وہ اپنے لوگوں کے درمیان

موجود ہوگا لیکن نواز شریف ہر مشکل وقت میں اپنی قوم سے دور کسی غیر ملکی دورے پر ہوتے تھے، چاہیے وہ پشاور کے ایک چرچ میں ہونے والا دہشت گردی کا حملہ ہو، یا دہشت گردوں کے خلاف آپریشن۔ نواز شریف نے وعدہ کیا تھا کہ وہ پاکستان کو اقتصادی طور آگے بڑھانے کی کوشش کرینگے، لیکن ان کی ترقی کے بارے میں سوچ میٹرو بسوں اور موٹر ویز تک ہی محدود ہے۔ اُن کی نظر میں معیشت میں ترقی اسٹاک مارکیٹ میں تیزی، غیر ملکی زر مبادلہ اور روپے کی قیمت میں بہتری ہوجانا کافی ہے۔ اس سال گیارہ مئی سے پہلے تک عمران خان نواز شریف سے یہ مطالبہ کرتے رہے کہ انتخابات میں چونکہ دھاندلی ہوئی ہے لہذا صرف چار حلقوں میں دوبارہ چیکنگ کرادو، جواب میں حکومت کی طرف سے کہا جاتا تھا کہ یہ کام حکومت کا نہیں ہے الیکشن کمیشن کا ہے، اور آج وہی حکومت جب دھرنوں کی لپیٹ میں آئی ہوئی ہے تو چار نہیں تیس حلقوں کو دوبارہ چیک کرنے کو تیار ہے۔ انتخابات کے دن ہی پورے پاکستان سے یہ شور اٹھا تھا کہ انتخاب میں دھاندلی ہوئی ہے لیکن بہت چالاکی کے ساتھ پورے ملک کو چھوڑ کر صرف کراچی کو ٹارگیٹ کیا گیا تاکہ باقی ملک میں دھاندلی کا کاروبار چلتا رہے۔ میڈیا اس کام میں پیش پیش تھا جبکہ "جیو ٹی وی" یہ کام خاص طور پر کر رہا تھا، اس کام کے لیے حامد میر کو خاص طور پر کراچی بھیجا گیا تھا۔ ایسا نہیں کہ کراچی میں دھاندلی نہیں ہوئی ،

ضرور ہوئی لیکن باقی ملک میں بھی ہوئی، کیا وجہ ہے کہ عمران خان صرف پاکستان مسلم لیگ ن کی جیت کو چیلنج کر رہے ہیں، وہ پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے خلاف وہ الزامات کیوں نہیں لگا رہے جو پاکستان مسلم لیگ ن پر لگا رہے ہیں۔ اس کی سیدھی سیدھی وجہ یہ ہے کہ اقتدار میں آنے کے لیے نواز شریف نے سارا کھیل پنجاب میں کھیلا۔ آج جب گذشتہ ایک ماہ سے اسلام آباد دو دھرنوں سے گھرا ہوا ہے اور ملک سیلاب کی تباہ کاریوں کا شکار ہے، ملک کے وزیراعظم فرماتے ہیں کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں کہ پانی کہاں سے آگیا۔ ایک سوال یہ ہے کہ نواز شریف کی سابقہ دو حکومتوں اور موجودہ حکومت میں کیا فرق ہے تو جواب ملتا ہے دو سابقہ حکومتیں نواز شریف اور اُنکے رفقا کی بری کاکردگی کی وجہ سے ختم ہوئیں لیکن موجودہ تیسری حکومت ایک بدترین حکومت ہے، ماڈل ٹاؤن کا سانحہ اور پولیس کا تشدد طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا نواز شریف کی حکومت کا بڑا کارنامہ ہے۔

پندرہ ماہ میں نواز شریف کی حکومت نے نہ تو کشکول توڑا اور نہ ہی عوام کو کسی قسم کی سہولت دی بلکہ عوام کی مشکلات میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نون کے اقتدار میں آنے کا مقصد صرف اور صرف اپنے اثاثے بڑھانا ہوتا ہے، یہ علی بابا چالیس چور ہیں، انکو ملک سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ نواز حکومت میں اقتدار یا تو اُنکے خاندان میں بٹا ہوا

ہے یا صرف چند قریبی دوستوں میں، کوئی وزیر خارجہ نہیں، وزیر خزانہ جو وزیر اعظم کے سمدھی بھی ہیں ایک ناکام وزیر خزانہ ہیں، لیکن کشکول کا سائز بڑا کرنے میں ماہر ہیں۔ خارجہ پالیسی کا یہ حال ہے کہ گذشتہ تین ماہ سے اسلام آباد میں سعودی سفیر موجود نہیں ہے جبکہ ریاض میں کوئی پاکستانی سفیر موجود نہیں ہے۔ بھارت بغیر کسی اطلاع کے ہمارے دریاوں میں پانی چھوڑ دیتا ہے، ملک میں سیلاب آ جاتا ہے مگر کیا مجال کہ پاکستانی وزارت خارجہ نے بھارت سے کوئی شکوہ کیا ہو۔ ویسے تو پورے ملک میں اسٹریٹ کرائم، بھتہ خوری، اغواء برائے تاوان، دہشت گردی ہو رہی ہے لیکن کراچی کے حالات ان جرائم کی وجہ سے بہت خراب ہیں۔ نواز شریف نے کراچی میں ایک سال پہلے رینجرز اور پولیس کے زریعے ان جرائم کے خلاف آپریشن شروع کیا لیکن آج ایک سال بعد بھی کراچی کی وہی صورتحال ہے جو ایک سال پہلے تھی۔ کراچی کے صنعتکار، بزنس کیمونٹی اور عوام وزیر اعظم کی کراچی آمد پر ہر مرتبہ واضح طور پر مطالبہ کر چکے ہیں کہ کراچی کو فوج کے حوالے کر دیا جائے۔ مگر کراچی کی مخدوش صورتحال کے باوجود اُس کو آرٹیکل 245 کے تحت فوج کے حوالے نہیں کیا گیا۔ جبکہ اسلام آباد میں دھرنے شروع بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی کوئی دہشت گردی ہوئی تھی پھر بھی وہاں آرٹیکل 245 لاگو کر دیا گیاآخر اس کا کیا جواب ہے، کیا کراچی کے عوام لاوارث ہیں؟۔

بظاہر عمران خان اور طاہر القادری بند گلی میں بند ہو گئے ہیں اور اُنکے دھرنے ناکام ہو چکے ہیں لیکن حکومت بھی پوری طرح فلاپ ہو چکی ہے۔ نواز شریف اور اُنکی ٹیم کی نااہلیت کی وجہ سے ملک بدترین سیاسی انتشار کا شکار ہے، اور اس وجہ سے ملک کی معاشی صورتحال روز بروز خراب ہو رہی ہے۔ پاکستان کے عوام جو پہلے ہی پریشان تھے مزید پریشان ہو چکے ہیں، اُنکے لیے ضروریات زندگی کا حصول مشکل ہو گیا ہے، بجلی کا بل اُنکے اوپر بجلی بنکر گرتا ہے، امن و امان کی صورتحال مزید خراب ہو چکی ہے، اسٹریٹ کرائم، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان اور دہشت گردی نے لوگوں کو نفسیاتی مریض بنادیا ہے۔ لاہور میں ہر 40 منٹ میں ایک موٹر سائیکل، 80 منٹ بعد کار چوری ہونے لگی ہے۔ ایسے میں عوام کا طیش میں آنا اور نواز حکومت کے خلاف ہونا قدرتی بات ہے۔ گو نواز گو" کا نعرہ دھرنوں سے نکل کر سیلاب زدگان کی زبان پر بھی آ گیا ہے، نواز" شریف جس سیلاب زدہ علاقے میں گے اُنکو "گو نواز گو" کا نعرہ سننا پڑا۔ نواز شریف حکومت نہ صرف کمزور ہو چکی بلکہ اپنی ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے پہلے سے زیادہ بدنام بھی ہو چکی ہے۔ وزراء کی ساری اکڑ پارلیمنٹ میں تقریریوں کی حد تک رہ گئی ہے۔

پاکستان اپنی تاریخ کے مشکل ترین دور سے گزر رہا ہے۔ ملک میں سیاسی انتشار ختم ہونے کو نہیں آ رہا تو دوسری جانب افراطِ زر، خراب معاشی صورتحال، قدرتی آفات اور بُری گورننس کا سامنا ہے اور پریشان عوام کی اکثریت اس پریشانی میں مبتلا ہے کہ اُنکے مسائل کیسے حل ہونگے۔ ان تمام

مسائل کا ایک ہی حل ہے کہ نواز شریف اپنی حکومت کے خاتمے اور قومی اسمبلی کو تحلیل کرنے کے اعلان کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی علیدگی کا اعلان کریں، کیونکہ اب یہ بات تقریبا ثابت ہوچکی ہے کہ وہ سیاست پاکستان کے عوام کی خوشحالی کے لیے نہیں بلکہ اپنے خاندان کی خوشحالی کے لیے کرتے رہے ہیں۔

موجودہ استحصالی نظام کو بدلنا لازمی ہے

فیصلہ دھرنوں کے حق میں ہوتا ہے یا دھرنوں کے خلاف پارلیمنٹ میں بیٹھی سیاسی جماعتوں کے حق میں، عوام کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں کیونکہ جو سیاسی نظام اس ملک میں رائج ہے وہ عام لوگوں کے لیے نہیں ہے بلکہ خواص کے لیے ہے، عمران خان نے اسی نظام کے تحت انتخابات میں حصہ لیا تھا، تحریک انصاف کا دھرنا انتخابی دھاندلی کے لیے ہے، کیا عمران خان کا کوئی ایک مطالبہ بھی عوام کے مسائل سے تعلق رکھتا ہے، یقیناً نہیں، وہ تبدیلی کا نعرہ لگا رہے ہیں مگر سوال ہے کونسی تبدیلی، معاشی یا صرف انتخابی؟ پیپلز پارٹی کے رہنما ذوالفقار علی بھٹو نے بھی روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا تھا، چار مرتبہ پیپلز پارٹی اس ہی نعرہ کو لگا کر برسر اقتدار آئی اور اُسکے آخری دور میں کرپشن کے سارے ریکارڈ ٹوٹ گئے۔ پاکستان عوامی تحریک بھی دھرنا دیئے ہوئے ہے، ماڈل ٹاؤن کے افسوسناک واقعہ کے علاوہ، علامہ طاہر القادری کے پاس ایک دس نکاتی ایجنڈا ہے، بلاشبہ عوام یہ سب کچھ چاہتے ہیں، لیکن کیا پاکستان معاشی طور پر اتنی ترقی کر چکا ہے کہ اس پر عمل ہوسکے، علامہ طاہر القادری خود ایک ریسرچ اسکالر ہیں یقیناً وہ جانتے ہیں کہ مجمع میں کھڑے ہو کر کسی منصوبے کا ذکر کرنا بہت آسان ہوتا ہے، لیکن اُس پر عمل کرنا بہت مشکل۔ دوسری طرف اس وقت پاکستان کی پارلیمنٹ میں

ایک نکاتی ایجنڈے پر اتحاد کرنے والے کہتے ہیں کہ وہ "جمہوریت کی بقا کے لیے ایک ہوئے ہیں"، جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یہ جمہوریت یا عوام کی بہتری اور ترقی کے بجائے اپنی لوٹ کھسوٹ، ریاست اور وسعت طلبی کے لیے عوام کو اس لوٹ مار کے نظام کی زنجیروں میں جکڑے رکھنا چاہتے ہیں۔ موجودہ نظام نے صرف طاقتور طبقے کو تحفظ اور قوت دی ہوئی ہے، اور یہ طبقے اس استحصالی نظام کو بدلنے کی کوشش تو دور کی بات ہے یہ تک قبول کرنے کو تیار نہیں کہ یہ نظام عوام دشمن ہے۔ اگر تو زور اس نکتے پر ہے کہ کرپٹ نظام کو کیسے بچایا جائے تو پھر معاشرے میں انارکی پھیلے گی، اور اگر انارکی سے بچنا ہے تو اس رویے کو بدلنا ہوگا، افسوس کہ اگر یہ بات کی جائے تو اسے بھی یہی مخصوص طبقہ ٹی وی چینل پر آکر جمہوریت دشمنی قرار دے دیتا ہے، حالانکہ جمہوریت کے دشمن تو خود جمہوریت کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم معاشی اور سیاسی طور پر ترقی کیوں نہیں کرپارہے؟ جواب سیدھا سادھا ہے کہ ہمارا سیاسی نظام لوٹ کھسوٹ پر مبنی ہے، اس نظام میں سارا فاہدہ ملک کے ایک فیصد جاگیرداروں، امیروں، بڑے بڑے سرکاری ملازموں کو ہے۔ عام لوگوں کے لیے یہ ایک جابرانہ نظام ہے جس میں آبادی کی اکثریت بنیادی سہولتوں سے محروم ہے، ملک کی 65 فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذار رہی ہے، پینے کا صاف پانی یا تعلیم کا حصول ملک کی ایک کثیر

تعداد کو میسر نہیں ، عام آدمی کا واسطہ ایک ایسے بے رحم عدالتی و دفتری نظام سے پڑتا ہے، جو اُن کے ساتھ جانوروں سے زیادہ بدتر سلوک کرتا ہے۔ بھوک سے لڑتے ہوئے پاکستانی عوام ایک ایسے استحصالی اور شرمناک نظام میں زندہ رہنے پر مجبور ہیں، جہاں اُنہیں آئی ایم ایف، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ملک کے وسائل پر مسلط چند فیصد مافیا نے زندہ درگور کر رکھا ہے۔ نہ علاج کرانے کے لیے پیسے ہیں اور نہ پیٹ بھرنے کا کوئی مستقل سہارا۔ جو نظام پولیس ، پٹواریوں ، کرپٹ سرکاری ملازمین اور خوشامدیوں کے بل بوتے پر چلے، وہاں طاقتور ادارے اور افراد اپنے اختیارات سے تجاوز کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں، اُن سے فلاحی یا اجتماعی مفاد کی امید کیسے کی جا سکتی ہے۔جب صدر اور وزیر اعظم غریبوں کو انصاف فراہم کرنے کا عزم ظاہر کرتے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے موجودہ نظام سے عام آدمی کو کوئی فایدہ نہیں۔ نظام کی خرابیاں اپنی جگہ، لیکن ان خرابیوں میں سب سے اہم کردار اقربا پروری اور اہم عہدوں پر نا اہل افراد کی تقرریوں نے ادا کیا ہے۔انتظامی اور سیاسی عہدوں پر براجمان کرپٹ چھوٹے بڑے حکمران اینٹی کرپشن، ایف آئی اے، احتساب بیورو، پبلک اکاؤنٹس کمیٹی اور ایسے ہی اَن گنت اداروں کے باوجود دندناتے پھرتے ہیں اور قانون ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ نظام تبدیل کرنے کی خواہش اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی، جب تک یہ تمام ادارے اپنی ذمیداری ایمانداری سے ادا نہیں کرتے، عدالتیں جلد انصاف مہیا نہیں کرتیں اور مجرموں کو اُنکے جرم کے مطابق

پوری سزا نہ ملے۔ موجودہ استحصالی نظام کو بدلنا لازمی ہے، نظام میں تبدیلی اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک سیاسی اور انتظامی عہدوں پر باصلاحیت، اہل اور دیانت دار لوگوں کو آگے آنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔

سکاٹ لینڈ کا ریفرنڈم اور پاکستانی انتخابات

سکاٹ لینڈ کی ریاست 1707 تک ایک خود مختار ریاست تھی جسے بعد میں ذاتی پسند کی بناء پر انگلینڈ اور آئرلینڈ سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جیمز ششم آف سکاٹ لینڈ بیک وقت ان دو ریاستوں کا بادشاہ بھی تھا۔ 17 مئی 1707 کو سکاٹ لینڈ بھی اس الحاق میں شامل ہوگیا اور یہ سب ریاستیں مل کر ایک ملک بن گئیں۔ تاہم اس الحاق کے خلاف سکاٹ لینڈ میں عام مظاہرے ہوتے رہے تھے۔ آج بھی سکاٹ لینڈ کا عدالتی اور قانونی نظام اور جرم و سزا انگلینڈ اور ویلز اور شمالی آئرلینڈ سے الگ ہے۔

18 ستمبر کو سکاٹ لینڈ کے عوام سے ریفرنڈم میں پوچھا گیا تھا کہ "کیا سکاٹ لینڈ کو ایک آزاد ملک ہونا چاہیے؟" اور ریفرنڈم میں اکثریت نے اس کی مخالفت کی ہے، اکثریت نے اس سوال کے جواب میں "نہیں" کے حق میں ووٹ دیا۔ آزادی کے حامی فرسٹ منسٹر ایلکس سلمنڈ نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ "نہیں" کے حق میں اکثریت نے ووٹ دیئے ہیں اور ان کے بقول سکاٹ لینڈ کے عوام نتائج تسلیم کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ رائے شاری "جمہوری عمل کی کامیابی ثابت ہوئی"۔ جبکہ برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون یہ کہہ چکے ہیں کہ برطانیہ کا حصہ بنے رہنے پر سکاٹ لینڈ کے لیے بہت سی اقتصادی اصلاحات کی جائیں گی۔ لازمی بات ہے کہ اس ریفرنڈم کی تیاری کافی عرصہ سے کی جارہی ہونگیں، لیکن بغیر کسی چھٹی کے ریفرنڈم میں ڈالے گئے ووٹوں کی شرح نوے فیصد بھی زائد بتائی جارہی ہے، جبکہ اہل

ووٹروں کی تعداد 42 لاکھ سے زائد تھی۔ بی بی سی نیوز کے مطابق کل 32 کونسلز میں سے 26 نے "نہیں" کے حق میں ووٹ دیا ہے اور اس طرح اس کو 55 فیصد ووٹ حاصل ہوئے ہیں جبکہ "ہاں" کے حق میں 45 فیصد پڑے ہیں۔

سکاٹ لینڈ کی نیشنلسٹ پارٹی "ایس این پی" نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ ایس این پی کی رہنما نکولا اسٹرگین نے کہا کہ انہیں اس نتیجے کی امید نہیں تھی اور وہ بہت مایوس ہیں۔ اس ریفرنڈم کے لیے مہم چلانے والی جماعتوں میں ایس این پی پیش پیش تھی۔

ریفرنڈم کے شروع ہونے اور آخری رزلٹ آنے میں شاید ڈیڑھ دن سے بھی کم وقت لگا ہے۔ سکاٹ لینڈ کے عوام نے ڈیڑھ دن سے بھی کم وقت میں اپنی قسمت کا فیصلہ کرلیا اور ہر ایک نے قطع نظر اسکے کہ وہ بھی ایسا فیصلہ کرنے کے حق میں تھا یا نہیں ریفرنڈم کے نتائج کو تسلیم کرلیا، یہ کوئی ایسا ریفرنڈم نہیں تھا کہ جس میں ایک سیاسی پارٹی کو کسی مخصوص وقت کے لیے ملک کا اقتدار سونپا گیا ہو اور ذہن میں ہو کہ اگر اس پارٹی نے عوام کے لیے اچھا کام کیا تو ٹھیک ورنہ اگلی مرتبہ اسکی چھٹی۔ یہ زندگی بھر کا بلکہ آنے والی نسلوں کے مستقبل کو طے کرنے کا ریفرنڈم تھا کہ سکاٹ لینڈ کے عوام .برطانیہ کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا .برطانیہ سے علیحدہ ہو کر اپنے لیے ایک علیحدہ ریاست کا قیام چاہتے ہیں۔ ریفرنڈم ہوا اور پورے .برطانیہ کے عوام نے ریفرنڈم میں کیے جانے والے فیصلے کو تسلیم کرلیا اسلیے کہ اُنہیں زرہ .برابر بھی شبہ نہیں کہ اُن کے حق رائے دہی پر کوئی ردوبدل ہوا ہوگا۔

افسوس ایسا پاکستان میں قطعی نہیں ہوتا، پاکستان میں عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ انتخابات ایک ڈھونگ کے طور پر رچائے جاتے ہیں، اقتدار کی ہما کس کے سر پر بیٹھے گی اسکا فیصلہ عوام نہیں کرتے بلکہ کہیں اور ہوتا ہے۔ 2013ء کے انتخابات میں بھی بظاہر عوام نے ووٹ بھی ڈالے لیکن فیصلہ تو پہلے ہی کیا جاچکا تھا کہ نواز شریف کو تیسری مرتبہ وزیراعظم بنانا ہے، اور اس فیصلے پر عملدرآمد کرانے میں پاکستان کے سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اور اُنکے ساتھی پیش پیش تھے، آخر نواز شریف کا نمک بھی تو حلال کرنا تھا۔ پیپلزپارٹی ، اے این پی، اور جمیت علمائے اسلام ف کو بھی شاید پہلے ہی معلوم ہوچکا تھا، پیپلزپارٹی تو اپنی باری سے پورا پورا فاہدہ اٹھاچکی تھی اور زرداری ٹولے نے اس عرصے میں دل کھول کر کرپشن کی تھی لہذا اب باری نواز شریف کی تھی،اے این پی بھی پیپلزپارٹی کی شراکت دار تھی لہذا بہتی گنگا میں اُس نے بھی خوب ہاتھ دھوئے۔ جمیت علمائے اسلام ف کے سربراہ مولانا فضل الرحمان کا مسلئہ یہ ہے کہ وزارتوں اور اقتدار سے دوری مولانا کے شرعی نظریئے کے خلاف ہے، لہذا اقتدار میں زرداری ہوں یا نواز شریف مولانا فضل الرحمان کی وزارتیں پکی ہوتی ہیں، موجودہ نواز شریف حکومت میں بھی مولانا اپنے شرعی نظریئے کے مطابق وزارتیں حاصل کرچکے ہیں۔

آصف زرداری کی صدر کی حیثیت سے رخصتی نواز شریف نے بہت دھوم دھام سے کی تھی، نواز

شریف ایک غیر ملکی دورئے سے واپس آتے تو چند دن بعد ہی دوسرئے غیر ملکی دورئے پر چلے جاتے، پیپلز پارٹی سندھ میں اپنی حکومت بنا کر خوش و خرم وقت گذار رہی تھی، بلوچستان میں ڈاکٹر مالک نواز شریف کی مہربانی سے وزیراعلی بنکر بلوچستان میں راج کررہے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا سے پاکستان تحریک انصاف نے سب سے زیادہ سیٹیں حاصل کیں لیکن حکومت بنانے کے لیے عمران خان کو دوسری جماعتوں کی حمایت حاصل کرنی پڑی، جبکہ مولانا فضل الرحمان کی یہ پوری کوشش تھی کہ وہ، نواز شریف اور کچھ دوسرئے ملکر صوبہ خیبر پختونخوا میں حکومت بنالیں لیکن نواز شریف نے اس سلسلے میں کوئی کوشش نہیں کی اور صوبہ خیبر پختونخوا میں تحریک انصاف کی حکومت بننے دی۔ پنجاب میں مسلم لیگ ن کی حکومت بنی اور شہباز شریف اُسکے وزیراعلی۔ اب نواز شریف کا حکومت کرنے کا انداز پہلے سے بہت مختلف تھا۔ سینٹ اور قومی اسمبلی کی اُنکی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی ، آج جس پارلیمنٹ میں وہ روزانہ گھنٹوں گذار رہے ہیں، وہاں کے ارکان اور خاصکر سینٹ کے ارکان تومسلسل ایک سال تک یہ مطالبہ کرتے رہے کہ وہ سینٹ میں تشریف لایں۔ گذشتہ سال جون میں نواز شریف کے وزیراعظم کا عہدہ سنھبالنے کے بعد سے عمران خان نواز شریف سے مسلسل یہ مطالبہ کرتے رہے کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے لہذا وہ صرف چار حلقوں کوچیک کروایں، لیکن نواز شریف نے عمران خان کے اس مطالبے کو کوئی اہمیت نہیں دی، اور اپنی خاندانی حکومت بنانے میں مشغول رہے۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا، لیکن اس سال 14 اگست کے بعد عمران خان اور طاہر القادری نے اسلام آباد میں دھرنے ڈال کر پاکستانی سیاست میں ہلچل مچادی۔

گذشتہ پانچ ہفتے سے اسلام آباد میں دو دھرنوں نے ڈیرہ ڈالا ہوا ہے، اُنکے مطالبات اب چار حلقوں کو چیک کروانے یا انتخابی اصلاحات سے بہت آگے جاچکے ہیں، وہ اب نواز شریف کی اقتدار سے رخصتی کے ساتھ ساتھ قومی اسمبلی کے خاتمے اور دوبارہ انتخابات تک جاپہنچے ہیں۔اسلام آباد کے باسی پریشان ہیں، اُنکے بچوں کے اسکولوں کو پولیس نے آباد کیا ہوا ہے اور پارلیمینٹ میں بیٹھی جماعتیں اپنا وجود قائم رکھنے کے لیے نواز شریف کی حمایت کررہی ہیں، ویسے نواز شریف کو یاد رہے کہ پارلیمینٹ میں اُنکی حمایت کی گیں تقریریں نہ تو کوئی وعدئے ہیں اور نہ سیاسی معاہدئے جن پر کل قائم رہاجائے۔ طاہرالقادری اور عمران خان اپنے مقاصد میں کتنے کامیاب ہونگے یہ تو آنے والا وقت بتائے گا، لیکن جسطرح اُنھوں نے عام لوگوں کو اور خاصکر نوجوانوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے اور انہیں یہ احساس دلایا ہے کہ وہ پاکستان کے مسائل حل کرنے میں کلیدی کردار ادا کرسکتے ہیں۔ پاکستان میں 67 برسوں کے دوران جس طرح ظلم، جبر اور استحصال کے نظام کو فروغ دیا گیاہے، اُسکو ختم کرنے کے لیے اب یہ ناگزیر ہو چکا ہے کہ ایک نئے نظام کی بنیاد رکھی جائے جو استحصال سے پاک ہو۔ عمران خان اور علامہ طاہر القادری کے لیے یہ کہنا مناسب نہ ہوگا کہ اُن کا ایک مخصوص ایجنڈا ہےاور اُنکے پاس کوئی پروگرام یا کوئی منشور نہیں۔ پاکستانی پارلیمنٹ کا عام لوگوں سے کیا لینا دینا ہے، اس پارلیمنٹ میں عوام کے نمائندے موجود ہی نہیں تو عوام سے ہمدردی کس کو ہوگی، اس میں یا توجاگیردار ہیں یا پھر سرمایہ دار۔ بہتر ہوگا نواز شریف عوام کی لیعنی

جمہور کی آواز جلد از جلد سن لیں اور آج کے عوامی نعرے "گو نواز گو" پر دھیان دیں۔
آخر میں نواز شریف اور پاکستان کی موجودہ پارلیمینٹ سے جو اپنے مفادات کے لیے
نواز شریف کی حمایت کر رہے ہیں صرف ایک سوال۔ آخر کیا وجہ ہے کہ سکاٹ لینڈ کے
عوام کو اپنے ریفرنڈم کے نتائج پر زرہ.برابر بھی شک نہیں اور ہم پاکستانی عوام کو
پاکستانی انتخابات کے نتائج پر زرہ.برابر بھی اعتبار یا بھروسہ نہیں ؟۔

پیپلز پارٹی صوبہ سندھ کی ٹھیکدار کیوں؟

یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آج آصف علی زرداری کی پیپلز پارٹی صوبہ سندھ کی ٹھیکدار کیوں بنی ہوئی ہے۔ بلاشبہ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے ایک بہت بڑے اور عظیم تاریخی لیڈر تھے، اُنکی بیٹی بینظیر بھٹو بھی ایک عظیم لیڈر تھیں، لیکن 2007ء کے آخر میں بینظیر بھٹو کی ناگہانی موت کے بعد پیپلز پارٹی آصف علی زرداری کی ملکیت بن گئی۔ پیپلز پارٹی کی بنیاد 1967ء میں رکھی گئی تھی، تاریخی طور پر قیام پاکستان میں بھٹو خاندان کا دور دور کوئی کردار نظر نہیں آتا۔ سندھ سے قائداعظم محمد علی جناح نے سائیں جی ایم سید کو مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دی تھی جو انھوں نے کراچی میں عبداللہ ہارون کے گھر پر قبول کی۔ سندھ میں جہاں مسلم لیگ نے اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے جی ایم سید کا سہارا لیا وہاں اُس کو روشناس کرنے میں سائیں جی ایم سید نے جو کردار ادا کیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ 1941 ء میں سائیں جی ایم سید آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی کونسل کے ممبر بنے۔ 1943 ء میں اُن کو مسلم لیگ سندھ کا صدر منتخب کیا گیا۔ سندھ کو یہ شرف حاصل ہے کہ سائیں جی ایم سید کی سربراہی میں 3 مارچ 1943ء کو 1940 ء کی لاہور قرارداد کی روشنی میں سندھ اسمبلی سے برصغیر میں بسنے والے مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے طور پر قرارداد پاس کرائی گئی۔ یہ پہلی اسمبلی

تھی جس میں متحدہ ہندوستان میں قیام پاکستان کی قرارداد منظور کی گئی تھی اور جس کے نتیجے میں صرف 4 سال کے مختصر عرصے میں مسلمان اپنی علیحدہ ریاست بنانے میں کامیاب ہوئے۔ سائیں جی ایم سید مسلم لیگ میں جناح صاحب سے اختلاف کرنے والے پہلے اور شاید آخری مسلم لیگی لیڈر تھے۔ اگرچہ اُن کے جناح صاحب سے اختلافات اُن کے مسلم لیگ سندھ میں مبینہ طور پر سید گروپ کے ایک ممبر غلام حیدر شاہ کو انتخابات میں ٹکٹ نہ دینے پر ہوئے لیکن سائیں جی ایم سید اور اُن کے حامی اُسے "سندھ کے مفادات پر" اختلافات قرار دیتے رہتے تھے۔ سائیں جی ایم سید نے آل آنڈیا مسلم لیگ سندھ کے صدر کی حیثیت سے پاکستان بننے سے بھی کئی برس قبل انیس سو تیس کی دہائی میں بہار میں فسادات کے متاثرین مسلمانوں کو سندھ میں آ کر بسنے کی اپیل کی تھی جس پر ایک بڑی تعداد میں بہاری مسلمان سندھ میں آباد ہوئے جس میں مشہور بہاری مہاجر رہنما مولانا عبدالقدوس بہاری بھی شامل تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ہندوستان سے ایک کثیر تعداد نے پاکستان ہجرت کی، ہجرت کرنے والوں کو اُن پریشانیوں یا مصیبتوں کا بلکل خوف نہیں تھا جو ایسے وقت ہوتی ہیں، اُنکو ایک لگن تھی کہ اپنا ایک وطن ہوگا۔ پاکستان ہجرت کرنے والے پورے پاکستان میں آباد ہوئے، ایک بڑی اکثریت نے سندھ کا رخ کیا۔ 1973ء میں بھٹو صاب کا جہاں یہ بہت بڑا کارنامہ تھا کہ انھوں نے متفقہ آئین پاکستان

بنایا وہاں ایک سیاہ باب یہ بھی ہے کہ انہوں نے کوٹہ سسٹم کو آئین کا حصہ بنایا۔ یاد رہے کوٹہ سسٹم کی میعاد دس سال تھی مگر اُفسوس کہ آج بھی اُس پر عمل ہو رہا ہے۔ اس کوٹہ سسٹم کا اطلاق سندھ کے شہری علاقوں پر ہوتا ہے۔ 18 مارچ 1984ء کو الطاف حسین نے مہاجر قومی موومنٹ کے نام سے ایک سیاسی جماعت کا اعلان کیا جو اب متحدہ قومی موومنٹ کہلاتی ہے۔ ایم کیو ایم کے قیام کا یہ اعلان عین اس وقت ہوا جب فوجی آمر ضیا الحق کے اس فیصلے کو محض چھ دن ہی گزرے تھے، جس میں دیہاتی شہری کوٹہ سسٹم کو مزید 10 سال کے لیے بڑھا دیا گیا تھا۔ 1987-88ء میں ایم کیو ایم اور جئے سندھ میں سیاسی اتحاد زوروں پر تھا، سندھی مہاجر بھائی بھائی کے نعرے گونجتے تھے، آئے دن الطاف حسین کی تصویریں سائیں جی ایم سید کے ساتھ سے شائع ہوتیں تھیں۔ لیکن جب حیدرآباد میں ایم کیو ایم اور جئے سندھ نے مختلف چوراہوں پر تحریک پاکستان کے فعال سندھی و مہاجر رہنماؤں کی تصویریں آویزاں کرنے کا فیصلہ کیا، تو سازشی عناصر کو موقعہ ملا۔ ایک طرف لیاقت علی خان، چوہدری خلیق الزمان اور دوسری طرف عبدالمجید سندھی اور سائیں جی ایم سید کی تصویروں کی پینٹنگ کا اہتمام کیا گیا، لیکن سازشی عناصر نے ایک دن ایم کیو ایم کے کیمپ میں اور دوسرے دن جئے سندھ کے کیمپ میں تصویروں کو توڑا پھوڑا اور مخالفانہ نعرے لکھ دیئے، بغیر تحقیق کے حیدرآباد میں دونوں تنظیموں کے کارکن لڑ پڑے اور اس کشمکش میں اتحاد کا رشتہ ٹوٹ گیا جو پھر کبھی نہ جڑ پایا۔

روزنامہ سندھ ایکسپریس لکھتا ہے کہ "علامہ طاہر القادری سے لیکر الطاف حسین تک بعض حلقے ملک کے بہتر مستقبل کے نام پر مزید انتظامی یونٹ قائم کرنے کا خاکہ پیش کر رہے ہیں۔ ایم کیوایم کی جانب سے یہ مطالبہ پرانا ہے، جس پر سندھ میں ہر مرتبہ شدید ردعمل سامنے آتا رہا ہے۔اس ردعمل کو دیکھ کر وقتاً فوقتاً ایم کیوایم تردیدیں بھی جاری کرتی رہی ہے کہ وہ سندھ کی وحدت پر یقین رکھتی ہے۔ لیکن پھر اس مطالبے کو دہراتی بھی رہی ہے "۔ متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین نے اپنی سالگرہ کے موقعہ پر ایک مرتبہ پھر اپنے مطالبے کو دہرایا اور پورے ملک میں بیس انتظامی یونٹ قائم کرنے کا مطالبہ کیا، ابھی اُن کی تقریر جاری تھی کہ اُنکے جواب میں آصف زرداری کے صاحبزادے پیپلزپارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے متحدہ کے سربراہ کی تقریر کے جواب میں ٹوئیٹ کیا کہ "مرسوں مرسوں سندھ نہ ڈیسوں" یعنی سندھ کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الطاف حسین یا ایم کیوایم کا تو پتہ نہیں کہ کب اپنی سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے اس مطالبے سے علیدہ ہوجایں لیکن حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں شہری علاقوں کی آبادی پچاس فی صد سے زیادہ ہے اور سندھ کی شہری آبادی سے سندھ کے محصولات کا پچانوے فی صد سے زیادہ حصہ حاصل ہوتا ہے لیکن بدلے میں اُنکو جو اختیارات حاصل ہیں وہ پانچ فی صد سے بھی کم ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی 2008ء سے 2013ء تک مرکز اور صوبہ سندھ میں حکومت کرتی رہی،2013ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی صرف صوبہ سندھ تک کی حکمراں رہ گئی۔
گذشتہ ساڑھے چھ سال سے اس صوبے کا وزیر اعلی ایک ایسا شخص ہے جسکو صرف لوٹ مار سے غرض ہے، یہ ایک انتہائی نااہل شخص ہے جو گذشتہ ساڑھے چھ سال سے صوبہ کو برباد کر رہا ہے۔ سندھ کی پیپلز پارٹی کی 2008ء سے 2013ء کی قائم علی شاہ کی حکومت کو سپریم کورٹ نے نا اہل قرار دیا تھا، اگر مرکز میں پیپلز پارٹی کی حکومت نہ ہوتی تو شاید سندھ میں گورنر راج آجاتا۔ سندھ کے بڑے شہروں کے لئے کوئی بڑا ترقیاتی منصوبہ نہیں بنایا۔ امن و اماں کی صورتحال بدترین رہی۔ اسٹریٹ کرائم کے حوالے سے کراچی سر فہرست ہے۔ رشوت لے کر نوکریاں دینے کا رواج عام رہا۔ قائم علی شاہ کے ساڑھے چھ سالہ دور میں صرف کراچی میں دہشت گردی اور ٹارگیٹ کلنگ سے آٹھ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے۔۔ بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، سرکاری اور فوجی املاک پر حملے ، فرقہ وارانہ نفرت ، بے روزگاری اور مہنگائی کی ذمیدار پیپلز پارٹی کی حکومت ہے، سندھ کی ترقی کے لیے کچھ نہیں کیا، کراچی تو چھوڑیں اُنھوں نے تو لاڑکانہ، نواب شاہ یا خیرپور میں بھی عوامی بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا۔
یہ جو سندھ کے سپوت ہیں جو کسی کو بھی سندھ کی ترقی پر بات کرنے پر اُسکو

غدار کہنے میں دیر نہیں کرتے، یہ خود ہی بتادیں کہ انہوں نے سندھ کے لیے کیا کیا ہے، سندھ میں نئے انتظامی یونٹ قائم کرنے یا نئے صوبے کے سوال پر پیپلز پارٹی ہمیشہ ایسے ہی رد عمل کا مظاہرہ کرتی ہے۔ پیپلز پارٹی ایک عرصے سے سندھ پر حکومت کر رہی ہے کیا اس نے لاڑکانہ کی سڑکیں درست کر دیں، کیا نواب شاہ کی یا خیرپور کی ترقی کے لیے کچھ کیا، جواب صرف نہیں میں ملے گا، وجہ صرف یہ ہی ہے کہ ان کو عوام کی کوئی پرواہ نہیں اور انکے لیے صوبے کے معاملات کو چلانا مشکل ہوتا ہے، اسلیے اگر یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ نئے انتظامی یونٹ بنائے جایں تو اس میں ہی سب کا فاہدہ ہے۔ یہ پروپگنڈہ کرکے کہ ایم کیو ایم یہ مطالبہ کررہی ہے اسلیے نہ منظور، کوئی وجہ نہیں۔ میں آپ اور سب ایم کیو ایم کی مخالفت کریں لیکن یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ ایم کیو ایم ایک سیاسی طاقت ہے، اور جسکو بھی اپنے اقتدار کی ناؤ ڈوبتی نظر آتی ہے وہ ایم کیو ایم کے دربار میں حاضری دیئے رہا ہوتا ہے۔ صوبہ سندھ یا کراچی جیسے علاقوں میں ایک قوم آباد نہیں، یہاں بھارت کے مختلف علاقوں سے ہجرت کرنے والے اور اُنکی اولادیں آباد ہیں، یہاں پشتون بھی ہیں، بلوچی بھی ہیں اور پنجاب سے آکر یہاں آباد ہو جانے والے بھی ہیں۔ لہٰذا سندھ کو لسانی بنیاد پر تقسیم نہیں کیا جاسکتا مگر انتظامی بنیاد پر تقسیم کرکے بہتری لائی جاسکتی ہے۔ جنرل پرویز مشرف کے زمانے میں بلدیاتی ادارے کام کررہے تھے اور کراچی میں پہلے نعمت اللہ خان اور بعد مصطفیٰ کمال نے کراچی کے ناظم کی حیثیت سے کراچی

کو بدل کر رکھ دیا تھا، دونوں کا تعلق دو متحارب سیاسی جماعتوں سے تھا لیکن دونوں کو کام سیاسی نہیں بلکہ عوام کی بہبود کے لیے کرنا تھا جو کیا گیا۔ پاکستان میں رہنے والا ہر شخص پاکستان کی ترقی کا طلبگار ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب پورے پاکستان میں نئے انتظامی یونٹ بنائے جایں۔ پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم، سندھ کے قوم پرست لیڈر اور دوسری سیاسی جماعتوں جن میں جماعت اسلامی، تحریک انصاف اور پاکستان مسلم لیگ نون بھی شامل ہیں سر جوڑ کر اس مسلئہ کا حل نکالنا ہوگا۔ کیونکہ "مر سوں مر سوں سندھ نہ ڈیسوں" کی ٹویٹ کرنے سے یہ مسلئہ حل نہیں ہوگا اور آخر میں پھر وہی بات کہ " یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ پیپلز پارٹی صوبہ سندھ کی ٹھیکدار کیوں بنی ہوئی ہے؟"۔

پاکستانی میڈیا کی اصل شکل

پاکستان میں پرنٹ میڈیا کے عروج کے بعد اکیسویں صدی کے آغاز میں دنیا الیکٹرانک میڈیا کے دور میں داخل ہوئی اور الیکٹرانک میڈیا کی پرائیوٹائزیشن نے اپنے قدم جمائے تو پاکستان بھی گلوبل ویلج کا حصہ بن گیا۔ جنرل پرویز مشرف کے دور میں عوام تک رسائی اور دنیا بھر میں پاکستان کے پیغام کا اہم ذریعہ میڈیا کو سمجھا گیا۔ اس کے بعد صحافت کے شعبے میں تیزی سے ترقی ہوئی۔ نت نئے اخبارات نکلے اور خصوصا الیکٹرانک میڈیا نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی۔ پرائیوٹ ٹی وی چینلز کے آجانے سے عوام کا خیال تھا کہ یہ سرکاری چینل کے برعکس عوام کے مسائل کو اجاگر کرینگے اور اُنکے مسائل کو حل کرنے کا ایک زریعہ ہونگے، دوسرے معنوں میں عوام پرائیوٹ ٹی وی چینلز کو اپنا مسیحا سمجھ رہے تھے۔ بھولے عوام نے یہ خیال نہیں کیا کہ پرائیوٹ ٹی وی چینلز کھولنے والے سرمایہ دار ہیں اور وہ میڈیا کو ایک صنعت کے طور پر چلائینگے اور صنعتیں مسیحائی کا کام نہیں کرتی، اُنکا مقصد دولت کمانا ہوتا ہے۔

پاکستان کے بھولے عوام یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اخبارات اور نیوز چینلوں کا بنیادی کام عوام تک درست خبریں پہنچانا ہے، لیکن اخبارات اور نیوز چینل

اپنے کام میں بری طرح ڈنڈی مار رہے ہیں، یہاں تک کہ خبرناموں میں لوگوں کی پگڑیاں اچھالنا معمول کی بات ہے، اگر کوئی اعتراض کرے تو اُن کے پاس ایک ہی جواب ہوتا ہے، جی ہم نے آپ کا موقف بھی تو نشر کردیا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی؟ صرف موقف دینا تو کافی نہیں ہوتا، خبر کا سچ ہونا بھی ضروری ہے۔ آپ نے محض الزامات کی بنیاد پر ایک شخص کو بیچ چوراہے پر بے عزت کردیا اور کہتے ہیں موقف تو دیا تھا۔ اگر کوئی زیادہ شور کرے تو عدالت جانے کا مشورہ دے دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں ہتک عزت کے مقدمات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اس لیے ان ٹی وی چینلوں کا ڈسا شخص اپنی ذات پر لگا داغ نہیں دھوپاتا، ہاں اگر کوئی ان صحافیوں کے بارے میں سوشل میڈیا پر اسی طرح کی "خبر" جاری کردے تو انہیں صحافتی اصول یاد آجاتے ہیں۔ گویا خبروں کے نام پر ایک سرکس لگا ہوا ہے، یہی حال ٹاک شوز کا ہے، رات 8 بجے سے 10 بجے تک ہر ٹی وی چینل سیاسی مجرئے کی دکان کھول کر بیٹھ جاتا ہے۔ صحافت کے نام پر چلنے والے یہ سیاسی ٹاک شوز جن کا واحد مقصد ٹی وی پروگراموں کی ریٹنگ بڑھانا ہے، ریٹنگ بڑھانے کے لیے جھوٹ اور سچ کی تمیز مٹ گی ہے۔

حکومتی کنٹرول ہے نہیں بلکہ ریٹنگ کا وہ نظام ہے جس سے آمدنی میں اضافہ تو ہوتا ہے لیکن پروگرام پر منفی اثر پڑتا ہے۔ چند مخصوص شہروں میں قریبا 650 کے قریب ریٹنگ میٹرز نصب ہیں جو پورے ملک کی نمائندگی نہیں کرتے۔ جبکہ میٹرز

کی کل تعداد میں سے بھی زیادہ تر کراچی میں نصب ہیں جبکہ چند ایک لاہور، فیصل آباد، ملتان، گوجرانوالہ، راولپنڈی اور حیدرآباد میں لگائے گئے ہیں۔ اب شاید زیادہ ہوں لیکن پہلے پشاور اور کوئٹہ جیسے اہم شہروں میں دس میٹر بھی نصب نہیں تھے۔ اس تناسب کو مد نظر رکھتے ہوئے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح مخصوص شہروں کو زیادہ توجہ اور اکثر کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ گویا میڈیا کا معیار خبر کی اہمیت اور مواد نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ ریٹنگ کا حصول ہے تاکہ صف اول کے چینلز میں شمار ہوتے ہوئے مہنگے اور زیادہ اشتہار بٹورے جا سکیں، مطلب زیادہ اشتہار زیادہ پیسہ۔
پاکستان میں میڈیا کے کام پر نظر رکھنے کے لئے ایک حکومتی ادارہ بھی موجود ہے جسے پیمرا کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ جس کا کام میڈیا پر ہر طرح سے نظر رکھنا ہوتا ہے تاکہ کوئی ایسی بات عوام میں نہ پھیلے جس سے کسی قسم کا کوئی نقصان ہو۔ مگر پیمرا اس کام کو ٹھیک سے انجام نہیں دے رہا۔ پاکستانی میڈیا ہر کام اپنے مفاد کی خاطر کرتا ہے۔ یہ ہر اس کلچر کو فروغ دیتا ہے جس میں زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ اس کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ چینلز جس قدر منافع رمضان میں مذہب کی تجارت سے کماتے ہیں وہ سال کے دیگر مہینوں میں نہیں کما سکتے۔ میڈیا پر یہ الزام بھی عائد ہوتا ہے کہ یہ فحاشی پھیلا رہا ہے اور آزادی کی آڑ میں مغربی و ہندو کلچر کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ پاکستانی

میڈیا کی جانب نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح غیر ملکی چینلز کی بلا رکاوٹ ہمارے ملک میں 24 گھنٹے چلنے والی نشریات معلومات سے زیادہ فحاشی کا سیلاب نوجوان نسل میں پھیلا رہی ہیں اور نئی نسل کے ذہنوں کو متاثر کر رہی ہیں۔

تاحال یہ سمجھ نہیں آ سکا ہے کہ پاکستانی میڈیا ہے کیا؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ مسیحا ہے یا پھر ایک کاروبار؟ عوام کو باشعور کر رہا ہے یا بیوقوف بنا رہا ہے؟ کیا یہ یہود و ہنود کی سازش ہے یا اپنی ہی آستین کا سانپ؟ اخبارات اور نیوز چینلوں کا بنیادی کام عوام تک درست خبریں پہنچانا ہے، لیکن پاکستان میں اسکے بلکل برعکس ہو رہا ہے، اُنکے ہی ایک صحافی بھائی پاکستانی میڈیا کی اصل شکل دکھاتے ہوئے کہتے ہیں:۔

کیسے اصول کیسی صحافت خوشامد کا سب گورکھ دھندا ہے
یہاں نر کا مطلب مادہ ہے یہاں سچ لکھنے والا ہی گندہ ہے
جو چاہے ان سے لکھوالو، دام مقرر ہیں اکثر اہل قلم کے
پگڑی اچھالنے کا کام بہت مہنگا ہے باقی سب کام مندا ہے
اکثر صحافی ٹیڑھے چلتے ہیں غرور میں ٹُن پھرتے ہیں
چھیل دیتے ہیں ہر ناقد کو، قلم ہے کیا جیسے کوئی رندہ ہے
غلامی دوڑتی ہے انکی رگ رگ میں کاہے کہ آزاد ہیں یہ

اللہ کے بندے ڈھونڈتے ہو؟ یہاں ہر کوئی کسی کا بندہ ہے
جھک جھک کریوں ملتے ہیں خائن قاتل چور لٹیروں سے
جیسے قوم کے وہ محسن ہیں، معاشرہ انہی سے زندہ ہے
عارف تربیتِ قوم کرینگے کیا، ہوگی تعمیر وطن کیونکر
مہمان خصوصی اسے بناتے ہیں جو دیتا بھاری چندا ہے

ارض پاکستان کی گندی سیاست

دوستوں یہ ارض پاکستان ہے ! انشا جی تو اس سوال کے جواب میں کہ "پاکستان کیوں بنایا تھا؟" لکھ گئے غلطی ہو گئی آئندہ نہیں بنایں گے. آیئے آج آپکو پاکستانی سیاست کی سیر کرائی جائے۔اب کوئی دوسرا پاکستان بنے یا نہ بنے ہم تو اسی پاکستان میں رہ رہے ہیں جہاں کوئی پاکستانی یا مسلمان نہیں رہتا، البتہ یہاں رہنے والے پنجابی، بلوچی، پٹھان، سرائیکی، سندھی، مہاجر وغیرہ وغیرہ جو مسلمان تو نہیں سنی، وہابی، شعیہ، دیوبندی ،بریلوی وغیرہ یا غیر مسلم ہیں ۔ اس ارض پاکستان میں سیاست ایک ایسی دنیا ہے جہاں لوگوں کی پگڑی اچھالنا ایک عام بات ہے۔اس میدان کے لوگ بڑے بے رحم ،بڑے بے لحاظ اور منہ پھٹ ہیں، اس میدان میں وہ وہ اوچھے وار کیے جاتے ہیں کہ شاید جس کا تصور بھی نہ ہو، یہاں نہ عورت کا لحاظ ہے ، نہ کسی کے مرتبے کا۔ یہاں جس کا جو دل چاہے وہ کہہ دیتا ہے۔سیاست میں یہاں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف 1964ء میں جب وہ ایوب خان کے خلاف صدارتی الیکشن میں حصہ لے رہی تھی وہ گندی زبان استمال ہوئی جو نا قابل بیان ہے، محترمہ رانا لیاقت علی خان کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں جماعت اسلامی نے ہندنی کا خطاب دیا۔ 1970ء کے الیکشن کے دوران بھٹو کو جماعت اسلامی کے حامی علما نے کافر قرار دیا، جواب میں بھٹو کے حامی علما نے مولانا مودودی

کو کافر قرار دے دیا۔ مولانا کوثر نیازی کو مولانا وھسکی بھی کہا جاتا رہا ہے۔ بھٹو نے اصغر خان اور نور خان کو آلو کا خطاب دیا اور میاں ممتاز دولتانہ کو چوہا کہا، جبکہ چوہدری ظہور الہی کو بھینس چور اور فٹ کانسٹیبل کے خطاب ملے۔ 1970ء کے الیکشن کے نتایج کے دوسرے دن پیپلز پارٹی کے اخبار مساوات نے اپنے صفحہ اول پر مودودی ٹھاہ، نصراللہ ٹھاہ، دولتانہ ٹھاہ کے نعروں کے ساتھ مولانہ مودودی کے چہرے کو ایک رقاصہ کے دھڑ کے ساتھ جوڑ کر اپنی جیت کا اعلان کیا۔ چار اپریل 1979ء کو بھٹو کو پھانسی ہوئی، جماعت اسلامی کے اخبار جسارت نے اپنے ضمیمے کی ہیڈنگ لگائی " بھٹو بغیر وضو اور نماز کے پھانسی چڑھ گیا"۔ پاکستان کے چار ملٹری جنرلوں ایوب خان، یحیٰی خان، ضیاالحق اور مشرف کو کتے کے خطاب ملے جبکہ ان میں ایک کو شرابی اور زانی بھی کہا گیا۔

نواز شریف کو قاضی حسین احمد نے لوہا چور کا خطاب دیا، جبکہ جدہ جانے کے بعد وہ بھگوڑے بھی کہلائے، بعد میں " علی بابا چالیس چور" کا خطاب بھی اُنکو ملا۔ بے نظیر کے بارے میں بے ہودہ الفاظ عام طور پر استمال کیے گے، پیپلز پارٹی کے دور میں زرداری کو ان گنت ناموں سے نوازہ جاتا تھا، مسٹر ٹین پرسینٹ اور کرپٹ صدر تو عام بات ہے، آج بھی وہ ایک کرپٹ سیاست داں کہلاتے ہیں۔ سابقہ قومی اسمبلی میں عورتوں کے بارے میں وہ نازیبا الفاظ استمال ہوئے جو اشاعت کے قابل نہیں۔ پیپلز پارٹی کے دور میں مریم نواز کے بارے میں

بھی بیہودہ الفاظ کا استمال کیا گیا جبکہ اُس وقت کی پاکستانی وزیر خارجہ اور بلاول کے تعلقات کے بارے میں بیہودہ پروپگنڈا کیا گیا۔ سابق وزیراعظم راجہ پرویز اشرف کو بجلی چور کا خطاب ملا ہے۔ الطاف حسین کے ان گنت نام ہیں جس میں دہشت گرد زیادہ استمال ہوتا ہے، ویسے آجکل اُنکے مخالفین اُنکو طافو کہتے ہیں۔ کچھ سال قبل جب عمران خان نے الطاف حسین کے خلاف برطانیہ میں کیس دائر کرنے کا اعلان کیا تو ایم کیو ایم نے عمران خان کے خلاف ایک امریکی عورت سیتا وائٹ سے ناجائز تعلق کا الزام لگایا اور عمران خان کے بارے میں کراچی میں وہ بیہودہ وال چاکنگ کروائی کہ خود ایم کیو ایم کے ہمدرد بھی پڑھتے ہوئے شرماتے تھے۔

گذشتہ سال ڈاکٹر قدیر خان جب سیاست میں آئے اور ابھی پوری طرح سیاست میں داخل بھی نہ ہوپائے تھے کہ سیاست دانوں کے حملے اُن پر شروع ہوگئے، پیپلزپارٹی، نواز لیگ اور تحریک انصاف نے ڈاکٹر صاحب پر چاروں طرف سے حملے شروع کردیے۔ اُنکے خلاف تنخواہ والے لکھاریوں نے اپنا کام شروع کردیا تھا، اُنکے کے بارے میں ایک تنخواہ دار لکھاری نے کچھ یوں لکھا کہ " پاکستان میں گندی سیاست میں مہارت رکھنے والوں میں ایک سے بڑھ کر ایک مداری شامل ہے۔ وہی بازیگر ڈاکٹر صاحب کو اپنے مفادات کی تکمیل کے لیئے بطور " بچہ جمہورا " استعمال کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اور منظر نامہ کچھ ایسا دکھائی دیتا ہے

کہ ڈاکٹر صاحب ان مداریوں کے ہاتھوں میں کھیلتے اپنی شہرت و عظمت کو داؤ پر لگا دیں گے "۔ ایک اور تنخواہ دار لکھاری نے لکھا "ڈاکٹر قدیر خان جس زمانے میں کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز کے سربراہ تھے، وہ اس وقت بھی پیشہ ور سائنس دانوں سے مختلف تھے ۔روزاول سے شخصیت کو نمایاں کرنا اور خبروں میں رہنا ڈاکٹر صاحب کی کمزوری ہے۔اپنے کارناموں کی تشہیر کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے "۔

دوستوں یہ ارض پاکستان ہے ! بدقسمتی سے منافقت کا یہ حال ہے کہ ہزاروں انسانوں کا قاتل اور طالبان دہشت گردوں کا سردار جب امریکی ڈرون حملہ میں مرتا ہے تو جماعت اسلامی کے سابق امیر منور حسن اُسے شہید قرار دیتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کو ملا ڈیزل اور مفاد پرست سیاست داں کہا جاتا ہے، مولانا فضل الرحمان امریکی ڈرون حملے میں مرئے ہوئے کتے کو شہید کہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے، یہ بات اور ہے کہ اُسی امریکہ کے سفیر کے پاس سیاسی مفادات کے لیے حاضری دی جاتی ہے۔ اس ارض پاکستان کی سیاست میں رات کو دن، اندھیرے کو اجالا، آئین کو غیر اسلامی، مسلمان کو کافر ٹھہرانا سب سے آسان ہے۔ مولانا فضل الرحمان کے عقیدت مند سے اُن سے جتنی بھی اندھی عقیدت رکھیں کسی کو شکایت نہیں ہونی چاہیے، البتہ شکایت اس وقت ضرور پیدا ہوتی ہے جب دینی لبادے میں یہ سیاسی شخصیت اپنے شخصی مفاد کے مدنظر ایسے الفاظ و

تراکیب کا استعمال کرے جس سے کسی کا عقیدے یا عقیدت پر حرف آئے۔ مولانا فضل الرحمن نے عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری کے دھرنوں کے حوالے سے اپنے بیان میں جس طرح شام غریباں کے الفاظ کو استعمال کیا ہے، اس سے کروڑوں فرزندان توحید کے جذبات مجروع ہوئے ہیں۔ نواز شریف کے سیاسی حلیف محمود خان اچکزئی کے والد خان عبدالصمد اچکزئی نے 1973ء کے آئین کو تسلیم نہیں کیا تھا اور اپنی پوری زندگی خان عبدالصمد اچکزئی یہ درس دیتے رہے کہ پختون قوم کی آزادی کے لئے آزاد پختونستان کا قیام ضروری ہے۔ آج محمود خان اچکزئی جو غریبوں اور مظلوموں کے ہمدرد بنتے ہیں اور اپنے آپ کو ایک اصول پسند سیاستدان کہتے ہیں، افسوس یہ دھرنے میں آئے ہوئے اُن غریب لوگوں کو خانہ بدوش کہہ رہے تھے جن کے ووٹوں کی بھیک سے یہ پارلیمینٹ میں پہنچے ہیں۔

عمران خان کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ ایک بد تمیز سیاست داں ہیں، الیکشن سے پہلے نواز شریف نے باقاعدہ اس بات پر احتجاج کیا تھا کہ وہ عام طور پر جلسوں میں بلا اٹھا کر مجھے مارنے کی بات کرتے ہیں۔ اسلام آباد کے دھرنوں میں خطاب کے دوران وہ آئی جی اور دوسرے افسران کو دھمکیاں دیتے رہے ہیں اور شدت سے نواز شریف سے استعفی کا مطالبہ کرتے ہیں، وہ کسی افسر کو دھمکی دئے رہے ہوں یا نواز شریف سے استعفی مانگ رہے ہوں تو "اوئے" کا استمال بہت زیادہ کرتے ہیں، مثلا وہ کہتے ہیں "اوئے نواز شریف میں تیرا استعفی لیے

بغیر واپس نہیں جاونگا"۔ اب اگر اس جملے پر غور کریں تو لازمی یہ بد تمیزی کے زمرے میں آتا ہے، لیکن جیسے ابھی تک عمران خان سیاست میں کرکٹ کے داو پیچ استمال کرتے ہیں بلکل اُسی طرح وہ سیاست میں ابھی تک کرکٹ گراونڈ کی زبان استمال کر رہے ہیں، آپ ذرا سوچیں جب آپ کرکٹ کھیلتے تھے تو کیا آپ نہیں کہتے تھے "اوئے گیند پھینک"۔ عمران خان ویسے تو "طالبان خان" کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں لیکن آجکل اُنکو عام طور پر "یوٹرن خان" کہا جاتا ہے۔ علامہ طاہرالقادری چونکہ زیادہ تر مذہب پر بات کرتے ہیں، اور اکثر یزید کا تذکرہ برے انداز میں کرتے ہیں، لہٰذا آجکل وہ اپنے مخالفین کو عام طور پر "یزید" کا خطاب دیتے ہیں۔ علامہ اپنے آپ کو شیخ اسلام کہلانا پسند کرتے ہیں لیکن اُنکے مخالفین اُنہیں "علامہ پادری "کے علاوہ" ملا کنیڈین" کے نام سے بھی مخاطب کرتے ہیں۔ سندھ اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے سندھ کے وزیر اطلات شرجیل میمن عمران خان کو مشورہ دئے رہے تھے کہ وہ دوسروں کے بارے میں تمیز سے بات کیا کریں، اُنکو لازمی یاد ہوگا کہ عمران خان نے حال ہی میں کراچی میں جو تقریر کی تھی اُسکے جواب میں اُنکے مالک پاکستان پیپلزپارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے اپنی ٹویٹ میں عمران خان پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم اسٹیبلشمنٹ کے ٹیسٹ ٹیوب سیاست دان برداشت نہیں کر سکتے۔ایک ٹیسٹ ٹیوب بھٹو (بلاول بھٹو زرداری) سے یقینا اس قسم کے ہی بیان کی امید کی جاسکتی ہے۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا، اب کہا

جاتا ہے کہ سیاست کے دل میں نہ ہی وفا رہی ہے اور نہ ہی آنکھ میں شرم۔ تو دوستوں یہ ہے "ارض پاکستان کی گندی سیاست"۔

طویل دھرنوں کا عالمی ریکارڈ۔ لیکن ؟

یقینا پاکستان میں یہ خبر خوشی کا باعث ہے کہ پاکستان کی خواتین کرکٹ ٹیم نے بنگلا دیش کی خواتین کرکٹ ٹیم کو ہرا کر ایشین گیمز میں پہلا گولڈ میڈل حاصل کرلیا۔ عمران خان بھی یقینا اس خبر کو سنکر خوش ہوئے ہونگے۔ پاکستان کی خواتین کرکٹ ٹیم کو اس کارنامے پر جتنی بھی مبارکباد دی جائے کم ہے، اور ٹھیک اُسی دن فاتح ورلڈ کپ 1992ء کے کپتان عمران خان اور علامہ طاہر القادری نے بھی پاکستان کے لیے طویل دھرنوں کا ایک عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ دھرنوں کے دوران "گو نواز گو" کے نعرئے پورئے ملک میں گذشتہ چالیس دن سے گونج رہے تھے اور یہ نعرہ سنتے سنتے ہی نواز شریف امریکہ کے سفر پر روانہ ہوگے، لیکن اس نعرئے نے اُنکا لندن اور نیویارک میں بھی پیچھا نہیں چھوڑا ہے اور یہاں وطن عزیز میں عمران خان اور طاہر القادری بھی گو نواز گو کی تسبیع پڑھنے میں مشغول ہیں اور نواز شریف کے استعفی کی مانگ پر قائم ہیں۔ ابھی تک نہ تو "گو نواز گو" کے نعرئے اور نہ ہی دھرنوں کا کوئی نتیجہ نکلا ہے، نواز شریف اور اُنکی کابینہ ویسے ہی کام کررہی ہے جیسے پہلے کام کررہی تھی۔ پارلیمینٹ بھی موجود ہے، بظاہر ایسا لگ رہا ہے کہ دونوں کزن کے دھرنے ناکام ہوگے ہیں۔
دھرنوں کا تجزیہ کرنے والے اُسکے مثبت اور منفی پہلوں کو اجاگر کررہے ہیں۔ تحریک انصاف کے چیئرمین

عمران خان نے لاہور میں روانگی سے قبل کہا تھا کہ ہم فیصلہ کن جنگ لڑنے جا رہے ہیں، حکومت کا مینڈیٹ جعلی ہے، 14 اگست کو جلسہ کرکے واپس نہیں آئیں گے، ٹو ٹی . نہیں ٹیسٹ سیریز کھیلنے جا رہے ہیں جب تک سسٹم ٹھیک نہیں ہو گا جد و جہد ترک 20 نہیں کریں گے۔ عمران خان نے کہا تھا کہ اسمبلی ایسے لوگوں سے بھری ہے جو نظام بدلنا نہیں چاہتے، اب سسٹم ایسے نہیں بلکہ سڑکوں پر نکلنے سے ٹھیک ہو گا۔ 14 ماہ ہو گئے ہمیں انصاف کی تلاش میں پھرتے ہوئے انصاف کس طرح ملتا ہے ہمیں بتایا جائے ۔انہوں نے کہا دو نمبر لوگوں سے نجات کے لیے سڑکوں پر آنا ہو گا۔ عمران خان اور علامہ طاہر القادری اور اُنکی جماعتوں کو سڑکوں پر آئے ہوئے اور دھرنے دیتے ہوئے بھی چھ ہفتے گزر چکے ہیں۔

لاہور سے آزادی مارچ اور انقلاب مارچ کی روانگی کے وقت عام طور پر یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ اسلام آباد میں دیئے جانے والے دھرنے اگلے چار پانچ روز میں ختم ہوجاینگے کیونکہ سب کے سامنے 2013ء میں علامہ طاہر القادری کے اسلام آباد دھرنے کی تاریخ تھی جو بغیر کسی تاخیر یا جانی یا مالی نقصان کے ختم ہوگیا تھا، یہ بات اور ہے کہ اس دھرنے کا نہ تو پاکستانی سیاست پر کوئی اثر پڑا اور نہ ہی پاکستانی عوام کو کچھ بدلاؤ ملا۔ لیکن 2014ء کے دھرنے مکمل طور پر مختلف ثابت ہوئے، ان دھرنوں میں عمران خان اور طاہر القادری نے اپنے اپنے کردار پہلے ہی طے کرلیے تھے۔ اس پورے پروگرام کو طے کرانے میں شیخ

رشید، چوہدری شجاعت اور چوہدری پرویز الٰہی نے مرکزی کردار ادا کیا۔ لندن ملاقات جہاں علامہ طاہر القادری اور عمران خان ملے اُسکو ایک خفیہ سیاسی ملاقات کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا، اس بنیاد پر دونوں رہنماؤں کو غدار کہنا یا ملک دشمنی کا الزام لگانا دراصل اُن لوگوں کی سیاسی کمزوری ہے جو نہ صرف کرپٹ اور مفاد پرست ہیں بلکہ بہت سے جعلی مینڈیٹ سے اسمبلیوں میں پہنچے ہوئے ہیں۔ آزادی مارچ اور انقلاب مارچ کو چھ ہفتے گزر چکے ہیں، اس درمیان میں شاہ محمود قریشی نے تحریک انصاف کے ممبران قومی اسمبلی کے استعفے اسمبلی میں جمع کرادیے، کچھ ارکان اسمبلی اس موقعہ پر پارٹی سے بغاوت کرگے اور انھوں نے استعفی نہیں دیے۔ تحریک انصاف کے سابق صدر جاوید ہاشمی نے پارٹی پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے استعفی کا اعلان کیا اور وہ نہ صرف قومی اسمبلی بلکہ تحریک انصاف سے بھی فارغ ہوگے۔ حکومت نے پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے ساتھ کافی مرتبہ مذاکرات کیے جو ابھی تک بے نتیجہ ثابت ہوئے۔ عمران خان کے بارے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ وہ شخصیت پرکھنے میں اناڑی ہیں ایک مرتبہ پھر صیح ثابت ہوئی جب جاوید ہاشمی نے اُنکو دغا دی۔

پارلیمینٹ میں موجود تمام سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے مفادات بچانے کے لیے نواز شریف کی حکومت کا دھرنا دینے والوں کے مطالبات کے خلاف بھرپور ساتھ

دیا جس کی وجہ سے بظاہر حکومت سنبھل گئی لیکن حکومت کی صورتحال یہ ہے کہ اب سرکاری تقریبات میں بھی "گو نواز گو" کے نعرے لگ رہے ہیں۔ "گو نواز گو" کے نعرے لگنے کے باوجود شریف برادران استعفیٰ دینے سے انکاری ہیں۔ جبکہ دھرنے والے دھرنا ختم کرنے پر آمادہ نہیں۔ دھرنوں کا دباؤ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا تھا کہ تحریک انصاف نے اچانک کراچی میں جلسے کا اعلان کر دیا۔ اتفاق سے اُس سے ایک یا دو دن پہلے ہی ایم کیوایم کے سربراہ الطاف حسین کا ملک میں انتظامی یونٹ بڑھانے پر بیان آیا تھا۔ جس پر پیپلز پارٹی کا مخالفانہ ردعمل تو قدرتی تھا۔ لیکن پاکستان تحریک انصاف کے دو مقامی لیڈر جو قومی اور صوبائی اسمبلی کے ممبر ہیں انہوں نے الطاف حسین کے بیان کے خلاف بہت ہی سخت بیان دیا۔ جس کے جواب میں ایم کیوایم نے تحریک انصاف کے جلسے سے صرف ایک دن پہلے کلفٹن تین تلوار پر اپنی بھرپور طاقت کا مظاہرہ کیا۔ اگرچہ تحریک انصاف کا کراچی میں ہونے والا جلسہ لوگوں کی حاضری کے حساب سے ایک بڑا جلسہ تھا لیکن کراچی کے جلسے میں آنے سے قبل عمران خان کو سمجھا دیا گیا تھا کہ کراچی میں محتاط لب و لہجہ اختیار کرنا ہوگا۔ انہیں لب کشائی میں بداحتیاطی سے گریز کا مشورہ دیا گیا تھا۔ انہیں واضح کر دیا گیا ہے کہ جس پیرائے میں وہ نواز شریف کا ذکر کرتے ہیں اس میں انہیں الطاف حسین کا نام لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جس کراچی کو وہ آزاد کرانے کا اعلان کر چکے تھے حسب دستور یوٹرن لیکر اپنے آپ کو بدنام زمانہ سندھ کے سابق وزیر

داخلہ ذوالفقار مرزا کے برباد کیے ہوئے علاقے لیاری تک محدود کرلیا، اور کراچی والوں کو آزادی دلانے کے بجائے وہ پیپلزپارٹی اور سندھ کے حالات کو کوستے رہے۔ عمران خان کی تقریر کے جواب میں پاکستان پیپلزپارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے اپنی ٹویٹ میں عمران خان پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم اسٹیبلشمنٹ کے ٹیسٹ ٹیوب سیاست دان برداشت نہیں کر سکتے، یہ تبصرہ یا تنقید ایک کھلی ہوئی بدتمیزی ہے، جبکہ سندھ کے وزیر اطلاعات شرجیل میمن نے عمران خان سے سوال کیا کہ انھوں نے ٹارگٹ کلنگ پر صرف لیاری کی بات کی باقی کراچی کی کیوں نہیں کی؟ کراچی کے بعد عمران خان نے لاہور میں بھی ایک بڑا جلسہ کرڈالا، لیکن حالات میں دور دور کوئی تبدیلی ہوتی ہوئی نظر نہیں آرہی ہے۔ نواز شریف کی پاکستان مسلم لیگ ن اور باقی پارلیمینٹ میں موجود سیاسی جماعتیں عمران خان اور علامہ طاہر القادری کی مانگوں کو یکسر رد نہیں کرسکتے، اور نہ ہی عمران خان اور علامہ طاہر القادری کو یہ امید رکھنی چاہیے کہ اُن کی تمام مانگیں منظور ہوجاینگی۔ اگرچہ ان دھرنوں اور احتجاج سے عوام کو کوئی فاہدہ نہیں ہے کیونکہ عام طور پر یہ خیال ہے کہ دونوں طرف سے یہ اقتدار کی جنگ ہے اور اس جنگ میں عوام کے مسائل بڑھتے جارہے ہیں، لہذا غیر یقینی سیاسی صورتحال کو جلدازجلد ختم ہونا چاہیے اور اسکی ذمیداری

تمام فریقین پر آتی ہے۔ ویسے عوام دھرنا دینے والوں سے ایک سوال ضرور کرتے ہیں کہ طویل سیاسی دھرنے کا عالمی ریکارڈ تو بن گیا لیکن عوام کو کیا ملا۔

جاوید ہاشمی باغی بھی اور داغی بھی

جاوید ہاشمی نے تحریک انصاف کی صدارت اور بنیادی رکنیت سے استعفٰی دیدیا، ایک پریس کانفرنس کرتے ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ عمران خان کا رویہ غیر جمہوری ہے اور تحریک انصاف میں بادشاہت قائم ہورہی ہے اور میں ایسی پارٹی میں نہیں رہنا چاہتا جو جمہوریت تباہ کرنا چاہتی ہو۔ بقول جاوید ہاشمی تحریک انصاف اور عمران خان کا گراف روز بروز گر رہا ہے۔ اسی پریس کانفرنس میں بلال عرف بلو بٹ جو کل تک جاوید ہاشمی کو ملتان کی سیاست پر بدنما داغ قرار دیتا تھا آج جاوید ہاشمی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ بلال عرف بلو بٹ جب جاوید ہاشمی کو ن لیگ کی جانب سے ضمنی الیکشن میں حمایت کا یقین دلا رہا تھا تو وہ یہ بھول گیا کہ جاوید ہاشمی کے بارے میں وہ کیسے نیک خیالات ظاہر کرچکا ہے۔ یہ وہی بلو بٹ ہے جس پر ملتان میں شاہ محمود قریشی کے گھر پر حملے کا الزام بھی تھا۔ جبکہ جاوید ہاشمی فرمارہے تھے کہ مسلم لیگ ن کی قیادت سے اب میرا کوئی رابطہ نہیں ہے لیکن میں نواز شریف، شہباز شریف، مسلم لیگ ن کی قیادت کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میری حمایت کا اعلان کیا۔ اس سے پہلے جاوید ہاشمی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ اُنہیں موت کے بعد مسلم لیگ کے پرچم میں لپیٹ کر دفن کرا جائے۔

جاوید ہاشمی کا کہنا تھا کہ مسلم لیگ

ن سے میرا 37 سال کا تعلق ہے، اُنہوں نے کہا کہ میں جب تحریک انصاف میں شامل ہوا تھا تو اپنے بچوں کو وصیت کی کہ اگرچہ میں تحریک انصاف میں آگیا ہوں لیکن موت کے بعد مجھے مسلم لیگ کے پرچم میں دفن کرنا۔ کہتے ہیں سیاست میں کچھ بھی حرف آخر نہیں، لیکن ہمارئے ملک میں یہ ضرور ہوتا ہے کہ سیاست دان باغی بھی ہوتے ہیں اور داغی بھی۔ جاوید ہاشمی کی وصیت تو یہ ہی بتارہی ہے۔

تحریک انصاف کے دھرنے سے علیحدہ ہونے کے بعد جاوید ہاشمی نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ عمران خان نے فوج اور سپریم کورٹ کو بدنام کیا، وہ ایک منصوبہ بندی کے تحت اسلام آباد آئے ہیں، جس کا باقاعدہ اسکرپٹ لکھا ہوا ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ یہ سب منصوبہ بندی کس نے کی ہے۔ عمران خان کو ملک کے آئین و قانون کی پروا نہیں، انہوں نے ہر وعدہ توڑا ہے، عمران خان نے تمام ممبران اسمبلی سے زبردستی استعفے لیے اور اس وقت مجھے تشویش ہوئی کیونکہ یہ عمل چھوٹی بات نہیں بلکہ ایک منتخب اسمبلی پر ہتھوڑا مارنے کے مترادف تھا، اگر فوج، آئی ایس آئی اور عدلیہ کو لتاڑ کر اقتدار لیا جائے تو میں ایسے اقتدار کا حصہ نہیں بن سکتا، میں اس سازش کا حصہ نہیں ہوں، عمران خان کی ہر قدم پر مخالفت کی جبکہ عمران خان نے لکھ کر دیا تھا کہ مارشل لا کی حمایت نہیں کروں گا اور آئین و قانون کی بالادستی کو مانتا

ہوں۔جاوید ہاشمی کے الزامات تو اور بہت سے ہیں لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جاوید ہاشمی کو دھرنے سے علیحدہ ہوتے وقت عمران خان کی آئین و قانون کے خلاف اقدامات کا پتہ چلا یا پہلے سے پتہ تھا، لازمی بات ہے پہلے سے پتہ تھا تو وہ کون سیاسی مجبوری تھی جس نے جاوید ہاشمی کو سچ بولنے سے روکے رکھا اور اُنہیں تحریک انصاف میں جکڑئے رکھا؟ اسی پریس کانفرنس میں جاوید ہاشمی نے کہا کہ نواز شریف کی ناقص کارکردگی سب سے زیادہ تباہی لائی ہے، نوازشریف نے ملک کے ساتھ زیادتی کی ہے، وہ قوم کی امنگوں پر پورا نہیں اترے۔آج پورا ملک حکومت کی نااہلی کے باعث اس دہانے پر پہنچ چکا ہے، میں آئین کو بچانے کیلئے سچی بات کہہ رہا ہوں۔

آ یئے تھوڑا سا ماضی میں چلتے ہیں اور جاوید ہاشمی کے ماضی میں یہ دیکھتے ہیں کہ وہ آئین و قانون کی بالادستی کے لیے کیا کچھ کرتے رہے ہیں، ایک اور چیز بھی معلوم کرتے ہیں کہ وہ باغی ہیں یا داغی، یا پھر دونوں؟ مخدوم جاوید ہاشمی زمانہ طالبعلمی میں جماعت اسلامی کی طلبا تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم رکن رہے اور سال 1971ء میں پنجاب یورنیورسٹی کی اسٹوڈنٹس یونین کے صدر منتخب ہوئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاوید ہاشمی مولانا مودودی کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہیں وہ اپنا مرشد اور رہنما تسلیم کرتے تھے۔ جاوید ہاشمی نے مولانا مودودی سے کہا کہ میں تعلیم اور جمعیت سے فارغ ہوچکا ہوں مگر جماعت

اسلامی میں شمولیت اختیار نہیں کر رہا۔ میرے لئے دعا کریں۔ مولانا مودودی نے فورا دعا کے لئے ہاتھ اٹھادیئے، اور دعا کی کہ یا اللہ اس نوجوان سے اپنے دین کی خدمت لے لے۔ (بحوالہ جاوید ہاشمی کی کتاب، ہاں میں باغی ہوں)، دین کی تو جاوید ہاشمی کیا خدمت کرتے لیکن شاید مولانا مودودی سمجھ گے تھے کہ اس بندئے کو جماعت اسلامی میں لانا جماعت اسلامی کے لیے ٹھیک نہیں ہوگا۔ 1977ء میں جاوید ہاشمی لاہور سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے امیدوار بنے تاہم قومی اتحاد نے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ جاوید ہاشمی نے کچھ عرصہ سابق ائیر مارشل اصغر خان کی جماعت تحریک استقلال میں گذارا اور بعد میں وہ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔

جاوید ہاشمی نے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے بعد اپنی عملی سیاست کا آغاز 1978ء میں فوجی آمریت کے سائے میں اس وقت کے فوجی صدر جنرل ضیاء الحق کی کابینہ میں وزیر مملکت برائے امور نوجوانان کی حیثیت سے کیا۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی لازمی ہے کہ اُس وقت جاوید ہاشمی پر قتل کے الزامات کی خبریں بھی اخبارات میں آرہی تھیں۔ جاوید ہاشمی جو آج آئین و قانون کی بالادستی کا رونا رو رہے ہیں کل اُن کا سیاسی گرُو صرف نوئے دن اقتدار میں رہنے کا وعدہ کرنے والا فوجی آمر جنرل ضیا الحق آئین کے بارئے کہتا تھا کہ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں مجھے اداکاری نہیں آتی، اگر مجھے سیاسی اقتدار کی

خواہش ہو تو مجھے روکنے والا کون ہے۔ فوج میرے ساتھ ہے اور میرے پاس طاقت ہے جو جی میں آئے کروں۔ آئین کیا ہوتا ہے؟ دس بارہ صفحات کا ایک کتابچہ۔ میں کل ہی اسے پھاڑ کر پھینک سکتا ہوں اور ایک نئے نظام کے تحت حکومت شروع کر سکتا ہوں۔ کون ہے جو مجھے روکے گا۔" تاہم بعدازاں جاوید ہاشمی وزیر بننے کے اقدام پر افسوس کا اظہار بھی کرتے رہے لیکن جاوید ہاشمی تواُس دن ہی داغی ہوگے تھے جب فوجی آمر جنرل ضیاالحق نے ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی تھی اور جاوید ہاشمی فوجی آمر کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جاوید ہاشمی اور نواز شریف مشرف کے لیے آمر کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن دونوں ہی آمر کی گود میں پلے ہیں۔

ضیاء الحق کی موت کے بعد محمد خان جونیجو کی جونیجو یا ج لیگ پر نواز شریف نے قبضہ کرلیا اور پھر ج لیگ ن لیگ بن گئی اور اس ن لیگ کے بننے کے بعد جاوید ہاشمی بھی اس میں شامل ہوگے، ن لیگ کے مالک نواز شریف تھے۔ دسمبر 2000ء میں جب مسلم لیگ ن کے سربراہ نواز شریف اپنے خاندان کے ہمراہ سعودی عرب چلے گئے تو جاوید ہاشمی کو مسلم لیگ ن کا قائم مقام صدر مقرر کیا گیا تھا۔ نواز شریف کی واپسی سے قبل جاوید ہاشمی نے اپنا زیادہ وقت جیل میں گذارا اوراس درمیان میں ہی انھوں نے اپنی کتاب "ہاں میں باغی ہوں" لکھی۔ اُن پر غیر قانونی اثاثے بنانے اور ایک پریس کانفرس میں یہ دعویٰ کرنے پر کہ انہیں فوج کے

مونو گرام والے لیٹر ہیڈ پر فوجی حکمرانوں کے خلاف ایک خط موصول ہوا ہے کے الزامات میں گرفتار کیا گیا تھا۔ جاوید ہاشمی مسلم لیگ ن کے سنئیر نائب صدر تھے اور 2008ء کے انتخابات میں جاوید ہاشمی تین مختلف حلقوں سے رکن اسمبلی منتخب ہوئے، لیکن اُس وقت تک اُن میں اور نواز شریف میں دوریاں پیدا ہو چکی تھیں۔ جاوید ہاشمی جو اب اپنے آپ کو مسلم لیگ ن کرتا دھرتا سمجھ رہے تھے انہوں نے اپنی جماعت کی پالیسیوں پر بھی تنقید شروع کر دی جو لازمی مسلم لیگ ن کے رہنما یا مالک نواز شریف کو پسند نہ آئیں اور اختلافات بڑھتے چلے گۓ۔ 25 دسمبر 2011ء کو جاوید ہاشمی نے ن لیگ سے بغاوت کی اور تحریک انصاف کو جوائن کر لیا۔

یکم اکتوبر 2014ء کو جاوید ہاشمی نے تحریک انصاف کی صدارت اور بنیادی رکنیت سے استعفیٰ دیدیا جبکہ تحریک انصاف اور عمران خان سے بغاوت وہ پہلے ہی کر چکے ہیں۔

تحریک انصاف کے صدر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد جاوید ہاشمی نے کہا تھا کہ عمران خان کرپشن کے خلاف جنگ کر رہے ہیں اور وہ جمہوریت کے استحکام کی اس جنگ میں ان کے شانہ بشانہ ہیں۔ اُس وقت تجزیہ نگار جاوید ہاشمی کی تحریک انصاف میں شمولیت کو مسلم لیگ ن کے لیے ایک بڑا دھچکا قرار دے رہے تھے۔ تحریک انصاف کے کراچی کے جلسے میں شاہ محمود قریشی لوگوں سے جاوید ہاشمی کے لیے پوچھ رہے تھے کہ باغی ہے یا داغی ہے۔ ملتان کے ضمنی انتخابات میں

الیکشن کمیشن نے آزاد امیدوار جاوید ہاشمی کو بالٹی کا نشان الاٹ کر دیا ہے، سنا ہے لوٹے کے نشان پر پابندی ہے۔ اگر جاوید ہاشمی ملتان کے ضمنی انتخابات میں کامیاب ہو کر واپس مسلم لیگ ن میں شمولیت اختیار کرتے ہیں تو نواز شریف کو اسلام آباد کے دھرنوں کا بونس مل جائے گا جبکہ شاہ محمود قریشی کے سوال کا جواب تو یہاں پہلے ہی موجود ہے کہ تین جماعتوں اور ایک فوجی آمر کو چھوڑنے والا جاوید ہاشمی باغی بھی ہے اور داغی بھی۔

پاکستان دھرتی ماں اور جیب کترا

بس سے اتر کر جیب میں ہاتھ ڈالا، میں چونک پڑا، جیب کٹ چکی تھی۔ جیب میں تھا بھی کیا؟ کل نوئے روپے اور ایک خط جو میں نے ماں کو لکھا تھا اور اُسے اطلاع کی تھی کہ "میری نوکری چھوٹ گئی ہے، ابھی پیسے نہیں بھیج پاونگا"۔ تین دنوں سے وہ پوسٹ کارڈ جیب میں پڑا تھا، پوسٹ کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ نوئے روپے جا چکے تھے، ویسے بھی نوئے روپے کوئی بڑی رقم نہیں تھی۔۔۔۔ لیکن جسکی نوکری چھوٹ گئی ہو اُس کے لیے نوئے روپے بھی نوسو روپے سے کم نہیں۔ کچھ دن گذرئے۔۔۔ ماں کا خط ملا، پڑھنے سے پہلے میں سہم گیا، ضرور پیسوں کا تقاضہ کیا ہوگا۔ لیکن خط پڑھا تو حیران رہ گیا! ماں نے لکھا تھا: "بیٹا! تمارئے بھیجے ہوئے ایک ہزار روپے کا منی آرڈر مل گیا۔ تو کتنا اچھا ہے رے، پیسے بھیجنے میں ذرا دیر نہیں کرتا"۔۔۔۔۔۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی چیرپرسن بینظیر بھٹو جب 1988ء میں پہلی مرتبہ وزیر اعظم بنیں تو وہ آصف علی زرداری سے شادی کر چکی تھیں اور نواز شریف جو اب مسلم لیگ ن کے سربراہ ہیں جنرل ضیاء الحق کے سیاسی بیٹے بن چکے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ذوالفقار علی بھٹو کے حامی اور ضیاء الحق کے حامی ایک

دوسرے کے بدترین مخالف تھے۔ بھٹو اور ضیاء دونوں اس دنیا سے جاچکے تھے لیکن نفرتیں عروج پر تھیں۔ 12 اکتوبر 1999 سے پہلے دونوں سیاسی جماعتیں دو دو مرتبہ اقتدار میں رہیں، دونوں ایک دوسرے کی مخالفت میں رہیں لیکن اپنے اپنے دور میں لوٹ مار کرنے میں ایک جیسے ہی تھے۔ آصف علی زرداری کو مسٹر ٹین پرسینٹ کا خطاب ملا تو نواز شریف لوہا چور کہلائے۔ دولت دونوں خاندانوں کی بڑھی، زرداری اور بینظیر شاہی جوڑے کے خطاب سے بھی نوازے گئے اور سرے محل اور دبئی کے محل کے مالک بنے جبکہ نواز شریف کے کاروبار سعودی عرب اور انگلینڈ تک جا پہنچے۔ پرویز مشرف کے اقتدار پر قبضہ کرلینے سے پاکستان میں کرپشن ختم تو نہیں ہوا لیکن کچھ کم ضرور ہوا۔ 2006ء تک جنرل پرویز مشرف کی اقتدار پر گرفت مضبوط تھی، بھٹو خاندان یا شریف خاندان کا سیاست میں اثر روسوق کم تھا، مشرف نے ایک آئینی ترمیم کے زریعے کسی کے بھی تیسری مرتبہ وزیراعظم بننے پر پابندی عائد کردی تھی جسکا سیدھا اثر بینظیر بھٹو اور نواز شریف پر پڑا تھا۔ لوٹ مار سے محروم ہونے اور اقتدار کے دروازے بند ہونے پر کل کے دشمن اپنے اپنے مفادات کو جو ایک ہی تھے اور آج بھی ایک ہی ہیں 2006ء میں لندن میں اکھٹے ہوئے اور میثاق جمہوریت یا چارٹر آف ڈیموکریسی کے نام سے آٹھ صفحات کا ایک معاہدہ کیا۔ میثاق جمہوریت کی ایک شق میں کہا گیا کہ اس آئینی ترمیم کو ختم کیا جائے جس میں تین مرتبہ وزیراعظم منتخب ہونے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ ایک اور شق میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ سیاسی

بنیادوں پر کام کرنے والے نیب کی جگہ ایک آزادانہ احتساب کمیشن بنایا جائے جس کے سربراہ کو وزیر اعظم قائد حزب اختلاف کے مشورے سے مقرر کرے۔ ان دونوں شقوں کا فائدہ نواز شریف، آصف زرداری اور اُنکی پارٹی کے لوگوں کو ہوا ہے۔

بینظیر بھٹو اکتوبر 2007ء میں اپنی خود ساختہ جلاوطنی ختم کرکے پاکستان واپس آئیں، اپنی جلاوطنی ختم کرنے سے پہلے بینظیر بھٹو نے جنرل پرویز مشرف کیساتھ کے ساتھ ایک معاہدہ جسکو این آر او کہا گیا کیا تھا۔ دسمبر 2007ء میں ایک دہشت گرد حملے میں بینظیر بھٹو کو ہلاک کردیا گیا۔ این آر او کے تحت جو ثمرات بینظیر بھٹو نے حاصل کرنے تھے، وہ آصف زرداری کے حصے میں آئے۔ پیپلز پارٹی نے فروری 2008ء کے عام انتخابات میں بھرپور حصہ لیا اور اُس عوامی ہمدردی کا فائدہ اٹھایا جو دہشت گردی کی سفاکانہ واردات میں بینظیر بھٹو کی موت سے پیدا ہوئی تھی، ستمبر 2008ء میں آصف زرداری پاکستان کے صدر بن گئے۔ نواز شریف کے پانچ سال تک فرینڈلی اپوزیشن کے کردار کی وجہ سے پیپلز پارٹی جسکو اب زرداری پارٹی کہا جائے تو بہتر ہوگا اپنی حکومت کی پانچ سالہ آئینی مدت کو پورا کیا۔ لیکن اس پانچ سال میں پیپلز پارٹی نے پاکستان کو کرپشن کے زریعے جس معاشی تباہی و بربادی کی دلدل میں پھینکا ہے اس کا ازالہ کرنے کے لیے کسی ایماندار قیادت کو برسوں درکار ہونگے۔

اگر پیپلز پارٹی کے گذشتہ دور حکومت کی بدعنوانیوں پر لکھا جائے تو شاید اس کے لیے دو چار کتابیں بھی کم پڑ جایں۔ آج کے قائد حزب اختلاف خورشید شاہ جو پیپلز پارٹی کے دور میں وزیر بھی رہے ہیں، کسی زمانے میں بجلی کی ایک کمپنی میں میٹر ریڈر تھے جو اب ارب پتی ہیں۔ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی جب جیل میں تھے تو انہوں نے گھڑی فروخت کرکے اپنے بچوں کی فیسیں ادا کی تھیں مگر پیپلز پارٹی کے دور میں وہ اور اُنکے بچے کروڑوں پونڈز کی شاپنگ دنیا کے مہنگے ترین سٹور ہیرڈز سے کرتے تھے اور ایک ایک رات میں مبینہ طور پر کہا جاتا ہے کہ لاکھوں روپے کسینو میں خرچ کر دیتے تھے۔ امین فہیم جو ٹیکس تو چھوڑیں بجلی کا بل بھی نہیں دیتے جب وہ وزیر تھے تو اُنکو کو پتہ ہی نہیں چلا کہ اُنکے اکاونٹس میں 10 کروڑ روپے کیسے آ گئے یا اُنکی بیٹی کیسے بغیر سی ایس ایس کئے برطانیہ میں پاکستانی سفارت خانے میں سکینڈ سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہو گئیں۔ پیپلز پارٹی کے ایک اور سابق وزیراعظم راجہ پرویز اشرف نے اپنے 18 ویں گریڈ میں انکم ٹیکس میں تعینات داماد کو پہلے ای او بی میں 20 ویں گریڈ میں پوسٹ کیا پھر 21 ویں گریڈ میں اپنے پاس وزیراعظم سیکرٹریٹ میں جائنٹ سیکرٹری بنا دیا۔ یہ جن لوگوں کا ذکر اوپر کیا ہے جب اُنکی کرپشن کا یہ حال ہے تو سوچیں اُنکے گرو آصف علی زرداری نے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا۔

بینظیر وزرداری کے مانند شریف خاندان نے بھی بیرون ممالک (آف شور) کمپنیاں کھولیں۔ انہی بیرونی کمپنیوں کی مدد سے شریف خاندان نے پھر پارک لین، لندن میں چار عالی شان فلیٹ خریدے جو مختلف ادوار میں ان کے زیرِ استعمال رہے۔ نواز شریف حکومت کے دونوں ادوار میں کرپٹ پاکستانی امرا وسیع پیمانے پر بینکوں سے قرضے لیتے رہے۔ دوسری طرف ٹیکسوں کی رقم چوری کرنا ان کا وطیرہ رہا۔ تیسری مرتبہ وزیراعظم بننے کے بعد نواز شریف ابھی اقتدار کے نشے میں پوری طرح مدہوش نہیں ہوئے تھے کہ عمران خان نے دھاندلی دھاندلی کا شور مچانا شروع کردیا۔ شروع شروع میں عمران خان کے اس شور پر کسی نے دھیان نہیں دیا لیکن جب 14 اگست کو علامہ طاہر القادری اور عمران خان نے اسلام آباد پر چڑھائی کردی تو نہ صرف مسلم لیگ ن بلکہ پیپلز پارٹی، اے این پی، جمیت علمائے اسلام ف اور باقی پارلیمینٹ میں موجود لٹیروں کو اپنے مفادات ختم ہوتے نظر آئے تو یہ سب ایک ہوگے، یہ جمہوریت کا راگ الاپ رہے ہیں تو پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا کہ کیا یہ سب واقعی جمہوری طریقے سے پارلیمینٹ میں پہنچے ہیں یا یہ سب دھاندلی کا شاہکار ہیں۔ چلیں مان لیتے ہیں کہ عمران خان اور علامہ طاہر القادری کے دھرنے غلط ہیں لیکن کیا آپ یہ بھی کہنے کو تیار ہیں کہ گذشتہ دو ماہ میں عمران خان اور علامہ طاہر القادری نے آصف زرداری اور نواز شریف کے کرپشن پر سے جو پردے اٹھائے ہیں وہ بھی غلط ہیں۔ ابھی آصف زرداری اور اُنکے بیٹے نے کھل کر موروثی سیاست کو اپنا حق کہا ہے کل یہ

شریف خاندان بھی جو اس وقت بھی موروثی سیاست کے ذریعے ہی حکومت کر رہا ہے موروثی سیاست کو اپنا حق کہے گا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں کہ پاکستان بنانے میں بھٹو خاندان ، زرداری خاندان یا پھر شریف خاندان کا کوئی کردار نہیں، پاکستان بننے کے بعد بھی کافی عرصے تک عام لوگ اُن کو نہیں جانتے تھے۔ پاکستان تو ہر پاکستانی کی دھرتی ماں ہے، لیکن ہمارے سیاست دان اس ہی ماں کو برباد کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

میں کافی دنوں تک اس ادھیڑبُن میں رہا کہ آخر ماں کو پیسے کس نے بھیجے ؟کچھ دن بعد ایک اور خط ملا ، آڑی ترچھی لکھاوٹ ، بڑی مشکل سے پڑھ سکا: "بھائی نوے روپے تمارے اور نو سو دس روپے اپنے ملا کر میں نے تماری ماں کو منی آرڈر بھیج دیا ہے۔ فکر نہ کرنا، ماں تو سب کی ایک جیسی ہی ہوتی ہے نا ! وہ کیوں بھوکی رہے ؟۔۔۔۔ تمھارا جیب کترا"۔

حکومت معیاری شراب کو سستا کرے

شراب ام الخبائث ہے۔ یہ دماغ میں فتور پیدا کرتی ہے، عقل و خرد کو قتل کر دیتی ہے، ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیتی ہے،، برے بھلے کی تمیز مٹا دیتی ہے۔ اسلام ہی میں نہیں عیسائیت اور یہودیت میں بھی اس کا استعمال قطعی حرام ہے۔ نصف صدی پہلے ایک جرمن ڈاکٹر نے یہ بات کہی تھی۔ "تم شراب کی آدھی دکانیں بند کر دو تو میں تمہیں آدھے ہسپتال، جرائم کے اڈے اور جیلوں کے بند ہو جانے کی ضمانت دیتا ہوں"۔

کراچی میں غیر معیاری یا زہریلی شراب پینے سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد 29 ہو گئی، 26 اب بھی موت سے لڑ رہے ہیں جن میں سے پانچ کے گردے فیل ہو چکے ہیں۔ حسب دستور مختلف تھانوں میں 13 مقدمات درج کر لیے گئے اور کچھ پولیس افسران کو معطل کر دیا ہے، ایک نام نہاد انکوائری کے بعد سب کو ایماندار قرار دئے دیا جائے گا اور یہ سب تازہ دم ہو کر واپس اپنے اپنے آفس میں موجود ہونگے۔ کراچی یا پاکستان میں زہریلی شراب سے ہلاکتوں کا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کہ جس پر احتجاج کیا جائے، اس سے پہلے بھی مختلف واقعات میں درجنوں افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس سال دس جنوری کو حیدرآباد میں چار افراد، جون کے مہینے میں کراچی کے علاقے لانڈھی میں تین افراد اور اٹھارہ جولائی کو

کلفٹن کے علاقے میں ایک فرد، جبکہ کچھ سال قبل ماہ رمضان میں پولیس اہلکاروں سمیت 29 افراد زہریلی شراب پینے سے ہلاک ہو گئے تھے۔ ان مسلسل واقعات کے باوجود ان واقعات کو روکنے کے بجائے پولیس، ایکسائز یا دوسرے اداروں نے زہریلی شراب فروخت کرنے والے کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، پولیس اور دوسرے ادارے ان اڈوں سے ہفتہ وار ہزاروں روپے بھتہ وصول کرتے ہیں اور یہ رقم حسب مراتب اعلی افسران سے لیکر چھوٹے اہلکاروں تک تقسیم ہوتی ہے۔ یہاں ایک غور طلب بات یہ ہے کہ زہریلی شراب پی کر مرنے والے زیادہ تر غریب طبقے سے تعلق رکھتے ہیں،اور اس زہریلی شراب کو فروخت کرنے کے اڈئے بھی غریب علاقوں میں ہیں۔ دہشت گردی اور قدرتی آفات کی طرح غیر معیاری زہریلی شراب سے بھی غریب ہی مرتا ہے کیونکہ امیر کو غیر معیاری اور سستی شراب پینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

پاکستان میں شراب نوشی پر پابندی کے باوجود بھی ہر سال شراب نوشی کرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، بی بی سی اردو ڈاٹ کام پر مہر اعجاز کی ایک ریسرچ جو چار قسطوں میں شایع ہوئی ہے، اُسکے مطابق "پاکستان دنیا کے چھپن اسلامی ممالک میں واحد ملک ہے جہاں شراب بنانے کی تو قانونی طور پر اجازت ہے لیکن مسلمان شہریوں پر شراب نوشی پر پابندی عائد ہے۔ پاکستان میں شراب بنانے والی تین فیکٹریاں ہیں اور ملکی آبادی کے تین فیصد

یا پچاس لاکھ غیر مسلم شہریوں کو سرکار کے جاری کردہ پرمٹ کے تحت شراب فروخت کرنے کی اجازت ہے۔ راولپنڈی میں واقع "مری بروری" کمپنی کے چیف ایگزیکٹو افسر اِسفندیار ایم بھنڈارا سے جب پاکستان میں شراب کی مانگ اور شراب نوشی کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ "پاکستان میں شراب نوشی کرنے والوں کی درست تعداد تو معلوم نہیں لیکن میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان میں شراب کی جتنی مانگ ہے وہ پوری کرنے کے لیے اگر شراب بنانے والے کارخانے چوبیس گھنٹے چلتے رہیں تو بھی مانگ پوری نہیں کی جاسکتی اور ہر سال شراب کی مانگ میں کافی اضافہ ہوتا جا رہا ہے"۔ انہوں نے بتایا کہ پاکستان میں غیر ملکی شراب جو اسمگل ہو کر آتی ہے یا ملک کے اندر غیر قانونی اور دیسی طریقے سے تیار ہوتی ہے اس کی مقدار بہت زیادہ ہے اور اگر حکومت اس کی روک تھام کرے یا اس پر ٹیکس لگائے تو ہر سال حکومت کو اربوں روپے کی آمدن ہو سکتی ہے۔ اُن کے مطابق دیسی طریقے سے تیار کردہ غیر معیاری شراب زہریلی ہوتی ہے جس سے ہر سال سینکڑوں لوگ مر جاتے ہیں"۔

مہر اعجاز کی ریسرچ کے مطابق "مری بروری کے مالک اسفندیار بھنڈارا کہتے ہیں کہ پاکستان میں جتنی مقدار میں قانونی طور پر شراب بنائی جاتی ہے تقریباً اتنی ہی تعداد میں اسمگل شدہ اور دیسی طریقے سے غیر قانونی طور پر شراب بنائی جاتی ہے۔ ان کے مطابق دیسی طریقے سے تیار کردہ غیر معیاری شراب سے ہر

سال کئی لوگ موت کا شکار ہوتے ہیں جبکہ متعدد لوگ بینائی بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ "
حکومت اگر اسمگل شدہ شراب غیر قانونی طور پر تیار کردہ شراب کو روکنے کے اقدامات کرے تو ایک طرف حکومت کو اربوں روپے کی آمدن ہو سکتی ہے تو دوسری طرف ملک میں غیر معیاری اور خطرناک شراب کی پیداوار کی حوصلہ شکنی ہو سکتی ہے"۔الکوحل کی وجہ سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے ایک بڑے معالج ڈاکٹر صداقت علی کہتے ہیں کہ پاکستان میں ایک سے ڈیڑھ کروڑ کے قریب لوگ شراب نوشی کرتے ہیں۔ صداقت علی تیس برسوں سے شراب سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا علاج کر رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ "لوگ چھپ چھپا کر پیتے ہیں اس لیے تعداد کا درست اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ شراب نوشی کرنے والوں میں خواتین بھی شامل ہیں۔ڈاکٹر صداقت کا کہنا ہے کہ پاکستان میں شراب پر پابندی ہے جس کیوجہ سے نچلے طبقے کے لوگ چرس اور دیگر منشیات استعمال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ منشیات اور بالخصوص ہیروئن کے خلاف آگہی کی مہم کی وجہ سے لوگوں میں شراب نوشی کا رجحان بڑھ رہا ہے"۔
اقلیتوں کے لئے مخصوص نشست پر منتخب ہونے والی قومی اسمبلی کی عیسائی ممبر آسیہ ناصر کی جانب سے غیر مسلموں پر بھی شراب نوشی کی پابندی کے لئے قومی اسمبلی میں ایک بل پیش کیا گیا تھا جو مسترد ہو گیا۔ اس بل کے سلسلے میں جمعیت علمائے اسلام (ف) کی آسیہ ناصر کو چار دوسرے اقلیتی ممبران، اسلامی

نظریاتی کونسل کے سربراہ مولانا محمد خان شیرانی اور درجن کے قریب دوسرے ممبران کی حمایت حاصل تھی۔ بل کے مسترد ہونے پر آسیہ کا کہنا تھا کہ "میں اپنے موقف پر سختی سے قائم ہوں اور دوبارہ ایک ترمیم شدہ بل اسمبلی میں پیش کروں گی۔" جبکہ دوسری طرف قانونی معاملات پر قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹی کا موقف یہ تھا کہ "اس طرح کے قوانین ملک کی بدنامی کا باعث بنیں گے۔" یہ دونوں موقف اور بیانات اس منافقت کے غماز ہیں جو اس معاشرے کی اخلاقیات، اقدار اور ثقافت میں رچ بس چکی ہے۔ بل کی مخالفت کرنے والے کئی ممبران پارلیمنٹ کو قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔

ذوالفقار علی بھٹو نے 1970ء میں لاہور میں لاکھوں کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ببانگ دہل کہا تھا: ''ہاں میں شراب پیتا ہوں، غریبوں اور مظلوموں کا خون نہیں پیتا۔'' جلسہ تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ہی کراچی کے علاقے لیاری میں غیر معیاری یا زہریلی شراب پینے سے 25 افراد ہلاک ہوگے، پیپلز پارٹی کراچی کے مرکزی آفس میں مرنے والوں کے لیے ایک تعزیتی اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں کچھ وزیر، کچھ ایم این اے اور ایم پی اے بھی موجود تھے۔ اجلاس کے دوران ایک ایم این اے نے کہا کہ شرابیوں کے لیے فاتحہ خوانی کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے، اور بھی شرکا کی طرف سے اعتراض شروع ہوگے۔ اجلاس میں موجود اُس وقت کے کراچی پیپلز پارٹی کے جنرل سیکریٹری

عبدالسلام اختر نے تمام شرکا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ میں سے بہت سوں نے میرے ساتھ بیٹھ کر شراب پی ہے، کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کل جب آپ مر جائیں تو آپ کی فاتحہ خوانی نہ کی جائے۔ بہتر ہوگا کہ ہم اس اجلاس میں حکومت سے مطالبہ کریں کہ معیاری شراب کی قیمت کم کیجائے تاکہ غریب شرابی بھی خرید سکےاور غیر معیاری یا زہریلی شراب پینے سے بچ سکے۔ لیکن یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ 1977ء میں پی این اے کی تحریک کو ختم کرنے کے لیے ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان میں جمعہ کی چھٹی اور شراب پر پابندی عائد کی تھی۔ جمعہ کی چھٹی تو نواز شریف نے پہلے ہی ختم کر دی ہے لیکن ابھی شراب پر نام نہاد پابندی باقی ہے۔

پاکستان جہاں کرپشن کا راج ہے اور ایک رکن قومی اسمبلی جمشید دستی نے اسمبلی اجلاس کے دوران پارلیمنٹ لاجز میں رہنے والے ارکان اسمبلی پر کروڑوں روپے کی شراب پارلیمنٹ لاجز میں لانے کا الزام لگاتے ہوئے یہ بتایا کہ لاجز میں مقیم ارکان قومی اسمبلی پارلیمنٹ لاجز میں ماہوار چار سے پانچ کروڑ روپے کی شراب پی جاتے ہیں، وہاں یہ امید رکھنا کہ شراب پر مکمل پابندی لگائی جا سکتی ہے ناممکن ہے۔ اس ملک کے حکمران اور امیر طبقات جن کو شراب پینے کی عادت ہے وہ دنیا کی مہنگی اور اعلی ترین شراب نوش کرتے ہیں اسلیے انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ خطرہ اُن غریب شرابیوں کو ہے جو مہنگی معیاری شراب نہیں خرید سکتے

اور اس عادت کو چھوڑ بھی نہیں سکتے، وہ غیر معیاری یا زہریلی شراب پینے سے ہلاک ہوجاتے ہیں، لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ دیسی طریقے سے تیار کردہ غیر معیاری شراب کی تیاری کو روکے، حکومت معیاری شراب کو سستا کرے، تاکہ غریب شرابی غیر معیاری اور زہریلی شراب سے بچ سکیں دوسری طرف ناگہانی اموات سے حکومت کی جو بدنامی ہوتی ہے وہ اُس سے بچ سکے گی۔

ایم کیوایم: رہنماؤں کو بھتے کی پرچیاں

ایک خبر کے مطابق: کراچی......ایم کیوایم کے 11 اراکین رابطہ کمیٹی کو بھتے کی پرچیاں موصول ہوئی ہیں، ذرائع کے مطابق بھتے کی پرچیاں کالعدم تنظیم کی جانب سے موصول ہوئیں۔ ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ اراکین رابطہ کمیٹی سے 10 سے 15 لاکھ روپے طلب کیے گئے، جبکہ بھتہ نہ دینے پر سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ جن اراکین رابطہ کمیٹی کو بھتے کی پرچیاں ملیں ان میں خالد مقبول صدیقی، بابر خان غوری، رشید گوڈیل، نسرین جلیل اور دیگر شامل ہیں۔

روزنامہ جنگ میں مبشر علی زیدی نے 100 لفظوں کی کہانی "سودا" کچھ یوں لکھی ہے-----

گھر میں آٹا نہیں تھا اور جیب میں پیسے نہیں تھے۔

راشن کی دکان پر گیا، تھوڑا آٹا تُلوایا۔

آٹے کے عوض کچھ نظمیں پیش کیں۔

دکان دار نے انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آٹا بوری میں پلٹ دیا۔

میں ایک تندور پر پہنچا اور چند روٹیاں طلب کیں۔

روٹیوں کے معاوضے کے طور پر چند کہانیاں نذر کرنا چاہیں۔

نان بائی نے انھیں قبول کرنے سے انکار کردیا۔ روٹیاں ڈھک دیں۔
میں تیسری دکان پر پہنچا۔ آٹا اور روٹیاں خریدنے کے لئے روپے مانگے۔
،روپوں کے بدلے اپنی کتابیں فراہم کیں
کباڑیے نے ردی کے بھاؤ قبول کرلیں۔

کہانی پڑھنے کے بعد ہم نے کہانی نویس کو جواب میں ایک مشورہ دےئ دیا: "جناب اگر اب بھی کچھ کتابیں بچ گیں ہوں تو آپکو ایک مفت مشورہ ہے کہ گھر میں آٹا ختم ہونے سے پہلے پہلے باقی کتابیں بھی بیچ دیں، اور ایک عدد "ٹی ٹی" خرید لیں،بڑے فاہدے میں رہینگے۔ یہ تو آپکو تجربہ ہوگیا ہے کہ کتابوں، ڈگریوں اور شاعریوں کا اب ہمارے ہاں کوئی فاہدہ نہیں۔ اب اس شہر کراچی کو ہی دیکھ لیں یہ پڑھے لکھے لوگوں کا شہر کہلاتا تھا لیکن اب یہ شہر صاحب کتاب لوگوں رہیس امروہی، جون ایلیا، ابن انشا، جمیل الدین عالی یا مشتاق یوسفی کی وجہ سے نہیں پہچانا جاتا، اب یہ شہر دنیا بھر میں ٹی ٹی کا استمال کرنے والے رحمان ڈکیت ،جاوید لنگڑا، فاروق دادا اور ارشد پپو وغیرہ کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے، اور یقین کریں ان کے گھروں میں کبھی آٹا ختم نہیں ہوتا"۔

لگتا ہے ہمارا یہ مشورہ کہانی نویس کو پسند آیا ہو یا نہیں لیکن پڑھے لکھے لوگوں میں کافی مقبول ہوا ہے، اور لوگوں نے اس پر عمل بھی کیا ہے، اپنی

کتابیں بیچ ڈالیں اور مشہور لوگوں کو پرچیاں بھی بھیج دیں۔ لیکن کسی پڑھے لکھے بیوقوف کالعدم تنظیم کے رکن نے یہ سوچ کر کہ یہ لوگ مشہور ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کیا کہ یہ کون ہیں ایم کیوایم کے اراکین رابطہ کمیٹی کو بھتے کی پرچیاں بھیج دی ہیں۔ اب انتظار ہے لندن سے الطاف بھائی کے بیان کا۔

بارہ اکتوبر: غیر آئینی تاریخ کا جنم

پاکستان کی ابتک کی تاریخ پر اگر ہم نگاہ ڈالیں تو پاکستان کی متعدد تاریخیں لکھی گیں ہیں اور مستقبل میں بھی لکھی جائیں گی۔ لیکن تا حال پاکستان کی تاریخ کا تقریبا نصف حصہ غیر جمہوری ادوار پر مشتمل ہے اور بقیہ نصف حصہ جمہوری اور نیم جمہوری ہوتے ہوئے بھی اس غیر جمہوری حصے سے گہنایا ہوا ہے۔ اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں نصف وقت غیر آئینی حکومتیں برسر اقتدار رہیں اور بقیہ نصف وقت غیر آئینی حکومتیں برسر اقتدار نہیں رہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کی آئینی تاریخ کے مقابلے میں غیر آئینی تاریخ زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ بارہ اکتوبر 1999ء کو بھی ایک اور غیر آئینی تاریخ کا جنم ہوا لیکن مُلک کی تاریخ میں یہ واقعہ پہلے سے یوں مختلف تھا کہ فوجی ٹیک اوورز کے بجائے اس بار پہلے وزیر اعظم نے فوج پر سویلین حکومت کی بالادستی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، اور فوجی چیف ہی کے خلاف ایک طرح کا 'مُو' کرڈالا تھا۔ پاکستان کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل پرویز مشرف سری لنکا کی آزادی کی پچاس سالہ تقریبات میں شرکت کرکے کولمبو سے واپس آرہے تھے اور ادھر پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف نے اچانک اُنہیں اُن کے عہدے سے برطرف کرنے کے بعد آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل ضیاء الدین کو جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر

نیا آرمی چیف مقرر کردیا۔ جونہی یہ اطلاع جی ایچ کیو پہنچی، کور کمانڈرز نے اس حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کردیا۔ ان کا مؤقف تھا کہ چیف آف آرمی اسٹاف جنرل پرویز مشرف اس وقت ملک سے باہر ہیں۔ حکومت اگر اُنہیں ان کے عہدے سے ہٹانا ہی چاہتی تھی تو اُسے اُن کی واپسی کا انتظار کرنا چاہئے تھا، بصورت دیگر وہ جنرل پرویز مشرف ہی کے احکامات کی تعمیل کریں گے۔ جنرل پرویز مشرف اس کارروائی سے بے خبر کولمبو سے کراچی کے لئے محو سفر تھے۔ حکومت نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھانا چاہا اور کوشش کی کہ جنرل پرویز مشرف جس طیارے میں سوار ہیں اسے کراچی ایئرپورٹ پر اترنے نہ دیا جائے۔ مگر فوج کے کور کمانڈروں نے اس کوشش کو ناکام بنادیا اور نواز شریف کی حکومت کو ختم کردیا۔

جنرل پرویز مشرف بارہ اکتوبر 1999ء سے اٹھارہ اگست 2008ء تک اقتدار میں رہے، یہ پاکستان کی ابھی تک کی تاریخ کے آخری فوجی حکمران تھے۔ جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو 1999ء میں ہٹا کر اقتدار پر قبضہ کیا تو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے تمام جج صاحبان جن میں سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری بھی شامل تھے، اُن تمام نے پی سی او کے تحت حلف لیا۔ مشرف کے برسر اقتدار آنے کے بعد چوہدری شجاعت اور چوہدری پرویز الٰہی نے مسلم لیگ ق کو جنم دیا۔ مسلم لیگ ق کے علاوہ ایم کیو ایم اور متحدہ مجلس عمل بھی پرویز مشرف کے اتحادی تھے۔

پہلے ظفر اللہ خان جمالی، اور بعد میں شوکت عزیز وزیر اعظم رہے۔ عمران خان تین سا
ل تک پرویز مشرف کی حمایت کرتے رہے۔ جبکہ علامہ طاہر القادری بھی پرویز مشرف
کے کرائے ہوئے 2002ء کے انتخابات میں کامیاب ہو کر قومی اسمبلی میں پہنچے تھے۔آج
ان دونوں کے کنٹینرز پر آپ پرویز مشرف کے کافی ساتھی دیکھ سکتے ہیں ۔ 28دسمبر
2003ء کو قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن و دیگر قائدین کی موجودگی میں متحدہ
مجلس عمل نے آئین میں 17ویں آئینی ترمیم کا بل یعنی لیگل فریم ورک آرڈر منظور
کرکے پرویز مشرف کی حکمرانی کو آئینی و قانونی جواز فراہم کردیا۔ اس درمیان میں
جنرل مشرف کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری سے اختلافات ہوئے
اور پھر اُنکو معطل کردیا بعد میں وہ بحال ہوئے مگر جنرل مشرف نے تین نومبر 2007
ء کو ایمرجنسی کا نفاذ کیا جسکو سپریم کورٹ نے منسوخ کردیا۔ جنرل پرویز مشرف کے
کیس میں یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آرٹیکل 6 کے تحت اُن پر چلنے والا غداری کا
مقدمہ سول و فوجی قیادت میں کشیدگی کی شروعات تھا۔ نواز شریف کے وزرا نے
پرویز مشرف کے خلاف ذاتی بیان بازی کرکے صورت حال کو مزید خراب کیا۔

اگر نواز شریف واقعی پرویز مشرف کے اقتدار پر قبضہ کرنے اور اُنکے کے اقتدار کے دوران
وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی تاریخ کو کھولنا چاہتے ہیں اور پرویز مشرف کو سزا
دلانا چاہتے ہیں تو پھر 12اکتوبر 1999ء زیادہ اہم ہے۔

مشرف کے اقتدار میں آنے کی تاریخ 12 اکتوبر 1999ء ہے، 3 نومبر 2007ء نہیں۔ اسکے علاوہ صرف پرویز مشرف کو نشانہ بنانے کا فیصلہ نواز شریف کا ذاتی انتقام ہے۔ 24 جون 2013ء کو قومی اسمبلی میں سپریم کورٹ کے اس سوال پر کہ کیا مرکزی حکومت پرویز مشرف پر غداری کا مقدمہ چلانا چاہتی ہے، نواز شریف نے کہا تھا کہ مشرف کو اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا۔ تین نومبر 2007ء کی ایمرجنسی کے اصل مدعی سپریم کورٹ کے اور اُس کے جج ہیں نواز شریف نہیں، نواز شریف بارہ اکتوبر 1999ء کے مدعی ہیں۔ نواز شریف اگر واقعی حق پر ہیں تو بارہ اکتوبر 1999ء سے جنرل مشرف کے اقتدار کا پنڈورا بکس کھلوادیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرینگے کیونکہ اُنکی اپنی ہی پارٹی میں پھوٹ پڑ جائے گی، اس لیے کہ مشرف کے 80 فیصد مجنوں جو مشرف کے غیر آئینی اقدامات میں مشرف کے ساتھ تھے آج اُنکی پارٹی کے ممبر قومی اور صوبائی اسمبلی ہیں اور ان میں کچھ وزرا بھی ہیں۔

اکہتر سالہ جنرل پرویز مشرف جو اپنی مرضی سے پاکستان واپس آئے تھے، اُنکو پاکستان کی عدالتوں نے تو اپنی والدہ سے ملنے کی اجازت دے دی لیکن نواز شریف حکومت اور خود نواز شریف نے ایسا نہ ہونے دیا۔ قدرت کے کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں، آج نواز شریف کو خود اپنے اقتدار کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ کل نواز شریف کا پسندیدہ نعرہ تھا گو مشرف گو" لیکن آج پاکستان کا مقبول ترین نعرہ"

ہے جو کبھی کبھی مسلم لیگ ن کے لوگ بھی لگا لیتے ہیں "گو نواز گو"۔ نواز شریف کی سیاسی پیدائش اور تربیت جنرل ضیا کے دور میں ہوئی ہے۔ نواز شریف ایک عرصے تک جنرل ضیا کی صحبت میں رہے ہیں، وہ جنرل ضیا کو اپنا سیاسی باپ کہتے تھے۔ جنرل ضیا کی موت کے بعد ایک عرصے تک نواز شریف ہر سال ضیا کی برسی پر اُس کی قبر پر جا کر اُس کے تمام اقدامات کی تعریف کیا کرتے تھے۔ نواز شریف کو یہ بھی یاد نہیں کہ جنرل ضیا نے بھی آرٹیکل چھ کی خلاف ورزی کی تھی اور اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔

کیا لفظ مہاجر ایک گالی ہے؟

برصغیر کے مسلمانوں کی عظیم الشان جدوجہد کے بعد حاصل ہونے والے نئے ملک پاکستان کا دارالحکومت جب کراچی بنا تو تین لاکھ کی آبادی کا یہ شہر ساری دنیا کی نظروں میں آگیا۔ 1971ء تک مسلمانوں کے سب سے بڑے ملک کا دارالحکومت ہونے کے سبب کراچی برصغیر جنوبی ایشیا ہی کا نہیں، ساری مسلم دنیا کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ ہندوستان کے مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے مسلم کُش فسادات، کانگریس کی مسلم بیزار پالیسیوں اور مستقبل کے خدشات و خطرات کے علاوہ، نئے ملک میں دستیاب امکانات کے پیشِ نظر بھی لاکھوں کی تعداد میں پاکستان ہجرت کی۔ تقریباً اُسی لاکھ انسان بھارت سے نکل کر موجودہ پاکستان میں آبسے۔ مہاجرین کی نصف تعداد پاکستانی پنجاب میں آباد ہوئی۔ ان میں سے بیشتر پنجابی بولنے والے تھے۔ مگر اردو بولنے والے بھی خاصی بڑی تعداد میں پنجاب کے شہروں میں جابسے۔ جبکہ مہاجروں کی بقیہ نصف تعداد سندھ میں آباد ہوئی اور ان میں سے بھی اکثر کراچی و حیدرآباد اور سندھ کے جنوبی شہروں میں۔ ان مہاجروں کی نوے فیصد تعداد اردو، گجراتی اور میمنی بولنے والی تھی۔ پاکستان میں نئے آباد ہونے والے مہاجروں میں سے جو لوگ سندھ میں آباد ہوئے وہ بوجوہ مقامی آبادی میں ضم نہ ہوسکے۔ ان ''مہاجروں'' کی آبادی سندھ کی مجموعی آبادی میں

پینتیس چالیس فیصد کے قریب ہے۔ اگر سندھ کے پرانے پنجابی آبادکاروں اور بعد میں آنے والے پختونوں کو ملا لیا جائے تو یہ تعداد سندھی و بلوچی آبادی کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

کراچی کی موجودہ آبادی تقریبا دو کروڑ کے قریب ہے، 18 اکتوبر کو پاکستان پیپلز پارٹی کے کراچی کے جلسے میں ایک اندازے کے مطابق تقریبا ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب لوگوں نے شرکت کی جس میں 95 فیصد لوگوں کو اندرون ملک سے لایا گیا تھا اور اس بات کا خود جلسے کے مقررین نے ذکر بھی کیا۔ کیا وجہ ہے کہ کراچی کے رہنے والے عام طور پر اس جلسہ سے دور رہے، پیپلز پارٹی اور آصف زرداری نے بلاول کو لانچ کرنے کے لیے کروڑوں روپے خرچ کیے اور کراچی سے باہر کے لوگوں کو لانا پڑا۔ اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پیپلز پارٹی سندھ کی متعصب ترین سیاسی پارٹی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آج اس پارٹی میں مہاجر سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، کبھی معراج محمد خان، ڈاکٹر شمیم زین الدین، این ڈی خان، محمد احمد اور دوسرے کافی مہاجر ہوا کرتے تھے۔ ڈاکٹر شمیم زین الدین تو بھٹو صاحب کے برسراقتدار آنے کے بہت تھوڑے عرصے بعد ہی اُنکے رویے سے مایوس ہو کر پیپلز پارٹی چھوڑ گیں تھیں، معراج محمد خان جن کو بھٹو صاحب نے اپنا جانشین قرار دیا تھا، بھٹو صاحب کے زمانے میں ہی جیل پہنچا دیے گے اور جب جیل سے رہا ہوئے تو کافی عرصے تک آنکھوں کی بینائی سے محروم رہے۔ این ڈی خان آج

بھی موجود ہیں، بے نظیر کے زمانے کچھ عرصے وزیر رہے، بچوں کو امریکہ میں تعلیم دلوالی اور لانڈھی سے اٹھکر گلشن اقبال پہنچ گے. مہاجر ہونے کی وجہ سے پیپلز پارٹی میں دو ٹکے کی اوقات نہیں ہے۔

بھٹو صاحب نے اپنے بے انتہا متعصب بھائی ممتاز بھٹو کو جواب مسلم لیگ ن کا حصہ ہیں سندھ کا وزیر اعلی بنایا تو اُن مہاجروں کو جو پیپلز پارٹی میں تھے اپنی اوقات کا پتہ چل گیا تھا، آہستہ آہستہ مہاجر پیپلز پارٹی سے دور ہوتے چلے گے۔ 1972ء میں سندھ کی صوبائی اسمبلی نے ایک زبان بل کی منظوری دی جس میں اردو کے ساتھ سندھی کو صوبائی زبان قرار دیا۔ اگلے سال 1973ء میں بھٹو صاب کا جہاں یہ بہت بڑا کارنامہ تھا کہ انہوں نے ایک متفقہ آئین پاکستان بنایا وہاں ایک سیاہ باب یہ بھی ہے کہ انہوں نے کوٹا سسٹم کو آئین کا حصہ بنایا۔ مہاجروں کے نام پر ایک عرصے تک سیاست کرنے والے پروفیسر غفور احمد، محمود اعظم فاروقی اور شاہ احمد نورانی بھی اس ظلم میں برابر کے شامل تھے۔ یاد رہے کوٹا سسٹم کی میعاد دس سال تھی مگر افسوس کہ آج بھی اُس پر عمل ہو رہا ہے، کوٹا سسٹم سے سب سے زیادہ کراچی اور حیدرآباد متاثر ہوئے۔

1978ء میں آل پاکستان مہاجر اسٹوڈینٹ آرگنائزیشن [موجودہ آل پاکستان متحدہ اسٹوڈینٹ آرگنائزیشن] کا بھی کراچی یونیورسٹی میں اعلان ہوگیا۔ کراچی میں اسلامی جمیت طلبا میں اکثریت مہاجروں کی تھی، اے پی ایم ایس او بننے کے بعد

جمیت کی ایک بڑی تعداد نے اس میں شمولیت اختیار کرلی۔ اب نعرے کچھ یوں تھے۔ جیے مہاجر، جیے پختون، جاگ پنجابی جاگ یعنی کراچی کو برباد کرنے کے لیے تعصب کی ہانڈی پوری طرح تیار۔ کراچی میں لسانی تعصب سے پہلے ایک فرقہ وارانہ شیعہ سنی تعصب پہلے ہی موجود تھا اور ہر سال ان دونوں فرقوں کی لڑای سے کافی لوگوں کی جانیں جاتی تھیں۔ پہلے ان دونوں فرقے کے لوگ پوری کراچی میں رہ رہے تھے مگر آہستہ آہستہ ان کے علاقے بھی علیدہ علیدہ ہوگے۔18 مارچ 1984ء کو آل پاکستان مہاجر اسٹوڈینٹ آرگنائزیشن [موجودہ آل پاکستان متحدہ اسٹوڈینٹ آرگنا ئزیشن] کے سربراہ الطاف حسین نے مہاجر قومی مومنٹ [ایم کیو ایم] کے نام سے ایک سیاسی جماعت کا اعلان کیا اور یہ اعلان عین اس وقت ہوا جب ضیا الحق کے اس فیصلے کو محض چھ دن ہی گزرے تھے، جس میں دیہاتی شہری کوٹہ سسٹم کو مزید 10 سال کے لیے بڑھا دیا گیا تھا۔

بے نظیر بھٹو 1988ء میں وزیراعظم بنیں تب سے آجتک ایم کیو ایم اور پیپلزپارٹی کے گٹھ جوڑ نے سندھ اور خصوصا کراچی اور حیدرآباد کو بے انتہا نقصان پہنچایا ہے۔ پیپلز پارٹی نے مہاجروں کو اپنے آپ سے دور کرلیا اور ایم کیو ایم نے جو کبھی صرف مہاجروں کی جماعت بن جاتی اور کبھی پورے پاکستان کے غریبوں کی ہمدرد اور جاگیرداروں کے خلاف نفرت کا اظہار کرتی ہے، مگر مہاجر پیپلز پارٹی اور متحدہ کے بیچ میں پستے رہتے ہیں، کبھی ذوالفقار مرزا

مہاجروں کو بھوکا ننگا کہتا ہے تو کبھی کہتا ہے کسی کے باپ میں بھی ہمت نہیں ہے کہ سندھ کو تقسیم کرسکے، پیپلزپارٹی کے کراچی میں ہونے والے جلسے سے صرف چوبیں گھنٹے قبل پیپلزپارٹی کے رہنما اور قائد حزب سید خورشید شاہ نے اپنے نئے آقا بلاول کو خوش کرنے کے لیے فرمادیا کہ لفظ 'مہاجر' ان کے لیے گالی ہے اور سندھ میں رہنے والوں کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن جب ایم کیو ایم کے حیدر عباس رضوی نے ایک پریس کانفرنس میں خورشید شاہ کو اُنکی اوقات بتائی اور مہاجر رابطہ کونسل نے بھی احتجاج شروع کیا تو خورشید شاہ نے نہ صرف معافی مانگ لی بلکہ خود کو بھی مہاجر کہہ ڈالا۔

کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اگر اُسکو بلاول یا زرداری پسند نہیں یا اُن سے سیاسی اختلاف ہے تو وہ پوری سندھی قوم کو برا کہے، یا جو نواز شریف کے خلاف ہیں وہ پوری پنجابی قوم کو برا کہیں اور یہ ہی دوسری قوموں کے لیے بھی ضروری ہے۔ خورشید شاہ اور اُن جیسے لوگوں کو ایک مشورہ ہے کہ اگر آپکے اور آپکی پارٹی کے اختلافات الطاف حسین اور ایم کیو ایم سے ہیں تو بات ایم کیو ایم اور الطاف حسین تک ہی رہے تو اچھا ہے، آپکو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ پوری مہاجر قوم کو آپ گالی قرار دیں، الطاف حسین سے بھی یہ کہنا ہے کہ ایم کیو ایم سے پہلے جماعت اسلامی اور جمیت علمائے اسلام مولانا نورانی نے بھی کراچی اور حیدرآباد میں مہاجر کے نام پر سیاست کی اور اب ایک

طویل عرصے سے آپ کر رہے ہیں مگر آجتک مہاجروں کو سوائے نقصان کے کوئی فاہدہ نہیں ہوا، کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ لسانی کے بجائے مقامی یا قومی سطح کی سیاست کریں تاکہ یہ آئے دن وہ لوگ جنکے والدین نے ہجرت کی تھی نفرت اور ذہنی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔ خورشید شاہ نے تو اپنے گناہ کی معافی مانگ لی لیکن شاید ذوالفقار مرزا اپنی گندی ذہنیت کو مسلسل جاری رکھنا چاہتا ہے، زرداری کو چاہیے کہ اُس کو قابو کرے، کیونکہ اس طرح کے بیانات سے صرف نقصان ہوتا ہے۔ عام پاکستانیوں سے بھی ایک سوال ہے کہ "کیا لفظ مہاجر ایک گالی ہے؟"۔

عبدالستار ایدھی نہیں انسانیت لٹ گئی

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عبدالستار ایدھی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اُسکے بعد ابتک تو وزیر اعلی سندھ کے استعفی کی خبر آچکی ہوتی لیکن واقعہ کو دوسرا دن گذرنے کو ہے، افسوس شرم اور حیا کے نام سے ناواقف وزیر اعلی سندھ سید قائم علی شاہ اب تک اپنے عہدے پر برقرار ہے۔ اُس ملک میں جہاں وزیر اعظم سے لیکر تھانے کا سپاہی تک سب کرپٹ اور بے حس ہیں ، کسی تھانیدار کو، کسی مذہب کے ٹھکیدار کو، کسی چھوٹے سے چھوٹے سیاسی رہنما کو یا کسی بھی حکمرانوں کے نمائندئے کو ابتک یہ نصیب نہیں ہوا کہ انسانیت کے اس مسیحی کے پاس جاتا۔ آٹھ یا دس جتنے بھی تھے بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ کہاں اور کس کو لوٹنے جارہے ہیں، اُنکا کوئی سربراہ بھی ہے جس سے اُسکے بھیجے ہوئے لوگ لوٹ مار کے دوران برابر رابطہ میں تھے۔ اتوار کی صبح آٹھ سے دس افراد کراچی کے علاقے میٹھادر میں واقع ایدھی سینٹر میں داخل ہوئے اور عبدالستار ایدھی سمیت دیگر افراد کو یرغمال بنا کر وہاں موجود الماری میں سے پانچ کلوگرام سونا اور ملکی و غیر ملکی رقم لوٹ کر فرار ہوگئے۔ عبدالستار ایدھی کا کہنا ہے کہ ڈاکو کروڑوں روپے مالیت کی ملکی اور غیر ملکی کرنسی کے عطیات اور ان کے پاس رکھوائی گئیں امانتیں بھی لوٹ کر لے گئے ہیں، غیر ملکی کرنسی میں لاکھوں امریکی ڈالرز بھی شامل

تھے۔ ڈاکوؤں میں سے ایک شخص نے اپنا منہ ڈھانپا ہوا تھا اور وہ مسلسل کسی شخص سے موبائل فون پر بات کر رہا تھا۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہ گزشتہ پچاس سال سے فلاحی کاموں میں مصروف ہیں اور آج تک اس قسم کا واقعہ رونما نہیں ہوا۔ آجکل عبدالستار ایدھی اسی سینٹر میں رہائش پذیر ہیں اور شدید علیل ہونے کے باوجود وہ فلاحی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کسی بھی ایدھی سنٹر پر ڈکیتی کا یہ تیسرا واقعہ ہے۔ اس سے قبل 2008 میں بھی دو مختلف ایدھی مراکز پر ڈکیتی کی واردات ہو چکی ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ڈکیتی کا نشانہ بننے والے مرکزی دفتر کے علاوہ ملک بھر میں قائم ایدھی سنٹرز پر سکیورٹی کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں۔

پاکستان میں انسانیت عبدالستار ایدھی سے شروع ہوتی ہے۔ اٹھاسی سالہ عبدالستار ایدھی نہیں جانتے کہ پیسے کے پیچھے بھاگنا کیا ہوتا ہے، آج تک کسی حکومت سے امداد نہیں لی، صرف عوامی تعاون سے 63، 64 سالوں سے ایک ایسا رفاہی ادارہ چلا رہے ہیں جس کے ماہانہ اخراجات ایک کروڑ سے زائد ہیں۔ سادہ اتنے کہ بتاتے ہیں ادارے میں امدادی رقم ڈبل آتی اور سنگل خرچ ہوتی ہے۔ نڈر ایسے کہ کوئی پروٹوکول نہیں، بدترین حالات میں بھی کوئی سیکیورٹی حصار نہیں۔ بلوچستان گئے تو ڈاکو تائب ہوگئے، فنڈز دیئے، ایک ڈاکو نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ کمبختو! جب پولیس مقابلے میں مارے جاؤگے، جب تمہارے

قریبی رشتہ دار بھی لاشیں لینے سے انکار کر دیں گے، جب اپنے بھی تدفین نہیں کریں گے تو تب یہی آدمی انسانیت کی خاطر آگے بڑھے گا اور تدفین کا بندوبست کرے گا۔
اوئے! یہ عبدالستار ایدھی ہے۔ شمالی وزیرستان گئے تو طالبان نے بے لوث رہنما مان لیا اور ڈھیروں امداد دے کر بحفاظت روانہ کیا۔ کوئی خوف نہیں کوئی لگی لپٹی نہیں۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر سراہے جانے کی کوئی تمنا بھی نہیں۔ سوات میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اسپتال کھولا اور چار میڈیکل اسٹورز قائم کیے گئے۔ وہاں خواتین پردے کا خاص اہتمام کرتی ہیں لیکن ان کے سامنے وہ عورتیں بھی گھونگٹ اٹھا کر سلام کرتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ایدھی ان کے والد سے بھی زیادہ محترم ہیں ۔ الحمداللہ پاکستان میں 75 فیصد لوگ انہیں پہچانتے ہیں۔ سیلاب میں حکومت وقت نے پی ٹی وی کے ذریعے امداد کی اپیل بھی ان ہی سے کروائی۔ خدا کے فضل سے سیلاب زدگان کیلئے ایدھی کو بھی لوگوں نے دل کھول کر عطیات دیئے۔
اس واقعہ کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرپرسن بلاول نے عبدالستار ایدھی کی چیریٹی پر بھیانک ڈکیتی کا نوٹس لیتے ہوئے کہا ہے کہ انہیں اس واقعے سے سخت دھچکہ لگا ہے اور سخت افسوس ہوا ہے کہ کوئی پاکستانی اس حد تک بھی گر سکتا ہے کہ مفلس اور ناداروں کے لیے جمع کی گئی رقم چوری کرے۔ وزیراعظم نواز شریف نے عبدالستار ایدھی کو یرغمال بناکر ایدھی سنٹر کو لوٹنے کی شدید

مذمت کرتے ہوئے سندھ حکومت کو فوری طور پر ملزمان کی گرفتاری کی ہدایت کی ہے۔ وزیراعظم نے اتوار کو جاری بیان میں اس واقعہ کا سخت نوٹس لیتے ہوئے کہا کہ حکومت ذمہ دار ملزموں کو گرفتار کرکے عوام کی طرف سے ایدھی سنٹر کو عطیات کی مد میں دیا گیا تمام پیسہ وصول کرے گی۔ مگر افسوس سندھ حکومت کا کوئی ذمیدار ابھی تک ایدھی صاحب کے پاس نہیں پہنچا۔ کراچی کے 85 فیصد مینڈیٹ کی دعویدار ایم کیوایم کو اپنی سیاست سے فرصت نہیں کہ اسطرف دیکھے۔ عمران خان تو کافی عرصے پہلے سے ہی ایدھی صاحب کو بھول چکے ہیں۔ اگر بلاول اور نواز شریف کو واقعی اس واقعہ پر افسوس ہوا ہے تو فورا سندھ حکومت کو اور خاصکر وزیراعلی کو گھر بھیج دینا چاہیے، لیکن اسکا نہ تو نواز شریف کو اور نہ ہی بلاول کو کوئی سیاسی فائدہ ہوگا، لہذا ایسا ہوگا نہیں۔ حیرانگی تو اس ریاست کے حکمرانوں کی بے حسی اور ڈھٹائی پر ہوتی ہے کہ بے چارے سیاح مارے جائیں یا پولیو ورکر یہ اس امر کی نشاندہی ہے کہ اب اس ملک میں کوئی بھی محفوظ نہیں۔ لیکن حکمرانوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا، سیکیورٹی اداروں کی بے حسی ، واردات پہ واردات ہورہی ہیں لیکن چونکہ اُن کا احتساب یا بازپُرس اور سزا کا عمل مفقود ہے لہٰذا وہ بدترین وارداتوں کے بعد بھی اپنی کرسیوں پہ براجمان ہیں۔

دنیا بھر سے فلاحی امور انجام دینے والے افراد اس ملک میں آنے سے پہلے سو

بار سوچتے ہیں، اب تو وہ اور محتاط ہو جائینگے کیونکہ اب اس دھرتی پہ قدم رکھنا اپنی موت کو دعوت دینے کے برابر ہوگا۔ ایدھی صاحب کا ہمیشہ سے یہ ہی کہنا تھا کہ میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں، میں تو سب کا دوست ہوں، میں تو کسی خاص مذہب یا مسلک کا بھی حامل نہیں ہوں ۔ میرا مذہب تو صرف اور صرف "انسانیت کی خدمت ہے"، مجھے کسی سے کیا ڈر، مجھے کسی نے کیا کہنا ہے ؟ لیکن آج عبدالستار ایدھی کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے ۔ پاکستان میں ایک اور نیا ریکارڈ بن گیا ، یہاں انسانیت کی خدمت کرنے والے بھی محفوظ نہیں۔ پیارے ایدھی صاحب ! یہ سب ماضی کے قصے ہیں کہ جب چوروں اور ڈاکوؤں کے بھی کچھ اصول ہوتے تھے، کم سہی مگر ان میں بھی غیرت نام کی کوئی چیز ہوتی تھی، تب معاشرے میں تھوڑی بہت انسانیت بھی باقی تھی۔ جبکہ حال تو جنگل سے بھی گیا گزرا ہے، یہ تو بس ایک اندھیر نگری ہے، جہاں فلاحی ادارے تک لوٹے جا رہے ہیں۔ یہ ایک ایدھی صاحب نہیں لٹے بلکہ اس جنگل نما معاشرے سے انسانیت کی آخری سانس لٹ رہی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبدالستار ایدھی کے ساتھ ہونے والے اس واقع پر احتجاج کرنے کے لیے اس واقع کے خلاف کتنے سیاست دان جلوس نکالینگے، ہمارے کتنے علمائے اکرام قُرآن وحدیث کے حوالے دیکر عوام کو ایسی گھناؤنی واردات کے خلاف بھرپور احتجاج کے لیے تیار کریں گے ؟ کتنی ایمان بھری تقاریر اور خطبات سننے کو ملینگے ؟ اور کیا خود ہم لوگ سوشل میڈیا اور دوسرے زرائع کے زریعے حکومت سے احتجاج کریں گے ؟ اور اُسے باور کرایں گے کہ پاکستان میں 19

اکتوبر کو "عبدالستار ایدھی نہیں انسانیت لٹ گئی"۔

مسٹر مولانا فضل الرحمان "ٹو ان ون"۔

صوبہ خیر پختونخوا میں تحریک انصاف کی حکومت ہے، اس حکومت نے ابتک عوام کو کیا دیا یا کیا نہیں دیا اس مضمون کو لکھنے کا مقصد اس پر تجزیہ کرنا قطعی نہیں ہے، اس موضع پر بھی لازمی لکھونگا، لیکن اس مضمون کا مقصد اسلام آباد کے دو دھرنوں کے مخالف جو پارلیمینٹ میں بیٹھے ہیں اور جن میں سے ایک مولانا فضل الرحمان ہیں اُنکی سیاست کا تجزیہ کرنا ہے۔ ہمارئے ملک میں ہر شخص جانتا ہے کہ مولانا ایک چالاک اور خودغرض سیاست دان ہیں۔ مولانا فضل الرحمان کے بارئے میں پاکستان میں صرف ایک رائے پائی جاتی ہے کہ مولانا جمہوریت پسند قطعی نہیں بلکہ مفادپرست ہیں، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف دونوں ڈکٹیٹر تھے، مولانا کے مفادات اُن سے پورئے ہوئے تو کیسی جمہوریت۔ مرحومہ بینظیر بھٹو، سابق صدر پرویز مشرف، سابق صدر آصف علی زرداری، موجودہ وزیراعظم نوازشریف، دو سابق امیر جماعت اسلامی مرحوم قاضی حسین احمد اور سید منور حسن، مرحوم شاہ احمد نورانی کے ساتھ مولانا نے جب بھی سیاسی اتحاد کیا اُس میں جمہوریت کو نہیں اپنے،اپنی جماعت ، اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے مفادات کو مقدم رکھا۔

تحریک انصاف کے مخالفین کی جانب سے صوبہ خیر پختونخوا کے وزیراعلی پرویز خٹک

کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک واپس لی جارہی ہے۔ عدم اعتماد کی تحریک لانے کے قائد مولانا فضل الرحمان تھے جنہیں وزیراعظم نواز شریف کی اجازت کی ضرورت تھی اور وزیراعظم جو خود ابھی تک پارلیمنٹ میں موجود سیاسی جماعتوں کی حمایت کی آکسیجن پر چل رہے ہیں ابھی اس پوزیشن میں نہیں کہ مولانا کے اس اقدام کی حمایت کریں، لہٰذا انہوں نے ملک کو درپیش سیاسی بحران اور آئی ڈی پیز سمیت بعض دوسرے عوامل کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا کو اپنی خواہش کی تکمیل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ میں فضل الرحمان کو "مسٹر مولانا فضل الرحمان" کہکر بھی پکارتا ہوں، جسکی وجہ یہ ہے کہ آپنے ایسے ٹیپ ریکارڈ تو دیکھے ہونگے جن میں ریڈیو اور آڈیو پلیر ہوتے تھے جو "ٹو ان ون" کہلاتے تھے، خبروں کے وقت خبریں اور گانوں کے وقت گانے، فضل الرحمان بھی ہمارے وہ سیاست دان ہیں جنہیں ہم "ٹو ان ون" کہہ سکتے ہیں یعنی مسٹر مولانا فضل الرحمان، مولانا الیکشن لڑتے ہیں تو وہ مولانا ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اسلام کے نام پر ووٹ مانگتے ہی۔ الیکشن ختم ہونے کے بعد مولانا مسٹر بن جاتے ہیں، پھر مولانا کو اسلام کی فکر کم اور اسلام آباد کی فکر زیادہ ہوتی ہے۔ چونکہ وزارت، حکومت اور اقتدار سے دوری مولانا کے شرعی نظریئے کے خلاف ہے، لہٰذا موجودہ حکومت کے بننے کے کچھ ہی عرصے میں مولانا نواز لیگ کے اتحادی بن کر وزارتیں کمانے میں کامیاب ہوگئے۔ اُن کی جماعت کے دو اہم ارکان اکرم درانی اور مولانا غفور حیدری جن کا شمار مسٹر مولانا فضل الرحمان کے انتہائی قابل اعتماد اور

قریبی رفقاء میں ہوتا ہے، انہوں نے وفاقی کابینہ کے رکن کی حیثیت سے حلف اٹھائے، مولانا تو ہیں ہی سدا بہار کشمیر کمیٹی کے چیرمین، جسکو ایک وزیر کا درجہ حاصل ہے۔ مولانا فضل الرحمان اس سے پہلے بھی کشمیر کمیٹی کے چیرمین رہے ہیں لیکن صرف اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کے انہوں نے کچھ نہیں کیا۔

انتخابی جلسوں میں مولانا سادہ لوح عوام کو بتاتے ہیں کہ " تمہارے پاس دو راستے ہیں، ایک راستے پر مختلف چیزیں ہیں، بلا ہے، تیر ہے، شیر وغیرہ ہیں اور دوسری طرف کتاب ہے، قرآن ہے۔ بتاؤ تم کس کے ساتھ ہو۔ یاد رکھو کبھی کتاب اللہ کو مت چھوڑنا۔ مولانا کی جماعت کا انتخابی نشان کتاب ہے، جسے وہ قرآن مجید کے طور پر متعارف) کراتے ہیں۔ مئی 2013ء کے انتخابات سے قبل الیکشن کمیشن نے کوشش کی کہ اس کتاب کو کھول کر اس کے صفحات پہ 2+2=4 لکھ کے بلٹ پیپر پر چھاپا جائے تو مولانا نے وہ ہنگامہ کیا کہ یہ فیصلہ واپس لینا پڑا اور کتاب کھل نہ سکی)۔ مولانا کا مزید یہ فرمانا بھی ہے کہ ہمارے خلاف کسی اور جماعت کو ووٹ دینا حرام ہے، ہمارے مقابلے میں امیدوار سامنے لانا گناہ ہے اور جو جمعیت کے مقابلے میں آتا ہے وہ دین کے مقابلے میں آتا ہے۔ مئی 2013ء کے انتخابات میں مولانا کو عوام نے زیادہ لفٹ نہیں کرائی اور مولانا کی جماعت کو صوبہ خیبر پختونخوا میں صرف 16 سیٹیں ملیں اور 16 ہی

نون لیگ کی ہیں جبکہ تحریک انصاف کی 45 سیٹیں ہیں اور اُس نے جماعت اسلامی کو ساتھ ملا کر صوبہ میں اپنی حکومت بنائی ہوئی ہے لیکن انتخابات کے بعد سے ہی خیبر پختونخوا میں اتحادی حکومت بنانے کے لیے مولانا نے نون لیگ سمیت امریکی سفیر کے دروازے تک بھی دستک دی مگر شنوائی نہیں ہوئی۔

جمیعت علمائے اسلام ف کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کی خیبر پختونخوا میں تبدیلی لانے کی تمام کوششیں اس وقت بے ثمر ثابت ہوئیں ہیں۔ رواں ہفتے مولانا نے پوری سیاسی توانائیوں اور وضع کردہ حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے تحریک انصاف کی حکومت کو تبدیل کرنے کے لئے تیاری کی، مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ کوئٹہ میں کھڑے ہو کر 23 اکتوبر کو ایک مرتبہ پھر مسٹر مولانا فضل الرحمٰن اپنے مفادات کے حاصل کرنے کے لیے بلبلا رہے تھے، وہ فرمارہے تھے کہ عمران خان کچھ نہیں، وہ کسی کی ڈگڈگی پر ناچ رہا ہے، اسلام آباد میں طویل ترین دھرنے کا نہیں مجرے کا ریکارڈ بنا، ملک چالیس سال کی کرپشن سے اتنا تباہ نہیں ہوا جتنا چالیس دن کے دھرنے سے ہوگیا۔ اسے کہتے ہیں شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار، مولانا نے آصف زرداری اور نواز شریف کی کرپشن کو دھرنوں کی آڑ میں چھپا دیا۔ نواز شریف کی نمک حلالی میں سرگرم مولانا فضل الرحمان کا کہنا ہے کہ کچھ لوگ پاکستان میں مغربی تہذیب کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں، دھرنوں میں رات کو مجرے ہوتے ہیں لیکن اس کو بڑے فخریہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا کے اصل الفاظ تھے کہ " دھرنے دن میں ہوتے ہیں ، رات کو مجرے ہوتے ہیں "۔ مولانا کے اس ناشائستہ جملے کو صرف چند منٹ ٹی وی اسکرین پر دکھایا گیا، اُس کے بعد اس بیان کو نہ ٹی وی اسکرین پر دیکھا گیا اور نہ ہی نیٹ پر آنے والے اخبارات میں ، اس لیے کہ شاید میڈیا کو یہ احساس ہوا کہ یہ بیان گھروں میں دیکھا اور سنا جائے گا، لہٰذا اسکو نہ دکھایا جائے اور نہ ہی سنایا جائے۔ مولانا صاحب آپسے ایک گذارش ہے کہ اپنے عزیزوں اور دوست احباب میں معلوم کروایں کہ ان میں سے کتنے اسلام آباد کے مجروں میں شامل تھے،یقینا سب آپکی جماعت میں نہیں ہونگے، آپکو ضرور مل جاینگے پھر اُن سے اپنے اس ناشائستہ جملے کے ساتھ اپنے خیالات کا ضرور اظہار کریں جو جواب ملے اپنی اگلی کسی تقریر میں ضرور بیان فرمایں۔اب تو آپکی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ فضل الرحمان ہمارے وہ سیاست دان ہیں جنہیں ہم مسٹر مولانا فضل الرحمٰن "ٹو ان ون" کہہ سکتے ہیں۔

ایم کیو ایم مذہب کی ٹھیکیدار نہ بنے

بہتر ہوگا اگر متحدہ قومی موومنٹ اپنا لبرل تشخص قائم رکھے مہاجروں کے نام پر مذہب کی دوکان نہ چلائے۔یقینا قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف اور پیپلز پارٹی کے رہنما سید خورشید شاہ نے غلطی کی تھی اور مہاجر کو گالی قرار دیا تھا، لیکن جب ایم کیو ایم نے اس پر احتجاج کیا تو حیدر عباس رضوی کی پریس کانفرنس کے دوران ہی خورشید شاہ نے میڈیا پر آکر "لیکن، اگر، مگر، چونکہ" کو استمال کیے بغیر نہ صرف ایم کیو ایم سے بلکہ پاکستان میں ہر اُس شخص سے معافی مانگ لی جس کو اُن کے مہاجر کو گالی قرار دینے سے تکلیف پہنچی تھی، وہ اور بھی آگے گے اور انہوں نے اپنے آپ کو مہاجر قرار دے دیا اور کہا کہ اُن کے بزرگ بھی مہاجر تھے۔ لیکن ایم کیو ایم نے اپنا احتجاج جاری رکھا اور 26 اکتوبر کو خورشید شاہ کے بیان پر احتجاج کرتے ہوئے پورے پاکستان میں یوم سیاہ کا اعلان کیا۔ سندھ کے بڑے شہروں کراچی، حیدرآباد، نواب شاہ اور سکھر میں ایم کیو ایم نے اپنی بھرپور طاقت کا اظہار کیا۔ آدھے سے زیادہ سندھ بند کرنے کے علاوہ کراچی میں شارع قائدین پر متحدہ قومی موومنٹ کی ایک بڑی ریلی سے ایم کیو ایم کے قایدین نے خطاب کیا۔

ایم کیوایم کے رہنما ڈاکٹر فاروق ستار کا کہنا تھا کہ پورے پاکستان کے وسائل پر وڈیروں کا قبضہ ہو رہا ہے، سندھ کے شہری علاقوں میں اس بربریت کو قائم نہیں ہونے دیں گے، ہمارا احتجاج عظیم مقصد کے لیے ہے، خورشید شاہ نے ہوش و حواس میں لفظ مہاجر کو گالی کہا، کراچی میں سندھ کے وسائل پر جاگیرداروں اور وڈیروں کا قبضہ ہو رہا ہے، سندھ کے شہری وسائل پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے یہ سازش کر رہے ہیں، سندھ میں عوام نے یوم سیاہ کو کامیاب بنایا۔ خالد مقبول صدیقی کا کہنا تھا کہ آج یہاں لاکھوں لوگ موجود ہیں، پناہ گزینوں اور مہاجروں میں بہت فرق ہوتا ہے، ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہندوستان کو پاکستان بنایا، آج کا مہاجر اپنے حصے کا پاکستان بن چکا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کبھی اپنے لیے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا، مہاجر صرف سندھ کے نہیں پاکستان کے بھی مالک ہیں، ہم ہر ایک کے لیے قربانی دینا جانتے ہیں۔ ہمیں کہا جا رہا ہے کہ ہم ایک انتہاپسند جماعت بنتے جا رہے ہیں، جب بات ناموس رسالت پر آجائے وہاں ہم کسی کو نہیں دیکھتے۔

پاکستان پیپلزپارٹی کے رہنما سید خورشید شاہ نے کہا کہ ایم کیو ایم کو سیاست آتی ہے۔ وہ پہلے مہاجر قومی موومنٹ تھے، پھر سمجھ گئے کہ کراچی میں بیٹھ کر سیاست نہیں کر سکتے اور بعد میں لفظ مہاجر بدل کر پارٹی کا نام متحدہ قومی موومنٹ رکھ لیا۔ اپوزیشن لیڈر سید خورشید شاہ نے کہا کہ سندھ تو ایک تاریخ

ہے، اس کی تقسیم ہر گز برداشت نہیں کی جائے گا۔ سید خورشید شاہ کا کہنا تھا کہ مہاجر یا سندھی تو لفظ ہیں، سندھ میں مختلف علاقوں سے آئے لوگ آباد ہیں جو اب خود کو سندھی کہتے ہیں اور اب سندھ ہی ان کی پہچان ہے۔ انھوں نے کہا کہ کراچی میں ایک کروڑ سے زیادہ دوسری قومیتیں آباد ہیں۔ پاکستان پیپلزپارٹی کے رہنما عبدالقادر پٹیل نے کہا ہے کہ لبرل کہلائی جانے والی جماعت نے مذہبی انتہاپسندی کا سہارا لے لیا ہے۔ جبکہ پٹیل نے ایم کیو ایم سے یہ سوال بھی کیا کہ آج جو آپ لفظ مہاجر کی وجہ سے بلاجواز اشتعال پیدا کر رہے ہیں خود آپ نے اپنی جماعت کے نام سے مہاجر کیوں نکال دیا؟ جواب میں ایم کیو ایم کے رہنما عبدالرشید گوڈیل نے میڈیا سے گفتگو میں پیپلز پارٹی کے قادر پٹیل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ایم کیو ایم لبرل جماعت ضرور ہے مگر لادین نہیں۔ کیا بات ہے گوڈیل صاحب آپ تو ایم کیو ایم کے مفتی ہوگے۔

صرف چار دن پہلے میں نے ایک مضمون "کیا لفظ مہاجر ایک گالی ہے؟" لکھا تھا جس میں بتایا تھا کہ پیپلزپارٹی اور ایم کیو ایم کی وجہ سے ابھی تک مہاجروں کو صرف نقصان پہنچا ہے۔ ایک اور بات صاف ہوجانی چاہیے کہ مہاجر کون ہیں؟ 67 سال پہلے جو لوگ ہندوستان سے آئے آج انکی اولادیں مہاجر کہلاتی ہیں، پہلے اُنہیں پناہ گزیں کہا گیا، بلکہ پناہ گیر اور بھی بہت سارے گندے

نام دیے گے، پھر وہ مہاجر کہلانے لگے اور انہوں نے بھی اپنی اس پہچان کو قبول کرلیا، آجکل اُنہیں اردو بولنے والے بھی کہا جاتا ہے۔ سندھ میں اور خاصکر کراچی میں تعصب تو ایوب خان کے زمانے سے ہی شروع ہوگیا تھا، جبکہ ایوب خان نے دارلخلافہ اسلام آباد لے جاکر کراچی کے لوگوں کے ساتھ کھلا تعصب برتا تھا، لیکن اسکے باوجود 1970 ء کے الیکشن میں کراچی سے پیپلز پارٹی کے دو صوبائی اسمبلی کے ممبر محمد علی گبول اور عبداللہ بلوچ جو سندھی تھے مہاجروں کے اکثریتی علاقوں نیو کراچی، فیڈرل بی ایریا، پاک کالونی اور پرانا گولیمار سے جیتے تھے، جبکہ اُنکے مقابلے میں دوسری سیاسی جماعتوں کے امیدوار جو مہاجر تھے وہ ہار گے تھے۔

اگر آپ کراچی کے قدیم باشندوں کو دیکھیں تو اُنکی زبوں حالی انتہائی قابل افسوس ہے، کراچی میں مسائل کا انبار ہے اور ایک کراچی ہی پر کیا منحصر ہے سندھ کے باقی شہروں اور دیہاتوں کی حالت بھی بہت خراب ہے، ایسا کیوں ہے؟ یہ سوال تو طویل عرصے تک یہاں متعین مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں اور ان سیکریٹریوں سے پوچھا جائے جو صوبہ کے سیاہ و سفید کے مالک رہے ہیں یا پھر اس کا جواب پیپلز پارٹی کے ممتاز بھٹو، غلام مصطفٰی جتوئی یا ان کے جانشین دیں جنہیں ون یونٹ کے خاتمے کے بعد سندھ کے بااختیار وزیر اعلیٰ رہنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ پیپلز پارٹی جو اسوقت سندھ کی پانچویں مرتبہ حکمراں ہے اپنی لوٹ مار اور

وڈیرہ شاہی سے سندھ کو برباد کرتی رہی ہے اور کر رہی ہے یا پھر ایم کیو ایم سے پوچھا جائے جو گذشتہ 30 سال سے سندھ کے شہری علاقوں کی نہ صرف نمایندگی کر رہی ہے بلکہ کافی عرصہ اقتدار میں اُسکا آنا جانا لگا رہا ہے جو کبھی مہاجروں کی نمایندہ بن جاتی ہے اور کبھی پورے پاکستان کے غریبوں کی ہمدرد۔ جھگڑا یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ جو 1947ء کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں سے سندھ میں آئے انہوں نے تاریخی رواج کے مطابق اپنے آپ کو ابھی تک سندھ کی تہذیب میں مدغم کیوں نہیں کیا۔ بلکہ اصل جھگڑا اور بنیادی مسئلہ بلا تفریق سندھ کے تمام باشندوں میں تکلیف دہ حد تک معاشی ہے، بے روزگاری اور اقتدار میں عوام کی عدم شرکت ہے اور اس آگ میں سندھی اور مہاجر یکساں جل رہے ہیں۔

پیپلز پارٹی جو ملک گیر پارٹی تھی آج اسکی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے اندرون سندھ کی پارٹی بن گئی ہے۔پارٹی کے اسی سالہ بوڑھے وزیراعلی قائم علی شاہ جو انتہاہی نہ اہل اور کرپٹ ہیں اور زرداری صاحب کے 26 سالہ نوجوان لاڈلے سپوت بلاول زرداری جو انتہائی بدتمیز ہیں سندھ کی موجودہ صورتحال کے ذمیدار ہیں۔ قائم علی شاہ، بلاول زرداری، خورشید شاہ اور دوسرے پیپلز پارٹی کے رہنماوں کی ڈور ہلانے والے خود زرداری ہیں، شاید وہ ابھی تک اقتدار میں آنے کی باری کے خمار میں مبتلا ہیں۔ ایم کیو ایم کو اس

وقت جو خطرہ ہے وہ اپنی پوزیشن کو برقرار رکھنا ہے گذشتہ سال الیکشن میں ایم کیو ایم کو اسکا اندازہ ہو چکا ہے، لہٰذا اُسکو کوئی بہانہ چاہیے تھا اپنی سیاسی ساکھ کو بچانے کے لیے جو پہلے بلاول نے اور بعد میں خورشید شاہ نے مہیا کر دیا۔ پیپلز پارٹی سندھیوں کے نام پر اور ایم کیو ایم مہاجروں کے نام پر اگر سیاست نہ کریں تو یہ سندھ کے عوام پر احسان ہوگا۔ پاکستان کا آئین ہر گز نئے صوبے کے قیام سے منع نہیں کرتا لیکن وہ لسانی بنیاد پر صوبہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا، ایم کیو ایم کو پورا حق ہے نئے صوبے یا انتظامی یونٹ کی مانگ کا لیکن لسانیت کی بنیاد پر نہیں صرف اور صرف انتظامی بنیاد پر۔ خورشید شاہ نے لفظ مہاجر کو گالی کہا اور پھر معذرت کر لی اسلیے یا تو ایم کیو ایم اب اس مسلئے کو در گذر کرئے اور اگر ایسا ناممکن ہو تو علماء دین سے رجوع کرئے خود ایم کیو ایم مذہب کی ٹھیکدار نہ بنے۔

مولانا فضل الرحمان پر خود کش حملہ

کوئٹہ 23 اکتوبر کو تمام دن دہشتگردوں کے نشانے پر رہا، کوئٹہ کے علاقے ہزار گنجی کے قریب نامعلوم مسلح ملزمان نے ایک گاڑی پر فائرنگ کر دی، جس کے نتیجے میں گاڑی میں موجود 9افراد شدید زخمی ہوگئے جنہیں اسپتال منتقل کیا جارہا تھا کہ ان میں سے 6 افراد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے جبکہ 2 زخمی اسپتال میں طبّی امداد دیے جانے کے دوران دم توڑ گئے۔ واقعے کے ایک زخمی کو اسپتال میں طبّی امداد دی جارہی ہے۔ قمبرانی روڈپر سیکیورٹی فورسز کے قافلے کے قریب دھماکے کے نتیجے میں ایک شخص جاں بحق ہوگیا جبکہ خاتون سمیت 5افرادزخمی ہوئے ہیں۔ جبکہ ایک خود کش حملہ جمعیت علماء اسلام ف کی مفتی محمود کانفرس کے جلسے کے ختم ہونے کے فورا بعد مولانا فضل الرحمان کی روانگی کے وقت ہوا۔ زوردار دھماکے کے نتیجہ میں 3 افرادجاں بحق اور 15زخمی ہو گئے۔ ذرائع کے مطابق مولانا فضل الرحمان اپنی تقریر مکمل کرکے اپنی گاڑی میں جا کر بیٹھے اور ان کی گاڑی روانہ ہوئی اسی وقت زوردار دھماکا ہوا، دھماکے کے بعد جے یو آئی ف کے کارکنان مولانا کی گاڑی کے اوپر چڑھ گئے اس دوران مولانا نے کارکنان کو بتایا کہ وہ محفوظ ہیں جس کے بعد کارکنان ان کی گاڑی سے دور ہو گئے۔ دھماکے کے کافی دیر بعد مولانا نے دعوی کیا کہ دھماکے کانشانہ میں ہی تھا، تاہم

اللہ کا شکر ہے کہ وہ اور ان کے ساتھی خیریت سے ہیں۔گاڑی کو نقصان پہنچا، جیسے ہی گاڑی میں بیٹھا دھماکا ہوگیا، گاڑی بم پروف تھی اور کوئٹہ پولیس نے مولانا کو دی تھی۔ کالعدم دہشت گرد تنظیم "جند اللہ" نے جمیعت علماء اسلام ف کے سربراہ مولانا فضل الرحمان پر خوکش حملے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ جنداللہ کے کمانڈر کی طرف سے میڈیا کو جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ مولانا فضل الرحمان ایک جمہوریت پسند شخصیت ہیں جبکہ ہماری جنگ اسی جمہوریت کے خلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ آج اُن کو خود کش حملے میں نشانہ بنایا گیا، دوسری جانب مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا ہے کہ انہوں نے جند اللہ کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سنا، کمال ہے مولانا اپنے بھائی کو نہیں پہچان رہے۔ جنداللہ کے کمانڈر کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنے ہی ہمدرد پر حملہ کردیا، اگر وہ گذشتہ دس سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو مولانا فضل الرحمٰن سے زیادہ اُنکو اپنا کوئی ہمدرد نہیں ملے گا، یہاں تک کہ حکیم محسود کے ڈرون حملے میں مارے جانے پر تو مولانا نے دہشت گردوں سے اپنی ہمدردی کا اظہار یوں فرمایا کہ اگر امریکہ ڈرون حملے میں کوئی کتا بھی مارا جائے گا تو وہ شہید ہے۔ یہ تو خیر کبھی نہیں سنا کہ امریکن ڈرون حملوں میں کوئی کتا مرا ہو، ہاں اکثر مولانا کے حمایت یافتہ دہشت گرد ضرور کتے کی موت مارے گے ہیں۔ جنداللہ کے کمانڈر کا مولانا فضل الرحمان پر یہ الزام کہ مولانا ایک

جمہوریت پسند شخصیت ہیں جبکہ ہماری جنگ اسی جمہوریت کے خلاف ہے اور اسی وجہ ہے کہ آج اُن کو خود کش حملے میں نشانہ بنایا گیا۔ لگتا ہے کہ جنداللہ کے کمانڈر یا تو نیا ہے یا پھر اسکوپوری معلومات نہیں ہیں۔ دسمبر 2012ء میں جب پاکستان میں الیکشن ہونے جارہے ہیں اچانک جنداللہ کے اتحادی طالبان دہشت گردوں کی طرف سے حکومت سے مذاکرات کی مشروط پیش کش کی گئی تھی جس میں انہوں نے پاکستانی فوج پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے میاں نواز شریف، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان اور سابق امیر جماعت اسلامی منور حسن کی مذاکرات سے متعلق ضمانت مانگی تھی۔ دہشت گردوں کی پاکستان میں آمد کے ذمیدار ضیاء الحق، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان ہیں۔اُ سوقت نواز شریف تو اپنا دامن بچاکر علیدہ ہوگئے لیکن دہشت گردوں کے پٹی بند بھائی مولانا فضل الرحمان اور منور حسن کو اپنی سیاست کی دوکان چلانے کے لیے طالبان دہشت گردوں کا ساتھ بہت ضروری تھا۔ طالبان کی اکثریت تو مولانا فضل الرحمان کے مدرسوں کی پڑھی ہوئی ہے۔کیا وجہ تھی کہ طالبان نے ایک ایسے وقت جب سابقہ حکومت کے جانے میں چند دن باقی تھے مذاکرات کی بات شروع کی، دہشت گرد آنے والے الیکشن میں اپنے پٹی بند ساتھیوں کی مدد کرنا چاہتے تھےاور انہوں نے اپنے پٹی بند ساتھیوں مولانا فضل الرحمان اور منور حسن کی مدد کی بھی۔ دہشت گرد تنظیم جنداللہ کے کمانڈر کو معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا فضل الرحمان کے بارے میں پاکستان میں صرف

ایک رائے پائی جاتی ہے کہ مولانا جمہوریت پسند قطعی نہیں بلکہ مفاد پرست ہیں۔
نواز شریف حکومت کے ساتھ طالبان کے مذاکرات میں کچھ ایسا ماحول بن گیا جو مولانا کے مفادات پر پورا نہیں اترتا تھا، لہٰذا مولانا نے مذاکرات میں حصہ نہیں لیا۔ مذاکرات کے درمیان میں دہشت گردی بھی جاری تھی اور آخر کار پاکستان کی فوج کو آپریشن ضرب عضب کے نام سے دہشت گردوں کے خاتمے کے لیے ایک بڑا آپریشن شروع کرنا پڑا۔ وزیراعظم نواز شریف کی صاحبزادی مریم نواز شریف نے سماجی رابطوں کی ویب سائٹ ٹویٹر پر کوئٹہ خود کش دھماکے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہماری دلی دعائیں مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ ہیں اور ہم ان کی خیریت کیلئے دعا گو ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دھماکے کے فوری بعد وزیراعظم نے مولانا فضل الرحمٰن کو ٹیلی فون کرکے ان کی خیریت دریافت کی، ویسے ماضی میں مولانا جن جن کے اتحادی رہے اُن سب نے مولانا سے اُنکی خیریت معلوم کی ہے، جبکہ مولانا، مولانا کی جماعت اور مولانا کے ہمدرد اس واقعہ پر احتجاج کر رہے ہیں۔ کوئٹہ میں 23 اکتوبر کے اس خود کش حملے کے بعد جس میں مولانا کی جان بھی جا سکتی تھی مولانا فضل الرحمٰن کو یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ دس جنوری 2013ء کو بلوچستان کے اسی شہر کوئٹہ میں بم دھماکوں کے نتیجے میں 116 افراد ہلاک جبکہ تقریباً 250 افراد زخمی ہوگئے۔ مولانا کی جماعت پیپلز پارٹی کے ساتھ بلوچستان میں اتحادی تھی اور اسکا ہر رکن اسمبلی وزیر

تھا۔ شہید ہونے والوں کے ورثا نے دھماکوں میں مرنے والے اپنے عزیز و اقارب کی لاشوں کو دفن کرنے سے انکار کر دیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ صوبائی حکومت کو برطرف کرکے کوئٹہ شہر کو فوج کے حوالے کیا جائے۔ مظاہرین سے مذاکرات کے بعد صوبہ بلوچستان میں گورنر راج نافذ کرنے کا اعلان کیا جبکہ صوبائی حکومت کو برطرف کر دیا گیا تھا۔ اس واقع میں ہلاک ہونے والوں سے تو مولانا فضل الرحمٰن کو کوئی ہمدردی نہ تھی مگر مولانا اور اُنکی جماعت نے بلوچستان حکومت کی برطرفی کے خلاف احتجاجی تحریک شروع کر دی تھی ۔ مولانا فضل الرحمٰن نے بظاہر گورنر راج کو جمہوریت کے خلاف اقدام قرار دیا تھا لیکن دراصل وہ اپنے مفادات کے چھن جانے پر بلبلا رہے تھے۔

مولانا فضل الرحمٰن یا ان کی جماعت جمعیت علماء اسلام کے سیاسی سفر کا جائزہ لیں تو قدم قدم پر اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ مولانا اپنے سیاسی مفادات کے لیے مذہب کا استعمال کرتے ہیں اور اپنے مفادات کی خاطر ہی دوسروں کی دل شکنی بھی کرتے ہیں۔

کوئٹہ میں مفتی محمود کانفرس بھی مولانا کے سیاسی مفاد حاصل کرنے کی ایک چال تھی یہ ایسے ہی تھی جیسے مولانا مئی 2013ء کے انتخابات کے موقعہ پر اپنے سیاسی جلسے "اسلام زندہ باد کانفرنس" کے نام سے کرتے رہے اور اسلام کے نام پر ووٹ مانگتے رہے۔ اس مرتبہ کے انتخابات میں صوبہ خیبر پختونخوا اور صوبہ بلوچستان میں مولانا کے مفادات حاصل نہیں

ہو پائے ہیں، لہٰذا انہوں نے 23 اکتوبر کو کوئٹہ کے صادق شہید گراؤنڈ میں مفتی محمود کانفرس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بلوچستان میں حکومت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آرہی، لاشیں گر رہی ہیں دھماکے ہو رہے ہیں۔ ہمارے جلسے کو ناکام بنانے کیلئے ہزار گنجی میں خون کی ہولی کھیلی گئی اب مذاق کی سیاست نہیں چلے گی ہم نے جمہوریت اور ملکی نظام کو بچایا اگر ہمارے ہاتھ سے رسی چھوٹ گئی تو پھر کوئی اس ملک کو نہیں بچاسکتا، پاکستان کا ماحول مسلح جنگ کیلئے موزوں نہیں عسکریت پسندی کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے۔ عسکریت پسند یا عام زبان میں دہشت گرد تو اُنکے بھائی ہیں، لیکن 23 اکتوبر کو تو اُن کے بھائیوں نے اُن سے آنکھیں پھیر لیں اور اُن پر بھی خود کش حملہ کرڈالا۔ مولانا فضل الرحمان لاکھ کچھ کہیں لیکن مولانا جانتے ہیں کہ 23 اکتوبر کو اُن پر دہشت گرد حملہ اُنکے اپنے ہی پالے ہوئے دہشت گردوں کا کام ہے۔ کیا زمانہ آگیا ہے، بھائی بھائی کو مار رہا ہے لیکن شکر ہے کہ مولانا فضل الرحمان اپنے یٹی بند بھائی جنداللہ کے خود کش حملے سے بچ گے۔ اللہ تعالی مولانا کو سلامت رکھے، مولانا پر اس سے پہلے 2011ء میں بھی دو حملے ہو چکے ہیں۔

صحرائے تھر۔ ظلم تو مٹ جاتا ہے

مارچ 2014ء میں قحط سے متاثرہ صحرائے تھر میں ایک محتاط اندازوں کے مطابق پانچ سال کی عمر تک کے 175 سے زائد بچے بھوک سے ہلاک ہوگے تھے۔ اس کے علاوہ آٹھ لاکھ سے زیادہ مویشی ہلاک ہوئے تھے۔ مویشی جو اس علاقے کی معیشت ہیں اور جن پر اس علاقے کے غریب لوگوں کی زندگیاں منحصر ہیں۔ مارچ 2014ء تک 3 لاکھ سے زائد افراد بلواسطہ طور پر قحط کے بحران سے متاثر ہوئے، جن میں سے ڈیڑھ لاکھ افراد نقل مکانی کرگئے اور ہجرت کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور بڑھتا جارہا ہے۔ اُس وقت سندھ فیسٹیول کے نام پر ثقافت کا جشن منانے اور کروڑوں روپے اڑانے والی سندھ حکومت کو نہ ہی بلکتے بچوں کی صدائیں سنائی دیں اور نہ ہی ماؤں کے بہتے ہوئے آنسوں کا اُن پر اثر ہوا، لیکن سپریم کورٹ میں قحط کے اوپر "از خود نوٹس" لینے اور سماعت کے دوران ایک جج کے اٹارنی جنرل سے یہ سوال کرنے پر کہ "کتنے بچے مرینگے تو آپکی حکومت حرکت میں آئے گی؟" اور دوسری طرف میڈیا کے شور مچانے اور مرنے والے بچوں کی تعداد منظر عام پر آنے سے سندھ حکومت حرکت میں آئی تھی۔ قحط سے متاثرہ لوگوں کے لیے کام کرنے والے بدعنوان حکمرانوں اور سرکاری ملازمین کی تو لاٹری نکل آئی اور امداد کے نام پر سندھ حکومت کے امدادی کاموں میں کرپشن شروع ہوگئی۔ گندم، چاول، چینی اور دیگر اجناس کے جو پیکٹ

متاثرین کو دیئے گئے تھے وہ درج شدہ مقدار سے کم نکلے۔ کرپشن کا حال یہ تھا کہ انسان تو انسان جانوروں کو بھی نہیں چھوڑا گیا۔ تھر میں جہاں قحط سے انسان مر رہے تھے تو وہیں چارہ نہ ملنے پر مویشی بھی بڑی تعداد میں ہلاک ہو رہے تھے۔ اسی لیے مویشیوں کے لیے بھی چارے کے پیکٹ بنا کر بھجوائے گے، تاہم مویشیوں کے سرکاری چارے کے پانچ کلو والے پیکٹوں کو جب تولا گیا تو وہ اپنے درج شدہ وزن سے ایک سے ڈیڑھ کلو کم نکلے۔

جہاں حکمراں خود کرپٹ ہوں وہاں عوام کو کبھی بھی یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے کہ کرپٹ حکمرانوں کے ہوتے ہوئے اُن کے مسائل ختم ہو جائینگے۔ بلاول زرداری ٹھیک کہتا ہے کہ " سندھ نہ ڈیسوں " کیونکہ آصف زرداری اور پیپلز پارٹی کے لیے اب تو اپنی لوٹ مار کے لیے صرف سندھ بچا ہے، لہٰذا سندھ کے عوام کی مصیبتیں کم از کم جبتک تو برقرار رہنی ہیں جب تک پیپلز پارٹی سندھ پر مسلط ہے۔ صرف تھوڑے عرصے بعد ہی تھرپارکر میں ایک مرتبہ پھر بچوں کی اموات کی خبریں آنی شروع ہو گیں اور ابتک کی اطلاع کے مطابق اس ماہ میں 28 بچے بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ میڈیا کے ایک مرتبہ پھر شور مچانے پر دوسری مرتبہ قحط سے متاثرہ صحرائے تھر میں متاثرہ افراد کی دادرسی کیلیئے وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ تھر پہنچے۔ تھر متاثرین سے انہوں نے ایک اجتماع کے دوران ملاقات کی، غذائی قلت کی وجہ سے سینکڑوں مائیں اپنے جگر گوشوں سے محروم ہو چکی ہیں۔

غذائی قلت کی گھمبیر صورتحال پر میڈیا نے شور مچا کر سندھ حکومت کو تو جگا دیا لیکن وزیراعلیٰ قائم علی شاہ کو وہاں جا کر نیند آ گئی۔ تقریب میں پہنچے تو اس کے شرکا کی تقریریں سنتے سنتے سو گئے، جاگے تو تقریر کرکے پیپلزپارٹی کے کارنامے گنوائے۔

ذرائع کے مطابق لاکھوں روپے خرچ کرکے تھرپا کرکے مظلوموں کی دادرسی کے دورے کے دوران وزیراعلیٰ سندھ نے واپس روانہ ہوتے وقت اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ایک خاتون کو لفافہ تھماتے ہوئے کہا کہ یہ آپس میں بانٹ لینا۔ لفافہ کھلنے سے قبل خاتون کا خیال تھا کہ لفافے میں کثیر رقم موجود ہوگی لیکن لفافہ کھول کر خاتون کی حیرت میں اضافہ ہوا، لفافے میں ایک ہزار روپے کا کرنسی نوٹ تھا۔ قائم علی شاہ کی اس فیاضی پر کچھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ "ایک دکاندار نے آدھ گھنٹہ کی حجت و تکرار کے بعد ایک فقیر کو ایک پیسہ دیا۔ فقیر پیسہ لے کر چلنے لگا تو دکاندار کہنے لگا، اے فقیر ذرا یہ تو بتا ؤ کہ اس پیسے کا کیا کرو گے۔ فقیر نے جواب دیا امپیریل بینک میں رکھوا دوں گا اور اس کے سود پر زندگی گزاروں گا۔ بہرحال آپ مطمئن رہیں آپ نے جو رقم عطا کی ہے اس پر آنچ نہیں آنے پائے گی"۔ اب وہ عورت کیا کرے گی اس ہزار روپے کا یہ معلوم نہ ہوسکا۔

تھرپارکر کا رقبہ 19 ہزار کلومیٹر ہے جہاں تین ہزار سے زائد دیہاتوں میں 16 لاکھ لوگ تھر کی قدیم روایات میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس ضلع کے قرب وجوار میں مٹھی، اسلام کوٹ، ننگرپارکر، چھاچھرو اور ڈیپلو جیسے علاقوں میں ریتلے میدان اور کنوؤں سے پانی نکال کر سروں پر مٹکے اٹھائے ریتیلی زمین پر چلتی عورتیں پسماندہ ترین طرز زندگی کا منظر پیش کرتی ہیں۔پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور اجناس میں خودکفیل ہے، خشک سالی ایک قدرتی عمل ہے جبکہ قحط انسانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے، اسلیے یہ کہنا کہ یہ ایک قدرتی آفت ہے قطعی غلط ہے، سوائے صحرائے تھر کے باقی پورے ملک میں بارشیں بھی ہوئیں اور اجناس کی پیداوار بھی ہوئی۔یوایس ایڈ نے قحط کو تباہ کن غذائی بحران قرار دیا ہے جو بڑے پیانے پر غذائی قلت اور اموات کا باعث ہوتا ہے۔گندم گوداموں میں تو موجود ہوتی ہے مگر سرکاری حکام کے کرپشن کی وجہ سے ضرورت مند ترستے رہتے ہیں۔ تھرپاکر میں قحط اور اموات کی وجہ سندھ حکومت کی نااہلیت اور کرپشن ہے۔

قائم علی شاہ لاکھوں روپے خرچ کرکے تھرپارکر میں بھوک اور پیاس سے تڑپتے لوگوں کو دیکھنے اور ان کی مدد کے لیے گے تھے اور شاہ صاحب نے اپنی ایک ہزار روپے کی فیاضی سے بھوک اور پیاس سے تڑپتے لوگوں پر رحم کھاکر جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ تاریخ کے کالے صفحوں پر ضرور لکھا جایگا۔ اپنے دورے کے

دوسرے دن سندھ اسمبلی اجلاس کے دوران اظہار خیال کرتے ہوئے وزیراعلی سندھ کا کہنا تھا کہ تھر کے 16 لاکھ لوگوں کے لیے 2 ارب روپے کی گندم فراہم کی گئی جبکہ گذشتہ 6 سال سے متاثرین میں گندم تقسیم کر رہے ہیں جبکہ تھرپارکر کے دور دراز علاقوں میں ڈاکٹرز کام کر رہے ہیں، مٹھی اسپتال کا معیار کراچی کے سول اسپتال کے برابر ہے اگر کسی کو شک ہے تو مٹھی جائے اور وہاں کے اسپتالوں کا موازنہ سندھ کے دیگر اسپتالوں سے کرلے۔ قائم علی شاہ کا کہنا تھا کہ تھر میں بچے بھوک سے نہیں بلکہ غربت سے مرے ہیں۔ مٹھی کا اسپتال اگر واقعی کراچی کے سول اسپتال کے برابر ہے تو دعا ہے کہ قائم علی شاہ آئندہ جب بھی بیمار ہوں تو اُن کا علاج مٹھی کے اُسی سرکاری اسپتال میں ہی ہو۔ واقعی تھر میں کھانے کی کوئی کمی نہیں قائم علی شاہ جب بھی ہلاک ہونے والے معصوم بچوں یا بھوک اور پیاس سے تڑپتے لوگوں سے ہمدردی

کے لیے تھرپارکر جاتے ہیں، مصیبت زدہ لوگوں کے لیے کچھ کریں نہ کریں مگر وہاں جاکر ہمیشہ دعوتیں ضرور اڑاتے ہیں، اس مرتبہ بھی اُنکی اور اُنکے حواریوں کی دعوت کے لیے دو سو کلومیٹر سے دور سے اسپیشل کھانا منگوایا گیا تھا۔

تھرپارکر گذشتہ 3 سال سے شدید قحط سے دوچار ہے۔ میڈیا کے کیمروں کے سامنے آکر غریبوں، بھوکوں اور بیماری کے شکار لوگوں میں امداد کے تمام تر حکومتی اعلانات کے باوجود بھوک اور بیماری میں مبتلا تھر کے مصیبت زدہ لوگ ٹھوکریں

کھا رہے ہیں۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں اور حکمرانوں کو تو ابھی تک یہ بھی پتا نہیں کہ قحط سے متاثرہ صحرائے تھر میں اموات کی تعداد کیا ہے اور کتنے لوگ بھوکے یا بیمار ہیں۔ یہ جو اسلام آباد میں دھرنے ہوئے اور اس لوٹ مار کے نظام کے خلاف کھل کر لوگوں نے نفرت کا اظہار کیا یہ علامہ طاہر القادری اور عمران خان سے محبت کا اظہار نہیں ہے بلکہ پاکستان میں قائم لوٹ مار کے نظام کے خلاف یہ بغاوت کی چنگاری ہے، حکمران ابھی تو خوش ہو لیں کہ وہ اپنی کرپشن کے زریعے ایک تھرپار کیا پورے ملک میں اپنی لوٹ مار جاری رکھے ہوئے ہیں لیکن جب کروڑوں استحصال زدہ لوگوں کے دل و دماغ میں جمع ہونے والی نفرت کے بارود میں آگ لگے گی تو حکمرانوں اور اُن کے حواریوں کو بھاگنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ ظلم پھر ظلم ہے،.بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔

دہشت گرد اور دہشت گردی مردہ باد

دہشت گرد باون ہزار سے زیادہ بے گناہ پاکستانیوں کو شہید کر چکے ہیں اُن شہدا میں مسلح افواج، رینجرز، پولیس اور عام افراد شامل ہیں ، لیکن کیا دہشت گردوں، اُنکے سرپرستوں اور پاکستان میں اُنکے وظیفہ خوار سیاست دانوں اور صحافیوں کو اب بھی یقین نہیں آیا کہ دہشت گردی کے زریعے اس قوم کو زیر نہیں کیا جاسکتا۔ دو نومبر کی شام واہگہ باڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب کے بعد دہشت گردوں نے ایک انیس یا بیس سال کے بچے کے زریعے تقریب سے واپس جانے والوں پر جو خود کش دھماکا کیا اُسکے نتیجے میں تین رینجرز اہلکاروں سمیت 60 افراد شہید اور 175 سے زائد زخمی ہوگئے، جن میں 12 خواتین اور 7 بچے بھی شامل ہیں۔ شہدا میں ایک ہی خاندان کے 9 اور دوسرے کے 5 افراد بھی شہید ہوئے ہیں، شہدا کا تعلق کراچی سے لنڈی کوتل تک کے لوگوں کا ہے، لیکن اکثریت اہل لاہور کی ہے۔ شاید دہشت گردوں نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ ہم نے پوری قوم کو ڈرا دیا ہے، اب لوگ سہم گے ہونگے اور آئندہ اس طرح کی تقریب میں شریک نہیں ہونگے، لیکن دہشت گردوں کا خیال غلط ہے ، جو خود تو بزدلوں کی طرح حملہ کرتے ہیں اور پھر اپنی ہر بزدلی کا چھپ کر اعلان کرتے ہیں، اس واقعہ کی زمیداری تو تین تین بزدل دہشت گرد تنظیموں نے لی ہے۔

نواز شریف جو 1999ء میں اس بات کی خواہش کر چکے ہیں کہ وہ طالبان جیسی حکومت بنانا چاہتے، لیکن جنرل پرویز مشرف اُنکے راستے میں آ گئے اور وہ ملا عمر نہ بن سکے اور جب وہ تیسری مرتبہ وزیراعظم بنے تو اُن کی حکومت ایک سال تک پوری قوم کو مذاکرات کے نام پر دھوکا دیتی رہی، اُنکے نامزد کردہ دہشت گردوں کے حامی ہی حکومت کی جانب سے طالبان دہشت گردوں سے مذاکرات کرتے رہے، ان مذاکرات کے درمیان طالبان مستقل پاکستانیوں کا خون بہاتے رہے۔ جب آٹھ جون 2014ء اتوار کی درمیانی شب کو کراچی کے جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہ حکومت کی ناقص سیکوریٹی انتظام اور ایک اندیشے کے مطابق انتظامیہ میں سے چند بکے ہوئے ارکان کی وجہ سے طالبان دہشت گردوں کی جانب سے ایئرپورٹ پر حملہ ہوا تو پھر سے دہشت گردی سے متعلق کئی سنجیدہ سوال سامنے آئے، جن میں سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ حکومت اور طالبانی دہشت گردوں کا مذاکرات کا ڈرامہ کب ختم ہوگا۔ آخر کار اتوار 15 جون کو پاکستانی عوام کو آئی ایس پی آر کے پریس ریلیز کے ذریعے آپریشن شروع ہونے کی اطلاع ملی، افواج پاکستان نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن کا آغاز کیا۔ آپریشن کا نام "ضرب عضب" رکھا گیا۔ آئی ایس پی آر کے پریس ریلیز کے مطابق شمالی وزیرستان میں حکومتی ہدایت پر باقاعدہ فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا ہے۔ اگلے روز وزیراعظم نواز شریف نے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہم مذاکرات کر رہے تھے،

ہماری نیک نیتی پر مبنی پیش رفت کو اسی جذبے کے ساتھ نہیں لیا گیا، کراچی حملے کے بعد مشاورت سے آپریشن کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

شمالی وزیرستان میں باقاعدہ فوجی آپریشن کے بعد دہشت گردوں نے شمالی وزیرستان سے نکل کر ملک کے دوسرے حصوں خاص طور پر کراچی اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں اپنے ٹھکانے بنانے شروع کردیے۔ سیاسی تجزیہ نگار مستقل یہ کہتے رہے کہ ہمیں دہشت گردوں سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ساری ذمیداری فوج پر نہیں ڈالنی چاہیے بلکہ سول انتظامیہ کو بھی اپنی ذمیداری پوری کرنی چاہیے۔ افسوس نواز شریف اپنی ذمیداریاں پوری کرنے کے بجائے اپنے کاروبار کوبڑھانے کی فکر میں لگ گئے۔ اس درمیان میں اسلام آباد میں دودھرنے بھی ڈالے گئے تو نواز شریف کے وزرا سارے کام چھوڑکر ان دھرنوں سے نواز شریف کی حکومت کو بچانے میں لگے رہے۔ 10اور 11اکتوبر کی درمیانی شب پاکستان رینجرز سندھ نے قومی سلامتی کے ادارے کے ہمراہ کراچی کی سینٹرل جیل سے متصل کچی آبادی میں کارروائی کرتے ہوئے ایک مکان سے دہشت گردوں کو گرفتار کرلیا، مذکورہ مکان کے زیرزمین پانی کے ٹینک سے جیل کی جانب سرنگ کھودی جارہی تھی، مکان سے گرفتار کئے جانے والے دہشت گردوں کے قبضے سے جدید اور حساس نوعیت کے آلات بھی ملے ہیں جن کی مدد سے وہ جیل میں منتخب کردہ بیرک تک پہنچنے کی کوشش کررہے تھے۔ دہشت گرد جس مطلوبہ بیرک تک پہنچنا چاہتے تھے اس میں 100 سے زائد

دہشت گرد قید ہیں، دہشت گرد مطلوبہ ہدف سے صرف 10 میٹر کی دوری پر تھے۔ پاکستان میں سکیورٹی، لاقانونیت، انسانی حقوق اور قواعد و ضوابط کی سنگین خلاف ورزیاں کرنے کے حوالے سے پاکستان کی جیلوں کی کہیں بھی مثال ملنا مشکل ہے۔ پروگرام کے مطابق اس سرنگ کو 10 محرم سے پہلے مکمل کرنا تھا اور 10 محرم کو کراچی میں سینٹرل جیل سے دور کوئی خودکش حملہ یا پھر بم دھماکہ کیا جاتا، انتظامیہ کی توجہ اس طرف ہوتی تو سینٹرل جیل پر سرنگ کے ذریعے حملہ کیا جاتا اور دہشت گرد اپنے ساتھیوں کو چھڑا لیتے۔

سانحہ واہگہ بارڈر: سوال یہ ہے کہ اس سانحہ کا ذمیدار کون ہے؟ کراچی کی سینٹرل جیل کے واقعے کے بعد نہ تو سندھ حکومت جاگی اور نہ ہی پنجاب کی حکومت جاگی۔ مرکزی حکومت تو ویسے ہی دھرنوں کی وجہ سے وینٹی لیٹر پر چل رہی تھی، جبکہ پنجاب حکومت 17 جون کو لاہور کے ماڈل ٹاون میں قتل عام کے واقعے کے بعد عوام سے منہ چھپائے ہوئے ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ دہشت گردوں نے بڑی آسانی سے دو نومبر کو واہگہ بارڈر کو نشانا بنایا اور نہتے انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ شریف برادران کے دونوں مرکزی اور صوبہ پنجاب کے وزرا داخلہ نے اس واقعہ کی ذمیداری ایک دوسرے پر ڈال دی ہے۔ مرکزی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کہا ہے کہ وزارت داخلہ کی جانب سے واہگہ بارڈر پر ممکنہ خودکش حملے کی وارننگ جاری کی گئ تھی لیکن اس کے باوجود دہشت گردی

کو روکنے کے لئے ٹھوس اقدامات کیوں نہیں کئے گئے اس کی تحقیقات کی جائے گی۔ واہگہ بارڈر پر ہونے والے خود کش حملے سے متعلق پہلے سے ہی حکومت پنجاب کو آگاہ کیا گیا تھا مگر اس ابتدائی وارننگ کے باوجود خود کش حملہ آور کو روکنے کے انتظامات نہ کئے جانا ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔ پنجاب کے وزیر داخلہ کرنل ریٹائرڈ شجاع خانزادہ نے کہا ہے کہ خود کش حملہ آور نے 4 چیک پوسٹ کراس کرکے دھماکا کیا، خود کش حملہ آور کا ہدف رینجرز کی پرچم اتارنے کی تقریب تھی۔ رینجرز کے مطابق دھماکہ رینجرز سکیورٹی حصار سے 600 میٹر کے فاصلے پر ہوا، جب لوگ بھاری تعداد میں پرچم اتارنے کی تقریب کے بعد واپس جا رہے تھے۔ آئی جی پنجاب کا کہنا ہے خود کش حملہ آور نے پہلا بیریئر کراس کرنے کے بعد دوسرے بیریئر پر خود کو اڑا لیا، دھماکہ میں بال بیرنگ استعمال کئے گئے۔ آئی جی پنجاب کے مطابق خود کش حملہ آور نے ہجوم کی موجودگی کا فائدہ اٹھایا جبکہ ایسے مقامات پر خود کش حملہ آور کو روکنا انتہائی مشکل کام ہے۔ ان تمام بیانات کو پڑھکر آپ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ سانحہ واہگہ بارڈر کی ذمیدار شریف برادران کی حکومتوں کی نااہلی ہے۔

تین نومبر کو پھر تقریب ہوئی، ایک دن پہلے اپنے شہید ہونے والے پاکستانی بہن بھائیوں کا غم تھا، لیکن لوگوں کو پہلے کی طرح پریڈ دیکھنے کی اجازت کے اعلان کے بعد واہگہ بارڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب ہوئی تو لوگوں نے بڑی

تعداد میں شرکت کی۔ دہشت گرد ہار گئے، دہشت گرد پاکستانیوں کے حوصلے پست نہ کر سکے، واہگہ بارڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب میں ہزاروں شریک پاکستانیوں کے حوصلے بہت بلند تھے، شریک پاکستانیوں میں خواتین اور بچوں کی بھی بڑی تعداد شامل تھی۔ پاکستانیوں کا جوش وجذبہ برقرار دکھائی دیا۔ اس موقع پر کور کمانڈر، ڈی جی رینجرز اور پولیس حکام بھی موجود تھے۔ کور کمانڈر کا کہنا تھا کہ جاں بحق افراد کے لواحقین کے دکھ میں شریک ہیں، آج کی تقریب ثابت کر رہی ہے کہ بزدلانہ حملے سے قوم کا جذبہ کم نہیں ہوگا، سانحہ واہگہ بارڈر پر متاثر خاندانوں سے ہمدردی ہے۔ کور کمانڈر کے اس بیان پر مجھے ستمبر 1965 کا لاہور یاد آ رہا ہے، جب بھارتی طیارے لاہور پر حملہ آور ہوتے تھے تو سارے لاہوریے کسی محفوظ جگہ کے بجائے اپنی چھتوں پر ہوتے تھے اور پاک فضایہ کے حق میں نعرے لگاتے تھے۔ اگر اس درمیان میں پاک فضایہ کوئی بھارتی طیارہ گرا لیتی تو پورا لاہور "بو کاٹا" کے نعرے سے گونج اٹھتا تھا۔ 1965ء کی جنگ دوران ایک امریکن صحافی نے لکھا تھا کہ "یہ تو کوئی پاگل قوم ہے جو جنگی طیاروں کی لڑائی کو پتنگ بازی کی طرح انجوائے کرتی ہے، اسکو شکست دینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے"۔ تین نومبر کو لاہوریوں نے ایک مرتبہ پھر واہگہ بارڈر پر جاکر "دہشت گرد اور دہشت گردی مردہ باد" کے فلک شگاف نعرے بلند کیے جو دوسرے دیس بھارت میں بھی صاف طور پر سنے جا رہے تھے۔ اللہ تعالی ہم سب پاکستانیوں کا حامی وناصر رہے۔ پاکستانی قوم زندہ باد، پاکستان پائندہ باد۔

نہتے کنڈکٹر کی ہمت

حکومت کی جانب سے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں ریکارڈ کمی سے عام آدمی کا کوئی لینا دینا نہیں، کمی کے ثمرات سے عام آدمی تاحال محروم ہے۔ اشیائے خوردونوش کے نرخ کم ہوئے ہیں اور نہ ہی ٹرانسپورٹ کے کرائے میں کوئی کمی ہوئی ہے، کراچی میں وزیر ٹرانسپورٹ کی موجودگی میں ٹرانسپورٹ مافیاکے سرغنہ ارشاد بخاری نے عوام پر احسان کرنے کے انداز میں بتایا کہ پبلک ٹرانسپورٹ کے کرایوں میں ایک روپے کی کمی کردی گئی ہے، یعنی اونٹ کے منہ میں زیرہ۔ اس موقع پر موجود وزیر ٹرانسپورٹ نے بڑی بے شرمی سے فرمایا کہ کرایوں میں کمی پر عمل نہ کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی ہوگی، کیا بات ہے اس بہادر وزیر کی۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی صوبائی حکومت اور ڈویژنل یا ضلعی انتظامیہ عوام کو ریلیف دلانے کے حوالے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی، جبکہ کرایہ میں کمی کے حوالہ سے ٹرانسپوٹروں اور مسافروں کے درمیان تلخ کلامی کے واقعات بھی ہوئے ہیں لیکن ٹرانسپوٹروں نے صاف طور پر کرایہ کم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ وزیراعظم نواز شریف فرماتے ہیں کہ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کے ثمرات عوام تک نہ پہنچے تو قانون حرکت میں آئے گا، اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت بے پناہ مشکلات کے باوجود نیک نیتی سے عوام کے مسائل حل کرنے پر اپنی توجہ

مرکوز کئے ہوئے ہے اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں ریکارڈ کمی اس کا منہ بولتا ثبوت ہے، جی بلکل صحیح فرمایا وزیر اعظم صاحب آپ نے گذشتہ سال جون سے عوام آپکی نیک نیتی کا ہی پھل کھارہے ہیں، بس یہ بات اور ہے کہ یہ پھل کڑوا ہے۔سب کو پتہ ہے کہ وزیر اعظم کے یہ بیانات اپنی سیاست چمکانے کے لیے ہیں، عوام کو ان بیانات سے کوئی فاہدہ نہیں ہوگا۔ وزیر اعظم بے فکر رہیں پاکستانی عوام جو مہنگائی، بے روزگاری، امن و امان کے مسائل پر کچھ نہیں بولتی وہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں ریکارڈ کمی کے باوجود زیادہ کرایہ دینے پر مجبور زبانی احتجاج ضرور کرئے گی لیکن سڑکوں پر کوئی احتجاج نہیں ہوگا۔اب عام لوگوں میں ان مسائل کی وجہ سے دو عادتیں پڑگیں ہیں، عام لوگ خود غرض بھی ہوگے ہیں اور بے حس بھی۔ ہمارا حکمراں طبقہ عوام کی ان دو.ںری عادتوں کا پورا فاہدہ اٹھا رہا ہے۔

مجھے اس موقعہ پر انٹرنیٹ پر چلنے والی ایک کہانی ملی جو ہے تو ڈرون حملوں کے بارئے میں ہے لیکن ٹرانسپورٹ مافیا نے کرایہ کم نہ کرکے عوام پر ڈرون حملہ ہی کیا ہے، یہ کہانی عوام کی خود غرضی اور بے حسی کی منہ بولتی تصویر ہے:-------

میرئے ایک دوست نے ایک قصہ مجھے سنایا کہ کہ جب وہ حیدآباد سے کراچی آرہا

تھا تو حیدرآباد سے کراچی آنے والی بس پر کنڈیکٹر نے ڈیڑھ گُنا کرایہ طلب کیا تو ایک نوجوان نے انکار کردیا۔ کنڈیکٹر کا کہنا تھا کہ سی این جی بند ہے، لہٰذا بس ڈیزل سے چل رہی ہے جو اُنہیں مہنگا پڑتا ہے، چُنانچہ زیادہ کرایہ لینا اُنکی مجبوری ہے۔ نوجوان کا کہنا تھا کہ چونکہ کرائے ڈیزل کے ریٹ کے حساب سے طے ہوتے ہیں لہٰذا سی این جی اور پٹرول دونوں غیر متعلقہ چیزیں ہیں۔ قصہ مختصر، ڈرائیور اور کنڈیکٹر نے مطلُوبہ کرایہ نہ دینے والوں سے اُترنے کا مطالبہ کردیا۔ مُجھ سمیت پانچ افراد اس شرط پر تیار ہوگئے کہ ہمیں واپس اڈے پر پہنچادیا جائے۔ ڈرائیور اور کنڈیکٹر راضی ہوئے ہی تھے کہ اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے "پڑھے لکھے" لوگوں کو کوسنا شروع کردیا۔ پتا یہ چلا کہ ان صاحب کو کراچی پہنچنے کی جلدی ہے
اور ہماری "خوامخواہ کی تکرار" سے اُنکا ٹائم ضائع ہورہا ہے۔ اُن کیساتھ بیٹھی ہوئی خاتون نے بھی حسبِ توفیق ہمیں برے القاب سے نوازدیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ باقی سارے لوگ بھی خاموش ہوگے اور کنڈیکٹر کو اُسکا مانگا ہوا کرایہ دینے پر راضی ہوگئے سوائے میرے اور اُس نوجوان کے، ہم دونوں بھی بادلِ ناخواستہ بیٹھ گئے۔ دھیان بدلنے کیلئے اخبار کھولا تو پہلے ہی صفحے پر ڈرون حملے کی خبر تھی۔ چند لمحوں میں یہی ڈرون حملہ سب کی زبان پر تھا۔ اچانک اگلی نشست سے اُن ہی صاحب کی آواز اُبھری جو پڑھے لکھوں کو کوس رہے تھے "بھائیو! ہمارے حکمران بے غیرت ہیں، ورنہ اللہ کے فضل سے ہم کسی امریکہ وغیرہ سے

نہیں ڈرتے۔ اگر ہمارے حکمران چاہیں توہماری فوج لمحوں میں گرا مارے ان ڈرونوں کو؟"

اس سے پہلے کہ کوئی اور جوابی تبصرہ آتا، نوجوان نے جلے کٹے لہجے میں کہا، "جناب جو قوم نہتے کنڈیکٹرکے سامنے کھڑی نہیں ہو سکی، وہ اپنے لیڈروں سے سُپرپاورکے سامنے کھڑا ہونے کا مطالبہ کرتی ہوئی اچھی نہیں لگتی"۔ کراچی پہنچنے تک پھراُن صاحب کی آواز نہیں آئی۔

اس کہانی میں جو پیغام ہے وہ یہ ہے کہ جب تک عام لوگ خود غرضی اور بے حسی کے خول سی باہر نہیں آئینگے اور عوام کی مشکلات میں اضافہ کرنے والوں کونہتے کنڈ کٹر سمجھ کراُکے سامنے نہیں کھڑے ہونگے یہ ظلم کے ڈرون حملے جاری رہنگے۔ آج پوری قوم کواُس عوامی قوت کی ضرورت ہے کہ جس کے استمال کا مظاہرہ قوم نے 3 نومبر کو واہگہ بارڈرپر دہشت گردوں کے خلاف کیا تھااور دہشت گردوں کو واضع پیغام دۓ دیا کہ ہم دہشت زدہ قوم نہیں ہیں، بلکل اسی عوامی قوت کا ایسا مظاہرہ حکومت اور اُن تمام کے سامنے بھی کیا جاۓ جو عوام کو بے بس سمجھتے ہیں۔ یقین کریں جس دن عوام نے اپنی عوامی قوت" کا جس کی عوام میں شدید کمی پائی جاتی ہے بھرپور مظاہرہ کیا توحکمرانوں" اورظالموں کی نیندیں اڑ جاینگی۔ عوامی قوت کے صیح استمال کے لیے اس قوم کو ایک

ایسے سیاسی رہنما کی ضرورت ہے جو عوام کو خود غرضی اور بے حسی کے خول سے باہر نکال لائے اور عوام کو یہ بتاسکے کہ وہ کیوں مہنگائی کا شکار ہیں، وہ کیوں بجلی کی لوڈ شیڈنگ کو بھگت رہے ہیں اور وہ کیسے ان مصیبتوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا رہنما عوام کو مل گیا تو وہی عوام کا مسیحا ہوگا اور پھر کسی نہتے کنڈکٹر کی ہمت نہیں ہوگی کہ عوام کو بس سے اترنے کا کہہ سکے۔

پولیو ویکسین، خود کش حملے یا بم دھماکے؟

آج پاکستان کا شمار دنیا کے ان تین ملکوں میں ہوتا ہے جہاں انسانی جسم کو مفلوج کردینے والی بیماری پولیو کے وائرس پر تاحال پوری طرح قابو نہیں پایا جاسکا ہے۔ دیگر دو ملکوں میں افغانستان اور نائیجیریا شامل ہیں لیکن وہاں رواں سال پولیو کے رپورٹ ہونے والے نئے کیسز کی تعداد پاکستان کی نسبت انتہائی کم ہے۔ افغانستان میں اب تک 12 جبکہ نائیجیریا میں چھ پولیو کیسز رپورٹ ہوئے ہیں۔ پاکستان اور پاکستانیوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ عام لوگوں میں تعلیم کی کمی ہے جسکی وجہ سے اُنکا مذہبی استحصال بہت آرام سے کرلیا جاتا ہے، لہذا یہ ہی وجہ ہے کہ طالبانی ہمدردوں نے پولیو کے قطروں میں امریکہ کی سازش ڈھونڈ لی ہے اور اسی وجہ سے آج پاکستان پر سفری پابندیاں لگی ہوئی ہیں۔ دہشت گردی صرف یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو بم دھماکوں یا خودکش حملوں میں مارا جائے، دہشت گردی یہ بھی ہے کہ اُن کو غلط اطلات دیکر اپاہج بنایا جائے۔ دسمبر 2012ء کے آخر اور جنوری 2013ء کے شروع میں کراچی اور پشاور میں گیارہ پولیو ورکر کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا جبکہ طالبان دہشت گردوں کے حامی اخبار "امت" نے کسی غیر معروف مولانا محمد جہان یعقوب کی ایک فرضی رپورٹ "انسداد پولیو مہم، تصویر کے دو رخ" کے نام سے 20 سے 22 دسمبر 2012ء کو شایع کی اس

میں کہا گیا کہ ایک انگریزی اخبار (اخبار کا نام غائب) کے مطابق صوبہ خیبر پختونخوا کی فیصد آبادی پولیو ویکسن لینے سے انکاری ہے۔ اسکے علاوہ اس رپورٹ میں سوائے 70 شرانگیزی اور معصوم لوگوں کے بہکانے کے کچھ نہیں تھا، لیکن اس اخبار میں ان گیارہ پولیو ورکرز جن میں چھ خواتین تھیں کا ذکر بلکل نہیں تھا جن کو طالبان دہشت گردوں نے اُسی زمانے میں مارا تھا۔ طالبان یا دوسرے دہشت گردوں کا مقصد صرف اور صرف پاکستان کو نقصان پہنچانا ہے، امت جیسے اور بھی اخبار ہونگے جو پاکستانی بچوں کو اپاہج کرنے کے لیے امت جیسے کام کررہے ہونگے، اور پھر سوشل میڈیا پر کچھ نادان دوستوں نے اُن شرانگیز مضامین کو پھیلایا ہوگا اور پھیلاینگے۔

سال 2013ء میں پورے پاکستان سے پولیو سے متاثرہ 93 کیسز رپورٹ ہوئے تھے، لیکن رواں سال میں ابتک پولیو سے متاثرین کی تعداد 237 کیسز رپورٹ ہوئے ہیں۔ اس تشویشناک اضافے کی ایک بڑی وجہ گزشتہ دو سالوں میں پانچ سال تک کی عمر کے اڑھائی لاکھ بچوں تک سلامتی کے خدشات کے باعث انسداد پولیو ٹیموں کا نہ پہنچنا بتایا جاتا ہے۔ عالمی ادارہ صحت نے پانچ مئی کو پاکستان، کیمرون اور شام کو دنیا میں پولیو کے پھیلاؤ کا سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے ہوئے ان ملکوں سے مرض کے پھیلاؤ کی روک تھام کے لیے ہنگامی اقدامات کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن افسوس نواز شریف حکومت جو گذشتہ سال جون سے برسراقتدار ہے کچھ نہ

کیا اور پولیو کے خاتمے میں ناکامی کے بعد پاکستان پر عالمی ادارہ صحت کی جانب سے یکم جون سے سفری پابندیاں عائد کردی گیں۔ منسٹری آف نیشنل ہیلتھ سروسز اور ڈبلیو ایچ او کے اعلامیہ کے مطابق یکم جون سے پاکستان سے باہر سفر کرنے والے تمام مسافروں کو پولیو ویکسینیشن کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا لازمی ہوگا۔ آج پاکستان جہاں دوسری باتوں کے لیے بدنام ہے وہاں دنیا میں سب سے زیادہ پولیو سے متاثرین کیسیز رپورٹ ہونے پر بھی بدنام ہو رہا ہے۔

تیسری مرتبہ وزیر اعظم بننے والے نواز شریف کے شاہانہ انداز حکومت کی وجہ سے اُن کی ڈیڑھ سالہ حکومت سے عوام کو کوئی آسانی تو میسر ہوئی نہیں البتہ مشکلیں مزید بڑھ گی ہیں اور یہ ہی وجہ ہے کہ پولیو سے متاثرین کے اسقدر زیادہ کیسیز رپورٹ ہونے پر پاکستانیوں کی مشکلات میں اور اضافہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ڈیڑھ سال بعد حکومت کو اس طرف توجہ دینے کا خیال آیا ہے، لیکن جیسے ہی وزیر اعظم کا یہ بیان سامنے آیا کہ وہ چھ ماہ میں ملک سے پولیو کو ختم کر دیں گے، خیبر پختونخوا کے ضلع چارسدہ میں نامعلوم افراد نے انسداد پولیو مہم کے خلاف پمفلٹ تقسیم کیے جن میں کہا گیا ہے کہ اس ویکسین میں مضر صحت اجزا ہیں۔ اس پمفلٹ میں مزید لکھا گیا ہے کہ نائیجیریا کے ایک ڈاکٹر کی تحقیق کے مطابق اس میں ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو بانجھ پن کا سبب بنتے ہیں۔ دو ہفتے پہلے پاکستان کے قبائلی علاقے مہمند ایجنسی میں

کالعدم تنظیم تحریک طالبان کی جانب سے پشتو زبان میں ایک پمفلٹ جاری کیا گیا تھا جس میں دیگر اہلکاروں کے علاوہ انسداد پولیو مہم کے رضا کاروں پر حملوں کی دھمکی دی گئی تھی۔

پاکستان اور دنیا بھر میں ماہرین پہلے ہی ان تمام الزامات کو رد کر چکے ہیں جو پولیو ویکسن کے مخالف کہتے ہیں۔ اور اُن کا کہنا ہے کہ پولیو ویکسین میں اس بیماری سے بچاؤ کے علاوہ کوئی اور اجزا شامل نہیں ہیں۔ اس سال جون میں اسلام آباد میں ہونے والی بین الاقوامی علما کانفرنس برائے انسداد پولیو کے شرکا نے پولیو ویکسین کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ پولیو ویکسین میں کوئی حرام یا مضر صحت اجزا شامل نہیں، مسلم ممالک میں بچوں کو پولیو جیسے موذی مرض سے بچانے کیلیے اقدامات کیے جائیں۔ کانفرنس کے اختتام پر "فتوی اسلام آباد" جاری کیا گیا جس میں پولیو ویکسین کے استعمال کو جائز قرار دیا گیا۔ کانفرنس کے شرکا نے انسداد پولیو مہم میں حصہ لینے والے اہلکاروں پر ہونیوالے حملوں اور مہم کو سیاسی مقاصد کیلیے استعمال کرنیکی بھی مذمت کی۔ دوسری طرف جاپان پولیو کے خاتمے کیلیے پاکستان کو 55 کروڑ روپے فراہم کرے گا جبکہ بل اینڈ میلنڈا گیٹس فاؤنڈیشن پولیو کے خاتمے کیلیے 37 ارب روپے دیں گے۔

وزیر اعظم نواز شریف نے انسداد پولیو کی سٹیئرنگ کمیٹی کے اجلاس میں کہا کہ پولیو ورکروں کے خلاف تشدد، شدت پسندوں کی جانب سے پولیو کے قطرے پینے پر پابندی اور فوجی آپریشنوں کے باعث اس سال پولیو کے کیسوں میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ملک کے قبائلی علاقوں میں کامیابی سے جاری فوجی آپریشن کے باعث ان بچوں کو پولیو کے قطرے پلائے گئے ہیں جن تک پہلے رسائی نہیں تھی۔ میں آپ کو یقین دہانی کرواتا ہوں کہ ہم اس موقعے سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے اور پاکستان کے تمام بچوں کو پولیو کے قطرے پلائیں گے تاکہ پولیو سے پاک ملک ممکن ہو سکے۔ اگر اس مسئلے کو تھوڑا سا اسٹیڈی کر لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اجلاس میں صوبائی حکام نے اپنے اپنے صوبوں میں پولیو کیسز اور اس مرض کے خاتمے کے لیے جاری اقدامات کے بارے میں آگاہ بھی کیا۔

انسداد پولیو کی سٹیئرنگ کمیٹی کے اجلاس میں صوبائی حکام نے اپنے اپنے صوبوں میں پولیو کیسز اور اس مرض کے خاتمے کے لیے جاری اقدامات کے بارے میں آگاہ بھی کیا۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کے مطابق گذشتہ تین سال کے دوران پنجاب میں پولیو کے تین کیسز سامنے آئے ہیں جبکہ وزیر اعلیٰ سندھ کا کہنا تھا کہ امن و امان کے باعث کراچی کی آٹھ یونین کونسلز میں انسداد پولیو مہم متاثر ہوئی۔ وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا پرویز خٹک نے کہا کہ بڑھتے ہوئے کیسز کے باعث صوبے میں پولیو ایمرجنسی نافذ کی ہے اور ایمرجنسی سیل قائم کر دیا گیا

ہے۔ تاہم خیبر پختونخوا میں امن و امان کی صورتحال کی وجہ سے پولیو مہم میں مشکلات ہیں۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان عبدالمالک بلوچ نے اجلاس کے شرکا کو بتایا کہ گزشتہ دو سال کے دوران بلوچستان میں پولیو کا کوئی کیس سامنے نہیں آیا۔ جبکہ کشمیر میں بھی پولیو کا کوئی کیس سامنے نہیں آیا۔ اسکا مطلب ہے کہ اس بیماری کا شکار سب سے زیادہ صوبہ خیبر پختونخوا ہے یا پھر کراچی کی آٹھ یونین کونسلز ہیں۔ اگر وزیر اعظم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ ملک سے پولیو کا خاتمہ ہو تو سب سے پہلے میڈیا مہم کے زریعے لوگوں کا آگاہی دی جائے۔ قومی اسمبلی سے ایک قانون پاس کرایا جائے جس میں اُن والدین کے لیے سزا مقرر کی جائے جو اپنے بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے سے انکار کریں۔ اُن تمام دہشت گردوں کے خلاف طاقت کا بھرپور استمال کیا جائے جو کسی بھی شکل میں انسداد پولیو مہم کی راہ میں رکاوٹ ڈالیں یا اس مہم کے خلاف کسی بھی طرح کوئی پروپگنڈہ کریں۔

آخر میں سعودی عرب میں مقیم ایک پاکستانی ساجد صاحب کا ایک اردو ویب سائٹ پر پولیو مہم پر دلچسپ تبصرہ، اُن دوستوں کے لیے جو طالبان دہشت گردوں کے پمفلٹ یا امت " جیسے چیتھڑئے اخبار سے متاثر ہو جاتے ہیں:۔۔۔۔"

پولیو ویکسین سے اگر کوئی بانجھ ہوتا تو میں ضرور ہو چکا ہوتا کہ اپنے لڑکپن کی عمر سے لے کر معلّمی کے دوران بھی ویکسینیشن کے قطرے پی لیا کرتا

تھا اور ادھر سعودی عرب میں بھی جب اپنے بیٹے کو ویکسینیشن کے لیئے ڈسپنسری لے کر جاتا تھا تو ڈاکٹروں سے واقفیت کی بنیاد پر مذاق مذاق میں چند قطرے پی لیتا۔ لیکن میں تو بانجھ نہیں ہوا۔ نہ مجھے ایڈز لگی اور نہ ہی کینسر کی کوئی علامت ظاہر ہوئی۔ افسوس تو اس بات پہ ہے کہ جو لوگ تعلیم کے نام سے بدکتے ہیں اور اول و آخر جہاد پر زور دیتے ہیں اور فلاح عامہ کو فضولیات کے درجہ میں رکھتے ہیں ان کے جہاد میں ایسا کوئی انتظام نہیں کہ پولیو اور چیچک جیسی مہلک بیماریوں پر ریسرچ کریں اور ان کے لیئے حفاظتی ویکسین یا دوائی بنا سکیں۔ اب میرے جیسا مسلمان تو مجبور ہے کہ " کافروں" کی ریسرچ سے مستفید ہو۔ لیکن یہ بات بھی ان کو کھٹکتی ہے کہ یہ مسلمان ہو کر" کافروں" سے استفادہ کرے اس لیئے اُن کی مخالفت بالکل منطقی ہے۔ مجھے شدید حیرانی اُس وقت ہوتی ہے جب اُن کا اپنا جہاد بھی "کافروں" کے بنائے ہوئے بموں، میزائلوں اور سٹنگر میزائلوں سے انجام پاتا ہے۔ عجیب تضاد ہے بھئی، انسانیت کی تباہی اور قتل کے لیئے تو آپ کو اُن کی تحقیق اور " کفر" پر اعتراض نہیں لیکن جب ایک عام مسلمان کی فلاح کی بات ہو تو بات کفر و ایماں کی جنگ اور اس سے بھی آگے نہ جانے کہاں تک پہنچائی جاتی ہے۔ پھر ان کی تحقیق پر ایسے ایسے شگوفے چھوڑے جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اگر مسلمانوں کی خیر خواہی کے دعویدار ویکسین مخالف حضرات ، واقعی مخلص ہیں تو خود ریسرچ کیوں نہیں کرتے ؟تا کہ مسلمان "کافروں" کی دست وبرد اور بانجھ پن سے محروم

رہیں۔ معاف کیجئیے گا میں کچھ کا کچھ لکھ گیا اور یہ تو بھول ہی گیا کہ اُن کا جہاد ہے لوگوں کی زندگیوں کا چراغ گل کرنا، جس کام سے کسی کو زندگی ملے اُس کا اُن سے کیا تعلق؟؟؟

اس تبصرے کے بعد ہمارا کیا انتخاب ہوگا؟ اپنے بچوں کو پولیو ویکسین پلوا کر ایک صحت مند معاشرہ یا دہشت گردوں کی افواہوں سے متاثر ہو کر ایک اپاہج معاشرہ کا قیام اور اللہ نہ کرے ایسا ہوا تو پھر دہشت گردوں کو خودکش حملوں یا بم دھماکوں کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اقلیتوں پر ظلم، پاکستان بدنام

کیا اس بھی زیادہ گری ہوئی کوئی حرکت ہوگی کہ صرف تھوڑی سی رقم یا ذاتی دشمنی نکالنے کے لیئے کسی پر بھی توہین مذہب کا الزام لگا کر اُس کو زندہ جلا دو۔ بدقسمتی سے تعلیم کی کمی کے باعث اب ہم ایسی قوم کے فرد ہیں جو سنی سنائی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اگر کوئی بات ثبوت کے ساتھ کی جائے تو اُس کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔

کوٹ رادھا کشن میں ایک مسیحی جوڑے کو آگ میں زندہ جلا دیا گیا، مذہب کے نام جو کچھ ہوا وہ اسقدر قابل مذمت ہے کہ ہر پاکستانی کا سر شرم سے جھکا ہوا ہے۔ اصل جھگڑا مذہب کا نہ تھا بلکہ مالک اور مزدور کا تھا، رقم کا تنازعہ تھا۔ لیکن اس ملک میں حیوانیت تو ایک عرصے سے موجود ہے اور جب حیوانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر حیوان مذہب، قانون، انسانیت اور اخلاقیات کسی کی پرواہ نہیں کرتے، تمام حدود پھلانگ کر اپنے مفادات کے لیے مذہب اور فرقہ کے نام پر حیوانیت کا ننگا ناچ ناچتے ہیں، معصوم لوگوں کو بیدردی سے قتل کر دیتے ہیں چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ ابھی پاکستانی سانحہ واہگہ بارڈر کی دہشت گردی کو رو رہے تھے کہ یہ مذہبی دہشت گردی ہو گئی۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس پورے ملک میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سکون ہو، عدم تحفظ کا خوف نہ ہو؟ کراچی سے لیکر ملک کے آخری سرے تک کوئی ایسی جگہ نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟

جواب سیدھا سیدھا ہے کہ انصاف کا دور دور پتہ نہیں اور مجرم کو سزا کا خوف نہیں۔
جب تک ملزموں کو انصاف کے کٹھروں میں نہیں لایا جاتا اور ملزموں میں سے مجرموں کو علیدہ کرکے اُن کو سزایں نہیں ملتیں پاکستان سے سیاسی اورمذہبی دہشت گردی سمیت ہر طرح کی بربریت اور سفاکیت سے پر واقعات جنم لیتے رہیں گے۔جو حکومت اپنے عوام کی جان ومال کا تحفظ نہ کرسکے، وہاں اقلیتوں کی عزت، اُنکی جان و مال کے تحفظ کا سوچنا بھی عبث ہے۔

پاکستانی معاشرہ تو محبت، رواداری، مساوات،انصاف، شخصی اور مذہبی آزادی، ترقی، علم وآگہی، جدیدیت اورانسانی قدروں کا ترجمان تھا لیکن انسانوں میں آپس میں نفرتوں کے تصور کواس ملک کے ظالم ترین ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے مذموم مقاصد کے لیئے فروغ دیا۔اُس ہی کے زمانے میں کرائے کے جہادی لائے گے جو ابتک باون ہزار سے زیادہ پاکستانیوں کی جان لے چکے ہیں،اُس نے ہی علماء سو اور نام نہاد جہادی عناصر پیدا کیئے اور ایسی دہشت گرد تنظیمیوں کو فروغ دیا جواب بھی مختلف مسالک کے درمیان نفرت کے بیج بو رہے ہیں اور تنگ نظری، مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی پھیلارہی ہیں۔اُنہی علماء سو اور نام نہاد جہادی عناصر نے نفرت کے کاروبار کو فروغ دیا، مذہبی منافرت کو پھیلایا، مذہبی اقلیتوں کے خلاف نفرت آمیز پروپیگنڈہ کیا اور غلیظ لٹریچر کی اشاعت کی۔ ضیاء الحق کے دور میں نصاب تعلیم میں

تبدیلیاں کرکے درسی کتابوں میں نفرت انگیز لٹریچر ڈالا گیا جس کو پڑھ کر نئی نسل اب اقلیتوں کی وفاداری کو شک اور شبہ کی نظر سے دیکھتی ہے۔ ضیاء الحق کے دور میں ہی پاکستان میں پہلی مرتبہ سکھر میں ایک مندر میں توڑ پھوڑ ہوئی۔

اب اقلیتیں تو دور کی بات ہے یہاں تو اب مسلمانوں سے بھی دشمنی نکالنے کے لیئے توہین مذہب کا الزام لگا دیا جاتا ہے، یہ الزامات زیادہ تر ذاتی رنجش اور چپقلش کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور زیادہ تر کیسز میں الزام لگتے ہی اس کو مشتعل ہجوم موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ جھوٹے علماء دین نے اسلام کو غنڈہ گردی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔اُن کی جنونیت کا زہریلا پھن کئی بیگناہ انسانوں کو ڈس چکا ہے اور اُن کا جب دل چاہتا ہے کسی کے بھی خلاف فتویٰ دے دیتے ہیں جس کو جب اور جہاں چاہیں قتل کرادیتے ہیں، جسکی ایک مثال تھوڑے عرصے پہلے کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج کا قتل ہے۔ گذشتہ برس مسلم لیگ نواز کے برسر اقتدار آنے کے بعد اقلیتوں کے خلاف تشدد کے واقعات میں مزید اضافہ دیکھا گیا ہے۔ نواز شریف کو پیپلز پارٹی کے مقابلے میں اسلام پسندوں کے لیے زیادہ نرم گوشے کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ پاکستانی کی 180 ملین آبادی میں غیر مسلم شہریوں کا تناسب انتہائی کم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلے کے حل کے حوالے سے کوئی مؤثر قانون سازی ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔

اب صورتحال یہ ہے کہ عالمی میڈیا بھی پاکستان میں اقلیتوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف چیخ رہا ہے۔ خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق پاکستان میں آئے دن مذہبی دہشت گردی اور جاں لیوا حملوں میں تمام اقلیتیں بشمول ہندو، مسیحی، احمدی حتیٰ کہ مسلمان شیعہ کمیونٹی بھی متاثر ہو رہی ہیں جب کہ ریاست اس تشدد کو رکوانے میں مکمل بے بس اور ناکام دکھائی دیتی ہے بلکہ کسی حد تک ان واقعات پر کوئی نوٹس نہ لے کر وہ انہیں شہ دے رہی ہے۔ امریکی کمیشن برائے مذہبی آزادی نے اپنی ایک تازہ رپورٹ میں پاکستان کو ماضی کے مقابلے میں مزید نچلے درجے پر رکھا ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اسلام آباد حکومت ملک میں موجود اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرنے اور ان واقعات میں ملوث افراد کو انصاف کے کٹہرے میں لانے میں ناکام رہی ہے۔

مائنورٹی رائٹس گروپ انٹرنیشنل نے 2014 کی سالانہ رپورٹ میں پاکستان کو ان ممالک کی فہرست میں ساتویں نمبر پر رکھا ہے جہاں اقلیتوں کو سب سے زیادہ نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں فرقہ وارانہ اور مذہبی قتل و غارت میں اضافہ ہوا ہے۔

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے 11 اگست 1947 کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "آپ آزاد ہیں، آپ لوگ اس ملک پاکستان

میں اپنی اپنی عبادت گاہوں، مسجدوں، مندروں یا کسی بھی عبادت گاہ میں جانے کے لیے آزاد ہیں، آپ کا مذہب کیا ہے، فرقہ کیا ہے، ذات کیا ہے، قوم کیا ہے اس کا ریاست کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہم اس بنیادی اصول سے آغاز کریں گے کہ ہم سب ریاست کے شہری ہیں اور ہر شہری کو برابر کے حقوق حاصل ہیں"۔ قائداعظم کا مزید کہنا تھا کہ تمام مذاہب، فقہوں اور مسالک سے تعلق رکھنے والے پاکستانیوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے اور انہیں برابر کا پاکستانی سمجھا جائے۔ افسوس آج پاکستان میں قائداعظم کی یہ تقریر ریکارڈ پر تو نظر آتی ہے لیکن عمل الٹا ہے۔

پاکستان کی سپریم کورٹ نے جو از خود نوٹس پشاور میں ایک گرجا گھر پر ہونے والے خود کش حملوں کے علاوہ چترال میں کیلاش اور اسماعیلی فرقے کو دھمکیاں ملنے کے واقعات پر لیا تھا، اُس از خود نوٹس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اقلیتی فرقے کے لوگ اپنے اوپر ہونے والے ظلم پر رو رہے ہیں، وہ سندھ میں 12 سال کی ہندو بچی کے ساتھ جو کچھ ہوا اُس ظلم پر رو رہے ہیں، وہ کوٹ رادا کشن میں ایک مسیحی محنت کش جوڑے کو آگ میں زندہ جلا دینے پر رو رہے ہیں ۔یقیناً یہ ظلم ہے لیکن افسوس یہاں تو مسلمانوں کو بھی تحفظ حاصل نہیں ہے اور جس کو یقین نہ آئے تو وہ کسی بھی مذہبی درندے کے سامنے اپنے عقیدے کا ذکر کرکے دیکھ لے۔ لہذا اے اقلیتی برادری کے دوستوں جب معاشرے میں درندگی بڑھ جاتی

ہے تو پھر مہذب اور فرقہ درندگی کرنے کے لیے بہترین اوزار ہوتے ہیں، اور پاکستان میں اسوقت مہذب اور فرقے کے نام پر درندگی عروج پر ہے۔ اقلیتوں پر جب بھی ظلم ہوتا ہے تو پاکستان بدنام ہوتا ہے اور پاکستان کے دشمن یہ ہی چاہتے ہیں۔ان تمام باتوں کے باوجود ہم عام پاکستانی مسلمان اپنے اقلیتی پاکستانی بھائیوں سے شرمندہ ہیں۔

امن چاہیے تو سزائے موت بحال کرو

میڈیا رپورٹس کے مطابق پاکستان میں سزا یافتہ مجرموں میں سزائے موت کے قیدیوں کی تعداد دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ سزائے موت پانے والے دہشت گردی اور دیگر سنگین جرائم میں ملوث افراد کی ایک طویل فہرست ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق پاکستانی جیلوں میں موت کے سزا یافتہ مجرموں کی تعداد آٹھ ہزار ہے اور جن میں اکثریت کی اپیل کے حق کی مدت بھی ختم ہو چکی ہے۔ یہ سزائیں ایک دن، ایک ماہ یا ایک سال میں نہیں ہوئی ہیں بلکہ گذشتہ پندرہ سال میں ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک ہزار سے زائد ایسے قیدی بھی ہیں جنہیں مختلف عدالتوں سے موت کی سزا سنائے ہوئے بھی پندرہ سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔یعنی ان آٹھ ہزار میں ایک ہزار سے زائد مجرم ایسے بھی ہیں جنکو نواز شریف کے گذشتہ دور میں موت کی سزا ہوئی ہیں۔ جنرل مشرف کے دور میں بھی مجرموں کو کو پھانسی دی جاتی رہیں مگر 2008ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہونے کے بعد سے ابتک صرف ایک فوجی کو اپنے ساتھی فوجی کو گولی مار کر ہلاک کرنے کے جرم میں پھانسی دی گئی ہے اور یہ فیصلہ فوجی عدالت کا تھا کسی سول عدالت کا نہیں۔

اس وقت ملک کے قانون کے مطابق اٹھائیس جرائم ایسے ہیں جن میں جُرم ثابت

ہونے پر موت کی سزا دی جاتی ہے۔ ان میں قتل کے علاوہ دہشت گردی، زنا بالجبر اور اغوا برائے تاوان سمیت دیگر جرائم شامل ہیں۔ مگر ہمارے ملک میں قاتلوں اور دہشت گردوں کو سزا دینے کے بجائے انکو سرکاری مہمانوں کا درجہ دیا جاتا ہے، پولیس کی غفلت، مجرموں کا اثر و رسوخ اور پیچیدہ عدالتی طریقہ کار اور گواہوں کی عدم دستیابی کے باعث سزاؤں کی شرح انتہائی کم ہے، اس لیے وہ درندہ بنکر جیل سے باہر آتے ہیں اور بلا خوف وخطر پہلے سے زیادہ جرائم میں ملوث ہوجاتے ہیں۔ شاہ رخ جتوئی جب شاہ زیب کو قتل کرنے کے جرم میں سزائے موت کا حکم سننے کے بعد عدالت سے باہر آیا تو اپنی انگلیوں سے وی کا نشان بنایا یعنی کامیابی یا جیت اُسکی ہوئی ہے۔ پاکستان اور دنیا بھر میں میڈیا کے زریعے شاہ رخ جتوئی کی قانون سے اس بے خوفی کو دیکھ کر بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں قانون کا خوف دور دور نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ اسکا سیدھا سیدھا جواب یہ ہے جن کو قانون پر عمل کرانا ہوتا ہے وہ خود قانون شکن ہیں۔

سزاؤں پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے ان مقدمات کے گواہوں کی زندگیوں کو بھی خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ پنجاب میں 6082 موت کی سزا کے قیدی ہیں جن میں 27 عورتیں بھی شامل ہیں، ان موت کے سزایافتہ قیدیوں میں سے 4500 نے ہائی کورٹ میں، 1300 نے سپریم کورٹ میں جبکہ 40 نے وفاقی شریعت کورٹ میں سزا کے خلاف

اپیلیں داخل کی ہوئی ہیں۔ ان ہی میں سے 242 نے صدر کو رحم کی اپیل کی ہوئی ہیں۔ ملک بھر میں 526 قیدی ایسے ہیں جنھیں پھانسی دینے کا تمام قانونی عمل مکمل ہو چکا ہے۔ ان قیدیوں میں 143 قیدی سندھ کی جیلوں کے پھانسی گھاٹ میں ہیں، جو قتل، دہشت گردی اور دیگر جرائم میں ملوث تھے۔ بد قسمتی سے ان افراد میں سیاسی جماعتوں اور کالعدم مذہبی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے مجرم بھی شامل ہیں۔ ان مجرموں کو ماتحت عدالتوں سے سزا سنائے جانے کے بعد اعلیٰ عدالتوں نے بھی ان فیصلوں کی توثیق کر دی ہے اور صدر مملکت نے بھی اُنکی رحم کی اپیلیں مسترد کر دی ہیں۔

مسلم لیگ (ن) کے سربراہ نواز شریف نے 2013ء میں جب تیسری مرتبہ وزیراعظم کی حیثیت سے حکومت شروع کی تو اخبارات اور میڈیا میں آنے والی خبروں سے یہ بات سامنے آئی کہ نواز شریف حکومت ملک میں امن وامان کی صورت حال کو ٹھیک کرنے کے لیے موت کی سزا کو بحال کرے گی۔ حکومت نے گذشتہ سال اکیس اور بائیس اگست کو دو مجرموں کو کراچی کی جیل میں پھانسی دینے کا اعلان بھی کیا تھا، جبکہ پچیس اگست تک کچھ طالبانی اور لشکر جھنگوی کے دہشت گردوں کو بھی پھانسی دینی تھی۔ ان دہشت گردوں میں عقیل احمد عرف ڈاکٹر عثمان بھی شامل تھا جس نے 10 اکتوبر 2009ء کو دس دہشت گردوں کی قیادت کرتے ہوئے جی ایچ کیو پر حملہ کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ ان مجرموں کو پھانسی دی جاتی میڈیا کے ذریعے ایک حکومتی

ترجمان کا بیان آیا جس میں کہا گیا کہ اسوقت کے صدر زرداری نے وزیراعظم نواز شریف کو خط لکھا ہے کہ وہ سزائے موت کے معاملے پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اسوقت سابق صدر مملکت بیرون ملک میں تھے۔ وزیراعظم نواز شریف نے وزارت داخلہ کو ہدایت کی تھی کہ صدر اوراُن کے درمیان ملاقات تک سزائے موت پر عملدرآمد روک دیا جائے۔

طالبان نے 14 اگست 2013ء کو جنوبی و شمالی وزیرستان میں پمفلٹ کے ذریعے نواز حکومت کو دھمکی دی تھی کہ "اگر قیدی ساتھیوں کو پھانسی دی گئ تو یہ حکومت کی طرف سے اعلان جنگ کے مترادف ہوگا"۔ پنجابی طالبان کے امیر عصمت اللہ معاویہ نے ایک بیان کہا تھا کہ پھانسی پر عملدرآمد اُنہیں ن لیگ کے خلاف اعلان جنگ شروع کرنے پر مجبور کردے گا۔اُن کی دھمکی کے بعد تحریک طالبان کے ترجمان کی طرف سے بھی ایک بیان جاری کیا گیا کہ اگر 23 اگست کو شیڈول کے مطابق عقیل عرف ڈاکٹر عثمان کو فیصل آباد میں پھانسی دی گئ تو ن لیگ کی دو اہم شخصیات کو نشانہ بنانے کے لئے انتہائی تربیت یافتہ خود کش بمباروں کا ایک اسکوارڈ تیار کرلیا گیا ہے۔ اُنہی دنوں میں حکومتی ترجمان نے اس بات کی تصدیق کردی کہ وزیراعظم نواز شریف نے تاحکم ثانی ملک میں سزائے موت پر عملدرآمد روک دیا ہے۔ حکومت کی طرف سے سزائے موت پر عملدرآمد کے اپنے سابقہ اعلان سے انحراف سے لگتا ہے کہ تحریک طالبان کی طرف سے وہ دھمکی کام کرگئ

ہے جس میں کہا گیا تھا کہ زیر حراست عسکریت پسندوں کو پھانسی تحریک طالبان کو مسلم لیگ (ن) کی قیادت کے خلاف اعلان جنگ پر مجبور کر دے گی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مسلم لیگ (ن) کی دو شخصیات خود نواز شریف اور اُنکے بھائی شہباز شریف ہیں مگر اس قسم کی دھمکیوں سے اگر وہ اپنے فیصلے بدلینگے تو پھر ہر طرف سے سنگین مسائل میں گھرے وطن کو مسائل سے نجات دلانے کے بجائے وہ مزید سے مزید تر مصائب ومشکلات میں اُلجھادینگے۔

نواز شریف حکومت کے وفاقی وزیر اطلاعات جو وزیر قانون بھی ہیں ایک ٹی وی پروگرام میں کہا کہ "حکومت نے سزائے موت ختم نہیں صرف معطل کی ہے، حکومت نے کسی سے پیسے لے کر سزائے موت معطل نہیں کی بلکہ اپنے مزدوروں کو بیروزگاری سے بچایا ہے، اگر ہم سزائے موت معطل نہ کریں تو یورپی یونین ہماری ایکسپورٹس کے لیے اپنے دروازے بند کر دے گی"۔ وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید نے انکشاف کیا ہے کہ حکومت نے یورپ سے اقتصادی مراعات کے حصول کیلئے ملک میں قصاص کی قرآنی آیات پر عملدرآمد عارضی طور پر معطل کر رکھا ہے۔ پرویز رشید نے اعتراف کیا کہ اگرچہ حکومت کا یہ اقدام اسلامی قوانین اور ساتھ ہی آئین پاکستان کی خلاف ورزی ہے لیکن یہ اقدام عوام کی حالت زار کو دیکھتے ہوئے معاشی فوائد کے حصول کیلئے اٹھایا گیا ہے۔ ساتھ ہی پرویز رشید نے فرمایا کہ "حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں قحط سالی کی وجہ سے انہوں نے

چوری کی قرآنی سزا پر عملدرآمد معطل کر دیا تھا"۔
پرویز رشید کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور اور نواز شریف کے دور کو ایک جیسا ثابت کرنا سوائے جہالت کے کچھ نہیں، اس ملک میں جس کا دل چاہتا ہے مذہب کا بیجا استمال کرنے میں قطعی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ یہ صیح ہے کہ یورپی یونین کی طرف سے سزائے موت پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے 2008ء میں اقتدار میں آتے ہی سزائے موت پر پابندی عائد کردی اور پاکستان بھی دنیا کے ان 36 ممالک کی فہرست میں شامل ہوگیا جہاں سزائے موت پر پابندی عائد ہے۔ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں مسلم لیگ (ن) نے اس پابندی کی سخت مخالفت کی تھی لیکن جون 2014ء میں جب وہ خود اقتدار میں آئی تو طالبان کی دھمکیوں سے ڈر کر اس نے بھی سزائے موت پر پابندی برقرار رکھی۔ پہلے کہا گیا کہ سزائے موت پر پابندی عارضی ہے اور اس کا مقصد تحریک طالبان پاکستان سے جنگ بندی کا حصول ہے، اسکے بعد کہا گیا کہ سزائے موت پر پابندی کی وجہ سے ہماری ایکسپورٹ کو فاہدہ ہوگا اور یورپی یونین کی جانب پاکستان کو معاشی حوالے سے دی جانے والی خصوصی مراعات سے ہے۔
اب جبکہ پاک فوج آپریشن ضرب عضب کامیابی سے جاری رکھے ہوئے ہے تو نواز شریف

کو طالبان کے خوف سے باہر نکل کر اور یورپی یونین کی مراعات کو علیحدہ رکھ کر دہشت گردوں اور ٹارگیٹ کلرز کو اُنکے منطقی انجام یعنی پھانسی کے پھندے تک پہنچانا چاہیے، اگر ایسا ہوا تو مسائل میں گھرے عوام اور بنیادی سہولیات کے لئے سسکتے بلکتے لوگوں کی داد رسی کے لئے مہنگائی، بجلی، بے روزگاری اور بدامنی جیسی بدترین صورتحال سے نمٹ پائینگے۔ نواز شریف حکومت کے پاس ایک ہی طریقہ ہے کہ ملک میں سب سے پہلے امن ہو اور امن قائم کرنے کے لیے سزائے موت کو بحال کرنا لازمی ہے۔امن دشمنوں یا موت کے سزایافتہ مجرموں کو سزائے موت دینا اس ملک کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔

عمران خان کا دھرنا یا میثاق کرپشن

دھرنے 16 اگست سے شروع ہوئے، علامہ طاہر القادری اپنا انقلابی دھرنا ختم کر کے کنیڈا روانہ ہوگے، جبکہ عمران خان ابھی تک اپنے دھرنے پر موجود ہیں۔ ان دھرنوں سے ملک کی معیشت ہل گی ہے۔ کشیدہ سیاسی صورت حال کے پیش نظر سری لنکا کے صدر اور آئی ایم ایف کے وفد سمیت دیگر اعلیٰ حکام نے پاکستان کا دورہ ملتوی کر دیا۔ چینی صدر کا 14 سے 16 ستمبر تک کا طے شدہ پروگرام تھا یعنی دھرنے شروع ہونے کے چار ہفتے بعد۔ چین کے صدر کے اس اہم دورہ میں پاک چین مشترکہ تجارت سمیت دونوں ممالک کے درمیان دیگر اہم معاہدوں پر دستخط کرنے والے تھے۔ اطلاعات یہ تھیں کہ چینی صدر کے اس دورے کے دوران دونوں ملکوں کے درمیان بتیس ارب ڈالر کے معاہدات ہونا تھے جن میں لوڈشیڈنگ کے خاتمے کے لیے پاور پلانٹ کے سمجھوتے بھی شامل ہیں۔ نواز شریف کے حالیہ 7 نومبر 2014ء کو چین کے تین روزہ سرکاری دورہ میں ان معاہدوں پر دستخط ہوگے ہیں۔ میڈیا میں آنے والے بیانات میں اربوں ڈالر کی اس سرمایہ کاری کو حکومتی قرضے بھی بتایا جارہا تھا۔ نواز شریف حکومت یہ الزام لگاتی ہے کہ پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے مظاہروں، دھرنوں اور سیاسی کشیدگی کے باعث یہ دورے منسوخ کیے گے۔ جبکہ نواز شریف حکومت یہ نہیں بتاتی کہ اُن کی پارٹی یا اُنکے خاندان میں

ایک بھی ایسا شخص نہیں جو وزیر خارجہ بن سکے۔ اصل بات یہ ہے کہ موٹر وے بنانے یا میٹرو چلانے کے لیے کسی وزیر خارجہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اچھے ٹھیکداروں کی ضرورت ہوتی ہے، اگر وزارت خارجہ کو صیح استمال کیا جاتا تو چینی صدر کو لاہور میں بھی ویلکم کیا جاسکتا تھا۔

مسلم لیگ (ن)، پاکستان پیپلزپارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی روزانہ کی بنیاد پر کورس کے انداز میں عمران خان اور اُسکے دھرنے کو کوس رہے ہوتے ہیں، وہ کبھی دھرنوں کو آئین اور قانون کے منافی قرار دیتے ہیں، کبھی مذاکرات کی دعوت دیتے ہیں۔ نواز شریف کے ساتھیوں میں مولانا فضل الرحمان اور محمود خان اچکزئی بھی شامل ہیں اور ہر پاکستانی جانتا ہے کہ یہ دونوں پاکستان کے کرپٹ ترین سیاستدان ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ یہ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے کی کوشش کرتے رہے ہیں، مولانا فضل الرحمان نے پی ٹی آئی کے دھرنوں میں شریک خواتین کے بارئے میں بازاری لفظ مجرے" کا استمال کیا جو شرفا کی زبان میں ایک گالی ہے لیکن ہوسکتا ہے مولانا کے ہاں" عام طور پر بولا جاتا ہو، کیونکہ جو شخص کتے کو "شہید" کہہ سکتا ہے وہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ محمود خان اچکزئی جو قائد اعظم کا تو مخالف ہے، غریبوں اور مظلوموں کا ہمدرد بنتا ہے اور اپنے آپ کو ایک اصول پسند سیاستدان کہتا ہے، نواز شریف حکومت میں اُس کے خاندان کے دس افراد مختلف حکومتی عہدوں پر موجود ہیں، خود یہ وزیراعظم کا

مشیر خاص ہے اور ایک بھائی گورنر بلوچستان ہے، باقی دوسرے عہدوں پر ہیں، افسوس لوگوں کے ووٹوں کی بھیک سے پارلیمینٹ میں پہنچے والا یہ لٹیرا دھرنے میں آئے ہوئے غریب لوگوں کو خانہ بدوش کہتا ہے۔

مسلم لیگ (ن)، پاکستان پیپلزپارٹی ، عوامی نیشنل پارٹی، مولانا فضل الرحمان اور محمود خان اچکزئی ان سب کا مقصد کسی بھی طرح اس دھرنے کو ختم کرواکر اس کرپٹ نظام کو بچانا ہے جسکے زریعے یہ پارلیمینٹ کی چھتری کے سائے میں اپنی بدعنوانیوں کو جاری رکھ سکیں تاکہ اُنکی دولت میں اضافہ ہوتا رہے، اُنکو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اُنکی بدعنوانیوں کے نتیجے میں غربت کی لکیر کے نیچے جو 65 فیصد لوگ ہیں اُن میں اضافہ ہوجائے گا۔ 14 اگست 2014ء کو عمران خان کے آزادی مارچ اور علامہ طاہر القادری کے انقلابی مارچ اور بعد میں اسلام آباد میں اُنکے دھرنے 2009ء کے نواز شریف کے لانگ مارچ سے قائم ہونے والی بری مثال کا نتیجہ ہیں، اور آج عوام یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر ایک عمل 2009ء میں جائز تھا تو اگست 2014ء میں کیونکر ناجائز ہوگیا؟ نواز شریف کو لازمی یاد ہوگا 2009ء میں اُنکے لانگ مارچ کو گوجرانوالہ پہنچنے سے پہلے ہی اُس وقت کے آرمی چیف نے نواز شریف کو فون کرکے کہا تھا کہ ان کے مطالبات مان لئے گئے ہیں، جس کے بعد حکومت نے مارچ کے مقاصد تسلیم کرلئے اور عدلیہ بحال ہوگئی۔ سابق آرمی چیف جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ اپنے ایک بیان میں کہا

کہ یہ تمام عمل پارلیمنٹ سے ماورا تھا۔ 2009ء میں فوج، پیپلزپارٹی کی حکومت، نواز شریف اور سب نے مل کرایک غلط روایت قائم کی تھی ۔اُس وقت یہ بات واضح ہوگی تھی کہ نواز شریف نے آئین، پارلیمنٹ سے ماورااور عدلیہ سے رجوع کئے بغیر ایک بڑا فیصلہ سڑکوں پر کرکے ایک بری مثال قائم کی ہے۔

پاکستان میں گذشتہ تین ماہ سے زیادہ جاری سیاسی کشیدگی میں اتار چڑھاؤ تو دیکھا جاتا رہا ہے لیکن تاحال اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آیا ہے۔ اپنے حالیہ دورہ برطانیہ کے دوران لندن میں وزیراعظم نواز شریف نے ایک بار پھر اس احتجاجی سیاست کو ملکی معیشت کے لیے نقصان دہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ حکومت مخالفین کو بھی چاہیے کہ وہ پاکستان کی ترقی کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ حکومت اور اُس کی مخالف جماعت پاکستان تحریک انصاف کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف سخت بیانات کا سلسلہ تو جاری ہی تھا لیکن انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت نے تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان اور پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ علامہ طاہر القادری کے وارنٹ گرفتاری جاری کردیے اور بعد میں عمران خان اور علامہ طاہر القادری دونوں کو اشتہاری ملزم بھی قرار دے دیا، جسکی وجہ سے سیاسی تلخی میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ عدالت نے یہ وارنٹ یکم ستمبر کو پاکستان ٹیلی وژن کی عمارت پر حملے کے مقدمے میں جاری کیے ہیں۔

ساہیوال میں اپنے 15 نومبر کے جلسے میں تحریک انصاف کے چیئرمین عمران

خان نے اپنی تقریر میں پھر پاکستان کے انصاف فراہم کرنے والے اداروں پر عدم اعتماد کا اظہار کیا، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ سڑکوں پر نہ نکلوں تو پاکستان کا نظام انصاف انہیں انصاف نہیں دے سکتا۔ اسی جلسے میں عمران خان نے کہا ہے کہ وہ وزیر اعظم سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ انہوں نے سوال کیا کہ کیا وزیر اعظم نواز شریف ایک اشتہاری سے بات کرنا چاہتے ہیں؟، وارنٹ گرفتاری جاری کرنے سے نہ وہ ڈریں گے نہ بات کریں گے۔ عمران خان نے اپنے خطاب میں نواز شریف اور آصف زرداری کو مجرم قرار دیتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ دونوں نے لندن میں ملاقات کی ہے، ان کا آپس میں مک مکا ہو چکا ہے۔ انہوں نے حکومت سے مذاکرات کے دروازے بند کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ان کی ٹیم حکومت سے بات چیت کرتی رہے، وہ نہیں کریں گے۔

تحریک انصاف کا موقف ہے کہ یہ وارنٹ گرفتاری حکومت کی مبینہ ایما پر جاری کیا گیا جس کا مقصد پی ٹی آئی کی طرف سے 30 نومبر کو اسلام آباد میں اعلان کردہ جلسے میں خلل ڈالنا ہے۔ جماعت کے ایک مرکزی رہنما عارف علوی نے وائس آف امریکہ سے گفتگو میں وارنٹ گرفتاری جاری کیے جانے کو سراسر غلط اقدام قرار دیا۔ عمران خان حکومت پر گذشتہ عام انتخابات میں دھاندلی کا الزام عائد کرتے ہوئے مسلسل احتجاج کر رہے ہیں۔ حکومت کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ تحریک انصاف کے ان تمام مطالبات کو تسلیم کرنے کو تیار ہے جو آئین اور

قانون کے دائرے میں آتے ہیں اور ان میں سے بعض پر پیش رفت بھی ہو چکی ہے جسکی تصدیق خود عمران خان بھی کر چکے ہیں۔

عمران خان کے اس مطالبے پر کہ جوڈیشل کمیشن میں آئی ایس آئی اور ایم آئی کی شمولیت ہونی چاہیے لندن میں موجود پاکستان پیپلزپارٹی کے رہنما اور سابق وزیر داخلہ رحمان ملک نے کہا ہے کہ انتخابات میں دھاندلی سے متعلق جوڈیشل کمیشن میں آئی ایس آئی اور ایم آئی کی شمولیت سے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ حالیہ دونوں میں دونوں جانب سے یہ بیانات بھی سامنے آئے ہیں کہ وہ مذاکرات کے ذریعے معاملے کو حل کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن بظاہر دونوں ہی اس میں پہل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اگر نواز شریف واقعی اس بحران سے نکلنا چاہتے ہیں تو پہل اُنکو ہی کرنا ہوگی لیکن اگر نواز شریف وارنٹ گرفتاری کے زریعے اس مسئلے کا حل تلاش کر رہے ہیں تو وہ یقین رکھیں جن سیاسی شخصیات کے ساتھ انہوں نے میثاق کرپشن کیا ہوا ہے.برا وقت آنے پر کوئی اُنکے ساتھ نہ ہوگا اور اسکا 1999ء میں اُنکو تجربہ ہوچکا ہے، مگر افسوس ان کی سیاسی تاریخ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اچھے اور برئے تجربوں سے کچھ نہیں سیکھا۔ دیکھیے مستقبل کے تاریخ داں کی نظر میں کون تاریخ میں امر ہوتا ہے "عمران خان کا دھرنا یا میثاق کرپشن"۔

بنوں میں ماروی میمن کا دھرنا

سابق جنرل پرویز مشرف نے 1999ء میں نواز شریف کو ہٹا کر اقتدار پر قبضہ کیا تو اُنکو اپنی حمایت کرنے والے بہت سارے اقتدار کے پجاری مل گے۔ سب سے پہلے اُنکے اقتدار کے پجاریوں میں چودھری شجاعت اور چودھری پرویز الہیٰ شامل ہوئے۔ پرویز مشرف کے اقتدار کے پجاریوں میں صرف شخصیات ہی نہ تھی بلکہ سیاسی جماعتیں بھی تھیں۔ مسلم لیگ (ق) کے علاوہ ایم کیو ایم اور متحدہ مجلس عمل بھی تھیں۔ مشرف کے برسراقتدار آنے کے بعد مسلم لیگ (ق) نے جنم لیا اور پوری ق لیگ پجاری بنکر مشرف کی فرمانبردار بنی رہی ، ان فرمانبرداروں میں اور دوسرے بھی بہت سارے شامل تھے۔ سابق صدر پرویز مشرف کے فرمانبرداروں میں اُنکے وزیر اطلات نثار میمن اور اُنکی صاحبزادی ماروی میمن جو اسوقت چیئرپرسن قائمہ کمیٹی اطلاعات قومی اسمبلی بھی شامل تھے، ماروی میمن اسوقت پاکستان مسلم لیگ (ن) کی ایک اہم رہنما ہیں اور وزیراعظم نواز شریف سے بہت قریب ہیں۔ یوتھ بزنس لون پروگرام کی چیئرپرسن مریم نواز کے استعفی کے بعد شاید اُن کے متبادل کے طور پر ماروی میمن اس پروگرام کی چیئرپرسن بن جایں۔

جنرل مشرف کے صدارت سے علیدہ ہوتے ہی اُن کے بہت سارے فرمانبردار سیاسی

لوٹے بن گے۔ اُن میں ق لیگ اور اُسکی قیادت تو آجکل علامہ طاہر القادری کی بی ٹیم بنے ہوئے ہیں، کچھ عمران خان کی پی ٹی آئی میں شامل ہوگے ہیں جبکہ مشرف کے کافی فرمانبرداروں کو مشرف کے سخت ترین ذاتی مخالف اور موجودہ وزیراعظم نواز شریف اپنی کابینہ میں لیے بیٹھے ہیں۔ سابق صدر پرویز مشرف کو اتنا دکھ کسی کا نہیں ہوا ہوگا جتنا انہیں ماروی میمن کے مسلم لیگ (ن) میں شامل ہونے کے فیصلے سے ہوا ہوگا، اسلیے کہ سابق صدر پرویز مشرف کے ماروی میمن اور اُن کے والد پر ذاتی طور پر کافی احسانات تھے۔ سابق صدر نے نثار میمن کی اس وقت مدد کی جب انہوں نے جنرل پرویز مشرف کے ساتھ اپنا ایک گھریلو مسلہ شیئر کیا تھا کہ کیسے اُن کی بیٹی ماروی میمن کو کراچی سے اپنے خاوند سے علیدگی کے بعد اسلام آباد میں عزت سے رہنے کے لیے ایک نوکری کی ضرورت ہے۔ ایک لاکھ روپے ماہوار اور بے شمار مراعات کے ساتھ ماروی میمن کو فوجی ادارے آئی ایس پی آر میں جنرل پرویز مشرف کے کہنے پر نوکری دی گی۔ آئی ایس پی آر سے فارغ ہونے کے بعد بورڈ آف انویسٹمنٹ میں ایک اچھے عہدے پر لگادیا گیا۔ صوبہ سندھ کے ضلع ٹھٹہ سے تعلق ہونے کے باوجود پرویز مشرف نے انہیں پنجاب سے مسلم لیگ (ق) کی جانب سے خواتین کی مخصوص نشستوں پر رکن قومی اسمبلی بنوایا تھا۔ بعد میں 2008ء میں کراچی سے رکن اسمبلی منتخب ہوئیں۔

اگست 2008ء میں جنرل پرویز مشرف صدارت سے فارغ ہوئے اور پاکستان سے باہر چلے گئے لیکن ماروی میمن کا جنرل مشرف سے دبئی اور برطانیہ میں رابطہ رہا۔ میڈیا کے ٹاک شوز پروگرام میں وہ ہمیشہ پرویز مشرف کو "صدر مشرف" کہتی تھی۔ ماروی میمن مسلم لیگ (ق) کے میڈیا کے معاملات کی ذمیدار تھیں۔ لیکن 2010ء میں اُنکے مسلم لیگ (ق) کی قیادت سے اس بنیاد پر اختلاف شروع ہوگے کہ وہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور اسلام آباد کی لال مسجد کے ملاوں غازی برادران کو کھلم کھلا دہشت گرد کہتی تھیں۔ جب ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو ایک امریکی عدالت سے چھیاسی سال کی سزا ہوئی تو پاکستان کی قومی اسمبلی میں ڈاکٹر عافیہ سے اظہار یکجہتی کرتے ہوئے اُسے قوم کی بیٹی قرار دیا لیکن ماروی میمن نے اسوقت سب کو دہلادیا اور کہاکہ "عافیہ قوم کی بیٹی نہیں ہے بلکہ ایک دہشت گرد ہے"۔ اسوقت مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی شیخ روحیل اصغر نے کہا تھا کہ " ماروی میمن جس کو تم دہشت گرد کہہ رہی ہو وہ کل اس اسمبلی میں تماری جگہ ہوگی اور تم اس ایوان سے باہر ہوگی"، جبکہ مسلم لیگ (ق) سے تعلق رکھنے والے جعلی ڈگری ہولڈر سابق وزیر تعلیم شیخ اکرم وقاص نے کہا تھا کہ "ماروی میمن کے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو دہشت گرد کہنے پر مجھے دلی دکھ ہوا ہے، اب یا تو وہ مسلم لیگ (ق) میں رہے گی یا میں"۔ مسلم لیگ (ق)کے رہنما چوہدری شجات بھی ماروی میمن کے ڈاکٹر عافیہ کو دہشت گرد کہنے پر کافی ناراض تھے، انھوں نے ماروی میمن سے کہایا تو وہ ڈاکٹر عافیہ کو دہشت گرد کہنے پر پوری قوم سے

معافی مانگے یا پھر مسلم لیگ (ق) اور قومی اسمبلی کی نشست سے استعفی دے دے۔
ماروی میمن کا جواب تھا کہ وہ اپنے موقف پر قائم ہے اور میرے نزدیک ڈاکٹر عافیہ صدیقی قوم کی بیٹی نہیں ہے بلکہ ایک دہشت گرد ہے۔ اُنہوں نے مسلم لیگ (ق) اور قومی اسمبلی کی نشست سے استعفی دے دیا۔
اسکے باوجود کہ ماروی میمن مسلم لیگ (ق) کو چھوڑ چکی تھیں لیکن سابق صدر پرویز مشرف سے اُنکا رابطہ تھا۔ پھر اچانک ان میں ایک تبدیلی آئی اور اُنہوں نے بہت زور شور سے عمران خان اور پاکستان تحریک انصاف کی اس شرط پر حمایت شروع کردی کہ اگر وہ تحریک انصاف میں شامل ہونگی تو تحریک انصاف اُنکو سیکرٹری اطلاعات کا عہدہ دے گی۔ عمران خان جو خود طالبان کے حامی ہیں اپنے کراچی کے ایک جلسے میں جماعت اسلامی کے بھیجے ہوئے چند لوگوں کے ماروی میمن کے خلاف احتجاج پر گھبرا گئے اور انہوں نے ماروی میمن کے سامنے یہ شرط رکھی کہ تحریک انصاف میں آنے سے قبل ماروی میمن کو ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بہن کے ساتھ ایک پریس کانفرنس کرنی ہوگی جس میں وہ ڈاکٹر عافیہ کو دہشت گرد کہنے پر معذرت کریں اور ڈاکٹر عافیہ کے خاندان اور قوم سے معافی مانگیں۔ اسکے باوجود کہ ماروی میمن جو اپنے عزیزوں اور دوستوں کو تحریک انصاف میں سیکریٹری اطلاعات کے عہدے کا بتا کراُن سے مبارک باد وصول کرچکی تھیں اپنے موقف پر قائم رہیں اور عمران خان کے مطالبے کو مسترد کردیا۔ جلد ہی نواز شریف

کی دعوت پر وہ مسلم لیگ (ن) میں شامل ہوگیں۔ ماروی میمن کو صرف تین سال لگے اپنے محسن پرویز مشرف کی مہربانیاں بھولنے میں اور اُن کے ذاتی دشمن نواز شریف کے ساتھ ہاتھ ملانے میں۔ نواز شریف کے اقتدار میں آنے کے بعد جب ماروی میمن سے یہ پوچھا گیا کہ کیا سابق جنرل پرویز مشرف کا ٹرائل ہونا چاہیے؟ ماروی میمن کا جواب تھا۔۔۔۔۔ نو کمنٹس۔

عمران خان کے اسلام آباد میں دھرنے اور 31 اگست کے پی ٹی وی حملے اور ہنگامے کے بعد سے ماروی میمن میڈیا پر تحریک انصاف کے خلاف بہت زور شور سے گرج رہی ہیں، شاید وہ عمران خان سے اپنی اُس بے عزتی کا بدلہ لے رہی ہیں جو عمران خان نے ایک شرط کی شکل میں کی تھی۔ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ بنوں کے اسپورٹس کمپلکس میں راشن کی تقسیم کے دوران بد نظمی کے بعد پولیس اور آئی ڈی پیز کے تصادم کے نتیجے میں جب درجنوں آئی ڈی پیز کو پولیس نے گرفتار کر لیا تھا تو ماروی میمن نے بنوں جیل کے باہر کئی گھنٹوں تک دھرنا دیا، ان کا کہنا تھا کہ پولیس نے آئی ڈی پیز کو بلا جواز تشدد کا نشانہ بنایا اور انہیں گرفتار کیا لہذا ان کی رہائی تک دھرنا جاری رہے گا۔ بعد ازاں پولیس نے گرفتار آئی ڈی پیز کو رہا کردیا جس کے بعد ماروی میمن نے دھرنا ختم کردیا۔ جبکہ عمران خان نے ماروی میمن کے دھرنے کو ڈراما قرار دے دیا اور کہا کہ خیبر پختونخوا ، چھوٹا صوبہ ہے جبکہ آئی ڈی پیز کی تعداد زیادہ ہے

وفاق کی ذمیداری ہے کہ وہ صوبے کو مزید پولیس فورس اور امداد فراہم کرے۔
ماروی میمن کے والد نثار میمن جو زمانے کے سرد اور گرم سے گزر چکے ہیں کہتے ہیں کہ میری بیٹی میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ یہ ہر پارٹی میں آسانی سے ایڈجسٹ ہو جاتی ہے۔ ماروی میمن بھی ایک ایسی روایتی سیاستدان نکلیں جن کے پاس نظریات، خیالات یا سیاسی کردار نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہے تو صرف ذاتی مفاد جو کبھی جنرل پرویز مشرف سے پورا کر لیا جاتا ہے اور جب حالات بدلتے ہیں تو وہی مفاد نواز شریف سے بھی پورا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ کل شیخ روحیل اصغر، شیخ اکرم وقاص اور ماروی میمن جو قومی اسمبلی میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے مسلئے پر کہ وہ قوم کی بیٹی ہے یا دہشت گرد ہے شدید اختلاف رکھتے تھے آج اس بات پر مکمل اتفاق رکھتے ہیں کہ میاں محمد نواز شریف اُنکے لیڈر اور ملک کے جائز وزیراعظم ہیں اور عمران خان کا دھرنا اور وزیراعظم سے استعفی کا مطالبہ غیر آئینی اور غیر قانونی ہیں۔
سندھ سے تعلق رکھنے والی ماروی میمن جو کبھی سندھ کے مظلوم طبقات کے مسائل پر احتجاجی مظاہروں اور دھرنوں میں شرکت کے علاوہ ٹاک شوز اور خاص طور پر سوشل میڈیا میں بھی ان مسائل کو اجاگر کرنے میں پیش پیش ہوتی تھیں، کیا آج اُنکو سندھ کے علاقے تھر میں مرتے ہوئے بچے نظر نہیں آرہے ہیں۔ ہونا تو یہ

چاہیے تھا کہ ماروی میمن خود اور اپنے ن لیگ کے ساتھیوں کے ساتھ پیپلز پارٹی کی بدعنوان سندھ حکومت کے خلاف ایک بھرپور دھرنا دیتیں، لیکن شاید وہ ایسا اس لیے نہیں کر رہی ہیں کہ یہ نواز شریف اور آصف زرداری کے مک مکا کے خلاف ہوگا۔ اسکا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے بنوں میں ماروی میمن کا دھرنا آئی ڈی پیز سے ہمدردی میں نہیں بلکہ سیاسی اسکورنگ کے لیے تھا۔

مریم نواز کے ٹویٹ اور اُنکا استعفی

ٹوئٹر سوشل میڈیا کا ایک اچھا فورم ہے کیونکہ عام آدمی، مختلف شعبے کی مشہور شخصیات اور سیاسی رہنما اس کے ذریعے براہِ راست عام لوگوں اور میڈیا کے ساتھ رابطے میں رہتے ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف کی صاحبزادی مریم نواز جو موروثی سیاست کے تحت مسلم لیگ (ن) کی نمائندہ ہیں اور اب سے کچھ دن پہلے تک 100 ارب روپے کے پروجیکٹ وزیراعظم یوتھ پروگرام کی چیئرپرسن تھیں، وہ اپنے ٹوئٹر کے اکاونٹ کے زریعے پارٹی پالیسی کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ مریم نوازکے اس وقت دو لاکھ سے زیادہ فالوورز ہیں۔ بی بی سی کے مطابق کئی لوگ سوال کرتے ہیں کہ سیاست دان کیا اپنا ٹوئٹر اکاؤنٹ خود ہی چلاتے ہیں یا نہیں۔اس کا جواب جب مریم نواز سے ٹوئٹر پر پوچھا گیا تو جواب "نہیں" آیا۔ اسکا مطلب ہے کہ مریم نوازکے ٹوئٹر پیغامات میں ایک پی آر ٹیم کا عمل دخل ہے، لیکن یہ بات لازمی ہے کہ اُنکے ٹوئٹر پیغامات اُنکی مرضی سے ہی عام لوگوں تک پہنچتے ہیں۔ مریم نواز اپنی ٹویٹ کے زریعے مشہور سیاستدانوں سے بھی مخاطب ہوتی ہیں اور اپنی حامی اور مخالف سیاسی جماعتوں سے بھی اکثر مخاطب رہتی ہیں۔ دوسری سیاسی جماعتوں سے وہ اپنی بات پوری کرتی ہیں لیکن نون لیگ کی سینیئر قیادت سے مختلف نظر آتی ہیں۔ اپنے مخالفوں اور مخالف جماعتوں کے لیے وہ اکثر طنزیہ پیغامات بھی

ارسال کرتی ہیں۔

ماہ رمضان میں مریم نواز نے ایک ٹویٹ کیا تھا جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ تحریک انصاف کو ہدایت دے۔ اصل میں اس دعا کا مفہوم یہ تھا کہ تحریک انصاف گزشتہ عام انتخابات میں ہونے والی مبینہ دھاندلی کے الزامات سے دستبردار ہوجائے اور عمران خان اس آزادی مارچ کو منسوخ کردیں، لیکن ایسا ہوا نہیں اور اب تو اس آزادی مارچ سے جس دھرنے نے جنم لیا تھا اُسکی عمر بھی تین ماہ سے زیادہ ہوگی ہے اور گذشتہ تین ماہ سے زیادہ سے نہ صرف مسلم لیگ (ن) کے حکومتی ارکان بلکہ اُنکے اتحادیوں کی بھی نیندیں حرام ہوگی ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ماہ رمضان میں کی جانے والی دعائیں اللہ تعالیٰ ضرور قبول کرتا ہے۔ اگرچہ مریم نواز نے دعا کرتے وقت یہ چاہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مریم نواز کی دعا قبول کرلے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ آج جس سیاسی پارٹی کے نواز شریف مالک بنے بیٹھے ہیں شاید اُسکا وجود ہی نہ ہوتا اگر جاوید ہاشمی نواز شریف کی جلاوطنی کے وقت پارٹی کی دیکھ بھال نہ کرتے۔ نواز شریف سے اختلاف کی وجہ سے جاوید ہاشمی نے تحریک انصاف میں شمولیت اختیار کرلی لیکن جب عمران خان سے اختلاف کی وجہ سے جاوید ہاشمی کو تحریک انصاف کو بھی چھوڑنا پڑا اور جب عمران خان نے اُن سے اپنے تعلقات ختم

کرنے کا اعلان کیا تو مریم نواز نے اپنے ایک ٹویٹر پیغام کے زریعے جاوید ہاشمی سے پوچھا کہ " ہاشمی صاحب۔۔۔ میاں صاحب تو یاد آتے ہونگے ؟"۔ اب مریم نواز کو کسی نے لازمی بتایا تو ہوگا کہ " ہاشمی صاحب کو اگر کوئی یاد آتا ہے تو وہ صرف آپکے والد صاحب ہی ہیں کیونکہ ہاشمی صاحب کے ساتھ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب آپکے والد صاحب کی مہربانی ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) اور پاکستان تحریک انصاف سے علیدہ ہو جانے والے جاوید ہاشمی کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ وہ پارٹی لیڈر شپ کی غلامی کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

یکم اکتوبر کو وزیر اعظم نواز شریف وزیر آباد کے سیلاب متاثرین میں امدادی سامان کی تقسیم کے لیے پہنچے، اُن کی واپسی کے بعد بعض متاثرین کی جانب سے " گو نواز گو" کے نعرے لگائے جس کے رد عمل میں (ن) لیگ کے رکن اسمبلی توفیق بٹ نے متاثرین پر تشدد کیا اور الزام عائد کیا کہ نعرے لگانے والے تحریک انصاف کے کارکن تھے۔ اُسی دن ٹوئٹر پر دیئے گئے پیغام میں مریم نواز کا کہنا تھا کہ " گو نواز گو" کے نعروں کا ٹریلر وزیر آباد میں دیکھ لیا ہے اس لیے شیروں کے ساتھ جھگڑا نہ مول لیا جائے اور ہماری تحمل و مہذبانہ پالیسی کو کمزوری نہ سمجھا جائے۔ وزیر اعظم کی صاحبزادی کا کہنا تھا کہ ن) لیگ کے کارکن اب تحریک انصاف کی تخریبی کارروائیوں سے تنگ آ گئے ہیں اس) لیے اگر جیسے کو تیسا رد عمل ہوا تو تحریک انصاف والوں کو چھپنے کی بھی جگہ نہیں ملے گی، یہ ٹویٹ

نواز شریف کے مخالفین کے لیے ایک وارننگ تھی۔ جبکہ عمران خان کا مریم نواز کے ٹویٹ پر رد عمل یہ تھا کہ مریم نواز کہتی ہے ہم ان کو ماریں گے جو" گو نواز گو" کہے گا، مریم یہ بادشاہت نہیں ہے۔ جو ایسا کرے گا میں اسے جیل پہنچا کر رہوں گا۔

اکتوبر کے آخری ہفتے میں جب مریم نواز وزیر اعظم یوتھ پروگرام کی چیئرپرسن تھیں اُنکا ایک اور ٹویٹ سامنے آیا جس میں وہ عمران خان کے استعفی منظور کرنے کے مطالبے اور عوام سے تحریک انصاف کے لیے چندہ کی اپیل پر طنز کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ استعفیٰ دو تحریک اب استعفیٰ لو اور چندہ دو تحریک میں بدل گئی ہے، یہ سب مکافات" عمل ہے۔ انھوں نے سماجی رابطوں کی ویب سائٹ ٹویٹر پر اپنے ٹویٹ میں تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کی جانب سے دھرنا جاری رکھنے کے لیے عوام سے چندہ کی اپیل پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ قسمت کا کھیل دیکھیں وزیر اعظم نواز شریف سے استعفیٰ مانگنے والے اب اپنے استعفے منظور کروانے کا کہہ رہے ہیں۔ اگست 2014ء میں ان کا مطالبہ تھا کہ نواز شریف استعفیٰ دو اور اب اکتوبر 2014ء میں وہ کہہ رہے ہیں خدارا ہمارے استعفے منظور کرو"۔

جہاں تک عمران خان کے چندہ مانگنے کی بات ہے تو مریم نواز صاحبہ آپکو یہ تو

معلوم ہوگا کہ دنیا بھر میں سیاسی پارٹیاں عوام کے چندے سے ہی چلتی ہیں، چاہے وہ بھارت کی سیاسی پارٹیاں ہوں، یا یورپ اور امریکہ کی سیاسی پارٹیاں ہوں یہ سب عوام سے چندہ مانگتے ہیں۔ ہاں اس چندے کے ایک ایک پیسے کا حساب دینا لازمی ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ پاکستان میں سیاست ایک کاروبار ہے اور یہاں سیاست دان پیسہ لگا کر پیسہ بناتے ہیں اسلئے عوام سے چندہ نہیں مانگا جاتا، اور یہ بات مریم نواز آپ اور آپکے والد صاحب سے بہتر کون جانتا ہے، کبھی وقت ملے تو مریم نواز آپ اپنے اثاثوں کی ضیاءالحق کے زمانے سے ابتک کی بلینس شیٹ دیکھ لیں، آپکو فورا سمجھ میں آجائے گا کہ آپکی پارٹی کو چندے کی ضرورت کیوں نہیں پڑتی۔ مریم نواز صاحبہ شاید ابتک آپ کو معلوم ہوچکا ہوگا کہ تحریک انصاف کے ممبران قومی اسمبلی شاہ محمود قریشی کی قیادت میں اسپیکر قومی اسمبلی کے بلانے پر اُنکے آفس گے تھے لیکن دونوں طرف یہ کوشش تھی کہ استعفی منظور نہ ہوں، بقول آپکی پارٹی کے ایک رہنما سعد رفیق کہ ہم استعفی منظور کرنا نہیں چاہتے اور تحریک انصاف والے بھی یہ ہی چاہتے ہیں کہ استعفی قبول نہ ہوں۔
مریم نواز صاحبہ قدرت کا کھیل دیکھیے کہ اور یقین کریں کہ یہ بھی مکافات عمل ہے کہ عمران خان اور اُنکی پارٹی کے وہ تمام ممبران ابھی تک قومی اسمبلی کے ممبر ہیں جو اپنے استعفے اسپیکر کو دے چکے ہیں جبکہ آپکو

وزیر اعظم یوتھ پروگرام کی چیئرپرسن کی حیثیت سے استعفی دینا پڑا۔ اسلیے کہ عدالت میں ایک جج صاحب تو آپکے مقابلے میں اپنے باورچی کو لے آئے اور یہ پوچھا کہ "کیا کوئی شخص اپنے باورچی کو ایسے عہدے پر بٹھا سکتا ہے؟"۔ عدالتی ریمارکس کے بعد آپکے پاس یہ چوائس تھی کہ آپ عدالتی فیصلے کے بعد فیصلے کے خلاف درخواست دیتی اور جبتک اس درخواست کا فیصلہ نہیں ہوتا آپ چیئرپرسن کی حیثیت اس پوسٹ پر قابض رہتیں، لیکن اسوقت جب آپکے والد وزیر اعظم نواز شریف کی کرسی کے لالے پڑے ہوئے ہیں آپکے استعفی کا فیصلہ ایک صیح قدم ہے۔ مریم نواز صاحبہ آخر میں آپسے ایک درخواست ہے کہ ایک ٹویٹ اپنے والد وزیر اعظم نواز شریف کو عام پاکستانی کی طرف سے کردیں جس میں آپ انکو لکھیں کہ "آپنے جو ایک سو ارب روپے کی خطیر رقم مستحق افراد کو قرضے فراہم کرنے کے لئے اپنی بیٹی مریم نواز کی صوابدید پر رکھ کر پوری مہذب دنیا میں پاکستان کا مذاق اڑایا ہے اس پر پورا پاکستان نادم ہے۔ آپ نہ تو اس ملک کے بادشاہ ہیں اور نہ ہی مریم نواز ایک شہزادی۔ ویسے تو آپ کی سیاسی جماعت کا نام مسلم لیگ ہے لیکن کیا کبھی آپکو علامہ اقبال اور قائداعظم کے اعمال اور اقوال کا بھی خیال آتا ہے، اللہ تعالی آپکو کو نیک ہدایت دے"۔

منور حسن طالبان دہشت گردوں کے بھائی

جماعت اسلامی کے سابق امیر سید منور حسن جو دہشت گرد طالبان کو اپنا بھائی کہتے ہیں، طالبان دہشت گردوں کے ہاتھوں باون ہزار سے زیادہ شہید ہونے والے لوگوں کو جن میں عام آدمی، پولیس کے سپاہی، رینجرز کے اہلکار اور پاکستانی فوج کے اہلکار شامل ہیں اُنکو شہید ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن ہزاروں انسانوں کے قاتل دہشت گرد حکیم محسود کو شہید کہتے ہیں۔ وہ متنازعہ بیانات دینے میں شہرت رکھتے ہیں، یہاں اُن کے کچھ متنازعہ بیانات اور اُس پر ہونے والے ردعمل پڑھ لیں۔ اُسکے بعد جماعت اسلامی کے مینار پاکستان پر ہونے والے اجتماع میں کی گی اُنکی تقریر "جہاد اور قتال فی سبیل اللہ" پر بات ہوگی۔

پاکستانی نجی ٹی وی چینل وقت ٹی وی کے پروگرام میں میزبان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جماعت اسلامی کے سابق امیر منور حسن نے کربلا کو دو اصحاب کی جنگ قرار دیدیا۔ پروگرام کی میزبان کی جانب سے اس سوال پر کہ پھر حق پر کون تھا تو منور حسن کا کہنا تھا کہ "یزید کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ کچھ لوگوں کا اپنا نقطہ نظر ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے"۔ اُنکے اس بیان پر ندیم عباس نے اپنے مضمون "منور حسن کا بیان، جماعت اسلامی، مولانا مودودی

اور قاضی صاحب" میں لکھا ہے کہ "جن کو آج تک اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ حق پر امام حسینؑ ہیں یا یزید؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی اب انحطاط کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے، کہاں وہ دور کہ عالم اسلام کے مسائل کا حل پیش کر رہے تھے، کہاں یہ حال؟"۔

مارچ 2014ء کے آخر میں جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن نے نشتر پارک کراچی میں ایک جلسے کے دوران طالبان کو اپنا بھائی قرار دیا تھا، اُنکے اس بیان کی مذہبی جماعتوں کیجانب سے مذمت کی گی۔ ارشاد حسین ناصر نےاپنے مضمون "قاتل ہمارے بھائی ہیں" میں لکھا ہے کہ "اب تو کھلے عام قاتلوں، لٹیروں، غداروں کی توصیف کی جا رہی ہے، انہیں عزتوں کے تاج پہنائے جا رہے ہیں، انہیں بھائی قرار دیا جا رہا ہے، دہشتگردوں کو امن کے پیامبروں کے القابات سے نوازا جا رہا ہے، یہ تاریخ میں پہلی بار نہیں ہو رہا، حق و باطل کے ازلی معرکے سے یہ سلسلہ جاری ہے، شیطانی و باطل قوتوں نے ہر دور میں یہ روش اختیار کی ہے، مگر تاریخ انکے چہروں سے نقاب اٹھاتی رہی ہے اور آئندہ بھی اٹھاتی رہیگی"۔

منور حسن نے دنیا بھر میں دہشت گردی کے ذریعے امریکن سی آئی اے کی خدمت کرنے ، والے اسامہ بن لادن کو اپنے ایک بیان میں سید الشہداء کا لقب عطا کیا تھا

ساتھ ہی منور حسن نے کہا تھا کہ اسامہ بن لادن جیسے لوگ مرتے نہیں، دلوں میں بستے ہیں۔ اس بیان پر ایک ویب سائٹ پر حسینی نام کے ایک صاحب نے یوں تبصرہ کیا کہ "منور حسن صاحب کی پستی عقل پر ہنسی آتی ہے۔ معلوم نہیں دہشت گرد کو ہیرو بنانے میں اُن کو کیا مزا آتا ہے؟ اسامہ ایک دہشت گرد تھا۔ اب تو منور حسن صاحب نے اسامہ جیسے دہشت گرد کو "سید الشہداء" قرار دیا ہے۔ یقیناً یہ بات حضرت امام حسین اور حضرت حمزہ علیہما السلام کی توہین ہے۔۔۔۔ کہ اس جیسے دہشت گرد کو اُن کا والا لقب دیا جا رہا ہے۔ منور حسن جیسے پڑھے لکھے جاہل لوگ پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی میں برابر کے شریک ہیں"۔

۔ سید منور حسن نے جیو ٹی وی کے ایک پروگرام جرگہ میں سلیم صافی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ وہ نہیں سمجھتے طالبان کے ساتھ جنگ میں ہلاک ہونے والے فوجی شہید ہیں۔ پاکستانی فوج کے ترجمان ادارے انٹر سروسز پبلک ریلشنز نے منور حسن کے بیان کو "غیر ذمہ دارنہ اور گمراہ کن" قرار دے کر اس کی شدید الفاظ میں مذمت کی تھی۔ جبکہ دہشت گرد تنظیم تحریک طالبان پاکستان نے منور حسن کے اس بیان کا خیر مقدم کیا تھا جس میں اُنھوں نے حکیم محسود کو شہید اور طالبان کے خلاف جنگ میں ہلاک ہونے والے فوجیوں کے بارے میں کہا تھا کہ وہ شہید نہیں ہیں۔ دہشت گرد طالبان کے ترجمان شاہد اللہ شاہد نے کہا تھا کہ " وہ منور حسن کے بیان کا خیر مقدم

کرتے ہیں اور اس بیان کو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق قرار دیتے ہیں"۔

اگلے ایک دو روز میں کسی ٹی وی چینل پر آپ دہشت گرد کالعدم تنظیم تحریک طالبان پاکستان کا یہ بیان ضرور سن لینگے یا پھر کسی اخبار میں پڑھ لینگے کہ وہ اپنے بھائی سابق امیر جماعت اسلامی منور حسن کے بینار پاکستان پر 22 نومبر کو جماعت اسلامی کے اجتماع میں دیے گئے اس بیان کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ جس میں اُنھوں نے کہا کہ "جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے لفظ کا استعمال متروک ہوتا جا رہا ہے، وہ ڈنکے کی چوٹ پر اور بلاخوف وتردید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں اس میں اگر جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے کلچر کو عام نہیں کیا گیا تو محض انتخابی سیاست اور جمہوری سیاست کے ذریعے اس وقت کے حالات پر قابو نہیں پایا جا سکتا ہے"۔

قتال فی سبیل اللہ کا مطلب ہے، "اللہ کے راستے میں مسلح جنگ"۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جنگ میں شریک انسان کو صرف اور صرف اپنے رب کی رضا جوئی مقصود ہوتی ہے، اور یہ اُن شرائط کے مطابق لڑی جاتی ہے جو ہم پر دین کی طرف سے لازم کی گئی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: ”لڑائیاں دو قسم کی ہیں۔جس نے خالص اللہ کی رضاجوئی کے لیئے لڑائی کی۔اس میں اپنے حکمران کی اطاعت کی،اپنا بہترین مال خرچ کیا،اپنے ساتھیوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کیا اور فساد سے

اجتناب کیا، تو اس کا سونا جاگنا سب باعثِ اجر ہوگا۔اس کے برعکس جس نے دنیا کو دکھانے اور شہرت و ناموری کے لئے تلوار اٹھائی، اپنے حکمران کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہ چھوٹے گا"۔ (نسائی۔حدیث نمبر 3188) ۔۔۔۔
بحوالہ کتاب: ۔۔۔جہاد و قتال، مصنف فاروق خان۔۔۔۔۔
اوپر جو کچھ لکھا ہوا ہے اُسکے مطابق منور حسن جو شر انگیز بیانات دینے اور دہشت گردوں کو اپنا بھائی کہنے میں مشہور ہیں اُنکا یہ دو ٹوک بیان ریاست کی نافرمانی کرنے اور فساد پھلانے کے لیے ہے۔ پاکستان کی فوج کی جانب سے آپریشن ضرب عضب کے بعد دہشت گردوں کی کمر ٹوٹ گی ہے، منور حسن "جہاد اور قتال فی سبیل اللہ" کے نام پر فساد پھلانا چاہتے ہیں۔ اُنکے اس بیان کے جواب میں وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید نے نجی ٹی وی چینل دنیا نیوز سے بات کرتے ہوئے کہا کہ انھیں منور حسن کے بیان پر حیرت اور افسوس ہے تاہم وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بیان جماعت اسلامی کے موقف نہیں ہو سکتا بلکہ فرد واحد کا بیان ہے۔ پیپلز پارٹی کے رہنما شرمیلا فاروقی نے دنیا نیوز سے بات کرتے ہوئے کہا کہ "وہ نہیں سمجھتیں منور حسن کا بیان جماعت اسلامی کا موقف نہیں بلکہ اس طرح کے بیانات ماضی میں دیے جا چکے ہیں اور یہ ان کی ذہینت کی عکاسی کرتے ہیں"۔ جبکہ ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کی جانب سے جاری ہونے والے بیان میں کہا گیا ہے کہ "اس بیان سے جماعت اسلامی کا اصل مقصد اور خفیہ

پروگرام ایک بار پھر عوام کے سامنے آگیا ہے اوراس سے یہ بات سمجھنا کوئی دشوار نہیں کہ پاکستان میں داعش (شدت پسند تنظیم دولت اسلامیہ) کی نمائندگی کون کر رہا ہے اور داعش کے قتل و غارت گری کے پیغام کو کون پھیلا رہا ہے"۔ ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کی جانب سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وزیراعظم، وفاقی وزیر داخلہ، آرمی چیف اور چیف جسٹس منور حسن کے بیان کا فوری نوٹس لیں۔پاکستان علما کونسل کے چیئرمین علامہ طاہر اشرفی کا کہنا ہے کہ منور حسن کا بیان قابل وضاحت ہے، اگر قتال فی سبیل اللہ موجود نظام کے خلاف کرنا ہے تو سراج الحق سے آغاز کریں۔

داعش کی کراچی اور لاہور میں موجودگی کی خبریں گذشتہ ایک ماہ سے زیادہ سے آرہی ہیں، کراچی اور لاہور میں داعش کی حمایت میں وال چاکنگ بھی کی گی ہے۔ لاہور میں پولیس نے دعوی کیا ہے کہ اُس نے داعش کی حمایت میں وال چاکنگ کرنے والے کچھ لوگوں کو پکڑا ہے۔ پہلے یہ شک تھا کہ داعش کی حمایت میں وال چاکنگ جماعت اسلامی کے دہشت گردوں نے کی ہے لیکن منور حسن کے دو ٹوک شرانگیز بیان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ جماعت اسلامی ہی پاکستان میں داعش کے لیے کام کر رہی ہے۔

ہوسکتا ہے پولیس یہ معلومات حاصل بھی کرچکی ہو اور شاید پاکستان کے وزیر داخلہ چوہدری نثار کے علم میں یہ بات ہو کہ داعش کی حمایت میں وال چاکنگ جماعت اسلامی کے دہشت گردوں نے کی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ

انہوں نے اطمینان سے فرمادیا کہ پاکستان میں داعش کا وجود نہیں ہے۔

یہ بات ہر پاکستانی جانتا ہے کہ ملک میں دو سخت ترین سیاسی حریف نواز شریف اور عمران خان دونوں طالبان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ نواز شریف تو یوٹرن لیکر آپریشن ضرب عضب کو اپنا کارنامہ کہہ رہے ہیں جبکہ طالبان کے کتے کی ہلاکت پر اُسکو شہید کہنے والے مولانا فضل الرحمان اُنکی حکومت کے شراکت دار ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخواکے حکمران اور جماعت اسلامی کے اتحادی عمران خان منور حسن کے اس دو ٹوک بیان کا کوئی نوٹس لینگے یا وہ منور حسن کے اس بیان کی حمایت کرینگے۔ نواز شریف تو کہہ سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی ہماری اتحادی نہیں ہے اسلیے ہم اُس کی طرف سے آنے والے کسی بھی پیغام کے ذمیدار نہیں ہیں لیکن عمران خان یہ نہیں کہہ سکتے لہٰذا عمران خان کو چاہیے کہ جماعت اسلامی سے اپنے اتحاد کو ختم کریں، ویسے بھی گذشتہ سو دن سے زیادہ کے دھرنے میں تحریک انصاف کو جماعت اسلامی کی طرف سے نہ تو اخلاقی اور نہ ہی سیاسی کسی بھی قسم کی حمایت نہیں ملی۔ اور اب منور حسن کے دو ٹوک بیان کے جواب میں دو ٹوک عرض ہے کہ منور حسن کا یہ بیان کہ "طالبان ہمارے بھائی ہیں" ایسے ہی ہے جیسے مستنصر حسین تارڑ نے اپنی ایک کتاب کا عنوان "اُلو ہمارے بھائی ہیں" رکھا تھا؛ جب اُلو کا بھائی اُلو ہو سکتا ہے تو پھر طالبان دہشت گردوں کے بھائی دہشت گرد ہی ہونگے۔ منور حسن کے دو ٹوک دہشت گردانہ بیان کا حکومت

کو سختی سے نوٹس لینا چاہیے۔

عمران خان دہشت گردوں کے خلاف ہیں یا نہیں؟

یہ بات کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سربراہ نواز شریف، پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اور جماعت اسلامی کے سابق امیر مرحوم قاضی حسین احمد سے لیکر موجودہ امیر سراج الحق تک ہمیشہ سے دہشت گرد طالبان کے حامی رہے ہیں اور ہیں۔ پاکستان میں سڑسٹھ سالوں کی سیاست میں اسلام کو بے دریغ طریقے سے استعمال کیا گیا، مثلاً 1970ء کے انتخابات میں کہا گیا کہ اسلام خطرے میں ہے اور 1977ء میں انتخابات میں ہوئی دھاندلی کی تحریک کو نظام مصطفیٰ تحریک میں بدل دیا گیا جسکے نتیجے میں گیارہ سال تک جنرل ضیاء الحق اسلام کے نام پر حکمراں بنا بیٹھا رہا، آج پاکستان میں جسقدر دہشت گردی ہو رہی ہے، اُسکا ذمیدار ضیاء الحق ہے، اسی کے نتیجے میں ہم آج خود کش دھماکوں اور دہشتگردی کا شکار ہیں۔
پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سربراہ نواز شریف کی سیاسی پیدائش اور تربیت جنرل ضیاء الحق کے دور میں ہوئی ہے۔ نواز شریف ایک عرصے تک جنرل ضیاء الحق کی صحبت میں رہے ہیں، وہ جنرل ضیاء الحق کو اپنا سیاسی باپ کہتے تھے۔ جنرل ضیا کی موت کے بعد ایک عرصے تک نواز شریف ہر سال ضیاء الحق کی برسی پر اُس کی قبر پر جا کر اُس کے تمام اقدامات کی تعریف کیا کرتے تھے۔ نواز شریف جنرل ضیاء کے زمانے میں پہلے پنجاب کے وزیر خزانہ، بعد میں وزیر اعلیٰ

رہے۔ اُس زمانے سے ہی دہشت گرد اُنکے ہیرو ہوا کرتے تھے۔ 1997ء کے بعد جب دوسری مرتبہ وزیراعظم بنے تو خواہش ظاہر کی کہ پاکستان میں بھی طالبان کا نظام ہونا چاہیے مگر 1999ء میں جنرل پرویز مشرف نے اُنکو اقتدار سے علیدہ کردیا۔ 2013ء میں وہ تیسری بار وزیراعظم بنے تو طالبان دہشت گردوں کو فوجی آپریشن سے بچانے کے لیے وہ ایک سال تک مذاکرات کا ڈرامہ رچاتے رہے۔

تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان جو اپنے آپ کو لبرل بھی کہتے ہیں طالبان کے بہت بڑے حامی ہیں اور کچھ عرصہ قبل طالبان نے حکومت سے مذاکرات کے لیے طالبان کے نمایندئے کے طور پر عمران خان کا نام دیا تھا جو عمران خان نے قبول نہیں کیا، البتہ عمران خان نے پاکستان میں طالبان کو اپنا دفتر کھولنے کی اجازت دینے کا مطالبہ کیا تھا، ساتھ ہی عمران خان کا یہ بھی کہنا تھا کہ طالبان کے خلاف آپریشن سے کوئی فاہدہ نہیں ہوگا، اس سلسلے وہ گذشتہ نو سال میں ہونے والے آپریشن کا ذکر کرتے تھے۔ اس سال جون میں کراچی ایئرپورٹ پر طالبان کی دہشت گردی کے بعد فوج نے پندرہ جون سے طالبان دہشت گردوں کے خلاف آپریشن ضرب عضب کے نام سے ایک بڑا آپریشن شروع کیا جس کے بعد سے عمران خان آئی ڈی پی کے مسلئے پر تو بولتے نظر آتے ہیں لیکن طالبان کی ہمدردی سے دور دور نظر آتے ہیں۔ تحریک انصاف صوبہ خیبر پختونخوا میں جماعت اسلامی کے ساتھ ملکر صوبے کی حکومت چلارہی ہے، دوسری طرف وہ نواز شریف حکومت کے خلاف

انتخابی دھاندلی کا الزام لگاتی ہے اور عمران خان تین ماہ سے زیادہ عرصے سے نواز شریف حکومت کے خلاف اسلام آباد میں دھرنا دیئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اس دھرنے سے پہلے اور نہ ہی اس دھرنے کے دوران اُن کی اتحادی جماعت نے اُنکا کہیں ساتھ نہیں دیا بلکہ جماعت اسلامی اپنا سیاسی قد بڑھانے کے لیے عمران خان کے مخالفوں کے ساتھ ایک ثالثی جرگے کے طور پر کام کر رہی ہے۔

آج پاکستان کا نام دنیا میں دہشت گردی اور کرپشن کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔
جماعت اسلامی نے اسی کی دہائی میں ضیاء الحق کے ساتھ ملکر پاکستان میں جہاد کے نام پر دہشت گردی کو فروغ دینے اور امریکی ڈالر ہڑپنے کے لیے نام نہاد جہاد افغانستان کے نام پر ہزاروں معصوم نوجوانوں کو گمراہ کرکے امریکہ اور روس کی جنگ میں مروا دیا۔ ان نوجوانوں میں نہ تو قاضی حسین احمد کا بیٹا شامل تھا اور نہ ہی منور حسن کا۔ افغان جنگ کے دوران امریکا نے جماعت اسلامی کی مدد سے روس کے خلاف نام نہاد مجاہدین کو تیار کیا۔ سی آئی اے نے تقریبا دس سال تک سیکڑوں منڑپ امریکی ڈالر سالانہ کے حساب سے جماعت اسلامی کو دیئے جبکہ ساری دنیا سے فسادی لا کر مجاہدین کے نام پر جمع کیے گے۔ جماعت اسلامی یا جماعت المنافقین القاعدہ اور طالبان دہشت گردوں کی اسقدر حامی ہے کہ اُسکو 55 ہزار کے قریب پاکستانیوں کی شہادت سے کوئی ہمدردی نہیں بلکہ وہ تو طالبان دہشت گردوں کو دہشت گرد ماننے کو ہی تیار نہیں۔ دہشت

گردوں سے محبت کا یہ عالم ہے کہ گذشتہ سال جماعت اسلامی کے سابق امیر منافق منور حسن نے امریکی ڈرون حملے میں مارے گئے ہزاروں انسانوں کے قاتل اور دہشت گرد طالبان کے سربراہ حکیم اللہ محسود کی موت پر اُسکو شہید کہا۔ عام پاکستانی کو تو چھوڑیں منور حسن تو کسی فوجی کو بھی شہید ماننے کو تیار نہیں۔ منور حسن کے اس بیان کی پورے ملک میں مذمت کی گئی۔

جماعتِ اسلامی کے امیر سراج الحق نے کراچی ایرپورٹ پر دہشت گردی کے واقعے کی مذمت کی تھی لیکن جب 15 جون کو فوج آپریشن ضرب عضب شروع کیا تو طالبان دہشت گردوں کے حامی بھائی منور حسن نے کہا تھا کہ اگر ملٹری آپریشن کا فیصلہ کرلیا گیا ہے تو وزیراعظم اس کا باقاعدہ اعلان کریں اور یہ بھی بتایا جائے کہ آپریشن کا فیصلہ کس نے کیا۔ منور حسن نے شمالی وزیرستان میں کارروائی بند کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ مذاکرات کی ناکامی پر آپریشن اس کا نعم البدل نہیں لیکن کیا مجال کہ دہشت گردوں کے خلاف ایک لفظ بھی کہا ہو بس خواہش یہ کہ کسی طرح دہشت گردوں کے خلاف آپریشن رک جائے۔ جماعت اسلامی کو اگر ایک دہشت گرد سیاسی جماعت کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا یہ نہ صرف طالبان اور القائدہ جیسی دہشت گرد تنظیموں کی حامی ہے بلکہ عرب ممالک میں موجود دہشت گرد داعش (شدت پسند تنظیم دولت اسلامیہ) کی بھی حامی ہے، کچھ عرصے قبل کراچی اورلاہور میں داعش کی جانب سے وال چاکنگ کرنے میں یقینا جماعت اسلامی

کے دہشت گرد ہی ملوث ہونگے۔

مینار پاکستان کے سائے میں جماعت اسلامی کا 21 سے 23 نومبر تک تین روزہ عالمی اجتماع ہوا جس کے اختتام پر پتہ چلا کہ اس عالمی اجتماع کا مقصد دراصل افواج پاکستان کو ایک پیغام دینا تھا کہ وہ دہشت گردوں کے خلاف جو آپریشن کررہی ہے وہ فورا بند کردے۔ افواج پاکستان، پاکستان کی سیاسی قیادت اور سول سوسایٔی کو دھمکاتے ہوئے پاکستانی ابوبکر البغدادی منور حسن نے کہا کہ " وہ ڈنکے کی چوٹ پر اور بلاخوف وتردید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں اس میں اگر جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے کلچر کو عام نہیں کیا گیا تو محض انتخابی سیاست اور جمہوری سیاست کے ذریعے اس وقت کے حالات پر قابو نہیں پایا جا سکتا ہے"۔ "قتال فی سبیل اللہ" کی منور حسن کی طرف سے جو وضاحت کی گئی وہ آپریشن ضربِ عضب کو ختم کرنے یا اُسکے نتایٔج کو کم کرنے کی کوشش تھی۔ جماعت اسلامی کے موجودہ امیر سراج الحق نے تو منور حسن سے بھی زیادہ منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپریشن ضربِ عضب کو نہ صرف ڈرامہ کہا بلکہ اس آپریشن کو بند کرنے کا مطالبہ بھی کرڈالا۔ اجتماع کے آخر میں اس اجتماع کی اصل اسپانسر پاکستان مسلم لیگ (ن) کھل کر سامنے آگئی، نوازشریف اور اُنکے حواری جو پیغام افواج پاکستان کو دینا چاہتے تھے وہ جماعت اسلامی کے زریعے افواج پاکستان، پاکستان کی سیاسی قیادت اور سول سوسایید کو پہنچ

گیا۔ سراج الحق اور اُنے ح ساتھی تین دن تک حکمرانوں کیخلاف تقریریں کرتے رہے لیکن دراصل یہ ایک نورا کشتی سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ جماعت اسلامی اور نواز شریف حکومت کا مشترکہ پروگرام تھا جس میں نواز شریف حکومت پس پردہ تھی۔ لیکن پروگرام کے خاتمے پر جب پردہ ہٹا تو منظر یہ تھا کہ سراج الحق اور جماعت اسلامی کی قیادت اجتماعی دعا کے بعد اپنے غیر ملکی مندوبین کو ساتھ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کی طرف سے دیے گے عصرانے میں موجود تھے۔

عمران خان جنکے صوبے خیبر پختونخوا میں تیس لاکھ آئی ڈی پیز موجود ہیں اور وفاقی حکومت بقول اُنکے اُنکی کوئی مدد نہیں کر رہی، آئے دن صوبہ خیبر پختونخوا دہشت گردی کا بھی شکار بنتا رہتا ہے جبکہ وہ خود اسلام آباد میں احتجاجی دھرنا دیکر بیٹھے ہیں۔ یہ بات عمران خان اچھی طرح جانتے ہیں کہ اُنکو جو زیادہ سیاسی حمایت ہے وہ نوجوانوں کی طرف سے ہے جو نہ تو دہشت گردی کی یا دہشت گردوں کی حمایت کرتے ہیں اور نہ ہی مذہبی انتہا پسندی کے حامی ہیں، ان میں سے اکثر لبرل ذھن رکھتے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ عمران خان کو یہ فیصلہ کرلینا چاہیے کہ وہ دہشت گردوں کے ہمدرد ہیں یا پاکستان کی افواج کے۔ اگر اُن کا فیصلہ دہشت گردی کے خلاف ہے تو پھر اُنکو اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو دہشت گردوں کے حامیوں سے دور کرنا ہوگا۔ جماعت اسلامی نے

اپنے تین روزہ عالمی اجتماع کے زریعے عمران خان کو بھی ایک واضح سیاسی پیغام دیدیا ہے کہ ہم سیاسی طور پر نواز شریف کے ساتھ ہیں۔ اس واضح پیغام کے بعد یقینا عمران خان کی سیاسی جہدوجہد مشکل ہوجائے گی۔ عمران خان کو بھی منور حسن کی طرح ڈنکے کی چوٹ پر جماعت اسلامی کو یہ پیغام دینا ہوگا کہ اب تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کے راستے الگ الگ ہیں۔ عمران خان کو قوم کے اس سوال کا جواب بھی دینا ہے

کہ "عمران خان دہشت گردوں کے خلاف ہیں یا نہیں؟۔ عمران خان کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہی پاکستان تحریک انصاف کی نئی تاریخ ہوگی۔

عمران خان ایک نابالغ سیاستدان

وفاقی حکومت اور وزارت داخلہ نے 30 نومبر کے لیے وفاقی دارالحکومت کی پولیس کو 2 واٹر کینن اور 12 ہزار سے زائد آنسو گیس شیل فراہم کیے تھے جو کسی کام نہ آئے، نہ تحریک انصاف نے کوئی اودھم باری کی اور نہ ہی حکومت نے کوئی ڈنڈے باری کی۔ گذشتہ سو دن سے زیادہ حکومت کے لیے تحریک انصاف کا دھرنا اور احتجاج دردسر بنا ہوا ہے۔ کافی مرتبہ مذاکرات ہونے کے باوجود معاملہ نہ سلجھ سکا اور ابھی بھی سلجھنے کی کوئی امید نہیں نظر آرہی ہے۔ عمران خان گذشتہ ایک ماہ سے زیادہ سے تحریک انصاف کے دھرنے کو پکنک پوائنٹ کی طرح چلا رہے ہیں۔ اس درمیان عمران خان نے کچھ جلسے کیئے جو کامیاب بھی رہے لیکن ابھی تک عمران خان اپنے دھرنے یا جلسوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہ کرسکے۔ اُنکے ہمراہ آئے ہوئے علامہ طاہر القادری واپس جاچکے ہیں اور 30 نومبر کی دعوت کو اُنھوں نے قبول نہیں کیا۔ جماعت اسلامی کسی بھی جگہ سوائے صوبائی حکومت کی حصہ داری اُنکے ساتھ نہیں۔ اسلام آباد میں 30 نومبر کو پاکستان تحریک انصاف کا جلسہ کامیاب رہا لیکن عمران خان ایک نابالغ سیاستدان کے طور پر سامنے آئے اور انھوں نے 2013 کے انتخابات میں ہونے والی مبینہ دھاندلیوں کے خلاف دھرنے اور احتجاجی جلسوں کے پلان اے اور بی کے کامیاب نہ ہونے پر اپنے مطالبات منوانے کے لئے پلان "سی" کا اعلان

کیا، جس کے تحت پہیہ جام اور شٹر ڈاؤن ہڑتالوں کے ذریعے 4 دسمبر کو لاہور، 8 دسمبر کو فیصل آباد، 12 دسمبر کو کراچی اور 16 دسمبر کو پورا پاکستان بند کرنے کی دھمکی دی گئی تھی۔ عمران خان نے جو پلان "سی" دیا تھا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کرکٹر سے سیاست دان بننے والے عمران خان سیاست کی دنیا میں اٹھارہ سال گذارنے کے بعد بھی نابالغ سیاستدان ہیں۔

ایک بات تو طے ہے کہ عمران خان اپنے پروگراموں کا اعلان کرتے چلے جاتے ہیں لیکن ان پروگراموں کے پیچھے نہ کوئی پلاننگ ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی ہوم ورک۔ عمران خان اور ان کے ساتھیوں نے اگست کے پروگرام کے لیے بھی کوئی ہوم ورک کرنے کے بجائے صرف زبانی جمع خرچ سے کام چلانا چاہا، یہ ہی وجہ ہے کہ عمران خان کی سول نافرمانی کی کال پر کسی نے کان نہیں دھرا، اُنکی یہ کال بری طرح ناکام ہوئی، عام لوگوں کو تو چھوڑیں بجلی اور گیس کے بلوں کی عدم ادائیگی کے اعلان پر تو خود اُنکی جماعت کی لیڈر شپ نے بھی کان نہیں دھرا۔ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کو زر مبادلہ بینکوں کی بجائے ہونڈی کے ذریعے ارسال کرنے کی اُنکی اس کال پر بھی کسی نے توجہ نہیں دی۔ عمران خان کی یہ اپیل بھی بری طرح ناکام ہو گئی جس میں انہوں نے عوام سے سرکاری بنکوں سے رقوم نکلوانے کو کہا تھا۔ عمران خان کی ان اپیلوں پر نہ صرف عام لوگوں نے دھیان نہیں دیا وہیں ملک کی تاجر برادری نے عمران خان کی ان اپیلوں کے

خلاف کھل کر اپنی رائے کا اظہار بھی کیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ملک پہلے ہی معاشی بدحالی کا شکار ہے اگر عمران خان کی باتوں پر عمل ہوا تو ملکی معیشت اور زیادہ بدحالی کا شکار ہو جائے گی۔ غرضیکہ عمران خان کے پلان اے اور بی ناکام ہوگے۔ عمران خان کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ حکومت ایک کاروباری شخص کی ہے۔

ایک ماہ کے قریب 30 نومبر کا شور مچتا رہا لیکن شاید عمران خان یا اُنکے ساتھیوں نے اُس دن کے حوالے سے بھی کوئی ہوم ورک نہیں کیا تھا۔ یہ ہی وجہ ہے 24 گھنٹے سے بھی پہلے پلان "سی" تبدیل کر دیا گیا اور جو کچھ خان صاحب کنٹینر پر کھڑے ہو کر فرما رہے تھے اُسکے بلکل برعکس شاہ محمود قریشی نے پلان "سی" دیا ہے۔ شاہ محمود قریشی نے بتایا کہ 16 تاریخ کو چہلم بھی ہے اور یوم سقوط ڈھاکہ بھی ہے اس لئے پارٹی نے پروگرام میں رد و بدل کرتے ہوئے 18 دسمبر کو ملک گیر احتجاج کرنے کا فیصلہ کیا ہے جبکہ پارٹی رہنماؤں کی مصروفیات اور دیگر وجوہات کی بناء پر لاہور کو 4 دسمبر کی بجائے 15 دسمبر کو بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ عمران خان اور پارٹی کی دیگر قیادت 8 دسمبر کو فیصل آباد اور 12 دسمبر کو کراچی پہنچے گی اور احتجاجی پروگرام کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا احتجاج پہلے بھی پرامن رہا اور آئندہ بھی پرامن رہے گا۔ صرف بڑی سڑکوں پر

احتجاج کریں گے۔ دکانیں بند کرنا ہمارے پلان کا حصہ نہیں ہے۔ ہم اپنا احتجاج پرامن طور پر ریکارڈ کرائیں گے۔ بغیر ہوم ورک کے پلان "سی" کے عمران خان اور شاہ محمود قریشی کے ایک دوسرے سے مختلف پروگرام کے اعلان کا عمران خان اور اُنکی پارٹی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ شاید اسکے بعد عمران خاں کو کسی بھی پروگرام کے لیے ہوم ورک اہمیت کا احساس ہوگا۔

عمران خان کے کنٹینر سے دیئے گے پلان کے مطابق پلان "سی" میں لاہور کو بند کرنے کے لئے 4دسمبر کی تاریخ طے کی گئی تھی لیکن شاید اُنکے اعلان کے بعد اُنکو پتہ چلا کہ 4 دسمبر کو مینار پاکستان پر حافظ سعید کی جماعت الدعوۃ کے دو روزہ اجتماع کا پہلا روز ہوگا، لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ 4دسمبر کو لاہور میں تحریک انصاف کوئی احتجاج کر سکے، لہذا اب 4 دسمبر کی بجائے 15 دسمبر کو کو احتجاج کیا جائے گا۔ چلیں اس بات کے لیے تو کہا جاسکتا ہے کہ اُنکو چہلم کی تاریخ یاد نہ رہی ہو یا پارٹی رہنماوں کی مصروفیات کا کسی کو علم نہیں تھا، لیکن کیا شاہ محمود قریشی کو اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ 16 دسمبر ہمارے ملک میں یوم سیاہ کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ابھی پلان "سی" کے شروع ہونے بھی کچھ دن باقی ہیں کہ عمران خان نے اس پلان کی ناکامیابی کو تسلیم کرلیا۔ ایک ٹی وی اینکر نے جب عمران خان سے پوچھا کہ اگر آپکا پلان "سی" فیل ہوگیا تو کیا ہوگا تو خان صاحب نے برجستہ فرمایا کہ پھر میں پلان "ڈی".

کا اعلان کرونگا، اینکر نے پوچھا کہ پلان "ڈی" کیا ہے تو عمران خان نے فورا جواب دیا سول نافرمانی"۔ عمران خان کی اینکر سے یہ بات چیت ظاہر کرتی ہے کہ عمران خان" میں ابھی تک سیاسی پختگی نہیں آئی ہے۔

پلان سی جو پہلے پہیہ جام اور شٹر ڈاؤن ہڑتالوں کا تھا اب صرف بڑی سڑکوں پر احتجاج تک محدود ہوگیا ہے۔ ویسے بھی تحریک انصاف اور عمران خان دونوں کے لیے پہیہ جام اور شٹر ڈاؤن کی کال نقصان دہ ہوتیں۔ لاہور اور فیصل آباد میں ابھی تک تحریک انصاف کی حمایت عام لوگوں کی جگہ اپر کلاس میں زیادہ ہے، شاید ان علاقوں میں پہیہ جام اور شٹر ڈاؤن کی کال معمولی طور پر کامیاب ہوجاتی لیکن عام عوام یا کاروباری حلقہ میں تو شاید خود تحریک انصاف کے حامی بھی اُنکا ساتھ نہ دیتے۔ جہاں تک کراچی میں پہیہ جام اور شٹر ڈاؤن کی کال دینے کی بات ہے وہ صرف ایم کیو ایم ہی کرا سکتی ہے، یہ بحث قطعی نہیں کہ کیسے، کراچی میں بھی تحریک انصاف زیادہ تر صرف اپر کلاس میں ہی حمایت حاصل کرپائی ہے، لہذا یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ صرف کچھ بڑی سڑکوں پر احتجاج کے علاوہ تحریک انصاف کو اور کوئی کامیابی مل پائے گی، ایم کیو ایم جس کا دعوی ہے کہ وہ کراچی کی 85 فیصد آبادی کی نمائندہ ہے کیسے تحریک انصاف کو کراچی میں کامیاب ہوتا ہوا دیکھ سکتی ہے، دوسری طرف حکمراں پیپلز پارٹی جو بلا شرکت غیرے سندھ پر حکمرانی کررہی ہے وہ کیسے تحریک انصاف کو کامیاب ہونے دیگی۔

رہی بات پورے پاکستان کی تو پہیہ جام اور شٹر ڈاؤن کی کال کو عمران خان شاید صوبہ خیبر پختونخوا میں بھی کامیاب نہ کروا سکتے۔

پاکستانی سیاست کے گرُو اور وزیر اعظم نواز شریف کے فرینڈلی اپوزیشن لیڈر آصف زرداری کا کہنا ہے کہ فاسٹ بولر کو وکٹ نہ ملے تو وہ اکتا جاتا ہے، سیاست ٹی ٹوئنٹی نہیں، ٹیسٹ میچ ہے، اس میں صبر کرنا پڑتا ہے۔ آصف زرداری کا کہنا تھا کہ آج کچھ دوستوں کو حکومت کرنے کی جلدی ہے، لیکن سیاست میں صبر بھی چاہیے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عمران خان کو اپنی کامیابی کی جلدی ہے، اگر واقعی ایسا ہے تو عمران خان سب سے پہلے خیبر پختونخوا اسمبلی تحلیل کریں اور اپنی پارٹی کے قومی اور باقی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کو استعفوں کی تصدیق کے لئے اسپیکرز کے پاس بھجوایں۔ ایک دن کے لیے اگر پورا پاکستان بند بھی ہوجائے تو نواز شریف کی سیاست پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن خیبر پختونخوا، دوسرے صوبوں اور قومی اسمبلی سے تحریک انصاف کے اراکین کے استعفوں کے بعد نواز شریف حکومت ہل جائے گی۔

مولانا فضل الرحمان کو بھی لاش مل گئی

زندگی اور موت اللہ تعالی نے مقرر کی ہوئی ہے اور یہ صرف اللہ تعالی کی ذات ہی جانتی ہے کہ کب کون دنیا میں آئے گا اور کب کون دنیا سے جائے گا۔ سترہ نومبر کی ایک خبر کے مطابق جمیعت علماء اسلام (ف) کے صوبائی جنرل سیکریٹری، سابق سینیٹر ڈاکٹر خالد محمود سومرو نے سکھر کے قریب گوٹھ آنبہ میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان مغربی ممالک اور یہودیوں کا مہرہ ہے، 30 نومبر کی تاریخ بھی 14 اگست کی طرح خاموش ہو کر گزر جائیگی، عمران خان جو اب اشتہاری بن چکے ہیں جلد قادری کی طرح لندن بھاگ جانے والے ہیں۔
افسوس 30 نومبر کو ڈاکٹر خالد محمود سومرو اس دنیا میں موجود نہیں تھے۔ ایک دن قبل 29 نومبر کو سکھر سائیٹ تھانے کی حدود گلشن اقبال میں نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کرکے اُنہیں ہلاک کردیا۔ اس سے پہلے خالد سومرو پر لاڑکانہ، جیکب آباد اور شکارپور میں حملے ہو چکے تھے۔
میڈیا اور اخبارات کے مطابق ڈاکٹر خالد محمود سومرو اپنی جماعت کے سرگرم رہنما تھے، ان کی قیادت میں جمیعت علمائے اسلام (ف) کے زیر انتظام مدارس میں بڑے پیمانے پر اضافہ ہوا۔ انھوں نے سندھ کے کچے سے لے کر تھر کے صحرا تک

دیوبند مکتب فکر کو عام کیا۔ وہ ان علاقوں میں جا کر اشتعال انگیز تقاریر کیا کرتے تھے جبکہ ان کی ہی جماعت سے وابستہ کچھ رہنما اور کارکنان فرقہ وارانہ شدت پسند تنظیموں کی جانب بھی راغب ہوئے۔ افغانستان پر امریکی چڑھائی کے بعد سندھ کے علاقے شکار پور سے بھی مدارس کے طالب علم افغانستان جہاد کے لیے گئے تھے۔ خالد سومرو نے تصدیق کی تھی کہ ان کی جماعت نے ملا عمر کو مدد کی پیشکش کی تھی لیکن انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ خالد سومرو ایک طرف جمیعت علمائے اسلام (ف) کے رہنما تھے تو دوسری طرف وہ سندھی قوم پرستوں کے ساتھ بھی تھے۔ وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے گڑھ لاڑکانہ میں سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو کے مدمقابل امیدوار رہے، وہ سندھ میں پیپلز پارٹی مخالف اتحادوں کا بھی حصہ رہے، انھوں نے سندھ میں ایک ایسے مولانا کے طور پر شناخت حاصل کی جس کے قوم پرستوں کے ساتھ قریبی مراسم تھے، اُنھوں نے کالاباغ ڈیم، قومی مالیاتی ایوارڈ اور سندھ کی تقسیم کے نعرے پر وہ ہی موقف اختیار کیا جو قوم پرست جماعتوں کا تھا۔

ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے غم میں نڈھال جمیعت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان کو یہ تو نصیب نہیں ہوا کہ وہ خود جنازے میں شامل ہوتے کیونکہ دو دسمبر کو کشمیر کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اُنکو یورپ کے دورے پر جانا تھا، دورے کے دوران وہ یورپ میں پاکستانی مشنز سے ملاقات

کریں گے اور واپس آ کر سرکار سے اس بیکار دورے کا معاوضہ وصول کرینگے۔ خالد سومرو کے قتل کے بعد مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا تھا کہ لاڑکانہ نے ذوالفقار علی بھٹو، بینظیر بھٹو اور ڈاکٹر خالد محمود سومرو کا صدمہ برداشت کیا ہے وہ اہل لاڑکانہ سے تعزیت کرتے ہیں یہ واقعہ قومی سانحہ ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے مزید کہا کہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے قتل کو جہادی تنظیموں سے منسلک کرکے وقوعے کو تبدیل کرنے کی سازش ہو سکتی ہے، مجھ پر بھی تین بار حملہ کیا گیا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن یہ بیان دیتے وقت تھوڑا سا اگر تاریخ کو یاد کرلیتے تو شاید کچھ شرم اُنکو آتی اور وہ یہ بیان نہ دیتے۔ مولانا کی یاداشت کے لیے عرض ہے کہ لاڑکانہ کے ان تین مقتولوں میں بڑا واضع فرق ہے، ذوالفقار علی بھٹو ایک بڑے قومی سیاسی رہنما تھے اور جب اُنکو ڈیکٹیٹر ضیاء الحق نے پھانسی دی تھی تو اُنکے والد مفتی محمود بھٹو دشمنی میں ضیاء الحق حکومت کے حامی تھے، بینظیر بھٹو جن کی جی حضوری کرنے پر ہی مولانا کو کشمیر کمیٹی کا سربراہ بنایا گیا تھا، وہی بینظیر بھٹو دہشت گرد طالبان کے سخت خلاف تھیں یہ ہی وجہ ہے کہ دوسروں کے علاوہ بینظیر بھٹو کے قتل کا الزام طالبان دہشت گردوں پر بھی آتا ہے جبکہ مولانا کی طالبان سے دوستی چھپی ہوئی نہیں ہے، ڈاکٹر خالد محمود سومرو جو نہ صرف دہشت گردوں کے حامی تھے بلکہ نام نہاد جہاد کے نام پر اُنکے مدرسے سے دہشت گرد افغانستان بھیجے گے تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن اہل لاڑکانہ بھٹو خاندان اور دہشت گردوں میں فرق

جانتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن 31 مارچ 2011ء سے ابتک 44 ماہ کے دوران تین قاتلانہ حملوں سے بچنے میں کامیاب رہے۔ تاہم ان حملوں میں دو درجن سے زائد افراد جاں بحق ہوئے، اسکے علاوہ ماضی قریب میں 17 جون کو لاہور میں سانحہ ماڈل ٹاون میں لوگوں کی موت پھر واہگہ بارڈر پر دھماکہ سے 60 زیادہ افراد کی ہلاکت، مولانا 14 کو کسی سے بھی ہمدردی نہ ہوئی حالانکہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اکتوبر میں مولانا کے اوپر ہونے والے خودکش حملے میں ہلاک ہوئے تھے لیکن مولانا نے ہڑتال اور پہیہ جام تو دور کی بات ایک مرتبہ بھی بھرپور احتجاج نہیں کیا۔ عمران خان کے طویل دھرنے سے نواز شریف اور اُنکے حواریوں کی نیندیں حرام ہیں ایسے میں مولانا کو ڈاکٹر خالد سومرو کی لاش مل جاتی ہے تو مولانا کی صوبہ خیبر پختونخواہ میں حکومت بنانے کی خواہش شاید پھر جاگ اٹھتی ہے اور مولانا ایک بار پھر اپنی چالاکی کا استعمال کرتے ہوئے نواز شریف سے ڈاکٹر خالد سومرو کی لاش کی سیاسی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ مولانا نے عمران خان کے 30 نومبر کے پروگرام کو خراب کرنے کے لیے پورے ملک میں 30 نومبر کو ہی پہیہ جام اور ہڑتال کا اعلان کردیا اسکے ساتھ ہی صوبہ سندھ جہاں سے جے یو آئی کو قومی یا صوبائی اسمبلی کی کوئی سیٹ حاصل نہیں ہوئی تھی وہاں قائم پیپلزپارٹی کی حکومت کے خاتمہ کا مطالبہ بھی

کر دیا۔ خیر سندھ کی موجودہ حکومت تو وہ ڈائن ہے جو ابتک تھر میں بھوک اور افلاس کے سبب صرف 61 دن میں 163 بچوں کو موت کے منہ میں بھیج چکی ہے وہ ایک ڈاکٹر خالد سومرو کے قتل سے کہاں جانے والی ہے۔

ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے قتل کے خلاف جمعیت علمائے اسلام (ف) کی اپیل پر سندھ میں جئے سندھ متحدہ محاذ کے ساتھ ملکر ڈاکٹر خالد سومرو اور جئے سندھ متحدہ محاذ کے کارکنان کے قتل کے خلاف سندھ کے چند شہروں جن میں لاڑکانہ، خیرپور اور سکھر شامل ہے مکمل ہڑتال ہوئی جبکہ حیدرآباد میں جزوی اور کراچی میں کچھ دیر سپر ہائی وے بند رہا۔ سندھ بلوچستان شاہراہ پر بھی پتھراو کے سبب کچھ دیر ٹریفک معطل رہا لیکن اصل مقصد تھا کہ لوگوں کو عمران خان کے 30 نومبر کے پروگرام سے کیسے روکا جائے۔

جمعیت علمائے اسلام (ف) کے کارکنوں نے اسلام آباد سے پشاور اور اسلام آباد سے لاہور موٹروے کو پتھر لگا کر بند کر دیا تھا۔ متعدد مقامات پر تحریک انصاف کے قافلوں پر پتھراؤ کیا گیا، جے یو آئی (ف) کے کارکنوں نے پشاور ٹول پلازہ پر دھرنا دے کر تحریک انصاف کے قافلے کا راستہ روک دیا، پتھراؤ کے نتیجے میں وزیر اعلی کے پی کے کا قافلہ واپس موڑ دیا گیا، بنوں اور کرک میں دونوں جماعتوں میں جھڑپ کے نتیجے میں 5 کارکن زخمی ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ پشاور، لاہور یا کسی اور شہر کی سڑکوں کو بند کرکے مولانا کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے؟ اس سوال کا جواب عمران خان نے 30 نومبر کے اپنے جلسے کے شرکاء کو مخاطب کرتے ہوئے دیا، عمران خان کا کہنا تھا کہ نواز شریف نے آج مولانا فضل الرحمٰن کو پختونخوا کو بند کرنے کی ڈیوٹی لگائی تھی، مولانا نے پوری کوشش کی کہ میرے پختونخوا کے ٹائیگر یہاں نہ پہنچ سکیں۔ اس بات کو ساری دنیا نے مانا ہے کہ عمران خان کا 30 جولائی کا جلسہ کامیاب رہا، لیکن افسوس مولانا فضل الرحمٰن ایک لاش کے زریعے جو حاصل کرنا چاہتے تھے اُس میں کامیاب نہ ہوپائے۔ آپریشن ضرب عضب کے بعد دہشت گرد تنظیمیں کمزور ہویں ہیں اور اب کسی بھی ایک واقعہ کی ذمہ داری ایک سے زیادہ تنظیمیں قبول کررہی ہیں۔ اسکے علاوہ یہ ایک دوسرے کو بھی ماررہی ہیں۔ خالد سومرو بھی دہشت گردوں کے ہمدرد تھے بلکہ دہشت گرد مہیا کرنے میں بھی معاون تھے، ڈاکٹر خالد محمود سومرو کا قتل انہی کے پیٹی بند بھائیوں دہشت گردوں کا کارنامہ ہے جس کی تصدیق اُن کے بیٹوں نے بھی یہ کہکر کردی کہ ہمارے والد کو اناڑیوں نے نہیں بلکہ کھلاڑیوں نے ٹارگٹ کیا ہے۔ پاکستان میں لاشوں پر سیاست کرنا عام بات ہے، اب دیکھیں کیا ہوتا ہے مولانا فضل الرحمٰن کو بھی ایک لاش مل گئی ہے۔

مسلم لیگ (ن) کی غنڈہ گردی

لاہور میں مال روڈ پر معذوروں کے عالمی دن کے موقع پر اپنے مطالبات کے حق میں مظاہرہ کرنے والے نابینا افراد پر پولیس نے لاٹھی چارج کر دیا جس سے متعدد معذور افراد زخمی ہو گئے۔ نابینا افراد پریس کلب سے وزیر اعلیٰ ہاؤس جانے کیلئے جب مال روڈ پر پہنچے تو کلب چوک پر صدر مملکت ممنون حسین کے گزرنے کیلئے پروٹوکول لگا ہوا تھا جس پر پولیس نے نابینا افراد کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی اور تشدد کیا۔ جب پولیس کی اس بہادری پر میڈیا اور سول سوسائٹی نے شور کیا تو وزیراعظم نواز شریف کی صاحبزادی مریم نواز نے ایک ٹویٹ پیغام میں لکھا کہ اگر ابا اور چچا پاکستان میں موجود ہوتے تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ مریم نواز کے ابا نواز شریف جو غیر ملکی دوروں کا ایک ریکارڈ بنا چکے ہیں انگلینڈ کے دورے پر اور اُنکے چچا وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف جو غیر اعلانیہ پاکستان کے وزیر خارجہ بھی ہیں قطر کے دورے پر تھے۔ مریم نواز اپنے ٹویٹ میں قوم کو یہ پیغام دے رہی تھیں کہ اُنکے ابا اور چچا جب ملک میں موجود ہوتے ہیں تو سب کچھ اُنکی مرضی سے ہوتا ہے، جبکہ مسلم لیگ (ق) کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات سنیٹر کامل علی آغا کا کہنا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت ہر محاذ پر فیل ہو چکی ہے اور اب وہ ہر کام لاٹھی گولی کے زریعے کرنا چاہتی ہے۔

تیسری مرتبہ وزیر اعظم بننے والے نواز شریف کا انداز حکومت اُنکے پہلے دو ادوار سے بھی زیادہ خراب ہے، ایک سال وہ قومی اسمبلی یا سینٹ میں جھانکے بھی نہیں، دہشت گردی، قتل و غارت گری، لاقانونیت، مہنگائی اور بے روزگاری نے عوام کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ عمران خان گذشتہ ایک سال سے انتخابی دھاندلی کا شور مچارہے ہیں، لیکن نواز شریف کو غیر ملکی دوروں اور اپنے کاروبار سے فرصت ہو تو کچھ کرتے۔ نواز شریف اور اُنکے ساتھی یہ کہتے ہیں کہ عمران خان جو انتخابی نتایج پر احتجاج کررہے دراصل وہ جلدہی میں ہیں، وہ وزیراعظم بننا چاہتے ہیں، عمران خان جلدہی میں ہیں یا نہیں یہ تو آنے والا وقت بتائے گا لیکن یہ صاف نظر آرہا کہ شریف.برادران کا اس مرتبہ انداز حکومت بھارتی فلموں کے ڈان جیسا لگتا ہے۔ ڈان کی خصوصیت یہ دیکھی گی ہے کہ وہ صرف اپنے فاہدئے کی فکر کرتا ہے، اپنے فاہدئے کو حاصل کرنے کے لیے ڈان کو نہ کسی کی جان کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کے نقصان کی، اور اس مرتبہ شریف.برادران کو عام لوگوں کا خون تک بہانے میں بھی کوئی ہچکچاٹ نہیں۔ 17 جون کو لاہور میں ماڈل ٹاؤن میں ادارہ منہاج القران پر پنجاب پولیس نے چڑھائی کردی، منہاج القران کے ورکروں پر سیدھے فائر کیےگے، جس سے 14 لوگ جن میں دو خواتین بھی شامل تھیں زندگی کی بازی ہارگے جبکہ 90 کے قریب لوگ زخمی ہوئے۔ 31 اگست کو اسلام آباد میں پنجاب پولیس نے دھرنے کے شرکا پر

گولی چلائی جس سے کم از کم چار لوگ ہلاک اور سیکڑوں زخمی ہوگے۔ 17 جون اور 31 اگست کو مریم نواز کے ابا نواز شریف اور چچا شہباز شریف دونوں ملک میں موجود تھے۔

عمران خان نے فیصل آباد میں ہڑتال کی اپیل کی تھی، فیصل آباد کی تاجر برادری، وکلا اور ٹرانسپورٹ کھل کر دو حصوں میں بٹ گے تھے، آدھے ہڑتال کے حامی تھے اور آدھے نہیں، یہ بات حکومت کے حق میں جارہی تھی، لیکن شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار اور خود شہباز شریف کے صاحبزادے حمزہ شہباز عمران خان کو فیصل آباد میں سبق سکھانے کا پروگرام بناچکے تھے، یہ ہی وجہ ہے کہ حکومتی وزرا کی طرف سے پی ٹی آئی اور عمران خان پر تابڑ توڑ حملے کیے جارہے تھے، رانا ثناء اللہ اور عابد شیر علی کی جانب سے دھمکی آمیز بیانات دیئے جارہے تھے۔ سات دسمبر کی شام کو مسلم لیگ (ن) اپنے کارکنوں کو پی ٹی آئی کے کارکنوں کے خلاف فیصل آباد کے روڈوں پر لے آئی، دونوں طرف سے زبردست نعرے بازی ہوئی اور ان حالات کو دیکھ کر میڈیا یہ ہی رپورٹ کررہا تھا کہ نون لیگ کا اپنے کارکنوں کو پی ٹی آئی کے مدمقابل لانے کا انجام برا ہوگا۔ میڈیا کے زریعے دوسرے سیاسی رہنما بھی کہہ رہے تھے کہ پی ٹی آئی کے احتجاج کے دوران اگر کوئی خراب صورتحال پیدا ہو تو اُسکو پولیس کے ذریعے کنٹرول کیا جائے نہ کہ مسلم لیگ (ن) کے کارکنوں کے زریعے۔ آٹھ دسمبر کی صبح تقریبا

آٹھ بجے نون لیگ اپنے کارکنوں کو سڑکوں پر لے آئی جبکہ ابھی پی ٹی آئی کے کارکنوں کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ نواز شریف کے کارکنوں نے پی ٹی آئی کے بینر پھاڑنے شروع کردیے، ابھی وہ یہ کر ہی رہے تھے کہ پی ٹی آئی کے کارکن آنے شروع ہوئے اور پھر دونوں طرف سے ایک دوسرے کے بینر پھاڑے گئے۔ "گو نواز گو" اور "رو عمران رو" کے نعرے ایک دوسرے کے مدمقابل آکر لگائے گے۔ پولیس موجود تو تھی لیکن وہ اپنی ذمیداری پوری کرنے سے قاصر تھی۔ ساڑھے دس بجے کے بعد اچانک ایک شخص نے پی ٹی آئی کے کارکنوں پر سیدھی سیدھی فائرنگ کردی، اس فائرنگ کے نتیجے میں پی ٹی آئی کے احتجاج میں شریک ایک نوجوان کارکن حق نواز جسکی عمر شاید 25 سال کے قریب تھی گولی لگنے کی وجہ سے موت کا شکار ہوگیا، بدقسمت مرحوم حق نواز کی صرف چار روز بعد شادی تھی۔

عمران خان اپنے پلان "سی" کے مطابق فیصل آباد میں آٹھ دسمبر کو احتجاج کا اعلان 30 نومبر کو کرچکے تھے۔ آٹھ دسمبر کو نواز شریف اور شہباز شریف دونوں ملک میں موجود تھے لہٰذا آٹھ دسمبر کو جو کچھ فیصل آباد میں ہوا وہ دونوں شریفوں کی مرضی سے ہوا۔ 1977ء کے انتخابات کے بعد پی این اے نے ذوالفقار علی بھٹو پر الزام لگایا کہ انہوں نے انتخابات میں دھاندلی کی ہے، پی این اے نے بھٹو کے خلاف تحریک چلائی، اُس زمانے میں پیپلزپارٹی چاروں صوبوں میں موجود تھی اور بھٹو کے پاس اسٹریٹ پاور بھی موجود تھی۔ پی این اے پورے

ملک میں جلسے جلوس کے زریعے بھٹو کے خلاف تحریک چلا رہی تھی، بھٹو نے تشدد بڑھنے کی وجہ سے کراچی اور لاہور میں مارشلا لگایا، پولیس کے زریعے احتجاج کرنے والوں کو قابو کرنے کی کوشش کی لیکن ایک مرتبہ بھی پیپلز پارٹی کے ورکرز کو پی این ائے کے احتجاج میں شامل لوگوں کے مدمقابل نہیں لائے اور نہ ہی پیپلز پارٹی کے ورکر خود پی این ائے کے لوگوں کے مدمقابل آئے۔ مسلم لیگ (ن) نے اپنے کارکنوں کو پی ٹی آئی کے احتجاجیوں کے سامنے لاکر اور پھر پی ٹی آئی کے ایک ورکر کو مار کر یہ تو بتادیا کہ نواز شریف اور اُنکے حواری سیاسی طور پر اتنے دیوالیہ ہو چکے ہیں کہ وہ اب سیاست کا جواب سیاست سے نہیں بلکہ غنڈہ گردی سے دینگے۔ فیصل آباد کی اس غنڈہ گردی کو رانا ثناء اللہ اور عابد شیر علی کی پوری پشت پناہی حاصل تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ عمران خان کی گاڑی پر پتھر اور انڈے مارے گئے۔

پی ٹی آئی کے مرحوم کارکن پر جب اُسکا قاتل گولی چلا رہا تھا تو پولیس اُس کے بہت قریب موجود تھی لیکن چونکہ پولیس کو یہ حکم تھا کہ غنڈوں اور قاتلوں کو کچھ نہ کہا جائے، یہ ماڈل ٹاون کے سانحہ کاری پلے تھا صرف اس فرق کے ساتھ کہ ماڈل ٹاون کے گلو بٹ نے گاڑیوں کے شیشے توڑے تھے جبکہ فیصل آباد کے گلو بٹ کو بندے مارنے کا حکم ملا تھا۔ اُس بندے کا نام کیا تھا یہ بے کار کی بحث ہے جس میں الجھا کر رانا ثناء اللہ اُسکو بچانا چاہ رہا ہے، یہ

بندہ کہاں گیا اسکے لیے پولیس کو صرف ایک ڈیرے پر چھاپا مارنا ہوگا، اور وہ ڈیرہ ہے رانا ثنا اللہ کا، قوی امکان ہے کہ حق نواز کا قاتل وہاں ہی ملے گا، لیکن اس چھاپے کا حکم کوئی بھی نہیں دیگا۔ مسلم لیگ (ن) کی اس غنڈہ گردی سے لازمی نواز شریف بھی واقف ہونگے اور شہباز شریف بھی کیونکہ بقول مریم نواز اُنکے ابا اور چچا جب ملک میں ہوتے ہیں تو پھر سارے کام اُن کی مرضی سے ہوتے ہیں، لگتا ہے مسلم لیگ (ن) شاید اس سیاست کی موجد بنتے جارہی ہے کہ گلی کا غنڈا گلی کا لیڈر، محلے کا غنڈا محلے کا لیڈر، شہر کا غنڈا شہر کا لیڈر اور ملک کا غنڈا ملک کا لیڈر۔ وزیراعظم نواز شریف کو یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ حکومتیں غنڈہ گردی سے نہیں چلا کرتیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نواز شریف کو فیصل آباد میں مسلم لیگ (ن) کی غنڈہ گردی بہت مہنگی پڑے گی، شاید یہ غنڈہ گردی اُنکی سیاسی موت بن جائے۔

کاش پاکستان آج کرکٹ میچ نہ کھیلتا

آج سترہ دسمبر ہے اور پشاور میں دہشتگردی کے واقعے کو آج صرف ایک روز ہوا ہے۔ ملک بھر میں تین روز کا سوگ منایا جا رہا ہے۔ صرف پشاور میں ہی نہیں ہر جگہ ہر پاکستانی غمزدہ ہے، ہر آنکھ اشک بار ہے۔ آج کسی نے بھی ہڑتال کا نہیں کہا ہے۔ لیکن پورے پاکستان میں تقریباً کاروبار بند رہا، خاصکر مرکزی بازار تو مکمل شٹ ڈاون رہے، یہ وہ ہی تاجر برادری ہے جو ہڑتال کی کال دینے والے کو کوستے ہیں لیکن آج پشاور سے کراچی تک ہر پاکستانی کی طرح ہر تاجر کی آنکھ اپنے 148 پیاروں کی شہادت پر اشکبار ہے۔ ان 148 میں ہمارے 132 بچے بھی شامل ہیں۔ لہٰذا آج یوم سوگ ہے کاروبار بند ہے۔ دوسرے شعبوں کی طرح اسٹاک مارکیٹ بھی اپنے وقت سے ایک گھنٹہ پہلے بند کر دی گی۔ پھول جیسے بچوں کو سفاک دہشت گردوں نے خون میں نہلا دیا، اُن کے والدین دکھ سے نڈھال ہیں۔ پشاور اسکول سانحہ نے ہر آنکھ اشکبار کر دی۔ کئی خواب بکھر گئے، بدترین واقعے نے پوری قوم کو سوگوار کر دیا ہے۔ کوئی ڈاکٹر بننا چاہتا تھا تو کوئی انجینئر، کوئی فوج میں جا کر ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتا تھا تو کوئی وزیراعظم بننے کی خواہش رکھتا تھا۔ یہی وہ معصوم خواب تھے جو قوم کے معمار ہر صبح اپنی آنکھوں میں سجائے اسکول کا رخ کیا کرتے تھے۔ لیکن دہشتگردوں نے تو اس درس گاہ پر ہی حملہ کر دیا۔ ایک نسل کو ہی ختم

کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان معصوموں کا قصور کیا تھا؟ کتنی ہی ماؤں کی گودیں اجڑ گئیں۔ باپ کے خواب چھلنی ہو گئے۔ بہن بھائیوں سے ان کے سہارے چھین لئے گئے۔ شاید ہی کوئی سوچ سکتا تھا کہ دشمن ایسا گھٹیا وار بھی کر سکتا ہے۔ جنگ میں بھی بچوں اور خواتین کو نشانہ نہیں بنایا جاتا، یہ تو پھر بھی وطن عزیز ہے، اپنی درس گاہ اور اپنے پھول سے بچے جو اسی درس گاہ میں دن کا آغاز اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے کرتے تھے، جہاں انسانیت کا درس دیا جاتا ہے، جہاں جہالت کا اندھیرا دور کرنے کا پیغام دیا جاتا ہے لیکن ان دہشتگردوں نے تو علم کی شمع ہی گل کر دی۔

دہشت گردوں نے پھولوں کے شہر پشاور میں 321 ماؤں سے ان کے پھول چھین لیے، اپنے لخت جگر کو علم حاصل کرنے کے لیے بھیجنے والی ماؤں کو کیا خبر تھی کہ آج کے بعد وہ اپنے بچوں کو دیکھنے کے لیے ترس جائیں گی، پوری قوم ان کے دکھ میں برابر کی شریک ہے۔ ان بچوں میں بہت سے بچے کرکٹ کے دیوانے بھی ہونگے، ان میں کئی ایسے بھی ہونگے جو خود کرکٹر بننا چاہتے ہونگے۔ آجکل ابوظبی میں پاکستان اور نیوزی لینڈ کی ون ڈئے سیریز چل رہی ہے، پاکستان نے تیسرے ون ڈے میچ میں نیوزی لینڈ کو 147 رنز سے شکست دیکر پانچ میچوں کی سیریز میں 1-2 کی برتری حاصل کر لی تھی اوریقینا ان شہید 132 بچوں میں سے بہت سے بچوں نے تیسرا ون ڈئے دیکھا ہوگا اور اپنے امی ابو سے کہا ہوگا کہ بس اگلا میچ جیت

جایں تو ہم سیریز جیت جائینگے، افسوس اس وقت جب میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں چوتھا میچ ہورہا، مجھے نہیں معلوم کہ میچ کی کیا پوزیشن ہے لیکن مجھے یہ ضرور معلوم ہے پشاور کے آرمی پبلک اسکول کے شہید 132 بچے یہ میچ نہیں دیکھ رہے ہیں، وہ تو ہمیں چھوڑ کر تتلیوں اور جگنوں کے دیس چلے گے۔ اُن شہید بچوں کے اپنے والدین اور ہم سے بچھڑنے پرآج پورا پاکستان یوم سوگ منارہاہے اور میرئے ذہن میں بار بار ایک ہی سوال ابھر رہاہے کہ " کیاآج ہمیں نیوزی لینڈکے ساتھ چوتھا میچ کھیلنا چاہیے تھا؟"۔ پاکستان کی قومی کرکٹ ٹیم کے اسٹار بیٹسمین یونس خان نے سانحہ پشاورکے سوگ میں آج پاک نیوزی لینڈ میچ ملتوی کرنے مطالبہ کیا تھا، یونس خان کا کہنا تھاکہ پشاور سانحہ کے بعد کھلاڑیوں کا میچ کھیلنا کافی مشکل ہوگا، وہ نہیں جانتے کہ کھلاڑی کس طرح کھیل پر اپنی توجہ مرکوز رکھ سکتے ہیں۔یونس خان نے کہاکہ آسٹریلوی کرکٹر فل ہیوز کی موت پر میچ ملتوی ہوا تھا، چوتھا ون ڈے بھی ملتوی ہوجائے تو حرج نہیں۔ جبکہ قومی کرکٹ ٹیم کے منیجر معین خان کا کہنا تھاکہ ملک میں دہشت گردی کی وجہ سے انٹرنیشنل کرکٹ نہیں ہورہی، سوگوار خاندانوں کے ساتھ ہیں،پوری ٹیم کو سانحہ پشاور کا غم ہے۔انہوں نے کہاکہ دہشت گردوں کے آگے نہیں جھکیں گے،اس لیے میچ کھیلنے کا فیصلہ کیا۔شاید معین خان کے نزدیک پاکستان کی تاجر.برادری دہشت گردوں کے آگے جھک گئی ہے جواُس

نے آج کاروبار بند رکھا۔ میچ سے قبل پشاور سانحہ کے شہداء کیلئے دو منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی اور کھلاڑیوں نے فاتحہ خوانی اور سوگوار خاندانوں کے لیے صبر کی دعا کی۔ قومی ٹیم کے ساتھ ساتھ نیوزی لینڈ کے کھلاڑی بھی بازووں پر سیاہ پٹیاں باندھ کر میچ کھیل رہے ہیں۔ کیوی ٹیم کے منیجر کا کہنا ہے کہ غم کی اس گھڑی میں نیوزی لینڈ ٹیم اداس ہے اور کرب محسوس کرتی ہے۔

پاکستان کرکٹ بورڈ کے ترجمان کا کہنا ہے کہ پی سی بی دکھ کی اس گھڑی میں پشاور اسکول حملے کے شہداء کے لواحقین کے ساتھ ہے، بورڈ نے پاکستان اور نیوزی لینڈ کی کرکٹ ٹیموں کے درمیان ابو ظہبی میں کھیلے جانے والے چوتھے ایک روزہ میچ کی آمدنی شہداء کے لواحقین اور اسکول کی تعمیر نو کیلئے دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ترجمان کا کہنا ہے کہ چوتھا ایک روزہ میچ ملتوی کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن براڈ کاسٹرز اور نیوزی لینڈ مینجمنٹ کی کمٹ منٹس کے باعث ایسا ممکن نہیں ہو سکا، پاکستان دہشتگردی کے خطرے کے باعث پہلے ہی بیرون ملک کھیلنے پر مجبور ہے اگر ہم نے دہشت گردوں کو بیرون ملک ہونے والے میچز کو بھی ڈسٹرب کرنے کی اجازت دیدی تو یہ بڑا نقصان ہوگا، اس لیئے شیڈول کے مطابق میچ کا انعقاد کیا جا رہا ہے، کھلاڑی سیاہ پٹیاں باندھیں گے اور ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی جائے گی، پرچم سرنگوں رہے گا۔ دوسری جانب نیوزی لینڈ کرکٹ کے چیف ایگزیکٹو ڈیوڈ وائٹ نے کہا تھا کہ سانحہ پشاور پر

پاکستانی ٹیم کی طرح اُن کے دل بھی غمزدہ ہیں، وہ آج کے میچ سے متعلق پاکستان ٹیم کے فیصلے کے منتظر ہیں، پاکستان جو بھی فیصلہ کرے گا وہ اس کا احترام کریں گے۔

افسوس ہوا معین خان اور پاکستان کرکٹ بورڈ کے ترجمان کے بیانات کو پڑھکر۔ معین خان اور پی سی بی کے ترجمان ایک طرف تو ہمیں بہادری کا سبق دےئ رہے ہیں جبکہ دوسری طرف ترجمان کا یہ کہنا کہ میچ ملتوی کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن براڈ کاسٹرز اور نیوزی لینڈ مینجمنٹ کی کمٹ منٹس کے باعث ایسا ممکن نہیں ہو سکا۔ پھر ترجمان کا یہ احسان جتانا کہ ایک روزہ میچ کی آمدنی شہداء کے لواحقین اور اسکول کی تعمیر نو کیلئے دی جائے گی، کچھ ناقابل فہم باتیں ہیں۔ یہ پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیرمین شہریار خان کی ذمیداری تھی کہ وہ پاکستانی قوم کے جذبات کا خیال کرتے اور آج کے میچ کو ملتوی کرواتے، آسٹریلوی کرکٹر فل ہیوز کی موت پر میچ ملتوی ہوا تھا، بلکل صیح ہوا تھا لہذا اگرچوتھا ون ڈے بھی ملتوی ہوجاتا تو کوئی حرج نہ ہوتا۔ شاید پاکستان کرکٹ بورڈ اور اُسکے چیرمین شہریار خان نے قوم کے جذبات کو سمجھا ہی نہیں، شہریار خان ایک ریسرچ سروئے کروالیں کہ عام طور کتنے پاکستانی میچ دیکھتے ہیں اور آج کتنوں نے دیکھا، مجھے یقین ہے کہ پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیرمین کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے گا، اگر ایک آسٹریلوی کھلاڑی کی موت پر میچ

ملتوی ہو سکتا ہے تو جناب شہریار صاحب یہاں تو 148 بے گناہ شہیدوں جن میں
معصوم بچے بھی شامل تھے کے غم میں لازمی میچ ملتوی ہونا چاہیے تھا۔ میں اور 132
سارا پاکستان کرکٹ کے متوالے ہیں لیکن شاید اکثریت میری اس بات سے متفق ہوگی
کہ "کاش پاکستان آج نیوزی لینڈ کے ساتھ چوتھا میچ نہ کھیلتا"۔

بھارتیوں کچھ تو شرم کرو

پاکستان وہ ملک ہے جس نے چیمپئنز ٹرافی کی بنیاد 1978ء میں رکھی تھی، چیمپئنز ٹرافی کے افتتاحی ٹائٹلز جیتنے والے گرین شرٹس اسکواڈ میں شامل 65 سالہ شہناز شیخ جو اس وقت پاکستانی ٹیم کے کوچ ہیں بھارتی شہر بھوبنیشور میں بھارتیوں سے کہہ رہے تھے کہ مجھے بھارت آکر بہت اچھا لگ رہا ہے، اس ملک میں میرے بہت سے دوست موجود ہیں۔ بھارتی ریاست اڑیسہ کے شہر بھوبنیشور میں 6 دسمبر سے شروع ہونے والے چیمپئنز ٹرافی میں آٹھ ٹیموں نے شرکت کی، ٹورنامنٹ میں پاکستان کو اپنے تینوں ابتدائی میچز میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، پہلے میچ میں پاکستان کو بیلجیئم نے دوسرے میں انگلینڈ نے اور تیسرے میچ میں آسٹریلیا نے شکست دی تھی۔ خوش قسمتی سے کوارٹر فائنل میں پاکستان نے ہالینڈ کو 2 کے مقابلے میں 4 گول سے شکست دے کر سیمی فائنل کے لئے کوالیفائی کر لیا ہے۔ ایک موقع پر میچ 2،2 گول سے برابر ہو گیا تھا تاہم کھیل کے آخری لمحات میں پاکستان نے شاندار کھیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزید 2 گول داغ کر مقابلہ اپنے نام کر لیا۔ قومی ٹیم کی جانب سے کپتان محمد عمران اور عمر بھٹہ نے ایک ایک جب کہ محمد عرفان نے 2 گول اسکور کئے۔ قومی ٹیم کے کپتان محمد عمران کا کہنا تھا کہ پوری ٹیم جذبے سے کھیلی اور جیت گئی، بھارتی عوام نے بہت سپورٹ کیا جس پر ان کا شکر

گزار ہوں۔ گیارہ دسمبر تک پاکستانی ہاکی ٹیم کے کوچ شہناز شیخ اور کپتان محمد عمران ایک کھلاڑی کی حیثیت سے بھارتیوں کو اپنا دوست سمجھ رہے تھے۔

تیرہ دسمبر کو چیمپئنز ٹرافی کے سیمی فائنل میں سخت اور سنسنی خیز مقابلے کے بعد پاکستان بھارت کو تین کے مقابلے میں چار گول سے شکست دیکر 16 سال بعد ٹورنامنٹ کے فائنل میں پہنچ گیا، پاکستان کی جانب سے ارسلان قادر نے دو جبکہ وقاص اور محمد عرفان نے ایک ایک گول کیا، کامیابی کے بعد پاکستانی کھلاڑی سجدہ ریز ہوگئے اور پوری ٹیم نے گرائونڈ کا چکر لگایا، بعض کھلاڑیوں نے خوشی میں شرٹ اتار کر ہوا میں لہرائی۔

پاکستان کی جیت پر بھارتی شہر بھوبنیشور کے کالنگا اسٹیڈیم میں موجود بھارتی سورماؤں اور ہزاروں تماشائیوں کو سانپ سونگھ گیا اور ان کے رنگ اڑ گئے جبکہ میدان میں سناٹا چھا گیا۔ اس کے فورا بعد بھارتی تماشائیوں نے پاکستانی کھلاڑیوں پر بوتلیں پھینکیں اور نعرے بازی کی، پاکستانی کھلاڑیوں کو گالیاں دیں۔ اُسکے بعد پاکستانی کھلاڑیوں نے جو کیا وہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن یہ بھی دیکھا جائے کہ اُنھیں اکسایا گیا، بھارتی تماشائیوں کے بارے میں پوری دنیا میں صرف ایک رائے ہے کہ بھارتیوں نے کسی بھی کھیل میں ہار کو قبول کرنا سیکھا ہی نہیں ہے۔ جہاں تک کھلاڑیوں کی قمیض اتارنے کا تعلق ہے تو سابق اولمپین سمیع اللہ کا کہنا تھا کہ کھلاڑی جیت کا جشن مناتے ہیں اور شرٹس

اتار کر جشن منانا کوئی نئی بات نہیں ہے اور یہ ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کے زمرے میں بھی نہیں آتی۔ ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ جو حرکتیں پاکستانی کھلاڑیوں نے کیں وہ پاکستانی معاشرہ میں بھی ناپسندیدہ عمل ہیں۔ سیمی فائنل کے بعد پاکستانی ٹیم کے ہیڈ کوچ شہناز شیخ نے ٹورنامنٹ ڈائریکٹر سے معافی مانگ لی تھی اور انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن نے کسی بھی قسم کی کارروائی کا کوئی عندیہ نہیں دیا تھا۔

سیمی فائنل میں پاکستان سے شکست ہضم کرنا متصب بھارتی میڈیا کے لیے بھی ناممکن تھا۔ چیمپئنز ٹرافی میں بھارت کیخلاف فتح کے بعد مقامی میڈیا کے نامناسب رویے کے بعد پاکستانی ٹیم مینجمنٹ نے پریس کانفرنس سے واک آؤٹ کردیا۔ پاکستانی کوچ شہناز شیخ کا کہنا تھا کہ بھارتی میڈیا نے انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ شہناز شیخ نے بتایا کہ انھوں نے پاکستانی کھلاڑیوں کی غلطی پر معذرت کی لیکن بعض بھارتی صحافی معاملے کو طول دینا چاہتے تھے۔ شہناز شیخ کے مطابق انھوں نے میڈیا سے کہا کہ صرف ہاکی پر بات کی جائے لیکن وہ باز نہ آئے، جس کے بعد پریس کانفرنس کا بائیکاٹ کردیا گیا۔ پاکستانی ہاکی ٹیم کے کپتان محمد عمران نے کہا کہ جیت کا جشن منانا ہمارا حق ہے اگر کوئی غلط بات ہوئی بھی ہے تو کوچ نے معذرت کرلی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ہماری فتح پر بھارتیوں نے ایسا ردعمل دیا جیسے وہ جنگ ہار گئے

ہوں۔

سیمی فائنل کے فوراً بعد ہی ٹورنامنٹ ڈائریکٹر نے شہناز شیخ کی وضاحت قبول کر لی تھی اور اس وقت کسی بھی کھلاڑی کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کی بات نہیں کی گئی تھی۔ جس کے بعد بھارتی میڈیا کے مطابق بھارتی ہاکی فیڈریشن کے صدر نریندر بترا نے انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن سے پاکستان کی شکایت کی کہ پاکستانی کھلاڑیوں نے بھارت کے خلاف جیت کے بعد جس انداز میں رویہ اختیار کیا وہ درست نہیں،انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن پاکستان کے خلاف ایکشن لے،اس قسم کے رویے کے بعد بھارت ٹورنامنٹ کی میزبانی کا شوق نہیں رکھتا،پاکستان غیر مشروط معافی مانگے،جب تک پاکستان غیر مشروط معافی نہیں مانگتا، میچ نہیں کھیلیں گے۔ بھارتی شکایت انٹرنیشنل فیڈریشن نے مسترد کر دی تھی، جس کے بعد بھارت دھمکیوں پر اترآیا۔ بھارتی ہاکی فیڈریشن کے صدر نریندر بترا کی شکایت پر پاکستانی کوچ شہناز شیخ نے کہا کہ پاکستانی کھلاڑی معافی نہیں مانگیں گے، بھارتی شائقین نے پاکستانی کھلاڑیوں کو اکسایا جس کے بعد ایسا ماحول بن گیا جس کی وجہ سے یہ واقعہ رونما ہوگیا،پاکستانی کھلاڑی کسی طور معافی نہیں مانگیں گے۔شہناز شیخ نے مطالبہ کیا ہے کہ میری ٹیم کی حفاظت کو یقینی بنایا جانا چاہیے۔

فائنل والے دن بھارتی ہاکی فیڈریشن کے صدر کے بیان کے بعد پاکستانی کھلاڑیوں کو انٹر نیشنل ہاکی فیڈریشن نے طلب کرکے ان کے خلاف کارروائی کا اعلان کیا اور دو کھلاڑیوں پر ایک میچ کی پابندی لگادی۔ دو کھلاڑیوں پر پابندی کی صرف ایک ہی وجہ نظر آتی ہے کہ انٹر نیشنل ہاکی فیڈریشن بھارت کے دباؤ میں تھی کیونکہ بھارتی ہاکی فیڈریشن کے صدر نے دھمکی دے دی تھی کہ وہ آئندہ انٹر نیشنل ہاکی فیڈریشن کے کسی ایونٹ کی میزبانی نہیں کریں گے، اس حرکت کا مطلب صاف تھا کہ پاکستان فائنل نہ جیت سکے اور ایسا ہی ہوا، لیکن تیسری پوزیشن کے لئے کھیلے گئے میچ میں آسٹریلیا نے ایک کے مقابلے میں دو گول سے بھارت کو شکست دیکر وکٹری اسٹینڈ سے باہر کردیا۔ آخری لمحات میں بھارتی کھلاڑیوں نے پاکستان کے ہاتھوں سیمی فائنل میں ہونے والی شکست کا بدلا آسٹریلوی کھلاڑیوں سے لینے کی کوشش کی اور بھارتی کھلاڑی کھیل کے دوران اپنی روایتی بدتمیزی پر اتر آئے تاہم میچ ریفری نے بیچ بچاؤ کرایا، تاہم اس بدتمیزی کے باوجود بھارتی کھلاڑیوں سے انٹر نیشنل ہاکی فیڈریشن نے کوئی سوال نہیں کیا۔ قبل ازیں 1982ء میں پاکستان کی ہاکی ٹیم نے بھارت کے خلاف نئی دہلی میں سات گول کئے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب بال ٹھاکرے زندہ تھا اور اس نے پاکستان کی ٹیم کے بھارت میں کھیلنے کے خلاف سخت مزاحمت شروع کر رکھی تھی۔

بی بی سی اردو ڈاٹ کام میں طاہر عمران کے ایک مضمون 'کھیل کو جنگ سمجھتے ہو اور جنگ کو کھیل' کے مطابق پاکستان اور بھارت کے درمیان مقابلے کے بعد کھلاڑیوں اور شائقین کے رویے اور اس کے بعد پابندیوں کے نتیجے میں ایک بڑی تعداد میں پاکستانی دنیا بھر میں ٹوئٹر پر اظہارِ خیال کر رہے ہیں۔ حسن نثار سے منسوب ایک ٹوئٹر اکاؤنٹ نے لکھا کہ 'دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت دنیا کا سب سے بڑا روتا بچہ ثابت ہوئی۔' پاکستانی ٹوئٹر صارفین نے پرانی تصاویر نکالیں جب بھارتی کھلاڑیوں اور ہاکی کے کھلاڑی نے اسی طرح کے نازیبا اشارے کیے مگر انھیں معافی مانگنے پر معاف کر دیا گیا۔ بھارتی کھلاڑیوں کے روتے ہوئے تصاویر اور وہ نازیبا اشارہ جس پر یہ طوفان کھڑا ہوا اب ہر اُس روپ اور رنگ میں ٹوئٹر پر ہے کہ جس نے نہیں بھی دیکھا وہ اب دیکھ رہا ہے اور بھارتی رویے کو کوس رہا ہے۔ جس پر تنقید کرنے والی بھارتیوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اس تناظر میں زر قاپال کی ٹویٹ کو بہت توجہ ملی جنھوں نے شاید بہت گہری بات ایک ٹویٹ میں سمو دی کہ 'تف ہے کہ بھارتی سورماؤں کھیل کو جنگ سمجھتے ہو اور جنگ کو کھیل۔۔۔افسوس۔' ابھیشیک گوریچہ نے ٹویٹ کی کہ 'شاباش سیاست دانوں آپ کی نفرت انگیزی کے نتیجے میں نفرت کی جڑیں اس قدر گہری ہیں کہ اب یہ کھلاڑیوں تک ہی نہیں بلکہ آپ نے ہماری انسانیت ہی تباہ کر دی ہے۔'

نام نہاد سیکولرازم کے دعویدار بھارت کے بارے میں ایک مضمون میں نے فروری 2013ء میں بعنوان "آیئے آپ کو ہندوستانی بچھوؤں سے ملاتا ہوں" لکھا تھا۔ اُس مضمون کے شروع لکھا تھا، "حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ " بچھوؤں کی پیدائش عام جانوروں کی طرح نہیں ہوتی، اپنی ماں کے پیٹ میں جب یہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو اندر سے پیٹ کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے اور یوں سوراخ کرکے باہر آ جاتا ہے"۔ حضرت سعدی مزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات ایک دانا کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ بات درست ہی ہوگی بچھو کی فطرت اور عادت پر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے پہلے دن سے برائی ہی کی ہوگی"۔ ڈنک مارنا بچھو کی فطرت ہے اور چیمپئنز ٹرافی میں بھارت کا کردار ڈنک مارنے والے بچھو کی فطرت جیسا ہی تھا، بچھو کی خصلت رکھنے والے بھارتیوں کچھ تو شرم کرو۔

نواز شریف ماؤں کی گودیں اجاڑنے کے ذمیدار

کراچی میں ایم کیو ایم کی احتجاجی ریلی میں جو دہشتگرد طالبان اور داعش کے پرجوش حامی، اسلام آباد میں لال مسجد کے ناجائز خطیب مولانا عبدالعزیز کے خلاف نکالی گئی تھی اُس میں حیدر عباس رضوی اردو زبان کے ماہرین سے یہ سوال کررہے تھے کہ جس ماں کی گود اجڑ جائے یا جس باپ کی بڑھاپے کی لاٹھی ٹوٹ جائے اُنکو کیا کہا جائے؟ بے اولاد تو نہیں کہہ سکتے، شاید اردو زبان کے ماہرین کے پاس صرف ایک ہی جواب ہوگا اور وہ ہوگا اُنکی غمزدہ خاموشی. لیکن حیدر عباس رضوی اور پاکستان کے وزیر داخلہ چوہدری نثار جب یہ کہتے ہیں کہ طالبان کا مطلب طالب ہے تو جناب ایک چیز اپنے دماغوں سے نکال دیں کہ پاکستان تحریک طالبان میں طالبان کا مطلب ہرگز وہ طالب نہیں جسکو علم کی طلب ہو، یہ دہشتگرد تو وہ طالب ہیں جنکو انسانی خون کی طلب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پشاور میں سولہ دسمبر کی دہشت گردی میں 132 ماوں کی گودیں نہ اجڑتیں اور 16 گھرانوں کے بچے اپنی ماوں یا باپ سے محروم نہ ہوتے۔ 16 دسمبر کو پشاور کے اسکول میں جو کچھ ہوا مستقبل کی تاریخ میں صاف صاف لکھا ہوگا کہ ان بچوں کے قاتل یا اُسکے ذمیدار دہشتگرد طالبان کے ساتھ ساتھ دہشتگردوں کے ہمدرد جماعت اسلامی اور اُسکی سابقہ قیادت جس میں مرحوم قاضی حسین احمد، منور حسن اور موجودہ قیادت سراج الحق،

دونوں جمیت علمائے پاکستان کے رہنما مولانا سمیع الحق، مولانا فضل الرحمان، موجودہ وزیراعظم اور پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سربراہ نواز شریف اور پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان بھی ہیں۔ پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی بھی ایک حد تک ذمیدار ہیں، آصف زرداری اور اسفندریار ولی دہشتگرد طالبان کے مخالف ضرور تھے اور ہیں، پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی کو اُسکا جانی نقصان بھی اٹھاناپڑا مگر افسوس اپنی پانچ سالہ حکومت میں اسلام آباد یا پشاور میں دہشتگردوں کے خلاف وہ ہلچل پیدا نہ کرسکے جسکی ضرورت تھی، وجہ اسوقت کی دونوں حکمراں پارٹیوں پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی کو کرپشن سے فرصت نہیں تھی۔

پشاور کے آرمی اسکول میں دہشت گردی کا واقعہ انسانی تاریخ کا دوسرا بدترین سانحہ ہے جس میں 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا گیا، اس سے پہلے کا بدترین سانحہ ستمبر 2004 میں روس میں بیلان اسکول میں ہوا تھا، جس میں 32 دہشت گردوں نے 186 بچوں سمیت 385 یرغمالیوں کو ہلاک کردیا تھا۔ بیلان اسکول کے تین روز تک محاصرے میں 777 بچوں سمیت 1100 افراد کو چیچن دہشت گردوں نے یرغمال بنائے رکھا۔ اُن کا مطالبہ چیچنیا کی آزادی، روس اور اقوام متحدہ کی دستبرداری تھا، جبکہ پشاور میں دہشتگردوں کا مقصد صرف خونریزی تھا۔ دہشتگردی کے اس واقعہ کو آج ایک ہفتہ گذر چکا ہے، ملک بھر میں تین روز

کا سوگ منایا گیا، صرف پشاور میں ہی نہیں ہر جگہ ہر پاکستانی غمزدہ ہے، ہر آنکھ اشک بار ہے۔ دہشتگردی کے اس بدترین واقعہ میں بچوں کی شہادت نے پورے ملک کی فضا کو سوگوار کردیا ہے۔ کسی نے بھی ہڑتال کا نہیں کہا تھا لیکن پورے پاکستان میں تین دن تقریبا کاروبار بند رہا، خاصکر مرکزی بازار تو مکمل شٹ ڈاون رہے، یہ وہ ہی تاجر برادری ہے جو ہڑتال کی کال دینے والے کو کوستے ہیں، لیکن چترال سے کراچی تک ہر پاکستانی کی طرح ہر تاجر کی آنکھ بھی اپنے 148 پیاروں کی شہادت پر اشکبار ہے، حادثے کے دوسرئے دن دوسرے شعبوں کی طرح کراچی اسٹاک مارکیٹ بھی اس سوگ میں اپنے وقت سے ایک گھنٹہ پہلے بند کردی گی۔ پورا ملک ابتک سوگوار ہے، دہشتگردی کراچی میں ہو یا پشاور میں دکھ تو سب کا ہے۔تاجروں کا کہنا کہ ملکی تاریخ کے اس بد ترین واقعہ کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اُنکا مزید کہنا تھا کہ جہاں ماں باپ کی زندگی بھر کی پونجی لٹ جائے وہاں کاروبار کس طرح ممکن ہے۔

پشاور کے اس خونریز واقعہ کے بعد نواز شریف ہنگامی طور پر پشاور پہنچ گئے جبکہ صوبے کی حکمراں جماعت کے سربراہ عمران خان کواپنے گھربنی گالا سے نکلنے اور پشاور پہنچنے میں چھ گھنٹے سے زیادہ لگے۔ شاید وہ اُس دن جاتے بھی نہیں لیکن چونکہ نواز شریف نے پہل کردی تھی اسلیے عمران خان کے لیے اُس دن سیاسی طور پشاور پہنچنا ضروری تھا۔ اگلے دن یعنی سترہ دسمبر کووزیراعظم

نواز شریف کی بلائی ہوئی ہنگامی آل پارٹیز کانفرنس میں ملک کی تقریبا تمام سیاسی جماعتوں نے شرکت کی۔ جمعرات کو وزیر اعظم نواز شریف کی صدارت میں پشاور میں پاکستان کی سرکردہ سیاسی جماعتوں کے مشترکہ اجلاس کے بعد کیے جانے والے مشترکہ اعلامیے کے مطابق 'نیشنل ایکشن پلان' کمیٹی ایک ہفتے میں اپنی تجاویز تیار کرے گی جنھیں منظوری کے لیے ملک کی سیاسی اور عسکری قیادت کو پیش کیا جائے گا۔ وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان کی قیادت میں کام کرنے والی اس کمیٹی کے لیے پاکستان پیپلز پارٹی نے سینیٹر رحمان ملک، پاکستان تحریک انصاف نے ڈاکٹر شیریں مزاری اور جمیعت علماِ اسلام (ف) نے اکرم درانی کے ناموں کا اعلان کیا ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ نے اپنی جانب سے ڈاکٹر فاروق ستار اور سینیٹر بابر غوری کے نام تجویز کیے ہیں جبکہ جماعت اسلامی نے فرید پراچہ کا نام تجویز کیا ہے۔ قومی وطن پارٹی کی جانب سے انیسہ طاہر خیلی اور پاکستان مسلم لیگ (ق) کے جانب سے سینیٹر سید مشاہد حسین کے نام پیش کیے گئے ہیں۔

اگر آپ غور سے اس 'نیشنل ایکشن پلان' کمیٹی کے ممبران اور اُنکی جماعتوں کو دیکھیں تو ان میں اکثریت تو دہشتگرد طالبان کے ہمدردوں کی ہے، نواز شریف کے وزیر داخلہ جو اس کمیٹی کے سربراہ ہیں یہ تو وہی چوہدری نثار ہیں جو ایک امریکن ڈرون حملے میں ہزاروں پاکستانیوں کے قاتل کالعدم تحریک پاکستان کے

سربراہ حکیم اللہ محسود کے مارے جانے پر امریکہ کے خلاف سلطان راہی بنے ہوئے بڑھکے مار رہے تھے۔ اتنے بڑے واقعے کے بعد عمران خان دہشتگردی کی مذمت تو کررہے ہیں لیکن معمول کی طرح طالبان کی مذمت کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ عمران خان طالبان کیلئے اپنے نرم گوشے کے باعث شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کے مخالف رہے ہیں۔ 21 اپریل 2013 کو ایک انتخابی ریلی میں عمران خان نے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وزیراعظم بننے کی صورت میں وہ فاٹا میں طالبان کے خلاف جاری تمام آپریشنز بند کردیں گے۔ لہٰذا ڈاکٹر شریں مزاری اس کمیٹی میں کیا رول ادا کرینگی یہ سب کو پتہ ہے۔ جمیعت علمإ اسلام (ف) کے اکرم درانی اور جماعت اسلامی کے فرید پراچہ کے بارے ہر پاکستانی جانتا ہے اکرم درانی کے قائد مولانا فضل الرحمان تو ہر دہشتگرد کو جو کتے کی موت مرے شہید کا درجہ دیتے ہیں جبکہ فرید پراچہ تو بذات خود طالبان ہیں، پھر اُنکے سابق امیر جماعت اسلامی منور حسن تو دہشتگرد حکیم اللہ محسود کو شہید اور اپنا بھائی قرار دے چکے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے سابق وزیر داخلہ رحمان ملک پانچ سال میں خود کچھ نہ کرپائے تو اب کمیٹی میں کیا کرلینگے۔ قومی وطن پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ق) کمیٹی میں صرف خانہ پوری کے لیے ہیں جبکہ ایم کیوایم وہ واحد جماعت ہے جو ہمیشہ) سے طالبان مخالف رہی ہے لیکن جہاں طالبان کے ہمدردوں کی اکثریت ہو وہاں وہ صرف بول سکتی ہے لیکن اُسکی سنے گا کوئی نہیں۔ لہٰذا 'نیشنل ایکشن پلان' کمیٹی کا قیام طالبان کے حامی وزیراعظم

نواز شریف کا قوم کو ایک اور دھوکا ہے۔

اب وزیر اعظم نواز شریف فرمارہے ہیں کہ ایک ضرب عضب قبائلی علاقوں میں جاری ہے، دوسرا شہروں میں بیٹھے دہشتگردوں کے خلاف، اب فیصلہ کن جنگ ہوگی، دہشت گردوں اور انہیں پناہ دینے والوں میں کوئی تفریق نہیں ہوگی۔ انسداد دہشتگردی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم کا مزید کہنا تھا کہ دہشت گردی اور فرقہ واریت پاکستان کے لیے ایک کینسر ہے، ملک کو اب اس کینسر سے نجات دلانے کا وقت آگیا ہے، عوام کو ہر ممکن تحفظ اور امن دینے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائیں گے۔ کیا نواز شریف قوم کو یہ بتاینگے کہ گذشتہ اٹھارہ ماہ سے وہ کیوں مذاکرات کے نام پر دہشتگردی اور فرقہ واریت کے اس کینسر کو پھیلنے میں طالبان کی مدد کررہے تھے۔ آپریشن ضرب عضب پندرہ جون کو کراچی ایرپورٹ پر حملے کے بعد پاکستان کی مسلح افواج نے خود شروع کی تھی اور اسکا اعلان بھی پہلے فوج کی طرف سے ہی کیا گیا تھا، نواز شریف حکومت کا اُس میں کوئی کردار نہیں ہے۔ کاش نواز شریف اقتدار میں آنے کے فورا بعد دہشتگردی کے خلاف کارروائی کرتے اور دہشت گردوں کو جو آج پھانسی دئے رہے ہیں ڈیڑھ سال پہلے دیتے تو شاید بہت سارے دہشتگردی کے واقعات نہ ہوتے۔ نواز شریف صاحب آپ اب کچھ بھی کریں لیکن پشاور کے 148 لوگوں کی شہادت اور اُن میں سے 132 ماوں کی گودیں اجاڑنے کے آپ بھی ذمیدار ہیں۔

لال مسجد کا شقی القلب مولانا عبدالعزیز

مولانا عبدالعزیز لال مسجد کے سابق خطیب مولانا عبداللہ کے بیٹے اور عبدالرشید غازی کے بھائی ہیں۔ 1998ء میں مولانا عبداللہ کے قتل کے بعد مولانا عبدالعزیز اپنے والد کے جانشین کے طور لال مسجد کے خطیب بنے۔ مولانا عبداللہ جنرل ضیاء الحق کے بہت قریب تھے۔ پرویز مشرف کے دور میں جب وزیرستان آپریشن کے بعد مولانا عبدالعزیز اور اُن کے چھوٹے بھائی عبدالرشید غازی پر حکومتی عمارتوں میں دہشت گردی کا الزام لگا اور اسکے علاوہ حکومت نے عبدالرشید غازی کی بارود سے بھری گاڑی پکڑ کرمیڈیا والوں کے سامنے پیش کی تو دونوں بھائیوں کو گرفتار کرنے کے بجائے ضیاء الحق کے بیٹے اور مشرف کابینہ کے وزیر اعجاز الحق کی سفارش پر اُنہیں بری کر دیا گیا، یہ پرویز مشرف کی بہت بڑی غلطی تھی، اگر اُس وقت دونوں بھائیوں کو نہ چھوڑا جاتا تو شاید بدنام زمانہ لال مسجد آپریشن نہ ہوتا۔ درون پردہ کیا ہوا، معلوم نہیں لیکن اعجاز الحق کی سفارش کے بعد دیگر ملزمان کے خلاف چالان عدالت میں پیش کر دیے گے۔ ان ملزمان میں قبائلی علاقوں سے تعلق رکھنے والے چند افراد کے علاوہ ایک دو ازبک جنگجوؤں کے نام بھی لیے جاتے رہے۔ جن کے بارے میں یہ تصدیق ہو چکی تھی کہ ان تمام افراد کا لال مسجد آنا جانا تھا۔ حکومت نے تحقیقات کا دائرہ وسیع کیا تو پتہ چلا کہ عبدالرشید غازی کے

وزیرستان میں بسنے والے دہشتگردوں سے قریبی روابط تھے۔ گویا لال مسجد اور مولانا عبدالعزیز کا دہشتگردوں سے بہت پرانا تعلق ہے۔

پرویز مشرف کے دور میں ہی اسلام آباد میں مساجد کی شہادت پر مولانا عبدالعزیز کے زیر انتظام چلنے والے مدرسے جامعہ حفصہ کی طالبات نے چلڈرن لائبریری پر جب قبضہ کیا تو اس کے بعد سے حکومت اور مولانا عبدالعزیز کے درمیان حالات کشیدہ ہو گئے۔

2007ء میں عبدالعزیز نے ملک میں شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ جولائی 2007ء میں حالات اس وقت بہت سنگین رخ اختیار کر گئے جب رینجرز اور لال مسجد کے طلبا کے درمیان پہلی مرتبہ تصادم ہوا۔ جس کے بعد حکومت نے لال مسجد کے خلاف آپریشن کا اعلان کر دیا اور لال مسجد کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مولانا عبدالعزیز جن کا دعوی تھا کہ اُن کے خون کے قطرے سے اسلامی انقلاب کی پہلی لہر اٹھے گی خود اپنے شاگردوں اور اپنے خاندان کے تمام افراد کو چھوڑ کر لال مسجد سے .برقعہ پہن کر فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ سیکورٹی اہلکاروں نے اُن کو گرفتار کر لیا۔ مولانا کبھی ٹی وی کے سامنے نہیں آتے تھے۔ لیکن حکومت نے دوبارہ .برقعہ پہنا کر باقاعدہ اُن کا انٹرویو لیا۔ اور اب صورتحال یہ ہے کہ مولانا ٹی وی پر روز آنے کے مرض میں مبتلا ہیں۔

اسلام آباد کی کچہری میں ایڈیشنل سیشن جج رفاقت اعوان کی عدالت میں لال مسجد کے عبد الرشید غازی کے بیٹے اور مولانا عبدالعزیز کے بھتیجے ہارون الرشید نے جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف ایف آئی آر کے اندراج کا آرڈر لینے کے لئے درخواست دائر کی تھی جسے انہوں نے رد کر دیا تھا اور اپنے حکم میں لکھا تھا کہ یہ سستی شہرت حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ اسکے تھوڑے دن بعد ہی کچہری میں نامعلوم افراد کی فائرنگ اور خود کش حملے کے نتیجے میں 13 افراد جاں بحق اور 25 سے زیادہ زخمی ہو گئے تھے۔ ایک عینی شاہد کے مطابق دہشت گردوں کی تعداد دس سے زائد تھی،انہوں نے مختلف اطراف سے حملے کئے۔ حملہ آور دہشت گردوں نے رفاقت اعوان کی عدالت پر ہلا بولا اور اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی،اس دوران ایک حملہ آور نے سیشن جج رفاقت اعوان کی عدالت کے سامنے خود کو اڑا دیا جس کی وجہ سے رفاقت اعوان بھی جاں بحق ہو گئے۔بتایا جاتا ہے کہ مولانا عبدالعزیز کے بھتیجے ہارون الرشید کی درخواست مسترد ہونے کے بعد ایڈیشنل سیشن جج رفاقت اعوان کو دھمکیاں موصول ہو رہی تھیں، یہ ہی وجہ ہے کہ آئی جی اسلام آباد سکندر حیات نے میڈیا کو بتایا تھا کہ کچہری حملوں کی تحقیقات کر رہے ہیں، اگر ضرورت پڑی تو لال مسجد والوں کو بھی تفتیش میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

پشاور میں دہشتگردوں نے 132 ماوں کی گودیں اجاڑ دیں اور 16 گھرانوں کے بچے

اپنی ماؤں یا باپ سے محروم ہوگئے۔ پشاور میں ماؤں کی گودیں اجڑنے کے صرف چار دن بعد اپنے جمعہ کے خطبے میں شقی القلب مولانا عبدالعزیز کا کہنا تھا کہ تحریک طالبان نے فضائی حملوں کے جواب میں 213 بچوں کو قتل کیا، طالبان کا یہ اقدام قابل فہم ہے، حکمراں جیسا کریں گے اس کا رد عمل بھی ویسا ہی ہوگا، حکومت بھارت اور بنگلہ دیش سمیت دنیا بھر سے علمائے کرام کو بلالے، میں اس معاملے پر ان سے مناظرہ کروں گا اور ثابت کروں گا کہ یہ آپریشن غیر شرعی ہے۔ مولانا عبدالعزیز کی پشاور کے واقعے کے بعد بھی دہشتگردوں کی کھلی حمایت کرنے پر اسلام آباد کی سول سوسائٹی نے لال مسجد کے سامنے مظاہرہ کیا اور مولانا عبدالعزیز کی گرفتاری کا مطالبہ بھی کیا، جواب میں لال مسجد کے ناجائز خطیب نے مظاہرین پر حملے کی دھمکی دی۔ سول سوسائٹی کے مسلسل مظاہرے اور اُنکی ایف آئی آر درج ہونے کی وجہ سے اسلام آباد کی ایک عدالت نے مولانا عبدالعزیز کے نا قابل ضمانت وارنٹ جاری کردیے ہیں، تاہم مولانا عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ وہ نہ تو گرفتاری دیں گے اور نہ ہی ضمانت کرائیں گے۔ مولانا عبدالعزیز دہشتگرد کا مزید کہنا تھا کہ وہ اپنے نا قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری مسترد کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمائش کی کہ پہلے پرویز مشرف کو گرفتار کیا جائے، پھر وہ گرفتاری دے دیں گے۔

وزیراعظم نواز شریف کہہ رہے ہیں کہ ایک باپ ہونے کے ناتے اُنہیں احساس ہے کہ

والدین اپنے بچوں کی سلامتی کی دعائیں مانگتے ہیں، والدین کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ اپنے بچوں کے جنازے کو کندھا دینا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ 6 سال کی بچی خولہ میری بیٹی تھی جو ٹیسٹ دینے گئی اور واپس نہیں آئی، حذیفہ بھی میرا بیٹا تھا جو ناشتے کے بغیر گھر سے نکلا اور واپس نہیں آیا، پوری دنیا بچوں کے والدین کے غم میں برابر کی شریک ہے، دہشت گردوں نے قوم کے معصوم بچوں کو نشانہ بنا کر ہمارے مستقبل کے سینے میں خنجر گھونپا ہے، ہم اپنے معصوم بچوں کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دینگے۔ جبکہ پیپلز پارٹی کے رہنما اعتزاز احسن کہتے ہیں کہ اسلام آباد انتظامیہ کا ملازم مولانا عبدالعزیز بچوں پر حملے کا جواز پیش کرتا ہے لیکن جب حکومت اسے روک نہیں سکتی تو دہشت گردوں کے خلاف جنگ کیسے لڑے گی۔ اسلام آباد کی سول سوسائٹی نے مولانا عبدالعزیز کے ماضی اور ایڈیشنل سیشن جج رفاقت اعوان کے قتل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ مولانا عبدالعزیز کے وارنٹ گرفتاری جاری کرنے والے جج کو سیکیورٹی مہیا کی جائے۔

مولانا عبدالعزیز کے اس واضح انکار پر کہ وہ یکطرفہ طور پر دہشتگردوں کی مذمت نہیں کرینگے ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے حکومت اور مسلح افواج سے مطالبہ کیا ہے کہ لال مسجد کے مولانا عبدالعزیز کو گرفتار کیا جائے، جامعہ حفصہ کو فی الفور بند کیا جائے اور منافقین کی آماجگاہ لال مسجد کو مسجد

ضرار کا نمونہ قرار دیا اور اُسے ڈھانے کا مطالبہ کیا۔ الطاف حسین کے لال مسجد کو ڈھانے کے مطالبے کی حمایت تو نہیں کی جاسکتی لیکن مذہبی رہنماوں سے ایک سوال ضرور ہے کہ جو لوگ اُن دہشتگردوں سے جو انسانی جانوں کے علاوہ 30 سے زیادہ مساجد کو نقصان پہنچا چکے ہیں اُن سے ہمدردی رکھنے والوں کو کیا کہنگے۔ مولانا فضل الرحمان نے الطاف حسین کو پیغام بھیجا ہے کہ الطاف حسین مولانا عبدالعزیز کے خلاف بیانات دیکر ایک اور محاذ کھڑا نہ کریں جبکہ اس محاذ کو کھڑا کرنے کی پوری ذمہ داری مولانا عبدالعزیز پر آتی ہے۔ مولانا عبدالعزیز کیوں نہیں کہتے کہ پشاور میں طالبان دہشتگردوں نے جو کچھ کیا ہے وہ درندوں کا فعل تو ہوسکتا ہے انسانوں کا نہیں اور درندوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، لہذا اس میں اگر مگر کی کوئی گنجایش نہیں جیسا کہ مولانا عبدالعزیز کر رہے ہیں۔ لال مسجد کا یہ شقی القلب ناجائز خطیب جو پاکستان کے آئین کو تسلیم نہیں کرتا، یہ طالبان دہشت گردوں کا ایک ایسا نمایندہ ہے جو ملک کے دارلخلافہ میں بیٹھ کرنہ صرف طالبان بلکہ داعش کے ایجنٹ کے فرایض انجام دے رہا ہے۔ اگر نواز شریف واقعی معصوم بچوں کے خون کو رایئگاں نہیں جانے دینا چاہتے اور دہشتگردوں سے نجات چاہتے ہیں تو اُنہیں سب سے پہلے لال مسجد سے دہشتگردوں کا خاتمہ کرنا ہوگا اور اسلام آباد کے سب سے بڑے دہشت گرد مولانا عبدالعزیز کو گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دلوانا ہوگی۔

بینظیر بھٹو اور دہشگردی

پاکستان پیپلز پارٹی 2008ء سے 2013ء تک مرکز اور چاروں صوبوں میں اپنے اتحادیوں کے ساتھ حکمرانی کرتی رہی ۔اس سے پہلے 27 دسمبر 2007ء کو پیپلز پارٹی کی قائد بینظیر بھٹو دہشتگردی کا شکار ہوگیں، پرویز مشرف جلد ہی اقتدار سے علیدہ ہوگئے اور پیپلز پارٹی برسر اقتدار آگئی، آصف زرداری ملک کے صدر بن گئے۔ پیپلز پارٹی کے دور میں دو کاموں کو بہت عروج حاصل ہوا، پہلا کام تھا کرپشن جبکہ دوسرا کام تھا دہشتگردی۔ سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کو دہشتگردی کا نشانہ بنے ہوئے سات سال ہوگے ہیں۔ پانچ سال تک پاکستان پیپلز پارٹی مرکز اور سندھ میں حکمراں رہی اور بینظیر بھٹو کے شوہر آصف زرداری ملک کے صدر رہے لیکن اُنکے قاتل کون تھے اس سوال کا جواب آجتک قوم کو نہ مل سکا۔ گڑھی خدا بخش میں کھڑے ہوکر سابق صدر آصف زرداری شکوہ کررہے تھے کہ اگر بینظیر پر کراچی حملے کا نوٹس لے لیا جاتا اور شاہراہ فیصل پر 450 بچوں کے قتل کا نوٹس اگر 'بلا' (سابق صدر جنرل پرویز مشرف) لے لیتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ بقول آصف زرداری اگر دوہزار سات میں بینظیر بھٹو کے قتل پر ایکشن لے لیتے تو سانحہ پشاور نہ ہوتا۔ جواب میں پرویز مشرف کا کہنا ہے کہ بینظیر بھٹو کی موت کا سب سے بڑا فائدہ اُن کے

شوہر آصف زرداری کو ہوا۔ زرداری کے خطاب پر رد عمل دیتے ہوئے سابق صدر کا کہنا تھا وہ دوسروں کی غلطیاں تلاش کرنے کی بجائے قاتلوں کو تلاش کریں۔ انہوں نے کہا پیپلز پارٹی کو پہلے مرتضیٰ بھٹو اور بینظیر بھٹو کے قاتلوں کا پیچھا کرنا چاہیۓ۔

بینظیر بھٹو کے قتل کیس کی انسداد دہشت گردی کی عدالت میں 230 سماعتیں ہو چکیں ہیں، سات جج تبدیل ہوئے مگر کیس تاحال ابتدائی مراحل میں ہے۔ مقدمے کی ابتدائی تفتیش پنجاب حکومت کی تشکیل کردہ جوائنٹ انوسٹی گیشن ٹیم نے کی۔ بعد میں تفتیش ایف آئی اے کی مشترکا تحقیقاتی ٹیم کے سپرد کر دی گئی۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ سے تحقیقات کرانے اور اقوام متحدہ کی تحقیقاتی رپورٹ کا انتظار کرنے کی حکومتی درخواست کے باعث بھی خصوصی عدالت میں ٹرائل ڈیڑھ سال تاخیر کا شکار رہا۔ وکلاء صفائی کا کہنا ہے کہ ٹرائل میں تاخیر کی بڑی وجہ بینظیر بھٹو کے ورثاء کا مقدمے میں دلچسپی نہ لینا ہے اور آصف زرداری ایک شوہر کی حیثیت سے بینظیر بھٹو کے سب سے بڑے ورثاء ہیں۔

جماعت اسلامی پاکستان کے سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ کا کہنا ہے کہ بینظیر بھٹو کے المناک، وحشیانہ قتل کی واردات نے پاکستان ہی نہیں پوری دنیا کو سوگ میں مبتلا کر دیا تھا، یہ پوری قوم کے ساتھ ظلم ہے کہ جنرل پرویز مشرف اور آصف زرداری دور کے بعد اب نواز شریف کے دور اقتدار میں بھی بینظیر بھٹو کے المناک قتل کی

تحقیقات منظر عام پر نہیں آئیں۔ زرداری کی پیپلز پارٹی نے اپنے پانچ سالہ دور حکومت ایک مرتبہ بھی بینظیر بھٹو کے قاتلوں تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔

بینظیر بھٹو بہت شدت سے دہشتگردی کے خلاف تھیں اور اپنی زندگی کے آخری وقت میں وہ روالپنڈی کے اپنے جلسے میں دہشتگردوں کو للکار رہی تھیں۔ اُنکے قتل کے بعد پیپلز پارٹی کے دور میں مسلسل دہشتگردی ہوتی رہی لیکن اُنکے شوہر آصف زرداری کرپشن میں مصروف ہونے کی وجہ سے دہشتگردی کو نہ روک سکے۔ پیپلز پارٹی کے پانچ سالہ دور میں ہر طرف کرپشن، بدامنی، افراتفری اور لاقانونیت تھی۔ پورے ملک میں دہشتگردی کا راج تھا۔ پورا ملک دھماکوں میں گھرا ہوا تھا۔ کراچی، کوئٹہ، پشاور، تربت، لورالائی، ڈیرہ غازی خان، دیر غرضیکہ سارا ملک دہشتگردی کا شکار تھا لیکن پیپلز پارٹی کے وزرا فرماتے تھے ان واقعات کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں یہ امن و امان قائم رکھنے والے اداروں کی ناکامی ہے۔ مارچ 2013ء کے کراچی اور کوئٹہ میں ہونے والے دھماکوں کی ذمہ داری قبول کرنے کے بجائے اُسے سُنی اور شیعہ فسادات اور فرقہ واریت کا رنگ دیا گیا اور حالات کو کنٹرول میں لانے کا دعوی کیا گیا، حیرت کی بات یہ تھی حکومت اپنی پانچ سال کی مدت پوری کرنے والی تھی اور پانچ سال بعد حالات کو کنٹرول میں لانے کا دعوی کیا جارہا تھا۔

سرادار ایوب کے ایک مضمون' پیپلز پارٹی کا دور اور موجودہ حکومت کے مطابق' 2004ء سے 2008ء تک پرویز مشرف کے دور میں صرف دس ڈرون حملے ہوئے تھے جس میں تقریبا 121 افراد مارے گئے تھے۔ جبکہ پیپلز پارٹی کی حکومت میں 2008ء میں تقریبا 26 ڈرون حملے ہوئے جس میں 156 افراد مارے گئے تھے۔ 2009ء میں 48، 2010ء میں 97، 2011ء میں 52 اور 2012ء میں 37 حملے ہوئے تھے جس میں بالترتیب 536، 831، 548 اور 344 افراد جاں بحق ہوئے تھے۔ 2008ء سے 2013ء تک ڈرون حملوں کے علاوہ ملک میں بہت سارے دھماکے ہوئے جس میں بہت سے بے گناہ لوگ مارے گئے۔ سال 2008ء دھماکوں میں مرنے والوں کی تعداد تقریبا 2155، 2009ء میں مرنے والوں کی تعداد 2324، 2010ء میں 2011ء اور 2012ء میں مرنے والوں کی تعداد بالترتیب 2778 اور، 1796 اور 3007 تھے۔ اُس دور میں ملک میں ایک عجیب مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ دھماکوں اور بدامنی کی وجہ سے لوگوں کا گھروں سے نکلنا مشکل ہو چکا تھا۔

پانچ سال کے بعد جب پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کی مدت پوری ہوئی تو آصف زرداری، سابق وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف اور انکی کابینہ کے اراکین، پیپلز پارٹی کے لیڈران اس بات پر خوشی سے پھولے ہوئے تھے کہ ان کی حکومت نے پانچ سال تک ایک جمہوری حکومت کو چلایا۔ لیکن پیپلز پارٹی کا پانچ سالہ دور حکومت کا یہ ریکارڈ بھی ہے کہ پانچ سال کے دوران زرداری حکومت کے دور میں

دہشتگردی، ٹارگیٹ کلنگ، بدترین کرپشن، بری گورننس، طویل لوڈشیڈنگ، خود کش دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ کی یلغار نے کوئٹہ اور پشاور جیسے بڑے شہروں کو درہم برہم کرکے رکھ دیا ہے، کراچی جو پاکستان کا معاشی حب ہے اسکا وہ برا حال ہوا کہ یہ شہر جو کبھی امن کا گہوارا تھا اب لاقانونیت اور لاشوں کا شہر بن چکا ہے۔

گڑھی خدا بخش میں سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کی ساتویں برسی پر کارکنوں سے خطاب کے موقعہ پر پیپلزپارٹی کے سربراہ آصف زرداری کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ تھا، وہ سیاسی طور پر قلاش ہوچکے ہیں، نہ ہی وہ اپنی سابقہ حکومت کے کارنامے گنوا سکتے تھے اور نہ ہی صوبہ سندھ میں اپنی موجودہ حکومت کی تعریف میں ایک لفظ کہنے کی پوزیشن میں تھے۔ کاش آصف زرداری اب تو اقرار کرلیں کہ بینظیر بھٹو کے قاتلوں کا نہ ملنا اور ہزاروں پاکستانیوں کی دہشتگردی کی وجہ سے ہلاکت کے وہ بھی ذمہ دار ہیں۔ اُنکی بدقسمتی کہ اپنے اکلوتے بیٹے بلاول زرداری کو اُنھوں ٹیسٹ ٹیوب بھٹو بنایا تھاتاکہ ملک کا اقتدار بھٹو کے نام پر وہ اپنے قبضے میں رکھ سکیں لیکن آجکل اُنکا بلاول زرداری واقعی بھٹو بنکر اُنکے لیے پریشانیاں کھڑی کررہا ہے۔ جس پیپلزپارٹی کی چیرمین بینظیر بھٹو تھیں وہ ملک کے چاروں صوبوں میں موجود تھی، لیکن آج آصف زرداری جس پیپلزپارٹی کے شریک چیئرمین ہیں وہ پیپلزپارٹی صرف صوبہ سندھ کے دہی

علاقوں تک محدود ہو گئی ہے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اُنکی مایوس کن تقریر میں اُنکا نشانہ فوج اور پرویز مشرف بنے۔

زرداری کا پرویز مشرف پر الزام

سابق صدر آصف علی زرداری جو اب زرداری قبیلے کے سردار بھی بن گے ہیں اُنکو شاید سابق صدر پرویز مشرف کو 'بلا' کہنے کا بہت شوق ہے گذشتہ سال کی طرح اس مرتبہ بھی 27 دسمبر 2007ء کو پیپلز پارٹی کی مرحوم قائد بینظیر بھٹو کی برسی کے موقعہ پر انہوں نے مشرف کو 'بلا' کہکر پکارا اور پرویز مشرف پر بینظیر بھٹو کے قتل کے حوالے سے الزامات لگائے، جس کا جواب اگلے ہی روز پرویز مشرف کی جانب سے آگیا۔ گذشتہ سال جب زرداری نے جنرل پرویز مشرف کو دودھ پینے والا 'بلا' کہا تھا تو اُنکے عزیز ممتاز بھٹو نے کہا تھا کہ "جس پرویز مشرف کو زرداری 'بلا' کہہ رہا ہے، اس سے ہی بینظیر بھٹو نے معاہدہ کرکے این آر او پاس کروایا، جس کی وجہ سے پیپلز پارٹی کے لیڈر اور کارکنان سمیت بہت سے دیگر سیاستدانوں پر کرپشن اور قتل وغیرہ کے مقدمات معاف ہو گئے۔ اسکے بعد اُنہوں نے ہی اُسکو صدر منتخب کرکے کرسی پر بٹھائے رکھا۔ تب تو یہی 'بلا' بہت پیارا تھا اور اچھا بھی لگتا تھا لیکن اب اُسکے دودھ پینے پر بھی اعتراض ہے"۔ پاکستان پیپلز پارٹی 2008ء کے انتخابات کے بعد سکڑ کر سندھ تک محدود ہو گئی ہے اور اب آصف زرداری کے پاس صرف صوبہ سندھ کی حکومت رہ گئی ہے۔ 27 دسمبر 2007ء کو پیپلز پارٹی کے اندرونی اختلافات کے حوالے سے بھی بہت ساری خبریں میڈیا میں

موجود تھیں اور اب بھی ہیں۔سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اکتوبر میں کراچی کے جلسے میں خود بلاول نے کارکنوں کو مخاطب کرکے 30 نومبر کو لاہور میں پارٹی کے یوم تاسیس کے موقع پر شرکت کی دعوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہاں آپ بولینگے اور ہم سنیں گے لیکن 30 نومبر تو کیا بلاول اپنی والدہ بینظیر بھٹو کی برسی پر بھی موجود نہیں تھے۔ عام افواہ یہ ہے کہ باپ بیٹے میں اختلاف چل رہے ہیں جسکی بہت ساری وجوہات ہیں۔

دوسری طرف وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے تھر میں قحط سالی اور وہاں بچوں کی اموات کے لئے مخدوم امین فہیم کے دو بیٹوں مخدوم جمیل الزمان وزیر برائے ریلیف اور مخدوم عقیل الزمان ڈپٹی کمشنر تھرپارکر کو ذمہ دار ٹھہرا کر اُن کی معطلی کے احکامات جاری کئے تھے۔ مخدوم امین فہیم اور سید قائم علی شاہ کے درمیان اُس وقت سے اختلافات چلے آرہے ہیں جبکہ لاہور میں پارٹی کے یوم تاسیس کے موقع پر مخدوم امین فہیم نے پارٹی کے اندر گروہ بندی اور اختلافات کی موجودگی کی بات کی تو اُن کے ریمارکس پر آصف زرداری ناراض ہوگئے۔

پیپلزپارٹی کی مرحوم قائد بینظیر بھٹو کی برسی سے پہلے مخدوم امین فہیم نے پیر پگارا اور پرویزمشرف سے ملاقات کی جسکی بازگشت برسی کے موقعہ پر بہت شدت سے ہورہی تھی ، اگرچہ اس موقعہ پر مخدوم امین فہیم نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ میرا پیپلزپارٹی سے کوئی جھگڑا نہیں، یہ میری اپنی پارٹی ہے ہم نے

اس کیلئے خون پسینہ بہایا ہے، پارٹی کے ساتھ رہیں گے۔ جبکہ آصف زرداری نے اپنی تقریر میں دو باتوں کی وضاحت کی، پہلی یہ کہ بعض لوگوں نے اُن کے اور بلاول زرداری کے درمیان اختلافات کے حوالے سے افواہیں پھیلائی ہیں اور دوسری وضاحت میں اُنکا کہنا تھا کہ مخدوم صاحب نے پارٹی سے کبھی غداری نہیں کی اور انہیں امید ہے کہ وہ کبھی غداری نہیں کریں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں وضاحتوں کی ضرورت کیوں پیش آئی اُسکی وجوہات یہ ہیں کہ زرداری پارٹی کے کارکنوں کو اس بات پر مطمئن کرنا چاہتے تھے کہ اُنکے اور بلاول کے درمیان کوئی اختلافات نہیں ہیں، جبکہ اب یہ بات سامنے آچکی ہے کہ باپ بیٹے کے اختلافات خاندانی بھی ہیں اور سیاسی بھی۔ مخدوم امین فہیم کی مختصر سی تقریر میں بھی کئی سوالات موجود تھے، لیکن جو وضاحت آصف زرداری نے کی شاید اُسکی ضرورت نہیں تھی کیونکہ زرداری نے پلٹ کر وہی الفاظ استمال کیئے جو امین فہیم نے اپنی تقریر میں کہے تھے۔آصف زرداری کی گڑھی خدا بخش میں کی گئی تقریر کو سیاسی حلقوں نے کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ صاف طور کہا گیا کہ آصف زرداری کے پاس کہنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں، لہٰذا بینظیر بھٹو کی برسی کے اگلے روز آصف زرداری نے سابق صدر پرویز مشرف پرایک نیا الزام یہ لگایا کہ وہ کچھ عناصر کے ساتھ ملکر سندھ حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔پرویز مشرف پر آصف زرداری کے اس الزام کو بھی کسی نے اہمیت نہیں دی، اسلیے کہ سابق جنرل پرویز مشرف پر آئین سے غداری کے علاوہ اور بھی بہت سے

الزامات ہیں مگر آصف زرداری کی طرح ایک بھی کرپشن کا الزام نہیں ہے۔

آیئے گذشتہ ساڑھے چھ سال سے سندھ پر حکمرانی کرنے والی پیپلزپارٹی کے کچھ کارناموں کا ذکر ہوجائے۔ گذشتہ پانچ سال 2008ء سے 2013ء ہوں یاحالیہ ڈیڑھ سال پاکستان پیپلزپارٹی کی حکومت نے مرکزاور سندھ میں سوائے کرپشن اور بیڈگورنس کے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ہے، 2013ء میں مرکز سے تو پیپلزپارٹی کا خاتمہ ہوچکا ہے لیکن ابھی صوبہ سندھ میں پیپلزپارٹی کا اقتدار باقی ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ بزرگ آدمی ہیں، ایک طویل زندگی شاہ صاحب نے پیپلزپارٹی کی خدمت میں گذاری ہے، اپنی اُن خدمات کا معاوضہ قائم علی شاہ گذشتہ ساڑھے چھ سال سے سندھ کے عوام سے وصول کررہے ہیں۔ 2008ء سے 2013ء تک مرکزاور سندھ میں پیپلزپارٹی کی حکومت کے دوران سپریم کورٹ نے سندھ کی قائم علی شاہ حکومت کو نااہل قرار دیا تھا، اگر مرکز میں پیپلزپارٹی کی حکومت نہ ہوتی تو شاید سندھ میں گورنر راج آجاتا۔ بدنصیبی سے سندھ میں پیپلزپارٹی اپنی پانچ سالہ بری کارکردگی کے باوجود سندھ میں دوبارہ برسراقتدار ہے اور قائم علی شاہ ہی وزیراعلیٰ ہیں۔ قائم علی شاہ کی گذشتہ ساڑھے چھ سال میں جو کارکردگی رہی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ کسی چھوٹے سے شہر کے لیے بھی کچھ نہیں کیا، صرف لوٹ مار اور اقرباپروری میں مصروف قائم علی شاہ کی حکومت ہر شعبہ میں ناکام رہی ہے۔ امن وامان کی

صورتحال بدترین ہے، اسٹریٹ کرائم، ٹارگٹ کِلنگ، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان اور کرپشن عام ہے۔ رشوت لے کر نوکریاں دی جاتی ہیں، لہٰذا کارکردگی صفر ہے، مگر سندھ کے لوگوں کی بدنصیبی کہ ابھی تک ذوالفقار علی بھٹو اور بینظیر بھٹو کے نام پر نام نہاد پیپلز پارٹی نے پورے سندھ کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ قائم علی شاہ کے ساڑھے چھ سالہ دور میں صرف کراچی میں دہشت گردی اور ٹارگیٹ کلنگ سے آٹھ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے ہیں، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، سرکاری اور فوجی املاک پر حملے، فرقہ وارانہ نفرت، بے روزگاری اور مہنگائی کی ذمہ دار پیپلز پارٹی کی حکومت ہے، سندھ کی ترقی کے لیے کچھ نہیں کیا، کراچی تو چھوڑیں اُنھوں نے تو لاڑکانہ، نواب شاہ یا خیرپور میں بھی عوامی بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا۔

آصف زرداری پرویز مشرف پر الزام لگا رہے ہے کہ وہ سندھ حکومت ختم کرنے کی سازش کر رہے ہیں جبکہ اگر صرف تھر میں مصنوعی قحط سالی کے باعث خوراک اور صاف پانی کی کمی کی وجہ سے بیمار ہو کر موت کی آغوش میں چلے جانے والے بچوں پر تحقیقات کی جائے تو کسی مشرف کو سندھ حکومت کے خلاف سازش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یکم فروری سے آٹھ فروری 2014ء تک سندھ کلچرل فیسٹول منایا گیا جس میں سندھ حکومت نے کڑوڑوں روپے خرچ کیے۔ آٹھ دن دن تک سندھ کلچرل فیسٹول کے نام پر بلاول زرداری کے دوستوں کی مہمان نوازی کی جاتی رہی جس پر کڑوڑوں

روپے خرچ کیے گئے۔ ٹھیک اُس وقت صحرائے تھر کے باشندے موت کی آغوش میں چلے جانے والے اپنے بچوں کو دفنانے میں مصروف تھے اور ابھی تک ہیں۔ سپریم کورٹ میں قحط کے اوپر "از خود نوٹس" کی سماعت کے دوران ایک جج صاحب نے بھی اٹارنی جنرل سے یہ سوال کیا تھا کہ "کتنے بچے مرینگے تو آپکی حکومت حرکت میں آئے گی؟"۔ سندھ فیسٹیول کے نام پر ثقافت کا جشن منانے اور کروڑوں روپے اڑانے والی سندھ حکومت کو نہ ہی بلکتے بچوں کی صدائیں سنائی دیں اور نہ ہی ماؤں کے بہتے ہوئے آنسوں کا اُن پر اثر ہوا۔ تھر میں آج بھی بچے مر رہے ہیں، لیکن سندھ کے حکمراں اندھے اور بیرے ہوچکے ہیں۔ سندھ حکومت کی بدترین کارکردگی کے بارے میں تو اب بیرون ملک بھی بہت باتیں ہورہی ہیں۔

سندھ میں رہنے والا عام آدمی نہیں جانتا کہ بلاول اور زرداری کے کیا اختلافات ہیں، اور نہ اُس کو اس بات میں کوئی دلچسپی ہے کہ مخدوم امین فہیم پیپلز پارٹی میں رہنگے یا نہیں، اُسکو تو اپنے بچوں کے لیے خوراک، تعلیم اور صحت کی فکر ہے۔ آصف زرداری یا کوئی اور مانے یا نہ مانے لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج کی پیپلز پارٹی اپنی بدترین کارکردگی اور حد سے زیادہ کرپشن کی وجہ سے اپنی مقبولیت کھوچکی ہے۔ مرکز کی حکومت ختم ہونے کے باوجود پیپلز پارٹی کے لیڈروں نے اپنی لوٹ مار ختم نہیں کی، سندھ کے وزرا کے بدعنوانی کے قصے عام ہیں۔ بیڈ گورنس کی وجہ سے اٹھارہ مہینے میں صرف کراچی میں لسانی،

مذہبی اور سیاسی دہشتگردی میں ہزاروں افراد زندگی سے محروم ہوگئے۔ حال ہی میں کراچی کی ٹیمبر مارکیٹ جلتی رہی لیکن وزرا سوتے رہے۔ سندھ حکومت کی بدترین کارکردگی اور لوٹ مار کے بعد بھی آصف زرداری کا پرویز مشرف کو بُلا کہنا یا اُن پر جھوٹے الزام لگانا صرف اپنی ناکامی اور بدعنوانی کو چھپانے کی ایک کوشش ہے۔

پیپلز پارٹی گدھ بنکر سندھ پر مسلط ہے

آج کی پیپلز پارٹی جو زرداری خاندان کی ملکیت بن چکی ہے اُسکا ذوالفقار علی بھٹو سے کوئی تعلق نہیں۔ پیپلز پارٹی روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر ماضی کے چار انتخابات میں سے دو مرتبہ ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت اور ایک مرتبہ بینظیر بھٹو کی شہادت پر عوام کے ووٹ حاصل کرکے اقتدار میں آچکی ہے، 2013ء کے انتخابات میں مرکز میں اپنی حکومت کھو چکی ہے اور صرف صوبہ سندھ کے علاوہ باقی صوبوں کے عوام نے بھی اُسکو مسترد کردیا، مسترد کرنے کی وجہ تھی بیڈ گورنس، کرپشن اور عوام کے مسائل کا حل نہ ہونا ہے۔ اس سے پہلے کے گذشتہ پانچ سالہ 2008ء سے 2013ء کے دور حکمرانی میں پیپلز پارٹی نے جو بدعنوانیوں کے ریکارڈ قائم کیے ہیں اُکی شاید دنیا میں مثال ملنی مشکل ہے، کوئی ایسا شعبہ نہیں جہاں آصف زرداری یا اُنکے چیلوں نے لوٹ مار نہ کی ہو، جسکا اثر سیدھا سیدھا عوام پر پڑا اور پاکستان میں غربت اپنے پاوں پھیلاتی چلی گی۔ آج پاکستان کی 65 فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے رہ رہی ہے۔ عام لوگوں کے پاس کھانے کے لئے روٹی ہے نہ ہی پینے کا صاف پانی اور نہ ہی روزگار، بجلی کے بحران کی وجہ سے لوڈ شیڈنگ میں بے پناہ اضافہ ہوا، جس کے باعث عوام پریشان اور ملکی معیشت تباہ ہوگی ہے، پیپلز پارٹی کے کرپشن نے ملک کو تباہ.برباد کردیا ہے۔ ایوان صدر سے

باعزت" رخصت کے دعوے دار آصف زرداری کے بارے میں پاکستانی عوام کا کہنا ہے کہ "آصف زرداری پر ایمانداری کا کوئی داغ نہیں ہے"۔

صوبہ سندھ میں پیپلزپارٹی کی حکومت 2008ء سے ابتک قائم ہے اور یہ پہلی مرتبہ ہے کہ مرکز میں پیپلزپارٹی کی حکومت نہ ہونے کے باوجود پیپلزپارٹی کی سندھ میں حکومت بنی ہے۔ اسے آپ سندھ کے عوام کی بدقسمتی بھی کہہ سکتے ہیں۔ سید قائم علی شاہ جو گذشتہ ساڑھے چھ سال سے وزیراعلیٰ سندھ کے عہدے پر فائز ہیں، انہوں نے اوراُنکے چیلوں نے سندھ میں جو کرپشن، بدانتظامی اور لوٹ مار مچائی ہوئی ہے اُس کے لیے صرف تھرپارکر کی بدترین صورتحال دیکھ کر سندھ حکومت کی بدعنوانیوں کا آسانی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ گذشتہ سال 2014ء کا شاید ہی کوئی ایسا دن گذرا ہوگا جب تھرپارکر سے بچوں کی موت کی خبر نہ آئی ہو۔ 2015ء کے پہلے ہفتے میں ہی 33 بچے لقمہ اجل بن گے تھے جبکہ رواں ماہ میں ابتک 43 بچے موت کے منہ میں جاچکے ہیں۔ ضلع تھرپارکر کے مٹھی، ڈیپلو، چھاچھرو، ننگرپارکر سمیت دیگر چھوٹے بڑے ہسپتالوں میں ڈاکٹرز اور عملے کا وجود ہی نہیں ہے جبکہ مختلف اسپتالوں میں زیرعلاج مریضوں کا کہنا ہے کہ ان کو ادویات بھی نہیں دی جاتیں۔ سندھ کے وزیراعلیٰ قائم علی شاہ نے کچھ عرصے پہلے ان مرنے والے بچوں کے بارے میں کہا تھا کہ 'یہ بچے بھوک سے نہیں، غربت سے مرتے ہیں'۔ شاید شاہ جی صیح کہہ رہے تھے کیونکہ پیدائش سے

پہلے نو ماہ تک جس ماں کی کوکھ میں یہ بچہ رہا، اُس حاملہ عورت کو اس درمیان میں اچھی خوراک چاہیے ہوتی ہے۔ اس حاملہ کو اچھی خوراک تو دور کی بات ہے شاہ جی کے زمانے میں جو گندم اُس عورت کو ملی اس میں مٹی کی مقدار اور گندم کی مقدار برابر برابر تھیں۔ صاف پانی کی ہزاروں بوتلیں بغیر تقسیم کیے گوداموں کی زینت بنی رہیں مگر تھر واسیوں کو نصیب نہ ہوئیں۔ اچھی خوراک کی جگہ اُس حاملہ عورت کو ایک چیز ہر روز نصیب ہوتی ہے ورزش، تین میل دور جا کر اپنا گھڑا ناقص پانی سے بھرنا، اسے سر پر اٹھانا اور واپس گھر آکر اپنے اور اپنے بچوں کے لیے مٹی ملی گندم کی روٹیاں بنانا ہی اُسکی ورزش ہوتی ہے۔ واقعی شاہ جی کی بات صیح ہے کہ تھر میں مرنے وال بچے بھوک سے نہیں غربت سے مرتے ہیں اوراس غربت کے اصل زمہ دار قائم علی شاہ، سندھ کے وزرااور سیاستدانوں کے ساتھ ساتھ سرکاری افسران کی سنگدلی، بے حسی، بدانتظامی، کرپشن اور نا اہلی ہے۔

صحرائے تھر کول اور نگرپارکر کی پہاڑیوں میں مدفن معدنیات سے مالا مال ہے۔ جو نہ صرف تھر بلکہ صوبہ سندھ اور پاکستان کی معیشت کے لیے انتہائی سود مند ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک اخباری خبر کے مطابق صحرائے تھر میں نو ہزار ایک سو مربع کلومیٹر پر مشتمل کوئلہ کی کھدائی کے لئے دو بلاکس میں کام شروع کر دیا گیا ہے۔ کام کرنے والی کمپنیوں نے مقامی نوجوانوں کو مکمل طور پر نظر

انداز کر دیا ہے۔ سیکورٹی گارڈ، ڈرائیور، باورچی، سول انجینئر، ایڈمن وغیرہ کی نشستوں پر بھی غیر مقامی افراد کی تعیناتی کی جا چکی ہے جس کی وجہ سے اسلام کوٹ، ننگرپارکر مٹھی، چھاچھرو، ڈیپلو، ڈاہلی تحصیلوں کے سیکڑوں گریجویٹ، ماسٹرز کیے ہوئے نوجوان، بیروزگار ہیں اور مناسب روزگار کے لیے پریشان ہیں اور کمپنیوں کے آفیسراُن کی سی وی لینے کے لیے بھی تیار نہیں۔ تھرپارکر کے بیروزگار نوجوانوں کا کہنا ہے کہ دیگر اضلاع اور صوبوں کے نوجوانوں کو بغیر کسی پالیسی کے بھرتی کیا جا رہا ہے جو ہمارے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔ دوسری جانب تھرپارکر کے منتخب قومی و صوبائی حکومت کے نمائندگان نے بھی تھری نوجوانوں کو روزگار دلانے اور کمپنیوں سے بات چیت کرنے کے بجائے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ اب ان تھری نوجوانوں کو کیسے سمجھایا جائے کہ پیپلزپارٹی کی حکومت بغیر مک مکاہ کے کچھ نہیں کرتی اور یہ جو قومی و صوبائی حکومت کے نمائندگان خاموش ہیں وہ شاہ جی کی قیادت میں مک مکاہ کر چکے ہونگے۔

صحرائے تھر میں ذمہ داران، افسران اور سیاسی شخصیات کے آپس کے گٹھ جوڑ کی بنا پر حکومت کی طرف سے مختلف اکاونٹ میں آنے والی رقوم ہڑپ کر لی گیں۔ تھر کی چھ تحصیلوں کے اندر صحت کی سہولتوں کا بدترین فقدان ہے۔ حکومت سندھ کی جانب سے ادویات کی خریداری کے لئے مختص جو 50 ملین روپے دیئے گئے اس میں سے

ملین روپے کا ادویات کی بجائے فرنیچر خریدا گیا، جس کی جانچ پڑتال ہو رہی 21.4 ہے۔پانچ موبائل ڈسپنسریز کی عوامی خدمات میں کارکردگی کی بجائے ڈپٹی کمشنر تھرا سے ذاتی اے۔سی کار کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ ان چھ تحصیلوں میں مختلف محکمہ جات کی افسران اور ملازمین کی تعداد دس ہزار سے بھی زائد ہے۔ جو پاکستان کے غریب ترین ضلع کی مالیات پر بھاری بوجھ ثابت ہو رہے ہیں کیونکہ ان کی بے حسی اور غیر انسانی طرزِ عمل نے عوام کو محرومیوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔

پاکستان کو ایک غریب ملک سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے چاروں صوبوں کی باگ دوڑ کروڑ پتی وزرائے اعلیٰ کے ہاتھوں میں ہے۔الیکشن کمیشن کی جانب سے جاری تفصیلات کے مطابق وزیر اعلی سندھ سید قائم علی شاہ کی کل کائنات ایک کروڑ 93 لاکھ روپے ہے اور اُن کے پاس ذاتی گاڑی بھی نہیں ہے۔ وزیر اعلی سندھ جس بیچارے کے پاس اپنی کار بھی نہیں ہے میڈیا کے شور مچانے پر بارہ نومبر 2014ء کو جب سندھ کابینہ کے ارکان کے ہمراہ تھر پہنچے تو اُنکے قافلے اتنے طویل تھے کہ تھر والے گاڑیاں ہی گنتے رہ گئے۔ بھوکوں پیاسوں کا دیس تھر، مجبوریوں، محرومیوں کا دیس تھر اور اس پسماندہ تھر میں وزیر اعلیٰ سندھ کے جاہ و جلال نے محل شہنشاہوں کے ٹھاٹ باٹ کی یاد دلا دی تھی۔ پولیس موبائل، چالیس لینڈ کروزرز اور ڈبل کیبن گاڑیوں سمیت 92 گاڑیوں کا 30 شاہانہ

قافلہ کروفر کے ساتھ دربار ہال مٹھی پہنچا، جہاں ایئر کنڈیشنڈ ہال کے بند دروازوں کے پیچھے بھوکے عوام کی قسمت کے فیصلے کیے گئے اور عوام اسی ہال کے دروازے پر پانی پانی پکارتے رہے۔ مقامی افراد کا کہنا ہے کہ اجلاس میں شرکت کے لیے آنے جانے والی گاڑیوں کے پیٹرول پر جتنی رقم خرچ ہوئی اس سے سیکڑوں بھوکے خاندانوں کی قسمت بدلی جاسکتی تھی۔ مقامی افراد کی اس بات کو مان لیا جاتا تو پھر شاہ جی کو جاہ و جلال دکھانے کا موقعہ کیسے ملتا۔

سات جنوری کو سابق صدر آصف زرداری نے تھرپارکر کے ضلعی ہیڈ کوارٹر مٹھی میں ایشیا کے سب سے بڑے صاف میٹھے پانی کے سولر آر او پلانٹ کا افتتاح کردیا۔ 94 کروڑ لاکھ کی لاگت سے تیار ہونے والے آر او پلانٹ منصوبے سے ڈیڑھ لاکھ افراد کو 20 فائدہ ہوگا۔ جب آصف زرداری اس پلانٹ کا افتتاح کرنے پہنچے تو مٹھی میں آصف زرداری کے شاہی قافلے نے دھاک بٹھادی۔ 36 گاڑیوں کے جلوس میں آنے والے سابق صدر 52 گاڑیوں کے ہجوم میں واپس ہیلی پیڈ گئے مگر اسپتال میں مرنے والے بچوں کے لواحقین ان کی راہ تکتے رہے۔ پولیس الرٹ، انتظامیہ الرٹ، ہوشیار، خبردار شاہی سواری آرہی ہے، جی ہاں تھر میں قحط سالی کے مارے مکینوں نے ایک مرتبہ پھر، شاہی جلوہ دیکھا۔ پی پی پی کے شریک چیئرمین اور سابق صدر آصف زرداری تھر میں ایشیا کے سب سے بڑے واٹر فلٹر پلانٹ کا افتتاح کرنے پہنچے تو قافلہ کیسے چھوٹا ہوسکتا ہے،

ہیلی ہیڈ

سے پلانٹ تک 36 گاڑیوں کے جلوے میں آئے اور واپسی میں ان کی روانگی 52 گاڑیوں کے جلوس میں ہوئی، امید یہ بھی تھی کہ وہ سول اسپتال میں غذائی قلت سے سسکتے بچوں کی عیادت بھی کریں گے، تنگیٔ وقت سے یہ تو نہ ہوا مگر اسپتال کی قسمت ضرور بدل گئی۔ صفائی کا عملہ نا صرف اسپتال کے فرش بلکہ دیواروں پہ جمی سالوں کی گرد رگڑ رگڑ کر اتارتا رہا اور گلی محلوں کی صفائی بھی ہوتی رہی۔

افسوس کہ صحرائے تھر کی موجودہ صورتحال پر گورننس کے نقطہ نظر سے ابتک کسی نے بھی نہیں سوچا کہ اس علاقے کی سسکتی ہوئی زندگی کو موت کے منہ میں جانے والی جانوں اور افلاس کی بنا پر عبرت ناک انجام تک پہنچنے والے انسانوں کو کس طرح بہتر معیار زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ جہاں حکمراں خود کرپٹ ہوں وہاں عوام کو کبھی بھی یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے کہ کرپٹ حکمرانوں کے ہوتے ہوئے اُن کے مسائل ختم ہوجاینگے۔ بلاول زرداری ٹھیک کہتا ہے کہ "سندھ نہ ڈیسوں" کیونکہ آصف زرداری اور پیپلزپارٹی کے لیے اب تو اپنی لوٹ مار کے لیے صرف سندھ بچا ہے، لہٰذا سندھ کے عوام کی مصیبتیں کم از کم جبتک تو برقرار رہنی ہیں جب تک پیپلزپارٹی گدھ بنکر سندھ پر مسلط ہے۔

پشاور دہشتگردی۔ تاریخ کا سیاہ دن

سولہ دسمبر 2014ء پاکستان اور انسانیت کی تاریخ کا وہ سیاہ دن ہے جس کا سوچکر ہر ماں اور باپ غمزدہ ہوجاتے ہیں۔ گذشتہ ماہ پھولوں کے شہر کا تشخص رکھنے والے شہر پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں طالبان دہشتگردوں نے پاکستان میں ابتک ہونے والی سب سے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیااور 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا۔ 132 طلباء کی شہادت یقیناًایک قومی المیے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس واقعہ نے پورے ملک کو ہلاکر رکھ دیا، خاصکر وہ والدین جن کے بچے ابھی اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد تعلیمی اداروں میں موسم سرما کی تعطیلات نا صرف مقررہ وقت سے پہلے کردی گئیں تھیں بلکہ بعد میں اُن میں توسیع بھی کردی گئی تھی اور اس دوران تعلیمی اداروں میں سکیورٹی کے انتظامات کو بڑھایا گیا۔ بارہ جنوری کو سارے ملک میں اسکولوں کو دوبارہ کھولا گیا۔ پشاور کا آرمی پبلک اسکول جب دوبارہ کھلا تو فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف اپنی اہلیہ کے ہمراہ وہاں طالب علموں اور اُنکے والدین کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ پاکستانی میڈیا نے فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کی آرمی پبلک اسکول پشاور میں موجودگی کو پوری طرح کوریج دی۔ جنرل راحیل شریف نے کہا کہ 'تمام بچے ہائی سپرٹس میں ہیں اور اس قوم کو شکست نہیں دی جاسکتی'۔ اسکول ایک مختصر

ی تعزیتی تقریب کے بعد دوبارہ بند کردیا گیا اور باضابطہ طور پر اسکول منگل کو کھلے گا۔
بارہ جنوری کو پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں ہونے والی تقریب میں کوئی سیاسی قیادت موجود نہ تھی، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کم از کم خیبر پختون خوا کے وزیر تعلیم اور وزیر داخلہ وہاں موجود ہوتے لیکن شاید وزیر اعلی پرویز خٹک اور اُنکی کابینہ کے لیے یہ اہم نہ تھا کہ وہ اُس اسکول میں موجود ہوتے جہاں صرف 26 دن پہلے 132 معصوم بچوں کو شہید کیا گیا تھا۔ یہ تقریب مختصر ضرور تھی لیکن دہشتگردوں اور پاکستان میں موجود اُنکے حامیوں کے لیے ایک واضح پیغام تھا کہ سوائے گنے چنے طالبان دہشتگردوں کے حامیوں کے پوری قوم اپنی فوج کے ساتھ کھڑی ہے۔ سولہ دسمبر 2014ء کے سانحہ کے بعد ساری سیاسی قیادت اکٹھا ہو گئی ہے سوائے جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام (ف) کے جن کا شمار طالبان دہشتگردوں کے ہمدردوں میں سرفہرست ہے۔
پشاور اسکول پر ہوئے حملے کے بعد ملک کی سیاسی و عسکری قیادت یہ کہہ چکی ہے کہ اب دہشت گردوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کا وقت آچکا ہے اور فوج نے جہاں دہشتگردوں کے خلاف کارروائیوں میں اضافہ کیا وہیں سزا پانے والے قیدیوں کی سزاؤں پر عملدرآمد پر عائد پابندی بھی ختم کر دی گئی۔ اب تک دہشتگردی کے جرم میں سزائے موت پانے والے سترہ مجرموں کو پھانسی دی جا چکی ہے۔

میرے ایک مضمون' نواز شریف ماؤں کی گودیں اجاڑنے کے ذمہ دار' پر تبصرہ کرتے
ہوئے میرے ایک محترم دوست نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ 'ایک بات کی طرف بھی
دھیان دیں کہ یہ اسلحہ اور بارود یہ جنرل اسٹور سے ملنے والی اشیاء بالکل نہیں ہیں،
ہزاروکلو دھماکہ خیز مواد یہ طالبان گروہ گھروں میں بیٹھ کر تیار نہیں کرتے، ان کے
پیچھے جو دوسرے ملکوں کی ایجنسیاں ہیں ان کے بھی ہاتھ کاٹنے چاہیئے، تازہ ترین صورت
حال ہی سمجھ لیں، کہ پھانسی کی سزاؤں پر یورپ میں کیا رد عمل ہو رہا ہے، اور وہ این جی
اوز جو بیرون ملک کی فنڈنگ سے چلتی ہیں، اور ہمارے پیارے دیس میں سرکنڈوں کی
شکل میں جگہ جگہ پھانسی کی سزاؤں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہیں'۔ محترم دوست کا
مشورہ بہت اہمیت رکھتا ہے کہ دہشتگردی کے لیے طالبان دہشتگردوں کواسلحہ
اور سرمایہ کہاں سے مل رہا ہے۔یقینا پشاور کے حملے کے بعد حکومت کے ہاتھ کچھ ایسے
ثبوت ملے ہیں جنکو لیکر جنرل راحیل شریف حملے کے دوسرے دن ہی کابل پہنچ گے تھے
اور وہاں اُنکی ملاقات افغان صدر اور فوج کے سربراہ سے ہوئی تھی، اسکے بعد ہی افغان
خارجہ پالیسی میں کچھ تبدیلی آئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طالبان دہشتگردوں کو اسلحہ اور فنڈنگ کہاں سے ہو رہی
ہےاور کیوں ہو رہی ہے اور اُسکی دہشتگرد کارروایئوں کی حمایت کون

کر رہا ہے۔ اسکی پہلی وجہ ہمارا ایٹمی طاقت بن جانا ہے عالمی مبصرین پاکستان کے خلاف کھیلے جانے والے اس کھیل کی اصل وجہ اس کے ایٹمی پروگرام کو قرار دیتے ہیں جو عالمی قوتوں کی نظروں میں کھٹکتا ہے اور وہ دہشت گردی کے ذریعے ان ایٹمی اثاثوں کو غیر محفوظ قرار دے کر اپنے کنٹرول میں لینا چاہتی ہیں۔ جبکہ دوسری وجہ بلوچستان میں موجود معدنی ذخائر اور گوادر پورٹ بنانے میں چین کی مدد کرنا ہے۔ اگر پاکستان دہشتگردی پر قابو پالیتا ہے تو یقیناً پاکستان تیزی سے ترقی کرسکتا اور علاقے کے نام نہاد تھانیدار بھارت کو یہ منظور نہیں۔ ان تمام سازشوں کا مقصد یہ ہے پاکستان کو پر امن نہ رہنے دیا جائے کیونکہ اسکے پیچھے امریکہ کا ایک بہت.بڑا مقصد یہ ہے کہ اگر امریکہ بلوچستان کو کنٹرول نہ بھی کرپائے تو چین بھی بلوچستان میں سکون سے اپنی سرمایہ کاری نہ کرسکے یعنی معدنی ذخائر کو نکالنے میں اور گوادر پورٹ بنانے میں چین کے کردار کو روکنا مقصود ہے ، بلوچستان میں بھارت ، امریکہ اور اسکے اتحادی اپنی سازشوں کے جال بچھائے ہوئے ہیں، دوسری طرف بھارت افغانستان میں بیٹھ کر پاکستان میں دہشتگردی میں ملوث ہے۔ بھارت اور بھارتی لیڈروں کا واحد مقصد ہے کہ پاکستان معاشی اور سیاسی طور پر ترقی نہ کرسکے۔ اس مقصد کے لیے بھارت، امریکہ، اسرائیل، .برطانیہ اور افغانستان کی خفیہ ایجنسی شامل ہیں۔ ان میں سے بھارتی ایجنسی ٔرا ٔ اور امریکی ایجنسی ٔسی آئی اے ٔپاکستان میں دہشت گردوں کو اسلحہ اور مختلف ملکوں کی کرنسی فراہم کررہی

ہیں۔

لاہور میں سری لنکا کی کرکٹ ٹیم پر حملے میں ایم آئی 6، سی آئی اے اور موساد ملوث تھیں۔ یہ امریکہ ہی ہے جو طالبان کو اسلحہ اور سرمایہ فراہم کر رہا ہے جبکہ تحریک طالبان کے ایک لیڈر نے افغانستان میں واضح الفاظ میں یہ بتایا کہ بھارت اور افغانستان پاکستان کے اندر دہشت گردی کروا رہے ہیں اور اپر دیر میں جنرل ثناء اللہ خان نیازی، پشاور کے قصہ خوانی بازار اور چرچ پر حملے میں بھی دونوں ملک ملوث ہیں۔ اسی طرح بلوچستان میں ہونے والی اغوا کی وارداتوں میں ''را'' اور ''موساد'' کا ہاتھ ہے۔

بدقسمتی سے بعض عالمی ذرائع ابلاغ کے مطابق صحافت اور سیاست سمیت پاکستان کے تقریباً تمام شعبوں میں کچھ شخصیات ملک دشمن قوتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہیں۔ ہمارے ذرائع ابلاغ بعض این جی اوز اور سیاستدان بلوچستان میں ٹارگٹ کلنگ اور اغوا کی وارداتوں میں ''را'' اور ''موساد'' کے ملوث ہونے کے ثبوت کے باوجود اس میں پاکستان کے سکیورٹی اداروں کو ملوث کئے جا رہے ہیں۔ علاوہ ازیں سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری لاپتہ افراد کیس میں سکیورٹی اداروں کے بارے جس طرح کے ریمارکس دیتے رہے ہیں وہ بھی دہشتگری بڑھنے کا سبب بنے۔ ایک اور بدقسمتی یہ ہے کہ پاکستان کی کچھ مذہبی جماعتیں جن میں جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام کے ،دونوں گروپ طالبان کے کھلے حامی ہیں

اسکے علاوہ لال مسجد کا ملا عبدالعزیز اور کچھ صحافی جن میں خاصکر اوریا مقبول جان اور جنگ کا انصار عباسی بھی طالبان کے خاص ہمدردوں میں شامل ہیں۔ یہ اسقدر شقی القلب ہیں کہ کسی نہ کسی طرح طالبان کی ہر دہشت گردی کو صیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سولہ دسمبر 2014ء کے المیے نے جہاں ایک طرف پورے ملک میں سوگ کی کیفیت طاری کر دی وہاں پوری قوم نے قومی اتحاد کا بے مثل مظاہرہ کیا۔ بارہ جنوری بروز پیر آرمی پبلک اسکول کے بچوں نے اپنے اسکول کی جانب سفر کرتے ہوئے بہت ہی پر امن انداز سے دہشتگردوں کی دھمکیوں کا منہ توڑ جواب دینے کی کوشش کی، وہ اور اُنکے ہمراہ آئے ہوئے اُنکے والدین دہشتگردوں کو پیغام دے رہے تھے کہ پاکستانی قوم دہشتگردی کا بھرپور مقابلہ کرئے گی اور انشااللہ بہت جلد نہ صرف دہشتگرد بلکہ اُنکے آقا اور پاکستان میں موجود اُنکے حامی جلد ہی نیست و نابود ہوجاینگے۔ پاکستان زندہ باد۔

فلم 'پی کے' کی جگو اور انتہا پسند ہندو

بھارتی فلم 'پی کے' جو پچاسی کروڑ روپے کی لاگت سے بنی تھی ابتک 600 کروڑ روپے کما چکی ہے جو ایک ریکارڈ ہے لیکن بھارتی انتہا پسند ہندو اس فلم کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں اور اسے پاکستان کی سازش قرار دے رہے ہیں، اگر اُنکو اس فلم کی ہیروئن مل جائے تو اُنکا ہیروئن سے کہنا ہوگا کہ جگت جانی عرف جگو فلم پی کے میں جب آپ بیلجیم میں میں تھیں تو آپکو سرفراز یوسف نامی ایک پاکستانی لڑکے سے پیار ہوگیا تھا، ہمیں اس بات پر قطعی اعتراض نہیں کہ آپکو پیار کیوں ہوگیا تھا، کڑوڑوں روپے کی فلم میں آپکو پیار کرنے کے لیے ہی رکھا گیا تھا جو ایک محبوبہ کا کردار ادا کرئے کسی کینسر کے مریض کے کردار کے لیے تو نہیں رکھا گیا تھا، لیکن ہمارا اعتراض یہ ہے کہ آپکو پورئے بیلجیم میں کوئی ہندو لڑکا نہیں ملا جو آپ ایک مسلمان لڑکے سے پیار کر بیٹھیں اور وہ بھی پاکستانی مسلمان سے، نہیں جگو یہ تو شاید پاکستانی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کا کیا دھرا لگتا ہے، ہمیں تو یہ بھی شک ہے کہ اس فلم کو بنانے کے لیے پیسہ بھی آئی ایس آئی نے ہی لگایا ہے، اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ اس فلم کے ڈائریکٹر راجکمار ہیرانی جسکا پرانا تعلق پاکستانی علاقے محراب پور، سندھ سے ہے ضرور اپنے کسی خاندانی بزرگ کے کہنے اور پاکستانی خفیہ ایجنسی آئی ایس.

آئی کے فنڈ مہیا کرنے پر ایسی فلم بنائی جس میں ایک پاکستانی مسلمان کو اچھا انسان دکھایا اور ہمارے ایک معزز پنڈت کو جھوٹا اور چور دکھایا اور ہمارے مذہب کا مذاق بھی اڑایا گیا ہے۔ اس سے پہلے راجکمار ہیرانی نے 'منا بھائی ایم بی بی ایس، لگے رہو منا بھائی اور تھری ایڈیٹس' جیسی فلمیں بنایں لیکن ان میں دور دور نہ تو کسی مسلمان ہیرو کا ذکر تھا اور نہ ہی کسی پاکستانی کا تو پھر فلم 'پی کے' کے ہیرو کو تم نے کیوں رونگ نمبر پر تلاش کیا، ہو نہ ہو یہ ایک پاکستانی سازش ہے۔

انتہا پسند ہندوں کے لیے جواب یہ ہے کہ تم نے جو سوال کیا ہے وہ نہ تو ہندو مذہب کی عقیدت میں کیا ہے اور نہ ہی بھارت کی محبت میں بلکہ یہ سب کھلی مسلم دشمنی اور خاصکر پاکستان دشمنی میں کہا ہے، کچھ عرصے سے بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف لو جہاد' کے نام پر اور پاکستان میں دہشتگردوں کی حمایت میں فسادیوں کو جہادی' کہکر اُنکی پاکستان میں کی گئی دہشت گردی کی جو حمایت کی جارہی ہے، فلم 'پی کے' کے خلاف مظاہرے اُسی دشمنی کا ایک حصہ ہے۔ تمیں شاید یاد نہ رہا ہو یا ایک انتہا پسند ہندو کی طرح تم یہ بات قبول نہ کرنا چاہتے ہو کہ بھارتی فلم "او مائے گوڈ" میں جس انداز میں بھگوان کی بے عزتی کی گئی ہے اور مندروں کو بھگوان کا شاپنگ مال کہا گیا فلم پی کے' میں ایسا کچھ نہیں ہے مگر پورے بھارت میں کسی نے بھی "او مائے گوڈ" کے' خلاف

ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا، آخر کیوں؟ شاید اس لئے کیونکہ اس فلم کے سو فیصد لوگ ایکٹر سمیت سب ہندو تھے، لیکن تماری اطلاع کے لیے بتادوں کہ فلم "پی کے" میں ناوئے فیصد ہندوں نے اور صرف ایک نام نہاد مسلمان عامر خان نے اداکاری کی ہے تو سارا الزام عامر خان پر کیوں؟ اسلیے کہ اُسکا نام مسلمانوں جیسا ہے تو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ بھارت میں جتنے خان یا مسلمان اداکار ہیں بد قسمتی سے کردار سے اُن میں سے ایک بھی مکمل مسلمان نہیں ہے اُنکو مسلمان کہنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اسوقت بھارتی فلم انڈسٹری میں خان نامی جتنے بھی مسلمان اداکار ہیں ان تمام کی بیویاں ہندو ہیں، اُنکے گھروں میں مندر موجود ہیں اور بھگوان کی پوجا ہر روز ہوتی ہے۔

بھارتی انتہا پسند ہندوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ بھارت ایک سیکولر ملک ہے جہاں سرکاری طور پر کسی مہذب کی حمایت نہیں کی جاتی لیکن یہ مسلمان ہی ہیں جو مذہب کے نام پر بھارت کو کمزور کررہے ہیں اور اُنکا ساتھ پاکستان دیتا ہے، اب جیسا کہ بکو معلوم ہے بھارت کے خان اداکاروں نے ہندوں عورتوں سے شادیاں کی ہوئی ہیں، یہ تو ہمارے ہندو مہذہب کے خلاف ایک سازش ہے۔ مسلمان لڑکے بھولی بھالی ہندو لڑکیوں کو اپنے عشق کے جال میں پھنساتے ہیں اور ان سے شادی کرکے بچے پیدا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی آبادی کو بڑھایا جائے اور ہندوستان میں مسلم حکومت قائم کی جاسکے۔ باہر کے لوگ ہم پر چھارہے ہیں

اور ہم سے ہمارا ملک چھیننے کی کوشش کر رہے ہیں۔اُن کا مقصد یہ بھی ہے کہ ہماری بہن بیٹیوں کو جہاد کی ٹریننگ دے کر ہمارے خلاف کیا جائے (یو ٹیوب پر یہ ویڈو موجود ہیں)۔ کشمیروں کو ہی لے لو، بھارت کی آزادی سے آجتک یہ مسلسل بھارت کے خلاف ہیں اور پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں، یہ بھارتی سیکولرازم کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے اور پاکستان اس سازش میں کشمیروں کا ساتھ دیتا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ فلم 'پی کے' میں جو کچھ دکھایا گیا ہے وہ بھارت کے خلاف اور پاکستان کی حمایت میں ہے جس سے نوجوان بھارتی مسلمانوں کو ہمت ملتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بھارت اپنی آزادی کے پہلے دن سے آجتک کبھی بھی ایک سیکولر ملک نہیں رہا، ہاں نام نہاد سیکولر ہونے کا پرچار ہمیشہ کرتا رہا۔بی جے پی تو کافی عرصہ بعد حکومت میں آئی ہے جبکہ پاکستان بننے کے فورا بعد کانگریس کی حکومت نے پاکستان کے حصے کی رقم روک لی، کچھ زمینی حصے جو پاکستان میں آنے تھے ان پر قبضہ کرلیا اور سب سے بڑھ کر کشمیر کے مسلے پر نہرو نے اقوام متحدہ کے زریعے دھوکہ بازی کی اور آج بھی کشمیری مسلمان آزادی کے لیے تڑپ رہے ہیں۔دسمبر 1992 میں جب انتہا پسند ہندوں نے بابری مسجد کو شہید کیا جب بھی مرکز اور صوبہ اترپردیش میں کانگریس ہی کی حکومت تھی۔آزادی کے بعد سے ابتک ہندوستان میں زیادہ تر کانگریس ہی کی حکومت رہی

ہے اور لاتعداد ہندو مسلم فسادات ہو چکے ہیں جس میں زیادہ تر مسلمانوں کا جانی اور معاشی نقصان ہوا ہے۔ کانگریس یا نہرو خاندان کی سیاست جواہر لال نہرو کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہوئی بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کی بیٹی اندرا گاندھی اور نواسا راجیو گاندھی ہندوستان کے وزیر اعظم بنے اور آج بھی انہیں کا خاندان ہندوستان کی سیاست پر حاوی ہے۔

اندرا گاندھی کی بہو سونیا گاندھی جسکو جمہوری بھارت میں صرف اس لیے ملک کا وزیر اعظم نہیں بننے دیا گیا کہ وہ ہندو نہیں ہے، وہ چلی تھیں بھارتی فلم نگری کے ذریعے پاکستانیوں کے ذہنوں کو فتح کرنے، وہ مسلم ثقافت اور پاکستانی کلچر کو شکست دینے کے دعوے کر رہی تھی۔ لیکن ہوا الٹا، بھارتی فلموں نے نوجوانوں کے ذہنوں میں تلاطم پیدا کر دیا۔ بھارت کے نوجوان جنسی بھیڑیئے بن چکے ہیں، گھر سے باہر نکلنے والی یا گھر کے اندر رہنے والی ہر ہندوستانی عورت اپنے ہم وطن درندے کی درندگی کے خطرے سے دوچار ہے۔ سونیا گاندھی جس اسلحے سے پاکستانیوں کو زیر کرنے چلی تھیں وہ اب خود انھیں زخمی کر رہا ہے۔ موہن داس کرم چند گاندھی کو ایک ہندو نے، اندرا گاندھی کو ایک سکھ نے اور راجیو گاندھی کو ایک تامل ٹائیگرز عورت نے قتل کیا جبکہ کسی بھارتی مسلمان نے کسی چھوٹے سے چھوٹے ہندو لیڈر کو نہیں مارا۔ اس کے باوجود بھی بھارتی مسلمانوں کو جان بوجھ کر انڈین فلموں میں تخریب کار اور دہشتگرد

کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔اسی زہر آلود پروپیگنڈے نے نریندر مودی کے بھارتی وزیراعظم بننے کی راہ ہموار کی۔ بھارتی صوبہ گجرات میں فروری دو ہزار دو میں مسلم کش فسادات کے دوران سنگھ پریوار کا رہنما اور آج کا بھارتی وزیاعظم نریندر مودی وزیر اعلی تھا، اس مسلم کش فسادات میں دو ہزار سے زیادہ مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا۔ بھارتی فلم انڈسٹری کا گڑھ ممبئ ہے اور یہی شہر شیو سینا کا بھی قلعہ ہے۔ سیف علی خان اور شبانہ اعظمی جیسے مشہور اور خوشحال لوگ جب ممبئ میں گھر نہ لے سکتے ہوں، تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صورت حال کتنی پیچیدہ ہوگی۔ شبانہ اعظمی جس نے شاید ہی کبھی کسی بھارتی فلم میں مسلمان کا کردار ادا کیا ہو وہ اور سیف علی خان جس نے کرینہ کپور سے اس کے ہندو مذہب پر قائم رہتے ہوئے شادی کی جب ایک گھر نہ خرید سکیں کہ وہ نام کے مسلمان ہیں تو اس سے ہندو تعصب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ شاہ رخ خان نے گوری سے اس کا مذہب بدلے بغیر شادی کی۔ شاہ رخ خان کے تینوں بچوں کے نام نہ مسلمانوں کے سے ہیں اور نہ ہندوؤں کے سے۔ اس کے باوجود بھی اس نام کے مسلمان ہیرو کو دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس ماحول میں 'پی کے' جیسی فلم بن جاتی ہے، جس میں سب کچھ بھارت کا ہے لیکن صرف ایک پاکستانی مسلم نوجوان کے اچھے کردار کو برداشت نہیں کیا جاتا ہے، یہ ہے ذہن سازی اور یہ ہے سیکولر انڈیا۔ اس سے یہی

بات ثابت ہوتی ہے کے بھارت کو فلم سے نہیں پاکستان اور مسلمانوں سے مسلہ ہے۔
بھارتی انتہا پسند ہندو بے فکر رہیں ابھی تک اُنکے ڈراموں یا فلموں کو پاکستانی مسلم
نوجوان صرف تفریح کی حد تک دیکھتے ہیں اور وہ یہ امید قطعی نہ کریں کہ کل کوئی
پاکستانی نوجوان سرفراز یوسف لاہور سے جگت جانی عرف جگو کو فون کرکے اظہار محبت
کرئے گا کیونکہ پاکستانی رونگ نمبر پر کم از کم بھارت فون نہیں کرینگے۔

امریکی صدر بارک اوبامہ بھارت میں

بھارت کے یوم جمہوریہ 26 جنوری کے موقعہ پر جو بھارت میں ہر سال منایا جاتا ہے، اُس میں شرکت کے لیے امریکی صدر براک اوبامہ تین روزہ دورے پر بھارت میں ہونگے۔ وہ پہلے امریکی صدر ہیں جو بھارت کے یوم جمہوریہ کی پریڈ میں مہمان خصوصی ہوں گے لیکن یہ پریڈ امریکی سکیورٹی اہلکاروں کے لیے تشویش پیدا کر رہی ہے۔امریکہ کے صدر کسی کھلی تقریب میں زیادہ سے زیادہ 45 منٹ گزارتے ہیں۔ ڈھائی گھنٹے تک کسی کھلے مقام پر صدر کا ہونا سکیورٹی اہلکاروں کے لیے حفاظتی نقطۂ نظر سے ایک مشکل مرحلہ ہے۔ انتظامیہ کی ساری توجہ حفاظتی انتظامات پر مرکوز ہے لیکن ڈھائی گھنٹے کی پریڈ کے دوران حفاظتی انتظامات دونوں ملکوں کے سکیورٹی اہلکاروں کے لیے ایک انتہائی مشکل مرحلہ ہوگا۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کی حکومت نے یوم جمہوریہ کی اپنی پہلی تقریب کو یادگار بنانے کے لیے پریڈ کی ثقافتی فلوٹس کی تعداد 20 سے بڑھا کر 25 کر دی ہے۔ اس سے پریڈ کی مدت دو گھنٹے سے بڑھ کر ڈھائی گھنٹے ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کے دورے کے دوران اوبامہ نریندر مودی کے ساتھ ملک کے عوام سے ریڈیو پر خطاب کریں گے۔

بھارت میں اس سے پہلے یوم جمہوریہ کے موقعے پر 300 کلومیٹر کے دائرے میں

فضائی حدود بند رکھی جاتی ہے لیکن اس بار توقع ہے کہ اس کا دائرہ بڑھا کر 400 کلومیٹر کر دیا جائے گا۔ اس کا مطلب ہو گا کہ دہلی کے علاوہ آگرہ اور جے پور میں بھی کوئی پرواز نہ تو اتر سکے گی اور نہ ہی اڑ سکے گی۔ اطلاعات کے مطابق صدر اوبامہ کی سکیورٹی ٹیم نے بھارتی حکام سے پریڈ ایونیو کے پانچ کلومیٹر کے دائرے میں بھی فضائی حدود بند کرنے کی درخواست کی ہے تاہم اس درخواست کو مسترد کر دیا گیا ہے کیونکہ تقریب میں بھارتی فضائیہ کے جنگی جہازوں کا فلائی پاسٹ بھی شامل ہوتا ہے۔ ایوان صدر اور پارلیمنٹ کے درمیان واقع وجے چوک پر جہاں بھارت کے صدر پریڈ کی سلامی لیتے ہیں وہاں صدر، وزیر اعظم اور صدر اوبامہ کے لیے ایک بلٹ پروف شیشے کا سٹیج بنایا گیا ہے۔ پریڈ کے دوران انتہائی اہم شخصیات کی حفاظت کے لیے سات تہوں کا سکیورٹی حصار ہو گا۔ اطلاعات کے مطابق امریکی صدر کی حفاظت کے لیے امریکہ کے سکیورٹی اہلکار مقامی پولیس کے ساتھ پریڈ کے دوران دہلی میں تعینات ہوں 1500 گے۔ پریڈ کے راستوں کے اطراف کی تمام عمارتوں یں اور ان کی چھتوں پر کمانڈوز تعینات کر دیے گئے ہیں۔ بھارت کی بین الاقوامی سرحدوں پر دراندازی روکنے کے لیے اضافی فورسز تعینات کی جا رہی ہیں۔

امریکی صدر کی اتوار کو بھارت کے تین روزہ دورہ پر دہلی آمد پر اُن کی سکیورٹی کے انتہائی سخت اقدامات کیے گئے ہیں۔ ہزاروں سکیورٹی اہلکاروں کو

تعینات کیا گیا ہے اور کئی سڑکوں کو عوام کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور کئی گلیوں کو ریت کی بوریوں کی مدد سے بند کر دیا گیا ہے۔ پندرہ ہزار سکیورٹی کیمرے نصب کیے گئے ہیں۔ بھارتی میڈیا کے مطابق ان کیمروں میں سے 165 راج پاتھ کے کنگز ایونیو میں اس جگہ پر نصب کیے گئے ہیں جہاں صدر اوباما بیٹھ کر یوم جمہوریہ کی پریڈ دیکھیں گے۔ ان کیمروں کے کنٹرول رومز میں امریکی سکیورٹی اہلکار تعینات ہوں گے جہاں وہ بھارتی حکام کے ساتھ ان کیمروں کی فوٹیج کی نگرانی کریں گے۔ پریڈ کی جانب والی سڑکیں تقریباً ایک ہفتے سے بند ہیں اور سکیورٹی اہلکار ایک ایک انچ کی نگرانی کر رہے ہیں۔ بھارت میں قیام کے دوران امریکی صدر کو اپنی بیگم مشیل اوباما کے ساتھ آگرہ بھی جانا تھا، لیکن اب یہ پروگرام ملتوی کر دیا گیا ہے۔

امریکی صدر اوباما دہلی کے فائیو سٹار ہوٹل موریا شیرٹن میں قیام کریں گے۔ یہ ہوٹل امریکی صدور کا پسندیدہ رہا ہے۔ اطلاعات کے مطابق ہوٹل کے تمام 438 کمرے صدر اوباما اور ان کے ہمراہ آنے والے وفد اور سکیورٹی اہلکاروں کے لیے بک کر لیے گئے ہیں۔ ہوٹل میں باہر سے کسی مہمان کو آنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ ہوٹل کے عملے میں سے ایک خصوصی ٹیم کا انتخاب کیا گیا ہے جو کہ صدر اوباما اور اُن کے وفد کی دیکھ بھال کرے گی۔ اطلاعات کے مطابق صدر اوباما کی کار دی بیسٹ دہلی پہنچ چکی ہے۔ روایت کے مطابق مہمان خصوصی بھارتی صدر کے

ساتھ ان کی کار میں پریڈ ایونیو پہنچتا ہے تاہم امریکی سکیورٹی اہلکار چاہتے ہیں کہ وہ اپنی کار بیسٹ میں پریڈ کے مقام پر پہنچیں۔ یہ کار خود ایک قلعہ ہے جس میں صدر کو بم حملے سے محفوظ کرنے صلاحیت ہے۔ 24 کے قریب سراغ رساں کتے صدر اوبامہ کی سکیورٹی اقدامات کے سلسلے میں امریکہ سے دہلی پہنچ چکے ہیں۔ بھارتی اخبار ٹائمز آف انڈیا کے مطابق یہ کتے امریکی خفیہ سروس کے خصوصی 'کے نائن' یونٹ کے 'افسر' ہیں اور یہ بھی فائیو سٹار ہوٹل میں اپنے مخصوص سٹائل میں قیام کریں گے۔ دہلی پولیس کے مطابق چار ٹانگوں والے ان افسران میں سے چند ایک کے نام، جورڈن، راک اور فریڈریک ہیں اور یہ پریڈ ایونیو اور ہوٹل پر اپنی ذمہ داریاں نبھائیں گے۔ امریکی کتوں کے بھی فوجی رینک ہیں اور یہ دھماکہ خیز مواد کی انتہائی معمولی سی مقدار کو سونگھ سکتے ہیں اور 50 سے 40 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتے ہیں اور انتہائی خطرناک طریقے سے کاٹتے ہیں۔

حسب دستور بھارت نے اس موقعہ سے فاہدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ جاری رکھا ہوا ہے۔ ایک بھارتی کور کمانڈر لفٹینٹ جنرل کے ایچ سنگھ نے ایک نیوز کانفرنس میں دعویٰ کیا کہ بھارت کے زیر انتظام کشمیر کے 'پیر پنجال رینج کے اس پار دراندازی کے 36 مراکز پر تقریباً 200 شدت پسند بھارت میں داخل ہونے کی تاک میں بیٹھے ہیں۔' لیکن بقول اس کور کمانڈر کہ دراندازی

روکنے کا نظام پوری طرح کارگر ہے اور ایسی کسی بھی کوشش کو ناکام بنا دیا جائے گا۔ اس سے قبل بھارتی فوج کے سربراہ جنرل دلبیر سنگھ نے کہا تھا کہ پاکستان کی جانب 'دہشت گردوں کا پورا ڈھانچہ برقرار ہے اور اپنے ملک میں نقصانات اٹھانے کے باوجود پاکستانی فوج نے جموں و کشمیر میں پس پردہ جنگ کی حمایت جاری رکھی ہے۔' بھارتی میڈیا بھی پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ میں مصروف ہے، بھارتی میڈیا کے بقول اعلیٰ فوجی ذرائع نے بتایا ہے کہ پاکستان کی سرزمین پر اب بھی بھارت مخالف دہشت گردی کے 44 تربیتی کیمپ موجود ہیں اور ان میں سے ڈیڑھ درجن کیمپ چوبیس گھنٹے سرگرم ہیں۔

روایتی طور پر بھارت یومِ جمہوریہ پر ان مہمانوں کو بلاتا ہے جن سے بھارت میں کوئی تنازع نہیں کھڑا ہوتا اور جن کا تعلق ان ممالک سے ہوتا ہے جن کے ساتھ بھارت کے قریبی تعلقات ہوتے ہیں۔ اس لیے پاکستان اور چین کے سربراہانِ مملکت کو دعوت نامہ نہیں بھیجا جاتا۔ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ کسی امریکی سربراہ کو بھارت نے ایسی عزت بخشی ہو۔اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امریکہ اور بھارت کے تعلقات کتنے مشکل رہے ہیں کیونکہ دہلی کو امریکی صدر کو اس تقریب کا دعوت نامہ بھیجنے میں سات دہائیاں لگی ہیں۔ بھارت اس بات پر ہمیشہ پریشان رہتا ہے کہ امریکہ اس کے حریف ملک پاکستان کے ساتھ کس حد تک خفیہ معلومات کے تبادلے میں تعاون کرتا ہے۔ دونوں ملک جس مسئلے پر بالکل ایک

دوسرے کے مخالف ہیں، وہ امریکہ کی پاکستان اور افغانستان کے بارے میں پالیسی ہے۔
اس قدر سیکوریٹی کے باوجود بھارت میں کچھ ہوا تو وہ اپنی نالائقی کو نہیں دیکھے گا بلکہ
سارا الزام پاکستان پر ڈال دیگا۔ بھارت جاتے ہوئے امریکی صدر پاکستان کی فضائی حدود
سے گزرینگے، ہماری دعا ہے کہ وہ ساتھ خیریت کے امریکی واپسی پر پاکستانی حدود سے
گذریں۔

امریکی صدر اوبامہ، دال قیمہ اور دہشگردی

کیا وجہ ہے کہ امریکی صدر براک اوبامہ بھارت کے سفر کے دوران پاکستان نہیں آئینگے۔ اصل میں وہ تو آنا چاہتے ہیں کہ ایک مرتبہ پھر پاکستان جاوں اور جا کر دال اور قیمہ کھا کر آوں، لیکن اُنکی بیگم پاکستان سے بہت ناراض ہیں کیونکہ اکتوبر 2013ء میں اپنے دورہ امریکہ میں پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف کی امریکی صدر براک اوبامہ سے ملاقات ویسے تو کئی حوالوں سے اہم تھی مگر اس ملاقات کے بعد پریس کانفرنس میں دونوں سربراہان کی پریس سے گفتگو میں کافی دلچسپ باتیں موجود تھیں۔ امریکی صدر اوبامہ نے اپنی ساری بات زبانی کہہ ڈالی جبکہ پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف ایک کاغذ پر اپنے نوٹس لکھ کر لائے تھے اور انہیں پڑھ کر ہی بات کرتے رہے اور ایک مقام پر کاغذ پلٹتے پلٹتے وہ مسز اوبامہ کو مسٹر اوبامہ کہہ گئے مگر جلد ہی انہوں نے اپنی غلطی درست کی، اور صدر اوبامہ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کو اور مسز اوبامہ کو پاکستان میں خوش آمدید کہنے کا منتظر ہوں، قیمہ اور دال آپ کے منتظر رہیں گے۔ مگر لگتا ہے کہ ابھی تک مسز اوبامہ پاکستان سے ناراض ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ امریکی صدر بھارت جاتے ہوئے یا واپس امریکہ جاتے ہوئے چند گھنٹوں کے لیے بھی پاکستان

آنے کو تیار نہیں۔ خیر چلیں اس مذاق کی بات کو چھوڑ دیں تب بھی امریکہ کا پاکستان کے ساتھ گذشتہ سڑسٹھ سال سے یہ ہی رویہ رہا ہے کہ جب پاکستان کی ضرورت پڑی پاکستان کو ایک اچھا دوست کہہ دیا، مقصد پورا ہوا تو فوراً ہم کون اور تم کون کا فارمولا لگا دیا۔

امریکہ نے ہندوستان کے خلاف کبھی بھی کھل کر پاکستان کی سفارتی حمایت نہیں کی۔ پاکستان کے حکمرانوں سے امریکہ نے ہمیشہ ایک مغرور آقا جیسا سلوک ہی روا رکھا۔ امریکی حکمرانوں کے مسلسل ہتک آمیز رویے کے باعث پاکستان نے چین سے تعلقات بڑھانے شروع کئے لیکن پاکستان پر امریکہ کا سیاسی اور معاشی اثر و رسوخ غالب رہا۔ ایوب خان سے لیکر آج نواز شریف تک ماسوائے ذوالفقار علی بھٹو کے کسی پاکستانی حکمران کی اتنی ہمت نہیں کہ امریکی پالیسی سے اختلاف کر سکیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کشیدہ ہوتے چلے گئے۔ بھٹو حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ضیاء الحق کی زیر نگرانی شروع کئے گئے ''آپریشن فیئر پلے'' کو سی آئی اے کی آشیر آباد حاصل تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کو راستے سے ہٹانے کے لیے ضیاء الحق سے کام لیا گیا اور پھر تھوڑے عرصے بعد ہی سوویت یونین کے افغانستان میں داخل ہونے کے بعد امریکہ نے اس خطے میں بڑے پیانے پر مداخلت کا آغاز کیا اور سی آئی اے کی تاریخ کا سب سے بڑا خفیہ آپریشن شروع کیا گیا۔ آج امریکہ جس دہشتگردی کے

خلاف جنگ کے نام پر اس خطے کو برباد کر رہا ہے وہ اس کی اپنی کاشت کی ہوئی فصل ہے ۔ضیاء الحق کے دور میں امریکن سی آئی اے اور آئی ایس آئی نے ملکر دہشتگردوں کی تربیت اور مالی امداد کی اور روس کے خلاف ڈالر جہاد برپا کرنے کا عمل جولائی 1979ء میں شروع کیا گیا۔

افغانستان سے سوویت یونین فوجوں کی واپسی اور خاص طور پر 1991ء میں سوویت یونین کے انہدام کے بعد اس خطے میں امریکہ کی دلچسپی کم ہو گئی تھی۔امریکیوں نے اس طرف توجہ دینا ہی چھوڑ دی تھی اور نام نہاد مجاہدین کی امداد بھی بند ہو گئی تھی۔امریکہ میں 11/9 کا واقعہ ہوا تو امریکہ کا سابق ایجنٹ اسامہ بن لادن افغانستان میں موجود تھا۔اُس وقت افغانستان میں ملا عمر کی طالبانی حکومت تھی جسکو امریکہ کی رضا مندی سے صرف تین ممالک نے تسلیم کیا ہوا تھا یعنی پاکستان، متحدہ عرب عمارات اور سعودی عرب۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ امریکہ جس نے کہا تھا کہ 11/9 کے واقعہ میں 17 سعودی عرب اور 2 متحدہ عرب عمارت کے باشندے شامل ہیں سیدھا دوڑا افغانستان کیوں چلا آیا۔اسکی وجہ اسامہ بن لادن تھا، یہ وہی ارب پتی سعودی اسامہ بن لادن تھا جو امریکہ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر سوویت یونین کے خلاف نام نہاد جہاد کرچکا تھا، لیکن بقول امریکہ اسامہ اور اسکے ساتھی 11/9 کی دہشت گردی کے ماسٹر مائنڈ تھے اور امریکہ اپنے پالتوں کو کبھی نہیں چھوڑتا۔

نائن الیون کے بعد امریکہ واپس افغانستان پہنچ گیا، اور اپنے پرانے نمک خواروں سے وہی توقعہ کرلی کہ وہ پرانی تنخواہ پر ہی کام کرینگے، ایسا نہ ہوسکا۔ امریکہ کے ڈالر کھانے والے مجاہد اب دہشتگرد درندئے بن چکے ہیں، اب ان درندئےوں کو سی آئی اے کے علاوہ برطانیہ کی ایم آئی سکس، اسرائیل کی موساد اور انڈیا کی ایجنسی را استمال کررہے ہیں۔ گذشتہ تیرہ سال سے امریکہ نے صرف ایک سبق یاد کیا ہوا کہ 'پاکستان ڈو مور' جس کا مطلب سیدھا سیدھا یہ ہوتا ہے کہ پاکستان امریکی مفادات کی مزید نگرانی کرئے، اس 'ڈو مور' کے بدلے میں امریکہ ہماری امداد کرتا ہے، اور ہمارئے میڈیا پر یہ ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے کہ پاکستان میں تعلیم، صحت، کے علاوہ ہر اُس کام میں جس میں عام آدمی کو کچھ فاہدہ ہو سب امریکی امداد کی مرہون منت ہے جبکہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ اس پرسکون ملک میں جہاں اب سکون کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا ہے، دہشتگردی کی وجہ سے 56 ہزار سے زائد پاکستانی بےگناہ شہید ہوچکے ہیں، معاشی طور پر ابتک پاکستان 103 ارب ڈالر سے زیادہ کا نقصان اٹھاچکا ہے، اور امریکہ کو پھر بھی شکوہ ہے کہ ہم وفادار نہیں۔

بھارت یاترا پر جانے والے امریکی صدر براک اوبامہ نے ایک بھارتی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے بھارت امریکہ تعلقات کے نئے دور اور پاکستان کے حوالے سے

اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔اس بات چیت میں انہوں نے بھارت کو امریکہ کا حقیقی گلوبل پارٹنر قرار دیتے ہوئے اگرچہ یہ تسلیم کیا ہے کہ امریکہ پاکستان کے ساتھ مل کر دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے لیکن ساتھ ساتھ پاکستان سے دہشت گردوں کے محفوظ ٹھکانوں کا ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے انہیں ختم کرنے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ صدر اوبامہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ دہشتگردی کے خلاف پچھلے کئی ماہ سے پوری پاکستانی قوم کی حمایت سے کسی امتیاز کے بغیر تمام دہشتگرد تنظیموں کے خلاف پاکستانی فوج فیصلہ کن آپریشن کر رہی ہے۔ جماعت الدعوہ اور حقانی نیٹ ورک کے خلاف بھی اقدامات عمل میں لائے جاچکے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف پاکستان کی ان تمام کوششوں کے باوجود ”ڈو مور“ والی امریکی رٹ ختم نہیں ہو رہی ہے۔

اسی امریکی رویے کی وجہ سے بھارت اور پاکستان کے تعالقات میں بہتری نہیں ہو رہی ہے۔ بھارتی کانگریس جماعت کے رکن پارلیمنٹ مانی شنکر آئیر کا کہنا ہے کہ پاکستان دہشتگردی کا سب سے بڑا شکار ہے، پاکستانی ہر روز 11/26 کی صورتحال سے دوچار ہیں، پاکستانی گھر سے نکلتے ہوئے خوفزدہ ہیں کہ وہ زندہ واپس آئیں گے یا نہیں۔ انہوں نے ممبئی حملوں کا پاکستان میں دہشتگرد واقعات سے موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے نومبر جیسا ایک واقعہ دیکھا جبکہ پاکستانی روزانہ ایسی صورتحال سے دوچار ہوتے 26 ہیں۔ 24، 25 یا 26 سال کی کوئی

بھی تاریخ پاکستانیوں کی زندگی کیلئے رسک ہے، پاکستانی مارکیٹ یا مسجد جاتے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ نہیں جانتے کہ وہ زندہ واپس آئیں گے یا نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر پاکستان دہشتگردی کا ذریعہ ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان ہی دہشتگردی کا سب سے بڑا شکار ہے۔ مانی شنکر آئیر نے امریکا پر الزام لگایا کہ پاک بھارت تعلقات خراب کرنے میں اس کا ہاتھ ہے اور وہی دہشتگردی کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔

امریکی صدر براک اوبامہ نے بھارتی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا کہ وہ بھارتی حکمرانوں کو کشمیر کی موجودہ صورتحال کی طرف توجہ دلاتے، وہ بھارت کے غیر منصفانہ رویے اور کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر آئے دن اشتعال انگیز کارروائیاں کرکے پاکستان میں دہشتگردی کے خلاف جاری فیصلہ کن آپریشن کی راہ میں مشکلات پیدا کرنے پر اظہار کرتے۔ جنوبی ایشیائی امور کے بعض امریکی ماہرین بھارت کے حوالے سے پاکستان کے ساتھ امریکہ کے تعلقات پر نظرثانی کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔ ان کا مشورہ ہے بھارت کو خطے کی بالادست طاقت بناکر پاکستان کو برابری کے مرتبے سے نیچے لانے کی حکمت عملی اگر کہیں زیر غور ہے تو یہ حقیقت پسندی کے سراسر منافی ہے۔ ابھی کچھ روز قبل ہی امریکی پاکستان کو یقین دلارہے تھے کہ امریکہ بھارت تعلقات پاکستان کے مفادات کی قیمت پر استوار نہیں کیے جارہے ہیں۔

جنوبی ایشیا میں پائیدار امن اور خوش حالی کے لیے تنازع کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جانا ضروری ہے۔

کوئی ایک ماہ پیشتر امریکہ کے صدر براک اوبامہ نے پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف کو ٹیلی فون کرکے انھیں اپنے مجوزہ دورۂ بھارت کے بارے میں بتایا، اس موقعہ پر وزیراعظم نواز شریف نے صدر اوبامہ کو پاکستان کے دورے کی دعوت دی، مگر افسوس جواب میں صدر اوبامہ نے یہ یقین دہانی کروائی کے جیسے ہی ملک میں صورت حال معمول پر آئے گی وہ پاکستان کا دورہ بھی کریں گے۔ امریکہ کا 'گیارہ ستمبر' ہو، بھارت کا 'چھبیس نومبر' ہویا پاکستان کا' سولہ دسمبر' ہو تمام واقعات ہی افسوسناک ہیں، اور ہم پاکستانی ان واقعات کی بھرپور طریقے سے مذمت کرتے ہیں لیکن سانحہ پشاور ایک ایسا واقعہ ہے جس کا سوچکر ہر صاحب اولاد کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ امریکی صدر کو کم از کم اُن معصوم 132 بچوں کی شہادت کا خیال رکھتے ہوئے اُن بچوں کی تعزیت کے لیے چند گھنٹوں کے لیے پاکستان آنا چاہیے تھا۔ افسوس نہ تو سیاست کے سینے میں دل ہوتا اور نہ ہی اس وقت امریکہ کو پاکستان سے کوئی فائدہ اٹھانا ہے، دورہ بھارت سے امریکہ کو ایک بڑی تجارتی منڈی ملنے کا امکان ہے، علاقے کی سیاست میں اثرورسوخ بڑھے گا، کم از کم ہمارے سیاستدانوں کو اس سے سبق ضرور سیکھنا چاہیے۔

وزیراعظم نواز شریف اور صدر اوبامہ نے ٹیلیفون پر بات چیت کے

دوران علاقے میں دہشتگردی پر قابو پانے، امن اور استحکام کو بڑھانے اور خطے میں امن اور سلامتی قائم کرنے پر اتفاق کیا۔ لیکن ایک بات امریکی صدر کو لازمی معلوم ہوگی کہ اس خطے میں دہشتگردی کا ذمہ دار خود امریکہ ہے۔

فوجی عدالتیں اور مذہبی جماعتوں کی منافقت

آج آپ پاکستان کے کسی بھی حصے میں چلے جایں آپکو صرف مسائل کے بابت ہی سنائی دیگا، کوئی بے روزگاری کو رو رہا ہوگا تو کوئی تعلیم کی پستی میں جاتی ہوئی صورتحال کو، کہیں صحت کی سہولت نہیں تو کہیں پانی نہیں ہے، تھرپارکر میں موت بچوں کو نگل رہی ہے، پیٹرول غائب ہے تو بجلی کے مسلئے نے پورے پاکستان کو متاثر کیا ہوا ہے۔ عام لوگوں میں عدم برداشت پیدا ہوگیا ہے۔ان تمام مسائل کے ہوتے ہوے پاکستان ایک ایسی جنگ کا شکار ہے جسے دہشتگردی کہا جاتا ہے۔ جس میں دشمن مذہب کے نام پر اپنی درندگی کا مظاہرہ کر رہا ہے، اور اپنی درندگی کی دھاک جمانے کے لیے عورتوں اور معصوم بچوں کو ہلاک کر رہا ہے، یہ ذلیل دشمن جو پاکستان میں طالبان دہشتگرد کے نام سے پہچانا جاتا ہے اسقدر بزدل ہے کہ چھپ کر وار کرتا ہے، کبھی بے گناہوں کو بم بلاسٹ کے زریعے اور کبھی خود کش حملوں کے زریعے شہید کرتا ہے۔آج انسانیت کو دہشتگردی کے ہاتھوں شدید خطرات لاحق ہیں کیونکہ دہشتگردی مسلمہ طور پر ایک لعنت و ناسور ہے، دہشتگردوں کا تعلق دنیاکے کسی بھی مذہب سے نہیں ہے یہ نہ تو مسلمان ہیں اور نہ ہی انسان، انہیں اگر ہم درندہ کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ سولہ دسمبر 2014ء کے سانحہ پشاور کے بعد ملک کی ساری سیاسی قیادت دہشتگردی کے خلاف اکھٹا ہو گئی تھی، اُن میں وہ بھی شامل

تھے جو ازل سے ہی پاکستان مخالف اور دہشتگردوں کے حامی ہیں، لیکن صورتحال کو دیکھتے ہوئے سب ہی پشاور کے سانحے کے خلاف بڑھ چڑھ کر بول رہے رہے تھے۔

آئے دن ہونے والی دہشتگردی ہمیں برباد کر رہی ہے، پشاور کے ملٹری اسکول میں سولہ دسمبر کو ہونے والی دہشتگردی کے واقعے نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور پورے ملک کے والدین جن کے بچے اسکولوں میں جاتے ہیں خوف اور دہشت کا شکار ہیں۔ پشاور میں ہونے والی درندگی کے پہلے ذمہ دار اس ملک کے وزیراعظم نواز شریف ہیں جو ایک سال تک مذاکرات کا ڈرامہ رچاتے رہے، نواز شریف کے شریک کاروں میں تحریک انصاف اور اُسکے سربراہ عمران خان، جماعت اسلامی اور اُسکی قیادت، دونوں جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا سمیع الحق، لال مسجد کا شقی القلب ملا عبدالعزیز اور کچھ لکھنے والے بھی شامل ہیں جن میں اوریا مقبول جان اور جنگ گروپ کے انصار عباسی سرفہرست ہیں۔ پشاور کے بدترین سانحے کے بعد ملک کی سیاسی وعسکری قیادت نے فیصلہ کیا اب دہشت گردوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کا وقت آچکا ہے اور فوج نے جہاں دہشتگردوں کے خلاف کارروائیوں میں اضافہ کیا وہیں سزا پانے والے قیدیوں اور خاصکر سزائے موت کے قیدیوں کی سزاؤں پر عملدرآمد پر عائد پابندی بھی ختم کر دی گئی۔

کل جماعتی کانفرنس کے دوران دہشتگردوں پر تیزی سے مقدمہ چلانے کیلئے فوجی

عدالتوں کے قیام پر ساری جماعتیں متفق ہو گئی تھیں لیکن جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی کی جانب سے دہشت گردوں کے خلاف قومی اسمبلی اور سینیٹ میں 21 ویں آئینی ترمیم اور پاکستان آرمی (ترمیمی) بل 2015ء کی منظوری کے وقت یہ دونوں جماعتیں غیر حاضر رہیں اور ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا، یہ ہی وہ منافقت ہے جس کا مظاہرہ یہ دونوں جماعتیں ہمیشہ کرتی رہیں ہیں۔ فوجی جنرلوں کے جوتے صاف کرنے والے یہ مذہب فروش وہی کچھ کر رہے ہیں اور کہہ رہے جو ان جماعتوں کے بانیوں نے کیا اور کہا۔ سابق آمر ایوب خان کو 1964ء کے الیکشن کے وقت جس آئینی پابندی کو ترمیم کے ذریعے ختم کرنا تھا اُس میں دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کے لئے جن دو ووٹوں کی ضرورت تھی ان میں ایک ووٹ مولانا مفتی محمود کا بھی تھا جو انہوں نے ایوب خان کو دیا۔ جنرل ضیاء الحق کو بھٹو کو مارنا تھا جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی نے بھٹو کو مروانے میں آمر ضیاء الحق کا پورا پورا ساتھ دیا، جنرل پرویز مشرف کو اپنی حکمرانی کو جائز بنانا تھا، مذہب فروش حاضر، 28 دسمبر 2003ء کو مرحوم قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن و دیگر قائدین کی موجودگی میں متحدہ مجلس عمل نے آئین میں 17 ویں آئینی ترمیم کا بل یعنی لیگل فریم ورک آرڈر منظور کرکے پرویز مشرف کی حکمرانی کو آئینی و قانونی جواز فراہم کردیا، آئینی ترمیم کے ذریعہ آرٹیکل 270 اے اے لایا گیا اور جنرل مشرف کی اکتوبر 1999ء کی ایمرجنسی کو قانونی حیثیت دے دی گئی، مشرف نے ملاؤں کی حمایت سے اسمبلی

توڑنے کا اختیار بھی حاصل کر لیا۔ ملائوں کو کیا فرق پڑتا ہے بلکہ ترقی ہو گئی کیونکہ متحدہ مجلس عمل ترقی کر کے "ملا ملٹری الائنس" بن گی تھی۔

جماعت اسلامی کے نئے امیر کامریڈ سراج الحق نے اپنی منافقت کا اظہار یہ کہکر کیا کہ ہم دہشتگردی کے مخالف ہیں اور مسلح جدوجہد پر یقین نہیں رکھتے، مفلسی، بے روزگاری، جہالت اور طبقاتی نظام تعلیم کے خلاف جہاد کرنا چاہتے ہیں، دہشتگرد کا کوئی مذہب اور نظریہ نہیں ہوتا، دہشتگردی کوئی بھی کرے وہ دہشتگرد ہے، قومی اتفاق رائے کیلئے آئینی ترمیم کے بل سے مذہب کا نام نکالنے کی تجویز دی تھی مگر حکومت نے ایسا نہیں کیا۔ اب یہ تو کامریڈ سراج الحق کو پتہ ہوگا کہ مذہب فروشوں اور دہشتگردوں کے حامیوں کا بھی نہ کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ ہی نظریہ اور یہ بات کھلی کتاب کی طرح سے ہے کہ جماعت اسلامی جو نہ صرف دہشتگردوں کی کھلی حامی ہے بلکہ خود جماعت اسلامی کے لوگ دہشتگردی میں ملوث ہیں۔ کامریڈ سراج الحق کی بات کو مان لینا چاہیے کیونکہ جماعت اسلامی ایک دہشتگرد جماعت ہے اسلیے نہ ہی اسکا کوئی مذہب ہے اور نہ کوئی نظریہ۔

جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمان نے ترمیم کی منظوری کے حوالے سے حکومتی طرزِ عمل پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردی مذہبی یا غیرمذہبی نہیں ہوتی، شکر ہے گناہ سے بچ گئے، جمہوری حکومت میں فوجی عدالتیں اور آئین میں ترمیم کے موقع پر مذہبی جماعتوں کے تحفظات اور

خدشات کو نظرانداز کر دینا درحقیقت ملک کو سیکولر نظام کی جانب لے جانے کی طرف پہلا قدم ہے لیکن یہ ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور اسلام کے نام پر ہی قائم رہے گا۔ مولانا فضل الرحمان بلکل صحیح فرماتے ہیں کہ یہ ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور اسلام کے نام پر ہی قائم رہے گا لیکن مولانا یہ ملک آپکے والد صاحب کے گناہوں کا نتیجہ نہیں ہے کیونکہ جسطرح آج آپ فرمارہے ہیں کہ اس 21 ویں آئینی ترمیم کے گناہ سے بچ گئے ٹھیک اسطرح ہی آپکے والد مفتی محمود نے کہا تھا کہ ''خُدا کا شُکر ہے کہ ہم پاکستان بنانے کے گُناہ میں شامل نہیں تھے''۔اِس کے باوجود مولانا مُفتی محمود ''گُناہ کی پیداوار'' پاکستان کی سیاست میں لَت پَت رہے۔ مولانا اپنے والد سے چار ہاتھ آگے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ حکومت کسی کی بھی ہو مولانا اقتدار میں ہوتے ہیں۔

تمام سیاسی قیادت کو اس وقت متفق ہونا ہوگا، سانحہ پشاور کے بعد بھی اتفاق رائے پیدا نہ ہوا تو دہشتگردوں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور 30 جنوری بروز جمعہ شکار پور کے علاقے لکھی در میں امام بارگاہ میں دھماکے کرکے جمعے کی نماز کے لئے آئے بچوں سمیت 50 افراد کو شہید اور 50 افراد کو زخمی کردیا۔ کراچی میں کوئی نقصان تو نہیں ہوا لیکن ایک اسکول کے باہر اسکول شروع ہونے سے قبل دھماکہ کرکے والدین کو خوف زدہ کیا گیا۔

سانحہ پشاور کے بعد عوام دہشت گردی

کیخلاف جنگ میں کسی کو رکاوٹ بنتا نہیں دیکھنا چاہتے، آئینی ترمیم کے بل میں کسی بھی مذہب یا فرقہ کا نام نہیں لکھا گیا، آئینی ترمیم کیلئے انہی سیاسی جماعتوں نے ووٹ نہیں دیا جو دہشتگردوں کی حامی ہیں ۔ فوجی عدالتوں کیلئے آئینی ترمیم ایک تکلیف دہ عمل ہے لیکن پاکستان کی بقا کیلئے یہ عمل ہونا ضروری ہے۔ پاکستان اس وقت بہت خطرناک صورتحال سے گزر رہا ہے، آئینی ترمیمی بل میں کسی مذہب یا مسلک کا نام نہیں آیا، جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی نے آئینی ترمیم کیلئے ووٹ نہ ڈال کر واضح کر دیا ہے کہ کون لوگ پاکستان حامی ہیں اور کون پاکستان مخالف ہیں۔ پاکستان کی عسکری قیادت کو دہشتگردوں کے ساتھ ساتھ اُنکے حامیوں سے بھی نبٹنا ہوگا، ورنہ نہ ہی آپریشن ضرب عضب کامیاب ہوگا، نہ ہی قومی ایکشن پلان اور نہ ہی فوجی عدالتوں کا قیام۔

بدقسمت پاکستانی قوم اور تاجر سیاستدان

بدقسمتی سے ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں سیاست تجارت سمجھ کر کی جاتی ہے اور ہمارا ہر تاجر سیاستدان کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اپنا نفع نقصان دیکھتا ہے پھر وہ کوئی عمل کرتا ہے۔ ویسے تو ہمارے ملک کا ہر سیاستدان ایک سیاسی تاجر ہے لیکن اس وقت پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف ملک کے سب سے بڑے سیاسی تاجر ہیں، وہ ہر اُس کام کے لیے تیار رہتے ہیں جس سے اُنکو سیاسی فائدہ ہو، یہ ہی سیاسی فائدے آگے چلکر اُنکے لیے مالی فائدہ بن جاتے ہیں۔ وہ عمران خان سے ملنے بنی گالہ پہنچ گے تاکہ عمران خان کی سیاسی مخالفت کو کم کرسکیں، اس میں کامیاب نہ ہوئے تو مولانا فضل الرحمان کی خواہش کو پورا کیا اور مولانا اور اُنکے ساتھیوں کو وزارت دیں تاکہ مولانا فضل الرحمان عمران خان اور علامہ طاہرالقادری کے دھرنوں کے خلاف بھرپور طریقے سے کام کریں جو مولانا اور اُنکی پارٹی نے دھرنے ختم ہوجانے کے باوجود جاری رکھا ہوا ہے۔ عمران خان کے دھرنے کے دوران جب نواز شریف سیاسی طور پر ناکام ہونے لگے تو اپنے گرو آصف زرداری کو کھانے پر بلالیا اور صرف ستر کھانوں سے اُن کی تواضع کی۔

سولہ دسمبر 2014ء پاکستان اور انسانیت کی تاریخ کا وہ سیاہ دن ہے جس کا سوچکر ہر ماں اور باپ غمزدہ ہوجاتے ہیں۔ پھولوں کے شہر کا تشخص رکھنے والے شہر پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں طالبان دہشتگردوں نے پاکستان میں ابتک ہونے والی سب سے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیااور 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا۔ طلباء کی شہادت یقیناًایک قومی المیے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس واقعہ نے پورے 132 ملک کو ہلاکر رکھ دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد نواز شریف نے پشاور پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ دوسری طرف صوبہ خیبر پختونخوا میں برسراقتدار پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان جو چار ماہ سے اسلام آباد کے ڈی چوک میں دھرنا دیئے بیٹھے تھے اور جس میں عام لوگوں کی شرکت روزبروز کم ہورہی تھی پشاور سانحہ سے پورا فائدہ اٹھایا اور بنی گالہ سے پشاور پہنچ گئے، یہ بات نوٹ کی گئی کہ موصوف کو اپنے گھر سے نکلنے میں پانچ گھنٹے لگ گئے۔ پشاور روانگی سے قبل عمران خان نے نواز حکومت کے ساتھ ہونے والے مذاکرات ختم کرنے کا اعلان کیااور اُسکے ساتھ ہی 18 دسمبر کو ہونے والے ملک گیر احتجاج کو بھی منسوخ کردیا۔ 17 دسمبر کو نواز شریف نے آل پارٹیز کانفرس بلائی جس میں دہشتگردوں کے خلاف بہت سارے فیصلوں پر ساری سیاسی پارٹیاں متفق ہوگئی تھیں جواب نہیں ہیں۔

سترہ دسمبر کی شام عمران خان نے واپس اسلام آباد پہنچ کر دھرنے کے شرکا سے

خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ' کور کمانڈر پشاور نے بتایا کہ کیا حالات ہیں، جو دہشت گردی ہوئی ہے اس میں سرحد سے باہر سے بھی فورسز بھی ملوث ہیں ہم نے بات چیت کی کہ ان حالات میں ہم کیا کریں، ملک کی یہ ضرورت ہے کہ ساری قوم اکھٹی ہو، اور کیا اس وقت میں ہم اپوزیشن کریں اور دھرنے میں بیٹھے رہیں، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آج جو پاکستان کے حالات ہیں، ان حالات میں ہمیں دھرنا ختم کرنا پڑے گا۔' دھرنا ختم کرکے عمران خان جب جانے لگے تو اُنکے کارکن اُنکی گاڑی کے آگے لیٹ گے اور دھرنا ختم کرنے پر احتجاج کیا، لیکن عمران خان بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ دھرنا ختم کرنے میں ہی اُنکا سیاسی فائدہ ہے۔ نواز شریف نے سانحہ پشاور سے پوری طرح سیاسی فائدہ اٹھایا، جس دھرنے اور جلسوں کو نواز شریف پورے پارلیمینٹ کو ساتھ ملا کر نہ ختم کرسکے اُسکو پشاور میں ہونے والی دہشتگردی نے گھنٹوں میں ختم کردیا۔ نواز شریف اور عمران خان ہیں تو دونوں ہی طالبان نواز اور طالبان دہشتگردوں کی دہشتگردی کی وجہ سے دونوں کو ہی سیاسی فائدہ ہوا۔ باقی سیاسی سوداگروں نے بھی اس سانحہ سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

ایک اندازئے کے مطابق دو کڑوڑ کے قریب انسانوں کا شہر بدنصیب کراچی جو گذشتہ 25 سال سے لاقانونیت کا شکار ہے، دنیا کے چند بڑئے شہروں میں آتا ہے، ملک کا معاشی حب ہے لیکن وہ کونسا جرم ہے جو اس شہر میں نہیں ہوتا، اب

کچھ عرصے سے ایک نیا سلسلہ یہ شروع ہوا ہے لوگوں کو پہلے غائب کیا جاتا ہے اور کچھ دن بعد اُنکی لاش کہیں پڑی ہوئی ملتی ہے۔ صوبہ سندھ میں دو بڑی سیاسی قوت ہیں، ایک پاکستان پیپلز پارٹی اور دوسری متحدہ قومی موومینٹ (ایم کیو ایم)۔ سندھ میں حکومت پیپلز پارٹی کی ہے جبکہ ایم کیو ایم حزب اختلاف میں ہے۔ الطاف حسین اور آصف زرداری تو اب بھی بھائی بھائی ہیں، لیکن قائم علی شاہ اور فیصل سبز واری کی لڑائی چل رہی ہے جس کا سیدھا سیدھا نقصان عام لوگوں کا ہوتا ہے۔ کچھ دن پہلے موچکو تھانے کی حدود سے ایک شخص کی لاش ملی جسے گولیاں مار کر قتل کیا گیا تھا بعد میں مقتول کو سہیل احمد ولد شعیب احمد کے نام سے شناخت کیا گیا، مرحوم جس کی عمر 45 سال تھی ایم کیو ایم کا یونٹ انچارج تھا۔ سہیل احمد کے قتل کیخلاف ایم کیو ایم نے جمعرات 29 جنوری کو سندھ بھر میں شٹر ڈاؤن ہڑتال کرائی۔ جس میں کراچی اور حیدرآباد مکمل بند رہے۔

کراچی بند ہونے کا مطلب حکومت کو بڑا معاشی جھٹکا اسلیے اگلے دن 30 جنوری کووزیراعظم نواز شریف کراچی آپریشن کے سلسلے میں وزیر خزانہ اور وزیر داخلہ کے ہمراہ کراچی پہنچے۔ گورنر ہاوس کراچی میں نواز شریف نے کہا کہ کراچی میں بے امنی پھیلانے والے دہشت گرد ملک دشمن ہیں، ان دہشت گردوں کا خاتمہ کرینگے، ٹارگٹ کلنگ کے مقدمات فوجی عدالتوں میں بھیجے جا سکتے ہیں۔

امن کی بحالی کیلئے پیپلزپارٹی اور ایم کیو ایم مل کر کام کریں۔ گورنر ہاؤس کراچی میں وزیراعظم نے ایم کیو ایم کے قتل ہونے والے یونٹ انچارج مرحوم سہیل احمد کے گھر والوں سے ملاقات کی جو وزیراعظم اور ایم کیو ایم کی سیاسی ضرورت تھی، ٹھیک اُسی وقت کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بننے والے پولیس افسر اور گینگ وار کے ہاتھوں قتل ہونے والے تین افراد کے اہل خانہ انصاف کے حصول کے لیے گورنر ہاؤس کے باہر پہنچ گئے اور وزیراعظم سے مطالبہ کیا کہ دہشت گردوں کو سر عام پھانسی دی جائے اور ہمیں انصاف فراہم کیا جائے۔ وزیراعظم کے ان متاثرہ خاندانوں سے ملنے سے خود وزیراعظم، ایم کیو ایم یا پیپلزپارٹی کو کوئی سیاسی فاہدہ نہ تھا لہٰذا ان تین افراد کے اہل خانہ کو گورنر ہاؤس کے نزدیک بھی نہ جانے دیا گیا۔ ابھی وزیراعظم کراچی میں ہی تھے اور کراچی اسٹاک کے انڈیکس کے بڑھنے کو اپنی کامیابی بتارہے تھے کہ صوبہ سندھ کے شہر شکارپور سے دہشتگردی کی خبر آگئی۔

صوبہ سندھ کے شہر شکارپور کے مرکزی علاقے لکھی در پر گنجان آبادی کے درمیان قائم مرکزی مسجد اور امام بارگاہ کربلا معلیٰ میں 150 کے قریب نمازی جمعہ کی ادائیگی کے لئے موجود تھے، امام بارگاہ کے خطیب کی جانب سے خطبہ ختم کرتے ہی ایک زوردار دھماکہ ہوا اور امام بارگاہ کی چھت زمین بوس ہو گئی جس کے نتیجے میں 60 افراد شہید ہو گئے جبکہ 50 سے زیادہ افراد زخمی ہوئے۔ انتظامیہ

کی نا اہلی اور ایمبولینسز کی عدم موجودگی ہلاکتوں میں اضافے کی وجہ بنی، سول اسپتال شکارپور میں سہولیات کے فقدان اور ماہر ڈاکٹروں سمیت دیگر عملے کی غیر موجودگی کے باعث زخمیوں کے ورثاء پریشانی کے عالم میں آہ و پکار کرتے رہے جس کے باعث تمام زخمیوں کو سول اسپتال شکارپور سے لاڑکانہ اور سکھر کی اسپتالوں میں منتقل کیا گیا جس سے بیشتر زخمی راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ ضلعی انتظامیہ کا کوئی بھی ذمہ دار افسر جائے وقوعہ پر نہیں پہنچا، نہ ہی تربیت یافتہ ریسکیو عملہ نظر آیا۔

سرکاری سطح پر کوئی خاص ہلچل نہیں مچی، حسب دستور وزیراعظم نے شکارپور دھماکے کی مذمت کرتے ہوئے حکام سے واقعے کی رپورٹ طلب کرلی اور پھر وہی گھسا پٹا بیان کہ ملک سے دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خاتمے کا عزم کر رکھا ہے اور دہشت گردی کے واقعات میں ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے شکارپور میں امام بارگارہ میں ہونے والے دھماکے کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے اور دھماکے کے نتیجے میں متعدد افراد کے جاں بحق اور زخمی ہونے پر دلی افسوس کا اظہار کیا ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے دہشت گرد حملے کی پر زور الفاظ میں مذمت کی۔ چونکہ شکارپور جانے سے وزیراعظم کو کوئی سیاسی فاہدہ نہ تھا لہٰذا شام کو وہ اپنی ٹیم کے ہمراہ اسلام آباد چلے گئے۔ جاتے جاتے وہ کراچی

آپریشن ٹیم کے کپتان قائم علی شاہ کی تعریف کر رہے تھے کہ کراچی آپریشن اُنکی وجہ سے
کامیاب جارہا ہے۔ اسکے بعد سانحہ شکارپور سے پاکستان کے تاجر سیاستدانوں کا کوئی لینا
دینا نہیں، کیونکہ اس سے کوئی سیاسی فاہدہ نہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ شکارپور میں شہید
ہونے والوں سے عمران خان، آصف زرداری، اسفندرولی یار، سراج الحق اور مولانا
فضل الرحمٰن کو کوئی ہمدردی نہیں۔ عمران خان کہہ رہے ہیں کہ پشاور کی دہشتگردی کی
وجہ سے معصوم پرویز خٹک کو کچھ نہ کہو تو پیپلز پارٹی کے خورشید شاہ بھی یہ ہی کہہ رہے
ہیں کہ شکارپور سانحہ کے ذمہ داری قائم علی شاہ پر نہیں آتی۔ بڑی ہی بدقسمت ہے
پاکستانی قوم جسکو یہ تاجر سیاستدان ملے ہیں۔

الطاف حسین اور عمران خان آمنے سامنے

کچھ عرصہ قبل میں نے ایک مضمون "ارض پاکستان کی گندی سیاست" میں لکھا تھا "اس ارض پاکستان میں سیاست ایک ایسی دنیا ہے جہاں لوگوں کی پگڑی اچھالنا ایک عام بات ہے۔اس میدان کے لوگ بڑے بے رحم، بڑے بے لحاظ اور منہ پھٹ ہیں، اس میدان میں وہ وہ اوچھے وار کیے جاتے ہیں کہ شاید جس کا تصور بھی نہ ہو، یہاں نہ عورت کا لحاظ ہے، نہ کسی کے مرتبے کا۔" گذشتہ چند سالوں سے پاکستانی سیاست میں جہاں دہشت گردی، ٹارگیٹ کلنگ، اسٹریٹ کرائم ، کرپشن اور لوٹ مار میں اضافہ ہوا ہے وہاں تہذیب کی جگہ بدتہذیبی میں اضافہ ہوا ہے۔

پاکستانی میڈیا پر ایک خبر نشر کی گئی جس کے مطابق سندھ ہائی کورٹ میں سانحہ بلدیہ فیکٹری از خود نوٹس کیس کے دوران رینجرز نے واقعے میں ملوث ایک ملزم کی تفتیشی رپورٹ عدالت میں پیش کردی جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ بلدیہ ٹاؤن فیکٹری میں 257 افراد کی ہلاکت کا واقعہ حادثہ نہیں بلکہ قتل تھا۔ رینجرز کی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ فیکٹری میں آگ بھتہ کے معاملے پر باقاعدہ منصوبہ بندی سے لگائی گئی جس میں ایک سیاسی جماعت ملوث ہے

۔ سیاسی جماعت سے مراد ایم کیو ایم تھا، اس خبر کے نشر ہونے کے بعد دوسرے سیاسی لیڈروں کے علاوہ پاکستان تحریک انصاف کی مرکزی سیکریٹری اطلاعات شیریں مزاری نے اپنے ایک بیان میں کہاکہ سانحہ بلدیہ ٹاؤن کے حوالے سے جے آئی ٹی رپورٹ میں کئے گئے انکشافات سے واضح ہوگیا ہے کہ ایم کیوایم ایک سیاسی قوت نہیں بلکہ مافیا ہے اور اس مافیاکے جلاوطن قائد کو پاکستان بلاکرمزدوروں کے قتل کا مقدمہ
چلایا جائے۔شریں مزاری کہنا تھا کہ بلدیہ ٹاؤن فیکٹری میں 257 افراد کا سفاکانہ قتل ایم کیوایم کی جانب سے بھتہ خوری کے لئے کی جانے والی وارداتوں میں سب سے ہولناک ہے۔

شریں مزاری کے اس بیان کے جواب میں متحدہ قومی موومنٹ کی رابطہ کمیٹی کے مختلف ارکان نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں کہا کہ بلدیہ ٹاؤن میں گارمنٹ فیکٹری میں آگ لگانے والے سفاک فرد کا خفیہ تعلق تحریک انصاف کی شیریں مزاری سے رہا ہے۔انہوں نے کہاکہ شیریں مزاری کے مشکوک کردار سے کون واقف نہیں ۔بات شاید ختم ہوجاتی لیکن حیدرآباد میں جشن صبح نوکے پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے جو گندی زبان ایم کیوایم کے قائد الطاف حسین نے پاکستان تحریک انصاف کی رہنما شریں مزاری اور پی ٹی آئی کی خواتین ورکر کے لیے استمال کی ہے اُس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، ابھی پاکستانی معاشرہ اتنی پستی میں نہیں پہنچا ہے کہ اس قسم کی گندی زبان کو قبول کرلے۔

سیاست

کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے جس میں اپنے بدترین مخالف کے لیے اسطرح کی زبان استمال نہیں کی جاتی اورجب ایک ایسا سیاستدان جو پاکستان کے سب سے بڑے اور پڑھے لکھے شہر کا لیڈر کہلاتا ہو وہ اسقدر گری ہوئی زبان استمال کرئے گا تو اس ملک کی سیاست کا اللہ مالک ہے۔ کچھ سال قبل جب عمران خان نے الطاف حسین کے خلاف برطانیہ میں کیس دائر کرنے کا اعلان کیا تھا تو ایم کیوایم نے عمران خان کے خلاف ایک امریکی عورت سیتا وائٹ سے ناجائز تعلق کا الزام لگایا اور عمران خان کے بارے میں کراچی میں وہ بیہودہ وال چاکنگ کروائی کہ خود ایم کیوایم کے ہمدرد بھی پڑھتے ہوئے شرماتے تھے۔

اس سے پہلے اسلام آباد میں پی ٹی آئی کے طویل ترین دھرنے کے دوران نواز شریف کی حمایت میں سرگرم مولانا فضل الرحمان بھی کچھ اسطرح کی بدتہذیبی کا مظاہرہ کرچکے ہیں، مولانا کا کہنا تھا کہ کچھ لوگ پاکستان میں مغربی تہذیب کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں، دھرنوں میں رات کو مجرے ہوتے ہیں لیکن اس کو بڑے فخریہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا کے اصل الفاظ تھے کہ " دھرنے دن میں ہوتے ہیں ، رات کو مجرئے ہوتے ہیں"۔ مولانا کے اس غیر اخلاقی جملے کو صرف چند منٹ ٹی وی اسکرین پر دکھایا گیا، اُس کے بعد اس بیان کو نہ ٹی وی اسکرین پر دیکھا گیا اور نہ ہی نیٹ پر آنے والے اخبارات میں، اس لیے کہ شاید میڈیا کو یہ احساس ہوا کہ یہ بیان گھروں میں دیکھا اور ،سنا جائے گا

لہٰذا اسکو نہ دکھایا جائے اور نہ ہی سنایا جائے۔

عمران خان کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ ایک بد تمیز سیاستدان ہیں، عمران خان جب پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان تھے تو ایک میچ کے دوران سینئر کھلاڑی ظہیر عباس جو اُس وقت بھی چشمہ کا استمال کرتے تھے اُن سے فیلڈنگ کرتے ہوئے ایک گیند چھوٹ گئی تو عمران خان نے بلند آواز میں ظہیر عباس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "اوُ اندھے تجھے باہر بھیجو کیا"۔ 2013ء کے الیکشن سے قبل نواز شریف نے باقاعدہ اس بات پر احتجاج کیا تھا کہ وہ عام طور پر جلسوں میں بلا اٹھا کر مجھے مارنے کی بات کرتے ہیں۔

اسلام آباد کے دھرنوں میں خطاب کے دوران وہ جس طرح کی زبان استمال کر رہے تھے اسکو سوائے اُنکے حامیوں کے کوئی پسند نہیں کرتا تھا، وہ کسی افسر کو دھمکی دے رہے ہوتے یا نواز شریف سے استعفی مانگ رہے ہوتے تو "اوئے" کا استمال بہت زیادہ کرتے، مثلا وہ کہتے تھے "اوئے نواز شریف میں تیرا استعفی لیے بغیر واپس نہیں جاونگا"۔ یہ ہی وجہ ہے کہ پی ٹی آئی کے ورکر جو زیادہ تر پڑھے لکھے ہیں عام طور پر سوشل میڈیا پر عمران خان کے مخالفین کے ساتھ سب سے زیادہ بد تمیزی کرتے ہیں۔

یقینا الطاف حسین اور ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کے ارکان کے اُن بیانات کی

جن میں میں پی ٹی آئی کی خواتین کے بارے میں نازیبا الفاظ استمال کیے گے ہیں حمایت نہیں جاسکتی لیکن اس کے ساتھ ہی عمران خان کے اُن بیانات کو بھی پسند نہیں کیا جاسکتا جس میں وہ الطاف حسین کو گیدڑ، پاگل اور دہشتگرد کے خطاب سے نواز رہے ہیں۔آج عمران خان الطاف حسین اور ایم کیو ایم کو یوں رؤ رہے ہیں کہ پی ٹی آئی کی خواتین کے ساتھ انھوں نے بہودہ الفاظ کا استمال کیاہے، تو پھر سوال یہ ہے کہ پی ٹی آئی کے دھرنے اور جلسوں میں پی ٹی آئی کے ورکروں کو میڈیا پرسن اور خاصکر خواتین ورکرز کے ساتھ بد تمیزی کرنے کا حق کس نے دیا تھا؟ عمران خان کی لڑائی جیو نیوز اور جنگ گروپ سے ہے، وہاں کام کرنے والے چھوٹے ورکروں اور خاصکر خواتین سے نہیں لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہاہے کہ تحریک انصاف کے کارکن نہیں جانتے کہ اخلاقیات کس چڑیا کا نام ہے؟ خواتین کا احترام کیا ہوتاہے؟ تمیز کس بلا کو کہتے ہیں؟ اس پورے عرصے میں عمران خان کو کبھی خواتین کی عزت کا خیال نہیں آیا۔عمران خان کو معلوم ہونا چاہیے یہ پاکستانی سیاست ہے جو گندگی سے لتھڑی ہوئی ہے لہذا مخالف کے خلاف بولنے سے پہلے جواب کے بارے میں سوچ لینا چاہیے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستانی سیاست اسی طرح نفرت کے بیج بوتی رہے گی؟ کیا ملک کے حالات اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ بڑی سیاسی پارٹیوں کے رہنما بے صبری، عدم برداشت، بدتہذیبی کی پالیسی کو اپنالیں اور سیاسی

اختلاف کا جواب دلیل کے بجائے گالیوں سے دیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آج الطاف حسین اور عمران خان اپنی اپنی بدتہذیبی کے ساتھ آمنے سامنے ہیں۔ الطاف حسین اور عمران خان جب آپ اپنی زبانوں کو نہیں سنبھال سکتے تو ملک کو کیا خاک سنبھالیں گے؟۔

ابھی یہ مضمون ختم ہی ہوا تھا کہ میڈیا پر یہ خبر آگئی کہ الطاف حسین نے نہ صرف شریں مزاری سے بلکہ پی ٹی آئی کے دھرنے میں شامل تمام خواتین سے معافی مانگ لی، کیا یہ امید کی جاسکتی ہے کہ عمران خان بھی نہ صرف الطاف حسین سے اپنے کہے ہوئے الفاظ پر معذرت کرلیں اور اُن میڈیا ورکر خواتین سے معافی مانگ لیں جن کی دھرنے اور جلسوں کے دوران پی ٹی آئی کے ورکروں نے بے عزتی کی تھی۔ اگر ایسا ہوجائے تو یقینا سیاسی تناؤ میں کمی آئے گی۔

اسلام آباد اور دہلی کی جمہوریت میں فرق

بھارتی دارالحکومت نئی دہلی کی ریاستی اسمبلی میں عام آدمی پارٹی کے اروند کیجریوال نے وزارت اعلیٰ کا حلف اٹھالیا۔ وزیراعلیٰ کے ساتھ 6 رکنی کابینہ نے بھی حلف اٹھایا۔ ہزاروں افراد نے دہلی کے رام لیلا میدان میں اس تقریب کو براہ راست دیکھا۔ اس موقع پر بھارتی دارلحکومت دہلی کی سڑکوں پر جشن کا ماحول ہے ہر گلی اور ہر سڑک پر لوگ اپنی خواہش کے کامیاب ہوجانے پر جھوم رہے ہیں۔ یہ ان کا حق بھی ہے کہ وہ اس کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھیں اور کھل کر کامیابی کے اس جذبے سے لطف اندوز ہوں۔ مگر سیاسی شخصیات، گروپوں اور جماعتوں کے لئے تجزیہ کا وقت بھی ہے اور خاصکر ہم پاکستانیوں کو پاکستان کی سیاست کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کسطرح صرف 27 ماہ پہلے 26 نومبر 2012ء کو ایک عام آدمی اروند کیجریوال نے "عام آدمی پارٹی" کے نام سے ایک سیاسی پارٹی کی بنیاد رکھی اور صرف 27 ماہ کے مختصر عرصے میں پہلی مرتبہ 2013ء کے ریاستی الیکشن میں 70 میں سے 28 اوراب دوسری مرتبہ 70 میں سے 67 نشستیں جیت لیں۔ انڈین نیشنل کانگریس جس کی سیاسی عمر 120 برسوں سے تجاوز کرچکی ہے اور 15 سال سے اِس صوبے کی حکمران چلی آرہی تھی اسکا بالکل صفایا ہوگیا ہے۔ اِسی طرح بی جے پی جو 1980ء میں قائم ہوئی تھی صرف تین نشستیں حاصل کرسکی

ہے۔ جبکہ وزیراعظم نریندر مودی کی حکومت کو ابھی صرف نو ماہ ہوئے ہیں۔ مرکز اور دس سے زائد صوبوں میں حکومت پر قابض بی جے پی نے دہلی الیکشن میں اپنی پوری طاقت جھونک دی تھی، لیکن عام آدمی پارٹی کے مقابلے میں اسے تاریخ ساز شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

کیجریوال نے سرکاری کرپشن کے بارے میں جاننے کے بعد محکمۂ انکم ٹیکس میں ایک اعلیٰ افسر ہوتے ہوئے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا، وہ اَنا ہزارے کی کرپشن کے خلاف چلائی جانے والی تحریک میں شامل ہوئے اور سابق ہندوستانی وزیراعظم منموہن سنگھ سے مذاکرات کے بعد اُنھوں نے محسوس کیا کہ عوام کی حالت میں بنیادی تبدیلی سیاسی جماعت ہی لا سکتی ہے اور اسمبلیوں میں غریب اور درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والوں کا پہنچنا بہت ضروری ہے، چنانچہ اُنھوں نے 2012ء میں "عام آدمی پارٹی" بنائی، اُسے منظم کیا اور ایک سال بعد ہونے والے انتخابات میں حصہ لیا اور "جھاڑو" کا انتخابی نشان حاصل کیا۔ پہلی ہی مرتبہ میں کامیابی تو ملی لیکن آزادی نہیں کیونکہ کیجریوال کانگریس کی حمایت سے وزیراعلیٰ بنے تھے۔ کیجریوال نے جب اپنے اہداف کی راہ میں اپنے اقتدار کی شریک کار کانگریس کی کرپشن کے خلاف لوک پال بل میں رکاوٹیں دیکھیں تو اُنھوں نے صرف 49 دن حکومت کرنے کے بعد وزارت اعلیٰ سے استعفیٰ دیدیا۔ کیجریوال پر بہت تنقید ہوئی اور ان کے کئی ساتھی پارٹی چھوڑ

گئے۔ 2014ء کے انتخابات کے بعد جس میں "عام آدمی پارٹی" کے 414 امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوگیں تھیں بھارتی سیاسی تجزیہ نگاروں نے اپنے تجزیوں میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کیجریوال کا سیاسی کیریئر ختم ہوگیا ہے جبکہ کیجریوال نے عام آدمی کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑے رکھا۔اُس نے اپنے ناراض ووٹروں سے دہلی کی سرکار چھوڑنے پر معافی بھی مانگی اورایک مرتبہ پھر دہلی کی ریاستی اسمبلی کے الیکشن میں دوبارہ حصہ لینے کا اعلان کردیا۔

کیجریوال نے سستی بجلی، مفت پانی، نئے کالجز اور یونیورسٹی کا قیام، کچے مکانوں کو پکے مکانوں میں تبدیل کرنے، رشوت خوری ختم کرنے اور صاف شفاف سیاست کا وعدہ کیا ہے،۔ اس کیلئے عام آدمی نے عام آدمی پارٹی پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ عام آدمی پارٹی نے متوسط طبقے کے پڑھے لکھے لوگوں کو امیدوار بنایا اور جن وعدوں نے نوجوانوں کی توجہ حاصل کی ان میں اہم ترین وعدہ یہ تھا کہ تمام پبلک مقامات پر انٹرنیٹ کی سہولت وائی فائی سروس) مفت فراہم کی جائے گی اور دہلی کے مضافاتی علاقوں میں نئے کالج) بنائے جائیں گے۔ بجلی اور پانی کے بلوں پر سبسڈی دینے کا وعدہ بھی کیا گیا۔ ہر امیدوار سے یہ حلف لیا گیا کہ وہ منتخب ہونے کے بعد سرخ بتی والی کوئی گاڑی استعمال نہیں کرے گا۔ بلاضرورت سیکورٹی نہیں لے گا،بڑے بنگلے میں نہیں رہے گا اور کرپشن کے خلاف بل کی حمایت کرے گا۔ عام آدمی پارٹی کی طرف سے نہ ہی کوئی مذہبی نعرہ

لگایا گیا اور نہ ہی کسی انقلاب کی بات کی گئی، صرف لوگوں کے بنیادی مسائل پر بات کی گی اور یہ ہی اُسکی جیت کا راز ہے۔

بی جے پی جسکے بارے کہا جاتا تھا یہ پارٹی اقتدار کے لیے اپنے اصولوں سے دست بردار ہو ہی نہیں سکتی،اس کی قلعی دہلی اسمبلی کے انتخابات سے قبل ہی اتر چکی تھی۔ گجرات کے سابق وزیر اعلی نریندر مودی نے نو ماہ قبل بھارتی پارلیمینٹ کا الیکشن جیتنے کے بعد اور وزیر اعظم بننے کے بعد یہ سمجھ لیا تھا کہ اب شاید بی جے پی نا قابلِ شکست ہے۔ مودی انتخابات میں عوام سے کئے گئے وعدوں کو فراموش کرکے بھارت کو ہندو ریاست بنانے میں لگے تھے۔ بیرون ملک سے کالا دھن واپس لانے، مہنگائی کم کرنے، بدعنوانی کا سدباب کرنے، بے روزگاری ختم کرنے کے لئے ملازمت کے مواقع پیدا کرنے کے وعدے بھول چکے تھے۔اچھی حکومت، سب کی ترقی کا وعدہ کرنے والی بی جے پی سرکار ان وعدوں سے توجہ ہٹا کر لو جہاد، نفرت کی سیاست، اقلیتوں کو خوف زدہ کرنے اور بھارت کے بڑے سرمایہ داروں کو نوازنے میں لگی ہوئی تھی۔ دہلی اسمبلی الیکشن کے دوران ہی عیسائی عبادت گاہوں پر حملے ہوتے رہے، مسلمانوں کے خلاف بیان بازیاں ہوتی رہیں لیکن مودی حکومت مجرمانہ طور پر خاموش رہی۔

بھارت کی آزادی کے بعد سے بھارت کا سیاسی نظام بھارتی سیاستدان چلا رہے

ہیں جبکہ پاکستان اپنی آزادی کے بعد سے ابتک چار مرتبہ فوج کی حکمرانی میں رہا ہے، جسکی وجہ سے آجتک پاکستان میں سیاسی استحکام نہ آسکا ہے۔ بھارت میں سیاسی استحکام ہونے کی وجہ سے اُسکے مثبت نتائج میں سب سے پہلی چیز یہ ہوئی کہ انتخابات کے نتائج پر انگلی نہیں اٹھائی جاتی اور انتقالِ اقتدار اور نئی بننے والی حکومتیں بغیر کسی اختلاف یا تنازعے کے ریاستی انتظامات کو ہاتھ میں لیتی ہیں۔ پاکستان میں آجتک سوائے 1970ء کے ہر انتخاب کے پیچھے دھاندلی کے الزامات لگتے رہے ہیں۔ سیاسی استحکام نہ ہونے کی وجہ سے کبھی آئی جے آئی اور کبھی ایم ایم اے بنائی جاتی ہے، مسلم لیگ توائے سے زیڈ تک موجود ہیں، ایوب، ضیاء اور مشرف اپنی مرضی کے انتخابی نتائج بنواتے رہے اور نام نہاد مسلم لیگ کے ذریعے اقتدار پر قابض رہے اور اس جرم میں پاکستان کے تمام سیاسی رہنما اور سیاسی جماعتیں شامل ہیں۔ پاکستان میں سیاست ایک کاروبار ہے، باپ کے بعد بیٹا ہی سیاسی پارٹی کا رہنما ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی ایک عام آدمی پارٹی کی ضرورت ہے جو سیاست کو نہ تو مذہبی تجارت بنائے اور نہ ہی اپنی تجارت کو ترقی دینے کا ذریعہ، کسی انقلابی نعرے کے بھی ضرورت نہیں بس عوام کے ووٹ کی طاقت سے عوام کے مسائل حل کرے لیکن یہ تب ہی ہوگا جب انتخابات سو فیصد شفاف ہوں۔ پاکستان میں جب تک شفاف انتخابات کا نظام مستحکم نہیں ہوتا نہ ہی پاکستان ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی انتظامی اور سیاسی معاملات میں سے کرپشن کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں اگر کوئی

عام آدمی پارٹی وجود میں آبھی جائے تو اس کرپٹ انتخابی نظام میں اُسکا جیتنا مشکل ہی
نہیں ناممکن ہوگا اور یہ ہی فرق ہے اسلام آباد اور دہلی کی جمہوریت میں۔

سانحہ بلدیہ، پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کا مک مکا

نبیل گبول تو آج قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دینے کے بعد کہہ رہے ہیں کہ وہ ایم کیو ایم میں مِس فٹ تھے جبکہ سیاست کی تھوڑی سی سمجھ رکھنے والا پہلے دن سے یہ بات جانتا ہے کہ نبیل گبول کا ایم کیو ایم میں شامل ہونا اُنکی وقتی مجبوری تھا اور ایم کیو ایم کی وقتی ضرورت۔ شاید اب وہ وقت آگیا ہے کہ مجبوری ختم ہو گئی ہو اور ضرورت پوری ہو گئی ہو۔ قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ کے فوراً بعد نبیل گبول نے ایک ٹی وی پروگرام میں کہا کہ میں ایم کیو ایم سے بے وفائی نہیں کر رہا، الطاف حسین سے تعلقات تاریخی ہیں، بہت اچھے ہیں اور رہیں گے۔ ساتھ ہی اُنھوں نے ایم کیو ایم کو للکارا بھی اور کہا کہ میں قومی اسمبلی میں خاموش نہیں بیٹھ سکتا، بولنا چاہتا ہوں، میں جو کچھ کہتا ہوں اس پر قائم ہوں پیچھے ہٹنے والا نہیں، کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں کراچی سے بھاگوں گا۔ ایم کیو ایم پر سانحہ بلدیہ سے متعلق جو الزام لگا ہے اس کی تفتیش ہونی چاہیے، چاہتا ہوں کہ بلدیہ ٹاؤن فیکٹری میں جاں بحق افراد کے اہل خانہ کو انصاف ملے۔

پاکستان میں کوئی ایک بھی ایسی سیاسی جماعت نہیں ہے جس پر کوئی نہ کوئی الزام نہ ہو، کچھ جماعتوں پر یہ الزام ہے کہ وہ کرپشن میں ملوث ہیں تو کچھ

جماعتوں پر یہ الزام ہے کہ وہ دہشت گردوں کی ہمدرد ہیں، کراچی کی 85 فیصد نمایندگی کی دعویدار متحدہ قومی موومینٹ (ایم کیو ایم) پر تو اُس کی پیدائش کے وقت سے ہی الزامات لگتے رہے ہیں اور آج بھی ایم کیوایم پر ٹارگیٹ کلنگ اور بھتہ خوری کے الزامات سرفہرست ہیں، اس سے کوئی انکار نہیں کہ ایم کیو ایم ایک اسٹریٹ پاور سیاسی جماعت ہے لیکن دو کڑوڑ آبادی والے شہر کراچی میں ایم کیو ایم کی وجہ سے کراچی کے عوام کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح ایم کیو ایم کا بھی کوئی سیاسی لاحہ عمل نہیں ہے اور کسی بھی طرح کا سیاسی استقلال بھی نہیں ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ الزامات میں گھری رہتی ہے۔ یہ پہلے مہاجر قومی موومینٹ بنی اور بعد میں متحدہ قومی موومینٹ ، مہاجر سے متحدہ بنانے کی وجہ اپنے اوپر سے یہ چھاپ ختم کرنی تھی کہ یہ سیاسی جماعت صرف اردو بولنے والوں کی نمایندگی کرتی ہے۔ مہاجر سے متحدہ بننے کے بعد اس میں جہاں بہت سے دوسرے سیاسی لوگ شامل ہوئے اُن میں سے ایک نبیل گبول بھی تھے جو اب یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ ایم کیوایم پر سانحہ بلدیہ سے متعلق جو الزام لگا اس کی تفتیش ہونی چاہیے۔

الیکٹرانک میڈیا اور اخبارات کے مطابق سندھ ہائی کورٹ میں سانحہ بلدیہ فیکٹری از خود نوٹس کیس کے دوران رینجرز نے واقعے میں ملوث ایک ملزم رضوان قریشی کی تفتیشی رپورٹ عدالت میں پیش کردی جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے

آئی ہے کہ بلدیہ ٹاؤن فیکٹری میں 257 افراد کی ہلاکت کا واقعہ حادثہ نہیں بلکہ قتل تھا۔ رینجرز کی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ فیکٹری میں آگ بھتہ کے معاملے پر باقاعدہ منصوبہ بندی سے لگائی گئی جس میں ایک سیاسی جماعت (ایم کیو ایم) ملوث ہے۔ اگست 2012 میں پارٹی کے اعلی عہدیداران نے اپنے فرنٹ مین رحمان بھولا کے ذریعے فیکٹری انٹرپرائزز کے مالکان سے 20 کروڑ روپے بھتہ طلب کیا اور نہ دینے پر 11 ستمبر 2012 کو رحمان بھولا نے اپنے دیگر نامعلوم ساتھیوں کے ساتھ ملکر فیکٹری میں کیمیکل پھینک کر آگ لگا دی۔ ایک سابق وزیر نے فیکٹری ماکان کے خلاف مقدمہ درج کروایا جس پر فیکٹری مالکان نے سندھ ہائی کورٹ سے ضمانت کروائی تاہم اسی وزیر نے دباؤ ڈلوا کر ضمانت منسوخ کرادی۔ معاملے میں ایک سابق وزیراعظم نے مداخلت کی اور فیکٹری مالکان کی لاہور ہائی کورٹ سے ضمانت کروائی تاہم سندھ کے اعلیٰ حکام کے دباؤ پر سابق وزیراعظم معاملے سے پیچھے ہٹ گئے لیکن ساتھ ہی سابق وزیراعظم کے فرنٹ مین نے فیکٹری مالکان سے مقدمہ ختم کرانے کے لئے 15 کروڑ روپے وصول کرلیے۔

ایک طرف جے آئی ٹی رپورٹ آتی ہے جو ایم کیو ایم کو 257 افراد کے قتل میں ملوث کررہی ہے، تو دوسری طرف آصف زرداری اور الطاف حسین میں آٹھ ماہ بعد ٹیلیفونک رابطہ ہوتا ہے۔ دونوں رہنماؤں میں ہونے والی ٹیلیفونک گفتگو میں

مجوزہ سینیٹ الیکشن، سیاسی معاملات اور سندھ حکومت کے حوالے سے بات چیت ہوتی ہے جس کی اسمبلی میں گذشتہ چند ماہ سے ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی میں روز لڑائی ہو رہی تھی۔ دونوں رہنماؤں کے مابین سینیٹ کے الیکشن کے معاملات پر بھی تفصیلی اور مثبت پیش رفت ہوئی۔ نبیل گبول کی آئندہ پارٹی کون سی ہوگی؟آیا وہ اپنی پرانی جماعت پیپلز پارٹی میں واپس چلے جائیں گے جسے انہوں نے اپنے دو سیاسی حریفوں ڈاکٹر ذوالفقار مرزا اور عذیر بلوچ کی وجہ سے چھوڑا تھا یا پھر وہ عمران خان کی مسکراہٹ کا شکار ہو کر تحریک انصاف میں شامل ہو جائینگے۔ یہ توآنے وقت میں پتہ چل ہی جائے گا کہ نبیل گبول کہاں جاتے ہیں، لیکن اس وقت آصف زرداری کو ایم کیو ایم سے دو چیزوں کی ضرورت تھی پہلی سینٹ الیکشن میں مفاہمت اور دوسرے شاید ذوالفقار مرزا کی کھلی بغاوت اور عذیر بلوچ کی گرفتاری کے باعث پیپلز پارٹی میں نبیل گبول کی واپسی تاکہ لیاری پر پیپلز پارٹی کا قبضہ جاری رہے۔

فیکٹری میں کیمیکل پھینک کر آگ لگانے کا واقعہ 2012ء کا ہے، 2013ء میں تفتیش ہوتی ہے ایک سال کے بعد ایک شخص کو گرفتار کیا جاتا ہے اور اور ایک سال کے بعد یہ جے آئی ٹی رپورٹ آتی ہے۔ سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ اگر اس معاملے میں ایم کیو ایم شامل ہے تو پیپلز پارٹی بھی برابر کی مجرم ہے، اس واقعے کے وقت مرکز اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت تھی اور اس وقت کے

وزیراعظم بھی اس میں ملوث تھے جن کے فرنٹ مین نے 15 کروڑ روپے وصول کیے۔
پیپلز پارٹی کی طرف سے ایم کیو ایم کے اوپر پریشر تھا کہ وہ حکومت میں واپس آجائیں، سندھ کی ناکام صوبائی حکومت نے یہ ایک قسم کی تلوار رکھی ہوئی تھی کہ آپ واپس آجائیں مل کر چلیں گے۔ اب جبکہ متحدہ قومی مومنٹ نے سندھ حکومت میں شمولیت کی آمادگی ظاہر کر دی ہے اس حوالے سے ایم کیو ایم رہنما فیصل سبزواری کا کہنا تھا آصف علی زرداری نے الطاف حسین سے ٹیلی فون پر گفتگو کی اور رحمان ملک بھی ایم کیو ایم کے مختلف رہنماؤں سے ملاقاتیں کرتے رہے ہیں تاکہ سینیٹ انتخابات کے حوالے سے ایم کیو ایم اور پیپلزپارٹی کے درمیان ایک افہام تفہیم ہو۔ فیصل سبزواری سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا حکومت اور ایم کیو ایم میں پھر کوئی مک مکا ہوا ہے جس کی بناپر آپ دوبارہ حکومت میں جارہے ہیں اور یہ جو رپورٹ ہے اس کو دبایا جارہا ہے؟ اس بارے میں فیصل سبزواری کا کہنا تھا کہ پیپلزپارٹی سے مک مکا نہیں ہوا ہے۔
آپریشن ضرب عضب اس لیے شروع کیا گیا کہ دہشت گردی کا خاتمہ کیا جاسکے جبکہ آرمی چیف اور وزیراعظم نے سانحہ بلدیہ کے معاملے پر بھی خاص توجہ دی ہے۔ کراچی آپریشن جس کے کپتان وزیراعلی سندھ ہیں اور جن پر حال ہی میں وزیراعظم نواز شریف اور عسکری قیادت عدم اعتماد کا اظہار کرچکی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ پاک فوج اور مرکزی حکومت ملکر یہ آپریشن کریں اور سندھ حکومت

کو اس آپریشن سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ایک قاتل کے اعترافات جس نے الزام عائد کیا کہ بلدیہ ٹاؤن فیکٹری کا سانحہ ایم کیو ایم کی کارستانی تھی تاکہ فیکٹری مالکان کو بھتہ نہ دینے پر سبق سکھایا جاسکے۔ اور جس نے ایم کیو ایم سے وابستگی کا دعوی بھی کیا (جسے ایم کیو ایم نے مسترد کیا)۔ لیکن جے آئی ٹی کی رپورٹ آنے کے بعد ایم کیو ایم کا رد عمل جلسے جلوس اور خاصکر حیدرآباد میں جشن صبح نو کے پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے الطاف حسین نے پاکستان تحریک انصاف کی رہنما شریں مزاری اور پی ٹی آئی کی خواتین ورکر کے لیے جو زبان استمال کی اور بعد میں معافی مانگ لی ایک چیز ضرور ظاہر ہوتی ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے اور یہ ہی سبب ہے پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے درمیان مک مکا ہوا۔ باقی رہی 257 انسانوں کے قاتلوں کو سزا کی بات تو بس اُن 257 مظلوموں کے خاندانوں کے لیے میں اور آپ صرف دعا ہی کر سکتے ہیں، اس سے پہلے بھی جے آئی ٹی رپورٹ آتی رہی ہیں کیا کسی کو انصاف ملا؟۔م

لولی پاپ سے کشکول نہیں ٹوٹا کرتے

لولی پاپ کا نام تو سنا ہوگا آپ نے اور مطلب بھی جانتے ہونگے، جب آپ مزے سے لولی پاپ چوس رہے ہوتے ہیں تو یقیناً کبھی یہ نہیں سوچتے کہ لولی پاپ کو ختم کرنے کیلئے کتنی دفعہ چوسنا ضروری ہے مگر امریکی سائنسدانوں نے اس بات کو بہت سنجیدگی سے لیا ہے اور ایک پیچیدہ تحقیق کے بعد بالآخر معلوم کرلیا ہے کہ ایک لولی پاپ کو ختم کرنے کیلئے اوسطاً کتنی مرتبہ چوسنا پڑے گا۔ سائنسدانوں نے نہایت پیچیدہ ریاضیاتی ماڈل کے ذریعے معلوم کیا ہے کہ لولی پاپ کو ختم کرنے کیلئے اوسطاً ایک ہزار مرتبہ اُسکو چوسنا پڑتا ہے۔

یوں سمجھ لیں کہ ایک بچہ رو رہا ہے اور آپ اسکو بہلانا چاہتے ہیں تو اُسکو لولی پاپ دے دیتے ہیں، بچہ لولی پاپ چوسنے لگتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ وہ کیوں رویا تھا۔

ہمارے ملک میں مسائل ہی مسائل ہیں اور عام آدمی پریشان ہیں ایسے میں ہمارے سیاستدان عوام سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں اور عوام یہ سوچ کر سیاستدانوں کے جھوٹے وعدوں پر یقین کرلیتے ہیں کہ جلد ہی اُنکی مشکلات ختم ہوجائینگیں۔ سیاستدانوں کے ان جھوٹے وعدوں کو آپ لولی پاپ بھی کہہ سکتے ہیں۔ جھوٹے وعدے یا لولی پاپ جو ہمارے سیاستدان بڑی کثرت سے عوام

میں تقسیم کرتے ہیں اور موجودہ وزیر اعظم تو چونکہ ایک تاجر بھی ہیں لہٰذا ابھی تک اُن سے بہتر عوام کو لولی پاپ کوئی نہیں دے سکا، آجکل وہ ملک سے دہشت گردی اور کراچی میں امن قائم کرنے کی لولی پاپ بغیر ناغہ بانٹ رہے ہیں۔

انتخابات سے پہلے نواز شریف، اُنکے بھائی شہباز شریف اور پوری مسلم لیگ (ن) کے لیڈر کورس کے انداز میں عوامکے مسائل کا رونا رو رہے تھے اور عوام کو تمام مسائل حل کرنے کے وعدے کی لولی پاپ بانٹ رہے تھے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں مسائل کا انبار لگا ہوا ہے، دہشت گردی، کرپشن، توانائی کی کمی، امن وامان، اسٹریٹ کرائم، تعلیم پر عدم توجہ، ساٹھ فیصد سے زیادہ عوامغربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذار رہے ہیں، بے شمار اور بھی دوسرے مسائل ہیں جن میں ایک بڑا مسئلہ ہے غیر ملکی قرضوں کا۔ نواز شریف نے اپنے گذشتہ دور میں بھی کشکول توڑنے کا نعرہ لگایا تھا، مئی 2013ء کے انتخابات کے وقت اور اُسکے بعد بھی وہ کشکول توڑنے کا نعرہ لگاتے رہے، تازہ ترین تین سال میں کشکول توڑنے کا وعدہ وزیر اعظم نے چنیوٹ میں لوہے، تانبے اور سونے کے وسیع ذخائر کی دریافت پر کیا ہے، جبکہ پنجاب کے وزیراعلیٰ اور نواز شریف کے چھوٹے بھائی شہباز شریف نے قوم کو لولی پاپ دیتے ہوئے فرمایا کہ ملکی لوہے سے بنائی جانے والی اسٹیل مل قوم کی تقدیر بدل دے گی، شہباز شریف جذباتی انسان ہیں اس

لیے بھول گئے کہ اس سے پہلے کراچی میں قائم اسٹیل مل بھی قوم کی تقدیر تو کیا بدلتی کرپشن کی وجہ سے قوم پر ایک بوجھ بنی ہوئی ہے۔

چنیوٹ میں قدرتی معدنی وسائل کی دریافت بہت بڑی خوش خبری ہے، معدنی دولت سے مالامال صوبہ بلوچستان کے ریکوڈک ذخائر میں 12.3 ملین ٹن تانبا اور 0.9 ملین اونس سونا ریت تلے دبا ہوا ہے جو ایران اور چلی میں واقع تانبے اور سونے کے ذخائر سے بھی زیادہ ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ریکوڈک کا ذخیرہ حکومتی نااہلی کا شکار بن چکا ہے۔ کالاباغ میں درجہ دوم خام لوہا ہے تو سوات میں درجہ اول کے ذخائر ہیں، اسی طرح سندھ میں گیس اور آئل کے خزینے موجود ہیں۔ تھر میں کوئلے کا انبار لگا ہوا ہے، ہزاروں میگا واٹ بجلی پیدا کرنے کے منصوبے کا افتتاح ہو چکا ہے، اس افتتاحی تقریب میں وزیر اعظم کے علاوہ سابق صدر آصف زرداری بھی موجود تھے۔ ہمارے پاس سعودی عرب کے تیل کے ذخائر سے تقریبا تین گنا زیادہ توانائی موجود ہے جسے استعمال کرنا وقت کا تقاضہ ہے جو پاکستان کو آٹھ سو سال تک پچاس ہزار میگاواٹ بجلی فراہم کرسکتا ہے۔

نواز شریف یہ تو کہہ رہے ہیں کہ کشکول توڑ دینگے لیکن ہو اُسکے برعکس رہا ہے، الیکشن کے وقت نواز شریف کشکول توڑنے کا وعدہ کر رہے تھے لیکن اقتدار

میں آنے کے بعد نواز شریف کی حکومت نے نہ تو کشکول توڑا اور نہ ہی عوام کو کسی قسم کی سہولت دی بلکہ عوام کی مشکلات میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ نواز شریف کی حکومت میں اقتدار یا تو اُنکے خاندان میں بٹا ہوا ہے یا صرف چند قریبی دوستوں میں، وزیر خزانہ اسحاق ڈار جو اُنکے کے سمدھی بھی ہیں پیشے کے حساب سے ایک چیف اکاونٹنٹ ہیں، نواز شریف کے گذشتہ دور میں بھی وہ ایک ناکام وزیر خزانہ رہ چکے ہیں، لیکن ان کی تعریف یہ ہے کہ وہ کشکول کا سائز بڑا کرنے میں ماہر ہیں۔ اس مرتبہ بھی نواز لیگ نے اقتدار میں آتے ہی آئی ایم ایف کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ایک طویل مذاکرات کے بعد آئی ایم ایف پاکستان کو مزید 6.6 ارب ڈالر کا قرضہ دینے پر رضامند ہوا ہے۔ یہ قرضہ پہلے سے زیادہ شرح سود پر اور زیادہ سخت شرائط پر پاکستان کو دیا جا رہا ہے، جس میں اولین شرط ریاستی اخراجات اور ذمہ داریوں میں کمی ہے۔ یعنی حکومت عوام کو دیجانے والی سبسڈیز کا مکمل خاتمہ کرے اور ریاستی اداروں کی نجکاری کے عمل کو تیز تر کرے۔

سال 2008ء میں ہر پاکستانی شہری 37000 روپے کا مقروض تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک اس رقم میں 64000 روپے سے زیادہ کا اضافہ ہوچکا ہے اور ہر پاکستانی ایک لاکھ روپے سے زیادہ کا مقروض ہے۔ پیپلز پارٹی اپنے پانچ سالہ دور میں 34 ارب ڈالر سے قرض کو بڑھا کر 66 ارب ڈالر پر لے آئی تھی، نواز حکومت نے اُس

میں تیزی سے اضافہ کیا اور پاکستانی ریاست اس وقت تقریبا 80 ارب ڈالر کے بیرونی قرضوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اگر اندرونی قرضوں کو بھی شامل کیا جائے تو پاکستانی ریاست کے کل قرضے 120 ارب ڈالر سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ کشکول توڑنے کا لولی پاپ دینے والی مسلم لیگ (ن) کی حکومت جس حساب سے کشکول کا سائز بڑا کرتی جا رہی ہے لگتا ہے یہ بیرونی قرض کے ہندسے کو جلد ہی 100 ارب ڈالر تک پہنچا دے گی۔ گذشتہ سال صدر مملکت ممنون حسین کا کہنا تھا ابھی یہ حکومت تین سال اور قرضے کے لیے کشکول لیکر پھرے گی، ساتھ ہی صدر کا کہنا تھا کہ "قرضے ہمارے لئے افیون کا نشہ بن چکے ہیں۔ اس افیون کی عادت ختم کرنے کے لئے مزید افیون کھانا پڑ رہی ہے"۔ کیا نصیب پایا ہے اس بدنصیب پاکستانی قوم نے کہ اُسکا صدر قوم کو بتاتا ہے ہم افیون کے عادی ہیں اور افیون کھانے والے کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کبھی بھی افیون کھانا نہیں چھوڑتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسی امید یا حکومت کا ایسا کوئی اقدام نظر آتا ہے کہ ہم امید کریں کہ کشکول ٹوٹ جائے گا، صرف کسی جلسے میں کھڑے ہو کر اعلان کرنے سے کشکول نہیں ٹوٹا کرتے۔ پاکستان میں سیاست کے نام پر چند خاندان حکومت کر رہے ہیں جو اپنے مالی وسائل میں اضافے اور قومی وسائل کی لوٹ مار میں غرق رہتے ہیں۔ یہ ہی حکمراں اس کشکول میں پڑی ہوئی

بھیک کو اپنا حق سمجھ کر لوٹ لیتے ہیں اور عوام کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پاکستان کے ان علی بابا چالیس چوروں نے پچاس ارب ڈالر سے زائد کی قومی دولت غیر ملکی بینکوں میں جمع کروا رکھی ہے۔پاکستان کی ساٹھ فیصد سے زیادہ آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے، جن کی روزانہ کی آمدنی دو سو روپے یا اُس سے کم ہے۔ملک کی اکثریت کو پینے کا صاف پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہسپتالوں کے بستر ان مریضوں سے بھرے رہتے ہیں جو یہ پانی استمال کرتے ہیں۔ بچوں کی ایک بڑی اکثریت تعلیم سے محروم ہے۔ غیر ملکی قرضے یا بھیک ابھی تک پاکستانی عوام کی مشکلات بڑھاتے رہے ہیں، یہ عام آدمی کے کسی کام کے نہیں اور اس کے نتیجے میں آنے والی نسلیں بھی مشکلات کا شکار ہونگیں ۔ پاکستان بنیادی طور پر جن عالمی مالیاتی اداروں کا مقروض ہے اُنکا ہمیشہ سے مطالبہ غریب کش اور امرا نواز پالیسیوں کا نفاذ رہا ہے۔

اگر حکمراں چاہیں تو اپنے اثاثے بڑھانے کی جگہ پاکستان اور پاکستانی عوام کے لیے سوچیں تو کشکول ٹوٹ سکتا ہے۔پاکستان بلاشبہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے اور اس سے ملک میں نہ صرف معاشی انقلاب لایا جاسکتا ہے بلکہ کشکول بھی توڑا جاسکتا ہے، لیکن یہ اُس وقت ہی ممکن ہوسکے گا جب انفراسٹرکچر مضبوط ہو اور سرکاری اداروں میں کرپشن کا مکمل خاتمہ ہو، یہ کام صرف نیک نیتی اور سچی لگن سے ہی کیے جا سکتے ہیں۔اسکے لیے ملک کے تمام وسائل کو استمال کیا

جائے، صرف ٹیکس کا نظام ٹھیک کرلیا جائے تو شاید آئی ایم ایف کے پاس جانے کی ضرورت نہ پڑے مگر جہاں اسمبلی کے ممبران اور حکمران ہی ٹیکس ادا نہ کرتے ہوں وہاں یہ سب دیوانے کی بڑ ہے۔ ہر پاکستانی چاہتا ہے کہ ہم اپنے ملک میں موجود معدنی ذخائر سے فائدہ اٹھایں، کشکول کا خاتمہ کریں تاکہ ملک میں خوشحالی ہو اور ہر پاکستانی زندگی کا لطف اٹھاسکے۔ نواز شریف اگر سیاسی نعرہ بازی کے طور پر کشکول توڑنے کی بات کررہے ہیں تو یہ بات وہ پہلے بھی کرچکے ہیں، اُن کا یہ نعرہ پہلے بھی پاکستانی عوام کے لیے ایک لولی پاپ تھا اور اب جب دوبارہ کشکول توڑنے کا کہہ رہے ہیں تو بھی یہ عوام کے لیے ایک لولی پاپ ہے لیکن اب ایک فرق ہے کہ پہلے عوام اُنکے لولی پاپ کو چوسا کرتے تھے لیکن اب تھوک دیتے ہیں کیونکہ عوام جان گئے ہیں کہ لولی پاپ سے کشکول نہیں ٹوٹا کرتے۔

کہیں دہشگرد ناراض نہ ہوجائیں

ملک میں دہشتگردی کا کتنا بھی بڑا واقعہ ہوجائے آج کی سیاست میں سب سے پہلے منافقت کا یہ سبق یاد رکھا جاتا ہے کہ کہیں ہمارے سیاسی بیان سے، ہمارے لکھنے سے یا میڈیا پر کچھ کہہ دینے سے دہشتگردوں کا کوئی گروہ ناراض نہ ہوجائے۔ سولہ دسمبر کے سانحہ پشاور کے فورا بعد ہمارے سیاستداں نواز شریف، عمران خان، مولانا فضل الرحمان، سراج الحق اور دوسرے کے ساتھ ساتھ لال مسجد کا دہشتگرد مولانا عبدالعزیز سانحہ پر افسوس کر رہے تھے۔ ایک ٹی وی چینل کا بھانڈ نما مسخرا سہیل احمد عرف عزیزی اور اُسکا ساتھی لنگر جنید سلیم جو ایک دن پہلے تک طالبان اور دیگر مذہبی جنونیوں کو ناراض بچہ کہتے تھے اُس رات انتہائی جعلی قسم کے تاثرات کے ساتھ پشاور کے شہید بچوں کے لیے غمزدہ شاعری سنا رہے تھے، ان مسخروں کے علاوہ طالبان اور نواز شریف کے دستر خوان سے راتب لینے والے انصار عباسی، اوریا مقبول جان، ڈاکٹر شاہد مسعود، شاہین صہبائی، جاوید چوہدری، اور عطاالحق قاسمی اپنی پوری منافقت کا مظاہرہ کر رہے تھے اور پشاور سانحہ کی مذمت کر رہے تھے۔ یہ سارے منافق مگرمچھ کی طرح آنسوں بہا رہے تھے لیکن اشارے کنارے سے طالبان دہشتگردوں کے حق میں تاولیں بھی دئے رہے تھے، یہ عام لوگوں کے جذبات کی آگ ٹھنڈی ہونے کے انتظار میں تھے تاکہ ملنے والے

راتب کا حق ادا کر سکیں اور اب یہ ایسا ہی کر رہے ہیں۔

پشاور میں دہشتگردوں نے 132 ماوں کی گودیں اجاڑ دیں اور 16 گھرانوں کے بچے اپنی ماوں یا باپ سے محروم ہوگئے۔ صرف چار دن بعد اپنے جمعہ کے خطبے میں لال مسجد کے دہشتگرد مولانا عبدالعزیز کا کہنا تھا کہ تحریک طالبان نے فضائی حملوں کے جواب میں 132 بچوں کو قتل کیا، طالبان کا یہ اقدام قابل فہم ہے، حکمراں جیسا کریں گے اس کا رد عمل بھی ویسا ہی ہوگا، آپریشن ضرب عضب غیر شرعی ہے۔ مولانا عبدالعزیز کی پشاور کے واقعے کے بعد بھی دہشتگردوں کی کھلی حمایت کرنے پر اسلام آباد کی سول سوسائٹی نے لال مسجد کے سامنے مظاہرہ کیا اور مولانا عبدالعزیز کی گرفتاری کا مطالبہ بھی کیا، جواب میں لال مسجد کے اس دہشتگرد نے مظاہرین پر حملے کی دھمکی دی۔ سول سوسائٹی کے مسلسل مظاہرے اور اُنکی ایف آئی آر درج ہونے کی وجہ سے اسلام آباد کی ایک عدالت نے مولانا عبدالعزیز کے نا قابل ضمانت وارنٹ جاری کردیے ہیں جن پر آجتک عمل نہیں کیا گیا، تاہم مولانا عبدالعزیز کا تو یہ کہنا تھا کہ وہ نہ تو گرفتاری دیگااور نہ ہی ضمانت کرائے گا، ساتھ ہی اُس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے نا قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری مسترد کرتا ہے۔

سول سوسائٹی نے مولانا عبدالعزیز کی گرفتاری کے لیے تھانہ آب پارہ کے سامنے

مظاہرہ کیا۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ عدالت سے مولانا عبدالعزیز کے نا قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری ہونے کے باوجود پولیس انہیں کیوں گرفتار نہیں کر رہی۔

مظاہرین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ مولانا عبدالعزیز کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کرنے والے جج کی سیکیورٹی کے لیے بھی اقدامات کیے جائیں۔ جواب میں شہداء فائونڈیشن آف پاکستان (لال مسجد) نے سول سوسائٹی کی جانب سے مولانا عبدالعزیز کے خلاف مظاہرے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہاہے کہ مولانا عبدالعزیز نے سانحہ پشاور کے بعد جو بھی موقف دیا وہ حقائق کے عین مطابق ہے، آئندہ لال مسجداور مولانا عبدالعزیز کے خلاف کسی بھی اشتعال انگیزی کو قبول نہیں کیاجائے گا، نام نہاد سول سوسائٹی کو لگام نہ دی گئی تواینٹ کا جواب پتھر سے دیاجائے گا۔

کیاوجہ ہے کہ مولانا عبدالعزیز جو نہ صرف دہشتگردوں کا حامی ہے بلکہ خود بھی ایک دہشتگرد ہے سرعام ملک کے قانون کی دھجیاں اڑاتا ہے، وہ ملک کے آئین کو ماننے سے انکار کرتا ہے، عام لوگوں کو وہ اور اُسکے ساتھی دھمکیاں دیتے ہیں کیوں گرفتار نہیں کیا جاتا۔ وجہ سیدھی سیدھی یہ ہے کہ حکمران خود دہشتگردوں کے حامی بھی ہیں اور اُن سے ڈرتے بھی ہیں۔ کیامیڈیاکے لفافے لینے والے صحافیوں میں سے کسی میں یہ ہمت ہے کہ وہ لوگوں میں شہباز شریف کا وہ بیان دہرا سکے کہ "طالبان ہم پر حملے نہ کریں وہ ہمارے بھائی ہیں" یا

پھر عمران خان کے "طالبان کو دفتر کھول کر دینے اور مذاکرات کے سوا کوئی حل نہیں ہے" کی بات کیوں نہیں دہرائی جارہی ہے۔

سانحہ پشاور پر وزیراعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ ایک باپ ہونے کے ناطے اُنہیں احساس ہے کہ والدین اپنے بچوں کی سلامتی کی دعائیں مانگتے ہیں، والدین کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ اپنے بچوں کے جنازے کو کندھا دینا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ 6 سال کی بچی خولہ میری بیٹی تھی جو ٹیسٹ دینے گئی اور واپس نہیں آئی، حذیفہ بھی میرا بیٹا تھا جو ناشتے کے بغیر گھر سے نکلا اور واپس نہیں آیا، پوری دنیا بچوں کے والدین کے غم میں برابر کی شریک ہے، دہشت گردوں نے قوم کے معصوم بچوں کونشانہ بنا کر ہمارے مستقبل کے سینے میں خنجر گھونپا ہے، ہم اپنے معصوم بچوں کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دینگے۔ لیکن اکیس دسمبر کو وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے جو پریس کانفرنس منعقد کی اسکو دیکھ کر ایسا محسوس ہورہا تھا کہ یہ پریس کانفرنس سانحہ پشاور کے بارے میں نہیں بلکہ مدرسوں اور لال مسجد کے دہشتگرد مولانا عبدالعزیز کے دفاع کے لیے کی گئی تھی۔ افسوس ناک اور مضحکہ خیز بات یہ کہنا ہے کہ مدرسوں کا دہشت گردی سے تو تعلق نہیں البتہ کچھ دوسرے عوامل ضرور موجود ہیں جن میں بیرونی فنڈنگ شامل ہے۔ گویا بیرونی فنڈنگ کی تحقیق کرنا ضروری نہیں، ملک کے وزیر داخلہ کا معذرت خواہانہ اور جانبدارانہ لہجے میں

پریس کانفرنس کرنا حکومت کی کھلی بزدلی کا ثبوت ہے جبکہ پیپلزپارٹی کے رہنما سینیٹر اعتزاز احسن کا کہنا تھا کہ سی ڈی اے کی مسجد میں تحریک طالبان پاکستان کا ہمدرد بیٹھا ہے، سی ڈی اے کا ملازم مولانا عبدالعزیز بچوں پر حملے کا جواز پیش کرتا ہے، آپ اسے روک نہیں سکتے تو کون سی جنگ لڑیں گے۔

حکومت کی کمزوری دیکھ کر ہی لال مسجد کا یہ شقی القلب دہشتگرد جو طالبان دہشت گردوں کی نمایندگی تو کر ہی رہا تھا اب ملک کے دارلخلافہ میں بیٹھ کر نہ صرف طالبان بلکہ داعش کے ایجنٹ کے فرایض انجام دئے رہا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالعزیز نے اپنے ایک اخباری انٹرویو میں کھل کر داعش کی حمایت کی ہے، مولانا کا کہنا تھا کہ "عنقریب داعش پوری دنیا پر فتح کے جھنڈے لہرائے گی"۔ اگر نواز شریف واقعی معصوم بچوں کے خون کو رایگاں نہیں جانے دینا چاہتے تھے تو سب سے پہلے لال مسجد سے دہشتگردوں کا خاتمہ کرتے اور اسلام آباد کے سب سے بڑے دہشتگرد مولانا عبدالعزیز کو گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دلواتے لیکن اُنکے وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے واشنگٹن میں اپنے تین روزہ دورہ امریکا کے اختتام پر صحافیوں سے بات چیت کے دوران کہا کہ اسلام آباد کی لال مسجد کے امام مولانا عبدالعزیز نے پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر سولہ دسمبر کے دہشت گرد حملے کے دفاع پر تحریری معذرت پولیس کے سامنے جمع کرائی ہے۔ انہوں نے مزید کہا " اگر ہم انہیں گرفتار کرتے ہیں اور

اس کے نتیجے میں کوئی اور المناک سانحہ پیش آجاتا ہے تو اس کے بہت منفی نتائج مرتب ہوں گے، تو میرا ماننا ہے کہ ہمیں اپنے اقدامات کا تسلسل برقرار رکھنا چاہئے"۔

وزیر داخلہ کے بیان کے جواب میں شہداء فاونڈیشن لال مسجد کے ترجمان حافظ احتشام احمد نے کہا ہے کہ لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز نے پشاور حملے کے بعد اپنے بیان پر کسی بھی قسم کا تحریری معافی نامہ نہیں جمع کروایا تاہم ان کا کہنا ہے کہ مولانا عبدالعزیز حملے کے اگلے ہی روز نجی ٹی وی پر اپنے بیان پر ان لوگوں سے معافی بھی مانگی جن کی اس بیان پر دل آزاری ہوئی۔ بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ ہماری سیاسی قیادت میں یہ سکت ہی نہیں کہ وہ دہشتگردوں سے مقابلہ کر سکے یہ ہی وجہ ہے پاکستانی وزیر داخلہ نے واشنگٹن میں نہ صرف مولانا عبدالعزیز کی گرفتاری سے متعلق جھوٹ بولا اور اپنی حکومتی بزدلی کو یہ کہہ کر چھپانے کی کوشش کی مولانا عبدالعزیز کی گرفتاری کے نتیجے میں کوئی اور المناک سانحہ پیش آسکتا ہے، گویا کسی بھی دہشتگرد یا اسکی حمایت کرنے والے کو کچھ نہ کہا جائے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ پشاور سانحہ کے بعد بھی دہشتگردی ہو رہی ہے، شکار پور کی امام بارگاہ میں دھماکے سے 63 افراد، لاہور پولیس لائنز دھماکے میں آٹھ افراد جبکہ راولپنڈی میں چٹیاں ہٹیاں کے امام بارگاہ میں دھماکے سے سات لوگ مارے گئے، کیا مولانا عبدالعزیز کی

گرفتاری سے اس زیادہ کچھ ہوتا۔

دوستوں بدقسمتی سے پاکستان کے سیاستدان ملک کے لیے بعد میں اور اپنے لیے پہلے سوچتے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ ملک میں دہشتگردی اور بیرونی ملکوں کی سازشوں میں اضافہ ہوا ہے، پاکستان کے عوام جانتے ہیں کہ آپریشن ضرب عضب کا فیصلہ عسکری قیادت کا ہے جسے بحالت مجبوری نواز شریف اور دوسرے طالبان کے ہمدردوں نے تسلیم کیا تھا۔ غلطیاں سب سے ہوئی ہیں، سارے جنرل اچھے نہیں ہیں تو سارے جنرل برے بھی نہیں ہیں، باقی ایک عام فوجی تو شہادت کی تمنا لیکر فوج میں آتا ہے، ہم شکر ادا کریں کہ ایک پیشہ ور فوج ہمارے ملک میں موجود ہے ورنہ عرب ملکوں کا حال ہمارے سامنے ہے۔ اللہ تعالی سے دعا کریں کہ آپریشن ضرب عضب جلد از جلد کامیابی سے ہمکنار ہو اور پاکستان ایک پرسکون ملک بن جائے، آمین۔

کرکٹ ورلڈ کپ اور پاکستانی میڈیا

ماضی قریب میں پاکستان کو ایک مہذب اور پر امن ملک کے طور پر متعارف کرانے میں کھیلوں کا کردار بہت اہم رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ اسکوش اور ہاکی پر ہمارا راج تھا، کرکٹ کے ورلڈ کپ ہم زیادہ تو نہیں جیت پائے لیکن بہر حال پاکستانی کرکٹ ٹیم کو دنیا کی اچھی ٹیموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ جب سے پاکستانی معاشرے میں کرپشن، سفارش اور دوسری برائیوں میں اضافہ ہوا ہے اور سارے پاکستانی معاشرے پر اسکا برا اثر پڑا ہے وہاں کھیل بھی ان برائیوں سے نہ بچ سکے۔ مسلسل پندرہ سال سے زیادہ عرصے پاکستان اسکواش کا عالمی چیمپئن تھا، پھر آہستہ آہستہ ہم زوال پذیر ہوتے چلے گئے اور آج صورتحال یہ ہے کہ شاید ہماری نئی نسل اسکوایش کے چیمپین جہانگیر خان اور جہاں شیر خان سے واقف بھی نہ ہو، ہاکی کے کھیل میں ہمارے پاس مایہ ناز کھلاڑی موجود تھے، پاکستان وہ ملک ہے جس نے ہاکی کی چیمپئنز ٹرافی کی بنیاد 1978ء میں رکھی تھی، ایک وقت تھا جب ہاکی کے سارے اعزاز ہمارے پاس تھے۔ دنیا کی ہر اچھی ٹیم نے ہم سے شکست کھائی تھی، لیکن آج ہاکی کا برا حال ہے۔

اسکواش تو ہم بلکل بھول چکے ہیں، اسکے کھلاڑی کون ہیں پتہ نہیں اب رہی ہاکی

تو قومی ہاکی ٹیم کے کپتان محمد عمران کا کہنا ہے کہ طویل عرصے انٹر نیشنل ایونٹ میں اچھی کارکردگی دکھانے کے باوجود کھلاڑیوں کی مالی طور حوصلہ افزائی نہیں کی جارہی ہے جس سے قومی کھلاڑی سخت مایوسی کا شکار ہوگئے ہیں، جبکہ پی ایچ ایف مالی مشکلات کے باعث قومی کھلاڑیوں کو سینٹرل کنٹکریکٹ کی رقم نہیں دے رہی ہے۔ وفاقی سطح پر کھیلوں کی وزارت کو ختم کردیا گیا ہے جس کے بعد کھلاڑی اپنی شکایت کس کے سامنے پیش کریں۔ وزیراعظم نواز شریف کے پاس ہاکی آفیشل سے ملنے کا ٹائم ہی نہیں کیونکہ وہ ہاکی کو زندہ رکھنے کے لیے پیسے مانگ رہے ہیں، جبکہ بین الصوبائی رابطے کے وزیر اور پاکستان اسپورٹس بورڈ کے حکام بھی کھلاڑیوں سے ملنے میں اپنی توہین محسوس کر رہے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ ہاکی ہمارا قومی کھیل ہے۔ اگر دھیان نہ دیا گیا تو پھر ہم کہیں گے کہ کسی زمانے میں ہمارئے ملک میں بھی ہاکی کھیلی جاتی تھی۔ ہاکی میں ہماری کارکردگی بھی بہت پیچھے جاچکی ہے لہٰذا اب صرف کرکٹ کا کھیل باقی رہ گیا ہے اور اسکی وجہ کرکٹ میں پیسے کی بہتات ہے اسلیے حکومت کے ساتھ ساتھ کرپٹ مافیا دونوں ہی اس میں بھرپور دلچسپی لیتے ہیں۔

دہشت گردی اور امن وامان کی وجہ سے غیر ملکی ٹیموں نے پاکستان آکر کھیلنا چھوڑدیا ہے اس لیے ہم جب میزبان ہوتے ہیں تو متحدہ عرب عمارات کے شہروں میں مہمان ٹیم کے ساتھ کھیل رہے ہوتے ہیں۔ آجکل ایک روزہ کرکٹ کا عالمی کپ

آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں جاری ہے، پاکستانی کرکٹ ٹیم کی جاری عالمی کرکٹ کپ میں ناقص کارکردگی کی گونج پورے پاکستان میں سنائی دئے رہی ہے، ابھی تک کی صورتحال یہ ہے کہ پاکستان نے چار میچ کھیلے ہیں جن میں اول دو ہارے اور بعد کے دو جیتے، سب سے زیادہ افسوس حسب دستور بھارت سے پہلا میچ ہارنے کا ہے، بھارت نے 76 رنز سے شکست دی اور بعد میں ویسٹ انڈیز کی ٹیم کے ہاتھوں پاکستان کو 150 رنز کی عبر تناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔پاکستان کا میڈیا حسب دستور بی جمالو کا کردار ادا کر رہا ہے، اپنی ریٹنگ بڑھانے کے لیے نام نہاد ایکسپرٹ بٹھا کر پاکستانی ٹیم پر کچھ زیادہ ہی تنقید کی جارہی ہے جو مناسب نہیں ہے۔

پاکستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان وسیم اکرم نے ٹی وی چینلز پر ماہرانہ تبصرے کرنے والے سابق کرکٹرز کو مشورہ دیا ہے کہ وہ کرکٹ پر بات کریں لیکن کسی کی ذاتی زندگی کو اچھالنا مناسب بات نہیں ہے۔ وسیم اکرم کا خیال ہے کہ معین خان کے معاملے کو حد سے زیادہ اچھالا گیا ہے۔بقول وسیم اکرم سارا ملبہ معین خان پر ڈال دیا گیا ہے۔ اس وقت سب سے بڑا معاملہ ورلڈ کپ ہے جس پر زیادہ بات کرنے کی ضرورت ہے ۔پاکستان کے سابق کپتان کا کہنا ہے کہ غیر ضروری تنقید کے سبب کھلاڑیوں پر بھی بہت زیادہ دباؤ ہے۔ ماضی کے مقابلے میں ان دنوں تنقید کے انداز میں بھی تبدیلی آئی ہے اور اب یہ مسالہ ہوگیا ہے۔

ورلڈ کپ میں ٹیم دو میچ ہاری اور سوشل میڈیا پر اس کا مذاق اڑانا شروع ہوگیا، جس کے منہ میں جو آ رہا ہے وہ بولے جا رہا ہے۔ ورلڈ کپ میں شامل کھلاڑیوں کے اہل خانہ جب یہ سب کچھ میڈیا پر دیکھتے ہونگے تو اُن پر کیا گذرتی ہو گی۔ جس پرانے ٹی وی کے کوئی کباڑی 100 روپے بھی نہ دئے رہا ہوتا ہے وہ کیمرہ کے سامنے توڑا جاتا اور ہمارا میڈیا اُس کو پہلے بریکنگ نیوز بناتا ہے اور بعد میں اُسکو ہیڈلائنز بنا کر چلاتا ہے۔ یہ ہمارا میڈیا ہی ہے جو چند لوگوں کو کرکٹ کا علامتی جنازہ نکالتے ہوئے بھی دکھاتا ہے۔

پاکستانی کرکٹ ٹیم کی آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں جاری عالمی کرکٹ کپ میں ناقص کارکردگی کی گونج سیاست دانوں اور منتخب ایوانوں میں بھی سنائی دینے لگی ہے۔ پاکستان کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان اور آج کے سیاستدان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے کہا ہے کہ کرکٹ کی موجودہ صورتحال کی ذمہ دار ن لیگ ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ پی سی بی میں سفارشی لگیں گے تو کرکٹ تباہ ہو جائے گی۔ نجم سیٹھی کو الیکشن میں پنکچر لگانے پر وزیراعظم نواز شریف نے انعام کے طور پر انہیں پی سی بی کا چیئرمین لگایا۔

جواب میں وفاقی وزیر اطلاعات سینیٹر پرویز رشید نے کہا ہے کہ کرکٹ کی تباہی کے اصل ذمہ دار عمران خان ہیں۔ انہوں نے جب کرکٹ چھوڑی کرکٹ تباہ ہونا شروع ہو گئی۔ جبکہ منتخب نمائندوں کا کہنا ہے کہ اگر شدت پسندی کو روکنے کے لیے دہشت گردوں کے مقدمات فوجی

عدالتوں میں بھیجے جا سکتے ہیں تو پھر ان افراد کے خلاف بھی مقدمات فوجی عدالتوں میں بھجوائے جائیں جو قومی کرکٹ ٹیم کی اس ناقص کارکردگی کے ذمہ دار ہیں۔ یہاں عمران خان کی تنقید تو سمجھ میں آتی ہے کیونکہ وہ کرکٹ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں، لیکن درباری وزیر پرویز رشید اور منتخب نمائندوں کے بیانات صرف تنقید برائے تنقید ہیں۔

لگتا ایسا ہے کہ اس وقت پاکستان کرکٹ ٹیم کی خراب کارکردگی پر سب اپنے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنا ضروری سمجھ رہے ہیں، بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے، پاکستان کے ایک جواری کھلاڑی محمد آصف جو 2010ء میں برطانیہ کے دورے کے دوران اسپاٹ فکسنگ ثابت ہونے پر پابندی کا شکار ہوگیا تھا اور الزام ثابت ہونے پر برطانیہ کی جیل میں سزا بھی کاٹی تھی، اُس نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ گیارویں آئی سی سی ورلڈ کپ میں بری کارکردگی کی ذمہ دار صرف قومی کرکٹ ٹیم نہیں اس تاریخی شکست میں کرکٹ بورڈ کی سلیکشن کمیٹی برابر کی شریک ہے۔ قومی کرکٹ ٹیم نے جس بری کارکردگی سے پاکستانی قوم کی امیدوں پر پانی پھیر کر مایوس کیا پچھلے کئی برسوں سے اس کی مثال نہیں ملتی۔ محمد آصف کا کہنا تھا کہ پاکستان کی ٹیم کی بدترین کارکردگی کے بعد ٹیم کے کپتان کوچ اور سلیکشن کمیٹی کو اپنے عہدوں پر براجمان رہنے کا کوئی حق نہیں بلکہ انہیں فوری طور پر اپنے عہدوں سے مستعفی ہو جانا چاہئے۔ اور بقول ایک

پاکستانی نژاد برطانوی کے کہ اگر آج پاکستانی ٹیم کو انگلینڈ میں سیریز کھیلنے کو مل رہی ہوتی تو اس سے پاکستانی کرکٹرز اور پاکستان کرکٹ بورڈ کو فائدہ پہنچتا لیکن چند پیسوں کے لیے محمد آصف ، محمد عامر اور سلمان بٹ نے دنیا بھر میں ہمیں شرمسار کردیا۔

ابھی ورلڈ کپ جاری ہے ختم نہیں ہوا ہے اور نہ ہی اس ورلڈ کپ کے بعد پاکستان سے کرکٹ ختم ہو جائے گی۔یقینا پاکستانی کرکٹ ٹیم میں بہت اصلاح کی ضرورت ہے، لیکن کیا اسطرح کی تنقید کرنے کا یہ مناسب وقت ہے۔ یہ چند لوگوں کے مفادات یا میڈیا کی ریٹنگ بڑھانے کی خواہش تو ہو سکتی ہے لیکن عوام کی نہیں، عوام کی ساری دلچسپی اپنی ٹیم کی جیت یا ہار سے ہے، تنقید ضرور کیجیے گا لیکن ورلڈ کپ کے فائنل کے بعد اسلیے ہو سکتا ہے کہ آج جو تنقید آپ کر رہے ہیں کل نتیجہ اُس کے برعکس ہو اور کرکٹ کے بارے میں کوئی پیشنگوئی آخری نہیں کہی جا سکتی۔یقینا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ٹیم کی بھرپور اصلاح کی جائے اور کرکٹ کا انجام اسکواش اور ہاکی جیسا نہ ہو، پاکستانی میڈیا کو بھی اپنی ریٹنگ بڑھانے سے زیادہ اپنی قومی ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہیے۔

پندرہ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری

آج پاکستان میں جو دہشت گردی، کرپشن، تعصب اور دوسرے جرائم ہو رہے ہیں اُن میں سے بہت سوں کی ابتدا سابق فوجی آمر جنرل ضیاء الحق کے زمانے سے شروع ہوئی یا اُس میں اضافہ ہوا۔ ڈکٹیٹر ضیاء الحق کے 1985ء میں کرائے گئے غیر جماعتی انتخابات میں غیر سیاسی لوگ صوبائی اور قومی اسمبلی کے انتخابات میں کامیاب ہوئے اور یہ ایک نئے کرپٹ سیاسی نظام کی ابتدا تھی۔ جب لوگ سیاسی جماعتوں کے تحت سیاسی اور جمہوری عمل میں داخل ہوتے ہیں تو وہ ایک نظریہ کے ساتھ انتخابات اور جمہوری عمل کا حصہ بنتے ہیں، لیکن 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں پاکستان میں تعلیم کی کمی اور سیاسی تربیت کے فقدان کی وجہ سے زیادہ تر ووٹ خاندان، برادری، فرقے اور مذہبی اور علاقائی تعصبات کی بنیاد پر ڈالے جانے لگے۔ اور آج تین دہائیاں گزرنے کے باوجود وہی سب کچھ ہو رہا ہے جسکی ابتدا ڈکٹیٹر ضیاء الحق کے زمانے میں شروع ہوئی تھی۔ جب آپ انتخابی عمل کو غلط طریقے سے چلائینگے تو پھر ہر سطح کے انتخابی عمل میں دولت، سرمایہ اور دیگر ذرائع طاقت ور ہو جاتے ہیں اور پھر انتخابات محروم اور متوسط طبقات کی دسترس سے دُور ہو جاتے ہیں۔ آج بلدیاتی، صوبائی، قومی اور سینٹ کے انتخابات میں عام لوگ حصہ نہیں لے پاتے کیونکہ دولت کا عمل دخل بنیادی عنصر بن چکا ہے

جسکی وجہ سے ہر انتخابات میں دھاندلی ہوتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ 2013ء کے انتخابات کو دھاندلی والا انتخابات کہا جاتا ہے۔

پاکستانی عوام چیئرمین سینٹ کے انتخاب سے بے نیاز ہیں اور اُنکی طرف سے مکمل عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا جارہاہے، سیاست کو سمجھنے والے عام پاکستانیوں کی چیئرمین سینٹ کے حوالے سے رائے یہ ہے کہ چیئرمین سینٹ کا انتخاب کسی بھی پارٹی سے ہو اس سے عام عادمی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ پاکستان پیپلزپارٹی کی حکومت سے منتخب ہونے والے چیئرمین سینٹ نیئر حسین بخاری پاکستان پیپلزپارٹی سے وفاداری نبھاتے رہے لیکن عوام کے لیے کچھ نہ کیا اور یہ ہی وجہ ہے عوام کی اکثریت شاید اُنکے نام سے بھی واقف نہیں، اور شاید ایسا ہی اگلے چیرمین کے ساتھ بھی ہو کہ عام لوگوں اُس کے نام سے بھی واقف نہ ہوں۔

سینٹ کے حالیہ انتخابات میں ہارس ٹریڈنگ کوئی نئی بات نہیں، پاکستان کی پارلیمانی سیاست میں یہ کھیل ایک طویل عرصے سے ہو رہا ہے اور ملک کی تمام بڑی جماعتوں کے رہنما اور سیاستدان اس کھیل میں حصہ لیتے ہیں۔ حالیہ سینیٹ کے انتخابات میں متوقع ہارس ٹریڈنگ کو دیکھتے ہوئے نواز شریف کو یہ اندیشہ تھا کہ ان کی جماعت کے باغی ارکان کہیں ان کو سینٹ میں بھاری نقصان سے دو چار

نہ کردیں، یہ ہی وجہ تھی انہوں نے سینیٹ انتخابات کیلئے بائیسویں آئینی ترمیم لانے کا اعلان کیا تھا جس کے مطابق اراکین اسمبلی سیکرٹ بیلٹ کی بجائے اپنے ووٹ کا استعمال شو آف ہینڈ سے کرتے اور یہ لازمی تھا کہ ان کی پارٹی سے وفاداری کے سوا کوئی دوسرا عمل باقی نہیں رہتا، لیکن وزیر اعظم کی زیر صدارت ہونے والے پارلیمانی لیڈرز کے اجلاس میں سیاسی جماعتیں آئینی ترمیم پر متفق نہ ہو سکیں۔عمران خان نے اس ترمیم کی حمایت کی جبکہ پیپلز پارٹی اور مولانا فضل الرحمان کی جماعت نے اس کی مخالفت کی۔
بائیسویں آئینی ترمیم کی حمایت نہ کرنے کی پیپلز پارٹی کی مخالفت تو سمجھ میں آتی ہے کہ خفیہ رائے شماری کے زریعے ووٹنگ سے حکمران جماعت مسلم لیگ (ن) کے باغی اراکین وفاداریاں تبدیل کر سکتے تھے جس کے باعث پیپلز پارٹی کیلئے دوبارہ سے سینیٹ میں اکثریتی پارٹی بننے کی راہ ہموار ہوتی، لیکن مولانا فضل الرحمان کی طرف سے بائیسویں آئینی ترمیم کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ بائیسویں آئینی ترمیم ہوجانے کے بعد سینیٹ انتخابات میں سے پیسے کا کھیل ختم ہوجاتا اور یہ کوئی راز نہیں ہے کہ مولانا فضل الرحمان کے اراکین اسمبلی پچھلے سینٹ کے انتخابات میں بھی بکتے آئے ہیں اور حالیہ سینٹ انتخابات میں بھی وہ کروڑوں روپے وصول کرنے کے خواہشمند تھے۔
صوبائی اسمبلی کے اراکین لاکھوں روپے خرچ کرکے اسمبلی کے رکن منتخب ہوتے

ہیں اور پھر وہ کروڑ پتی بننے کے چکر میں لگ جاتے ہیں، اس کام میں حکومت بھی اُنکی بھرپور مدد کرتی ہے، ترقیات کے نام پر کروڑوں روپے کے فنڈ دیے جاتے ہیں اور پھر حکومت کرپٹ مافیا کو احکامات بھی دیتی ہے کہ ان کی اسکیموں کو اچھے داموں اور اچھی کمیشن کے عوض خریدو۔ اسکے علاوہ ایک الیکشن کے دوران دو بار سینٹ کے انتخابات ہوتے ہیں۔ پہلے ابتدا میں اور دوسری بار مڈٹرم یعنی ان کو دو بار کمائی کے ذرائع مہیا کیے جاتے ہیں۔ اگر ہم تاریخی طور پر دیکھیں تو ہارس ٹریڈنگ کا کاروبار حکمرانوں نے ہی شروع کیا ہے۔ ووٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی دولت کو ارکان کے لئے بونس سمجھا جاتا ہے، اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، صوبائی اراکین اسمبلی کی اس کمائی کو ہمیشہ جائز قرار دیا گیا۔ کبھی کسی کے خلاف پوری پاکستانی تاریخ میں کوئی کارروائی نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کا امکان ہے۔ این ایف سی ایوارڈ کا سب سے زیادہ فائدہ اراکین بلوچستان اسمبلی کو پہنچا۔ ان کو کروڑوں روپے کے ترقیاتی فنڈز ملے، انہوں نے کروڑوں روپے کی اسکیموں کو مافیا اور ٹھیکہ داروں کے ہاتھوں 20 سے 25 فیصد پر فروخت کر دیا۔ اس طرح سے بلوچستان کے صوبائی اسمبلی کے اراکین سالانہ کروڑوں روپے اسکیموں اور ملازمتوں کی فروخت سے کماتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ حالیہ سینٹ انتخابات میں ہارس ٹریڈنگ ہو رہی تھی لیکن میڈیا

کے دباؤ اور پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کی شور و پکار کی وجہ سے لوگ ہارس ٹریڈنگ سے پیچھے ہٹ گئے، عمران خان کا اپنی پارٹی کے ارکان پر شدید دباؤ تھا کہ ہارس ٹریڈنگ نہ کریں جبکہ یہ حقیقت ہے کہ تحریک انصاف میں کچھ ارکان جو اپنی قیادت سے ناراض ہیں اور دولت کا حصول بھی چاہ رہے تھے بکنے کے لیے تیار تھے۔ اس بات کا ثبوت خود عمران خان نے دیا کہ ایک شخص نے اُنکو تحریک انصاف کی طرف سے سینٹ کی سیٹ کے ٹکٹ کے لیے پندرہ کروڑ روپے کی آفر کی تھی۔ پاکستانی میڈیا اور سوشل میڈیا پر کرکٹر شاہد آفریدی کا نام لیا گیا لیکن عمران خان نے خود اس بات کی تردید کردی کہ اُنکو پندرہ کروڑ روپے کی آفر کرنے والا شاہد آفریدی تھا، اُنکا اصل آدمی کا نام بتانے سے مسلسل انکار ہے، ساتھ ہی وہ اُس شخص کو ایماندار قرار دئے رہے ہیں۔
افسوس عمران خان قوم کو ایمانداری کی لولی پاپ دئے رہے ہیں، وہ بتا کیوں نہیں دیتے کہ اُن کو پندرہ کروڑ روپے کی آفر کرنے والا حاجی کون تھا۔ عمران خان کے خاص دوست وزیر اطلاعات پرویز رشید کا یہ مطالبہ بلکل جائز ہے کہ عمران خان اُس شخص کا نام بتایں جس نے اُن کو سینٹ کے ٹکٹ کے لیے پندرہ کروڑ روپے کی آفر کی تھی، ساتھ ہی انہوں نے یہ دعوی کیا تھا کہ اگر عمران خان اُسکا نام نہیں بتاینگے تو وہ خود اُسکا نام بتادینگے جو وہ نہ بتاسکے۔
ہماری پارلیمانی تاریخ میں ایک عرصے سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ وہ افراد

جو عام انتخابات میں ہار جائیں یا جنہیں عام انتخابات میں جیتنے کی کوئی اُمید نظر نہ آ رہی ہو ایسے لوگ پیسے کے زور پر سینیٹر بننے کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ انہیں ووٹ دینے والے اراکین اسمبلی بھی راتوں رات کروڑ پتی بن جاتے ہیں۔ سینیٹ کے انتخابات ہر تین سال بعد آدھے تعداد کی نشست کے لیے منعقد کیے جاتے ہیں اور ممبران کی مدت چھ سال ہوتی ہے۔ گزشتہ بیس سالوں سے سینٹ میں پیسہ چل رہا ہے اور سینیٹ کے انتخابات میں اراکین اسمبلی اپنے ووٹ بیچتے آئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ پاکستان میں سیاست ایک منافع بخش کاروبار ہے۔ تین سال پہلے ہونے والے انتخابات میں تو سینیٹ کی ایک نشست ستر کروڑ روپے میں بک چکی ہے۔ موجودہ کرپٹ سیاسی نظام دراصل ایک تجارتی نظام ہے، جب تک اس نظام کو درست نہیں کیا جائے گا ووٹ بکیں گے اور خریدار خریدیں گے کیونکہ خریدار جانتے ہیں کہ پندرہ کروڑ کی سرمایہ کاری کرکے اسکو چار گنا کیسے کیا جاتا ہے، لعنت ہے اس کرپٹ سیاسی نظام پر۔

واہ مولانا فضل الرحمان واہ

رضا ربانی کو سینٹ کے انتخابات میں چیرمین سینٹ کی سیٹ پر بلامقابلہ کامیابی بہت بہت مبارک ہو لیکن ساتھ ہی اُن کے ساتھ ایک ہمدردی بھی کرنی ہے کہ وہ اور اُنکی جماعت جس قدر زیادہ طالبان دہشت گردوں کے مخالف ہیں اُنکے ساتھ ہی منتخب ہونے والے سینٹ کے ڈپٹی چیئرمین جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری تن من دھن سے طالبان دہشت گردوں کے حمایتی ہیں۔ عبد الغفور حیدری کو پیپلزپارٹی اور مسلم لیگ (ن) سمیت تمام جماعتوں کی حمایت حاصل تھی ۔ہمارئے ملک کے سیاست دانوں میں دو خصوصیات موجود ہیں، پہلی لوٹا کریسی اور دوسری گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا، لوٹاکریسی میں عام طورپر سیاسی جماعتوں کے سربراہ نہیں ہوتے لیکن گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں یہ دیر نہیں کرتے اور خاصکر جب ان کے مفادات سامنے ہوں۔ 2008ء کے انتخابات کے بعد سے آصف زرداری اور نواز شریف کے مفادات ایک جیسے ہی ہیں اسلیے یہ دونوں ایک دوسرئے سے بہت مخلص بنے ہوئے ہیں، سینٹ کے حالیہ الیکشن میں آصف زرداری اور نواز شریف علامہ اقبال کے شعر پر پورا پورا عمل کررہے تھے کہ ایک چیرمین سینٹ کے نام پر دونوں ہی متفق ہوگئے اور پھر نہ کوئی حکومت رہی اور نہ کوئی اپوزیشن، سوائے اسکے کہ آصف زرداری پنجاب میں سینٹ کی نشست پر ندیم افضل چن کو لانا چاہتے تھے

لیکن نواز شریف اسکے لیئے تیار نہ ہوئے۔آیئے سیاست کے گرؤ اور توڑ جوڑ کے ماہر مولانا فضل الرحمان سے ملتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمان انتہائی چالاک اور معاملہ فہم سیاستدان ہیں، اپنی سیاسی پوزیشن کے بارے میں بھی وہ اچھی طرح جانتے ہیں، حکومت کسی کی ہو مولانا فضل الرحمان کو حکومت سے اپنا حصہ لینا آتا ہے، جس طرح مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہتی اسطرح مولانا فضل الرحمان کا بغیر اقتدار گذارا ممکن نہیں۔ حکومت چاہے فوجی ہو یا جمہوری مولانا فضل الرحمان آپکو حکومت میں ملینگے، یہ ہی انکی کامیابی ہے۔ مئی 2013ء کے انتخابات میں مولانا کو زیادہ لفٹ نہیں کرائی گئی، حالانکہ خیبر پختونخوا میں اتحادی حکومت بنانے کے لیے مولانا نے نون لیگ سمیت امریکی سفیر کے دروازے تک بھی دستک دی مگر شنوائی نہیں ہوئی، چونکہ وزارت، حکومت اور اقتدار سے دوری مولانا کے شرعی نظریئے کے خلاف ہے لہٰذا کچھ ہی عرصے میں مولانا نواز لیگ کے اتحادی بن کر وزارتیں کمانے میں کامیاب ہو گئے۔ مولانا فضل الرحمان میں دوسری خوبیوں کے علاوہ ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ملک میں مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دینا اور پھر اسی خوبی کے بل بوتے پر دہشت گردی کو ہوا دے کر حکومتوں کو بلیک میل کرنا بھی اُنکو خوب آتا ہے۔

سال 2013ء کے انتخابات کے بعد راتوں رات زرداری کیمپ چھوڑ کر نواز شریف کیمپ میں آنے والے مولانا فضل الرحمان نے حالیہ سینٹ کے انتخابات اور بعد میں سینٹ کے چیرمین اور ڈپٹی چیرمین کے انتخابات میں اپنے پتے بہت چالاکی سے استمال کیے، مولانا فضل الرحمان کا سیاسی کاروبار تو ایسے ہر موقعے پر خصوصی طور پر چمک اٹھتا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ مولانا نے اپنی دین داری اور اصول پرستی کو ایک طرف رکھ کرایک دولت مند کو سینٹ کے انتخابات میں سپورٹ کیا۔ حالیہ سینیٹ کے انتخابات میں متوقع ہارس ٹریڈنگ کو دیکھتے ہوئے نواز شریف نے سینیٹ انتخابات کیلئے بائیسویں آئینی ترمیم لانے کا اعلان کیا تھا جس کے مطابق اراکین اسمبلی سیکرٹ بیلٹ کی بجائے اپنے ووٹ کا استعمال شو آف ہینڈ سے کرتے لیکن پیپلزپارٹی اور مولانا فضل الرحمان کی جماعت نے اس کی مخالفت کی۔ مولانا فضل الرحمان کی طرف سے بائیسویں آئینی ترمیم کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ بائیسویں آئینی ترمیم ہوجانے کے بعد سینیٹ انتخابات میں سے پیسے کا کھیل ختم ہوجاتا۔

گیارہ مارچ کی رات تک یہ تو سب کو پتہ تھا کہ سینٹ کے اگلے چیرمین رضا ربانی ہونگے لیکن مسلم لیگ (ق) کے سربراہ چوہدری شجاعت کے گھر پر رات کو ہونے اجلاس میں ڈپٹی چیرمین کے نام پر سیاسی جماعتیں کسی ایک نام پر متفق نہ ہوپائی تھیں۔ ایک رات پہلے تک یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اگلے ڈپٹی چیرمین

کون ہونگے، لیکن ایک شخصیت ایسی تھی جو یہ جانتی تھی اور وہ شخصیت تھی مولانا فضل الرحمان کی۔اس اجلاس میں پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ن) اور دیگر تمام جماعتوں نے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کرنے کا اعلان کیا جبکہ کچھ نے قرعہ اندازی کے زریعے فیصلہ کرنے کا مشورہ دیا۔ مولانا فضل الرحمان اجلاس ادھورا چھوڑ کر چلے گے اور جاتے جاتے یہ تجویز دے گئے کہ ڈپٹی چیرمین کا فیصلہ وزیراعظم نواز شریف پر چھوڑ دیا جائے، انہوں نے بھی تو رضا ربانی کیلئے قربانی دی ہے۔

مولانا کی سیاست کا محور صرف اُنکے مفادات ہوتے ہیں اس سے مولانا کو غرض نہیں ہوتی کہ کون مصیبت میں ہے یا کس کا نقصان ہو رہا ہے، مولانا کو اس سے بھی کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کون مرا یا کون جیا، مولانہ کا مقصد صرف اپنی غرض سے ہوتا ہے۔ آپکو یاد ہوگا دس جنوری 2013ء کو بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں بم دھماکوں کے نتیجے میں 116 افراد ہلاک جبکہ تقریباً 250 افراد زخمی ہوگئے اور اس وجہ سے صوبہ بلوچستان میں گورنر راج نافذ ہوا مگر ہلاک ہونے والوں سے مولانا فضل الرحمٰن کو کوئی ہمدردی نہ تھی، انہیں اپنے مفادات کی فکر تھی اور حالیہ سینٹ کے انتخابات میں بھی مولانا کو اپنے مفادات سب سے زیادہ عزیز تھے، نواز شریف چاہتے تھے کہ چیرمین سینٹ بلوچستان سے لایا جائے، اس سلسلے میں حاصل بزنجو کا نام بھی لیا گیا، لیکن جب ایسا نہ ہوسکا تو پھر

تمام جماعتیں چاہتی تھیں کہ ڈپٹی چیرمین بلوچستان سے ہی ہو لیکن سیاسی جماعتیں کسی ایک نام پر متفق نہ ہوپائی اور یہ ہی وہ موقعہ تھا جب مولانا فضل الرحمٰن نے بائیسویں آئینی ترمیم رکوانے کے لیے آصف زرداری سے اُنکا ساتھ دینے کا معاوضہ طلب کیا اور مولانا عبدالغفور حیدری کو ڈپٹی چیرَمین سینٹ منتخب کرانے کیلئے آصف علی زرداری سے مدد مانگی، آصف زرداری نے حکومت اور اپوزیشن جماعتوں سے بات کی۔ دوپہر دو بجے تک جے یو آئی سمیت کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ مولانا عبدالغفور حیدری ڈپٹی چیرمین منتخب ہوجائیں گے۔

مولانا فضل الرحمٰن کی اس ساری توڑ جوڑ کے باوجود مولانا عبدالغفور حیدری کے مدمقابل چھ ارکان والی تحریک انصاف کے شبلی فراز تھے۔ جنھیں ایک رکن والی جماعت اسلامی کی حمایت بھی حاصل تھی۔ ڈپٹی چیرَمین کے انتخاب میں کل 96 ووٹ کاسٹ ہوئے، جن میں سے 6 مسترد ہوئے۔درست 90 ووٹوں میں سے عبدالغفور حیدری کو ووٹ ملنے کی توقع تھی لیکن ان کی حمایت میں 74 ووٹ نکلے۔ جبکہ شبلی فراز کو 83 ووٹ ملنے کا امکان تھا، لیکن ان کے حق میں 16 ووٹ کاسٹ ہوئے۔ مولانا 7 عبدالغفور حیدری کامیاب تو ہو گئے لیکن شبلی فراز کو ڈالے گئے 9 زائد ووٹوں نے دیگر سیاسی جماعتوں کو پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ مختلف ذرائع کہتے ہیں کہ یہ سیاسی جماعتوں سے ناراض سینیٹرز نے اپنی پارٹی سے بے وفائی

کرتے ہوئے تحریک انصاف کے امیدوار کو ووٹ دیا۔ جبکہ بعض کا کہنا ہے تحریک انصاف کے امیدوار کو مولانا فضل الرحمان کی شخصیت کے مخالفوں کا ووٹ بھی پڑا۔ نتیجہ جو بھی تھا لیکن یہ 9 ووٹ مولانا فضل الرحمان اور دوسری سیاسی لیڈر شپ کی نیندیں حرام کرنے کا سبب ضرور بنیں گے۔

مولانا عبدالغفور حیدری سینیٹ کا ڈپٹی چیئرمین منتخب ہونے کے بعد پوسٹل سروسز کے وزیر مملکت کے عہدے سے مستعفی ہوگئے ہیں۔ مولانا فضل الرحمان نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے بھائی سینیٹر مولانا عطاء الرحمٰن کو مولانا عبدالغفور حیدری کی جگہ وفاقی وزیر بنوانے کیلئے آئندہ چند روز میں وہ وزیراعظم نواز شریف سے رابطہ کرینگے۔آصف زرداری جو سیاسی جوڑ توڑ کے ماہر سیاستدان ہیں، جن کے بارے میں نعرے لگائے جاتے ہیں کہ ایک زرداری سب پہ بھاری، لیکن مولانا فضل الرحمان اُن پر بھی بھاری ثابت ہوئے انہوں نے حسب ضرورت گرگٹ کی طرح رنگ بدل بدل کرآصف زرداری اور نواز شریف دونوں کو اپنی سیاسی حمایت کا یقین دلا کر اپنی صرف پانچ سیٹوں پر ڈپٹی چیئرمین کا عہدہ اپنی پارٹی کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری کو دلادیا، دوسری سیاسی جماعتوں کو سینٹ کے الیکشن سے کوئی فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن ایسے ہر موقعہ پر مولانا فضل الرحمان اوران کی جماعت کے لوگ ہمیشہ فائدے رہتے ہیں۔ مولانا کی ان چالاکیوں کو دیکھ کر بس یہ ہی کہا جاسکتا ہے 'واہ مولانا فضل

الرحمان واهٗ۔

کرکٹ ورلڈ کپ اور ایم کیو ایم

کرکٹ ورلڈ کپ کے حساب سے بہت سارے اتفاقات چل رہے ہیں، مثلا 1992ء اور 2015ء کے کپتانوں کی عمریں چالیس سال ہیں، دونوں کا تعلق میانوالی سے ہے اور 1992ء اور 2015ء کے کرکٹ ورلڈ کپ کے وقت ملک کے وزیر اعظم نواز شریف تھے اور ہیں ، تو اسکو کیا کہا جائے کہ 1992ء اور 2015ء میں ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن کے وقت بھی وزیر اعظم نواز شریف ہی تھے اور ہیں۔ اب یا تو نواز شریف کی قسمت میں یہ.برائی لکھی ہوئی ہے کہ ایم کیو ایم کیخلاف جب بھی کوئی.بڑا آپریشن ہو وہی ملک کے وزیر اعظم ہوں یا پھر الطاف حسین کی قسمت میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جب بھی نواز شریف ملک کے وزیر اعظم ہونگے ایم کیو ایم کیخلاف آپریشن ہوگا۔ 1992ء کے آپریشن کے وقت نام نہاد جناع پور کے نقشے.برآمد کیے گئے جنکو بعد میں خود جنرلوں نے بوگس قرار دے دیا جبکہ 2015ء میں کہا گیا کہ نیٹو کا چوری کیا ہوا اسلحہ .برآمد ہوا ہے جسکے متعلق چند ہی گھنٹوں میں امریکی وزارت خارجہ کی طرف سے تردید کردی گئی کہ ایسا ناممکن ہے۔ سارے اتفاقات کے باوجود ہماری دعا ہے کہ 1992ء میں سابق وزیر اعلی سندھ جام صادق علی کے فوت ہوجانے کا واقعہ دوبارہ نہ ہو اور 2015ء میں سندھ کے وزیر اعلی قائم علی شاہ سلامت رہیں، اسطرح ہی 1992ء میں ایم کیوایم کے مرکز سے پھانسی کے مجرم یا درجنوں انسانوں کے قاتل نہیں پکڑے

گئے تھے لیکن 2015ء میں بھاری اسلحہ کے ساتھ پھانسی کے مجرم اور رینجرز کے مطابق درجنوں انسانوں کے قاتل بھی پکڑے گئے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن میں 1992ء اور 2015ء میں بہت فرق ہے۔

آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر لیفٹیننٹ جنرل رضوان اختر موجودہ منصب پر آنے سے پہلے ڈی جی رینجرز کراچی تعینات تھے، آٹھ نومبر 2014ء کو جنرل رضوان اختر نے آئی ایس آئی کے سربراہ کی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں، آٹھ نومبر 2014ء سے آٹھ فروری 2015ء کے درمیان جی ایچ کیو نے کراچی کے حوالے سے دو اہم فیصلے کئے ایک تو انہوں نے سیاست اور جرائم کو الگ تناظر میں دیکھا اور دوسرا سیاسی عسکریت پسندی کو بھی الگ درجے میں تقسیم کیا، جنرل رضوان اختر نے ڈی جی رینجرز کی حیثیت سے کہا تھا کہ اگر کراچی میں امن لانا ہے تو سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگز ختم کرنا ہوں گے''''

کراچی کے بارے میں سابق چیف جسٹس افتخار چوہدری کے سوموٹو نوٹس پر آئی جی سندھ پولیس نے چیف جسٹس آف پاکستان کے روبرو کہا تھا کہ پولیس کے چالیس فیصد اہلکار جن میں ایس ایس پیز، ڈی ایس پیز بھی شامل ہیں ان کی بھرتیاں سیاسی بنیادوں پر ہوئیں، اسی لئے اعلی عہدیداروں کا ایسے بھرتی شدہ افسروں پر کوئی کنٹرول نہیں ہے، اسی طرح سندھ رینجرز نے چیف جسٹس کو بتایا تھا کہ کراچی میں جرائم پیشہ گروہ سیاسی سرپرستی میں کام کررہے ہیں، اسی لئے ایسے گروہوں پر جب بھی ہاتھ

ڈالا جاتا ہے تو ایک محشر برپا کر دیا جاتا ہے، آناً فاناً شہر بند اور سڑکیں سنسان کر دی جاتی ہیں، ان عناصر کو کراچی میں بحالی امن سے کوئی دلچسپی نہیں، ان کی دلچسپی کا محور فقط یہ ہے کہ کراچی میں ان کی بالادستی قائم رہے، کیونکہ اسی وسیلے سے وہ اسلام آباد میں اہمیت پاتے ہیں۔

گذشتہ 30 سال سے کراچی خوف کے سائے تلے جی رہا ہے۔ ایم کیو ایم کا وجود کیسے عمل میں آیا اور مہاجروں کے نام پر ایک سیاسی جماعت کیوں بنی اور جو بعد میں مہاجر قومی موومنٹ سے متحدہ قومی موومنٹ بن گئی یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ پاکستان میں کوئی ایک بھی ایسی سیاسی جماعت نہیں ہے جس پر کوئی نہ کوئی الزام نہ ہو، کچھ جماعتوں پر یہ الزام ہے کہ وہ کرپشن میں ملوث ہیں تو کچھ جماعتوں پر یہ الزام ہے کہ وہ دہشت گردوں کی ہمدرد ہیں، کراچی کی 85 فیصد نمائندگی کی دعویدار ایم کیوایم پر تو اُس کی پیدائش کے وقت سے ہی الزامات لگتے رہے ہیں اور آج بھی ایم کیوایم پر ٹارگیٹ کلنگ اور بھتہ خوری کے الزامات سرفہرست ہیں، اس سے کوئی انکار نہیں کہ ایم کیو ایم ایک اسٹریٹ پاور سیاسی جماعت ہے لیکن دو کڑوڑ آبادی والے شہر کراچی میں ایم کیو ایم کی وجہ سے کراچی کے عوام کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کراچی کی 85 فیصد نمائندگی کی دعویدار ایم کیو ایم کی ذمہ داری تھی کہ اس شہر کو مثالی بناتی، اس جماعت کا زیادہ وقت حکومتوں کے اتحادی کے طور پر گذرا ہے لیکن اسکے حامیوں

کواس سے فائدہ کی جگہ نقصان پہنچا ہے۔
امریکی محکمہ خارجہ کی کراچی کے حوالے سے 2014ء کی رپورٹ نے دو کروڑ کی آبادی والے شہر قائد اورپاکستان کی معاشی سرگرمیوں کے سب سے بڑے مرکز کراچی کو دنیا کے چندخطرناک ترین شہروں میں سے ایک شہر قرار دیا ہے۔اپنے آپ کو پاکستان کی تیسری بڑی سیاسی پارٹی کہلانے والی جماعت ایم کیو ایم پر بھتہ خوری، ٹارگیٹ کلنگ اور دوسرے جرائم کے الزامات عام طور پر لگائے جاتے ہیں، اس کے لیڈر الطاف حسین میں نہ تو مستقل مزاجی ہے اور نہ ہی ایک سلجھے ہوئے لیڈر شپ کی علامات۔ یہ الطاف حسین ہی ہیں جو کبھی پاکستان سے علیحدگی کی بات کرتے ہیں تو کبھی پاکستان سے محبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ آرمی چیف کو دہشتگروں سے لڑنے کے لیے اپنے ہزاروں کارکن پیش کیے جاتے ہیں۔ جمہوریت ہوتے ہوئے مارشل لا کی مانگ کرتے ہیں، کراچی میں فوجی آپریشن کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب خود آپریشن کی زد میں آتے ہیں تو فوج کے خلاف سخت بیانات کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔ تھوڑے عرصے پہلے ایم کیوایم رابطہ کمیٹی نے شعبہ شماریات کو ہدایت کی ہے کہ شہر کے عوام کے دکھ درد سے خود کو دور رکھنے اور ایم کیوایم کے کارکنان کے بہیمانہ قتل کے واقعات پر خاموشی اختیار کرنے والے تاجروں اور صنعتکاروں کی ایمانداری سے تفصیلات ترتیب دی جائے۔ بارہ مئی 2013ء کو الطاف حسین نے اپنے سیاسی مخالفین جس میں خاصکر پی ٹی آئی

شامل ہے اُس کی ہڈیاں توڑنے اور کراچی کی تین تلوار کو حقیقی تلواروں میں بدل دینے کی دھمکی دی تھی۔ میڈیا تو ایم کیو ایم کے گھر کی لونڈی ہے اسکے باوجود اُسکو اکثر نتائج بھگتنے کی دھمکیاں ملتی رہتی ہیں۔ الطاف حسین نے خود ایم کیو ایم رابطہ کمیٹی پر یہ الزام لگایا کہ رابطہ کمیٹی کے ارکان کراچی کی زمینیں بیچ کر پیسہ کمارہے ہیں۔ دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح ایم کیو ایم کا بھی کوئی سیاسی لاحہ عمل نہیں ہے اور کسی بھی طرح کا سیاسی استقلال بھی نہیں ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ الزامات میں گھری رہتی ہے۔

اب سے کچھ دن پہلے ہی الیکڑانک میڈیا اور اخبارات کے مطابق سندھ ہائی کورٹ میں سانحہ بلدیہ فیکٹری از خود نوٹس کیس کے دوران رینجرز نے واقعے میں ملوث ایک ملزم رضوان قریشی کی تفتیشی رپورٹ عدالت میں پیش کردی جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ بلدیہ ٹاؤن فیکٹری میں 257 افراد کی ہلاکت کا واقعہ حادثہ نہیں بلکہ قتل تھا۔ رینجرز کی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ فیکٹری میں آگ بھتہ کے معاملے پر باقاعدہ منصوبہ بندی سے لگائی گئی جس میں ایک سیاسی جماعت (ایم کیو ایم) ملوث ہے۔ وزیراعظم نواز شریف اس عزم کا اظہار کرچکے ہیں کہ کراچی کا امن بحال کیا جائے گا اور بلدیہ ٹاؤن کے ملزموں کو انصاف کے کٹھرے میں لایا جائے گا، بلدیہ ٹاؤن کے سوختہ نصیب 257 کارکنوں کی ہلاکتیں یقیناً ہمارے نظام عدل کے لئے بھی آزمائش ہیں اسی

ضمن بعض حلقوں کا مطالبہ ہے کہ ملزموں کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلنا چاہیے۔

متحدہ قومی موومنٹ کے ہیڈ کوارٹرز نائن زیرو پر رینجرز کے چھاپے کے بعد رینجرز ترجمان کرنل طاہر نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں نائن زیرو پر کچھ ٹارگٹ کلرز اور جرائم پیشہ عناصر کی موجودگی کی اطلاع ملی تھی اس اطلاع پر رینجرز نے چھاپا مارا اور کافی لوگوں کو گرفتار کیا، گرفتار ہونے والوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو عدالت سے سزائے موت کی سزا مل چکی ہے۔ اُن کا مزید کہنا تھا کہ چھاپے کے دوران ایسا اسلحہ بھی ملا ہے جس کی درآمد پاکستان میں ممنوع ہے۔ ہم تفتیش کریں گے کہ یہ اسلحہ کس طرح پاکستان لایا گیا۔ اور یہ کہاں سے آیا۔ اس میں میرے ذاتی خیال میں نیٹو کنٹینرز سے چوری شدہ اسلحہ وہ بھی موجود ہے۔ جس پر سلنسر لگے ہوئے ہیں۔ کرنل طاہر کا کہنا تھا کہ کل دو گھنٹے کی کاروائی تھی اور کسی بھی طرح کی مزاحمت نہیں کی گئی ہمارے ساتھ تعاون کیا گیا لیکن اسلحہ کا ملنا اور دیگر چیزیں سوالیہ نشان ہے اور اس آپریشن کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔

بقول رینجرز ترجمان کرنل طاہر کہ اس آپریشن کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں تو پھر اُنکو معلوم ہونا چاہیے کہ آپریشن کا تعلق خواہ سیاست سے نہ ہو لیکن جس

کے خلاف آپریشن ہوا ہے وہ پاکستان کی ایک بڑی سیاسی پارٹی ہے لہٰذا کرنل طاہر کو اپنے اس ذاتی خیال کو کہ "برآمد شدہ اسلحہ میں نیٹو کنٹینرز سے چوری شدہ اسلحہ بھی شامل ہے" اپنے تک ہی رکھتے تو بہتر تھا، دوسری طرف تحریک انصاف کے رہنماعمران خان اور جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق ایم کیو ایم کے مرکز پر چھاپے کے بعد شاید یہ خیال کررہے ہیں کہ ایم کیو ایم ختم ہوگئی ہے لہٰذا گرم گرم حلوہ کھانے کی کوشش کررہے ہیں جس سے اُنکو حاصل کچھ نہیں ہوگا۔ نائن زیرو پر چھاپہ کے بعد ایم کیو ایم نے اپنے سخت ردعمل میں رینجرز پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ رینجرز نے نائن زیرو میں سزا یافتہ ملزمان اور بھاری اسلحہ کی موجودگی کی مصدقہ اطلاعات پر چھاپہ مارا تو یہ ایم کیو ایم کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک یا سیاسی انتقامی کارروائی نہیں جیسا کہ ایم کیو ایم کی جانب سے الزام عائد کیا جارہا ہے۔ اگر الطاف حسین کے بقول کراچی میں دہشت گردوں کیلئے کوئی گنجائش نہیں تو انہیں دہشت گردوں کے خاتمے کیلئے حکومت اور سیکورٹی ایجنسیوں کے ہر اقدام کا ساتھ دینا چاہیے ۔ اگراس کارروائی میں رینجرز کی جانب سے کوئی غیر قانونی اقدام اٹھایا گیا ہے تو متحدہ کے پاس ان غیر قانونی اقدامات کے خلاف مجاز عدالتوں کے دروازے کھلے ہیں، بس زرا ایک مشکل ہے کہ پاکستان میں انصاف دیر سے ملتا ہے۔ ویسے کرکٹ ورلڈ کپ اور ایم کیو ایم ساتھ ساتھ ہیں 1992ء سے 2015ء تک۔

یہ درندے ہیں درندے

پشاور میں 22 ستمبر 2013ء کو کوہاٹی گیٹ چرچ پر دو خودکش حملے ہوئے تو بغیر کسی مذہبی تفریق کے عوام کا جو رویہ تھا وہ دہشت گردوں کے لیے ایک کھلا پیغام تھا کہ "پشاور کے چرچ دھماکے میں ترا سی پاکستانی عیسائی ہلاک ہوگئے، مسلمانوں اور دوسرے مذاہب کے عام لوگوں نے اُن کے غم کو اپنا سمجھا اور آگے بڑھکر اُن کا ساتھ دیا، مساجد میں اعلانات ہورہے تھے کہ کالو محلے میں مدد کرنے پہنچو اور جو جوان ہیں وہ قبرستان پہنچیں تاکہ قبریں کھودی جاسکیں۔ یہ سارے مقامی لوگ اور جوان دھماکہ ہونے سے لیکر رات گئے تدفین تک لواحقین کے ہمراہ موجود رہے اور میتیں دفنا کر ہی اپنے گھروں کو لوٹے۔ مسلمانوں نے قبرستان پہنچ کر قبریں تیار کیں، مذہب اپنا اپنا مگر انسانیت زندہ ہے۔ اس سارے عمل نے پاکستان کو اقلیت کی بنیاد پر تقسیم کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دے دیا ہے۔ اُو وحشی درندوں تم مسلمانوں کو مارو یا عیسائیوں کو مگر یقین کرو دہشتگردوں تم انسانیت کو نہیں مار سکتے"۔

اتوار 15 مارچ 2015ء کو دہشت گردوں نے ایک مرتبہ پھر چرچ کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا اور ایک مرتبہ پھر دہشتگرد کامیاب رہے۔ لاہور کے علاقے یوحنا آباد

میں فیروزپور روڈ پر واقع دو گرجا گھروں میں چند منٹ کے فرق سے دو دھماکے ہوئے۔ اتوار کی دعائیہ تقریبات جاری تھیں کہ اچانک ایک حملہ آور نے کیتھولک چرچ میں داخل ہو کر دعائیہ تقریب میں دھماکا کر دیا جبکہ دوسرے نے کرائسٹ چرچ میں داخلے کی کوشش میں ناکامی پر گیٹ پر دھماکا کیا۔ پندرہ مارچ کو یوحنا آباد میں دہشتگردی کے دو واقعات ہوئے، پہلا واقعہ جس میں دو دہشتگردوں نے دو گرجا گھروں پر خودکش حملے کیے اور نتیجے میں 17 افراد ہلاک اور 80 سے زیادہ افراد زخمی ہوگئے، جبکہ اُسی مقام پر جہاں لاشیں بکھری پڑی تھیں اور امداد کے منتظر زخمی آہ و بکاہ کر رہے تھے پولیس کے قبضے سے دو افراد کو چھڑا کر لایا گیا اور مشتعل ہجوم کو بتایا گیا کہ یہ دہشتگردوں کے ساتھی ہیں، اسکے بعد اُن دو بے گناہ افراد کے ساتھ جو سلوک ہوا اسکو بدترین دہشتگردی سے کم کوئی نام دینا ناممکن ہے۔ دو عام انسانوں کو جو مسلمان تھے صرف اس لیے کہ اُن کے چہرے پر داڑھی تھی دہشتگردوں کا ساتھی قرار دیکر پہلے مارا گیا اور پھر جلایا گیا، سوشل میڈیا پر دکھائی جانے والی تصاویر بے حسی اور درندگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یوحنا آباد میں طالبان دہشتگرد نہ صرف دہشتگردی میں کامیاب رہے بلکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان فاصلے بھی بڑھ گئے۔

پاکستان کے وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے قومی اسمبلی میں بیان دیتے

ہوئے کہاکہ 'گرجا گھر پر حملے بدترین دہشت گردی تھی لیکن دو انسانوں کو جس طریقے سے جلایا گیا یہ بھی بدترین دہشت گردی ہے۔' یوحنا آباد میں اتوار کو گرجا گھروں پر دو خود کش حملوں میں 17 افراد مارے گئے تھے اور ان کے بعد مسیحی برادری کے پر تشدد احتجاج میں دو افراد کو حملہ آوروں کے ساتھی ہونے کے شبے میں زندہ جلا دیا گیا تھا۔چوہدری نثار کا کہنا تھا کہ خود کش دھماکوں میں بھی جو 17 افراد ہلاک ہوئے ان میں سے 12 عیسائی اور پانچ مسلمان تھے۔چوہدری نثار نے کہا کہ ماضی میں اقلیتیں دہشت گردی کے بڑے واقعات کا نشانہ بنیں اور اس وقت ان کا صبر اور ضبط مثالی تھا، تاہم لاہور میں دھماکوں کے رد عمل میں جو ہوا اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ان کا کہنا تھا کہ لاہور میں ہونے والا رد عمل ملک، قانون اور جمہوریت کے لیے باعثِ تضحیک اور اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ 'ایک طرف دہشت گرد ہمارے گھروں کو آگ لگائیں اور پھر ہم نکل پڑیں اور خود یہ کام کریں۔' چوہدری نثار کے اس بیان سے کوئی اختلاف نہیں لیکن جب ریاستی حکمران اپنے فرائض بھول کر اقتدار میں اندھے، گونگے اور بہرے بن جائیں اور عدلیہ انصاف کو بھول کر حکومتی طبقہ کو تحفظ دے تو اس وقت ملک میں لاقانونیت کینسر بنکر قوم کے خون میں تیزی سے پھیل جاتی ہے، اور یہ ہی لاقانونیت یوحنا آباد میں واضع طور پر دیکھی گئی۔

پیر 16 مارچ کی صبح یوحناآباد کے ایک چرچ میں ایک دعائیہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مسیحی برادری کے نمائندوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اس علاقے سے پارلیمانی انتخابات میں حصہ لینے والے موجودہ صوبائی وزیر اعلیٰ شہباز شریف نے متاثرہ علاقے کا دورہ کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ یہ حلقہ شہباز شریف کا ہے مسیحیوں نے بھی انہیں ووٹ دیا ہو گا مگر ایک مسیحی روتے ہوئے کہہ رہا تھا ہمیشہ نواز شریف کی حکومت میں ہم زیادہ تکلیف میں ہوتے ہیں۔ ایک مقامی مسیحی رہنما سیمسن سلامت نے سانحہ یوحناآباد کی شدید مذمت کرتے ہوئے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے نیشنل ایکشن پلان پر مؤثر عمل درآمد کی ضرورت پر زور دیا۔ پر تشدد مظاہروں کے حوالے سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں اُن کا کہنا تھا کہ احتجاجی مظاہروں کا پر تشدد رنگ پاکستانی مسیحی برادری کے ماضی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ان کے بقول ہو سکتا ہے کہ کوئی قوت اپنے مقاصد کے لیے سانحہ یوحناآباد کے احتجاج کو اپنی مرضی کا رخ دینے کے لیے کام کر رہی ہو۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے کمیشن نے وفاقی اور صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کسی بڑے سانحے سے بچنے کے لیے مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے فیصلہ کن اقدامات کریں۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بانکی مون نے یوحناآباد میں گرجا گھروں پر ہونے والے حملوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے کہا ہے کہ وہ اقلیتوں کا تحفظ کرے اور ذمہ داروں کو فوری انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ پاکستان کی مسلمان

اکثریت مسیحی سوگوار خاندانوں کے ساتھ ہے، وہ بھی مسلمانوں کا ساتھ دیں، اس وقت مسلمان بھی مظلوم ہیں اور پریشان ہیں۔ بم دھماکوں میں مسلمان سب سے زیادہ جاں بحق ہوئے ہیں۔

لاہور میں دو افراد کے زندہ جلائے جانے پر عام پاکستانی رنج اور غصہ میں ہے لیکن طالبان کے ہمدرد کچھ زیادہ ہی سیخ پا نظر آتے ہیں جو ابتک ہونے والی دہشت گردی اور تمام مظالم کا کسی نہ کسی طرح دفاع کرتے رہے ہیں۔ لاہور میں دو افراد کا زندہ جلائے جانا ایک انسانیت سوز فعل ہے، لیکن ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا۔ اس سے قبل ایک مسیحی جوڑے کو بھٹے میں جلائے جانے کا واقعہ تو ابھی کل ہی کی بات ہے۔ جوزف کالونی میں جو کچھ ہوا وہ بھی ایک بھیانک تاریخ ہے۔ اس سے پہلے مسیحی برادری کے ساتھ جو کچھ گوجرہ میں ہوا وہ بھی ہمارے بدنما چہرے پر ثبت ہے۔ لاہور میں جنہوں نے دو افراد کو زندہ جلایا اور جن طالبان دہشتگردوں نے گرجاگھروں پر دہشتگردی کی یلغار کی دونوں ہی جہنم کا ایدھن ہیں۔ لیکن طالبان کے ہمدرد جو دہشتگردی کے حامی رہے ہیں اچانک کیسے بیدار ہو گئے؟ آج انکو انسانیت بھی یاد آرہی ہے اور ظلم کی تعریف بھی سمجھ میں آ گئی۔ اس سے پہلے بھی یہ ہی سب کچھ ہوتا رہا ہے اور زیادہ تر نام نہاد ڈالر مجاہدین یہ فعل انجام دیتے رہے ہیں۔ یوحنا آباد کے دردناک واقعات پر ہمیں اس بات کا اقرار بغیر اگر مگر آئیں بائیں شائیں کے کرنا اور سمجھنا

ہوگا کہ نہ چرچ پر حملہ کرنے والے دہشتگرد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے واقف ہیں اور نہ ہی زندہ بے گناہ انسانوں کو جلانے والے دہشتگرد حضرت عیسی علیہ اسلام کی تعلیمات سے۔ یہ نہ مسلمان ہیں اور نہ ہی عیسائی، یہ تو انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں ہیں، یہ درندے ہیں درندے۔

صولت مرزا تم تو میرے ہیرو ہو

شطرنج کے کھیل میں بادشاہ کو محفوظ رکھنے کے لیےاُسکے ساتھ اُسکی ہی لائن میں جو مہرے موجود ہوتے ہیں اُن میں ایک وزیر، دو فیلے، دو گھوڑے اور دو ہاتھی ہوتے ہیں ، لیکن ان سب کے آگے اگلی لائن میں وہ آٹھ پیادے ہوتے ہیں جو بادشاہ کے ساتھ ساتھ وزیر، فیلے، گھوڑے اور ہاتھی کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ بظاہر پیادے کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی لیکن شطرنج کا ایک اچھا کھلاڑی نہ صرف اپنے مہروں کو بلکہ اپنے پیادوں کو بھی بہت اچھا استمال کرتا ہے اور اس سارے کھیل میں وہ صرف اور صرف بادشاہ کی فکر میں لگا ہوتا ہے، چاہے اُسکا وزیر مرے یا کوئی اور مہرہ اُسکو صرف بادشاہ کو یا دوسرے الفاظ میں کہہ لیں کہ اپنے آپ کو شکست سے بچانے کی فکر ہوتی ہے، لیکن جب وہ اپنے کھیل کے عروج پر ہوتا ہے تو سامنے والی بساط کے وزیروں اور دوسرے مہروں کو اپنے پیادے سے مارتا ہے لیکن جیسے ہی یہ پیادہ سامنے والے کی زد میں آتا ہے یہ اُس پیادے کو دوسرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے اور سامنے بیٹھا کھلاڑی اس کو جب چاہتا ہے مار لیتا ہے لیکن جس کا وہ پیادہ ہوتا وہ ایسے ظاہر کرتا ہے جیسے اُس پیادے کا اُس سے کوئی تعلق نہ ہو، اس کھیل میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑے مہروں کو بچانے کے لیے بھی پیادے کی قربانی دی جاتی ہے۔ غرضیکہ شطرنج کے

کھیل میں پیادے کی حیثیت ایک ایسے ہیرو کی ہوتی جس سے مخالف کے مہرے مارے جاتے ہیں اور وقت آنے پر اسی ہیرو کو مروا دیا جاتا ہے۔
شطرنج بادشاہوں کا کھیل ہے اور سیاست سے مطابقت رکھتا ہے لہٰذا پاکستان کی ہر سیاسی پارٹی کا رہنما سیاست کے کھیل میں بادشاہ ہے، اسکے پاس وزیر بھی ہیں تو پیادے بھی، سیاست کی دنیا میں پیادے کو کارکن کہا جاتا ہے۔آ ییۓ پاکستان کی سیاست پر ایک نظر ڈالتے ہیں کہ پاکستانی سیاسی شطرنج کا کیا حال ہے تو جناب دیکھا یہ گیا ہے کہ مفاد پرستی پاکستان کی سیاست کا پہلا اصول ہے اور یہ عام شطرنج سے ذرا مختلف ہے مثلاً آپکا وزیر یا گھوڑا یا کوئی اور مہرہ کسی بھی وقت اپنی وفاداری بدل کر آپکے مخالف کے ساتھ ملکر آپکے خلاف چال چل رہے ہوتے ہیں۔پارٹی کے کارکنوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے وہ اسطرح ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کی کابینہ کے دو وزیر مولانا کوثر نیازی اور غلام مصطفیٰ جتوئی بھٹو حکومت کے خاتمے کے چوتھے روز جنرل ضیاء الحق کے دربار میں موجود تھے اور بھٹو کی پھانسی کے وقت بھی بھٹو سے دور تھے لیکن پیپلز پارٹی کے چھ کارکنوں نے راولپنڈی کے راجہ بازار میں مختلف دنوں میں اپنے آپ کو بھٹو کو دی جانے والی پھانسی کی سزا کے خلاف جلا ڈالا، افسوس بینظیر بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد کبھی اُن جیالوں کا ذکر بھی نہیں کیا، نواز شریف کے دوسرے دور میں نواز شریف نے سپریم کورٹ پر حملہ کروایا، مسلم لیگ (ن) کے کارکنوں

پر مقدمے چلے لیکن نواز شریف اس بات سے ہمیشہ انکاری رہے کہ حملہ کرنے والے مسلم لیگ (ن) کے کارکن تھے، لاہور میں جماعت اسلامی کے کارکنوں نے عمران خان کو مارا پیٹا لیکن جماعت اسلامی اس بات سے انکاری رہی کہ عمران خان پر حملہ کرنے والے اُس کے کارکن ہیں۔عمران خان نے ملتان کے جلسے میں اپنی تقریر جاری رکھی جبکہ بھگڈڑ کی وجہ سے اُن کے سات کارکن ہلاک اور چالیس سے زیادہ زخمی ہوگے تھے ،
پارلیمینٹ پر حملہ کرنے والے تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے کارکن تھے، اُن میں سے کچھ گرفتار بھی ہوئے لیکن دونوں جماعتوں کے رہنما اس بات سے انکاری تھے کہ پارلیمینٹ پر حملہ کرنے والے اُن کے کارکن تھے۔
کسی بھی سیاسی جماعت کو آگے بڑھانے میں اُس کے کارکن سب سے زیادہ کردار ادا کرتے ہیں یوں سمجھ لیں کہ ایک پرندہ اگر اڑتا ہے تو اپنے پروں کی وجہ سے، اگر اُسکے پر کاٹ دیئے جایں تو پھر وہ اڑنے کے قابل نہیں رہتا یہ ہی حال کسی بھی سیاسی جماعت اور اُسکے رہنما کا ہے کہ اُسکی جماعت کے کارکن ہی اُسکو آگے بڑھاتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کی سیاسی جماعتوں کے رہنما اپنی پارٹی کے کارکنوں کو صرف اپنے مقاصد کے لیے استمال کرتے ہیں اور وقت آنے پر پہچاننے سے انکار کردیتے ہیں۔ بقول ایم کیو ایم کے کارکن اور پھانسی کے منتظر صوات مرزا کے کہ "ہمارے رہنما اپنی پارٹی کے کارکنوں کو

استمال کیا ہوا ٹشو پیپر سمجھ کر پھینک دیتے ہیں"۔ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا کہ مفاد پرستی پاکستان کی سیاست کا پہلا اصول ہے اور یہ عام شطرنج سے ذرا مختلف ہے مثلاً آپکا کوئی بھی مہرہ کسی بھی وقت اپنی وفاداری بدل کر آپکے مخالف کے ساتھ ملکر آپکے خلاف چال چل رہا ہوتا ہے، صولت مرزا ایم کیو ایم کا وہ مہرہ ہے کہ جب تک ایم کیو ایم اسکی حمایت کرتی رہی وہ خاموش رہا لیکن جب سانحہ پشاور کے بعد پھانسی کے مجرموں کی پالیسی بدلی تو ایم کیو ایم اُسکو بچانے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن جب ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن شروع ہوا اور وہاں بھاری اسلحہ کی برآمد کے ساتھ ساتھ پھانسی پانے والے فیصل موٹا اور عمیر صدیقی کے علاوہ اور بھی مجرم پکڑے گئے اور ساتھ ہی حکومت کی طرف سے صولت مرزا کو 19 مارچ کو پھانسی دینے کا اعلان ہوا تو ایم کیو ایم نے ایک طرح سے صولت مرزا سے لاتعلقی کرلی۔

ابھی ایم کیو ایم عمیر صدیقی کے دوران تفتیش ایم کیو ایم کے خلاف دیے ہوئے بیانات سے سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ صولت مرزا کی پھانسی سے صرف پانچ گھنٹے پہلے میڈیا کو ایک وڈیو مہیا کی گئی جس میں صولت مرزا نے متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین سمیت جماعت کی اہم قیادت پر سنگین الزامات عائد کیے۔ الزامات میں سے ایک الزام یہ ہے کہ کے ای ایس سی کے سابق سربراہ شاہد حامد کے قتل کا حکم الطاف حسین نے صولت مرزا کو بابر غوری کے گھر پر بلا کر بذریعہ

ٹیلیفون خود دیا تھا جبکہ عظیم طارق کو الطاف حسین کی ہدایات پر مروایا گیا، صولت مرزا کا یہ بھی الزام ہے کہ ایم کیو ایم گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد کے ذریعے اپنے حراست میں لیے گئے کارکنوں کو تحفظ دیتی ہے۔ جبکہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے صولت مرزا کی جانب سے لگائے جانے والے الزامات کی سختی سے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کا بیان ان کی جماعت کے خلاف سازشی منصوبے کا حصہ ہے۔ان کا کہنا تھا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ سزائے موت کے قیدی کی کوئی ویڈیو سزا سے محض ایک روز قبل جاری کی گئی ہے اور ثبوت کے بغیر ان پر اور ایم کیو ایم پر الزامات نہیں لگائے جا سکتے۔

سزائے موت کے قیدی کی ویڈیو سزا سے محض چند گھنٹے پہلے کیسے جاری ہوئی؟ اسکا سیدھا سیدھا جواب ہے کہ ایسا حکومت نے کیا ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ وزیر داخلہ نے برطانوی سفیر کو تمام معلومات مہیا کی ہیں جو لیکر وہ برطانیہ چلے گئے ہیں۔ اخبارات کے مطابق حکومت کی تحویل میں موجود بدنام ٹارگٹ کلرز اجمل پہاڑی اور فیصل موٹا جیسے اس کے دیگر ساتھی صولت مرزا کی طرح اعترافی ویڈیو ریکارڈ کرانے کیلئے تیار ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے حمایتیوں نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ اپنے ویڈیو پیغام میں صولت مرزا نے خود کو نشانِ عبرت قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ ایم کیو ایم میں شمولیت کا ارادہ رکھنے والے اور نئے کارکنوں کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ وہ انھیں دیکھیں اور عبرت پکڑیں

کہ کس طرح انھیں استعمال کرکے ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیا گیا۔ صولت مرزا کی پھانسی جو 72 گھنٹوں کے لیے ملتوی کی گئی تھی اُسکو مزید تین ماہ رکوانے کیلئے سمری وزیرِاعظم نواز شریف کو ارسال کردی گئی ہے۔ صولت مرزا کا مستقبل میں کیا انجام ہوگا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا لیکن ہوسکتا ہے کہ حکومت ایم کیو ایم کے اس مہرے سے کوئی خاص فائدہ نہ اٹھاسکے کیونکہ وڈیو والی چال سے حکومت کو خود نقصان ہوگا۔

شاید الطاف حسین نے ایم کیو ایم کے کارکن صولت مرزا جو ڈبل ایم اے ہے کو بابر غوری کے گھر پر بلاکرکے ای ایس سی کے سابق سربراہ شاہد حامد کے قتل کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہو کہ "صولت مرزا تم تو میرے ہیرو ہو"، کیونکہ 100 لفظوں کی کہانی کے خالق مبشر علی زیدی کی کہانی "ہیرو" کے مطابق جب پارٹی سربراہ آپکو اپنا ہیرو کہہ رہا ہو تو اسکا مطلب ہوتا ہے کہ:۔

۔"تم لوگ میرے ہیرو ہو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ تم میرے لئے کیا ہو۔"، اپوزیشن کا رکن، ہمارا لیڈر یہ کہا کرتا تھا۔ ہم اُس کے دیوانے تھے، بے لوث کارکن تھے، صبح شام کام کرتے تھے۔ الیکشن میں ہماری پارٹی جیت گئی، ہمارا لیڈر منسٹر بن گیا۔ اس کے بعد اس نے کارکنوں سے ملنا چھوڑدیا۔ ایک دن ہم شکایتیں کرنے اس کے گھر پر جمع ہوگئے۔ کچھ دیر میں لیڈر اپنے کتے کے ساتھ جوگنگ کرتا ہوا آیا۔ کتے نے سڑک کنارے کسی چیز کو منہ مارا۔ لیڈر نے آواز

لگائی، ’’ کم آن ہیرو! کم آن‘‘۔

کراچی میں روٹی سستی اور موت مفت

اسلام آباد میں ایک صاحب ہوٹل والے سے روٹی مانگ رہے تھے اور پیسے کم دے رہے تھے جب وہ پورے پیسے دینے پر تیار نہیں ہوئے تو ہوٹل والے نے روٹی واپس رکھ دیں اور اُن صاحب کو کہا کہ ان پیسوں کو لیکر کراچی چلے جایں وہاں روٹی سستی ہے، قریب ہی ایک اور صاحب کھڑے تھے وہ بولے لیکن ایک بات یہ بھی یاد رکھنا کہ کراچی میں روٹی سستی اور موت مفت ملتی ہے۔ کراچی بڑا غریب پرور شہر ہے، کبھی یہاں ہر ایک کو روزگار کی آسانیاں تھیں۔ معروف انگریزی جریدے اکانومسٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق کراچی 2015ء میں دنیا کا سستا ترین شہر ہے۔ اکانومسٹ انٹیلیجنس یونٹ (ای آئی یو) کی رپورٹ دنیا بھر کے 133 شہروں کے سروے پر مبنی ہے جس میں روزمرہ کی اشیاء ضرورت، بجلی اور گیس جیسی بنیادی سہولیات اور گھریلو خادموں، نجی سکولوں اور ٹرانسپورٹ جیسی خدمات کی قیمتوں کی بنیاد پر ان شہروں کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ اکنامسٹ نے اس سال 133 شہروں کا انتخاب کیا جس میں اس بار غریب پرور شہر کراچی نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ کراچی میں آج بھی پچاس روپے میں ایک وقت کا کھانا مل جاتا ہے، اسی روپے میں اچھا لباس مل جاتا ہے جبکہ تین سو روپے میں سارے دن کے لیے مزدور مل جاتا ہے۔

یاد رہے کہ کراچی کو اس سے قبل کئی سال تک دنیا کے سستے ترین شہر ہونے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ سال 2013ء کے دوران ممبئی اور کراچی کو مشترکہ طور پر دنیا کا سب سے سستا ترین شہر قرار دیا گیا تھا۔ اس سے قبل 2012ء اور 2011ء میں اکنامسٹ انٹیلی جنس یونٹ نے کسی شراکت کے بغیر کراچی کو دنیا کا سب سے سستا شہر قرار دیا تھا۔ جبکہ 2014ء میں کراچی دوسرے اور ممبئی پہلے نمبر پر رہا۔ 2009ء میں بھی کراچی دنیا کے سستے ترین شہروں میں پہلے نمبر پر تھا۔ جنوری 2014ء میں شایع کی جانے والی اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی 'انفلیشن مانیٹرنگ' کی سالانہ رپورٹ 2013ء میں کراچی کو پاکستان کا غریب پرور شہر قرار دیا گیا تھا۔ اس رپورٹ میں دی گئی کنزیومر پرائس انڈیکس' کے مطابق، پاکستان کا سب سے مہنگا شہر دارالحکومت اسلام آباد' ہے، جہاں مہنگائی کی شرح سب سے زیادہ ہے، جبکہ سستا ترین شہر کراچی ہے۔ اسلام آباد میں کھانے پینے کی اشیا سمیت دیگر اشیا کی قیمتیں ملک کے دیگر شہروں کی قیمتوں کی نسبت زیادہ ہیں، سندھ کے شہر لاڑکانہ کو ملک کا دوسرا مہنگا شہر قرار دیا گیا ہے۔

جب تک کراچی میں امن اور سکون تھا کراچی رات کو بھی جاگتا تھا، اگر آپ کو رات کو گرم کھانا کھانے کا دل چاہتا تو رات کے تین بجے گرما گرم روٹی اور نہاری مل جاتی تھی۔ آج دو کڑوڑ کے قریب کی آبادی والے اس شہر کراچی میں لوگ

گھر سے باہر جاتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی اُنکو لوٹ نہ لے، کوئی ٹارگیٹ کلر اُنکو اپنا نشانہ نہ بنالے، کسی بازار میں کوئی خود کش حملہ آور نہ آجائے، کسی مسجد میں نماز کے لیے جاتے ہیں تو بم دھماکے کا خوف رہتا ہے، کسی بس میں سفر کرتے ہوئے یہ خوف رہتا ہے کہ اس کا گیس کا سلنڈر نہ پھٹ جائے، کسی ایسے علاقے میں نہیں جاتے جہاں دوسری زبان بولنے والے رہتے ہوں، ڈرتے ہیں کہ کوئی اُنکو اُنکی زبان کی بنیاد پر نہ مار دے، اور کسی دوسرے عقیدے والے کو اپنے عقیدہ کا پتہ نہیں ہونے دیتے کہ کہیں وہ اُنکو کو مار کر جنتی نہ ہوجائے۔ اب کراچی میں قبرستان آباد ہوگئے بلکہ کم پڑ گئے ہیں، کپڑے میں لٹھے کا کاروبار سب سے زیادہ ہو رہا ہے، گورکنوں کے گھر خوشحالی آ گئی ہے، مردہ خانے کم پڑ گئے ہیں، گھر ویران اور سستے مگر قبروں کی قیمتیں چار گنا ہو گئی ہیں۔ پورا کراچی ایک آفت زدہ شہر بنا ہوا ہے جہاں موت کا رقص ہر روز ہو رہا ہے۔ ابلیس بھی حیران اور پریشان ہوگا کہ یہ کون ہیں جو میرا کام مجھ سے زیادہ کر رہے ہیں۔ امریکی محکمہ خارجہ کی کراچی کے حوالے سے 2014ء کی رپورٹ نے دو کروڑ کی آبادی والے شہر قائد اور پاکستان کی معاشی سرگرمیوں کے سب سے بڑے مرکز کراچی میں امن و امان کے کئی پہلو آشکارا کر دیئے ہیں، کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب اہل کراچی سکون کی نیند سوئے ہوں یا ان پر خوف کی کیفیت طاری نہ

رہے۔2011ء میں ایک بین الاقوامی سروے میں کراچی کو دنیا کے 13 خطرناک ترین شہروں میں ایک شہر قرار دیا گیا تھا، جہاں اوسطاً دس ہزار کی آبادی پر قتل کئے جانے کی شرح 23 تھی یہ وہ سال تھا جب اس شہر میں ایک سال میں 1700 سے زیادہ افراد ناکردہ گناہوں میں قتل کردیئے گئے۔ اب امریکی محکمہ خارجہ کی حالیہ رپورٹ میں یہ دل فگار انکشافات ہماری داستان الم بیان کرنے کیلئے بہت کافی ہیں۔ بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، ٹارگٹ کلنگ، سیاسی اور مذہبی کشیدگی، قبضہ مافیا کی مجرمانہ سرگرمیوں نے شہر کراچی کو برسوں سے زخموں سے چور کر رکھا ہے، پولیس بے دست وپا نہیں رہی، سانحہ بلدیہ ٹاؤن میں 257 افراد کو زندہ جلا دینے کے واقعے پر جوائنٹ انویسٹی گیشن ٹیم کی رپورٹ نے کراچی میں سیاسی سرپرستی میں مسلح جتھوں کے جرائم کی ایک جھلک دکھا دی ہے۔ جے آئی ٹی کی رپورٹ کے اجراء کو ایک ماہ کا عرصہ ہوچکا ہے مگر بے حسی کا یہ عالم ہے کہ جیسے حکمرانوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔

وفاقی حکومت نے چار ستمبر 2013ء کو کراچی میں رینجرز کی سربراہی میں ٹارگٹڈ آپریشن کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کراچی میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا تھا کہ 'وفاقی سول اور ملٹری انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پاس سینکڑوں شرپسند عناصر کے نام ہیں جن کے خلاف رینجرز کی سربراہی میں ٹارگٹڈ آپریشن ہوگا۔' آپریشن شروع ہونے کے ڈیڑھ سال بعد

امریکی محکمہ خارجہ کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ گذشتہ برس شہر کراچی میں 2715 شہری ناحق قتل کئے گئے، پولیس اور رینجرز کے 191 اہلکار شہید ہوئے، 108 اغواکار پکڑے گئے، بھتہ خوری کے 509 مقدمے درج ہوئے، رہزنی کے 3082 کیسز پر ایف آئی آر کٹیں، 4068 گاڑیاں، 22ہزار سے زیادہ موٹر سائیکلیں چوری ہوئیں اور 10 ہزار سے زائد موبائل فون چھینے گئے۔ ان تمام جرائم کے باوجود جو آپریشن کراچی کے دوران ہوئے ہیں ہمارے وزیر اعظم صاحب کا فرمانا ہے کہ " کراچی آپریشن کے اچھے نتائج نکلے، کراچی آپریشن سے پیچھے نہیں ہٹیں گے، گن کلچر ختم کرکے دم لیں گے، آپریشن کو انجام تک پہنچائیں گے"

کیا کوئی ہمارے وزیر اعظم صاحب کو یہ بتا سکتا ہے کہ آپکی ان باتوں کو سننے میں ہمیں کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ گذشتہ پچیس سال سے کراچی کے رہاشی یہ ہی سن رہے ہیں۔ بی بی سی کے ایک سروے کے مطابق کراچی میں رہائش پذیر ہر دوسرا گھرانہ کسی نہ کسی طرح کے جرم کا شکار ہو چکا ہے۔ اگر وزیر اعظم صاحب کچھ عرصے کے لیے سیاسی موقعہ پرستی کو چھوڑ کر آپریشن کرینگے تب ہی کسی اچھے نتیجے پر پہنچ پاینگے اور پھر ہی کراچی کے عوام سکون کی زندگی گذار سکیں گے۔ پولیس فورس میں سیاست کی آلودگی نے نہ صرف امن کے قیام کی کوششوں کو کمزور کیا بلکہ اس سے جرائم کی شرح میں خطرناک حد تک یوں اضافہ ہوا کہ کراچی دنیا کے خطرناک ترین شہروں میں شمار ہونے لگا ہے۔ اس شہر میں

قیام امن کیلئے سیاسی اتفاق رائے سے اقدامات کو آگے بڑھانا ہوگا اور جرائم سے غیر سیاسی انداز میں نمٹنا ہوگا۔ کراچی میں امن کا مطلب پاکستان کی خوشحالی ہے اور ملکی ترقی اور معاشی استحکام میں کراچی کا کردار کلیدی نوعیت کا ہے۔

سعودی عرب کی علاقائی سالمیت اور پاکستان

یمن کے اندرونی سیاسی اختلافات جو حوثی قبائل اور صدر عبدربہ منصور حادی کے حامیوں کے درمیان مسلح جدوجہد کی صورت اختیار کر گئے ہیں، ایران اور سعودی عرب کی مداخلت اور خطے کی مجموعی صورت حال کی وجہ سے واضح طور پر مسلمانوں کے دو مختلف مسالک کے درمیان جنگ کی صورت میں پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے سکتے ہیں۔ 26 مارچ کو سعودی فوج نے یمن میں صدر عبدالربہ منصور ہادی کی درخواست پر شیعہ حوثی قبائل کے خلاف فوجی آپریشن شروع کیا ہے۔ سعودی عرب نے امارات، کویت، قطر اور بحرین کے ساتھ ملکر یمن پر فضائی حملے شروع کر دیئے ہیں۔ سعودی عرب نے دعوی کیا ہے کہ اسے امریکہ سمیت ان پانچ ملکوں کے علاوہ پاکستان کی بھی حمایت حاصل ہے۔ پاکستان اس خطے میں ایک بہترین فوجی قوت کے علاوہ ایٹمی ٹیکنالوجی کا حامل واحد اسلامی ملک ہے۔ سعودی عرب کی سرکاری خبر رساں ایجنسی کے مطابق اس آپریشن کے لیے نہ صرف سعودی عرب کو پاکستان کی حمایت حاصل ہے بلکہ اگر ضرورت پڑی تو وہ اس جنگ میں حصہ لینے کو بھی تیار ہے۔ اسی سلسلے میں 26 مارچ کو وزیر اعظم پاکستان نواز شریف کی سربراہی میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والے اعلیٰ سطح کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ سعودی عرب کی علاقائی سالمیت کو خطرے لاحق ہونے کی صورت میں اس کا بھرپور

ساتھ دیا جائے گا۔ ماضی میں سعودی عرب کے ساتھ پاکستان کے دو دفاعی معاہدے تھے ایک ختم ہو گیا ہے اور دوسرا قائم ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان میں کل وقتی وزیر خارجہ نہیں ہے اور وزارت خارجہ کا قلمدان بھی وزیر اعظم کے پاس ہے لٰہذا پاکستان کے مستقبل اور خارجہ پالیسی کے اس اہم معاملے پر کل جماعتی کانفرنس یا پارلیمان کے اندر موجود سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لیے بغیر وزیر اعظم نواز شریف نے فوج کے سربراہ کے ساتھ مختصر مشاورت کے بعد سعودی عرب کا بھرپور ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ جبکہ پاکستان کے وزیر دفاع خواجہ آصف کا کہنا ہے کہ پاکستان نے سعودی عرب کی علاقائی سالمیت کو خطرے کی صورت میں اس کے دفاع کا وعدہ کیا ہے تاہم وہ کسی جنگ کا حصہ نہیں بن رہا ہے۔ 27 مارچ کو قومی اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ اس سلسلے میں کسی بھی فوجی اقدام سے قبل پارلیمان کو اعتماد میں لیا جائے گا۔ اپنے خطاب میں خواجہ آصف کا کہنا تھا کہ 'میں یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس جنگ میں حصہ لینے کا کوئی فیصلہ یا وعدہ نہیں کیا ہے۔ صرف سعودی عرب کے دفاع کا وعدہ کیا ہے۔ اگر ایسی کوئی صورت حال پیدا ہوتی ہے تو سعودی عرب کا ضرور دفاع کریں گے اور یہ ہم نے انھیں بتا دیا ہے۔' ایک اہم بات جو خواجہ آصف نے کہی وہ یہ کہ مشرقِ وسطیٰ اور عرب دنیا کے متعدد ممالک میں جنگ کا ماحول ہے اور پاکستان کسی ایسے تنازعے کو ہوا نہیں دینے

چاہتا جس کے اثرات مسلم دنیا پر تفرقے کی صورت میں پڑیں۔ انھوں نے کہا کہ اس تفرقہ بازی) کی فالٹ لائنز پاکستان میں بھی موجود ہیں اور ان میں ہلچل مچانا اور) پھر اس کے نتائج بھگتنا ملک کے مفاد میں نہیں ہے۔

کیا پاکستان کو اس لڑائی میں شامل ہونا چاہیے؟ اس سوال کے جواب میں ملک کی سیاسی جماعتوں نے بہت کھل کر اس بحران سے پاکستان کو دور رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ کا کہنا ہے کہ حکومت نے پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیے بغیر ہی یمن میں باغیوں کے خلاف ہونے والی فوجی کارروائی کا حصہ بننے کا فیصلہ کیا ہے جس کی وجہ سے ارکان پارلیمنٹ اور لوگوں میں اس بارے میں تحفظات پائے جاتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا ہے کہ سعودی عرب سے ہمارا دینی رشتہ ہے، حکومت فوج بھیجنے کے حوالے سے سب کو اعتماد میں لے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی صورتحال تیزی سے بدل رہی ہے، یمن اور سعودی عرب کی جنگ میں پاکستان کو نہیں کودنا چاہئے۔ پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے بھی یمن میں جاری سعودی کارروائی میں پاکستانی شمولیت کی مخالفت کی ہے۔ اُنھوں نے سوال کیا کہ ' کیا پاکستان دوسروں کی جنگوں میں حصہ لے کر پہلے ہی کافی نقصان نہیں اٹھا چکا؟' عمران خان نے یہ بھی کہا پاکستان کو اس وقت بھی فرقہ واریت کے بڑے مسئلے کا سامنا ہے اور پاکستان گذشتہ دس برس میں بہت نقصان اٹھا چکا

ہے۔ پاکستان کی دیگر سیاسی جماعتیں، حتیٰ کہ نظریاتی طور پر ایک دوسرے سے انتہائی دور جماعت اسلامی اور عوامی نیشنل پارٹی نے بھی ایسے کسی اقدام کی مخالفت کی ہے۔ دوسری طرف سیاسی اور دفاعی تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ اس لڑائی میں شامل ہونا پاکستان کے لیے غیر دانشمندانہ اور تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ بی بی سی اردو سروس کو انٹرویو دیتے ہوئے امریکہ میں پاکستان کے سابق سفیر حسین حقانی کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں ملوث ہونے کی وجہ سے پاکستان پر نظریاتی اثرات بھی مرتب ہو سکتے ہیں جو ملک اور قوم کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوں گے۔ جبکہ دفاعی تجزیہ کار بریگیڈیئر محمد سعد نے کہا کہ ماضی میں پاکستان کو 'پراکسی وار' کی، چاہے وہ کشمیر میں اس کی اپنی ہو یا افغانستان میں امریکہ اور سعودی عرب کی، بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ بریگیڈیئر سعد کے مطابق فوج کے اندر بھی سعودی عرب کے لیے نرم گوشہ پایا جاتا ہے جبکہ ایران کو افغانستان کے معاملات کی وجہ سے علاقائی حریف کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ بریگیڈیر سعد کے خیال میں پاکستان میں جاری فوجی کارروائیوں کی وجہ سے پاکستان فوج کو پہلے ہی انفنٹری یا پیادہ فوجی دستوں کی زبردست کمی کا سامنا ہے۔ بریگیڈیر سعد کا کہنا ہے کہ یمن کا بحران جلد ختم ہونے والا نہیں اور کسی 'ایگزٹ سٹریٹجی' یا نکلنے کے راستے کا تعین کیے بغیر جنگ میں داخل

ہونا انتہائی غیر دانشمندی ہوگا۔
سابق سینئر سفارتکار اشرف جہانگیر قاضی کا کہنا تھا کہ پاکستان کو فرقہ واریت کی جنگوں میں ملوث نہیں ہونا چاہئے، اس سے پاکستان کا امیج خراب ہوگا، پاکستان مقروض اور مجبور ملک ہے ،ہماری خارجہ پالیسی ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہوتی، پاکستانی فوج صرف پاکستان کے دفاع کے لئے ہے، اگر اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق کچھ کرنا پڑتا ہے تو وہ الگ بات ہے، اگر پاکستانی فوج یمن میں گراؤنڈ آپریشنز میں ملوث ہوتی ہے تو پاکستان کے اندر فرقہ وارانہ تناؤ میں اضافہ ہوسکتا ہے۔لیفٹیننٹ جنرل (ر) عبدالقیوم نے کہا کہ سعودی عرب نے اپنی سلامتی کیلئے یمن پر حملہ کیا اگر سعودی عرب کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوتا ہے تو پاکستان پیچھے نہیں رہے گا، سعودی عرب اور ایران کو آپس میں لڑا کر تباہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ اسرائیل کو کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔دفاعی تجزیہ کار لیفٹیننٹ جنرل (ر) امجد شعیب نے کہا کہ پاکستان کو یمن کے معاملہ سے الگ رہنا چاہئے، پاکستانی فوجی بھیجنے سے ایران سے تعلقات خراب ہوجائیں گے، امریکا، مشرق وسطیٰ میں ڈبل گیم کھیل رہا ہے۔
وہ ہی ہوا جس کا ڈر تھا، پوری اسلامی دنیا میں سوائے پاکستان کے آپکو یمن

میں ہونے والی جنگ کا کوئی اثر مشکل سے ہی نظر آیگا لیکن پاکستان میں مذہبی جماعتیں یمن پر سعودی عرب کے حملوں کے بعد السعود اور حوثی قبیلے کی حمایت میں سڑکوں پر نکل آئی ہیں، اس صورتحال میں آنے والے دنوں میں فرقہ وارانہ کشیدگی میں مزید اضافے کے خدشات نے جنم لیا ہے۔ جماعت الدعوۃ نے سعودی عرب کی حمایت میں متفقہ لائحہ عمل بنانے کے لیے کل جماعتی کانفرنس بلانے کا اعلان کیا ہے، اسلام آباد اور لاہور میں جمعہ 27 مارچ کو تنظیم کی جانب سے السعود خاندان کی حمایت میں ریلیاں نکالی گئیں۔ حافظ محمد سعید کہنا تھا کہ پاکستان سمیت پوری مسلم امہ کو اپنے ملکوں سے زیادہ حرمین الشریفین کی فکر کرنی چاہیے اور سعودی عرب کے دفاع کے لیے کردار ادا کرنا چاہیے وہ سعودی عرب کے خلاف کسی جارحیت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جبکہ کراچی میں مجلس وحدت مسلمین کی جانب سے خوجہ مسجد کھارادار میں یمن کے حوثی قبیلے کی حمایت میں مظاہرہ کیا گیا، جس میں سعودی حکومت کی یمن پر بمباری کے خلاف نعرے لگائے گئے۔ مجلس وحدت مسلمین کے رہنما مولانا احسان دانش کا کہنا تھا کہ 'سعودی عرب مشرق وسطی میں اپنی لگائی گئ آگ میں خود جل رہا ہے'۔ اُن کا مزید کہنا تھا کہ 'موجودہ حکومت بیرونی امداد کے نام پر ملکی سالمیت کو داؤ پر مت لگائے کیونکہ اس سے پہلے بھی نواز شریف حکومت نے سعودی مراعات خود لیں جبکہ عوام اور افواج پاکستان القاعدہ، طالبان اور داعش کی صورت میں آج بھی دہشت گردی کی قیمت چکا رہی ہے'۔ اور بھی مذہبی

جماعتوں کے بیانات ہیں جو سوائے نفرتوں کے کچھ نہیں۔ پاکستانی بھایوں پہلے اپنا گھر دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم جذبات میں اپنا ہی گھر جلاڈالیں، ایک پاکستانی ہونے کے ناطے میری آپسے درخواست ہے کہ ان مذہب کے ٹھیکیداروں سے دور ہی رہیں۔ میرا ان مذہب کے ٹھیکیداروں سے یہ سوال ہے کہ یمن میں جو کچھ ہو رہا ہے اُسکو پوری دنیا جانتی ہے مگر پاکستان کے اندر جو مظالم ڈھائے جارہے ہیں، خون بہایا جارہاہے، مذہبی جنگ جاری ہے، دہشت گرد آزادانہ گھوم پھر رہے ہیں ایسے حالات میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستانی مذہبی قوتیں ملک کے اندر ہونے والی کارروائیوں کے خلاف کیوں آواز نہیں اٹھاتیں؟۔

مشرق وسطیٰ میں امریکی پالیسی میں تضاد نظر آرہا ہے، امریکا، عراق اور شام میں آئی ایس آئی ایس کے خلاف ایران کی حمایت کر رہا ہے جبکہ یمن میں وہ ایران کے خلاف ہے، اسرائیل چاہتا ہے کہ خطے میں ایران کا اثر و نفوذ نہ بڑھے اور امریکا بالآخر اسرائیل کی ہی حمایت کرے گا۔ سعودی عرب اور ایران کی دشمنی مسلم دنیا کیلئے بڑی بدقسمتی ہے، پاکستان کے دونوں ممالک سے اچھے تعلقات ہیں، پاکستان کو ایران اور سعودی عرب کے درمیان تعلقات بہتر بنانے کیلئے سفارتی کوششیں کرنی چاہئیں، ہمیں مسلم دنیا کو جوڑنے کیلئے قدم اٹھانا ہوگا، اگر سعودی عرب کو یمن میں مداخلت کا حق نہیں ہے تو اسی طرح ایران سے بھی پوچھا جائے کہ حوثی قبائل یمن کی چار لاکھ فوج کا مقابلہ کیسے

کر رہے ہیں۔ پاکستان کا اس جنگ میں ملوث ہونے کی صورت میں ملک کے اندر دور رس فرقہ وارانہ اور مذہبی اثرات کے علاوہ یہاں اور بھی کئی اہم سوالات جنم لیتے ہیں۔ کیا ایک ایسے وقت میں جب پاکستان کی فوج ملک کے اندر کارروائیوں میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے سعودی عرب کی جنگ میں اپنے فوجی بھیج سکتی ہے؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ کل جماعتی کانفرنس میں موجودہ ملکی وبین الاقوامی صورتحال بالخصوص موجودہ صورتحال میں پاکستان کی شمولیت یا عدم شمولیت کے بارے میں بحث کی جائے اور وہ فیصلہ کیا جائے جو صرف اور صرف پاکستانی مفادات کے مطابق ہو۔

نواز شریف کا بغیر کسی قومی مشاورت کے سعودی عرب کی حمایت کا فیصلہ اُن کے فیصلہ سازی کے انداز سے بالکل مختلف اور ان کے ناقدین کے لیے حیران کن ہے۔ اس انتہائی تباہ کن صورت حال میں سعودی عرب کی مرہون منت پاکستان کی موجود سیاسی قیادت نے سعودی عرب کا بھرپور ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ نواز شریف صاحب ایک بات ضرور یاد رکھیں کہ اگر وہ سعودی احسانوں کا بدلہ اتارنے کے لیے یمن میں زمینی لڑائی میں شرکت کا ارادہ رکھتے ہیں تو ایک بات یاد رکھیں کہ یمن ایک آزاد ملک ہے ٹھیک اُسی طرح جس طرح افغانستان ہے۔ اپنے سیاسی ڈکٹیٹر باپ ضیاء الحق کے نقشقدم پر نہ چلیں اور یمن کی جنگ سے دور رہیں کیونکہ یہ آگ بھی امریکہ کی ہی لگائی ہوئی ہے۔

اس بات کو اور بہتر

اندازمیں سمجھنے کے لیے اُنکو چاہیے کہ وسعت اللہ خان کے ایک مضمون 'بخشو سب کا، بخشو کا کوئی نہیں' جو فروری 2014ء میں بی بی سی اردو ڈاٹ کام پر شایع ہوا تھا ضرور پڑھ لیں جس کے شروع میں لکھا ہے کہ 'اپنا یہ ملک بھی بخشو لگنے لگا ہے جو سب کے کام آوے ہے بھلے دوسرے اس کے کام آویں ناآویں'۔

ورلڈکپ فائنل اور آخری خواہش

زرا تصور کریں اُس شخص کا جو کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہو اور جسکو اس بات کا یقین ہو کہ وہ بہت جلد اس دنیا سے چلا جایگا، اگر اسکی آخری خواہش پوری ہو جائے تو اپنی خواہش کی تکمیل کے بعد وہ شاید باقی زندگی چاہے وہ ایک لمحے کی ہی کیوں نہ ہو بہت خوشی سے گذار کر اس دنیا سے جائے گا لیکن بد قسمتی سے اگر ایسا نہ ہو سکے تو یقینا وہ اپنی باقی کی زندگی بہت ہی مایوسی میں گذارے گا۔ 29 مارچ 2015ء کو کرکٹ ورلڈ کپ کے فائنل میں ایسا ہی ہوا جب آسٹریلیا نے نیوزی لینڈ کو یکطرفہ مقابلے کے بعد سات وکٹوں سے شکست دے کر پانچویں مرتبہ کرکٹ کا ورلڈ کپ اپنے نام کر لیا۔

میلبورن فائنل سے قبل نیوزی لینڈ کے سابق کپتان مارٹن کرو نے اپنے ساتھیوں کو جذباتی پیغام بھیجا تھا جس میں مارٹن کرو کا کہنا تھا کہ میں کینسر کی بیماری سے لڑ رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ یہ میری زندگی کا آخری ورلڈ کپ ہو اس لئے میں اپنی ٹیم کو چیمپئن دیکھنا چاہتا ہوں۔

مارٹن کرو کینسر کے موذی مرض لیمفوما میں مبتلا ہیں۔ دو سال قبل مارٹن کرو کو لیمفوفا کینسر میں مبتلا ہونے کا پتہ چلا۔ علاج کے بعد ان کا مرض دب گیا تھا لیکن گزشتہ ستمبر وہ ایک بار نمودار ہوگیا اور اب پہلے سے زیادہ شدید

انداز میں۔ ان کا کہنا ہے کہ ڈاکٹروں نے انھیں بتایا ہے کہ انھیں جو مرض لاحق ہے اس کے صرف پانچ فیصد مریض ایک سال کے عرصے تک زندہ رہ پاتے ہیں۔ مارٹن کرو اپنی بیماری سے بچنے کے لئے کیمو تھراپی بھی نہیں کرا رہے ہیں۔ وہ فائنل دیکھنے کے لئے خاص طور پر کرائسٹ چرچ سے میلبورن آئے تھے۔ مارٹن کرو نے ایک کرکٹ ویب سایٹ سے بات چیت کرتے ہوئے بتایا کہ میری آگے کی قیمتی زندگی شاید مجھے کوئی اور میچ دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کی عیاشی کا موقع فراہم نہ کرے۔

نیوزی لینڈ کی موجودہ ٹیم میں دو ایسے کھلاڑی بھی ہیں جن کی کامیابی میں مارٹن کرو کا بھی ہاتھ ہے۔ مارٹن گپٹل اور راس ٹیلر وہ کھلاڑی ہیں جن پر مارٹن کرو نے بہت محنت کی ہے۔ یہ وہی مارٹن گپٹل ہیں جنھوں نے 2015ء کے ورلڈ کپ میں ویسٹ انڈیز کے خلاف ناقابل فراموش ناٹ آوٹ ڈبل سنچری سکور کی تھی۔ ان دونوں کھلاڑیوں کی موجودہ فارم کو دیکھتے ہوئے فائنل سے پہلے مارٹن کرو کا کہنا تھا کہ 'ان دو بیٹوں جنھیں میں نے پیدا نہیں کیا، راس ٹیلر اور مارٹن گپٹل کو سیاہ کٹ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ میدان میں اترنے کا عمل دیکھنا میرے لیے بہت اطمینان کا باعث ہو گا۔ میں سارا دن اپنے آنسوؤں کو روکے رکھوں گا۔ میری حالت نروس والدین کی طرح کی ہو گی۔ مارٹن کرو نیوزی لینڈ کے دوسرے کامیاب ترین بیٹسمین ہیں اور انھوں نے 45 5444 کی اوسط سے

رنز بنائے۔ مارٹن کرو نے 1992ء ورلڈکپ میں اپنی ٹیم کی قیادت کی تھی اور ان کی ٹیم سیمی فائنل میں پاکستان کے ہاتھوں شکست کھا کر ٹورنامنٹ سے باہر ہو گئی تھی۔
مارٹن کرو نے ہمسٹرنگ ہونے کے باوجود نوے رنز سکور کیے تھے۔ مارٹن کرو نے خود ورلڈکپ کے اکیس میچوں میں 55 کی اوسط سے 880 رنز سکور کیے۔
کرکٹ کے گیارویں ورلڈکپ 2015ء کے مشترکہ میزبان آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ ہی عالمی اعزاز کے لیے آمنے سامنے آئے، نیوزی لینڈ کی ٹیم نے اپنے تمام آٹھ میچز ہوم گراؤنڈ میں کھیلے اور تمام آٹھ میچز جیت کر اس عالمی کپ کی واحد ناقابل شکست ٹیم تھی لیکن کرکٹ ورلڈکپ کے فائنل میں آسٹریلیا نے نیوزی لینڈ کو یکطرفہ مقابلے کے بعد سات وکٹوں سے شکست دے کر پانچویں مرتبہ کرکٹ کا عالمی کپ جیت لیا ہے۔ نیوزی لینڈ کی ٹیم پہلی مرتبہ ورلڈکپ کے فائنل میں پہنچی تھی۔ اس سے قبل اس نے عالمی مقابلے کے چھ سیمی فائنل کھیلے لیکن ہر بار اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ فائنل میں نیوزی لینڈ نے 184 رنز کا آسان ہدف دیا جو آسٹریلیا نے صرف 3 وکٹیں گنوا کر حاصل کرلیا۔ آسٹریلوی کھلاڑی اپنے بازوؤں پر کالی پٹیاں باندھ کر فائنل کھیلے، کالی پٹی باندھنے کی وجہ کوئی احتجاج نہیں بلکہ گذشتہ سال سر میں گیند لگنے سے فوت ہونے والے آسٹریلوی بلے باز فلپ ہیوز کی یاد میں باندھی گیں تھیں، لیکن افسوس مارٹن کرو کی

آخری خواہش پوری نہ ہو سکی، کیوی ٹیم اپنے عظیم کھلاڑی کو خوشیاں نہ دے سکی۔ آیئے دعا کریں کہ مارٹن کرو کی بقیہ زندگی بغیر کسی تکلیف کے آرام اور سکون سے گذر جائے۔

عمران خان کی جعلی اسمبلی میں واپسی

پندرہ ستمبر 2014ء کو کنٹینر پر کھڑے ہو کر دھرنے کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان فرمارہے تھے، ’’ایاز صادق سن لو! تم ہمارے استعفے منظور نہ کرکے آئین اور اپنے حلف دونوں کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ ہم استعفے دے چکے ہیں اور اس جعلی قومی اسمبلی کو ریجیکٹ کر چکے ہیں۔ تم کسی صورت اب ہمارے انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتے۔ ہمارا اس جعلی مینڈیٹ والی قومی اسمبلی سے اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ جعلی الیکشن کمیشن اور دو نمبر پارلیمنٹ کی کوئی حیثیت نہیں‘‘۔

پانچ اپریل 2015ء کو تحریک انصاف کی کور کمیٹی کے اجلاس کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے عمران خان فرمارہے تھے کہ "کل سے قومی اسمبلی کے اجلاسوں میں شرکت کریں گے، جوڈیشل کمیشن کا فیصلہ ہو گیا، اب دھاندلی کے خلاف کمیشن میں، سڑکوں پر اور اسمبلی میں بھی آواز بلند کریں گے‘‘۔ عمران خان جو ان اسمبلیوں کو جعلی مینڈیٹ والی اسمبلی کہکر ریجیکٹ کر چکے تھے حسب دستور ایک اور یوٹرن لیکر اسمبلی میں واپسی کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ہی خان صاحب نے اپنے ایمان کی تجدید فرماتے ہوئے کہا کہ " میرا ایمان ہے کہ 2015ء انتخابات

کا سال ہو گا"۔

فیس بک کے پیج پر میرے ایک دوست ہیں جن کا اصل نام جو بھی ہو مگر وہ فیس بک پر اپنے آپ کو مجنوں دیوانہ کہتے ہیں، سیاسی سوجھ بوجھ کافی ہے اس لیے کبھی کبھی اُنکی سیاسی تحریریں دراصل اُنکی سیاسی پیشنگویاں بن جاتی ہیں، میں اکثر اُنکی تحریوں کو اپنے پاس محفوظ کرلیتا ہوں، ویسے تو نظر آرہا تھا کہ تحریک انصاف کے سربراہ جلد ہی یوٹرن لینگے اور واپس جعلی اور بدعنوانوں کی اسمبلی میں پہنچ جاینگے لیکن مجنوں تو اس پر پہلے ہی ایک کہانی لکھ چکے تھے۔ 6 اپریل کو عمران خان سات ماہ بعد اسمبلی میں جاینگے، کیسے؟ آیئے مجنوں دیوانے کی کہانی پڑھیں :

"شیدے کی زنانی کسی مرونڈا بیچنے والے کے ساتھ بھاگ گئی۔ .برادری اور پنڈ کے چوہدری کی کوششوں سے ایک مہینے بعد واپس آ گئی۔ واپس آنے کے بعد کئی دن تک شرم کے مارے گھر سے نہ نکلی۔ دوپہر کے وقت محلے کی عورتیں گلی میں چارپائیاں ڈال کر دو دو، چار چار کی ٹولیوں میں بیٹھی شام تک سلائی کڑھائی یا دوسرے چھوٹے موٹے کام کاج کرتی رہتی تھیں اور ساتھ ساتھ پنڈ کے حالات حاضرہ پر تبصرے تجزیئے اور سسرال والوں کی بدخوئیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ شیدے کی زنانی کئی دن تک "باعزت" طریقے سے گھر سے نکلنے کی ترکیبیں سوچتی رہی لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے گلی کے پارلیمنٹ ہاؤس

میں انٹری دے سکے۔ ایک دن دوپہر کے وقت جب گلی کی محفلیں بام عروج پر تھیں وہ گھر سے نکلی۔ سب عورتوں کی نظراس کی جانب اٹھیں، اس نے بھی تمام عورتوں پر بڑے غور سے نظر ڈالی اور پھر بلند آواز میں بولی 'سناؤ بے غیرت پنڈ والیو، ہور کی حال ہے تم سب کا؟' بے غیرت پنڈ والیاں ہکابکا اس کی طرف دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں"۔

اگست 2014ء سے دسمبر 2014ء تک عمران خان کا سارا احتجاج یا اسلام آباد میں دھرنا انتخابات میں ہونے والی دھاندلی سے تھا لیکن یہ بات توپاکستان کی ہر سیاسی جماعت نے 11 مئی 2013ء کو ہی کہہ دی تھی مگر ان انتخابات میں ایک اور دھاندلی بھی ہوئی جو شاید عمران خان کے نزدیک دھاندلی نہ ہو اور عمران خان نے کبھی غلطی سے یا اخلاقی طور پر اس کا ذکر نہیں کیا۔ 2013ء کے انتخابات سے قبل طالبان کی دہشت گردی اپنے عروج پر تھی، طالبان دہشتگردوں نے اپنی مخالف سیاسی جماعتوں کو یہ دھمکی دی تھی کہ وہ الیکشن کی مہم نہ چلایں ورنہ اُن پر حملہ ہوگا اور ایسا ہوا بھی، اُن جماعتوں میں تین بڑی جماعتیں پیپلز پارٹی، ایم کیوایم اور اے این پی شامل تھیں، طالبان نے اپنی دھمکیوں پر عمل بھی کیاتو ان سیاسی جماعتوں نے اپنی انتخابی مہم بند کردی۔ پاکستان تحریک انصاف، مسلم لیگ ن، جماعت اسلامی اور جمیت علمائے اسلام کے دونوں گروپ ف اور س کو انتخابی مہم چلانے کی کھلی چھٹی تھی کیونکہ عمران خان، نواز

شریف، منور حسن، فضل الرحمان اور سمیع الحق یہ سب اور اُنکی جماعتیں طالبان دہشت گردوں کے حامی تھے اور ہیں۔ دھاندلی شدہ 2013ء کے انتخابات میں نواز شریف کی کامیابی یقینا جعلی ہے تو پھر عمران خان کی قومی اسمبلی میں حاصل ہونے والی سیٹیں بھی دھاندلی کی پیداوار ہیں، اُنکی کے پی کے کی حکومت بھی جعلی ہے کیونکہ یہ سب دہشتگردوں کی مدد سے حاصل ہوا ہے۔ عمران خان کو یہ تو معلوم ہوگا جب دو مقابل پارٹیوں کو انتخابی مہم چلانے کی ایک جیسی آزادی نہ ہو تو اسے بھی دھاندلی کہتے ہیں۔ اصول کی بات یہ ہے کہ پی ٹی آئی کے ممبران اسمبلی سے مستعفی ہوچکے ہیں، سارا میڈیا عمران خان کے اُن بیانات کو ہائی لائٹ کررہا ہے جبکہ اے این پی کے زاہد خان عمران خان سے سوال کررہے کہ 126 دن کنٹینر پر کھڑے ہوکر اس اسمبلی کو بوگس اور اس میں بیٹھنے والے ممبران کو بدعنوان کہنے والے عمران خان کا بدعنوانوں کی اس بوگس اسمبلی میں کیا کام؟ بقول زاہد خان عمران خان اور اُنکے ساتھی اسمبلی کے ممبر نہیں رہے۔ استعفی دینے کے بعد اسپیکر صرف آپ کے دستخط کی تصدیق کرتا ہے وہ یہ نہیں پوچھتا کہ آپ استعفی دینا چاہتے ہیں یا نہیں۔ چلیے قومی اور پنجاب اسمبلی میں تو آپکے استعفی منظور نہیں ہوئے مگر سندھ اسمبلی کے اسپیکر نے تو واضع طور پر تحریک انصاف کے ممبران کے استعفی قبول کرلیے تھے اور اسمبلی میں اسکا اعلان بھی کیا تھا، لازمی

طور پر اُسکا نوٹیفیکیشن بھی نکلا ہوگا تو پھر پی ٹی آئی کے سابق ممبران سندھ اسمبلی کو کسطرح سندھ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی اجازت ملے گی۔ انصاف کی دہائی دینے والے عمران خان کیا یہ بتانا پسند کرینگے کہ کل جب اُن کے ممبران سندھ اسمبلی میں شرکت کرینگے تو کیا اُنکی شرکت جائز ہوگی۔

عمران خان سوائے خیبر پختونخوا کے ملک کی باقی تمام اسمبلیوں کو جعلی کہتے رہے ہیں، اُنکے نزدیک صرف خیبر پختونخوا کی اسمبلی ہی حلال تھی کیونکہ وہاں اُنکی اپنی پارٹی کی حکومت تھی۔ قومی اسمبلی سے مستعفی ہونے کے معاملے میں اُنکی پارٹی میں شدید اختلاف تھے، تحریک انصاف کے پانچ ارکان نے کھل کر پارٹی لیڈرشپ کے فیصلے سے اختلاف کیا اور قومی اسمبلی کے تمام اجلاسوں میں شرکت کرتے رہے، پانچ میں سے تین ارکان کو پارٹی سے نکال دیا گیا لیکن وہ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ 'عوام نے ہمیں اسمبلیوں میں جاکر عوامی مسائل حل کرنے کے لیے منتخب کیا ہے، دھرنوں کی سیاست کے لیے نہیں'۔ اب جب عمران خان اور اُنکے ساتھی استعفے دینے کے باوجود اُسی جعلی قومی اسمبلی میں جسکو وہ ریجیکٹ کرچکے ہیں اُس میں جاینگے تو وہاں موجود ممبران سے وہ کیا کہنگے، کیا وہ شیدے کی زنانی کی طرح سب کو مخاطب کرکے کہنگے کہ "سناؤ جعلی مینڈیٹ والی قومی اسمبلی کے ممبران، ہور کی حال ہے تم سب کا؟، دیکھو یہ ہوتی ہے تبدیلی اور اس کو کہتے ہیں انقلاب، ہم بھی واپس آگے ہیں جعلی اسمبلی میں"۔

ایم کیو ایم اور نبیل گبول کا استعفیٰ

قومی اسمبلی کے حلقے این اے 246 سے متحدہ قومی موومینٹ (ایم کیو ایم) کے مستعفیٰ ممبر قومی اسمبلی نبیل گبول نے کہا ہے کہ میرے استعفے کے بعد این اے 246 کے ووٹروں کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ ایم کیو ایم ہمیشہ سمجھتی تھی کہ این اے 246 میں کوئی اس کا مقابل نہیں ہے۔ این اے 246 کے حالیہ الیکشن کا پچھلے کسی الیکشن سے تقابل نہیں کیا جا سکتا۔ ایم کیو ایم پہلی مرتبہ این اے 246 کے الیکشن میں گھبرائی ہوئی ہے۔

نبیل گبول نے ایک ٹی وی ٹاک شو میں یہ انکشاف کیا کہ جب اُنکی ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین سے فون پر بات ہوئی تو اُنکا کہنا تھا کہ آپ کے استعفے کے بعد ایم کیو ایم جس طرح الیکشن لڑ رہی ہے اور پارٹی کے لوگ جس طرح گھبرا رہے ہیں اس سے اچھا تھا کہ آپ ایم این اے رہتے۔ جبکہ ایم ایم کے رہنما کنور نوید جمیل اسکے بلکل برعکس کہتے ہیں کہ ایم کیو ایم نے نبیل گبول سے قومی اسمبلی کی نشست سے استعفیٰ لیا تھا۔

نبیل گبول جو قومی اسمبلی کے حلقے این اے 246 کے ممبر قومی اسمبلی تھے کچھ عرصے پہلے اُنھوں نے قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ دو سال تک بقول اُنکے ناجائز قومی اسمبلی کے ممبر رہے اور آج سب کو بتا رہے ہیں کہ

کسطرح وہ دھاندلی کے زریعے قومی اسمبلی کے ممبر بنے۔ نبیل گبول ایم کیوایم کے ٹکٹ پر ممبر قومی اسمبلی بنے تھے۔ مئی 2013ء میں جب پورے پاکستان میں انتخابات میں دھاندلی کا شور مچا تو نبیل گبول اپنے ضمیر کو تھپک تھپک کر سلا رہے تھے کیونکہ ابھی بہت کچھ حاصل کرنا تھا، دو سال تک قومی اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے یقینا وہ ساری مراعات سمیٹی ہونگی جو قومی اسمبلی کے ایک ممبر کو ملتی ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کمایا ہوگا لیکن اپنے حلقے کے لیے کبھی کچھ نہیں کیا، پھر اچانک اُنکا ضمیر جاگ اٹھا اور وہ مستعفی ہوگئے۔ آج وہ بتارہے ہیں کہ وہ جو ڈیڑھ لاکھ ووٹ سے جیتے تھے وہ اُنکے حلقے کے عوام کے دیئے ہوئے ووٹ نہیں تھے بلکہ ایم کیوایم کے ٹھپا مافیا کی عنایت تھی۔ ایک چیز سمجھ میں نہیں آئی کہ جب سارے پولنگ بوتھ پر ایم کیوایم کے ٹھپا مافیا کا قبضہ تھا تو پھر پی ٹی آئی کو 31 ہزار سے زیادہ ووٹ کس نے ڈالے شاید وہ بھی ایم کیوایم کے ٹھپا مافیا ہی کا کام تھا جب ہی الطاف حسین ناراض ہورہے تھے اپنے لوگوں پر کہ پی ٹی آئی کے لیے اتنے ٹھپے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ نبیل گبول کے ایم کیوایم سے علیدہ ہونے سے پہلے ہی سے یہ خبر آرہی تھی کہ اُنکی اگلی منزل پی ٹی آئی ہوگی۔

ضمنی انتخاب معمول کی ایک کاروائی ہوتی ہے، ضمنی انتخاب دو صورتوں میں کرائے جاتے ہیں، یا تو اُس حلقے کے ممبر کی موت واقع ہوجائے یا پھر اُر

خود کوئی ممبر اپنی اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہو جائے۔ کراچی میں 23 اپریل کو ہونے والا قومی اسمبلی کے حلقے این اے 246 میں ضمنی انتخاب نبیل گبول کے مستعفی ہونے کی وجہ سے کرایا جارہا ہے، یہ نشست 1988 سے اب تک متحدہ کی مضبوط نشست تصور کی جاتی ہے، کیونکہ الطاف حسین کا گھر اور ایم کیو ایم کا مرکزی آفس جسکو عام طور پر نائن زیرو کہا جاتا ہے اسی حلقے میں آتا ہے۔ اس حلقے میں مہاجر یا اردو بولنے والوں کی اکثریت ہے لہٰذا اس حلقے سے ایم کیو ایم کے نمائندئے ہی کامیاب ہوتے رہے ہیں۔
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ایسی کونسی وجوہات پیدا ہوگیں کہ اس حلقے میں انتخاب بہت زیادہ اہمیت اختیار کرگے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ کراچی کی 85 فیصد نمایندگی کی دعویدار ایم کیو ایم پر تو اُس کی پیدایش کے وقت سے ہی الزامات لگتے رہے ہیں اور آج بھی ایم کیوایم پر ٹارگیٹ کلنگ اور بھتہ خوری کے الزامات سرفہرست ہیں۔ فروری اور مارچ میں نہ صرف ایم کیو ایم پر قتل اور دہشت گردی کے الزامات لگے بلکہ اُسکے مرکز نائن زیرو پر رینجرز نے چھاپا بھی مارا، ان واقعات کے دوران ہی نبیل گبول نے قومی اسمبلی کی نشست سے استعفی دے دیا، مندرجہ ذیل واقعات کی وجہ سے آج ایم کیو ایم اپریل کو ہونے والے انتخابات دفاعی انداز اختیار کیے ہوئے ہیں۔ 23
۔فروری 2015ء میں الیکڑانک میڈیا اور اخبارات کے مطابق سندھ ہائی کورٹ میں

سانحہ بلدیہ فیکٹری از خود نوٹس کیس کے دوران رینجرز نے واقعے میں ملوث ایک ملزم رضوان قریشی کی تفتیشی رپورٹ عدالت میں پیش کردی جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ بلدیہ ٹاؤن فیکٹری میں 257 افراد کی ہلاکت کا واقعہ حادثہ نہیں بلکہ قتل تھا۔ رینجرز کی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ فیکٹری میں آگ بھتہ کے معاملے پر باقاعدہ منصوبہ بندی سے لگائی گئی جس میں ایک سیاسی جماعت (ایم کیو ایم) ملوث ہے۔ ۔گیارہ مارچ کی صبح ایم کیو ایم کے مرکز پر رینجرز نے چھاپا مارا، جسکے بعد رینجرز کے ترجمان کرنل طاہر نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں نائن زیرو پر کچھ ٹارگٹ کلرز اور جرائم پیشہ عناصر کی موجودگی کی اطلاع ملی تھی اس اطلاع پر رینجرز نے چھاپا مارا اور کافی لوگوں کو گرفتار کیا، گرفتار ہونے والوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو عدالت سے سزائے موت کی سزا مل چکی ہے۔ اُن کا مزید کہنا تھا کہ چھاپے کے دوران ایسا اسلحہ بھی ملا ہے جس کی درآمد پاکستان میں ممنوع ہے۔ ایک طرف ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن شروع ہوا جس میں اُس کے کارکن پھانسی پانے والے فیصل موٹا اور عمیر صدیقی کے علاوہ اور بھی مجرم پکڑے گئے تو دوسری طرف حکومت نے ایم کیو ایم کے ایک خاص مہرے صولت مرزا کو جو کے ای ایس سی کے سابق سربراہ شاہد حامد کا قاتل ہے اُسکو 19 مارچ کو پھانسی دینے کا اعلان کردیا، اس اعلان کے بعد ایم کیو ایم

نے صولت مرزا سے لاتعلقی کرلی۔

۔ابھی ایم کیو ایم عمیر صدیقی کے دوران تفتیش ایم کیو ایم کے خلاف دیے ہوئے بیانات سے سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ صولت مرزا کی پھانسی سے صرف پانچ گھنٹے پہلے میڈیا کو ایک وڈیو مہیا کی گئی جس میں صولت مرزا نے متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین سمیت ایم کیو ایم کی اہم قیادت پر سنگین الزامات عائد کیے۔ الزامات میں سے ایک الزام یہ ہے کہ کے ای ایس سی کے سابق سربراہ شاہد حامد کے قتل کا حکم الطاف حسین نے صولت مرزا کو بابر غوری کے گھر پر بلا کر بذریعہ ٹیلیفون خود دیا تھا، صولت مرزا کا یہ بھی الزام ہے کہ ایم کیو ایم گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد کے ذریعے اپنے حراست میں لیے گئے کارکنوں کو تحفظ دیتی ہے۔ جبکہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے صولت مرزا کی جانب سے لگائے جانے والے الزامات کی سختی سے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کا بیان ان کی جماعت کے خلاف سازشی منصوبے کا حصہ ہے۔ان کا کہنا تھا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ سزائے موت کے قیدی کی کوئی ویڈیو سزا سے محض ایک روز قبل جاری کی گئی ہے اور ثبوت کے بغیر ان پر اور ایم کیوایم پر الزامات نہیں لگائے جا سکتے۔

ایم کیو ایم جسکو کراچی میں سوائے جماعت اسلامی کے کوئی چیلنج کرنے والا

نہیں تھا، اور جماعت اسلامی 1988ء کے بعد صرف اُس مرتبہ ہی کامیاب ہوئی جب جب ایم کیو ایم نے کسی بھی انتخاب کا بایئکاٹ کیا، چاہے وہ قومی اسمبلی کے انتخاب ہوں یا بلدیاتی، نعمت اللہ خان صاحب ایم کیو ایم کے بایئکاٹ کی وجہ سے ہی کراچی کے میر بنے تھے۔ لیکن جب بھی ایم کیو ایم نے انتخابات میں حصہ لیا جماعت اسلامی ذلت آمیز شکست سے دو چار ہوئی ہے۔ آج نبیل گبول کے مطابق ایم کیو ایم پہلی دفعہ اپنے گڑھ میں تحریک انصاف کی شکل میں چیلنج محسوس کر رہی ہے، اگر این اے 246 میں فوج کی موجودگی میں الیکشن ہوتا ہے تو تحریک انصاف یہ نشست جیت سکتی ہے۔ ایسا دعوی کیوں کیا جارہا اسکی وجہ خود الطاف حسین ہیں، الطاف حسین بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ اُنکی جماعت مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے، دوسرے کسی نہ کسی طرح عام لوگ ایم کیو ایم سے خوف محسوس کرتے ہیں، ایم کیو ایم کی دہشت پر پہلی ضرب لگ گئی ہے، ابھی اس ضرب سے شاید ایم کیو ایم کا کچھ نہ بگڑے لیکن اگر ایم کیو ایم نے اپنے طور طریقے نہ بدلے تو ایم کیو ایم کا مستقبل تاریک ہوگا۔ اور آخری بات یہ ہے کہ تحریک انصاف کے رہنما عمران خان اور جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق ایم کیو ایم کے مرکز پر چھاپے، اور صولت مرزا کے بیان کے بعد شاید یہ خیال کر رہے ہیں کہ ایم کیو ایم ختم ہو گئی ہے تو یہ اُن کی غلط فہمی ہے لہذا این اے 246 کی نشست کو آسان نہ سمجھیں۔

پاکستانی پارلیمنٹ کی قرارداد اور سعودی عرب

پاکستان کی پارلیمنٹ نے چھ اپریل سے دس اپریل تک اپنے پانچ روزہ ہنگامہ خیز مشترکہ اجلاس کے آخر میں یمن کی صورتحال پر بارہ نکاتی متفقہ قرارداد منظور کرلی جسکے مطابق یمن تنازع پر پاکستان غیر جانبدار رہے گا۔پاکستانی پارلیمان نے یمن میں حوثی باغیوں کے خلاف سعودی کمان میں اتحاد کی عسکری کارروائی میں شمولیت کی سعودی عرب کی درخواست کو نظرانداز کرتے ہوئے پارلیمنٹ کی قرارداد میں حکومت سے کہا گیا ہے کہ وہ یمن کے بحران کے خاتمے کیلئے اقوام متحدہ اور او آئی سی میں فعال اور سرگرم کردار ادا کرے (سب کو پتہ ہے یہ دونوں ادارے دینا کے کسی بھی مسلئے کو حل کرنے سکت نہیں رکھتے)۔تاہم پاکستانی پارلیمان نے اس عزم کو بھی دہرایا ہے کہ سعودی عرب کی علاقائی سالمیت یا حرمین شریفین کو کسی قسم کے خطرے کی صورت میں پاکستان سعودی عرب کے شانہ بشانہ کھڑا ہوگا۔سعودی عرب نے پاکستان سے یمن میں حوثی باغیوں کے خلاف جاری کارروائیوں میں بری، بحری اور فضائی تعاون اور مدد فراہم کرنے کی درخواست کی تھی۔اس قرارداد کا مختصر ترجمہ سو لفظوں کی کہانی کے موجد مبشر علی زیدی نے جو کیا وہ یہ ہے کہ "تیل کے بدلے خون نہیں دے سکتے، پاکستان کا عرب بھائیوں کو جواب (پارلیمنٹ کی قرارداد کا درست ترجمہ یہی ہے)" ۔

ابھی تک سعودی عرب یا یمن جنگ میں شامل سعودی عرب کے اتحادی کسی بھی ملک کی وزارت خارجہ نے کوئی سرکاری رد عمل جاری نہیں کیا لیکن سعودی عرب کے مشیر اعلی برائے مذہبی امور ڈاکٹر عبدالعزیز کے بقول یمن کے مسئلے میں پاکستانی قوم چاہتی ہے کہ پاکستان سعودی عرب کا ساتھ دے۔ انھوں نے مزید کہا کہ یمن میں ایک طرف باغی اور دوسری طرف قانونی حکومت ہے، ایسی صورتحال میں ثالثی کی بات مذاق کے مترادف ہے۔ جبکہ متحدہ عرب امارات کے وزیر مملکت خارجہ ڈاکٹر انور محمد قرقاش نے پاکستانی پارلیمان میں یمن کے تنازعے پر غیر جانبدار رہنے کی متفقہ قرار داد منظور ہونے کے بعد جمعے کی شب ٹوئٹر پر اپنے بیانات میں اس فیصلے کی مذمت کی تھی۔ خلیج ٹائمز کے مطابق انھوں نے ٹوئٹر پر اپنے بیان میں کہا کہ 'عرب خلیج اس وقت خطرناک جنگ میں ہے، اس کی سٹریٹیجک سیکورٹی خطرے کے دہانے پر ہے اور اس وقت اس سچ کو واضح کرنا ہوگا کہ اصل اتحادی کون ہیں، میڈیا اور بیانات کی حد تک رہنے والے اتحادی کون ہیں'۔ ڈاکٹر قرقاش نے مزید کہا کہ پاکستان کو خلیج تعاون کونسل کی چھ ریاستوں کے ساتھ اپنے سٹریٹیجک تعلقات کے حق میں واضح موقف اختیار کرنا ہوگا۔ اس اہم مسئلے پر متضاد اور مبہم آراء کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ اماراتی وزیر کا یہ بھی کہنا تھا کہ یہ ایک کاہلی پر مبنی غیر جانبدارانہ موقف کے سوا کچھ نہیں، جبکہ پاکستانی دفتر خارجہ کی ترجمان نے کہا ہے کہ پاکستان

مصدقہ اطلاع تک اماراتی وزیر کے بیان پر رد عمل نہیں دے گا۔ دفتر خارجہ کے برعکس پاکستانی وزیر داخلہ چوہدری نثار جو پارلیمینٹ میں اجلاس کے دوران مکمل خاموش رہے متحدہ عرب امارات کے وزیر کے بیان پر اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے اُنکا کہنا تھا کہ اماراتی وزیر کی دھمکیاں ستم ظریفی ہی نہیں لمحہ فکریہ ہے۔ چودھری نثار نے کہا کہ متحدہ عرب امارات کا وزیر دھمکیاں دے رہا ہے، پاکستانی قوم سعودی عرب کے ساتھ یو اے ای کے عوام کے لیے بھی برادرانہ جذبات رکھتی ہے۔ اصولا تو جواب دینا وزارت خارجہ کی ذمہ داری ہے لیکن چونکہ ملک میں وزیر خارجہ نام کا کوئی شخص موجود ہی نہیں ہے اور نواز شریف خود اس وزارت کے انچارج ہیں لہٰذا جواب وزیر داخلہ کی طرف سے آیا ہے جو نہیں آنا چاہیے تھا، پتہ نہیں مشیر وزارت خارجہ سرتاج عزیز کہاں ہیں۔

اماراتی وزیر مملکت خارجہ ڈاکٹر انور محمد قرقاش نے پاکستان کی ایران کے بارے میں پالیسی پر بات کرتے ہوئے کہا ہے کہ لگتا ہے کہ اسلام آباد اور انقرہ کے لیے خلیجی ممالک کی بجائے تہران زیادہ اہم ہے۔ اگرچہ ہمارے معاشی اور سرمایہ کاری کے اثاثے ناگزیر ہیں لیکن اس اہم موقعے پر سیاسی حمایت موجود نہیں ہے۔پاکستان اور ترکی کی مبہم اور متضاد رائے واضح ثبوت ہیں کہ لیبیا سے لے کر یمن تک کی ذمہ داری کسی کی نہیں بلکہ عرب ریاستوں کی ہے اور ہمسایہ ممالک کے لیے یہ بحران ایک اصل امتحان ہے۔

اماراتی وزیر خارجہ نے

اپنے اس بیان میں دو بڑے واضع پیغام دیئے ہیں کہ پاکستان کو یمن بحران پر مبہم موقف کی بھاری قیمت چکانا ہوگی یعنی پاکستان معاشی مشکلات کا شکار ہو سکتا ہے اور دوسرا اُنکا پیغام جو سراسر متعصابانہ ہے کہ تمام غیر عرب مسلمانوں کے لیے ہے کہ یہ لڑائی عربوں کی ہے جس میں کوئی عجم اُنکا ساتھ نہیں دے رہا ہے، پاکستان کے لیے اُنکے بیان کا حاصل جمع یہ ہے کہ پاکستانی پارلیمینٹ کی قراداد کے بدلے اب کشکول میں کچھ نہیں ڈالینگے، پاکستان کو عرب بھائیوں کا جواب (پارلیمنٹ کی قرارداد کا درست نتیجہ یہ ہی ہوگا)۔

گیارہ مئی 2013ء کے انتخابات سے قبل نواز شریف اپنی تقریروں میں پوری قوم کو سبز خواب دکھاتے رہے، بد قسمتی سے اُنکے پاس قابل اور کام کرنے والوں لوگوں کا قحط ہے یہ ہی وجہ ہے کہ نہ وزیر خارجہ ہے اور نہ ہی وزیر دفاع، خواجہ آصف کو سابق چیف جسٹس کے کسی فیصلے کی بنیاد پر ہنگامی طور پر وزیر دفاع بنایا گیا تھا، کتنا قابل وزیر داخلہ ہے اس کا اندازا تو سب کو اُس وقت ہی ہوگیا تھا جب وزیر دفاع سے انتہائی غیر مناسب اور غیر سفارتی انداز میں پاکستانی کے پالیسی بیان کو پڑھا اور سعودی عرب کی طلب کو نہایت بھونڈے انداز میں پیش کیا، اسی پالیسی بیان میں سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر اس میں حوثیوں کا لفظ استعمال کیا گیا۔ پانچ دن کے بعد پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے ایک متفقہ قرارداد منظور کی گئی جس کے بارہ نکات کے زریعے پاکستانی

حکومت سعودی عرب کی توقعات پوری کرسکے اور سعودی حکومت کو یہ یقین دلا سکے کہ سعودی عرب کی سالمیت کو ابھی کوئی خطرہ نہیں، لڑائی یمن میں ہو رہی ہے سعودی عرب پر ابھی کسی نے حملے کی نہ تو کوشش کی ہے اور نہ دھمکی دی ہے۔ جہاں تک ثالثی کی بات ے تو سعودی عرب اور اُسکے اتحادی کسی ثالثی کو ماننے کو تیار نہیں اور پھر ہماری حکومت کی اس طرز حکمرانی اور اس طرز سفارت کاری کے ذریعے حکومت کیسے ایک ثالث کا کردار ادا کرپائے گی۔

ایک بات نواز شریف یاد رکھیں کہ ایک اندازے کے مطابق سعودی عرب میں گیارہ لاکھ، متحدہ عرب عمارات میں آٹھ لاکھ اسی ہزار، کویت میں ایک لاکھ، اومان میں پچاسی ہزار، قطر میں باون ہزار اور بحرین میں پینتالیس ہزار یعنی 23 لاکھ سے زیادہ پاکستانی جن میں زیادہ تر مزدور پیشہ ہیں ان خلیجی ممالک میں روزگار سے لگے ہوئے ہیں، ان 23 لاکھ پاکستانیوں کی وجہ سے ملک میں 23 لاکھ خاندان کچھ بہتر زندگی گذار رہے ہیں اور یہ ہی 23 لاکھ پاکستانی ملک میں غیر ملکی زر مبادلہ لانے کا بہت بڑا زریعہ ہیں۔ مارچ کے شروع میں وزیر اعظم نواز شریف سعودی عرب کے بادشاہ سلمان بن عبدالعزیز کی خصوصی دعوت پر سعودی عرب گئے تھے۔ شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے پروٹوکول کو بالائے طاق رکھ کر ایئرپورٹ پر ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ اُس وقت وزارت اطلاعات کی طرف سے جاری بیان کے مطابق وزیر اعظم نواز شریف اور شاہ سلمان بن عبدالعزیز کے

درمیان دوطرفہ تعلقات، علاقائی اور بین الاقوامی معاملات پر بات چیت ہوئی تھی، اسکے بعد ہی سعودی عرب نے 25 مارچ کو یمن میں فضائی بمباری کا آغاز کیا۔ پاکستانی حکومت کا کہنا ہے کہ سعودی عرب نے اس سے فوج مانگی تھی، تاہم یہ نہیں بتایا کہ یہ فوجی اسے دفاعی مقاصد کے لیے یا لڑائی کے لیے چاہیے تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ نواز شریف سعودی شاہ سے فوج کے تعلق سے کوئی ایسا وعدہ کرآئے ہوں جواب وہ پورا نہیں کرپارہے ہوں اور اگر وہ سعودی عرب کو پاکستان کا سچا دوست سمجھتے ہیں اور جو ہے بھی تو اسے پاکستان کی مشکلات سے آگاہ کرنا چاہیے اور سعودی حکومت کو یہ یقین دلانا چاہیے کہ اگر سعودی عرب کی سالمیت کو کوئی خطرہ ہوا تو پاکستانی فوج سعودی عرب میں موجود ہوگی۔ وزیراعظم کو پاکستانی عوام کو بھی اعتماد میں لینا چاہیے اور اگر سعودی عرب سے کوئی وعدہ کیا ہے تو وہ اپنے عوام کو بتادینا چاہیے۔ اسکے ساتھ ہی سعودی عرب اور دوسرے ممالک میں کام کرنے والے پاکستانیوں کی جان و مال کے ساتھ اُنکے روزگار کی سلامتی کی ذمہ داری بھی حکومت پاکستان کا اولین فرض ہے۔

یہ ووٹ ہمکا دے دے ووٹر، ورنہ!

پاکستان تحریک انصاف اور جماعت اسلامی صوبہ خیبر پختونخوا میں اتحادی ہیں ، یہ کیسے اتحادی ہیں اسکا اندازہ عمران خان کے اسلام آباد کے دھرنے میں جماعت اسلامی کی دوری سے واضع ہوگیا تھا، اب کراچی میں قومی اسمبلی کی ایک نشست این اے 246 پر جو ایم کیو ایم کا گڑھ ہے اور 1988ء کے بعد سے یہ سیٹ ہمیشہ ایم کیو ایم کے پاس رہی ہے پاکستان تحریک انصاف اور جماعت اسلامی نے ایک دوسرے کے مد مقابل امیدوار کھڑے کیے ہوئے ہیں۔ دونوں جماعتوں نے حلقہ این اے 246 کے ضمنی انتخابات میں ایک دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے سے انکار کردیا ہے۔ جماعت اسلامی نے تحریک انصاف پر واضع کیا ہے کہ این اے 246 میں جماعت اسلامی مضبوط ہے اور اس حلقے میں جماعت اسلامی کا حق ہے۔ جماعت اسلامی کے نائب امیر لیاقت بلوچ نے لاہور میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ پی ٹی آئی انتخابات میں ہم سے تعاون کرے۔ تحریک انصاف اپنے امیدوار کو جماعت اسلامی کے حق میں دستبردار کرائے۔ جماعت اسلامی 1970ء سے این اے 246 سے انتخابات لڑ رہی ہے۔ دوسری طرف تحریک انصاف نے بھی حلقہ این اے 246 سے اپنے امیدوار کے دستبردار ہونے سے انکار کردیا ہے، تحریک انصاف کے امیدوار عمران اسماعیل کا کہنا ہے کہ اگر جماعت اسلامی کی بات

مان لی جائے تو پھر انتخابات کی ضرورت کیا ہے، پہلے سے ہی علاقے بانٹ لیئے جایں۔ عمران اسماعیل کی اس سوچ کی پوری پی ٹی آئی حمایت کر رہی ہے جبکہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے 14 اپریل منگل کی شب جناح گراونڈ میں منی لانڈرنگ کیس کی تفتیش کے بعد لندن پولیس کی طرف سے اُنکی ضمانت میں توسیع کی خوشی میں جمع ہونے والے اپنے حامیوں سے ٹیلی فونک خطاب میں کہا ہے کہ جس طرح میں لندن پولیس اسٹیشن سے واپس آگیا ہوں اسی طرح قومی اسمبلی کے حلقہ 246 کی نشست بھی واپس آ جائے گی۔

کراچی میں 23 اپریل کو قومی اسمبلی حلقہ 246 میں ضمنی انتخابات کا انعقاد ہوگا، حلقہ 246 کی نشست جو ایم کیو ایم کے سابق رکن نبیل گبول کے استعفی کی وجہ خالی ہوئی ہے۔ 23 اپریل کو قومی اسمبلی حلقہ 246کے انتخابات میں 15 امیدوار ہیں، جن میں 12 آزاد امیدوار ہیں جبکہ تین امیدواروں کا تعلق ایم کیو ایم (کنور نوید جمیل)، پاکستان تحریک انصاف (عمران اسماعیل) اور جماعت اسلامی (راشد نسیم) سے ہے۔ حلقے کے عوام کیا فیصلہ کرتے ہیں اسکا پتہ ہمیں 23 اپریل کی رات کو چلے گا۔ اس حلقے کے ضمنی انتخابات میں کسی بھی سیاسی پارٹی کو کامیابی ملے ملکی سیاست پر اُسکا کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا لیکن صوبائی اور خاص طور پر کراچی کی سیاست پر بہت اثر پڑے گا، مثال کے طور پر اگر ایم کیو ایم یہ نشست جیت جاتی ہے تو یقینا ایم کیو ایم کو اس کا

بھرپور سیاسی فائدہ ہوگا اور ایم کیو ایم ڈاکٹر عمران فاروق قتل کیس سے لیکر صولت مرزا کے لگائے ہوئے تمام الزامات کو اپنے خلاف سازش قرار دیگی، کچھ عرصہ پہلے نائن زیرو پر رینجرز کا چھاپہ، قاتلوں کی گرفتاری اور اسلحہ کی برآمدگی سب اسٹیبلیشمنٹ کی سازش کہا جایگا اور ایم کیو ایم ایسے ہی پاک صاف ہوجائے گی جیسے ہمارا وزیر حج، حاجیوں کا مال ہڑپ کرنے اور حج کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

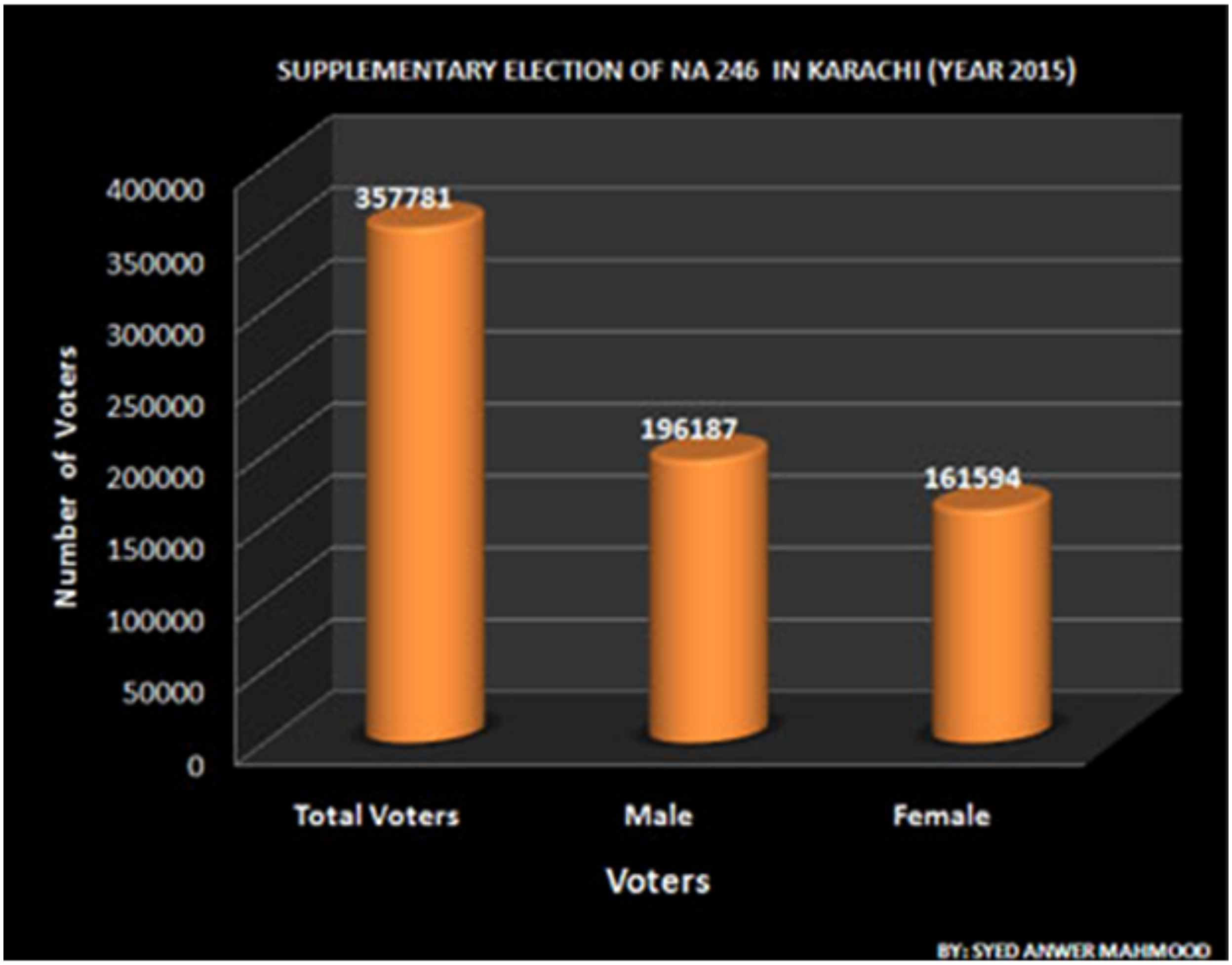

عمران خان نے 6 اپریل کو حلقہ 246 کا دورہ کیا جس میں اُنکی بیگم ریحام خان اورپارٹی کے امیدوار عمران اسماعیل اور دوسرئے رہنما بھی شامل تھے، عمران خان اور انکی بیگم جب اسلام آباد سے روانہ ہورہے تھے تو ایم کیو ایم اور

اُسکے قائد الطاف حسین کے خلاف بڑے ہی جارحانہ انداز میں بیان دیے رہے تھے۔
عمران خان میڈیا کو بتا رہے کہ لندن میں انہوں نے وکلا کی پوری ٹیم تیار کر رکھی ہے، اگر اُنکے کسی ایک کارکن کو کچھ ہوا تو لندن میں الطاف حسین کی خیر نہیں۔ بیگم عمران اپنے شوہر سے زیادہ الطاف حسین کے خلاف بول رہی تھیں، الطاف حسین نے دونوں میاں بیوی کو نائن زیرو آنے کی دعوت کے ساتھ ساتھ اُنکے بھرپور استقبال کے انتظام کا بھی اعلان کیا تھا جسکے جواب میں ریحام خان کا کہنا تھا کہ وہ ایک غیر ملکی کی دعوت کیسے قبول کرلیں، الطاف حسین برطانیہ کے شہری ہیں۔ حلقہ 246 اور جناح گراونڈ کے دورے کے دوران ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کے تمام ارکان عمران خان اور اُنکی ٹیم کے استقبال کے لیے موجود تھے، عمران خان اور اُنکی بیگم کے لیے تحفوں کا بھی اعلان ہوا۔
عمران خان کی جناح گراونڈ سے واپسی پر ایم کیو ایم کے کچھ کارکنوں نے پی ٹی آئی کے کچھ کارکنوں کو زخمی کردیا لیکن عمران خان جب اسلام آباد جانے کے لیے کراچی ایرپورٹ پہنچے تو اُنکا کہنا تھا کہ کارکنوں کی آپس میں کچھ غلط فہمی ہو گی تھی۔ الطاف حسین اور ایم کیو ایم کیخلاف بات کرتے ہوئے اُنکا لہجہ مدہم تھا، جبکہ دوسرے دن اُنکی بیگم غیر ملکی الطاف حسین کو الطاف بھائی کہکر پکار رہی تھیں۔ عمران خان جنہوں نے کبھی بھی کراچی کو اہمیت نہیں دی، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا کہ مئی 2013ء کے انتخابات میں انہوں نے انتخابات میں حصہ تو لیا لیکن اُن کے زیادہ تر امیدوار بغیر پولنگ ایجنٹ کے

انتخابات لڑ رہے تھے اور آج بھی وہ حلقہ 246 کے لیے پولنگ ایجنٹ تلاش کر رہے ہیں، ایسے میں اگر یہ فرض کرلیں کہ پاکستان تحریک انصاف یہ نشست حاصل کرلیگی تو خان صاحب سب سی پہلے کراچی کے لوگوں کو ایم کیو ایم سے آزادی کی مبارکباد دینگے اور پھر کہنگے اُوئے نواز شریف تبدیلی آئے گی نہیں تبدیلی آچکی۔

بارہ اپریل کو جماعت اسلامی نے ایم کیو ایم کے گھر میں گھس کر نائن زیرو کے قریب شاہراہ پاکستان پر ایک جلسہ کیا اور جماعت اسلامی کے موجودہ امیر کامریڈ سراج الحق نے الطاف حسین کو مخاطب کرکے ایم کیو ایم کے ایک ایک گناہ کو یاد دلایا۔ جماعت اسلامی کا یہ دعوی کہ وہ اس شہر کے ایک ایک محلے یا ایک ایک گلی سے واقف ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ جماعت اسلامی جو کراچی کی نمائندگی کا دعوی کرتی ہے کبھی بھی کراچی کی نمائندہ جماعت نہیں رہی، 1970ء میں مشرقی اور مغربی پاکستان سے جماعت اسلامی کو صرف 4 سیٹس ملی تھیں، ان میں سے دو سیٹیں کراچی سے تھیں اور اس وقت کراچی سے قومی اسمبلی کی سات سیٹیں ہوا کرتی تھیں۔ 1977ء میں پی این اے کا حصہ تھی۔ 1985ء میں جماعت اسلامی جب اپنے غاصب امیرالمومنین ضیاالحق کی بی ٹیم تھی اس وقت کے غیر جماعتی انتخابات میں جس میں پاکستان کی کسی قابل ذکر جماعت نے حصہ نہیں لیا تھا سوائے جماعت اسلامی کے، پورے پاکستان سے 50 امیدوار کھڑے کیے اور

صرف 9 کامیاب ہوئے۔ بعد میں ہونے والے انتخابات میں یہ مختلف اتحادوں کے ساتھ رہے، سب سے زیادہ اسکور 9 ہے جبکہ 1970ء کے الیکشن میں تو "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ بھی لگایا تھا۔ 1970ء کے بعد 2013ء میں جماعت اسلامی کو اکیلے انتخابات لڑنے پڑے اور صرف تین نشست حاصل کرپائی تھی، جماعت اسلامی کی مرغوب سیاست دہشت گردوں کی پشت پناہی ہے، جماعت کے سابق امیر منور حسن نے تو دہشت گردوں کے ایک سربراہ کو ڈرون حملے میں مرجانے پر شہید قرار دیا تھااور پاک فوج اور دوسرے شہید ہونے والوں کو منور حسن کرائے کا فوجی بتارہے تھے۔ اب اگر جماعت اسلامی 246 کی یہ نشت جیت جاتی ہے تو امیر جماعت اسلامی کامریڈ سراج الحق کراچی کے لوگوں سے فرماینگے، اے کراچی کے لوگوں کٹی پہاڑی سے آیا ہوا اجمل پہاڑی آج ہار گیا لیکن وزیرستان سے آیا ہوا ملا فضل اللہ جیت گیا، آج ٹارگیٹ کلر، بھتہ خور ہارگے اور دہشتگرد جیت گے۔

سال 2002ء کے عام انتخابات میں این اے 246 میں رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد 2 لاکھ ہزار تھی۔ ایم کیو ایم کے حاجی عزیز اللہ کو 53 ہزار اور متحدہ مجلس عمل کے راشد 61 نسیم کو 33 ہزار ووٹ ملے تھے۔ سال 2002ء میں پی ٹی آئی کا سیاست میں بس اتنا ہی رول تھا کہ جنرل پرویز مشرف کی مہربانی سے عمران خان قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے، کراچی میں پی ٹی آئی کوئی وجود

نہیں تھا۔ 2008ء کے عام انتخابات میں رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد 3 لاکھ 10 ہزار تھی۔ ایم کیو ایم کے سفیان یوسف کو ایک لاکھ 87 ہزار ووٹ ملے تھے۔ جماعت اسلامی اور تحریک انصاف نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا ہوا تھا۔ 2013ء کے عام انتخابات میں رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد 3 لاکھ 57 ہزار تھی۔ ایم کیو ایم کے نبیل گبول کو ایک لاکھ 37 ہزار اور تحریک انصاف کے عامر شرجیل نے 31 ہزار سے زیادہ ووٹ حاصل کیے تھے۔ جماعت اسلامی کے راشد نسیم کو 10 ہزار ووٹ ملے تھے۔ جماعت اسلامی نے دوپہر میں الیکشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا تھا، لگتا ایسا ہے کہ جماعت اسلامی کے بائیکاٹ کے بعد ایم کیو ایم کے مخالفین نے تحریک انصاف کو ووٹ دیے تھے، اب اگر آنے والے ضمنی انتخاب میں جماعت اسلامی کے راشد نسیم 30 ہزار ووٹ لے گئے تو تحریک انصاف کو کتنے ووٹ ملیں گے؟ حلقہ 246 کے تینوں امیدوار اور اُنکی جماعتیں کسی سے کم نہیں، مجھے فلم شعلے کا گبر سنگھ یاد آرہا ہے بس حلقہ 246 کے ووٹروں کو شاید اب صرف یہ ہی سنائی دیگا 'یہ ووٹ ہمکا دے دے ووٹر، ورنہ!'۔

بلوچستان میں بے گناہوں کا قتل

بلوچستان کے علاقے تربت میں 11 اپریل کو سراپ ڈیم پر کام کرنے والے مزدوروں کے بیس کیمپ پر ایک اندوہناک واقعہ پیش آیا جب مسلح افراد کے حملے کے نتیجے میں بیس مزدور موقع پر ہلاک ہو گئے جبکہ تین مزدور شدید زخمی ہو گئے۔ ہلاک ہونے والے مزدوروں میں سے چار کا تعلق قحط زدہ علاقہ تھرپارکر سے جبکہ باقی تمام مزدور تحصیل صادق آباد کے چک 212/217 باندی سے تھا، ان میں سے چودہ افراد ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن میں ایک مزدور اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ حملے میں ہلاک ہونے والے تمام مزدور کمسن تھے جو اپنے علاقے میں خشک سالی، آبپاشی کے ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے فاقہ زدگی کے شکار خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس قتل عام کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے بلوچستان لبریشن فرنٹ کے ترجمان گہرام بلوچ نے کہا کہ چونکہ بلوچستان کے آبی راستوں کو سامراجی نقطہ نگاہ سے استعمال کیا جارہا اور اس کے لئے قائم کی جانے والا انفراسٹرکچر مقامی آبادی کے مفادات کی بجائے پاکستانی اور چینی سامراج کے لئے قائم کیا جارہا ہے۔ ترجمان نے پختون، سرائیکی، سندھی مزدوروں کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ ایف ڈبلیو او اور دیگر تعمیراتی اداروں کے لئے کام کرنے والے مزدوروں کو برداشت نہیں کیا جائے گا

اور اسی قسم کے حملے کئے جائیں گے۔ اس واقعہ کے بعد وزیر اعظم نواز شریف اور وزیر اعلی بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ نے اس سانحے کی تحقیقات حکم دیدیا ہے جبکہ غفلت کے مرتکب 8 لیویز اہلکاروں کو معطل کرکے گرفتار کرلیا گیا۔

بلوچستان لبریشن فرنٹ یا دہشتگردوں کا یہ ٹولہ انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں جو بے گناہ نہتے مزدوروں کو بے دردی سے قتل کرکے اپنے آقاؤں کو خوش کررہاہے۔ وہ غریب مزدور جوسیکڑوں میل دورسے سفر کرکے صرف اپنے گھر کاچولہا جلانے بلوچستان آئے تھے اُن معصوم بے گناوں کو رات کی تاریکی و گہری نیند میں موت کی نیند سلا کران دہشتگردوں نے انسانیت کا سر شرم سے جھکا دیا ہے۔

یہ پیچھے سے وار کرنے والے ایسے بزدل ہیں کہ جب پاکستانی فورس کی بندوقیں ان کی طرف ہو جائیں تو دم دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔ اسکولوں اور پلوں وغیرہ کو بم سے اڑانا عوام کی خدمت نہیں بلکہ دشمنی ہے ان کے بزدل لیڈر باہر بیٹھ کر عیاشیوں سے فارغ نہیں اور یہاں کے سادہ لوح عوام کو ورغلا رہے ہیں ۔ دہشت گردوں کی ایک اور تنظیم بلوچ لبریشن آرمی نے 15 جون 2013ء کو زیارت میں موجود قائداعظم ریذیڈنسی کو بھی بم دھماکوں سے تباہ کیا تھا۔ بلوچستان میں بلوچ لبریشن فرنٹ اور بلوچ لبریشن آرمی نامی تنظیمیں بلوچستان کی علیحدگی کے ایجنڈے پر سرگرم ہیں۔ یہ تنظیمیں اپنے قیام سے ہی بلوچستان میں گیس لائنیں اڑانے، فوج و پولیس اور غیر مقامی افراد پر حملوں، لوگوں کو گھات لگا کر قتل کرنا، اغوا برائے تاوان کی وارداتیں اور صوبہ میں دہشتگردی میں ملوث رہی ہیں۔ حکومت پاکستان کے مطابق یہ سب کچھ ایک بہت بڑی سازش ہے، جس کے پیچھے نہ صرف ہندوستان بلکہ امریکہ اور اسکے اتحادی بھی ہیں، آخر کیوں؟ تو اس کا سیدھا سا جواب ہے کہ بلوچستان نہ صرف معدنی دولت سے مالامال بلکہ جغرافیائی طور پر پاکستان کا ایک اہم صوبہ ہے۔

ہندوستان یوں تو ایک جمہوری ملک ہونے کا دعویدار ہے لیکن 1947 کے بعد سے ابتک ہندوستانی حکمرانوں نے کبھی بھی جمہوری رویہ نہیں اپنایا۔ اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھنے والے ہندوستانی لیڈر ہمیشہ سے جارحانہ پالیسی پر عمل پیرا

ہیں۔ پاکستان ہو یا سری لنکا، نیپال ہو یا اُس کا لے پالک بنگلہ دیش، ہندوستانی حکمران ان سب ملکوں کے بارے میں جارحانہ پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ ہندوستان کے ان ناپاک عزائم میں اُس کا ساتھ دینے میں امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل پیش پیش رہے ہیں۔

بھارت اور پاکستان ساتھ ساتھ آزاد ہوئے لیکن افسوس بھارت کی سیاسی قیادت نے آجتک پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا ہے۔ بھارت کا مسلہ یہ ہے کہ وہ پاکستان کو کبھی بھی ایک پر سکون اور معاشی طور پر ترقی کرتے ہوئے ملک کے نہیں دیکھ سکتا، دوسرے چین جو پاکستان کا مخلص دوست ہے اور بلوچستان کی ترقی اور خاصکر گوادر کی بندرگاہ کے حوالے سے اُس کو چین کے کردار پر سخت تکلیف ہے۔ جبکہ پاکستان کا بلوچستان ہی وہ علاقہ ہے جہاں امریکہ سمیت بڑی طاقتوں کی چپقلش عروج پر ہے۔ امریکہ کی پالیسی یہ ہے وسطی ایشیا کو کنٹرول کرنے کے لیے بلوچستان پر کنٹرول لازمی ہے لیکن چین یہ سمجھتا ہے کہ اگر ایسا ہوا تو اسکی معاشی ترقی اور بین الاقوامی قوت کے طور پر ابھرنا اسکے لیے مشکل ہو سکتا ہے۔

ایک امریکی دانشور ایرک نے بلوچستان کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ بظاہر ویران نظر آنے والی یہ زمین اپنی آغوش میں بہت بڑے معدنی خزانے چھپائے ہوئے ہے اور اسکے علاوہ یہ تیل اور گیس کی بین الاقوامی تجارت کے کراس روڈ پر بھی واقعہ ہے اور مستقبل کے سارے گیس پائپ

لائنز بھی یہاں ہی سے گذرنے ہیں۔ ایرک نے لکھا کہ " مغربی طاقتیں ایک مضبوط بلوچستان کو ابھرتا نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ علاقہ نہ صرف چین کیخلاف استعمال کرنے کیلئے ضروری ہے بلکہ ایران اور پاکستان پر بھی یہاں سے نظر رکھی جا سکتی ہے"۔ ایرک نے اپنے مضمون میں قطر کے ایک انگریزی اخبار دی پینیسوالہ کا بھی حوالہ دیا جس کے مطابق "امریکی ایجنسی سی آئی اے مقامی لوگوں کو 500 ڈالر ماہانہ پر بھرتی کرتی ہے، اسکے علاوہ سی آئی اے کا انچارج جنرل پیٹریاس بلوچستان کو غیر مستحکم اور غیر متوازن کرنے کیلئے افغان مہاجرین کو بھی استعمال کرتا رہا ہے"۔ کالم نگار کے مطابق بلوچستان میں سی آئی اے کے علاوہ برطانیہ کی ایم آئی سکس، اسرائیل کی موساد اور انڈیا کی ایجنسی راملوث ہیں۔ امریکہ کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ اگر امریکہ بلوچستان کو کنٹرول نہ بھی کرپائے تو چین بھی بلوچستان میں سکون سے اپنی سرمایہ کاری نہ کرسکے یعنی معدنی ذخائر کو نکالنے میں اور گوادر پورٹ بنانے میں چین کے کردار کو روکنا مقصود ہے اور یہ ہی مقصد ہندوستان اور ہندوستانی لیڈروں کا ہے تاکہ پاکستان معاشی اور سیاسی طور پر ترقی نہ کرسکے۔

سانحہ تربت ایک بھیانک واقعہ ہے اور بلوچستان کو غیر مستحکم کرنے کی سازش ہے۔ قوم پرستی کی آڑ میں غریب اور نہتے محنت کشوں کا قتل ایک بزدلانہ کاروائی ہے۔ بلوچستان کے قومی حقوق کی جنگ کو پراکسی وار میں تبدیل کرنے سے

نہ تو بلوچستان کا محنت کش طبقہ اپنے حقوق حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی عوامی معیار زندگی بہتر ہو سکتا ہے۔ اس طرح کی کاروائیاں صرف اور صرف بلوچستان کے عوام میں مایوسی اور بد ظنی پیدا کرنے کے علاوہ اور کوئی اثرات مرتب نہیں کر سکتیں۔ بلوچستان کے محب وطن عوام ان دہشتگردوں سے چھٹکارا چاہتے ہیں، یہ لاتوں کے بھوت ہیں باتوں سے ماننے والے نہیں۔ دہشتگردوں اور غداروں سے جبتک اُنکے انداز میں بات نہ کی جائے وہ قابو میں نہیں آتے۔ پاکستان کی مرکزی اور بلوچستان کی صوبائی حکومت کو ملکر بلوچستان میں ہونے والی سازشوں، غیر ملکی ایجنٹوں، ملک کے غداروں اور دہشت گردوں کے خلاف ایک گرینڈ آپریشن کرکے ہمیشہ کے لیے ان کا وجود لازمی ختم کرنا ہوگا، ورنہ بلوچستان میں امن ایک خواب بنکر رہ جایگا۔

پاک چین دوستی اور عالمی سازشیں

کہا جاتا تھا کہ پاکستان اور چین کی دوستی سمندروں سے گہری اور ہمالیہ سے اونچی ہے لیکن اب وزیراعظم نواز شریف نے پاک چین دوستی کو شہد سے زیادہ میٹھی اور فولاد سے زیادہ مضبوط بھی قرار دیا ہے، یعنی اب کہا جائے جایگا کہ پاکستان اور چین کی دوستی سمندروں سے گہری، شہد سے زیادہ میٹھی، فولاد سے زیادہ مضبوط اور ہمالیہ سے اونچی ہے۔ چین کے صدر شی چن پنگ نے کہا ہے کہ چین اور پاکستان کا مستقبل مشترک ہے، پاکستان کے ساتھ اسٹریٹجک پارٹنرشپ ہے، دونوں ممالک دہشت گردی کے خاتمے کے لیے تعاون کر رہے ہیں۔ چینی صدر شی چن پنگ کا مزید کہنا تھا کہ یہ میرا پاکستان کا پہلا دورہ ہے اور دورے کا مقصد دونوں ملکوں کے تعلقات کو مضبوط بنانا ہے۔ چینی صدر نے کہا کہ چین دہشت گردی کے خاتمے کی پاکستان کی کوششوں کو سراہتاہے،پاکستان کے ساتھ تعلقات کو عملی اقدامات کے ذریعے مزید مستحکم کریں گے۔ چینی صدر نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان کے ساتھ دوستی کو نئی بلندیوں پر لے جائیں گے۔ اکیس مئی 1951ء پاکستان اور چین کی دوستی اور سفارتی تعلقات کے آغاز کا دن تھا۔ چین نے ہر مرحلے پر یہ ثابت کیا کہ وہ پاکستان کا سچا دوست ہے جبکہ پاکستان نے بھی جواب میں ایسا ہی کیا۔

چینی صدر شی جن پنگ پاکستان کا دو روزہ تاریخی دورہ مکمل کر کے وطن روانہ ہو گئے۔
چینی صدر کے دورہ پاکستان کے دوران اقتصادی راہ داری سمیت 51 معاہدوں پر دستخط
ہوئے جبکہ پاک چین تجارتی حجم 20 ارب ڈالر تک لانے پر بھی اتفاق کیا گیا۔ چینی صدر
نے دورہ پاکستان کے دوسرے روز پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کیا۔
پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے چینی صدر کا کہنا تھا کہ پاکستان اور
چین کی دوستی باہمی تعاون پر مبنی ہے، چینی عوام پاکستان کی ترقی اور خوشحالی میں ہمیشہ
ساتھ رہیں گے، پاک چین دوستی آنے والے وقت میں مزید مستحکم ہو گی، پاکستان کی
ثقافتی روایات ایک جیسی ہیں، شاہراہ قراقرم دو تہذیبوں کے درمیان ایک بندھن
ہے۔ ایوان صدر میں ایک پروقار تقریب میں چینی صدر شی جن پنگ کو پاکستان کے
سب سے بڑے سول ایوارڈ" نشان پاکستان " سے نوازا گیا۔ نشان پاکستان جیسے
اعزازات کسی کسی پر سجتے ہیں اور چین کے لئے "نشان پاکستان" کا اعزاز پاکستان کے
عوام کی بھی خواہش اور دلی مسرت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔
چینی صدر کے مطابق چین اور پاکستان اہم بین الاقوامی اور علاقائی مسائل پر یکساں
موقف رکھتے ہیں، پاکستان کے ساتھ گوادر بندرگاہ، توانائی، بنیادی تنصیبات اور صنعتی
تعاون جاری رکھیں گے۔ آج چین اور پاکستان کی انمول دوستی اقتصادی اور دفاعی ترقی
کے اقدامات کئی ممالک کو کھٹکتے ہیں۔ چینی صدر شی

چن پنگ کے حالیہ دورے میں اقتصادی راہ داری سمیت جو 51 معاہدوں پر دستخط ہوئے اور پاک چین تجارتی حجم 20 ارب ڈالر تک لانے پر اتفاق کیا گیا ہے، پاکستان کو بجلی کے بحران سے نکالنے کے لیے بھی معاہدے کیے گے ہیں جس سے پاکستان میں توانائی کے بحران پر قابو پایا جاسکے گا۔ لیکن کچھ ممالک ایسے بھی ہیں جو پاکستان اور چین کے درمیان ہونے والے ان معاہدوں اور بڑھتے ہوئے تعلقات کو پسند نہیں کرتے۔ بلکہ دونوں ممالک کے تعلقات میں دراڑیں ڈالنے اور چین کے گرد گھیرا تنگ کرنے میں مصروف رہتے ہیں اس لئے اس دوستی کی پائیداری کے لئے ضروری ہے کہ اس قسم کی سازشوں کو بھی سامنے رکھا جائے۔ اس سے پہلے پاکستان میں گوادر، گومل زیم ڈیم اور شاہراہ مکران کی تعمیر کے منصوبے سازشوں کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ پاکستان ایک عرصے سے دہشت گردی کا شکار ہے اور اسکی وجہ سے ہی پاکستان کی معاشی صورتحال مسلسل تنزلی کا شکار ہے، اس دہشت گردی میں ہندوستان، مغربی طاقتیں اور امریکہ شامل ہیں۔ مذہب اور آزادی کے نام پر ہونے والی اس دہشت گردی کا مقصد پاکستان کو معاشی اور سیاسی طور پر کمزور کرنا ہے، اس کے علاوہ چین کے دنیا میں بڑھتے ہوئے معاشی اور سیاسی اثرورسوخ کو روکنا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ پاکستان میں دہشت گردوں کے حملے مسلسل جاری ہیں۔ اسلیئے حکومت کو اگر ان معاہدوں میں شامل منصوبوں پر مکمل عمل کرنا ہے تو دہشت گردی کو جڑ سے ختم کرنا ہوگا۔

وہ ممالک جن کو پاک چین دوستی ایک آنکھ نہیں بھاتی اُس میں امریکہ، اسرائیل، برطانیہ اور بھارت ہیں۔ پاکستان اور چین کے درمیان مجوزہ ڈھائی ہزار کلو میٹر لمبی اقتصادی راہداری گوادر سے شروع ہو کر کاشغر تک جائے گی جو پاکستان کی معیشت کی بحالی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے لیکن بھارت کے سابق سفارتکار راجیو ڈوگرہ کا کہنا ہے کہ یہ راہ داری بعض متنازع علاقوں سے گزرے گی جس پر بھارت کو اعتراض ہوگا۔ بی بی سی اردو ڈاٹ کام کے مطابق چینی صدر کے پاکستان دورے کو بھارت میں بہت باریک بینی سے دیکھا جا رہا ہے، پاکستان اور چین کے درمیان اربوں ڈالر کے ترقیاتی منصوبوں کے معاہدوں پر اسلام آباد اور بیجنگ میں اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا گیا ہے لیکن بھارت میں اقتصادی راہداری کی تعمیر اور گوادر بندرگاہ لیز پر چین کو دیے جانے کے معاہدوں پر بھارت میں تشویش پائی جاتی ہے۔ پاکستان اور چین کے درمیان ہونے والے معاہدوں پر بھارتی میڈیا نے نکتہ چینی شروع کر دی اور اپنا پرانا راگ الاپتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ پاکستان میں سیکیورٹی صورت حال کے باعث چین کو اتنی بڑی سرمایہ کاری نہیں کرنی چاہیے۔ پاکستان اور چین کے درمیان دفاعی معاہدوں پر جہاں بھارت کے حکمران پریشان ہو جاتے ہیں وہیں اس کی فوج کی نیندیں بھی حرام ہو جاتی ہیں، بھارتی بحریہ کے سربراہ ایڈمرل آر کے دھاون نے کہا کہ بھارتی فوج کی پاکستان اور چین کے درمیان ہونے والے معاہدوں پر گہری نظر ہے اور خاص طور پر دونوں ممالک کے درمیان دفاعی شعبہ جات میں

تعاون اور آبدوزوں کی فروخت کے معاملے کو باریک بینی سے دیکھا جا رہا ہے۔
چین نے کاشغر میں ایک خاص زون بنایا ہوا ہے جو تجارت کا مرکز ہے۔ کاشغر کی وجہ سے مسلمانوں کی بھی ترقی ہوگی اور چین مشرق وسطیٰ تک بھی پہنچے گا اور اسے گوادر کے ذریعے راستہ ملے گا مگر چین کا راستہ روکنے کے لئے پاکستان اور چین کے خلاف سازشیں کی جاتی رہی ہیں اور کی جائنگی۔ سال دو ہزار گیارہ میں سابق امریکی چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف ایڈمرل مائیک مولن کے دورہ چین کے بعد چین کی طرف سے پہلا منفی پیغام آیا اور وہ پاکستان کو تنہا کرنے کی مہم میں قدرے کامیاب ہوا جب چین نے یہ الزام لگایا کہ چین میں جن لوگوں نے سنکیانگ میں بموں سے 31/30 جولائی کو حملہ کیا، انہوں نے پاکستان میں تربیت حاصل کی۔ یہ بیان پاکستان کی توقعات کے بالکل برعکس تھا جبکہ پاکستان ہمیشہ چین کے خلاف ہونے والی کسی بھی کاروائی میں چین کے ساتھ رہا ہے۔ کہا جا رہا تھا کہ امریکہ افغانستان سے 2014ء میں نکل جائے گا اگر اُس کے نکلنے کے ارادے ہوتے تو وہ جو سازشیں کر رہا ہے وہ نہیں کرتا۔ افغانستان میں سونا اور تانبا ہے۔ وہ کیسے چھوڑے گا اور یہی بات سابق امریکی سفیر کیمرون منٹر نے کہی تھی کہ امریکہ کی بلوچستان میں بہت دلچسپی ہے، اور سابق امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے چنائے انڈیا میں اپنے انڈیا کے دورے کے وقت کہا تھا کہ یہ راستہ جنوبی ایشیاء اور سینٹرل ایشیاء کے درمیان پل کی حیثیت رکھتا

ہے۔

بلوچستان کے دہشت گردوں کے امریکہ اور مغربی طاقتوں کی سراغ رساں ایجنسیوں سے تعلقات ہیں اور پاکستانی حکومت اور اُسکے سیکورٹی ادارے اس چیز کو بخوبی جانتے ہیں۔برطانیہ کی ایم آئی سکس کے تو بلوچستان لبریشن آرمی سے اسکے بننے کے کچھ عرصہ بعد ہی سے تعلقات ہیں۔ امریکی کانگرس کے دانا روہر باچر جیسے کئی قانون دان بھی اس سازش میں شریک ہیں اور بلوچستانیوں کو حقِ خودارادیت دینے کی باتیں کر رہے ہیں۔ دانا روہر باچر امریکی حکومت کو صلاح دیتا رہا ہے کہ دہشت گردوں سے تعلقات قائم کرو اور پاکستان کی جمہوری حکومت سے رشتے توڑ لو۔ ان تمام سازشوں کا مقصد یہ ہے بلوچستان کو پر امن نہ رہنے دیا جائے۔ امریکہ کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ اگر امریکہ بلوچستان کو کنٹرول نہ بھی کرپائے تو چین بھی بلوچستان میں سکون سے اپنی سرمایہ کاری نہ کرسکے یعنی معدنی ذخائر کو نکالنے میں اور گوادر پورٹ بنانے میں چین کے کردار کو روکنا مقصود ہے اور یہ ہی مقصد ہندوستان اور ہندوستانی لیڈروں کا ہے تاکہ پاکستان معاشی اور سیاسی طور پر ترقی نہ کرسکے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ بلوچستان میں آئے دن دہشتگردی ہوتی رہتی ہے، تربت میں 20 بے گناہ مزدوروں کا قتل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جنرل راحیل شریف نے اپنے دورہ امریکہ کے دوران بھی بلوچستان میں بھارتی دراندازوں اور بھارت نواز دہشت گردوں کے مسئلے کو اُٹھایا تھا۔

اس ساری صورتحال کے پیش نظر پاکستان اور چین کو یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ امریکہ اور بھارت وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ اپنی پالیسیوں پر غور و فکر اور نظرثانی کرتے رہتے ہیں اور پاکستان اور چین کے درمیان ہونے والے معاہدوں کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بھارت کے ساتھ ساتھ امریکہ اور مغربی طاقتوں کی پاک چین دوستی کے خلاف عالمی سازشوں پر نگاہ رکھی جائے۔

ایم کیو ایم کا ضمنی انتخاب میں دفاعی انداز

سب سے پہلے ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین ، حلقہ این اے 246 سے نو منتخب ممبر قومی اسمبلی کنور نوید جمیل اور ایم کیو ایم کی قیادت کو 23 اپریل کو انتخابات کے زریعے این اے 246 کی نشست پر شاندار کامیابی بہت بہت مبارک ہو۔ حلقہ این اے 246 میں ووٹرز کی کل تعداد 357801 ہے جبکہ اس میں مردوں کی تعداد 196197 اور عورتوں کی تعداد 161604 ہے۔ (ممکن ہے مردوں اور عورتوں کی تعداد میں 2 یا 4 کا فرق ہو لیکن ووٹرز کی کل تعداد کنفرم ہے)۔ 23 اپریل کو صرف 131424 ووٹرز نے اپنا ووٹ ڈالا جو اصل ووٹرز کا صرف 36.73 فیصد ہے۔
131424 ووٹوں میں سے 95644 ووٹ (72.78 فیصد) ایم کیو ایم نے حاصل کیے ، پاکستان تحریک انصاف نے 24821 ووٹ (18.89 فیصد)، جماعت اسلامی نے 9056 ووٹ (6.89 فیصد)، تمام آزاد امیدواروں نے مشترکہ طور پر 774 ووٹ (0.59 فیصد) حاصل کیے جبکہ 1129 ووٹ (0.86 فیصد) ووٹ مسترد ہو گئے۔

اس انتخاب میں ایک اور دلچسپ صورتحال یہ سامنے آئی کہ صرف پہلے اور دوسرے نمبر پر آنے والی جماعتیں ہی اپنی زر ضمانتیں بچا سکیں ہیں باقی سب کی ضمانتیں ضبط ہو گیں، ایم کیو ایم کے امیدوار کنور نوید جمیل نے پہلی، پاکستان

تحریک انصاف کے امیدوار عمران اسماعیل نے دوسری جبکہ جماعت اسلامی کے امیدوار راشد نسیم نے تیسری پوزیشن حاصل کی اور اُن کے ووٹوں کی کل تعداد صرف 9056 ہے۔ الیکشن کمیشن کے قوانین کے مطابق قومی اسمبلی کی نشست کے امیدوار کو اپنے کاغذات نامزدگی کے ساتھ 4 ہزار روپے کی ضمانتی رقم (سکیورٹی ڈپازٹ) جمع کرانا ہوتی ہے۔ اگر ہارنے والا امیدوار متعلقہ حلقے میں پڑنے والے کل ووٹوں کا ساڑھے بارہ فیصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ اپنی ضمانتی رقم واپس لینے کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ جماعت اسلامی کے راشد نسیم اس الیکشن میں نہ صرف اپنی ضمانت ضبط کرا بیٹھے بلکہ 2002ء، 2013ء اور اب 2015ء میں ہارنے کے بعد انہوں نے ہارنے کی ہیٹرک بھی مکمل کر لی۔ (2008ء کے الیکشن کا جماعت اسلامی نے الیکشن کا بائیکاٹ کیا تھا)۔ اگر ایم کیو ایم کے دونوں قریبی حریف پاکستان تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کے سارے ووٹ ایک جگہ جمع کر دیے جائیں تب بھی یہ ایم کیو ایم کے 31 فیصد ووٹوں کے برابر ہوتے ہیں۔

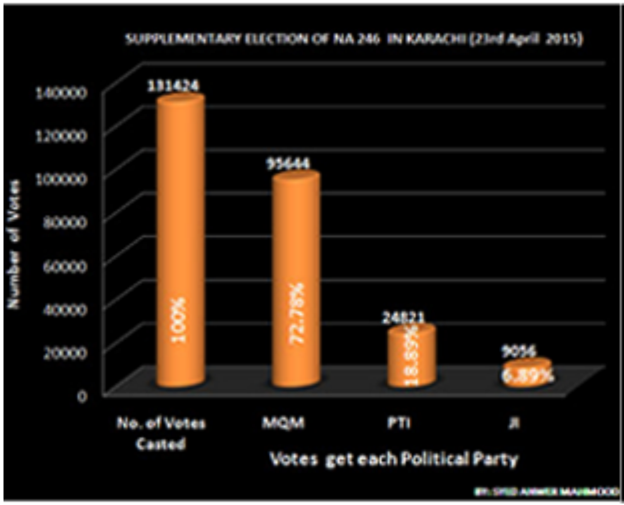

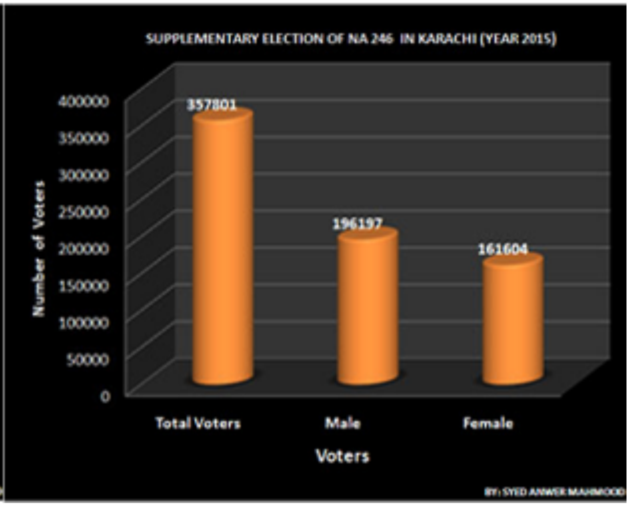

میرے ایک دوست ہیں خوشی محمد، ان کے پاس ایک کار ہے جسکو وہ 'ایم کیو ایم' کہتے ہیں۔ ایک دن میں نے اُن سے پوچھا کہ انہوں نے اپنی کار کا نام ایم کیو ایم کیوں رکھا ہوا ہے تو انہوں نے کہا بہت سیدھی سی بات ہے ۔ آپکو پتہ ہوگا کہ ہر گاڑی سی این جی سے چلتی ہے لیکن جب سی این جی نہیں ملتی تو ظلم کی دہائی دیتے ہوئے گاڑی میں لگے ہوئے ایک سوئچ بٹن کے زریعے ایدھن کو بدل دیتا ہوں پھر گاڑی پیٹرول یا ڈیزل سے چلنے لگتی ہے، اور جب سی این جی ملتی ہے تو پھرسوئچ بٹن کا استمال کرکے گاڑی سی این جی پر کرلیتا ہوں۔ خوشی محمد کہہ رہے تھےکچھ ایسے ہی طریقے سے الطاف حسین اپنی سیاسی جماعت ' ایم کیو ایم' کو جولائی 1997ء سے چلارہے ہیں (جولائی 1997ء سے مہاجرقومی موومینٹ متحدہ قومی موومینٹ کے نام سے کام کررہی ہے)۔ الطاف حسین اور انکے ساتھی جبتک کوئی مسلہ نہیں ہوتا تو ایم کیو ایم کو متحدہ قومی موومینٹ سمجھ کر چلاتے ہیں، پھر ایم کیو ایم آپکو کشمیر کی سیاست میں بھی نظر آئے گی اور گلگت بلتستان میں بھی، کے پی کے اور پنجاب میں بھی، اسکے ممبران قومی مسائل پر قومی اسمبلی اور سینٹ میں بھی متحرک نظر آتے ہیں اور یہ قومی سیاست میں بھرپور کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن جب کراچی میں ہونے والی ٹارگیٹ کلنگ، بھتہ

خوری، بوری بند لاشیں اور دوسرے جرائم میں ایم کیو ایم ،اُسکی لیڈرشپ یا کارکنوں کا نام آتا ہے تو ایم کیو ایم فوراً سوچ بدل کر مہاجر قومی موومینٹ بن جاتی ہے اور مہاجروں کے نام پر دہائی دیتی ہے۔ ایم کیو ایم نے 23 اپریل کے الیکشن پوری طرح سے مہاجر قومی موومینٹ بنکر لڑے جبکہ مقابل بھی مہاجر ہی تھے لیکن ایم کیو ایم کی دھائی کے سامنے سب فیل ہو گئے۔

یہ آج کی بات نہیں ، یہ ایک ماہ پہلے کی بھی بات نہیں، یہ ایک سال پہلے کی بات بھی نہیں یہ بات سالوں پرانی ہو چکی ہے کہ کراچی کی 85 فیصد نمایندگی کی دعویدار ایم کیو ایم پر تو اُس کی پیدائش کے وقت سے ہی الزامات لگتے رہے ہیں اور آج بھی ایم کیو ایم پر ٹارگیٹ کلنگ اور بھتہ خوری کے الزامات سرفہرست ہیں۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین جو 23 سال قبل پاکستان چھوڑ کر برطانیہ چلے گئے تھے خود اُن پر منی لانڈرنگ اور اپنے ایک ساتھی ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل کے سلسلے میں تفتیش ہورہی ہے، جبکہ ایم کیو ایم کے متعدد کارکنان پر مختلف جرائم کے الزام میں مقدمات چل رہے ہیں یا وہ سزا یافتہ ہیں۔ فروری اور مارچ میں نہ صرف ایم کیو ایم پر قتل اور دہشت گردی کے الزامات لگے بلکہ اُسکے مرکز نائن زیرو پر رینجرز نے چھاپا بھی مارا، ایک مقامی اخبار کے سروے کے مطابق متحدہ قومی موومنٹ کے مرکز نائن زیرو پر رینجرز کے چھاپے کو 74 فیصد پاکستانیوں نے درست فیصلہ قرار دیا ہے جبکہ 25 فیصد اس کو غلط قرار

دیتے ہیں۔ رائے عامہ کے جائزے میں لوگوں سے نائن زیرو پر چھاپے کے دوران ٹارگٹ کلرز کی گرفتاری اور غیر قانونی ہتھیاروں کی برآمدگی کے بارے میں رینجرز کے دعوے سے متعلق رائے لی گئی تو 46 فیصد کا کہنا تھا کہ ان کے خیال میں یہ دعویٰ بہت زیادہ درست ہے، 33 فیصد نے اس کو کسی حد تک درست بتایا۔ 13 فیصد کا کہنا تھا بہت کم سچ ہے، 8 فیصد نے اس کو صحیح قرار نہیں دیا۔ ان واقعات کے دوران ہی نبیل گبول نے قومی اسمبلی کی نشست سے استعفی دے دیا۔ ساتھ ہی نبیل گبول نے خدشات ظاہر کیے تھے کہ ضمنی انتخاب والے روز بہت زیادہ خون خرابہ ہوگا، جبکہ انہوں نے 2013ء کے انتخاب میں اپنی جیت کو ٹھپہ مافیا کی کارروائی قرار دیا تھا۔

حلقہ این اے 246 کی یہ نشست 1988ء سے اب تک ایم کیو ایم کی مضبوط ترین نشست تصور کی جاتی ہے، کیونکہ الطاف حسین کا گھر اور ایم کیو ایم کا مرکزی آفس جسکو عام طور پر نائن زیرو کہا جاتا ہے اسی حلقے میں آتا ہے۔ اس حلقے میں مہاجر یا اردو بولنے والوں کی اکثریت ہے لہذا اس حلقے سے ایم کیو ایم کے نمائندے ہی کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ 23 اپریل کو ایم کیو ایم نے بڑی آسانی سے یہ ثابت کر دیا کہ حلقہ این اے 246 اس کا گڑھ ہے۔ خاص طور پر 11 مارچ کو ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر چھاپہ، خطرناک جرائم میں ملوث عناصر کی وہاں سے گرفتاریاں اور صولت مرزا کا اعترافی وڈیو بیان اس کے

حق میں نہیں جارہے تھے۔ ایم کیو ایم نے اس سخت دباؤ میں اپنی پالیسی کو بدلا اور اپنے آپ کو مظلوم بناکر اور مہاجروں کا حقیقی نمایندہ ثابت کرکے اس ضمنی انتخاب کو بھاری اکثریت سے جیتا۔ ایم کیو ایم نے 23 اپریل کے انتخابات والے دن تک دفاعی انداز اختیار کیے رکھا، اُسنے رینجرز اور فوج کے سامنے وقتی طور پر سلنڈر کردیا تھا۔ جماعت اسلامی کے کسی بھی سخت حملے کا سختی سے جواب نہیں دیا۔ عمران خان نے 6 اپریل کو حلقہ 246 کا دورہ کیا جس میں اُنکی بیگم ریحام خان اور پارٹی کے امیدوار عمران اسماعیل اور دوسرے رہنما بھی شامل تھے، عمران خان اور اُنکی بیگم جب اسلام آباد سے روانہ ہورہے تھے تو ایم کیو ایم اور اُسکے قائد الطاف حسین کے خلاف بڑے ہی جارحانہ انداز میں بیان دے رہے تھے۔ این اے حلقہ 246 اور جناح گراونڈ کے دورے کے دوران ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کے تمام ارکان عمران خان اور اُنکی ٹیم کے استقبال کے لیے موجود تھے، عمران خان اور اُنکی بیگم کے لیے تحفوں کا بھی اعلان ہوا۔ عمران خان جب اسلام آباد جانے کے لیے کراچی ایرپورٹ پہنچے تو الطاف حسین اور ایم کیو ایم کیخلاف بات کرتے ہوئے اُنکا لہجہ مدہم تھا، جبکہ دوسرے دن اُنکی بیگم جو الطاف حسین کو غیر ملکی کہہ رہی تھیں، الطاف حسین کو الطاف بھائی کہکر پکار رہی تھیں۔ کوئی مانے یا نامانے ایم کیو ایم کا ضمنی انتخاب میں یہ دفاعی انداز ایم کیو ایم کی بہترین سیاسی چال تھی اور یہ ہی اُسکی شاندار کامیابی کا راز ہے۔

ایم کیو ایم کی ضمنی انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیابی کے بعد نبیل گبول جو دو سال تک اپنے ضمیر کو بیچ کر کھاتے رہے اُنکے 2013ء کے انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کے حوالے سے ایم کیو ایم پر لگائے گئے تمام الزامات مسترد ہوگے اور شاید نبیل گبول کا سیاسی مستقبل بھی تاریک ہوگیا۔ الطاف حسین اس جیت کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ اُن پر اور ایم کیو ایم پر لگے سارے الزامات جھوٹے ہیں، جیت کے دوسرے دن الطاف حسین میڈیا اور سوشل میڈیا اور کچھ اداروں پر برس رہے تھے اور اُنکے بقول اُن پر اور اُنکی جماعت پر جو لکھاری تنقید کرتے ہیں وہ سب یا تو متعصب ہیں یا وہ بکے ہوئے ہیں۔ چلیں چھٹی ہوئی اس ضمنی انتخاب کے جیتنے سے ایم کیو ایم کے سارے گناہ دھل گئے۔ اگر الطاف حسین اور ایم کیو ایم کے دوسرے رہنما سیاسی جماعت کے طور پر کام کریں تو کسی ادارے یا شخص کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن مجرمانہ سرگرمیوں کو قبول نہیں کیا جاسکتا، ایم کیو ایم کے قائد کبھی وقت نکال کر سوچیں کہ 30 سال میں انہوں نے کراچی کو اور خاصکر مہاجروں کو کیا دیا ہے، لوگ تو کہتے ہیں بوری بند لاشیں اور خوف۔ کراچی اسوقت ایک اجڑا ہوا شہر ہے جس سے نہ ہی پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت کو اور نہ ہی مسلم لیگ (ن) کی مرکزی حکومت کو کوئی دلچسپی ہے، لہذا الطاف حسین اور ایم کیو ایم کی دوسری قیادت جو 85 فیصد کراچی کی نمائندگی کے دعوے دار ہیں کراچی کا امن اور کراچی کی روشنیاں

واپس لانے کے ذمہ دار بھی ہیں، اگر ایسا ہوا تو وہ آئندہ بھی شاندار کامیابی حاصل کرینگے
اور ہم انہیں مبارکباد دیتے رہینگے۔

تحریک انصاف کو زندہ لاشوں سے شکست

کراچی میں قومی اسمبلی حلقہ 246 کے ضمنی انتخاب میں ایم کیو ایم کے ہاتھوں پاکستان تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کی جو شکست فاش ہوئی ہے وہ دونوں جماعتوں کے لیے عبرت کا مقام ہے۔ ایم کیو ایم نے ثابت کیا کہ عزیز آباد کا حلقہ انتخاب جہاں ایم کیو ایم کا ہیڈ کوارٹر نائن زیرو بھی واقع ہے، وہ اس کا گڑھ ہے۔ دونوں جماعتیں پاکستان تحریک انصاف اور جماعت اسلامی صوبہ خیبر پختونخوا میں حکومتی اتحادی بھی ہیں، یہ صرف اس حد تک اتحادی ہیں کہ آپ انہیں خود غرض یا مطلب پرست اتحادی بھی کہہ سکتے ہیں، کے پی کے حکومت بنانے کے لیے صوبہ کی اسمبلی میں عددی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے پی ٹی آئی کو جماعت اسلامی کی ضرورت ہے اور جماعت اسلامی کو حکومت میں رہنے کے لیے پی ٹی آئی کی ضرورت ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ پی ٹی آئی کے 126 دن کے دھرنے میں جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق اپنی پوری منافقت کے ساتھ سیاسی جرگہ چلاتے رہے لیکن ایک لے ل1 کے لیے بھی اپنے اتحادی کے ساتھ کھڑے نہیں ہوئے۔ جماعت اسلامی کے سربراہ کو سینیٹر بننے کے لیے پی ٹی آئی کے کندھے کی ضرورت تھی جو پی ٹی آئی نے اُسکو مہیا کردیا لیکن جب کراچی کے ضمنی انتخاب کے لیے پی ٹی آئی نے جماعت اسلامی سے یہ مانگ کری کہ وہ اپنے

امیدوار کو دستبردار کرلیں تو جواب ملا کہ جناب ہم تو ہمیشہ سے ہی اس حلقہ سے امیدوار رہے ہیں آپکو چاہیے کہ آپ اپنا نمائندہ دستبردار کرلیں، اس پر بڑا ہی خوبصورت تبصرہ پی ٹی آئی کے امیدوار عمران اسماعیل نے کیا تھا کہ "آپس میں علاقے بانٹ لیتے ہیں، انتخاب کی ضرورت کیا ہے"۔

ایم کیو ایم نے پہلی مرتبہ 1988ء میں انتخابات میں حصہ لیا اور 1988ء کے بعد سے 2015ء تک جماعت اسلامی نے کبھی بھی کوئی انتخابی سیٹ نہیں جیتی، 1993 کے انتخابات میں ایم کیو ایم نے حصہ نہیں لیا تھا۔ 11 مئی 2013ء کے انتخابات میں ایم کیو ایم کے امیدوار نبیل گبول نے ایک لاکھ 37 ہزار 874 ووٹ حاصل کیے جبکہ پی ٹی آئی کے امیدوار عامر شرجیل نے 31 ہزار 875 اور جماعت اسلامی کے راشد نسیم نے 10 ہزار 321 ووٹ حاصل کیے تھے۔ لیکن انہوں نے 12 بجے کے بعد دھاندلی کے الزامات عائد کرکے عام انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ پی ٹی آئی نے حلقہ این اے 246 کے ضمنی انتخاب میں گذشتہ انتخابی رزلٹ اور نبیل گبول کے دھاندلی سے جیت کے بیان کے بعد سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے ضمنی انتخاب میں بھرپور حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت ایم کیو ایم پے درپے الزامات کا شکار بنی ہوئی تھی اور خاص طور پر 11 مارچ کو ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر چھاپہ، خطرناک جرائم میں ملوث عناصر کی وہاں سے گرفتاریاں اور صولت مرزا کا ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کے خلاف اعترافی وڈیو بیان کی

وجہ سے ایم کیو ایم عتاب میں آئی ہوئی تھی۔ لیکن اس حلقے کے انتخاب میں کامیابی کے لیے پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان اور اُنکی جماعت کے لوگوں نے کوئی ہوم ورک نہیں کیا تھا۔ پی ٹی آئی کے امیدوار عمران اسماعیل نے بھی کوئی ہوم ورک نہیں کیا تھا، شاید وہ اس علاقے سے بھی پوری طرح واقف نہیں تھے۔ ضمنی انتخاب کیلئے پی ٹی آئی کے پاس پولنگ ایجنٹ ہی پورے نہیں تھے جس کے نتیجے میں اسے شہر کے دوسرے علاقوں سے پولنگ ایجنٹ لانے پڑے، اسکے باوجود بہت سارے انتخابی مراکز پر پی ٹی آئی کے پولنگ ایجنٹ موجود نہیں تھے، اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس جماعت کے پاس پولنگ ایجنٹ ہی پورے نہ ہوں اس کے انتخاب جیتنے کی توقع کیسے ہوسکتی ہے۔
انتخابی مہم شروع ہوئی تو عمران خان نے 6 اپریل کو حلقہ 246 کا دورہ کیا جس میں اُنکی بیگم ریحام خان اور پارٹی کے امیدوار عمران اسماعیل اور دوسرے رہنما بھی شامل تھے، عمران خان اور اُنکی بیگم جب اسلام آباد سے روانہ ہورہے تھے تو وہ ایم کیو ایم اور اُسکے قائد الطاف حسین کے خلاف بڑے ہی جارحانہ انداز میں بیان دئے رہے تھے، اُنکا کہنا تھا کہ لندن میں انہوں نے وکیلوں کی پوری ٹیم جمع کررکھی ہے، اگراُن کے کسی بھی کارکن کو کچھ ہوا تو الطاف حسین کو چھوڑینگے نہیں۔ جماعت اسلامی نے دو جلسے کیے 12 اپریل کو مردوں کا اور 17 اپریل کو خواتین کا، یہ جلسے کرکے جماعت اسلامی نے اپنی

طاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا مگر وہ عوام کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی۔ 18 اپریل کو ایم کیو ایم نے تحریک انصاف کے جلسے سے پہلے چند گھنٹوں کے نوٹس پر تاریخی جلسہ کیا۔ ایم کیو ایم کے جلسے کے بعد اگلے دن 19 اپریل کو تحریک انصاف کے جلسے نے کراچی میں پی ٹی آئی کی سیاسی حیثیت کا فیصلہ دے دیا، اس جلسے میں ہزاروں کرسیاں تھیں لیکن اُن میں سے ہزاروں خالی بھی تھیں، اس جلسے میں ایک طرف عمران خان مہاجر کے نام پر سیاست کو برا کہہ رہے تھے جبکہ دوسری طرف انہوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ وہ اپنی والدہ کی طرف سے مہاجر ہیں۔ تحریک انصاف کے قائد عمران خان جو 19 اپریل کے تحریک انصاف کے جلسے سے قبل کامیابی کے لئے بہت پر عزم تھے، اس جلسے کے بعد حسب عادت یوٹرن لیا اور کہنا شروع کردیا کہ ایم کیو ایم کو کم ووٹ پڑیں گے، جس کے بعد ایم کیو ایم بے نقاب ہوجائے گی۔

ضمنی انتخاب سے قبل کراچی میں ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر چھاپے اور دیگر کئی مقامات پر رینجرز کے آپریشن کے بعد اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ایم کیو ایم کی مقبولیت کا گراف نیچے آیا تھا۔ بعض سنجیدہ لوگوں نے ایم کیو ایم کی غیر قانونی کارروائیوں پر اظہار ناراضگی بھی کیا تھا۔ یہاں تک کہ ایم کیو ایم کے بعض لوگ بھی اپنی جماعت کی پالیسیوں سے نالاں دکھائی دینے لگے تھے لیکن آپریشن کے دوران جس تعصب کا مظاہرہ کیا گیا اس نے ایک بار پھر

ایم کیو ایم کی گرتی ہوئی مقبولیت کو دوبارہ اسی سطح پر پہنچا دیا جہاں وہ پہلے تھی، اس سے پہلے جون 1992ء کے آپریشن میں بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا۔ ضمنی انتخاب سے قبل ایم کیو ایم کے خلاف چلائی جانے والی اس مہم میں میڈیا نے بھی صرف ایم کیو ایم کو ہی نشانہ بنایا اور مطعون قرار دیا جبکہ جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ ضمنی انتخابات کے دوران جعلی شناختی کارڈ اور جعلی ووٹ پکڑنے کے جو واقعات بھی سامنے آئے ان میں ایم کیو ایم نہیں پی ٹی آئی قصوروار پائی گئی، یہاں تک کہ رینجرز نے جعلی ووٹ بھگتانے کے الزام میں جن سرکاری ملازمین کو گرفتار کیا وہ بھی پی ٹی آئی کو ووٹ ڈلوا رہے تھے۔ ان کارروائیوں سے ایک جانب سے رینجرز کا وقار بحال ہوا تو دوسری جانب ایم کیو ایم نے اس کا بھرپور سیاسی فائدہ اٹھایا اور اب ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کہتے ہیں کہ جعلی ووٹوں اور خوف سے انتخابات جیتنے کے بارے میں ہمارے خلاف کیا گیا پروپیگنڈہ جھوٹا اور حقیقت کے برعکس تھا۔

عمران خان نے میرپور، آزاد کشمیر میں ایک جلسہ کے دوران کہا تھا کہ الطاف حسین کی لمبی لمبی تقریروں کو سننے کے لیے اُنکے جلسے میں زندہ لاشیں بیٹھی ہوتی ہیں۔ عمران خان کے ساتھ ساتھ اُنکی پارٹی کے دوسرے رہنما بھی عمران خان جیسی ہی صفت رکھتے ہیں، ضمنی انتخاب سے پہلے کراچی سے تعلق رکھنے والے پاکستان تحریک انصاف کے رہنما عارف علوی کا فرمانا تھا کہ

پاکستان تحریک انصاف حلقہ این اے 246 میں ضمنی انتخاب میں ضرور کامیابی حاصل کرے گی اور یہ حلقہ ایم کیو ایم کی سیاسی قبر بننے جا رہا ہے۔ عارف علوی کا کہنا تھا کہ ایم کیو ایم کو اس حلقے میں الیکشن لڑنے کے بعد راہ فرار اختیار کرنا پڑے گی۔ لیکن جس طرح کا فرق ایم کیو ایم، تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کے جلسوں میں تھا اتنا ہی فرق ضمنی انتخاب کے نتیجے میں سامنے آیا۔ 23 اپریل کے ضمنی انتخاب میں جن 131424 ووٹرز نے اپنا ووٹ ڈالا اُن میں سے 95644 ووٹ (72.78 فیصد) ایم کیو ایم نے حاصل کیے، پی ٹی آئی نے 24821 ووٹ (18.89 فیصد) اور، جماعت اسلامی نے 9056 ووٹ (6.89 فیصد) حاصل کیے۔ اب عمران خان اور عارف علوی سوچ رہے ہونگے کہ وہ جن کو ہم زندہ لاشیں کہہ رہے تھے انہوں نے تو پی ٹی آئی کو سیاسی طور پر کافی گہری قبر میں اتار دیا۔ خان صاحب اور عارف علوی ایم کیو ایم کی قیادت کا شکریہ ادا کریں کہ ضمنی انتخاب کے ختم ہونے کے بعد کریم آباد میں پی ٹی آئی کے انتخابی دفتر میں جو توڑ پھوڑ کی گئی اُس میں پی ٹی آئی کے ورکرز دفتر میں پھنس گے تھے، اگر ایم کیو ایم کی قیادت اپنے ورکرز کو کنٹرول نہ کرتی تو اللہ نہ کرئے شاید خان صاحب کو زندہ نہیں مردہ لاشیں موصول ہوتیں اور اس کے ذمہ دار خود عمران خان ہوتے، وہ بولنے سے پہلے شاید سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے، اس سے پہلے وہ سندھ کے عوام کو غلام قرار دئے چکے ہیں۔ کراچی والوں کو مبارک ہو جبکہ نواز شریف، اسفندریار ولی خان اور آصف زرداری ہوشیار ہوجایں کہ اب

کراچی میں مہاجر لیڈروں کی تعداد ایک سے بڑھکر ڈیڑھ ہو گی ہے۔

الطاف حسین کی ناقابل برداشت تقریر

جمرات 30 اپریل کی شام کراچی میں سابق صدر آصف زرداری کا ایک دوست ایس ایس پی ملیر راؤ انوار جو 17 یا 18 گریڈ کا ایک پولیس افسر ہے اُس نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس کی اور بقول اُسکے دو دن قبل گرفتار کیے ہوئے دو افراد کو اُس پریس کانفرنس میں پیش کیا۔ ایس ایس پی راؤ انوار نے بتایا کہ یہ دونوں بھارت کی خفیہ ایجنسی 'را' کے تربیت یافتہ اور ایم کیو ایم کے کارکن ہیں۔ ایس ایس پی نے اپنی قابلیت کا بیوقوفانہ مظاہرہ کرتے ہوئے میڈیا کے نمایندوں کو بتایا سے کہ ان دہشتگردوں کے بھارت جانے اور بھارت سے واپسی کے راستے کون سے تھے۔ ایم کیو ایم کی فلاحی تنظیم خدمت خلق فاؤنڈیشن بھی ایم کیو ایم کے دہشتگردوں کو بھارت بھجوانے میں مدد فراہم کرتی ہے اور ان دہشتگردوں کو ایم کیو ایم کے کون سے عہدیدار ہدایت دیا کرتے تھے۔ ایس ایس پی راؤ انوار پر جب پریس کانفرنس کا پورا نشہ چڑھ گیا تو اُس نے ایم کیو ایم کے خلاف بولتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس بہت مضبوط اور ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔ ایم کیو ایم ایک دہشتگرد جماعت ہے جو دشمن ملک بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان میں دہشتگردی کی کارروائیوں میں ملوث ہے۔ ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ اس پر پابندی لگائی جائے۔ ایم کیو ایم دہشتگرد تنظیم طالبان سے بھی زیادہ خطرناک جماعت ہے۔ ٹی ٹی پی والے تو

معصوم لوگوں کو مارتے ہیں جبکہ ایم کیو ایم تو دشمنوں کیساتھ ملی ہوئی ہے۔ اس پریس کانفرس کے کچھ ہی دیر بعد ٹی وی ٹاک شوز میں ایم کیو ایم کے مخالف جن کا تعلق مسلم لیگ (ن) اور پاکستان تحریک انصاف سے تھا وہ کہہ رہے تھے کہ یہ غلط طریقہ ہے ، صرف جماعت اسلامی اس پریس کانفرنس کی حمایت ایم کیو ایم پر لگنے والے الزامات کی وجہ سے کر رہی تھی۔ ایس ایس پی راؤ انوار کو اُسکی پریس کانفرنس کے چند گھنٹے بعد ہی اُسکے عہدے سے ہٹا دیا گیا، شاید اس کھیل میں اُس کا کردار اتنا ہی تھا۔

ایس ایس پی راؤ انوار کی پریس کانفرنس کے بعد متحدہ قومی موومنٹ کی رابطہ کمیٹی کے ر کن حیدر عباس رضوی نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ ایس ایس پی راؤ انوار کی پریس کانفرنس ایک سیاسی ڈرامہ ہے عوام کو سوچنا ہوگا کہ اس کا فائدہ کس کو ہوا ہے۔ را کا ایجنٹ ،جناح پور اور حکیم سعید قتل کیس پرانی کہانی ہے اور اس کے کردار بھی تبدیل نہیں کئے گئے ہیں۔ ایم کیو ایم ان الزامات کو مسترد کرتی ہے یہ الزامات جھوٹ کا پلندہ اور قوم سے مذاق ہے ۔ایم کیو ایم جب بھی قومی کردار ادا کرنا چاہتی ہے تو اس کو روک دیا جاتا ہے ۔ گزشتہ شب وزیر اعلیٰ ہاؤس میں ہونیوالی ملاقات کا جائزہ لیا جائے تو تمام صورتحال واضح ہو جائے گی۔ جس میں آصف زرداری، قائم علی شاہ کے علاوہ ایک اہم شخصیت بھی موجود تھی،میڈیا تیسری شخصیت کا پتا لگالیں،آج کی پریس

کانفرنس سمجھ میں آجائیگی۔ یکم مئی کی رات کو جیو پر چلنے والے ایک پروگرام 'آپس کی بات' میں نجم سیٹھی نے صاف طور پر کہا کہ وہ تیسری شخصیت ڈی جی رینجرز کی ہے اور ایم کیو ایم ایس ایس پی راؤ انوار کی پریس کانفرنس کو حکومت سندھ اور رینجرز کی ملی بھگت سمجھتی ہے۔

ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے جمرات 30 اپریل کی شب ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر ایس ایس پی راؤ انوار کے الزامات کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج ایک بھنگی نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگائے۔ الطاف حسین نے کہا کہ بھنگی راؤ انوار زرداری کا دوست ہے یا فوج یا آئی ایس آئی کا چہیتا ہے معلوم کیا جائے کہ اس نے الزامات کس کے کہنے پر لگائے۔ تحقیقات کی جائے کہ ان الزامات کے پیچھے زرداری کا ہاتھ ہے یا قائم علی شاہ کا۔ الطاف حسین نے کہا کہ ایم کیو ایم کو 1992ء کے آپریشن میں بھی غدار اور را کا ایجنٹ کہا گیا تھا اور جب مہاجروں کے لیے تنظیم بنی تب بھی ان پر یہی لیبل لگایا گیا۔ اسی تقریر میں الطاف حسین نے ریڈ لاین کو عبور کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں روزانہ 'را' کا ایجنٹ بنا دیا جاتا ہے، ہمیں گاندھی کی اولاد ہونے کے طعنے دیئے گئے، 'را' والوں سے کہتا ہوں کہ ایک دفعہ ہمارا ساتھ تو دے دو، حقوق نہ ملے تو نہ ملک رہے گا اور نہ تمہاری چھڑیاں اور نہ تمہارے بلے۔ انہوں نے کہا کہ جو ہتھیار ڈالتے ہیں وہ محب وطن کہلاتے ہیں اور پاکستان کے

بانیوں کو غدار کہا جاتا ہے، اسٹیبلشمنٹ کی جانب سے غریبوں اور مہاجروں پر ناانصافی بند کرنے کی ضرورت ہے، حکومت، آئی ایس آئی، فوج اور بیوروکریٹس پر تعیش زندگی مہاجروں کی قربانیوں کی وجہ سے ہی گزار رہے ہیں۔اپنی تقریر میں الطاف حسین نے پاکستانی فوج کو مخاطب ہو کر کہا کہ وہ اپنے اندر موجود مجرموں کو کیوں نہیں پکڑتی۔ اُن کا کہنا تھا کہ فوج کے بہت سے سابقہ افسر مجرمانہ کارروائیوں میں ملوث پائے گئے ہیں"۔ الطاف حسین کی تقریر کے بعد پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل عاصم باجوہ نے پاکستانی فوج اور اسکی قیادت کے خلاف ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی تقریر کو بیہودہ اور ناقابلِ برداشت قرار دیتے ہوئے قانونی چارہ جوئی کرنے کا اعلان کیا۔ ٹوئٹر پر اپنے ایک بیان میں آئی ایس پی آر کے ترجمان نے لکھا ہے کہ الطاف حسین کا بیان بے ہودہ اور غیر ضروری ہے، فوجی قیادت سے متعلق اس طرح کے بیانات برداشت نہیں کیے جائیں گے، ملزمان کی گرفتاری پر اس طرح کا ردعمل ناقابل برداشت ہے، انھوں نے کہا کہ عوام کے جذبات بھڑکانے کے لیے میڈیا کا سہارا لیا گیا، عوام کو ریاستی ادارے اور فوجی قیادت کے خلاف اکسانے پر قانونی چارہ جوئی کی جائے گی، اُن کا مزید کہنا تھا کہ پاک فوج اور سیکیورٹی ادارے پیشہ ورانہ ذمے داریاں نبھاتے رہیں گے۔

یکم مئی کو ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کا کہنا تھا کہ الطاف حسین نے اپنے خطاب میں عسکری قیادت پر کوئی تنقید نہیں کی بلکہ پاک افواج کے سپہ سالار جنرل راحیل شریف کی تعریف کی۔ الطاف حسین نے آرمی چیف راحیل شریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ انصاف کریں۔ دوسری طرف الطاف حسین نے یوٹرن لیتے ہوئے کہا کہ میری گزشتہ رات کی تقریر کو سیاق و سباق سے ہٹ کر پڑھا گیا ہے، میں نے 'را' سے مدد کی بات صرف اور صرف طنزیہ طور پر کہی تھی تاہم اگر میرے ان جملوں سے قومی سلامتی کے اداروں اور محب وطن افراد کی دل آزاری ہوئی ہے تو میں ان سب سے خلوص دل کے ساتھ معافی کا طلبگار ہوں۔ پاکستان ہمارا وطن تھا، ہمارا وطن ہے اور ہمارا وطن رہے گا۔ میں یہ بھی واضح کردوں کہ مہاجروں کی پاکستان کے سوا کسی اور سے کوئی وابستگی نہیں، ہمارا جینا مرنا پاکستان سے وابستہ ہے۔

جیسا کہ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل عاصم باجوہ نے ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی تقریر کو بیہودہ اور ناقابلِ برداشت قرار دیتے ہوئے قانونی چارہ جوئی کرنے کا اعلان کیا ہے تو اُن کے اس اعلان کی پورے ملک سے بھرپور تائید ہونا چاہیے، ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین اور اُن کی رابطہ کمیٹی کے خلاف سخت ترین کاروائی ہونی چاہیے لیکن شاید ایسا کچھ نہ ہو کیونکہ اس سے پہلے بھی جن جماعتوں یا افراد نے فوج کے ادارے، اُسکے

سربراہ یا ریاست پاکستان کے خلاف جو کہنا چاہ وہ کہا، اُس میں مرحوم ولی خان بھی شامل ہیں اور اُنکی پارٹی کے لوگ بھی، مرحوم جی ایم سید بھی اکثر پاکستان کے خلاف بولا کرتے تھے، آصف زرداری تو گڑھی خدا بخش جب بھی جاتے ہیں تو فوج کے خلاف ضرور بولتے ہیں، عمران خان آپریشن ضرب عضب سے پہلے تک فرماتے تھے کہ طالبان دہشتگردوں کے خلاف فوجی آپریشن نہیں ہونا چاہیے، جبکہ جماعت اسلامی کے سابق امیر منور حسن تو دہشتگرد درندے حکیم اللہ محسود کو شہید اور پاک فوج کے شہیدوں کو کرائے کا فوجی قرار دئے چکے ہیں، اور جب فوج نے بڑے احترام سے اس پر احتجاج کیا تو جماعت اسلامی والوں نے الٹی حکومت سے فوج کی شکایت کردی کہ فوج سیاست کررہی ہے۔ کتے کو شہید کہنے والے ملا فضل الرحمان نے یکم مئی کی شام کو کراچی میں تبت سینٹر کے مقام پر کھڑے ہوکر صاف طور پر فوج کی مخالفت کرتے ہوئے فوجی عدالتوں کے خلاف بیان دیا۔

جیو نیوز کے اینکر حامد میر کے پروگرام 'کیپٹل ٹاک' میں شاید ہی کوئی ایسا پروگرام ملے جس میں حامد میر نے فوج کے خلاف کچھ نہ کہا ہو جبکہ جنگ گروپ میں کام کرنے والا انصار عباسی بڑے دھڑلے سے فوج کے خلاف لکھتا ہے، یہ وہی انصار عباسی ہے جو جیو نیوز پر آٹھ گھنٹے تک آئی ایس آئی کے چیف کی تصویر لگواکر فوج کے خلاف پروپگنڈہ کرتا رہا۔ ایک سرکاری ملازم اوریا مقبول

جان جو طالبان کا بہت چہیتا ہے اکثر فوج کے خلاف لکھتا ہے، ایک سرکاری ملازم ہونے کے باوجود طالبانی دہشتگردوں کے نظریات کا پرچار کرتا ہے۔ اسلام آباد کی لال مسجد تو آج بھی دہشتگردوں کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہے اور اُسکا شقی القلب ناجائز خطیب مولانا عبدالعزیز جو نہ پاکستان کے آئین کو تسلیم کرتا ہے اور نہ ہی پشاور کی دہشتگردوی کو دہشتگردی کہتا ہے بلکہ الٹا اُسکا ذمہ دار پاک فوج کو کہتا ہے، مولانا عبدالعزیز طالبان دہشت گردوں کا ایک ایسا نمایندہ ہے جو ملک کے دارالخلافہ میں بیٹھ کر نہ صرف طالبان بلکہ داعش کے ایجنٹ کے فرایض انجام دئے رہا ہے۔

میجر جنرل عاصم باجوہ صاحب یہ جو میں نے اوپر سیاسی جماعتوں اور دوسرے لوگوں کا تذکرہ کیا ہے اگر ان لوگوں یا جماعتوں کے خلاف پاک فوج نے کبھی کوئی اقدام کیا ہوتا تو ایک تیسرے درجے کے سرکاری افسر ایس ایس پی ملیر راؤانوار کی پریس کانفرنس کو بنیاد بناکر الطاف حسین بقول آپکے وہ بیہودہ اور ناقابلِ برداشت تقریر نہ کرتے اور وہ کچھ نہ کہتے جو اُنہیں نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وفاقی حکومت جس نے اس واقعے پر مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے سوائے دو وزیروں کے شخصی بیانات کے، اُسکو معلوم کرنا چاہیے کہ آصف زرداری کے دوست ایس ایس پی ملیر راؤانوار کی پریس کانفرنس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا اور اُسکے کیا مقاصد تھے۔

ذوالفقار مرزا تم تو میرے ہیرو ہو

سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا پاکستان پیپلز پارٹی کے سندھ سے تعلق رکھنے والے ایک متنازرہ سیاستدان ہیں۔ سابق اسپیکر قومی اسمبلی فہمیدہ مرزا کے شوہر ہیں۔ 2008ء میں بدین کے حلقہ سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ذوالفقار مرزا جو سابق صدر آصف زرداری کے بچپن کے دوست ہیں پیپلز پارٹی کے سابقہ دور میں وزیر داخلہ بننے کے بعد یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اصل ہیرو وہی ہیں لیکن شاید وہ بھول گے تھے کہ اُنکی لگام آصف زرداری کے ہاتھ میں ہے، شاید وہ یہ بھی بھول گے تھے کہ ہمارے ملک کی سیاسی شطرنج میں اُنکی اوقات ایک پیادہ سے زیادہ نہیں اور بادشاہ کو جب بھی ضرورت پڑے گی وہ پیادے کی قربانی دینے میں دیر نہیں کرے گا۔ 2011ء میں جب ذوالفقار مرزا قران شریف سر پر رکھ کر الطاف حسین کے گناہ گنوا رہے تھے آصف زرداری ذوالفقار مرزا کو کوس رہے تھے کیونکہ اُس وقت آصف زرداری کو اپنے ذاتی اور سیاسی مفادات ایم کیو ایم سے سیاسی اتحاد میں نظر آرہے تھے اور ایم کیو ایم کو بھی اپنے ذاتی اور سیاسی مفادات پیپلز پارٹی سے اتحاد میں ہی نظر آرہے تھے۔ 28 اگست 2011ء کو ذوالفقار مرزا نے سندھ حکومت کی وزارت سے اور ساتھ ہی بظاہر پیپلز پارٹی سے علیدگی اختیار کر لی۔ اپنی جماعت کے رہنماوں کی تنقید کے بعد ذوالفقار مرزا

نے سیاست سے بھی سبکدوشی کا اعلان بھی کر دیا تھا۔

آصف زرداری کے بارئے میں ایک بات مشہور ہے کہ وہ دوستوں کے دوست ہیں، ذوالفقار مرزا تو اُن کے بچپن کے دوست ہیں پھر ایسا کیا ہوا کہ آج ذوالفقار مرزا آصف زرداری کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ ذوالفقار مرزا کسی زمانے میں پی آئی اےٗ میں ملازمت کرتے تھے اور تنگدستی کا شکار تھے، اُس زمانے میں آصف زرداری اُنکی مدد کیا کرتے تھے۔ 1988ء میں پیپلز پارٹی برسراقتدار آئی اور بینظیر بھٹو وزیراعظم بنی تو آصف زرداری نے بھی نے بھی اپنے ہاتھ پیر کھولے اور نہ صرف خود بلکہ اپنے دوستوں کو بھی نوازنا شروع کیا۔ 1989ء میں آصف زرداری نے ذوالفقار مرزا کو شوگر مل لگوا کر دی پھر بدین سے ایم این اے بنوایا، 2008ء میں سندھ اسمبلی کا ممبر اور وزیر داخلہ بنایا جبکہ اُنکی بیگم فہمیدہ مرزا کو قومی اسمبلی کا اسپیکر منتخب کروایا۔ فہمیدہ مرزا مسلم دنیا کی پہلی خاتون اسپیکر تھیں۔2011ء میں جب آصف زرداری سیاسی طور پر مشکلات کا شکار تھے ٹھیک اُسی وقت ذوالفقار مرزا نے آصف زرداری کے لیے مشکلات بڑھانا شروع کردی، انھوں نے کراچی پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس میں ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین پر پاکستان توڑنے کی سازش میں شریک ہونے کا الزام عائد کیا تھا اور کہا تھا کہ الطاف حسین نے جب یہ بات کی تو سینئر صوبائی وزیر پیر مظہر الحق ان کے ساتھ موجود تھے، مگر پیر مظہر الحق

نے ایک انٹرویو میں اس بات کی تردید کردی تھی۔ ایم کیو ایم کے دباؤ کی وجہ سے پیپلز پارٹی نے ذوالفقار مرزا سے لاتعلقی کا اعلان بھی کیا تھا. بعد میں سندھ اسمبلی کے اجلاس میں جب ایم کیو ایم کی ایک رکن نے ذوالفقار مرزا کے بیانات کے خلاف مذمتی قرارداد پیش کرنا چاہی تو ذوالفقار مرزا کے ہمدردوں اور دوستوں نے اس پر اعتراض کیا جس کے بعد نام لیے بغیر یہ قرارداد منظور کرلی گئی۔

ڈاکٹر ذوالفقار مرزا کے اپنی پارٹی سے اختلاف 2011ء میں ایم کیو ایم کی وجہ سے ہوئے، ذوالفقار مرزا نے وزارت سے استعفی بھی دئے دیا تھا اور سیاست سے بھی دور ہو گئے تھے لیکن اُنکی اپنے دوست آصف زرداری سے دوستی باقی تھی ، اُنکی بیگم فہمیدہ مرزا 19 مارچ 2008ء سے 3 جون 2013ء تک قومی اسمبلی کی اسپیکر رہیں اور اب بھی وہ قومی اور اُنکے صاحبزادئے صوبائی اسمبلی کے ممبر ہیں۔ لیکن آج 2015ء میں صورتحال یہ ہے کہ ذوالفقار مرزا اور آصف زرداری کے خاندانوں کے درمیان بدترین اختلافات ہیں۔ پہلے ڈاکٹر ذوالفقار مرزا اور آصف زرداری میں سیاسی لیکن اب ذاتی اختلافات سامنے آرہے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ماضی کے بزنس پارٹنرز اور دوست آصف زرداری اور ذوالفقار مرزا کے کاروباری مفادات کا شدید ٹکراو ہوا ہو جس کے بعد ذوالفقار مرزا نے آصف زرداری خلاف سخت رویہ اپنایا ہوا ہے۔ ذوالفقار مرزا نے نیوز چینلز اور تقاریر میں اپنے دوست

اور سابق صدر آصف زرداری اور اُنکی ہمشیرہ فریال تالپور پر ذاتی تنقید بھی کی۔ جس کے بعد پیپلز پارٹی نے ان سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ گذشتہ ہفتے یہ خبریں بھی سامنے آئیں کہ ماضی کے بزنس پارٹنرز کے درمیان مفاہمت کی کوشش کی جارہی ہے۔ تاہم آصف زرداری کی چھوٹی بیٹی آصفہ کا ایک ٹویٹ سامنے آیا جس میں کہا گیا تھا کہ اب ذوالفقار مرزا سے کوئی مفاہمت نہیں ہوگی۔ یہ تو بہت جلد سامنے آجایگا کہ ذوالفقار مرزا کیوں آصف زرداری پر بہت ہی گرئے ہوئے الزامات لگارہے ہیں، موجودہ حالات اور خاصکر ذوالفقار مرزا اور اُنکی فیملی کے روییے کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آصف زرداری کی جانب سے انہیں کافی معاشی نقصان پہنچاہے کیونکہ سیاست میں ذوالفقار مرزا کی حیثیت آصف زرداری کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے اور نہ ہی وہ آصف زرداری کو کہیں سیاسی طور پر چیلنج کرتے نظر آرہے ہیں۔

کراچی میں پیپلزپارٹی کی خواتین ارکان سندھ اسمبلی نے کہا ہے کہ اگر ذوالفقار مرزا کے خلاف خواتین کھڑی ہوجائیں تو ان کی زبان بند ہوجائے گی، سندھیوں کی روایت ہے وہ عورتوں کی عزت کرتے ہیں۔ کراچی میں پریس کانفرنس کے دوران پیپلزپارٹی کی خواتین ارکان اسمبلی کا کہنا تھا کہ ذوالفقار مرزا کے بیٹے اور بیوی کو پارٹی نے عہدہ دیا اور وہ مختلف چینلوں پر بیٹھ کر پارٹی قیادت کے خلاف بیانات دے رہے ہیں، ذوالفقار مرزا نے غلیظ زبان استعمال کی

تو اس کا منہ توڑ جواب دے سکتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ مونچھیں اور داڑھی رکھنے سے کوئی مرد نہیں بن جاتا ہے

اتوار 4 مئی کو بدین کے ماڈل تھانے پر تاجر اور پیپلز پارٹی کے رہنما امتیاز میمن کی فریاد پر انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت ذوالفقار مرزا سمیت 20 افراد پر مقدمہ درج کیا گیا ہے۔ درخواست گزار کا کہنا ہے کہ ذوالفقار مرزا نے ان کی دکان میں توڑ پھوڑ کی اور سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکیاں دیں۔ ذوالفقار مرزا اپنے ساتھیوں سمیت ماڈل تھانے پہنچے اور ڈی ایس پی قادر سموں کو پاکستان پیپلز پارٹی کی ضلعی قیادت اور ایس ایس پی بدین خالد کورائی کے خلاف مقدمہ درج کرنے کے لیے کہا۔ پولیس حکام کی جانب سے مقدمہ نہ درج کرنے پر ذوالفقار مرزا ڈی ایس پی کے ساتھ تلخ کلامی ہوئی۔ ٹی وی چینل پر دکھائے گئے مناظر کے مطابق ڈاکٹر مرزا نے میز پر ہاتھ مار کر شیشہ توڑ دیا اور ڈی ایس پی کا موبائیل فون اٹھا کر دیوار پر دے مارا، جس کے بعد ڈاکٹر مرزا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں سے چلے گئے۔

بدین کے ماڈل تھانے میں ذوالفقار مرزا سمیت اُنکے 55 ساتھیوں کے خلاف دکانوں کو بند کرانے، اقدام قتل، تھانے میں ہنگامہ آرائی، توڑ پھوڑ اور دہشت گردی کی دفعات کے تحت تین مقدمات درج کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ کڈھن پولیس کی

مدعیت میں بھی ڈاکٹر ذوالفقار مرزا کے ساتھیوں کے خلاف دو مقدمات درج کیے گئے ہیں۔ اب ذوالفقار مرزا بھاگے پھر رہے ہیں۔ سندھ ہائی کورٹ نے ذوالفقار مرزا کی چھ مئی تک حفاظتی ضمانت منظور کرلی ہے۔ ذوالفقار مرزا کے وکیل اشرف سموں نے موقف اختیار کیا کہ درخواست گزار نے حکومت مخالف بیانات دیے ہیں جس سے ان کی جان کو خطرہ ہے۔ پولیس نے مقدمات درج کیے ہیں لیکن ایف آئی آر کی نقول فراہم نہیں کررہی۔

اکیس مارچ کو میں نے ایک مضمون ایم کیو ایم کے ایک کارکن اور پھانسی کے منتظر صولت مرزا کے بارے میں بعنوان 'صولت مرزا تم تو میرے ہیرو ہو' لکھا تھا اور آج میں نے صولت کی جگہ ذوالفقار لکھ کر یہ مضمون بعنوان 'ذوالفقار مرزا تم تو میرے ہیرو ہو' لکھا ہے، ان دونوں مضامین میں صولت مرزا کی کہانی کچھ اور ہے جبکہ ذوالفقار مرزا کی کہانی کچھ اور ہے لیکن یہ دونوں شخصیات اپنی اپنی پارٹی کے سربراہ کے ہیرو تھے کیسے ہیرو، 100 لفظوں کی کہانی کے خالق مبشر علی زیدی کی کہانی "ہیرو" صولت مرزا اور ذوالفقار مرزا کو ایک ہی جیسا ثابت کررہی ہے۔ "ہیرو" کو پڑھ کر آپکی سمجھ میں آیگا کہ جب پارٹی سربراہ آپکو اپنا ہیرو کہہ رہا ہو تو اسکا مطلب ہوتا ہے کہ:۔ تم لوگ میرے ہیرو ہو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ تم میرے لئے کیا ہو۔''، اپوزیشن کا'' رکن، ہمارا لیڈر یہ کہا کرتا تھا۔ ہم اُس کے دیوانے تھے، بے لوث

کارکن تھے، صبح شام کام کرتے تھے۔ الیکشن میں ہماری پارٹی جیت گئی، ہمارا لیڈر منسٹر بن گیا۔ اس کے بعد اس نے کارکنوں سے ملنا چھوڑ دیا۔ ایک دن ہم شکایتیں کرنے اس کے گھر پر جمع ہو گئے۔ کچھ دیر میں لیڈر اپنے کتے کے ساتھ جوگنگ کرتا ہوا آیا۔ کتے نے ''سڑک کنارے کسی چیز کو منہ مارا۔ لیڈر نے آواز لگائی، '' کم آن ہیرو! کم آن۔

لوئر دیر میں خواتین کا ووٹ دینا حرام

صوبہ خیبر پختونخوا میں سات مئی کو حلقہ پی کے 95 لوئر دیر میں ضمنی انتخابات منعقد ہوئے، ابھی کچھ دن پہلے ہی 23 اپریل کو کراچی کے حلقہ این اے 246 میں بھی ضمنی انتخابات ہوئے تھے، ان دونوں انتخابات میں ایک چیز مشترک تھی وہ تھی جماعت اسلامی، جس نے دونوں حلقوں میں اپنے امیدوار کھڑے کیے تھے، کراچی میں جماعت اسلامی کے امیدوار راشد نسیم کی ضمانت ضبط ہو گئی جبکہ لوئر دیر میں جماعت اسلامی کے امیدوار اعزازالملک 19827 (کل ووٹوں کے صرف 14.08 فیصد) ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے، اُنکے حریف اے این پی کے بہادر خان 15927 (کل ووٹوں کے صرف 11.32 فیصد) ووٹوں کے ساتھ دوسرے نمبر رہے، اور اصول کے مطابق اُنکی بھی ضمانت ضبط ہو گئی ہے کیونکہ بہادر خان نے کل ووٹوں کے 12.5 فیصد سے کم 11.32 فیصد ووٹ حاصل کیے ہیں جبکہ جماعت اسلامی کے اعزازالملک نے 14.08 فیصد ووٹ لیکر اپنی ضمانت بچالی ہے۔ حلقہ پی کے 95 لوئر دیر میں ضمنی انتخابات میں ووٹر کی کل تعداد 140747 تھی جس میں مرد ووٹروں کی تعداد 86930 (61.76 فیصد) اور خواتین کی تعداد53817 (38.24 فیصد) تھی۔ 53817 خواتین میں سے کسی ایک خاتون نے بھی ووٹ نہیں ڈالا، اس میں سراج الحق اور جماعت اسلامی کے امیدوار اعزازالملک کے گھرانے کی خواتین بھی شامل ہیں۔ کراچی اور لوئر دیر کے

انتخابات سے ایک بات یہ پتہ چلی کہ جماعت اسلامی نے لوئر دیر میں خواتین کو ووٹ ڈالنے سے روکا جبکہ کراچی میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے خواتین کا ایک بڑا جلسہ کیا، گویا جماعت اسلامی کے نزدیک لوئر دیر میں خواتین کا ووٹ دینا حرام جبکہ کراچی میں خواتین کا ووٹ دینا حلال ہے۔

ایک بھی خاتون کے ووٹ نہ ڈالے جانے پر جب میڈیا نے سوالات اٹھائے اور اس بات کی نشاندھی کی کہ ایسا سیاسی جماعتوں کی ملی بھگت سے ہوا ہے تو الیکشن کمیشن نے وہی پرانا راگ الاپا ہے کہ اگر خواتین کو ووٹنگ سے روکنے کے شواہد ملے تو نتائج کالعدم قرار دے دیئے جائیں گے۔ اگر الیکشن کمیشن کو یاد ہو تو عرض ہے کہ پی کے 95 لوئر دیر وہی حلقہ ہے جس کے بارے میں 11 مئی 2013ء کے انتخابات کے بعد بھی یہ شکایت سامنے آئی تھی کہ یہاں سیاسی جماعتوں نے ایک غیر قانونی معاہدہ کرکے خواتین کو ووٹ ڈالنے سے روکا تھا۔ کچھ اخبارات نے تو اس سلسلے میں سیاسی جماعتوں کے درمیان ایک معاہدے کی بھی نشان دہی کی تھی۔ ایک اور دلچسپ چیز یہ ہے کہ لوئر دیر میں مرد ووٹروں کا تناسب 61.76 فیصد اور خواتین ووٹروں کا تناسب 38.24 فیصد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حلقے میں خواتین کی ایک بڑی تعداد کے ووٹ رجسٹرڈ ہی نہیں ہیں۔ اس بات کو تقویت اس سے بھی ملتی ہے کہ لوئر دیر میں خواتین کی آبادی مردوں سے زیادہ یعنی 50.4 فیصد ہے۔ چلیے مان لیتے ہیں کہ موجودہ اعداد و شمار ہی صحیح ہیں

توجناب سیدھے سیدھے 38.24 فیصد خواتین ووٹر کو ان انتخابات سے زبردستی باہر کردیا گیا۔ باقی مرد ووٹروں 86930 (61.76 فیصد) نے صرف 35620 (فیصد) ووٹ ڈالے گئے، لیکن اگر آپ کل ووٹوں کی تعداد سے یہ معلوم 40.98 کرینگے کہ کتنے فیصد ووٹ ڈالے گئے تو یہ صرف 25.40 فیصد ہیں جس میں جماعت اسلامی کو 14.08 فیصداور اے این پی کو 11.32 فیصدووٹ ملے ہیں۔

امیر جماعت اسلامی سراج الحق سے جب پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ 53817 خواتین میں سے کسی ایک خاتون نے بھی ووٹ نہیں دیا، یہاں تک کہ کسی امیدوار کے گھرانے کی خاتون نے بھی ووٹ نہیں ڈالا تو سراج الحق کا جواب تھا کہ خیبر پختونخوا کے ضمنی الیکشن میں خواتین کو ووٹ دینے سے کسی نے منع نہیں کیا، خواتین کیلئے ووٹ ڈالنے کے انتظامات کیے گئے تھے لیکن انہوں نے اپنا حق استعمال نہیں کیا، خواتین جبر کی وجہ سے نہیں اپنی مرضی سے ووٹ ڈالنے نہیں نکلیں، اسکے ساتھ ہی امیر جماعت اسلامی نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ عورتیں ووٹ ڈالیں، انہیں اور بھی کام ہوتے ہیں، کھانا پکانا ہوتا ہے، بچوں کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے، اپنے شوہر کے کام کرنے ہوتے ہیں، دوسرے یہ پشتو روایت بھی ہے، سراج الحق جو اپنے گناہ کو چھپانے کے لیے یہ عذر دئے رہے اس وقت شاید اُنہیں یاد نہ رہا کہ 17 اپریل کی شام کراچی میں این اے حلقہ میں جب خواتین کا جلسہ کررہے تھے تو کیا جلسے میں شامل خواتین کو 246

اپنے گھر کا کھانا پکانا نہیں ہوتا ہے، بچوں کی دیکھ بھال بھی شاید اُنکی ذمہ داری نہیں ہوتی جبکہ ان کے شوہر تو خود باہر کھڑے اُنکا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والی ایک تنظیم دیہی اجتماعی اور ترقیاتی سوشل ورکرز کونسل کے مطابق دیر میں سنہ انیس سو ستر اور ستتر کے عام انتخابات میں آخری بار خواتین نے ووٹ ڈالا تھا تاہم اس کے بعد مذہب اور سخت گیر پشتون روایات کا سہارا لیکر خواتین کو ووٹ ڈالنے سے روکا جاتا ہے۔ شاید سراج الحق کے نزدیک انسانی حقوق کے خلاف یہ ظالمانااور جاہلانا پشتون روایات عین اسلام کے مطابق ہوں۔

عام خواتین ووٹر کی کیا بات کریں امیدواروں کی بیویاں بھی ووٹ ڈالنے نہیں آئیں۔

اے این پی کے رہنمازاہد خان نے کہا کہ پی کے 95 کے ضمنی انتخاب میں خواتین کوووٹ ڈالنے سے روکنے پر الیکشن کمیشن میں جارہے ہیں، اگر اے این پی کی خواتین اس حلقہ میں ووٹ ڈالنے نکلتیں تو شام کو ہم اپنی خواتین کے جنازے اٹھاتے، خواتین پر پابندی کے جرگہ میں اے این پی کا کوئی نمائندہ بیٹھا ہوگا تو اسے پارٹی سے نکال دیا جائے گا، اے این پی کے رہنمازاہد خان کو یہ کہتے ہوئے سوچنا چاہیے تھا کیونکہ دہشتگردی کے خلاف سب سے زیادہ اے این پی نے قربانی دی ہیں، لیکن اب وہ بزدلی اور سیاسی مکاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ حیرت اس بات پر ہے خواتین کے حقوق غضب کرنے کے لیے رجعت پسند اور لبرل دونوں

یکجا ہو گئے۔ تحریک انصاف کی ترجمان شیریں مزاری نے کہا ہے کہ جماعت اسلامی کو سپورٹ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ عورتوں کو ووٹ کے حق سے ہی روک دیا جائے، جبکہ صوبائی وزیر اطلاعات خیبر پختونخوا مشتاق غنی نے کہا کہ ضمنی الیکشن میں خواتین کو ووٹ ڈالنے کی اجازت نہ دینا انتہائی افسوسناک واقعہ ہے، سینٹ کے اجلاس میں بھی سینٹ کے ارکان نے خواتین کو ووٹ دینے سے روکنے کے عمل پر مذمتی بیانات دیے ہیں۔ جماعت اسلامی اور اے این پی کی کوئی خاتون رکن ووٹ ڈالنے نہیں گئی، اسکا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے کہ خواتین کو منظم منصوبے کے تحت ووٹ ڈالنے سے روکا گیا، لازمی طور پر جماعت اسلامی اور اے این پی کے درمیان خواتین کو ووٹ نہ ڈالنے دینے کا کوئی خفیہ معاہدہ ہوا ہے۔

عمران خان جو ہر وقت تبدیلی کا نعرہ لگاتے ہیں یقینا اپنی اتحادی جماعت اسلامی کے اس کارنامے پر خوش تو نہیں ہونگے اُنکو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے صوبے میں اتنی تبدیلی تو لایں کہ خواتین کو ووٹ ڈالنے کا حق دیا جائے۔ الیکشن کمیشن کو چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرئے اور پی کے 95 لوئر دیر کے ضمنی انتخاب کو کالعدم قرار دیکر وہاں دوبارہ انتخاب کرائے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ خواتین اپنا حق راہی دہی بغیر کسی خوف کے استمال کرسکیں ورنہ کہا جایگا کہ کراچی میں خواتین کا ووٹ دینا حلال ہے اور لوئر دیر میں حرام کیونکہ امیر جماعت اسلامی کامریڈ سراج الحق کی منافقت سے تو

یہ ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لوئر دیر کے رہنے والے امیر جماعت اسلامی سراج الحق اور اُن سب کو جنھوں نے لوئر دیر میں خواتین کو ووٹ دینے کے حق سے محروم کیا ہے اُنکو صرف یہ کہنا ہے کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ناقص العقل عورت اتنے عقل مند انسانوں کو جنم دیتی ہے جو اسے ووٹ دینے کے بھی قابل نہیں سمجھتے، یعنی اُن عقلمند انسانوں کو اپنی ماں پر بھی اعتبار نہیں۔

بارہ مئی ایم کیو ایم کی بدنامی کا دن

بارہ مئی 2007ء کراچی میں ہنگامے ، 40 افراد ہلاک ۔ سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اور سابق صدر جنرل پرویز مشرف کی حمایت میں عوامی طاقت کے مظاہرے کے دوران ہنگامہ آرائی ہوئی جس میں جماعت اسلامی، پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی نے ایم کیو ایم پر فسادات میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا مگر ایم کیو ایم نے الزامات کو مسترد کیا، لیکن اس وقت سے 12 مئی ایم کیو ایم کے لیے ایک برا دن کہا جاتا ہے۔

بارہ مئی 2015ء کی صبح ساڑھے چار بجے ایم کیو ایم کے ایک کارکن صولت مرزا کو پھانسی دے دی گئی، صولت علی خان جسے صولت مرزا کے نام سے جانا جاتا تھا، ایم کیو ایم کا ایک کارکن تھا۔ 1999 میں انسداد دہشتگردی کی ایک عدالت نے صولت مرزا کو 1997 میں اس دور کے کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر شاہد حامد، اُن کے ڈرائیور اشرف بروہی اور محافظ خان اکبر کو فائرنگ کر کے ہلاک کرنے کے جرم میں سزائے موت سنائی تھی۔ کسی بھی سیاسی جماعت کو آگے بڑھانے میں اُس کے کارکن سب سے زیادہ کردار ادا کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کی سیاسی جماعتوں کے رہنما اپنی پارٹی کے کارکنوں

کو صرف اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور وقت آنے پر پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں، ایسا ہی صولت مرزا کے ساتھ ہوا اور ایم کیو ایم کا موقف تھا کہ صولت مرزا کو قتل سے قبل پارٹی سے برطرف کیا جا چکا تھا جبکہ صولت مرزا کی جانب سے پارٹی کے دعویٰ کی تردید کی گئی۔

اس سال جب صولت مرزا کو 19 مارچ کو پھانسی دینے کا اعلان ہوا تو ایم کیو ایم نے ہر طرح سے صولت مرزا سے لاتعلقی کر لی۔ 18 مارچ کی رات کو صولت مرزا کی پھانسی سے صرف پانچ گھنٹے پہلے میڈیا کو ایک وڈیو مہیا کی گئی جس میں صولت مرزا نے متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین سمیت جماعت کی اہم قیادت پر سنگین الزامات عائد کیے۔ الزامات میں سے ایک الزام یہ ہے کہ کے ای ایس سی کے سابق سربراہ شاہد حامد کے قتل کا حکم الطاف حسین نے صولت مرزا کو بابر غوری کے گھر پر بلا کر بذریعہ ٹیلیفون خود دیا تھا۔ الطاف حسین نے صولت مرزا کی جانب سے لگائے جانے والے الزامات کی سختی سے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کا بیان ان کی جماعت کے خلاف سازشی منصوبے کا حصہ ہے۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین بہت پہلے ہی صولت مرزا کو پھانسی دیے جانے کے فیصلے کی حمایت کر چکے تھے۔

صولت مرزا کی پھانسی سے قبل اُسکے اہل خانہ نے بہت کوشش کی کہ کچھ عرصہ

کے لیے صولت مرزا کی پھانسی کو ٹالا جاسکے. اس سلسلے میں سہولت مرزا کی بیگم نگہت مرزا نے ہر اُس دروازے پر دستک دی جہاں سے بھی اُن کو امید نظر آئی، ہائی کورٹ، سپریم کورٹ کے علاوہ اُنھوں نے صدر پاکستان کو بھی رحم کی اپیل بھیجی ہے، جس میں ان کا موقف تھا کہ وہ شاہد حامد کے خاندان سے رابطہ نہیں کرپائی ہیں، انھیں مہلت فراہم کی جائے، اُنکا کہنا تھا کہ وہ شاہد حامد کے خاندان سے بھی رابطہ کرنا چاہتی ہیں، چونکہ شاہد حامد کا خاندان امریکہ منتقل ہوگیا اور ان تک رسائی نہیں تھی اب انصار برنی اور دیگر کچھ لوگوں کے توسط سے اپیل کی ہے کہ راضی نامہ یا صلح نامہ کرا دیں۔ جبکہ شاہد حامد کے خاندان نے کسی بھی راضی نامہ یا صلح نامہ سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ پاکستان میں سیاسی جماعتوں میں پہلے جرائم پیشہ لوگ موجود نہیں تھے، تھے مگر انفرادی طور پر، مگر اب سیاسی جماعتیں جرائم پیشہ افراد کی وہ چھتری ہیں جس کے سائے میں رہتے ہوئے جرائم کیے جاتے ہیں، ابھی تو صولت مرزا کو پھانسی ہوئی ہے لیکن پاکستان کی جیلوں میں ابھی بہت سارے پھانسی کے ایسے قیدی موجود ہیں جو مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن میں سے ایک خاصی تعداد ٹارگیٹ کلر اور دہشتگردی کے زریعے لوگوں کے ہلاک کرنے والے مجرم ہیں، اگر ہم صیح معلومات حاصل کرسکیں تو ان میں کچھ ایسے بھی مل جائینگے جو مجرم تو ہیں لیکن جرم کرنے سے پہلے اُن کو اس انجام

کا معلوم نہ تھا۔ پاکستان میں اسوقت اکثریت نوجوانوں کی ہے، لیکن بد قسمتی سے ملک میں بیروزگاری عام ہے، 60 فیصد سے زیادہ لوگ غربت کی لکیر سے نیچے رہ رہے ہیں، ایسے نوجوان جب سیاسی جماعتوں میں شامل ہوتے ہیں تو وہ پہلے سے موجود مجرموں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔

اپنے 18 مارچ کے ویڈیو پیغام میں صولت مرزا نے خود کو نشانِ عبرت قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ایم کیو ایم میں شمولیت کا ارادہ رکھنے والے اور نئے کارکنوں کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ وہ انھیں دیکھیں اور عبرت پکڑیں، بقول صولت مرزا کہ "ہمارے رہنما اپنی پارٹی کے کارکنوں کو استعمال کیا ہوا ٹشو پیپر سمجھ کر پھینک دیتے ہیں"۔ صولت مرزا کی اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ خواہ کسی بھی جماعت میں شامل ہوں لیکن اپنے آپ کو جرائم میں ہرگز ملوث نہ کریں، والدین کا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے بچوں پر نگاہ رکھیں اور اُنکی مصروفیات سے آگاہ رہیں۔ ایم کیو ایم جو پہلے ہی 12 مئی 2007ء کے واقعات کی وجہ سے بدنام ہے، آج 12 مئی 2015ء کو صولت مرزا کی پھانسی کے بعد اب 12 مئی ایم کیو ایم کی مزید بدنامی کا دن بن گیا ہے۔

کرکٹ کے جواری محمد عامر کی واپسی

کرکٹ کا کھیل اس کرہ ارض پر سو سال سے زائد بہاریں دیکھ چکا ہے۔ جو کرکٹ کو واقعی سمجھتا ہے، صرف وہی جانتا ہے کہ کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جو آپ کو ہر ہر لمحے محظوظ کرے گا۔ایک بلے باز کا میدان میں بلا گھماتے ہوئے داخل ہونا، پھر گارڈ لینے اور کھیلنے کے لیے تیار کھڑے ہونے کا اپنا انوکھا انداز، جو بلے بازی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی باریکیوں کو سمجھتے ہیں، اُن کے لیے اس پورے عمل کا ایک ایک لمحہ لذت آمیز ہے۔ اس کے بعد جب کھیل کا آغاز ہوتا ہے اور بلے باز اپنی تکنیکی مہارت کا مظاہرہ کرتا ہے، چاہے دفاعی انداز میں کلائی کا استعمال ہو یا جارحانہ انداز سے بلا گھمانا، ہر انداز ایک ناقابل بیان لذت کا احساس دیتا ہے۔دوسری طرف گیند بازی اپنے اندر ایک الگ قسم کی خوبصورتی سموئے ہوئے ہے۔ تیز گیند باز ہو، یا بلے باز کو اپنی انگلیوں کے ذریعے نچانے والا اسپن گیند باز، گیند لے کر ان کا دوڑنے اور گیند پھینکنے کا مرحلہ تو ہیجان خیز ہے ہی لیکن ٹپہ پڑنے کے بعد گیند کس طرح بلے باز کو دھوکا دیتی ہے، یہ سب بھی شائقین کرکٹ کے لیے لذت بے شمار ساماں لیے ہوئے ہیں۔

شرفاء کا کھیل کرکٹ اب سٹہ بازوں اور جواری کھلاڑیوں کی وجہ سے مشکوک کھیل بن گیا ہے۔ دولت کی چمک، میچ کی آمدنی میں سے کھلاڑیوں کے حصے اور میچ کھیلنے کی بڑھتی ہوئی تعداد نے کرکٹ کو ایک تجارت بنا دیا ہے۔ کرکٹ کی اقدار کو زندہ رکھنے والے کمیاب ہیں۔ سابق پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کپتان سلمان بٹ، محمد آصف اور محمد عامر 2010ء میں انگلینڈ دورے کے دوران سپاٹ فکسنگ ثابت ہونے پر نہ صرف پابندی کا شکار ہو گئے تھے بلکہ تینوں نے برطانیہ کی جیل میں سزا بھی کاٹی تھی۔ جب تین کھلاڑیوں کو سپاٹ فکسنگ میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو، سابق کرکٹر سرفراز نواز کا کہنا تھا کہ "پچھلے کئی سالوں سے کرکٹ ٹیم اور انتظامیہ، اخلاقی ریاکاری کا نمونہ بنی رہی ہے۔" 1994-95ء میں پاکستانی دورہ کے دوران آسٹریلیا کی ٹیم ایک صفر سے سیریز ہار گئی تو آسٹریلوی کھلاڑیوں شین وارن، ٹم مے اور مارک واہ نے الزام لگایا کہ پاکستانی کپتان سلیم ملک نے انہیں ٹیسٹ اور ون ڈے میں بری باؤلنگ کروانے کے لئے رشوت کی پیش کش کی تھی۔ شرفاء کے کھیل کرکٹ میں جواء بازی اور میچ فکسنگ کے الزامات کا جواب جسٹس محمد قیوم جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ میں موجود ہے۔ یہ انکوائری 1999ء میں پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیف ایگزیکٹو ماجد خان کے خط کی بنیاد پر کروائی گئی تھی۔ جسٹس قیوم جوڈیشل کمیشن رپورٹ کے مطابق پی سی بی کے سابق چیف ایگزیکٹو ماجد خان جاوید برکی، سابق کپتان عمران خان، جاوید میاں داد، سابق کوچ انتخاب عالم، ہارون الرشید، راشد لطیف، عامر

سہیل اور عاقب جاوید کا کہنا ہے کہ میچ فکسنگ کی لعنت کرکٹ میں اپنی جگہ بنا چکی ہے ۔اسی قسم کے الزامات آسٹریلوی کھلاڑیوں کے خلاف بھی موجود ہیں ۔

پاکستان کرکٹ بورڈ کی کافی کوششوں کے بعد انٹرنیشنل کرکٹ کونسل نے بالاخر اسپاٹ فکسنگ کے الزام میں پابندی کے شکار پاکستانی فاسٹ بولر محمد عامر کو ڈومیسٹک کرکٹ کھیلنے کی اجازت دے دی۔ تاہم اُن کے دو ساتھیوں سلمان بٹ اور محمد آصف کو ابھی مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ آئی سی سی کا کہنا ہے کہ اینٹی کرپشن یونٹ کے سربراہ رونی فلینگن نے آئی سی سی اور پاکستان کرکٹ بورڈ کی منظوری کے بعد اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے محمد عامر کو اجازت دے دی ہے کہ وہ ڈومیسٹک مقابلوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔ دو ستمبر کو عامر پر لگی پابندی کے خاتمے کے بعد پی سی بی عامر کی ٹیم میں شمولیت کے حوالے سے فیصلہ کرے گی۔ بائیں ہاتھ کے فاسٹ بولر نے گزشتہ ماہ پیٹرنز ٹرافی میں شرکت کرکے 22 وکٹیں حاصل کی تھیں۔ محمد عامر نے ڈومیسٹک ٹی20 مقابلے میں راولپنڈی ریمز کی نمائندگی کرکے پابندی کے بعد پہلی مرتبہ مسابقتی کرکٹ میں شرکت کی۔ عامر کا کہنا ہے کہ میری توجہ آئندہ سال ورلڈ ٹی ٹوئنٹی کیلئے قومی ٹیم میں واپسی پر مرکوز ہے۔ لیکن ایک سوال یہ ہے کیا محمد عامر کو پاکستانی کرکٹ ٹیم میں دوبارہ شامل کیا جائے یا نہیں ؟اس سوال کا جواب ہاں اور نہیں دونوں میں ہے۔ محمد عامر کو آئی سی سی کی جانب سے ڈومیسٹک کرکٹ کھیلنے کی اجازت دیے

جانے پر پاکستان کے سابق کرکٹرز تقسیم دکھائی دیتے ہیں۔

سابق پاکستانی کپتان رمیز راجہ جو آجکل سپورٹس چینلز کے لیے کمنٹری کرتے ہیں انھوں نے کرک انفو ویب سائٹ پر ایک مضمون میں محمد عامر کی واپسی کیلئے کوشش کرنے والی لابی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا تھا کہ عامر کی واپسی کی صورت میں کرکٹ ٹیم وائرس' یعنی سپاٹ فکسنگ کے خطرات سے ایک بار پھر دوچار ہو سکتی ہے۔ رمیز راجہ' نے اپنے کالم میں ذکر کیا کہ کس طرح 1990ء میں سپاٹ فکسنگ میں کرکٹ کو نقصان پہنچانے کے حوالے سے ان کو تجربہ ہوا۔ اس وقت ایک سکینڈل سامنے آیا جس کے نتیجے میں پاکستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان سلیم ملک پر تاحال پابندی عائد کر دی گئی جبکہ سابق کپتان وسیم اکرم اور پاکستانی کرکٹ ٹیم کے موجودہ کوچ وقار یونس سمیت دیگر چھ نمایاں کھلاڑوں پر جرمانہ عائد کیا گیا۔ رمیز راجہ نے سوال کیا کہ 'کیا ان کھلاڑیوں کو اس ''وائرس'' کی زد میں لانا چاہیے جنھوں نے سخت محنت کر کے اپنے لیے راستہ بنایا اور اب وہ ایک ایسے شخص کے لیے جگہ چھوڑ دیں جس کا کردار اب بھی مشکوک ہے۔ یہ اُن کارکردگی دکھانے والوں کے ساتھ کتنی ناانصافی ہو گی۔'

پاکستان کے سابق فاسٹ بولر اور متحدہ عرب امارات کے ہیڈ کوچ عاقب جاوید کا کہنا ہے کہ محمد عامر دھوکے باز ہے۔ میں اس جیسے کرپٹ شخص سے بات کرنا پسند

نہیں کروں گا۔پی سی بی جو چاہے کرے۔میں کسی ایسے کرپٹ شخص کی حمایت نہیں کروں گا۔جس نے ملک کو بیچا اور اب پارسا بن کر پاکستان ٹیم میں واپسی کے لئے پر تول رہا ہے۔عاقب جاوید نے بتایا کہ 2010ء میں انگلینڈ کی سیریز میں میں بولنگ کوچ تھا اور نیٹ پر عامر اکثر بڑی بڑی نوبال کراتا تھا۔میں نے اُس سے دریافت کیا کہ تم کیا کر رہے ہو تو محمد عامر کہتا عاقب بھائی میرا پاوں کنٹرول میں نہیں آرہا ہے۔میں محمد عامر کو بولنگ رن اپ درست کراتا رہا مجھے علم نہیں تھا کہ وہ اسپاٹ فکسنگ کے لئے سارا ڈرامہ رچا رہا ہے۔عاقب جاوید نے کہا کہ محمد عامر کا انجام بہت سارے لوگوں کے لئے نشان عبرت ہے۔انہوں نے کہا کہ جو فاسٹ بولر اپنے بولنگ کوچ کو دھوکے دے اُس سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

سابق کپتان وسیم اکرم کا کہنا ہے کہ عامر کو غلطی کی سزا مل گئی اب اُسے کیریئر دوبارہ شروع کرنے سے نہیں روکنا چاہیے۔اُن کا کہنا تھا کہ پاکستان میں بڑے بڑے لوگوں نے بڑے بڑے جرم کیے، سزائیں بھگتیں اور دوبارہ زندگی شروع کی۔عامر نے آئی سی سی کی ویڈیو میں اپنے کیے کی معافی بھی مانگ لی ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم بحیثیت قوم محمد عامر کو معاف کردیں اور ان کی آنے والی کرکٹ کی حمایت کریں۔انہوں نے کرکٹ میں واپسی کے لیے درکار آئی سی سی کی تمام شرائط بھی پوری کر دی ہیں۔سابق ٹیسٹ کرکٹر راشد لطیف کا

کہنا ہے کہ ڈومیسٹک کرکٹ کھیلنا محمد عامر کا حق ہے جسے چھینا نہیں جاسکتا لیکن انٹر نیشنل کرکٹ کھیلنا پاکستان اور خود محمد عامر کے لیے آسان نہ ہوگا کیونکہ انہیں ان شائقین اور حریف کھلاڑیوں کے شدید رد عمل کا سامنا کرنا پڑے گا جو انہیں معاف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم کیا محمد عامر کو قبول کرلے گی؟ اس سوال پر راشد لطیف کا کہنا ہے کہ اگر پاکستان کرکٹ بورڈ محمد عامر کو ٹیم میں شامل کرے گا تو کوئی کیسے اعتراض کرسکے گا۔

پاکستان کرکٹ بورڈ کے سابق چیرمین لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) توقیر ضیا بھی محمد عامر کی واپسی کے شدید مخالف ہیں۔ دلچسپ بات ہے کہ چیئرمین پی سی بی شہریار خان تسلیم کرچکے ہیں کہ موجودہ ٹیم میں محمد عامر کی واپسی پر تحفظات پائے جاتے ہیں۔ اگر آنے والے چند سالوں میں محمد عامر ٹیم میں واپس آتا ہے تو یہ بات لازمی ہے کہ وہ کسی ایک ہونہار گیند باز کی جگہ ہی پر آیگا، لیکن زیادہ افسوسناک بات یہ ہوگی کہ اگر وہ چل پڑا تو ٹھیک اور نہ چل پایا تو یہ سوال اٹھے گا کہ کہیں وہ اپنی پرانی روش پر تو نہیں لوٹ گیا ہے اور ایسا ممکن بھی ہوسکتا ہے کہ ایک بار پھر وہ پیسہ لیکر اسپاٹ فکسنگ میں ملوث ہوجائے۔ بہتر ہوگا کہ محمد عامر کو ڈومیسٹک کرکٹ تک ہی محدود رکھا جائے تاکہ باقی کھلاڑی اس ''وائرس'' یعنی سپاٹ فکسنگ کی زد میں نہ آسکیں ۔

پاکستان میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں لہٰذا کرکٹ کے جواری محمد عامر کی پاکستان کی قومی کرکٹ ٹیم میں واپسی پاکستان کرکٹ کے لیے نقصان دہ ہوگی۔

کراچی سانحہ: چھالیس افراد جاں بحق

دنیا کا کوئی بھی مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ حالت جنگ میں بھی عورتوں، بچوں اور مریضوں پر حملہ کیا جائے۔ دہشتگردی اور من مانی شریعت کا اسلام سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ سفاک دہشتگردوں نے 16 دسمبر 2014ء کو پشاور میں معصوم بچوں کے خون سے ہولی کھیلی اور اب 13 مئی 2015ء کو کراچی میں اسماعیلی برادری کے بے گناہ لوگوں کو قتل کیا۔ کراچی میں صفورہ چورنگی کے قریب ہونے والی دہشتگردی بلوچستان میں ہونے والی دہشتگردیوں کے انداز میں کی گئی ہے۔ اس دہشت گردی میں شقی القلب شارپ شوٹرز نے صرف چند منٹ میں اسماعیلی برادری کے معصوم اور بے ضرر لوگوں کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا، ابتک کی اطلات کے مطابق بیس سے ستر برس تک کی عمر کے 46 افراد جاں بحق ہو چکے ہیں جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق دہشتگردوں نے تمام افراد کو قریب سے گولیاں ماریں اور تمام جاں بحق ہونے والوں کے سر اور سینے میں گولیاں لگیں، جاں بحق ہونے والوں میں سے 25 افراد کو ایک سے زائد گولیاں ماریں گیں۔ اسکے علاوہ اس سانحہ میں جاں بحق افراد کی ابتدائی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق دو مردوں اور ایک خاتون کے سر اور چہرے پر گہرے کٹ لگے ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دہشتگردوں نے اپنی کارروائی کے دوران تیز دھار آلے کا

بھی استعمال کیا۔

پاکستان کا قیام اور برصغیر میں مسلم قومیت کے تشخص کی بازیافت میں بھی ہمارے ان اسماعیلی بھائیوں کا ہم پر احسان ہے۔ سر آغا خان جن کا تعلق اسماعیلی مسلک سے تھا، ان کے تذکرے کے بغیر ہمارے ملی تشخص کی بقا اور قیام پاکستان کا تصور ایسے ہی ہے جیسے نیوٹن کے بغیر طبیعاتی حرکیات کے نظریات۔ 13 مئی سے پہلے بھی کئی مرتبہ اسماعیلی برادری پر دہشتگرد حملے ہو چکے ہیں اور 13 مئی کو ایک بار پھر ان لوگوں نے دہشتگردی کے خلاف جاری جنگ میں اپنے لہو کا خراج دے کر اپنے جذبہ حب الوطنی اور پرامن تعارف کا عملی ثبوت دیا ہے۔ ساؤتھ ایشیاء ٹیررازم پورٹل کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں گذشتہ دس سال کے دوران دہشتگردی اموات میں 748 فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا۔ 2015ء میں کراچی سانحہ سے قبل 3 مئی تک 225 افراد جن میں عام اور سیکوریٹی ادارے کے لوگ شامل ہیں جاں بحق ہوئے، جبکہ آپریشن ضرب عضب کی وجہ سے 980 دہشتگرد مارے گئے ہیں۔ اس رپورٹ میں کراچی میں بس پر فائرنگ واقعہ میں 46 افراد کی ہلاکتوں کے تناظر میں لکھا ہوا ہے کہ پاکستان میں دہشتگردی سے متعلق واقعات میں ہونے والی ہلاکتوں میں کوئی کمی دیکھنے میں نہیں آرہی۔

ایک اخباری رپورٹ کے مطابق گذشتہ 13 سالوں میں قانون نافذ کرنے والے اداروں پر 30 کھرب سے زائد رقم خرچ کرنے کے باوجود صوبائی دارالحکومت کراچی سمیت سندھ بھر میں امن وامان کی بدترین صورتحال ہے۔ صوبہ میں پیپلزپارٹی کے سات سال سے زائد کے دور اقتدار میں سندھ میں امن وامان کے قیام کیلئے 22 کھرب 20 ارب روپے مختص اور خرچ کیے جاچکے ہیں تاہم امن وامان کا قیام عمل میں نہ آسکا۔ رواں مالی سال 2014-15 میں امن وامان کے قیام کیلئے 50ارب روپے سے زائد رقم صوبائی حکومت کی جانب سے مختص کی گئی تھی جبکہ گزشتہ مالی سال میں اس مد میں 45ارب روپے سے زائد رقم مختص کی گئی تھی۔ صوبہ میں امن وامان کیلئے قومی خزانے سے اتنی زیادہ رقوم خرچ کیے جانے کے باوجود قانون نافذ کرنے والے ادارے ناکام رہے ہیں۔ کراچی میں دہشتگردی کی ایک سے زیادہ وجوہات ہیں جن سے نمٹنا پولیس کے بس کی بات نہیں رہی کیونکہ اہلکار اور افسروں کی شناخت کارکردگی سے زیادہ سیاسی ہوکر رہ گئی ہے اور جبتک پولیس کو غیر سیاسی نہیں کیا جاتا صوبہ اور خاص طور پر کراچی میں امن کا قیام ناممکن ہے، اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ سندھ پولیس سیاسی ریشہ دوانیوں کا شکار، جدید تربیت سے نابلد، وسائل کی کمی اور کرپشن کے باعث ایک ناکارہ ادارہ بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رینجرز کو کراچی میں امن عامہ برقرار رکھنے کی ذمہ داریاں دی گیں لیکن رینجرز بھی اب تک دہشتگردی پر قابو نہ پا سکی ہے شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ رینجرز اور سول انتظامیہ بظاہر ایک دوسرے

کے ساتھ نظر نہیں آتے۔ کراچی کے عوام دہشتگردی، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، ٹارگٹ کلنگ اور اسٹریٹ کرائم سے تنگ آچکے ہیں، ایسے حالات میں صفورہ چورنگی پر ہونے والے سانحہ نے پورے کراچی کو مزید خوف زدہ کردیا ہے۔
تفتیشی اداروں کا ماننا ہے کہ لشکر جھنگوی اور تحریک طالبان کراچی سانحہ کے مرکزی مشتبہ عناصر میں شامل ہیں۔ اس خونیں واقعہ میں بھارتی خفیہ ایجنسی 'را' کا نام سرفہرست ہے اسکے علاوہ جن دو جہادی گروپوں کے ملوث ہونے کا شبہ کیا جارہا ہے وہ داعش اور جند اللہ ہیں، جائے وقوعہ سے مبینہ طور پر داعش کے پمفلٹ برآمد ہوئے ہیں جو شاید تفتیشی اداروں کو گمراہ کرنے کے لیے بھی ہو سکتے ہیں۔ جند اللہ کے ترجمان احمد مروت نے بھی حملے کی ذمہ داری قبول کی ہے، عام طور پر جند اللہ کا ترجمان تقریبا ہر دہشتگرد حملے کی فوری ذمہ داری قبول کرنے کے حوالے سے مشہور ہے لیکن اُسکے باوجود تفتیش میں جند اللہ کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ ان جہادی گروپوں کے علاوہ تفتیشی اہلکار یہ پتہ چلانے کی بھی کوشش کر رہے ہیں کہ اس وحشیانہ کارروائی کا این اے 246 کراچی میں حال ہی میں ہونے والے ضمنی الیکشن سے کوئی تعلق تو نہیں جس میں پاکستان تحریک انصاف اور متحدہ قومی موومنٹ میں اسماعیلی برادری کے ووٹرز کی حمایت حاصل کرنے کیلئے سخت مقابلہ ہوا تھا۔ تجزیہ کار این اے 246 کے ضمنی الیکشن کیلئے اسماعیلی برادری کے ووٹ کو گیم چینجر قرار دے رہے تھے جو

غلط ثابت ہوا۔

سانحہ کراچی کے فورا بعد سیاسی اور فوجی قیادت نے موثر رد عمل کا اظہار کیا ہے وزیراعظم نواز شریف کراچی پہنچے، اُن سے قبل آرمی چیف جنرل راحیل شریف کراچی پہنچ چکے تھے جہاں انہوں نے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل نوید مختار اور رینجرز کے سربراہ میجر جنرل بلال اکبر کے ہمراہ تفصیلی بریفنگ حاصل کی۔ صوبائی انتظامیہ بھی گورنر ہاوس میں منعقدہ اجلاس میں شریک تھی لیکن وہ اپنا کوئی تاثر قائم کرنے میں ناکام تھی۔ سینئر تجزیہ کار مظہر عباس کا کہنا تھا کہ بدھ کو پورے دن میں جو اصل میٹنگ ہوئی وہ کور ہیڈ کوارٹر میں ہوئی، جس میں آرمی چیف کو بریفنگ دی گئی، گورنر ہاوس میں جو میٹنگ ہوئی اس میں سیاسی مصلحتیں آئیں گی، قائم علی شاہ کراچی آپریشن کے کپتان ہیں، اگر ان کی ٹیم ناکام ہورہی ہے تو کپتان تبدیل کردینا چاہیے۔

ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی رکھنے والا یہ شہر کراچی جو لاوارث لگتا ہے کب تک کر توڑ حملے برداشت کرتا رہے گا، ملک کی معیشت کا ایک بڑا بوجھ اٹھا کر ملک کے طول و عرض میں مسکراہٹیں بانٹنے والا یہ شہر کراچی جس کی دو کروڑ کے قریب آبادی ہے کب تک اپنے پیاروں کی لاشیں اٹھاتا رہے گا۔ سانحہ کراچی میں ایک ایسی کمیونٹی پر ظلم ہوا ہے جو ،پاکستان کی معمار رہی ہے

پاکستان کی ترقی میں اسماعیلی کمیونٹی کا بہت بڑا کردار ہے۔ اسماعیلی برادری کا پاکستان کی معیشت میں بھی بہت بڑا کردار ہے اور پاکستان کے دشمن یہ بات جانتے ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ اسماعیلی برادری پر بار بار حملے کیے جاتے ہیں۔ صوبائی حکومت سے کسی قسم کی امید نہیں کیونکہ قائم علی شاہ اور اُن کی ٹیم کو کرپشن سے فرصت نہیں، مرکز میں بیٹھے نواز شریف شاید کچھ کریں لیکن وہ بھی سیاسی مصلحتوں کا شکار ہونے میں دیر نہیں لگاتے، کراچی کی 85 فیصد کی نمائندگی کا دعوی کرنے والی ایم کیو ایم سے بھی کوئی امید رکھنا فضول ہے جو جماعت 25 سال میں کچھ نہیں کرپائی وہ اب کیا کرئے گی۔ ملک میں اس وقت فوج ہی ایک ایسا ادارا ہے جس سے کچھ امید کی جاسکتی ہے، جنرل راحیل شریف کراچی میں امن لانے کے لیے مخلص ہیں، اُنکو چاہیے کہ آپریشن ضرب عضب کا دائرہ کراچی تک بڑھاکر اس شہر میں ایک بے رحم آپریشن کرکے اس شہر کی روشنیاں بحال کردیں۔ کراچی میں امن ہوگا تو نہ صرف کراچی بلکہ پورے پاکستان میں ترقی ہوگی۔

آیئے دعا کریں کہ کراچی میں 13 مئی کو دہشتگرد کارروائی میں شہید ہونے والے اسماعیلی برادری کے تمام معصوم لوگوں کی اللہ تعالی مغفرت فرمائے، ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہم سب پاکستانی اپنے غمزدہ بہن بھائیوں کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالی اُن درندوں اور اُن کے ساتھیوں کو عبرتناک

انجام سے دو چار کرے جو معصوم انسانوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔ آمین

سانحہ کراچی پر قومی قیادت کی بے حسی

پاکستانی قوم ایک طویل عرصے سے دہشتگردی کا شکار ہے، کبھی ہماری افواج پر حملہ ہوتا تو کبھی رینجرز اور پولیس پر لیکن یہ سب بڑی بہادری سے اس کا مقابلہ کرتے چلے آرہے ہیں، ساتھ ہی ساتھ عوامی مقامات اور مذہبی عبادت گاہوں پر بھی حملے کیے جاتے ہیں، جن میں مسجد، امام بارگاہ اور چرچ شامل ہیں۔ ساؤتھ ایشیاء ٹیررازم پورٹل کے مطابق 2005ء سے ابتک پاکستان میں 56480 افراد دہشتگردی کے بھینٹ چڑھ چکے ہیں، اس طرح اوسطا 14 ہلاکتیں یومیہ بنتی ہیں۔ بدقسمتی سے ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں سیاست تجارت سمجھ کرکی جاتی ہے اور ہمارا ہر سیاستدان کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اپنے نفع نقصان کو لازمی دیکھتا ہے پھر وہ کوئی عمل کرتا ہے۔ عوامی مقامات پر ہونے والی دہشت گردی کے بعد ہمارئے ملک کے سیاستدان آپکو ہر اس جگہ ملینگے جہاں اُن کا ذرا سا بھی سیاسی فائدہ ہو لیکن جہاں ایسا نہ ہو تو وہ صرف بیانات سے کام چلالیتے ہیں اور کبھی کبھی وہ اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

سولہ دسمبر 2014ء پاکستان اور انسانیت کی تاریخ کا وہ سیاہ دن ہے جس کا سوچکر ہر ماں اور باپ غمزدہ ہوجاتے ہیں۔ پھولوں کے شہر کا تشخص رکھنے والے

شہر پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں طالبان دہشتگردوں نے پاکستان میں ابتک ہونے والی سب سے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیااور 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا۔ اس واقعہ کے بعد نواز شریف نے پشاور پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ دوسری طرف صوبہ خیبر پختونخوا میں برسراقتدار پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان جو چار ماہ سے اسلام آباد کے ڈی چوک میں دھرنا دیئے بیٹھے تھے انہوں نے پشاور سانحہ سے پورا فائدہ اٹھایا اور بنی گالہ سے پشاور پہنچ گئے، یہ بات نوٹ کی گئی کہ موصوف کو اپنے گھر سے نکلنے میں پانچ گھنٹے لگ گئے۔ دونوں سیاسی رہنما پشاور اپنے اپنے مفاد میں پہنچے تھے، نواز شریف کا مقصد عمران خان کو کمزور کرنا تھا جبکہ عمران خان کا مقصد صوبہ خیبر پختونخوا میں اپنی حکومت کو بچانا اور دھرنے سے جان چھڑانا تھا، اگلے دن 17 دسمبر کو نواز شریف نے آل پارٹیز کانفرس بلائی تھی اس لیے باقی سیاسی قیادت بھی پشاور میں موجود تھی۔ اے پی سی ختم ہونے کے بعد 17 دسمبر کی ہی شام کو عمران خان نے 126 دن بعد سانحہ پشاور کو بنیاد بناکر دھرنا ختم کردیا، عمران خان بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ دھرنا ختم کرنے میں ہی اُنکا سیاسی فائدہ ہے۔ نواز شریف نے سانحہ پشاور سے پوری طرح سیاسی فائدہ اٹھایا، جس دھرنے اور جلسوں کو نواز شریف پورے پارلیمینٹ کو ساتھ ملاکر نہ ختم کرسکے اُسکو پشاور میں ہونے والی دہشتگردی نے گھنٹوں میں ختم کردیا۔ باقی سیاسی سوداگروں نے بھی سانحہ پشاور سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش

کی۔

ایم کیو ایم نے جمعرات 29 جنوری کو اپنے ایک کارکن کے قتل کے خلاف سندھ بھر میں شٹر ڈاؤن ہڑتال کرائی، جس میں کراچی اور حیدرآباد مکمل بند رہے۔ کراچی بند ہونے کا مطلب حکومت کو بڑا معاشی جھٹکا اسلیے اگلے دن 30 جنوری کو وزیراعظم نواز شریف کراچی آپریشن کے سلسلے میں وزیر خزانہ اور وزیر داخلہ کے ہمراہ کراچی پہنچے۔ گورنر ہاؤس کراچی میں وزیراعظم نے ایم کیو ایم کے قتل ہونے والے کارکن کے گھر والوں سے ملاقات کی جو وزیراعظم اور ایم کیو ایم کی سیاسی ضرورت تھی۔ ابھی وزیراعظم کراچی میں ہی تھے اور کراچی اسٹاک کے انڈیکس کے بڑھنے کو اپنی کامیابی بتارہے تھے کہ صوبہ سندھ کے شہر شکارپور سے دہشتگردی کی خبر آگئی۔ حسب دستور صدر ممنون حسین اور وزیراعظم نے شکارپور دھماکے کی مذمت کی۔ چونکہ شکارپور جانے سے وزیراعظم کو کوئی سیاسی فاہدہ نہ تھا لہذا شام کو وہ اپنی ٹیم کے ہمراہ اسلام آباد چلے گئے بعد میں وفاقی وزیر احسن اقبال نے وزیراعظم کے خصوصی نمایندے کی حیثیت سے شکارپور کا دورہ کیا۔ وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ رات دو بجے شکارپور پہنچے اور صحافیوں سے بات چیت کرنے کے بعد خیرپور روانہ ہوگئے۔ ان کا یہ دورہ محض رسمی کارروائی تھا۔ اسکے بعد سانحہ شکارپور سے پاکستان کے سیاستدانوں کا کوئی لینا دینا نہیں، کیونکہ اس سے کسی سیاسی

فاہدہ کا کوئی امکان نہیں، لہٰذا شکار پور میں شہید ہونے والوں سے عمران خان، آصف زرداری، اسفندر ولی یار، سراج الحق، مولانا فضل الرحمٰن اور باقی سیاسی قیادت کو کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

ایک اندازے کے مطابق دو کڑوڑ کے قریب انسانوں کا شہر بدنصیب کراچی جو گذشتہ 25 سال سے لاقانونیت کا شکار ہے، دنیا کے چند بڑے شہروں میں آتا ہے، ملک کا معاشی حب ہے۔ 13 مئی کو وزیراعظم نواز شریف نے پاک چائنا اقتصادی راہداری منصوبے پر آل پارٹیز کانفرنس بلا رکھی تھی کہ کانفرنس شروع ہونے سے قبل ہی کراچی سے 'سانحہ صفورا چورنگی' کی خبر آگئی۔ 18 خواتین سمیت 46 بے گناہوں کے وحشیانہ قتل کی خبر، نشانہ بننے والے اسماعیلی برادری کے افراد تھے، ایک ایسی برادری جسے تحریکِ پاکستان میں شاندار کردار ادا کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ کراچی کے عوام جو دہشتگردی، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، ٹارگٹ کلنگ اور اسٹریٹ کرائم سے تنگ آچکے ہیں اور خوف زدہ رہتے ہیں، ایسے حالات میں صفورہ چورنگی پر ہونے والے سانحہ نے پورے کراچی کو مزید خوف زدہ کردیا ہے۔ اس سانحہ والے دن 13 مئی کو ہی صدر مملکت ممنون حسین نے ملک اور کراچی کا امن تباہ کرنے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں ورنہ بچ نہ سکیں گے۔ جبکہ اس سے پہلے نو مئی کو صدر مملکت ممنو ن حسین فرمارہے تھے کہ آئندہ کسی کو کراچی کا امن تباہ

کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ صدر مملکت ممنون حسین اپنے گریبان میں جھانکیں اور بتایں کہ اُنکا کونسا بیان درست مانا جائے۔

سانحہ کراچی میں مرنے والے سب کے سب انسان تھے کوئی کتا نہیں تھا اسلیئے مولانا فضل الرحمان کو قطعی افسوس نہیں تھا، کیونکہ مولانا صرف کتوں کے مرنے پر نہ صرف افسوس کرتے ہیں بلکہ کتا اگر کوئی دہشتگرد درندہ ہو (ہزاروں انسانوں کا قاتل اور دہشتگرد طالبان کا سربراہ حکیم محسود) تو اُسے شہید کا درجہ بھی عنایت کرتے ہیں، مولانا نے جس کتے کو شہید قرار دیا تھا، اُس ہی کتے کی موت پر سابق امیر جماعت اسلامی سید منور حسن نے بھی اُسے شہید کہا تھا، جبکہ وزیر داخلہ چوہدری نثار بھی اُس کتے کی موت پر قومی اسمبلی میں بہت روئے تھے، البتہ 30 مارچ کو سانحہ شکار پور اور 13 مئی کو سانحہ کراچی میں مرنے والے انسانوں سے وزیر داخلہ کو کوئی ہمدردی نہیں۔ 13 مئی کی اے پی سی کانفرنس میں متحدہ قومی موومنٹ کے ڈاکٹر خالد مقبول صدیقی کا کہنا تھا کہ اقتصادی راہداری منصوبے پر بریفنگ یا تو ملتوی کردیں یا پھر اسے مختصر کردیں۔ اسفندر یار ولی کا کہنا تھا کہ اس سیشن کو مختصر کردیں تو فائدہ نہیں، اسے جاری رکھیں، تفصیلی میٹنگ ہونی چاہیے یا پھر بیٹھک ملتوی کردیں جس پر وزیراعظم نے کہا کہ اکثریت کا فیصلہ ہی اُن کا فیصلہ ہے، جیسے چاہیں ویسے کرلیں۔ لیکن مولانا فضل الرحمان کا کہنا تھا کہ اجلاس چونکہ بلایا

جاچکا ہے اور معلوم نہیں اگلے دو روز کس کی کیا کیا مصروفیات ہیں، کوئی کہاں ہوگا؟ اس اجلاس کی اپنی اہمیت ہے اور کراچی سانحے کی اہمیت سے بھی انکار نہیں، اجلاس جاری رکھیں، وزیراعظم کراچی جانا چاہتے ہیں تو تسلی سے چلے جایں، یہ فیصلہ خوش آئند ہے۔اس کے بعد وزیراعظم نے شرکا کو بریفنگ دینے کی ہدایت کردی ساتھ ہی شرکا کو پر تکلف شاندار لنچ کی دعوت بھی دے ڈالی۔اُس وقت تمام ٹی وی چینل سانحہ کراچی اور اے پی سی دونوں کی کوریج نشر کررہے تھے اور جب وزیراعظم کی دعوت پر اے پی سی میں موجود سیاسی رہنماوں نے شاندار لنچ کا آغاز کیا تو ایک ٹی وی اینکر چیخ چیخ کرلوگوں کو بتارہی تھی کراچی میں لوگ اپنے پیاروں کی لاشیں تلاش کررہے جبکہ اسلام آباد میں ہماری قومی قیادت شاندار لنچ کررہی ہے۔

صوبہ سندھ میں کوئی وزیرداخلہ نہیں اور وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار جن کی وزیراعظم نواز شریف سے نہیں بنتی وہ وزیراعلیٰ سندھ سے بات کرنے کے روادار نہیں، کراچی سے بظاہر اُنکو کوئی ہمدردی نہیں اسلیے وہ وزیراعظم کے ساتھ کراچی نہیں آئے اور نہ ہی سانحہ کراچی کے تعلق سے اُنکا کوئی بیان۔ جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق کو پہلے سے طے شدہ جماعت اسلامی کے پروگراموں میں آنا تھا لہذا جب وہ کراچی آئے تو اپنے دہشتگرد بھایوں کے کارنامے کو ہپتال جاکر خود دیکھ آئے، آخر جند اللہ اُنکے ہی بھائی ہیں۔ عمران خان

کو ابھی تک کراچی آنے کا چانس نہیں مل رہا ہے، آجکل وہ ملتان میں ووٹ مانگ رہے ہیں، آیندہ جب کبھی موقعہ ملا وہ ضرور آینگے۔ باقی رہ گے مولانا فضل الرحمان، اسفندر یار ولی، مشاہد حسین، چوہدری شجاعت یا چوہدری پرویز الہی وغیرہ وغیرہ ان میں سے کسی کو بھی کراچی والوں کے غم میں شریک ہونے سے کوئی فائدہ نہیں لہذا کیوں آیں۔ جب ہماری قومی قیادت شاندار لنچ کر رہی تھی تو ہماری فوج کے سر براہ جنرل راحیل شریف اپنا سری لنکا کا دورہ منسوخ کرکے سب سے پہلے کراچی پہنچے اور سب سے آخر میں تمام معاملات خود طے کرکے کراچی سے گئے۔ افسوس ہوا سانحہ کراچی پر قومی قیادت کی بے حسی دیکھ کر۔ آیئے دعا کریں کہ اللہ تعالی پاکستان اور پاکستانیوں کی حفاظت فرمائے۔

آمین

شکریہ زمبابوے، دہشگردی مردہ باد

آج 22 مئی ہے، آج ہم پاکستانیوں کے لیے بہت خوشی کا دن کیونکہ زمبابوے کرکٹ ٹیم کی آمد کے ساتھ ہی پاکستان میں انٹرنیشنل کرکٹ کی بحالی شروع ہو گئی ہے اورانشاء اللہ آج شام 7 بجے یہ مکمل بحال ہوجائے گی۔ اس کے ساتھ ہی ذہن چھ سال قبل سری لنکا اور پاکستان کے درمیان ہونے والی سیریز کی طرف چلاجاتا ہے جب سری لنکن ٹیم کی بس پر دہشتگرد حملہ ہوااور اس واقعے کے بعد پاکستان سے انٹرنیشنل کرکٹ منقطع ہوئی تھی۔

آج مہر خلیل بھی بہت خوش ہے، جانتے ہیں یہ مہر خلیل کون ہے، جناب چھ سال قبل دہشت گردی کا نشانہ بننے والی سری لنکن کرکٹ ٹیم کے بس ڈرائیور مہر خلیل ہی تھے۔ مہر خلیل ہمارے ایک تاریخی ہیرو ہیں، جب 3 مارچ 2009ء کو لاہور میں سری لنکن کرکٹ ٹیم کی بس پر حملہ ہوا تو مہر خلیل نے بہادری دکھاتے ہوئے بس کو دہشت گردوں کے چنگل سے نکالا تھا۔ اگرچہ اس حملے میں چند سری لنکن کرکٹرز زخمی ہوئے تھے لیکن اُن کی جانیں بچ گئی تھیں۔ مہر خلیل کا کہنا ہے کہ اگر اُن کی جگہ کوئی دوسرا پاکستانی ہوتا تو وہ بھی سری لنکن ٹیم کو بچانے کے لیے بس کو دہشت گردوں کے چنگل سے نکالنے کی کوشش کرتا کیونکہ وہ مہمان تھے۔

اگر وہ چاہتے تو اس وقت بس چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ سکتے تھے لیکن ان کے ضمیر نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ اپنے مہمانوں کو بے یارو مددگار چھوڑ کر بھاگتے۔ انھیں اپنے کیے پر فخر ہے۔ مہر خلیل کو اس بہادری پر سری لنکا کی حکومت اور کرکٹ بورڈ نے انعامات سے نوازا تھا جبکہ حکومت پاکستان نے بھی انھیں تمغۂ شجاعت دیا تھا۔ مہر خلیل کا کہنا ہے کہ پاکستان میں انٹرنیشنل کرکٹ کی بحالی پر انھیں خوشی ہے اور وہ چاہیں گے کہ پاکستان کرکٹ بورڈ انھیں دوبارہ یہ موقع دے کہ وہ زمبابوے کی ٹیم کی بس چلائیں۔ یہ ان کے لیے اعزاز کی بات ہوگی اور یقینا ایسا ہونا چاہیے۔

مہر خلیل کے ساتھ ساتھ ایک اور شخصیت کا ذکر کرنا بھی لازمی ہے اور وہ ہیں احسن رضا جو 6 سال قبل سری لنکا اور پاکستان کے درمیان ہونے والی سیریز کے امپائر تھے، بس میں اُن کے ساتھ سائمن ٹافل، سٹیو ڈیوس اور میچ ریفری کرس براڈ بھی سوار تھے جو قذافی اسٹیڈیم جارہے تھے۔ سری لنکا کرکٹ ٹیم کی بس پر دہشتگردوں کے حملے میں جہاں کئی پولیس والے جاں بحق اور متعدد زخمی ہوئے وہیں پاکستانی امپائر احسن رضا آئی سی سی کے میچ ریفری کرس براڈ کو بچانے کی کوشش میں شدید زخمی ہوگئے تھے۔ احسن رضا بتاتے ہیں کہ میچ ریفری کرس براڈ، سائمن ٹوفل، اسٹیو ڈیوس اور ٹی وی امپائر ندیم غوری کے ساتھ اس وین میں سوار تھے جس پر حملہ ہوا، ایک گولی میرے پیٹ کو چیرتی ہوئی چلی گئی

دوسری پھیپھڑوں سے آر پار ہو گئی۔ زخمی امپائر احسن رضا کو دو درجن خون کی بوتلیں دی گیں اور اُنکے جسم پر 80 سے 85 ٹانکے آئے تھے۔ احسن رضا کہتے ہیں کہ ڈاکٹروں نے مجھے جب آپریشن کے لئے بے ہوش کیا اس سے قبل مجھے سب کچھ یاد ہے۔ میں اپنی زندگی کے اس تلخ واقعے کو نارمل لیتا ہوں۔ لیکن احساسات کو لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ اس واقعے نے دنیا بھر میں پاکستان کی غلط تصویر پیش کی تھی۔ ہم تمام میچ آفیشلز اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے ہیں لیکن تین مارچ کی تاریخ کو ہم سب ایک دوسرے کو ضرور ای میل کرتے ہیں۔ جن میں ہر ایک کی صحت اور محفوظ زندگی کے لیے نیک تمنائیں ہوتی ہیں۔ احسن رضا کہتے ہیں کہ سوا چھ سال بعد پاکستان میں انٹر نیشنل کرکٹ کی واپسی پر بہت خوش ہوں سب سے.بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ اللہ نے مجھے نئی زندگی دی اور دوبارہ امپائرنگ کے قابل کیا۔ چھ سال بعد پاکستان میں بحال ہونے والی انٹر نیشنل کرکٹ احسن رضا کے لیے اس اعتبار سے یادگار ہے کہ انھیں دونوں ٹی ٹوئنٹی انٹر نیشنل اور تیسرے ون ڈے انٹر نیشنل کے لیے فیلڈ امپائر مقرر کیا گیا ہے۔

پاکستان اور زمبابوے کے درمیان آج 22 مئی 2015ء کو چھ سال دو ماہ کے طویل انتظار کے بعد پہلا ٹی ٹوئنٹی کھیلا جائے گا۔

لوٹ آیا وہ دن جس کا پوری پاکستانی قوم کو بے چینی سے انتظار تھا، زمبابوے سے آئی ہوئی غیر ملکی ٹیم پھر ایک بار پاکستانی گراؤنڈ میں اترے گی، پاکستانی قوم اور خاصکر کرکٹ شائقین کا جوش عروج پر ہے۔بڑا ہی جذباتی دن قوم اور کھلاڑیوں کے لیے، ہمارے کچھ کھلاڑی جو ایک عرصے سے قومی ٹیم میں کھیل رہے لیکن اپنے میدانوں میں اور اپنے ہموطنوں کے سامنے پہلی مرتبہ ایکشن میں آئینگے۔پاکستان کے عوام بھی اپنے میدانوں پر اپنے کھلاڑیوں کو ایکشن میں دیکھنے کو بےتاب ہیں وہ اس تاریخی موقع کے ایک لمحے کو بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے۔آج کے میچ میں پہلی گیند گرتے ہی دُنیا کو پیغام پہنچ جائے گا کہ پاکستان نہ صرف کرکٹ کے لیے محفوظ ہے بلکہ یہاں کے شائقین بھی مہمانوں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔آپریشن ضرب عضب پاکستان کو دہشتگردوں کے گندے وجود سے جلد ہی نجات دلائے گا۔3 نومبر 2009ء کا واقعہ گہرے زخم دے گیا تھا اب ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ پاکستان میں بین الاقوامی کرکٹ کسی ناخوشگوار واقعے کے بغیر کھیلی جائے۔

آج خوشی کے اس موقعہ پوری قوم اپنے 60 ہزار شہیدوں کو قطعی۔نہیں بھولی ہے، سفاک دہشتگرد مسلسل خون کی ہولی کھیل رہے ہیں، اس دہشتگردی میں عورتوں اور مردوں کے علاوہ معصوم بچے بھی شامل ہیں۔دو نومبر 2014ء کی شام واہگہ باڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب کے بعد دہشتگردوں نے تقریب سے واپس جانے

والوں پر خود کش دھماکا کیا جسکے نتیجے میں تین رینجرز اہلکاروں سمیت 60 افراد شہید اور 175 سے زائد زخمی ہوگئے، جن میں 12 خواتین اور 7 بچے بھی شامل ہیں۔ ورلڈ کپ سے ذرا پہلے 16 دسمبر 2014ء کو پشاور کے آرمی اسکول میں دہشتگردی کا بدترین سانحہ ہوا جس میں 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا گیا۔ 30 جنوری 2015ء کو صوبہ سندھ کے شہر شکارپور کے مرکزی علاقے لکھی در پر مرکزی مسجد اور امام بارگاہ کربلا معلیٰ میں 150 کے قریب نمازی جمعہ کی ادائیگی کے لئے موجود تھے ، امام بارگاہ کے خطیب کی جانب سے خطبہ ختم کرتے ہی ایک زوردار دھماکہ ہوا اور امام بارگاہ کی چھت زمین بوس ہو گئی جس کے نتیجے میں 60 افراد شہید ہوگئے جبکہ سے زیادہ افراد زخمی ہوگئے، 13 مئی 2015ء کو کراچی میں اسماعیلی برادری کے 50 بے گناہ لوگوں کو قتل کیا گیا۔ ان تمام واقعات کے بعد بجائے خوفزدہ ہونے کے 46 پوری قوم نے دہشتگردوں کو پیغام دیا کہ پاکستانی قوم دہشتگردی کا بھرپور مقابلہ کرے گی اور انشاءاللہ بہت جلد نہ صرف دہشتگرد بلکہ اُنکے آقا اور پاکستان میں موجود اُنکے حامی جلد ہی نیست و نابود ہو جائینگے۔

گذشتہ 6 سال سے پاکستان کرکٹ کی دنیا میں تنہائی کا شکار رہا ہے، گورے تو کیا آتے پاکستان کے پڑوسی ملک بھارت جس پر یہ الزام ہے کہ سری لنکا کی ٹیم پر حملے میں بھارتی خفیہ ایجنسی 'را' کا ہاتھ ہے، اُسنے اپنی ٹیم کو

پاکستان بھیجنے سے صاف انکار کر دیا، مسلم ملک بنگلہ دیش حکومت اور کرکٹ بورڈ نے وعدے کے باوجود اپنی ٹیم کو پاکستان نہیں بھیجا، ان حالات میں پوری پاکستانی قوم زمبابوے کی حکومت اور زمبابوے کرکٹ بورڈ کی آمد پر نہ صرف اُنکو خوش آمدید کہتی ہے بلکہ اُنکی مشکور بھی ہے۔ دعا ہے کہ زمبابوے کرکٹ ٹیم کا یہ دورہ خوشگوار اور محفوظ ہو۔ پوری پاکستانی قوم کہہ رہی ہے شکریہ زمباوے، دہشتگردی مردہ باد۔ اللہ تعالی مہر خلیل اور احسن اقبال کو لمبی عمر عطا کرے۔ پاکستان زندہ باد۔

جعلی پاکستانی بِل گیٹس شعیب احمد شیخ

بِل گیٹس کا پورا نام ولیم ہنری گیٹس ہے۔ بِل گیٹس مائیکروسافٹ کمپنی کے چیئرمین اور دنیاکے امیر ترین شخص ہیں۔ بِل گیٹس 28 اکتوبر 1955ء کو امریکہ واشنگٹن کے ایک مضافاتی علاقے سیاٹل میں ایک متوسط خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُنکو بچپن سے ہی کمپیوٹر چلانے اور اُس کی معلومات حاصل کرنے کا شوق تھا۔ بل گیٹس نے بہت جلد بزنس کی دنیا میں استعمال ہونے والے اور تفریحی سافٹ ویئر تیار کرکے آئی بی ایم کمپنی کے علاوہ دنیا کی مختلف کمپیوٹر کمپنیوں کو بیچے جس سے اُن کی آمدنی میں حیران کن اضافہ ہو گیا۔ 1984ء میں اُن کی اپنی کمپنی مائکروسافٹ کا 10 کروڑ ڈالر کا بزنس محض دو برسوں میں دگنا ہو گیا۔ 1994ء میں بِل گیٹس نے دنیاکے امیر ترین لوگوں کی فہرست میں اول مقام حاصل کر لیا۔ بِل گیٹس کو یہ عظیم کامیابی محض اُن کی انتھک محنت، کوشش لگن، سوجھ بوجھ اور اپنے کام سے بے پناہ لگاؤ کے نتیجے میں حاصل ہوئی۔ بِل گیٹس نے اپنی دولت کا ایک حصّہ سماجی کاموں کے لیے بھی مختص کیا ہے۔ بل گیٹس کے پاس 82 ارب ڈالر ہیں اور اپنی دولت کو اپنے ایک فلاحی ادارے کے ذریعے انسانوں کی فلاح کے لئے خرچ کر رہے ہیں۔

بل گیٹس کو دنیا جانتی ہے لیکن شعیب احمد شیخ کو یا اُنکی کمپنی ایگزیکٹ کو صرف وہ لوگ جانتے تھے جنکا شعبہ آئی ٹی ہے، یا پھر دو سال سے میڈیا کے لوگ جاننے لگے جب بول چینل کی آمد کا اعلان ہوا لیکن عام پاکستانی نہ شعیب احمد شیخ کو نہ اُنکی کمپنی ایگزیکٹ کو اور نہ ہی بول چینل کو جانتا تھا۔ لیکن جب 19 مئی کو پاکستانی اخبارات اور میڈیا نے امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کی ایک خبر کو بریک کیا جس میں پاکستانی کمپنی ایگزیکٹ کے جعلی ڈگری کے کاروبار کا انکشاف کیا گیا ہے، جس سے ایگزیکٹ کروڑوں امریکی ڈالر کما رہی تھی تب سارے پاکستان کو پتہ چلا کہ ایگزیکٹ کیا بلا ہے، لیکن میڈیا مالکان کو اس بریکنگ نیوز کو آگے بڑھانے میں ہی فائدہ تھا تو بات آگے چلی اور لوگوں کو ایگزیکٹ اور بول چینل کا پتہ چلا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ ان دونوں اداروں کے مالک شعیب احمد شیخ ہی ہیں۔

ایگزیکٹ کمپنی کے مالک شعیب احمد شیخ اپنی تقریبات میں کہتے رہے ہیں کہ وہ بل گیٹس سے بھی زیادہ امیر آدمی بننا چاہتے ہیں۔ایک سوال یہ پوچھا جارہا ہے کہ نیویارک ٹائمز کی خبروں میں آنے کے بعد راتوں رات شہرت کی بلندیوں کو پانے والے شعیب احمد شیخ ہیں کون؟ اسکا ذکر سینیٹر طارق چوہدری نے اپنے ایک مضمون 'پاکستان کے خلاف گھناؤنی سازش !' میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ''موٹروے پر آتے جاتے سرسبز پہاڑوں میں گھرے خوبصورت جھیل والے 'کلر کہار

سے باہر نکل کر چکوال کی طرف روانہ ہوں تو پہاڑ کی اترائی میں نالہ ہے، اس سے ذرا پرے سڑک کے دونوں کنارے ایک گاؤں آباد ہے، نام اس کا 'بھون' گاؤں ہے، شاید لاہور، ملتان اور دلی سے کہیں پرانا ہے۔اسی گاؤں میں ہمارے دوست پروفیسر غنی جاوید رہتے ہیں۔ اُن کی پڑوس میں ایک گھر پٹواریوں کا ہے، اب یہ گھرانہ پروفیسر کے غریب خانے کی ہمسائیگی سے جناب ایاز امیر کے دولت کدے کے اردگرد جا بسا ہے۔ اسی گھرانے کا ایک چراغ شعیب ہے، جس نے ارادہ باندھ رکھا ہے کہ 'وہ ایک کمرے کے گھر میں پیدا ہوا مگر دنیا کا امیر ترین آدمی بن کے رہے گا' یہی شعیب اب شعیب احمد شیخ اور ایگزیکٹ کا چیف ہے۔"

شعیب احمد شیخ نے 1997ء میں ایگزیکٹ کی بنیاد رکھی اور اس وقت کمپنی کے چیف ہیں۔ نومبر 2013ء میں پاکستانی میڈیا شعبہ سے متعلق ایک انٹرویو میں ایگزیکٹ کے بانی اور چیف ایگزیکٹو شعیب احمد شیخ نے ایگزیکٹ کو ایک آئی ٹی اور آئی ٹی نیٹ ورک سروسز کی کمپنی قرار دیا، جو چھوٹے اور اوسط درجے کے کاروباروں کو خدمات فراہم کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ روزانہ کی بنیادوں پر ہم ہزاروں پروجیکٹس بناتے ہیں۔ ہمارے صارفین کی ایک طویل فہرست ہے، لیکن اپنے کلائنٹس کے نام بتانے سے انکار کر دیا۔ کہنے کو ایگزیکٹ کمپنی سافٹ ویئر کا کام کرتی ہے، اس شعبے میں پیداوار نہ گاہک اور نہ ہی کمپنی کے کلائنٹس لیکن پھر بھی یہ کمپنی چند برسوں میں ہی 20 ارب ڈالر کے اثاثہ جات

کی مالک کیسے ہو گئی۔ اس کمپنی میں عام کمپنیوں سے زیادہ مراعات اور تنخواہ ملتی ہے لیکن آئی ٹی کے شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی اکثریت اس بات سے واقف ہے کہ اگر کسی نے ایگزیکٹ کمپنی میں کام کیا ہے اور بعد میں اُس نے کسی اور آئی ٹی کمپنی میں نوکری کے لیے اپنے 'سی وی' میں ایگزیکٹ کمپنی کا حوالہ دیا ہے تو ایسے امیدوار کو ملازمت کا اہل نہیں سمجھا جاتا ہے۔ صوبہ پنجاب کی ایک خاتون ایم پی اے کے بیٹے کو ایگزیکٹ کمپنی' میں پر کشش نوکری ملی، تین دن کے بعد اس نے دفتر جانا بند کر دیا اور' والدہ کو اطلاع دی کہ یہ ادارہ غیر قانونی اور غیر اخلاقی کاروبار میں ملوث ہے۔ اپنی ماں کے مشورے پر بیٹے نے ایف آئی اے سے رجوع کیا اور ساری تفصیلات سامنے رکھ دیں مگر ہوا کچھ نہیں۔

نیو یارک ٹائمز نے 'ایگزیکٹ' کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ کمپنی عالمی سطح پر بڑے تعلیمی فراڈ میں ملوث ہے، یہ آئی ٹی بزنس کی آڑ میں جعلی ڈگریوں کا دھندا کرتی ہے، ہائی اسکول کی سند سے لے کر پی ایچ ڈی کی ڈگری تک، دو سو ڈالر کی قیمت سے دو لاکھ ڈالر تک، اس نے بڑے عالمی شہرت کے اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں سے ملتے جلتے ناموں کے جعلی ادارے بنا رکھے ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔ تین سو ستر ویب سائٹس بنا رکھی ہیں اور آن لائن تعلیم کا جھانسہ دیا جاتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق 2006ء میں ایگزیکٹ نے ایک دن میں

ڈپلوما کے کاروبار سے 4 ہزار ڈالر کمائے، اب یومیہ ایک لاکھ 20 ہزار ڈالر کمارہی ہے۔ ایف بی آئی کے ایک ایجنٹ کا کہنا ہے کہ یہ اسکینڈل سانس روک دے گا۔

نیویارک ٹائمز میں اس مضمون کی اشاعت کے چند گھنٹے بعد وزیر داخلہ کے حکم پر ایف آئی اے نے چھاپے مارے، ساتھ ہی ایف بی آر بھی حرکت میں آئی، سندھ کا بورڈ آف ریونیو بھی جاگ پڑا۔ اس سلسلے میں نیویارک ٹائمز کے ایڈیٹوریل بورڈ نے ایک طویل اداریہ بھی لکھا ہے، اداریے میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ پاکستان کے تمام ادارے اس مضمون کی اشاعت کے بعد ہی حرکت میں کیوں آئے؟ کیا حکومت اس سے پہلے بے خبر تھی؟ اگر بے خبر تھے تو نالائق، باخبر تھے تو بدعنوان اور شریک جرم۔ 'ایگزیکٹ' کا ایک آفس دبئی میں بھی ہے جو دو برس سے بند پڑا ہے۔ دو برس سے نہ کوئی ملازم آیا اور نہ ہی کسی مالک کو اس آفس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پاکستان میں متعلقہ ادارے کافی حد تک اس فراڈ سے آگاہ تھے۔ ایف بی آر اس کمپنی کے ٹیکس معاملات کو جانتا تھا، نیب کو اُن کے غیر قانونی دھندے کی تحریری اطلاع تھی۔

اگر ایگزیکٹ کمپنی کے مالک شعیب احمد شیخ ان تمام جرائم میں ملوث ہیں جو نیویارک ٹائمز نے اُن پر لگائے ہیں اور جن کو پاکستان میں تعلیم کے شعبے سے

تعلق رکھنے والوں نے صحیح تسلیم کیا ہے جن میں ایک بڑا نام ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر عطا الرحمان کا ہے تو شعیب احمد شیخ جو یہ کہتے ہیں کہ وہ بِل گیٹس سے بھی زیادہ امیر آدمی بننا چاہتے ہیں، شاید ایسا ممکن بھی ہو جائے، لیکن شعیب احمد شیخ وہ عزت کہاں سے لاوگے جو بِل گیٹس نے اپنی انتھک محنت ، ایمانداری اور اپنے کام سے بے پناہ لگاؤ کے نتیجے میں حاصل کی ہے۔پاکستان میں ہر طرف کرپشن ہی کرپشن ہے، لگتا ہے پاکستان کو کرپشن انگریزوں سے ایسے ہی ملی جیسے اولاد کو باپ سے وراثت ملتی ہے۔ ایگزیکٹ کے چیف شعیب احمد شیخ نے ہمارے ملک کا نام ایسے ہی روشن کیا ہے جیسے ماں باپ کی نالائق اولاد۔ ویسے آپ شعیب احمد شیخ کو جعلی پاکستانی بِل گیٹس بھی کہہ سکتے ہیں۔

غضب کے دھوکوں کی عجب کہانی

خودستائی کو کبھی اچھا نہیں سمجھا گیا، لیکن آج خودستائی عیب نہیں بلکہ ہنر سمجھی جاتی ہے جس میں ایک بڑبولا اپنی ذات کے جھوٹے سچے قصیدے جگہ جگہ سناتا ہے اور جناب ستم ظریفی یہ ہے کہ جن کو وہ سنا رہا ہوتا ہے وہ تالیاں بجا رہے ہوتے ہیں، کسی نے سچ کہا ہے کہ جب تک بیوقوف زندہ ہیں عقلمند بھوکا نہیں رہے گا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے وہ سب جو قصیدہ گوئی پر تالیاں بجا رہے ہوتے وہ سارے بیوقوف نہیں ہوتے بلکہ اُن میں بہت سے تالیاں بجا کر اپنی خودستائی کرنے والے کو بیوقوف بنا رہے ہوتے ہیں۔ یہاں دو کردار سامنے آتے ہیں، پہلا کردار ہے ایگزیکٹ کمپنی اور بول چینل کے سربراہ شعیب احمد شیخ کا جس کا دعوی تھا کہ وہ بل گیٹس سے بھی زیادہ امیر آدمی بننا چاہتے ہیں اور جب نیویارک ٹائمز نے 'ایگزیکٹ' کے بارے میں لکھا کہ یہ کمپنی عالمی سطح پر بڑے تعلیمی فراڈ میں ملوث ہے، یہ آئی ٹی بزنس کی آڑ میں جعلی ڈگریوں کا دھندا کرتی ہے،
پاکستان میں 'ایگزیکٹ' کے خلاف حکومتی ادارے حرکت میں آچکے تھے تب بھی خودستائی کے عیب میں مبتلا شعیب احمد شیخ نے اپنے ادارے کے ایک اجلاس میں یکم رمضان سے بول چینل شروع کرنے کا اعلان کیا تو اجلاس میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے تالیاں بجایں، تالیاں بجانے والوں میں دوسرے کردار بول چینل کے سابق صدر اور ایڈیٹر انچیف

کامران خان بھی شامل تھے، جنھوں نے ایگزیکٹ کمپنی کے خلاف تحقیقات کیلئے انٹرپول اور ایف بی آئی کی شمولیت کی خبر کے بعد نہ صرف یہ کہ استعفیٰ دینے کا فیصلہ کرلیا تھا بلکہ ایک اخباری خبر کے مطابق اپنے سابق ادارے جیو میں واپسی کیلئے گفتگو کا آغاز بھی کردیا تھا۔

ایگزیکٹ کمپنی اور بول چینل کے سربراہ شعیب احمد شیخ کو تو جعلی ڈگریاں بیچنے اور تعلیمی فراڈ کے جرم میں ایف آئی اے نے باقاعدہ طور پر گرفتار کرلیا ہے، اب اُن پر کیس چلے گا کب فیصلہ ہوگا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن نیویارک ٹائمز میں 'ایگزیکٹ' کے تعلیمی فراڈ کی خبر آنے کے بعد سے بڑے بڑے نامی گرامی صحافی حضرات بیچ چوراہے پر ایک دوسرے کے گندے کپڑے دھورہے ہیں۔ دوسروں کے علاوہ سب سے زیادہ گندے کپڑے 'غضب کرپشن کی عجب کہانی' کے موجد کامران خان کے ہیں۔ کامران خان کا شمار ایسے صحافیوں میں کیا جاتا ہے جو کسی بھی قسم کی اور خاصکر کرپشن کے بارے کوئی رپورٹ شایع کرنے سے پہلے اس کی مکمل تحقیقات کرتے ہیں لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ کیا اُنکو ایگزیکٹ کمپنی اور بول چینل کے سربراہ شعیب احمد شیخ کے جعلی ڈگریاں بیچنے اور تعلیمی فراڈ کے بارے میں بلکل علم نہیں تھا، یقیناً تھا، لیکن پیسہ تو اچھے اچھوں کا ایمان خرید لیتا ہے۔ 19 اپریل 2014ء کو جب جیو نیوز کے اینکر حامد میر پر کراچی آمد کے فورا بعد جان لیوا حملہ ہوا تو اس حادثہ کے صرف ایک

گھنٹہ کے اندر ہی بغیر کسی ثبوت یا تحقیقات کے جیو نیوز نے اس حملے کے لیے آئی ایس آئی پر الزام لگادیا گیا۔ آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل ظہیر الاسلام کی تصویر مستقل جیو نیوز پر ایک مجرم کی حیثیت سے دکھائی جاتی رہی۔ افواج پاکستان کو بدنام کرنے کی وجہ سے حکومت پاکستان نے جیو کے خلاف کارروائی کی اور عوام نے جیو نیوز کا بائیکاٹ کردیا۔
کامران خان کے لیے یہ ہی سنہری موقعہ تھا جنگ اور جیو نیوز کو چھوڑنے کا جہاں اُنھوں نے 32 سال سے زیادہ کام کیا تھا۔
نیویارک ٹائمز میں 'ایگزیکٹ' کے تعلیمی فراڈ کی خبر پاکستانی میڈیا کے لیے شاید اس سال کی سب سے بڑی خبر ہے اُسکی سب سے بڑی وجہ بول چینل ہے کیونکہ بول چینل جو تنخواہیں اور مراعات اپنے ملازمین کو دے رہا تھا اسکی وجہ سے دوسرے چینلوں کے مالکان بہت پریشان تھے اور دوسری طرف وہ صحافی بھی پریشان تھے جو بول چینل کے آنے سے اپنی مارکیٹ ویلیو کو خطرے میں محسوس کررہے تھے، یہ ہی وجہ ہے کہ حامد میر اور سید طلعت حسین نے اپنے اپنے پروگرام میں اپنے سوالات کے زریعے کامران خان کو دھوڈالا، جبکہ ایک اخبار کے مطابق سید طلعت حسین نے تو قصایوں والا کام کیا اور اپنے سوالات سے کامران خان کو زبح کرڈالا۔ کامران خان کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں، اس بات کا جواب دینے کے بجائے کامران خان نے اپنے سابقہ

ادارے اور سید طلعت حسین پر الزامات لگانے شروع کر دیے۔ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے اپنی پریس کانفرنس میں اعلان کیا تھا کہ ایگزیکٹ کیس میں قانونی مدد کے لیے ایک سے دو روز میں امریکی تحقیقاتی ادارے ایف بی آئی اور انٹرپول سے رابطہ کیا جائے گا تو اُسکے فورا بعد ہی کامران خان نے بول چینل سے علیدگی کا اعلان کر دیا، پچھلے شاید سوا سال میں کامران خان نے کیپٹن ہوتے ہوئے دوسرے ڈوبتے ہوئے جہاز میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر جہاز سے باہر کود کر اپنی جان بچائی ہے۔

ایک اخبار کے مطابق جیو ٹیلی وژن کے ذمہ دار ذرائع کا کہنا ہے کہ کامران خان اور اظہر عباس بول چینل کے حقیقی سکرپٹ رائٹر ہیں اور انہوں نے ہی ایگزیکٹ کے مالکان کو نیا چینل شروع کرنے پر اکسایا جس کا ثبوت ایگزیکٹ کے چیرٗمین شعیب احمد شیخ کی ایک ویڈیو تقریر میں بھی ملتا ہے۔ اس تقریر میں انہوں نے بتایا تھا کہ ایگزیکٹ نے جب بول شروع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی پہلی میٹنگ میں کامران خان اور اظہر عباس شامل تھے۔ کامران خان اور اظہر عباس بڑی بڑی رقموں کی پیشکش کرکے جیو کے مختلف سیکشنوں میں کام کرنے والے کارکنوں کو بول چینل میں لے گئے جن کی تعداد 1500 سے زائد ہے۔ آج یہ انہیں چھوڑ کر بول چینل سے علیدہ ہوچکے ہیں جبکہ دوسری جانب وہ کارکن جن کی تنخواہیں ان کے گھر چلانے میں کام آتی تھیں ان کا پورا مستقبل داؤ پر لگ

چکا ہے اور یہ نامور اور بڑے صحافی بول چینل سے بھی کم از کم 20, 20 کروڑ روپے نقد اور دیگر مراعات و سہولیات لے کر دوسروں کو دھوکا دیکر اب اخلاقیات اور قانون کا درس دے رہے ہیں۔

کرپشن ہمارے ملک میں کینسر کی طرح پھیل چکا ہے، اور آپ جس شعبہ کو چاہیں چیک کرلیں آپ کو ایسا لگے گا کہ شاید سب سے زیادہ کرپشن اس شعبے میں ہی ہو رہی ہے،
پاکستان میں پرائیویٹ چینل کھلنے کے بعد میڈیا میں بہت زیادہ کرپشن آئی ہے، ہر ایک صحافت کے نام لوٹ مار کر رہا ہے، چینلوں کے مالکان کو اس سے غرض نہیں کہ کس خبر سے ملک کو نقصان ہوگا، اُنہیں صرف ریٹنگ بڑھانے سے مطلب ہے تاکہ زیادہ اشتہار اور زیادہ پیسہ ملے۔ ہر روز شام کو نامور صحافی اپنے اپنے چینل پر حالات حاضرہ کی دوکان سجا کر دوسروں کی پگڑیاں اچھالتے ہیں جبکہ ان میں اکثریت خود کرپٹ ہیں۔
اینکر عاصمہ شیرازی نے سرکاری خرچ پر حج کیا اور جب اُس سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وہ سرکاری خرچے پر حج کرنے کی حقدار ہے تو اسکا جواب تھا اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔
نصرت جاوید جس کا کبھی یہ دعوی تھا کہ وہ لفافے کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، اب حکومتی کیمپ جوائن کرلیا ہے۔ سید طلعت حسین نے نواز شریف کا ایک ایسا انٹرویو کیا جس میں سوالات بھی پہلے سے تیار کردہ تھے اور جواب نواز شریف اپنے مینیجرز سے پوچھ کر دیا کرتے تھے اور اس ایماندار انٹرویو کا ذکر سید طلعت حسین نے خود ایک نجی محفل میں

کیا۔

اور بھی بہت کچھ ہے لیکن مضمون کی طوالت اب اجازت نہیں دے رہی ہے لہٰذا باقی پھر کبھی آئندہ، ہاں آخر میں 'غضب کرپشن کی عجب کہانی' کے موجد کامران خان سے صرف اتنا کہنا ہے کہ وہ جب بھی کسی چینل پر کوئی پروگرام کریں تو پروگرام کا نام تبدیل کرکے 'غضب کے دھوکوں کی عجب کہانی' رکھ لیں اور اس میں اگر سب سے پہلے اپنے دھوکوں کی کہانی بیان کرینگے تو وہ یقین کریں اُنکے چینل کی ریٹنگ توقعات سے بہت زیادہ ہوگی، ریٹنگ بڑھے گی تو چینل کی آمدنی بڑھے گی اور اُس آمدنی سے کامران خان کو بھی حصہ ملے گا۔ کامران خان آپ نے یقینا بول چینل سے مختصر عرصے میں بہت پیسہ حاصل کیا ہے لیکن آپ اپنی عزت بول میں ہی چھوڑ آئے کیونکہ اب آپ واپس جیو میں جایں یا کسی اور چینل پر نظر آیں آپکو آپکے ناظرین کی طرف سے عزت نہیں ملے گی۔

کے پی کے: بلدیاتی انتخابات دھاندلی کا شاہکار

صوبہ خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک نے وزیر اعلی بنتے ہی یہ اعلان فرمایا تھا کہ صرف نوئے روز بعد ہی بلدیاتی انتخابات کرا دیے جائینگے، یہ جو خان صاحب اور وزیر اعلی 31 مئی کے انتخابات کے انعقاد کو اپنا کارنامہ بتا رہے تھے، ان انتخابات کا انعقاد سپریم کورٹ کے اُس حکم کے تحت ہوا ہے جس میں تمام صوبائی حکومتوں کو بلدیاتی انتخابات کے لیے کہا گیا تھا۔ بلوچستان کے بعد خیبر پختونخوا کی حکومت نے سندھ اور پنجاب سے پہلے انتخابات کا انعقاد کیا لیکن جسطرح کے بلدیاتی انتخابات کرائے گئے بہتر تھا کہ انتخابات کرائے ہی نہ جاتے۔ خیبر پختونخوا میں 31 مئی کے دن صبح سے شام تک پولنگ اسٹیشن کی حدود میں جو ناخوشگوار واقعات ہوتے رہے وہ تو کسی اور نئے خیبر پختونخوا کی تصویر پیش کر رہے تھے، غنڈوں اور بدماشوں کے راج والا نیا خیبر پختونخوا۔ کئی پولنگ اسٹیشن پر حالات کشیدہ ہونے کی وجہ سے پر پولنگ کا عمل بھی روک دیا گیا۔

کئی شہروں میں پولنگ اسٹیشن پر سیاسی جماعتوں کے کاکنوں کے درمیان ہاتھاپائی، لڑائی جھگڑوں اور فائرنگ کے واقعات ہونے کی وجہ سے کافی لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے، لیکن امن وامان کو قابو میں رکھنے کے لئے صوبائی حکومت نے تو

کوئی کردار ادا نہیں کیا اُلٹا یہ کہکر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی کہ انتخابات کے دوران امن و امان کو قائم رکھنا الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یعنی صوبائی حکومت چھٹی پر ہوتی ہے اور شاید اسی چھٹی کو پی ٹی آئی کا ایک وزیر مادر پدر چھٹی سمجھ بیٹھا۔ گیارہ مئی 2013ء کے انتخاب میں دھاندلی کے خلاف سب سے اونچی آواز بلند کرنے والے تحریک انصاف کے صوبائی وزیر علی امین گنڈا دندناتے ہوئے پولنگ اسٹیشن میں گھس گئے، بیلٹ پیپر ساتھ لے جانے کی کوشش کی۔ گلی گلی، محلے محلے پولنگ اسٹیشن کے اندر اور باہر بیلٹ پیپر نظر آئے، امین گنڈا کے خلاف فائرنگ اور پولنگ عملے سے بدسلوکی کا مقدمہ درج ہوا تھا، جرم کی ایف آئی آر تو درج ہو گئی لیکن پولیس دو دن کے بعد اس وزیر کو گرفتار کر سکی۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ پشاور کے تھانہ رگی میں پی ٹی آئی کا ایک ایم پی اے پولنگ اسٹیشن کے اندر بیٹھ کر ٹھپے لگا رہا تھا، کمشنر پشاور نے اس پر پولیس کے سربراہ کو خط بھی لکھا کہ ملزم کو گرفتار کیا جائے۔ آخر ان انتظامی نااہلیوں کا ذمہ دار کون ہے۔

اکتیس مئی کے کے بلدیاتی انتخابات میں جس طرح تحریک انصاف کی حکومت کی جانب سے بد انتظامی اور سرکاری مشینری کا استعمال دیکھنے میں آیا ہے وہ حکومت کی انتظامی نااہلی کا واضح ثبوت بھی ہے۔ 2013ء کے عام انتخابات کی نسبت 31 مئی کو انتخابی بے قاعدگیوں کا کہیں بڑا مظاہرہ دیکھنے کو ملا۔ عمران خان اور

تحریک انصاف کی جانب سے جس مثالی بلدیاتی نظام کے دعوے کیے جارہے تھے اس کی بنیاد میں سے زیادہ لاشوں اور سو سے زائد زخمیوں کے خون سے رکھی گئی ہے۔ جس ایماندار پولیس کی عمران خان ہر جگہ مثالیں دیتے ہیں اور جس کی غیر جانبداری اور سیاسی دباو سے آزاد ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے وہ پولیس 31 مئی 2015ء کو دو بڑے کام کرتی نظر آئی پہلا اسکا کام تھا کہ تحریک انصاف کے امیدواران کے لیے ووٹ مانگے اور دوسرا کام یہ کیا کہ سابق اے این پی کی حکومت کے وزیر میاں افتخار حسین کو قتل کے ایک انتہائی جھوٹے مقدمے گرفتار کرلیا۔

اے این پی کے لیڈر میاں افتخار حسین کی گرفتاری کی وجہ سے صوبائی حکومت کی غیر جانبداری دھری کی دھری رہ گئی۔ اُن کی گرفتاری باقاعدہ تفتیش سے پہلے ہی عمل میں آ گئی اور جبکہ وقوعہ کے فوری بعد اور یکم جون 2015ء کو عدالت میں مقتول کے والد نے صاف طور پر کہا کہ اس نے میاں افتخار کا نام ایف آئی آر میں درج ہی نہیں کرایا، پھر یہ کس کا کام تھا۔ میاں افتخار کی گرفتاری کے عمل کے دوران پی ٹی آئی کے کارکنوں نے اُن پر حملہ کرنے کی کوشش کی جسے میاں افتخار قاتلانہ حملے کی کوشش قرار دے رہے ہیں۔ میاں افتخار نے یکم جون کو عدالت کے باہر میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں کیسے کسی کے بیٹے کو قتل کرنے کی جرات کر سکتا ہوں جبکہ میرا اپنا بیٹا دہشت گردی کے واقعہ میں زندگی سے محروم ہو چکا ہے۔ جبکہ دوسری طرف پی ٹی آئی کے صوبائی وزیر کو دو

دن تک گرفتار نہ کرنے کا عذر یہ پیش کیا گیا کہ تفتیش مکمل کرنے کے بعد فیصلہ کیا جائے گا۔

اگرچہ انتخابی بد نظمی کی ذمہ داری الیکشن کمیشن پر بھی عائد ہوتی ہے تاہم الیکشن کمیشن اپنے محدود وسائل میں ایک حد تک نظم و ضبط یقینی بنا سکتا ہے۔ ایسے میں تحریک انصاف کی صوبائی حکومت کے اہلکاروں کی جانب سے حکمران جماعت کے لیے ووٹ مانگنے اور مخالفین کو ہراساں کرنے کے واقعات پر عمران خان کو سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔ تحریک انصاف کی اتحادی جماعت اسلامی سمیت سبھی سیاسی جماعتوں نے اِن انتخابات کو بدترین دھاندلی کا شاہکار قرار دیا۔ آصف زرداری نے کہا کہ قوم نے دھاندلی دیکھ لی، عمران خان کے خلاف ایکشن لیا جائے۔ الطاف حسین نے کہا ہے کہ الیکشن کمیشن انتخابات کالعدم قرار دے کر نئے انتخاب کروائے، اسفندریار ولی نے مطالبہ کیا ہے کہ عمران خان اس بات کو تسلیم کرے کہ اُس نے دھاندلی کروائی ہے، ساتھ ہی وہ صوبائی حکومت ختم کرے اور دوبارہ الیکشن کرائے۔ نواز لیگ کا کہنا ہے کہ نئے پاکستان کا خواب دکھانے والے کے پی کے میں عملی طور پر ناکام رہے اور ملکی تاریخ کی بدترین دھاندلی دیکھنے میں آئی۔ فیئر اینڈ فری الیکشن نیٹ ورک (فافن) کی رپورٹ کے مطابق کہ بلدیاتی انتخابات میں 26 فیصد دھاندلی ہوئی۔

پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ اور خیبر پختونخوا کے حکمراں عمران خان فرمارہے ہیں کہ دوسری سیاسی جماعتیں جن میں اُنکی اتحادی جماعت اسلامی بھی شامل ہے سب کا یہ کہنا ہے کہ تحریک انصاف نے بلدیاتی انتخابات میں بہت بڑے پیانے پر دھاندلی کی ہے، لہٰذا اگر دوسری سیاسی جماعتیں سارے خیبر پختونخوا میں یا پھر مخصوص حلقوں میں دوبارہ بلدیاتی انتخابات کا مطالبہ کرتی ہیں تو ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ عمران خان کے حمایتی اور اُنکے ہمدرد عمران خان کی اس پیشکش پر عمران خان کی واہ واہ کررہے ہیں۔
لیکن 31 مئی 2015ء کے بلدیاتی انتخابات میں جو ہلاکتیں ہویں اور آج تک ہورہی ہیں کیا عمران خان اُسکی ذمہ داری بھی قبول کرینگے۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے حکمرانوں کو پتہ ہونا چاہیے کہ 2005ء کے بلدیاتی انتخابات اور 2013ء کے عام انتخابات میں بھی اس طرح کے واقعات دیکھنے کو نہیں ملے۔ کیا پولنگ اسٹیشن کی حدود سے باہر بدامنی پر قابو پانا صوبائی حکومت کی ذمہ داری نہیں تھی؟۔ لیکن مسلہ یہ تھا کہ جب صوبائی حکومت کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی تھیں وہ دھاندلی میں مصروف تھی۔ چارسدہ میں اُمیدوار قتل ہوا، ڈیرہ اسماعیل خاں میں بیلٹ بکس جلائے گئے، پولیس ٹھپے لگاتی رہی اور ووٹر سرعام مہریں لگاکر ووٹ کا تقدس پامال کرتے رہے۔
جسطرح الیکشن کمیشن آف پاکستان نے صوبہ خیبر پختونخوا میں سات مئی کو حلقہ

پی کے 95 لوئر دیر میں خواتین کی عدم شرکت کی وجہ سے اُن ضمنی انتخابات کو کالعدم قرار دیکر دوبارہ انتخابات کرانے کا حکم دیا ہےاور جسکی ذمہ دار بھی خیبر پختونخوا کی حکومت ہے، کیونکہ خواتین کو ووٹ کے حق سے محروم رکھنا ایک جرم ہے اور سات مئی کو یہ جرم بغیر کسی رکاوٹ کے ہوا، اس جرم میں پی ٹی آئی کی اتحادی جماعت اسلامی سب سے آگے تھی۔ الیکشن کمیشن کو چاہیے کہ صوبہ خیبر پختونخوا کے 31 مئی کو ہونے والے دھاندلی زدہ اور خونی بلدیاتی انتخابات کو از خود نوٹس لیکر کالعدم قرار دے، اسکے ساتھ ہی اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے کہ جب بھی آئندہ انتخابات ہوں فوج کی نگرانی میں ہوں ۔ اسلیے کہ اب یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ 31 مئی کے بلدیاتی انتخابات میں پوری پاکستان تحریک انصاف اوراُسکی حکومت دھاندلی میں ملوث رہے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں 31 مئی کو ہونے والے بلدیاتی انتخابات بدترین دھاندلی کا شاہکار تھے۔

لوئر دیر کے ضمنی انتخابات کالعدم

لوئر دیر صوبہ خیبر پختونخوا کا حصہ ہے جہاں تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کی مخلوط حکومت پچھلے دو سال سے قائم ہے۔ایک خبر کے مطابق صوبہ خیبر پختونخوا میں سات مئی کو حلقہ پی کے 95 لوئر دیر میں جو ضمنی انتخابات ہوئے تھے اُسے الیکشن کمیشن نے کالعدم قرار دیکر دوبارہ انتخابات کرانے کا حکم دیدیا ہے۔ چیف الیکشن کمشنر نے کہا کہ خواتین کی عدم شرکت کی وجہ سے لوئر دیر کے انتخابات کالعدم قرار دے رہے ہیں ۔ الیکشن کمیشن دوبارہ انتخابات کا شیڈول جاری کریگا۔

نو مئی کو میں نے ایک مضمون بعنوان 'لوئر دیر میں خواتین کا ووٹ دینا حرام' تحریر کیا تھا اور جسکے آخر میں میں نے لکھا تھا کہ 'الیکشن کمیشن کو چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرے اور پی کے 95 لوئر دیر کے ضمنی انتخاب کو کالعدم قرار دیکر وہاں دوبارہ انتخاب کرائے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ خواتین اپنا حق رائے دہی بغیر کسی خوف کے استعمال کرسکیں ورنہ کہا جایگا کہ کراچی میں خواتین کا ووٹ دینا حلال ہے اور لوئر دیر میں حرام کیونکہ امیر جماعت اسلامی کامریڈ سراج الحق کی منافقت سے تو یہ ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لوئر دیر کے رہنے والے امیر جماعت اسلامی سراج الحق اور اُن سب کو جنھوں نے

لوئر دیر میں خواتین کو ووٹ دینے کے حق سے محروم کیا ہے اُنکو صرف یہ کہنا ہے کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ناقص العقل عورت اتنے عقل مند انسانوں کو جنم دیتی ہے جو اسے ووٹ دینے کے بھی قابل نہیں سمجھتے. یعنی اُن عقلمند انسانوں کو اپنی ماں پر بھی اعتبار نہیں '۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں سات مئی کو حلقہ پی کے 95 لوئر دیر میں ضمنی انتخابات میں جماعت اسلامی کے امیدوار اعزازالملک 19827 (کل ووٹوں کے صرف 14.08 فیصد) ووٹ لے کر کامیاب ہوئے تھے. اُنکے حریف اے این پی کے بہادر خان کل ووٹوں کے صرف 11.32فیصد) ووٹوں کے ساتھ دوسرے نمبر پر) 15927 تھے۔ 2013ء کے الیکشن میں اس سیٹ پر سراج الحق نے 12ہزار ووٹ کی برتری حاصل کی تھی ۔اب 2015ء یہ برتری صرف 4ہزار رہ گئی تھی۔ حلقہ پی کے 95 لوئر دیر میں ضمنی انتخابات میں ووٹر کی کل تعداد 140747 تھی جس میں مرد ووٹروں کی تعداد 86930 (61.76 فیصد) اور خواتین کی تعداد53817 (فیصد) تھی۔ سات مئی کو 53817 خواتین میں سے کسی ایک خاتون نے 38.24 بھی ووٹ نہیں ڈالا، اس میں سراج الحق اور جماعت اسلامی کے امیدوار اعزازالملک اور بہادر خان کے گھرانے کی خواتین بھی شامل ہیں۔انتخابات کے بعد الیکٹرونک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا نے کافی شور مچایا، اخبارات اور پرنٹ میڈیا میں کافی مضامین لکھے گئے. لکھنے والوں میں خواتین کی اکثریت تھی۔

خواتین لکھنے والیوں میں سابق امیر جماعت اسلامی مرحوم قاضی حسین احمد کی صاحبزادی محترمہ ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی نے 'عورت، انتخابات اور پشتون روایات' کے نام سے ایک مضمون تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے اس بات کی صفائی دینے کی کوشش کی ہے کہ دیر کی خواتین نے تو کبھی ووٹ ڈالا ہی نہیں۔ اس مضمون میں دیر کے لیے تو چند الفاظ کہے ہیں، ہاں کچھ اپنے والد قاضی حسین احمد جنہیں وہ آغا جانی کہتی تھیں اُنکی تعریف، کچھ دیر کی کسی تقریب کا ذکر، کچھ جماعت اسلامی کی شاندار کامیابی جو (کل ووٹوں کے صرف 14.08 فیصد) ہے، اور پھر یہ دعوہ کہ دیر میں رواج کی وجہ سے خواتین نے کبھی انتخاب میں حصہ نہیں لیا۔ اُن کا یہ دعوہ قطعی غلط ہے اس لیے کہ حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والی ایک تنظیم دیہی اجتماعی اور ترقیاتی سوشل ورکرز کونسل کے مطابق دیر میں 1970ء اور 1977ء کے عام انتخابات میں خواتین نے ووٹ ڈالا تھا، تاہم اس کے بعد مذہب اور سخت گیر پشتون روایات کا سہارا لیکر خواتین کو ووٹ ڈالنے سے روکا جاتا ہے۔ یہ بھی سب کو معلوم کہ مشرف کی بانٹی ہوئی ریوڑیوں سے ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی اور منور حسن کی بیگم عائشہ منور جب 2002ء میں رکن قومی اسمبلی بنیں تو انہوں نے خواتین کے حقوق کے بل کی شدید مخالف کی تھی۔

خاتون مصنف لبنیٰ ظہیر اپنے ایک مضمون 'دیر کے انتخابات اور خواتین' میں لکھتی ہیں کہ 'اگرچہ سیاسی جماعتیں تسلیم نہیں کرتیں لیکن مقامی اخبار نویسوں کا کہنا ہے کہ حصہ لینے والی جماعتوں نے پس پردہ ایک غیر تحریری معاہدہ کر لیا تھا کہ کسی بھی خاتون کو ووٹ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جماعت اسلامی کے فاتح امیدوار اعزاز الملک نے بطور فخریہ کہا ہے کہ خواتین کا ووٹ نہ ڈالنا کوئی نئی بات نہیں۔ 1985 سے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو اس صورتحال کو نرم سے نرم لفظوں میں شرمناک ہی کہا جاسکتا ہے'۔ اسی مضمون میں آگے چلکر لبنیٰ ظہیر لکھتی ہیں کہ 'ایک اور مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ اس نشست پر نئے پاکستان کا دعویٰ کرنے والی انقلابی جماعت تحریک انصاف بھی جماعت اسلامی کی حمایت کر رہی تھی۔ لیکن تحریک انصاف یا اُسکے سربراہ عمران خان کی طرف سے بھی کوئی اشارہ نہیں ملا کہ وہ خواتین کے حق رائے دہی کا احترام کرتے ہیں۔ کراچی، لاہور یا کسی بھی بڑے شہر میں جلسہ ہو یا اسلام آباد میں چار ماہ پر پھیلا ہوا دھرنا۔ خواتین پی ٹی آئی کے ہر اجتماع میں نہایت نمایاں نظر آتی ہیں۔ لیکن دیر کی خواتین گھروں میں بیٹھی رہ گئیں اور تحریک انصاف بھول گئی کہ ان کے نام بھی انتخابی فہرستوں میں شامل ہیں۔ وہ بھی ووٹ کا حق رکھتی ہیں'۔

محترمہ کشور ناہید نے اپنے مضمون 'خواتین کے حقوق اور قومی اداروں کی تنزلی

میں لکھا ہے کہ پاکستان میں لوئر دیر میں الیکشن ہوئے۔ جماعت اسلامی جیتی اس لیے کہ خواتین کو ووٹ ڈالنے نہیں دیا گیا۔ جبکہ الیکشن کمیشن نے حکم نامہ جاری کیا تھا کہ خواتین کو ووٹ ڈالنے سے نہیں روکا جائے۔ اس حکم نامے کے باوجود ہوا کیا، خواتین کے ووٹنگ بوتھ بنے ہوئے تھے مگر خواتین کو گھروں سے نکلنے نہیں دیا گیا۔ لوئر دیر میں خواتین کی آبادی 52 فیصد ہے'۔ نو مئی کو میں نے اپنے مضمون 'لوئر دیر میں خواتین کا ووٹ دینا حرام' میں تحریر کیا تھا کراچی اور لوئر دیر کے انتخابات سے ایک بات یہ پتہ چلی کہ جماعت اسلامی نے لوئر دیر میں خواتین کو ووٹ ڈالنے سے روکا جبکہ کراچی میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے خواتین کا ایک بڑا جلسہ کیا، گویا جماعت اسلامی کے نزدیک لوئر دیر میں خواتین کا ووٹ دینا حرام جبکہ کراچی میں خواتین کا ووٹ دینا حلال ہے۔ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک اور خاتون مصنف مسز جمشید خاکوانی نے اپنے فیس بک پر کچھ یوں لکھا ہے کہ 'خواتین کو برقعے کے پیچھے چھپا کر رکھو انہیں ووٹ کا حق بھی نہ دو لیکن جب کراچی میں جلسہ کرو تو سندھیوں، مہاجروں، بلوچیوں اور کشمیریوں کی ماں، بہنوں اور بیٹیوں کو جلسے میں شرکت کی دعوت دو، اپنے کارکنوں کو خواتین کو جلسوں میں لانے کی ترغیب دو۔۔۔! یہ کہاں کا اسلام ہے ۔۔کیا اسلام خیبر پختونخوا میں اور کراچی میں الگ الگ ہوتا ہے۔۔۔! واہ رے منافقت تیرا ہی آسرا'۔

عام خواتین ووٹر کی کیا بات کریں امیدواروں کی بیویاں بھی ووٹ ڈالنے نہیں آئیں۔
جماعت اسلامی اور اے این پی کی کوئی خاتون رکن ووٹ ڈالنے نہیں گئی، اسکا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے کہ خواتین کو منظم منصوبے کے تحت ووٹ ڈالنے سے روکا گیا، لازمی طور پر جماعت اسلامی اور اے این پی کے درمیان خواتین کو ووٹ نہ ڈالنے دینے کا کوئی خفیہ معاہدہ ہوا ہے۔ جماعت اسلامی کی بات تو الگ ہے، اسکو دیر میں خواتین کے ووٹوں کی ضرورت نہیں تو دیر میں خواتین ووٹ نہ ڈالیں، لیکن کراچی، لاہور، ملتان اور جہاں جہاں خواتین کے ووٹوں کی ضرورت ہے وہاں خواتین کو جلسہ میں جمع کرکے اُن کے سامنے اسلام کا نعرہ لگا کر ووٹوں کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ اے این پی کے رہنما زاہد خان نے کہا کہ پی کے 95 کے ضمنی انتخاب میں خواتین اس حلقہ میں ووٹ ڈالنے نکلتیں تو شام کو ہم اپنی خواتین کے جنازے اٹھاتے، افسوس ہوا کہ اے این پی نے اس گندے کھیل میں جماعت اسلامی کا ساتھ دیا، کم از کم اپنے لبرل ہونے کا ثبوت تو دیتے۔ کل تک پیپلزپارٹی میں ایک خاتون رہنما، بے نظیر بھٹو کی آواز سب پر بھاری تھی لیکن آج وہی پیپلزپارٹی خواتین کے بنیادی حق کو استعمال کرنے کی پابندی پر خاموش ہے۔
خیبر پختونخواکے حالیہ بلدیاتی انتخابات کے بعد ہر سیاسی جماعت نے یہ الزام لگایا ہے کہ پاکستان تحریک انصاف نے انتخابات میں دھاندلی کی ہے، تحریک

انصاف کے مخالفوں کو تو چھوڑیے، تحریک انصاف کی صوبائی حکومت میں اُسکی اتحادی جماعت اسلامی نے نہ صرف حالیہ بلدیاتی انتخابات کو بدترین اور شرمناک کہا بلکہ جماعت کا کہنا تھا کہ 'دھاندلی دھاندلی کا شور کرنے والی تحریک انصاف خود دھاندلی کی چیمپئن بن گئی ہے'۔ یہ یاد رہے کہ صوبائی وزیر بلدیات کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے۔ عمران خان نے پیشکش کی ہے کہ اگر سیاسی جماعتیں چاہیں توپورے خیبر پختونخوامیں دوبارہ بلدیاتی انتخابات کروانے کو تیار ہوں، لیکن خان صاحب کے مخالفین تواب تحریک انصاف کی حکومت ختم کرنے کا مطالبہ کررہے ہیں جبکہ اُنکی اتحادی جماعت اسلامی پشاور نے بلدیاتی انتخابات میں صوبائی حکومت کی جانب سے مبینہ دھاندلی کی بنیاد پر ضلع پشاور کے الیکشن کو مسترد کرتے ہوئے انہیں کالعدم قرار دینے اور عدلیہ و فوج کی نگرانی میں دوبارہ انتخابات کا مطالبہ کیا ہے۔ عمران خان کے صوبے میں تبدیلی توآئی ہے، کہا جارہا ہے کہ تحریک انصاف 'صاف چلی، شفاف چلی' تبدیل ہوکر 'دھاندلی کی چیمپئن چلی' بن گئی ہے۔ عمران خان اگر دھاندلی کے داغ کو دھونا چاہتے ہیں تواُنکو چاہیے کہ پی کے 95 کے ضمنی انتخاب فوج کی نگرانی میں کروایں اور اس بات کو یقینی بنایں کہ حلقہ پی کے 95 لوئردیر کے ضمنی انتخابات میں 53817 خواتین میں سےزیادہ سے زیادہ اور اپنی مرضی سے ووٹ ڈالیں۔ عمران خان کواُن لوگوں یا سیاسی جماعتوں بشمول اُنکی اتحادی جماعت اسلامی سے بھی سختی سے نبٹنا ہوگا، اگر وہ ایسا کرپائے توشاید وہ

بلدیاتی انتخابات میں دھاندلی کے الزامات سے آزاد ہو پائینگے۔

اب جب الیکشن کمیشن حلقہ پی کے 95 لوئر دیر میں کے ضمنی انتخابات کو کالعدم قرار دے چکا ہے تو آئندہ کے لیے وفاقی حکومت کو جرگوں یا سیاسی جماعتوں کے 'خواتین کے ووٹ نہ ڈالنے کے معاہدوں' کو قانون سازی کے زریعے ختم کرنا ہوگا، لیکن وفاقی حکومت فوری طور ایک آرڈیننس جاری کرے جسکے زریعے آئندہ کے لیے 'خواتین کے ووٹ نہ ڈالنے کے معاہدوں' کو جرم قرار دیا جائے، جسکی سزا اور جرمانے مقرر کیے جایں تاکہ خواتین اپنا حق رائے دہی آزادی سے استمال کر سکیں۔

وفاقی بجٹ اور غریب عوام

مالی سال 2015۔16 کا 43 کھرب 13 ارب روپے کا وفاقی بجٹ پیش کر دیا گیا، میرا ایک سادہ سا سوال ہے کہ یہ بجٹ کس کے لیے بنایا گیا۔ کیا یہ بجٹ پاکستان کے غریب عوام کے لیے ہے ؟۔ تو یہ جواب قطعی غلط ہے۔ نواز شریف کی تیسری مرتبہ حکومت آنے کے بعد وزیر خزانہ اسحاق ڈار جو شماریات اور لفظوں میں ردوبدل کے ماہر ہیں اور ان کی وجہ سے پہلے پاکستان کو جرمانہ عائد ہوچکا ہے، اُنکی جانب سے پیش کیے جانے والے تیسرے بجٹ پر سیاسی جماعتوں اور عام عوام نے عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ دو گھنٹے کی وزیر خزانہ اسحاق ڈار کی بجٹ تقریر کے بعد جب اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے اپنے خدشات کا اظہار کرنے کی کوشش کی تو لائیو ٹرانسمیشن بند کردی گیں۔ خورشید شاہ نے کہا ہے کہ وزیر خزانہ کی بجٹ تقریر سے قوم مایوس ہوئی ہے، تقریر میں صرف ٹیکس بڑھانے کی باتیں سنائی دیں۔ سابق صدر آصف زرداری کا کہنا ہے کہ حکومت اے پی سی کے فیصلوں سے پیچھے ہٹ گئی ہے، نیا وفاقی بجٹ غریب کش اور کسان دشمن ہے، حکومت تیل کی قیمتیں کم کرنے میں ناکام رہی، یہ بجٹ اکاؤنٹینٹ کا تیار کردہ ہے۔ اس بجٹ میں صرف امیروں کو مراعات دی گئیں غریبوں کو بجٹ میں دعاؤں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے بجٹ کو امیر طبقے کے مفادات کا امین قرار دیا جبکہ غرباء کے

لئے خاطر خواہ ریلیف کا اعلان نہیں کیا گیا۔

مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماوں کا کہنا تھا کہ نیا بجٹ سرمایہ دارانہ ہے، عام آدمی کو اس بجٹ میں خاص ریلیف ملا اور نہ ہی مہنگائی کے سدباب کے لئے اقدامات نظر آئے، عام پاکستانی اس عوام دشمن بجٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس حکومت اور خاصکر وزیر خزانہ کو رو رہے ہیں، وزیر خزانہ نے حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے بجٹ میں سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور پنشن میں ساڑھے سات فیصد اضافہ اور مزدور کی کم از کم ماہانہ اجرت 13 ہزار روپے مقرر کی ہے، یہ غریبوں پر بہت بڑا ظلم ہے۔ وزیر خزانہ 13 ہزار روپے میں گھر کا بجٹ بنا کر دکھائیں۔کیا وزیر اعظم نواز شریف اور وزیر خزانہ اسحاق ڈار 13 ہزار روپے میں صرف اور صرف ایک ماہ تجربے کے طور پر اپنا گھر کا چولہا چلا کر دکھایں گے، دونوں حاجی ہیں ایک ماہ بعد پوری قوم کو اس تجربے کا سچ سچ نتیجہ بتادیں، اُنھیں پتہ ہے کہ 13 ہزار تو چھوڑیں 20 ہزار میں بھی میاں، بیوی اور دو بچوں کے ساتھ گذارہ مشکل ہے، اسلیے نہ ہی کوئی تجربہ ہوگا اور نہ ہی اسکا کوئی نتیجہ۔ البتہ وزیر خزانہ کو یہ معلوم ہے کہ پیٹ بھروں کو فائدہ کیسے پہنچایا جاتا ہے۔مثلا سینئر پرائیویٹ سیکرٹریز اور اسسٹنٹ سیکرٹریز کی تنخواہوں میں 100 فیصد اضافہ کیا جائے گا تاکہ وہ ان کے مفادات کی نگرانی کرتے رہیں۔بجٹ میں 1800 سی سی سے زائد والی ہائبرڈ گاڑیوں پر ٹیکس میں

فیصد چھوٹ دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس سے ہائبرڈ گاڑیاں سستی ہونگی، وزیر 25 خزانہ کے امیر دوست خوش ہو جاینگے۔

ایسا لگ رہا کہ شاید وزیر خزانہ اتنے لاعلم شخص ہیں جنکو یہ نہیں معلوم کہ پاکستان میں 58 فیصد آبادی خوراک کی کمی کا شکار ہے۔ پچاس فیصد خواتین و بچے ناقص خوراک یا غذا کی کمی کا شکار، پانچ سال سے کم عمر بچوں میں سے 35 فیصد بچوں کا خوراک کی کمی کی وجہ سے مر جانا، صرف پانچ فیصد بچے ہی ایسے ہیں جو تنوع کے اعتبار سے معیاری غذا لے پا رہے ہیں۔ یہ وہ خوفناک صورت حال ہے جو پاکستان میں بسنے والے عوام کو درپیش ہے۔ پاکستان میں غربت کی شرح میں دن بدن اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے، جب کہ پاکستان کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ غربت کی اِس بڑھتی ہوئی شرح کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 19 کروڑ آبادی والے ملک کے تقریباً چھ کروڑ افراد خط غربت سے بھی نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

عالمی سطح پر خط غربت یومیہ دو ڈالر یا دو سو روپے آمدن کے برابر ہے۔ عالمی بینک کی رپورٹ "ورلڈ ڈویلپمنٹ انڈیکیٹر" کے مطابق پاکستان کے 60 فیصد افراد کی آمدن یومیہ دو ڈالر یا دو سو روپے سے بھی کم ہے، جبکہ اکیس فیصد آبادی انتہائی غربت کا شکار ہے۔ پانی جو انسان کی بنیادی ضرورت ہے، بدنصیبی سے

پاکستان میں 60 فیصد عوام پینے کے صاف پانی کی سہولت سے محروم ہیں۔ پانی میں آلودگی بڑھ رہی ہے جسکی وجہ سے کئی امراض میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جن میں ڈائریا، ٹائیفائڈ اور ہیپاٹائٹس شامل ہیں۔ تعلیم کے شعبے پر ہماری حکومتیں کوئی توجہ نہیں دے رہی ہیں۔ دنیا کی تعلیمی انڈیکس میں 120 ممالک میں سے پاکستان 113 نمبر پر ہے۔ ملک کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں اسکول میں داخل نہ کروائے جانے والے بچوں کی شرح سب سے زیادہ 61 فیصد ہے جبکہ سندھ میں یہ شرح 53 فیصد، خیبر پختونخواہ میں 51 فیصد اور بلوچستان میں 47 فیصد ہے۔

ان مسائل میں سے کوئی بھی حکومت یا اُنکے ہمدردوں سے تعلق نہیں رکھتے اسلیے وزیر خزانہ یا نواز شریف کو بجٹ کے وقت ان مسائل کا بلکل دھیان نہیں رہتا۔ ان مسائل کا دھیان جب آتا ہے جب ووٹ مانگنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ ن کی طرف سے ایک نعرہ گونجا کرتا تھا "دیکھو دیکھو کون آیا شیر آیا شیر آیا"، مسلم لیگ ن کے صدر نواز شریف اس نعرے کی گونج میں عوام کی پریشانیوں کا ذکر کرتے تھے، وہ بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کرنے، امن و امان قائم کرنے، مہنگائی اور بے روزگاری کو ختم کرنے کے وعدے کرتے تھے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ پیر 25 مارچ 2013ء کو مانسہرہ میں پاکستان مسلم لیگ ن کے جلسہ میں ہزاروں کی تعداد میں عوام موجود تھے، اُس جلسے میں نواز شریف

نے کہا تھا کہ "انہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا جس کی وجہ سے سزائیں بھگتیں، مصیبتیں اور مشکلات آئیں لیکن برداشت کیا اور پیچھے نہیں ہٹے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے پہلے ایٹمی دھماکہ کیا اب اقتدار میں آئے تو معاشی دھماکا کریں گے"۔ سال 2015۔16 کا بجٹ عام لوگوں کے لیے واقعی غریب عوام کے لیےایک تباہ کن معاشی دھماکہ ہے، نواز شریف صاحب آپنے معاشی دھماکہ کا وعدہ کیا تھا، آپکا وعدہ پورا ہوا، بقول اسلم رہیسانی کہ دھماکہ دھماکہ ہوتا ہے، چاہے وہ قوم کو بدحال ہی کیوں نہ کردے، شیر تو ضرور آیا ہے لیکن یہ بھوکا شیر ہے جو غریب عوام کو کھا رہا ہے۔

سقراط نے کہا تھا کہ "جب ہمیں لکڑی کا کام ہوتا ہے تو ہم ایک اچھے لکڑی کا کام کرنے والے کا انتخاب کرتے ہیں، اور جب ہمیں لوہے کا کام ہوتا ہے تو ایک اچھا لوہار کا انتخاب کرتے ہیں، تو پھر جب ہمیں کسی کو حکمراں بنانا ہو تو ہم اچھے حکمراں کا انتخاب کیوں نہ کریں"۔ افسوس 2013ء میں ہم نے نواز شریف کو تیسری بار چن لیا، ابتک اس جمہوری نواز شریف دور" میں تین بجٹ آچکے ہیں لیکن نہ تو حکومت نے کشکول کو توڑا" ہے اور نہ ہی غربت اور مہنگائی میں کوئی کمی آئی ہے۔ نواز شریف نے الیکشن کے دوران عوام سے جو وعدئے کیے تھے وہ ہوا میں اڑ گئے۔ دو سال کی شریف خاندان کی خاندانی حکومت دیکھنے کے بعد ہمیں جمہوریت کا مطلب اتنا ہی پتہ ہے کہ الیکشن ہوتے ہیں، لوگ ووٹ ڈالتے ہیں۔ پھر

جو بندہ جیت جاتا ہے اسکا بھائی وزیر اعلیٰ، بھتیجے، بھانجے وزیر بن جاتے ہیں، بیٹی یوتھ لون سکیم کی چیئرپرسن بن جاتی ہے جو بعد میں عدالتی دباو کی وجہ سے استعفیٰ دے دیتی ہے، سمدھی وزیر خزانہ بن جاتا ہے۔

نواز شریف اور اُنکی حکومت اب ہر مسلہ کے حل کا سال 2018ء بتا رہے ہیں، تاکہ وہ اپنے پانچ سال مکمل کرلیں۔ وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے اکنامک سروے میں خود یہ اعتراف کیا کہ وہ اہداف پورے کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ یہ ایک روایتی بجٹ ہے، یہ سرمایہ داروں کا بجٹ ہے، نہ یہ عوام دوست ہے اور نہ ہی غریب عوام کو اس سے کوئی فائدہ ہوگا، بلکہ عام آدمی کے لیے اپنے گھر کو چلانا اور مشکل ہوجائے گا، بے نظیر انکم سپورٹ فنڈ سے مزید بھکاری پیدا ہونگے اور مزید کرپشن بڑھے گی۔ گیارہ مئی 2013ء کو جس نواز شریف کو ہم نے منتخب کیا تھا اگلے تین سال مزید اُسکو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھیں اور ہاں ایک ترقی مسلم لیگ ن کے دو سالہ دور میں ضرور ہوئی ہے کہ ایک لاکھ گدھوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اب آپ یہ نہ سمجھ لیجیے گا کہ اب تک کے تینوں بجٹ ان ایک لاکھ گدھوں میں کسی ایک نے بنائے ہیں۔

بنگلہ دیش اور بھارت کا اصل چہرہ

پاکستان کی وزارت اطلاعات نے 1971ء میں ایک کتاب "ٹیررز ان ایسٹ پاکستان" چھاپ کریا تو اپنے سفارت خانوں کے زریعے تقسیم کی یا پھر لندن کے ٹریفیگل اسکوائر کے 14 اگست 1971ء کے مظاہرے میں تقسیم کی، یہ کتاب آج بھی ریکارڈ کے طور پر وزارت اطلاعات میں موجود ہونی چاہیے۔ اس کتاب میں وہ تصاویر موجود تھیں جو انسانیت کو شرما رہی تھیں۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے جا رہے تھے، بچوں کے پیٹوں میں بندوقوں کی سنگین ڈال کر اُنکو مردہ حالت میں اٹھا کر ناچا جا رہا تھا۔ اور یہ سب کچھ وہی مکتی باہنی کر رہی تھی جسکا ذکر بنگلہ دیش کے حالیہ دورے کے دوران بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے کیا اور اپنی دہشتگردی کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "بنگلہ دیش کا قیام ہر بھارتی کی خواہش تھی اور بھارتی فوج مکتی باہنی کے ساتھ ملکر لڑی تب ہی بنگلہ دیش کو آزادی نصیب ہوئی"۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے برملا اور سینہ ٹھونک کر اِس کا بھی اعتراف کیا کہ وہ 1971ء میں مکتی باہنی کی حمایت میں ستیہ گرہ تحریک میں بطور نوجوان رضاکار شرکت کے لئے دہلی آئے تھے۔ نریندر مودی کی طرف سے 1971ء کے سقوط ڈھاکہ میں بھارت کے ملوث ہونے کے اعتراف نے اُسکی پاکستان دشمنی کو پورے طریقے سے ننگا کر دیا ہے۔ دہشتگرد نریندر مودی نے ڈھاکہ یونیورسٹی میں اپنے

خطاب کے دوران چار مرتبہ پاکستان کا نام لیا اور دہشتگردی کے حوالہ سے بے بنیاد الزام تراشیاں کیں۔

سابقہ مشرقی پاکستان اور حالیہ بنگلہ دیش میں آج بھی پچیس فیصد سے زیادہ آبادی ہندوؤں کی ہے ان ہندوؤں میں سے اکثریت آج بھی بھارت کی وفادار ہے، پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن نے مسلم قومیت کے بجائے بنگالی قومیت کا نعرہ بلند کیا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد بھارت نے مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کے ذریعے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی سازشیں تیز کردیں۔ 1966 میں پہلی مرتبہ نیشنل کانفرنس لاہور کے اجلاس میں شیخ مجیب نے چھ نکات پیش کیے۔ پندرہ اگست 1975ء جو بھارت کی آزادی کا دن ہے مجیب الرحمان اپنے پورے خاندان کے ساتھ اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں مارا گیا، یہ وہی فوجی تھے جنھوں نے بنگلہ دیش کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا تھا۔ میر جعفر کے خاندان سے تعلق رکھنے والے غدار مجیب الرحمان کی بیٹی حسینہ واجد اپنے باپ سے زیادہ بھارت کی وفادار ہے اور پاکستان سے اپنی نفرت کو کھلے عام ظاہر کرتی ہے۔ حسینہ واجد جو بھارت کی وفاداری میں میر جعفر کا روپ دھار کر اپنے ہی لوگوں کو پھانسی چڑھا رہی ہے اور پاکستان سے اپنی نفرت کا اظہار کرنے کا کوئی موقعہ نہیں چھوڑتی چاہے وہ کرکٹ کا میچ ہی کیوں نہ ہو، اقتدار میں آنے کے بعد سے حسینہ واجد پاکستان دشمنی میں پیش پیش ہے۔

بھارتی وزیراعظم نریندر مودی جب چھ جون کو بنگلہ دیش کے دار لحکومت ڈھاکہ میں اپنی بہن بنگلہ دیشی وزیراعظم حسینہ واجد سے سے ملنے پہنچا تو وہ بہت جذباتی تھا، دونوں بہن بھائی میں ایک قدر جو مشترک ہے وہ ہے پاکستانی دشمنی۔ اس سے پہلے نریندر مودی چین سمیت دوسرئے کئی ممالک کے دوروں کے دوران پاکستان مخالف راہ ہموار کرنے میں ناکام رہا تھا۔اس مشترکہ دشمنی کا اظہار کرنے کے لیے حسینہ واجد نے نریندر مودی کے دورہ بنگلہ دیش کے دوران ایک تقریب میں سابق بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کو انتہائی قابل احترام سیاستدان قرار دیا اور نہ صرف بنگلہ دیش کی جنگ میں اُنکے فعال کردار" کا ذکر کیا بلکہ پاکستان توڑنے اور غیر مستحکم کرنے کے اعتراف میں واجپائی" کو "فرینڈز آف بنگلہ دیش لبریشن وار ایوارڈ" دیا گیا جو نریندر مودی نے وصول کیا۔ اس سے قبل حسینہ واجد 2012ء میں اندرا گاندھی کو بھی اسی ایوارڈ سے نواز چکی ہے جسے کانگریس پارٹی کی سربراہ سونیا گاندھی نے وصول کیا تھا۔ نریندر مودی نے بھی بنگلہ دیشی وزیراعظم حسینہ واجد کو چھ دسمبر1971ء کو بھارتی پارلیمنٹ میں کی جانے والی اٹل بہاری واجپائی کی تقریر یاد دلائی جس میں واجپائی نے بھارتی حکومت سے بنگلہ دیش تسلیم کرنے کی درخواست کی تھی۔

آج ایک مرتبہ پھر اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ

میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ "بچھوؤں کی پیدائش عام جانوروں کی طرح نہیں ہوتی، اپنی ماں کے پیٹ میں جب یہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو اندر سے پیٹ کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے اور یوں سوراخ کرکے باہر آ جاتا ہے"۔ حضرت سعدی مزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات ایک دانا کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا: "میں سمجھتا ہوں کہ بات درست ہی ہوگی بچھو کی فطرت اور عادت پر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے پہلے دن سے برائی ہی کی ہوگی"۔ ڈنک مارنا بچھو کی فطرت ہے، اور ایسا ہی ہوا جب جون کے پہلے ہفتے میں بنگلہ دیشی وزیراعظم حسینہ واجد نے اپنے پاکستان کے غدار باپ مجیب الرحمان کی روح کو جہنم میں خوش کرنے کے لیے اور پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے واجپائی کو "فرینڈز آف بنگلہ دیش لبریشن وار ایوارڈ" سے نوازا، جبکہ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کی کوکھ سے جنم لینے والی سیاسی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی اور سنگھ پریوار جسکا قیام ہی مسلم دشمنی کے سبب عمل میں آیا تھا اول دن سے ہی پاکستان مخالف ہے، اُسی سنگھ پریوار سے تعلق رکھنے والا نریندر مودی جو اب بھارت کا وزیراعظم بھی ہے اپنی پاکستان اور مسلم دشمنی کا بھرپور مظاہرہ کر رہا ہے۔ حسینہ واجد ہو یا نریندر مودی پاکستان کے لیے تو دونوں ہی بچھو ثابت ہوئے ہیں۔

نریندر مودی وزیراعظم بننے کے بعد سے اپنی شبیہ کو سدھارنے کی کوشش میں لگا

ہوا ہے، اُسکے بارے میں ساری دنیا جانتی ہے کہ 2002ء میں گجرات کے اندر ہونے والے فسادات جن میں 2000 سے زیادہ مسلمان مارے گئے تھے اُن فسادات کا اصل مجرم نریندر مودی ہی ہے جو اسوقت گجرات کا وزیر اعلیٰ تھا۔ کیا وجہ ہے کہ نریندر مودی جسکی شبیہ ابھی تک پوری دنیا کے سامنے بگڑی ہوئی ہے وہ اور اُسکی کابینہ کے اراکین مسلسل پاکستان دشمنی میں بیانات دے رہے ہیں، کیا مودی حکومت نے ہندوستان کے غریب عوام کے سارے مسائل حل کر دیئے ہیں، ایسا بلکل نہیں ہے اور ان مسائل سے توجہ ہٹانے کے لیے ہی پاکستان کے خلاف عوام کو بھڑکایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آٹھ لاکھ بھارتی فوج کی موجودگی میں کشمیری مسلمان مقبوضہ کشمیر میں پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرا رہے ہیں اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں دوسری طرف آپریشن ضرب عضب کی کامیابی اور پاک چین اقتصادی راہدری کے منصوبے اور معاہدوں نے بھارتی حکمرانوں کی نیدیں اڑائی ہوئی ہیں اور جب نید نہ آئے تو انسان اول فول بکتا ہے اور یہ ہی کام مودی اور اُسکی کابینہ کررہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مودی جو پاکستان کے لیے تو اب موزی بن چکا اُسکے موزی پن کی خود بھارت میں بڑی شدت سے مخالفت کی جارہی ہے۔

بدقسمتی سے نواز شریف کے سامنے اُن کی اپنی پارٹی یا ملک میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جسکو وزیر خارجہ بنایا جاسکے، وزارت خارجہ کا جو حال نواز

شریف حکومت میں ہوا ہے اتنا برا حال کبھی بھی نہیں ہوا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ہماری وزارت خارجہ پاکستان کے مشترکہ دشمنوں بنگلہ دیش اور بھارت کا اصل چہرہ دکھانے سے سے قاصر رہی جسطرح کا جواب بنگلہ دیش اور بھارت کو جانا چاہیے تھا اسطرح کا جواب نہیں گیا۔ پاکستان کو چاہیے کہ بنگلہ دیش کے بارے میں اپنی خارجہ پالیسی کو بدلے یہ جو ہمارے دفتر خارجہ کے ترجمان فرمارہے ہیں پاکستان اور بنگلہ دیش کے عوام کے درمیان نہ صرف مذہبی اقدار کی بنیاد پر مضبوط تعلقات قائم ہیں بلکہ ان کی نوآبادیاتی نظام کے خلاف آزادی کی جدوجہد کی تاریخ بھی مشترک ہے۔ کونسی مذہبی اقدار، کونسے مضبوط تعلقات اور کونسی مشترکہ جدوجہد سب بیکار کی باتیں ہیں، کیا وزارت خارجہ بنگلہ دیش کی حکومت اور خاصکر حسینہ واجد کی پاکستان دشمنی سے ناواقف ہے۔ واررت خارجہ کو اپنے بیان میں بھارت کو 1965ء میں اُسکی ذلت آمیز شکست کو یاد دلاتے ہوئے یہ بھی یاد دلانا ضروری تھا کہ یہ 1971ء نہیں 2015ء ہے۔ پاکستان ایک ایٹمی قوت رکھنے والا دنیا کا ساتواں ملک ہے اور پورا بھارت پاکستان کے نشانے پر ہے، تم لڑتو نہیں سکتے ہاں دہشت گردی ضرور کر سکتے ہو، کراچی ہو یا بلوچستان یا پورا پاکستان ہر جگہ تمارے دہشتگرد موجود ہیں لیکن 60 ہزار لوگوں کے شہید ہونے کے باوجود کسی ایک پاکستانی نے ہمت نہیں ہاری ہے۔ ہم تمہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کو تیار ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کا مقبوضہ کشمیر میں پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرانا، آپریشن ضرب عضب کی کامیابی یا پاک چین

اقتصادی راہداری منصوبہ دہشتگرد بھارت اور اُسکی موزی سرکاران تمام باتوں کو برداشت کرنے سے قاصر ہے۔ اسلیے بھارت ہر وہ حربہ استعمال کرے گا جس سے پاکستان کو نقصان پہنچے، اب یہ پاکستانی حکومت کا فرض ہے کہ وہ بھارت کی سازشوں کو ناکام بنائے اور بھارت کے جارحانہ رویے کا منہ توڑ جواب دے۔

آپریشن ضرب عضب اور حکومتی کردار

گذشتہ سال اتوار 15 جون 2014ء کو افواج پاکستان نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن کا آغاز کیا۔ 'العضب' نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی تلوار کا نام ہے، اسی مناسبت سے پاک فوج نے آپریشن کا نام "ضرب عضب" رکھا، جس کا مطلب "ضرب کاری" یعنی دہشت گردوں کا مکمل خاتمہ۔آپریشن کو ایسا مقدس نام دینے پر پوری قوم نے سوائے طالبان کے ہمدردوں کے پاک فوج کو بہت بہت مبارکباد دیتے ہوئے یہ دلی دعا بھی کی کہ اللہ تعالی معصوم شہریوں کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور آپریشن "ضرب عضب" کامیاب ہو۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وزیراعظم ٹی وی پر آکر قوم سے خطاب کرتے، آپریشن شروع کرنے کا اعلان کرتے اور اُن مذاکرات کی ناکامیابی کے اسباب پر روشنی ڈالتے جو اُس وقت طالبان دہشتگردوں سے ہورہے تھے۔ مگر قوم کو آئی ایس پی آر کے پریس ریلیز کے زریعے آپریشن شروع ہونے کی اطلاع ملی، آئی ایس پی آر کے پریس ریلیز کے مطابق شمالی وزیرستان میں حکومتی ہدایت پر باقاعدہ فوجی آپریشن شروع کردیا گیا ہے۔

اگلے روز شاید نہ چاہتے ہوئے وزیراعظم نواز شریف نے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہم مذاکرات کررہے تھے جبکہ دوسری جانب تنصیبات

کو نشانہ بنایا گیا، ہماری نیک نیتی پر مبنی پیش رفت کو اسی جذبے کے ساتھ نہیں لیا گیا، کراچی حملے کے بعد مشاورت سے آپریشن کا فیصلہ کیا، دہشتگردی نے معیشت کو گہرا زخم لگایا، پاکستان دہشت گردی کی بھاری قیمت ادا کر چکا ہے۔ دکھ کی بات ہے مساجد' امام بارگاہیں' عبادت گاہیں محفوظ نہیں ہیں' کھیل کے میدان ویران ہیں' بازار و شہر خوف کے سائے میں ہیں۔ دہشتگردی ہماری معیشت کو 103 ارب ڈالر کا زخم لگا چکی ہے۔ ہم کسی قیمت پر ملک کو دہشتگردوں کی پناہ گاہ نہیں بننے دیں گے۔ قومی اسمبلی میں یہ سب باتیں کرنے والے نواز شریف اور اُنکے وزرا گذشتہ ایک سال اور خاصکر 23 جنوری 2014ء سے مذاکرات کے نام پر پوری قوم کو دھوکا دے رہے تھے۔ وزیراعظم نواز شریف جس وقت مذکراتی کمیٹی کا اعلان کر رہے تھے اُس وقت بھی کراچی کی فضائیں یکے بعد دیگرے ہونیوالے دھماکوں سے گونج رہی تھیں، ان دھماکوں میں دو رینجرز اہلکاروں سمیت چار بے گناہ انسانوں کا خون بہایا گیا تھا۔ آٹھ جون کو ایک مرتبہ پھر کراچی میں خون بہایا گیا اور ملکی معیشت کو تباہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گی۔ نواز شریف جو فی الوقت آپریشن کے لیے تیار نہیں تھے کراچی ایئرپورٹ پر حملے کے بعد اُنہیں آپریشن کی منظوری دینا پڑی یا افواج پاکستان کے آپریشن کے مشورہ کو قبول کرنا پڑا اسکے علاوہ اُنکے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا کیونکہ پوری قوم افواج پاکستان کے ساتھ کھڑی تھی۔

آپریشن ضرب عضب سے پہلے دس سال میں جون 2014ء تک پاکستان میں 52ہزار افراد شہید ہوئے، سیکورٹی فورسز کے 5ہزار775 اہلکار شہید ہوئے، 396 خود کش حملے ہوئے جس میں 6ہزار21 افراد جاں بحق اور 12ہزار558 افراد زخمی ہوئے، 4ہزار932 بم دھماکے ہوئے۔آپریشن ضرب عضب سے پہلے عام شہریوں کو اُن علاقوں سے نکالا گیا، جہاں طالبان دہشتگردوں کا قبضہ تھا۔شروع میں گیارہ لاکھ لوگوں نے نقل مکانی کی جنہیں بنوں اور بکاخیل میں عارضی طور پر پناہ دی گئی، ان تمام آئی ڈی پیز کا رجسٹریشن کیا گیا اوراُن کو کیمپوں میں منتقل کیا گیا،یقیناآئی ڈی پیز کو پریشانیاں بھی ہویں لیکن یہ ایک وقتی مجبوری تھی۔15 جون کو پہلی کاروائی میں 120 دہشتگرد مارے گئے اور بارودی ذخیرے تباہ ہوئے۔آپریشن میں ابتدائی طور پر لڑاکا جیٹ طیاروں، گن شپ ہیلی کاپٹر کو,رانے اہداف کو نشانہ بنایا بعد میں زمینی کاروائی کا آغاز ہوااوردہشتگردوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا۔پاک فوج کی ان کاروائیوں میں دہشتگردوں کو بھاری جانی نقصان پہنچا، اُنکا بھاری تعداد میں اسلحہ اور گولہ بارود تباہ ہوا، بعد میں جب دہشتگردوں کی ایک خاصی تعدادماردی گئ تو دہشتگرد کافی اسلحہ کی تعداد جن میں بم بنانے کا سامان، خودکش جیکٹوں کی ایک کثیر تعداد چھوڑ کر بھاگ گئے۔

آپریشن ضرب عضب نے کامیابی سے اپنے اہداف پورے کرنا شروع کئے تو,بزدل

دہشتگردوں نے دو نومبر کی شام واہگہ باڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب کے بعد ایک انیس یا بیس سال کے بچے کے ذریعے تقریب سے واپس جانے والوں پر خود کش دھماکا کیا اُسکے نتیجے میں تین رینجرز اہلکاروں سمیت 60 افراد شہید اور 175 سے زائد زخمی ہوگئے، جن میں 12 خواتین اور 7 بچے بھی شامل ہیں۔ دہشتگرد یہ سمجھ بیٹھے کہ اب لوگ سہم گے ہونگے اور آئندہ اس طرح کی تقریب میں شریک نہیں ہونگے، لیکن دہشت گردوں کا خیال غلط نکلا اگلے دن تین نومبر کو پھر تقریب ہوئی، اپنے شہید ہونے والے پاکستانی بہن بھایوں کا غم تھا، لیکن لوگوں کی بڑی تعداد نے واہگہ بارڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب میں شرکت کی، دہشتگرد پاکستانیوں کے حوصلے پست نہ کرسکے۔ واہگہ بارڈر پرپرچم اتارنے کی تقریب میں ہزاروں شریک پاکستانیوں کے حوصلے بہت بلند تھے، شریک پاکستانیوں میں خواتین اور بچوں کی بھی بڑی تعداد شامل تھی۔ پاکستانیوں کا جوش وجذبہ برقرار دکھائی دیا۔ اس موقع پر کور کمانڈر، ڈی جی رینجرز اور پولیس حکام بھی موجود تھے۔ کورکمانڈر کا کہنا تھا کہ جاں بحق افراد کے لواحقین کے دکھ میں شریک ہیں، آج کی تقریب ثابت کررہی ہے کہ بزدلانہ حملے سے قوم کا جذبہ کم نہیں ہوگا۔

بزدل دہشتگردوں کو عادت پڑی ہوئی تھی کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں دہشتگردی کریں لیکن آپریشن ضرب عضب کے بعد دہشتگردوں کو اپنی موت نظرآنے لگی تو

بزدلوں نے بدلے کی آگ میں پشاور میں آرمی پبلک اسکول پر حملہ کردیا۔ سولہ دسمبر 2014ء پاکستان اور انسانیت کی تاریخ کا وہ سیاہ دن ہے جس کا سوچکر ہر ماں اور باپ غمزدہ ہو جاتے ہیں۔ پھولوں کے شہر کا تشخص رکھنے والے شہر پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں طالبان دہشتگردوں نے پاکستان میں ابتک ہونے والی سب سے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیااور 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا۔ طلباء کی شہادت یقیناًایک قومی المیے کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اتنے بڑے سانحے 132 کے باوجود بھارت کے زرخرید بزدل طالبان دہشتگرد پاکستانیوں کے حوصلے کو پست نہیں کرسکے۔ افسوس وزیراعظم حادثے والے دن پشاور پہنچے لیکن متاثرین کو وہ حوصلہ اورتاثر نہ دے سکے جسکی اُس وقت ضرورت تھی۔ شہیدوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کا اس موقع پر کردار قابل ستائش رہا۔ بارہ جنوری کو پشاور کا آرمی پبلک اسکول جب دوبارہ کھلا تو کوئی بھی سیاسی قیادت وہاں موجود نہیں تھی لیکن فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف اپنی اہلیہ کے ہمراہ وہاں طالب علموں اور اُنکے والدین کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ جنرل راحیل شریف نے کہا کہ ’تمام بچے ہائی سپرٹس میں ہیں اوراس قوم کو شکست نہیں دی جا سکتی‘۔

وزیراعظم نواز شریف 30 جنوری کو کراچی آپریشن کے سلسلے میں وزیر خزانہ اور وزیر داخلہ کے ہمراہ کراچی پہنچے۔ ابھی وزیر اعظم کراچی میں ہی تھے اور

کراچی اسٹاک کے انڈیکس کے بڑھنے کو اپنی کامیابی بتارہے تھے کہ صوبہ سندھ کے شہر شکارپور سے دہشتگردی کی خبر آگئی۔ صوبہ سندھ کے شہر شکارپور کے مرکزی علاقے لکھی در پر گنجان آبادی کے درمیان قائم مرکزی مسجد اور امام بارگاہ کربلا معلیٰ میں کے قریب نمازی جمعہ کی ادائیگی کے لئے موجود تھے، اس دوران ایک زور دار 150 دھماکہ ہوا اور امام بارگاہ کی چھت زمین بوس ہو گئی جس کے نتیجے میں 60 افراد شہید ہوگئے جبکہ 50 سے زیادہ افراد زخمی ہوئے۔ چونکہ شکار پور جانے سے وزیر اعظم کو کوئی سیاسی فاہدہ نہ تھا لہٰذا شام کو وہ اپنی ٹیم کے ہمراہ اسلام آباد چلے گئے۔ 13 مئی 2015 ء کو کراچی میں صفورہ چورنگی کے قریب ہونے والی دہشتگردی بلوچستان میں ہونے والی دہشتگردیوں کے انداز میں کی گئی ہے۔ اس دہشت گردی میں شقی القلب شارپ شوٹرز نے صرف چند منٹ میں اسماعیلی برادری کے معصوم اور بے ضرر لوگوں کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا، اطلاعات کے مطابق بیس سے ستر برس تک کی عمر کے 46 افراد جاں بحق ہوچکے ہیں جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ جب 13 مئی کو اسلام آباد میں وزیراعظم کی دعوت پرائے پی سی میں موجود سیاسی رہنماوں نے شاندار لنچ کا آغاز کیا تو کراچی میں لوگ اپنے پیاروں کی لاشیں تلاش کر رہے تھے۔ وزیر اعظم شام کو ائے پی سی ختم کرکے کراچی پہنچے اور چند گھنٹے بعد ہی واپس چلے گئے، جبکہ وزیر داخلہ کا اُس دن دور دور پتہ نہیں تھا۔ ہماری قومی قیادت شاندار لنچ کررہی تھی تو ہماری فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف اپنا

سری لنکا کا دورہ منسوخ کرکے سب سے پہلے کراچی پہنچے اور سب سے آخر میں تمام معاملات خود طے کرکے اگلے دن کراچی سے گئے۔

گذشتہ سال 15 جون کو شروع ہونے والا آپریشن ضرب عضب ابھی جاری ہے، پاک فوج کے مطابق قبائلی علاقے شمالی وزیرستان میں آپریشن ضرب عضب کو ایک سال پورا ہونے پر مختلف کارروائیوں کے دوران 2763 دہشت گردوں کو ہلاک کیا گیا ہے جبکہ آپریشن میں سکیورٹی فورسز کے 347 افسر اور جوان بھی شہید ہوئے۔ فوجی ترجمان کے مطابق سکیورٹی فورسز نے 9000 خفیہ اطلاعات پر کارروائیوں میں شہری علاقوں میں موجود 218 دہشت گردوں کو ہلاک کیا۔آئی ایس پی آر کے مطابق شمالی وزیرستان میں کارروائیوں کے دوران مختلف نوعیت کے 18087 ہتھیار اور 253 ٹن دھماکہ خیز مواد برآمد کیا گیا ہے۔ بیان میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ آپریشن ضرب عضب کی وجہ سے ملک میں امن وامان کی صورتحال بہتر ہوئی ہے اور اسی وجہ سے چینی صدر کا دورہ پاکستان اور پاکستان زمبابوے کرکٹ سریز ممکن ہوئی۔

گذشتہ ایک سال میں جو حالات اور واقعات سامنے آئے ہیں اُس سے یہ بات تو واضع ہو گئی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں آپریشن ضرب عضب میں اپنا وہ کردار ادا نہیں کررہی ہیں جو اُنہیں کرنا چاہیے۔ زبانی باتیں تو بہت ہو رہی

ہیں لیکن عملی کچھ نہیں۔ بھارت کی خفیہ ایجینسی 'را' ایک عرصے سے پاکستان میں دہشت گردی کرواکرپاکستان کو داخلی طور کمزور کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے اور اس بات کے لیے کوشاں ہے پاکستان میں کبھی امن قائم نہ ہو۔ پاکستانی فوج نے شمالی وزیرستان میں بھارت کے پالتو دہشتگردوں کا کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم تباہ کرکے پورے علاقے میں امن قائم کر دیا ہے جس کے باعث ملک بھر میں دہشت گردی کی وارداتوں میں خاطر خواہ کمی آئی ہے۔ نواز شریف اگر واقعی اس ملک کی بھلائی چاہتے ہیں تو پھر اُنکو عملی طور دہشتگردی کے خلاف لڑنا ہوگا تب ہی وہ قوم سے کیے ہوئے اپنے وعدوں اورپاک چین اقتصادی راہدری کے منصوبے اور معاہدوں کو مکمل کرپائینگے، گذشتہ ایک سال میں آپریشن ضرب عضب اور حکومتی کردار میں واضح فرق تھا۔

آصف زرداری لوٹ مار کھپے

ایک اخباری رپورٹ کے مطابق صوبہ سندھ میں پیپلزپارٹی کے سات سال سے زائد کے دور اقتدار میں سندھ میں امن وامان کے قیام کیلئے 22 کھرب 20 ارب روپے مختص اور خرچ کیے جاچکے ہیں تاہم امن وامان کا قیام عمل میں نہ آسکا۔ گذشتہ مالی سال 2014-15 میں امن وامان کے قیام کیلئے 50 ارب روپے سے زائد رقم صوبائی حکومت کی جانب سے مختص کی گئی تھی جبکہ اس سے پہلے والے مالی سال میں اس مد میں 45 ارب روپے سے زائد رقم مختص کی گئی تھی ۔ صوبہ میں امن وامان کیلئے قومی خزانے سے اتنی زیادہ رقوم خرچ کیے جانے کے باوجود قانون نافذ کرنے والے ادارے ناکام رہے ہیں۔ کراچی آپریشن شروع ہونے کے کچھ عرصہ بعد رینجرز اور پیپلزپارٹی میں اختلاف شروع ہوگئے۔ 16 فروری 2015ء کو ایپکس کمیٹی کے ایک اجلاس جس میں وزیراعظم نواز شریف اور سابق صدر آصف زرداری بھی موجود تھے سندھ میں موجود پیپلزپارٹی کی حکومت کو رینجرز کی جانب سے نااہل کہا گیا اور ساتھ ہی یہ الزام بھی لگایا کہ آپریشن کراچی میں سندھ حکومت کی جانب سے تعاون نہیں کیا جارہا ہے۔

گیارہ جون کو ایپکس کمیٹی میں ڈی جی رینجرز نے ایک رپورٹ پیش کی جس کے

مطابق سالانہ 230 بلین روپے دہشتگردی میں استعمال ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ فش ہاربر، فطرہ، پتھاروں، بچت بازاروں، قبرستان، پانی کی ترسیل اور زمینوں پر قبضہ سے حاصل ہونے والی رقم دہشتگردی کی کارروائیوں میں استعمال ہوتی ہے، میچ فکسنگ، منی لانڈرنگ، سائبر کرائم، فقیر مافیا اور مدارس کی بیرونی فنڈنگ بھی دہشتگردی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ لینڈ گریبنگ اور چائنہ کٹنگ کراچی میں جرائم کے پس منظر میں ایک نئی جہت ہے، زمینوں پر قبضوں میں سیاسی جماعتیں، سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ، ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن اور پولیس اہلکار شامل ہیں، ان میں سے بیشتر کی سرپرستی کراچی کی ایک بڑی جماعت کرتی ہے۔ 230 بلین سالانہ سے زائد کی رقم مختلف غیر قانونی ہتھکنڈوں سے وصول کی جاتی ہے۔ مختلف غیر قانونی طریقوں سے حاصل کی گئی رقم لیاری گینگ اور مختلف دھڑوں اور سندھ کی کچھ اعلیٰ شخصیات میں تقسیم کی جاتی ہے۔ ڈی جی رینجرز نے بریفنگ میں کہا کہ کروڑوں روپے مختلف گینگ وار دھڑوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں، جو کہ اسلحہ کی خریداری کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ فطرات کے نام پر جبری رقم وصولی کا بھی ذکر کیا گیا، قربانی کی کھالوں سے حاصل شدہ رقم بھی دہشتگردانہ سرگرمیوں کا ایک اہم ذریعہ ہے، یہ رقوم سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے جنگجو گروپس کو چلانے میں استعمال ہوتی ہے۔ اس رپورٹ میں آصف زرداری اور اُنکی پیپلز پارٹی کہاں کہاں ملوث ہیں یہ جلد ہی پتہ چل جائے گا لیکن چور کی ڈاڑھی میں تنکہ کے مصادق وہ فوج پر برس پڑے

اور وہ وہ دعوے کرڈالے جو اُن کی پہنچ سے دور ہیں۔

ڈی جی رینجرز کی بریفنگ کے جواب میں آصف زرداری نے اپنے جیالوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے مرحوم سلطان راہی کا انداز اپنایا اور بغیر نام لیے فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اُنکو دیوار سے لگانے اور اُن کی کردار کشی کرنے کی روش ترک کردیں ورنہ وہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک جرنیلوں کے بارے میں وہ کچھ بتائیں گے کہ وہ (فوجی جرنیل) وضاحتیں دیتے پھریں گے۔آصف زرداری نے مزید کہا کہ مشرقی سرحد پر بھارت دباؤ بڑھا رہا ہے جبکہ کالعدم تنظیموں میں بھی بھارتی خفیہ ایجنسی را کا ہاتھ ہے۔'اسٹیبلشمنٹ کی نا سمجھی سے جہاد ملک بھر میں پھیل گیا'۔آصف زرداری نے فوجی قیادت کا نام لیے بغیر کہا کہ وہ تو تین سال کے لیے آئے ہیں اور پھر چلے جائیں گے جبکہ اُنھوں (سیاست دانوں) نے ساری عمر پاکستان میں رہنا ہے۔انھوں نے کہا کہ سیاست دانوں کے راستے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کی جائیں ورنہ اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔اُنھوں نے کہا کہ جب پیپلز پارٹی نے ہڑتال کی کال دی تو خیبر سے لے کر کراچی تک جام ہو جائے گا۔آصف زرداری سابق صدر پرویز مشرف کو بھی نہیں بخشا اور کہا کہ 'میں پانچ سال تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہا جبکہ کمانڈو (مشرف) تین ماہ بھی جیل میں رہنے کو تیار نہیں ہے۔' ساتھ ہی انھوں نے نواز شریف پر اپنے احسان کا ذکر کرڈالا کہ اگر اُن کی

جماعت پاکستان تحریکِ انصاف کے ساتھ گذشتہ سال استعفے دے دیتی تو ملک میں گذشتہ سال ہی انتخابات ہو جاتے لیکن اُنھوں نے جمہوریت کے فروغ کے لیے ایسا نہیں کیا۔آصف زرداری کا کہنا تھا کہ جب بے نظیر بھٹو کو قتل کیا گیا تو اس وقت بھی اُنھوں نے 'پاکستان کھپے' کا نعرہ لگایا تھا۔

آصف علی زرداری کے بیان پر ردعمل دیتے ہوئے وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کہا کہ اُنھوں نے اپنی جماعت کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو چھپانے کے لیے اہم قومی ادارے کو نشانہ بنایا ہے۔ایک بیان میں اُنھوں نے کہا کہ قومی ادارے کو ایسے وقت میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا جب اس کے نوجوان پاکستان کی بقا کی جنگ میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں۔چوہدری نثار علی خان کا کہنا تھا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی گرتی ہوئی ساکھ کی وجہ کوئی ادارہ نہیں بلکہ ان کی سابقہ حکومت کی کارکردگی ہے۔وزیر داخلہ کا کہنا تھا کہ سابق صدر کے طرز سیاست سے قومی تشخص اور اداروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔جبکہ وزیر اعظم نواز شریف نے زرداری کی فوج پر تنقید کرنے کو ایک منفی اقدام قرار دیا ہے تو دوسری طرف انھوں نے آصف علی زرداری سے طے شدہ ملاقات کرنے سے معذرت کر لی ہے۔پاکستان تحریکِ انصاف کے رہنما شاہ محمود قریشی نے صحافیوں سے گفتگو میں خود یہ سوال اٹھایا کہ سابق صدر نے ایسے وقت میں فوج کے خلاف سخت زبان استعمال کیوں کی جب وہ قبائلی علاقوں

میں فوجی کارروائیوں میں مصروف ہے۔انہوں نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ پیپلز پارٹی کی قیادت اپنی بدعنوانی پر سے توجہ ہٹانے کے لیے یہ محاذ کھولنا چاہتی ہے۔

آصف علی زرداری نے ڈی جی رینجرز کی بریفنگ کے جواب میں کہا ہے کہ وہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک جرنیلوں کے بارے میں وہ کچھ بتائیں گے کہ وہ وضاحتیں دیتے پھریں گے۔اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آصف زرداری جو کم تعلیم یافتہ ہیں اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستانی قوم کو جنرل ایوب خان سے لیکر جنرل راحیل شریف تک کے کردار کے بارئے سب کچھ معلوم ہے ، کونسا جنرل کیا کیا کرتا رہا کتابوں کی شکل میں بازار میں موجود ہے، اور آجکل تو انٹرنیٹ پر بھی سب کچھ مل جاتا ہے۔پاکستان کے آخری فوجی حکمراں جنرل پرویز مشرف تو آصف زرداری کے محسن ہیں جن سے بینظیر بھٹو نے این آر او کا معاہدہ کیا تھا جس کی وجہ سے زرداری پانچ سال اس ملک کے صدر رہے، جنرل راحیل شریف ضرور تین سال بعد چلے جاینگے لیکن فوجی ادارہ ہمیشہ قائم رہے اور لازمی اُس کا سربراہ بھی ہوگا۔آصف زرداری کا یہ کہنا کہ ’میں پانچ سال تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہا جبکہ کمانڈو (مشرف) تین ماہ بھی جیل میں رہنے کو تیار نہیں ہے۔‘ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرف کیوں جیل جائے ؟، مشرف پر سیاسی غلطیاں کرنے کا الزام تو لگ سکتا ہے لیکن ایک روپے کی کرپشن

کا نہیں، جبکہ آصف زرداری اور اُنکی پارٹی کے لوگ کرپشن کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں اور ڈی جی رینجرز کی بریفنگ بھی یہ ہی بتا رہی ہے۔

ایک ایسے موقعہ جب بھارتی وزیراعظم اور اُسکی کابینہ کے وزرا مسلسل پاکستان کے خلاف جارحانہ بیانات دئے رہے ہیں، اس موقعہ پر آصف زرداری نے فوج کے خلاف بیان دیکر یقینا بھارت اور اُسکی خفیہ ایجنسی را کا ساتھ دیا ہے۔ آصف زرداری کا کہنا ہے کہ اسٹیبلشمنٹ سیاست دانوں کے راستے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کرے ورنہ وہ اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور پیپلز پارٹی نے ہڑتال کی کال دی تو خیبر سے لیکر کراچی تک جام ہو جائے گا۔ لگتا ہے شاید آصف زرداری کو 2013ء کے انتخابات کے بعد بھی یہ اندازہ نہیں کہ وہ اور اُنکی پیپلز پارٹی کی اوقات یہ رہ گئی ہے کہ وہ لاڑکانہ یا نواب شاہ کو بھی بند نہیں کرا سکتے۔ رہی اینٹ سے اینٹ بجانے کی بات تو اگر پیپلز پارٹی باقی رہ گئی تو اگلے انتخابات میں عوام لازمی طور پر پیپلز پارٹی کی اینٹ سے اینٹ بجادینگے اور پھر مسٹر ٹین پرسینٹ اور پیپلز پارٹی کا ذکر کتابوں میں ہوگا۔ اب اس بات کا جواب تو نواز شریف ہی بہتر دئے سکتے ہیں کہ اگر پیپلز پارٹی پاکستان تحریک انصاف کے ساتھ گذشتہ سال استعفے دے دیتی تو ملک میں گذشتہ سال ہی انتخابات ہو جاتے، لیکن شاید آصف زرداری اور پیپلز پارٹی کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ چور کا بھائی گرہ کٹ، پورے پانچ سال پیپلز پارٹی ملک کو لوٹتی

رہی لیکن نواز شریف فرینڈلی اپوزیشن کا کردار ادا کرتے رہے، اب باری نواز شریف کی ہے لہذا آپنے بھی وہی کچھ کرنا ہے جو نواز شریف نے کیا ورنہ سوچ لیں آپ پرویز مشرف تو ہیں نہیں جسکا نواز شریف کوشش کے باوجود کچھ نہیں بگاڑ پائے ،اسلیے یاد رکھیں کہ پہلے بھی نواز شریف نے ہی آپکو جیل بھجوایا تھا۔

آصف زرداری اپنی اس بات کوکافی مرتبہ دہراچکے ہیں کہ جب بینظیر بھٹو کو قتل کیاگیا تواس وقت بھی اُنھوں نے 'پاکستان کھپے' کا نعرہ لگایا تھا، اللہ نہ کرئے اُس وقت پاکستان کوکچھ نہیں ہورہا تھاہاں یہ ضرور تھاکہ پاکستان کھپے کی آڑ میں لوٹ مار کھپے کا پروگرام ضرور تھا، اور پھر اس لوٹ مار کھپے کوپانچ سال مرکز میں سب نے دیکھااور سات سال سے صوبہ سندھ میں دیکھ رہے ہیں۔آصف زرداری کو تو یہ بھی احساس نہیں کہ جس صوبے کے وہ گذشتہ سات سال سے حکمراں ہیں اُسی صوبے میں تھرپارکرکے علاقے میں اس سال ابتک سو بچے خوراک کی کمی کے باعث مرچکے ہیں۔ چین ہمارااچھا دوست ہے ہم اُسکی ہربات اپنانے کو تیار رہتے ہیں، چین میں صرف پانچ ڈالر کی کرپشن پرایک وزیر کو پھانسی دیئے دی گئی۔ کیا ہم چین کی اس بات کو نہیں اپنا سکتے اگرایسا ہوجائے توکرپشن کے بادشاہ آصف زرداری ، اُنکے ساتھی اور دوسرئے جرائم پیشہ سیاستدانوں کا کیاانجام ہوگا یہ سوچنے کی بات ہے۔ لگتا ہے آنے والا

مورخ آصف زرداری کو کرپشن کا بادشاہ لکھے گا اور انکو آصف زرداری لوٹ مار کھپے'
کے نام سے متعارف کرائے گا۔

کراچی میں بارہ سو افراد کی اموات کیوں ہوئیں؟

پورے ملک میں لوڈ شیڈنگ کا عذاب آیا ہوا ہے، گرم موسم میں حکومت کی نااہلی کی وجہ سے زیادہ لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے، جسکی وجہ سے اس سال لوگوں کی اموات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ کراچی میں گزشتہ کئی دن سے گرمی کی شدید لہر نے انتہائی سنگین صورتحال اختیار کر لی۔ سرکاری اور غیر سرکاری خبروں کے مطابق کراچی میں گرم موسم، لوڈ شیڈنگ اور پانی کی قلت کی وجہ سے ایک اندازے کے مطابق چار روز کے دوران جاں بحق ہونے والوں کی تعداد دو ہزار ہو گئی ہے جبکہ کراچی کے ہسپتالوں نے چار روز میں بارہ سو سے زائد افراد کے جاں بحق ہونے کی تصدیق کی ہے، سینکڑوں بدنصیب بے بس افراد ایسے تھے جنھوں نے گھروں میں دم توڑا اور انہیں ہسپتال نہیں لایا گیا۔ اندرون سندھ حیدرآباد، ٹھٹھہ اور تھرپارکر میں شدید گرمی اور حبس سے ہلاکتوں کی تعداد 43 ہو گئی ہے۔ جبکہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی 50 سے زیادہ افراد گرمی سے دم توڑ گئے، موت کا رقص اب بھی جاری ہے۔ بے حساب لوگوں کے مرنے کی وجہ شدید گرمی کے ساتھ ساتھ لوڈ شیڈنگ اور پانی کی عدم دستیابی ہے۔ لوڈ شیڈنگ اور پانی کی سہولیات کی ذمہ داری وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی ہے، لیکن افسوس وفاقی اور صوبائی حکومتیں اس سانحے کی ذمہ داری کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ وفاقی حکومت اور اُس کے وزرا یہ کہتے ہوئے نہیں

تھک رہے ہیں کہ اُنکی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، وفاقی وزیر عابد شیر علی کا کہنا ہے کہ کوئی گرمی سے مرجائے تو حکومت اُسکی ذمہ دار نہیں۔ سندھ کی صوبائی حکومت نے کراچی میں ہونے والی اموات کا سارا ملبہ کے الیکٹرک پر ڈال دیا اور کے الیکٹرک کے مطابق اُس نے تو لوڈ شیڈنگ کی ہی نہیں، کچھ ٹیکنکل وجوہات کی وجہ سے کراچی کے کچھ علاقوں میں بجلی ضرور بند ہوئی تھی۔ چلیے چھٹی ہوئی دو ہزار کے قریب افراد مرگئے لیکن کوئی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں۔

مسلم لیگ (ن) کے صدر نواز شریف "دیکھو دیکھو کون آیا، شیر آیا، شیر آیا" کے نعرے کی گونج میں 2013ء کے انتخابات کے جلسوں میں عوام کی پریشانیوں کا ذکر کرتے تھے، وہ بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کرنے، امن و امان قائم کرنے، مہنگائی اور بے روزگاری کو ختم کرنے کے وعدے کر رہے ہوتے تھے۔ انتخابی جلسوں کے دوران اُنکے بھائی اور پنجاب کے وزیر اعلی شہباز شریف تو روز اپنی پارٹی کی طرف سے یہ دعوی کر رہے ہوتے تھے کہ صرف دو سال میں لوڈشیڈنگ ختم کردینگے اور اگر دو سال میں لوڈشیڈنگ ختم نہ ہو تو آپ میرا نام بدل دیں، لوڈشیڈنگ تو ختم نہیں ہوئی، بہتر ہوگا کہ وہ خود اپنا نام بدل لیں۔ نواز شریف اپنے جلسوں میں آصف زرداری کو مہنگائی، لوڈ شیڈنگ اور امن و امان کے مسئلے پر کوس رہے ہوتے تھے۔ عوام سے بڑی معصومیت سے معلوم کرتے تھے آپکے

علاقے میں بجلی کتنے گھنٹے نہیں آتی ہے۔ نواز شریف نے 5 جون 2013ء کو وزارت عظمی کا حلف اُٹھایا اور اپنے تمام وعدوں اور انتخابی منشور کو فراموش کر بیٹھے۔ یکم اکتوبر 2013ء کو مرے پر سو درے کے مصادق رہی سہی کسر بجلی پر دی جانے والی سبسڈی ختم کرکے عوام پر مہنگائی کے کوڑے برسائے گے تھے۔ پاکستانی عوام جو پہلے ہی مہنگائی، بیروزگاری، دہشتگردی، ٹارگیٹ کلنگ، بھتہ خوری اوراسٹریٹ کرائم سے بدحال تھے مزید بدحال ہوگئے۔ نواز شریف نے شیر کے انتخابی نشان پر عوام سے مہر لگوانے کے لیے عوام کو اس خوش فہمی میں بتلا کیا کہ وہ حکمران بن گے تو عوام کا مقدر بدل دینگے، پانچ سال تک پیپلزپارٹی سے ڈسی ہوئی قوم ایک اور جھانسے میں آگی اور صرف چار ماہ میں ہی شیر آدم خور شیر بن گیا تھا۔ مرحوم ابن صفی نے کہا تھا کہ عملی لوگ کبھی دعوے نہیں کرتے، بلکہ دعوے ہمیشہ بزدل کیا کرتے ہیں۔

مسلم لیگ (ن) کے انتخابی منشور میں 'توانائی' کا لفظ 42 مرتبہ استعمال کیا گیا اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ توانائی کی قیمت میں کمی لائی جائے گی اور لوڈشیڈنگ ختم کی جائے گی۔ لیکن ہوا اُسکے برعکس، لوڈشیڈنگ بڑھ گئی اور بجائے قیمت کم کرنے کے اضافہ کردیا گیا، بڑی ڈھٹائی سے کہا گیا کہ عوام کو یہ کڑوی گولی نگلنی ہوگی۔ چلیے عوام نے یہ کڑوی گولی بھی نگل لی لیکن پھر بھی اُنکو اُنکی ضرورت کے مطابق بجلی میسر نہیں ہے۔ اُسی زمانے میں سپریم کورٹ

کے از خود نوٹس میں چیف جسٹس کے ریمارکس "غریب کو مت ماریں" حکومت کے منہ پر ایک بھرپور طمانچہ تھا کیونکہ عوام کی نمایندہ سپریم کورٹ نہیں بلکہ نواز شریف ہیں۔ جو کام عوامی نمایندہ ہونے کی وجہ سے نواز شریف کو کرنا چاہیے وہ سپریم کورٹ کر رہی تھی۔ پانی و بجلی کے وفاقی وزیر خواجہ آصف جو کبھی عوام کے دکھ درد میں ہر وقت روتے تھے، آج اُنکا انداز فرعونیت کا سا ہے اور وہ یہ سننا بھی گوارہ نہیں کر رہے ہیں کہ کراچی میں دو ہزار کے قریب افراد اُنکی حکومت کی نااہلی کی وجہ سے مر گئے بلکہ اُن کا کہنا ہے کہ لوگ بجلی کے بل ادا نہیں کرتے اسلیے صرف اُن علاقوں میں لوڈ شیڈنگ کی جاتی ہے جہاں بجلی چوری ہوتی ہے۔ لیکن دوسری طرف ملک میں چلنے والے کارخانوں کی ایک بڑی اکثریت گیس اور بجلی کی چوری سے ہی چل رہے ہیں، اور یہ بات خواجہ آصف کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ زیادہ تر ایسے کارخانے اور فیکٹریاں سیاستدانوں کی ملکیت ہیں، جہاں سرکاری ملازمین اُن کے دست راست ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق دو کڑوڑ کے قریب انسانوں کا شہر بدنصیب کراچی جو گذشتہ 25 سال سے لاقانونیت کا شکار ہے، دنیا کے چند بڑے شہروں میں آتا ہے، ملک کا معاشی حب بھی ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آج اس شہر کو جس مقام پر ہونا چاہیے تھا یہ اُس سے بہت دور ہے۔ گذشتہ 25 سال سے اس شہر کی نمایندگی ایم کیو ایم کے پاس ہے، لیکن ایم کیو ایم یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اُس نے کراچی

کے عوام کے لیے کچھ کیا ہے علاوہ اُس پریڈ کے جب مصطفیٰ کمال کراچی کے میر تھے۔
2008ء کے انتخابات کے بعد 2013ء تک مرکز اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت رہی ہے، ایم کیو ایم بھی پیپلز پارٹی کی اتحادی کے طور پر حکومت میں شامل رہی ہے لیکن اُس پورے دور میں کراچی کی نمایندگی کی دعویدار ایم کیو ایم نے کراچی کے بہت سارے مسائل کے ساتھ ساتھ بجلی کی قلت کے لیے بھی کچھ نہیں کیا۔ 2013ء کے بعد سے بلاشرکت غیرے پیپلز پارٹی کی سندھ میں حکومت ہے اور گذشتہ سات سال میں قائم علی شاہ کی حکومت نے عوام کے مسائل حل کرنے یا بجلی کی قلت کو دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ، صرف ایک ہی کام کیا ہے اور وہ ہے کرپشن، جسکا واضع ثبوت گیارہ جون کو ایپکس کمیٹی میں ڈی جی رینجرز کی رپورٹ ہے، جس کے مطابق سندھ میں سالانہ 230 بلین روپے کی کرپشن ہورہی ہے۔ اس رپورٹ میں آصف زرداری اور اُنکی پیپلز پارٹی کہاں کہاں ملوث ہیں یہ جلد ہی پتہ چل جائے گا لیکن آصف زرداری اپنے جرائم سامنے لانے پر فوج پر برس پڑے۔
صدارت کے منصب سے فارغ ہوتے وقت سابق صدر آصف زرداری کو وزیراعظم نواز شریف نے ایوان وزیراعظم میں ایک الوادعی ظہرانہ دیا۔ ظہرانے میں نواز شریف نے اور آصف زرداری نے جو تقاریر کیں وہ "تو مجھے حاجی کہہ میں تجھے حاجی کہوں" کے مصادق تھیں۔ وزیراعظم نواز شریف نے اپنی تقریر میں بہت ساری باتوں کے علاوہ

کہا تھا کہ "میرا اور آصف زرداری کا ایک جیسا ایجنڈا ہے"۔ گذشتہ دو سال سے نواز شریف اُسی ایجنڈے پر کام کرتے رہے ہیں، لیکن آج اپنی اپنی سیاست چمکانے کے لیے بجلی بحران پر حکومت سندھ اور وفاقی حکومت کے درمیان اختلافات اور الزام تراشی میں شدت آ گئی ہے۔ حکومت سندھ کے وزراء کا کہنا ہے کہ وزیراعظم نواز شریف کو سابق صدر آصف زرداری اور وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ خطوط لکھ چکے ہیں اجلاسوں میں خود مسائل بتا چکے ہیں اس کے باوجود وزیراعظم نواز شریف اور اُنکے وفاقی وزراء سنی ان سنی کرتے رہے ہیں۔ جبکہ وزیر مملکت برائے پانی و بجلی عابد شیر علی نے بھی سندھ حکومت کی طرح سے کہا ہے کہ کراچی میں لوگوں کی ہلاکتوں کی ذمہ دار کے الیکٹرک ہے، عابد شیر علی نے مزید کہا کہ کے الیکٹرک نے گزشتہ پانچ برسوں میں ایک میگاواٹ بجلی بھی سسٹم میں شامل نہیں کی۔ وفاق 650 میگاواٹ بجلی معاہدے کے مطابق کے الیکٹرک کو دے رہا ہے۔ سندھ حکومت کو لوگوں کو ریلیف فراہم کرنے کے لئے متبادل انتظامات کرنے چاہئے تھے ہر معاملہ وفاق کے کھاتے میں ڈالنا اچھی بات نہیں ہے۔انھوں نے انوکھی منطق اپنائی کہ لوگ بجلی نہ ہونے سے نہیں مرتے۔

لوڈشیڈنگ کے مسئلے پر حکومت کیخلاف سازش ہو رہی ہے۔

لوڈشیڈنگ کی وجہ سے آئے دن امن و امان کا مسئلہ ہوتا ہے۔ اگر نواز شریف ملکی مسائل پر ذرا بھی توجہ دیتے، بجلی کے بحران میں کچھ بہتری لاتے تو شاید

کراچی میں دو ہزار کے قریب افراد کی موت کا سانحہ پیش نہیں آتا۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت نے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ عوام کی دوست نہیں ہے اور اُس کو عوامی مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جس وقت کراچی میں لوگ مر رہے تھے وفاقی اور سندھ کی حکومتوں سمیت اُن سیاسی لوگوں کے کھوکھلے نعروں کی بھی موسم نے قلعی کھول کر رکھ دی ہے جو کل تک نعرے لگا کر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ کراچی ہمارا شہر ہے۔ پاکستان کی معاشی شہ رگ کراچی کے عوام بجلی اور پانی کو ترس رہے ہیں، وفاقی حکومت ہو یا صوبائی حکومت انہیں عوام کے دکھ درد تکلیف اور پریشانیوں سے کیا غرض، گرمی سے بے حال و متاثرین کی داد رسی کے لیے بھی رینجرز کو کیمپ لگانا پڑا، جب ہر مشکل آفت میں چاہے سیلاب ہو یا زلزلہ گرمی کا طوفان ہو یا ناگہانی حادثہ پاک فوج موجود رہے پھر اقتدار و حکمرانی کی عیاشی بھی دو خاندانوں میں کیوں گردش کرتی رہے حکومت و اختیار بھی فوج کو دے دیں کم از کم بحیثت ایک ادارے کے وہ عوام کو تو ایک نظر سے دیکھے گی۔

اس وقت کراچی سمیت پورا ملک حالت جنگ میں ہے قدرتی آفات کو حکومتوں کی نا اہلی نے ملک الموت میں بدل دیا ہے، موسمیاتی تغیرات معمول کا حصہ ہیں ان حالات سے نبرد آزما ہونے لیے حکومت میں اہلیت اور حوصلہ چاہیے جو فی الواقع نظر نہیں آرہا۔ کراچی میں دو ہزار کے قریب افراد کی ہلاکتوں کی ذمہ

داری لینے کو کوئی تیار نہیں لیکن یہ سب جانتے کہ ان ہلاکتوں کی ذمہ داری ایم کیو ایم، پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ (ن) عاید ہوتیں ہیں، کیونکہ یہ تینوں سیاسی جماعتیں کسی نہ کسی طریقے سے کراچی پر حکمرانی کرتی رہیں ہیں یا کر رہی ہیں، لہذا یہ ہی عوام کے سامنے جوابدہ ہیں کہ" کراچی میں بارہ سو افراد کی اموات کیوں ہوئیں؟"۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ ہم پر اپنا رحم و کرم کرے۔ آمین!

یوسف رضا گیلانی کی ہوس کب ختم ہوگی

مغلوں کے رشتہ دار سید یوسف رضا گیلانی 25 مارچ 2008ء کو ملک کے چوبیسویں وزیر اعظم بنے۔ سید یوسف رضا گیلانی جنکی اصل تعلیم تو ایم اے صحافت ہے لیکن انہوں نے کرپشن کی اعلی ترین تعلیم بھی حاصل کی ہوئی ہے، جسکا استمال وہ ہمیشہ کرتے رہے ہیں اور آجتک کر رہے ہیں۔ گیلانی نے اپنی عملی سیاست کا آغاز 1978ء میں کیا تھا، سابق صدر جنرل ضیاء الحق کے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیااور وزیر اعظم محمد خان جونیجو کی کابینہ میں وزیر ہاوسنگ و تعمیرات اور بعد ازاں وزیر ریلوے بنائے گئے۔ یوسف رضا گیلانی 1988ء میں پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے اور انہیں بینظیر بھٹو کی کابینہ میں سیاحت اور ہاؤسنگ و تعمیرات کی وزارت ملی۔ سیاسی کیرئر کے دوران یوسف رضا گیلانی کے خلاف اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزامات میں نیب نے ریفرنس دائر کیااور راولپنڈی کی ایک احتساب عدالت نے ستمبر 2004ء میں یوسف رضا گیلانی کو قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں تین سو ملازمین غیر قانونی طور پر بھرتی کرنے کے الزام میں دس سال قید بامشقت کی سزا سنائی، تاہم 2006ء میں یوسف رضا گیلانی کو عدالتی حکم پر رہائی مل گئی ۔ یوسف رضا گیلانی نے اڈیالہ جیل میں اسیری کے دوران اپنی یاداشتوں پر مبنی پر ایک کتاب ’چاہ یوسف سے صدا‘ بھی لکھی۔

پیپلز پارٹی کی پانچ سالہ 2008ء ۔2013ء حکومت کا یہ ریکارڈ ہے کہ اس کے قومی اسمبلی سے متفقہ طور پر منتخب وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو سپریم کورٹ نے چند سیکنڈ کی سزا کے بعد نہ صرف وزارت عظمٰی بلکہ پانچ سال کے لئے الیکشن لڑنے سے بھی نا اہل قرار دے دیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے پانچ سالہ دور میں سے چار سال وزیراعظم رہنے والے یوسف رضا گیلانی کا ایک ریکارڈ یہ بھی رہا ہے کہ اُن کی حکومت سے زیادہ بدعنوان حکومت پاکستان میں اس سے پہلے کوئی نہ تھی۔ یوسف رضا گیلانی کے چار سالہ حکومت کے دور میں دہشت گردی، ٹارگیٹ کلنگ، بدترین کرپشن، بری گورننس، طویل لوڈشیڈنگ، غربت کیساتھ اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوا، مشرف دور کے 34 بلین ڈالر کے قرضے ڈبل ہوگے، 62 روپے کا ڈالر 100 روپے کا ہوگیا تھا، ملک کے تمام ادارئے تباہ ہوچکے تھے۔ خود کش دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ کی یلغار نے کراچی، کوئٹہ اور پشاور جیسے بڑے شہروں کو درہم برہم کرکے رکھ دیا ہے۔ ٹریڈ ڈیویلپمنٹ اتھارٹی میں مختلف کمپنیوں کو جعلی سبسڈی کی مد میں دو ارب روپوں کی بدعنوانی کی گئی تھی۔ اس کے خلاف 65 مقدمات دائر کیے گئے جن میں سے 12 مقدمات میں یوسف رضا گیلانی کو بھی نامزد کیا گیا۔ یوسف رضا گیلانی جب پاکستان کے وزیراعظم تھے تو امریکی خاتون صحافی کے سوال کے جواب میں قوم کے منتخب وزیراعظم ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ "لوڈشیڈنگ' غربت اور بے روزگاری سے تنگ پاکستانی

پاکستان چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"۔ جس پر ہال میں موجود تمام لوگوں پر سکتہ طاری ہو گیا اور 15 سکینڈ کی خاموشی کے بعد اس کرپٹ وزیر اعظم نے اس سکوت کو یوں توڑا کہ "انہیں روکا کس نے ہے؟"۔

مغلوں کے رشتہ دار یوسف رضا گیلانی جب جیل میں تھے تو انھوں نے اپنی گھڑی فروخت کرکے اپنے بچوں کی اسکول فیس ادا کی تھیں مگر پیپلز پارٹی کے دور میں وہ اور اُنکے بچے کروڑوں پونڈز کی شاپنگ دنیا کے مہنگے ترین سٹور ہیرڈز سے کرتے تھے اور ایک ایک رات میں مبینہ طور پر کہا جاتا ہے کہ لاکھوں روپے کسینو میں خرچ کر دیتے تھے۔ یوسف رضا گیلانی وہ کرپٹ شخص ہے کہ جس نے اپنے دور میں میرٹ کے ہر تصور کی تمامتر دھجیاں اڑا کر آئین اور قانون کا بار بار مذاق اڑایا تھا۔ اس ہی کرپٹ وزیراعظم نے ایک نا اہل میٹرک پاس عدنان خواجہ کو آئل اینڈ گیس ڈیولپمنٹ کارپوریشن جیسی اہم اور بڑی اور حد درجہ ٹیکنکل کارپوریشن کا سربراہ لگایا تھا۔ گیلانی کے دور میں ہی حج کے معاملات راؤ شکیل جیسے ملعون کے سپرد کیئے گئے تھے اور اسنے حاجیوں کو ہی لوٹ کھایا تھا۔ گیلانی کے زمانے میں ہی آئی ٹی جسے اہم شعبے کو اس سے یکسر نابلد مگر فیملی فرینڈ زین سکھیرا کو سونپ دیا گیا تھا، پیٹرولیم کی قیمتوں کو مقرر کرنے والا ادارہ 'اوگرا' توقیر صادق کو سونپا گیا تھا، جس نے چند ہی ماہ میں 83 ارب روپے کا کرپشن کرڈالا۔ اور تو اور ایک فحاشی کے اڈے اور نائٹ کلب کے

منیجر اکمل نیازی کو وہاں سے اٹھا کر اسٹیٹ لائف کارپوریشن کا چیئرمین بنادیا گیا تھا۔ باقی دیگر کرپشن کے لیے پی آئی اے، اسٹیل مل اور ریلوے کو چنا گیا اور کئی دہائیوں کے کرپشن کے ریکارڈ توڑے گئے۔ مزید یہ کہ نجی بجلی گھروں سے الگ مال بنایا گیا، یہ وہ بدعنوانیاں ہیں جس سے پورا پاکستان باخبر ہے۔ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی تو فرماتے تھے کہ ہم نے سب وعدے پورے کر دیے ہیں۔ ملکی معاشی اور سیاسی تباہی کے بدلے وہ اپنی آیئنی اصلاحات کا ڈنکہ پیٹتے تھے اور بڑی ہی ڈھٹائی سے یہ سوال کرتے تھے کہ حکومت پر تنقید کرنے والے بتائیں کہ دنیا میں کہاں پانچ سال میں سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔

دو ہزار تیرہ کے انتخابات سے صرف دو دن پہلے پاکستان کے شہر ملتان میں پیپلز پارٹی کی ایک کارنر میٹنگ پر فائرنگ کے بعد یوسف رضا گیلانی کے چھوٹے بیٹے علی حیدر گیلانی کو اغوا کر لیا گیا۔ علی حیدر گیلانی پنجاب اسمبلی کے حلقہ پی پی 200 سے پیپلز پارٹی کا امیدوار تھا۔ علی حیدر گیلانی کے اغوا کے بعد کئی بار میڈیا میں یہ خبریں آئیں کہ یوسف رضا گیلانی کو اُن کے بیٹے کی خیریت کے حوالے آگاہ رکھا جاتا ہے۔ عام طور پر تاثر یہی رہا ہے کہ علی حیدر گیلانی کو طالبان نے اپنی قید میں رکھا ہوا ہے۔ گذشتہ سال اپریل میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کو علی حیدر گیلانی کی ایک ویڈیو ملی، ایک اہلکار کے

مطابق ویڈیو میں علی حیدر گیلانی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور اُس کے حلیے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس پر خاصا تشدد کیا گیا تھا۔ دو سال سے زیادہ عرصہ کے بعد یوسف رضا گیلانی کا اُن کے مغوی بیٹے علی حیدر گیلانی سے ٹیلی فون پر رابطہ ہوا۔ اطلاعات ہیں کہ علی حیدر گیلانی نے نامعلوم مقام سے اپنے والد سے آٹھ منٹ تک فون پر بات کی۔ موبائل پر فون افغانستان کے نمبر سے آیا اور علی حیدر نے اپنے والد اور شاہ محمود قریشی سے بات کی۔ آٹھ منٹ کی گفتگو میں اغواکاروں نے نہ تو کسی سے بات کی اور نہ ہی اُن کی جانب سے کوئی مطالبہ سامنے آیا۔

آصف علی زرداری کے ساتھی اور بدنام زمانہ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے وہ ہار نادرا کے حوالے کر دیا جو ترک خاتون اول نے 2010ء میں سیلاب سے متاثرہ لوگوں کے لیے عطیہ کیا تھا۔ ترک خاتونِ اول کی طرف سے سیلاب زدگان کو عطیہ کیا جانے والا ہار ملتان کے سید زادے گدی نشین گیلانی کے گھر کیا کر رہا تھا؟ ہوسکتا ہے لفظ عطیہ'' سنتے ہی، جانشن شیخ عبدالقادر جیلانی نے ہار خود پر حلال کر لیا ہو کیونکہ ایک'' گدی نشین کی موجودگی میں کوئی اور کسی عطیے کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے۔ یوسف رضا گیلانی نے اپنے پاس ہار کی موجودگی کا اقرار تب کیا جب موجودہ وزیر داخلہ چودھری نثار نے نادرا کی ملکیت ہار گم ہونے کی تحقیقات کا حکم دیا۔ گیلانی صاحب تو فرمارہے تھے کہ

سربراہان مملکت کا تحفہ عام سی بات ہے اور ہار اُن کے پاس ہے، تاہم قواعد وضوابط کے مطابق غیر ملکی تحائف کسی شخصیت کی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ وزیراعظم کے عہدے کے لئے ہوتے ہیں اور یہ ہار تو وزیراعظم کو نہیں بلکہ سیلاب سے متاثرہ لوگوں کو عطیہ کیا گیا تھا۔

اب ایف آئی اے ٹیم تحقیق کرے گی کہ ترک خاتون اول کا ہار سابق وزیراعظم گیلانی نے اپنے پاس کیوں رکھا؟۔ ریکارڈ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ترک خاتون اول کا ہار اُس وقت کے چیئرمین نادرا علی ارشد حکیم کے حکم پر نادرا نے سولہ لاکھ روپے میں خریدا تھا اور رقم دادو میں سیلاب سے متاثرہ آٹھ جوڑوں کی شادی پر خرچ کی گئی تھی۔ایف آئی اے کے مطابق سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے ترک خاتون اول کے ہار کے معاملے پر ایف آئی اے کو اپنا بیان ریکارڈ کرادیا ہے۔ سابق صدر اور پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف زرداری کے قریبی ساتھی اور پاکستان کے بدترین کرپٹ اور نااہل سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی جو ملتان کی ایک بڑی گدی کے سجادہ نشین بھی ہیں گذشتہ دو سال سے اپنے چھوٹے بیٹے جسکو طالبان دہشتگردوں نے اغوا کیا ہوا ہے اُسکی جدائی کا غم برداشت کررہے ہیں، لیکن ابھی تک اپنی پرانی روش پر قائم ہیں۔ سابق وزیراعظم کی اس گندی حرکت کی وجہ سے پاکستان کی پوری دنیا میں بدنامی ہوئی ہے لیکن شاید وقت کے ساتھ ساتھ اُنکی ہوس بڑھتی گئی ہے۔ اب یہ تو معلوم نہیں کہ سابق

وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی ہوس کب ختم ہو گئی لیکن کم از کم اس شخص کو یہ ہی سوچنا چاہیے کہ آج میرا چھوٹا بیٹا جن مصیبتوں کا شکار ہے شاید وہ میرے ہی گناہوں کا نتیجہ ہو۔

نواز شریف کراچی کیوں آئے تھے؟

دو کروڑ کی آبادی اور ملک کو 70 فیصد ریونیو کما کر دینے والے اس لاوارث شہر کراچی کے عوام کی ذمہ داری نہ ہی مرکزی حکومت لیتی ہے اور نہ ہی صوبائی حکومت اپنی ذمہ داری پوری کرتی ہے۔ یکم رمضان سے اگلے ایک ہفتہ تک کراچی میں گرمی بڑھتی چلی گئی اور درجہ حرارت 40 اور پھر 45 ڈگری سینٹی گریڈ تک جا پہنچا، لوڈشیڈنگ نے سانس لینے کا بچا کچھا حق بھی چھین لیا۔ لوگوں کا دم گھٹنے لگا، لوگ مرنے لگے، اندازہ ہے کہ مرنے والوں کی تعداد کم از کم 4000 کے قریب ہو گئی ہے۔ بقول وزیراعلی سندھ 65 ہزار لوگ ہسپتال لائے گئے۔ لاشیں اس قدر زیادہ تھیں کہ ایدھی سرد خانوں میں دو گھنٹے کے لیے میت رکھے جانے کی مہلت کے بعد لاشیں فرش پر یا کسی اور لاش کے اوپر رکھی جانے لگی تھیں۔ اس دوران ورثاء ایمبولینس ڈھونڈنے، قبر کی جگہ تلاش کرنے اور گھر میں پانی کی قلت کے سبب واٹر ٹینکر والوں کی منت سماجت کرنے میں مصروف تھے۔ یہ شاید پہلا ایسا سانحہ تھا جب لوگوں نے اپنے پیاروں کی لاشیں گھروں تک منتقل کرنے کے لیے جانور لانے لے جانے والی گاڑیاں استعمال کیں اور اپنے پیاروں کو مشترکہ قبروں میں دفنایا۔ اموات کا سلسہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے، ہاں کم ضرور ہوگیا ہے۔

کراچی کے لوگ اپنے مردے ڈھورہے تھے اور ہماری مرکزی اور صوبائی حکومتیں ان اموات کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے ، کراچی کے 85 فیصد کی نمایندگی کی ٹھیکدار ایم کیو ایم مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو رورہی تھی اور ساتھ ہی یہ ثابت کرنے میں لگی ہوئی تھی کہ وہ "را" کی ایجنٹ نہیں۔کے الیکٹرک کا کہنا تھا کہ اُس نے لوڈشیڈنگ کی ہی نہیں بلکہ کچھ فنی خرابی کی وجہ سے بجلی بند ہوئی تھی۔ پیپلزپارٹی کی مرکزی قیادت ملک سے بھاگنے کی تیاریوں میں مصروف تھی اسلئے اُسکی بلا سے کون مر رہا تھا۔ اعلان کیا گیا کہ وزیر اعظم نواز شریف ایک روزہ سرکاری دورہ پر 29 جون کو کراچی جاینگے، 29 جون کو تو وقت نہیں ملا لہذا وہ یکم جولائی کو کراچی پہنچے۔ لاوارث شہر کراچی کے شہری بھی عجیب ہیں کہ اگر وزیر اعظم نواز شریف جناح ہسپتال میں شدید گرمی اور لوڈشیڈنگ سے متاثرہ اُنکے مریضوں کو دیکھے بغیر واپس اسلام آباد چلے گئے تو وہ ناراضگی کا اظہار کرنے بیٹھ گئے، بھائی کیا ایسا وزیر اعظم نے پہلی مرتبہ کیا ہے، بلکل نہیں۔ ہمارے وزیر اعظم ایک سوداگر ہیں اور اس مثال سے تو ہم سب واقف ہیں کہ بنیے کا بیٹا کچھ دیکھ کر گرا ہوگا" تو نواز شریف کو جناح ہسپتال جانے میں کوئی فائدہ نظر" نہیں آیا ہوگا اسلیے نہیں گئے، وہ ہر کام کرنے سے پہلے اپنا فائدہ دیکھتے ہیں چاہے وہ کسی کی ، موت پر ہی جارہے ہوں۔ ویسے بھی یہ دورہ پورے دن کا نہیں صرف چار گھنٹے کا تھا

کراچی والے مسلم لیگ (ن) کو ووٹ تو دیتے نہیں پھر رکنے کا فائدہ۔
زیادہ دور نہیں جاتے پہلے 16 دسمبر کا ذکر کر لیتے ہیں، پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں طالبان دہشتگردوں نے پاکستان میں ابتک ہونے والی سب سے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیا اور 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا۔ نواز شریف نے پشاور پہنچنے میں دیر نہیں لگائی، کیوں؟ اسلیے کہ عمران خان سے مقابلہ تھا، سوداگر نواز شریف کو پہلے پہنچنے میں فائدہ تھا۔ 30 جنوری کو دہشتگردی کا واقعہ صوبہ سندھ کے شہر شکارپور کے مرکزی علاقے لکھی در پر گنجان آبادی کے درمیان قائم مرکزی مسجد اور امام بارگاہ کربلا معلیٰ میں ہوتا ہے، نتیجے میں 60افراد شہید ہوگئے جبکہ 50 سے زیادہ افراد زخمی ہوئے، اُس وقت نواز شریف کراچی میں موجود تھے۔ سرکاری سطح پر کوئی خاص ہلچل نہیں مچی، حسب دستور وزیراعظم نے شکارپور دھماکے کی مذمت کرتے ہوئے حکام سے واقعے کی رپورٹ طلب کرلی اور چونکہ شکارپور جانے سے وزیراعظم کو کوئی سیاسی فاہدہ نہ تھا لہذا شام کو وہ اپنی ٹیم کے ہمراہ اسلام آباد چلے گئے۔
ایک اور دہشتگردی کاواقعہ 13 مئی کو کراچی میں اُس وقت ہوا جب نواز شریف نے پاک چائنا اقتصادی راہداری منصوبے پر آل پارٹیز کانفرنس بلا رکھی تھی کہ کانفرنس شروع ہونے سے قبل ہی کراچی سے 'سانحہ صفوراچورنگی' کی خبر

آ گئی۔ 18 خواتین سمیت 46 بے گناہوں کے وحشیانہ قتل کی خبر، نشانہ بننے والے اسماعیلی برادری کے افراد تھے۔ اسفندریار ولی اور مولانا فضل الرحمان کا کہنا تھا کہ اجلاس چونکہ بلایا جاچکا ہے اور اس اجلاس کی اپنی اہمیت ہے اور کراچی سانحے کی اہمیت سے بھی انکار نہیں، اجلاس جاری رکھیں، نواز شریف کو فائدہ اجلاس جاری رکھنے میں لگا لہٰذا شرکا کو بریفنگ دینے کی ہدایت کردی ساتھ ہی شرکا کو پرتکلف شاندار لنچ کی دعوت بھی دے ڈالی۔ اُس وقت تمام ٹی وی چینل سانحہ کراچی اور اے پی سی دونوں کی کوریج نشر کررہے تھے اور جب وزیراعظم کی دعوت پر اے پی سی میں موجود سیاسی رہنماوں نے شاندار لنچ کا آغاز کیا تو ایک ٹی وی اینکر چیخ چیخ کر لوگوں کو بتارہی تھی کہ کراچی میں لوگ اپنے پیاروں کی لاشیں تلاش کررہے ہیں جبکہ اسلام آباد میں ہماری قومی قیادت شاندار لنچ کررہی ہے۔ اُسی شام نواز شریف چند گھنٹوں کے لیے کراچی آئے اور واپس اسلام آباد چلے گئے۔

اس مرتبہ جب نواز شریف کراچی آئے تو اُنکے ہمراہ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار، وفاقی وزیر ماحولیات سینٹر مشاہد اللہ خان، وفاقی وزیر اطلاعات سینٹر پرویز رشید، جنرل عبدالقادر بلوچ اور محترمہ سائرہ افضل تارڑ تھے۔ لیکن اُنکے ساتھ آنے والوں میں دو مجرم وزیر خواجہ آصف اور عابد شیر علی موجود نہیں تھے، جنکا کہنا ہے کہ اگر کوئی گرمی سے مرجائے تو حکومت اُسکی ذمہ دار

نہیں۔ مئی میں جب کراچی میں دہشتگردی کا واقعہ ہوا تھا تو وفاقی وزیر داخلہ گھر میں سو رہے تھے، موصوف پانچ دن کے بعد کراچی آئے تھے۔ کراچی میں لوگ گرمی اور لوڈشیڈنگ کی وجہ سے مرئے ہیں اس لیے چوہدری نثار، مشاہد اللہ خان، سینٹر پرویز رشید، جنرل عبدالقادر بلوچ اور محترمہ سائرہ افضل تارڑ کے آنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی تھی۔ سوداگر وزیراعظم کے خریدئے ہوئے ایک قلم فروش محمد صالح ظافر جو روزانہ روزنامہ جنگ میں سیاسی ڈائری کے نام سے لکھتا ہے، اُس نے وزیراعظم کے ہمراہ آنے والوں کی تعریف میں لکھا ہے کہ نواز شریف چوہدری نثار کو اپنے ہمراہ یوں لے گئے ہیں کہ کوئی نان سنس نہیں چلے گی، مشاہد اللہ خان کو کھری کھری سنانے کی عادت ہے اور وہ کراچی کو بہتر سمجھتے ہیں باقی سینٹر پرویز رشید، جنرل عبدالقادر بلوچ اور محترمہ سائرہ افضل تارڑ اسلیے ساتھ تھے تاکہ کوئی سنجیدہ طلب بات ہو تو یہ وزیراعظم کی مدد کرسکیں، یہاں بھی نواز شریف سوداگری سے کام لے گئے۔ بقول محمد صالح ظافر دورے کے بعد ایوان وزیراعظم سے یہ بیان دیا گیا کہ اس سانحہ پر تمام متعلقہ ادارے ذمہ دار ہیں۔

وزیراعظم کے کراچی کے دورے کا فائدہ کسی کو ہوا ہو یا نہیں تاہم سندھ کے کرپٹ وزیراعلیٰ قائم علی شاہ کا مقصد پورا ہوگیا، نواز شریف کی جانب سے کراچی کیلئے مختلف منصوبوں کی مد میں امداد کے اعلان نے قائم علی شاہ کو

خوش کر ڈالا کیونکہ مزید لوٹ مار کا آسرا ہو گیا، دورے میں یوں تو ان اعلانات کے سوا کچھ خاص نہ ہوا، نہ ہی اس دورے کا مطلب واضح ہو سکا، تاہم چار گھنٹے کے دورے کو قائم علی شاہ نے مثبت قرار دیا۔ وزیر اطلاعات شرجیل میمن اس موقع پر گرمی سے اموات کا ملبہ پھر کے الیکٹرک پر ڈالتے نظر آئے۔ قائم علی شاہ اور وزیر بلدیات نے جہاں سب اچھے کی آواز لگائی وہیں میڈیا سے گفتگو میں چھیپا ایمبولنس سروس کے سربراہ رمضان چھیپا نے حکومتی کارکردگی کا پول کھولتے ہوئے اسے غیر تسلی بخش قرار دیا۔ کے الیکٹرک نے وزیر اعظم کے اس اجلاس میں شرکت کی زحمت ہی نہیں کی، بلکہ اُسکا کہنا تھا کہ سندھ حکومت نے اپنی بدانتظامی چھپانے کے لیے سارا ملبہ کے الیکٹرک پر ڈالا ہے، اموات کی ذمہ دار سندھ حکومت ہے۔ وزیر اعظم کی طرف سے کراچی میں مرنے والوں کے لیے کسی قسم کی کوئی مدد کا اعلان نہیں ہوا، شاید وزیر اعظم کے خیال میں مرنے والے سب گنہگار ہوں۔ اگر ہم گرمی سے ہونے والی حالیہ ہلاکتوں کا جائزہ لیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ مرنے والے تمام افراد معاشی طور پر غریب یا متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذمہ دار کون ہے؟ کیا سورج کا قہر اس قدر متعصب ہے کہ صرف غریبوں پر ہی برستا ہے؟

لاوارث کراچی کی رہنے والی سدرہ خان اپنے مضمون " میں سردخانے بنانا چاہتی ہوں" میں لکھتی ہیں کہ "عالم پناہ عزت مآب نواز شریف صاحب ! ان اموات میں آپ

کا کوئی ہاتھ نہیں اور نہ ہی سندھ کی عوام دوست شہیدوں کی جماعت پیپلز پارٹی کی کوئی خطا ہے۔ اس سانحے کے لیے نہ کے الیکٹرک ذمہ دار ہے اور نہ متوسط طبقے کی واحد جماعت ایم کیوایم کا اس میں کوئی دوش ہے یہ تمام لوگ بے تحاشہ سہولیات سے مرے ہیں۔ وہ سہولیات جو آپ جیسے عام لوگوں کو تو نہیں لیکن اس ملک کے عوام کو میسر ہیں۔ اس عوام کے بینک اکاونٹس بیرون ملک جو ہیں، ان کے گھروں میں دس دس اے سی کنڈوں پر لگے ہیں، یہ ٹیکس چور ہیں، یہ کئی کئی ہزار ایکڑ اراضی کے مالک ہیں، اگر کچھ کم پڑ جائے تو ان کی امداد بیرون ملک سے ہو جاتی ہے۔ آپ سب کا کیا قصور؟ آپ تو معصوم ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہی نہیں کہ بلدیاتی حکومتوں میں راج کرنے کے دوران آپ سے اس شہر میں آبادی کے تناسب سے 8 سے 10 سرد خانے نہ بن سکے کیونکہ سرد خانے بنانا تو بے حد مشکل کام ہے کیوں کہ آپ کے اپنے گھر اور ایوان کسی سرد خانے سے کم نہیں۔ آپ اتنے معصوم ہیں کہ آپ کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ایدھی اور چھیپا غیر سرکاری ادارے ہیں انھیں سالانہ اگر آپ 50 ایمبولینس دے دیتے تو نوبت یہ نہ آتی کہ لوگ میتیں مویشی لیجانے والی گاڑیوں میں لے کر جاتے"۔

چار گھنٹے کے اس مختصر دورہ کراچی سے یہ تو صاف پتہ چل گیا کہ وزیر اعظم نواز شریف کو کراچی کے مسائل میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، اُنکے اس رسمی دورئے سے کراچی سے بیزاری صاف نظر آرہی تھی۔ کراچی کے شہریوں کو مایوسی ہوئی ہے

جبکہ سندھ حکومت پہلے ہی مسائل سے لاتعلق ہے اور اُس سے کراچی کے لوگوں کوئی امید نہیں۔ اگر نواز شریف نے کراچی کے عوام کے ساتھ یہ ہی سلوک کرنا تھا تو پھر "نواز شریف کراچی کیوں آئے تھے ؟"۔

جنرل ہو یا زرداری، قانون سب پر بھاری

ذوالفقار علی بھٹو کے بعد بینظیر بھٹو نے پیپلز پارٹی کو تو بچا لیا تھا لیکن اُنکے شوہر آصف زرداری نے پیپلز پارٹی کو کبھی بھی سیاسی پارٹی کے طور پر نہیں لیا، وہ پہلے دن سے ہی پیپلز پارٹی کو اپنے کرپشن کو بڑھانے اور لوٹ مار کرنے کے لیے استمال کرتے رہے۔ 1988ء سے 1996ء تک دو مرتبہ بینظیر بھٹو ملک کی وزیر اعظم رہیں ، اور پیپلز پارٹی کی چیرمین شپ بھی اُنکے پاس تھی۔ اس درمیان میں آصف زرداری مسٹر ٹین پرسینٹ کا خطاب حاصل کر چکے تھے۔ 1997ء میں بینظیر بھٹو ملک سے چلی گیں اور 18 اکتوبر 2007ء کو وہ واپس آیں۔ 27 دسمبر 2007ء کو راولپنڈی میں ایک خود کش حملے میں بینظیر بھٹو کو قتل کردیا گیا۔ بینظیر کے قتل کے بعد آصف زرداری نے اپنے بیٹے بلاول زرداری کا نام بلاول بھٹو زرداری کردیا اور پارٹی کی قیادت سنبھالی۔ فروری 2008ء کے انتخابات کے بعد اقتدار سنبھالا اور جسطرح بینظیر بھٹو نے اپنے والد سے قریب لوگوں کی چھٹی کی ٹھیک اُسی طرح آصف زرداری نے اُن لوگوں کی چھٹی کی جو بینظیر بھٹو کے قریب تھے۔ آصف زرداری نے ایک ایسی پارٹی کی قیادت سنبھالی تھی جس کا ماضی شاندار تھا، جسکے ساتھ عوام کی ایک بڑی تعداد تھی، پیپلز پارٹی جو اُس وقت پاکستان کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی جماعت کے طور پر جانی جاتی تھی، عام طور پر پیپلز

پارٹی کا ووٹ بنک ہمیشہ 38 فیصد رہا۔ چاروں صوبوں میں ایک بڑی تعداد مخلص کارکنوں کی جن کو عام طور پر جیالا کہا جاتا ہے وہ موجود تھے۔ لیکن آج صورتحال یہ ہے کہ پیپلزپارٹی پر اس سے برا وقت کبھی نہیں آیا۔

جب پیپلز پارٹی نے آصف زرداری کی قیادت میں اپنی پانچ سالہ 2008ء۔2013ء حکومت کی مدت مکمل کی تو کرپشن اور لوٹ مار کی وجہ سے پارٹی تباہ ہوچکی تھی۔

2013ء کے انتخابات میں عوام نے پیپلزپارٹی کو صرف اندرون سندھ تک محدود کردیا۔ جس پیپلزپارٹی کو ضیاء الحق اپنی ننگی بربریت اور پرویز مشرف اپنی چالبازیوں سے ختم نہ کرپائے، آصف زرداری نے اپنی کرپشن اور لوٹ مار سے اُسے ختم کردیا۔ پنجاب، کے پی کے اور بلوچستان میں پیپلزپارٹی ختم ہوچکی ہے، حالیہ انتخابات کے بعد گلگت بلتستان سے بھی اُسکی چھٹی ہوچکی ہے، جبکہ جلد ہی یہی صورتحال آزاد کشمیر میں ہوگی۔ زرداری کے پانچ سالہ دور میں صرف پیپلزپارٹی ہی تباہ نہیں ہوئی، اسکے ساتھ ساتھ ملک کے عوام کو بھی زرداری کے کرپشن سے ہونے والے منفی اثرات کو بھگتنا پڑا ہے۔ اربوں روپے کی کرپشن کرکے قومی خزانے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور ملکی معیشت کو مفلوج بناڈالا۔ قومی ادارے ایک ایک کرکے ڈوبتے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرپٹ سیاسی لیڈر پیپلزپارٹی نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ایسی بدترین مرکزی اور سندھ حکومتیں۔ سندھ کے اور خاصکر کراچی کے حالات ایک عرصے سے خراب چلے

آرہے ہیں، شہر قائد کراچی گذشتہ کئی عشروں سے بدامنی، لسانی، فرقہ پرستی اور نسلی فسادات کے علاوہ دہشتگردی، قتل و غارت، ٹارگٹ کلنگ، لوٹ مار اور بھتہ خوری کی زد میں ہے۔ گذشتہ رمضانوں کے مقدس دنوں میں بھی ہزاروں جرائم ہوتے رہے ہیں۔ 4 ستمبر 2013ء کو وزیراعظم نواز شریف نے کراچی میں وفاقی کابینہ کے خصوصی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بدامنی سے نمٹنے کے لیے رینجرز کو مرکزی کردار دینے کی تجویز پیش کی۔ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے اعلان کیا کہ کراچی میں رینجرز کی سربراہی میں فوری طور پر ٹارگٹڈ آپریشن کیا جائے گا۔ وزیراعلیٰ سندھ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گی جو اس آپریشن کی نگرانی کرتی ہے۔

مرکز سے تو پیپلز پارٹی کا 2013ء میں خاتمہ ہوچکا ہے لیکن بدنصیبی سے سندھ میں پیپلز پارٹی اپنی پانچ سالہ بری کارکردگی کے باوجود دوبارہ برسراقتدار ہے اور قائم علی شاہ ہی مسلسل وزیراعلی ہیں۔ سندھ نے بھی کبھی ایسا بدترین وزیراعلیٰ جو انتہائی کرپٹ ہو نہیں دیکھا تھا، قائم علی شاہ جیسا کرپٹ شخص اب بھی اپنی کرپشن جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کے گذشتہ پانچ سال 2008ء سے 2013ء ہوں یا حالیہ دو سال قائم علی شاہ نے سندھ میں سوائے کرپشن اور بیڈ گورنس کے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ہے۔ قائم علی شاہ کی گذشتہ سات سال میں جو کارکردگی رہی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ کسی چھوٹے سے شہر کے لیے بھی کچھ نہیں

کیا، صرف لوٹ مار اور اقرباپروری میں مصروف قائم علی شاہ کی حکومت ہر شعبہ میں ناکام رہی ہے۔ کراچی آپریشن سے پہلے امن و امان کی صورتحال بدترین تھی، اسٹریٹ کرائم، ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان اور کرپشن عام تھے۔ رشوت لے کر نوکریاں دی جاتی ہیں، لہٰذا کارکردگی صفر ہے۔ لیکن سندھ میں رہنے والوں کی بدنصیبی کہ ابھی تک ذوالفقار علی بھٹو اور بینظیر بھٹو کے نام پر نام نہاد پیپلز پارٹی نے پورے سندھ کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ قائم علی شاہ کے سات سالہ دور میں صرف کراچی میں دہشتگردی اور ٹارگیٹ کلنگ سے آٹھ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے ہیں، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، سرکاری اور فوجی املاک پر حملے، فرقہ وارانہ نفرت، بے روزگاری اور مہنگائی کی ذمہ دار پیپلز پارٹی کی حکومت ہے، سندھ کی ترقی کے لیے کچھ نہیں کیا، کراچی تو چھوڑیں اُنھوں نے تو لاڑکانہ، نواب شاہ یا خیرپور میں بھی عوامی بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا۔

کراچی آپریشن شروع ہونے کے کچھ عرصہ بعد رینجرز اور پیپلز پارٹی میں اختلاف شروع ہوگئے۔ 16 فروری 2015ء کو ایپکس کمیٹی کے ایک اجلاس جس میں وزیراعظم نواز شریف اور سابق صدر آصف زرداری بھی موجود تھے سندھ میں موجود پیپلز پارٹی کی حکومت کو رینجرز کی جانب سے نااہل کہا گیا اور ساتھ ہی یہ الزام بھی لگایا کہ آپریشن کراچی میں سندھ حکومت کی جانب سے تعاون نہیں

کیا جارہا ہے۔ آصف زرداری نے کراچی کو تو تباہ کرکے رکھ دیا۔ زرداری کو شاید یہ خیال ہی نہیں تھا کہ کوئی اور خاصکر فوج اُنکے بدترین کرپشن کو بے نقاب کرئے گی۔ آصف زرداری نے اپنی بہن فریال تالپور المعروف ادی اور اپنے دوست مظفراویس عرف ٹپی کو سندھ پر مسلط کیا، ہر شعبے میں لوٹ مار کی گئی، دہشت گرد تنظیموں سے گٹھ جوڑ اور ہر قسم کے مافیاز کو کھلی چھوٹ دی گئی۔ لیکن جب یہ سارئے جرائم سامنے آئے ، لیاری گینگ وار میں آصف زرداری کا کردار بے نقاب ہوا، دو ارب روپے ایک صوبائی وزیر کے گھر سے برآمد ہوئے، ایک ماڈل کے زریعے منی لانڈرنگ کی حیران کن کہانیاں سنائی دینے لگیں۔ گیارہ جون کو ایپکس کمیٹی میں ڈی جی رینجرز نے ایک رپورٹ پیش کی جس کے مطابق سالانہ 230 بلین روپے دہشتگردی میں استعمال ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ فش ہاربر، فطرہ، پتھاروں، بچت بازاروں، قبرستان ،پانی کی ترسیل اور زمینوں پر قبضہ سے حاصل ہونے والی رقم دہشتگردی کی کارروائیوں میں استعمال ہوتی ہے، میچ فکسنگ، منی لانڈرنگ، سائبر کرائم، فقیر مافیا اور مدارس کی بیرونی فنڈنگ بھی دہشتگردی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

ڈی جی رینجرز کی بریفنگ کے بعد آصف زرداری کو اپنی کشتی ڈوبتی دکھائی دی تو فوج کے خلاف دھمکی آمیز تقریر کرڈالی۔ بغیر نام لیے فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اُنکو دیوار سے لگانے اور اُن کی

کردار کشی کرنے کی روش ترک کردیں ورنہ وہ قیام پاکستان سے لیکر آج تک کے جرنیلوں کے بارے میں وہ سب کچھ بتائیں گے کہ وہ (فوجی جرنیل) وضاحتیں دیتے پھریں گے۔ انھوں نے کہا کہ سیاست دانوں کے راستے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کی جائیں ورنہ اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اُنھوں نے دھمکی دی کہ جب بھی پیپلزپارٹی نے ہڑتال کی کال دی تو خیبر سے لے کر کراچی تک جام ہو جائے گا۔ اینٹ سے اینٹ بھی نہ بجی اور پورا پاکستان تو کیا بند ہوگا، زرداری کی کرپشن کا خاتمہ ضرور ہونے جارہا ہے۔
پاکستان کی ایک بھی چھوٹی۔بڑی سیاسی جماعت نے زرداری کے بیان کی حمایت نہیں کی۔ عوام فوج کے ساتھ کھڑے ہیں، عوام زرداری کے ساتھ کیوں کھڑے ہوں، عوام جانتے ہیں کہ اُنکی مشکلات۔بڑھانے کے ذمہ دار آصف زرداری ہیں۔آصف زرداری اپنی پارٹی کو آپ تباہ کرچکے ہیں، ملک اور صوبہ سندھ کو۔بربادی کے دھانے پر پہنچا دیا ہے، تھر کے معصوموں کی بددعایں تو آپکو لگیں گیں۔ کراچی میں مرنے والے 2000 بے قصوروں کے لواحقین تو نواز شریف کے ساتھ آپکو بھی بددعایں دئے رہے ہیں۔جب کسی طرف سے کوئی حمایت نہ ملی تو ملک چھوڑ کر بھاگ گئے۔
کس نے کہا کہ فوج میں سارے معصوم ہیں، سابق جنرلوں میں بہت سارے ایسے ہیں جنکے خلاف کارروایاں بھی ہوئی ہیں اور ہونی چاہیں۔اس مرتبہ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے احتساب کا عمل فوج سے شرع کیا ہے، فوج کے اندر ان جرنیلوں کے

خلاف خاموشی سے انکوائری ہو رہی ہے جن کے بارے میں کرپشن کے الزامات ہیں، خصوصاً ایک سابق آرمی چیف کے رشتہ دار کے بارے میں بھی انکوائری ہو رہی ہے جس کے بارے میں بہت سی افواہیں تھیں کہ اُس نے آرمی چیف کا سہارا لے کر کنسٹرکشن بزنس میں بہت سے گھپلے کئے ہیں۔ اب اگر آرمی چیف فوج کے اندر ہی احتساب کر رہے ہیں تو آصف زرداری، فریال تالپور، مظفر اویس عرف ٹپی اور پیپلز پارٹی کے دوسرے بہادر جیالوں کو ملک چھوڑ کر نہیں بھاگنا چاہیے تھا۔ بلاول کی واپسی پارٹی کے سینیئرز کے کہنے پر ہوئی ہے کیونکہ وہ اب تک کرپشن اور لوٹ مار کے الزامات سے بچا ہوا ہے اور اُسکو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اب آصف زرداری یا الطاف حسین یا کوئی اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے فلاں کو ناجائز پکڑا ہے۔ اگر فوج بیوروکریسی، سیاستدانوں اور سیاسی جماعتوں کو ٹارگٹ کر رہی ہے تو پھر آصف زرداری کو بزدلوں کی طرح ملک سے بھاگنے کے بجائے اپنے خلاف ہونے والی کارروائی کا سامنا کرنا چاہیے تھا۔ آصف زرداری کے مجرمانہ کارناموں سے سب ہی واقف ہیں، اس ملک کی سیاست کا پتہ نہیں ہوتا لہٰذا ہو سکتا ہے کل آصف زرداری کی واپسی ایک اور این آر او کے ذریعے ہو، لیکن اس مرتبہ واسطہ ایک ایسے جنرل سے پڑا ہے جو شہیدوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ مخدوم جاوید ہاشمی نے ایک بار کہہ دیا تھا کہ جس نے سیاست میں پی ایچ ڈی کرنی ہے، وہ سیاست آصف زرداری

سے سیکھے ، شاید وہ کہنا چاہ رہے تھے کہ جس نے لوٹ مار کرنی ہے وہ لوٹ مار آصف
زرداری سے سیکھے۔ پیپلز پارٹی کے جیالے تو ویسے بھی نعرے لگاتے ہی ہیں کہ ایک
زرداری، سب پر بھاری۔ لیکن اگر جنرل راحیل شریف نے کرپشن ختم کرنے کے لیے
راست اقدام کیا تو اب شاید نعرہ یہ ہوگا کہ " جنرل ہو یا زرداری، قانون سب پر
بھاری"۔

عمران خان کا یوٹرن جیو میں واپسی

پاکستان بننے سے قبل میر خلیل الرحمان نے "روزنامہ جنگ" کا آغاز کیا۔ میر خلیل الرحمٰن کا ہدف تھا کہ "روزنامہ جنگ" کو جنگ گروپ بنانا اور پورے پاکستان میں "جنگ گروپ" کی اجارا داری قائم کرنا اور اس مقصد میں میر خلیل الرحمٰن اپنی زندگی میں ہی کامیاب ہو چکے تھے۔ میر خلیل الرحمٰن کے بعد اب اُن کے چھوٹے بیٹے میر شکیل الرحمٰن جنگ اخبار کے مالک، چیف ایگزیکٹو اور ایڈیٹر انچیف ہیں۔ جنگ گروپ نے 2002ء میں جیو ٹی وی چینل کے نام سے پاکستان میں اپنی نشریات کا آغاز کیا بعد میں اس چینل میں توسیع ہوئی اور اس کے مزید چینل کھلے۔

تحریک انصاف نے 2013ء کے انتخابات کے بعد کہا تھا کہ ہم نے الیکشن کو قبول کیا ہے لیکن دھاندلی کو قبول نہیں کیا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ عمران خان نے قومی اسمبلی میں اپنی پہلی تقریر میں کہا تھا کہ حکومت عوام کے اعتماد کے لئے صرف چار حلقوں میں انگوٹھوں کے نشان چیک کرائیں جس پر حکومت کی جانب سے وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کہا تھا کہ ہم چار نہیں چالیس حلقوں میں نشان چیک کرانے کے لئے تیار ہیں، لیکن ایک سال تک جب ایسا نہیں ہوا تو تحریک انصاف نے گیارہ مئی 2014ء کو حکومت کے خلاف احتجاج کا اعلان کیا اور

ساتھ ہی انتخابات میں دھاندلی اور مسلم لیگ (ن) کو سپورٹ کرنے کا الزام لگا کر عمران خان نے جنگ اور جیو گروپ کے بائیکاٹ کا اعلان بھی کر دیا۔ الزام یہ لگایا گیا ہے کہ جیو ٹی وی نے نواز شریف کی تقریر جلد نشر کی اور چھ گھنٹے بعد جیو ٹی وی نے مسلم لیگ (ن) کو انتخابات میں کامیاب قرار دے دیا تھا۔ عمران خان کے جیو کے بائیکاٹ سے پہلے ہی جیو گروپ اپنی دو حماقتوں کی وجہ سے نہ صرف حکومت بلکہ عوام کے زیر عتاب آیا ہوا تھا، جسکی وجہ سے 90 فیصد پاکستان میں جیو نہیں دکھایا جا رہا تھا۔
گذشتہ سال 14 اگست 2014ء سے 16 دسمبر 2014ء تک عمران خان احتجاج، جلسے اور دھرنے کی سیاست کرتے رہے، اسلام آباد کے 126 دن کے دھرنے میں روز کنٹینر پر کھڑے ہو کر وہ ایک طرف نواز شریف سے استعفی کا مطالبہ کرتے، انتخابات میں دھاندلی کا ذکر کرتے تو دوسری طرف وہ میر شکیل الرحمٰن اور جیو پر الزامات کی بارش کرتے۔ دھرنے اور جلسے کے شرکا کو وہ بتاتے تھے کہ میر شکیل الرحمان فرعون اور بلیک میلر ہے۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کا کہنا تھا کہ جیو کی کوئی ایڈیٹوریل پالیسی نہیں بس مہم شروع کر رکھی ہے، مسلم لیگ (ن) اور جیو نیوز ملے ہوئے ہیں، جیو نے باہر کی فنڈنگ کیلئے ٹرسٹ قائم کر رکھا ہے، میر شکیل الرحمان کے بنک اکاونٹس کی تحقیقات کی جائیں۔ اسلام آباد کی ایک پریس کانفرنس میں اُنکا کہنا تھا کہ میر خلیل الرحمان فاونڈیشن کو

باہر سے فنڈ آتا ہے لہٰذا پوری قوم جیو کا بائیکاٹ کرے۔

عمران خان نے جنگ گروپ پر الزامات لگاتے ہوئے کہا تھا کہ جنگ گروپ نے مجھے طالبان خان قرار دینے کیلئے مہم چلائی، میر شکیل الرحمان بلیک میلر ہے جس نے میرے بچوں سمیت میری ذات پر حملہ کیا۔ میر شکیل الرحمان ذاتی مفاد کی خاطر پاکستان کو بدنام کر رہا ہے، انہوں نے کہا کہ پیمرا قانون کے مطابق چار چینلز چلانے کی اجازت ہے جبکہ جیو پانچ چینل چلا رہا ہے، جیو سوپر کو کرکٹ رائٹس غیر قانونی طور پر دیئے گئے اور جیو کے ملازم نجم سیٹھی کو چیئرمین پی سی بی بنا دیا گیا، نجم سیٹھی کو نیویارک میں فلیٹ ظاہر نہ کرنے پر 2 کروڑ روپے جرمانہ ہوا۔ ان کا کہنا تھا کہ دبئی میں بیٹھے فرعون نے مجھے لیگل نوٹس بھجوایا۔ عمران خان نے عام انتخابات میں ہونے والی مبینہ دھاندلی میں اس وقت کے نگراں وزیراعلیٰ پنجاب نجم سیٹھی کو ملوث قرار دیا تھا جب کہ ان کی جانب سے نجم سیٹھی پر 35 حلقوں میں دھاندلی کی بات کی گئی تھی جسے عمران خان نے متعدد بار 35 پنکچر کا نام دیا۔انہوں نے کہا کہ میر شکیل الرحمان اور مسلم لیگ ن) انتخابی مہم کے دن سے ملے ہوئے ہیں۔ اُنکا کہنا تھا کہ حامد میر پر حملے کے بعد آئی) ایس آئی چیف کا ایک مفروضے پر میڈیا ٹرائل کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ جیو کی گھٹیا مہم کے باعث لوگ فیملی کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی بھی نہیں دیکھ سکتے، جیو نیوز میری کردار کشی کرنے

پر مجھ سے اور قوم سے معافی مانگے۔

عمران خان کے میر شکیل الرحمان کے ساتھ اختلافات چل رہے تھے۔ عمران خان نے جیو چینل کا بائیکاٹ کیا ہوا تھا، اُنکی سیاسی مصروفیات دھرنے، جلسے جلوس کی رپورٹ کرنا ہر چینل کی طرح جیو چینل کا بھی حق تھا۔ لیکن افسوس پاکستان تحریک انصاف کے ورکر آئے دن کسی نہ کسی چینل کے ورکروں کے ساتھ بد تمیزی کرتے نظر آتے تھے۔ آٹھ دسمبر 2014ء کو فیصل آباد میں جیو نیوز کی اینکر پرسن ماریہ میمن سے بد تمیزی کی گئی، کیمرہ مین کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ بارہ دسمبر 2014ء کو کراچی کی مشہور شاہراہ فیصل پر دوپہر میں سینئر اینکر مسعود رضا کو پی ٹی آئی کے کارکنوں نے گھیر کر انہیں رپورٹنگ سے روکنے کی کوشش کی۔ اُسی دن شام کو جیو نیوز کی خاتون صحافی سدرہ ڈار عمران خان کی تقریر کے بعد رپورٹنگ کر رہی تھیں، پی ٹی آئی ورکرز پر مشتمل مجمع نے جیو نیوز کی ڈی ایس این جی وین کو گھیر کر شور شرابہ اور ہنگامہ شروع کر دیا۔ جیو نیوز کی رپورٹر عمیمہ ملک کو بھی ایسی ہی اذیت ناک صورت حال سے گزرنا پڑا، جب پی ٹی آئی کے سلجھے ہوئے کارکنوں نے نہ صرف وین پر حملہ کرنے کی کوشش کی بلکہ مغلظات بکتے ہوئے اپنی سیاسی اور گھریلو تربیت کو بھی آشکار کیا تو نجی چینل کی صحافی غریدہ فاروقی نے اس صورت حال میں خاتون رپورٹر کو بچانے کی کوشش کی۔ پندرہ دسمبر 2014ء کو لاہور میں پاکستان تحریک انصاف کے یوم

احتجاج کی کوریج کرنے والی جیو نیوز کی ٹیم اینکر پرسن ثنا مرزا، امین حفیظ، سہیل وڑائچ، احمد فراز اور جواد ملک سے بد تمیزی کی، پتھر، بوتل اور غلیل سے کنچے مارے گئے، رپوٹرامین حفیظ کنچے لگنے سے زخمی ہوگیا تھا۔ اس رپورٹنگ کے دوران ثنا مرزا سے اسقدر بد تمیزی کی گئی کہ خاتون صحافی روپڑی۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان تحریک انصاف کے ورکروں کو میڈیا پرسن اور خاصکر خواتین ورکرز کے ساتھ بد تمیزی کرنے کا حق کس نے دیا تھا؟

سولہ دسمبر 2014ء کو پشاور میں طالبان کی جانب سے دہشتگردی ہوئی جس میں 132 بچے شہید ہوئے، اسکے بعد عمران خان نے اسلام آباد میں اپنے 126 دن پرانے دھرنے کے خاتمے کا اعلان کیا، لیکن وہ جوڈیشنل کمیشن کے مطالبے اور جیو کی مخالفت سے سے دستبردار نہیں ہوئے۔ جوڈیشنل کمیشن بنا اور آج اس نے اپنا کام مکمل کرلیا، چیف جسٹس ناصر الملک کی سربراہی میں 3 رکنی انکوائری کمیشن نے 2013ء کے عام انتخابات میں مبینہ دھاندلی کی تحقیقات کے لئے کیس کی سماعت کی۔ الیکشن کمیشن کے وکیل ایڈووکیٹ سلمان اکرم راجا نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ دنیا بھر میں انتخابات میں تکنیکی غلطیاں ہوتی ہیں اور انتخابات کبھی بھی غلطیوں سے پاک نہیں ہوتے، تحریک انصاف کی طرف سے 12 درخواستیں آئیں لیکن کچھ ثابت نہ ہوسکا۔ جوڈیشنل کمیشن میں انکوائری کے دوران پی ٹی آئی کی طرف نہ جیو کے خلاف کوئی بات کی گئی اور نہ ہی نجم سیٹھی پر 35 حلقوں

میں دھاندلی کی بات کی گئی جسے عمران خان نے متعدد بار 35 پنکچر کا نام دیا۔
دو جولائی کو عمران خان جیو چینل جس کے وہ شدید مخالف تھے اُسی کے ایک پروگرام کیپٹل ٹاک" میں بیٹھے ہوئے اینکر حامد میر کے سامنے ایک اور یو ٹرن لیتے ہوئے اور" مسکراتے ہوئے بتارہے تھے کہ "انتخابات میں 35 پنکچرز کی بات محض سیاسی تھی، بریگیڈیئر سیمسن نے ہمیں اور مرتضی پویا نے امریکی سفیر سے 35 پنکچر سے متعلق بات کی جو ٹوئٹ ہوگیا"۔ اُنکے سیاسی مخالف تو اُنکو جو کچھ کہہ رہے وہ الگ لیکن 3 جولائی کے جیو کے پروگرام "آپس کی بات "میں نجم سیٹھی نے اُنکی سیاست کی دھجیاں اڑادیں، نجم سیٹھی کے مطابق انہوں نے عمران خان کے خلاف بہت سارا مواد جیو اور اپنی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کردیا ہے۔ جس وقت نجم سیٹھی عمران خان کے خلاف بول رہے تھے تو مجھے 6 اپریل کی قومی اسمبلی کا وہ واقعہ یاد آگیا جس میں نواز شریف کے ایک بے حیا اور بے شرم وزیر خواجہ آصف نے پوری پی ٹی آئی کو جس میں عمران خان بھی شامل تھے کہا تھا "اوے کچھ حیا کرو، کچھ شرم کرو"، شاید اُس وقت خان صاحب نے اس بات پر غور نہ کیا ہو لیکن اب نجم سیٹھی نے جو کچھ خان صاحب کو کہا ہے اسکے بعد خان صاحب اپنی طرز سیاست پر نظرثانی کرلیں تو یہ پی ٹی آئی اور خود اُنکے لیے بہتر ہوگا۔

قصہ مختصر عمران خان نواز شریف سے تو روٹھے ہوئے تھے کہ وہ دھاندلی سے جیتے ہیں۔ پھر اچانک اُنہیں پتہ چلا کہ میر شکیل الرحمان اُنکے خلاف سازش کر رہے ہیں اور جیو نے انتخابی دھاندلی کی ہے، انہوں نے الزام لگایا کہ جیو اُنکے خلاف پروپگنڈہ کر رہا ہے اور جیو کا بائیکاٹ کردیا۔ اُنکو کسی نے یہ بھی بتایا کہ نجم سیٹھی نے 35 سیٹیں نواز شریف کو دلوادیں جسپر انہوں نے نجم سیٹھی کا نام 35 پنکچر رکھ دیا، لیکن پھر وہ دو جولائی 2015ء کو حامد میر کے پروگرام کیپٹل ٹاک میں پہنچ گۓ اور انہوں نے تسلیم کیا کہ اُنکی معلومات بوگس تھیں۔ باتیں تو بہت ہیں لیکن مسٹر عمران خان عرف مسٹر یوٹرن جیو واپس کیسے پہنچے اسکے لیے نیچے دی ہوئی کہانی پڑھ لیں۔

کمہاری کے گھر والے نے اس کی پٹائی کی تو ناراض ہو کر " ہمیشہ " کے لئے گھر سے نکل گئی اسے امید تھی گھر والا اسے روکے گا، لیکن اس ظالم نے نہیں روکا۔ پورا دن ادھر ادھر جنگل خوار ہوتی رہی اسے امید تھی کمہار اسے ڈھونڈتا ہوا اس کے پیچھے آئے گا اور منا کر گھر لے جائے گا۔ شام تک اسی امید پر وہ اس علاقہ میں پھرتی رہی جہاں کمہار کے گدھے سارا دن گھاس چرتے تھے لیکن کمہار نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ جب شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو بھوکی پیاسی کمہاری سخت مایوس ہو گئی۔ ادھر گدھے اندھیرا پھیلنے کے بعد حسب معمول گھر کی

طرف چل دیئے، اس نے ایک گدھے کی دم پکڑ لی اس گدھے کا نام دھورا تھا، وہ اس کی دم پکڑے پکڑے چلتی گئی اور ساتھ ساتھ اپنی خودی بلند رکھتے ہوئی کہتی جاتی "وے دھورے تجھے اللہ کا واسطہ مجھے گھر نہیں جانا، مجھے مت مجبور کر"۔ لیکن دھورا اپنے ساتھی گدھوں کے ساتھ گھر کی طرف چلتا چلا گیا، حتی کہ گھر کے دروازے تک پہنچ گیا، وہ بھی بدستور دھورے کو واسطے دیتی دم پکڑے پکڑے گھر تک پہنچ گئی، "وے دھورے تو باز نہیں آیا نا، میں نہیں گھر جانا چاہتی میرے ساتھ ظلم نہ کر، دھورے تجھے اللہ کا واسطہ۔۔۔۔

پاکستان ہاکی اولمپک سے باہر

ورلڈ ہاکی لیگ میں پاکستان ٹیم کی شرمناک کارکردگی کے بعد ملکی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ اولمپک گیمز میں تین مرتبہ گولڈ میڈل لانیوالی ٹیم آج اولمپکس میں شرکت سے بھی محروم ہو گئی ہے، ہاکی کو اس مقام تک پہنچانے کے ذمہ دار پیپلز پارٹی کی سابقہ حکومت اور مسلم لیگ (ن) کی موجودہ حکومت ہیں۔ آج پاکستانی ہاکی ٹیم اپنی تاریخ میں پہلی بار ورلڈ کپ کے بعد اب اولمپکس میں بھی شرکت سے محروم ہو گئی ہے اور اسوقت اس کے ذمہ دار وزیراعظم نواز شریف اور اُنکے مقرر کردہ کھیلوں کے انچارج ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف کے پاس ہاکی آفیشل سے ملنے کا ٹائم ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہاکی کو زندہ رکھنے کے لیے پیسے مانگ رہے ہوتے ہیں، جبکہ بین الصوبائی رابطے کے وزیر اور پاکستان اسپورٹس بورڈ کے حکام بھی کھلاڑیوں سے ملنے میں اپنی توہین محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ ہاکی ہمارا قومی کھیل ہے۔ اس بدترین ناکامی کے بعد قومی کھیل کے چیف پیٹرن وزیراعظم نواز شریف کو شاید اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا ہے۔ نواز شریف نے گرین شرٹس کی کارکردگی کو شرمندگی کا باعث قرار دیتے ہوئے ہاکی فیڈریشن اور وزارت کھیل سے وضاحت طلب کرلی ہے۔ وزیراعظم نے ہدایت کی قومی ہاکی کھیل کی ترقی کے لیے

سفارشات دی جائیں اور ہاکی ٹیم کی شکست کی وجوہات بتائی جائیں کہ اولمپک گیمز سے قومی ہاکی ٹیم کیسے باہر ہو گئی؟۔

واہ بھولے بادشاہ نواز شریف صاحب آپ کو یہ نہیں معلوم کہ اولمپک گیمز سے قومی ہاکی ٹیم کیسے باہر ہو گئی اور آپ قومی کھیل کے چیف پیٹرن بنے ہوئے ہیں، اگر آپ تھوڑا سا وقت نکال کر ہاکی کی طرف توجہ دیتے تو ایسا ہر گز نہ ہوتا اور نہ ہی پاکستانی ہاکی ٹیم کو انٹرنیشنل مقابلوں میں شرکت کے لیے فیڈریشن کو مخیّر حضرات سے 'بھیک' مانگنی پڑتی اور کھلاڑی ڈیلی الاؤنسز تک سے محروم رہتے۔ ماضی قریب میں پاکستان کو ایک مہذب اور پر امن ملک کے طور پر متعارف کرانے میں کھیلوں کا کردار بہت اہم رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ اسکوش اور ہاکی پر ہمارا راج تھا، ہماری کرکٹ ٹیم کو دنیا کی اچھی ٹیموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ جب سے پاکستانی معاشرے میں کرپشن، سفارش اور دوسری برائیوں میں اضافہ ہوا ہے اور سارے پاکستانی معاشرے پر اسکا برا اثر پڑا ہے وہاں کھیل بھی ان برائیوں سے نہ بچ سکے۔ پاکستان وہ ملک ہے جس نے ہاکی کی چیمپئنز ٹرافی کی بنیاد 1978ء میں رکھی تھی، ایک وقت تھا جب ہاکی کے سارے اعزاز ہمارے پاس تھے۔ دنیا کی ہر اچھی ٹیم نے ہم سے شکست کھائی تھی، لیکن آج ہاکی کا برا حال ہے۔ پاکستانی ہاکی ٹیم اپنی تاریخ میں پہلی بار ورلڈ کپ کے بعد اب اولمپکس میں بھی شرکت سے محروم ہو گئی ہے۔ ہاکی کو اس حال پر پہنچانے

کے ذمہ داران کی برطرفی کا مطالبہ تو دور، وہ چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے دور میں پاکستان ہاکی فیڈریشن کی باگ ڈور قاسم ضیا نے سنبھالی اور انھیں یہ عہدہ پارٹی اور حکومت سے وفاداری کی بنیاد پر ملا۔ قاسم ضیا کے ادوار میں پاکستان ہاکی فیڈریشن کو حکومت سے بے حساب پیسے ملتے رہے جنھیں ہاکی کے نام پر خرچ کرنے کا دعویٰ کیا جاتا رہا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت گئی تو پاکستان ہاکی فیڈریشن میں بھی مسلم لیگ (ن) کے اثرات ظاہر ہو گئے۔ قاسم ضیا کے دور میں ٹیم کے ہیڈ کوچ بنائے جانے والے اختر رسول 2013ء میں پاکستان ہاکی فیڈریشن کے نئے صدر اور رانا مجاہد سیکریٹری منتخب ہو گئے ہیں۔ اختر رسول دوسری مرتبہ پاکستان ہاکی فیڈریشن کے صدر بنے۔ اگست 1997ء میں ان کی زیرِ صدارت پاکستانی ٹیم پہلی بار چیمپیئنز ٹرافی کے لیے کوالیفائی نہ کر سکی جبکہ قومی جونیئر ٹیم بھی جونیئر ورلڈ کپ سے باہر ہو گئی تھی۔ اختر رسول بحیثیت کوچ بھی مطلوبہ نتائج دینے میں بری طرح ناکام رہے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ پاکستانی ٹیم پہلی مرتبہ عالمی کپ کے لیے کوالیفائی نہ کر سکی۔ خبروں کے مطابق حکومت نے ہاکی ٹیم کی شکست کا ملبہ صدر پی ایچ ایف اختر رسول پر ڈال کر انہیں عہدے سے ہٹانے کا اصولی فیصلہ کر لیا گیا ہے۔

ماضی میں ٹیم کی خراب کارکردگی کا رونا روتے ہوئے کم از کم اس بات کی تو ڈھارس تھی کہ ٹیم کم از کم باہر جا کر کھیلتی تو ہے لیکن اب تو ورلڈ کپ اور اولمپکس میں شرکت کی محرومی نے پاکستانی ہاکی کو اس کی تاریخ کے پست ترین مقام پر پہنچا دیا ہے۔ پاکستانی ہاکی ٹیم کے سابق کپتان اور اپنے دور کے شہرۂ آفاق فارورڈ شہباز احمد نے ورلڈ کپ کے بعد اب اولمپکس سے بھی پاکستانی ہاکی ٹیم کے پہلی بار باہر ہونے کو پاکستانی ہاکی کا بدترین دن قرار دیا ہے۔ شہباز احمد نے بی بی سی اردو سروس کو دیے گئے انٹرویو میں کہا کہ سیاسی اثر و رسوخ کے حامل پاکستان ہاکی فیڈریشن کے ارباب اختیار نے پاکستان کی ہاکی کو اس کے انتہائی پست ترین مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ شہباز احمد نے جو 1994ء کا عالمی کپ جیتنے والی ٹیم کے کپتان تھے، کہا کہ وہ یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ انھی کھلاڑیوں کی مدد سے پاکستانی ٹیم اولمپکس میں کوالیفائی کر سکتی تھی، لیکن بیلجیئم جانے سے چند روز پہلے ہی کوچنگ اسٹاف تبدیل کر دیا گیا۔ شہباز احمد کا کہنا تھا کہ فیڈریشن کے عہدیداران جس طرح مزے لوٹ رہے ہیں اس نے کھلاڑیوں کو سخت مایوس کیا ہے اور وہ بھی اب یہ سوچ رہے ہیں کہ ٹیم میں آئیں یا کسی بیرونی لیگ سے معاہدہ کر لیں۔

پاکستانی ہاکی ٹیم کے کپتان محمد عمران نے بیلجیئم سے وطن واپسی پر ایک انٹرویو میں کہا کہ آئرلینڈ اور فرانس جیسی ٹیموں کی تیاری بھی پاکستانی

ٹیم سے اچھی تھی جبکہ پاکستانی کھلاڑی اس سے محروم رہے۔ پاکستانی ہاکی ٹیم کے کپتان محمد عمران نے اولمپک کوالیفائنگ راؤنڈ میں شکست کا سبب کھلاڑیوں کو نہ دی جانے والی سہولتوں کو قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ کھلاڑیوں کو ٹریننگ کے دوران ضروری سہولتیں نہیں ملیں۔ کیمپ میں کھجور اور روح افزا اور نان چنے کھلا کر آپ کھلاڑیوں سے توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ ورلڈ چیمپئن کا مقابلہ کریں۔ کھلاڑیوں کے پاس ملازمتیں نہیں ہیں انہیں ڈیلی الاؤنس تک نہیں ملتا اس کے باوجود کھلاڑی اولمپک کوالیفائنگ راؤنڈ کھیلنے گئے اور ہر میچ میں سخت محنت کی تاہم نتائج پاکستانی ٹیم کے حق میں نہیں گئے۔

پاکستانی ہاکی ٹیم کے کوچ کے شہناز شیخ کا کہنا ہے کہ وہ کوچ کے عہدے پر مزید نہیں رہنا چاہتے۔ شہناز شیخ نے کہا ہے کہ قومی ہاکی ٹیم کی ناقص کارکردگی کی ذمہ دار پاکستان ہاکی فیڈریشن ہے۔ اسلام آباد ایئرپورٹ پر میڈیا سے بات کرتے ہوئے قومی ہاکی ٹیم کے کوچ شہناز شیخ نے کہا کہ ٹیم کو نفسیاتی اور معاشی بحران کا سامنا ہے، ہاکی پلیئرز کو نا کنٹریکٹ ملتا ہے اور نا ہی اُن کے معاشی مسائل کا کوئی حل ہے، انہیں اور ہاکی کھلاڑیوں کو ڈیلی الاونس بھی نہیں دیا جاتا، قومی کھلاڑی اگر ہاکی لیگ نہ کھلیں تو بھوکے مر جائیں، سب کو چاہیے کہ ٹیم کے حق میں بات کی جائے، انھوں نے کہا کہ کھلاڑی اور کوچ آٹھ ماہ سے مالی مشکلات کا شکار ہیں اور وہ خود ڈیڑھ سال سے

بغیر پیسے کے کام کر رہے ہیں، آسٹریلیا میں ڈیلی الاؤنس کا نصف ملا جبکہ کوریا میں ایک پیسہ بھی ڈیلی الاؤنس کی مد میں نہیں دیا گیا۔' حکومت نے 6 سے 8 ماہ پہلے نوٹس لیا ہوتا تو آج نتائج مختلف ہوتے، وزیراعظم کو چاہیے کہ تمام اولمپینز کو بٹھا کر حل نکالیں سال سے بہت تماشا ہو رہا ہے اب اس کا حل نکالنا ہے۔ شہناز شیخ کا مزید کہنا تھا کہ 6 اولمپک کوالیفائنگ راؤنڈ کے لیے ٹیم کو تیاری کے لیے جو سہولتیں چاہیے تھیں وہ نہیں ملیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ انھوں نے فیڈریشن سے کہا تھا کہ ٹیم کو کوالیفائنگ راؤنڈ سے تین ہفتے پہلے بیلجیئم بھیجا جائے لیکن ٹیم ایونٹ شروع ہونے سے صرف چار دن پہلے وہاں پہنچی۔ شہناز شیخ نے بتایا کہ وہ قومی ہاکی کی بہتری کے خیال سے فیڈریشن میں شامل ہوئے تھے لیکن اصلاح الدین اور انھوں نے کبھی یہ دعوی نہیں کیا تھا کہ وہ چند ماہ میں ہی ٹیم کو بلندی پر لے جائیں گے۔

پاکستان کا قومی کھیل اس وقت جس بحران سے گزر رہا ہے اس کا چرچا بھارت میں بھی ہوا اور کچھ عرصہ پہلے بھارتی ہاکی نے پاکستانی ہاکی کو مالی مدد کی پیشکش کی تھی۔ اس بھارتی پیشکش کو تو مسترد کر دیا گیا تاہم پاکستان کے عوام کو سبکی کا سامنا کرنا پڑا۔
پاکستانی ٹیم جو ساڑھے چار دہائیوں تک کپ کی قائد ٹیم رہی ہے اسکا ورلڈ کپ کے لئے نااہل قرار دیا جانا ملک میں ہاکی کے تمام پرستاروں کے لئے ایک دھچکہ تھا۔ اور اب اولمپکس سے بھی پاکستانی

ہاکی ٹیم کے باہر ہونے پر ہاکی کے پرستاروں کا مؤقف ہے کہ پاکستان ہاکی فیڈریشن کی انتظامیہ نے ٹیم کو وہ سہولیات مہیا نہیں کیں جو اسے کوالیفائی کرنے میں مدد دیتیں ۔ وزیراعظم نے قومی کھیل کے فروغ کے لیے سفارشات بھی طلب کیں ہیں۔ وزیر اعظم صاحب سب سے پہلے تو ہاکی ٹیم کو معاشی بحران سے نکال دیں، پاکستان ہاکی فیڈریشن کے فنڈز جلد از جلد جاری کیے جایں لیکن ان سب سے پہلے پاکستان ہاکی فیڈریشن کو کرپٹ لوگوں سے نجات دلایں اور فیڈریشن کو ایسے لوگوں کے حوالے کیا جائے جو واقعی ہاکی ترقی چاہتے ہوں نہ کہ اپنی جیب بھرنا چاہتے ہوں۔ ہاکی ٹیم کے ہر کھلاڑی کو معاشی مسائل سے آزاد رکھنے کے لیے اُنکی ملازمت کا بندوبست کیا جائے۔ نواز شریف صاحب جو بچے بھوکے رہنے کے باوجود لڑتے رہے ہیں اگر آپ اُنکو وہ تمام مراعات دینگے جو اُنکا حق ہے اور ماضی کے کھلاڑیوں کو ملتی رہیں ہیں جواب میں یہ آپکو پھر سے کپ لا کر دینگے، "پاکستان ہاکی اولمپک سے باہر" اس داغ کو مٹا کر پاکستان کا نام روشن کرینگے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو جو حشر اسکوش کا ہوا ہے وہی ہاکی کا ہوگا۔ بال اب آپکے کورٹ میں ہے۔

کیا سندھ سے رینجرز کو روانہ کر دیا جائے؟

رینجرز کو حکومت سندھ کی جانب سے گزشتہ برس پاکستان پروٹیکشن آرڈیننس کے تحت چھاپہ مارنے اور تحقیقات کے لیے ملزمان کو حراست میں رکھنے کے اختیارات دیے گئے تھے جس کی مدت اٹھارہ جولائی کو ختم ہو رہی تھی۔ حکومت سندھ اور وفاق کے درمیان رینجرز کے آئندہ کے کردار اور سندھ میں قیام کی مدت کے حوالے سے حتمی فیصلہ تو بعد میں کیا جائے گا اسوقت تو پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری کی ہدایت پر حکومت سندھ نے رینجرز کے قیام میں اور کراچی کی حدتک خصوصی اختیار میں ایک ماہ کی توسیع کر دی ہے۔ سندھ سے اور خاصکر کراچی سے رینجرز کو روانہ کر دیا جائے۔ یہ وہ خواہش ہے جو سندھ کی دو بڑی سیاسی جماعتیں سندھ کی حکمراں پاکستان پیپلز پارٹی اور 85 فیصد کراچی کی نمایندگی کی دعویدار متحدہ قومی موومینٹ مطالبات اور آئین کی آڑ میں کر رہی ہیں، ان میں سے ایک جماعت پیپلز پارٹی نے 1989ء میں بینظیر بھٹو کی پہلی حکومت کے دور میں پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کی طلبہ تنظیموں کے درمیان کراچی یونیورسٹی میں خونریز تصادم کے بعد مہران فورس نامی بارڈر سیکورٹی فورس کو کراچی بلایا تھا۔ بعد میں شہر میں امن وامان کی بگڑتی صورت حال کے باعث مہران فورس کی خدمات کا دائرہ یونیورسٹی سے پورے شہر تک بڑھا دیا گیا۔ 1995ء میں مہران فورس کو سندھ رینجرز کے نام سے

منظم کیا گیا، اسکے ایک سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل رضوان اختر اب ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی ہیں۔ 1989ء میں صرف کراچی یونیورسٹی میں امن قائم کرنے کے لیے آنے والی مہران فورس جو اب سندھ رینجرز کے نام سے آج 2015ء میں بھی سندھ میں موجود ہے، سندھ اور خاصکر کراچی میں امن قائم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ لیکن اس طویل عرصے میں سندھ اور خاصکر کراچی جو پاکستان کا معاشی حب ہے ایک مکمل جرائم پیشہ شہر بن چکا ہے اب اُسکو کو دنیا کے خطرناک ترین شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ کراچی جو کبھی امن کا گہوارہ تھا آج لاقانونیت اور لاشوں کا شہر بن چکا ہے، کراچی میں دو چیزیں ملک کے باقی حصوں سے زیادہ سستی ہیں پہلی روٹی اور دوسری موت۔ معروف انگریزی جریدے اکانومسٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق کراچی 2015ء میں دنیا کا سستا ترین شہر ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ کی کراچی کے حوالے سے 2014ء کی رپورٹ نے دو کروڑ کی آبادی والے شہر قائد اور پاکستان کی معاشی سرگرمیوں کے سب سے بڑے مرکز کراچی میں امن و امان کے کئی پہلو آشکارا کردیئے ہیں، کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب اہل کراچی سکون کی نیند سوئے ہوں یا ان پر خوف کی کیفیت طاری نہ رہے۔ وفاقی حکومت نے چار ستمبر 2013ء کو کراچی میں رینجرز کی سربراہی میں ٹارگٹڈ آپریشن کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کراچی میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا

تھا کہ 'وفاقی سول اور ملٹری انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پاس سینکڑوں شر پسند عناصر کے نام ہیں جن کے خلاف رینجرز کی سربراہی میں ٹارگٹڈ آپریشن ہو گا۔' وزیراعلیٰ سندھ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گی جو اس آپریشن کی نگرانی کرتی ہے۔ کراچی کا مسئلہ پہلے سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ آج قانون شکنوں کے گروہ ایک نہیں درجنوں ہیں، جن میں سیاسی پارٹیوں کے عسکری ونگز، فرقہ پرست دہشتگرد تنظیمیں، طالبان، القاعدہ اور دیگر مافیاز شامل ہیں۔ غیر ملکی مداخلت اور مدد کہیں زیادہ ہے۔

گیارہ مارچ کی صبح ایم کیو ایم کے مرکز پر رینجرز نے چھاپا مارا اور کافی لوگوں کو گرفتار کیا، گرفتار ہونے والوں میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کو عدالت سے سزائے موت کی سزا مل چکی ہے۔ ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن شروع ہوا جس میں اُس کے کارکن پھانسی پانے والے فیصل موٹا اور عمیر صدیقی کے علاوہ اور بھی مجرم پکڑے گے۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ اُنکی جماعت مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ جمرات 30 اپریل کی شب ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر الطاف حسین نے ریڈ لاین کو عبور کرتے اپنی تقریر میں حکومت، آئی ایس آئی، فوج اور بیوروکریٹس کو سخت ترین کا نشانہ بنایا اور پاکستانی فوج کو مخاطب ہو کر کہا کہ وہ اپنے اندر موجود مجرموں کو کیوں نہیں پکڑتی۔ اُن کا کہنا تھا کہ فوج کے بہت سے

سابقہ افسر مجرمانہ کارروائیوں میں ملوث پائے گئے ہیں۔ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل عاصم باجوہ نے پاکستانی فوج اور اسکی قیادت کے خلاف ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی تقریر کو بیہودہ اور ناقابلِ برداشت قرار دیتے ہوئے قانونی چارہ جوئی کرنے کا اعلان کیا۔

گیارہ جون کو اپیکس کمیٹی میں ڈی جی رینجرز نے ایک رپورٹ پیش کی جس کے مطابق سالانہ 230 بلین روپے دہشتگردی میں استعمال ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ اس رپورٹ میں نام لیے بغیر واضح طور پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ڈی جی رینجرز کی بریفنگ کے جواب میں آصف زرداری نے اپنے جیالوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے بغیر نام لیے فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اُنکو دیوار سے لگانے اور اُن کی کردار کشی کرنے کی روش ترک کردیں ورنہ وہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک جرنیلوں کے بارے میں وہ کچھ بتائیں گے کہ وہ (فوجی جرنیل) وضاحتیں دیتے پھریں گے۔ آصف زرداری کے بیان پر رد عمل دیتے ہوئے وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کہا کہ اُنھوں نے اپنی جماعت کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو چھپانے کے لیے اہم قومی ادارے کو نشانہ بنایا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے زرداری کی فوج پر تنقید کرنے کو ایک منفی اقدام قرار دیا ہے تو دوسری طرف انھوں نے آصف زرداری سے طے شدہ ملاقات کرنے سے معذرت کر لی۔ بعد میں آصف زرداری اور

اُنکے پارٹی ممبران نے فوج کے خلاف دیئے ہوئے بیان کی وضاحت کی کہ وہ بیان فوج کے خلاف نہیں تھا، جسے تسلیم نہیں کیا گیا۔ ملک کی کسی بھی سیاسی جماعت کی طرف سے سیاسی حمایت نہیں ملی تو آصف زرداری اور اُنکی بہن کے علاوہ پیپلز پارٹی کے کافی رہنما ملک سے باہر چلے گئے۔

وفاقی حکومت نے جب چار ستمبر 2013ء کو کراچی میں رینجرز کی سربراہی میں ٹارگٹڈ آپریشن کرنے کا فیصلہ کیا تو ہمارے سیاستدانوں نے شاید اس مرتبہ حالات کا صیح اندازہ نہیں لگایا، وہ یہ ہی سمجھ رہے تھے کہ ہمارے سارئے کاروبار چلتے رہینگے لیکن اس مرتبہ حالات بدلے ہوئے ہیں۔ رینجرز نے سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے دفتر پر چھاپہ مارکر ریکارڈ تحویل میں لیا اور پھر فش ہاربر کے عہدیداروں کے گھروں پر چھاپے مار کر گرفتاریاں کیں تو سندھ میں حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کو تشویش ہوئی، رینجرز کاروائیوں سے براہ راست متاثرہ ایم کیو ایم نے صورت حال کو غنیمت جانا اور پیپلز پارٹی کی آواز میں آواز ملائی۔ رینجرز نے ایم کیو ایم میں موجود مبینہ جرائم پیشہ عناصر کے خلاف تو کاروائیاں جاری رکھیں تاہم پیپلز پارٹی کے احتجاج کے بعد رینجرز نے مزید کسی سرکاری دفتر یا سرکاری عہدیدار کی گرفتاری کے لیے چھاپہ نہیں مارا۔ آجکل متحدہ قومی موومنٹ اور سندھ رینجرز ایک دوسرے پر براہ راست سنگین الزامات لگارہے ہیں۔ سندھ رینجرز کے ترجمان نے دعویٰ کیا ہے کہ ایم

کیو ایم کی قیادت عسکری ونگ چلاتی ہے جبکہ متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے کہا ہے کہ رینجرز نے صوبہ سندھ کو مقبوضہ سندھ بنادیا ہے۔ رینجرز کے ترجمان کے مطابق 'ایم کیو ایم کی تنظیمی کمیٹی عسکری ونگ کو منظم کرتی ہے اس لیے اس کے سیکٹر اور یونٹ انچارج گرفتار کیے جا رہے ہیں۔

سندھ حکومت کے اندرونی ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ اختیارات میں توسیع مشروط ہے اور ان شرائط کو رینجرز نے تسلیم کیا ہے۔ سرکاری محکموں میں چھاپوں سے قبل وزیر اعلیٰ کو مطلع کیا جائے گا اور رینجرز جرائم پیشہ عناصر کی سرپرستی کرنے والے سرکاری عہدیداروں سے متعلق معلومات کا تبادلہ بھی کریں گے۔ رینجرز کی کارروائیوں سے کراچی میں ٹارگیٹ کلنگ، بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان میں نمایاں کمی ہوئی ہے۔

پی پی پی اور ایم کیو ایم کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جمہوریت اور قوم پرستی کی دہائی دے دے کر مجرمانہ سرگرمیوں اور کرپشن کی سرپرستی کا دور چلا گیا۔ رینجرز آپریشن کے بعد کراچی میں امن وامان کی صورتحال قدرے بہتر ہوئی ہے، گو کالعدم دہشتگرد مذہبی گروہ ابھی بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ عوام امن وامان، انصاف اور کرپشن سے پاک معاشرہ چاہتے ہیں۔ یہ نمائندہ سیاسی جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ معاشرے کو کرپشن اور جرائم سے پاک کرکے دکھائیں۔

رینجرز جو اس ٹارگٹڈ آپریشن میں اہم کردار ادا کررہی ہے اُس کو سندھ سے روانہ کرنے کے منصوبے نہ بنائے جایں۔ کراچی پولیس کی استعداد اور پیشہ وارانہ صلاحیت بڑھنے کے بجائے کم ہوئی ہے۔ صوبے کی قیادت انتہائی نااہل ہاتھوں میں ہے لہٰذا گورننس بے حد ناقص اور غیر معیاری ہے، سندھ پولیس کے محکمے میں سیاسی، نااہل کرپٹ افسران اور اہلکاروں کی بہتات ہے۔پولیس کو اتنے بڑے چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے جس جذبے کی ضرورت ہے وہ پولیس کی اپنی کمانڈ پیدا کرتی ہے اور وسائل حکومت فراہم کرتی ہے۔ اس وقت دونوں یہ ذمے داری نبھانے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ مطالبہ یہ نہیں کیا جارہا ہے کہ کرپشن والوں کو پکڑو، بلکہ مطالبہ یہ کیا جارہا ہے کرپشن والوں کو نہ پکڑو صرف دہشگردوں کو پکڑو۔ جو دہشت گردوں کو سپورٹ کرنے والے معززین ہیں ان کو کچھ مت کہو تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "کیا سندھ سے رینجرز کو روانہ کردیا جائے؟۔

عمران خان سیاست کی غلط لفٹ میں

پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان لاہور کے ایک مقامی ہوٹل کی لفٹ میں پھنس گئے۔ عمران خان ہوٹل میں ہونیوالی تقریب میں شرکت کے لیے آئے تھے اور لفٹ کے ذریعے متعلقہ فلور پر جارہے تھے کہ لفٹ راستے میں ہی رک گئی اور چیئرمین پی ٹی آئی اپنے ساتھیوں سمیت لفٹ میں ہی رہ گئے۔پانچ منٹ کے انتظار کے بعد لفٹ کادروازہ کھلااور وہ سیڑھیوں کے ذریعے تقریب میں پہنچ گئے۔ ذرائع کے مطابق لفٹ میں پانچ افراد کی گنجائش تھی لیکن آٹھ افراددا خل ہوگئے ۔اب اگرآپ اس واقعے کو سامنے رکھیں اور عمران خان کی گذشتہ 19 سال کی سیاست کا جائزہ لیں توآپکو ایسا ہی لگے گا کہ خان صاحب اپنی 19 سال کی سیاست میں غلط لفٹوں میں سوار ہوتے رہے ہیں، وہ کبھی لغاری کے ساتھ تھے تو کبھی مشرف کے ساتھ ۔ عمران خان نے 25 اپریل، 1996ء کو تحریک انصاف قائم کرکے سیاسی میدان میں قدم رکھا۔ ابتدائی طور پر تو کوئی کامیابی نہ ملی لیکن وزیراعظم بننے کی تمنا ضرورت سے زیادہ تھی، 2002ء کے الیکشن میں تحریک انصاف کو صرف ایک نشست پر میانوالی سے کامیابی ملی اور یہ نشست عمران خان نے جیتی تھی۔ 2008ء کے الیکشن کا بایئکاٹ کیا جو بعد میں ایک غلط فیصلہ ثابت ہوا۔

عمران خان کی تحریک انصاف نے گیارہ مئی 2013ء کے الیکشن میں حصہ لیا، سونامی اور انقلاب کے نعرے لگائے تو نوجوان ساتھ ہوئے لیکن زیادہ تر کی حمایت سوشل میڈیا پر تھی اور ہے، لہٰذا وزیراعظم بننے کی تمنا اب بھی پوری نہ ہو سکی۔ الیکشن میں ان کی جماعت کو توقع سے کم کامیابی ملی لیکن کے پی کے میں تحریک انصاف کو حکومت سازی کا موقع مل گیا۔ دو سال سے کے پی کے میں حکومت کر رہے ہیں مگر بڑے بڑے دعوے کرنے کے باوجود کوئی انقلابی تبدیلی نہ لا سکے۔ گیارہ مئی 2014ء سے حکومت کے خلاف انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگا کر جلسے شروع کیے اور اور ہر جلسے میں الیکشن میں دھاندلی کا مختلف لوگوں پر الزام لگاتے رہے۔ عمران خان نے گذشتہ سال رمضان سے پہلے اپنے آخری جلسہ 27 جون 2014ء کو بہاولپور میں کیا اور الیکشن کے نتائج کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور حکومت سے تحریک انصاف نے چھ مطالبات کئے، جو مندرجہ ذیل تھے:۔

پہلا مطالبہ : وزیراعظم نواز شریف استعفی دیں

دوسرا مطالبہ : دوبارہ انتخابات کرائے جائیں

تیسرا مطالبہ : انتخابی اصلاحات کی جائیں

چوتھا مطالبہ : غیر جانبدار حکومت قائم کی جائے

پانچواں مطالبہ : تمام الیکشن کمشنرز استعفی دیں

چھٹا مطالبہ : دھاندلی کے ذمہ داروں کو سزائیں دی جائیں

تحریک انصاف نے ان مطالبات کو تسلیم کرنے کے لیے حکومت کو ایک ماہ کا وقت دیا اور ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ یا تو ہمارے مطالبات پورے کئے جائیں بصورت دیگر 14 اگست کو اسلام آباد کی جانب سونامی مارچ ہو گا۔ اگست 2014ء میں عمران خان احتجاجی دھرنے کی غلط لفٹ میں اپنے مطالبات کے ساتھ جنکا منوانا ناممکن تھا اور انتخابات میں دھاندلی کے الزامات کے ساتھ سوار ہوئے اور 126 دن کے دھرنے میں پاکستان تحریک انصاف نے تبدیلی انقلاب کا نعرہ لگاتے ہوئے اسلام آباد میں روز مظاہرے کیے، عمران خان نے پر تشدد تقاریر کا ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جس میں تہذیب کا دور دور پتہ نہیں تھا، اپنے رہنما کی حرکتوں کو دیکھتے ہوئے پی ٹی آئی کے ورکروں نے اپنے قائد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے میڈیا ورکروں کے ساتھ بد تمیزی شروع کردی جس میں خاصکر جیو نیوز کو سب سے زیادہ نشانہ بنایا گیا، پی ٹی آئی کے کارکنوں نے کراچی ، لاہور اور ملتان میں خاتون صحافیوں کے ساتھ بد تمیزی کی، خاتون صحافیوں کو ہراساں کرنے کے ایڈونچر میں پی ٹی آئی کی خواتین کارکن بھی اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھنے میں کسی طور کم نہ رہیں۔ اخلاقیات کس چڑیا کا نام ہے؟ خواتین کا احترام کیا ہوتا ہے؟ تمیز کس بلا کو کہتے ہیں؟ تحریک انصاف کے کارکنوں کی بلا جانے۔

سولہ دسمبر 2014ء پاکستان اور انسانیت کی تاریخ کا وہ سیاہ دن ہے جس کا

سوچکر ہر ماں اور باپ غمزدہ ہو جاتے ہیں۔ پھولوں کے شہر کا تشخص رکھنے والے شہر پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں طالبان دہشتگردوں نے پاکستان میں ابتک ہونے والی سب سے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیااور 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا۔ 132 طلباء کی شہادت یقیناً ایک قومی المیے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس واقعہ نے پورئے ملک کو ہلاکر رکھ دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد صوبہ خیبر پختونخوا میں

برسراقتدار پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان جو چار ماہ سے اسلام آباد کے ڈی چوک میں دھرنا دیئے بیٹھے تھے اور جس میں عام لوگوں کی شرکت روز بروز کم ہورہی تھی پشاور سانحہ سے پورا فائدہ اٹھایا اور بنی گالہ سے پشاور پہنچ گئے، یہ بات نوٹ کی گئی کہ موصوف کو اپنے گھر سے نکلنے میں پانچ گھنٹے لگ گئے۔ پشاور روانگی سے قبل عمران خان نے نواز حکومت کے ساتھ ہونے والے مذاکرات ختم کرنے کا اعلان کیااور اُسکے ساتھ ہی 18 دسمبر کو ہونے والے ملک گیر احتجاج کو بھی منسوخ کردیا۔ سترہ دسمبر کی شام عمران خان نے واپس اسلام آباد پہنچ کر دھرنے کو ختم کرنے کا اعلان کیا، اُنکے کارکنوں نے دھرنا ختم کرنے پراحتجاج بھی کیا، لیکن عمران خان بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ دھرنا ختم کرنے میں ہی اُنکا سیاسی فائدہ ہے۔

پشاور کے اتنے بڑے سانحے کے باوجود پی ٹی آئی کی توجہ اپنے الزامات پر ہی رہی کہ الیکشن میں دھاندلی ہوئی تھی، 35 پنکچر کی وجہ سے ہم الیکشن ہار گئے

وغیرہ وغیرہ۔ پی ٹی آئی نے اپنی توجہ دوبارہ وفاقی حکومت کے گرد گھیرا تنگ کرنے پر لگا دی۔ صدارتی آرڈیننس کے نتیجے میں بننے والے جوڈیشل کمیشن نے یکم اپریل کو انکوائری کمشن تشکیل دیا، کمیشن نے 39 اجلاسوں میں 69 گواہوں کے بیان ریکارڈ کرتے ہوئے 87 سماعتیں کیں جبکہ فریقین وکلاء نے گواہان پر جرح بھی کی اور دلائل بھی دیئے تھے۔ کمشن کی پہلی سماعت 9اپریل جبکہ آخری سماعت 3جولائی 2015ء کو ہوئی۔ چیف جسٹس ناصر الملک کی سربراہی میں جسٹس امیرہانی مسلم اور جسٹس اعجاز افضل خان پر مشتمل تین رکنی کمیشن نے کی تھی۔ پاکستان تحریک انصاف کی جانب سے لگائے گئے تین الزامات کہ "عام انتخابات میں منظم دھاندلی کی گئی ہے"، "انتخابات شفاف نہیں ہوئے" اور "عوامی مینڈیٹ کو چوری کیا گیا ہے"، انکوائری کمیشن نے ان تمام الزمات کو یکسر مسترد کر دیا اور کہا کہ انتخابات قانون کے عین مطابق ہوئے، دھاندلی کا کوئی ثبوت نہیں ملا، مجموعی طور پر ان انتخابات میں عوام کا مجموعی مینڈیٹ ہی عوام کا صحیح اظہار رائے ہے۔ تحریک انصاف کی جانب سے جوڈیشل کمیشن کے سامنے 78 حلقوں میں دھاندلی سے متعلق 125000 صفحات پیش کیے گئے، مگر عمران خان کی جانب سے بہت سے الزامات ایسے تھے جن کے ثبوت جوڈیشل کمیشن میں پیش نہیں کئے گئے۔ 35 پنکچر والی بات کو صرف ایک سیاسی بیان کہا گیا۔ عمران خان کو بطور گواہ پیش کرنے سے اُن کے وکیل عبدالحفیظ پیرزادہ نے انکار کر دیا۔

جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ سامنے آنے کے بعد حکومت کے حامی حلقوں میں جشن کی سی کیفیت ہے جبکہ عمران خان اور تحریک انصاف کے حامی کسی قدر سکتے کی کیفیت میں دکھائی دیتے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے پاکستان کے عدالتی نظام سے انصاف حاصل کرنے کے لیے لمبی عمر اور صابر ہونا بہت ضروری ہے، جبکہ ساتھ ساتھ دولت کی ریل پیل بھی ضروری ہے۔ یاد رہے کہ 90 کی دہائی کے اوائل میں بھی جب صدر غلام اسحٰق خان نے میاں نواز شریف کی حکومت برطرف کی تھی تو سپریم کورٹ نے ان کی حکومت کو بحال کر دیا تھا جبکہ اس سے اڑھائی برس قبل عین انہی الزامات اور انہی آئینی اختیارات کے تحت ہٹائی گئی بے نظیر بھٹو کی حکومت کو بحال نہیں کیا گیا تھا۔ اس پر مرحومہ نے "چمک" کی پھبتی کسی جو آج بھی لوگوں کو یاد ہے۔ بہرحال یہ تو طے ہے کہ پاکستان کی عدلیہ ایک بار پھر سامنے نظر آنے والی کرپشن یا دھاندلی کو گرفت میں لانے میں ناکام رہی ہے۔ یہ ثبوت ہے ہمارے ناقص عدالتی اور قانونی نظام کا جس میں آپ کو صرف دلائل ہی نہیں، شواہد بھی خود مہیا کرنا پڑتے ہیں۔ اگر آپ مطلوبہ شواہد موجودہ قانون کے قواعد کے مطابق فراہم نہیں کر سکتے تو آپ کے ساتھ وہی کچھ ہوگا جو تحریک انصاف کے ساتھ ہوا ہے۔

ایک بات تو طے ہے کہ عمران خان کو ہتکِ عزت کے کیسز تو بھگتنا پڑیں گے۔ اگر

عمران خان کے پاس الزامات کے ثبوت نہیں تھے تو عمران خان کو چیخ چیخ کر الزامات لگانے کا کس نے مشورہ دیا تھا؟ کیا سیاست اس طرح کی جاتی ہے کہ ایک سنی سنائی بات کو عام کر دینا، اس پر لوگوں کی تذلیل کرنا، دھرنے سے لے کر پی ٹی آئی کی قیادت اور سوشل میڈیا ٹیم نے نجم سیٹھی پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی، جس حامد میر کے ساتھ جیو پر روزانہ بیٹھ کر اپنی بات کیا کرتے تھے، اُس جیو پر اچانک الزامات کی بارش کر دی اور فوج کے ہمدرد بن بیٹھے۔ افواج پاکستان کے طالبان دہشت گردوں کے خلاف آپریشن شروع ہونے کے بعد اُسکی بھی حمایت کر دی اور یوٹرن لینے کا ایک ریکارڈ قائم کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عمران خان کو اس دور سے اپنی بات منوانے کی عادت ہے جب وہ کرکٹ کے میدان میں ہوا کرتے تھے، ان کی یہ عادت سیاست کے میدان میں آنے سے بھی ختم نہیں ہوئی جبکہ سیاست میں ایسا ناممکن ہے یہ ہی وجہ ہے کہ اُن کی پارٹی میں عین اسوقت بغاوت ہو رہی تھی جب پارٹی کو بہت مستحکم ہونے کی ضرورت تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اہم سیاسی، سماجی اور اقتصادی امور میں عمران خان کے نظریات اور موقف میں غیر مستقل مزاجی نمایاں رہی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آج انکی پارٹی گروپوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ 126 دن کے دھرنے میں عمران خان جو کچھ اپنے مخالفین کے بارئے کہتے رہے اور کرتے رہے آج اُنکے مخالفین کسی صورت اُنکو معاف کرنے کو تیار نہیں، بہتر ہوگا عمران خان اپنی سیاسی پالیسیوں پر نظرثانی کریں اور سیاست کی غلط لفٹ میں چڑھنے سے بچیں۔

الطاف حسین ایک بیمار انسان

جیسے جیسے ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کے خلاف عمران فاروق قتل کیس اور منی لانڈرنگ کیس میں گھیرا تنگ ہو رہا ہے ویسے ویسے الطاف حسین بوکھلاٹ کا شکار ہو رہے ہیں۔ 1992ء میں انھوں نے برطانیہ کو اپنا نیا وطن چنا اور لندن جا کر رہنے لگے، 2002ء میں برطانیہ کی شہریت حاصل کرنے کے بعد الطاف حسین اب ایک برطانوی شہری ہیں۔۔برطانوی حکام نے ایم کیو ایم کیخلاف 2010ء میں اس وقت تحقیقات شروع کیں جب ایم کیو ایم کے ایک سینئر رہنماء ڈاکٹر عمران فاروق کو 16 ستمبر 2010ء کو شمالی لندن میں اُنکی رہائش گاہ کے قریب چاقو سے وار کرکے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کیس کی تحقیقات کے دوران پولیس کو لندن میں متحدہ کے دفتر اور اُسکے قائد الطاف حسین کے گھر سے پانچ لاکھ پاؤنڈ کی رقم ملی جس کے بعد منی لانڈرنگ کی تحقیقات شروع کی گئی۔

فروری 2015ء میں سانحہ بلدیہ ٹاؤن کی جے آئی ٹی رپورٹ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ بلدیہ ٹاؤن فیکٹری میں 257 افراد کی ہلاکت کا واقعہ حادثہ نہیں بلکہ قتل تھا۔ رینجرز کی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ فیکٹری میں آگ بھتہ کے معاملے پر باقاعدہ منصوبہ بندی سے لگائی گئی جس میں ایک سیاسی جماعت

ایم کیو ایم) ملوث ہے۔ اس سال اپریل کے آخر میں ایس ایس پی راؤ انوار نے باقاعدہ پریس کانفرنس کرکے متحدہ کے گرفتار کارکنوں کے بیانات کی بنیاد پر بھارت سے رابطوں کے الزامات لگائے۔ جولائی 2015ء میں بی بی سی نے اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں الزام عائد کیا ہے کہ پاکستان کی ایک بڑی سیاسی جماعت ایم کیو ایم متحدہ کو بھارتی حکومت سے مالی مدد ملتی رہی ہے۔ اس سلسلہ میں رپورٹ میں مقتدر پاکستانی ذرائع کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ متحدہ کے دو سینئر رہنماؤں نے برطانوی حکام کے روبرو بھارت سے مالی معاونت حاصل ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ جبکہ متحدہ نے اس الزام کو رد کر دیا۔
گیارہ مارچ کی صبح ایم کیو ایم کے مرکز پر رینجرز نے چھاپا مارا اور کافی لوگوں کو گرفتار کیا، گرفتار ہونے والوں میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کو عدالت سے سزائے موت کی سزا مل چکی تھی۔ ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن شروع ہوا جس میں اُس کے کارکن پھانسی پانے والے فیصل موٹا اور عمیر صدیقی کے علاوہ اور بھی مجرم پکڑے گے۔
الطاف حسین کے خلاف ایک مقدمہ سول لائنز تھانے میں رینجرز ترجمان کرنل طاہر محمود کی مدعیت میں درج کیا گیا، اسلیے کہ الطاف حسین نے نجی چینل جیو ٹی وی کے ایک پروگرام میں نائن زیرو آپریشن میں شریک رینجرز اہلکاروں کے حوالے سے بظاہر کہا تھا کہ "رینجرز اہلکار ہیں نہیں تھے، وہ تھے ہو جائیں گے"۔ جمرات 30 اپریل کی شب ایم کیو ایم کے مرکز ناین زیرو

پر الطاف حسین نے ریڈ لاین کو عبور کرتے اپنی تقریر میں حکومت، آئی ایس آئی، فوج اور بیوروکریٹس کو سخت ترین تنقید کا نشانہ بنایا اور پاکستانی فوج کو مخاطب ہو کر کہا کہ وہ اپنے اندر موجود مجرموں کو کیوں نہیں پکڑتی۔ اُن کا کہنا تھا کہ فوج کے بہت سے سابقہ افسر مجرمانہ کارروائیوں میں ملوث پائے گئے ہیں۔ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل عاصم باجوہ نے پاکستانی فوج اور اسکی قیادت کے خلاف ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی تقریر کو بیہودہ اور ناقابلِ برداشت قرار دیتے ہوئے قانونی چارہ جوئی کرنے کا اعلان کیا۔

بارہ جولائی کو نائین زیرو پر تقریر کرتے ہوئے الطاف حسین نے کارکنان کے ہنگامی اجلاس سے ٹیلی فون پر خطاب کرتے ہوئے دوسری باتوں کے علاوہ کہا کہ "اس وقت ڈی جی رینجرز وائسرائے کا کردار ادا کر رہے ہیں اور وزیراعظم نواز شریف کے ذاتی ملازم بن کر اپنے بنیادی فرائض کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ الطاف حسین نے کہا کہ فوج اور پیراملٹری فورسز، پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت، ملک وقوم سے وفاداری اور انسانوں کی جان ومال کے تحفظ کا حلف لیتی ہیں لیکن پیراملٹری رینجرز کی جانب سے بے گناہ شہریوں کو گرفتار کرکے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنانا اور انہیں قتل کرکے مسخ شدہ لاشیں سڑکوں پر پھینکنے کا عمل اپنے حلف کو توڑ مروڑ کر سڑک پر پھینکنے کے مترادف ہے۔ ڈی جی رینجرز بلال اکبر بار بار اپنے حلف کی خلاف ورزی کر چکے ہیں اور اب

وہ محض دکھاوے کے میجر جنرل ہیں" ۔ اس تقریر کے بعد الطاف حسین کے خلاف ملک کے مختلف شہروں میں مقدمات درج کیے گئے، مقدمات کی تعداد 150 سے زیادہ ہو گئی ہے۔

یکم اگست کو امریکا کے شہر ڈیلاس میں ایم کیوایم امریکا کے سالانہ کنونشن کے موقع پر ٹیلی فونک خطاب میں الطاف حسین یا تو ہوش میں نہیں تھے یا پھر وہ اپنے خلاف برطانوی حکومت کی کاروائی سے خوفزدہ ہو کر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں ، لہذا ڈیلاس میں انہوں نے نہ صرف پاک فوج کے خلاف بلکہ تمام مسلم فوج کے خلاف بھی زہر اگلا، الطاف حسین نے کہا کہ "گذشتہ دو برسوں کے دوران ہزاروں بے گناہ کارکنوں کو گرفتار کیا گیا، سیکڑوں کو تشدد کا نشانہ بنا کر معذور اور درجنوں کو گرفتار کرنے کے بعد لاپتہ کردیا گیا، اگر بھارت میں ذرا بھی غیرت ہوتی تو پاکستان میں مہاجروں کا قتل نہ ہوتا، ایم کیو ایم کے کارکن اقوام متحدہ اور نیٹو کے ہیڈ کوارٹر پر جاکر انہیں مہاجروں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے آگاہ کریں اور ان سے کہیں کہ وہ کراچی میں اقوام متحدہ یا نیٹو کی فوج بھیجیں تاکہ وہ وہاں معلوم کریں کہ کس نے قتل عام کیا اور کون کون اس کا ذمہ دار تھا، الطاف حسین نے اپنی تقریر میں ایک بار پھر براہ راست قانون نافذ کرنے والے اداروں کو تنقید کا نشانہ بنایا ، اور کہا مسلح افواج کو سلام اور سیلوٹ پیش کرکے بڑی غلطی کی۔ گذشتہ دنوں فوجی

اسٹیبلشمنٹ کی ایماء پر میرے خلاف ملک بھر کے پولیس اسٹیشنوں میں راتوں رات ڈیڑھ سو سے زائد غداری کے مقدمات قائم کیے گئے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اکیلا الطاف حسین پانچ لاکھ فوج سے ڈرتا ہے یا پانچ لاکھ فوج الطاف حسین سے ڈرتی ہے۔

الطاف حسین نے کہاکہ پاکستان میں مسلح افواج کو مقدس سمجھا جاتا ہے لیکن میں مسلح افواج کو سلام اور سیلوٹ پیش کرکے بڑی غلطی کرچکا ہوں، اللہ مجھے اس پر معاف فرمائے کیونکہ دوسری جنگ عظیم میں سکھوں، ہندوؤں اور عیسائیوں نے کعبۃ اللہ پر گولیاں چلانے سے انکار کردیا تھا لیکن ان مسلمان فوجیوں نے انگریزوں کے حکم پر خانہ کعبہ پر گولیاں چلائیں۔ میں ایسی فوج کو مقدس نہیں سمجھتا جو خانہ کعبہ پر گولیاں چلاتی ہے ، جو اپنے ہم مذہب اور کلمہ گو بنگالی مسلمانوں کا قتل عام کرتی ہے، ایک لاکھ مسلم بنگالی خواتین کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بناکر حاملہ کردیتی ہے، جو جنرل یحییٰ خان کے زمانے میں مہاجر بیوروکریٹس کو ایک جھٹکے میں ملازمتوں سے برطرف کردیتی ہے، قائداعظم محمد علی جناح کو سلو پوائزن دیکر ماردیتی ہے، محترمہ فاطمہ جناح کو قتل کردیتی ہے، جنرل ایوب خان کے دور میں ایک ہزار مہاجر سول بیوروکریٹس کو ملازمتوں سے نکال دیتی ہے۔

اسی تقریر میں الطاف حسین نے سینئر مہاجر بزرگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حق پرستی کی 31 سالہ جدوجہد کے دوران ایم کیو ایم کے 25 ہزار سے زائد کارکنان وہمدرد فوج، رینجرز اور پولیس کے ہاتھوں قتل کیے جا چکے ہیں، مہاجروں کا سیاسی، تعلیمی اور معاشی قتل عام کرنے کیلئے 1973ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے فوج کے ساتھ مل کر صرف صوبہ سندھ میں کوٹہ سسٹم نافذ کیا جو آج تک نافذ ہے۔انہوں نے کہا کہ آج جس کا دل چاہتا ہے بانیان پاکستان کی اولادوں کو بھوکا ننگا قرار دے دیتا ہے اور انہیں مغلظات بکتا ہے اگر مہاجروں کو گالی دینے والے ایک دو افراد کی زبانوں کو لگام دی جاتی تو کسی میں ہمت نہیں ہوتی کہ وہ بانیان پاکستان کی اولادوں کے خلاف بکواس کرتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اے مہاجروں کے ہمدرد الطاف حسین آپنے گذشتہ 31 سال میں مہاجروں کو دیا کیا ہے؟ 25 ہزار انسانوں کی لاشیں، شہر قائد کراچی گذشتہ کئی عشروں سے بدامنی، لسانی، فرقہ پرستی اور نسلی فسادات کے علاوہ دہشتگردی، قتل و غارت، ٹارگٹ کلنگ، لوٹ مار اور بھتہ خوری کی زد میں ہے اور اس میں آپ کا بھی کافی حصہ ہے، بوری بند لاشوں کے تو آپ اور آپ کی جماعت چیمپین ہیں۔ وہ کونسا جرم ہے جس میں آپکی جماعت کے لوگ شامل نہیں، جس بھٹو کو آپ کوس رہے ہیں، اُسی کی جماعت پیپلز پارٹی کے ساتھ 1988ء کے بعد سے آپ ہر حکومت میں پارٹنر رہے ہیں، نواز شریف کے بھی حکومتی اتحادی رہے ہیں،

مگر آپ نے مہاجروں کے لیے کیا کیا؟ کچھ نہیں صرف پورے پاکستان میں مہاجروں اور خاصکر سندھ میں اردو بولنے والوں کو بدنام کیا، ایک زمانے میں کراچی کے لوگوں کی پہچان پڑھے لکھے لوگوں کی حیثیت سے ہوتی تھی مگر اب اُنہیں بھتہ خور اور قاتل سمجھا جاتا ہے، آپ جاگیر داروں اور وڈیروں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ عوام پر ظلم کرتے ہیں اور عوام اُن سے خوف زدہ رہتے ہیں، آپ بھی تو کراچی کے ڈان ہیں، کراچی کے عام لوگوں کو آپسے اور آپکی جماعت سے صرف نقصان پہنچا ہے۔

ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی میں تمام ممبر پڑھے لکھے ہیں ، کیا وہ الطاف حسین کے بیانات کی جو صفایاں دے رہے ہوتے ہیں اُس سے اُن کا ضمیر مجروع نہیں ہوتا، الطاف حسین

ایک بیمار انسان ہیں اور یہ بات انہوں نے خود شاہ زیب خانزادہ کے ایک پروگرام کہی کہ میں اپنے اوپر کنٹرول نہیں کرپاتا اور الٹا سیدھا بول دیتا ہوں مگر میں بعد میں معافی مانگ لیتا ہوں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ الطاف حسین نے 30 اپریل سے یکم اگست تک جو تقاریر کیں ہیں جس میں پاک افواج کے خلاف بہت کچھ کہا ہے اور بھارت ماتا کو بار بار یاد کیا، (کیا ایم کیو ایم کی حمایت کرنے والے مہاجر الطاف حسین کے ان خیالات کی حمایت کرتے ہیں؟ میں دعوی سے کہتا ہوں کہ یہ ایک بھی مہاجر کی آواز نہیں ہے)، کیا الطاف حسین پھر اپنی اشتعال انگیزی پر معافی مانگیں گے، کبھی

کبھی کچھ کہا ہوا نا قابل معافی ہوتا ہے۔یقینا وزیر داخلہ کے اس بیان سے ہر پاکستانی اور خاصکر مہاجر متفق ہونگے کہ "عمران فاروق قتل کیس اور منی لانڈرنگ کیس نے الطاف حسین کو اشتعال انگیزی پر اکسایا ہے وجوہات کچھ بھی سہی الطاف حسین کے الفاظ وطن دشمنی کی عکاسی کرتے ہیں کوئی محب وطن شخص کبھی وطن دشمنی پر نہیں اترتا چاہے اس کے خلاف کتنے ہی مقدمات کیوں نہ ہوں یا وہ کتنے ہی مظالم کا شکار کیوں نہ ہو"۔

الطاف حسین جو 23 سال قبل پاکستان سے چلے گے تھےاور13 سال سے برطانوی شہری ہیں اور اس بات کی بھی قطعی امید نہیں کہ وہ اب کبھی پاکستان آینگے لہذا انہیں چاہیے کہ وہ ایم کیو ایم کی قیادت کسی اور رہنما کے حوالے کردیں ، ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کو چاہیے کہ وہ اب فیصلہ کرئے ، الطاف حسین کوآرام کرنے کا موقعہ دئے اور ایم کیو ایم کے لیے ایک متعدل رہنما کا انتخاب کریں تاکہ خود اُنہیں اور کراچی کے لوگوں کو سکھ سے جینے کا موقعہ ملے۔

پی ٹی آئی "ڈی چوک" سے "ڈی سیٹ" تک

چودہ اگست 2014ء سے سولہ دسمبر 2014ء تک عمران خان احتجاج، جلسے اور دھرنے کی سیاست کرتے رہے۔ تحریک انصاف کے پانچ ارکان ایسے تھے جنہوں نے کھل کر پارٹی لیڈرشپ کے فیصلے سے اختلاف کیا اور قومی اسمبلی کے تمام اجلاسوں میں شرکت کرتے رہے۔ پانچ میں سے تین ارکان کو پارٹی سے نکال دیا گیا لیکن وہ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ 'عوام نے ہمیں اسمبلیوں میں جاکر عوامی مسائل حل کرنے کے لیے منتخب کیا ہے، دھرنوں کی سیاست کے لیے نہیں'۔ اسلام آباد کے 126 دن کے دھرنے میں ہر روز الزام تراشیاں کی جاتی تھیں، کبھی سول نافرمانی پر اکسایا گیا، دھرنے میں کارکنان نے پارلیمنٹ ہاؤس کا دروازہ توڑ دیا کچھ کارکنان نے پی ٹی وی پر حملہ کرڈالا، میڈیا کے ساتھ اور خاصکر خواتین ورکر کے ساتھ بھرپور بدتمیزی کا مظاہرہ کیا گیا۔ دھرنے کے دوران ہی تحریک انصاف کے اراکین نے قومی اسمبلی سے استعفٰی دے دیا، گیلی شلواریں، بزدل اور چور اس طرح کے نازیبا الفاظ سیاسی مخالفین کے لیے بولے گئے، یہ سیاہ باب جمہوری تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، عمران خان روز انقلاب کی تاریخیں دیتے رہے لیکن 126 روز گزر گئے انقلاب نہیں آیا، آتا بھی کیسے، انقلاب عوام لاتے ہیں امپائر نہیں۔"

دھرنے اور اس کے بعد انکوائری کمیشن کی کارروائی کے دوران عمران خان اور ان کی جماعت کے راہنماء مسلسل مسلم لیگ (ن) پی پی پی، جے یو آئی (ف)، ایم کیو ایم اور دیگر جماعتوں کو تنقید کا نشانہ بناتے رہے۔

پندرہ ستمبر 2014ء کو کنٹینر پر کھڑے ہو کر دھرنے کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان فرمارہے تھے، ''ایاز صادق سن لو! تم ہمارے استعفے منظور نہ کرکے آئین اور اپنے حلف دونوں کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ ہم استعفے دے چکے ہیں اور اس جعلی قومی اسمبلی کو مسترد کرچکے ہیں۔ تم کسی صورت اب ہمارے انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتے۔ ہمارا اس جعلی مینڈیٹ والی قومی اسمبلی سے اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ جعلی الیکشن کمیشن اور دو نمبر پارلیمنٹ کی کوئی حیثیت نہیں''۔ عمران خان جو ان اسمبلیوں کو جعلی مینڈیٹ والی اسمبلی کہکر مسترد کرچکے تھے حسب دستور یوٹرن لیکر اسمبلی میں واپسی کا اعلان کیا۔ پانچ اپریل 2015ء کو تحریک انصاف کی کور کمیٹی کے اجلاس کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے عمران خان فرمارہے تھے کہ "کل سے قومی اسمبلی کے اجلاسوں میں شرکت کریں گے، جوڈیشل کمیشن کا فیصلہ ہوگیا، اب دھاندلی کے خلاف کمیشن میں، سڑکوں پر اور اسمبلی میں بھی آواز بلند کریں گے''۔ استعفوں کے باوجود اسی اسمبلی میں آکر بیٹھ گئے جسے وہ عوام کی نمائندہ تصور نہیں کرتے تھے۔

ایک اور تماشہ یہ ہوا کہ اسپیکر ایاز صادق نے تحریک انصاف کے ارکان کو ان کی غیر حاضری کا معاوضہ بھی ادا کردیا، جب "غیر حاضر" ارکان نے لاکھوں روپے وصول کر لئے تو سیاسی حلقوں میں تحریک انصاف پر شدید تنقید شروع ہو گئی جس کے بعد عمران خان نے وصول کر دہ تمام تنخواہ واپس کرنے کا اعلان کر دیا لیکن تاحال تحریک انصاف کے کسی ایک رکن نے بھی اپنی تنخواہ واپس نہیں کی۔ اصول کی بات یہ ہے کہ پی ٹی آئی کے ممبران اسمبلی سے مستعفی ہو چکے تھے ، سارا میڈیا عمران خان کے اُن بیانات کو ہائی لائٹ کر رہا تھا جبکہ اے این پی کے ذاہد خان عمران خان سے سوال کر رہے تھے کہ 126 دن کنٹینر پر کھڑے ہو کر اس اسمبلی کو بوگس اور اس میں بیٹھنے والے ممبران کو بدعنوان کہنے والے عمران خان کا بدعنوانوں کی اس بوگس اسمبلی میں کیا کام؟ بقول ذاہد خان عمران خان اور اُنکے ساتھی اسمبلی کے ممبر نہیں رہے۔ استعفی دینے کے بعد اسپیکر صرف آپ کے دستخط کی تصدیق کرتا ہے وہ یہ نہیں پوچھتا کہ آپ استعفی دینا چاہتے ہیں یا نہیں۔

جوڈیشل کمیشن کے فیصلے کے بعد جس میں تحریک انصاف کے تمام الزامات کو رد کیا گیا، تحریک انصاف سیاسی طور پر بہت کمزور ہو گئی اور معذرت خواہانہ طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔ جبکہ متحدہ قومی مومنٹ اور جمعیت علماء اسلام (ف) جن کو پاکستان تحریک انصاف کے لگائے زخم ابھی تک مندمل نہیں

ہوئے نے پی ٹی آئی کے ارکان کی ایوان سے مسلسل چالیس روز بغیر اطلاع غیر حاضری آئینی مسئلہ کھڑا کر دیا اور پاکستان تحریک انصاف کو جوڈی چوک سے آئے تھے ڈی سیٹ کرنے کے لیے دو تحاریک پیش کر دیں، یہ تحاریک پی ٹی آئی کے 28 ارکان کو قومی اسمبلی سے رخصت کرنے کے لیے تھیں۔ ایم کیو ایم اور جمعیت علما اسلام (ف) نے ایوان سے مسلسل 40 روز بغیر اطلاع غیر حاضر رہنے پر پاکستان تحریک انصاف کے ارکان کے سروں پر "ڈی سیٹ" ہونے کی تلوار اٹکا دی۔ جوڈیشل کمیشن کے فیصلے کے بعد عمران خان نے قومی اسمبلی کو تسلیم کرنے کا اعلان تو کر دیا لیکن ابھی تک عمران خان قومی اسمبلی میں واپس نہیں آئے۔ جب وہ آخری باہر قومی اسمبلی کے اجلاس میں آئے تھے تو وزیر دفاع خواجہ آصف نے انہیں ''شرم وحیا'' کا ایسا درس دیا جس پر شاید وہ ابھی تک تلملا رہے ہیں۔ اسپیکر سردار ایاز صادق نے اس ایشو کو آئندہ ''پرائیویٹ ممبرز ڈے'' تک موخر کر دیا اور کہا کہ اس سلسلے میں جمعیت علماء اسلام اور ایم کیو کی قیادت سے بات چیت کر کے اس معاملہ کا حل تلاش کیا جائے گا۔ بعد میں یہ معاملہ 4 اگست تک ملتوی ہوا۔

وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے قومی اسمبلی کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر تحریک انصاف کے اراکین کی اسمبلی کی رکنیت منسوخ کرنے سے متعلق قومی اسمبلی میں قرارداد پیش کی گئی تو حکمران جماعت اس کی مخالفت میں ووٹ دے

گی۔ اسحاق ڈار کا کہنا تھا کہ حکمراں جماعت پاکستان تحریکِ انصاف کو ملنے والے مینڈیٹ کو تسلیم کرتی ہے اور وزیر اعظم چاہتے ہیں کہ حزب مخالف کی جماعت پارلیمان میں اپنا کردار ادا کرے۔ وزیرِ اعظم نواز شریف نے بھی متحدہ قومی موومنٹ اور جمیعت علمائے اسلام ف کے رہنماؤں پر زور دیا تھا کہ وہ پارلیمنٹ میں حزبِ اختلاف کی جماعت تحریکِ انصاف کے ارکان کی پارلیمانی رکنیت ختم کرنے کے بارے میں قراردادیں واپس لے لیں۔ لیکن حکومت اتنی ہمت نہیں کرپائی ان قرارداد کو قومی اسمبلی میں مسترد کرتی۔ وزیرِ اعظم نواز شریف نے مولانا فضل الرحمان سے اور اسپیکر ایاز صادق نے الطاف حسین سے بات کرکے اس مسلہ کو حل کیا، اسپیکر ایاز صادق کے الطاف حسین سے بات کرنے پر عمران خان غصہ ہورہے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ الطاف حسین کی مرضی کے بغیر ایم کیو ایم اپنی قرارداد کبھی بھی واپس نہ لیتی۔

تحریکِ انصاف کے اراکین نے قومی اسمبلی کے بائیکاٹ کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ جب تک اُن کو ڈی سیٹ کرنے کی تحریکوں پر فیصلہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ ایوان میں نہیں آئیں گے۔ ایم کیو ایم اور جمیعت علماء اسلام (ف) کی جانب سے 22 اپریل کو جمع کرائی گئی تھیں جو بغیر کسی شرط کے واپس لے لیں گیں ، پی ٹی آئی کے ارکان کا ڈی سیٹ ہونے کا معاملہ ختم ہوگیا ہے۔ اس اسمبلی کی اب تین سال کی معیاد باقی ہے، امید کی جانی چاہیے کہ پی ٹی آئی آیندہ

تین سال حکومت کو ایک بھرپور اپوزیشن کے روپ میں نظر آئے گی۔ موجودہ سیاسی صورتحال میں عمران خان اور تحریک انصاف کے لیے بھی بہت سے سبق ہیں، جو انہیں مستقبل کی سیاست کے حوالے سے مد نظر رکھنا ہوں گے۔ عمران خان کو چاہیے کہ جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ کو من و عن تسلیم کریں اور اپنے لب و لہجے میں تختی کم کریں۔

بیس معذور افراد دہشگرد نہیں تھے

امریکا کے صدر فرینکلن روز ویلٹ کی دونوں ٹانگیں پولیو کی وجہ سے معذور ہو گئیں تھیں مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور وہیل چیئر پر ہونے کے باوجود نیویارک کا گورنر اور پھر 1932ء میں امریکا کا 32واں صدر بننے میں کامیاب ہوگیا، اور یہ اس کی قابلیت ہی تھی کہ وہ مسلسل تین مرتبہ صدارت کے عہدے کے لیے منتخب ہوا۔ یہ بات قابل تعریف ہے کہ امریکی قوم نے ایک معذور آدمی کی صلاحیتوں سے بھرپور فاہدہ اٹھایا۔ امریکا کا ایک اپاہج شخص دُنیا کی طاقتور ترین نشست تک جا پہنچا لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک ایسا نہیں ہوتا۔ پیر دس اگست کو جسوقت سندھ اسمبلی مچھلی بازار کا منظر پیش کررہی تھی ، متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کے ارکان اپنے ایک کارکن کے قتل کے حوالے سے بات کرنے کی اجازت نہ ملنے پر زبردست احتجاج اور ہنگامہ کررہے تھے، ایم کیوایم کی جانب سے نعرے بازی بھی ہورہی تھی ، پی پی اور ایم کیوایم کے ارکان گتھم گتھا تھے اور شدید دھکم پیل ہورہی تھی، عین اُسی وقت سندھ اسمبلی سے باہر بیس معذور افراد نوکریوں کے لیے احتجاج کررہے تھے اور لاٹھی کے سہارے چلنے والے ان بیس معذوروں پر سندھ پولیس بڑی ہی بے دردی سے لاٹھی چارج کررہی تھی، وہ ان مظلوموں کو معذور سمجھ کر نہیں بلکہ دہشت

گرد سمجھ کر پیٹ رہی تھی۔

سرکاری ملازمتوں میں معذور افراد کے لیے ایک خاص کوٹہ مقرر کیا جاتا ہے، تاہم اس پر بھی اگر نوکریاں نہ دی جائیں تو معذور افراد کے پاس احتجاج کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہتا۔ سندھ اسمبلی کے باہر معذور افراد نے نوکریوں کے لیے احتجاج کیا، لیکن ہاتھوں والوں نے معذور افراد پر لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ معذور افراد نے احتجاج سرکاری ملازمتوں پر کوٹہ کے حساب سے نوکریوں پر تعینات نہ کرنے پر کیا۔ مظاہرین میں عورتیں بھی شامل تھیں، تاہم پولیس حکام نے کسی کو نہ دیکھا نہ سنا، اور لاٹھیوں کی بارش شروع کر دی، معذور خواتین کو سڑک پر گھسیٹا گیا۔ جس کے باعث ایک خاتون بے ہوش ہو گئی۔

سندھ اسمبلی کا مچھلی بازار بند ہونے کے بعد حکومت اور ایم کیو ایم دونوں کو اُن معذوروں کا خیال آیا جنھیں ہماری بہادر پولیس نے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ صوبائی وزیر داخلہ اور وزیر بلدیات نے واقعے کے بعد اسمبلی سے باہر آکر معذور افراد سے ملاقات کی۔ اُنھوں نے معذور افراد پر پولیس کے لاٹھی چارج کو افسوسناک قرار دیا اور کہا کہ معاملے کی تحقیقات کے لیے انکوائری کمیٹی تشکیل دے دی ہے، جو 3 روز میں اپنی رپورٹ دے گی۔ جبکہ

متحدہ قومی موومنٹ کی رابطہ کمیٹی نے پولیس تشدد کے باعث زخمی ہونے والے معذورین سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا اور ارباب اختیار و اقتدار سے مطالبہ کیا کہ معذور افراد اور خواتین پر تشدد میں ملوث پولیس اہلکاروں کے خلاف فی الفور کارروائی عمل میں لائی جائے، اس میں ملوث اعلیٰ حکام کو فی الفور برطرف کیا جائے۔

ہمارے حکمران عوام کے مفاد کے وقت اندھے بھی ہوتے ہیں اور بہرے بھی ۔ کوئی اس بات کی امید نہ رکھے کہ 10 اگست کو معذروں کے ساتھ جو کچھ ہوا اسکے بعد اُن کے ساتھ ہمدردی کی جائے گی یا یہ جو انکوائری کمیٹی کا ڈرامہ تشکیل دیا گیا ہے اُسکا کوئی نتیجہ برآمد ہوگا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ تین دسمبر 2014ء کو لاہور میں معذور افراد کے عالمی دن کے موقع پر نابینا افراد نے ڈیوس روڈ پر ریلی نکالی جس میں معذور افراد نے حقوق کی عدم فراہمی کے پیش نظر احتجاجا وزیر اعلیٰ سیکرٹریٹ جانے کی کوشش کی تو پولیس نے معذور افراد کا خیال کئے بغیر اُن پر لاٹھی چارج شروع کر دیا جس کے نتیجے میں متعدد نابینا افراد زخمی ہوگئے جس کے بعد معذور افراد نے ڈیوس روڈ پر حکومت کیخلاف شدید نعرے بازی کی اور انھوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں ملازمتوں میں معذور افراد کا کوٹہ دیا جائے اور آئین میں موجود تمام حقوق فراہم کئے جائیں۔ بعد میں وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے معذور افراد پر تشدد کا نوٹس

لیا اور ڈی آئی جی آپریشنز سے رپورٹ طلب کرکے انکوائری کا حکم دیتے ہوئے کہا کہ معاملے کی فوری رپورٹ دی جائے خصوصی افراد پر تشدد کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا ذمہ داران افسران کیخلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ کوئی رپورٹ یا کوئی کارروائی نہیں جناب ، کچھ نہیں، اگر کسی کو معطل کیا گیا ہوگا تو وہ بحال ہو چکا ہوگا۔

اقوام متحدہ نے 1982ء میں معذور افراد کے حقوق کو انسانی حقوق کا درجہ دیتے ہوئے تمام ممبر ممالک سے مطالبہ کیا کہ معذور افراد کو صحت ، تعلیم اور ملازمت میں عام افراد کے برابر مواقع فراہم کریں۔ اقوام متحدہ کی معذور افراد میں اس قابل فخر دلچسپی کا خاطر خواہ فائدہ ہوا اور دنیا بھر میں معذور افراد کو اقوام متحدہ کی ہدایت پر نہ صرف ''اسپیشل پرسنز'' کا خطاب دیا گیا بلکہ ان کی کفالت اور ملازمت کا بھی مناسب انتظام کیا جانے لگا۔ پاکستان بھی اگرچہ ان ممالک کی فہرست میں شامل ہے جنھوں نے معذور افراد سے متعلق اقوام متحدہ کے چارٹر پر دستخط کر رکھے ہیں مگر حکومت پاکستان کے لیے دوسرے ممالک کے برعکس اس چارٹر پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

ہمارے ملک میں جسمانی طور پر معذور تعلیم یافتہ افراد کے ساتھ جس سفاکی کا سلوک کیا جاتا ہے یہ نہایت مکروہ اقدام ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے اس

گندے رویے نے پاکستان میں بھکاریوں کی ایک وسیع انڈسٹری پیدا کر دی ہے جس میں جرائم کی پرورش بھی کی جاتی ہے۔ شرمناک بات یہ ہے کہ جسمانی اعتبار سے معذور افراد کو ناکارہ افرادی قوت کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔ کاغذات کے مطابق سرکاری ملازمتوں میں معذور افراد کے لیے 2 فیصد کوٹہ مختص تو ہے لیکن یہ کوٹہ حقداروں کو نہیں مل رہا ہے۔ برطانیہ اور امریکا کے علاوہ بیشمار مغربی ممالک میں معذور افراد کو نجی، سرکاری اور اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں فخر کے ساتھ ایڈجسٹ کیا جاتا ہے کیونکہ معذور افراد ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں جو بعض اوقات لاتعداد صحتمند افراد کے بس کا روگ بھی نہیں ہے، جیسا کہ دو ایسے کوہ پیماؤں نے دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ سر کی جن میں ایک ٹانگ اور دوسرا بازو سے معذور ہے۔ ہیلن کیلر بھی معذور تھی جس نے اشاروں کی زبان متعارف کروائی جو آج دنیا میں گونگوں اور بہروں کے لیے امید اور روشنی کا کامیاب استعارہ بن چکی ہے۔

بدنصیبی سے پاکستان کے ہر شعبے میں کرپشن کینسر کی طرح پھیل چکا ہے جس کی وجہ سے پاکستان کی 60 فیصد آبادی خط غربت کے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے، عالمی سطح پر خط غربت یومیہ دو ڈالر یا دو سو روپے آمدن کے برابر ہے۔ عالمی بینک کی رپورٹ "ورلڈ ڈویلپمنٹ انڈیکیٹر" کے مطابق پاکستان کے 60 فیصد افراد کی آمدن یومیہ دو ڈالر یا دو سو روپے سے بھی کم ہے، جبکہ اکیس فیصد

آبادی انتہائی غربت کا شکار ہے۔ ان حالات میں کرپٹ حکمرانوں سے یہ امید کرنا کہ وہ معذور لوگوں کے ساتھ انصاف کرینگے نا ممکن ہے، لیکن کم از کم وہ ان مظلوموں پر پولیس کے زریعے دہشتگردی تو نہ کریں۔ دس اگست کو اسمبلی کے اجلاس میں سندھ کے وزیراعلیٰ قائم علی شاہ خود موجود تھے اور وزیراعلیٰ کے ہوتے ہوئے اسمبلی کے باہر معذور افراد اور خواتین کو جس طرح سے پولیس نے تشدد کا نشانہ بنایا ہے وہ شرمناک ہی نہیں بلکہ سندھ حکومت اور اس کے وزراء کی کھلی بے حسی کا ثبوت ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ وزیراعلیٰ صاحب یہ بیں بے بس معذور افراد دہشتگرد نہیں تھے۔

ایم کیو ایم کے گلے شکوے اور استعفے

یہ جو سیاسی بحران اسوقت متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) نے قومی اسمبلی، سندھ اسمبلی اور سینٹ سے اپنے ارکان کو مستعفی کراکر کیا ہے اُسکے سو فیصد ذمہ دار وزیراعظم نواز شریف اور وزیر داخلہ چوہدری نثار ہیں۔آج شہری سندھ کی کوئی نمایندگی نہیں ہے، قومی اور سندھ اسمبلی میں 4 کڑور لوگوں کے نمایندوں کے بغیر اجلاس ہورہے ہیں، سینٹ کا بھی یہ ہی حال ہے۔ 4 ستمبر 2013ء کو وزیراعظم نواز شریف نے کراچی میں وفاقی کابینہ کے خصوصی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بدامنی سے نمٹنے کے لیے رینجرز کو مرکزی کردار دینے کی تجویز پیش کی۔ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کراچی میں کابینہ کے اجلاس کے بعد پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ کراچی میں رینجرز کی سربراہی میں فوری طور پر ٹارگٹڈ آپریشن کیا جائے گا۔ وزیراعلی سندھ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گی جو اس آپریشن کی نگرانی کرتی ہے۔ وزیراعظم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس آپریشن کی مانیٹرنگ کرنے کے لیے ایک مانیٹرنگ کمیٹی بنا ینگے لیکن وعدے کے باوجود مانیٹرنگ کمیٹی نہیں بنائی گئی۔ ایم کیو ایم کے پارلیمانی لیڈر ڈاکٹر فاروق ستار کا کہنا ہے کہ کراچی میں ٹارگٹڈ آپریشن کی آڑ میں ایم کیو ایم کو نشانہ بنایا جارہا ہے، ہمارے

کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، پارلیمنٹ کی چوتھی بڑی جماعت کو دیوار سے لگایا جا رہا ہے، ہمارے اقدامات کا جائزہ لیں، جوڈیشل کمیشن بنا دیں تو ہم اس میں پیش ہو کر انصاف کے متقاضی ہیں، جرائم پیشہ افراد کو فرار کا راستہ دیا گیا ہے۔

استعفے دینے سے دو دن پہلے تک ایم کیو ایم کا انداز سیاست دفاعی تھا، لیکن پھر اچانک ایم کیو ایم کے استعفوں کی خبر نے پاکستانی سیاست میں ہلچل مچا دی۔ منگل اور بدھ کی شب ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی پاکستان اور لندن کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس میں کراچی میں رینجرز کی جانب سے جاری آپریشن پر تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے سینیٹ، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا گیا۔ الطاف حسین نے بھی رابطہ کمیٹیوں کے فیصلے کی توثیق کی۔ قومی اسمبلی کے چوبیس ارکان نے ڈاکٹر فاروق ستار کی قیادت میں اسپیکر قومی اسمبلی سردار ایاز صادق سے ان کے چیمبر میں ملاقات کی اور اپنے استعفے ان کے حوالے کیے۔ جبکہ اکیاون ارکان سندھ اسمبلی نے اپوزیشن لیڈر خواجہ اظہار الحسن کی قیادت میں اپنے استعفے اسپیکر آغا سراج درانی کے پاس جمع کرا دیئے، سینٹ کے آٹھ ارکان نے بھی اپنے استعفے سینٹ سیکرٹریٹ میں جمع کرا دیے۔

اپنے استعفے دینے سے پہلے ایم کیو ایم کے قومی اسمبلی کے ارکان نے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی جہاں فاروق ستار ایک طویل اور مدلل تقریر کی۔ فاروق ستار کا کہنا تھا کہ ہم نے وزیراعظم نواز شریف، وزیر داخلہ چوہدری نثار، وزیر اعلیٰ سندھ کے سامنے یہ مسلہ اٹھایا کہ اگر الطاف حسین آرٹیکل 19 کے تحت اظہار خیال کا حق استعمال کرتے ہیں تو کیا گناہ ہے۔ وزیر داخلہ نے کہا تھا کہ جبری گرفتاریوں اور ماورائے عدالت قتل ہماری ڈکشنریوں میں نہیں ہیں، جبکہ میں نے گرفتاریوں کی مکمل تفصیل دی ہے جو دہشت گردوں اور کریمنلز کے خلاف کارروائی ہونا تھی وہ سب بیرون ملک بھاگ گئے۔ ہم نے انصاف کیلئے کونسا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا۔ میں نے جی ایچ کیو اور کور کمانڈر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر کسی نے ملاقات کا وقت نہیں دیا۔ ہم نے درست مقدمات کی مخالفت نہیں کی عدالت پر چھوڑ دیا، ہم نے جبری گرفتاریوں اور ماورائے عدالت قتل پر آواز اٹھائی۔ اگر میرے سارے حقائق درست ہیں اگر آئین کی پاسداری کرتے ہیں تو 170 کارکنوں کے بارے میں بتا دیں وہ زندہ ہیں یا نہیں، میرے کارکنوں کے کتنے قاتل گرفتار ہوئے۔ مساوات، برابری نہیں ہو رہی۔ ایک طبقے کے ساتھ انتقامی کارروائی ہو رہی ہے

فاروق ستار نے مزید کہا کہ الطاف حسین کی گفتگو کو قابل اعتراض قابل گرفت قرار دیا جارہا ہے۔ الطاف حسین سے بھی زیادہ سخت تقاریر کی گئی ہیں۔آصف

زرداری، خواجہ آصف، محمود خان اچکزئی، منور حسن نے فوج کے خلاف شدید الفاظ کے ساتھ تقاریر کیں۔ منور حسن نے فوج کے مرنے والوں کو شہید ماننے سے انکار کر دیا۔ خواجہ آصف نے فوج کے خلاف شرمناک تقاریر کی اور آصف زرداری نے بھی انتہائی سخت الفاظ استعمال کئے اور پنڈورا باکس کھولنے اور اینٹ سے اینٹ بجادونگا اور انہوں نے اپنے الفاظ واپس بھی نہیں لئے۔ محمود اچکزئی کے خلاف 50 غداری کے مقدمے بنائے گئے۔ پاکستان رینجرز کا رویہ مکمل جانبدارانہ ہے۔ پی ٹی آئی کے لوگوں کیلئے راستہ بنایا جارہا ہے، الیکشن کے دوران پولنگ اسٹیشنوں کی تصاویر میرے پاس ہیں، جوڈیشل کمیشن بنایا جائے تو سارے ثبوت پیش کردونگا۔ انہوں نے کہا کہ ایم کیو ایم کے خلاف میڈیا ٹرائل کا موقع فراہم کیا جارہا ہے، جے آئی ٹی کی تحقیقاتی رپورٹ کون میڈیا کو فراہم کر رہا ہے، انہوں نے سوال کیا کہ اگر رینجرز مسلم لیگ (ن) یا پیپلز پارٹی کے کارکنان کو گرفتار کرتی تو پھر بھی ریاست کا یہی رویہ ہوتا۔ رہا ہونے والا ایک کارکن بھی ایسا نہیں جس پر تشدد نہ کیا گیا ہو۔ ہمارے ساتھ تیسرے درجے کے پاکستانی شہری جیسا سلوک کیا جارہا ہے۔ ہم نے انصاف کیلئے ہر دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کہیں بھی ہماری شنوائی نہیں ہوئی۔

کچھ دن سے یہ خبریں گردش میں ہیں کہ ایم کیو ایم میں کوئی نیا گروپ تشکیل دیا جارہا ہے، اگر کوئی گروپ بن بھی رہا تھا تو شاید ان استعفوں کے بعد

کوئی بھی یہ کوشش نہیں کرے گا۔ ایم کیو ایم کے ارکان کے استعفی دینے کے بعد نواز شریف حکومت کافی کمزور ہوئی ہے، پی ٹی آئی کے استعفوں کے بعد ایم کیو ایم نواز شریف کے ساتھ کھڑی تھی جبکہ عمران خان کسی بھی صورت میں نواز شریف کی حکومت کو سپورٹ نہیں کرینگے، بلکہ عمران خان کی کوشش ہوگی کہ نواز شریف حکومت ختم ہوجائے، اس کے لیے شاید وہ اسمبلی چھوڑ جایں لیکن شاید وہ اور اُنکے ساتھی اتنی ہمت نہ کرپایں۔ نواز شریف کے اوپر یہ تلوار اُس وقت تک لٹکی رہے گی جبتک یہ معامعلہ سلجھ نہیں جاتا۔ اگر نواز شریف نے اس معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لیا تو کوئی بھی بڑا سیاسی بحران کھڑا ہوسکتا ہے، ویسے توگذشتہ چند مہینوں میں نواز شریف نے اپنے رویہ سے یہ تو بتادیا کہ اُنکو کراچی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کراچی میں بم دھماکے ہوئے تو نواز شریف اسلام آباد میں بیٹھکر شاندار لنچ کررہے تھے، کراچی میں گرمی کی شدت سے ہزاروں لوگ مرگئے، وزیراعظم صاحب پانچ دن گزرنے کے بعد صرف چار گھنٹے کے لیے کراچی آئے تھے، اس مختصر دورہ کراچی کے موقعے پر اُن کی شکل سے صاف بیزاری نظر آرہی تھی۔ لیکن اب چونکہ اُنکی حکومت ختم ہوسکتی ہے لہذا وہ ایم کیو ایم کے سامنے گھٹنے ٹیکنے میں دیر نہیں کرینگے۔ سندھ میں بھی حیران کن صورتحال ہے لیکن سندھ اسمبلی کے اسپیکر نے قومی اسمبلی کے اسپیکر کی طرح عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا اور یہ کہکر معاملے کو طول دے دیا کہ ابھی ان استعفوں کو چیک کیا جائے گا جس میں کچھ ٹایم لگے گا۔ ایم کیو ایم نے اپنے

ایک کارکن محمد ہاشم کے ماورائے عدالت قتل کا الزام رینجرز پر لگایا، گرفتاری کے بعد گھروالوں کو وہ ایدھی کے ایک قبرستان میں ملا، معلوم ہوا کہ محمد ہاشم کو گرفتار کیا گیا اور چھ جولائی کو مار دیا گیا۔

حکومت اور ایم کیو ایم کے درمیان رابطے ہوئے ہیں، اسلام آباد میں وفاقی وزیر خزانہ اسحٰق ڈار سے ایم کیو ایم کے پارلیمانی لیڈر فاروق ستار نے ملاقات کی جس میں فاروق ستار نے حالیہ صورتحال میں ایم کیو ایم کے تحفظات سے تفصیلی طور پر آگاہ کیا۔ فاروق ستار کا کہنا تھا کہ کراچی آپریشن میں ایم کیو ایم کو ٹارگٹ کرنے کا سلسلہ بند ہونا چاہیۓ۔ آپریشن کے لیے مانیٹرنگ کمیٹی کیوں نہیں بنائی جاتی؟ اسحاق ڈار نے واضح کیا کہ آپریشن جرائم پیشہ افراد کے خلاف ہے، ایم کیو ایم پریشان نہ ہو، متحدہ کا پارلیمانی کردار خود اس کے بہترین مفاد میں ہے، ایوان میں آئیں۔اس پر فاروق ستار کا کہنا تھا کہ استعفوں کی واپسی کا فیصلہ الطاف حسین کریں گے۔ ایم کیو ایم نے استعفوں کی واپسی کے لیے حکومت کو اپنی شرائط سے آگاہ بھی کر دیا۔ذرائع کے مطابق ایم کیو ایم نے حکومت کے سامنے فوری منظور کرنے کے لیے پانچ مطالبات کیے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

(1) الطاف حسین کا خطاب ٹی وی پر نشر نہ کرنے کی پابندی ختم کرنا،

(2) کراچی آپریشن کی نگرانی کے لیے فوری طور پر مانیٹرنگ کمیٹی قائم کرنا،

،رینجرز آپریشن کو غیر جانبدار بنانا (3)

حراست میں لیے گئے افراد کو فوری طور پر عدالتوں میں پیش کرنا، اور (4)

لاپتہ کارکنوں کی بازیابی کے لیے فوری اقدامات کرنا ہے۔ (5)

کیا امید کی جاسکتی ہے کہ ایم کیو ایم جلد ہی واپس اسمبلیوں میں جائے گی، ایسا مشکل ہے ، ایم کیو ایم نے تو اپنے گلے شکوئے کرلیے، اُسکے زیادہ تر شکوئے شکایات کراچی میں ہونے والے آپریشن کے خلاف ہے، لیکن اگر آپ کراچی میں رہنے والے ایک عام آدمی سے پوچھیں تو وہ یہ ہی کہے گا کہ کراچی میں بہتری آئی ہے، اس حوالے سے ایم کیو ایم کی پوزیشن کافی کمزور ہے۔ اب ایم کیو ایم کے مطالبات کو نواز شریف حکومت کو منظور کرنا بہت مشکل ہوگا کیونکہ اس میں ایک فریق فوجی اسٹیبلشمنٹ ہے جسکی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ جمرات 30 اپریل سے یکم اگست تک الطاف حسین نے تین ایسی براہ راست فوج کے خلاف تقریریں کیں جس میں الطاف حسین نے ریڈ لاین کو عبور کرتے اپنی تقریروں میں حکومت، آئی ایس آئی، فوج اور بیوروکریٹس کو سخت ترین تنقید کا نشانہ بنایا، بھارت، نیٹو اور اقوام متحدہ کو مدد کے لیے پکارا، جسکے جواب میں پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل عاصم باجوہ نے پاکستانی فوج اور اُسکی قیادت کے خلاف ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی تقریروں کو بیہودہ اور ناقابل برداشت قرار دیتے ہوئے قانونی چارہ جوئی کرنے کا اعلان کیا۔

مندرجہ بالا حالات میں کراچی کے حالات ٹھیک ہونا بہت مشکل ہیں جب تک دونوں فریق لچک کا مظاہرہ نہ کریں، 12 اگست سے الطاف حسین ہر ٹی وی ٹاک شو میں یہ وعدہ کررہے کہ وہ آیندہ اس قسم کی تقاریر نہیں کرینگے. اگر جنرل راحیل شریف اس معاملے کو دیکھ لیں تو بہتر ہوگا، تاکہ یہ تاثر ختم ہو کہ کراچی آپریشن یک طرفہ ہورہا ہے، اچھا ہوگا الطاف حسین پر آخری بار اعتبار کرلیا جائے ۔ اسکے ساتھ ہی آپریشن کو جاری رکھتے ہوئے ایم کیو ایم کے پانچ مطالبات میں سے جو بھی ممکن ہوں اُنکو تسلیم کرلیا جائے ۔ ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین کو چاہیے کہ اپنے اوپر کنڑول کریں اور اپنی غلطیوں کو اب نہ دہرایں۔ اگر وہ ایسا کرینگے تو شہری سندھ کے شہری سکون کا سانس لے سکیں گے ۔

دھرنوں کا "امپائر" کون تھا؟

آزادی مارچ اور انقلاب مارچ کے دھرنوں کو چھ ہفتے گزر چکے تھے کہ اس درمیان میں شاہ محمود قریشی نے تحریک انصاف کے ممبران قومی اسمبلی کے استعفے اسمبلی میں جمع کرادیے، کچھ ارکان اسمبلی اس موقعہ پر پارٹی سے بغاوت کرگئے اور انہوں نے استعفی نہیں دیے۔ تحریک انصاف کے سابق صدر جاوید ہاشمی نے پارٹی پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے استعفی کا اعلان کیا اور وہ نہ صرف قومی اسمبلی بلکہ تحریک انصاف سے بھی فارغ ہوگئے۔ تحریک انصاف کے دھرنے سے علیدہ ہونے کے بعد جاوید ہاشمی نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ عمران خان ایک منصوبہ بندی کے تحت اسلام آباد آئے ہیں، جس کا باقاعدہ اسکرپٹ لکھا ہوا ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ یہ سب منصوبہ بندی کس نے کی ہے؟ ایک اور سوال اُس وقت یہ تھا کہ دھرنوں کا "امپائر" کون ہے؟ ان سوالوں کے جواب تلاش کرتے ہوئے عمران خان کا ماضی بھی سامنے رکھنا ہوگا۔ بد قسمتی سے عمران خان کا ماضی ایسے بہت سے واقعات سے بھرا ہوا ہے جو آمروں سے ان کی قربتوں کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ اقتدار کے حصول کے لئے انہوں نے عوام کے بجائے اسٹیبلشمنٹ کا آلہ کار بننے کی کوشش کی یہ الگ بات کہ اُن کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکیں۔

تحریکِ انصاف کی الیکشن ٹربیونلز میں خاطر خواہ پذیرائی نہ ہوئی جس کے بعد عمران خان نے عوامی احتجاج کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ وہ آزادی مارچ کے ذریعے 10 لاکھ کارکنوں کے ساتھ اسلام آباد میں دھرنا دینگے۔ پاکستان عوامی تحریک تو پہلے ہی تیار بیٹھی تھی اُسکے رہنما علامہ طاہر القادری نے بھی اس میں شمولیت کا اعلان کردیا اسی موقعہ پر لندن پلان سامنے آیا جس میں چوہدری شجاعت، عمران خان اور طاہر القادری کی آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل شجاع سے ملاقات کا حوالہ دیا گیا تھا۔ ابتداء میں عمران اور قادری نے ایسی کسی ملاقات سے لاعلمی ظاہر کی مگر بعد ازاں اسے قبول کر لیا۔ نواز شریف نے 12 اگست "آزادی مارچ" سے پہلے جوڈیشل کمیشن کے قیام کا اعلان کر دیا تھا مگراس وقت ایمپائر کی انگلی کا خمار تھا۔ 29 اگست کی رات کو جب جنرل راحیل شریف کو ملنے کے لئے روانہ ہوئے تو چشم تصور میں نواز شریف کا لکھا ہوا استعفیٰ اپنی جیب میں پایا۔ اعلامیہ بھی یہی تھا کہ "نواز شریف کا استعفیٰ لے کر ہی آئوں گا"۔ لیکن جب اُسی ایمپائر نے نواز شریف سے پوچھ کر دونوں سے ملنے کے بعد یہ مشورہ دیا کہ وہ کونشن سینٹر میں منتظر وزیراعظم نواز شریف کے نمائندوں سے مذاکرات کریں تو عمران خان اور علامہ طاہر القادری جس طرح پرجوش انداز میں جھومتے ہوئے ایمپائر سے ملنے گئے تھے اتنی ہی اتری ہوئی شکلیں لیکر واپس آئے اور عین ہدایات کے مطابق اپنے نمائندوں کو مذاکرات

کیلیئے بھیج دیا۔ نتیجہ ناکامی، واپسی پر کنٹینر میں گھستے ہی جنرل راحیل شریف کو برا بھلا کہتے پائے گئے۔

اسلام آباد میں عمران خان کا دھرنا چل رہا تھا کہ سولہ دسمبر 2014ء کو پھولوں کے شہر کا تشخص رکھنے والے شہر پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں طالبان دہشتگردوں نے پاکستان میں ابتک ہونے والی سب سے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیا اور 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا۔ 132 طلباء کی شہادت یقیناًایک قومی المیے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس واقعہ نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا، خاصکر وہ والدین جن کے بچے ابھی اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ عمران خان نے 17 دسمبر کو دھرنوں کے خاتمے کا اعلان کیا، پشاور سانحہ نے عمران خان کو نکلنے کا ایک عزت مندانہ راستہ فراہم کردیا ورنہ وہ تو برملا کہہ رہے تھے کہ جب تک نواز شریف استعفےٰ نہیں دینگے انہیں اکیلا بھی دھرنے پر بیٹھنا پڑا تو وہ بیٹھیں گے۔

سوال اب بھی وہی ہے کہ دھرنوں کا "امپائر" کون تھا؟ ہمیں اس سوال کے جواب کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی؟ محمد زبیر نجکاری کے وزیر ہیں، 23 جولائی کو اُنکا کہنا تھا کہ "جنرل شجاع پاشا نے پی ٹی آئی کا 2011ء کا جلسہ کامیاب بنانے کے لیے کارپوریٹ سیکٹر کے اہم لوگوں کو بلا کر کہا، آپ

لوگ پی ٹی آئی کو سپورٹ کریں"۔ وزیر دفاع خواجہ آصف نے بھی دعویٰ کیا کہ دھرنوں کے پیچھے آئی ایس آئی کے دو سابق چیفس جنرل احمد شجاع پاشا اور جنرل ظہیر الاسلام تھے، جنرل ظہیر الاسلام 7 نومبر 2014ء تک آئی ایس آئی کے سربراہ رہے، عمران خان اور علامہ طاہر القادری کے دھرنے ان کے دور میں اسلام آباد میں خیمہ زن تھے۔ وزیراعظم نواز شریف کی کابینہ کے ایک اور اہم رکن اور قریبی ساتھی مشاہد اللہ خان نے کہا ہے کہ پچھلے سال اسلام آباد میں تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے دھرنوں کے دوران پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسی آئی ایس آئی کے اس وقت کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل ظہیر الاسلام عباسی نے ایک سازش تیار کی تھی جس کے ذریعے وہ فوجی اور سول قیادت کو ہٹا کر ملک پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔تاہم ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل عاصم باجوہ نے ٹوئٹر پر ایک بیان میں کہا ہے کہ میڈیا میں زیر بحث آڈیو ریکارڈنگ سے متعلق خبریں بے بنیاد اور حقیقت سے دور ہیں۔ اسکے علاوہ وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید بھی سینیٹر مشاہد اللہ کے اس بیان کی تردید کی اور کہا کہ میڈیا کو اس بات کو اچھالنا نہیں چاہیے۔ ایک چھوٹا سا سوال وزیر اعظم نواز شریف اور وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید سے کہ جناب نجکاری کے وزیر محمد زبیر اور وزیر دفاع خواجہ آصف نے بھی سابق چیفس جنرل احمد شجاع پاشا اور جنرل ظہیر الاسلام کے ہی نام لیے تھے تو سزا اور تردید صرف مشاہد اللہ خان کے حصے میں ہی کیوں آئی ہے؟

چلیے یہ تو سرکاری الزامات ہیں کیونکہ وزیروں نے لگائے ہیں لیکن ان وزیروں سے بہت پہلے پی ٹی آئی کا دھرنا ختم ہونے کے فورا بعد ایک پاکستانی خاتون صحافی "نیہا انصاری" نے یہ راز کھول دیا تھا کہ دھرنوں کا "امپائر" کون تھا؟ پاکستان میں جاری دھرنا بحران کے پیچھے کون تھا؟ اور عمران خان بار بار کس ایمپائر کی اُنگلی اُٹھانے کی بات کر رہے تھے؟ اس دوران پاکستانی ذرائع ابلاغ کس کے اشارے پر غلط رپورٹنگ کرتے رہے؟ اے آر وائی، دنیا اور ایکسپریس کس کے اشاروں پر ناچ رہے تھے؟ ان سب حقائق کا نیہا انصاری نے ایک امریکی میگزین فارن پالیسی میں انکشاف کیا تھا۔ نیہا انصاری ایکسپریس ٹریبون سے بطور سینئر سب ایڈیٹر اور شفٹ انچارج کے وابستہ تھیں۔اُنھوں نے اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "دھرنوں کے لئے روانگی سے ایک روز قبل ہی 13۔ اگست کو ہماری ہفتہ وار میٹنگ میں ہمیں (مزاقاً) کہہ دیا گیا کہ عمران، قادری اور آئی ایس آئی ہمارے سب سے اچھے دوست ہیں"۔

نیہا انصاری نے مزید لکھا ہے کہ ہمیں ایڈیٹر نے ادارتی پالیسی بتاتے ہوئے کہا کہ "میں جانتا ہوں کہ یہ آسان نہیں مگر فی الحال تو یہی ایک راستہ ہے۔۔۔ سی ای او کی طرف سے آئے ہوئے اِن احکامات پر عمل درآمد کے لئے مجھ سمیت تمام سینئر ادارتی عملے نے ہچکچاتے ہوئے اتفاق کیا کیونکہ ہماری

ملازمتیں داؤ پر تھیں"۔ نیہا نے آگے لکھا ہے کہ "عمران خان اور کینیڈا سے آئے طاہر القادری کے دھرنوں کے دوران میں نے براہ راست پاکستانی کی عسکری اسٹیبلشمنٹ اور میڈیا گروپس کی ملی بھگت کا براہِ راست مشاہدہ کیا اُس وقت ،پاکستان کے طاقت ور میڈیا ہاؤسز کے مالکان کو (جن میں اے آر وائی ،ایکسپریس میڈیا گروپ اور دنیا نیوز شامل ہیں) ملٹری اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے دھرنے کی حمایت کے لئے "ہدایات" ملتی رہیں۔ فوج، حکومت مخالف تحریک کو طاقت ور اور نواز شریف کو کمزور دکھانے کے لئے میڈیا کا استعمال کر رہی تھی"۔

نیہا انصاری آگے لکھتی ہیں کہ "ایکسپریس میڈیا گروپ میں عمران خان اور طاہر القادری کی (حسبِ ہدایت) ہر بات کو صفحۂ اول پر جگہ دی جا رہی تھی اور نیوز بُلیٹن میں بھی پہلی خبر یہی بنائی جا رہی تھی۔ ایک طرف بی بی سی اور ڈان جیسے ادارے دھرنوں کے اصل حقائق (دیہاڑی دار شرکاء) پر کھل کر لکھ رہے تھے۔اور دوسری طرف ہم اُن حقائق کو چھپا رہے تھے جو وزیر اعظم کے حق میں جاتے تھے۔اس دوران ہم مظاہرین کے منفی رویوں اور اُن کی مسلسل کم ہوتی تعداد پر بھی پردہ ڈال رہے تھے۔اخبار کے نیشنل ایڈیٹر سے ہمیں روزانہ پتا چلتا کہ کس طرح روز ہی اُنہیں شام کو موصول ہونے والی فون کالز میں نہ صرف اگلی روز کی شہ سرخیوں بلکہ مضامین تک کے لئے "ہدایات" مل رہی تھیں"۔

نیہا انصاری آخر میں لکھتی ہیں کہ "کچھ روز بعد اچانک اخبار کے مالک کی برہمی کا ہمیں سامنا کرنا پڑا کہ طاہر القادری کو عمران خان کے برابر کیوں اہمیت نہیں دی جا رہی جب کہ خفیہ طاقتیں دونوں کی برابر حمایت کر رہی ہیں۔ یہ ہدایات ادارتی عملے کو براہِ راست نہیں دی جاتی تھیں۔ بلکہ یہ سی ای او، ایڈیٹر اور نیشنل ایڈیٹر کے ذریعے ہوتی ہوئی اُن تک پہنچائی جاتیں"۔ نیہا نے لکھا ہے کہ "اس کے باوجود آزادیٔ صحافت کے حامیوں نے اشاروں پر نہ چلنے کی اپنی سی کوششیں کیں۔ مگر طاقت کے مراکز پر چلنے والوں کا نقطۂ نظر ہی غالب رہا"۔

اسلام آباد کے 126 دن کے دھرنے میں ہر روز الزام تراشیاں کی جاتی تھیں، کبھی سول نافرمانی پر اکسایا گیا، دھرنے میں کارکنان نے پارلیمنٹ ہاؤس کا دروازہ توڑ دیا کچھ کارکنان نے پی ٹی وی پر حملہ کرڈالا، میڈیا کے ساتھ اور خاصکر خواتین ورکر کے ساتھ بھرپور بدتمیزی کا مظاہرہ کیا گیا۔ عالمی میڈیا ان دھرنوں کی خبریں اور اُن پر منفی تبصرے نشر کر رہا تھا۔ عمران خان اور علامہ طاہر القادری نے پاکستان کے لیے طویل دھرنوں کا ایک عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ ویسے پاکستانی عوام کا کہنا ہے کہ دھرنا دینے والوں نے طویل سیاسی دھرنے کا عالمی ریکارڈ تو بنا دیا لیکن "امپائر" کی انگلی پھر بھی نہ اٹھی البتہ عوام کی انگلیاں دھرنا دینے والوں پر ضرور اٹھ رہی ہیں۔

تعلیم یافتہ دہشت گرد نوجوان

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی صرف غربت، افلاس اور جہالت سے پیدا شدہ یاس و ناامیدی کا نتیجہ ہے۔ لیکن دہشت گردی اور انتہاپسندی کے معاملے میں یہ سوچ غلط تھی اور غلط ثابت ہو رہی ہے۔ امریکہ میں ہوئے نوگیارہ کے سانحے کو چودہ سال ہونے کو ہیں اور دہشت گردی کی اس کارروائی میں شامل تمام دہشت گرد تعلیم یافتہ تھے۔ گزشتہ چند ماہ میں پاکستان میں بھی یہ بات واضح طور پر سامنے آئی ہے کہ تعلیم یافتہ افراد اور کھاتے پیتے گھرانوں کے نوجوان دہشت گردی اورانتہاپسندی کی جانب مائل ہو رہے ہیں۔ جس کی ایک تازہ مثال اٹھارہ اگست کی صبح ڈھائی بجے حساس اداروں، رینجرز اور محکمہ انسداد دہشت گردی کی گلشن اقبال کے علاقے 13 ڈی میں دہشت گردوں کے خلاف کارروائی ہے۔ کارروائی کے دوران دو دہشت گرد ہلاک ہوئے جن میں سے ایک عبدالاحد الیکٹریکل انجینئر تھا اور سیکیورٹی ذرائع کا دعویٰ ہے کہ عبدالاحد القاعدہ کے عسکری ونگ کا کراچی میں اہم کمانڈر تھا۔ عبدالاحد کیڈٹ کالج پٹارو میں زیر تعلیم رہا۔ کیڈٹ کالج پٹارو سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے جامشورو میں واقع مہران یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی میں داخلہ لیا اور 2007-08 میں وہاں

سے الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔

چوبیس اپریل کو کراچی میں معروف سماجی کارکن سبین محمود کو نامعلوم مسلح افراد نے گولی مار کر قتل کر دیا، جبکہ اس حملے میں اُن کی والدہ زخمی ہوئی تھیں۔ نامعلوم مسلح افراد نے سبین محمود کو اُس وقت نشانہ بنایا جب وہ جبری طور پر لاپتہ کیے جانے والے بلوچ افراد کی بازیابی کے لیے سرگرم ماما قدیر کے ساتھ ایک نشست کے بعد اپنی والدہ کے ہمراہ جارہی تھیں۔ سبین محمود کو اس سے قبل دھمکیاں موصول ہوتی رہی تھیں جن میں طالبان کی جانب سے ملنے والی دھمکیاں بھی تھیں۔ 13 مئی 2015ء کو کراچی میں اسماعیلی برادری کے بے گناہ لوگوں کو قتل کیا گیا۔ کراچی میں صفورہ چورنگی کے قریب ہونے والی دہشت گردی بلوچستان میں ہونے والی دہشت گرد کارروائیوں کے انداز میں کی گئی۔ اس دہشت گردی میں شقی القلب حملہ آوروں نے صرف چند منٹ میں اسماعیلی برادری کے معصوم اور بے ضرر لوگوں کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا۔ اس حملے میں بیس سے ستر برس کی عمر کے 46 افراد جاں بحق ہوئے جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل تھے۔

وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے 20 مئی کو ایک پریس کانفرنس میں انکشاف کیا کہ سانحہ صفورااور سماجی کارکن سبین محمود کے قتل میں ایک ہی گروہ

ملوث ہے جس کے منصوبہ ساز سمیت چار افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ کے مطابق یہ ملزمان کراچی کے مختلف علاقوں میں واقع اسکولوں کے باہر بم پھینکنے میں بھی ملوث تھے۔ اُنھوں نے بتایا کہ ملزمان نے رینجرز حکام اور نیوی کے اہلکاروں پر بھی حملے کیے۔ سانحہ صفورا کی مشترکہ تحقیقاتی رپورٹ بہت سے خوفناک حقائق سے پردہ اٹھاتی ہے۔ رپورٹ میں ایسے دہشت گردوں کی تفصیلات موجود ہیں جن میں معتبر تعلیمی اداروں سے انجینئرنگ اور دیگر شعبوں کی ڈگری لینے والوں کے علاوہ آئی ای ڈی بنانے کے ماہر تعلیم یافتہ نوجوان بھی شامل تھے۔ ان میں سے بیشتر افراد اب بھی قانون کی گرفت سے آزاد ہیں۔ سانحہ صفورا کی تحقیقات میں اس بات کا انکشاف کیا گیا تھا کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل نوجوان دہشت گردی کے طرف مائل ہو رہے ہیں ۔ سانحہ صفورا کے اہم ملزم سعد عزیز نے 2005ء میں بیکن ہاوس گلشن اقبال برانچ سے اولیول کیا۔ دی لائی سیئم کلفٹن سے 2007ء میں اے لیول کیا۔ 2007ء سے 2011ء تک پاکستان کے معتبر تعلیمی ادارے آئی بی اے سے بی بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ سانحہ صفورا کے دیگر ملزمان بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے؛ حافظ ناصر نے کراچی یونیورسٹی سے اسلامک اسٹڈیز میں ماسٹرز، اظہر عشرت نے سرسید یونیورسٹی سے الیکٹرونکس میں بی ای جبکہ اسد الرحمان نے کراچی یونیورسٹی سے بی کام کیا ہوا ہے۔

بے گناہ شہریوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والے دہشت گردوں سے دوران تفتیش برآمد ہونے والے موبائل فونز میں جدید ترین سافٹ ویئر ٹاک رے انسٹال تھیں۔

برطانوی نشریاتی ادارے کے مطابق ملزموں نے باہمی رابطوں کے سراغ سے بچنے کیلئے ٹاک رے کے استعمال کا اعتراف بھی کر لیا۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ماہرین کے مطابق اس جدید ترین ایپلی کیشن کی مدد سے موبائل فون کو واکی ٹاکی میں بدلا جا سکتا ہے۔ انٹرنیٹ اسپیڈ کم ہو تو بھی ٹاک رے بہترین نتائج دیتا ہے۔ بات کرنے والے کا محل وقوع بھی ظاہر نہیں ہوتا تاہم پاکستان میں اس کا استعمال عام نہیں۔ گرفتار ملزموں نے دوران تفتیش حملے کی ویڈیو ریکارڈنگ کا انکشاف بھی کیا۔ پولیس کے مطابق ملزموں نے اپنی موٹر سائیکلوں میں پستول چھپانے کیلئے سیٹوں کے نیچے خصوصی خانے بنا رکھے تھے اسی وجہ سے پکڑے نہیں گئے۔

شدت پسند تنظیمیں نوجوانوں کو دہشت گردی کا ایندھن بنا کر استعمال کر رہی ہیں ۔ خود کش حملوں کے لیے معصوم نوجوانوں کی ذہن سازی کرکے اُن کو جنت کے خواب دکھا کر انہیں اپنی اور دوسروں کی جان لینے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں اس فساد کا بیج بویا جاچکا ہے۔ یونیورسٹیوں، کالجوں اور حتیٰ کہ سکولوں میں مخصوص نصاب کے ذریعے ایسی ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جو معاشرے میں شدت پسندی کو ترویج دینے کا باعث بن رہی ہے۔ اور ایسا

اسلامی تعلیم اور تبلیغ کے نام پر کیا جارہا ہے۔ اسلام کا اصل چہرہ لوگوں کو دکھانے اور رواداری اور برداشت کو معاشرے میں فروغ دینے کے بجائے انتہا پسندی کو جنم دیا گیا ہے۔ ہمارا میڈیا اس انتہا پسندی کو کچھ اس طرح گلیمرائز کرکے دکھاتا ہے کہ جیسے کوئی بہت عظیم کارنامہ سرانجام دیا گیا ہو۔ سوال یہ ہے کہ تعلیم یافتہ افراد کس طرح دہشت گردی کی طرف مائل ہو رہے ہیں، تعلیمی اداروں میں نصاب سمیت کون سے ایسے عوامل ہیں جو ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو پہلے دین کی طرف راغب کرتے ہیں اور پھر انہیں شدت پسندی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیمی اداروں میں فعال دہشت گردوں کے نیٹ ورک اور ایسے گروہ جن کے دہشتگرد تنظیموں سے رابطہ ہیں اُنہیں فوری گرفت میں لیا جائے۔

پاکستان ایک عرصہ سے دہشت گردی کا شکار ہے۔ ہر روز دھماکے، قتل، ظلم، دہشت اور بربریت کی نئی کہانی رقم ہوتی رہی۔ ہماری ایک نسل اس جنگ کے دوران پیدا ہوئی اور ایک اسی دوران جوان ہوئی ہم یہ تو کہتے ہیں کہ آج کا بچہ شدت پسند ہے لیکن کیوں، اس لیے کہ وہ اپنے معاشرے میں تشدد دیکھتا ہے اور شدت پسند کو آزاد بھی دیکھتا ہے۔ آج کا نوجوان یہ دیکھتا ہے کہ اگر وہ گرفتار کر لیا جاتا ہے تو عدالتیں انہیں سزا نہیں سناتیں اور سزا سنا دی جائے تو اُس پر عمل نہیں کیا جاتا اور یوں ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا رہا ہے جس میں مجرم

خوف محسوس نہیں کرتا۔ ان حالات کو بدلنے کے لئے زبردست سیاسی قوت عمل کی ضرورت ہے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ موجودہ دور میں ایسی کوئی طاقت نظر نہیں آتی، جس کے پاس اس کام کو انجام دینے کے لیے درکار قوت عمل اور عزم وحوصلہ موجود ہو۔

نواز کے ایاز کو کچھ نہیں ہوگا

ایاز صادق کی تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کے ساتھ اسکول کے دنوں سے دوستی ہے۔ اسی دوستی کی بنیاد پر جب عمران خان نے اپنی جماعت کی بنیاد رکھی تو وہ اس میں شامل ہوگئے۔ فروری انیس سو ستانوے میں ہونے والے عام انتخابات میں عمران خان لاہور سے جس قومی اسمبلی کی نشست کے لیے امیدوار تھے اسی حلقے کی صوبائی نشست پر سردار ایاز صادق نے تحریک انصاف کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے لیے انتخاب لڑا۔ تاہم دونوں ہی اپنی اپنی نشست پر کامیاب نہ ہوسکے۔ انیس سو ستانوے کے انتخابات کے بعد سردار ایاز صادق تحریک انصاف سے دور ہوگئے اور انہوں نے مسلم لیگ نواز کے سربراہ نواز شریف سے اُن کی جلاوطنی کے دوران سعودی عرب میں ملاقات کی اور مسلم لیگ نواز میں شامل ہوگئے۔ سیاست نے بچپن کے ان دو دوستوں کو بارہا ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کیا مگر اب رکن قومی اسمبلی عمران خان کو ایوان کے اندر کسی موضوع پر بولنے کے لیے قوائد ضوابط کے مطابق اسپیکر یعنی ایاز صادق کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔

چار مئی کو لاہور کے انتخابی ٹریبونل نے مسلم لیگی رہنما خواجہ سعد رفیق کی انتخابات میں کامیابی کو کالعدم قرار دیتے ہوئے حلقہ این اے 125 میں دوبارہ

انتخابات کرانے کا حکم دیا تھا۔ سیاسی مبصرین نے خواجہ سعد رفیق کے انتخاب کو کالعدم قرار دینے کے فیصلے کو تحریک انصاف کا پہلا چھکا قرار دیا تھا۔ سات مئی کو سعد رفیق نے این اے ایک سو پچیس سے متعلق الیکشن ٹریبونل کا فیصلہ سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ سپریم کورٹ نے خواجہ سعد رفیق کیخلاف الیکشن ٹریبونل کا فیصلہ معطل کر دیا۔ خواجہ سعد رفیق ممبر قومی اسمبلی اور میاں نصیر احمد صوبائی اسمبلی کی نشست پر بحال ہو گئے۔ اب سعد رفیق کا کیس سپریم کورٹ میں ہے اور سعد رفیق ایم این اے بھی ہیں اور ریلوے کے وزیر بھی۔

بائیس اگست کو الیکشن ٹریبونل نے این اے 122 سے مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی سردار ایاز صادق اور پی پی 147 سے ن لیگ کے ہی رکن پنجاب اسمبلی محسن لطیف کے انتخاب کو کالعدم قرار دیتے ہوئے ان حلقوں میں دوبارہ الیکشن کرانے کا حکم دیا ہے، اسپیکر قومی اسمبلی نے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ جانے کا اعلان کیا ہے۔ میں نہ مانو کے کلیے پر عمل کرتے ہوئے وزیراعظم نواز شریف نے کہا ہے کہ این اے 122 کا فیصلہ قانونی عمل کا حصہ ہے۔ این اے 122 کے فیصلے پر قانون کے مطابق اپنا حق استعمال کریں گے۔ وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید کا کہنا ہے کہ این اے 122 کے فیصلے کا احترام کرتے ہیں، لیکن اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ فیصلہ کرنے والے نے ن لیگ سے تعصب برتا ہے۔

این اے 122 کے فیصلہ آنے کے بعد عمران خان نے زمان پارک لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ دھرنے میں شرکت کرنے والوں کو مبارکباد دیتا ہوں، پاکستان میں جمہوریت کا نظام لائیں گے، ہمارا مقصد جمہوری نظام لانا ہے، ہم نے ڈھائی سال جدوجہد کی۔ ہمارے لوگ شہید ہوئے، دھرنے میں قربانیاں دیں۔ دو وکٹیں گر گئی ہیں، باقی دو بھی جلد گرنے والی ہیں۔ میں نے صرف چار حلقے کھولنے کے لیے کہا تھا۔ میں صرف انتخابی نظام کی بہتری چاہتا ہوں۔ چیئرمین نادرا کو شرم آنی چاہیئے، انگوٹھوں کے نشانات کی تصدیق کے لیے نادرا کو 26 لاکھ روپے دیئے۔ مجھے انصاف لینے میں اڑھائی سال لگے تو عام آدمی تو پانچ سال تک دھکے کھاتا رہتا اسے جواب نہ ملتا۔ نواز شریف چار حلقے کھول دیتے تو ہم دھرنا نہ دیتے آج پتہ چلا نواز شریف کیوں چار حلقے نہیں کھول رہے تھے۔ عمران خان نے ایک اور دھرنے کی دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ انتخابی عملے کے خلاف کارروائی کیلئے دو ہفتے کا وقت دیتا ہوں۔ دو ہفتے بعد الیکشن کمیشن کے سامنے دھرنا دیں گے۔ ایسا دھرنا دوں گا آپ 126 دن کا دھرنا بھول جائیں گے۔ لگتا ہے عمران خان کو تاریخ پڑھنے کا قطعی شوق نہیں، اگر انہیں ذرا بھی شوق ہوتا تو وہ لازمی جان لیتے کہ جسٹس محمد منیر، جسٹس مولوی مشتاق، جسٹس انوارالحق، جسٹس نسیم حسن شاہ، سابق پاکستانی صدر جسٹس رفیق تارڑ اور جسٹس افتخار محمد چوہدری پاکستان کے وہ جج ہیں جو ہمیشہ آمروں کا ساتھ دیتے رہے یا

پھر انھوں نے اُس کا ساتھ دیا جس نے بقول بینظیر بھٹو چمک کا زیادہ استعمال کیا۔ جسٹس محمد منیر سے لے کر جسٹس افتخار محمد چودھری تک سب کا ایک جیسا ہی کردار رہا ہے۔
جسٹس نسیم حسن شاہ نے 1993ء میں نواز شریف کی پہلی حکومت کی بحالی کا فیصلہ بحیثیت چیف جسٹس آف پاکستان سنایا تھا۔ چیف جسٹس نسیم حسن شاہ کی جانب سے کیس کی سماعت سے پہلے اپنے ریمارکس میں یہ کہنا کہ وہ جسٹس منیر نہیں بننا چاہتے، صاف ظاہر کر رہا تھا کہ کیا فیصلہ آئے گا۔ رفیق تارڑ جنوری 1991ء سے اکتوبر 1994ء تک سپریم کورٹ کے جج رہے، وہ چیف جسٹس نسیم حسن شاہ کے اُس گیارہ رکنی بینچ کا حصہ تھے جس نے 1993ء میں نواز شریف حکومت کو بحال کیا تھا۔ 1997ء میں رفیق تارڑ مسلم لیگ (ن) کے ٹکٹ پر سینیٹ کے رکن منتخب ہوئے اور پھر نواز شریف نے اُنہیں اپنا صدارتی امیدوار بنایا جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ محمد رفیق تارڑ یکم جنوری 1998ء سے 20 جون 2001ء تک پاکستان کے صدر رہے۔ محمد رفیق تارڑ کی ایک بہوُ سائرہ افضل تارڑ آج بھی نواز شریف کابینہ میں بطور وزیر مملکت موجود ہیں۔
سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے نو مارچ 2007ء کو مشرف کے احکامات ماننے سے انکار کردیا، اُنہیں مشرف نے عدلیہ سے علیحدہ کیا تو وکیلوں کو ساتھ ملاکر مزدور رہنماوں کے سے انداز میں اپنی بحالی کی تحریک چلائی۔ اس دوران مشرف سے غلطیاں ہوتی چلی گئیں، لیکن اس سارے کھیل میں سابق چیف جسٹس

کا مرحوم بینظیر بھٹو کی زبان میں چمک کا معاملہ نواز شریف کے ساتھ طے تھا جو اب بھی چل رہا ہے۔ افتخار محمد چوہدری نے جب وہ چیف جسٹس تھے اور اب ریٹائر ہونے کے بعد بھی حکومت سے وہ مراعات لے رہے ہیں جس کے وہ حقدار نہیں ہیں۔

عمران خان حد سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہیں، لہٰذا وہ دھرنے میں شرکت کرنے والوں کو مبارکباد دے رہے ہیں۔ عمران خان کو ایک بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ہر مرتبہ دھرنوں کی سیاست کامیاب نہیں ہوگی۔ 19 سال بعد بھی عمران خان کو سیاست کی سمجھ نہیں آرہی کہ اس ملک میں انصاف صرف اُسے ملتا ہے جو زیادہ چمک کا مظاہرہ کرتا ہے۔ پاکستان میں انصاف برائے فروخت ہے اور گزشتہ 23 سال سے منصفوں کو نواز شریف سے اچھا خریدار نہیں ملا یہ ہی وجہ ہے کہ نواز شریف جب بھی منصفوں کے پاس گئے کامیاب لوٹے ہیں۔ خان صاحب انصاف کی امید نہ رکھیں کیوں کہ ان کے پاس ابھی نہ تو کسی کو سینیٹر بنانے کی طاقت ہے اور نہ ہی صدر۔ خان صاحب آپ ڈھائی سال میں ابھی تک صرف دو وکٹیں گراپائے ہیں، اب باقی ڈھائی سال سپریم کورٹ کے فیصلے کے انتظار میں گزاریں۔

عمران خان جن دو وکٹوں کے گرنے کی بات کررہے ہیں اُن میں سے پہلی وکٹ سعد رفیق اپنی جگہ موجود ہیں، سعد رفیق ایم این اے بھی ہیں اور ریلوے کے وزیر بھی۔ کیا فرق پڑا ہے ابھی تک سعد رفیق کو؟ دو چار دن بعد ایاز صادق بھی

سپریم کورٹ چلے جائیں گے اور اپنے لیے ایسا ہی حکم امتناعی لے آئیں گے اور پھر وہ ایم این اے بھی ہوں گے اور اسپیکر بھی۔ پاکستان میں سب کچھ ملتا ہے لیکن انصاف صرف اُسے ہی ملتا ہے جو انصاف کو خرید سکے۔ جیسے اس سے پہلے سعد رفیق کو کچھ نہیں ہوا ٹھیک اسی طرح نوازکے ایاز کو کچھ نہیں ہوگا، بس عمران خان دو چار دن خوشیاں منالیں۔

عمران خان کی سیاسی ہیٹ ٹرک

تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے 2013ء کے انتخابات کے بعد کہا تھا کہ ہم نے انتخابات قبول کیے ہیں لیکن دھاندلی قبول نہیں کی۔ عمران خان نے قومی اسمبلی میں اپنی پہلی تقریر میں کہا تھا کہ حکومت عوام کے اعتماد کے لیے صرف چار حلقوں میں انگوٹھوں کے نشانات کی جانچ کرائے جس پر حکومت کی جانب سے وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کہا تھا کہ ہم چار نہیں چالیس حلقوں میں نشانات کی جانچ کرانے پر تیار ہیں۔ لیکن ایک سال تک جب ایسا نہیں ہوا تو تحریک انصاف نے گیارہ مئی 2014ء کو حکومت کے خلاف احتجاج کا اعلان کیا۔ گزشتہ سال 14 اگست 2014ء سے 16 دسمبر 2014ء تک عمران خان احتجاج، جلسے اور دھرنے کی سیاست کرتے رہے۔ اسلام آباد کے 126 دن کے دھرنے میں روزانہ کنٹینر پر کھڑے ہو کر وہ نواز شریف سے استعفے کا مطالبہ کرتے رہے، ان دھرنوں کی وجہ سے پاکستان کو بے انتہا سیاسی اور معاشی نقصان اٹھانا پڑا۔

نواز شریف نے 12 اگست کو "آزادی مارچ" سے پہلے جوڈیشل کمیشن کے قیام کا اعلان کر دیا تھا لیکن انہوں نے عمران خان کے بنیادی مطالبے کو پورا کرنے

کوشش نہیں کی کہ "صرف چار حلقے کھول لیے جائیں"۔ چار مئی 2015ء کو لاہور کے انتخابی ٹریبونل نے مسلم لیگی رہنما خواجہ سعد رفیق کی انتخابات میں کامیابی کو کالعدم قرار دیتے ہوئے حلقہ این اے 125 میں دوبارہ انتخابات کرانے کا حکم دیا تھا۔ سیاسی مبصرین نے خواجہ سعد رفیق کے انتخاب کو کالعدم قرار دینے کے فیصلے کو تحریک انصاف کا پہلا چھکا قرار دیا تھا۔ لیکن سعد رفیق اپنا کیس سپریم کورٹ میں لے گئے اور اب سعد رفیق ایم این اے بھی ہیں اور ریلوے کے وزیر بھی۔ 2013ء کے عام انتخابات کی تحقیقات کرنے والے جوڈیشل کمیشن نے جولائی کے آخر میں اپنے فیصلے کا اعلان کیا اور پاکستان تحریک انصاف کے تینوں الزامات مسترد کر دیئے۔ اپنے فیصلے میں جوڈیشل کمیشن نے کہا ہے کہ انتخابات بعض بے ضابطگیوں کے باوجود قانون کے مطابق ہوئے اور منظم دھاندلی کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ اس فیصلے نے تحریک انصاف کو سیاسی طور پر بہت کمزور کر دیا اور تحریک انصاف معذرت خواہانہ طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی تھی، جبکہ مسلم لیگ (ن) کے کیمپ میں بھنگڑے ڈالے جا رہے تھے۔

بائیس اگست کو کھیل کا پانسہ پلٹا اور الیکشن ٹریبونل نے این اے 122 سے مسلم لیگ ن) کے رکن قومی اسمبلی سردار ایاز صادق اور پی پی 147 سے مسلم لیگ (ن) کے) ہی رکن پنجاب اسمبلی محسن لطیف کے انتخاب کو کالعدم قرار دیتے ہوئے ان حلقوں میں دوبارہ انتخابات کا حکم دے دیا۔ یہ مسلم لیگ (ن) کی دوسری وکٹ

گری تھی۔ اس اہم وکٹ کے گرتے ہی مسلم لیگ (ن) میں بھونچال آگیا۔ ایاز صادق نہ صرف قومی اسمبلی کے رکن تھے بلکہ قومی اسمبلی کے اسپیکر بھی تھے۔ اس وقت وزیراعظم نواز شریف نے کہا تھا کہ این اے 122 کا فیصلہ قانونی عمل کا حصہ ہے۔ این اے 122 کے فیصلے پر قانون کے مطابق اپنا حق استعمال کریں گے۔ جبکہ ایاز صادق نے فیصلے کے خلاف سیدھے سیدھے سپریم کورٹ جانے کا اعلان کیا تاکہ وہ بھی اگلے ڈھائی سال حکم امتناعی کی چھتری تلے آرام سے قومی اسمبلی کے رکن اور اسپیکر رہ سکیں۔

ہر سیاسی جماعت یا حکومت کا کوئی نہ کوئی ترجمان ہوتا ہے اور وہی جماعت یا حکومت کی پالیسی بیان کرتا ہے لیکن مسلم لیگ (ن) کا انداز ذرا مختلف ہے۔ مسلم لیگ (ن) میں وزرا اور خاص کر وہ وزرا جو پارٹی یا حکومت کے ترجمان ہیں، وہ وزرا کم اور نواز شریف کے درباری زیادہ ہیں۔ مسلم لیگ (ن) کے دو درباری وزرا پرویز رشید اور رانا ثناء اللہ کا تو کام ہی یہ ہے کہ سچ بولیں یا جھوٹ ہر صورت میں نواز شریف اور مسلم لیگ (ن) کا جھنڈا اونچا رکھنا ہے۔ ان دونوں وزرا نے صبح سے شام تک پاکستان تحریک انصاف اور اُس کے چیئرمین عمران خان کے خلاف جھوٹے سچے بیان دینے کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی ہے۔ این اے 122 کے فیصلے میں ایاز صادق کی وکٹ گرنے کے بعد دونوں درباری وزرا کے پاس جب تحریک انصاف اور عمران خان کے خلاف کہنے کو کچھ نہیں تھا تو حکومت اور

نواز شریف کو شرمندگی سے بچانے کے لیے وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید نے کہا کہ ہم این اے 122 کے فیصلے کا احترام کرتے ہیں، لیکن اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ فیصلہ کرنے والے نے مسلم لیگ (ن) سے تعصب برتا ہے۔ وزیر اطلاعات کا بیان سیدھا سیدھا جج پر الزام تھا کہ جج متعصب ہے جب کہ اس سے پہلے اسی جج جسٹس (ر) کاظم علی ملک نے مسلم لیگ (ن) کے حق میں فیصلے دیئے تھے مگر تب اُنہیں متعصب نہیں کہا گیا۔ دوسرے درباری وزیر، پنجاب کے وزیر قانون رانا ثناء اللہ نے جج جسٹس (ر) کاظم علی ملک پر الزام لگاتے ہوئے وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید سے آگے چھلانگ لگائی اور ایک پریس کانفرنس میں الزام عائد کیا کہ الیکشن ٹریبونل کے جج کاظم علی ملک نے مئی 2013ء کے عام انتخابات میں اپنے بیٹے کے لیے پاکستان مسلم لیگ (ن) کا ٹکٹ مانگا تھا لیکن انکار کرنے پر اُنھوں نے قومی اسمبلی کے اسپیکر سردار ایاز صادق کے خلاف انتخابی عذرداری کا فیصلہ دیا ہے۔ اُنھوں نے اس فیصلے کو تعصب پر مبنی قرار دیا۔ جسٹس (ر) کاظم علی ملک نے اُسی روز ایک ٹی وی پروگرام پر آ کر ان الزامات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر صوبائی وزیر قانون اُن کے بیٹے کی پارٹی ٹکٹ لینے سے متعلق کوئی درخواست کی کاپی دِکھا دیں تو وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں گے۔ (جج کاظم ملک کا یہ اقدام یقیناً پیشہ ورانہ اخلاقیات کی خلاف ورزی ہے) اُنھوں

نے کہا کہ وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید نے بھی قومی اسمبلی کے اس فیصلے کے بعد سنگین نتائج کی دھمکیاں دی ہیں تاہم وفاقی وزیر اطلاعات نے ان الزامات کی تردید کی ہے۔ جسٹس (ر) کاظم علی ملک کو دونوں وزرا کے بیانات کو برداشت کرنا چاہیئے تھا۔ سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس سعید الزمان صدیقی کا کہنا تھا کہ عدالتی فیصلے سنائے جانے کے بعد وہ پبلک پراپرٹی بن جاتے ہیں اور ہر ایک کو اس پر رائے دینے کا حق ہے۔اُنھوں نے کہا کہ کسی جج کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ٹی وی چینل پر آ کر اپنے دیئے ہوئے فیصلوں کا دفاع کرے۔

تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے 25 اگست کو قومی اسمبلی کے حلقوں این اے اور این اے 122 کے بعد این اے 154 لودھراں سے مسلم لیگ (ن) کی 125 تیسری وکٹ گرا کر ہیٹ ٹرک مکمل کر لی۔ الیکشن ٹریبونل نے قومی اسمبلی کے حلقے این اے 154 لودھراں میں بھی تحریک انصاف کے حق میں فیصلہ سنا کر مسلم لیگ (ن) کے صدیق خان بلوچ کی کامیابی کو کالعدم قرار دیتے ہوئے دوبارہ انتخابات کا حکم دے دیا ہے۔ الیکشن ٹریبونل نے صدیق بلوچ کو جعلی ڈگری پر تاحیات نااہل بھی قرار دے دیا ہے۔ الیکشن ٹریبونلز کے تین فیصلے جو مسلم لیگ (ن) کے خلاف آئے ہیں اُس کے بعد سے مسلم لیگ (ن) کے وزراء اور رہنماؤں نے موجودہ سیاسی صورتحال سے نمٹنے کے لیے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے جس سے پارٹی رہنماؤں کی رائے میں اختلاف واضح ہوا ہے۔ وزیر اعظم کی زیر صدارت ہونے والے

ایک اجلاس میں عمران خان کی سیاست پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا اور نواز شریف نے پارٹی رہنماؤں کو ہدایت کی کہ وہ اختلاف رائے ختم کریں۔

قومی اسمبلی کی نشستوں پر پاکستان تحریک انصاف کی ہیٹ ٹرک سے مسلم لیگ (ن) پر زبردست سیاسی اثرات مرتب ہوئے ہیں اور اُس کی سمت ہی تبدیل ہو گئی ہے۔ نواز شریف جواب سے صرف چند روز پہلے سپریم کورٹ جانے کو اپنا حق قرار دے رہے تھے ایک بہت بڑا یوٹرن لیتے ہوئے فرمایا کہ "سردار ایاز صادق پر جو داغ الیکشن ٹریبونل کے فیصلے کے بعد لگا ہے اس کو دھونے کے لیے سپریم کورٹ آف پاکستان میں پٹیشن دائر کی جائے گی اور وہ اپنے اوپر لگنے والے الزامات کے خاتمے کی استدعا کریں گے لیکن ضمنی الیکشن کے حوالہ سے حکم امتناعی کی درخواست نہیں کی جائے گی"۔ وزیر اعظم نواز شریف نے اعلان کیا کہ مسلم لیگ (ن) ضمنی الیکشن میں حصہ لے گی، عوام کے ووٹوں سے پارلیمنٹ میں آئے ہیں، جب بھی موقع ملا تو عوام سے ہی رجوع کیا۔ مسلم لیگ (ن) ہمیشہ عوام کی عدالت میں جانے کو ترجیح دیتی ہے۔ ساتھ ہی نواز شریف کا کہنا تھا کہ قومی اسمبلی کی نشست 122 پر 11 اکتوبر کو ہونے والے ضمنی الیکشن میں مسلم لیگ (ن) کے امیدوار ایاز صادق ہی ہوں گے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نواز شریف ضمنی الیکشن کے دنگل میں کیوں اترنا چاہ رہے ہیں تو اُس کی سیدھی سیدھی وجہ یہ ہے کہ الیکشن ٹریبونل نے صدیق بلوچ کو جعلی ڈگری پر تاحیات نااہل قرار دے

دیا ہے، اس لیے نواز شریف کو ہر صورت انتخابی دنگل میں اترنا تھا۔
عمران خان نے کہا کہ مسلم لیگ (ن) کا ضمنی انتخاب کرنے کا اقدام خوش آئند ہے، میں ان کے چیلنج کو قبول کرتا ہوں اور وزیراعظم نواز شریف کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اگر این اے 122 میں میرے مقابلے میں آکر الیکشن لڑیں تو میں بھی تیار ہوں۔ ایسا تو شاید ممکن نہیں ہوگا کیونکہ نواز شریف کو اس کی ضرورت نہیں ہے جبکہ عمران خان اپنے چار حلقوں کے اصل مطالبے میں ہیٹ ٹرک کی بدولت 75 فیصد کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔
این اے 122 اور این اے 154 کے ضمنی انتخاب پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سربراہ نواز شریف اور پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کی مقبولیت کا امتحان ہوں گے۔

پیپلز پارٹی بدعنوانوں کا ٹولہ ہے

ذوالفقار علی بھٹو پر اُن کے مخالفین بہت سے الزامات لگاتے ہیں مگر اُن کے ایک کٹر نظریاتی مخالف جماعت اسلامی کے سابق نائب امیر پروفیسر غفور احمد مرحوم سے کئی برس پہلے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا بھٹو صاحب مالی خورد برد میں ملوث تھے تو پروفیسر غفور نے جواب دیا تھا کہ بھٹو پر ہر الزام لگایا جاسکتا ہے لیکن بھٹو پر مالی بدعنوانی اور لوٹ مار کا الزام کوئی نہیں لگا سکا۔ آصف زرداری کی پاکستانی سیاست میں آمد صرف اس وجہ سے ہوئی کہ اُن کی شادی بینظیر بھٹو سے ہوئی، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایک گمنام انسان ہوتے اور شاید اپنے قریبی حلقے میں ہی پہچانے جاتے۔ بینظیر بھٹو 1988ء میں پہلی مرتبہ وزیراعظم بنیں اور تھوڑے عرصے بعد ہی آصف زرداری "مسٹر ٹین پرسینٹ" کے طور پر سامنے آئے۔ بینظیر بھٹو کی دونوں حکومتیں کرپشن کے الزامات کے تحت ختم کی گئی تھیں۔ صدر فاروق لغاری جنہیں خود بینظیر بھٹو ہی لے کر آئی تھیں انہیں شاہی جوڑے کی کرپشن کی وجہ سے بینظیر بھٹو کی حکومت ختم کرنی پڑی۔ شاہی جوڑے کی کرپشن کا یہ حال تھا کہ بینظیر بھٹو نے وزیراعظم ہوتے ہوئے یہ بیان دیا تھا کہ کک بیک اور کمیشن کو قانونی حیثیت دے دینی چاہیئے۔

بینظیر بھٹو کی موت کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کی 2008ء سے 2013ء کی مرکزی حکومتوں میں آصف زرداری، اُن کے دو وزرائے اعظم اور وفاقی اور صوبائی وزرا نے مل کر کرپشن اور بدانتظامی کے حوالے سے ماضی کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ اربوں روپے کی کرپشن کرکے قومی خزانے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور ملکی معیشت کو مفلوج بناڈالا۔ پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف زرداری کے بارے میں ایک بات مشہور ہے کہ وہ دوستوں کے دوست ہیں۔ انہوں نے تقریباً دس سال قید میں کاٹے اور 2004ء میں سارے مقدمات میں بری ہونے کے بعد اُنہیں رہا کردیا گیا۔ جیل میں انہوں نے قیدیوں کی فلاح و بہبود کے لیے کئی کام کیے، جیل کے زمانے میں جن لوگوں سے ان کی دوستی ہوئی وہ آج بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ بدنام زمانہ سندھ کے سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا توزرداری کے بچپن کے دوست ہیں لیکن آج کل ذوالفقار مرزا زرداری کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ ذوالفقار مرزا نے کراچی میں پیپلز امن کمیٹی بناکر کراچی خاص کر لیاری کو تباہ کردیا۔ تجزیہ نگار روف کلاسرا نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ "ایک دن ذوالفقار مرزا کے منہ سے سنا کہ اگر سابق وزیر پٹرولیم ڈاکٹر عاصم حسین کو گرفتار کرکے رگڑا لگایا جائے تو وہ اربوں روپے اگل دے گا"۔ کچھ دن بعد مرزا نے ایک اور انکشاف کیا کہ ڈاکٹر عاصم حسین کا نام ایک سکینڈل میں تھا جس کا ریفرنس نیب کے پاس تھا، تاہم الزام لگا کہ موجودہ چیئرمین نے خاموشی

سے اُن کا نام اس سکینڈل اور ریفرنس سے نکال دیا تھا۔ پتہ چلا کہ ایف ٹین کے فلیٹس میں دونوں کے ایک مشترکہ دوست کے توسط سے ہونے والی ملاقاتیں رنگ لائی تھیں۔ پیپلز پارٹی کی مرکزی حکومت تو 2013ء میں ختم ہو گئی لیکن سندھ میں اس کی صوبائی حکومت ابھی تک برقرار ہے اور اُس کے ساتھ ہی صوبے میں بدعنوانی بھی عروج پر ہے۔ ڈاکٹر عاصم حسین جو سابق صدر آصف زرداری کے 1990ء سے بہت قریبی دوست ہیں، وہ تعلیم اور پیشے کے لحاظ سے ایک طبیب ہیں لیکن زرداری کی دوستی کی وجہ سے اُنہیں 2008ء میں چیئرمین نیشنل ری کنسٹریشن بیورو تعینات کیا گیا۔ 2009ء میں وہ پیپلز پارٹی کی طرف سے سینیٹر منتخب ہوئے لیکن سپریم کورٹ کے دُہری شہریت کے بارے میں فیصلے کے بعد انہیں 2012ء میں مستعفی ہونا پڑا۔ مستعفی ہونے سے قبل وہ پیٹرولیم اور قدرتی وسائل کے وزیر بھی رہے۔ اس عرصے میں وہ سی این جی اسٹیشنوں کے غیر قانونی پرمٹ جاری کرنے کے علاوہ دیگر بدعنوانیوں میں شامل رہے۔ ان کے مخالفین اُن کے کردار پر تنقید کرتے رہے ہیں۔ وہ آج کل سندھ ہائیر ایجوکیشن کمیشن کے سربراہ کے عہدے پر تعینات ہیں۔

چھبیس مئی کو ڈاکٹر عاصم حسین اور ڈپٹی مینجنگ ڈائریکٹر سوئی سدرن گیس

کمپنی شعیب وارثی کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عاصم حسین پر ایل این جی اور ایل پی جی کے معاملات میں کرپشن اور سی این جی سٹیشنز کے سینکڑوں غیر قانونی لائسنس جاری کرنے کے الزامات ہیں۔ جب کہ سوئی سدرن گیس کمپنی کے ڈپٹی مینجنگ ڈائریکٹر شعیب وارثی پر ڈاکٹر عاصم حسین کے لیے غیر قانونی کام کرنے اور گیس کنکشنوں کے اجراء میں کروڑوں روپے کمانے کا الزام ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ گیس کے ہر کنکشن کے لیے چھ ہزار روپے سرکاری فیس کی بجائے ایجنٹوں کے ذریعے پندرہ ہزار روپے وصول کیے جاتے تھے جس کا آدھا حصہ شعیب وارثی کو پہنچایا جاتا تھا۔ ڈاکٹر عاصم پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والی دوسری اہم شخصیت ہیں جنہیں حالیہ ماہ حراست میں لیا گیا ہے۔اس سے قبل قومی احتساب بیورو نے آٹھ اگست کو لاہور میں پیپلز پارٹی کے رہنما اور سابق اولمپیئن قاسم ضیاء کو کروڑوں روپے کی بدعنوانی کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔

کراچی میں انسداد بدعنوانی کی وفاقی عدالت کے جج نے ٹریڈ ڈویلپمنٹ اتھارٹی میں ایک ارب روپے کی مبینہ کرپشن کے مقدمے میں سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اور پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین کے صدر مخدوم امین فہیم سمیت دس افراد کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے ہیں۔ تفتیشی افسر کا کہنا تھا کہ ان ملزمان کی بدعنوانی کی وجہ سے قومی خزانے کو ایک ارب روپے کا نقصان

پہنچا ہے۔ حالیہ مقدمات سے پہلے بھی یوسف رضا گیلانی اور مخدوم امین فہیم پر ٹریڈ ڈویلپمنٹ اتھارٹی میں بدعنوانی کے 12 مقدمات دائر ہیں جن میں وہ ضمانت حاصل کر چکے ہیں۔ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی ایک بے انتہا بدعنوان وزیراعظم رہے ہیں۔

یوسف رضا گیلانی جب جیل میں تھے تو انہوں نے گھڑی فروخت کرکے اپنے بچوں کی فیسیں ادا کی تھیں مگر پیپلز پارٹی کے دور میں وہ اور اُن کے بچے کروڑوں پاونڈز کی شاپنگ دنیا کے مہنگے ترین سٹور ہارڈز (Harrods) سے کرتے تھے اور ایک ایک رات میں مبینہ طور پر لاکھوں روپے کسینو میں خرچ کردیتے تھے۔ امین فہیم جو ٹیکس تو چھوڑیں بجلی کا بل بھی نہیں دیتے جب وہ وزیر تھے تو اُنہیں پتہ ہی نہیں چلا کہ اُن کے بینک اکاونٹس میں 10 کروڑ روپے کیسے آ گئے۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر رہے کہ اُن کی بیٹی مقابلے کا امتحان دیئے بغیر کیسے برطانیہ میں پاکستانی سفارت خانے کے سیکنڈ سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہو گئیں۔ پیپلزپارٹی کے ایک اور سابق وزیراعظم راجہ پرویز اشرف نے اپنے 18 ویں گریڈ میں انکم ٹیکس محکمے میں تعینات داماد کو پہلے ای او بی میں 20 ویں گریڈ پر ترقی دی اور پھر 21ویں گریڈ میں اپنے پاس وزیراعظم سیکریٹریٹ میں جائنٹ سیکرٹری بنا دیا۔

گیارہ جون کو اپیکس کمیٹی میں ڈی جی رینجرز نے ایک رپورٹ پیش کی جس کے مطابق سالانہ 230 ارب روپے دہشت گردی میں استعمال ہونے کا انکشاف ہوا۔ جس کے بعد پیپلز پارٹی میں کھلبلی مچ گئی۔ اس رپورٹ میں آصف زرداری اور اُن کی پیپلز پارٹی کا کردار واضح نہیں کیا گیا تھا لیکن چور کی ڈاڑھی میں تنکا کے مصداق وہ فوج پر برس پڑے اور اپنی استطاعت سے بڑھ کر دعوے کر ڈالے۔ آصف زرداری نے کہا کہ سیاست دانوں کے راستے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کی جائیں ورنہ اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ جب پیپلز پارٹی نے ہڑتال کی تو خیبر سے لے کر کراچی تک جام ہو جائے گا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اب سندھ میں بھی پیپلز پارٹی کو شدید مزاحمت کا سامنا ہے۔ پیپلز پارٹی کے مقابلے میں قائم ہونے والے لاڑکانہ عوامی اتحاد کی جانب سے پیر 24 اگست کو لاڑکانہ میں بہت بڑی ریلی اور جلسہ منعقد کیا گیا۔ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ن لیگ کے رہنما ممتاز بھٹو نے کہا کہ زرداری پیپلز پارٹی کی خراب کارکردگی کی وجہ سے آج پورا سندھ جل رہا ہے۔ عوامی اتحاد کے کنوینز اور سابق رکن سندھ اسمبلی حاجی منور علی عباسی نے کہا کہ لاڑکانہ کے عوام نے کرپشن اور بدعنوانیوں کی وجہ سے پیپلز پارٹی کو مسترد کر دیا ہے اور آئندہ انتخابات میں عوامی اتحاد زرداری پارٹی کو بری طرح شکست سے دوچار کرے گا۔ عوام نے پرجوش انداز میں گو زرداری گو کے نعرے لگائے۔

سابق مشیر پیٹرولیم ڈاکٹر عاصم حسین کی گرفتاری اور عدالت سے ریمانڈ لئے جانے کے بعد آصف زرداری نے پارٹی قائدین سے ٹیلیفون رابطے کیے ہیں اور پارٹی رہنماؤں کی گرفتاریوں پر بھرپور احتجاج اور ٹھوس حکمت عملی اپنانے کی ہدایات دی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ پیپلزپارٹی کو دیوار سے لگایا جا رہا ہے،کیا کرپشن صرف کراچی میں ہو رہی ہے،ڈاکٹر عاصم کا قصور پیپلزپارٹی سے تعلق ہے،جس کی اُنہیں سزا دی جا رہی ہے، جیلیں اور ہتھکڑیاں ہمارا راستہ نہیں روک سکتیں۔ قائد حزب اختلاف خورشید شاہ جو پیپلزپارٹی کے دور میں وزیر بھی رہے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ اگر آصف علی زرداری پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے تو یہ جنگ کی ابتداء کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ خورشید شاہ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر عاصم کی گرفتاری قابل مذمت ہے،اداروں کے اندر اداروں کی مداخلت کے خطرناک نتائج نکلیں گے۔ خورشید شاہ کا یہ بھی کہنا تھا کہ اولمپیئن ہیرو قاسم ضیاء کو جھوٹے مقدمے میں پکڑا اور ہتھکڑی لگا کر پیش کیا گیا،جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے ہم کسی کو مجرم نہیں کہہ سکتے۔ وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا کہ ڈی جی رینجرز اُن کے ماتحت ہیں، انہیں ڈاکٹر عاصم کی گرفتاری کا بتانا چاہیئے تھا، اس معاملے پر کور کمانڈر اور ڈی جی رینجرز کا کہنا ہے کہ اُن کے پاس ثبوت ہیں۔
بدعنوان عناصر کا تعلق کسی بھی جماعت سے ہو وہ ملزم ہوتے ہیں، اُن کی تفریق

نہ تو علاقے کی بنیاد پر اور نہ ہی جماعت کی بنیاد پر کرنی چاہیئے۔ کراچی آپریشن میں گرفتار ہونے والے دہشت گرد، ٹارگیٹ کلر یا بھتہ خوروں کے بارے میں یہ کہنا کہ فلاں فلاں جماعت سے ہے غلط ہے، ڈاکٹر عاصم حسین اور شعیب وارثی دونوں کو جرم کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا ہے اور دونوں کا تعلق کراچی سے ہے۔ یہ معاملہ کسی جماعت یا کسی رہنما کے خلاف کارروائی کا نہیں بلکہ ان بدعنوان عناصر کے خلاف کارروائی کا ہے جو دہشت گردوں کی مالی معاونت میں ملوث رہے ہیں۔ شعیب وارثی کا پیپلز پارٹی سے کوئی تعلق نہیں، دوسری طرف پیپلز پارٹی کے رہنما قاسم ضیاء کو کراچی سے نہیں لاہور سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ویسے یہ بات سب مانتے ہیں کہ پیپلز پارٹی بدعنوانوں کا ٹولہ ہے اور اس کے گرو آصف علی زرداری ہیں۔ اگر سیاسی جماعتیں اور جمہوری حکومتیں اپنے اندر موجود بدعنوان عناصر کے خلاف آئینی اداروں کے ذریعے کارروائی کو تیار نہیں تو پھر انہیں عوام کو جواب دینا ہوگا کہ آخر اس کرپشن کے خلاف اقدامات کون کرے گا۔ اگرچہ پیپلز پارٹی کا موقف درست ہے کہ سیاسی رہنماؤں اور حکومتی عہدیداروں کی گرفتاری آئینی طور پر مجاز اداروں کو کرنی چاہئیں لیکن ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں کہ اگر ادارے ایسا نہ کر سکیں تو اس صورت میں کیا کیا جانا چاہیئے؟

دہشت گردوں کے مددگار اور سہولت کار

چھ ستمبر کو شہدائے پاکستان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جی ایچ کیو راولپنڈی میں خصوصی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کہا کہ آج پاکستان پہلے سے زیادہ مضبوط، قوم پہلے سے زیادہ پر عزم ہے، دہشت گردوں کو شکست اور ریاست کی بالادستی قائم ہو گئی ہے، دہشت گردوں کے مددگاروں اور سہولت کاروں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں گے۔ دو ستمبر کو وزیراعظم نواز شریف نے آزاد کشمیر باغ میں اپنے خطاب میں دہشت گردی کے حوالے سے کہا کہ فوج اور عوام طے کر چکے دہشت گردی کو ہر قیمت پر ختم کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردوں کی حمایت کرنے والوں کو بھی معاف نہیں کریں گے، دہشت گردوں کا خاتمہ کر کے عالمی برادری کو مستقل امن کا تحفہ دینا چاہتے ہیں۔ پاکستان دہشت گردی کے لیے نہیں بنا، دہشت گردوں کی حمایت کرنے والوں کو بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

آٹھ جون 2014ء اتوار کی درمیانی شب کو کراچی کے جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہ حکومت کے ناقص سیکیورٹی انتظام کی وجہ سے طالبان دہشت گردوں کی جانب سے ایئرپورٹ پر حملہ ہوا تو دہشت گردی سے متعلق کئی سنجیدہ سوال سامنے آئے۔ ان

میں سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ نواز شریف حکومت اور طالبانی دہشت گردوں کا مذاکرات کا ڈرامہ جو ایک سال سے چل رہا تھا کب ختم ہوگا۔ گزشتہ سال جون 2014ء تک دہشت گردی کے واقعات میں دس سال کے عرصے میں 52ہزار409 افراد شہید ہوئے، سیکیورٹی فورسز کے 5ہزار775 اہلکار شہید ہوئے، 396 خود کش حملے ہوئے جس میں 6ہزار21 افراد جاں بحق اور 12ہزار558 افراد زخمی ہوئے، اور 4ہزار932 بم دھماکے ہوئے۔

مسلم لیگ (ن) نے اقتدار میں آنے کے بعد ایک سال تک مذاکرات کا کھیل رچایا، اور اس کھیل میں مسلم لیگ (ن) کے ساتھ جماعت اسلامی اور طالبان کے نام نہاد باپ مولانا سمیع الحق شامل بھی تھے۔ عمران خان اور مولانا فضل الرحمان بھی طالبان کو فوجی کارروائی سے بچانے میں پیش پیش تھے۔ یہ سب جماعتیں آپریشن کی مخالفت میں آگے آگے تھیں۔ مسلم لیگ (ن) کے سربراہ اور موجودہ وزیراعظم تو مجبور تھے ورنہ وہ کافی عرصہ پہلے طالبان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امیر المومنین بن چکے ہوتے۔ کراچی ایئرپورٹ پر طالبان دہشت گردوں کے حملے کے بعد اتوار 15 جون 2014ء کو افواج پاکستان نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن کا آغاز کیا۔ پاک فوج نے آپریشن کا نام "ضرب عضب" رکھا جس کا مطلب "ضرب کاری" یعنی دہشت گردوں کا مکمل خاتمہ۔ اس کے ساتھ ہی نواز شریف حکومت اور دہشت گردوں کے مذاکرات ختم ہوگئے۔

آپریشن ضرب عضب میں اب تک مختلف کارروائیوں کے دوران 2763 دہشت گردوں کو جہنم واصل کیاگیا، جبکہ آپریشن میں سیکیورٹی فورسز کے 347 افسر اور جوان بھی شہید ہوئے۔ فوجی ترجمان کے مطابق سیکیورٹی فورسز نے شہری علاقوں میں خفیہ اطلاعات پر کی گئی 9000 کارروائیاں کیں جن میں 218 دہشت گرد ہلاک ہوئے۔آئی ایس پی آر کے مطابق شمالی وزیرستان میں کارروائیوں کے دوران مختلف نوعیت کے 18087 ہتھیار اور 253 ٹن دھماکہ خیز مواد برآمد کیا گیا ہے۔پاکستان کے دفتر خارجہ کے ترجمان کا کہنا ہے کہ دہشت گردوں کے خلاف گزشتہ ایک سال سے جاری فوجی کارروائی کے دوران ضرب عضب اور متاثرہ علاقوں سے مقامی افراد کی نقل مکانی اور اُن کی بحالی پر اب تک تقریباً دو ارب ڈالر خرچ ہوئے ہیں اور یہ رقم امریکہ کی جانب سے اتحادی سپورٹ فنڈ کے بجائے سرکاری خزانے سے استعمال کی گئی ہے۔

2001ء سے اب تک افغانستان میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کا اتحادی ہونے کے باعث پاکستان کو اتحادی سپورٹ فنڈ کے تحت 13 ارب ڈالر مل چکے ہیں۔تاہم امریکہ نے کہا ہے کہ 2015ء کے بعد سے پاکستان کو اس فنڈ کے تحت رقوم جاری نہیں کی جائیں گی۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دہشت گردی ہمارے ملک میں لانے کی ذمہ داری ہمارے عسکری اداروں کے ساتھ ساتھ امریکہ اور اُسکے حواریوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔

دہشت گردی کی تحریک آدھی سے زیادہ دنیا میں پھیل چکی ہے اوراس کا بڑانشانہ پاکستان ہے۔1965ء کی پاک بھارت جنگ میں 3800پاکستانیوں کی جانیں گئی تھیں، 1971ءمیں 9 ہزار پاکستانی جاں بحق ہوئے تھے جبکہ 2001ء سے 2015ءکے دوران 56ہزار سے زیادہ پاکستانیوں نے جام شہادت نوش کیا گویا طالبان دہشت گرد بھارت سے بھی زیادہ خطرناک دشمن ہیں جو پاکستان کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

دوسری طرف سول عدالتوں نے 15 ہزار کے قریب دہشت گردوں کو بری الزمہ قرار دیا اور 10 ہزار پانچ سو سے زیادہ دہشت گردوں کی ضمانتوں پر رہائی کا حکم جاری کیا۔ حکومتی نااہلی کھل کر سامنے آچکی ہے ورنہ فوجی عدالتوں کی ضرورت پیش نہ آتی۔ آپریشن ضرب عضب ملک بھر میں جاری ہے، ایسا لگتا ہے ملک کے کونے کونے میں دہشت گردوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔اُن کی پناہ گاہیں کون سی ہیں ان کے مددگار اور سہولت کار کون ہیں؟ ملک کی 33 خفیہ ایجنسیوں کو اتنی معلومات توضرور ہوں گی۔ حکومت پاکستان نے جن دہشت گرد تنظیموں کو کالعدم قرار دے رکھا ہے وہ حکومتی فائلوں میں مرچکی ہیں لیکن عملاً بقید حیات ہیں۔ حکومت جانتی ہے کہ یہ دہشت گرد کالعدم تنظیمیں نئے ناموں کے ساتھ سرگرم عمل ہیں ان کے ذرائع آمدن کی پائپ لائن بدستور پیسے اگل رہی ہے۔ حکومت کو ان مدرسوں کے نام بھی سامنے لانے چاہیں جو عسکریت پسندی کے رجحان کو فروغ دے رہے ہیں۔ اُن رفاعی تنظیموں کو بھی بے نقاب کرنا ضروری ہے جو بیرونی فنڈر لیتی اور آگے منتقل کرتی ہیں۔ اب تو صورتحال یہ ہے کہ دہشت

گردوں کے حامیوں کے پیٹ میں اس وقت مروڑ اٹھتا ہے جب لوگ اپنے پیاروں کی یاد میں موم بتیاں جلاتے ہیں یا خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ دہشت گردوں کے حامی قومی روزناموں میں کالم لکھ لکھ کر جہادی ذہن تیار کر رہے ہیں۔

وزیر اعظم نواز شریف اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف دونوں کا کہنا ہے کہ پاکستان دہشت گردی کیلئے نہیں بنا، ہم دہشت گردوں کے مددگاروں اور سہولت کاروں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں گے۔ طالبان کے لفظی معنی کچھ بھی ہوں مگر ہمارے ملک میں طالبان تحریک ایک دہشت گرد تحریک ہے۔ طالبان کے 45 سے زائد گروہ ہیں اور ہر گروہ قتل و غارت گری اور پاکستان پر حملوں میں شریک ہے۔ یہ گروہ برسرعام اس کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ ان گروہوں میں سے کوئی عام انسانوں کا قتل عام کر رہا ہے تو کوئی فرقہ وارانہ قتل و غارت گری میں مصروف ہے، یہ اغوا برائے تاوان، بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ، منشیات کی اسمگلنگ، ڈکیتیوں اور دوسرے جرائم میں بھی مصروف ہیں۔ یہ صرف نام کے انسان ہیں ورنہ ان کے سب خصائل درندوں جیسے ہیں، لہٰذا ان میں یہ احمقانہ تمیز کرنا کہ اچھے کون ہیں اور برے کون ہیں بجائے خود ایک سنگین غلطی ہے۔ لیکن پاکستان میں طالبان کی دو قسمیں ضرور موجود ہیں ایک وہ ہیں جو قتل و غارت گری اور دوسرے جرائم کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو سیاسی اور مذہبی جماعتوں یا پھر صحافت کی آڑ میں دہشت گردوں کے مددگار اور سہولت کار ہیں۔

طالبان کی کسی بھی قتل و غارت گری کے بعد سراج الحق، مولانا فضل الرحمان، مولانا عبدالعزیز اور مولانا سمیع الحق کی جانب سے مرنے والوں کے ساتھ ہمدردی کے باوجود یہ حضرات اور ان کے پیروکار طالبان کی صفائیاں دینے لگتے ہیں، اُن کے ساتھ ہی کچھ صحافی جن میں خاص کر انصار عباسی اور اوریا مقبول جان صحافت کی آڑ میں طالبان کی ہمدردی میں پیش پیش رہتے ہیں۔ عمران خان بھی طالبان کے ہمدرد ہیں، طالبان کی کسی بھی دہشت گردی پر افسوس ضرور کرتے ہیں لیکن اُس کے بعد قوم کو ڈرانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ خان صاحب کی سنگدلی کا یہ عالم ہے کہ وہ حادثہ کی جگہ پر ہی کہہ دیتے تھے کہ آپریشن کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، نو سال سے آپریشن ہو رہا ہے ہم نے کیا کرلیا۔ فوجی آپریشن کے بعد البتہ انہوں نے یوٹرن لیا اور آپریشن کی حمایت کرنی شروع کردی مگر کافی عرصہ تک مذاکرات کا راگ الاپنا نہیں بھولے۔ مولانا فضل الرحمان کا تو سب کو پتہ ہے کہ جس طرف فائدہ نظر آئے مولانا اُسی طرف ہوتے ہیں۔

جماعت اسلامی کو تو اب بھی دہشت گردوں کے خلاف ہونے والے آپریشن پر اعتراض ہے۔ جماعت اسلامی کے سابق امیر سید منور حسن دہشت گرد طالبان کو اپنا بھائی کہتے ہیں۔ منور حسن صاحب طالبان دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے باون ہزار سے زائد پاکستانیوں کو جن میں عام آدمی، پولیس کے سپاہی، رینجرز کے

اہلکار اور پاکستانی فوجی شامل ہیں اُنہیں شہید ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن ہزاروں انسانوں کے قاتل دہشت گرد حکیم اللہ محسود کو شہید کہتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے موجودہ امیر سراج الحق نے تو منور حسن سے بھی زیادہ منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپریشن ضربِ عضب کو نہ صرف ڈرامہ کہا بلکہ اس آپریشن کو بند کرنے کا مطالبہ بھی کرڈالا۔ دہشت گردی پاکستان کی وہ بیماری ہے جس کا علاج نام نہاد "مذاکرات" سے کیا جارہا تھا لیکن یہ مرض اس قدر بڑھ چکا تھا کہ آپریشن کے علاوہ شاید کوئی چارہ نہیں تھا۔ اب حکومت کو چاہیئے کہ دونوں قسم کے طالبان کا تدارک کرے، اُن کا بھی جو دہشت گردی میں براہ راست ملوث ہیں اور اُن کا بھی جو سیاسی اور مذہبی جماعتوں یا پھر صحافت کی آڑ میں دہشت گردوں کے مددگار اور سہولت کار ہیں، ایسا کرنے کے بعد ہی ہم پاکستان سے دہشت گردی کو مکمل طور پر ختم کرسکتے ہیں۔

وزیراعظم اور کراچی آپریشن

یکم ستمبر 2015ء کو وزیراعظم نواز شریف اور چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف کے مابین ہونے والی ملاقات میں اس بات پر اتفاق کیا گیا ہے کہ کراچی آپریشن سیاسی مصلحت کے بغیر جاری رکھا جائے گا۔ یہ بھی اتفاق کیا گیا کہ کراچی آپریشن پر کسی قسم کا سیاسی دباو قبول نہیں کیا جائے گا۔ وزیراعظم اور سپہ سالار کی ملاقات میں کراچی میں رینجرز کی جانب سے جرائم پیشہ افراد کے خلاف جاری آپریشن اور حالیہ گرفتاریوں پر بعض سیاسی حلقوں کے تحفظات پر بھی بات چیت کی گئی۔ دو ستمبر کو کراچی کے حوالے سے وزیراعظم نواز شریف کا آزاد کشمیر باغ میں کہنا تھا کہ کراچی کے حالات بہتر ہو گئے ہیں، جس پر کراچی کے لوگ بہت خوش ہیں، ہم کراچی میں ملزمان پر ہاتھ ڈالنے سے گھبرائے نہیں۔ وزیر اعظم نواز شریف نے اپنے اسی خطاب میں دہشت گردی کے حوالے سے کہا ہے کہ فوج اور عوام طے کر چکے دہشت گردی کو ہر قیمت پر ختم کیا جائے گا، دہشت گردوں کی حمایت کرنے والوں کو بھی معاف نہیں کریں گے، دہشت گردوں کا خاتمہ کر کے عالمی برادری کو مستقل امن کا تحفہ دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان دہشت گردی کے لیے نہیں بنا، دہشت گردوں کی حمایت کرنے والوں کو بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

وزیر اعظم نے اپنے خطاب میں ملک کے دو بڑے مسائل کراچی میں بدامنی اور دہشت گردی کو گڈمڈ کر دیا۔ ان دو مسائل کو فوجی اور نیم فوجی اداروں کی دو علیحدہ علیحدہ قسم کی کارروائیوں کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ایک آپریشن کو کراچی آپریشن کا نام دیا گیا ہے جبکہ دہشت گردوں کے خلاف ہونے والے آپریشن کا نام پاک فوج نے "ضرب عضب" رکھا ہے۔ چار ستمبر 2013ء کو وزیر اعظم نواز شریف نے کراچی میں وفاقی کابینہ کے خصوصی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بدامنی سے نمٹنے کے لیے رینجرز کو مرکزی کردار دینے کی تجویز پیش کی۔ وزیر اعلیٰ سندھ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو اس آپریشن کی نگرانی کرتی ہے۔ کراچی آپریشن شروع کرنے سے پہلے وزیر اعظم نواز شریف نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس آپریشن کی نگرانی کے لیے ایک مانیٹرنگ کمیٹی بنائیں گے لیکن وعدے کے باوجود مانیٹرنگ کمیٹی نہیں بنائی گئی۔ سندھ پولیس کے مطابق 5 ستمبر 2013 سے یکم ستمبر 2015 تک کراچی آپریشن کے دوران ایک ہزار 171 ملزمان مارے گئے اور 64 ہزار سے زائد ملزمان کو گرفتار کیا گیا۔ اسی پولیس رپورٹ کے مطابق آپریشن کے دوران 250 پولیس افسران اور اہل کار شہید ہو چکے ہیں۔

کراچی کے ایک سماجی کارکن محمد طاہر کا کہنا تھا کہ کراچی آپریشن سے قبل

سیاسی و سماجی صورتحال نہایت ابتری کا شکار رہی ہے۔ لیکن جب سے رینجرز و دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں نے آپریشن شروع کیا ہے حالات بہتر سے بہترین کی جانب گامزن ہیں۔ اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خوف کی فضا ختم ہونے کو ہے۔ کراچی کی بدامنی میں جہاں غنڈہ عناصر سیاسی جماعتوں کی پشت پناہی حاصل کرتے تھے، وہیں اُن کی دیکھا دیکھی نوجوان نسل بھی محنت کے بجائے "شارٹ کٹ" کے چکر میں تعلیم سے دور ہوکر "ٹی ٹی" کے قریب ہونے لگی تھی۔ گلی محلوں میں مقامی بدمعاشوں کی اتنی کثرت ہوگئی کہ شریف انسان کا اس ماحول میں جینا محال ہو چکا تھا، مگر جب کراچی آپریشن کے نتائج سامنے آنا شروع ہوئے، جرائم پیشہ لوگ قانون کی گرفت میں آنا شروع ہوئے تو ان موسمی بدمعاشوں نے بھی توبہ کرنا شروع کر دی۔

اگر آپ کراچی میں رہنے والے ایک عام آدمی سے پوچھیں تو وہ یہ ہی کہے گا کہ کراچی میں بہتری آئی ہے لیکن دوسری طرف سیاسی طور پر مشکلات بڑھتی جارہی ہیں۔ متحدہ قومی موومنٹ آپریشن کے شروع سے مانیٹرنگ کمیٹی کا مطالبہ کرتی رہی ہے اور اس نے پچھلے دنوں اسی بنیاد پر استعفے بھی دیئے ہیں۔ ایم کیو ایم کے پارلیمانی لیڈر ڈاکٹر فاروق ستار کا کہنا ہے کہ کراچی میں ٹارگٹڈ آپریشن کی آڑ میں ایم کیو ایم کو نشانہ بنایا جارہا ہے، ہمارے کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے

اقدامات کا جائزہ لیں، جوڈیشل کمیشن بنا دیں تو ہم اس میں پیش ہو کر انصاف کے متقاضی ہیں۔ ایم کیو ایم نے حکومت کے ساتھ مذاکرات ختم کر دیئے ہیں اور ایک بار پھر اصرار کیا ہے کہ ان کے استعفے قبول کر لیے جائیں۔ جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمان انہیں اسمبلیوں میں واپس لانے کے لیے حکومت اور ایم کیو ایم میں ثالثی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ مولانا نے بھی مانیٹرنگ کمیٹی کے قیام کی حمایت کی تھی۔ ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کے رکن امین الحق کا کہنا ہے کہ "ہم نے اس بار استعفے احساس محرومی کی کیفیت تک پہنچنے کے بعد دیئے ہیں۔ مانیٹرنگ کمیٹی کے علاوہ ہمارا یہ بھی مطالبہ ہے کہ جوڈیشل کمیشن قائم کیا جائے اور جو کارکن لاپتہ ہیں انہیں بازیاب کرایا جائے"۔ الطاف حسین اور آصف زرداری نے عسکری مقتدر اعلیٰ کے خلاف اپنی تقاریر کا حشر دیکھنے کے بعد اپنی توپوں کا رخ نواز شریف حکومت کی طرف موڑ دیا ہے، لیکن نواز شریف کی مجبوری یہ ہے کہ اُن کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، شاید اُنہیں اور سندھ حکومت کو سندھ کے معاملات سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اپنی جماعت کے رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد سابق صدر آصف علی زرداری کے سخت پیغام کے جواب میں وزیر اعظم نے حال ہی میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ جبکہ مسلم لیگ (ن) کے کل کے اتحادی پاکستان پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی کا نام

اب مخالفوں کی صف میں شامل ہو چکا ہے۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا کہنا ہے کہ کراچی میں پچھلے ڈھائی برس میں ماورائے عدالت ہلاکتوں میں پانچ گنا اضافہ ہوا ہے۔ انسانی حقوق کمیشن کی چیئرپرسن زہرہ یوسف کا کہنا ہے کہ مانیٹرنگ کمیٹی کی اشد ضرورت ہے اور یہ حکومت کی اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔

وزیراعظم نواز شریف کا آزاد کشمیر باغ میں کہنا تھا کہ ہم کراچی میں ملزمان پر ہاتھ ڈالنے سے گھبرائے نہیں۔ لیکن افسوس کہ وزیراعظم نواز شریف نے جمعرات 20 اگست کو کراچی میں صوبائی ایپکس کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کی، جس میں ایم کیو ایم کے مانیٹرنگ کمیٹی کے مطالبے پر غور ہی نہیں کیا گیا۔ اجلاس میں شریک ایک اہلکار نے بتایا کہ نہ وزیراعظم اور نہ ہی وزیراعلیٰ نے مانیٹرنگ کمیٹی تذکرہ کیا۔ جب صورتحال اس قسم کی ہو کہ وزیراعظم صاف طور پر بے بس نظر آرہے ہیں تو پھر آرمی چیف سے صرف اتنا کہنا ضروری ہوگا کہ جناب آپ لوگ بہت اچھا کام کر رہے ہیں لیکن کچھ ایسے کام بھی آپ کر رہے ہیں جو آپ کو نہیں سیاست دانوں کو کرنا چاہیئے۔ اگر قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنا کام کریں اور سیاستدان اپنا کام کریں تو یقیناً کراچی آپریشن ایک اچھے نتیجے پر ختم ہوگا اور کراچی میں پائیدار امن کی امید کی جاسکتی ہے، ورنہ کراچی میں پہلے بھی 1992ء سے لے کر 1998ء تک تین مرتبہ آپریشن ہو چکے ہیں۔ کیا کراچی کے عوام اپنے سیاستدانوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے یہ امید

کر سکتے ہیں کہ اُن کے آپس کے تعاون سے جب تک آخری مجرم یا دہشت گرد ختم نہیں ہو جاتا، کراچی آپریشن بغیر کسی کے ساتھ زیادتی کیے جاری رہے گا؟

نندی پور پاور پراجیکٹ اور کرپشن

چینی صدر کے دورہ پاکستان کے دوران اقتصادی راہداری سمیت 51 معاہدوں پر دستخط ہوئے اور پاک چین تجارتی حجم 20 ارب ڈالر تک لانے پر اتفاق کیا گیا ہے۔ پاکستان کو بجلی کے بحران سے نکالنے کے لیے بھی معاہدے کیے گئے جن سے پاکستان میں توانائی کے بحران پر قابو پایا جاسکے گا۔ کچھ ممالک ایسے بھی ہیں جو پاکستان اور چین کے درمیان ہونے والے ان معاہدوں اور بڑھتے ہوئے تعلقات کو پسند نہیں کرتے اور دونوں ممالک کے تعلقات میں دراڑیں ڈالنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ لیکن پاک چین تعلقات کو دشمن ممالک سے زیادہ پاکستانی حکمرانوں اور چینی کمپنیوں کی کرپشن سے خطرہ ہے، اس ضمن میں دو مثالیں دی جاسکتی ہیں، پہلی 69 ناکارہ ریلوے انجنوں کی اور دوسری مثال نندی پور پاور پراجیکٹ کی ہے۔

جنرل پرویز مشرف کے دور میں چینی کمپنی ڈانگ فینگ سے 2001ء میں 69 ریل انجن خریدے گئے لیکن کمپنی انجنوں کی ضروری دیکھ بھال اور نگرانی میں ناکام رہی۔

ڈانگ فینگ کمپنی کا ٹرانسپورٹیشن ونگ میں کمپنی کے ٹھیکوں کا ریکارڈ انتہائی خراب ہے۔

69 ریل انجنوں کے ناکارہ ہونے کے باوجود پانچ جون 2008ء کو پیپلزپارٹی حکومت نے اسی چینی کمپنی کو مزید 75 انجنوں کا آرڈر دے دیا

اور تقریباً 3 ارب روپے ادا بھی کر دیئے گئے اگر سودا طے پا جاتا تو پاکستان کو 22 ارب روپیہ ادا کرنا پڑتا،ان 75 انجنوں کی درآمد روکنے کے لیے 10 کروڑ روپیہ ڈوب گیا۔ نواز شریف حکومت نے چینی کمپنی ڈانگ فینگ کو بلیک لسٹ کر دیا، چینی کمپنی نے بلیک لسٹ کیے جانے کے حکومتی فیصلے کو لاہور ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ کیس کی سماعت کے دوران چینی کمپنی کے وکیل نے تسلیم کیا کہ ڈانگ فینگ کمپنی نے ملکی انفراسٹرکچر کی تعمیر کے بڑے منصوبوں جیسے غازی بروتھا ڈیم ، نندی پور پاور پراجیکٹ ، چیچو کی ملیاں پاور پراجیکٹ اور پاک چین ریل لنک فزیبلٹی میں شرکت کی ہے۔اب بھی پاکستان ریلوے ریل انجنوں کی کرپشن میں پھنسی ہوئی ہے، ڈانگ فینگ کمپنی پر پابندی لگائی گئی تو ایک اور چینی کمپنی کو 58 ریل انجنوں کی فراہمی کا حکم دے دیا گیا جس نے امریکی ساختہ انجن فراہم کیے ہیں جو پاکستانی ٹریک پر چلانے کے لیے موزوں نہیں۔ بدعنوانی اور ناقص مصنوعات فراہم کرنے کے الزامات کے بعد چینی کمپنی ڈانگ فینگ کو بلیک لسٹ کرنے کا معاملہ پاکستان اور چین کے درمیان متنازع ترین امور میں شامل ہے جس کی گونج وزیراعظم نواز شریف کے دورہ چین کے دوران بھی سنائی دی تھی۔ پیپلز پارٹی کے حکومت میں آنے کے بعد 2008ء میں نندی پور توانائی منصوبے کا ٹھیکہ بھی چین کی ڈانگ فینگ الیکٹرک کارپوریشن کو دے دیا گیا۔ یہ منصوبہ

پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں مکمل نہ ہو سکا۔ نواز شریف حکومت نے جب اس منصوبے پر کام شروع کیا تو نندی پور پاور پروجیکٹ کی مشینری تین سال سے کراچی پورٹ ٹرسٹ پر پڑی ہوئی تھی۔ منصوبے کے مینجنگ ڈائریکٹر کے مطابق اتنا عرصہ پڑے رہنے کی وجہ سے مشینری زنگ آلود ہو چکی ہے۔ اسے دوبارہ قابل استعمال بنانے کے لیے مرمت کی جائے گی جس پر 50 ملین ڈالر لاگت آنے کی توقع ہے۔ یہ منصوبہ جو 22 ارب روپے سے شروع ہوا تھا 81 ارب روپے کی لاگت تک جا پہنچا ہے۔ حکمرانوں کی غفلت اور بدانتظامی، اور چینی کمپنیوں کی نااہلی کی وجہ سے پاکستانی قوم کا اتنا بڑا نقصان ہوا۔ سینیٹ کی کمیٹی برائے پانی و بجلی کو بتایا گیا تھا کہ 425 میگا واٹ کا نندی پور توانائی منصوبہ 30 جون تک مکمل ہو جائے گا۔

شہباز شریف کی نہ سمجھ میں آنے والی پھرتیوں کی وجہ سے نندی پور پاور پراجیکٹ کا افتتاح وزیراعظم نواز شریف نے 31 مئی کو کیا اور صرف پانچ روز فعال رہنے کے بعد تکنیکی مسائل کی بناء پر اسے بند کر دیا گیا۔ پچانوے میگاواٹ کی پہلی ٹربائن ڈیزل پر چلائی گئی تھی۔ اس پرانی اور متروک مشینری پر فی یونٹ تیس روپے کے قریب خرچ آرہا تھا لہذا یہ ٹربائن بند کر دی گئی۔ اپنی نااہلی اور بدعنوانی چھپانے کے لیے فوری طور پر منصوبے کے ایک یونٹ کو کمشننگ کے بغیر چلا کر "پیداوار" کا افتتاح کر دیا گیا۔ افتتاح کے بعد

وزیر اعظم کی تشہیر کے لیے کروڑوں کے اشتہارات چلائے گئے۔ صرف پانچ روز بعد پراجیکٹ ڈائریکٹر کے اعلان کے ذریعے اس یونٹ کو بھی بند کر دیا گیا کہ یہ پیداوار باقاعدہ نہیں محض "آزمائشی" تھی۔ گزشتہ ہفتے جیو نیوز چینل پر شاہزیب خانزادہ نے بھی نندی پور پاور پراجیکٹ پر حکومت کی نااہلی اور کرپشن کو بے نقاب کیا ہے۔ پروگرام میں حکومت کی صفائی دینے کے لیے وزیر پانی و بجلی خواجہ آصف بھی اس پروگرام میں آئے لیکن وہ بھی اینکر کے سوالوں کے جواب نہ دے سکے۔ ایک معاشی تجزیہ کار نے اسی ٹی وی پروگرام میں چیچو کی ملیاں پراجیکٹ، بہاول پور شمسی بجلی پروگرام اور نیلم جہلم پراجیکٹ میں نامناسب منصوبہ بندی اور بدانتظامی کی نشان دہی کی ہے۔

اس سال ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کے مطابق سی پی آئی کے اسکور کارڈ پر پاکستان کے 100 میں سے 29 پوائنٹس جبکہ 175 ملکوں میں اس کا درجہ 126 ہے۔ جبکہ گزشتہ سال پاکستان کا 175 ملکوں میں 127واں نمبر جبکہ اس کے 28 پوائنٹس تھے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ پاکستان سے کرپشن کی لعنت صرف ایک درجہ کم ہوئی ہے ختم نہیں ہوئی ۔ یہ کہہ دینا کہ موجودہ نواز شریف حکومت میں کرپشن نہیں ہوئی ایک خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے اپنی رپورٹ میں امید ظاہر کی تھی کہ اسلام آباد کرپشن کی لعنت ختم کرنے کے لئے زیادہ بھرپور طریقے سے کام کرے گا۔ دوسری طرف چین کی جانب سے ملک میں انسداد بدعنوانی کی مہم

چلائے جانے کے باوجود اس کا سکور 40 سے گر کر 36 پر پوائنٹس پہنچ گیا ہے۔ گویا پاکستان اور چین میں کرپشن کے اسکور کارڈ پر صرف 7 پوائنٹس کا فرق رہ گیا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے 69 ریل انجنوں کی کرپشن کی طرح نندی پور پاور پراجیکٹ بھی کرپشن میں لتھڑا ہوا ہے۔

کرپشن کا کینسر ملک کے ہر شعبے میں موجود ہے اور جب تک اس کا سختی سے علاج نہیں ہوتا اقتصادی اور معاشی شعبے میں ترقی اور عام لوگوں کے حالات میں بہتری ناممکن ہے۔ کافی شور مچنے کے بعد وزیراعظم نواز شریف نے 425 میگا واٹ کے نندی پور پاور پراجیکٹ کی پڑتال کا حکم دیا ہے جس کے بعد وزارت پانی و بجلی نے وزیراعظم کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے آڈیٹر جنرل کو نندی پور پاور پروجیکٹ کا آڈٹ کرنے کے لیے باضابطہ خط لکھا دیا ہے۔ وزیراعظم کی ہدایت پر تین زمروں میں پڑتال کی جائے گی جس میں بتایا جائے گا کہ اس منصوبے کی لاگت کیا تھی اور اس پر کتنی رقم خرچ ہوئی جب کہ منصوبے کی لاگت میں اضافے کی وجوہ بھی بیان کی جائیں گیں۔ مسلم لیگ (ن) کے انتخابی منشور میں "توانائی" کا لفظ 42 مرتبہ استعمال کیا گیا اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ توانائی کی قیمت میں کمی لائی جائے گی لیکن اس کے برعکس قیمتوں میں اضافہ کردیا گیا۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت کے معاشی ترقی کے دعووں کے برعکس 27 ماہ میں اس حکومت نے نہ تو کشکول توڑا اور نہ ہی لوڈشیڈنگ میں کوئی کمی آئی

ہے، خوشحالی اور ترقی کے نام نہاد دعوے کرنے والی اس حکومت نے اب تک صرف عوام کی مشکلات میں اضافہ کیا ہے۔

عورتوں کے ووٹ اور جماعت اسلامی کی شکست

دیر پاکستان کا ایک خوبصورت کوہستانی خطہ ہے جو چترال اور پشاور کے درمیان سوات کے قریب واقع ہے۔ دیر کو گندھارا تہذیب میں تاریخی حیثیت حاصل ہے جس کے ثبوت دیر عجائب گھر میں موجود ہیں۔ دیر پاکستان میں ضم ہونے سے پہلے ایک نوابی ریاست تھی۔ پاکستان میں انضمام کے بعد دیر کی پوری ریاست موجودہ خیبر پختونخوا کا ضلع بنادی گئی۔ بعد ازاں 1992ء میں اسے مزید دو ضلعوں زیریں دیر اور بالائی دیر میں تقسیم کر دیا گیا۔ منگل 15 ستمبر 2015ء کو بالائی دیر میں صوبائی اسمبلی کی حلقے "پی کے 93" کے لیے ضمنی انتخاب ہوا۔ حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والی ایک تنظیم دیہی، اجتماعی اور ترقیاتی سوشل ورکرز کونسل کے مطابق دیر میں 1970ء اور 1977ء کے عام انتخابات میں خواتین نے ووٹ ڈالے تھے، جس کے بعد خواتین کسی بھی انتخابی عمل میں شریک نہیں رہیں تاہم اس بار خواتین کے لیے چھ پولنگ اسٹیشن قائم کیے گئے۔ ماضی میں یہاں سیاسی جماعتوں اور مقامی رہنماؤں کی ایما پر غیر اعلانیہ طور پر خواتین کو اس جمہوری حق سے محروم رکھا جاتا رہا ہے۔

دیر میں خواتین کو ووٹ کے حق سے محروم رکھنے کا سلسلہ کئی عشروں سے جاری ہے،

ضلع میں سیاسی جماعتوں اور حکومت کی جانب سے خواتین کی انتخابی عمل میں حصہ لینے کو یقینی بنانے کے لیے کبھی سنجیدہ کوششیں دیکھنے میں نہیں آئیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ذریعے پیسے تقسیم کرنے کا معاملہ ہو تو پھر انہی خواتین کو گھنٹوں قطاروں میں کھڑا رکھا جاتا ہے، پھر نہ جرگہ ہوتا ہے نہ مقامی روایات آڑے آتی ہیں لیکن جب خواتین کی رائے کا معاملہ ہو تو پھر ان پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ اس علاقے میں عام طور پر مقامی سطح پر منعقد ہونے والے جرگوں میں خواتین کے ووٹنگ پر پابندی کے معاہدے کئے جاتے ہیں جس میں بعض اوقات سیاسی امیدوار بھی شریک ہوتے ہیں تاہم پی کے 95 زیریں دیر کے انتخابات کے بعد الیکٹرانک، پرنٹ اور سوشل میڈیا پر احتجاج کے بعد اس بار پی کے 93 بالائی دیر میں ایسا کوئی معاہدہ نہیں کیا جاسکا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دفعہ خواتین کی بڑی تعداد نے انتخابات میں حصہ لیا اور ووٹ ڈالے ہیں۔

اس نشست پر مئی 2013ء کے عام انتخابات میں جماعت اسلامی کے بہرام خان کامیاب ہوئے تھے لیکن بہرام خان کی ڈگری جعلی ثابت ہونے پر الیکشن کمیشن نے انہیں نا اہل قرار دے دیا تھا۔ ضمنی انتخابات میں اس نشست کے لیے چار امیدوار تھے جن میں بہرام خان کے بیٹے ملک اعظم خان بھی شامل تھے۔ پی کے 93 کے ضمنی انتخابات میں غیر سرکاری نتائج کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدوار

صاحبزادہ ثنا اللہ 18 ہزار 823 ووٹ لے کر کامیاب قرار پائے ہیں جبکہ جماعت اسلامی کے اعظم خان 15 ہزار 816 ووٹوں کے ساتھ دوسرے نمبر رہے۔ اس حلقے میں کل رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد ایک لاکھ 48 ہزار 76 ہے جن میں مردوں کے تعداد ہزار 368 جبکہ خواتین کے 57 ہزار 708 ووٹ ہیں۔ 90

صوبہ خیبر پختونخوا میں سات مئی کو حلقہ پی کے 95 زیریں دیر میں ضمنی انتخابات منعقد ہوئے، اُس سے کچھ دن پہلے 23 اپریل کو کراچی کے حلقہ این اے 246 میں بھی ضمنی انتخابات ہوئے تھے، ان دونوں انتخابات میں ایک چیز مشترک تھی وہ تھی جماعت اسلامی، جس نے دونوں حلقوں میں اپنے امیدوار کھڑے کیے تھے لیکن دونوں حلقوں میں جماعت اسلامی کا طرز سیاست بالکل مختلف تھا۔ کراچی میں جماعت اسلامی کے امیدوار راشد نسیم کی ضمانت ضبط ہو گئی جبکہ زیریں دیر میں جماعت اسلامی کے امیدوار اعزازالملک 19827 (کل ووٹوں کے صرف 14.08 فیصد) ووٹ لے کر کامیاب ہوئے ۔ حلقہ پی کے 95 زیریں دیر میں ضمنی انتخابات میں ووٹر کی کل تعداد تھی جس میں مرد ووٹروں کی تعداد 86930 (61.76 فیصد) اور 140747 خواتین کی تعداد 53817 (38.24 فیصد) تھی۔ 53817 خواتین میں سے کسی ایک خاتون نے بھی ووٹ نہیں ڈالا، اس میں سراج الحق اور جماعت اسلامی کے امیدوار اعزازالملک کے گھرانے کی خواتین بھی شامل تھیں۔ عام خواتین ووٹر کی کیا بات کریں امیدواروں کی بیویاں بھی ووٹ ڈالنے نہیں آئیں۔ اے این پی کے رہنما

زاہد خان نے کہا کہ پی کے 95 کے ضمنی انتخاب میں خواتین کو ووٹ ڈالنے سے روکنے پر الیکشن کمیشن میں جائیں گے۔ زاہد خان کا کہنا تھا کہ خواتین کے ووٹ ڈالنے پر پابندی کے جرگہ میں اگر اے این پی کا کوئی نمائندہ بیٹھا تو اسے جماعت سے نکال دیا جائے گا۔

ایک بھی خاتون کے ووٹ نہ ڈالے جانے پر میڈیا نے سوالات اٹھائے اور اس بات کی نشاندہی کی کہ ایسا سیاسی جماعتوں کی ملی بھگت سے ہوا ہے۔ پی کے 95 زیریں دیر وہی حلقہ ہے جس کے بارے میں 11 مئی 2013ء کے انتخابات کے بعد بھی یہ شکایت سامنے آئی تھی کہ یہاں سیاسی جماعتوں نے ایک غیر قانونی معاہدہ کرکے خواتین کو ووٹ ڈالنے سے روکا تھا۔ کچھ اخبارات نے تو اس سلسلے میں سیاسی جماعتوں کے درمیان ایک معاہدے کی بھی نشان دہی کی تھی۔ امیر جماعت اسلامی سراج الحق سے جب پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ 53817 خواتین میں سے کسی ایک خاتون نے بھی ووٹ نہیں دیا، یہاں تک کہ کسی امیدوار کے گھرانے کی خاتون نے بھی ووٹ نہیں ڈالا تو سراج الحق کا جواب تھا کہ خیبر پختونخوا کے ضمنی الیکشن میں خواتین کو ووٹ دینے سے کسی نے منع نہیں کیا۔ امیر جماعت اسلامی نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ عورتیں ووٹ ڈالیں، انہیں اور بھی کام ہوتے ہیں، کھانا پکانا ہوتا ہے، بچوں کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے، اپنے شوہر کے کام کرنے ہوتے ہیں، دوسرے یہ پشتو روایت بھی ہے۔ کراچی اور زیریں دیر

کے انتخابات سے ایک بات یہ پتہ چلی کہ جماعت اسلامی نے زیریں دیر میں خواتین کو ووٹ ڈالنے سے روکا جبکہ کراچی میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے خواتین کا ایک بڑا جلسہ کیا، گویا جماعت اسلامی کے نزدیک زیریں دیر میں خواتین کا ووٹ دینا حرام جبکہ کراچی میں خواتین کا ووٹ دینا حلال تھا۔

پی کے 95 زیریں دیر میں جو ضمنی انتخابات ہوئے تھے دو جون 2015ء کو چیف الیکشن کمشنر نے اُسے خواتین کی عدم شرکت کی وجہ سے کالعدم قرار دے کر دوبارہ انتخابات کرانے کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن بعد میں پشاور ہائی کورٹ نے دوبارہ انتخابات کرانے کے حوالے سے الیکشن کمیشن کے احکامات معطل کرتے ہوئے اعزازالملک کو ان کی نشست پر بحال کر دیا۔ پی کے 95 زیریں دیر کے انتخابات کے بعد الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا نے کافی شور مچایا، اخبارات اور پرنٹ میڈیا میں کافی مضامین لکھے گئے، لکھنے والوں میں خواتین کی اکثریت تھی۔ خواتین لکھاریوں میں سابق امیر جماعت اسلامی مرحوم قاضی حسین احمد کی صاحبزادی محترمہ ڈاکٹر سمیعہ راحیل قاضی نے ”عورت، انتخابات اور پشتون روایات“ کے نام سے ایک مضمون تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے اس بات کی صفائی دینے کی کوشش کی ہے کہ دیر کی خواتین نے تو کبھی ووٹ ڈالا ہی نہیں۔ یہ تو سب کو معلوم کہ مشرف کی بانٹی ہوئی ریوڑیوں سے ڈاکٹر سمیعہ راحیل قاضی اور منور حسن کی بیگم عائشہ منور جب 2002ء میں رکن قومی اسمبلی بنیں تو

انہوں نے خواتین کے حقوق کے بل کی شدید مخالفت کی تھی۔ خاتون مصنف لبنیٰ ظہیر اپنے ایک مضمون 'دیر کے انتخابات اور خواتین' میں لکھتی ہیں کہ "اگرچہ سیاسی جماعتیں تسلیم نہیں کرتیں لیکن مقامی اخبار نویسوں کا کہنا ہے کہ ضمنی انتخابات میں حصہ لینے والی جماعتوں نے پس پردہ ایک غیر تحریری معاہدہ کر لیا تھا کہ کسی بھی خاتون کو ووٹ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جماعت اسلامی کے فاتح امیدوار اعزاز الملک نے فخریہ انداز میں کہا ہے کہ خواتین کا ووٹ نہ ڈالنا کوئی نئی بات نہیں۔ 1985 سے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو اس صورتحال کو نرم سے نرم لفظوں میں شرمناک ہی کہا جا سکتا ہے"۔

محترمہ کشور ناہید نے اپنے مضمون 'خواتین کے حقوق اور قومی اداروں کی تنزلی' میں لکھا ہے کہ پاکستان میں زیریں دیر میں الیکشن ہوئے۔ جماعت اسلامی اس لیے جیتی کہ خواتین کو ووٹ ڈالنے نہیں دیا گیا۔ جب کہ الیکشن کمیشن نے حکم نامہ جاری کیا تھا کہ خواتین کو ووٹ ڈالنے سے نہ روکا جائے۔ اس حکم نامے کے باوجود ہوا کیا، خواتین کے ووٹنگ بوتھ بنے ہوئے تھے مگر خواتین کو گھروں سے نکلنے نہیں دیا گیا۔ ایک اور خاتون مصنف مسز جمشید خاکوانی نے اپنے فیس بک اکاونٹ پر کچھ یوں لکھا تھا کہ ' اپنی خواتین کو برقعے کے پیچھے چھپا کر رکھو انہیں ووٹ کا حق بھی نہ دو لیکن جب کراچی میں جلسہ کرو تو سندھیوں، مہاجروں، بلوچوں اور کشمیریوں کی ماں، بہنوں اور بیٹیوں کو جلسے میں شرکت کی

دعوت دو، اپنے کارکنوں کو خواتین کو جلسوں میں لانے کی ترغیب دو! یہ کہاں کا اسلام ہے؟کیا اسلام خیبر پختونخوااور کراچی میں الگ الگ ہوتا ہے؟ واہ رے منافقت تیرا ہی آسرا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ پی کے 93 کے ضمنی انتخابات میں بظاہر شکست تو جماعت اسلامی کو ہوئی ہے اور جیت پیپلزپارٹی کی، لیکن اگر آپ سنجیدگی سے اس کا تجزیہ کریں تو خواتین کے ووٹ ڈالنے سے یہ شکست قدامت پسندوں اور دہشت گردوں کو ہوئی ہے۔ یہ شکست اُنہیں ہوئی ہے جو بچیوں کی تعلیم کے خلاف ہیں، یہ شکست اُن کی بھی ہے جو جرگوں میں بیٹھ کر خواتین کے بنیادی حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور اُنہیں ووٹ ڈالنے سے بھی روکتے ہیں۔ یہ شکست اُس سوچ کی بھی ہے جو معاشرے کو آگے بڑھنے سے روکتی ہے۔پی کے 93 کے ضمنی انتخابات کے نتائج کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو گئ ہے کہ اگرآپ نے اس ملک کو ترقی دینی ہے تو قدامت پسندوں اور دہشت گردوں کو شکست دینا لازمی ہے۔ملک کی تمام خواتین اور بچیوں کو یکساں حقوق دینے ہوں گے، ملک کی خواتین کو بھی ملکی معاملات میں برابر کا حصہ دار بنانا ہوگا،تاکہ اُس سوچ کو شکست دی جاسکے جو ملکی ترقی میں رکاوٹ ہے۔

دہشت گرد کسی رعایت کے مستحق نہیں

پشاور سے 6 کلومیٹر دور بڈھ بیر میں واقع ائر بیس کیمپ صرف ملازمین کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا ہے اور غیر فعال ہے۔ اس کیمپ میں کسی قسم کے اسٹریٹیجک اثاثے بھی موجود نہیں ہیں۔ قبائلی علاقوں سے متصل یہ کیمپ 17 جنوری 1959ء کو قائم کیا گیا تھا اور افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد 1979ء کو اسے باضابطہ طور پر پاک فضائیہ کے حوالے کیا گیا۔ یہ کیمپ ایوب خان کے دور حکومت میں خاص طور پر اس وقت دنیا کی توجہ کا مرکز بنا جب سوویت رہنما خروشیف نے اقوام متحدہ میں بتایا تھا کہ انہوں نے اس ہوائی اڈے سے اڑنے والا امریکی طیارہ مار گرایا ہے اور روس نے پشاور کے گرد سرخ لکیر لگا دی ہے۔ پاکستانی فوج کے شعبۂ تعلقات عامہ کے مطابق 18 ستمبر 2015ء جمعہ کی صبح نماز فجر سے تھوڑی دیر قبل بڈھ بیر میں واقع ہوائی اڈے پر دہشت گردوں نے حملہ کیا۔ دہشت گرد فرنٹیئر کانسٹیبلری کی وردی میں ملبوس تھے اور دو مقامات سے کیمپ میں داخل ہوئے، ترجمان کے مطابق شہید ہونے والوں میں 26 سکیورٹی اہلکار اور چار عام شہری تھے۔ حملہ آور جن کی تعداد 13 تھی سب کے سب مارے گئے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جارہا ہے کہ دہشت گرد ایک مرتبہ پھر آرمی پبلک سکول کی طرح ایک اور حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن شاید پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکے۔ تحریک طالبان

پاکستان کے ترجمان محمد خراسانی نے اپنے ایک بیان میں اعتراف کیا ہے کہ یہ حملہ کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے دہشت گردوں نے کیا ہے۔

کارروائی کے خاتمے کے چند گھنٹے بعد جمعہ کی شام ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے بات کرتے ہوئے ڈائریکٹر جنرل آئی ایس پی آر میجر جنرل عاصم باجوہ نے کہا ہے کہ کارروائی کے دوران خفیہ اداروں نے حملہ آوروں کی جو گفتگو سنی اُس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کا تعلق تحریک طالبان پاکستان کے ایک گروہ سے تھا اور یہ تمام افغانستان سے آئے تھے۔ ترجمان کے مطابق دہشت گردوں کو افغانستان سے ہدایات دی جارہی تھیں جب کہ افغان حکومت نے پاکستانی حکام کے اس بیان کی سختی سے تردید کی ہے۔ بڈھ بیر حملے سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ شہروں میں شدت پسندوں کے 'سلیپر سیلز' بدستور فعال ہیں اور ان گروہوں کی مدد کے لیے ملک کے تمام بڑے شہروں میں وہ سہولت کار بھی موجود ہیں جو دہشت گردوں کی ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ انہیں ہر طرح کی سہولت بھی مہیا کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک سہولت کار شیبہ احمد چند دن قبل محکمہ انسداد دہشت گردی نے کراچی کے علاقے ڈیفنس سے گرفتار کیا تھا۔ شیبہ احمد القاعدہ برصغیر کی مالی معاونت کرتا تھا۔ اُس نے 13 مئی کو کراچی میں ہونے والے سانحہ صفورا کے ملزمان کی نا صرف ذہنی تربیت کی بلکہ ان کی مالی معاونت بھی کی۔ ملزم شیبہ احمد ڈیفنس کی ایک مسجد میں درس دیتا تھا، بینکر اور بزنس مین بھی ہے، اپنی ایک خفیہ

تنظیم بھی چلاتا ہے اور القاعدہ کی برصغیر شاخ کا سرگرم رُکن بھی ہے۔ اس سے پہلے سہولت کار کا کردار ادا کرنے والے چیئرمین فشرمین کوآپریٹو سوسائٹی سلطان قمر صدیقی سمیت 3 ملزمان جسمانی ریمانڈ پر پولیس کے پاس ہیں۔

شمالی وزیرستان اور خیبر ایجنسی میں آپریشن ضرب عضب انتہائی کامیابی سے چل رہا ہے اور مسلح افواج نے تقریباً 95 فیصد علاقہ دہشت گردوں سے خالی کرا لیا ہے۔ جنرل راحیل شریف اس تمام آپریشن کی خود نگرانی کر رہے ہیں۔ چھ ستمبر کو شہدائے پاکستان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جی ایچ کیو راولپنڈی میں خصوصی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کہا تھا کہ آج پاکستان پہلے سے زیادہ مضبوط اور قوم پہلے سے زیادہ پر عزم ہے۔ دہشت گردوں کو شکست ہو چکی ہے اور ریاست کی بالادستی قائم ہو گئی ہے۔ دہشت گردوں کے مددگاروں اور سہولت کاروں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں گے۔ ابھی آرمی چیف جنرل راحیل شریف کا یہ پیغام گونج ہی رہا تھا کہ اتوار 13 ستمبر کی شب ملتان کے سب سے بڑے بس اسٹینڈ پر دہشت گردی کا ایک واقعہ پیش آیا۔ عینی شاہد کے مطابق ایک رکشہ بس اسٹینڈ کے نزدیک کھڑا تھا کہ اچانک زور دار دھماکہ ہو گیا دھواں پھیلا اور افراتفری مچ گئی۔ اس دھماکہ میں دس افراد جاں بحق اور 45 زخمی ہوئے۔ پولیس اور سیکیورٹی ذرائع اس دھماکہ کے سلسلے میں اختلاف رائے کا شکار ہیں۔ پولیس اسے بم دھماکہ جبکہ دیگر سیکیورٹی ادارے اسے

خود کش حملہ کہہ رہے ہیں۔

ملتان دھماکہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ پنجاب کے بعض علاقوں میں دہشت گردوں کے ٹھکانے موجود ہیں اور دہشت گردی کے منصوبہ سازوں کو یہاں خود کش بمبار بھی دستیاب ہیں۔ قبائلی علاقہ میں تو اب یہ سہولت موجود نہیں ہے لیکن جنوبی پنجاب میں دہشت گردوں کے ایسے مراکز موجود ہیں جہاں خود کش بمبار تیار کیے جاتے ہیں، ان ہی علاقوں میں نمایاں تعداد میں دہشت گردوں کے سہولت کار اور معاونین بھی موجود ہیں جن کے تعاون کے بغیر دہشت گردی کے واقعات کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ چند دہشت گردوں کی ہلاکتوں کے بعد یہ فرض کرنا حماقت ہوگی کہ پنجاب میں دہشت گردوں کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ عمومی رائے یہی ہے کہ پنجاب میں دہشت گردوں کے گروہ بہت مضبوط اور موثر ہیں، لہٰذا مخصوص حکمت عملی کے تحت ہی ان دہشت گردوں کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ ملتان کے واقعہ کے فوراً بعد 18 ستمبر کو بڈھ بیر میں واقع ائر بیس کیمپ پر دہشت گردوں کا حملہ یہ بات ثابت کرتا ہے کہ فوجی آپریشن کی وجہ سے دہشت گرد کمزور ضرور ہوئے ہیں لیکن ابھی اُن کی حملہ کرنے کی صلاحیت باقی ہے اور وہ بدستور ملک کے حساس مقامات پر دہشت گردی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان سے دہشت گردی کو مکمل طور پر کس طرح ختم

کیا جاسکتا ہے؟ اس کے لیے سب سے پہلے تو ہمیں اپنے پڑوسی ملک افغانستان کی طرف دیکھنا ہوگا اور دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کے لیے ان کے ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا۔ عسکریت پسندی اور خانہ جنگی کی وجہ سے افغانستان ایک تباہ حال ملک بن چکا ہے ۔ افغانستان میں امن اس وقت افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان کی بھی ضرورت ہے، جب تک افغانستان میں استحکام نہیں آتا، پاکستان میں استحکام نہیں آسکتا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حالیہ دنوں میں پاکستان اور افغانستان میں ہونے والے ہر بڑے حملے کا الزام دونوں پڑوسی ممالک ایک دوسرے پر لگاتے رہے ہیں جس سے حالات بہتر ہونے کی بجائے مزید پیچیدہ ہوئے ہیں۔ افغان حکومت کی جو بھی پالیسی ہو لیکن ہمیں اپنی پالیسی اس طرح بنانی ہوگی جس کی وجہ سے افغانستان امن اور استحکام آسکے، یہ ہی دہشت گردی کے خلاف ہماری کامیابی ہوگی کیونکہ ایک پرامن افغانستان پاکستان کے تحفظ اور دہشت گردی سے نجات کی ضمانت ہوگا۔

دوسری طرف ملک میں موجود دہشت گردوں اور اُن کے سہولت کاروں کا خاتمہ لازمی ہے۔ اس کے لیے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو فعال بنانا ہوگا تاکہ وہ دہشت گردوں اور ان کے سہولت کاروں کے بارے میں ضروری اطلاعات جمع کرسکیں ۔ ایجنسیوں کو ان علاقوں پر خصوصی نظر رکھنی ہوگی جو شدت پسندوں کے مخصوص علاقے سمجھے جاتے ہیں۔ آپریشن ضرب عضب کے بعد اب شمالی وزیرستان یا دیگر قبائلی علاقوں

سے دھماکہ خیز مواد یا خودکش بمبار تیار کرنے کے سارے مراکز تباہ کیے جا چکے ہیں لیکن پنجاب، سندھ اور دوسرے علاقوں کے اندر اس قسم کے مراکز کی موجودگی کے امکانات کو مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ دہشت گردوں کے مقامی ٹھکانوں اور اُن کے سہولت کاروں کا سراغ لگا کر انہیں ختم کرنا انتہائی ضروری ہے۔ پنجاب، سندھ اور کراچی کے بارے میں عام خیال یہ ہی ہے کہ یہاں دہشت گردوں کے ٹھکانے اور اُن کے سہولت کار موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دہشت گردی کے خاتمے کے سلسلے میں انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اہم کردار ادا کیا ہے، اُن کی معلومات کی روشنی میں ہی قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ٹارگٹڈ کارروائیاں کی ہیں۔ اس پس منظر میں یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ہماری ایجنسیاں بہت جلد دہشت گردوں اور ان کے سہولت کاروں کو نیست و نابود کر دیں گی۔ دہشت گرد کسی رعایت کے مستحق نہیں اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ملک سے دہشت گردوں کو ختم کرنے کے لیے عام عوام، ملکی سیاستدان اور سکیورٹی ادارے مل کر دہشت گردی کے خلاف جنگ کریں۔

حج اور عمرے کو مذہبی پکنک نہ سمجھیں

تیل کی دریافت سے پہلے بیسویں صدی کے وسط تک حج سیزن سے حاصل ہونے والی آمدنی سعودی اقتصادیات میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔ بعد ازاں تیل کی دریافت کے بعد سعودی عرب کی قسمت بدل گئی اور یوں یہ خطے کے امیر ترین ممالک کی فہرست میں شامل ہو گیا۔ سعودی شاہی خاندان نے علاقائی سطح پر سیاسی اور اقتصادی معاملات میں بھی اپنا اثر و رسوخ بڑھایا۔ 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ سے پہلے پاکستانی اخبارات میں سعودی ایر لائن کا ایک اشتہار چھپا کرتا تھا جس کی عبارت کچھ یوں تھی "اگر آپ لندن کا سفر کرنے والے ہیں تو عمرہ کرتے ہوئے لندن جائیں"۔ پھر 1973ء میں عرب اسرائیل جنگ میں پہلی بار تیل کا ہتھیار استعمال ہوا تو تیل کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں اور سعودی ایر لائن کا لندن والا اشتہار پھر کبھی نظر نہیں آیا۔

1990ء میں خلیجی جنگ کے بعد تیل کی قیمتوں میں کمی آنا شروع ہوئی تو سعودی عرب کے بجٹ پر بھی اُس کا اثر دیکھنے کو ملا۔ لیکن اس بات کا یہ مطلب ہرگز نہ نکالا جائے کہ سعودی عرب غریب ملک ہو گیا ہے کیوں کہ اب سعودی حکمراں کاروباری ہو گئے ہیں اور انھوں نے تیل کے علاوہ حج اور عمرے کو اپنی آمدنی میں اضافے کا ذریعہ بنالیا ہے۔

خانہ کعبہ سے باہر جاتے وقت زیادہ تر باب عبدالعزیز کا استعمال ہوتا ہے۔ 1990ء تک باب عبدالعزیز کے سامنے موجود اجیاد محلے کے چھوٹے چھوٹے گھر موجود تھے جو عام غریب سعودیوں کی ملکیت تھے۔ سعودی حکومت نے حرم کی توسیع کے لیے یہ گھران سے خرید لیے۔ ان مالکان کو مکانات کے عوض معقول رقم بھی ادا کی گئی لیکن درحقیقت یہ گھر حرم کی توسیع سے زیادہ کاروباری و سیاحتی مراکز قائم کرنے کے لیے خریدے گئے تھے۔ ان مکانات کے خریدار سعودی شہزادے تھے جنہوں نے ان تاریخی مکانات کی جگہ پنج ستارہ ہوٹلوں کا جمعہ بازار لگادیا ہے۔ آج سعودی عرب میں واقع مسلمانوں کے مقدس ترین مقامات کے ارد گرد فائیو اسٹار ہوٹلوں، شاپنگ مالز اور لگژری اپارٹمنٹس کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ سعودی حکومت نے عمرے اور حج کے مذہبی فریضوں کو ایک اقتصادی سرگرمی میں بدل دیا ہے۔ حج ریسرچ سینٹر کے بانی سمیع انگاوی نے 2012ء میں دی گارڈین سے مکہ توسیع منصوبے پر بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ "یہ اس مقام مقدس کو ایک ایسی مشین میں بدل رہے ہیں جس کی کوئی ثقافت، کوئی ورثہ، کوئی شناخت اور کوئی فطری ماحول نہیں"۔

گیارہ ستمبر کو مسجد الحرام میں کرین کے حادثے میں 107 زائرین شہید ہوئے جبکہ 200 سے زائد زخمی ہوئے، متاثرہ افراد نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے

اکٹھے ہوئے تھے۔ حاجیوں کی سہولت اور حفاظت کے نام پر تعمیرات کے لیے کئی سالوں سے مکہ مکرمہ میں نصب ان کرینوں نے جہاں مکہ مکرمہ کے ثقافتی چہرے کو بدلا وہیں اب انسانی جانوں کا خراج بھی وصول کرلیا۔ جمعرات 24 ستمبر کو مناسک حج کے دوران منیٰ کے مقام پر شیطان کو کنکریاں مارتے ہوئے جو بھگدڑ مچی، اس میں اب تک 769 افراد شہید ہوچکے ہیں جبکہ 934 افراد زخمی ہوئے ہیں۔ سعودی وزیر صحت خالدالفالح کے مطابق سانحہ حجاج کے ایک گروہ کی بدنظمی کے باعث پیش آیا، انہوں نے منیٰ کے مقام پر اس بھگدڑ کا الزام 'بدنظم' افریقی حاجیوں پر عائد کیا ہے۔ سعودی حکومت کے مطابق ان حاجیوں نے ہدایات پر عمل نہ کیا، جس کی وجہ سے یہ سانحہ رونما ہوا۔

دوسری طرف بہت سے افراد سعودی حکام کو اس سانحے کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔ اس سال بیس لاکھ سے زائد اُن مسلمانوں نے حج کا فریضہ ادا کیا ہے جو دنیا بھر سے سعودی عرب آئے ہیں۔ دستیاب ریکارڈ کے مطابق دوسرے ممالک سے سعودی عرب آنے والے حاجیوں کی تعداد 1920ء میں 58 ہزار584، 1996ء میں 10 لاکھ 80 ہزار 465 تھی جبکہ 2015ء میں یہ تعداد 20 لاکھ کے قریب ہے۔

سعودی عرب کا سب سے بڑا انگریزی اخبار 'عرب نیوز' جو اب سعودی شہزادوں کی ملکیت ہے اپنے اداریے میں لکھتاہے کہ "جمعرات 24 ستمبر کو ہونیوالے سانحے نے ہر شخص کو افسردہ کردیاہے اور مزید حفاظتی اقدامات کی ضرورت ہے۔ اخبار

نے لکھاکہ 164 مختلف ممالک اور ثقافت کے بیں سے تیس لاکھ مسلمانوں کا نظم برقرار رکھنا مشکل کام ہے۔ دنیا میں ایسا کسی ملک کو تجربہ نہیں جو یہاں کے حکام نے خوشگوار انداز میں حج انتظامات سے یکھاہے۔ اخبار کے مطابق حجاج کو 10 ملین کیوبک فٹ پانی چاہیئے ہوتاہے، لاکھوں سیکیورٹی اہلکار اور رضاکار کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے نمٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور یہ تمام امور سیاست سے بالاتر ہوتے ہیں، بلاشبہ اس سال درجہ حرارت میں غیر معمولی اضافہ بھی حکام کے لیے ایک امتحان تھا"۔آخر میں اخبار لکھتا ہے کہ " سعودی عرب آنیوالے حجاج کرام کی خریداری اور ہوٹلوں میں قیام سمیت دیگر اخراجات سے سعودی معیشت کو کافی سہارا ملتاہے"۔

سعودی حکومت حج انتظامات پر اربوں ریال خرچ کرتی ہے اور مقامات مقدسہ پر عظیم الشان منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے اقدامات کر رہی ہے، کہاجاتاہے کہ حکومت کو بھی اربوں ریال کا منافع ہوتاہے۔ ایک تبصرہ نگار 'شامل شمس' نے اپنے تبصرے میں لکھاہے کہ " مسجد الحرام میں تعمیراتی مقاصد کے لیے نصب کردہ کرین کے گرنے کا حادثہ اور بھگدڑ کا سبب دراصل سعودی حکومت کی لالچ کی وجہ سے رونما ہوئے، عازمین حج کی تعداد میں کمی کرتے ہوئے سعودی حکومت حج کے دوران ہلاکت خیز بھگدڑ کا قبل از وقت ہی تدارک کر سکتی تھی۔ تبصرہ نگار کے مطابق اب سعودی حکومت کے نزدیک مذہب ایک کاروبار اور پیسہ بنانے کا موقع

ہے۔ سعودی حکومت کو حج سے حاصل ہونے والی رقوم عازمین حج کے تحفظ پر خرچ کرنی چاہیئں نہ کہ مکہ میں غیر ضروری تعمیرات پر۔ تبصرہ نگار کے مطابق سعودی حکومت ان تعمیراتی کاموں کے لیے غیر ملکی کمپنیوں کو ٹھیکے دیتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو حج سیزن کے دوران سعودی عرب آنے کی ترغیب دی جاسکے۔ تبصرہ نگار مزید لکھتے ہیں کہ عازمین حج کی تعداد میں آسانی سے کمی کی جا سکتی ہے، سعودی حکومت کو اپنا لالچ ختم کر دینا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو مستقبل میں ایسے مزید حادثات بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ تبصرہ نگار کے مطابق کچھ حلقے سعودی عرب میں لینڈ مافیا کے سرگرم ہونے کا ذکر بھی کرتے ہیں"۔

بہت برا ہوا ہے جن گھرانوں کے افراد شہید ہوئے یقیناً تکلیف دہ بات ہے لیکن اس کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ ہے ایک سے زیادہ بار حج اور عمرہ پر جانا۔ ایک بھارتی ڈاکٹر علیم خان فلکی (موصوف سے میری ملاقات جدہ میں ہو چکی ہے) نے ایسے لوگوں کے بارے ایک کتاب "خدارا حج اور عمرہ کو ایک مذہبی پکنک نہ بنایئے" لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ "ایک سے زیادہ بار حج اور عمرہ پر آنے والوں کے نام ایک کھلا خط"۔۔۔۔۔

میرے عزیز سادہ لوح تاجر! جو بار بار پورے خاندان کے ساتھ (فائیو اسٹار) حج یا عمرہ کرنے کو عبادت عظیم سمجھتے ہو۔ میرے قابل احترام عالمو،

فاضلو، مرشدو! جو نفل کو بھی فرض کا درجہ دے کر بار بار چلے آتے ہو۔ قوم کے چالاک امیرو! جو زمینوں پر ناجائز قبضوں یا دوسرے ناجائز ذرائع آمدن سے عمرے پر عمرے کئے جاتے ہو۔ میرے پیارے بزرگو! جو اولاد کی محنت کی کمائی پر عبادت عظمی کا لطف اٹھاتے ہو۔ میری قوم کے سیاسی رہنماو! جو بار بار سیاسی عمرے اور حج کرکے اپنے ووٹروں کو اپنی خدا خوفی کا ثبوت دیتے ہو۔ سعودی عرب میں مقیم رفیقو! جو بار بار حج کرکے نہ صرف قانون شکنی کرتے ہو بلکہ دوسروں کے لیے زحمت بن جاتے ہو۔ میرے عزیزو! آو حج بیت اللہ، عمرے اور مدینے کی زیارتوں کے لیے بار بار آؤ، لیکن اپنے شوق عبادت کو پورا کرنے کے لیے نہیں بلکہ اُس عظیم مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کے عزم کے ساتھ آؤ جس کی خاطر اللہ تعالی نے ان عبادتوں کا حکم دیا ہے۔ اُن کا فرمان ہے کہ مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اُن کا فرمان ہے کہ دوسرے کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ اُن کا فرمان ہے کہ سچا تاجر قیامت کے روز انبیاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اُن کا فرمان ہے کہ جس شخص کی کمائی میں ناجائز آمدنی کا ایک لقمہ بھی شامل ہو اُس کی دعائیں زمین سے ایک ہاتھ بھی اوپر نہیں اٹھائی جائیں گی۔ اُن کا فرمان ہے کہ جو بندہ اوروں کی خدمت میں لگ جاتا ہے فرشتے اُس کے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اگر مدینے والے سے محبت کا

دعویٰ ہے تو اُن کے ان فرمانوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کی قسم کھانے ایک بار آجاؤ اور پھر دیکھو کہ کیسے زمانے بھر میں انقلاب آتا ہے اور اگر اس مقصد کے بغیر آنا چاہتے ہو تو یاد رکھو یہ فقط ایک مذہبی پکنک کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ معاشرے کی فلاح کے کسی کام میں یہ پیسہ لگادو تاکہ دوسرے انسانوں کی زندگی کو فائدہ پہنچے اور اُن کی دعائیں آپ کی آخرت کا سامان بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نکات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام
ہے طواف وحج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا

سعودی حکومت نے ایک طویل عرصے پہلے حاجیوں کی بہتری کے لیے ایک حج ریسرچ سینٹر قائم کیا تھا، اتفاق سے اس مرکز میں کچھ کام کرنے کا موقعہ مجھے بھی ملا ہے۔ اس سینٹر کی ریسرچ کی بدولت بہت سی اصلاحات بھی کی گئیں، مثلاً حج سیزن میں مکہ المکرمہ میں چھوٹی گاڑیوں کا داخلہ بند کیا گیا۔ جن لوگوں نے 1980ء سے پہلے حج کیا ہے اُنہیں یاد ہوگا کہ صرف جدہ ایئرپورٹ پر امیگریشن اور معلم کی نامزدگی میں آٹھ سے دس گھنٹے لگتے تھے، لیکن حج ریسرچ سینٹر کی اصلاحات کی بدولت اب حاجی دو گھنٹے سے پہلے مکہ کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ ایسی بہت سی تحقیقات کی گئی ہیں جن میں جمرات کے دوران حاجیوں کو پیش آنے

والے حادثات سے کیسے بچا جائے شامل ہیں۔ سعودی حکومت 11 ستمبر کو کرین حادثے اور 24 ستمبر کو منیٰ میں بھگدڑ جیسے حادثات سے بچنے کے لیے حج ریسرچ سینٹر کی سفارشات پر لازمی عمل کرے۔ سعودی حکومت کی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں پر بین الاقوامی برادری عمومی طور پر خاموش رہتی ہے تاہم حج کا معاملہ مذہبی حوالوں کے باعث کچھ زیادہ ہی حساس ہے۔ اب اس بارے میں کچھ کہنے اور سعودی حکومت کو حجاج کی حفاظت کے لیے کچھ کرنے کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے۔ میری اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی درخواست ہے کہ حج اور عمرے کو مذہبی پکنک نہ سمجھیں۔

جنرل راحیل شریف کی ملازمت میں توسیع

تیسری دفعہ وزیراعظم بننے کے بعد سو دنوں میں نواز شریف کو اہم فیصلہ کرنا تھا اور وہ تھا کہ تین اہم عسکری عہدوں کی تقرری جس میں آرمی چیف، نیول چیف اور چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کے عہدے شامل تھے۔ سب سے اہم آرمی چیف کے عہدے کے اُمیدوار تھے، لیفٹیننٹ جنرل ہارون اسلم، لیفٹیننٹ جنرل راشد محمود، لیفٹیننٹ جنرل راحیل شریف، لیفٹننٹ جنرل طارق خان، لیفٹننٹ جنرل ظہیر الاسلام۔ اس سے پہلے نواز شریف تھوڑے یا زیادہ عرصے چھ جنرلوں یعنی جنرل مرزا اسلم بیگ، جنرل آصف نواز جنجوعہ، جنرل عبدالوحید کاکڑ، جنرل جہانگیر کرامت، جنرل پرویز مشرف اور جنرل اشفاق پرویز کیانی کے ساتھ وزیر اعظم کی حیثیت سے کام کرچکے تھے۔ نواز شریف کا پس منظر یہ تھا کہ ان چھ جنرلوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی نواز شریف کے تعلقات اچھے نہ رہے۔ جنرل مرزا اسلم بیگ اور نواز شریف کا صرف نوماہ کا ساتھ رہاتاہم خلیج کی جنگ کے دوران نواز شریف نے محسوس کیاکہ جنرل بیگ اُن کے لیے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں تو جنرل بیگ کی ریٹائرمنٹ سے دو ماہ قبل نئے آرمی چیف کا تقرر کر دیا گیا۔ جنرل آصف نواز جنجوعہ سے نواز شریف کے تعلقات ہمیشہ خراب رہے اور جب اُنکی غیر طبعیی موت واقع ہوئی تو زہر دینے کا الزام اُنکی کابینہ کے وزیر چوہدری نثار پر آیا۔

جنرل عبدالوحید کاکڑ نے ثالث کا کردار ادا کرتے ہوئے 1993ء میں اُسوقت کے صدر غلام اسحاق خان اور وزیراعظم نواز شریف کے اختلافات ختم نہ ہونے پر دونوں کو گھر بھیج دیا تھا۔ اکتوبر 1998ء میں جنرل جہانگیر کرامت نے نیول وار کالج میں خطاب کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ ریاستی ڈھانچے کے استحکام کے لیے ترکی کی طرز پر نیشنل سکیورٹی کونسل کے قیام میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نواز شریف حکومت اس تجویز سے یہ سمجھی کہ جنرل صاحب کے ارادے ٹھیک نہیں۔ چنانچہ اُن سے استعفٰی مانگ لیا گیا۔ نواز شریف نے اپنے بھائی شہباز شریف اور اپنے قریبی ساتھی چوہدری نثار کے مشورے پر سنیارٹی کے اصول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جنرل پرویز مشرف کو 1998ء میں آرمی چیف کا عہدہ دیا تھا۔ اختلاف کے باعث جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کی حکومت ختم کرکے نواز شریف کو پہلے سولہویں صدی کے اٹک کے قلعہ میں رکھا اور پھر تھوڑے دن بعد سعودی عرب روانہ کردیا۔ نواز شریف اور جنرل اشفاق پرویز کیانی کا ساتھ بہت تھوڑے عرصہ رہا، کیونکہ جنرل کیانی تو پہلے ہی پیپلزپارٹی کی حکومت کی طرف سے تین سال کی توسیع لے چکے تھے، جس کی اس سے قبل مثال نہیں ملتی، اسلیے اُنکا اور نواز شریف کا ساتھ بغیر کسی اختلاف کے گذر گیا۔

وزیراعظم نواز شریف نے 27 نومبر 2013ء کو جنرل راحیل شریف کو ملک کی بری فوج

کا نیا سربراہ مقرر کیا اور جنرل راشد محمود کو جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کا چیئرمین تعینات کیا۔ جنرل راحیل شریف 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں نشان حیدر کا اعزاز پانے والے میجر شبیر شریف شہید کے چھوٹے بھائی ہیں اور آرمی چیف بنتے وقت وہ سنیارٹی میں تیسرے نمبر پر تھے۔ نواز شریف نے ایک مرتبہ پھر سنیارٹی کے اصول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جنرل راحیل شریف کو بری فوج کا سربراہ مقرر کیا، اس مرتبہ انہوں نے صرف اپنے گھر والوں سے جس میں بیگم کلثوم نواز بھی شامل تھیں مشورہ کیا۔ تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ جنرل راحیل شریف کی تقرری میں بھی نواز شریف نے اپنی ذاتی پسند کو ترجیح دی۔ جنرل راحیل شریف نے جنرل اشفاق پرویز کیانی کی جگہ لی جو چھ سال تک پاکستان کے بری فوج کے سربراہ رہنے کے بعد 28 نومبر 2013ء کو ریٹائر ہوئے۔ وزیر اعظم نواز شریف کے لیے اصل چیلنج نئے آرمی چیف کی تقرری کو سمجھا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ ماضی میں بطور وزیر اعظم اپنے دونوں ادوار میں نواز شریف کی بری فوج کے سربراہان کے ساتھ تعلقات میں کشیدگی تھی۔

مسلم لیگ (ن) نے اقتدار میں آنے کے بعد ایک سال تک طالبان دہشت گردوں کے ساتھ مذاکرات کا کھیل رچایا۔ کراچی ایئرپورٹ پر طالبان دہشت گردوں کے حملے کے بعد اتوار 15 جون 2014ء کو افواج پاکستان نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن "ضرب عضب" کا آغاز کیا۔ آپریشن ضرب عضب میں اب تک مختلف کارروائیوں کے دوران 2800 کے قریب دہشت گردوں کو جہنم واصل کیا جا چکا

ہے، جبکہ آپریشن میں سیکیورٹی فورسز کے 350 سے زیادہ افسر اور جوان بھی شہید ہوئے۔ اس سے پہلے 4 ستمبر 2013ء کو وزیر اعظم نواز شریف نے کراچی میں وفاقی کابینہ کے خصوصی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بدامنی سے نمٹنے کے لیے رینجرز کو مرکزی کردار دینے کی تجویز پیش کی۔ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کراچی میں کابینہ کے اجلاس کے بعد پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ کراچی میں رینجرز کی سربراہی میں فوری طور پر ٹارگٹڈ آپریشن کیا جائے گا۔ دونوں آپریشن کامیابی کے ساتھ جاری ہیں، شمالی وزیرستان اور خیبر ایجنسی میں آپریشن ضرب عضب انتہائی کامیابی سے چل رہا ہے اور مسلح افواج نے تقریبا 95 فیصد علاقہ دہشت گردوں سے خالی کرا لیا ہے۔ بڈھ بیر ایئر بیس کے سانحے کی وجہ سے ناقدین دعویٰ کرتے ہیں کہ ضرب عضب آپریشن ناکام ہو چکا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے سیکورٹی اداروں نے دہشت گردی کی کمر توڑ دی ہے۔ جنرل راحیل شریف اس تمام آپریشن کی خود نگرانی کر رہے ہیں جبکہ کراچی میں ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کو اس بات پر اعتراض ہے کہ رینجرز نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے، لیکن اگر آپ ایک عام شہری سے بات کرینگے تو وہ یہ ہی کہے گا کہ حالات پہلے سے بہتر ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف آپریشن ضرب عضب میں کامیابیاں جاری ہیں اور فوج کو عوام کی بھرپور حمایت حاصل ہے، بلکہ عوام کی جانب سے جنرل راحیل شریف اور مسلح

افواج کو خراج تحسین بھی پیش کیا جارہا ہے۔ یہ اس آپریشن کا ہی نتیجہ ہے کہ اب کراچی میں بھی امن و امان تیزی سے بحال ہو رہا ہے اور بہت حد تک جرائم پر قابو پالیا گیا ہے۔ اس درمیان جنرل راحیل شریف کی حمایت میں پوسٹر اور بینرز لگنے شروع ہوگئے۔ ابھی جبکہ جنرل راحیل شریف کی ملازمت میں ایک سال سے زیادہ کا عرصہ باقی ہے اُنکی ملازمت میں توسیع کی مانگ کی جانے لگی۔ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے کہا ہے کہ آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی مقبولیت پر خوشی ہے، لوگ اپنے سپہ سالار سے پیار کرتے ہیں، اس میں کسی کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ خورشید شاہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمیں آرمی چیف کے پوسٹر اور بینرز کے لگنے پر گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ عوام صرف اور صرف محبت میں پوسٹر لگارہے ہیں (یہ بات اور ہے کہ خورشید شاہ کے رہنما آصف زرداری تو گھبرا کر ملک ہی چھوڑ کر چلے گئے)۔ سابق صدر پرویز مشرف کا کہنا ہے کہ جنرل راحیل شریف بہت اچھا کام کر رہے ہیں، جنرل راحیل شریف کی مدت ملازمت میں توسیع ہونی چاہیے، فوجی قیادت بدلی تو سارا کیا دھرا ختم ہو جائے گا، سسٹم تبدیل ہوا تو سب صفر ہو جائے گا۔ خوشی ہے کہ آرمی چیف کی پاکستان میں شہرت ہے، ایک آدمی تو ایسا ہے جو پاکستان میں مشہور ہے۔ پاکستان کے وزیر داخلہ چوہدری نثار کا کہنا ہے کہ " موجودہ آرمی چیف ایک پروفیشنل سپاہی ہیں اور ڈیڑھ سال کے عرصے میں انھوں نے ان تھک محنت کی وجہ سے صرف فوج میں بلکہ پاکستان کے طول و عرض میں عزت کمائی ہے"۔ تحریک انصاف

کے سربراہ عمران خان نے کراچی کے حالات میں بہتری دیکھنے کے بعد فوج سے مطالبہ کرڈالا کہ آپریشن ضرب عضب کے دائرہ کو پنجاب تک وسیع کیا جائے۔

15 ستمبر کو گارڈین لندن میں جان بونی نے ایک مضمون "پاکستانی میڈیا اور صحافیوں پر آرمی کا سخت دباؤ" لکھا۔ جان بونی کے مطابق "پاکستان کے صحافی آئی ایس پی آر کے سربراہ میجر جنرل عاصم باجوہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے پاکستانی طالبان کے خلاف کاروائی کرنے پر جنرل راحیل شریف کو ایک مقبول شخصیت بنا دیا ہے۔ جنرل باجوہ کا کہنا ہے کہ اُن کی یہ ذمہ داری ہے کہ "عوام تک درست اطلاعات پہنچائی جائیں"۔ ہم میڈیا کو یہ نہیں کہتے کہ اس طرح کرو یا فلاں خبر کو سنسر کردو۔ انہوں نے کہا عوام پاکستان آرمی کے کاموں کو پسند کرتے ہیں کیونکہ زمینی حقائق یہ بتاتے ہیں کہ (آرمی کی وجہ سے) حالات میں بہتری آرہی ہے۔ڈان کے سابق ایڈیٹر عباس ناصر کا کہنا ہے کہ "ایسا مشکل نظر آتا ہے کہ راحیل شریف کو ملازمت میں توسیع ملے کیونکہ اس سے آرمی کے اندر غم و غصہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن حد سے زیادہ اعتماد بھی ماضی کی غلطیوں کو دہرانے کا سبب بن سکتا ہے"۔ عباس ناصر کہتے ہیں کہ میرا خدشہ ہے یہ صرف یکطرفہ تعریف ہے اور ہمارے جرنیل خوش فہمی کا شکار ہو کر کسی مہم جوئی میں ملوث نہ ہو جائیں۔ اگر آپ کو مسلسل یہ بتایا جائے کہ آپ عظیم اور عظیم تر ہیں تو جلد ہی آپ کو اس بات کا یقین بھی ہو جاتا ہے"۔

کیا جنرل راحیل شریف اپنی مدت ملازمت میں توسیع چاہتے ہیں؟ اسلام آباد میں قائم ایک تھنک ٹینک سینٹر فار ریسرچ اینڈ سکیورٹی اسٹڈیز (سی آر ایس ایس) کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر امتیاز گُل کا آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع کے حوالے سے کہنا ہے کہ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ اس بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اور یہ خود جنرل" راحیل شریف پر بھی منحصر ہو گا کہ وہ اپنے پیشرو جنرل کیانی کی طرح توسیع لینا چاہیں گے یا نہیں"۔ امتیاز گل کا مزید کہنا تھا کہ سول حکومت کی کوتاہ اندیشیوں اور بے عملی کی وجہ سے فوج کو بہت سے معاملات اپنے ہاتھ میں لینا پڑے ہیں: "جنوبی وزیرستان میں آپریشن ہو یا کراچی میں امن وامان کے قیام کا مسئلہ، سیلاب متاثرین ہوں یا بے گھر افراد فوج ہر طرف غیر معمولی طور پر سرگرم ہے اور یہ بات یقیناً سول حکومت کے حق میں نہیں جاتی"۔ انہوں نے کہا کہ بظاہر اس وقت فوج اور سول حکومت کے درمیان اس لیے کوئی مسئلہ نظر نہیں آتا کہ سول حکومت نے خود کو فوج کے تابع کیا ہوا ہے۔ انتظار کیجیے کہ تمغوں اور شہیدوں والے گھرانے کے جنرل راحیل شریف اپنی مدت ملازمت میں توسیع کے لیے کیا فیصلہ کرتے ہیں، ہنوز دلی دور است۔

عمران خان میں تبدیلی آچکی ہے

جنرل ضیاء الحق کی موت کے بعد 1988ء میں بینظیر بھٹو جب پہلی مرتبہ وزیراعظم بنیں تو تھوڑے ہی عرصہ بعد ضیاء دور کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے بینظیر بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری کو مسٹر ٹین پرسینٹ کا خطاب دیا۔ آصف زرداری کی اُس وقت کی مالی بدعنوانیاں جو لاکھوں اور کروڑوں میں تھیں کو روکنے کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش نہ ہوئی۔ 1990ء میں اُس وقت کے صدر غلام اسحاق خان نے بینظیر حکومت کو برطرف کردیا۔ وزیراعظم بینظیر بھٹو کے شوہر آصف زرداری کے خلاف کرپشن اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزام میں نو ریفرنس عدالتوں میں دائر کئے۔ لیکن پھر 1993ء میں اسی صدر غلام اسحاق خان نے نواز شریف حکومت کو برطرف کرنے کے لیے اُسی بدعنوان آصف زرداری سے بطور وزیر ایوان صدر میں حلف لیا، کرپشن اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے نو ریفرنس سب بھلادیے گئے کیونکہ مفاد پرست سیاست کی ضرورت تھی، احتساب کا معاملہ ٹھپ ہوگیا۔

آفتاب شیرپاؤ 1993ء کے عام انتخابات میں صوبائی اسمبلی کے رکن بنے اور صوبہ خیبر پختونخوا کے وزیر اعلی منتخب ہوئے اور نومبر 1997ء تک بے نظیر بھٹو کی حکومت کی معزولی تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اس کے بعد نواز شریف دور میں نیب

کی جانب سے ان پر بدعنوانی کے کئی مقدمات قائم کیے گئے۔ ان مقدمات کی وجہ سے وہ ملک سے باہر چلے گئے۔ 2002ء میں ایک خفیہ ڈیل کے تحت واپس آئے اور پیپلز پارٹی سے علیحدہ ہوکر پیپلز پارٹی شیرپاؤ گروپ کے نام سے ایک نئی جماعت بنائی بعد میں اُسکا نام قومی وطن پارٹی کردیا گیا۔ قومی وطن پارٹی نے صوبہ خیبر پختونخوا میں کئی قومی اور صوبائی نشستیں حاصل کیں۔ اس کے بعد مسلم لیگ (ق) کی حکومت کی حمایت اور اس دوران میں داخلہ کے وزیر رہے۔ کئی خودکش حملوں میں بال بال بچے۔

2008ء میں ہونے والے انتخابات میں بھی کامیابی حاصل کی اور قومی اسمبلی کے ممبر بنے۔ جنوری 2009ء میں مائع گیس کے منافع بخش کاروبار میں مال بنانے والوں کی فہرست جاری ہوئی جس میں آفتاب شیرپاؤ کا نام بھی شامل تھا۔ اب اُنکے صاحبزادے سکندر شیرپاؤ بھی سیاست میں بھرپور حصہ لیتے ہیں اور بہت مصروف سیاستدان ہیں، اُن پر بھی خودکش حملے ہوچکے ہیں۔

گیارہ مئی 2013ء کے عام انتخابات کے بعد پاکستان تحریک انصاف نے صوبہ خیبر پختونخوا میں جب اپنی حکومت بنانے کی کوششیں شروع کیں تو جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان نے اُس کا راستہ روکنے کی بھرپور کوشش کی۔ اُس وقت طاقت کا توازن قومی وطن پارٹی اور جماعت اسلامی کے ہاتھ میں تھا اور دونوں نے ہی اپنا اپنا وزن تحریک انصاف کے پلڑے میں ڈالتے

ہوئے اس کے ساتھ اتحاد کا اعلان کیا۔ تینوں جماعتوں نے اس عزم کا اظہار بھی کیا تھا کہ صوبے میں کرپشن کے خاتمے، قانون کی حکمرانی اور میرٹ کی بالادستی کے لئے بھر پور کوششیں جاری رکھی جائیں گی۔ تینوں جماعتوں نے اس عزم کو بھی دوہرایا تھا کہ یہ اتحاد پانچ سال تک برقرار رہے گا مگر صرف چھ ماہ کے مختصر عرصے کے دوران ہی کئی معاملات پر اختلاف رائے اور متضاد پالیسیاں سامنے آنے کے بعد آخر کار تحریک انصاف کی صوبائی حکومت نے مبینہ بدعنوانیوں کے الزام میں قومی وطن پارٹی کے دو صوبائی وزراء بخت بیدار خان اور ابرار حسین کو برطرف کر دیا، جبکہ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے قومی وطن پارٹی سے اتحاد کے خاتمے کا بھی اعلان کیا۔

قومی وطن پارٹی کے رہنما اور سینئر وزیر سکندر خان شیرپاؤ نے اپنی پارٹی کے دو صوبائی وزرا کو فارغ کیے جانے پر خود بھی اپنے عہدے سے استعفیٰ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اُن کی پارٹی اب صوبائی حکومت کا حصہ نہیں ہے۔ انھوں نے الزام عائد کیا تھا کہ تحریک انصاف پختون مخالف پالیسیوں پر عمل پیرا ہے اور وہ پختون قوم کو تباہی کے دہانے پر لے جانا چاہتی ہے۔ سابق سینئر وزیر نے کہا کہ ٹھوس وجوہات کے بغیر قومی وطن پارٹی کے دو وزرا کو برطرف کرنا غیر اخلاقی عمل ہے اور ہماری پارٹی کو اس حوالے سے اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ اگر وزرا کے معاملے پر قومی وطن پارٹی کو اعتماد میں

لیا جاتا تو وہ دونوں وزرا کے خلاف سخت ترین ایکشن لیتے۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں پاکستان تحریک انصاف اور قومی وطن پارٹی کا اتحاد جلد ہی ماضی کا ایک قصہ بن گیا اور عام لوگ اس بات کو بھول گئے کہ تحریک انصاف اور قومی وطن پارٹی کبھی حکومتی اتحادی تھے۔ لیکن 30 مئی 2015ء کو بلدیاتی الیکشن کے موقعہ پر قومی وطن پارٹی اور تحریک انصاف کے درمیان دوبارہ قربتیں پیدا ہوئیں، چند اضلاع میں دونوں کے درمیان بیک ڈور سیٹ ٹو سیٹ ایڈجسٹمنٹ بھی ہوئی۔ بلدیاتی الیکشن میں دھاندلی اور بد نظمی کے خلاف سہ فریقی اتحاد کی جانب سے آل پارٹیز کانفرنس کے بائیکاٹ کے باوجود قومی وطن پارٹی کے سربراہ آفتاب شیرپاؤ اور اُن کے رہنماؤں نے اے پی سی میں شرکت کی تھی جس کی وجہ سے حکومت کو اپوزیشن جماعتوں کے خلاف کامیابی ملی تھی اور ہڑتال و شٹر ڈاؤن ناکام ہوا تھا۔ پشاور میں ایک پریس کانفرنس کے دوران قومی وطن کے پارٹی کے چیئرمین آفتاب شیرپاؤ نے کہا تھا کہ سیاست میں دروازے کبھی بند نہیں ہونے چاہییں اور ایسا ہی ہوا، تازہ اطلاع کے مطابق قومی وطن پارٹی کی دوبارہ صوبائی حکومت میں شمولیت کا معاہدہ ہوگیا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ عمران خان 126 دن کے لاحاصل دھرنے اور سول نافرمانی کی ناکام اپیل کے بعد ملک کے عوام کی بہتری کے لیے کوئی تبدیلی نہ لاسکے۔ لیکن

شاید دھرنے کے دوران اُنکو یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ ملک کی ساری سیاسی پارٹیوں کی طرح اُنہیں بھی اسی مفاد پرست سیاست کا حصہ بنناپڑے گا جہاں نہ کوئی اصول ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی انصاف، صرف اور صرف لوٹ کھسوٹ کا بدعنوان نظام ہوتا ہے۔ اسی مفاد پرست سیاست کی وجہ سے ہی غلام اسحاق خان نے بدعنوان آصف زرداری سے وزیر کاحلف لیا تھا، پرویز مشرف اور چوہدری شجاعت ایک ہی حکومت کا حصہ بنے تھے، پرویز مشرف نے بینظیر اور دوسرے بدعنوانوں کے لیے این آر او بنایا تھا۔ اسی مفاد پرست سیاست کے طفیل آصف زرداری نے پانچ سال پورے ملک کو لوٹا اور نواز شریف فرینڈلی اپوزیشن بنے رہے اور آج اسی مفاد پرست سیاست کی وجہ سے نواز شریف کے گرد لوٹے جمع ہیں۔

تحریک انصاف کی صوبائی حکومت نے جس قومی وطن پارٹی کے بدعنوان وزرا کی مبینہ بدعنوانیوں کی وجہ سے اُس کے دو صوبائی وزراء کو برطرف کردیا تھااور اُن سے اپنا اتحاد ختم کرلیا تھا اسی مفاد پرست سیاست کی وجہ سے دوبارہ اتحاد کرلیا ہے۔ عمران خان کواس نئے یوٹرن پر مبارکباد تو نہیں دی جاسکتی لیکن عام لوگوں کو یہ ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ عمران خان جو تبدیلی لانے کے نعرے لگایا کرتے تھے خود تبدیل ہوکر اُسی بدعنوان نظام کا حصہ بن گئے ہیں جو گذشتہ انہتر سال سے پاکستان میں رائج ہے۔ دوستوں پاکستان میں تبدیلی تو کیا آتی لیکن آپ کہہ سکتے ہیں عمران خان اور تحریک انصاف میں تبدیلی

آچکی ہے۔آخر میں ایک سوال قومی وطن پارٹی کے رہنما سکندر خان شیرپاؤ سے کہ تحریک انصاف کی حکومت سے علیدگی کے وقت آپنے تحریک انصاف پر الزام لگایا تھا کہ تحریک انصاف کی حکومت پختون مخالف پالیسیوں پر عمل پیرا ہے کیا آپ اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب تحریک انصاف کی حکومت پختون مخالف پالیسیوں پر عمل پیرا ہونا چھوڑ دیا ہے یا پھر یہ مفاد پرست سیاست کا کمال ہے کہ تحریک انصاف اور قومی وطن پارٹی دوبارہ حکومتی اتحادی بن گئے ہیں۔آغا شورش کاشمیری نے شاید اسی مفاد پرست سیاست کو سامنے رکھ کر کہا تھا۔

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

نندی پور سے کراچی تک بدعنوانی کا راج

نندی پور منصوبے کا آغاز پیپلز پارٹی نے 2008ء میں کیا، جو کچھ بدعنوانی کر سکتے تھے وہ کی اور چلے گئے۔ نواز شریف کی حکومت نے ڈھائی سال میں اس کی لاگت کو 22 ارب روپے سے 81 ارب روپے پر پہنچا دیا لیکن اس منصوبے سے بجلی کا ایک یونٹ عوام کو نصیب نہیں ہوا۔ نندی پور پاور پراجیکٹ سے 1361 کلومیٹر دور سمندر کے کنارے دو کروڑ کی آبادی والا شہر کراچی ہے۔ پورے پاکستان کی طرح یہ شہر بھی بجلی کی کمی کے باعث لوڈ شیڈنگ کا بدترین شکار ہے۔ اس سال 20 جون سے کراچی میں گرمی بڑھتی چلی گئی اور درجہ حرارت 40 اور پھر 45 ڈگری سینٹی گریڈ تک جا پہنچا، اس گرم ترین موسم میں لوڈشیڈنگ نے سانس لینے کا بچا کچھا حق بھی چھین لیا۔ لوگ دم گھٹنے سے مرتے رہے، اندازہ ہے کہ مرنے والوں کی تعداد کم از کم چار ہزار کے قریب تھی۔ کراچی میں کے الیکٹرک کی جانب سے بجلی کی طویل دورانیئے کی غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ کی جاتی ہےاور شہریوں کو ذہنی اذیت میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ کے الیکٹرک کی جانب بجلی کے نرخوں میں اضافے پے اضافہ ہورہا ہے لیکن شہریوں کو بجلی کی مسلسل ترسیل میں حائل روکاوٹوں کو دور کرنے کی جانب کوئی پیش رفت نہیں کی گئی۔

نومبر 2013ء میں وزیر اعظم نواز شریف نے چین کی مالی و تکنیکی معاونت سے کراچی میں "کے ٹو اور کے تھری" نامی جوہری بجلی گھروں کے منصوبوں کا سنگ بنیاد رکھا تو بظاہر اعلیٰ حکومتی حلقوں کو قبل از وقت اطلاع نہیں تھی۔ 20 اگست 2015ء کو وزیر اعظم نواز شریف نے کراچی میں ہاکس بے کے قریب واقع کینوپ ایٹمی پلانٹ میں کے ٹو" منصوبے کی کنکریٹ پورنگ منصوبے کا افتتاح کر دیا۔ پاکستان کو کئی سالوں" سے بجلی کی قلت کا سامنا ہے۔ کراچی کے ساحل پر ایٹمی بجلی گھر کینوپ 1972ء میں قائم کیا گیا تھا، اس کی پیداواری صلاحیت 137 میگاواٹ اور مدت 2002ء تک تھی مگر بعد ازاں اسے اپ گریڈ کرکے دوبارہ فعال بنایا گیا، اب اس کی پیداواری صلاحیت کم ہو کر 80 میگاواٹ رہ گئی ہے۔ 2011ء میں بھاری پانی کے اخراج کے بعد اس پلانٹ کو کچھ عرصے کے لیے بند کر دیا گیا تھا اور جب اس کی توسیع یعنی "کے ٹو" اور کے تھری" بنانے کی منصوبہ بندی کی گئی تو بعض سائنسدانوں اور شہری تنظیموں نے اس" پر خدشات کا اظہار کیا جس سے یہ منصوبہ متنازع ہوگیا۔ حکومت کے مطابق "کے ٹو" اور کے تھری" بنانے کے بعد یہ دونوں بجلی گھر گیارہ سو میگاواٹ فی کس کے حساب سے" بجلی پیدا کر سکیں گے۔ ان پلانٹس کی تکمیل 2019ء اور 2020ء تک ہو سکے گی جس سے کراچی میں بجلی کی لوڈشیڈنگ کا خاتمہ ہو سکے گا۔ کراچی میں تعمیر کیے جانے والے ان دونوں ایٹمی بجلی گھروں میں سے ہر ایک کی تعمیر پر تقریباً پانچ ارب ڈالر خرچ ہوں گے۔

وزیر اعظم نواز شریف نے پاکستان کے جوہری پاور پلانٹس کے حفاظتی اقدامات پر اطمینان کا اظہار کیا ہے اور کہا کہ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن ان جوہری تنصیبات کے حفاظتی انتظامات پر خصوصی توجہ کے ساتھ کڑی نگرانی کرتا ہے تاکہ دنیا کے مروجہ قوانین کے مطابق تمام ایٹمی بجلی گھروں کی سیکیورٹی کو یقینی بنایا جاسکے اور ان اقدامات سے انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی آگاہ ہے۔ یہ ایٹمی پلانٹ چائنا نیشنل نیوکلیئر کارپوریشن نے تعمیر کرنے ہیں۔ یہ ری ایکٹر نہ پہلے کہیں بنائے گئے ہیں اور نہ کہیں یہاں تک کہ چین میں بھی نہیں آزمائے گئے۔

عالمی رائے عامہ اب ایٹمی توانائی کے حق میں نہیں ہے زیادہ تر ممالک اسے چھوڑ چکے ہیں لیکن پاکستان میں ایسے جوہری پلانٹ لگائے جارہے ہیں جو شہریوں کے لیے سنگین خطرات کا باعث ہو سکتے ہیں۔ جرمنی کی مثال سامنے ہے۔ امریکا میں پچھلے 44 سالوں سے کسی نئے ایٹمی بجلی گھر نے کام کرنا شروع نہیں کیا ہے۔ کچھ زیر تعمیر ہیں لیکن وہ عالمی رجحان نہیں کہلا سکتے۔ چین ایک مضبوط مثال ہے، اس نے ایٹمی صنعت کی کئی کارپوریشنز تیار کی ہیں جنھوں نے تکنیکی مہارت کے حصول کے لیے بھاری سرمایہ کاری کی ہے، اور اب وہ نیوکلیئر ٹیکنالوجی دوسرے ممالک کو فراہم کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ پاک

چین ایٹمی معاہدے کے بارے میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ نہ تو دنیا کا کوئی اور ملک پاکستان کو نیوکلیئر ری ایکٹر بیچنا چاہتا ہے، اور نہ ہی دنیا کا کوئی ملک چین سے نیوکلیئر ری ایکٹر خریدنا چاہتا ہے۔

سال 2014ء میں چین نے 20 گیگاواٹ صلاحیت کے ہوا سے بجلی پیدا کرنے کے ٹربائن لگائے ہیں۔ اگر چین اپنے پاس ہوا سے بجلی پیدا کرنے کے لیے اتنے بڑے منصوبوں پر کام کر رہا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس پن بجلی کے منصوبے تیار کرنے کے لیے بھی صلاحیت موجود ہے۔ پاکستان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس ہوا سے 40 ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ چین سے قرضہ حاصل کرکے پن بجلی کی صنعت کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ پن بجلی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی تنصیب پر ایٹمی بجلی گھر سے آدھی لاگت آئے گی، جبکہ اس میں ایندھن کا کوئی خرچ نہیں ہوگا۔ پن بجلی ایٹمی بجلی سے سستی ہوگی۔ دنیا بھر میں اس حوالے سے کافی کام ہو رہا ہے اور ہر سال 50 ہزار میگاواٹ صلاحیت کے نئے منصوبے لگائے جا رہے ہیں۔ پاکستان کو تو صرف 10 ہزار میگاواٹ کی ضرورت ہے تاکہ اپنی تمام ضروریات پوری کر سکے۔ اس کے علاوہ سولر فوٹو وولٹیک ٹیکنالوجی ہے جس کی قیمت حال ہی میں کافی کم ہوئی ہے۔ حکومتِ پنجاب نے حال ہی میں شمسی توانائی سے توانائی حاصل کرنے کا منصوبہ لگایا ہے۔

دو کروڑ کی آبادی والے شہر کراچی کے قریب دو نیوکلیئر ری ایکٹرز کی تعمیر کا حکومتی پلان سائنسدانوں اور حکومت کے دوران تنازع کی وجہ بنا ہوا ہے۔ سونامی، زلزلہ یا دہشتگردی کی صورت میں کراچی کے لوگوں کے پاس کہیں جانے کا راستہ نہیں ہوگا اور جو تابکاری پھیلے گی اس سے بچنے کا امکان نہیں ہے۔ کسی بھی حادثے یا قدرتی آفت کی صورت میں اِن مجوزہ ایٹمی بجلی گھروں کا نظام تباہ ہوا تو شہر میں قیامت برپا ہو سکتی ہے۔ کراچی کے شہریوں اور ماہرین میں اس حوالے سے تشویش پائی جاتی ہے۔ تابکاری کے اثرات بہت زیادہ سنگین ہو سکتے ہیں کیونکہ اِن بجلی گھروں میں ٹنوں کے حساب سے جوہری مادہ ہوتا ہے۔ اگر اس مادے کا صرف پانچ فیصد بھی خارج ہو تو کراچی کے لوگوں کے لیے بہت خطرناک ہوگا۔ یہ بہت بڑے پلانٹ ہیں اور اتنے بڑے پلانٹ خود چین نے اس سے قبل نہیں بنائے اور یہ پہلا ماڈل ہوگا جو پاکستان میں لگایا جائے گا۔ یہ تو ایک تجرباتی ماڈل ہے اور اِس میں حفاظتی تدابیر کا کسی کو علم نہیں۔

صفِ اول کے ماہرِ فزکس عبدالحمید نیر سے جب پوچھا گیا کہ کراچی میں ری ایکٹرز کی تعمیر کی صورت میں آپ کی سب سے بڑی تشویش کیا ہے؟ تو اُن کا جواب تھا "ہمیں دو مسائل پر تشویش ہے۔ ایک یہ کہ اگر ان نئے ڈیزائن کے ری ایکٹرز کے ساتھ فوکوشیما یا چرنوبل کی طرز کا کوئی حادثہ پیش آتا ہے، تو

کیونکہ زیادہ لوگوں کو اس ڈیزائن کے بارے میں کوئی تجربہ نہیں ہوگا، تو حادثے کو کس طرح کنٹرول کیا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ فوکوشیما حادثے کے اثرات ری ایکٹر سے 30 کلومیٹر دور تک بھی دیکھے گئے تھے۔ کراچی میں جہاں اس ری ایکٹر کی تعمیر کی تجویز دی گئی ہے، اس کے پاس 30 کلومیٹر کا علاقہ گنجان آباد ہے۔ اگر ان ری ایکٹرز میں کوئی خطرناک حادثہ پیش آتا ہے، تو یہ علاقے سالوں کے لیے مکمل طور پر بند کرنے پڑیں گے، جس کا لازمی طور پر پاکستانی معیشت پر برا اثر پڑے گا۔ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ فوکوشیما کے پاس 30 کلومیٹر کا علاقہ مکمل طور پر آبادی سے خالی کروایا گیا تھا، اور چار سال گزر جانے کے باوجود وہاں پر لوگوں کو واپس نہیں جانے دیا گیا ہے۔ سوچیں اگر اس طرح کا کوئی حادثہ کراچی میں پیش آجائے، تو کیا کراچی کو خالی کروانا آسان ہوگا؟ اگر ہم دو کروڑ لوگوں کو شہر سے نکالنے میں ناکام رہے، تو وہ ایٹمی تابکاری کی زد میں آئیں گے"۔

ان دونوں ایٹمی بجلی گھروں کی تعمیر پر اعتراض کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں ایٹمی بجلی گھروں کے منصوبے کا پہلے باقاعدہ طور پر جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ سندھ کی ساحلی پٹی میں ماہی گیروں کے حقوق کے لیے سرگرم تنظیم پاکستان فشر فوک فورم، مزدوروں کے حقوق کی علمبردار تنظیم پاکستان انسٹی ٹیوٹ فار لیبر، ایجوکیشن اینڈ ریسرچ اور کئی دیگر تنظیموں نے ایٹمی بجلی

گھروں کے ان نئے منصوبوں کے خلاف ملک گیر مہم چلانے کا اعلان کر دیا ہے۔ سماجی حلقوں نے اس پیش رفت کو خطرات میں گھرنے اور طویل المدتی گھاٹے کے سودے سے تعبیر کیا۔ سندھ ہائی کورٹ میں پروفیسر پرویز ہود بھائی، شرمین عبید چنائے، ڈاکٹر اے ایچ نیر اور عارف بلگرامی نے درخواست دائر کی تھی، جس میں کہا گیا تھا کہ منصوبے سے پہلے ماحولیاتی اثرات کا تجزیہ نہیں کرایا گیا اور حادثے کی صورت میں لوگوں کے انخلا کا ہنگامی پروگرام بھی دستیاب نہیں۔ عدالت کے حکم پر منصوبے پر کئی ماہ تک حکم امتناعی رہا لیکن بعد میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کی یقین دہانی کے بعد درخواست نمٹا دی گئی۔ بہتر ہوگا حکومت پاکستان نہ صرف کراچی بلکہ ملک کے باقی حصوں سے بھی ایٹمی بجلی گھر کے منصوبے ختم کر دے کیونکہ نندی پور پاور پروجیکٹ سے صرف مالی نقصان ہو رہا ہے جو کرپشن پر قابو پا کر ختم کیا جا سکتا ہے، لیکن ایٹمی بجلی گھروں سے مالی اور جانی دونوں طرح کے نقصانات ہونے کا اندیشہ ہے۔ پاکستان میں نندی پور سے کراچی تک بدعنوانی کا راج ہے اس لیے کراچی جیسے گنجان آباد شہر کے نزدیک ایٹمی بجلی گھر کا منصوبہ دانشمندانہ اقدام نہیں ہے۔

آصف زرداری چین میں نہیں رہتے

کسی دانشور سے دریافت کیا گیا کہ حضرت ! کرپشن کی تعریف کیا ہے؟ دانشور نے بہت ہی سادہ زبان میں بلاتامل جواب دیا کہ اپنے اختیارات سے تجاوز کرنا کرپشن ہے۔ اگراس بات کو من و عن مان لیا جائے تو ہمارے ملک کی پوری کی پوری سول اور فوجی بیوروکریسی اور سب کے سب سیاستدان کرپٹ قرارپاتے ہیں۔ کرپشن صرف مالی بدعنوانی یا وسائل کے غلط استعمال کا نام نہیں ہے بلکہ قانون کے دائرے سے نکل کے کوئی کام کرنایا قانون کے تقاضے کے مطابق کام نہ کرنا بھی کرپشن ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ جمہوریت میں قانون کی حکمرانی اور جواب دہی کی بدولت سمجھا جاتا ہے کہ جمہوریت میں کرپشن کم ہو گی لیکن بدقسمتی سے پاکستان کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا۔ پاکستان میں ایک طویل عرصے تک فوجی حکمراں رہے ہیں، ایوب خان سے لے کر پرویز مشرف تک سب ہی نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ اس وقت بھی پاکستان میں ایک سابق صدر، دو سابق وزرائے اعظم سمیت ہزاروں سیاستدانوں، فوجی افسروں، بیوروکریسی میں کرپشن کرپشن کا کھیل کھیلنے والوں کے خلاف مقدمات موجود ہیں۔ کرپٹ عناصر کی بیخ کنی کیلئے "نیب" کا ادارہ بھی موجود ہے لیکن لگتا ایسا ہے کرپشن ہر ادارے کی رگ رگ میں سماچکا ہے، چاہے وہ ادارے سول ہوں یا فوجی۔ تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کے پاکستان میں جمہوریت ہو

یا آمریت کرپشن ہر حال میں موجود رہی ہے۔اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ پاکستان کا سیاسی نظام چند لوگوں کے گرد گھومتا ہے اور نظام کے بدلنے کے باوجود نظام سے فائدہ اٹھانے والے وہی رہتے ہیں۔

چیئرمین سینیٹ میاں رضا ربانی دور طالب علمی ہی میں سیاست سے دلچسپی کے باعث پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ وابستہ ہوئے اور یہ سفر آج تک جاری ہے، 1993ء سے سینٹ کے رکن ہیں۔ رضا ربانی سینیٹ کے ساتویں، پیپلز پارٹی کے چوتھے اور سندھ سے تیسرے چیئرمین سینٹ ہیں۔ بدھ 30 ستمبر 2015ء کو وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی میں آل سندھ تقریری مقابلے سے بطور مہمان خصوصی خطاب کرنے کے بعد صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے چیئرمین سینیٹ میاں رضا ربانی نے فرمایا کہ میں مانتا ہوں کہ سیاستدانوں نے کرپشن کی اس لیے اُن کا دفاع نہیں کرتا تاہم پاکستان میں کوئی مقدس گائے نہیں، سول و فوجی بیوروکریسی میں کوئی بھی شفاف نہیں، احتساب ہو تو سب کا ہونا چاہیئے، نیب کے قانون کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے جو ادارہ سب کا احتساب کررہا ہے اس کا بھی احتساب ہونا چاہیئے۔ تسلیم کرتا ہوں کہ پیپلز پارٹی میں بھی کرپٹ لوگ موجود ہیں، کرپشن کے متعلق ایک کمیٹی قائم کی جائے جس کا مقصد صرف کارروائیوں پر نظر رکھنا ہو، کرپشن کا خاتمہ قانون کے دائرے میں رہ کر کرنے کی ضرورت ہے۔انھوں نے مزید کہا کہ وہ دن گئے جب سیاستدانوں کیلئے خصوصی عدالتیں بنائی جاتی تھیں،

خصوصی عدالتیں ضرور بنائیں مگر یہ خصوصی عدالتیں بھی سب کے لئے ہونی چاہئیں۔

رضا ربانی کی بدھ 30 ستمبر 2015ء کو صحافیوں سے یہ گفتگو دراصل سابق صدر آصف زرداری کی 16 جون 2015ء کی اُس تقریر کا دفاع ہے جس میں آصف زرداری نے نام لیے بغیر فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اُن کو دیوار سے لگانے اور اُن کی کردار کشی کرنے کی روش ترک کردیں ورنہ وہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک کے جرنیلوں کے بارے میں وہ سب کچھ بتائیں گے کہ وہ فوجی جرنیل) وضاحتیں دیتے پھریں گے۔ انھوں نے کہا کہ سیاست دانوں کے راستے) میں رکاوٹیں نہ کھڑی کی جائیں ورنہ اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔ اُنھوں نے دھمکی دی کہ جب بھی پیپلز پارٹی نے ہڑتال کی کال دی تو خیبر سے لے کر کراچی تک جام ہو جائے گا۔ حالات کے پیش نظر پاکستان کی کسی چھوٹی بڑی سیاسی جماعت نے زرداری کے بیان کی حمایت نہیں کی۔ بلکہ میثاق جمہوریت میں ان کے ساتھی وزیراعظم نواز شریف نے تو روس کے دورے پر گئے ہوئے جنرل راحیل شریف کو فون کرکے اپنی صفائی بھی پیش کی تھی اور آصف زرداری کے ساتھ طے شدہ ملاقات بھی نہیں کی۔ آصف زرداری کو جب کسی طرف سے کوئی حمایت نہ ملی تو ملک چھوڑ کر چلے گئے۔

دو ہزار آٹھ سے دو ہزار تیرہ تک پیپلز پارٹی کے پانچ سالہ دور حکومت کا یہ

ریکارڈ رہا ہے کہ اس میں پاکستان کی زیادہ تر سیاسی جماعتیں کسی نہ کسی طریقے سے اقتدار میں شامل رہی ہیں۔ پیپلزپارٹی کی حکومت کا یہ بھی ریکارڈ ہے کہ قومی اسمبلی سے متفقہ طور پر منتخب وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو چند سیکنڈ کی سزا کے بعد نہ صرف وزارت عظمٰی بلکہ پانچ سال کے لئے انتخابات لڑنے کے لیے بھی نااہل قرار دے دیا گیا ۔ دنیا کی سیاسی تاریخ میں میں اس سے پہلے ایسی کوئی مثال موجود نہیں تھی ۔ ایک اور ریکارڈ بھی اسی زرداری حکومت کو جاتا ہے کہ اس سے زیادہ بدعنوان حکومت پاکستان میں اس سے پہلے کوئی نہ تھی۔ پیپلزپارٹی حکومت کے پانچ سالہ دور میں دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ، بدترین کرپشن ،بری گورننس، طویل لوڈشیڈنگ اور غربت کے ساتھ اندرونی وغیر ملکی قرضوں میں بھی اضافہ ہوا۔ مشرف دورتک بیرونی قرضے 34ارب ڈالر تھے جو پیپلزپارٹی کے پانچ سالہ دور حکومت میں دگنے ہوگئے۔ ڈالر 62 روپے سے 100 روپے کا ہوگیا، ملک کے تمام ادارے تباہ ہوگئے۔ خود کش دھماکوں اور ٹارگٹ کلنگ کی یلغار نے کوئٹہ اور پشاور جیسے بڑے شہروں کو درہم برہم کرکے رکھ دیا تھا۔

آصف زرداری اوران کی جماعت نے نہ صرف اپنی بدعنوانیوں سے ملک کے سول اداروں کو تباہ کیابلکہ جنرل اشفاق پرویز کیانی کو بھی کرپشن کرنے کا پورا پورا موقع دیا۔ سابق جنرل اشفاق پرویز کیانی کو 29 نومبر 2007ء کو سابق

جنرل پرویز مشرف کی جگہ آرمی چیف لگایا گیا تھا۔ 24 جولائی 2010ء کو سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے اُن کی ملازمت میں تین سال کی توسیع کی جس کی اس سے قبل مثال نہیں ملتی۔ اپریل 2015ء میں چھ سال تک پاکستان کے ڈی فیکٹو حکمران رہنے والے اس طاقتور جنرل کو اسلام آباد کے بینظیر انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر بیرون ملک جانے سے روک دیا گیا۔ اُن کو روکنے کی وجہ، کرپشن کے الزامات بتائے جاتے ہیں جو اُن کے بھائیوں نے اُن کے دور حکمرانی میں کی۔ جنرل کیانی کے تین بھائی ہیں، ان میں بابر کیانی اور کامران کیانی کاروبار سے منسلک ہیں اور اُن پر یہ الزامات لگے کہ انہوں نے اپنے بھائی کے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے ٹھیکے اور منصوبے حاصل کیے۔ کامران کیانی ایک کنسٹرکشن کمپنی کے مالک ہیں جن کے پاس لاہور رنگ روڈ کی تعمیر کا ٹھیکہ تھا۔ اپنے بھائی کی ریٹائرمنٹ کے بعد کامران کیانی خاندان سمیت دبئ شفٹ ہوگئے جس پر اُن افواہوں کو اور تقویت ملی کہ وہ بھاری بھرکم رقم کے ساتھ بیرون ملک منتقل ہوگئے ہیں، کرپشن کے یہی الزامات جنرل کیانی کے بیرون ملک روانگی میں حائل ہوئے۔

پاکستان میں نیشنل ہائی وے اتھارٹی، قومی احتساب بیورو، وزارت تعلیم، وزارت بجلی و پانی، سی ڈی اے، نادرا، کراچی پورٹ ٹرسٹ، نیشنل ری کنسٹرکشن بیورو، اور وزارتِ مواصلات جیسے 23 سول محکمے کرپٹ افسروں کے لیے سونے کی چڑیا

ثابت ہوتے رہے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان محکموں میں کلیدی عہدوں پر فائز رہنے والے ہمارے حاضر سروس اور سابق فوجی افسران کسی بدعنوانی میں ملوث نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں جمہوریت کو فوج کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی، ورنہ جمہوریت اب تک پاکستان کو ترقی یافتہ ملکوں کی فہرست میں شامل کرنے میں کامیاب ہو چکی ہوتی۔ کسی حد تک یہ بات درست بھی ہے مگر پاکستان کے جمہوری حکمرانوں کا یہ مسئلہ ہے کہ انہیں جس قدر بھی کام کرنے کا موقع ملا ہو، وہ اس دوران اپنی اور اپنے لوگوں کی جیبیں بھرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ موجودہ نواز شریف دور کو ہی دیکھ لیجئے، میٹرو بس سے بجلی کے منصوبوں تک جتنے بھی منصوبے ہیں اُن کی اصل کہانیاں سامنے آنے لگی ہیں۔ تاہم یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ جمہوری حکومتوں کی کرپشن اور بدعنوانی کا علاج فوجی حکومت یا سابق فوجیوں کے زیرانتظام اداروں کی کارروائیاں نہیں بلکہ جمہوری اداروں کا تسلسل اور خوداحتسابی کا آئینی انتظام ہے۔

آصف زرداری کے چہیتے رضا ربانی کا اصل مقصد اپنے گرو آصف زرداری اور ڈاکٹر عاصم جیسی بڑی مچھلیوں کو بچانا ہے۔ آج جو وہ کہہ رہے ہیں کہ کرپشن کے متعلق ایک کمیٹی قائم کی جائے جس کا مقصد ان کارروائیوں پر نظر رکھنا ہو، کرپشن کا خاتمہ قانون کے دائرے میں رہ کر کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات وہ بہت پہلے بھی کر سکتے تھے، وہ 1993ء سے سینیٹر ہیں۔ پاکستان میں ہر شخص کرپشن کے

خلاف ہے یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے نوے فیصد وہ ہیں جنہیں کرپشن کے مواقع نہیں ملتے۔ سیاستدانوں، حکمرانوں اور سول اور فوجی افسروں کو چونکہ بہت مواقع ملتے ہیں تو اُنہیں ضائع کرنا اُن کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے۔ آپریشن ضرب عضب اور کراچی آپریشن کے بعد اگرچہ عوام فوج کے ساتھ کھڑے ہیں لیکن حاضر سروس اور سابق جرنیلوں کے خلاف بھی بلاامتیاز کارروائی ہونی چاہیئے۔ سابق جنرل اشفاق پرویز کیانی کو بیرون ملک جانے سے روکنا ہی کافی نہیں اور نہ ہی "سخت سرزنش" کافی ہے۔ بدعنوانی چاہے سول اداروں میں ہو یا فوج میں اُس کا احتساب لازمی ہے اور الزام ثابت ہونے پر سزا بھی ضروری ہے۔ اگر آپ آصف زرداری اور رضا ربانی کے بیانات پر غور کریں تو دونوں کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ کرپشن کرنے والوں کو پکڑو، بلکہ مطالبہ یہ کیا جارہا ہے کرپشن کرنے والوں کو نہ پکڑو جبکہ آصف زرداری اور سابق جنرل اشفاق پرویز کیانی دونوں ہی بدعنوان ہیں۔ میاں رضا ربانی کو گھبرانے کی ضرورت نہیں اُن کے گرُو آصف زرداری کو کچھ نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے جرائم کے ثبوت کبھی نہیں چھوڑتے۔ آصف زرداری ہوں یا سابق جنرل کیانی، یا کوئی اور بدعنوان بے فکر رہیں کیونکہ وہ چین میں نہیں رہتے۔

صدر ایوب خان کے دور میں واہ کے آرڈیننس کمپلیکس کی تعمیر کی گئی تو چین کے ایک وفد نے اس عمارت کا دورہ کیا، وفد نے ایک کمرے کی چھت کو ٹپکتے

دیکھا، میزبان نے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا، "عمارت ابھی نئی نئی بنی ہے اسلیے ٹپک رہی ہے"۔ یہ سن کر چینی وفد کے ایک رکن نے استہزائیہ انداز میں کہا، شروع شروع میں ہماری عمارتیں بھی ٹپکتی تھیں، پھر ہم نے بدعنوانی کے مرتکب ایک ٹھیکیدار کو سرعام گولی سے اُڑا دیا، اُس دن کے بعد سے ہماری عمارتیں نئی ہوں یا پرانی کبھی نہیں ٹپکیں"۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ چین کی طرح سرعام سزائے موت دی جائے بلکہ اس مثال کا مقصد یہ ہے کہ بے لاگ احتساب ہی بدعنوانی کی روک تھام کر سکتا ہے۔

این اے 122 کے لاہوریئے کیا فیصلہ کرینگے

گیارہ مئی 2013ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 122 لاہور۔5 سے کل امیدوار تو 20 تھے لیکن اصل مقابلہ پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان اور پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سردار ایاز صادق کے درمیان تھا۔ عمران خان اور ایاز صادق اسکول کے زمانے کے دوست ہیں، ایک وقت ایسا بھی تھا جب فروری انیس سو ستانوے میں ہونے والے عام انتخابات میں عمران خان لاہور سے جس قومی اسمبلی کی نشست کے لیے امیدوار تھے اسی حلقے کی صوبائی نشست پر ایاز صادق نے تحریک انصاف کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے لیے انتخاب لڑا، دونوں ہی ہار گئے۔ اس کے ساتھ ہی دونوں کی راہیں جدا ہوگیں ، ایاز صادق نے مسلم لیگ (ن) میں شمولیت اختیار کرلی۔

2002 ء اور 2013ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 122 لاہور میں عمران خان اور ایاز صادق ایک دوسرے کے مدمقابل آئے اور دونوں مرتبہ ہی ایاز صادق کامیاب ہوئے، (2008ء کے انتخابات کا پاکستان تحریک انصاف نے بائیکاٹ کیا تھا) 2013ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے اس حلقے سے ایاز صادق کو 93,389 ووٹ ملے جبکہ اُن کے مدمقابل تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان 84,517 ووٹ لیکر دوسرے نمبر پر رہے۔ ایاز صادق 8872 ووٹوں کے فرق سے جیتے تھے۔

گیارہ مئی 2013ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 122 لاہور۔5 سے ایاز صادق سے شکست کھانے کے بعد پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے ایاز صادق کے خلاف الیکشن کمیشن میں پٹیشن دائر کر رکھی تھی۔ 22 اگست 2015ء کو الیکشن ٹریبونل نے حلقہ این اے 122 سے مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی ایاز صادق اور پی پی 147 سے ن لیگ کے ہی رکن پنجاب اسمبلی محسن لطیف کے انتخاب کو کالعدم قرار دیتے ہوئے ان حلقوں میں دوبارہ الیکشن کرانے کا حکم دیا تھا۔ گیارہ اکتوبر کو حلقہ این اے 122 کے ضمنی انتخابات ہونگے لیکن اس مرتبہ ایاز صادق کے مدمقابل عمران خان کی جگہ سے پاکستان تحریک انصاف کے امیدوار علیم خان ہونگے۔ حلقہ این اے 122 کے ضمنی انتخابات میں بیرسٹر عامر حسن پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدوار ہیں لیکن بیرسٹر عامر حسن کی بدقسمتی کہ اُن کے انتخابی جلسوں اور ریلیوں میں شریک ہونے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، بیرسٹر عامر حسن 2013ء کے انتخابات میں صرف 2833 حاصل کرپائے تھے۔ میڈیا بھی پیپلز پارٹی کے امیدوار کو قطعی اہمیت نہیں دے رہا ہے کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ لاہور کے قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 122 میں ہونے والے ضمنی انتخابات میں اصل مقابلہ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے ایاز صادق اور پاکستان تحریک انصاف کے علیم خان کے درمیان ہے۔

قومی اسمبلی کی نشستوں میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا تو قومی اسمبلی کے حلقوں میں بھی ردوبدل ہوتا رہا۔ 1970ء کے انتخابات میں پیپلزپارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو انہی علاقوں پر مشتمل قومی اسمبلی کے حلقہ این ڈبلیو 60 سے چند روز قبل وفات پانے والے علامہ اقبال کے صاحبزادے ڈاکٹر جسٹس (ریٹائرڈ) جاوید اقبال کو شکست دیکر کامیاب ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ذوالفقار علی بھٹو کے 78 ہزار ایک سو بتیس ووٹوں کے مقابلے میں 33 ہزار نو سو اکیس ووٹ حاصل کیے تھے، ڈاکٹر جسٹس ریٹائرڈ) جاوید اقبال نے 1970ء کے بعد کبھی کسی انتخاب میں حصہ نہیں لیا، البتہ) بہت عرصے بعد سینیٹ کے لیے ایک بار ضرور منتخب ہوئے۔ سال 2002ء میں نئی حلقہ بندیاں ہوئیں تو حلقہ 94 کا زیادہ تر حصہ، حلقہ 98 کے بیشتر علاقے اور حلقہ 95 کی چند یونین کونسلز ملا کر این اے 122 تشکیل دیا گیا، لاہور کینٹ کے ایک جانب سے شروع ہونیوالا یہ حلقہ دھرمپورہ، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، شملہ پہاڑی، ایرمال، زمان پارک، فیروز پور روڈ، اچھرہ اور سمن آباد سے ہوتا ہوا ملتان روڈ تک جا پہنچتا ہے۔ قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 94 سے 1988ء کے انتخابات میں بینظیر بھٹو بھی منتخب ہو چکی ہیں، تاہم یہ نشست بینظیر بھٹو کی طرف سے چھوڑ دی گئی تھی۔

ویسے تو ہر ضمنی انتخاب سے پہلے عمران خان دعویٰ کرتے ہیں کہ تحریک انصاف

ہی جیتے گی مگر انتخابی حقائق بتاتے ہیں کہ 2013ء کے بعد ہونے والے چھ میں سے پانچ ضمنی انتخابات میں کامیابی نواز لیگ کو ملی ہے۔ماضی قریب میں ہونے والے انتخابی نتائج اور موجودہ سیاسی پس منظر پر نظر ڈالی جائے تو لگتا ہے کہ سردار ایاز صادق کامیاب ہوجائیں گے، لیکن عمران خان کے دعووں کے مطابق اہلیانِ لاہور ان ضمنی انتخابات میں ووٹ تحریک انصاف کو دیں گے۔ قومی اسمبلی کے اس حلقے میں آنے والی دو صوبائی سیٹوں میں سے ایک سیٹ پی پی 148 تحریک انصاف کے میاں اسلم اقبال ووٹ لے کر جیت چکے ہیں۔ جبکہ 11اکتوبر کے ضمنی انتخاب میں پی پی 54893 کی سیٹ پر مقابلہ نواز لیگ کے محسن لطیف اور تحریک انصاف کے شعیب صدیقی 147 کے درمیان ہوگا۔ پی پی 147 کی ایک دلچسپ تاریخ یہ ہے کہ اس سیٹ پر سردار ایاز صادق بھی 2008ء کے انتخابات میں کامیاب ہوئے تھے۔تاہم ایاز صادق کے سیٹ چھوڑنے کے بعد ہونے والے ضمنی انتخاب میں علیم خان جیت کر پرویز الٰہی کی کابینہ کا حصہ بنے تھے۔

گیارہ مئی 2013ء کے انتخابات کے وقت قومی اسمبلی حلقہ این اے 122 میں رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد 3 لاکھ 26 ہزار 28 تھی۔ عام انتخابات کے بعداس حلقہ میں 1 لاکھ ہزار501 نے ن ووٹرز کا اندراج ہوا۔گیارہ اکتوبر 2015ء کو ہونے والے ضمنی 62 انتخابات میں اسی حلقے میں رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد 4 لاکھ 88 ہزار 529 ہے، ان میں مرد ووٹروں کی تعداد 2 لاکھ 68 ہزار 57 ہے جبکہ خواتین

ووٹروں کی تعداد 2 لاکھ 20 ہزار 472 ہے۔ کہا جارہا ہے کہ اس حلقے میں اکثریت نوجوانوں کی ہے جن کا زیادہ تر جھکاؤ تحریک انصاف کی طرف ہے، جبکہ پینتالیس پچاس یا اس سے زائد عمر کے لوگوں کی اکثریت مسلم لیگ (ن) کی حامی ہے، ایک سروے کے مطابق زائد عمر کے لوگ وزیراعظم نواز شریف کی اقتصادی راہداری اور توانائی کے منصوبوں کیلئے کی گیں کوششوں کو سراہتے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت نے امیدواروں کے بجائے نواز شریف اور عمران خان کو ووٹ دینے کی بات کی یا شیر اور بلے کو ووٹ دینے کی اصطلاح استعمال کی۔

کون جیتے گا کون ہارے گا اس کا فیصلہ ہمیں 11 اکتوبر کی رات کو مل جاے گا، فیصلہ جو بھی ہو اُس سے نہ تو نواز شریف کی حکومت ختم ہوگی اور نہ ہی عمران خان وزیراعظم بن پاینگے لیکن سیاسی اثرات دونوں پارٹیوں پر ضرور ہونگے۔ پاکستان تحریک انصاف کے علیم خان اگر جیتے ہیں تو عمران خان کی شہرت کا گراف کافی اوپر چلا جائے گا، عمران خان کے مسلم لیگ (ن) اور الیکشن کمیشن پر لگائے گےن سارے الزامات درست قرار دیےا جاینگے کیونکہ پاکستان تحریک انصاف کی جانب سے جن چار حلقوں کو کھولنے اور اُن کی دوبارہ گنتی کروانے کا مطالبہ کیا جاتا رہاہے اس میں قومی اسمبلی کا یہ حلقہ این اے 122 بھی شامل تھا۔ لوگ عمران خان کے لاتعداد یوٹرن کو بھول کر انہیں ایک سنجیدہ سیاست داں سمجھنے لگیں گے لیکن اگر پاکستان مسلم لیگ (ن) کے امیدوار اور سابق

اسپیکر ایاز صادق جیت جاتے ہیں اور واپس اسپیکر کی نشست پر جا بیٹھتے ہیں تو عمران خان یہ سمجھ لیں کہ سیاست سے اُنکا نکالا شروع ہو جائے گا۔ عمران خان نے اس ضمنی انتخابات کے شفاف ہونے کے لیے جو بھی مطالبات کیے وہ حکومت نے مان لیے ہیں، پھر بھی اگر علیم خان نہ جیت پائے تو عمران خان کے کسی الزام یا احتجاج کی کوئی اہمیت نہیں ہو گیت اور پاکستان تحریکِ انصاف کی یہ سیاسی موت ہو گی۔

حلقہ این اے 122 میں دو امیدوار نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ دو سیاسی جماعتوں کی سیاست کا فیصلہ ہونا ہے، 22 اگست 2015ء کو الیکشن ٹریبونل کا فیصلہ آنے کے بعد اب یہ حلقہ پاکستان مسلم لیگ اور پاکستان تحریکِ انصاف دونوں ہی کے لیے سیاسی زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کراچی کے حلقہ این اے 246 میں ہونے والے ضمنی انتخابات کی طرح اس بار بھی میڈیا حلقہ این اے 122 میں ہونے والے ضمنی انتخابات کی تفصیلی کوریج پر لگ گیا ہے۔ 11 اکتوبر کو اوکاڑہ کے حلقہ این اے 144 میں بھی ضمنی انتخاب ہو رہا ہے مگر اُس حلقہ پر میڈیا کی کوئی توجہ نہیں۔ چلیے تو پھر انتظار کرتے ہیں کہ حلقہ این اے 122 کے لاہوریئے کیا فیصلہ کرتے ہیں اور "بو کاٹا" کے نعرے کی گونج کس کی طرف سے آتی ہے۔

نواز شریف کی پندرہ کروڑ روپے کی تقریر

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 70 ویں اجلاس میں وزیر اعظم پاکستان کی تقریر کا دورانیہ صرف سترہ منٹ تھا، سترہ منٹ کی اس تقریر کی لاگت تقریباً پندرہ کروڑ پاکستانی روپے تھی جو پاکستان کے غریب عوام بھریں گے۔ وزیر اعظم نواز شریف کی تقریر سے پہلے ہی میڈیا میں اُن کی تقریر کے چند نکات منظر عام پر آ گئے تھے، جبکہ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی جنکو پاکستانی وزیر اعظم سے پہلے تقریر کرنا تھی وہ پندرہ دن پہلے ہی منسوخ کردی گئی تھی۔ اس سترہ منٹ کی تقریر میں وزیر اعظم نواز شریف نے غربت سے لیکر دہشت گردی تک، ہمسائیہ ممالک سے سے لیکر عالمی ممالک تک پر بات کی۔ وزیر اعظم نواز شریف نے کشمیر کے فوری حل سمیت خطے میں دائمی امن و سلامتی کے قیام کے لئے اقوام عالم سمیت بھارت کو چار نکاتی امن ایجنڈا پیش کرتے ہوئے کہا کہ سیاچن سے غیر مشروط فوجی انخلاء کیا جائے، کشمیر کو غیر فوجی زون بنایا جائے، دونوں ملک کنٹرول لائن پر سیز فائر معاہدے کی پابندی کریں اور دونوں ممالک ایک دوسرے کو دھمکیاں دینے اور طاقت کے استعمال سے گریز کریں۔ وزیر اعظم کا مزید کہنا تھا کہ کشمیر کے حل طلب مسئلے کو اقوام متحدہ کی قراردادوں اور کشمیریوں کی استصواب رائے کے مطابق حل ہونا چاہیے جس کے لئے اقوام متحدہ کو

اپنا بھرپورا کردار ادا کرنا چاہئے۔

ستر سال سے پاکستان کشمیر کی بین بجا رہا ہے لیکن اقوام متحدہ اور بھارت وہ بھینس ہیں جن کے آگے بین بجانے کا کوئی فائدہ نہیں۔اگر وزیراعظم پاکستان نواز شریف اپنے ان نکات کو اقوام متحدہ میں پیش کرنے سے پہلے پاکستان میں کسی پانچویں کلاس کے طالب علم سے یہ پوچھتے کہ بھارت اُنکے چار نکات کا کیا جواب دیگا، تو وہ پانچویں کلاس کا بچہ اُنکو وہی جواب دیتا جو اگلے دن بھارتی وزیرخارجہ سُشما سوراج نے پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف کا نام لیکر اُن کے چار نکاتی امن منصوبے کو مسترد کردیا۔ سُشما سوراج کا کہنا تھا کہ کسی چار نکات کی ضرورت نہیں، نکتہ صرف ایک ہے کہ پاکستان دہشت گردی ختم کرئے تو بات چیت شروع ہو سکتی ہے۔ پاکستان سے مذاکرات صرف بھارت کی شرائط اور ایجنڈے کے مطابق ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی سُشما سوراج نے وہی پرانے الزام دہرائے جو ہر پاکستانی کو زبانی یاد ہیں۔ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوے پاکستان میں تعینات بھارتی ہائی کمشنر ٹی سی اے راگھوان نے کہا ہے کہ پاک بھارت تعلقات میں بہتری کے لئے کسی چار یا چھ نکاتی فارمولے کی ضرورت نہیں، بھارتی وزیر خارجہ کا پیغام بہت واضح ہے پاکستان صرف دہشتگردی کا خاتمہ کرے اور ہمارے ساتھ مل بیٹھ کر بات کرلے۔

گذشتہ ستر سالوں میں جب سے اقوام متحدہ معرض وجود میں آئی ہے دنیا بھر میں امن و آتشی ناپید ہو گئی ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران چھ کروڑ انسانوں کی ہلاکت ہوئی جبکہ اقوام متحدہ کی قیام کے بعد امن کے سالوں میں 2013ء تک جنگی تنازعات میں مرنے والوں کی تعداد 11 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ ہر سال ستمبر میں پوری دنیا کے حکمران اقوام متحدہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کرتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں جہاں دو تہائی آبادی غربت کی چکی میں پس رہی ہے، اُن کے حکمرانوں کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ اُن کے ملکوں کو درپیش عسکری یا سفارتی تنازعات کے حل کی کنجی اسی ادارے کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اقوام متحدہ کے امن قائم کرنے اور مختلف ملکوں کے درمیان تنازعات میں ثالثی کروانے کے ریکارڈ کو دیکھا جائے تو صرف ناکامی ہی نظر آئے گی۔ اس وقت دنیا کے بیشتر ممالک میں بدامنی، خانہ جنگی، پراکسی جنگیں، نقل مکانی، دہشت گردی، معاشی و اقتصادی بربریت، خواتین اور بچوں کے حقوق کی پامالی، جہالت اور افلاس کا جو کہرام مچا ہوا ہے وہ سب انہی سربراہان مملکت کی حاکمیت اور ہوس کا نتیجہ ہے جو اقوام متحدہ کے سالانہ اجلاس میں موجود ہوتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے 70 ویں اجلاس میں شرکت کے لیے دنیا بھر سے آئے ہوئے سربراہان مملکت و حکومت کے پیش نظر مختلف اور متنوع مقاصد تھے۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے نہ صرف اپنے ملک کے لیے سلامتی کونسل کی مستقل نشست حاصل

کرنے کے لیے اپنے وقت کا استمال کیا بلکہ اُنہوں نے اس موقعہ کو امریکا کی کارپوریٹ ورلڈ کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے لیے بھی استعال کیا۔پاکستان کی سیاسی قیادت کا سب سے بڑا مسئلہ طاقتور ہمسائے بھارت کا نفسیاتی خوف تھا۔ اقوام متحدہ کے اس اجلاس میں بھی پاکستانی قیادت کے ذہن پر صرف یہی مسئلہ سوار دکھائی دے رہا تھا۔ نیویارک میں پاکستانی وزیراعظم، وزارت خارجہ کے سیکرٹری اعزاز چودھری اور یو این میں مستقل مندوب ڈاکٹر ملیحہ لودھی کی مختلف مواقع پر گفتگو اور پریس بریفنگز بھی اسی بات کی تائید کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

سفارتی ذرائع کا کہنا ہے کہ تین روز تک بھارتی سرحد کے اندر دیوار کی تعمیر کا راگ الاپنے کے بعد پاکستان نے 180 ڈگری کا یوٹرن لیتے ہوئے بعد میں یہ کہا کہ بھارت کے ساتھ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر فائرنگ کے واقعات ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی وزارت خارجہ نے اس سلسلے میں اپنا ہوم ورک درست طور پر نہیں کیا تھا یا شاید کیا ہی نہیں تھا۔ اسی باعث وہ بھارت پر یہ الزام عائد کرتے ہوئے ثبوتوں کے بجائے صرف اپنی اطلاعات کے حوالے تک ہی محدود دکھائی دے رہے تھے۔ ان ذرائع نے اس اقدام پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ پاکستان کو فائرنگ کا معاملہ آغاز ہی سے سرفہرست رکھنا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ ان

معاملات کے ساتھ ایک اہم ترین معاملہ یہ بھی تھا کہ پاکستان اس اجلاس میں اپنے سماج کے اندر حقوق انسانی، خواتین کی فلاح اور تعلیم کے فروغ کے لیے ملینئیم گولز کے حوالے سے بات کرتا لیکن ایسا کچھ نظر نہیں آیا۔ پاکستانی سیکرٹری خارجہ سے جب ایک پریس بریفنگ میں یہ سوال پوچھا گیا کہ یو این کے اس اجلاس کا اہم ترین موضوع سیکورٹی نہیں بلکہ ملینئیم گولز یعنی ترقی کے اہداف کا حصول ہے جبکہ پاکستانی وفد صرف بھارت کے ساتھ مسائل پر گفتگو کر رہا ہے تو انھوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ وہ دیگر ایشوز پر بھی بات کر رہے ہیں۔

صحافتی ذرائع کے مطابق امریکا کے حکومتی ایوانوں اور میڈیا میں جو پذیرائی بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کو حاصل تھی، اس کے باعث پاکستانی وفد کو بالکل بھی توجہ نہیں مل رہی تھی جبکہ پاکستان کے سرکاری خرچ پر امریکا جانے والے پاکستانی صحافی اپنی مضحکہ خیز رپورٹوں میں پاکستانی وفد کی پذیرائی کے جھوٹے اور من گھڑت قصے لکھ کر حق خدمت ادا کر رہے تھے۔ جو صحافی پاکستانی وفد میں شامل تھے اُنکی رپورٹنگ کا یہ عالم تھا کہ وہ غلط اور غیر حقیقی خبریں صرف اس لیے اپنے اداروں کو ارسال کر رہے تھے کہ حکومتی عنایات کا حق ادا کیا جاسکے۔ ایک پاکستانی صحافی اور اس کے ادارے نے یہ خبر تک شائع کر دی ہے کہ بھارتی وزیر اعظم کو امریکا میں میڈیا کوریج نہیں مل رہی جبکہ

پاکستانی وزیراعظم میڈیا پر چھائے ہوئے ہیں جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔
امریکی وزیر خارجہ جان کیری اور وزیراعظم نواز شریف کی ملاقات محض 15 سے 20 منٹ تک جاری رہی جس میں کوئی پانچ منٹ کی ون آن ون ملاقات بھی شامل ہے۔
اس ملاقات کو امریکی میڈیا میں کوئی کوریج حاصل نہیں ہو سکی۔
پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف نے اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری بان کی مون سے ملاقات میں بھارتی سرحد کے اندر دیوار کی تعمیر کا معاملہ اٹھایا ہی نہیں جبکہ یہ کہا جارہا تھا کہ اس معاملے کو اولیت حاصل ہوگی۔ تاہم ذرائع کے مطابق پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف نے بان کی مون کے ساتھ ملاقات میں مسئلہ جموں و کشمیر پر بات کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے زیر نگرانی اس ریاست میں رائے شماری کرانے کا مطالبہ کیا۔ اس ملاقات کے بعد پاکستانی مشن کی جانب سے جاری ہونے والے بیان میں زیادہ تر یہی بتایا گیا کہ وزیر اعظم نے یہ کہا اور وہ کہا تاہم یہ نہیں بتایا گیا کہ سیکرٹری جنرل بان کی مون نے کیا کہا۔ اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکا میں مقیم ایک پاکستانی صحافی کا یہ کہنا تھا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پوری ملاقات میں صرف نواز شریف بولتے رہے اور بان کی مون سنتے رہے۔
نیویارک سے واپسی سے قبل وزیر اعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ اُن کا دورہ

امریکہ بہت کامیاب رہا جس پر نیویارک میں موجود پاکستانی صحافی سمیع ابراہیم نے وزیر اعظم نواز شریف کے دورہ امریکہ سے متعلق کچھ اہم انکشافات کیے۔ صحافی سمیع ابراہیم کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم نواز شریف امریکہ میں کمیونٹی کے نام پر مسلم لیگ (ن) کے رہنماؤں اور کارکنوں سے ملاقات کرتے رہے جبکہ وزیر اعظم نواز شریف نے اوبامہ اور بانکی مون کی جانب سے دیئے گئے عشائیہ میں بھی محض اس لیے شرکت کرنے سے گریز کیا کہ وہاں اُن کو دوسری قطار میں نشست دی گئی جبکہ بھارتی وزیر اعظم پہلی قطار میں موجود تھے۔ سمیع ابراہیم نے مزید بتایا کہ وزیر اعظم نواز شریف اپنے ہمراہ 4 باورچی بھی لائے تھے جو وزیر اعظم نواز شریف سمیت ان کے ساتھ موجود 70 سے 80 افراد کا کھانا بناتے تھے۔

نواز شریف اگر واقعی مسلہ کشمیر اور پاک بھارت تنازات کا حل چاہتے ہیں تو پہلے اپنی خارجہ پالیسی کو درست کریں، اپنے معاشی نظام کو درست کریں پھر بھارت کے ساتھ بیٹھ کر برابری کی بنیاد پر بات کریں۔ 1990ء کی دہائی میں جب بھارت کی معاشی حیثیت آج کے مقابلے میں کہیں کمتر تھی، اس وقت بھی پاکستان اقوام متحدہ میں بھارت کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہیں کرسکا تو آج جب بھارت مغربی دنیا کی ضرورت بن چکا ہے، پاکستانی قیادت اس کے خلاف کوئی کامیابی کیسے حاصل کرپائے گی؟ آخر میں نواز شریف صاحب سے گذارش ہے کہ اس

غربت زدہ قوم پر رحم کھایں اور اقوام متحدہ کی اس سالانہ پکنک پر جانا بند کریں جہاں آپکی 17 منٹ کی بے حاصل تقریر پر اس غریب قوم کو پندرہ کروڑ روپے ادا کرنے پڑے۔

بھارت کی مودی سرکار کا اصل چہرہ

ناتھورام گوڈسے پڑھا لکھا تھا، وہ ایک اخبار کا ایڈیٹر تھا مگر مسلمانوں کا بدترین مخالف تھا۔ 30 جنوری 1948ء کو ہندوستانیوں کے باپو موہن داس گاندھی کو ناتھورام گوڈسے نے گولیاں چلا کر ہلاک کر دیا۔ گوڈسے مہاراشٹر کا براہمن تھا جو آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کا رکن تھا۔ گاندھی کے قتل کے بعد آر ایس ایس پر ہندوستانی حکومت نے پابندی عائد کر دی تھی اور تنظیم کو چلانے والے مادھو سداشو گوالکر سمیت آر ایس ایس کے تمام رہنماؤں کو جیل میں بند کر دیا تھا مگر بعد ازاں آر ایس ایس پر سے پابندی ہٹا لی گئی تھی۔ آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کی حقیقت یہ ہے کہ یہ تنظیم روزِاوّل سے ہی پورے طور پر فاشسٹ سیاسی نظریات سے متاثر ہندو آمریت کی حامی رہی ہے اور مضبوط تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اس کے رہنماؤں نے ہٹلر اور مسولینی کے قومی و سیاسی نظریات سے براہِ راست استفادہ کیا ہے اور اُن سے بے حد متاثر ہیں۔ اس کے بڑے بڑے لیڈروں نے اٹلی و جرمنی جا کر فاشزم کی تعلیم و تربیت حاصل کی ہے، چنا چہ ہندو سماج کو فوجی تربیت دینے کی ضرورت و اہمیت کو اُنھوں نے اٹلی و جرمنی کے ماڈلوں کو دیکھنے کے بعد ہی محسوس کیا اور ہندو فاشزم کے زہریلے جراثیم پھیلائے۔ بھارت کے

موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی کا اصل تعلق اسی فاشسٹ تنظیم آر ایس ایس سے ہے۔ کل کی جن سنگھ اور آج کی بھارتیہ جنتا پارٹی بھی دراصل آر ایس ایس ہی کا ایک سیاسی حصہ ہے۔ آر ایس ایس چونکہ ایک بدنام زمانہ تنظیم ہے لہٰذا بھارتیہ جنتا پارٹی بنائی گی تاکہ ہندوستان کی باگ ڈور کسی انتہا پسند ہندو ڈکٹیٹر کے ہاتھوں میں ہو۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے دور حکومت میں فروری 2002ء میں جب بھارت کا موجودہ وزیر اعظم اور سنگھ پریوار کا رہنما نریندر مودی گجرات کا وزیر اعلی تھا تب گجرات میں بدترین مسلم کش فسادات ہوئے جس میں دو ہزار سے زیادہ مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا۔ پاکستان کے سابق صدر پرویز مشرف نے اُسی سال اقوام متحدہ میں ان مسلم کش فسادات کے خلاف آواز اٹھائی اور نریندر مودی کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جس کے جواب میں نریندر مودی نے بڑی بے شرمی سے ایک جلسہ عام میں پرویز مشرف کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ اب اُسکا نام اقوام متحدہ میں بھی لیا جارہا ہے۔ دنیا بھر کی عالمی تنظیموں نے گجرات کے فسادات کی براہ راست ذمہ داری نریندر مودی پر عائد کی تھی جب کہ امریکا نے تو مودی کو ان فسادات کا براہ راست ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے اس کا اپنے ملک میں داخلہ ہی بند کر دیا تھا۔ لیکن مئی 2014ء کو نریندر مودی کے وزیر اعظم بننے کے بعد سفارتی

آداب کے تحت امریکی صدر براک اوباما نے اُسے فون کرکے واشنگٹن آنے کی دعوت دی، جس کے بعد نریندر مودی پر سے امریکہ میں داخلے کی پابندی ختم ہو گئی۔

بمبئی (حالیہ ممبی) کا رہنے والا ایک کارٹونسٹ بال ٹھاکرے 1966ء میں تنخواہ پر جھگڑا ہو جانے کی وجہ سے اُس نے نوکری چھوڑ دی اور لسانی اور مذہبی بنیادوں پر ایک تنظیم شیو سینا کے نام سے قائم کی اور بمبئی سے غیر مراٹھی لوگوں کو باہر رکھنے کے لئے ایک تحریک شروع کی۔ بال ٹھاکرے کھلم کھلا ہٹلر کو اپنا سیاسی پیشوا تسلیم کیا، اس کا کہنا تھا کہ جرمنی کے فسطائی رہنما کے بارے میں لوگ جو بھی کہیں، ہٹلر نے جو بھی کیا جرمنی کے حق میں ہی کیا۔ بال ٹھاکرے کی پوری سیاست اسی نظریہ کے ارد گرد گھومتی رہی اور اپنے مسلمان مخالف نظریہ کو وہ اسی تناظر میں پیش کرتا رہا۔ 1992ء میں جب بابری مسجد مسمار کی گئی تو بال ٹھاکرے نے کہا کہ یہ 'عظیم' کام شو سینکوں نے انجام دیا تھا جس پر مجھے فخر ہے۔ شیو سینا کو آپ آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کی کاپی بھی کہہ سکتے ہیں، بس فرق اتنا تھا کہ بال ٹھاکرے مسلمانوں کا دشمن تو تھا ہی اسکے ساتھ ساتھ غیر مراٹھیوں کا بھی دشمن تھا۔ اپنی پاکستان دشمنی کا برملا اظہار کرتا تھا۔ سال 2002ء میں بال ٹھاکرے نے ہندوؤں کے خود کش اسکواڈ کا اعلان کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوگا۔ شیو سینا

نے چالیس لاکھ مسلمانوں کو مہاراشٹر سے نکلنے پر مجبور کیا اور یہ نعرہ بلند کیا کہ یہاں سب سے پہلے ہندو مذہب ہے، اس کے بعد دوسرے مذاہب کے بارے میں سوچا جائے گا۔ شیو سینا کا رہنما بال ٹھاکرے سیاسی لیڈر کم دہشت گرد زیادہ تھا۔

سابق کانگریسی وزیر داخلہ سشیل کمار شندے نے ایک محفل میں ہندو انتہاء پسندی پھیلنے کی بات کی اس محفل میں اسوقت کے وزیراعظم منموہن سنگھ اور حکمران جماعت کانگرس کے رہنما راہول گاندھی بھی موجود تھے۔ سابق وزیر داخلہ سشیل کمار شندے نے بی جے پی اور آر ایس ایس کی جانب سے ہندو انتہا پسندوں کو دہشت گردی کی تربیت دینے کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ بھارت میں دہشت گردی کے تربیتی کیمپ موجود ہیں، بی جے پی اور آر ایس ایس کے کیمپوں میں دہشت گردی کو فروغ دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سمجھوتہ ایکسپریس، مکہ مسجد بم دھماکہ، مالیگاؤں بم دھماکوں میں ہندو انتہا پسند ملوث تھے۔ سشیل کمار شندے کے مطابق دہشت گرد کارروائیوں کے ذمہ دار شیو سینا اور بی جے پی ہیں لیکن ان کارروائیوں کا الزام بعد میں مسلمانوں اور پاکستان پر لگا دیا جاتا ہے۔ بھارت میں بی جے پی اور آر ایس ایس انتہا پسند عناصر کی ٹریننگ کر رہی ہیں، یہ دونوں انتہا پسند تنظیمیں لوگوں کو بھرتی کرتی ہیں اور ملک میں ہندو دہشت گردی کے کیمپ چلا رہی ہے۔ بھارتی وزیر داخلہ درحقیقت تو یہ الزام

اپنی اپوزیشن بھارتیہ جنتا پارٹی پر لگا رہے تھے لیکن ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کر رہے تھے کہ بھارت میں دہشت گردوں کے کیمپس موجود ہیں، جو ہندو انتہا پسندی کو فروغ دے رہے ہیں۔

گذشتہ دس سال سے پاکستان مستقل دہشت گردی کا شکار ہے ہمارے ساٹھ ہزار کے قریب لوگ شہید ہوئے ہیں، جن میں ہمارے عام لوگ بشمول عورتوں اور بچوں کے ساتھ ساتھ ہمارے فوجی، رینجرز اور پولیس کے جوان بھی شامل ہیں۔ دہشت گردی کی وجہ سے ابتک پاکستانی معیشت کو 103 ارب ڈالر سے زیادہ کا زخم لگ چکا ہے۔ 30 ستمبر 2015ء کو جب پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف نے بھارت کو چار نکاتی امن ایجنڈا پیش کرتے ہوئے کہا کہ سیاچن سے غیر مشروط فوجی انخلاء کیا جائے، کشمیر کو غیر فوجی زون بنایا جائے، دونوں ملک کنٹرول لائن پر سیز فائر معاہدے کی پابندی کریں اور دونوں ممالک ایک دوسرے کو دھمکیاں دینے اور طاقت کے استعمال سے گریز کریں۔ اگلے دن جواب میں بھارت کی وزیر خارجہ سُشما سوراج نے پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف کا نام لیکر اُن کے چار نکاتی امن منصوبے کو مسترد کردیا۔ سُشما سوراج کا کہنا تھا کہ کسی چار نکات کی ضرورت نہیں، نکتہ صرف ایک ہے کہ پاکستان دہشت گردی ختم کرئے تو بات چیت شروع ہوسکتی ہے۔ پاکستان سے مذاکرات صرف بھارت کی شرائط اور ایجنڈے کے مطابق ہوں گے۔ بھارت کی وزیر خارجہ سُشما سوراج کا تعلق بھی فاشسٹ تنظیم آر ایس ایس سے

ہے۔

بھارتی رہنماوں نے کبھی بھی پاکستان کو تسلیم نہیں کیا۔ بھارتی انتہا پسندوں اور دہشت گرد مودی سرکار کا اصل چہرہ بیان کرنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے گذشتہ دس سالوں سے دہشت گردی بھارت کی جانب سے ہو رہی ہے اور آج بھی بھارت کی جانب سے دہشت گردی اور شر پسندی جاری ہے، ساری دنیا جانتی ہے کہ پورے پاکستان اور خاصکر کراچی اور بلوچستان ہونے والی ہر دہشت گردی کی پشت پناہی بھارت کر رہا ہوتا ہے۔ بھارتی فوج آئے دن بغیر کسی وجہ کے کنٹرول لاین پر فائرنگ کر کے بے گناہ پاکستانیوں کو مار دیتے ہیں، حال ہی بغیر کسی وجہ کے سمجھوتہ ایکسپریس منسوخ کر دی۔ شیوسینا کا رہنما بال ٹھاکرے عرصہ ہوا مرچکا ہے لیکن شیوسینا کی غنڈا گردی جاری ہے۔ پاکستان کی کرکٹ ٹیم جائے، ہاکی ٹیم جائے یا کوئی اداکار شیوسینا کا دخل سب میں ہوتا ہے، چند روز پہلے ہی کی بات ہے انتہا پسند ہندو تنظیم شیوسینا کی مخالفت کی وجہ سے ممبئ میں پاکستانی غزل گلوکار غلام علی کا پروگرام منسوخ کر دیا گیا، اسکے بعد شیوسینا نے پاکستان کے سابق وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری کی کتاب کی ممبئ میں تقریبِ رونمائی کی مخالفت کرنے کا اعلان کیا تھا۔ شیوسینا کا ایک احمقانا مطالبہ یہ تھا کہ اگر خورشید محمود قصوری پاکستان کی جانب سے جنگ میں مارے گئے بھارتی فوجیوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں تو انھیں پروگرام

کرنے دینے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔

شیوسینا کی مخالفت کے باوجود پاکستان کے سابق وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری کی کتاب کی رونمائی کی تقریب منعقد ہوئی لیکن اُس سے پہلے شیوسینا کے کارکنوں نے کتاب کی رونمائی کا اہتمام کرنے والے ادارے کے سربراہ سدھیندر کلکرنی کو اُن کی کار سے اتار کر اُن کے چہرے پر سیاہ رنگ مل دیا۔ اس واقعہ کے بعد سدھیندر کلکرنی نے خورشید محمود قصوری کے ساتھ ممبئی میں ایک مشترکہ نیوز کانفرنس میں کہا تھا کہ "یہ بھارتی ثقافت، جمہوریت اور آئین کی مخالفت ہے"۔ افسوس سدھیندر کلکرنی کو شاید یہ نہیں معلوم کہ آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کی حکومت میں بھارتی ثقافت دہشت گردی کو کہا جاتا ہے باقی سارے الفاظ بے معنی ہیں۔ سدھیندر کلکرنی نے تو ابتک اپنے چہرے کی سیاہی صاف کرلی ہوگی لیکن شیوسینا کی اس حرکت سے بھارت اور بھارتی سرکار کا سیاہ ہونے والا چہرہ مشکل سے ہی صاف ہوگا، کم از کم جبتک تو نہیں جبتک دہشت گرد مودی کی سرکار موجود ہے کیونکہ یہ ہی بھارت کی مودی سرکار کا اصل چہرہ ہے۔

بیس ارب ڈالر کے ذخائر یا افیون

نواز شریف کی حکومت میں اقتدار یا تو اُن کے خاندان میں بٹا ہوا ہے یا صرف چند قریبی دوستوں میں۔ اتفاق سے پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے پاس کوئی بھی معاشی ماہر موجود نہیں ہے اور نہ ہی یہ جماعتیں اس کی ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ ان کا اقتدار میں آنے کا مقصد صرف اور صرف اپنے اثاثے بڑھانا ہوتا ہے۔ وزیر خزانہ اسحاق ڈار جو نواز شریف کے سمدھی بھی ہیں پیشے کے حساب سے ایک چیف اکاونٹنٹ ہیں، نواز شریف کے گزشتہ دور میں بھی وہ ایک ناکام وزیر خزانہ رہ چکے ہیں، لیکن اُن کی تعریف یہ ہے کہ وہ کشکول کا حجم بڑا کرنے میں ماہر ہیں۔ اُنہیں ڈالروں سے عشق ہے ایک زمانے میں اُنہیں اسحاق ڈالر کے نام سے بھی پکارا جاتا رہا ہے۔ اپنے بیٹے کو کاروبار کرنے کے لیے 40 لاکھ ڈالر اُدھار دیئے اور اب جب اُس نے پاکستان میں کاروبار کا ارادہ کیا تو اُسے یہ کہہ کر منع کردیا کہ جب تک میں پاکستانی سیاست میں موجود ہوں تم پاکستان میں کاروبار نہیں کروگے۔ جون 2013ء میں نواز شریف کے تیسری مرتبہ وزیراعظم بننے کے بعد سے اب تک تین بجٹ آچکے ہیں اور تینوں ہی اسحٰق ڈار نے پیش کیے ہیں۔ ان بجٹوں سے غربت اور مہنگائی میں اضافہ ہوا ہے اور عوام کا معیار زندگی گرا ہے۔

وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے 4 اکتوبر 2015ء کو ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر 20 ارب ڈالر سے تجاوز کر گئے ہیں۔انہوں نے کہا کہ زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافے سے ایک نیا ریکارڈ قائم ہوا ہے اور پہلی دفعہ ملکی تاریخ کی بلند ترین سطح پر ہیں اور یہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت کی پالیسیوں کی بدولت ہوا ہے۔ واضح رہے کہ عالمی اقتصادی نظام کچھ اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ کسی ملک کی اقتصادی حالت کا اندازہ بنیادی طور پر اس کے خزانے میں زرمبادلہ کے ذخائر کی مالیت سے لگایا جاتا ہے۔ وزیر خزانہ کے دعوے کے مطابق زرمبادلہ کے ذخائر ملکی تاریخ کی بلند ترین سطح پر ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان بیرونی قرضہ جات کی ادائیگی کے لیے محفوظ پوزیشن میں ہے۔ان ذخائر سے وطن عزیز کو درآمدات کی ادائیگی میں بھی سہولت مل سکتی ہے۔ لیکن اس حوالے سے اہم سوال یہ ہے کہ ڈالروں کے اس انبار سے ملک کے عوام اور خاص کر غربت یا غربت کی سطح سے نیچے رہنے والے 60 فیصد لوگوں کو کیا فائدہ پہنچے گا؟

گزشتہ ڈھائی سال سے وزیر خزانہ اسحاق ڈار کی صرف ایک ہی کوشش رہی ہے کہ کسی بھی طرح زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافہ کیا جائے۔اس مرتبہ بھی نواز لیگ نے اقتدار میں آتے ہی آئی ایم ایف کا دروازہ کھٹکھٹایا اور طویل مذاکرات کے بعد آئی ایم ایف پاکستان کو مزید 6.6 ارب ڈالر کا قرضہ دینے پر رضامند ہوا

ہے۔ یہ قرضہ پہلے سے زیادہ شرح سود پر اور زیادہ سخت شرائط پر پاکستان کو ملا ہے، جس میں اولین شرط ریاستی اخراجات اور ذمہ داریوں میں کمی ہے۔ یعنی حکومت عوام کو دی جانے والی سبسڈی کا مکمل خاتمہ کرے اور ریاستی اداروں کی نجکاری کا عمل تیز کرے۔ جب حکومت ان شراط پر قرضے حاصل کرے گی تو اس کا اثر عام زندگی پر پڑے گا۔ عام آدمی کے لیے بجلی کا بل بھرنا کسقدر دشوار ہے اس کا حکومت کو قطعی احساس نہیں۔ ریاستی اداروں کی نجکاری کے سلسلے میں آئی ایم ایف پاکستان مشن کے سربراہ ہیرلڈ فنگر نے واشنگٹن سے ایک ویڈیو کانفرنس میں بتایا کہ حکومت پاکستان اس سال دسمبر تک پی آئی اے کی نجکاری کردے گی، پاکستان اسٹیل کی نجکاری مارچ 2016ء تک کرنے کا پروگرام طے ہے، بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں کی نجکاری بھی ہونی ہے، نجکاری سے اُن کی کارکردگی بہتر ہوگی۔ (کراچی کے عوام 'کے ای ایس سی' کی نجکاری کے بعد سے "کے الیکٹرک" کی کارکردگی سے کس قدر پریشان ہیں یہ کراچی کے عوام ہی جانتے ہیں)۔

حکومت پاکستان نے پانچ سو ملین ڈالر مالیت کے دس سالہ مدت کے بانڈز کا اجراء کیا ہے جن پر 8.25 فیصد کی شرح سے بھاری منافع ادا کیا جائے گا، جس کے بارے میں کہا جارہا کہ آئندہ نسلیں بھی سود چکاتی رہیں گی۔ گزشتہ سال اپریل میں بھی پانچ سو ملین ڈالر کے دس سالہ مدت کے بانڈز کا اسی شرح منافع یعنی 8.25 فیصد پر اجراء کیا جاچکا ہے۔ بانڈز قرض حاصل کرنے کا ہی ایک طریقہ ہے

جس میں خریدار کو ایک مقررہ شرح سے ششماہی بنیادوں پر منافع جسے کوپن انٹرسٹ ریٹ کہا جاتا ہے ادا کیا جاتا ہے۔ مقررہ معیاد کے بعد بانڈ کے تحویل کنندہ کو بانڈ کی اصل رقم ادا کی جاتی ہے۔ سادہ انداز میں دیکھا جائے تو یہ بھی ایک مقررہ شرح منافع/سود پر قرض لینے کا ایک طریقہ ہے۔ گزشتہ برس سری لنکا نے جنوری اور اپریل 2014ء میں پانچ سالہ مدت کیلئے بالترتیب 500 ملین ڈالر 5.125 فیصد اور ایک ارب ڈالر کے بانڈز 6 فیصد شرح سود پر جاری کرکے ڈیڑھ ارب روپے اکٹھے کیے۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ ہمارے ہی خطے کا ایک چھوٹا ملک پانچ سو ملین ڈالر کا قرض 5.125 فیصد شرح پر حاصل کرتا ہے جبکہ ہمارے ماہر ترین وزیر خزانہ نے یہی رقم 8.25 فیصد پر کیوں حاصل کرتے ہیں۔

نوبیل انعام یافتہ بھارتی پروفیسر امرتیا سین اور پاکستانی ماہر اقتصادیات ڈاکٹر محبوب الحق نے 1990ء میں یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی ملک کی ترقی ماپنے کا فارمولا کل قومی پیداوار و آمدنی دیکھنے کے بجائے یہ ہونا چاہیے کہ ایک عام شہری قومی دولت و ترقی میں کتنا حصہ دار ہے۔ دو اکتوبر 2015ء کے روزنامہ جنگ میں ساگر سہندڑو کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کی 19 کروڑ 80 لاکھ سے زائد آبادی میں سے پندرہ لاکھ سے زائد پڑھے لکھے جب کہ مجموعی طور پر 30 لاکھ 58 ہزار لوگ بے روزگاری کی مصیبت سے دوچار ہیں۔ پاکستان بیورو برائے شماریات کی جانب سے نیشنل اکنامک کونسل کے اجلاس میں وزیر اعظم

نواز شریف کو دی گئی ایک بریفنگ کے مطابق مالی سال 2015ء میں ملک کے اندر بے روزگار افراد کی تعداد گزشتہ 13 سالوں کے دوران ریکارڈ سطح پر پہنچی جس کے بعد پڑھے لکھے پاکستانی بے روزگاروں کی تعداد پندرہ لاکھ ہو گئی ہے۔ ملک کے پڑھے لکھے افراد جہاں ایک طرف بے روزگاری جیسے مسائل سے دو چار ہیں وہیں وہ ملک میں بڑھتی کرپشن، بدامنی، میرٹ کے قتل عام اور لاقانونیت سے بھی تنگ آچکے ہیں جس کی وجہ سے پاکستان کے پڑھے لکھے اور متوسط طبقے کے نوجوان بیرون ملک جانے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔

وزیر خزانہ اسحاق ڈار ہمیں بتارہے ہیں کہ ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ زرمبادلہ کے ذخائر نے 20 ارب ڈالر کی سطح عبور کی ہے اور یہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت کی پالیسیوں کی بدولت ہی ہوا ہے۔ یقیناً یہ مسلم لیگ (ن) کے کشکول کو بڑا کرنے کی پالیسی کا ہی نتیجہ ہے۔ گزشتہ سال صدر مملکت ممنون حسین کا کہنا تھا کہ ابھی یہ حکومت تین سال اور قرضے کے لیے کشکول لے کر پھرے گی، ساتھ ہی صدر کا کہنا تھا کہ "قرضے ہمارے لیے افیون کا نشہ بن چکے ہیں۔ اس افیون کی عادت ختم کرنے کے لئے مزید افیون کھانا پڑ رہی ہے"۔ سال 2008ء میں ہر پاکستانی شہری 37 ہزار روپے کا مقروض تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک اس رقم میں 64 ہزار روپے سے زیادہ کا اضافہ ہوچکا ہے اور ہر پاکستانی ایک لاکھ روپے سے زیادہ کا مقروض ہے۔ پیپلز پارٹی قرض کو بڑھا کر 66 ارب ڈالر پر لے

آئی تھی، جبکہ نواز حکومت نے اُس میں تیزی سے اضافہ کیا اور پاکستانی ریاست اس سال کے شروع میں تقریباً 80 ارب ڈالر سے زائد کے بیرونی قرضوں میں جکڑی جا چکی تھی۔ اگر اندرونی قرضوں کو بھی شامل کیا جائے تو پاکستانی ریاست کے کل قرضے 120 ارب ڈالر سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

وزیر خزانہ اسحاق ڈار بہت خوش ہیں کہ غیر ملکی زر مبادلہ کے ذخائر نے 20 ارب ڈالر کی سطح عبور کر لی ہے اور پاکستان اقتصادی ترقی کر رہا ہے۔ وزیر خزانہ شاید یہ بتاتے ہوئے شرماتے ہیں کہ اُن کی حکومت کے ڈھائی سالہ دور میں غیر ملکی قرضے کتنے بڑھے ہیں اور عوام کی مشکلات میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ غیر ملکی قرضے یا بھیک ابھی تک پاکستانی عوام کی مشکلات بڑھاتے رہے ہیں، یہ عام آدمی کے کسی کام کے نہیں اور اس کے نتیجے میں آنے والی نسلیں بھی مشکلات کا شکار ہوں گی۔ عالمی بنک نے ایک رپورٹ جاری کی ہے جس نے وزیر خزانہ اسحاق ڈار کے اقتصادی ترقی کے جھوٹ کا پول کھول دیا ہے، عالمی بنک نے کہا ہے کہ سارک ممالک میں پاکستان کی اقتصادی ترقی کی شرح شرمناک حد تک کم ہے۔ رواں سال پاکستان کی اقتصادی ترقی کی شرح 4 اعشاریہ 2 فیصد رہی جبکہ بھارت کی اقتصادی ترقی کی شرح سات اعشاریہ 5 فیصد، بنگلہ دیش 6 اعشاریہ 5 فیصد، بھوٹان 6 اعشاریہ سات اور سری لنکا کی پانچ اعشاریہ تین فیصد رہی ہے۔ اقتصادی ترقی میں بھارت، بھوٹان، سری لنکا، بنگلہ دیش آگے جبکہ پاکستان سب

سے پیچھے رہ گیا ہے۔

پاکستان بنیادی طور پر جن عالمی مالیاتی اداروں کا مقروض ہے اُن کا ہمیشہ سے مطالبہ غریب کش اور امرا نواز پالیسیوں کا نفاذ رہا ہے۔ اگر حکمراں چاہیں تو اپنے اثاثے بڑھانے کی جگہ پاکستان اور پاکستانی عوام کے لیے سوچیں تو یہ بھیک کا پیالہ ٹوٹ سکتا ہے۔ لیکن ایسا ہوگا نہیں کیونکہ ان حالات میں اس کے لیے ملک کے تمام وسائل کو استعمال کیا جائے، صرف ٹیکس کا نظام ٹھیک کرلیا جائے تو شاید آئی ایم ایف کے پاس جانے کی ضرروت نہ پڑے مگر جہاں اسمبلی کے ممبران اور حکمران ہی ٹیکس ادا نہ کرتے ہوں وہاں یہ سب دیوانے کی بڑ ہے۔ تاہم معروف تجزیہ کاروں کا ایک نجی ٹی وی چینل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہنا تھا کہ پاکستان کی معاشی بدحالی میں ہی نواز شریف اور اسحاق ڈار کی معاشی ترقی پنہاں ہے۔ ڈھائی سال پہلے گیارہ مئی 2013ء کو جو شریف آپ نے منتخب کیا اور اُس شریف نے آپ کے لیے جو وزیر خزانہ چنا تھا اگلے ڈھائی سال میں وہ غیر ملکی قرضے کو کہاں پہنچاتا ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ۔ ملکی خزانے میں 20 ارب ڈالر آنے کے باوجود عوام بدحال ہیں۔ کیا نصیب پایا ہے اس بدنصیب پاکستانی قوم نے کہ اس کا صدر قوم کو بتاتا ہے ہم ملکی اور غیر ملکی قرضے کی افیون کھانے کے عادی ہیں، اور افیون کھانے والے کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کبھی بھی افیون کھانا نہیں چھوڑتا ہے۔ وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے غیر

ملکی قرضے حاصل کر کے جو 20 ارب ڈالر کے ذخائر جمع کیے ہیں وہ دراصل پاکستانی قوم کے لیے افیون کے ذخائر میں اضافہ ہے اور جو حکومت اپنی قوم کو افیون کھلائے وہ قوم کی ہمدرد نہیں دشمن کہلانی چاہیے۔

شریف برادران کے دو اہم کام

تیسری مرتبہ وزیر اعظم بننے کے بعد نواز شریف اور اُن کے بھائی وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف دو کام بہت اہم سمجھ کر بہت ہی شوق سے کر رہے ہیں، پہلا کام جگہ جگہ میٹرو شروع کرنا اور دوسرا کام یہ ہے کہ ہر تھوڑے دن کے بعد کسی نہ کسی پاور پراجیکٹ کا افتتاح کرنا۔ فارغ وقت میں میاں صاحبان اورنج ٹرین کا شوق بھی پورا کر رہے ہیں۔
وزیر اعظم نواز شریف نے کوٹلی آزاد کشمیر میں 100 میگاواٹ کے گل پور ہائیڈرو پراجیکٹ کا سنگ بنیاد رکھنے کے بعد فرمایا کہ پاکستان کو بجلی کی قلت کا سامنا ہے جبکہ یہاں 60 ہزار میگاواٹ پن بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ زیادہ مقدار میں سستی بجلی بنانا اُن کا مقصد ہے۔ بات تھوڑی سی کڑوی مگر سچ ہے کہ یہ جو آئے دن وزیر اعظم صاحب کسی نہ کسی پاور پراجیکٹ کا افتتاح کرتے ہیں اس سے عوم کو اب تک ایک دھیلے کا بھی فائدہ نہیں ہوا، آج تک عوام کو بجلی کا ایک یونٹ نصیب نہیں ہوا ہے۔
نندی پور کا پراجیکٹ 22 ارب روپے سے 81 ارب روپے پر چلا گیا جبکہ نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ میں گیارہ ارب 54 کروڑ روپے سے زائد مالیت کی بے ضابطگیوں کا انکشاف ہوا ہے۔ عوام کو بجلی نہیں مل رہی ہے لیکن حکومت بجلی کی

پیداوار بڑھانے کے نام پر عوام کو بیوقوف بنارہی ہے۔ انتخابات کے دوران شہباز شریف کا کہنا تھا کہ سابقہ حکومت نے توانائی بحران کے خاتمے کے لیے کچھ نہیں کیا لیکن وہ حکومت میں آکر بجلی کی لوڈشیڈنگ صرف دو برس میں ہی ختم کر دیں گے، اب کہا جارہا ہے کہ لوڈشیڈنگ 2018ء میں ختم ہوگی۔ لوڈشیڈنگ تو ختم نہیں ہوئی لیکن نواز شریف حکومت کے دو سال پورے ہونے پر بجلی کی قیمتوں میں 121 فیصد تک اضافہ ہوچکا ہے۔اس اضافے نے عام آدمی کو زندہ درگور کردیا ہے۔

روزمرہ کی کھانے پینے کی چیزوں کی قیمتوں میں اضافے، حکومت کی طرف سے بجلی کی لوڈشیڈنگ، غربت، بے روزگاری اور مہنگائی میں کئی سوگنا اضافہ، حکمرانوں کے شاہانہ انداز نے ملک کے غریب اور متوسط طبقات کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ لوگ اخراجات پورے نہ ہونے کی وجہ سے ذہنی مریض بن گئے ہیں۔ فیصل آباد کی ثمینہ بی بی کو مرنے کی بہت جلدی تھی حالانکہ اس حاملہ خاتون نے جن وجوہ کی وجہ سے تیزاب پی کر خودکشی کی وہ پاکستان میں بہت عام ہیں۔اُس کا شوہر گزشتہ چھ ماہ سے بے روزگار تھا جس کی وجہ سے اُس کے مالی حالات بہت خراب تھے ایسے میں شاید اُسے صحیح خوراک بھی نہ ملتی ہو جو ایک حاملہ خاتون کو ملنی چاہیے، اُوپر سے پانچ ہزار روپے بجلی کا بل آگیا جسے درست کروانے میں ناکامی کے بعد میاں بیوی کا آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ اپنے شوہر سے جھگڑے کے

بعد ثمینہ بی بی نے دل برداشتہ ہو کر تیزاب پی لیا اور مرنے سے قبل ایک بچے کو جنم دیا، ثمینہ بی بی نے موت کو آسان راستہ سمجھ کر اپنا لیا۔ ثمینہ بی بی اور اُس کے شوہر کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ پاکستان کی 20 کروڑ کی آبادی میں 30 لاکھ 58 ہزار لوگ بے روزگار ہیں اور بجلی کے وزیر بڑی فرعونیت سے فرماتے ہیں کہ بجلی کی قیمتوں میں جو اضافہ ہوا ہے عوام کو یہ کڑوی گولی تو نگلنی پڑے گی، ثمینہ بی بی اسی کڑوی گولی کا شکار ہو گئی، کیا ثمینہ بی بی کی اس موت پر خواجہ آصف کو کچھ حیا یا شرم آئے گی؟

ملک کی اکثریت کو پینے کا صاف پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہسپتالوں کے بستر اُن مریضوں سے بھرے رہتے ہیں جو مضر صحت پانی استعمال کرتے ہیں۔ کراچی اور لاہور میں گٹر کے پانی میں پولیو وائرس کی تصدیق ہوئی تھی۔ وزیر اعظم کی فوکل پرسن عائشہ رضا فاروق نے اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اپریل میں لاہور کے ایک مرکزی پمپنگ اسٹیشن جبکہ کراچی کے علاقوں گڈاپ اور گلشن اقبال سے حاصل کردہ ماحولیاتی نمونوں میں پولیو وائرس پایا گیا۔ ایک ہلکی سی بارش کے بعد لاہور کے گٹر ابلنے لگتے ہیں، پنجاب حکومت کی ناقص پالیسیوں اور صحت کے متعلقہ امور کو نظر انداز کرنے سے برسات کے دنوں میں ہر سال لاہور میں تباہی آجاتی ہے۔ لاہور کا سیوریج سسٹم کئی دہائیاں پرانا ہے۔ اس سیوریج نظام کی ٹوٹ پھوٹ سے اہلیان لاہور گٹروں کا گندا پانی پینے

پر مجبور ہیں۔ لاہور میں سیوریج سسٹم تباہ ہونے کے باعث لوگ یرقان، دل اور جگر کے امراض میں بتلا ہو چکے ہیں۔ اورنج ٹرین کے نام پر صرف 27 کلومیٹر پر 165 ارب روپے خرچ کیے جا رہے ہیں اور ہر اسٹیشن کا خرچہ تقریباً 6ارب روپے سے زیادہ ہے۔ مقامی انجینیئرز کا کہنا ہے کہ اگر سیوریج سسٹم کے بدلنے کے لیے اورنج ٹرین کے لیے مختص کی گئی رقم کا کچھ حصہ بھی خرچ کیا جائے تو پورے لاہور کا سیوریج سسٹم نیا ہو جائے گا۔ اب انجینیئرز کو کون سمجھائے کہ اورنج ٹرین زمین کے اوپر چلتی ہے جو سب کو نظر آتی ہے جبکہ سیوریج سسٹم زمین کے اندر ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا۔

ایک عام آدمی جو شاید پانچ یا سات سال پہلے دس ہزار روپے میں گزارا کرلیتا تھا آج اُس کا گزاراہ پچیس ہزار روپے میں بھی مشکل سے ہو رہا ہے۔ پاکستان کی ساٹھ فیصد سے زیادہ آبادی غربت کا شکار ہے، جن کی روزانہ کی آمدنی دو سو روپے یا اُس سے کم ہے۔ فیصل آباد کے محلے نواباں والا مین روڈ کے نزدیک کرائے کے ایک کمرے کے مکان میں رہائش پذیر پندرہ سالہ لڑکی کائنات دختر جاوید صبح سے بھوکی تھی اور اُس کا والد محنت مزدوری کی تلاش میں گھر سے باہر گیا ہوا تھا۔ کائنات نے مکان کے دوسرے حصے میں رہائش پذیر خاندان کو اپنی بھوک کا حوالہ دے کر روٹی یا اس کے لیے کچھ پیسے مانگے تو جواب ملا کہ تم تو تین مہینے کا کرایہ تک نہیں دے سکے۔ اس پر مایوس اور پریشان بھوک کی

ماری پندرہ سالہ کائنات مزید دل برداشتہ ہو گئی اور گھر میں موجود زہریلا کالا پتھر کھا کر ابدی نیند سو گئی۔ بیروزگاری اور مہنگائی غریب عوام کے منہ سے نوالہ چھیننے کے مترادف ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) عوام کے مسائل کو حل کرنے کا وعدہ کرکے حکومت میں آئی تھی لیکن عوام کے مسائل بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ عوام نے جن کو منتخب کرکے اسمبلیوں میں بھیجا تھا آج انہی حکمرانوں کو کسی کی بھی پروا نہیں۔ حکمران غریب عوام کو سہولیات کے نام پر نرم شرائط پر قرضے اور غریب عوام کو بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی رقم دے رہے ہیں۔

گیارہ مئی 2013ء کے عام انتخابات میں عوام نے پاکستان مسلم لیگ (ن) کو اس لیے منتخب کیا تھا کہ نواز شریف عوام کو بھیک کی بجائے باعزت روزگار دیں گے لیکن اُن کے وعدے اور دعوے دونوں ہی جھوٹے نکلے۔ ماضی کی طرح انہوں نے ہنر مند نوجوانوں کو نرم شرائط پر قرضے دیئے ہیں اور بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی رقم میں ملنے والی بھیک 1000 سے بڑھا کر 1200 روپے کر دی۔ ماضی میں بھی لوگوں نے پیلی ٹیکسیاں لے کر کیا کر لیا تھا سوائے اس کے کہ اُن گاڑیوں کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا شروع کر دیا جس سے بے روزگاری پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ نرم شرائط پر قرضے کی اسکیم تو ناکام ہو گئی اور اگر کسی نے قرض لیا بھی ہوگا تو زیادہ سے زیادہ رکشہ یا ٹیکسی خرید لی ہو گی یا پھر کوئی دکان کھول کر بیٹھ گئے ہوں گے لیکن یہ مسائل کا حل نہیں۔ اگر عوام کو بے نظیر

انکم سپورٹ پروگرام کی صورت میں بھیک پر ہی گزارا کرنا ہوتا تو پیپلز پارٹی میں کیا بُرائی تھی؟ پیپلز پارٹی نے تو اعلان کیا تھا کہ اگر وہ دوبارہ اقتدار میں آئی تو بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کی رقم ایک ہزار سے بڑھا کر دو ہزار کردے گی۔ لیکن عوام نے پیپلز پارٹی کو مسترد کرکے مسلم لیگ (ن) کو ووٹ دیا کیونکہ عوام امید کررہے تھے کہ مسلم لیگ (ن) بے روزگاری کو ختم کرکے عوام کو باعزت روزگار فراہم کرے گی۔ لیکن افسوس نواز شریف کی حکومت نے عام آدمی کو سوائے مایوسی کے کچھ نہیں دیا۔

کوٹلی آزاد کشمیر میں ہی وزیراعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ گیارہ اکتوبر کے انتخابات شفاف، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تھے جس میں دوبارہ مسلم لیگ (ن) کا امیدوار کامیاب ہوا لیکن نتائج کو اب بھی تسلیم نہیں کیا جارہا ہے اور اڑتالیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ نتیجہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ انتخابی نتیجہ تسلیم نہیں کیا جارہا تو قوم ہی بتائے کہ کس طریقے سے یہ نتیجہ تسلیم کرایا جائے؟

وزیراعظم کے اس سوال کا بالکل سادہ سا جواب ہے کہ آپ نے 2013ء کے انتخابات میں عوام سے جو وعدے کیے تھے اگر وہ پورے کردیئے ہوتے یا کررہے ہوتے تو عوام خود ہی نتیجہ تسلیم کروالیتے۔ وزیراعظم صاحب جمہوری حکومتوں کے عوام تو خوشحال اور علاقے سرسبز و شاداب دکھائی دیتے ہیں، حکومت لوگوں کو ہر طرح کی سہولیات کی فراہمی کو

ممکن بناتی ہے۔ جمہوری حکومتیں اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے نت نئے منصوبے اور پروگرام ترتیب دیتی ہیں جہاں عوام کو زیادہ سے زیادہ اجتماعی ثمرات میسر آتے ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو جمہوری وزیراعظم کو عوام سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کس طریقے سے نتیجہ تسلیم کرایا جائے؟آخر میں وزیراعظم نواز شریف اور وزیر بجلی و پانی خواجہ آصف سے ایک سوال کہ فیصل آباد کی ثمینہ بی بی اور کائنات کی موت کا ذمہ دار کون ہے؟

الوداع الوداع۔ پیپلز پارٹی الوداع

پاکستان پیپلز پارٹی کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے 30 نومبر 1967ء کو اپنے قریبی دوستوں کے ساتھ لاہور میں ڈاکٹر مبشر حسن کے گھر میں پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔ چار ارکان پر مشتمل پیپلز پارٹی کی سپریم کونسل بنائی گئی جس میں خود ذوالفقار علی بھٹو، جے اے رحیم، محمد حنیف رامے اور ڈاکٹر مبشر حسن شامل تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو وہ پہلے سیاستدان تھے جنھوں نے غریبوں کی بات کی، غریبوں کے لیے سیاست کے دروازے کھولے۔ عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے یعنی حقیقی جمہوریت کے لیے جہد و جہد کی۔ غریبوں کے لیے روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا، لیکن وہ غریبوں کے حق میں انقلاب نہیں لا سکے یا اُنہیں لانے نہیں دیا گیا یا پھر اُن کی راہ میں روکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ لیکن ہاں وہ غریبوں کو جگانے میں کامیاب ہوئے، اُنھوں نے لوگوں کو اور خاص کر غریبوں کو اُن کے حقوق کی پہچان کروائی۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قائدِ اعظم کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کو سب سے زیادہ شہرت ملی۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی سیاست کے چار بنیادی اصول ہیں: "اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں" (آج پیپلز پارٹی کے زیادہ تر جیالوں کو ان چار بنیادی اصولوں کا شاید

پتہ بھی نہ ہو)۔

پیپلز پارٹی نے 1970ء کے انتخابات بائیں بازو کی ایک نظریاتی جماعت کے طور پر لڑے جس میں ترقی پسند رہنما جے اے رحیم، ڈاکٹر مبشر حسن، معراج محمد خان، مختار رانا، شیخ محمد رشید، حنیف رامے، خورشید حسن میر، رسول بخش تالپور، علی احمد تالپور، حیات محمد خان شیر پاؤ اور طارق عزیز شامل تھے۔ مذہبی عالم مولانا کوثر نیازی، جاگیرداروں اور وڈیروں کے نمائندے غلام مصطفیٰ کھر اور غلام مصطفیٰ جتوئی بھی پیپلز پارٹی کا حصہ تھے۔ معراج محمد خان اور غلام مصطفیٰ کھر کو بھٹو نے اپنا جانشین بھی بنایا تھا۔ پنجاب میں تو پیپلز پارٹی کے کھمبے بھی جیت گئے تھے، دائیں بازو کی انتہا پسند جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد لاہور میں بابائے سوشلزم شیخ محمد رشید کے ہاتھوں نظریاتی انتخابی معرکہ ہار گئے۔ جماعت اسلامی نے 1970ء کے انتخابات کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دیا تھا۔ پورے پنجاب میں مودودی ٹھاہ، نصراللہ ٹھاہ اور دولتانہ ٹھاہ کے نعرے بھی گونجے تھے لیکن اُس کے بعد ہونے والے کسی بھی عام انتخابات میں پیپلز پارٹی پنجاب میں پوری کامیاب نہ ہو سکی۔ مختار رانا تو پیپلز پارٹی سے بہت جلد ہی علیحدہ ہو گئے جب کہ جے اے رحیم اور معراج محمد خان کی انقلابی سوچ بھٹو کے ساتھ زیادہ دیر نہ چل سکی۔ جے اے رحیم کابینہ اور پارٹی سے نکالے گئے، جبکہ معراج محمد خان جیل پہنچادیئے گئے اور جیل میں ہی

ایک آنکھ کی بینائی سے محروم ہو گئے۔ حنیف رامے اور غلام مصطفیٰ کھر بھی بھٹو سے اختلافات کے باعث مسلم لیگ میں شامل ہو گے تھے۔

بد قسمتی سے ذوالفقار علی بھٹو 1977ء کے انتخابات تک کافی بدل چکے تھے۔ رفتہ رفتہ اقتدار کی مصلحتوں کے تحت وہ پیپلز پارٹی کے اساسی نظریہ سے دور ہٹتے گئے۔ سوشلزم کو اسلامی سوشلزم میں بدل ڈالا اور پی این اے کے دباو میں آکر سیاسی مصلحت کے تحت مولانا مودودی کے گھر پہنچ گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کا یہ فیصلہ پاکستان میں نظریاتی سیاست کی موت ثابت ہوا۔ پیپلز پارٹی کے ہزاروں نظریاتی کارکن بھٹو کی مصلحت پسند سیاست کا شکار ہوئے۔ ان تمام باتوں کے باوجود 1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو ایک مقبول رہنما تھے اور پیپلز پارٹی ایک ملک گیر جماعت تھی اور سارے پاکستان میں سب سے زیادہ ووٹ بنک بھی پیپلز پارٹی کا ہی تھا۔ 1977ء کے انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگا اور پی این اے کے احتجاج کو بہانہ بنا کر پانچ جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق حکومت پر قابض ہوگیا۔ جنرل ضیاء الحق نے جب یہ دیکھا کہ بھٹو کی مقبولیت اقتدار سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی کم نہیں ہو رہی تو اس نے غیر سیاسی ہتھکنڈے استعمال کیے۔ بھٹو پر مالی بدعنوانی کا الزام لگایا مگر جب بھٹو کے ایک کٹر نظریاتی مخالف جماعتِ اسلامی کے نائب امیر پروفیسر غفور احمد سے پوچھا گیا کہ کیا ذوالفقار علی بھٹو مالی خرد برد میں ملوث تھے تو پروفیسر

غفور نے جواب دیا تھا کہ بھٹو پر ہر الزام لگایا جاسکتا ہے لیکن بھٹو پر مالی خرد برد اور لوٹ مار کا کوئی الزام نہیں لگا سکتا۔

چار اپریل 1979ء کو جنرل ضیاء الحق حکومت نے بھٹو کو پھانسی دے دی جسے عدالتی قتل کہا جاتا ہے۔ 1988ء میں جنرل ضیاء الحق کی موت کے بعد انتخابات میں پیپلز پارٹی نے روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے کے ساتھ ایک اور نیا نعرہ لگایا "کل بھی بھٹو زندہ تھا، آج بھی بھٹو زندہ ہے" ، لیکن پیپلز پارٹی کے چار بنیادی اصول "اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں" کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ پاکستان کے عوام اس وقت بھی بھٹو کے سحر میں تھے لہٰذا بینظیر بھٹو برسر اقتدار آئیں مگر اس سے پہلے بینظیر بھٹو بیگم زرداری بھی بن چکی تھی۔ وہ زرداری کے رنگ میں جلد ہی رنگ گئیں اور صرف بیس ماہ بعد اُس وقت کے صدر پاکستان غلام اسحاق خان نے بے پناہ بدعنوانی کے باعث بینظیر بھٹو کی حکومت برخواست کر دی۔ نواز شریف اور غلام اسحاق کے اختلافات کے باعث 1993ء میں بینظیر بھٹو دوسری مرتبہ برسر اقتدار آئیں۔ اس درمیان میں بینظیر بھٹو نے ایک کام یہ بھی کیا کہ اپنے والد کے زمانے کے پرانے پیپلز پارٹی کے لوگوں کو نکال باہر کیا۔ اُن کے شوہر آصف زرداری پر کرپشن کے الزامات تو اُن کی پہلی حکومت کے دوران ہی لگنے شروع ہوگئے تھے اور آصف زرداری کو مسٹر ٹین

پرسنٹ کا خطاب بھی دیا گیا۔ پانچ نومبر 1996ء کو بینظیر بھٹو کے لائے ہوئے صدر فاروق لغاری نے بینظیر بھٹو کی دوسری حکومت کو کرپشن کی بنیاد پر برطرف کر دیا۔
نواز شریف کے دوسرے دور میں بینظیر بھٹو ملک سے باہر چلی گئیں اور سابق صدر جنرل پرویز مشرف کے دور میں اٹھارہ اکتوبر 2007ء کو اپنی طویل جلاوطنی ختم کر کے کراچی پہنچیں جہاں اُن پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ کارساز حملے میں تو وہ بچ گئیں مگر اسی سال ستائیس دسمبر کو راولپنڈی میں ایک خود کش حملے میں اُنہیں قتل کر دیا گیا۔ اپنے قتل کیے جانے تک بینظیر بھٹو یہ نعرہ مسلسل لگاتی رہیں "کل بھی بھٹو زندہ تھا، آج بھی بھٹو زندہ ہے"۔ جس آصف زرداری کو بینظیر بھٹو نے گھر تک محدود کر دیا تھا بینظیر کی ہلاکت کے بعد وہ پیپلز پارٹی کا مالک بن بیٹھا۔ زرداری صاحب نے اپنے بیٹے بلاول زرداری کو بلاول بھٹو زرداری کا نیا نام دیا اور 2008ء کے انتخابات میں ایک اور نئے نعرہ کا اضافہ کیا "تم کتنے بھٹو مارو گے، ہر گھر سے بھٹو نکلے گا"۔ زرداری کو معلوم تھا کہ بھٹو کا نام لیے بغیر وہ سیاسی دکان نہیں چلا سکتے۔ بینظیر بھٹو کے بعد پارٹی کی قیادت آصف زرداری نے سنبھالی اور فروری 2008ء کے انتخابات کے بعد اقتدار سنبھالا تو جس طرح بینظیر بھٹو نے اپنے والد کے قریبی لوگوں کی پیپلز پارٹی سے چھٹی کی تھی ٹھیک اُسی طرح آصف زرداری نے اُن لوگوں کی چھٹی

کی جو بینظیر بھٹو کے قریب تھے۔

پیپلز پارٹی کے پانچ سالہ (2008ء سے 2013ء) حکومت کے دور میں دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ، بدترین کرپشن، بدانتظامی، طویل لوڈشیڈنگ، غربت کے ساتھ اندرونی و غیر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوا۔ مشرف دور کے اختتام 34 ارب ڈالر کے قرضے پانچ سال میں دگنے ہوگئے، 62 روپے کا ڈالر 100 روپے کا ہوگیا، ملک کے تمام ادارے تباہ ہوگئے۔ خود کش دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ کی یلغار نے کوئٹہ اور پشاور جیسے بڑے شہروں کو درہم برہم کرکے رکھ دیا، کراچی جو پاکستان کا معاشی مرکز ہے وہ لاقانونیت اور لاشوں کا شہر بن گیا۔ آصف زرداری، دو وزرائے اعظم، وفاقی اور صوبائی وزرا نے مل کر کرپشن اور بدانتظامی کے حوالے سے ماضی کے تمام ریکارڈ توڑڈالے۔ اربوں روپے کی کرپشن کرکے قومی خزانے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا گیا اور ملکی معیشت کو مفلوج بناڈالا۔ تمام تر برے حالات کے باوجود بھٹو کے نام کو بدنام کیا جاتا رہا۔ آج پیپلز پارٹی اور خاص کر آصف زرداری کے قریب صرف وہ لوگ ہیں جو نہ صرف بھٹو کے سخت ترین مخالف تھے بلکہ جنرل ضیاء الحق کی کابینہ میں بھی شامل تھے۔

وہ لوگ بھی آصف زرداری کے بہت قریب رہے ہیں جو کل تک بینظیر بھٹو کو ملکی سلامتی کے لیے خطرہ کہتے تھے۔ عام لوگ اب یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ "کل بھی بھٹو زندہ تھا، آج بھی بھٹو زندہ ہے" یا "ہر گھر سے بھٹو نکلے گا"، جبکہ کہنے والے کہتے

ہیں کہ بینظیر بھٹو کے قتل کے ساتھ ہی بھٹو بھی زندہ نہ رہا۔
پیپلز پارٹی 2013ء کے انتخابات بری طرح ہار گئی۔ یہ پارٹی کی نہیں اُس قیادت کی شکست تھی جس کا مطمع نظر صرف لوٹ مار رہا ہے۔ گیارہ اکتوبر 2015ء کو ہونے والے ضمنی انتخابات کے نتیجے کے مطابق این اے 122 میں پیپلز پارٹی کے امیدوار میاں عامر حسین نے صرف 819 ووٹ حاصل کیے جبکہ این اے 144 میں پیپلز پارٹی کے امیدوار چوہدری سجاد الحسن نے صرف 3807 ووٹ حاصل کیے۔ کیا نظریاتی سیات کا خاتمہ نہیں ہوگیا؟ جواب۔۔۔ہاں کہہ سکتے ہیں کہ نظریاتی سیاست کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ ایک وقت تھا جب سیاسی جماعتیں اپنے نظریات کے ساتھ کھڑی رہتی تھیں۔ ہر طرح کے لوگ سیاسی جماعتوں کے اندر موجود تھے۔ مگر اب لوگ ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ صرف اپنے ذاتی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے سیاسی وابستگیاں تبدیل کر لیتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ پانچ جولائی کے دن یوم سیاہ منانے والی پیپلز پارٹی پر بھی جنرل ضیاء الحق کی باقیات قابض ہیں۔ رحمان ملک، یوسف رضا گیلانی اور منظور وٹو آج پارٹی قیادت کا حصہ ہیں۔ جنرل ضیاء الحق پیپلز پارٹی کے کارکنوں پر وحشیانہ ظلم کرکے اور بھٹو کو پھانسی دے کر بھی نہ تو پیپلز پارٹی کو ختم کر سکا اور نہ ہی بھٹو کو مار سکا لیکن پیپلز پارٹی کی موجودہ قیادت نے پیپلز پارٹی پر بدعنوانی کے خود کش حملے کر کرکے پیپلز پارٹی اور بھٹو کو مار ڈالا۔ آصف زرداری قائدانہ صلاحیتوں کے

مالک نہیں ہیں، اگر پیپلز پارٹی کو سیاست میں دوبارہ زندہ ہونا ہے اور بھٹو کو زندہ کرنا ہے تو اُسے موجودہ قیادت کو بدلنا ہوگا اور پاکستان پیپلز پارٹی کی سیاست کے چار بنیادی اصولوں کو اپنانا ہوگا، ورنہ 11 اکتوبر 2015ء کے ضمنی انتخابات میں پیپلز پارٹی کے مایوس کن نتائج دیکھنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ قوم اب آصف زرداری کو الوداع کہتے ہوئے ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہی ہے "الوداع الوداع۔۔۔ پیپلز پارٹی الوداع"۔

شائننگ انڈیا میں کرکٹ نہیں کھیلی جاتی

بھارت اور پاکستان کے تعلقات کبھی بھی مثالی نہیں رہے، اتار چڑھاو آتے رہے لیکن ایسی انتہا پسندی کی طرف نہیں گے ت جیسے اب ہیں۔ پاکستان اور بھارت کے عوام دونوں ملکوں کے کھلاڑیوں کو آمنے سامنے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، چاہے وہ مقابلہ کبڈی کا ہو، اسنوکر یا ہاکی کا ہو یا پھر کرکٹ کا، مقابلے کے دوران دونوں طرف کے عوام جذباتی ہو جاتے ہیں۔ پاک انڈیا کرکٹ سیریز محض ایک سیریز نہیں بلکہ دو قوموں کے درمیان ایک جذباتی جنگ ہوتی ہے۔ میچ ون ڈے کا ہو یا ٹی ٹونٹی کا، سڑکیں خالی اور بازار سونے پڑ جاتے ہیں ہر کوئی ٹیلی وژن کے سامنے براجمان ہو کر اپنے اپنے ملک کی ٹیم کی فتح کا خواہشمند ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی بھی بڑے ٹورنامنٹ کے فائنل میں فتح ہو یا شکست لیکن سب سے زیادہ خوشی یا دکھ انڈیا پاک میچ کے نتیجہ پر ہوتا ہے۔ 1999ء میں سابق بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی پاکستان آئے، انہوں نے لاہور کا تاریخی دورہ کیا۔ واجپائی نے پندرہ سال کے طویل عرصے کے بعد پاکستانی ٹیم کو بھارت آنے کی دعوت دی اور 2005ء اور 2006ء کے دوروں کا انعقاد کیا گیا۔ 13 جنوری تا 19 فروری 2009ء کو بھارتی ٹیم کے دورہ پاکستان کی تمام تفصیلات طے پا چکی تھیں کہ 2008ء میں ممبئی میں

دہشت گردی نے ان کوششوں پر پانی پھیر دیا اور یہ سیریز منسوخ کردی گئی۔
ادھر بدقسمتی نے پاکستان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بھارتی ٹیم کے دورے کی تنسیخ کے فوراً بعد 2009ء میں ہی لاہور میں دہشت گردوں نے سری لنکا کی ٹیم پر جان لیوا حملہ کر دیا۔ پاکستانی پولیس نے دہشت گردوں سے کئی گھنٹوں تک مقابلہ کیا، اس مقابلے میں پاکستانی پولیس کے علاوہ پاکستانی شہری بھی شہید ہوئے۔ سری لنکن ٹیم بحفاظت اپنے وطن واپس ہوئی تو ساتھ ہی کرکٹ کی ساری رونقیں بھی لے گئی۔ پاکستان پر عالمی کھیلوں کے دروازے بند ہوگئے اور اس دلخراش واقعہ کے بعد کسی بھی کرکٹ ٹیم نے پاکستان آنے کی حامی نہ بھری۔ پاکستان میں کرکٹ کے میدان اجڑ گئے۔ پھر چھ سال دو ماہ کے طویل انتظار کے بعد پاکستان اور زمبابوے کے درمیان 22 مئی 2015ء کو پہلا ٹی ٹونٹی کھیلا گیا۔ زمبابوے کی کرکٹ ٹیم کے آنے سے پہلے چھ سال پاکستان کرکٹ کی دنیا میں تنہائی کا شکار رہا ہے۔ گورے تو کیا آتے پاکستان کے پڑوسی ملک بھارت جس پر یہ الزام ہے کہ سری لنکا کی ٹیم پر حملے میں بھارتی خفیہ ایجنسی 'را' کا ہاتھ ہے، اُسنے اپنی ٹیم کو پاکستان بھیجنے سے صاف انکار کردیا، مسلم ملک بنگلہ دیش حکومت اور کرکٹ بورڈ نے وعدے کے باوجود اپنی ٹیم کو پاکستان نہیں بھیجا۔ 2008ء کے بعد پاکستان اور بھارت کی کرکٹ ٹیموں کے درمیان مقابلے غیر جانبدار مقام پر ہوئے جن میں ورلڈ کپ اور ٹی ٹونٹی کے میچز شامل ہیں۔

تاہم موہالی میں ورلڈکپ 2011ء کا سیمی فائنل میچ پاک بھارت ٹیموں کے مابین بھارت کی سرزمین پر کھیلا جانے والا واحد میچ ہے۔

ممبئی دہشت گردی کیس کی تحقیقات کے بعد بھارت کو اپنی سوچ بدلنا پڑی اس لیے کہ پاکستان جو خود دہشت گردی کا شکار ہے بھارت میں ایسی ہولناک کارروائی کیسے کروا سکتا تھا۔ 2012ء میں کئی مہینوں کی جدوجہد اور طویل مذاکرات کے بعد بھارتی کرکٹ بورڈ نے باقاعدہ پاکستان کو محدود اوورز کی سیریز کھیلنے کی دعوت دی جسے بخوشی قبول کرلیا گیا۔ دونوں ممالک کے درمیان اس برف کو پگھلانے میں پی سی بی کے سابق چیئرمین ذکاء اشرف کا کردار تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ دونوں ممالک کے کروڑوں عوام اس فیصلے پر بے انتہا خوش تھے۔ پاکستان اور بھارت کھیلوں کے روایتی حریف ہیں۔ فٹ بال کے بعد سب سے زیادہ کھیلی جانے والی کرکٹ جو کہ جنوبی ایشیا میں پسندیدگی کے اعلیٰ مقام کو چھوتی ہے دونوں ممالک کے درمیان ڈیڈ لاک کو توڑنے میں ہمیشہ کامیاب رہی ہے۔ سابق پاکستانی صدر ضیاء الحق، پرویز مشرف اور سابق پاکستانی وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی بھی کرکٹ میچ دیکھنے بھارت گے تھے۔ 13 مارچ 2004ء کو کراچی میں چودہ سال کے بعد بھارت پاکستان میں کھیلا تھا، اس تاریخی میچ کو دیکھنے بھارت سے 100 مہمان آئے تھے جن میں کانگریس کی صدر سونیا گاندھی کی بیٹی پریانکا گاندھی، بیٹے راہول گاندھی اور اُن کے داماد رابرٹ وڈرہ بھی شامل

تھے، حکومت پاکستان نے اُن کو سرکاری مہمان کا درجہ دیا تھا۔
چھبیس جون 2014ء کو پاکستان کرکٹ بورڈ کی جانب سے جاری کردہ بیان کے مطابق پاکستان اور بھارتی کرکٹ ٹیم کے درمیان کرکٹ سیریز کا تحریری معاہدہ طے پایا۔ جس کے تحت 2015ء سے 2023ء کے درمیان دونوں ممالک کے درمیان 6 سیریز کھیلی جانی تھیں، جن میں سے چار پاکستان کے وینیو یعنی دبئی میں جبکہ دو بھارت میں ہونی تھیں۔ بقول پی سی بی ایگزیکٹیو کمیٹی کے سربراہ نجم سیٹھی کے اگر یہ چار سیریز ہوتی تو پاکستان کو اربوں روپے کا فائدہ ہوتا۔ پی سی بی کا خرچ تین سے چار ارب ہوتا ہے۔ اس لئے ایک طرف انٹر نیشنل اور اگر پاکستان کے بھارت کے ساتھ میچ ہوں تو بہت زیادہ ریٹنگز ملتی ہیں۔ نجم سیٹھی کہتے ہیں کہ پہلی سیریز اس سال دسمبر میں ہونا تھی لیکن دسمبر قریب آنے کے باوجود بی سی سی آئی کی طرف سے نہ ہاں ہوئی نہ ہی نہ۔ کچھ دن قبل شہریار خان نے مجھے کہا کہ ممبئ میں بی سی سی آئی کے ساتھ میٹنگ کرنی ہے۔ ہم پیر 19 اکتوبر کو ممبئ پہنچے، بی سی سی آئی کی بلڈنگ میں دہشتگردی کا کوئی خطرہ نہیں اس لئے دو پہرے دار پہرے کے لیے کھڑے ہیں۔ نجم سیٹھی نے بتایا کہ بی سی سی آئی کے ساتھ ہماری میٹنگ گیارہ بجے ہونا تھی۔ ہمیں ٹی وی کے ذریعے پتہ چلا کہ شیو سینا کے کئی لوگ بی سی سی آئی کے دفتر کے باہر احتجاج کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد پہرے داروں نے دفتر کے دروازے بھی کھول

دیئے، انتہا پسند ہندو تنظیم شیو سینا کے کارکن نعرے لگاتے ہوئے بی سی آئی ہیڈ کوارٹر میں اندر داخل ہوئے، مشتعل افراد نے شاشانک منوہار کا گھیراؤ کرتے ہوئے چیئرمین پی سی بی کے واپس جانے کا مطالبہ کیا اور اس دوران پاکستان مخالف نعرے بھی لگائے گئے۔

نجم سیٹھی نے بتایا کہ ہم ابھی ہوٹل میں ہی تھے تو ہمیں کہا گیا کہ ابھی میٹنگ میں تاخیر ہے اس لئے انتظار کریں۔ تھوڑی دیر بعد میٹنگ ملتوی ہونے کی اطلاع آگئی۔ نجم سیٹھی نے تسلیم کیا کہ شیو سینا کے غنڈوں کے بی سی سی آئی آفس پر حملے کے بعد بھارتی حکام نے ملاقات ملتوی کرنے کا براہ راست اشارہ دے دیا تھا۔ بعد کی اطلاع ہیں کہ شہریار خان اور ششانک منوہر کی بیگمات کے زریعے پیغام رسانی کی گیٹ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، اب شہریار خان بھی تقریباً مایوس ہوچکے ہیں۔ آئی سی سی کے صدر ظہیر عباس نے اس موقعہ پر کہا کہ شدت پسند تنظیم شیو سینا کی غنڈہ گردی اور بی سی آئی کے ہیڈ آفس پر حملے کی وجہ سے اگلے سال ورلڈ ٹی ٹونٹی متاثر ہو سکتا ہے۔ اگر بھارت میں اتنی زیادہ آگ لگی ہوئی ہے اور لوگ پاکستان کے ساتھ سیریز کے اتنے مخالف ہیں تو پھر ٹی ٹونٹی کے ورلڈ کپ کے انعقاد میں مشکل ہو سکتی ہے۔ ظہیر عباس نے بی سی آئی کے صدر دفتر پر حملے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستانی کھلاڑی اپنی جانوں کو خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے ورلڈ ٹی ٹونٹی کیلئے بھارت

جانے سے انکار کر سکتے ہیں۔ لیکن بطور آئی سی سی صدر میں چاہتا ہوں کہ کرکٹ دنیا بھر میں پھیلے۔

بھارتی حکمراں جماعت بی جے پی کی دہائیوں سے فطری اور نظریاتی اتحادی جماعت شیو سینا نے پاکستان کے خلاف پہلی مرتبہ غنڈہ گردی نہیں کی ہے، اس سے پہلے بھی 1991ء میں شیو سینا نے پاک بھارت کرکٹ سیریز کے خلاف احتجاجاً وانکھیڈا اسٹیڈیم کی پچ کھود ڈالی۔ دسمبر 2003ء میں شیو سینا کے کارکنوں نے آگرہ اسٹیڈیم کی پچ کھود ڈالی جہاں پاکستان اور بھارت کے درمیان میچ ہونے والا تھا۔ اپریل 2005ء میں شیو سینا کے اسٹوڈنٹس ونگ نے نئی دہلی میں پاک بھارت میچ روکنے کی کوشش کی۔ بھارت اور پاکستان میں اکثر حلقے شیو سینا کی طرف سے اس " غنڈہ گردی " کو خاصی تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں اور اس کے خلاف خاطر خواہ کارروائی نہ کرنے پر بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ شیو سینا نے آئی سی سی کے پینل میں شامل پاکستانی امپائر علیم ڈار کو بھی بھارت سے چلے جانے کی دھمکی دی جو کہ بھارت اور جنوبی افریقہ کے ایک روزہ میچ کی امپائرنگ کے فرائض انجام دینے کے لیے بھارت میں تھے۔ سابق پاکستانی کرکٹر وسیم اکرم اور شعیب اختر نے بھی شیو سینا کی حالیہ غنڈہ گردی کے بعد بھارت میں قیام سے انکار کر دیا۔ یہ دونوں کرکٹ مبصر کے طور پر وہاں گئے ہوئے تھے۔

گذشتہ سال دسمبر 2014ء میں ہاکی چیمپئنز ٹرافی کے موقعہ پر سیمی فائنل میں بھارت کا پاکستان سے شکست ہضم کرنا متصب بھارتی میڈیا کے لیے بھی ناممکن تھا۔ پاکستانی کوچ شہناز شیخ کا کہنا تھا کہ بھارتی میڈیا نے انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ قبل ازیں 1982ء میں پاکستان کی ہاکی ٹیم نے بھارت کے خلاف نئی دہلی میں سات گول کئے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب بال ٹھاکرے زندہ تھا اور اس نے پاکستان کی ٹیم کے بھارت میں کھیلنے کے خلاف سخت مزاحمت شروع کر رکھی تھی۔ پاکستان میں کرکٹ کے حلقے اپنے کرکٹ بورڈ کو بھی یہ کہہ کر تنقید کا نشانہ بنارہے ہیں کہ آئی سی سی کے تحت ہونے والے سیریز کے معاہدے پر اس موقع پر بھارتی بورڈ سے بات چیت کے لیے پاکستانی بورڈ کے عہدیداروں کا بھارت جانا غیر ضروری تھا۔ یتیم سیاستدان عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید احمد نے کہا ہے کہ پی سی بی کے وفد کے ساتھ شیو سینا کی طرف سے کیے جانے والے سلوک کی مکمل حمایت کرتا ہوں۔ شیو سینا کو چاہیے کہ شہریار خان کا منہ کالا کریں اور جب شہریار خان واہگہ بارڈر پر آئیں تو وہاں پر بھی اُن کا منہ کالا کیا جانا چاہیے (اب سمجھ میں آیا کہ ایاز صادق قومی اسمبلی میں کیوں ہمیشہ اسکا مائیک بند کردیا کرتے ہیں)۔ شاید شیخ رشید اپنی حکومت مخالفت میں یہ بھول گے ہیں کہ یہ وہ ہی شہریار خان ہیں جن کی انتھک محنت اور سفارتی کوششوں کی وجہ سے ہی چھ سال دو ماہ کے طویل انتظار کے بعد

پاکستان اور زمبابوے کے درمیان 22 مئی 2015ء کو لاہور میں پہلا ٹی ٹونٹی کھیلا گیا اور پاکستان میں بین الاقوامی کرکٹ بحال ہوئی۔

پی سی بی ایگزیکٹیو کمیٹی کے سربراہ نجم سیٹھی کا کہنا ہے کہ "بھارت سے 6 سیریز کھیلنے کا معاہدہ ہوا تھا، کرکٹ اور سیاست کو ساتھ ساتھ نہیں چلنا چاہیئے، ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ ہیں جو پاکستان کی بہتری کیلیئے کام کرنے والوں پر تنقید کرتے ہیں۔اس ساری صورتحال میں پی سی بی پر تنقید کرنے کے بجائے ہمیں دنیا کو دکھانا چاہیئے کہ یہ ہے شائننگ انڈیا، یہ ہے اُن کا مسلم مخالف اور پاکستان مخالف رویہ"۔ بھارت میں انتہا پسند اس سے قبل بھی پاکستانی کھلاڑیوں کے علاوہ فنکاروں کے خلاف بھی مظاہرے کرکے انھیں بھارت سے چلے جانے کے لیے دباؤ ڈالتے رہے ہیں۔ مبصرین اسے پاکستان کے لیے نہیں بلکہ بھارت کے تشخص کے لیے انتہائی مضر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بھارتی حکومت کو اس ضمن میں اپنا مثبت کردار ادا کرنا چاہیے اور اپنے ملک سے شیو سینا کی دہشت گردی کو ختم کرنا چاہیے ورنہ مودی سرکار کا شائننگ انڈیا دہشت گرد انڈیا کہلائے گا اور شاید پھر دنیا کہے گی شائننگ انڈیا میں کرکٹ نہیں کھیلی جاتی۔

سیاسی طوائف : پوچھا فائدہ کس میں ہے؟

سیاسی نظریات تو ہمارے ملک میں ناپید ہو چکے ہیں، کسی زمانے میں جب کسی سیاسی پارٹی کے بارے میں بات کی جاتی تھی تو ساتھ ہی یہ بھی ذکر ہو جاتا تھا کہ فلاں جماعت دائیں بازو کی ہے اور فلاں جماعت بائیں بازو کی ہے (عام طور دائیں بازو سے مراد قدامت پرست اور بائیں بازو سے مراد ترقی پسند لیا جاتا ہے)، مثلاً جماعت اسلامی، پاکستان تحریک انصاف، پاکستان مسلم لیگ اور جمیت علمائے اسلام دائیں بازو کی جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی بائیں بازو کی جماعتیں کہلاتی ہیں، ان جماعتوں کے کارکنوں یا اُنکے حامیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُن کے خیالات یا اُن کی سوچ دائیں بازو یا بائیں بازو کی ہے (ان لوگوں کو رائٹسٹ اور لیفٹسٹ کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے)۔ سابق صدر غلام اسحاق خان کے دست راست روئیداد خان نے ایک ٹی وی پروگرام میں بتایا تھا کہ غلام اسحاق خان محترمہ بینظیر بھٹو کو اس وجہ سے بھی نااہل قرار دلوانا چاہتے تھے کہ مرحومہ لیفٹسٹ تھیں جبکہ غلام اسحاق خان رائیٹسٹ تھے، اس لئے وہ کسی مخالف نظریے والے کے ساتھ اشتراک عمل پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ اب اسے آپ کیا کہنگے کہ قیام پاکستان سے ابتک اختیارات کا اصل منبع رائیٹسٹ ہی رہے ہیں۔ یہ اپنی نجی زندگی میں تو اسقدر لبرل ہوتے ہیں کہ حقیقی لبرل بھی شرما

جائیں، لیکن جب قوم کے سامنے آتے ہیں تو انتہائی قدامت پسند ہوتے ہیں۔
مفاد پرستی تو پاکستان میں شروع سے ہی تھی لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ نظریاتی سیاست موجود تھی۔ جنرل ضیاء الحق کے زمانے سے نظریاتی سیاست کا خاتمہ شروع ہوا اور پھر لوٹا یا لوٹی کریسی شروع ہوئی۔ لوٹا اور لوٹی تو ہمیشہ سے ہیں بس ہم نے لوٹا کہنے کی عادت ڈالی ہوئی ہے، آسان سی بات ہے لوٹا مذکر ہے اور لوٹی مونث۔ اس کی مثال یوں لے لیں کہ منظور وٹو جو کبھی مسلم لیگی تھے اور جناح مسلم لیگ بھی بنا چکے ہیں آجکل پیپلز پارٹی پنجاب کے صدر ہیں اور ماروی میمن جو پرویز مشرف کی بہت قریبی ساتھی تھیں وہ اب مسلم لیگ ن میں شامل ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں منظور وٹو لوٹا ہیں تو ماروی میمن لوٹی ہیں۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم نے مولانا کوثر نیازی کے بارے میں کہا تھا کہ یہ شخص موقعہ پرست ہے جو پہلے جماعت اسلامی میں رہا اور بعد میں کنونشن لیگ میں اور اب پیپلز پارٹی میں وہ بھٹو سے کیا وفا کرے گا اور ایسا ہی ہوا جب ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کیا تو مولانا کوثر نیازی اور غلام مصطفیٰ جتوئی نے لوٹا بنکر سب سے پہلے اُس کے دربار میں حاضری دی۔ ان سیاستدانوں نے فوراً اپنا الگ پارٹی دھڑا بنا لیا یعنی جب مصیبت کا وقت آیا تو اپنی پارٹی سے یوں منہ پھیر لیا، گویا کبھی اس کے ساتھ نہ تھے۔ ضیاء الحق کے بعد اس کے دربار کے لوٹے اپنے اپنے مفاد کی تلاش میں نکلے۔ نواز شریف جو جونیجو کو اپنا عظیم

قائد اور خود کو ضیاء الحق کا بیٹا قرار دیتے تھے سب سے پہلے لوٹا بنکر غلام اسحٰق خان کے ساتھ مل کر جونیجو کا پتہ صاف کیا اور 1990ء میں ملک کے وزیر اعظم بنے۔

جنرل مشرف کے دور میں تو لوٹوں کے کاروبار میں ایسی ترقی ہوئی کہ اس وقت نہ صرف مفاد پرست بلکہ سیاسی جماعتوں تک نے لوٹوں کا کردار ادا کیا۔ نواز شریف نے جونیجو سے جو مسلم لیگ چھینی تھی مشرف کے آنے بعد اس میں سے ق لیگ نے جنم لیا اور ری پبلکن پارٹی کی یاد تازہ کر دی اور پوری ق لیگ لوٹا بنکر مشرف کو اتنی مرتبہ وردی میں صدر بنانا چاہتی تھی جس کی خود مشرف کو بھی شاید تمنا نہ ہو۔ جولائی 2001ء میں پاکستان کی چھ مذہبیو سیاسی جماعتوں نے ایک نئے اتحاد "متحدہ مجلس عمل" کا اعلان کیا اور پھر کچھ عرصے بعد متحدہ مجلس عمل نے بھرپور لوٹے کا کردار ادا کیا، 19 دسمبر 2003ء کو حکومت سے "ایل ایف او" پر تمام معاملات طے کرکے سودے بازی کرلی۔ 28 دسمبر 2003ء کو قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن و دیگر قائدین کی موجودگی میں متحدہ مجلس عمل نے آئین میں 17 ویں آئینی ترمیم کا بل منظور کرکے پرویز مشرف کی حکمرانی کو آئینی و قانونی جواز فراہم کردیا، اس زمانے میں ایم ایم اے کی جگہ ملاملٹری اتحاد بہت مشہور ہوا تھا۔ پیپلز پارٹی کے سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی بھی مفاد پرست لوٹا ہیں، موصوف ضیاء الحق کی کابینہ میں تھے۔

سیاستدان قوم کی رہنمائی کے دعویدار ہوتے ہیں اور حقیقتاً بھی یہ ان کا فرض منصبی ہے، لہٰذا قومی سطح پر مہذب اور شائستہ رویوں اور ذمہ دارانہ طرز گفتگو کی ترویج کیلئے انہیں عوام کیلئے مثال بننا چاہئے۔ قومی اسمبلی کے حلقہ 122 لاہور کے ضمنی انتخاب کے بعد بھی تحریک انصاف اور مسلم لیگ (ن) کی جانب سے ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشیوں کی مہم میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ تندی و تیزی بڑھ رہی ہے۔ عمران خان مسلم لیگ (ن) کی قیادت کو بدترین کرپشن اور اپنے تجارتی مفادات کیلئے پاکستان کو کمزور کرنے کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں تو تحریک انصاف کے خلاف مسلم لیگ (ن) کے لیڈروں کا لب و لہجہ بھی تلخ ترین ہے۔ وفاقی وزیر اطلاعات نے کچھ روز قبل تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کو چور، پاکستان کا دشمن اور غدار قرار دیتے ہوئے انہوں نے الزام لگایا کہ تحریک انصاف نے منتخب جمہوری حکومت کے خاتمے کی سازش اور پارلیمنٹ پر حملے کیلئے یہودی اور ہندو لابی کے فنڈز استعمال کیے۔ بدنصیبی سے ہمارے ملک کی ہر سیاسی جماعت میں بدتمیز رہنماوں کی کوئی کمی نہیں۔

دوستوں یہ ارض پاکستان ہے! انشاجی تو اس سوال کے جواب میں کہ "پاکستان کیوں بنایا تھا؟" لکھ گے غلطی ہو گئی آئندہ نہیں بنایں گے، لیکن اب کوئی دوسرا پاکستان بنے یا نہ بنے ہم تو اسی پاکستان میں رہ رہے ہیں جہاں ہر روز شام

کو ہمارا میڈا ٹاک شوز کے نام پر سیاسی دوکانیں سجاتا ہے اور ان دوکانوں پر آنے والے 95 فیصد افراد کا تعلق کسی نہ کسی سیاسی جماعت سے ہوتا ہے، ان میں ہر قسم کے رہنما شامل ہوتے ہیں، یوں سمجھ لیں کہ آپکو اس میں سنجیدہ، لوٹے اور بد تمیز ہر قسم کے سیاستدان ملینگے۔ یہ ٹاک شوز عام طور پر پرائم ٹائم میں براہ راست نشر ہوتے ہیں، میڈیا کی زبان میں پرائم ٹائم وہ وقت ہوتا ہے جس میں زیادہ ناظرین ٹی وی چینل کے سامنے موجود ہوتے ہیں۔ ان ٹاک شوز میں لوگوں کی پگڑی اچھالنا ایک عام بات ہے۔اس میدان کے لوگ بڑے بے رحم، بڑے بے لحاظ اور منہ پھٹ ہیں، ان ٹاک شوز میں وہ وہ اوچھے وار کیے جاتے ہیں کہ شاید جس کا تصور بھی نہ ہو، نہ عورت کا لحاظ ہے، نہ کسی کے مرتبے کا۔ یہاں جس کا جو دل چاہے وہ کہہ دیتا ہے۔

نجی ٹی وی چینل کے ایک ٹاک شوز میں تحریک انصاف کے رہنما شوکت یوسفزئی اور مسلم لیگ (ن) کے رہنما دانیال عزیز موجود تھے، شوکت یوسفزئی نے دانیال عزیز کے بارے میں کہا کہ " تم ایک سیاسی طوائف ہو، بھنگی تیرا خاندان ہی کیا ہے"۔ دونوں ہی پرانے لوٹے ہیں، شوکت یوسفزئی ایک زمانے میں پیپلز اسٹوڈینٹ فیڈریشن کے صدر تھے، 1996 ء میں انہوں نے پاکستان تحریک انصاف میں شمولیت اختیار کی۔ یہ وہی شوکت یوسفزئی ہیں جنھوں نے صوبہ خیبر پختونخواہ کے وزیر اطلاعات ہوتے ہوئے صوبائی اسمبلی میں کہا تھا کہ دھماکے ہورہے ہیں تو

کونسی قیامت آگی ؟ جبکہ دانیال عزیز سابق صدر پرویز مشرف کے تمام دور اقتدار میں اُنکے ساتھ تھے اور پرویز مشرف کے بڑے دبنگ ترجمان تھے، آجکل مسلم لیگ (ن) کے رہنما کہلاتے ہیں اور اکثر ٹاک شوز میں مسلم لیگ (ن) اور نواز شریف کے بھی بڑے دبنگ ترجمان ہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ پکے مفاد پرست ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ سیاسی طوائف' کا لفظ پہلی مرتبہ استمال ہوا ہے، ہوسکتا ہے پہلے بھی ہوا ہو، لیکن ' سوشل میڈیا پر 24 اکتوبر 2014ء کو پی ٹی آئی کے ایک حامی حاشر ابن ارشاد نے اپنے ٹویٹ میں جمیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان کو سیاسی طوائف لکھا تھا۔

مفاد پرست کب نہیں ہوتے اور کہاں نہیں ہوتے ہر وقت ہوتے ہیں اور ہر جگہ ہوتے ہیں ۔ ان ہی مفاد پرستوں کے لیے ہم لوٹے کا لفظ استمال کرتے ہیں ، یہ ہی لوٹے اپنے مالکان کو جو ان کے سیاسی سربراہ بھی ہوتے ہیں اُن سے زیادہ سے زیادہ اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے مخالف سیاسی جماعتوں کے سربراہوں پر مختلف الزام لگاتے ہیں اور اُن کی پارٹی کے رہنماوں کو بیہودہ نام دیتے ہیں جیسے "سیاسی طوائف یا بھنگی"، اگر یہ رسم چل ہی نکلی ہے تو یہ بات شوکت یوسفزئی کو ضرور معلوم ہوگی کہ اگر مسلم لیگ ن) میں سیاسی طوائف اور بھنگی موجود ہیں تو تحریک انصاف میں بھی موجود ہیں۔) شوکت یوسفزئی کو عمران خان نے پاکستان آرمی کے بچوں کے چہلم کے موقعہ پر اُنکے ایک بیان کے سبب محفل

سے باہر نکال دیا تھا۔ ایک اور پروگرام میں جب پرانے کلپ چلائے گئے تو دانیال عزیز بوکھلا گئے کیونکہ یہ اُنکے مفاد کے خلاف تھا، انہوں نے بڑی ہی سختی سے اس بات کی تردید کی کہ انہوں نے کبھی نواز شریف کے خلاف کچھ کہا ہے۔ پاکستان کی ہر اُس سیاسی جماعت میں جسکا ذرا بھی حکومت میں اور خاصکر مرکزی حکومت میں آنے کا چانس ہے اُس میں یہ مفاد پرست لازمی موجود ہیں۔ بہتر ہوگا کہ پارٹی سربراہان اپنے لوگوں کو تلقین کریں کہ وہ جب سیاست پر بات کر رہے ہوں تو شرفا کی طرح بات کریں کیونکہ سیاست مزدوروں، کسانوں اور غریبوں کے درمیان کی جاتی ہے اور ٹاک شوز عام طور پر گھروں میں دیکھے جاتے ہیں، کسی طوائف کے کھوٹے پر نہیں جہاں بازاری زبان بولی جاتی ہے۔ مفاد پرست پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں لیکن پہلے والے مفاد پرست کم از کم اسقدر گری ہوئی زبان استمال نہیں کرتے تھے، ہاں اپنا مفاد ضرور سامنے رکھتے تھے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی پہلی حکومت تھی، ذوالفقار علی بھٹو ملک کے وزیر اعظم تھے۔ مفاد پرست دھڑا دھڑ پیپلز پارٹی میں شامل ہو رہے تھے، جو بھی شامل ہوتا وہ یہ اعلان ضرور کرتا کہ وہ اپنے سینکٹروں یا ہزاروں ساتھیوں کے ساتھ پیپلز پارٹی میں شامل ہو رہا ہے۔ ابھی ٹی وی ہر گھر میں موجود نہیں تھا اس لیے ریڈیو کی افادیت باقی تھی۔ ریڈیو پاکستان سے روزانہ صبح کو ایک پروگرام "صبح نو" آیا کرتا تھا، اُسکا اناونسر پہلے کوئی واقعہ سناتا پھر کوئی

گانا سنواتا۔ ایک دن اناونسر نے ایک واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ " ایک اخبار کے دفتر میں ایک صاحب آئے اور اخبار کے ایڈیٹر کو ایک پرچہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ خبر چھپوانی ہے۔ پرچے میں لکھا ہوا تھا کہ 'تابش دہلوی کو صدمہ، کل رات جناب تابش دہلوی کی خوشدامن صاحبہ کا انتقال ہوگیا'، 'جناب تابش دہلوی جو ایک اچھے شاعر بھی ہیں اب تک اُنکی شاعری کے چار مجموعے شایع ہوچکے ہیں'، 'جناب تابش دہلوی اپنے ہزار ساتھیوں کے ساتھ پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہوگے ہیں'۔ اخبار کے ایڈیٹر نے کہا جناب اس میں تو تین خبریں ہیں آپ کونسی خبر شایع کروانا چاہتے ہیں؟ تابش دہلوی نے پوچھا فائدہ کس میں ہے؟ ایڈیٹر نے جواب دیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہونے والی خبر میں، تابش دہلوی جھٹ سے بولے تو پھر وہ ہی چھاپ دیں "۔ اس کے ساتھ ہی اناونسر نے کہا کہ " ملکہ ترنم نوجہاں کی آواز میں ایک گانا سنیئے "۔

گیتا اپنے وطن بھارت واپس چلی گی

پندرہ سال قبل غلطی سے سمجھوتا ایکسپریس کے زریعے سرحد عبور کرکے لاہور، پاکستان آنے والی گیتا (فرضی نام) پیر 26 اکتوبر 2015ء کو اپنے وطن بھارت واپس چلی گی۔ گیتا نے یہ تمام عرصہ کراچی کے ایدھی ہوم میں گذارا، جہاں محترم عبدالستار ایدھی اور محترمہ بلقیس ایدھی نے اُسے بڑی محبت سے اپنے پاس رکھا۔ بولنے اور سننے سے محرومی کے سبب بھارتی لڑکی کا اصل نام معلوم نہیں ہوسکا، اس لئے ایدھی صاحب نے اُس کا فرضی نام گیتا رکھا تھا۔ بھارت روانگی سے قبل گیتا نے اپنے مخصوص انداز میں پاکستانیوں کا شکریہ ادا کیا۔ گیتا جب پاکستان کے شہر کراچی سے اپنے وطن بھارت پہنچی تو نئی دہلی ایئرپورٹ پر گیتا اور ایدھی فاؤنڈیشن کا شاندار استقبال کیا گیا۔ بھارتی وزیر خارجہ سشما سوراج نے کہا ہے کہ گیتا کی دیکھ بھال پر پاکستانی حکومت اور ایدھی کے شکر گزار ہیں، پاکستان نے گیتا کو پندرہ سال تک اپنی بیٹی کی طرح رکھا۔ ابتدائی خبروں کے مطابق گیتا نے اُن لوگوں کو پہچاننے سے انکار کردیا ہے جو اُس کے والدین ہونے کے دعویدار ہیں جس پر اب فیصلہ ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے کیا جائیگا کہ یہ لوگ اُس کے خاندانی افراد ہیں یا نہیں۔ بھارتی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق بھارتی وزیر خارجہ سشما سوراج نے میڈیا کو بتایا کہ گیتا اپنے خاندان کے افراد کو نہیں پہچان

سکی اور اب بھارتی حکومت ڈی این اے ٹیسٹ کرائے گی انہوں نے بتایا کہ مختلف ریاستوں کے چار خاندان گیتا کو اپنی اولاد بتاتے ہیں۔ ہر پاکستانی دعا گو ہے کہ گیتا کو جلد از جلد اُسکے والدین مل جایں۔

بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے طویل عرصہ ایک بھارتی لڑکی گیتا کو پناہ دینے اور اسے بحفاظت بھارت پہنچانے کے لئے ایدھی فاونڈیشن کے روح رواں محترم عبدالستار ایدھی کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ نئی دہلی میں ایدھی فاونڈیشن کے وفد کے ہمراہ گیتا سے ملاقات کے دوران انھوں نے ایدھی فاونڈیشن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک کروڑ بھارتی روپے کا ایدھی فاونڈیشن کے لیے عطیہ کا اعلان کیا۔ انھوں نے کہا کہ عبدالستار ایدھی جیسے انسان آج کل کے اس مادی دور میں امید کی ایک کرن ہیں اُن کی بے لوث اور فلاحی کاموں کی بدولت بھارتی عوام انہیں سلام پیش کرتے ہیں۔ نریندر مودی نے گیتا کو بھارت بجھوانے کیلئے بھرپور تعاون کرنے پر پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف کا بھی شکریہ ادا کیا۔

پاکستان میں ایدھی فاونڈیشن کے فیصل ایدھی نے بھارتی وزیر اعظم کی جانب سے ایدھی فاونڈیشن کو دیئے گئے ایک کروڑ روپے شکریہ کے ساتھ قبول کرنے سے معذرت کرلی۔ فیصل ایدھی کا کہنا تھا کہ ایدھی فاونڈیشن حکومتوں سے پیسے

نہیں لیتی، نریندر مودی، ایک کروڑ روپے ایدھی فاونڈیشن کو دینے کے بجائے اپنے ملک میں گونگے، بہرے افراد پر خرچ کریں تو خوشی ہو گی۔ ایک بھارتی شہری عرفان شکور نے فیصل ایدھی کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ایدھی صاحب کو چاہئیے تھا کہ یہ خطیر رقم لے کر انڈیا کے کسی رفاعی ادارے کو دے دیتے۔ بھارتی شہری عرفان شکور شاید یہ نہیں جانتے کہ ایدھی صاحب نے ہمیشہ سے ایک اصول بنایا ہوا ہے کہ روڈ پر کھڑے ہو کر بھیک مانگ لی جائے لیکن کسی بھی حکومت سے کچھ نہ لیا جائے، اور بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کی پیشکش کو قبول نہ کرکے انہوں نے وہی کیا ہے جو اُنکا اصول ہے۔ اگر ایک منٹ کے لیے عرفان شکور کے مشورے کو مان لیا جاے تو پھر بھارتی وزیر اعظم سے یا بھارت سرکار سے ایک کروڑ روپیہ لینے والے ایدھی صاحب ہونگے بھارتی رفاعی ادارے نہیں۔

بھارت نے اپنی بیٹی گیتا کی وطن واپسی پر پاکستان کا شکر گزار ہونے کے ساتھ تحفے میں پاکستان کو اس کا پندرہ سالہ بیٹا رمضان لوٹانے کا فیصلہ کیا ہے۔ بھارتی وزیر اعظم نے رمضان کی بند فائل دوبارہ کھول دی ہے اور پاکستان بھیجنے کے اقدامات شروع کردیے ہیں۔امید ہے کہ رمضان جلد ہی پاکستان میں ہوگا۔ بھارتی اخبار "ٹائمز آف انڈیا" کے مطابق " بھارت نے گیتا کی پندرہ سال بعد وطن واپسی پر پاکستان کو تحفے میں کراچی کے پندرہ سالہ رمضان کو

پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کیا کہ جو دس سال کی عمر میں اپنی ماں کی تلاش میں غلطی سے بھارت چلا گیا تھا اور پاکستانی شناخت نہ ہونے کی وجہ سے پانچ سال سے ایک بھارتی شیلٹر ہوم میں ہے۔ تاہم، گیتا کی پیشرفت کے بعد، پاکستان کے جذبہ خیر سگالی کے جواب میں وزیر اعظم کے دفتر نے رمضان کے معاملے کی فائل کو دوبارہ کھول دیا ہے۔ وزیر اعظم آفس کے کنسلٹنٹ آشوتوش شکلا سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے بھی اس پیش رفت کی تصدیق کر دی، اُنکا کہنا تھا کہ ہم سب کو پاکستان کا شکر گزار ہونا چاہیے"۔

ہم پاکستانی بھی بھارت سرکار کے شکرگذار ہیں کہ گیتا کے بھارت پہنچنے کے بعد ایک پاکستانی بچے رمضان کو پاکستان بھیجنے کی کاروائی شروع کردی گی ہے، اگر بھارت سرکار اس خیر سگالی کے جذبے کو تھوڑا سا اور وسیع کرلے اور رمضان کے ساتھ ساتھ اُن بے گناہ پاکستانیوں کو جو بھارت کی جیلوں میں قید ہیں رہا کرکے واپس پاکستان روانہ کردئے تو وہ پاکستانی خاندان بھی بھارت کے شکرگذار ہونگے جنکے پیارے ایک عرصے سے بھارت کی جیلوں میں ہیں۔ ہم پاکستانی گیتا کے لیے نیک تمنایں رکھتے ہوئے یہ امید کرتے ہیں کہ بولنے اور سننے سے محرومی کے باوجود بھارتی لڑکی گیتا بھارت میں پاکستان کی طرف سے امن کی سفیر ثابت ہوگی۔ پوری پاکستانی قوم محترم عبدالستار ایدھی اور محترمہ بلقیس ایدھی اور اُنکے ادارئے کے بے انتہا شکرگذار ہیں جو دن رات انسانیت کی خدمت کررہے ہیں۔

اللہ تعالی ایدھی صاحب کو صحت اور تندرستی دے، کل رات ہی میں سوچ رہا تھا کہ
کسی دن ایدھی صاحب کے ساتھ روڈ پر کھڑے ہو کر بھیک مانگوں، دیکھنا چاہتا ہوں کہ
ایک کروڑ روپے کی رقم کے لیے منع کرنے والے ایدھی صاحب کو عام لوگوں سے دس،
بیس یا سو روپے لیکر کیا مزا آتا ہے۔

عمران خان اور ریحام خان کا شادی ڈرامہ

جمعہ 30 اکتوبر 2015ء کو پاکستان تحریک انصاف کے ترجمان نعیم الحق نے میڈیا کو ایک بیان جاری کیا جس میں اُنکا کہنا تھا کہ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اور ریحام خان کے درمیان طلاق ہو گئی ہے۔ عمران خان کی بہنوں نے بھی اس خبر کی تصدیق کردی تھی۔ تحریک انصاف کے ترجمان نعیم الحق کا کہنا تھا کہ طلاق میں عمران خان اور ریحام خان کے خاندانوں کی مرضی شامل تھی۔ عمران خان اور ریحام خان کی شادی 7 جنوری 2015ء کو ہوئی تھی، دونوں کی شادی 9 ماہ 22 دن قائم رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی یہ خبر دنیا کی ایک بڑی خبر کی شکل میں امریکہ، یورپ اور ایشیا کے میڈیا میں بریکنگ نیوز کے طور پر بار بار نشر ہو رہی تھی۔ اور اسکے بعد ہی میڈیا پر عمران خان کا کیا ہوا ایک ٹویٹ نشر ہو رہا تھا جس میں عمران خان نے کہا تھا کہ "یہ میرے، ریحام اور ہمارے خاندان کے لیے بہت تکلیف دہ مرحلہ ہے۔ مالی ادائیگیوں سے متعلق رپورٹس اور قیاس آرائیاں جھوٹی اور شرمناک ہیں۔ میں ریحام خان کی دل سے عزت کرتا ہوں، تمام افراد سے گذارش ہے ہماری ذاتی زندگی کا خیال رکھیں۔ ریحام کا کردار، کام سے لگاؤ، غیر مراعات یافتہ طبقے کی مدد کے جذبے کا احترام کرتا ہوں"۔ (کیا جذبات ہیں آپکے خان صاحب زبردست، لیکن جن عورتوں کے شوہر اُنکی دل سے عزت کرتے ہیں اُنکو کبھی طلاق نہیں

دیتے) جبکہ برطانیہ میں موجود ریحام خان نے بھی ایک ٹویٹ میں طلاق کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ ہم دونوں نے راہیں جدا کرنے اور طلاق کا فیصلہ کرلیا ہے۔ عمران اور میں نے علیحدگی کا فیصلہ کرلیا۔

ہمارے ملک کی سیاست بہت بے رحم ہے، عمران خان کی طلاق کی خبر آنے کے فوراً بعد ہی تبصرے شروع ہوگئے، مسلم لیگ (ن) کے رانا ثنا اللہ نے اپنے تبصرے میں کہا کہ عمران خان کے ساتھ کسی کا بھی رہنا مشکل ہے، سیاسی تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ معاملہ نجی ضرور ہے لیکن عمران خان کے لوگوں کے لیے اپنے کارکنوں کو مطمئن کرنا مشکل ہوگا ۔ قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے عمران خان اور ریام خان کی طلاق پر تبصرہ کرتے ہوئے کہاہے کہ یہ صورتحال اس وقت بھی نظرآرہی تھی جب شادی ہوئی تھی، عمران خان کو سب جانتے ہیں کہ وہ مستقل مزاج نہیں ہیں، میں ہمیشہ کہتاآیا ہو ں کہ عمران خان میں مستقل مزاجی نہیں ہے، ایک خاتون کے ساتھ نکاح ہو اور کسی دباؤکے تحت طلاق ہوجائے یہ اچھی روایت نہیں۔ خورشید شاہ کا کہنا تھا کہ شادی کے وقت دعا کی تھی کہ یہ شادی کامیاب ہو جائے، مگر ایسا نہیں ہوسکا، سیاست دان پبلک پراپرٹی ہوتا ہے، طلاق سے پنجاب میں بلدیاتی الیکشن میں فرق پڑے گا۔ جبکہ عمران خان کی ٹویٹ کے جواب میں پیپلزپارٹی کی رہنما شہلا رضا نے ٹویٹ کی کہ عمران خان اور ریحام خان کی طلاق سے افسوس ہوا ہے لیکن اگر یہ عمران خان

کا ذاتی معاملہ ہے تو پی ٹی آئی کا ترجمان کیوں اس خبر کا اعلان کر رہا ہے؟

تحریک انصاف کو اس وقت سب سے زیادہ جو شکایت ہے وہ یہ ہے کہ عمران خان کی ذاتی زندگی کو یوں بھرے بازار بحث کیا جا رہا ہے مگر شاید شکایت کرنے والوں اور خود عمران خان کو یہ یاد نہیں کہ اس شادی کا اشارہ سیاسی دھرنے میں دیا گیا تھا، یہ قطعی ذاتی نہیں۔اور ظلم یہ ہے کہ جب آپ شادی کے بندھن میں بندھ رہے تھے تو اس وقت ٹی وی واخبارات کی کوریج پر آپنے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، کیا یہ اس وقت ذاتی معاملہ نہیں تھا اور کیا یہ بہتر نہ تھا کہ شادی کی تقریبات کو ذاتی ہی رکھا جاتا۔ حالانکہ اس وقت سانحہ پشاور عوام کے ذہنوں میں تازہ ہی تھا آپنے اُسکا بھی قطعی خیال نہیں کیا۔ آپ نے ریحام خان کو قوم کی بھابھی بنا کر اُن کو تحریک انصاف کے حلقوں میں کوریج دلوائی اور اب طلاق کی صورت میں آپ بے لگام میڈیا کو اخلاقیات کا سبق دے رہے ہیں جس پر عمل کرنا میڈیا کے لیے کافی مشکل کام ہے۔

سینئر صحافی عارف نظامی وہ صحافی ہیں جنہوں نے عمران خان اور ریحام خان کی شادی سے تین مہینے قبل یہ دعویٰ کیا تھا کہ دونوں کے درمیان شادی ہو گئی ہے تاہم اس کی تردید آتی رہی 7 جنوری 2015ء کو عارف نظامی کی بات سچ ثابت ہوئی اور دونوں کی شادی کا اعلان کر دیا گیا۔ عارف نظامی نے جنوری 2015ء میں

اپنے ایک مضمون "عمران ریحام شادی اور میڈیا" میں لکھا تھا کہ "جب میں نے اوائل نومبر 2014ء میں ایک ٹیلی وژن پروگرام میں عمران خان کی شادی کی خبر بریک کی تو میڈیا میں خان صاحب کے بعض حواریوں کے علاوہ پی ٹی آئی میں بھی ہاہاکار مچ گئی۔ پی ٹی آئی کے جیالوں کے بنائے ہوئے بے نام ٹویٹر اکاؤنٹس کے ذریعے مجھے خوب برا بھلا کہا گیا اور یہاں تک کیچڑ اچھالا گیا کہ خان صاحب کی ریحام خان کے ساتھ شادی کی بے پر کی خبر نواز شریف کے ایماء پر اڑائی جارہی ہے کیونکہ میں بھی خدانخواستہ 'شریفوں کا تنخواہ دار' ہوں۔ دوسری طرف ایک چینل کے اینکر کو ریحام خان جو خود 'ڈان ٹی وی' کی اینکر تھیں انٹرویو کے لیے بلا کر خبر کی بالواسطہ تردید کرانے کی کوشش کی۔ اس پروگرام میں محترمہ کا ارشاد تھا کہ بعض بزرگ اینکرز ان مجھ جیسی نوجوان اینکرز کے آنے سے خوفزدہ ہیں کیونکہ اُن کی روزی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ خبر کی تردید کرنے کے بجائے انھوں نے محض یہ کہنے پر اتفاق کیا کہ وہ ایسی مکھیوں کو بائیں ہاتھ سے مار دیتی ہیں"۔

طلاق کی خبر آنے کے بعد سینئر صحافی عارف نظامی نے دعویٰ کیا ہے کہ دو روز قبل بنی گالہ میں عمران خان اور ریحام خان کے درمیان ایک لڑائی ہوئی تھی جس پہ ریحام خان نے عمران خان پر ہاتھ اٹھایا تھا خدشہ تھا کہ ریحام خان برطانوی خفیہ ایجنسی کی ایجنٹ ہے جو کہ عمران خان کو کھانے میں زہر دیکر

مارنا چاہتی تھی نجی ٹی وی کے پروگرام میں معید پیرزادہ نے عارف نظامی کے حوالے سے کہا کہ انہوں نے 22 ستمبر کو بتایا تھا کہ عمران خان اور ریحام خان کے اختلافات پوائنٹ آف نو ریٹرنڈ پر پہنچ چکے ہیں عمران خان اور ریحام خان کی شادی جلد ختم ہونیوالی ہے۔ عارف نظامی کے انکشافات جہاں میڈیا کی زینت بنتے وہاں عمران اور ریحام خان کی جانب سے اس کی تردید آتی رہی لیکن 29 اکتوبر کو طلاق کی خبریں آنے کے بعد عمران خان اور ریحام خان نے ان انکشافات کی خود تصدیق کردی۔ سیاسی پارٹیوں کی طرف سے فی الحال منفی تبصرے اُنکے رہنماوں کی ہدایت کی وجہ سے نہیں ہورہے ہیں لیکن میڈیا کو کون روکے گا جسکے لیے یہ خبر انکی آمدنی بڑھانے کے لیے بہت اہم ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھ رہا ہے کہ عمران خان اور ریحام خان کی طلاق ایک عام بات ہے اور یہ اُن کا ذاتی مسلہ ہے اور تحریک انصاف اور پاکستان کی سیاست پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑے گا تو وہ صرف حالیہ سندھ اور پنجاب کے بلدیاتی انتخابات کے نتایج کو دیکھ لے اُسکو خود معلوم ہوجائے گا کہ کیا اثر پڑا ہے اور تحریک انصاف سیاست کی سیڑھی پر کسقدر نیچے آگی ہے۔ اس طلاق کا یہ اثر ہوا ہے یا ہوگا کہ پاکستان میں ایک جماعتی حکومت وجود میں آگی ہے اسوقت مسلم لیگ (ن) کی حکومت کو کسی بھی اپوزیشن کا سامنا نہیں، کیونکہ پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ آصف زرداری خود ملک سے فرار ہیں، سندھ جہاں پیپلز

پارٹی کی صوبائی حکومت قائم ہے وہاں وزیر اعلیٰ سے لیکر نچلے درجے کے سرکاری ملازموں سمیت سب کے سب بدعنوان ہیں لہذا وہ فوج کے ڈر سے دبکے ہوئے ہیں۔ ایم کیو ایم خود اپنے رہنما الطاف حسین کے بیانات کی وجہ سے عتاب میں ہے اور اُسکے ممبران استعفی دیکر قومی اور صوبائی اسمبلیوں سے باہر ہیں، جبکہ تحریک انصاف کے کافی ممبران عمران خان سے باغی ہیں، باقی جو ہیں وہ راتب نواز شریف سے لے رہے ہیں اس لیے اب مسلم لیگ (ن) کی قیادت آزاد ہے کہ جہاں اور جب چاہے ترقی کے نام پر کرپشن کرے، جتنے چاہے مزید نندی پور پاور پراجیکٹ جیسے منصوبے بنائے اور لوٹ مار کرے۔

کرکٹر سے سیاستدان بننے والے عمران خان کے بارے میرا یہ بڑا پختہ خیال ہے کہ وہ کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے اُس پر کوئی ہوم ورک نہیں کرتے چاہے وہ کام اُن کی "ذاتی زندگی" سے تعلق رکھتا ہو یا اُنکی سیاسی پارٹی "پاکستان تحریک انصاف" سے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اُنکی باتوں میں تضادات کی بھرمار ہوتی ہے، یقیناً ہم میں سے کوئی بھی اُنکے 126 دن کے ناکام دھرنے میں اُنکے مسلسل متضاد بیانات یا انتخابی دھاندلی سے جڑی اُنکی 35 پنکچر کی کہانی کو نہیں بھولا ہوگا۔ عمران خان نہ صرف سیاست بلکہ اپنی ذاتی زندگی کو بھی کرکٹ کی طرح سے چلارہے ہیں لیکن اُنکو معلوم ہونا چاہیے کہ کرکٹ کے فیصلے کرکٹ کے میدان میں ہی ہوتے ہیں اور فوراً ہی ہوتے ہیں، وہاں ہوم ورک

اور سوچ بچار کا وقت نہیں ہوتا جبکہ سیاست اور ذاتی زندگی کے فیصلے شطرنج کی بساط پر ہوتے ہیں، جہاں ایک چال چلنے کے لیے اگلی سولہ چالیں سوچنی پڑتی ہیں، جسکے لیے ہوم ورک اور سوچ بچار کا وقت موجود ہوتا ہے۔ افسوس عمران خان اور ریحام خان کے درمیان طلاق ہونے کے بعد یہ بات اور یقین میں بدل جاتی ہے کہ عمران خان نہ تو کوئی کام شروع کرنے سے پہلے کوئی ہوم ورک کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی سوچ بچار، بلکل ایسا لگ رہا ہے کہ پوری قوم عمران خان اور ریحام خان کا شادی ڈرامہ دیکھ رہی تھی جو اب ختم ہوگیا۔ ذاتی طور پر مجھے عمران خان اور ریحام خان کی طلاق کا بے انتہا افسوس ہے۔ عمران خان کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی ہے کہ آئندہ وہ کوئی بھی فیصلہ "ذاتی زندگی" یا اپنی سیاسی پارٹی "پاکستان تحریک انصاف" کے لیے کریں تو سوچ بچار ضرور کریں، ویسے بھی اب وہ 36 سال کے جوان نہیں بلکہ 63 سال کے بوڑھے ہیں۔

عمران خان اور انصاف کا نظام

ایک اخباری خبر کے مطابق چیف الیکشن کمشنر سردار رضا خان نے عمران خان کو ملاقات کے لیے وقت دینے سے معذرت کر لی۔ تحریک انصاف کے چیرمین عمران خان نے ملاقات کے لیے پانچ نومبر کی صبح کا وقت مانگا تھا تاکہ حلقہ این اے 122 کے ضمنی انتخابات میں دھاندلی اور بلدیاتی انتخابات سے متعلق اپنے تحفظات سے چیف الیکشن کمشنر کو آگاہ کر سکیں۔ چیف الیکشن کمشنر نے عمران خان کو مبینہ انتخابی دھاندلی کے شواہد تحریری طور پر جمع کرانے کی ہدایت کی ہے۔ چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے کہا گیا ہے کہ وہ آج سارا دن مختلف میٹنگز اور کورٹ سماعت میں مصروف ہونگے اس لیے عمران خان اور تحریک انصاف کی قیادت سے ملاقات آج (پانچ نومبر) ممکن نہیں ہے۔
گیارہ اکتوبر 2015ء کو قومی اور صوبائی اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے لیے الیکشن کمیشن آف پاکستان نے پاکستان تحریک انصاف کے تمام مطالبات منظور کر لیے تھے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سابق گورنر پنجاب چوہدری سرور، حلقہ این اے 122 کے امیدوار علیم خان اور تحریک انصاف کی ٹیم نے بھرپور محنت کی تھی، اور اگر صرف پانچ فیصد ووٹ اور ڈال دیے جاتے تو شاید نتیجہ علیم خان کے حق

میں ہوتا، یہ بات طے ہے کہ مسلم لیگ (ن) اور اُسکی حکومت بوکھلا گئی تھی اور اگر کہیں علیم خان کی جگہ عمران خان خود ایاز صادق کے مقابلے میں ہوتے تو ایاز صادق کا جیتنا تقریباً ناممکن ہوتا۔ جیسے جیسے انتخابات کا دن قریب آرہا تھا تحریک انصاف کی ٹیم کا اعتماد بڑھ رہا تھا، چوہدری سرور بے انتہاپُراعتماد تھے جبکہ پاکستان مسلم لیگ (ن) جو ہمیشہ اس حلقہ سے جیتی رہی ہے بوکھلاٹ کا شکار ہو گئی تھی کیونکہ مسلم لیگ (ن) اور اس کی قیادت اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ تحریک انصاف حلقہ این اے 122 میں کامیابی کی صورت میں مئی 2013ء کے پورے انتخابی عمل کو دھاندلی زدہ قرار دے کر نئے انتخابات کا مطالبہ کرنے میں زرا بھی دیر نہیں کرے گی۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کے مطابق عمران خان تو انتخابی مہم کے لئے آزاد تھے لیکن نواز شریف یا شہباز شریف کو اجازت نہیں تھی۔ تحریک انصاف کی انتخابی مہم بھرپور محنت اور عمران خان کے جلسوں کے جواب میں سردار ایاز صادق کی مہم کی قیادت حمزہ شہباز شریف کر رہے تھے جبکہ خواجہ سعد رفیق، عابد شیر علی، ماروی میمن اور سرکاری مشنری بھی ایاز صادق کی مہم کا حصہ تھے۔

گیارہ اکتوبر 2015ء کو لاہور کے حلقہ این اے 122 کے ضمنی انتخابات کی انتخابی مہم کے دوران پاک فوج نادانستہ طور پر اہم کردار اختیار کر گئی تھی۔ پاکستان مسلم لیگ ن) اور پاکستان تحریک انصاف کے دونوں امیدواروں نے اپنی)

انتخابی مہم کے دوران جنرل راحیل شریف کی مقبولیت کا فایدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کی، مسلم لیگ (ن) اور پاکستان تحریک انصاف عوامی مہم کے ذریعہ خود کو اسٹیبلشمنٹ موافق ثابت کرنے کی کوشش کرتی نظر آرہی تھیں۔ ایاز صادق کی ایک غیرایڈٹ شدہ ویڈیو سوشل میڈیا پر اَپ لوڈ کی گئ جس میں وہ فوج کے نام پر ووٹرز سے حمایت مانگ رہے تھے۔ اس پیغام میں ایاز صادق مسلم لیگ (ن) کے ترقیاتی کاموں کی نشاندہی اور آپریشن ضرب عضب و کراچی آپریشن میں کامیابیوں کو بیان کرتے ہوئے رائے دہندگان سے کہتے ہیں کہ اگر وہ فوج کی حمایت کرتے ہیں تو انہیں ووٹ دیں، اُن کے پیغام کا اختتام ان الفاظ پر تھا "افواج پاکستان کا ساتھ دیں، پی ایم ایل (ن) کا ساتھ دیں"۔

تحریک انصاف کی طرف سے ایک پوسٹر جگہ جگہ لگایا گیا جس میں آرمی چیف جنرل راحیل شریف کو بنیادی اہمیت دی گئ تھی، پوسٹر میں جنرل راحیل شریف کی تصویر نمایاں تھی اور عمران خان و علیم خان آرمی چیف کے شانہ بشانہ موجود تھے۔ اس پوسٹر نے اینکرز اور تجزیہ کاروں میں بحث مباحثہ شروع کر دیا اور ایسی پبلسٹی کے ذریعہ فوج کو سیاست میں گھسیٹنے پر سوالات اُٹھنا شروع ہو گئے۔ جب ایاز صادق کے ویڈیو پیغام اور علیم خان کے پوسٹر پر زیادہ تنقید ہوئی تو دونوں امیدواروں نے یہ کہہ اپنی جان چھڑا لی کہ یہ ہمدردوں اور کارکنوں نے کیا ہے ہم نے نہیں۔

انتخابات سے صرف ایک دن پہلے وزیر اعظم نواز شریف خود لاہور میں موجود تھے، قانونی طور پر تو نہیں لیکن اخلاقی طور پر یہ غلط تھا، بہانہ تھا اورنج لائن ٹرین اور دیگر ترقیاتی منصوبوں کے حوالے سے میڈیا سے بات چیت جو ڈھائی گھنٹے جاری رہی۔

پاکستان تحریک انصاف کے مطابق این اے 122 میں انتخابی مہم ختم ہونے کے بعد شریف برادران کی یہ خاموش مہم تھی۔ سماجی رابطے کی ویب سائٹ ٹوئٹر پر تحریک انصاف کی جانب سے رد عمل میں کہا گیا تھا کہ پی ٹی آئی حکومت اور الیکشن کمیشن کے درمیان شرمناک گٹھ جوڑ کی مذمت کرتی ہے۔ ٹوئٹس میں مزید کہا گیا تھا کہ الیکشن کمیشن پنجاب کے رکن جسٹس (ر) کیانی یا تو اپنی روش تبدیل کریں یا لوگوں کی جانب سے احتساب کے لئے تیار رہیں۔ 11 اکتوبر کو مقابلہ آگے پیچھے چلتا رہا اور آخر میں ایاز صادق نے ڈھائی ہزار ووٹوں سے علیم خان پر برتری حاصل کرلی۔ ضمنی انتخاب کے سارے عمل کی نگرانی فوج نے کی تھی۔ سی سی ٹی وی کیمرے بھی کام کرتے رہے۔ تحریک انصاف نے اپنے ہزاروں کارکنوں اور وکیلوں کے ذریعے اس انتخابی عمل کی شروع سے آخر تک نگرانی بھی کی۔

ایسا لگتا ہے کہ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان صرف احتجاج کو ہی اصل سیاست سمجھتے ہیں، اب حلقہ این اے 122 کے نتیجہ کے بعد وہ پھر دھاندلی کا شور مچا رہے ہیں۔ عمران خان کے تمام مطالبے پورے ہونے کے باوجود علیم خان

ہار گئے تو عمران خان نے ووٹر لسٹوں میں ردوبدل کا الزام لگادیا جبکہ ان ہی ووٹر لسٹ سے پی پی 147 کی سیٹ پر تحریک انصاف کے شعیب صدیقی جیتے ہیں۔ الیکشن کمیشن اس کا جواب دے چکا ہے، لیکن سابق گورنر چوہدری سرور کی زیر قیادت پی ٹی آئی کی ایک ٹیم ووٹر لسٹوں کی تحقیقات کر رہی ہے۔ حلقہ این اے 122 کے انتخابات کے بعد لاہور کے علاقے گڑھی شاہو میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے عمران خان کا کہنا تھا شعیب صدیقی کی جیت سے ثابت ہوگیا کہ 2013ء الیکشن کے دوران دھاندلی ہوئی تھی، قومی اسمبلی کی ایک سیٹ سے کیا فرق پڑتا ہے، تحریک انصاف نے حلقہ این اے 122 سے جیت کر کونسا معرکہ سر کر لینا تھا لیکن ہمارااصل مقصد انصاف کا نظام لانا ہے۔ حلقہ این اے میں دھاندلی کے ثبوت ایک ہفتے کے اندر دیں گے، ووٹوں کی منتقلی کی تحقیقات کے 122 بعد احتجاج کا فیصلہ کریں گے۔ علیم خان ہار کر بھی جیت گئے۔ عمران خان کا کہنا تھا کہ لاہور میں مسلم لیگ (ن) کے قدم اکھڑ چکے ہیں، علیم خان کا مقابلہ سرکاری مشینری سے تھا۔ وزیر ریلوے حلقے میں موجود ریلوے کالونی میں کیا کر رہے تھے اور بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی چیئرپرسن ماروی میمن کی موجودگی بھی دھاندلی کا ثبوت ہے۔

گیارہ اکتوبر کو حلقہ این اے 122 کے ضمنی انتخاب میں ناکامی کے بعد اب عمران خان اس پوزیشن میں بھی نہیں رہے کہ 2015ء تو کیا 2017ء میں بھی انتخابات کا

مطالبہ کریں۔ 126 دن کے ناکام دھرنا ہی سیاسی خفت کے لیے کیا کم تھا کہ 2013ء کے عام انتخابات کی تحقیقات کرنے والے جوڈیشل کمیشن نے جولائی کے آخر میں اپنے فیصلے کا اعلان کیا اور پاکستان تحریک انصاف کے تینوں الزامات مسترد کر دیئے۔ اپنے فیصلے میں جوڈیشل کمیشن نے کہا ہے کہ انتخابات بعض بے ضابطگیوں کے باوجود قانون کے مطابق ہوئے اور منظم دھاندلی کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ تحریک انصاف اور عمران خان الزامات تو بہت لگا رہے تھے لیکن جب وقت آیا تو 35 پنکچروں سمیت بہت سارے الزامات جوڈیشل کمیشن کے سامنے لائے ہی نہ گئے۔ بقول عمران خان کہ یہ سب سنی سنائی باتیں تھیں جن کا کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔ گزشتہ ڈھائی سال سے عمران خان کی پوری سیاست 2013ء کے انتخابات میں مبینہ دھاندلی کے گرد ہی گھومتی رہی ہے۔

عمران خان جو پہلے 2014ء اور پھر 2015ء میں انتخابات کا اعلان کرتے رہے ہیں، اب ایک ٹی وی چینل پر یہ فرمارہے تھے کہ انتخابات تو 2018ء میں ہوں گے۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہ آئندہ ڈھائی تین سال تک خیبر پختونخوا کو اپنی تمام تر توجہ کا مرکز بنائیں گے، اور صوبے میں ایک ارب درخت لگایں گے، تاکہ خیبر پختونخوا کو 2018ء کے انتخابات میں باقی تین صوبوں کے سامنے ماڈل کے طور پر پیش کر سکیں۔

ایک ارب درخت لگانے کی سوچ اچھی ہے لیکن ایک اخبار نویس نے کیلکولیٹر پر حساب لگایا اور بتایا کہ تین برس میں ایک ہزار پچانوے دِن ہوتے ہیں، اس

حساب سے روزانہ 9 لاکھ 13 ہزار 247 درخت لگانے پڑیں گے (فی گھنٹہ 38 ہزار درخت)۔ کیا عملاً یہ ممکن ہوگا؟ جبکہ خیبر پختونخوا کے صحافیوں کا کہنا ہے کہ اُن کے 52 صوبے میں ترقیاتی کاموں کے حوالے سے دکھانے کے لئے عملاً کچھ بھی نہیں اور کرپشن نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی کام ہوگا تب کرپشن ہوگی۔ جہاں ستر فیصد فنڈ استمال ہی نہ کیے گے ہوں، وہاں کرپشن کتنی ہوگی؟ مسلم لیگ (ن) کی قیادت اور رہنماوں کو عمران خان کا شکرگذار ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ناکام پالیسیوں اور عوام میں مشکلات بڑھانے کے باوجود صرف عمران خان کی گذشتہ ڈھائی سال کی سیاست اور تحریک انصاف کی کمزور اپوزیشن کی وجہ سے مضبوط حکمراں بنے بیٹھے ہیں، پیپلز پارٹی اور باقی سیاسی جماعتیں کرپشن اور اپنی لیڈرشپ کی غلط پالیسوں کی وجہ سے اپنے وجود کو بچانے میں مصروف ہیں، اسلیے حکمرانوں کو اس وقت اگر کسی سے خوف ہے تو وہ تحریک انصاف ہی ہے۔ اور یہ خوف جب ہی قایم رہ سکتا ہے جب تحریک انصاف ایک فعال اپوزیشن کا کردار ادا کرتے ہوئے حکومت کی خراب کارکردگی کو اپنا نشانہ بنائے، تحریک انصاف حکومت کو یاد دلائے کہ وہ عوام سے کیا وعدئے کرکے اقتدار میں آئی ہے۔

تحریک انصاف اور عمران خان کے پاس اب صرف دو سال کا وقت بچا ہے کچھ کرنے کے لیے، اب بھی موقع ہے کہ عمران خان اور اُنکے ساتھی قومی اسمبلی کے

اجلاسوں میں شرکت کریں اور ایک بھرپور اپوزیشن کا کردار ادا کریں، جبکہ دوسری طرف وہ اور اُنکے ساتھی صوبہ خیبر پختون خواہ کے عوام کے مسائل حل کرکے اپنے وعدوں کے مطابق عام عوام کی زندگی میں تبدیلی لے کرآیں، کسی جلسے میں یہ کہہ دینے سے عوام کی زندگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تبدیلی آگید ہے جبتک حقیقی تبدیلی نہ آجائے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب تحریک انصاف اس طرف دھیان دئے۔ تحریک انصاف اور عمران خان کا شروع سے ہی یہ کہنا ہے کہ وہ ملک میں انصاف کا نظام لانا چاہتے ہیں، یہ پوری قوم کی خواہش بھی ہے لیکن دھاندلی کا شور مچانے سے انصاف کا نظام نہیں آئے گا۔

کامریڈ سراج الحق کو مفت کا مشورہ

مولانا مودودی کی ایجاد اسلامی جمیعت طلبہ جسے جماعت اسلامی کا بغل بچہ بھی کہا جاتا ہے کا رجحان شروع دن سے ہی شدت پسندی کی جانب رہا ہے۔ مولانا مودودی کے صاحبزادے حیدر فاروق مودودی کے بقول جب لوگوں نے مولانا مودودی سے اسلامی جمیعت طلبہ کی غنڈہ گردی کی شکایت کی تو مولانا کا فرمانا تھا کہ لوگ اپنے بچوں کو اسلامی جمیعت طلبہ کی مخالفت کرنے سے منع کریں ورنہ جمیعت سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ پاکستان میں عام طور وراثت کی سیاست ہوتی ہے، نواز شریف کے بعد اُس کا بیٹا یا بیٹی، زرداری کے بعد بلاول لیکن جماعت اسلامی میں وراثت کی سیاست کیوں نہیں ہوئی؟ اس سوال کے جواب میں حیدر فاروق مودودی کا کہنا ہے کہ ہمارے والد نے ہم نو بہن بھائیوں کو جماعت اور جمیعت سے ایسے ہی دور رکھا جیسے منشیات بیچنے والا منشیات کی پڑیاں گھر سے باہر چھوڑ کر آتا ہے، ہمارے والد کو پتہ تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور اُس کا ملک کو کس قدر نقصان ہوگا۔ حیدر فاروق مودودی کا مکمل انٹرویو اس لنک پر دیکھا جا سکتا ہے، جس میں اُس نے اسلامی جمیعت طلبہ کی غنڈہ گردی کو پوری طرح بے نقاب کیا ہے، انٹرویو کے دوران اس نے یہ بھی کہا کہ آج جماعت اسلامی پر اسلامی جمیعت طلبہ کا قبضہ ہے۔ (https://youtu.be/u3arxZObKDY)

جماعت اسلامی کے موجودہ امیر سراج الحق کا پرانا تعلق اسلامی جمعیت طلبہ سے ہے۔ اُنھوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم ایڈ کا امتحان پاس کیا۔ اسلامی جمعیت طلبہ میں مختلف ذمہ داریوں پر فائز رہے۔ تین سال تک ناظم صوبہ خیبر پختونخوااور پھر 1989ء سے 1991ء تک بطورِ ناظم اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ موجودہ امیر جماعت اسلامی سراج الحق کو میں ہمیشہ کامریڈ سراج الحق کہتا ہوں، کیونکہ جماعت اسلامی کے موجودہ امیر کو بھٹو بننے کا بہت شوق ہے، کبھی انقلاب لا رہے ہوتے ہیں، کبھی مزدوروں کے حقوق کی بات کرتے ہیں اور کبھی کسانوں کے حقوق کی اور تھوڑے عرصے پہلے تو وہ سرخ پگڑی میں لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر قلیوں کے ہمراہ نظر آئے۔ اگرچہ یہ ایک خوش آئند نظریاتی تبدیلی ہو سکتی تھی لیکن لگتا ہے کہ یہ سب محض بھٹو بننے کے شوق میں کیا جارہا ہے ورنہ جماعت اسلامی ہمیشہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی طرف دار رہی ہے۔ جیسے ہی بھٹو بننے کا شوق اترتا ہے تو سراج صاحب اپنی اصل سوچ، نظریے اور فکر کی جانب واپس آجاتے ہیں یعنی دہشت گردوں اور دہشت گردی کی حمایت۔ سرخ پگڑی والے کامریڈ سراج الحق اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے دوسرے رہبر فرید پراچہ، لیاقت بلوچ، منور حسن یا کوئی اور سب ایک ہی سوچ کے مالک ہیں۔ ان سب میں ایک بات مشترک ہے کہ یہ سب مذہب کے سوداگر ہیں اور دہشت گردوں کے حامی۔ ایک اور مشترک بات یہ بھی ہے کہ ماضی میں ان سب کا تعلق

اسلامی جمعیت طلبہ سے رہا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ آج کی جماعت اسلامی پر جمعیت کے دہشت گردوں' کا قبضہ ہے۔'

پاکستان میں مذہب کے نام پر اسلام کو جس قدر نقصان مذہبی سیاسی جماعتوں نے پہنچایا ہے اس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملے گی اور ان مذہبی سیاسی جماعتوں میں سرفہرست جماعت اسلامی ہے۔ اس کی ایک مثال 1970ء کے عام انتخابات ہیں جس میں جماعت اسلامی نے نعرہ لگایا تھا کہ "اسلام خطرے میں ہے" لیکن عوام نے جماعت کو مسترد کردیا تھا لیکن منافقین کا یہ ٹولہ اسلام کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے سے باز نہیں آتا۔ مذہب کی تجارت کرنے والی جماعت اسلامی اسلام کے نام پر سیاست، دہشت گردوں کی حمایت اور تعلیمی اداروں میں اپنی بنائی ہوئی طلبہ تنظیم "اسلامی جمعیت طلبہ" کے ذریعے اپنے مخالفین پر تشدد کرانے میں ملوث رہی ہے۔ لیاقت بلوچ سے لے کر آج تک پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ کی دہشت گردی اور غنڈہ گردی جاری ہے۔ ایک مرتبہ جماعت اسلامی کے اتحادی اور تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان بھی پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ کی دہشت گردی کا شکار ہوچکے ہیں جنہیں مار پیٹ کے بعد گریبان سے پکڑ کر یونیورسٹی سے باہر نکالا گیا تھا۔ القاعدہ کے اراکین اور طالبان پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ کے قبضہ کیے ہوسٹلوں میں پناہ لیتے رہے ہیں اور وہاں سے گرفتار بھی ہوئے ہیں۔

اسلامی جمعیت طلبہ کے اراکین نے 29 اکتوبر کی سہ پہر کراچی یونیورسٹی کے کیمپس میں کرکٹ کھیلنے والے طلبا و طالبات پر دھاوا بول دیا جس کے نتیجے میں ایک طالب علم زخمی ہوا ہے۔ تفصیلات کے مطابق کراچی یونیورسٹی کے بعض طلبا و طالبات کلاسز کے بعد اپنی سواریوں کی آمد تک وقت گزاری کے لیے کرکٹ کھیل رہے تھے جب اسلامی جمعیت طلبہ نے ان پر دھاوا بول دیا۔ اس واقعے میں جمعیت کے اراکین سے ساتھی طالبات کو بچاتے ہوئے ایک طالب علم زخمی ہو گیا تھا۔ جمعیت کے غنڈوں کی جانب سے ایک خاتون کا حجاب اتارنا اور تین طالبات کو طمانچے اور ڈنڈے مارنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ پکے دہشت گرد ہیں۔ موقع پر موجود طلبہ کے مطابق رینجرز اہلکاروں نے اسلامی جمعیت طلبہ کے چار اراکین کو گرفتار بھی کیا لیکن محض آدھے گھنٹے بعد انہیں رہا کر دیا۔ دو دسمبر 2015ء کو جامعہ کراچی میں اسلامی جمعیت طلبہ کی طرف سے جبری طور پر کرکٹ کھیلنے سے روکنے پر ایم کیو ایم کی طلبہ تنظیم "اے پی ایم ایس او" کی شعبہ طالبات نے احتجاجاً کرکٹ کھیل کر اس واقعے کے خلاف احتجاج ریکارڈ کروایا۔ اس موقعہ پر یونیورسٹی کی انتظامیہ اور صحافیوں کے درمیان تلخ کلامی کے بعد ہاتھا پائی ہوئی۔ لیکن اس دوران اسلامی جمعیت طلبہ کے دہشت گرد احتجاجاً کرکٹ کھیلنے والی طالبات سے دور رہے، البتہ اسلامی جمعیت طلبہ کے سیکرٹری اطلاعات ساجد خان نے طالبات کو ہراساں کرنے کی اطلاعات کی تردید کی

اور کہا کہ اس حوالے سے الزمات بے بنیاد ہیں۔ انہوں نے طالبات کو کرکٹ کھیلنے سے منع کرنے کی خبر کو بھی غلط قرار دیا۔

جماعت اسلامی کا ایک المیہ یہ رہا ہے کہ اسے ہمیشہ انتہائی نااہل اور کوتاہ اندیش قیادت میسر آئی ہے جس نے جماعت کو ملک میں سرگرم دہشت گرد گروہوں اور قدامت پسندوں کا غیر سرکاری اور غیر رسمی ترجمان بنا کر رکھ دیا۔ دہشت گردی کے باعث لوگ مرتے رہے، مساجد میں بم دھماکے ہوتے رہے لیکن سابق امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد اور سید منور حسن اسامہ جیسے عالمی دہشت گرد کی 'شہادت' کا ماتم کرتے رہے۔ سید منور حسن حکیم اللہ محسود کی موت کے عظیم سانحہ پر نوحہ کناں رہے۔ دہشت گرد تنظیم "جند اللہ" کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ اس کے موجد اسلامی جمعیت طلبہ کے اراکین ہی ہیں۔ لاہور، شکارپور اور کراچی کے دھماکوں کی ذمہ داری قبول کرنے والی تنظیم "جند اللہ" کا بانی شیخ عطاالرحمان جامعہ کراچی میں اسلامی جمعیت طلبہ کا رہنما تھا۔ عطاالرحمان سابق کور کمانڈر کراچی پر قاتلانہ حملہ کے جرم میں گرفتار ہوا اور انسداد دہشت گردی کی عدالت سے اُسے سزائے موت سنائی گئی تھی۔ پاکستان کے عوام یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور جماعت اسلامی دن بدن اپنی حمایت کھوتی رہی۔ قیادت بدلی لیکن جماعت کی سوچ اور پالیسی نہ بدلی۔ قوم ایک الگ سمت میں رواں دواں ہے، جماعت قوم کی امنگوں کے برعکس ایک مخصوص ملائی فکر کے حامل طبقات کو خوش کرنے میں

سرگرداں ہے۔

اسلامی جمعیت طلبہ کے دہشت گردوں کی کراچی یونیورسٹی کے کیمپس میں ابھی 29 اکتوبر کی دہشت گردی کی بازگشت جاری تھی کہ 6 نومبر 2015ء کو ٹیلنٹ ایکسپو کی اختتامی تقریب میں موجودہ امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے کہا کہ اگر آج قائد اعظم اور علامہ اقبال بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی اسلامی جمعیت طلبہ کا حصہ ہوتے کیوں کہ آج اسی تنظیم نے اُن کے نظریات کو زندہ رکھا ہوا ہے (یاد رہے کہ جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلی مودودی جناح اور مسلم لیگ کے مخالفین میں سے تھے)۔ ساتھ ہی سراج الحق نے وزیر اعظم نواز شریف کے حالیہ بیان پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک کو اسلام کی بنیاد پر بنایا گیا تھا اس کو لبرل کہنے کی کوشش کرنے والا بھی غدار کہلائے گا۔ سابق امیر جماعت اسلامی سید منور حسن نے 2013ء کے انتخابات کے موقعہ پر کراچی کے ایک جلسے میں کہا تھا کہ لبرل ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قائد اعظم اور علامہ اقبال شدت پسند تھے یا لبرل، اگر جواب یہ ہے کہ وہ دہشت گرد تھے تو پھر علامہ اقبال تو نہیں ہاں قائد اعظم مرنے سے پہلے اسلامی جمعیت طلبہ کا حصہ بن کر ایک دو دہشت گردی کی وارداتیں ضرور کرجاتے کیونکہ اسلامی جمعیت طلبہ کی پیدائش قائد اعظم کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی، لیکن پورا ریکارڈ چیک کیا تو پتہ چلا کہ قائد اعظم لبرل تھے دہشت گرد ہرگز

نہیں تھے۔ رہے علامہ اقبال تو وہ تو مولانا مودودی کی جماعت اسلامی کی پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے اسلامی جمعیت طلبہ تو بہت بعد کی بات ہے۔

لبرل کی آسان سی تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ وہ جو انتہا پسند نہیں ہیں اور جماعت اسلامی یا اُس کی عسکری تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کو ہم ہر گز لبرل نہیں کہہ سکتے کیونکہ دہشت گرد لبرل نہیں ہو سکتے۔ لبرل صرف بانی پاکستان محمد علی جناح کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کی بات کرتے ہیں اور اُس کی روشنی میں ریاست اور شہری کے درمیان تعلق چاہتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آج گیارہ سال بعد نواز شریف کی سوچ بدلی ہے اور وہ ایک لبرل کی طرح ملک کو چلانے کا کہہ رہے ہیں اس لیے کہ لبرل ایک جدید ترقی یافتہ اور معتدل ریاست کا خواب دیکھتے ہیں جو ایک دہشت گرد کبھی نہیں دیکھتا ہے کیونکہ وہ تو صرف تباہ کرنا جانتا ہے۔ آخر میں کامریڈ سراج الحق کو مفت کا مشورہ ہے کہ اسلامی جمعیت طلبہ کی غنڈہ گردی کو لگام دیں تو ملک اور قوم کی خدمت کے لیے یہی کافی ہوگا۔

کراچی کے بلدیاتی انتخابات

الیکشن کمیشن کے مطابق سندھ میں بلدیاتی انتخابات کے تیسرے مرحلے میں 5 دسمبر 2015ء کو کراچی کے 6 اضلاع میں 5 ہزار 548 امیدوار انتخابات میں حصہ لیں گے۔ 48 امیدوار بلامقابلہ منتخب ہو گئے۔ کراچی میں بلدیاتی انتخابات کے تیسرے مرحلے کے لیے 8 ہزار 2 سو 99 افراد نے کاغذات نامزدگی جمع کرائے جس میں سے اسکروٹنی اور دستبرداری کے عمل کے بعد 5 ہزار 548 امیدوار بلدیاتی انتخاب میں حصہ لیں رہے ہیں۔ الیکشن کمیشن کے مطابق ضلع جنوبی میں 9، ضلع ملیر میں 6، ضلع غربی میں 13، ضلع وسطی میں 18، ضلع شرقی میں 2 امیدوار بلامقابلہ منتخب ہو گئے ہیں جبکہ ضلع کورنگی میں کوئی امیدوار بلا مقابلہ منتخب نہیں ہوا۔ الیکشن کمیشن کے مطابق کراچی کے تمام اضلاع سے 2 ہزار 342 امیدواروں نے کاغذات نامزدگی واپس لیے ہیں۔

اگرچہ کراچی میئرشپ، بلدیاتی الیکشن تیسرے مرحلے میں ہوں گے لیکن سیاسی سرگرمیاں ابھی سے عروج پر ہیں، بلدیاتی انتخابات کے تیسرے مرحلے میں کراچی میں ہونے والے الیکشن پر تمام سیاسی جماعتوں کی نظریں مرکوز ہیں، بلدیاتی الیکشن کے لیے ایم کیو ایم، تحریک انصاف اور جماعت اسلامی نے امیدوار میدان

میں اتار دیئے ہیں، کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے تمام سیاسی جماعتوں کی جانب سے مضبوط اور نامی گرامی امیدواروں کو میدان میں اتارا گیا ہے۔ کراچی کی میئرشپ کا حصول ہر جماعت کی دلی آرزو ہے اس وجہ سے یہ ایک انار سو بیمار کا معاملہ بن چکا ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے رہنما وسیم اختر کو میئرشپ کے لئے ایم کیو ایم کا مضبوط امیدوار سمجھا جا رہا ہے، ایم کیو ایم کے ریحان ہاشمی اور زرین مجید ڈپٹی میئر کے امیدواروں کی فہرست میں شامل ہیں۔ جماعت اسلامی کراچی کے امیر حافظ نعیم الرحمان بھی میئرشپ کی دوڑ میں شامل ہیں جبکہ تحریک انصاف علی زیدی کو میئر کراچی کا امیدوار تصور کر رہی ہے۔ پیپلز پارٹی کی جانب سے کراچی ڈویژن کے صدر نجمی عالم کو میئر کا امیدوار نامزد کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف عوامی نیشنل پارٹی انتخابات میں تو.بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے تاہم اس کی جانب سے میئر کے لئے کوئی نام سامنے نہیں آ سکا ہے۔ اسی طرح سے مہاجر قومی موومنٹ کا کہنا ہے کہ وہ سیاست.برائے خدمت پر یقین رکھتے ہیں، عوام 5 دسمبر کو موم بتی پر مہر لگائیں۔

سیاسی بیانات اور سیاسی سرگرمیوں کے آغاز میں کراچی میں جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کے مشترکہ بلدیاتی امیدواروں نے مزار قائد کے سائے تلے امن وترقی ، پیار ومحبت اور ایمانداری سے شہر کراچی کی تعمیر نو کا حلف اٹھایا۔ امیدواروں سے حلف کراچی کی ایک بیٹی اور ایک اماں نے بھی لیا (جماعت اسلامی

کا نیا ڈرامہ)۔ امیر جماعت اسلامی کراچی نعیم الرحمان نے کہا کہ عوام کی خواہش پر تحریک انصاف اور جماعت اسلامی نے بلدیاتی انتخابات کیلئے اتحاد کیا ہے، کراچی امن وترقی کی راہ پر چل پڑا تو پاکستان کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ تحریک انصاف کراچی کے صدر علی زیدی نے امیدواروں کو ہدایت کی کہ وہ محنت اور ایمانداری کو اپنا شعار بنائیں۔ اس موقع پر امن کی علامت کے طور پر سفید غبارے اور کبوتر فضاء میں چھوڑے گئے جبکہ تقریب کا اختتام قومی ترانے پر ہوا۔ پنجاب کی 2664 نشستوں میں سے تحریک انصاف نے 285 اور جماعت اسلامی نے دو نشستیں حاصل کیں ہیں۔ سندھ کی ایک ہزار سے زیادہ نشستوں کے نتائج کے مطابق تحریک انصاف نے پانچ نشستیں جیتیں ہیں جبکہ جماعت اسلامی کا کہیں نام نہیں ہے۔

ایم کیو ایم کے سنئیر رہنما سید امین الحق نے کہا ہے کہ کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں ایم کیو ایم عوام کی بھرپور حمایت سے جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کی شراکت کو توڑ کر بے مثال کامیابی حاصل کرے گی، میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے سید امین الحق کا کہنا تھا کہ ایم کیو ایم تین دھائیوں سے بلدیاتی اور عام انتخابات کے موقع پر کراچی سے ہمدردی کا لبادہ اوڑھنے والوں کو شکست فاش سے دوچار کرتی آرہی ہے، اس بار بھی مشترکہ امیدواروں کی ضمانتیں عوام اسی طرح ضبط کرائیں گے جس طرح این اے246 کے ضمنی انتخابات میں

مخالفین کی ہوئی تھی، انہوں نے کہاکہ کنٹونمنٹ بورڈ کے انتخابات میں ایم کیو ایم نے شان دار کامیابی حاصل کی اور بلدیاتی انتخاب میں بھی اسے ماضی کے مقابلے میں ریکارڈ کامیابی حاصل ہوگی، اور مہمان امیدواروں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ بلدیاتی انتخابات میں متحدہ قومی موومنٹ آزادانہ طور پر انتخابات میں حصہ لے رہی ہے، جس کی کسی جماعت سے کوئی سیٹ ایڈ جسٹمنٹ نہیں ہوئی ہے۔ لگتا ہے ایم کیو ایم اور رینجرز کے درمیان ضرور کچھ معاملات طے پاگئے ہیں، اس لیے ہی ایم کیو ایم کے دفاتر بھی کھل گئے ہیں اور ایم کیو ایم آزادانہ طور پر انتخابات میں حصہ بھی لے رہی ہے۔

پاکستان تحریک انصاف کراچی کے صدر و عمران ٹائیگرز ریجنل (پی ٹی آئی کا باغی گروپ) کے صدر اشرف قریشی نے کہا ہے کہ پی ٹی آئی کو عارف علوی اور علی زیدی نے بلدیاتی الیکشن میں جماعت اسلامی کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔ جسٹس (ر) وجیہ الدین کے ٹریبونل کے فیصلے کے مطابق عارف علوی اور علی زیدی اب پی ٹی آئی کے عہدیداران نہیں رہے انہوں نے ذاتی مفادات کے لئے پی ٹی آئی کو چندہ پارٹی میں تبدیل کر دیا ہے۔ اشرف قریشی نے مزید کہا ہے کہ کراچی میں پہلی بار پی ٹی آئی کو مکمل طور پر جماعت اسلامی کے حوالے کر دیا گیا ہے جو کہ تحریک انصاف کی نظریاتی پوزیشن کو کمزور و مشکوک بنانے کے مترادف ہے۔ جبکہ عوامی نیشنل پارٹی سندھ کے جنرل سیکرٹری یونس خان بونیری

کا کہنا ہے کہ عوام موسمی پارٹیوں سے ہوشیار رہیں، پنجاب کے بلدیاتی الیکشن کے پہلے مرحلے میں مسترد شدہ عناصر اب کراچی میں اپنی کامیابی کے لیے بے ساکھیاں تلاش کر رہے ہیں۔ بونیری کے مطابق انشاء اللہ پانچ دسمبر کو بے ساکھیوں کے متلاشی اور مسلسل بائیکاٹ کرنے والوں کا سیاسی بستر گول ہوجائے گا۔

ابھی انتخابات ہونے میں وقت ہے کون جیتے گا اور کون ہارے گا یہ ہمیں 5 دسمبر 2015ء کی رات کو پتہ چلے گا لیکن ابھی صرف اتنا کہنا ہے کہ "سیاست اور سانپ سیڑھی کا کھیل ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ دونوں کھیل کے طریقے بھلے ہی الگ الگ ہوں، لیکن دونوں ہی کھیلوں میں نقصان کا اندیشہ اور فائدے کے امکانات بے شمار ہوتے ہیں۔ اسے کھیلنے والا کھلاڑی اپنی ایک صحیح چال سے فرش سے عرش تک جا سکتا ہے اور ایک غلط چال اسے عرش سے لاکر فرش پر پٹک سکتی ہے۔ صحیح چال سیڑھی سے اوپر لے جاتی ہے اور غلط چال سانپ کے منہ میں پھنس کر نیچے لے جاتی ہے"۔ پاکستانی سیاست میں جماعت اسلامی کو آپ امر بیل کہہ سکتے ہیں یہ جس سے چمٹ جاتی ہے اسے بانجھ کرکے ہی چھوڑتی ہے، کیا اتنی سی بات عمران خان کی سمجھ میں نہیں آرہی؟ اتحادی تحریک انصاف کے لیکن اسپیکر کے لیے ووٹ ایاز صادق کو اور بھی بہت سارے تضاد دیکھنے کے بعد بھی کیا گنجائش باقی بچتی ہے جماعت اسلامی سے کسی بھی سطح پہ اتحاد کرنے کی؟ تحریک

انصاف کو جو لوگ ووٹ ڈالنا بھی چاہ رہے تھے وہ بھی اب جماعت کی وجہ سے نہیں ڈالیں گے۔ امید ہے عمران خان این اے 246 کی ہار کو ابھی نہیں بھولے ہونگے، بہتر ہوتا کہ تحریک انصاف یا تو سیدھا سیدھا ایم کیو ایم کا مقابلہ کرتی یا پھر ان انتخابات میں حصہ ہی نہ لیتی، کیونکہ ان انتخابات کے بعد تحریک انصاف جو مسلسل سیاسی خسارے میں جارہی ہے مزید سیاسی خسارے میں چلی جائے گی۔ جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے اُسکی تو عادت ہے کہ ہر ہار کے بعد یہ اعلان ضرور کرتی ہے کہ اُسکے ساتھ بے ایمانی ہوئی ہے اور اگلے انتخابات میں وہ بھرپور کامیابی حاصل کرئے گی، جیسے وہ اسوقت کراچی کے انتخابات کے سلسلے میں کررہی ہے جبکہ پنجاب کی ہزاروں سیٹوں میں اسکا اسکور صرف دو ہے۔

پاکستان پیپلزپارٹی کے چیئرمین بلاول زرداری نے کہا ہے کہ بلدیاتی انتخابات میں اکثریت حاصل کرکے کراچی کو جیالا میئر دیں گے، بلاول زرداری نے مزید کہا کہ تاریخ گواہ ہے کہ جس نے پیپلزپارٹی کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی ہے اُس کو رسوائی اور ذلت ہی نصیب ہوئی ہے جبکہ پیپلزپارٹی پہلے سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوئی ہے۔ بلاول زرداری جب یہ بیان دے رہے تھے تو اُنکی پھوپھی ایم این اے فریال تالپور، وزیراعلی سندھ سید قائم علی شاہ، سینیٹر شیری رحمٰن، سینئر صوبائی وزیر نثار احمد کھوڑو، اراکین پارلیمنٹ اور پارٹی کے ضلعی عہدیداران بھی موجود تھے۔ بلاول کے اس بیان پر مجھے آج

بلاول کی ماں بینظیر بھٹو اور اُسکے نانا اور پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو بہت یاد آئے کیونکہ اگر وہ دونوں آج موجود ہوتے تو بلاول کو یہ ضرور بتاتے کہ پیپلز پارٹی کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے والے تمارے ساتھ بیٹھے ہیں۔ بلاول کی پھوپھی اور نانا کی عمر کے سید قائم علی شاہ بلاول کو یہ کیوں نہیں بتاتے کہ وقت بدل چکا ہے اور پیپلز پارٹی آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔ اور اگر آپ کو بھی نہیں پتہ کہ وقت کیسے بدلتا ہے تو کراچی میں پیپلزپارٹی کے گڑھ لیاری سے آنے والی یہ خبر پڑھ لیں۔۔۔۔۔۔۔۔

پیپلزپارٹی کو سیاسی تاریخ کا سب سے بڑا جھٹکا لگا ہے اور اسے اپنے گڑھ لیاری سے کئی" نشستوں پر کوئی امیدوار نہیں مل سکا۔ بلدیاتی انتخابات میں پیپلزپارٹی کو لیاری سے 7 یونین کمیٹی پر چیئرمین اور وائس چیئرمین کا کوئی امیدوار نہیں ملاجب کہ وارڈ کونسلر کی نشستوں پر کوئی جیالا میدان میں نہیں" ۔ 39

پھر بھی کہتے ہیں ۔۔۔۔زندہ ہے بھٹو زندہ ہے۔۔۔۔۔ زندہ ہے بی بی زندہ ہے۔۔۔۔

اگر ان دونوں میں سے کوئی آپکو مل جائے تو لیاری کی یہ خبر اُنکو ضرور سنا دیجیے گا۔ مجھے یقین ہے بھٹو اور بینظیر دونوں بہت روئیں گے۔

ضرورت ہے چار گدھوں کی

ابن انشاء اپنے ایک مضمون "ضرورت ہے ایک گدھے کی" میں لکھتے ہیں کہ "اے صاحبو! پاک وطن کے رہنے والو! دیکھو دوسرے ملکوں میں گدھے کی کتنی مانگ ہے۔ کتنی عزت ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ اپنے ملک کے گدھوں کی کماحقہ قدر نہیں کرتے۔ بعض لوگ تو گدھوں کو جو ہمارے ہاں ہر شعبہ زندگی میں بھرے ہیں تحقیر سے بھی دیکھتے ہیں اور اکثر تو گدھے گھوڑے کی تمیز بھی اٹھا دیتے ہیں۔ جاپان میں گدھے نہیں ہوتے۔ یہ گدھا چڑیا گھر میں رکھا جائے گا۔ جاپانی بچے اسے ذوق شوق سے دیکھیں گے اور پوچھیں گے کہ یہ کہاں پایا جاتا ہے؟ جواب ملے گا پاکستان میں۔ اور یوں وہ پاکستان سے روشناس ہو جائیں گے اور یاد رکھیں گے کہ پاکستان بھی ایک ملک ہے وہ ملک جس میں گدھے پائے جاتے ہیں۔ اور افراط سے پائے جاتے ہیں"۔ دوستو آج کچھ بات گدھوں کی ہو جائے لیکن اُن گدھوں کی ہرگز نہیں جن کی طرف ابن انشاء نے اشارہ کیا بلکہ بات ہو گی اُن گدھوں کی جنہیں امریکہ میں عقلمند اور ہمارے ہاں بیوقوف تصور کیا جاتا ہے۔

امریکہ کے صدارتی انتخابات میں اصل مقابلہ امریکہ کی دو بڑی سیاسی جماعتوں کے درمیان ہوتا ہے جن میں ایک ری پبلکن پارٹی ہے اور دوسری ڈیموکریٹک

پارٹی۔ ری پبلکن پارٹی جس کا انتخابی نشان "ہاتھی" ہے اس کے نظریات اور سوچ خالصتاً قدامت پسندی اور راسخ العقیدہ بنیادوں پر قائم ہے جبکہ ڈیموکریٹک پارٹی کی بنیاد روشن خیال، لبرل سوچ اور جمہوریت پسندی پر قائم ہے جس کا انتخابی نشان "گدھا" ہے۔ امریکہ کے موجودہ صدر بارک اوباما دو مرتبہ امریکی صدارتی انتخاب گدھے کے نشان پر ہی جیتے ہیں۔ گدھا ایک ایسا جانور ہے جو ساری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ دنیا کی سُپر طاقت گردانے جانے والے ملک امریکہ میں یہ عقل مند اور محنت کش جانور کی حیثیت سے جانا اور پہچانا جاتا ہے جب کہ برصغیر پاک و ہند اور دنیاکے ترقی پزیر ممالک میں گدھے کو احمق، نادان اور ایک بیوقوف جانور سمجھا جاتا ہے۔ گدھا ایک ایسا جانور ہے جو محنت اور سخت جانی کی علامت سمجھا جاتا ہے لیکن ہمارے معاشرے میں جو آدمی احمق ہو لوگ اُسے گدھے سے تشبیہ دیتے ہیں۔

امریکہ کی طرح پاکستان میں بھی گدھا کافی عرصے سے ہماری سیاست میں داخل ہے۔ اداکار رنگیلا اور سید کمال نے ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے میں ایک سیاسی فلم "انسان اور گدھا" بنائی تھی جس میں ہیرو کا کردار اداکار رنگیلے نے ادا کیا تھا۔ اس فلم پر پابندی بھی لگی تھی کیونکہ اس فلم میں رنگیلے نے گدھوں کے ہجوم کے سامنے بھٹو کے انداز میں تقریر کی تھی۔ مئی 2013ء کے انتخابات کے موقعہ پر رحیم یار خان میں اقلیتوں کی مخصوص نشست کے ایک امیدوار مہرا

ہنری بھیل نے اپنی پوری انتخابی مہم گدھا گاڑی پر چلائی۔ چک 54 کے رہائشی مہرا بھیل حلقہ پی پی 294 کے لیے سجی سجائی گدھا گاڑی پر ووٹ مانگنے نکلتے تو اُن کے ساتھ ڈھولچی بھی ہوتے تھے جو ڈھول بجا بجا کر گاؤں والوں کو مہرا بھیل کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ مہرا بھیل فخریہ یہ کہتے تھے کہ "وڈیرو گروپ" ملک کے غریب عوام کی حالت نہیں بدل سکتے۔ اگر میں منتخب ہو گیا تو اقلیتوں اور مسلمانوں سب کے مسائل حل کروں گا۔

پاکستان میں اقتصادی ترقی کی گنگا الٹی بہہ رہی ہے، جو شخص پرویز مشرف کے دور میں 37 ہزار روپے کا مقروض تھا اب ایک لاکھ روپے سے زیادہ کا مقروض ہے،ترقی تو ہوئی ہے، بس ذرا الٹی ہے، جاو سینے پر ہاتھ مار کر سب کو بتاو کہ ہم ہیں لکھ پتی مقروض قوم۔ وزیراعظم نواز شریف کی سربراہی میں موجودہ حکومت اکتوبر2013 سے ستمبر 2015 تک 7 ارب 62 کروڑ 35 لاکھ 70 ہزار ڈالر کا قرض لے چکی ہے جبکہ اسی عرصے میں 9 ممالک پاکستان کو 4ارب 13 کروڑ70 لاکھ15 ہزار ڈالر کی امداد بھی دے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ رواں سال جولائی سے اکتوبر کے دوران بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کی جانب سے ساڑھے 6 ارب ڈالر وطن بھیجے گئے۔ اسٹیٹ بینک کے مطابق ساڑھے 6 ارب ڈالر کی یہ رقم گزشتہ سال کے اسی عرصے میں بھیجی گئی رقم سے 5 فیصد زیادہ ہے۔ لیکن اس قرضے، امداد اور اپنے بھائیوں کے بھیجے ہوئے کثیر زرمبادلہ کے باوجود آبادی کی اکثریت بنیادی سہولتوں سے

محروم ہے۔ ملک کی 65 فیصد آبادی غربت یا غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہی ہے، پینے کا صاف پانی، صحت اور تعلیم ملک کی کثیر آبادی کو میسر نہیں۔ بھوک سے لڑتے ہوئے پاکستانی عوام ایک ایسے استحصالی اور شرمناک نظام میں زندہ رہنے پر مجبور ہیں، جہاں اُنہیں آئی ایم ایف، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ملک کے وسائل پر قابض گروہ نے زندہ درگور کر رکھا ہے۔ نہ علاج کرانے کے لیے پیسے ہیں اور نہ پیٹ بھرنے کا کوئی مستقل سہارا۔

لیکن ہو سکتا ہے کہ گدھوں کی بدولت پاکستانی عوام کے حالات تبدیل ہو جائیں۔

پاکستان میں گدھوں کی آبادی 2013ء تک 49 لاکھ تھی جو 2015ء میں بڑھ کر 50 لاکھ تک جا پہنچی ہے۔.برائے مہربانی اب آپ یہ نہ سمجھ لیجیے گا کہ اب تک کے تینوں بجٹ ان ایک لاکھ گدھوں میں کسی ایک نے بنائے ہیں۔ بالکل نہیں یہ تمام بجٹ ہمارے محترم وزیر خزانہ اسحاق ڈار جو چیف اکاونٹنٹ ہیں، نے بنائے ہیں۔ 2015ء کا 43 کھرب 13 ارب روپے کا وفاقی بجٹ بھی اسحاق ڈار نے ہی بنایا ہے جس میں ایک عام مزدور کو صرف 13 ہزار روپے میں پورا مہینہ گزارنے کو کہا گیا ہے۔ حکومتی دعوں اور وعدوں کے باوجود مزدور کو ان کا حق نہیں ملتا، تنخواہوں کی نسبت ضروریات زندگی کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے نے اُن کی زندگی مشکل بنادی ہے۔ آٹھ سے دس گھنٹے کام کرنے والے مزدور آج بھی اپنی جائز اجرت سے محروم ہیں۔ ایک عام مزدور کا صرف 13 ہزار روپے میں پورا مہینہ

گزارنا ناممکن ہے۔ مزدوروں کا کہنا ہے کہ حکومت اُن کے بچوں کو بہتر تعلیم وصحت فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے اور انہیں پرائیوٹ اسکولوں اور اسپتال کے اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ جون 2013ء میں نواز شریف کے تیسری مرتبہ وزیراعظم بننے کے بعد سے اب تک تین بجٹ آچکے ہیں اور تینوں ہی اسحٰق ڈار نے پیش کیے ہیں۔ ان بجٹوں سے غربت اور مہنگائی میں اضافہ ہوا ہے اور عوام کا معیار زندگی گرا ہے لیکن ان باتوں کو ماننے کے لیے نہ تو نواز شریف تیار ہیں اور نہ اسحاق ڈار۔

خوشی محمد جو ہمارے اچھے دوست اور وزیراعظم نواز شریف صاحب کے بہت زیادہ حامی ہیں جب اُن سے سوال کیا گیا کہ بھائی یہ ایک لاکھ روپے فی فرد کے حساب سے چڑھ جانے والا قرض کیسے ادا ہوگا؟ پہلے تو وہ مسکرائے اور پھر بولے بہت آسان ہے صرف چار گدھے پال لو۔ ہم نے پوچھا یار گدھے پالنے سے کیا ہوگا؟ جواب میں خوشی محمد نے کہا کہ شاید آپ لوگ اقتصادیات سے بالکل نابلد ہیں۔ آپ نے نہیں پڑھا کہ اقتصادی سروے رپورٹ کے مطابق نواز شریف کے دو سالہ دور اقتدار میں گدھوں کی آبادی میں ایک لاکھ کا اضافہ ہوا ہے جبکہ گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں میں کوئی اضافہ نہیں دیکھا گیا۔ اقتصادی سروے رپورٹ کے مطابق پیپلز پارٹی کے گزشتہ 5 سالہ دور حکومت میں گدھوں کی آبادی میں چار لاکھ کا اضافہ دیکھا گیا تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ سابق صدر جنرل پرویز

مشرف کو گدھوں کی آبادی میں 6 لاکھ کا اضافہ کرنے میں پوری دہائی لگ گئی جبکہ نواز شریف نے 1999ء میں اتنی ہی تعداد میں گدھے بڑھانے میں محض دو سال لگائے۔

بقول خوشی محمد گدھے کی کھال اور ہڈیوں کی برآمد سے پنجاب میں ایک سال کے دوران گدھوں کی قیمت تقریباً دُگنی ہو گئی ہے، نرخوں میں اضافے کے باعث گدھوں کی چوریوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ماہرین کے مطابق ایک سال کے دوران پنجاب میں گدھے کی اوسط قیمت 20 ہزار سے بڑھ کر 30 سے 35 ہزار روپے ہو گئی ہے۔

گدھے کی کھالیں اور ہڈیاں ویت نام، ہانگ کانگ اور چین کو برآمد کی جا رہی ہیں جہاں یہ جلد پر لگانے والی کریمیں اور جیل بنانے میں استعمال ہوتی ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ گدھے کی کھال 10 سے 15 ہزار روپے جبکہ ہڈی 7 روپے کلو میں برآمد کی جا رہی تھی۔ کچھ افراد گدھے کا گوشت بھی 300 روپے کلو میں فروخت کر رہے تھے۔ نرخوں میں اضافے کے باعث پنجاب میں گدھے چوری ہونے کے واقعات بڑھے ہیں اور رواں سال جنوری میں گدھے پالنے والوں نے چوری کے خلاف فیصل آباد میں مظاہرہ بھی کیا تھا۔

ایک نئی خبر یہ بھی ہے کہ چین اب پاکستان میں گدھوں کی افزائش کی صنعت میں بھی سرمایہ کاری کرے گا۔ چینی دوستوں نے خیبر پختونخوا والوں کو ایک دلچسپ

پیشکش کی ہے۔ چینی سرمایہ کاروں کے تعاون سے خیبر پختونخوا میں 'گدھے بڑھاو اور خوب پیسے کماو' کی پیشکش کی جارہی ہے۔ پشاور میں چینی سرمایہ کاروں نے وزیراعلیٰ پرویز خٹک کو پیسے کمانے کاآسان طریقہ بتایا، کہاکہ چین والوں کو گدھوں کی ضرورت ہے، پیسہ ہم لگاتے ہیں، گدھوں کے فارم بناتے ہیں، گدھوں کو پال پوس کر جوان کرنا آپ کاکام، اوراس کے بعد ہم انہیں اپنی مصنوعات میں استعمال کے لیے پاکستان سے خرید لیں گے۔ چین کو گدھے بھجوائیں اور زرمبادلہ کمائیں۔ وزیراعلیٰ پرویزخٹک کو بھی پیشکش پسند آئی اور کام آگے بڑھانے کا وعدہ کرلیا۔ ہوسکتا ہے ہمارے فارغ بیٹھے صدر ممنون حسین جلد ہی ایک آرڈیننس کے ذریعے ہر پاکستانی کو اس بات کا پابند کردیں کہ آئندہ سے ہر پاکستانی چار گدھے ضرور پالے گا اور پال پوس کر حکومت کے حوالے کرے گا۔ اب خوشی محمد کی بات بھی سمجھ میں آرہی کہ اگر ہر پاکستانی چار گدھے پال لے تو اپنے حصے کے ایک لاکھ کا قرض آسانی سے ادا کردے گا بلکہ کچھ نہ کچھ پس انداز بھی کرلے گا۔ تو جناب حکومت کو ضرورت ہے بس چار صحت مند گدھوں کی۔

کراچی کا اگلا ناظم کون ہوگا؟

پانچ جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق نے پاکستان میں مارشل لا نافذ کرکے خود حکمرانی شروع کردی۔ تھوڑے ہی دن بعد جماعت اسلامی نے جنرل ضیاء الحق کی کابینہ میں شمولیت اختیار کرلی، پروفیسر غفور احمد اور محمود اعظم فاروقی وزیر بن گے۔ جماعت اسلامی کو گویا منزل مل گی مگر جماعت اسلامی سیاسی طور پر کراچی کھو بیٹھی، جماعت اسلامی کراچی کے بدلتے ہوے سیاسی حالات کو نہ سمجھ پائی۔ کراچی میں ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے سے شروع ہونے والا تعصب آگے کی طرف اپنا سفر جاری رکھے ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کراچی میں پنجابی اسٹوڈینٹ ایسوسی ایشن، پختون اسٹوڈینٹ ایسوسی ایشن، جیے سندھ بھی کراچی یونیورسٹی میں دکھائی دیں۔ 1978ء میں آل پاکستان مہاجر اسٹوڈینٹ آرگنائزیشن (موجودہ آل پاکستان متحدہ اسٹوڈینٹ آرگنا ئزیشن) کا بھی کراچی یونیورسٹی میں اعلان ہوگیا۔ کراچی میں اسلامی جمیت طلبہ میں اکثریت مہاجروں کی تھی، اے پی ایم ایس او بنے کے بعد اسلامی جمیت طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے اے پی ایم ایس او میں شمولیت اختیار کرلی۔ اب نعرے کچھ یوں تھے۔ جیے مہاجر، جیے پختون، جاگ پنجابی جاگ یعنی کراچی کو برباد کرنے کے لیے تعصب کی ہانڈی پوری طرح تیار۔ کراچی میں لسانی تعصب سے پہلے ایک فرقہ وارانہ شیعہ سنی تعصب پہلے ہی

موجود تھا اور ہر سال ان دونوں فرقوں کی لڑائی سے کافی لوگوں کی جانیں جاتی تھیں۔ پہلے ان دونوں فرقے کے لوگ پوری کراچی میں رہ رہے تھے مگر آہستہ آہستہ ان کے علاقے بھی علیحدہ علیحدہ ہوگے۔

اٹھارہ مارچ 1984ء کو آل پاکستان مہاجر اسٹوڈینٹ آرگنائزیشن (موجودہ آل پاکستان متحدہ اسٹوڈینٹ آرگنائزیشن) کے سربراہ الطاف حسین نے مہاجر قومی موومنٹ کے نام سے ایک سیاسی جماعت کا اعلان کیا اور یہ اعلان عین اس وقت ہوا جب جنرل ضیاء الحق کے اس فیصلے کو محض چھ دن ہی گزرے تھے، جس میں دیہاتی شہری کوٹہ سسٹم کو مزید سال کے لیے بڑھا دیا گیا تھا۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کے بیان "ٹی وی 10 بیچو، وی سی آر بیچو، اسلحہ خریدو" نے خاصی شہرت حاصل کی تھی۔ مہاجر قومی موومنٹ یا ایم کیو ایم کے اعلان کے دن کو کراچی میں کھلے تعصب کا دن بھی کہہ سکتے ہیں، 120 گز کے گھر میں رہنے والا مڈل کلاس کا نوجوان الطاف حسین بہت تیزی کے ساتھ شہرت پاگیا۔ اس سے پہلے اور بعد میں پاکستان کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال کہیں موجود نہیں کہ مڈل کلاس کی کوئی شخصیت اس قدر مقبول ہوئی ہو، مگر صد افسوس اس شہرت میں تعصب سو فیصد شامل تھا۔

جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے کبھی بھی کراچی کے معاملات میں کوئی دلچسپی

نہیں دکھائی اور اُسکی بی ٹیم بننے والی جماعت اسلامی کو جسقدر سیاسی نقصان ایم کیو ایم کے بننے سے ہوا کہ آجتک وہ اپنی سیاسی ساکھ واپس نہ لا سکی۔ جنرل ضیاء کے دور حکومت میں جب پہلی بار 1979ء میں بلدیاتی انتخابات ہوئے تو یہ تقریباً اکیس سال کے بعد ہو رہے تھے جب کے ایک نئی نسل جوان ہو چکی تھی۔سیاسی جماعتوں کو بلدیہ کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ جماعت اسلامی نے عبدالستار افغانی کو میئر کے لیے نامزد کیا جبکہ افغانی کے سامنے کوئی سیاسی شخصیت نہ تھی بلکہ ایک سرمایہ دار عبدالخالق اللہ والا تھے جن کے نام سے بھی لوگ واقف نہ تھے، 1979ء کے اُس بلدیاتی انتخاب میں عبدالخالق اللہ والا کے دو ووٹ ضائع ہوئے جبکہ عبدالستار افغانی کا ایک ووٹ ضائع ہوا اس طرح عبدالستار افغانی ایک ووٹ سے یہ انتخاب جیت گئے اور پہلی مرتبہ 1979ء سے 1983ء تک کراچی کے میر رہے۔ اس پورے عرصے میں جماعت اسلامی کے میر نے کراچی کے لیے کوئی کام نہیں۔

لیکن جب 1983ء میں دوسرے انتخاب ہوئے تو اس میں مہم بڑی زبردست چلائی گئی ۔دوسرے انتخاب کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس مرتبہ عبدالستار افغانی کے مقابلے میں صرف عبدالخالق اللہ والا ہی نہیں تھے بلکہ حسین ہارون اور صدیق راٹھور بھی جماعت اسلامی کے امیدوار کے خلاف اُنکے ساتھ کھڑے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر جماعت نے اپنے کئی اہم لوگوں کو اس انتخاب میں حصہ لینے سے

روک دیا تھا ان میں عبدالستار افغانی بھی شامل تھے۔ پھر جب کونسلروں کے انتخابات ہو گئے اور اس میں جماعت اسلامی کے اخوت گروپ نے واضح کامیابی حاصل کر لی یا کروادی گئی تو عبدالستار افغانی کو دوبارہ میئر کے انتخاب کے لیے نامزد کر دیا گیا جس میں وہ 19 ووٹوں سے یہ انتخاب جیتے، اُن کے مقابلے پر حسین ہارون تھے۔ پھر 1983ء سے 1987ء تک عبدالستار افغانی دوبارہ کراچی کے میئر رہے۔ عبدالستار افغانی 1979ء سے 1987ء تک آٹھ سال کراچی کے میر رہے، لیکن اُن کے دور میں کسی بھی قسم کی کوئی ترقی تو نہ ہو پائی مگر کراچی میں لسانی ہنگاموں اور لاقانونیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ہم کہہ سکتے ہیں عبدالستار افغانی نے کراچی کے لیے بربادی کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔

نو جنوری 1988ء کو پہلی مرتبہ ایم کیو ایم نے کراچی کی میر شپ حاصل کی، ڈاکٹر فاروق ستار میر کراچی مقرر ہوئے اور 27 جولائی 1992ء تک کراچی کے میر رہے لیکن اس چار سال میں وہ کراچی کی کوئی خدمت نہ کر سکے کیونکہ اُنکو اپنی پارٹی کی خدمت سے ہی فرصت نہ ملی۔ ڈاکٹر فاروق ستار کے زمانے میں سوائے کراچی کا تھوڑا بہت پانی بڑھنے کے کچھ نہیں ہوا اور کراچی کے حالات میں کوئی بہتری نہیں آئی۔

دوسری طرف لسانی ہنگاموں اور لاقانونیت کے ساتھ ساتھ 1990ء سے کراچی میں بوری بند لاشیں ملنے لگیں، ڈاکے عام ہونے لگے، اسکے علاوہ شکاگو طرز پر یہاں بھتہ مافیا نے بھی کام شروع کر دیا، شروع شروع میں

تاجروں کی گاڑیوں میں پرچیاں ڈال دی جاتی کہ اتنے پیسے دو ورنہ مار دیے جاوگے۔ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر فاروق ستار کو بھی عبدالستار افغانی کی طرح کراچی کا ناکام میر کہا جاتا ہے۔

جنرل پرویز مشرف نے 2000ء میں بلدیاتی نظام کے تحت انتخابات کرائے، ان انتخابات کا متحدہ قومی موومنٹ نے بائیکاٹ کیا جس کی وجہ سے جماعت اسلامی کے نعمت اللہ خان شہر کے پہلے ناظم منتخب ہوئے۔ یہ حقیقت ہے کہ بزرگ نعمت اللہ خان نے کراچی کے لیے بہت کام کیا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کراچی کی ترقی کے لیے پہلی مرتبہ اگر کسی نے کچھ کیا تو وہ نعمت اللہ خان تھے۔ انہوں نے کافی پل بنوائے، سڑکوں کی حالت درست کروائی مگر نعمت اللہ خان سب سے زیادہ پارکوں کی تعمیر کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ بہت سے لوگوں کو یہ نہیں پتہ تھا کہ نعمت اللہ خان کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن بچوں سے لیکر بوڑھوں تک سب کو یہ پتہ تھا کہ کراچی کے ناظم نعمت اللہ خان صاحب ہیں، اُنکے زمانے میں کام بھی چل رہے تھے اور کراچی میں ہونے والی قتل و غارت گری، لوٹ مار، اسٹریٹ جرائم میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

ایم کیو ایم کے سید مصطفیٰ کمال 2005ء سے 2009ء تک کراچی کے دوسرے ناظم بنے، انہوں نہ صرف نعمت اللہ خان کے بچے ہوئے کاموں کو مکمل کیا بلکہ نوجوان

سید مصطفیٰ کمال نے وہ کمال کر دیکھایا جس کا کراچی میں رہنے والا کوئی باشندہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ سید مصطفیٰ کمال نے جب کراچی میں کام شروع کیا تو تھوڑے عرصے بعد کراچی والے اُنکو مصطفیٰ کھدائی کہنے لگے تھے، اس لیے کہ کراچی میں ہر طرف کھدائی ہو رہی تھی، لیکن یہ عرصہ بہت تھوڑا تھا۔ سگنل فری کاریڈور، پورے کراچی کی سڑکوں کی از سرِ نوں تعمیر، غرضیکہ اُن کا دور کراچی کی ترقی میں ایک سنہری دور کے نام سے یاد رکھا جائے گا۔ کراچی میں چاہے آگ لگی ہو، یا کوئی آفت آئی ہو، اور چاہے رات کے تین بجے ہوں سید مصطفیٰ کمال وہاں موجود ہوتے تھے۔ نوجوان ناظم نے بڑی مستعدی سے اپنی ٹیم کا انتخاب کیا، عمل کی تڑپ دیکھی اور فیلڈ میں اتار دیا۔ جس ملک میں لوگ کسی کام کے ہونے کا خواب دیکھتے ہوں، وہاں لوگوں نے ایک معجزہ دیکھا، کراچی صرف چند سال میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ اس بات کو تقویت جب اور ملی جب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے کام کیسے ہوتا ہے کے لیے اس کی مثال کے طور پر کراچی کے کام کا حوالہ دیا تھا۔ افسوس ایک سال قبل سید مصطفیٰ کمال اور ایم کیو ایم کی قیادت کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے جس کے نتیجے میں سید مصطفیٰ کمال ایم کیو ایم سے علیدہ ہو کر دبئ شفٹ ہو گئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں آجتک جتنے بھی بلدیاتی انتخابات ہوئے ہیں وہ فوجی حکومت کے دور میں ہی ہوئے ہیں۔ سیاستدان ہمیشہ بلدیاتی

انتخابات سے بھاگتے ہیں جسکا واضح ثبوت یہ ہے کہ 2015ء میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات جو پہلی مرتبہ ایک جمہوری حکومت کے دور میں ہورہے ہیں وہ بھی یہ جمہوری حکومت اپنی آدھی مدت گذارنے کے بعد اور سپریم کورٹ کے حکم کے بعد بحالت مجبوری کروارہی ہے۔ جبکہ فوجی حکومت اپنے لیے بلدیاتی انتخابات کو آب حیات سمجھتی ہیں۔ پانچ دسمبر 2015ء کو کراچی میں تیسرے مرحلے کے بلدیاتی انتخابات ہونگے، کراچی کے آئندہ ناظم کے لیے ایم کیو ایم کے رہنما وسیم اختر، جماعت اسلامی کراچی کے امیر حافظ نعیم الرحمان، تحریک انصاف کے علی زیدی اور پیپلز پارٹی کے کراچی ڈویژن کے صدر نجمی عالم کو ناظم کراچی کے امیدوار کے طور نامزد کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف عوامی نیشنل پارٹی انتخابات میں توبڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے تاہم اس کی جانب سے ناظم کے لئے کوئی نام سامنے نہیں آسکا ہے۔ کراچی کا اگلا ناظم کون ہوگا؟ عام طور پر کراچی کے لوگوں کی خواہش ہے کہ کراچی کا اگلا ناظم کوئی ایسا شخص ہو جو پارٹی سیاست اور تعصب سے بالاتر ہوکر نعمت اللہ خان یا سید مصطفیٰ کمال کی طرح کراچی کی خدمت کا جذبہ رکھتا ہو۔

شدت پسندی سے لبرل ازم تک

چار نومبر 2015ء کو اسلام آباد میں سرمایہ کاری کانفرنس سے خطاب کے دوران وزیراعظم نواز شریف نے کہا ہے کہ "عوام کا مستقبل جمہوری اور لبرل پاکستان میں ہے، پاکستان نے انتہا پسندی اور دہشت گردی پر قابو پانے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے، قوم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اپنے معاشرے کے کسی طبقے میں بھی انتہا پسندی اور دہشت گردی کے کینسر کو پھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے"۔ کانفرنس کے چند روز بعد ہی کراچی میں دیوالی کے موقعے پر جو کچھ نواز شریف نے کہا وہ ناقابل یقین تھا۔ بقول نواز شریف "میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں کا بھی وزیراعظم ہوں۔ میں آپ کا ہوں، آپ میرے ہیں۔ مجھے ہولی پر بلائیں اور جب میں آؤں تو مجھ پر رنگ ضرور پھینکیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ قوم میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنا میرا مشن ہے، تمام مذاہب کے لوگ ہم آہنگی کو فروغ دیں، ظالم کے خلاف آپ کے ساتھ کھڑا ہوں گا"۔

وزیراعظم کے ان دو خطابات کو سمجھنے کے لیے پہلے ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ لبرل کسے کہتے ہیں اور لبرل ازم کیا ہے۔ ایک بات ذہن میں رکھیے گا کہ پاکستان میں لبرل ازم کے حامیوں میں نہ تو صرف مذہب سے بیزار لوگ شامل ہیں

اور نہ ہی مادر پدر آزادی کے حامی، کیونکہ یہ سب ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جو مذہب کا بہت احترام کرتا ہے، اور سماجی اقدار کی اہمیت سے بھی آگاہ ہیں۔ ذیشان ہاشم اپنے مضمون "لبرل ازم کیا ہے؟" میں لکھتے ہیں کہ "لبرل ازم سیاسی، سماجی اور معاشی تصورات کا ایسا مجموعہ ہے جس کی بنیاد شخصی آزادی، انصاف اور مساوات پر قائم ہے، اس کا دائرہ کار محض سیاست سماج اور معیشت تک ہی محدود ہے۔ لبرل ازم میں جمہوریت، شہری حقوق، آزادی اظہار رائے اور حق اجتماع کا ہونا لازمی ہے۔ اس کے علاوہ لبرل ازم میں مذہبی آزادی ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے، ہر فرد کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جس مذہب یا نظریہ کو اپنی عقل و بصیرت سے بہتر جانے، اس پر عمل کرے۔ مذہبی آزادی کے بغیر لبرل ازم کی بنیادیں قائم نہیں رہ سکتیں، دوسرے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جو چاہے خریدے یا بیچے۔ جائیداد رکھنے کا ہر فرد کو حق حاصل ہے۔ ریاست انتظامی اخراجات کے لیے لوگوں سے ٹیکس وصول کر سکتی ہے مگر وہ اس کے خرچ میں جوابدہ ہے۔ ٹیکس کا مصرف محض شہریوں کی فلاح و بہبود اور ملکی دفاع ہونا چاہیئے" ۔ ان تمام باتوں سے اتفاق رکھنے والے فرد کو لبرل کہا جاتا ہے۔

ذیشان ہاشم اپنے اسی مضمون میں مزید لکھتے ہیں کہ "لبرل ازم زمان و مکان کے بارے میں بہت حساس ہے۔ ہر ملک کا لبرل ازم اپنی تشریحات میں مختلف ہے مگر شخصی آزادی، انصاف، اور مساوات کی بنیادیں ہر جگہ مشترک ہیں۔ اس میں ہر عہد

کے اعتبار سے ارتقا ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ میں لبرل قوتیں ویلفیئر اسٹیٹ کی حامی ہیں تو یورپ میں لبرل قوتوں کا موقف یہ ہے کہ حکومت محض ادارہ جاتی انتظام قائم کرے، ہر شخص اپنی محنت اور ذہانت سے اپنے لیے ویلفیئر کا خود ہی بندوبست کر سکتا ہے۔ پاکستان میں بھی لبرل ازم یہاں کی تاریخ ثقافت اور شہریوں کی امنگوں کے مطابق ہی عملی و فکری بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے جن کی بنیاد ہر صورت میں شخصی آزادی، انصاف، اور مساوات پر قائم ہو گی"۔

وزیر اعظم کے بیانات شدت پسندوں کے لیے ہضم کرنا بہت مشکل تھا، للٰہذا وزیر اعظم کے چار نومبر کے بیان کے فوراً بعد جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے اسلامی جمعیت طلبہ کے ایک پروگرام میں کہا ہے کہ " قیام پاکستان کے وقت لاکھوں عوام نے لبرل نہیں اسلامی پاکستان کے لیے قربانیاں دی تھیں جو پاکستان کے اسلامی کردار کو ختم کرنا چاہتے ہیں وہ خود ختم ہو جائیں گے، وزیر اعظم کو ملک کے آئین سے متصادم باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے، قائد اعظم اور علامہ اقبال دو قومی نظریے پر یقین رکھتے تھے، اگر وہ آج زندہ ہوتے تو یقیناً جمعیت میں ہوتے، اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے کہا کہ جسے لبرل ازم کی چاہت ہے وہ امریکہ چلا جائے۔ اس سے پہلے سراج الحق لوگوں کو ممبئی جانے کا مشورہ بھی دے چکے ہیں جبکہ 2013ء کے انتخابات کے موقعہ پر سابق امیر جماعت اسلامی

سید منور حسن کراچی کے ایک جلسہ میں لبرلز کو ملک سے چلے جانے کا کہہ چکے ہیں۔

دیوالی کے موقع پر وزیراعظم کی تقریر کے بعد جماعت اسلامی کے ڈاکٹر حسین احمد پراچہ نے ایک مضمون "نفاذ شریعت سے لبرل ازم تک" لکھا ہے جس میں امریکہ اور یورپ میں ہونے تمام برائیوں کا ذمہ دار "لبرل ازم" کو قرار دیا ہے۔ ان کا مضمون کسی بھی نقطہ نظر کو سمجھے بغیر اس پر تنقید کرنے کا سماجی رویہ ہے۔ ان کا مضمون اسی فرسودہ اور غیر عملی مذہبی سیاسی فکر کی تکرار ہے جو پاکستان کے پسماندگی کی ایک اہم وجہ ہے۔

جماعت اسلامی کے سابق امیرِ قاضی حسین احمد اور سید منور حسن اسامہ بن لادن جیسے عالمی دہشت گرد کی 'شہادت' کا ماتم کرتے ہیں۔ سید منور حسن حکیم اللہ محسود کی موت کے عظیم سانحہ پر نوحہ کناں رہتے ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام اور لال مسجد کے شدت پسند مولانا عبدالعزیز لوگوں کے گلے کٹتے تو دیکھ سکتے ہیں لیکن اُن کو حقوق ملتے نہیں دیکھ سکتے۔ پاکستانیوں کی یہ بدقسمتی بھی ہے کہ وہ لوگ جو کل تک پاکستان کے مخالف تھے آج اپنے آپ کو پاکستان کا مالک سمجھ کر اپنے حقوق کی بات کرنے والے لبرل پاکستانیوں کو پاکستان سے چلے جانے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ حضرات آج یہ دعویٰ بھی کر رہے ہیں کہ اگر آج قائدِاعظم اور علامہ اقبال زندہ ہوتے تو وہ جماعت اسلامی کی 'دہشت گرد' طلبہ تنظیم اسلامی جمیت طلبہ کے رکن ہوتے۔ دہشت گرد تنظیم "جند اللہ" کے

بارے میں سب جانتے ہیں کہ اس کے موجد اسلامی جمعیت طلبہ کے اراکین ہی ہیں،
جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق کو اپنی نظریاتی بنیادوں پر غور کرنے کے بعد قائد اعظم
اور علامہ اقبال سے متعلق بات کرنی چاہیئے۔

پاکستان میں دہشت گردوں اور فسادیوں کو لانے کا سہرا تو پاکستان کے آمر جنرل ضیاالحق
کو جاتا ہے جس نے امریکہ کے ڈالروں اور اپنی حکومت کو طویل کرنے کے لیے روس کے
ساتھ افغانستان میں کرائے کی جنگ لڑی اور اس جنگ میں اُسے مذہبی بنیاد پرستوں
کی حمایت حاصل تھی۔ آج جب پاکستان کی افواج اور عوام اس جنگ میں اپنی سرزمین
کو بچانے کے لیے حرکت میں آئے تو یہ پاکستان کی افواج اور پاکستانی عوام کے خلاف
دہشت گردوں کی حمایت پر ڈٹے رہے۔ افغانستان میں شدت پسند طالبانی حکومت
بنوانے کا سہرا ہمارے عسکری اداروں کے سر ہے۔ یہ سانپ اِن کے ہی پالے ہوئے ہیں
اور سانپ چونکہ کسی کے نہیں ہوتے اس لیے جب بینظیر بھٹو کو ہوش آیا اور اُن کی
شدت سے مخالفت کی تو 2007ء میں ان سانپوں نے بینظیر بھٹو کو ہی ڈس لیا۔

2013ء کے انتخابات دراصل طالبان دہشت گردوں کی نگرانی میں ہوئے، جس میں
طالبان مخالف کسی بھی لبرل جماعت کو آزادی سے انتخابات میں حصہ نہیں لینے دیا گیا۔
طالبان مخالف پاکستان پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی اور متحدہ قومی موومنٹ پر انتخابی
سرگرمیوں کے دوران دہشت گرد حملے کیے گئے جبکہ طالبان حامی پاکستان مسلم لیگ (ن)
پاکستان،

تحریکِ انصاف، جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام کے دونوں گروپوں نے بغیر کسی پریشانی اور خوف کے اپنی انتخابی مہم چلائی اور طالبان دہشت گردوں سے اپنے تعلقات کو چھپانے کی قطعی کوشش نہیں کی۔

کسی زمانے میں پاکستان میں نظریاتی سیاست کا رواج تھا، لیکن اب پاکستان میں نظریاتی اور اصولوں کی سیاست ختم ہو چکی ہے۔ اب صرف شدت پسندی، مفاد پرستی اور منافقت کی سیاست ہوتی ہے۔ ان حالات میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کی جانب سے لبرل ازم کا نعرہ لگانا ایک انقلاب سے کم نہیں۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) پاکستان کے قدامت پسند طبقات کی نمائندہ جماعت رہی ہے۔ نواز شریف کے حالیہ بیانات کے بعد ڈاکٹر پراچہ سمیت کافی لوگوں کو نواز شریف کا 25 اگست 1993ء کا وہ بیان یاد آیا ہوگا جس میں اُن کا کہنا تھا کہ "اگر پاکستان کے عوام مسلم لیگ (ن) کو اپنے اعتماد سے نوازتے ہیں تو میں عہد کرتا ہوں کہ میں نفاذِ شریعت کے ذریعے پاکستان کی نظریاتی اساس کو مضبوط بناؤں گا اور مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات کو مضبوط سے مضبوط تر بناؤں گا۔ مجھے ایک ایسا مینڈیٹ درکار ہے کہ میں اسمبلی میں دو تہائی اکثریت کے ساتھ جاؤں اور اپنے اس منشور کے مطابق تاریخی مشن پورا کر سکوں"۔ 1993ء میں نواز شریف کے پیرو مرشد جنرل ضیاالحق کو اُن سے جدا ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا لہٰذا اُن کے جذبات نفاذ شریعت کے حق میں تھے۔ تب سیاسی مفاد کے تحت شریعت کا نعرہ لگایا

اور اب شاید شدت پسندی کو کمزور پا کر 2018ء کے انتخابات جیتنے کے لیے لبرل ازم کا نعرہ بلند کیا ہے۔

لالٹین ڈاٹ کام کے اداریے کے مطابق "اگر وزیراعظم اپنے اس بیان میں سنجیدہ ہیں تو یقیناً مستقبل کا پاکستان قرارداد مقاصد کا پاکستان نہیں بلکہ محمد علی جناح کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کے موافق پاکستان ہوگا جہاں شہریوں کو اپنی مذہبی یا علاقائی وابستگی کی بناء پر امتیازی سلوک، جبر، تشدد اور استحصال سے محفوظ بنایا جاسکے گا"۔ دنیا کی تاریخ میں بڑے بڑے انقلاب آچکے ہیں شاید نواز شریف بھی ایک ایسا ہی انقلاب لے آئیں اور پاکستان کو شدت پسندی سے لبرل ازم کی طرف گامزن کردیں اور تاریخ میں اپنا نام امر کرجائیں۔ ایک بات طے ہے کہ نواز شریف کے لیے شدت پسندی سے لبرل ازم تک کا یہ سفر آسان نہ ہوگا۔ اگر نواز شریف نے محض 2018ء کے انتخابات جیتنے کے لیے لبرل ازم کا نعرہ بلند کیا ہے جیسے نوے کی دہائی میں انہوں نے نفاذِ شریعت کا نعرہ لگایا تھا تو یہ عوام کے ساتھ زیادتی ہوگی جو اپنے رہنماؤں کے جھوٹے وعدے سننے کی عادی ہوچکی ہے۔

پیرس۔۔زخمی ہرن اور انسان

فرانسیسی دارالحکومت پیرس میں جمعہ 13 نومبر 2015ء کی شب چھ مقامات پر خود کش حملوں اور فائرنگ سے 129 افراد ہلاک اور 100 سے زیادہ زخمی ہوئے۔ اتوار 15 نومبر 2015ء کو پیرس کے مشہور نوٹرڈیم کیتھیڈرل میں ایک دعائیہ تقریب منعقد ہوئی جس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پیرس کے آرچ بشپ کارڈینل آندرے ون ٹورس کا کہنا تھا کہ فرانسیسی دارالحکومت ایک غیر معمولی بربریت کا شکار ہوا ہے۔ انھوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ ان وحشیانہ حملوں کے باوجود نہ خود' مشتعل ہوں اور نہ اشتعال دلائیں' بلکہ مرنے والوں کو یاد کریں۔ فرانس کے علاوہ ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں بھی پیرس کے ہلاک شدگان کی یاد میں ایک تقریب میں ہزاروں افراد جمع ہوئے۔ ملک کے وزیر اعظم لارس لوک راسموسین بھی اس تقریب میں شریک ہوئے اور مرنے والوں کی یاد میں شمع روشن کی۔ اس موقع پر ان کا کہنا تھا کہ 'ہمارا سب سے ٹھوس جواب کیا ہو سکتا ہے؟ یہ کہ ہم اپنے انداز سے جیتے رہیں اور اُن سے خوفزدہ نہ ہوں۔ اگر ہم اب ایک کیفے کے باہر بیٹھنے کی ہمت نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم ہار گئے ہیں'۔ پیرس میں ہونے والی دہشت گردی کے اس واقعہ کے بعد پورے یورپ نے فرانس سے یکجہتی کے لیے فرانس کے صدر فرانسوا اولاند کی قیادت میں پیرس

حملوں میں ہلاک ہونے والے افراد کی یاد میں گرینچ کے معیاری وقت کے مطابق پیر 16 نومبر 2015ء کو صبح 11 بجے ایک منٹ کے لیے خاموشی اختیار کی گئی۔ اسکے علاوہ فرانس سے یکجہتی کے لیے دنیا کی مشہور عمارتوں کو فرانس کے تین رنگوں سے روشن کیا گیا۔

آپکو یاد ہوگا کہ دو نومبر 2014ء کی شام واہگہ باڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب کے بعد دہشت گردوں نے ایک خود کش دھماکا کیا اُسکے نتیجے میں تین رینجرز اہلکاروں سمیت 60 افراد شہید اور 175 سے زائد زخمی ہوگئے، جن میں 12 خواتین اور 7 بچے بھی شامل ہیں، لیکن اگلے ہی دن تین نومبر کو پھر تقریب ہوئی، ایک دن پہلے اپنے شہید ہونے والے پاکستانی بہن بھائیوں کا غم تھا، لیکن واہگہ بارڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب میں ہزاروں شریک پاکستانیوں کے حوصلے بہت بلند تھے، شریک پاکستانیوں میں خواتین اور بچوں کی بھی بڑی تعداد شامل تھی۔ ہزاروں شریک پاکستانیوں کی طرف سے دہشت گردوں کو ایک واضع پیغام تھا کہ دہشت گرد پاکستانیوں کے حوصلے پست نہیں کر سکتے۔ لیکن جسطرح پورا یورپ آج فرانس کے ساتھ کھڑا ہے افسوس ہمارا ایک بھی پڑوسی ہمارے دکھ میں شامل نہ تھا بلکہ آج بھی وہ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم دہشت گردوں کو سپورٹ کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں کچھ لوگوں کی طرف سے یہ کہا جارہا ہے کہ پیرس میں 129 مختلف العقیدہ انسان جو بغیر یہ جانے مرگئے کہ اُن کو کیوں

مارا جارہا ہے، اُنکا کوئی سوگ نہ منایا جائے۔ کیوں؟ کیونکہ دہشت گردوں کے ہاتھوں پشاور کے آرمی پبلک اسکول کے 132 بچے اور کینیا گاریسا یونیورسٹی میں ایک 147 طلبا کی موت پر بین الاقوامی طور پر کوئی غم نہیں منایا گیا تھا۔ عالمی برادری نے غلط کیا تھا لیکن اس سے بھی زیادہ غلط تب ہوگا جب ہم بھی یہ کہیں اور کریں کہ پیرس میں جو بے گناہ لوگ مارے گئے اُنکا کوئی سوگ نہ منایا جائے۔ پاکستان کی حکومت اور اُسکے عام شہری پیرس والوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس دہشت گردی کے بعد پوری دنیا پر اور خاص طور پر مسلمانوں پر اسکے کیا اثرات مرتب ہونگے؟ تارکین وطن کے شدید مخالف اور ناقد ہنگری کے وزیراعظم وکٹر اوربان کا کہنا ہے کہ تارکین وطن کی یورپی یونین میں تقسیم کے منصوبے پر عمل درآمد کرنے سے دہشت گردی بھی پورے یورپ میں پھیل جائے گی۔ وکٹر اوربان نے یہ بات ہنگری کے اراکین پارلیمان سے خطاب کے دوران کہی۔ جمعے کے روز فرانس میں ہونے والے دہشت گردانہ حملے کے بعد ہنگری کے اراکین پارلیمان تارکین وطن کی یورپی یونین میں تقسیم کے خلاف ایک قانونی دستاویز تیار کر رہے ہیں۔ پیرس کے حملوں میں شریک دہشت گرد اپنے حلیوں سے مسلمان دکھائی دیتے تھے، پھر ایک نام نہاد مسلمان لیکن دہشت گرد تنظیم داعش نے ان حملوں کی ذمہ داری بھی قبول کرلی ہے۔ وہ شامی شہری جو امریکی اور

یورپی بمباری سے قبل ایک پرامن زندگی بسر کررہے تھے اب امن و سلامتی کی تلاش میں سمندری سفر میں جان پر کھیل کر یورپ اور امریکا پہنچے ہیں تو انہیں روز ایک سرحد سے دوسری سرحد کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔ اس دہشت گردی کے نتیجے میں پورے یورپ اور امریکا و کینیڈا میں مسلمانوں کے خلاف ایک نفرت کا ماحول پیدا کردیا گیا ہے۔ مساجد پر پابندی کا عمل شروع کردیا گیا ہے۔ روز ایک امریکی ریاست شامی مہاجرین کی آبادکاری کے خلاف قانون نافذ کررہی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس نہ تو کھانے کو روٹی ہے اور نہ ہی سر چھپانے کی جگہ لیکن دہشت گردی کی سزا انکو دی جارہی ہے۔

تیرہ نومبر کو پیرس میں جو کچھ ہوا اسکے بعد ڈر ہے کہ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد تعصب کا سویا ہوا جن دوبارہ نہ جاگ پڑے۔ پورے یورپ میں اس وقت لگ بھگ پونے دو کروڑ مسلمان آباد ہیں اور ان میں سے آدھے وہ ہیں جو یورپ میں ہی پیدا ہوئے ۔اب وہ کیا کریں گے؟ پہلے سے زیادہ کڑے امیگریشن قوانین، گدھ کی طرح منڈلاتی ممکنہ بے روزگاری، بسوں، ٹرینوں اور فٹ پاتھوں پر گھورتی آنکھوں اور سماجی تنہائی۔ ایسی کاروائیوں کے ردعمل میں جب یورپ کی مسلمان اقلیت پر قانونی، معاشی و سماجی زمین اور تنگ ہوگی تو دہشت گردوں کی خواہشات کے مطابق مزید غصیلے نوجوان پکے پھل کی طرح دہشت گردوں کی جھولی میں جاگریں گے۔ تاہم اس واقعہ سے یہ بات واضع ہو گئی ہے کہ دہشت گرد اب اتنے مضبوط ہو

چکے ہیں کہ وہ دنیا میں جب جہاں چاہیں تباہی پھیلا سکتے ہیں۔ یہ بات بہت تشویش ناک ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ جس چیز کی اجازت انسانیت نہ دے، دنیا کا کوئی بھی مذہب نہتے انسانوں پر ظلم سے روکے تو لازمی ایسی درندگی دکھانے والوں کے ساتھ پوری دنیا نفرت کا اظہار کرے گی اور کرنا چاہیے۔ اس دہشت گردی کا فائدہ کیا ہے؟ تو اسکا جواب تو اُنہی کو معلوم ہوگا جو عناصر یہ کام کرواتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک مخصوص گروہ ہے جو کہ ہر دور میں سر اٹھاتا ہے اسلام میں اس کو خوارج کہا گیا۔ خوارج دراصل ایک ایسی سوچ کا نام ہے جس میں انسان انسانیت کا لبادہ اتار دیتا ہے اور اتنا گر جاتا ہے کہ اسے اُسے صرف سفاک درندہ ہی کہا جاتا ہے۔ پیرس پر حالیہ درندگی کے حوالے سے بات کی جائے تو ذہن میں یہ ہی سوال اٹھتا ہے کہ اس دہشت گردی کے زریعے وہ لوگ جو اکی پلاننگ کرنے والے ہیں، اُنکا اصل حدف کیا ہے۔

پیرس میں درندگی کے بعد پاکستان، امریکا، سعودی عرب، اور ایران سمیت دنیا بھر کے رہنماؤں نے پیرس میں ہونے والی دہشت گردی کی شدید مذمت کی ہے اور دہشتگردی کے ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کیلیے مشترکہ کوششوں کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ سوشل میڈیا پر کچھ دوست کہہ رہے ہیں کہ یہ یہودیوں کی سازش ہے اس میں مسلمان ملوث نہیں، چلیے مان لیتے ہیں کہ پیرس میں جو کچھ ہوا وہ غیر مسلموں کی سازش تھی۔ اس میں مسلمان نہیں تھے، مجھے آپ کی بات

سے پورا اتفاق ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی میری اس بات سے اتفاق کرینگے کہ جنھوں نے یہ خون ریزی کی وہ انسان نہیں سفاک درندے تھے یا ہیں، پھر میں اور آپ ایک ہی نظریہ رکھتے ہیں کہ دہشت گرد انسان نہیں درندئے ہوتے ہیں۔ مبشر علی زیدی نے کچھ دن پہلے ہی اپنی 100 لفظوں کی کہانی... "بلڈ گروپ" میں دنیا میں کہیں بھی ہونے والی سفاک درندگی کو کچھ اسطرح بیان کیا تھا:۔۔۔

۔"بلڈ گروپ"۔ مبشر علی زیدی

اُس ہرن کو ایک ایمبولینس نے ہمارے اسپتال پہنچایا۔

وہ بری طرح زخمی تھا۔

کافی خون بہہ چکا تھا۔

ہم نے اُسے آپریشن تھیٹر منتقل کیا

اور جان بچانے کی کوشش کرنے لگے۔

آپریشن تھیٹر کے باہر ایک ہرنی پریشانی میں ٹہل رہی تھی۔

،میں نے باہر نکل کر بتایا

خون کی دس بوتلوں کی ضرورت ہے۔"

لیکن اسپتال میں ہرن کے خون کی پانچ بوتلیں ہیں۔

ہمیں کسی دوسرے جان دار کا خون لگانا پڑے گا"۔

،ہرنی نے کہا

،لومڑی کا خون لگادیں، بھیڑیے کا خون لگادیں"

لیکن کسی انسان کا خون مت لگایئے گا۔

بہت سفاک ہوتے ہیں"۔

فرانسیسی شہری کا دہشت گردوں کو پیغام

میں نے اپنے دوست خوشی محمد سے پوچھا کہ پہلے لوگ مرزا، رانجھا اور مجنوں کے قصے سناتے تھے لیکن اب نہیں، کیا لوگوں کا دل محبت سے بھر گیا ہے یا لوگوں نے محبت کرنی چھوڑ دی ہے۔ خوشی محمد نے بڑی ادا سے جواب دیا کہ اب مرزا کی جگہ القاعدہ، رانجھا کی جگہ طالبان اور مجنوں کی جگہ داعش آ گئے ہیں۔ مرزا، رانجھا اور مجنوں کا نیا نام دہشت گرد ہے، اور اب الگ الگ صاحبہ، ہیر اور لیلیٰ سے عشق کی جگہ سب ایک ہی محبوبہ سے عشق کرنے لگے ہیں، محبوبہ کا نام ہے "دہشت گردی"۔ اب دہشت گرد اور دہشت گردی اپنی محبت کا اظہار انسانی خون کی ہولی کھیل کر کرتے ہیں۔ تیرہ نومبر کو خوشبوؤں کے شہر پیرس میں دہشت گردوں کے دھماکوں اور فائرنگ سے 129 افراد ہوئے اور 300 کے قریب افراد زخمی ہوئے تھے۔ دہشت گرد گروہ داعش نے اس دہشت گردی کی ذمہ داری قبول کرلی ہے۔ خوشی محمد نے ایک بار پھر بڑی ادا سے کہا کہ اب جو کچھ لکھا جاتا ہے، اُس میں مرزا صاحبہ، ہیر رانجھا اور لیلیٰ مجنوں کے قصے نہیں ہوتے بلکہ دہشت گرد اور دہشت گردی کے قصے ہوتے ہیں۔

پاکستان کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے پیرس حملے کے فوری بعد اپنے

بیان میں کہا کہ سانحہ پیرس انتہائی افسوس ناک ہے۔ دکھ کی اس گھڑی میں ہم فرانس کے ساتھ ہیں۔ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے عالمی برادری کے ساتھ مل کر کردار ادا کریں گے۔ 16 دسمبر 2014ء کو آرمی پبلک اسکول پشاور پر دہشت گردوں کے حملے میں 150 پاکستانی شہید ہوئے جن میں 132 بچے شامل تھے۔ فرانسیسی خبر رساں ایجنسی نے اپنی ایک رپورٹ میں شدت پسندوں کی جانب سے نیویارک تا پیرس کھیلی جانے والی خون کی ہولی سے متعلق واقعات کو علیحدہ علیحدہ کرکے بیان کیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق 11 ستمبر 2001ء کے بعد سے فرانس، کینیا، لبنان، مصر، تیونس، ترکی، بھارت،، برطانیہ، اسپین اور انڈونیشیا میں دہشت گردی کے واقعات ہوئے۔ حیرت انگیز طور پر فرانسیسی خبر رساں ایجنسی کی رپورٹ میں پاکستان میں 16 دسمبر 2014ء کو پشاور کے اسکول میں اور پاکستان میں ہونے والے دہشت گردی کے دیگر واقعات کا ذکر نظر نہیں آتا حالانکہ پاکستان دہشت گردی سے سب سے زیادہ متاثر ممالک میں سے ایک ہے، جس کے تقریباً 60 ہزار لوگ دہشت گردی کی وجہ سے شہید ہو چکے ہیں اور معاشی طور پر کمزور اس ملک کے اربوں ارب ڈالر اس دہشت گردی کو ختم کرنے میں خرچ ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں پاکستان کے وزیر داخلہ چوہدری نثار کا کہنا ہے کہ پیرس حملوں سے بیرونِ ملک پاکستانیوں کی مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔ وزارت خارجہ اور ایف آئی اے ایسی پالیسی وضع کریں جس سے تارکین وطن کی مدد کی جا سکے۔

بغیر مالی معاونت کے دہشت گردوں کا زندہ رہنا مشکل ہے، اس لیے دہشت گردوں کی مالی معاونت کے حوالے سے یہ جاننا اہم ہے کہ اُن کی مالی معاونت کہاں سے ہوتی ہے اور حکومت نے اس کی روک تھام کے لیے اب تک کیا کیا ہے۔ داعش کے پاس القاعدہ یا دیگر تنظیموں کے مقابلے میں زیادہ وسائل موجود ہیں۔ پاکستان اس وقت دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف اپنے بقاء کی جنگ لڑ رہا ہے، ان حالات میں پاکستان کو اپنی خارجہ اور داخلی پالیسی کو ہنگامی بنیادوں پر از سر نو ترتیب دینا ہوگا۔ جو کچھ پیرس میں ہوا، یہ دنیا کے لیے دوسرا 11/9 ہوگا اس کے اثرات پاکستان جیسے ممالک اور مسلمانوں کے لیے اچھے نہیں ہوں گے۔ ہمارے آس پاس کی صورتحال بھی خراب ہے۔ داعش نے ہر اس جگہ پیر جمائے ہیں جہاں ریاست ناکام ہوئی ہے جس میں عراق، شام اور لیبیا شامل ہیں۔ خطے میں پاکستان اور افغانستان کے درمیان تلخ تعلقات کا فائدہ داعش جیسی تنظیمیں اٹھا سکتی ہیں۔ ہمارے خطے میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے، ہم ہر معاملے میں پہل کرتے ہیں لیکن افغانستان کی حکومت کو بھی سوچنا چاہیئے کہ وہ داعش کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے خطے میں کس طرف جانا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے سیکرٹری خارجہ اعزاز احمد چوہدری کا کہنا ہے کہ پاکستان میں داعش کا کوئی وجود نہیں اس حوالے سے قیاس آرئیاں محض غیر مصدقہ حوالوں

پر مبنی ہیں تاہم انہوں نے کہا کہ پاکستانی سیکیورٹی ادارے کے اس حوالے سے پوری طرح چوکس ہیں جو داعش سے نمٹنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک عسکری ادارے داعش کے وجود سے انکاری تھے۔ مولانا عبدالعزیز اور جامعہ حفصہ کی طالبات کا داعش کا کھلے عام حمایت کرنا اور اب دوبارہ مولانا عبدالعزیز کا دوبارہ فعال ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پاکستان میں کسی نہ کسی سطح پر داعش کا تنظیمی ڈھانچہ اور حمایت موجود ہے۔ سیکرٹری خارجہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپریشن ضرب عضب شروع ہونے کے بعد بہت سی دہشت گرد تنظیمیں سرحد کی دوسری جانب چلی گئی ہیں جہاں داعش اور طالبان بھرتیوں اور قدم جمانے میں مشغول ہیں۔ مستقبل میں دولت اسلامیہ اور طالبان کے بڑھتے ہوئے اثرونفوذ سے خبردار رہنا ضروری ہے۔ دہشت گردی کے تمام واقعات خواہ وہ نیویارک کے جڑواں ٹاورز پر حملہ ہو، لندن میٹرو سٹیشنوں پر حملہ ہو، ممبئی حملہ ہو، آرمی پبلک سکول پشاور پر حملہ ہو یا پیرس میں ہونے والا حالیہ حملہ ہو سبھی اندوہناک ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دہشت گردی اب کسی ایک ملک یا قوم کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری دنیا کا مسئلہ ہے۔ پاکستانی عوام ایک عشرہ سے زائد عرصے سے دہشت گردی کا شکار ہیں، 60 ہزار سے زیادہ لوگ شہید ہوچکے ہیں، دہشت گردوں نے ملک کے ہرادارے کو نشانہ بنایا ہے، مسجد، امام بارگاہ اور چرچ بھی دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں۔ دو نومبر

2014ء کو واہگہ باڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب کے بعد خود کش دھماکا ہوا جس میں خواتین اور بچوں سمیت 60 افراد شہید ہوئے، 16 دسمبر 2014ء کو پشاور میں اسکول کے 132 معصوم بچوں کو شہید کیا گیا، 13 مئی کو کراچی میں 18 خواتین سمیت 46 بے گناہوں کو شہید کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی لاتعداد واقعات ہیں لیکن پاکستانی قوم تاحال دہشت گردوں کے ساتھ ان کی فکر کو رد کرنے کو تیار نہیں۔

پاکستانی بلند ہمت لوگ ہیں، دو نومبر کو واہگہ باڈر پر خود کش حملہ ہوا اور تین نومبر کو واہگہ بارڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب میں شریک ہزاروں پاکستانیوں کے حوصلے بہت بلند تھے۔ پشاور میں بچوں کے والدین نے جس طرح صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اس کی شاید ہی کوئی دوسری مثال ہو۔ 12 جنوری 2015ء کو جب اسکول کو دوبارہ کھولا گیا تو تمام بچے اور اُن کے والدین موجود تھے۔ کراچی میں ہونے والی دہشت گردی کے صرف نو دن بعد 22 مئی 2015ء کو لاہور کے قذافی اسٹیڈیم میں پاکستان اور زمبابوے کی کرکٹ ٹیموں کے درمیان پہلا ٹی ٹوئنٹی میچ کھیلا گیا، اسٹیڈیم پوری طرح سے بھرا ہوا تھا اور پوری پاکستانی قوم پرجوش تھی۔ اپنے شہید ہونے والے بچوں اور بہن بھائیوں کا غم سب کو تھا لیکن قوم اور کھلاڑیوں کی طرف سے دہشت گردوں کو واضح پیغام دیا گیا کہ ہمیں تمہارا کوئی خوف نہیں، تمہارا تعلق کسی بھی مہذب سے نہیں اور نہ ہی تم

انسان ہو، تم صرف درندے ہو۔

کہا جارہا ہے کہ پیرس میں ہونے والی دہشت گردی کے بعد بعض یورپی حلقوں کی جانب سے مسلمانوں اور شامی مہاجروں پر سوالیہ نشان اٹھائے جارہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف تشدد کے واقعات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ لیکن یورپ اور فرانس کی اکثریت نے مسلمانون سے نفرت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ پیرس کے رہنے والے ایک فرانسیسی شہری آنتوئن لیریس نے ساری انسانیت کی طرف سے اور خاص کر اُن لوگوں کی طرف سے جن کے پیارے دنیا میں کہیں بھی دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں دہشت گردوں کو ایک پیغام دیا ہے جس میں اُس نے داعش کو مخاطب کیا ہے، وہ کہتا ہے:۔

تم مجھے نفرت پر مجبور نہیں کر سکتے، تم نے چوری کی ہے ایک غیر معمولی ہستی کی" زندگی، میرے جیون کا پیار میرے بیٹے کی ماں، لیکن تم میری نفرت سے بھی محروم رہو گے، تم کون ہو میں نہیں جانتا اور میں جاننا بھی نہیں چاہتا، جس خدا کے نام پر تم قتل و غارت کررہے ہو اگر اس خدا نے ہمیں اپنی شبیہ پر پیدا کیا ہے تو پھر جان لو کہ میری زندگی (جیسی بیوی) کے جسم کو چھیدنے والی ہر گولی اس کے دل میں ایک زخم کی صورت دھار چکی ہو گی! اسی لئے میں تمہیں اپنی نفرت کا تحفہ بھی نہیں دوں گا، تم نے یہی (نفرت) چاہی تھی ناں لیکن نفرت کا جواب غصے سے دینے کا مطلب ہو گا کہ میں نے اسی بے سمجھی کے آگے

سپر ڈال دی ہے جس نے تمہیں آج اس حالت میں لا کھڑا کیا ہے! ہم صرف دو ہیں، میرا بیٹا اور میں لیکن ہم دنیا بھر کی افواج سے زیادہ طاقتور ہیں تم پر ضائع کرنے کے لیے میرے پاس مزید وقت نہیں، مجھے واپس اپنے بیٹے میلول کے پاس جانا ہے جو اب اپنی سہ پہر کی نیند لینے کے بعد بیدار ہو رہا ہے وہ صرف 17 ماہ کا ہے ہر روز کی طرح آج بھی وہ اسنیک کھائے گا پھر ہر روز کی طرح ہم کھیلنے جائیں گے اپنی زندگی میں ہر دن یہ بچہ اپنی خوشی اور آزادی سے تمہاری تذلیل کرتا رہے گا کیوں کہ تم اس کی نفرت سے بھی محروم رہو گے!"۔

امید ہے پیرس میں دہشت گردی کا منصوبہ بنانے والے درندوں نے انسانیت کا یہ پیغام ضرور پڑھ لیا ہوگا جو خود انسانیت سے کوسوں دور ہیں۔ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ صرف دہشت گرد ہوتا ہے۔ لیکن انسانیت کی خدمت یا اس کی بات کرنے والا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھ سکتا ہے، وہ ایک مسلمان بھی ہو سکتا ہے، ایک ہندو بھی اور ایک عیسائی بھی۔ ابھی دنیا میں انسانیت باقی ہے اور فرانسیسی شہری کا پیغام انسانیت کے لیے بہت سبق آموز ہے جو دہشت گردوں کو اپنی نفرت دینے کو بھی تیار نہیں۔

پیرس میں دہشت گردی کے اثرات

کہا جارہا ہے کہ فرانس کی شام میں مداخلت کے پیش نظر داعش کی جانب سے پیرس میں دہشت گردی کرکے انتقام لیا گیا ہے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن پیرس میں دہشت گردی کامیاب کیسے ہوئی، جبکہ فرانس جیسے ترقی یافتہ ملک میں یہ بہت ناممکن لگتا ہے، پیرس میں ہونے والی دہشت گردی کا اثر حکومتوں اور عام لوگوں پر ہوا ہے اور ہورہاہے۔ اگر ہم دنیا بھر کے اخبارات کی خبروں کا غور سے مطالعہ کریں تو یہ بات بڑے واضح انداز سے سامنے آتی ہے کہ پیرس میں ہونے والی دہشت گردی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ فرانسیسی حکومت نے دستیاب معلومات کو سنجیدگی سے نہیں لیا اورکچھ زیادہ ہی خود اعتمادی کا شکار ہوگئی۔ اب مختلف اداروں کے ماہرین اس بات کی جانچ کررہے ہیں کہ یہ حملہ کیوں ہوااور دہشت گرد آٹھ مقامات پر اسلحہ لے کر اتنی آسانی سے کیسے پہنچ گئے۔ خود کش جیکٹس، خودکار ہتھیار، بارودی موادلے کر یہ افراد پورے شہر میں گھومتے رہے اور اُنہیں کسی نے روکا نہیں پیرس کے سیکیورٹی انٹیلی جینس والے آخر کہاں تھے ان سب کی تحقیقات تو خیر ہونی ہیں۔ تاہم اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ دہشت گردوں کی پہنچ سے اب کوئی مقام محفوظ نہیں، وہ دنیا میں

جب اور جہاں چاہیں تباہی پھیلا سکتے ہیں۔ پیرس میں دہشت گردی کے اثرات مستقبل کی بین الاقوامی سیاست پر جلد ہی نظر آئینگے۔ پیرس حملوں کا تمام تر ملبہ مسلمانوں پر گرا ہے تاہم امریکا میں عربی بولنا بھی جرم بن گیا۔ جمعرات 19 نومبر 2015ء کو امریکی ریاست شکاگو سے فلاڈلفیا جانے والی ساؤتھ ویسٹ ایئر لائنز کی پرواز کے دو مسافروں کو محض اس وجہ سے جہاز میں سوار ہونے سے روک دیا گیا کیونکہ وہ آپس میں عربی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔

جس روز پیرس میں حملے ہوئے اُسی دن ترکی کے شہر استنبول میں دہشت گردی کا بڑا منصوبہ ناکام بنایا گیا، حکام کے مطابق پولیس نے 13 نومبر 2015ء کو جمعہ کے روز استنبول سے داعش جنگجو جہادی جون کے قریبی ساتھی سمیت پانچ ملزمان کو گرفتار کیا تھا، یہ لوگ سانحہ پیرس والے دن استنبول میں حملوں کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ ترکی کا کہنا ہے کہ اس نے پیرس حملوں میں ملوث ایک خودکش بمبار عمر اسماعیل کے بارے میں فرانسیسی حکام کو آگاہ کر دیا تھا تاہم انہوں نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ تفصیلات کے مطابق امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے اور فرانس نے پیرس جیسے مزید حملوں کا انتباہ جاری کر دیا ہے، سی آئی اے کے ڈائریکٹر جوہن برنان نے خبردار کیا ہے کہ داعش نے پیرس جیسے مزید حملوں کی منصوبہ بندی کر رکھی ہے، سیکورٹی اور انٹیلی جنس ادارے ان سازشوں کو بے نقاب کرنے کیلئے اپنی پوری صلاحیت بروئے کار لا رہے ہیں، خودکش

بمباروں نے پیرس کے دل میں انتہائی منظم منصوبہ بندی کے تحت حملے کئے اور اس عمل میں کئی ماہ کا عرصہ لگا، انہوں نے خبردار کیا کہ داعش کسی بھی وقت اس طرح کے مزید حملے کر سکتی ہے۔ فائننشل ٹائمنر کا سام جونز لکھتا ہے کہ ایسے اشارے مل رہے تھے کہ یہ واقعہ ہونے والا ہے۔گذشتہ مہینوں میں دو اعلیٰ عہدیداروں نے فائننشل ٹائمنر کو بتایا تھا کہ انہوں نے داعش کی سرحدوں سے بہت باہر اس کے عزائم اور مقاصد کا جو اندازہ لگایا تھا اس میں ڈرامائی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔داعش القاعدہ کی طرح بہت بڑا حملہ کرنا چاہتی تھی۔مگر یہ بات غیر واضح تھی کہ وہ اس نوع کا حملہ کرنے کی سکت رکھتی بھی ہے؟

پیرس حملے پر بات کرتے ہوئے لندن میں مقیم صحافی قندیل شام کا کہنا تھا کہ پیرس پر حملہ یورپ میں دہشت گردی کا سب سے بڑا واقعہ ہے اور اگر کی اس کی ذمہ داری دولت اسلامیہ نے قبول کی ہے تو یہ اُن کے لئے بھی بڑی تبدیلی ہے۔ فرانس میں انتخابات کا انعقاد بھی ہونے والا ہے جس پر اس کا بہت اثر پڑے گا۔ اس سال یورپ میں سترہ دہشت گردی کے حملے ہوئے جس میں سے سات فرانس میں ہوئے ہیں اور 1200 سو کے قریب فارن فائٹرز اس وقت فرانس سے عراق اور شام میں جنگ لڑ رہے ہیں۔فرانس میں ان حملوں کے بعد انتہا پسندی کے خلاف آواز بڑھ گئی ہے۔چارلی ہیبڈو پر حملے کے بعد دہشت گردی کے واقعات سے نمٹنے کے

لئے فرانس کی حکومت کی تیاری پر بات کرتے ہوئے قندیل شام نے کہا کہ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ دولت اسلامیہ جیسے گروہ اب زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں جو کہ اس حملے سے نظر آرہا ہے کہ یہ ایک منظم حملہ تھا اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یورپ میں اب اس طرح کے عناصر ہیں جو اس طرح کے حملے مستقبل میں کر سکتے ہیں اور سلیپر سیلز کی موجودگی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

.برطانیہ میں مقیم کالم نگار نجمہ اسلام کا کہنا ہے پیرس حملوں کے بعد میرا حجاب میں باہر نکلنا مشکل ہوگیا ہے۔ نجمہ اسلام کہتی ہیں کہ جب بھی یورپ میں دہشت گردی کا کوئی واقعہ ہوتا ہے، مسلم آبادی کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ نجمہ اسلام کے مطابق ایشیائی آبادی میں رہنے والے مسلمان تو پھر بھی محفوظ رہتے ہیں، لیکن دوسرے علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں پر دہشت گردی کے رد عمل میں عرصہ حیات تنگ ہوجاتا ہے۔ کیا ان دہشت گردوں کو اس بات کی پرواہ ہے کہ ان کے شیطانی عمل سے عام مسلمان شہریوں کی زندگیوں پر کتنے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ اب میں حجاب میں گھر سے باہر جاتے ہوئے ڈرتی ہوں، لوگوں کی نگاہیں میرا تعاقب کرتی ہیں ۔ پیرس حملوں کے بعد جب میں حجاب کرکے باہر نکلتی ہوں تو لوگ سرگوشی میں مجھے دہشت گرد اور مسلم کتیا کہتے ہیں اور میرا تعلق داعش سے جوڑتے ہیں۔ نوجوانوں کا گروپ میرے ارد

گرد اکٹھا ہو جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کو گالیاں دیتے ہیں ۔ اب گھر سے باہر نکلنے کا مطلب ہراساں ہونے کے لیے تیار رہنا ہے۔ میرے فیس بک فرینڈز اسلام کو دہشت گردوں کا مذہب قرار دے رہے ہیں اور معاشرے کو محفوظ بنانے کے لیے مسلمانوں کو دیس نکالا دینا چاہتے ہیں۔ میرے حجاب کی وجہ سے مجھے ایک پروجیکٹ سے الگ کر دیا گیا ہے۔

پیرس سے ایک اچھی خبر یہ ہے کہ پیرس میں داعش دہشت گردوں کے حملے نے مغرب میں رہنے والے مسلمان شہریوں کو احساس جرم اور احساس ندامت کا شکار کر دیا ہے ۔اپنے میزبان معاشرے سے اعتماد اور تعلق کی استواری کے لیے فرانسیسی مسلمان نوجوان نے ایک انوکھا انداز اختیار کیا۔ وہ پیرس کے ایک مصروف چوراہے پر آنکھوں پر پٹی باندھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنے سامنے ایک گتے پر لکھ رکھا تھا "اگر آپ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں تو مجھے گلے لگائیے، میں ایک مسلمان ہوں اور مجھے کہا جاتا ہے کہ میں دہشت گرد ہوں"۔ یہ دیکھنے کے بعد پیرس کے رہنے والے بڑی تعداد میں اسے گلے ملنے لگے۔ کچھ لوگ اس جذباتی منظر کو دیکھ کر روتے رہے۔ایک طویل وقفے تک مجمعے سے نکل کر آنے والے مرد و خواتین نوجوان سے بغل گیر ہوتے رہے جس کے بعد نوجوان نے اپنی آنکھوں پر بندھی پٹی اتار دی اور کہا کہ میں آپ میں سے ہر ایک کا شکر گزار ہوں جو مجھ سے بغل گیر ہوا، میں نے یہ سب کچھ ایک پیغام دینے کے لیے کیا اور وہ پیغام

یہ تھا کہ "میں ایک مسلمان ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں دہشت گرد ہوں"۔ میں دہشت گردی کے اس سانحہ میں نشانہ بننے والے افراد کے اہل خانہ کے گہرے دکھ کو محسوس کرتا ہوں اور میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمان ہونے کا مطلب لازماً دہشت گرد ہونا نہیں ہے۔ اس پیغام کو سن کر لوگوں نے تالیاں بجائیں اور خوشی کا اظہار کیا۔

پاکستان کے وزیر داخلہ چوہدری نثار نے کہا ہے کہ غیر ممالک میں رہنے والے ہم وطن پاکستان کا اثاثہ ہیں دہشت گردی کے حالیہ واقعات سے بیرون ملک پاکستانیوں کی مشکلات میں اضافہ ہوگا، جبکہ پیرس میں موجود پاکستانی سفیر غالب اقبال نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ فرانس میں مقیم پاکستانی کمیونٹی نہ صرف مکمل طور پر محفوظ ہے اور وہ قطعی طور پر ایسا نہیں سمجھتے کہ پیرس پر ہونے والے حملوں کے رد عمل میں انہیں کسی ناخوشگوار صورتحال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اسکے باوجود حکومت پاکستان اور ہمارے سفارت خانوں کو یورپ اور امریکہ میں مقیم پاکستانیوں سے رابطے میں رہنا چاہیے، عام پاکستانیوں کو بھی چاہیے کہ وہ کسی بھی ناخوشگوار صورتحال کی اطلاع فوری طور پر اپنے سفارت خانے کو دیں۔

فرانسیسی پولیس نے جب مجرموں کا پیچھا شروع کیا تو ایک خاتون خودکش بمبار

حسنہ آیت ابوالحسن تک پہنچ گے لیکن 26 سالہ حسنہ نے گرفتار ہونے کے بجائے پولیس کارروائی کے دوران مبینہ طور پر خود کو بم سے اُڑا لیا تھا۔ حسنہ آیت ابوالحسن پیرس کے حملوں کے مبینہ ماسٹر مائنڈ اباعود کی کزن تھی۔ اُسکی لاش پیرس کے شمال میں واقع ایک نواحی علاقے کے اُس اپارٹمنٹ سے۔برآمد ہوئی ہے جہاں سکیورٹی فورسز نے کارروائی کرتے ہوئے پیرس حملوں کے مبینہ ماسٹر مائنڈ کو ہلاک کر دیا تھا۔ حسنہ آیت ابوالحسن کے خاندان کے افراد اور دوستوں کا کہنا ہے کہ حسنہ نے پارٹی گرل سے بنیاد پرست بننے کا سفر صرف چھ ماہ میں طے کیا، حسنہ کی متزلزل پرورش ہوئی اور اس نے حکومتی نگرانی میں چلنے والے کیئر ہومز میں بھی وقت گزارا۔ حسنہ کو اس کے دوست مخبوط الحواس کہتے تھے اور وہ کاؤبوائے کا ہیٹ اور جوتے پہنا کرتی تھی ۔ حسنہ آیت ابوالحسن کے بھائی نے بتایا کہ "حسنہ اچانک ہی چھ ماہ میں بنیاد پرست بن گئی، اس نے پہلے حجاب پہننا شروع کیا پھر پورے چہرے کا نقاب پہننے لگی، وہ متزلزل تھی، اس نے کبھی مذہب کا مطالعہ نہیں کیا اور میں نے کبھی اسے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا"۔ حسنہ آیت بوالحسن کی پڑوسی صوفین نے بتایا کہ وہ تیز طرار تھی اور ساتھ ہی مخبوط الحواس بھی تھی۔

یہ بات شاید ساری دنیاکے ذہن کے کسی گوشے میں ہو کہ داعش کے بنانے میں امریکہ، برطانیہ اور سب سے زیادہ اہم کردار اسرائیل کا ہے۔برطانیہ کے ٹونی

بلیئر تو اس کا عتراف بھی کر چکے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہی نکلتا ہے داعش اور داعش کا سربراہ ابو بکر البغدادی دراصل امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل کی پیداوار ہیں۔ داعش والے دہشت گرد تو ہیں لیکن مسلمان نہیں، یہ کمزور ذہن اور متزلزل مسلمانوں کو مذہب کے نام پر استمال کرتے ہیں اور ان کی بے روزگاری بھی ختم کرتے ہیں، اس بات کا ثبوت پیرس کے شمال میں واقع ایک نواحی علاقے کی رہنے والی ایک متزلزل خاتون خودکش بمبار حسنہ آیت ابوالحسن ہے۔ یہ دہشت گرد جو نام نہاد مسلمان بنے ہوئے ہیں درحقیقت کرائے کے قاتل ہیں۔

کراچی میں ایم کیو ایم کا ہلکا پھلکا مقابلہ

سابق صوبائی وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا نے پیپلز پارٹی کی گزشتہ سندھ حکومت میں وزیر داخلہ کی حیثیت سے شہرت پائی۔ آصف زرداری نے ایم کیو ایم کو دباؤ میں لانے کے لیے اُنہیں وزارت داخلہ سونپی لیکن ذوالفقار مرزا نے کراچی کے حالات کو بہت زیادہ بگاڑ دیا۔ انھوں نے ایم کیو ایم کی مبینہ عسکریت پسندی ختم کرنے کے لیے رحمان ڈکیت جیسے لوگ آگے بڑھائے۔ لیاری گینگ وار کے مرکزی کردار عزیر بلوچ کو استعمال کیا۔ اسلحے کے ڈیڑھ لاکھ لائسنس جاری کیے۔ ذوالفقار مرزا نے لیاری پر جو کمال مہربانی کیا آج لیاری میں رہنے والے اُس کی بھرپور قیمت ادا کر رہے ہیں۔ پیپلز امن کمیٹی یا لیاری گینگ وار سے پہلے کراچی کے مہاجروں اور بلوچوں میں کوئی تنازع نہیں تھا۔ لیاری عزیر بلوچ اور اس کے گروپ کے ہاتھوں میں چلا گیا اور پیپلز پارٹی آج تک اس علاقے میں سنبھل نہیں سکی۔ پیپلز پارٹی کو پیپلز امن کمیٹی یا لیاری گینگ وار نے اُسے اس کے مضبوط گڑھ لیاری سے نکال باہر کیا۔

حالیہ بلدیاتی انتخابات میں پہلا اور دوسرا مرحلہ مکمل ہو چکا ہے جس میں پنجاب

میں پاکستان مسلم لیگ (ن) نے اور سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی نے واضع اکثریت حاصل کی ہے۔ 2013ء کے عام انتخابات سے پیپلز پارٹی کا زوال شروع ہوا۔ 2013ء کے انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی سمٹ کر صوبہ سندھ کے دہی علاقوں تک محدود ہو گئی جبکہ شہری سندھ کی نمایندگی متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کرتی ہے۔ آصف زرداری کی حالیہ غلط سیاست کا خمیازہ پیپلز پارٹی کو سندھ میں بھگتنا پڑا ہے۔ بلدیاتی انتخابات کے دوسرے مرحلے میں پیپلز پارٹی کے شریک چیئرپرسن آصف علی زرداری کے دوست ڈاکٹر ذوالفقار مرزا نے پیپلز پارٹی کے لاڑکانہ کے بعد مضبوط ترین گڑھ بدین میں واضع اکثریت حاصل کرکے بدین سے پیپلز پارٹی کا راج ختم کردیا ہے۔ دوسری طرف کراچی میں پیپلز پارٹی کو لیاری میں اپنی انتخابی مہم چلانے میں مشکلات کا سامنا ہے۔ عمران خان نے ڈاکٹر ذوالفقار مرزا کی کامیابی کا سن کر فوراً ٹیلی فون پر ذوالفقار مرزا کو اپنی جانب سے مبارکباد دی۔ دونوں کی جلد ہی ملاقات ہوگی۔ عمران خان کو سندھ میں ذوالفقار مرزا جیسی شخصیت کی ضرورت ہے، کیونکہ دونوں ہی جارحیت پسند ہیں، زرداری اور ایم کیو ایم کے بدترین مخالف ہیں اور دونوں کو ہی میڈیا میں زیادہ رہنے کا شوق ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار مرزا شاید آگے چل کر عمران خان کی دعوت پر تحریک انصاف میں شمولیت اختیار کرلیں۔

پنجاب اور سندھ میں دوسرے نمبر پر آزاد امید وار جیتے ہیں، یہ بے پیندے

کے لوٹے ہوتے ہیں جو اکثریت کی طرف لڑھک جاتے ہیں۔ اُسکے بعد پنجاب میں تحریک انصاف تیسرے نمبر پر جبکہ سندھ میں صرف آٹھ سیٹوں پر اُسکے امیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ عمران خان نے ابھی تک ایک مرتبہ بھی دھاندلی کا الزام نہیں لگایا۔ لیکن اُن کے تازہ تازہ دوست ذوالفقار مرزا اور سندھ کی اپوزیشن جماعتوں نے اُنکی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے صوبے میں بلدیاتی انتخابات کے پہلے اور دوسرے مرحلے کے نتائج کو کالعدم قرار دینے اور نئے انتخابات فوج کی نگرانی میں کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ آیئے کراچی چلتے ہیں جہاں 5 دسمبر کو بلدیاتی انتخابات کا تیسرا بڑا معرکہ ہوگا۔ کراچی میں بلدیاتی انتخابات کی اہمیت دیگر شہروں کی نسبت کہیں زیادہ ہے کیونکہ یہ میٹروپولیٹن شہر بھی ہے اور کاسموپولیٹن بھی، یہی وجہ ہے کہ سیاسی جماعتوں نے اس مرتبہ بلدیاتی انتخابات جیتنے کیلئے اپنے مشہور ومعروف رہنماوں کو میدان میں اُتارنے کا فیصلہ کیا ہے۔

کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں متحدہ قومی موومنٹ آزادانہ طور پر انتخابات میں حصہ لے رہی ہے، جس کی کسی جماعت سے کوئی سیٹ ایڈجسٹمنٹ نہیں ہوئی ہے اور وہ اپنی کامیابی کے لیے پرامید ہے۔ "آؤ بدلیں اپنا کراچی" کے نعرہ کے ساتھ جماعت اسلامی اور تحریک انصاف نے آپس میں اتحاد کرکے 85 فیصد نشستوں پر سیٹ ایڈجسٹمنٹ کو حتمی شکل دے دی ہے۔ اس اتحاد کا کہنا ہے کراچی کو اُس

کا کھویا ہوا مقام واپس دلوائے گا اور شہر کو ایک بار پھر امن و محبت کا گہوارہ بنایا جائے گا۔ مہاجر قومی موومنٹ (حقیقی) کے رہنما آفاق احمد جن کے بارے میں جولائی 2011ء میں اُس وقت کے سینئر صوبائی وزیر ڈاکٹر ذوالفقار مرزا نے کہا تھا کہ مہاجر قوم کا حقیقی لیڈر آفاق احمد ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار مرزا کے سند یافتہ مہاجروں کے حقیقی لیڈر آفاق احمد کو خوف لاحق ہے کہ کچھ قوتیں تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کے اتحاد کو کراچی پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی بظاہر کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں کوئی خاص دلچسپی نظر نہیں آرہی ہے۔ عوامی نیشنل پارٹی بھی کراچی کے ہونے والے اگلے ناظم میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ عوامی نیشنل پارٹی سندھ کے جنرل سیکرٹری یونس خان بونیری نے کہا ہے کہ پنجاب کے بلدیاتی الیکشن میں مسترد شدہ عناصر اب کراچی میں اپنی کامیابی کے لیے بے ساکھیاں تلاش کر رہے ہیں۔

دوسرے مرحلے کے انتخابات ہوچکے ہیں جس میں پیپلز پارٹی کو بدین سے بدترین شکست ہوئی ہے۔ جماعت اسلامی نے پنجاب سے دو اور سندھ سے ایک بھی نشت حاصل نہیں کی ہے، اپنے مرکز منصورہ میں بلدیاتی انتخابات میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جبکہ 31 اکتوبر کو پنجاب میں بلدیاتی انتخابات کے پہلے مرحلے میں جماعت اسلامی کے دو رہنمائوں لیاقت بلوچ اور فرید پراچہ کے بیٹوں نے دوسرے

پلیٹ فارم سے انتخاب لڑا۔ عمران خان ابھی تک 2013ء کے عام انتخابات سے باہر ہی نہیں آرہے جب تحریک انصاف نے شہر سے تقریباً 8 لاکھ ووٹ لیے تھے۔ تحریک انصاف کے مقامی رہنما خود کو حاصل ہونے والی حمایت کو بروئے کار نہیں لاسکے اور کلفٹن، ڈیفنس کے علاوہ کہیں اور اپنے ووٹرز تک نہیں پہنچے۔ عمران خان گزشتہ کئی سالوں سے الطاف حسین پر تنقید کررہے ہیں اور انہیں یقین تھا کہ الطاف حسین کی مقبولیت ختم ہوچکی ہے، تاہم ایم کیو ایم نے 19 نومبر کو حیدرآباد اور میرپور خاص کے انتخابات میں کلین سوئپ کیا۔ یقیناً اس پر عمران خان حیران ضرور ہوئے ہونگے، اس سے پہلے این اے 246 کے نتائج نے انہیں حیران کردیا تھا۔ انتخابات کے دوسرے مرحلے کے بعد ایم کیوایم کے کارکنان اور رہنما تیسرے مرحلے کے لیے تحریک انصاف کے مقابلے میں زیادہ پر اعتماد ہیں۔

جماعت اسلامی کو پہلے اور دوسرے مرحلے کے بلدیاتی انتخابات میں شرمناک ناکامی کے بعد اپنے آپ کو بلدیاتی انتخابات سے علیدہ کرلینا چاہیے تھا، لیکن جناب 1970ء کے انتخابات سے لیکر آجتک سوائے جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف کے جتوائے ہوئے انتخابات میں کامیابی کے جماعت کبھی بھی کامیاب نہیں ہوئی ہے، لیکن اس کے رہنما سب سے پہلے دھاندلی کی شکایت کرتے ہیں جیسے این اے 246 کے انتخابات میں جماعت اسلامی کے امیدوار کی ضمانت ضبط ہوگئی تھی لیکن امیر جماعت اسلامی کراچی حافظ نعیم الرحمٰن نے دھاندلی دھاندلی کا شور

مچایا ہوا تھا۔ کراچی کے حوالے سے عبدالستار افغانی 1979ء سے 1987ء تک آٹھ سال کراچی کے دو مرتبہ میر رہے، اُنکو میر بنوانے میں جنرل ضیاء الحق کی مہربانی تھی، ایم کیو ایم کا وجود نہیں تھا اور دوسری کوئی بڑی سیاسی جماعت نہیں تھی۔ جنرل پرویز مشرف نے 2000ء میں بلدیاتی نظام کے تحت انتخابات کرائے، ان انتخابات کا ایم کیو ایم نے بائیکاٹ کیا جس کی وجہ سے جماعت اسلامی کے نعمت اللہ خان شہر کے پہلے ناظم منتخب ہوئے۔

اب جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق کا فرمانا ہے کہ 2018ء کے عام انتخابات میں جماعت اسلامی کامیاب ہوگی، ضرور ہو پاکستان کی ہر سیاسی جماعت کا مقصد انتخابات میں کامیابی کا حصول ہے تاکہ وہ ملک کو اپنے منشور اور نظریے کے مطابق چلائے۔ لیکن جناب ابھی تو تیسرے مرحلے کے کراچی کے بلدیاتی انتخابات ہونے جارہے ہیں۔ تحریک انصاف نے جماعت اسلامی کے ساتھ سیٹ ایڈجسمنٹ کی ہے، جماعت اسلامی کراچی کے امیر حافظ نعیم الرحمان کے مطابق اُن کی جماعت نے اس کے علاوہ جمیعت علما اسلام فضل الرحمان اور پاکستان پیپلز پارٹی سے بھی بعض نشتوں پر سیٹ ایڈجسمنٹ کی ہے۔ باظاہر کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں صرف ایک ہی مضبوط پارٹی ایم کیو ایم ہے جسکا ہلکا پھلکا مقابلہ جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کے اتحاد سے ہوگا۔ سیاست کا میدان بہت بے رحم ہوتا ہے، اس میں فتح ہوتی ہے یا شکست ہوتی ہے۔ اخلاقی فتح اور اخلاقی شکست کے فضول

چونچلے اور کھوکھلے نعرے دوسروں کو کم اور اپنے آپ کو زیادہ دھوکہ دینے کیلئے ہی
لگائے جا سکتے ہیں، اس لیے ہارنے والی جماعتوں سے یہ درخواست ہے کہ سیدھے
سیدھے اپنی ہار کو تسلیم کریں اور خود کو اپنے آپ سے دھوکا کھانے سے بچائیں۔

عمران خان کے نئے رہنما مہاتما گاندھی

عمران خان کرکٹ کے ایک اچھے کھلاڑی تھے، ایک اچھے سوشل ورکر بھی ہیں جسکا ثبوت شوکت خانم کینسر ہسپتال ہے، وہ ایک اچھے تعلیمی ریفامر بھی ہیں نمل یونیورسٹی اُسکی مثال ہے، لیکن ایک سیاست دان کی حیثیت سے وہ قطعی ناکام ہیں، کبھی وہ طالبان کے حامی ہوتے ہیں تو کبھی مغربی نظام کے، کبھی وہ اپنے آپ کو لبرل کہتے ہیں اور کبھی شدت پسندی کا پرچار کرتے ہیں، لاتعداد یوٹرن لینے والے عمران خان ایک سیاست دان کی حیثیت سے گذشتہ 19 سال سے اپنی نامعلوم منزل ڈھونڈ رہے ہیں، اور اب جب اُنہیں منزل نہیں مل رہی تو وہ اپنی ناکامیابی کا اقرار کرنے کے بجائے پاکستان کو کوس رہے ہیں، وہ اپنے آپ سے اتنے مایوس ہوچکے ہیں کہ آج علامہ اقبال اور قائداعظم سے زیادہ اُنہیں مہاتما گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد بڑے لیڈر لگ رہے ہیں۔ لاہور میں 25 نومبر 2015ء کو تحریک انصاف یوتھ ونگ کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کا کہنا تھا کہ " علامہ اقبال اور قائداعظم کی سوچ میں جو پاکستان تھا وہ نہیں بنا، اگر یہی پاکستان بننا تھا تو اس سے بہتر تھا کہ نہ بنتا"، ہم غلط راستے پر چلے گئے ہیں۔ عمران خان نے مزید فرمایا کہ مہاتما گاندھی بڑے لیڈر تھے، ہمیں یہ ماننا چاہئے کہ انہوں نے آزادی کی جنگ لڑی۔ غفار خان

اور مفتی محمود بھی بڑے لیڈر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ پاکستان نہیں بننا چاہیے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا کہ پاکستان بنا تو یہ کچھ ہوگا پھر وہی کچھ ہوا۔ ہم ملک میں اچھے برے کی تمیز ختم کر بیٹھے ہیں۔

پاکستان بنتے وقت غفار خان، مفتی محمود اور مولانا مودودی (جنکا شاید نام لینا عمران خان بھول گے) اور اُنکے حامی پاکستان بننے کے قطعی حق میں نہیں تھے۔ لیکن بعد میں اپنی باقی زندگی ان لوگوں نے پاکستان میں ہی گذاری۔ غفار خان جنکو سرحدی گاندھی بھی کہا جاتا تھا اپنی ساری زندگی پاکستان مخالفت میں گذاری اور مرنے کے بعد پاکستان میں دفن ہونا بھی پسند نہیں کیا۔ عمران خان کے بقول اُنکے بدترین سیاسی حریف مولانا فضل الرحمان کے والد مفتی محمود بڑے لیڈر تھے اور یہ اُس ہی بڑے لیڈر کا فرمانا تھا کہ وہ پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں تھے لیکن جب موقعہ لگا تو محترمہ فاطمہ جناح کو عورت کہہ کر ایوب خان سے سودے بازی کر لی اور اپنا ووٹ اُسے دے دیا۔

1970ء کے انتخابات میں سرحد اسمبلی (موجودہ خیبر پختونخوا اسمبلی) کی چالیس اراکین کی اسمبلی میں مفتی محمود کی جماعت جمعیت علمائے اسلام نے سرحد اسمبلی میں چار نشستوں پر کامیابی حاصل کی اور پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہ ہونے والے مفتی محمود غیر جمہوری طریقے سے صوبہ سرحد (موجودہ صوبہ خیبر پختونخوا) کے وزیر اعلیٰ بن بیٹھے۔

مفتی محمود کے بیٹے مولانا فضل الرحمان

کا بھی کافی جھکاؤ بھارت کی طرف ہے، پاکستان میں وہ ایک موقعہ پرست سیاست دان کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ مولانا مودودی قیام پاکستان کے خلاف تھے۔ چنانچہ لکھا کہ پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط" سے آزاد ہو جائیں۔۔۔ اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی"۔

عمران خان وہ پہلے پاکستانی نہیں ہیں جنھوں نے اپنی ناکامیوں پر پاکستان کو برا کہا ہو، اس سے پہلے ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین بھی پاکستان کے خلاف کافی زہر اگل چکے ہیں۔ 2006ء میں الطاف حسین نے دہلی میں ایک تقریر کرتے ہوئے متحدہ ہندوستان کی تقسیم کو ایک بہت بڑی غلطی قرار دیا تھا۔ یکم اگست 2015ء کو امریکا کے شہر ڈیلاس میں ایم کیوایم امریکا کے سالانہ کونشن کے موقع پر ٹیلی فونک خطاب میں الطاف حسین نے نہ صرف پاک فوج کے خلاف بلکہ تمام مسلم فوج کے خلاف بھی زہر اگلا، الطاف حسین نے کہا کہ اگر بھارت میں ذرا بھی غیرت ہوتی تو پاکستان میں مہاجروں کا قتل نہ ہوتا۔ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کافی عرصہ سے روزنامہ جنگ میں مضامین لکھ رہے ہیں، اُنکے مضامین کبھی سماجی اور کبھی سیاسی ہوتے ہیں۔ لیکن حیرت انگیز طور پر سال 2013ء میں 28 اکتوبر سے 13 دسمبر تک ڈاکٹر صاحب اپنے پانچ مضامین میں پاکستان کے کٹر مخالف مولانا ابوکلام آزاد کے ہم خیال بنے ہوئے تھے اور

مولانا ابوکلام آزاد کی پاکستان مخالف تحریروں کی حمایت کر رہے تھے۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مولانا آزاد کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ان مضامین کے بعد جب اُن پر بھرپور تنقید کی گئی تو انہوں نے یہ سلسلہ بند کیا۔

اپنے آپ کو قائداعظم جیسا لیڈر کہلانے والے عمران خان کی سوچ کا معیار یہ ہے کہ وہ مہاتما گاندھی اور ابوالکلام آزاد کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اگر یہی پاکستان بننا تھا تو اس سے بہتر تھا کہ نہ بنتا"۔ اُنکے حامی ایک کالم نگار کو اُنکی یہ بات قطعی پسند نہیں آئی اور اُس نے لکھا ہے کہ "یقیناً مہاتما گاندھی اور ابوالکلام بڑے لیڈر تھے لیکن وہ اپنی قوم کے لئے بڑے لیڈر تھے۔ جیسے ابو جہل، ابو لہب اور عتبہ وامیہ وغیرہ کفارانِ مکہ کے بڑے لیڈر تھے۔ لیکن ہمارے بڑے لیڈر قائداعظم تھے"۔ پاکستان بنتے وقت کے چشم دید گواہ اب بھی موجود ہیں۔ جنہوں نے خون کی ہولی کھیلتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ اکثریت میں ہوتے ہوئے جس طرح مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا ۔۔۔ دہلی وہ تو گاندھی کا شہر تھا۔ اس میں کیوں مسلمانوں کی لاشیں سڑکوں پر بے گوروکفن پڑی رہیں۔ مسلمانوں کی لاشیں دفنانے کی کسی کو اجازت نہیں تھی ۔۔۔ ہندو اور سکھ غنڈے سرعام گھومتے اور دہلی جہاں مسلمانوں کی واضح اکثریت تھی، پولیس اور فوج کی موجودگی میں مسلمان بیٹیوں

کو چھیڑتے۔۔۔ اور قتل کرنے کے بعد لاش کو آگ لگا دیتے کہ ان کے مذہب میں دفنانا جائز نہیں ہے۔ قائد اعظم ابوالکلام آزاد کو کانگریس کا شو بوائے کہتے تھے۔ نو سال تک کانگریس کا صدر رہنے والا ابوالکلام آزاد غدارے مسلم تھا اور ہندوں کا ساری عمر وفادار رہا حتیکہ جب یہ وزیر تعلیم تھا اس وقت ہی سے ہندوستان کی تاریخ میں سے مسلمانوں کے اصل کردار غائب ہوتے رہے اور مسلمان حکمرانوں کو غاصب، لٹیرے اور حملہ آور لکھا گیا اور آج بھی ہندوستان کی تاریخ میں یہ ہی لکھا ہوا ہے۔

اگر پاکستان نہ ہوتا تو گجرات جیسے فسادات روز کا معمول بن جاتے ہیں۔ چھوٹے بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جاتا رہتا۔ آج بھارت میں مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ سب کے سامنے ہے، بھارت میں بی جے پی کی نریندر مودی حکومت کی حمایت سے ہندو دھرم کے نام پر انتہاپسند تنظیموں شیوسینا اور راشٹریہ سیوک سنگھ وغیرہ نے مسلمانوں اور دوسری مذہبی اقلیتوں کے خلاف منافرت، اشتعال انگیزی اور قتل و غارت کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ 28 ستمبر 2015ء کو نئی دہلی کے قریب ایک گاؤں میں مشتعل ہندوئوں کے ہجوم نے ایک 50 سالہ لوہار محمد اخلاق کو گائے کا گوشت کھانے کے شبہ میں قتل کر دیا اور بیٹے دانش کو بری طرح زدوکوب کیا اس کے بعد سے چند مسلمان ٹرک ڈرائیورز گائے اسمگل کرنے کے الزام میں قتل کر دیئے گئے۔ ممبئی میں پاکستان کے سابق وزیر خارجہ خورشید محمود

قصوری کی کتاب کی تقریب رونمائی کے میزبان کے چہرے پر سیاہی پھینک دی گئی۔ ممبئی میں فن کا مظاہرہ کرنے پر استاد غلام علی کو ہراساں کیا۔ بھارتی کرکٹ بورڈ کے صدر نے پاکستانی ہم منصب شہریار خان سے ملنے سے انکار کیا۔ امپائر علیم ڈار کو سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکیاں دی گئیں جس پر انہیں ممبئی میں بھارت، جنوبی افریقا ایک روزہ میچ کی امپائرنگ سے دستبردار کرا دیا گیا۔

سونیا گاندھی کی قیادت میں جب کانگریس نے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تو کانگریس کے باقی رہنما سونیا گاندھی کو بھارت کا وزیراعظم بنانا چاہتے تھے لیکن بھارت کی انتہا پسند موجودہ وزیر خارجہ سُشما سوراج نے اعلان کیا کہ چونکہ سونیا گاندھی اصل بھارتی نہیں ہیں اس لیئے اگر اُنکو بھارت کا وزیراعظم بنایا گیا تو وہ اپنے سر کے تمام بال اتروا دینگیں، لہٰذا اُسکے بعد ہی منموہن سنگھ کو وزیراعظم بنایا گیا۔ دسمبر 2014ء میں نئی دہلی میں ایک انتخابی ریلی کے دوران مودی کی ایک خاتون وزیر سدھوی رنجن جیوتی نے بھارتی مسلمانوں کو ملک کی "ناجائز اولاد" قرار دیا۔ مودی نے انہیں اپنی کابینہ سے نہیں نکالا اور خود پارلیمنٹ سے معذرت پر اکتفا کیا۔ آپ کو بھارت کی بالی ووڈ کے علاوہ اور کہیں مسلمان سرفہرست نظر نہیں آئیں گے۔ لیکن ان اداکاروں کی وفاداری بھی مشکوک قرار دی گی ہے۔ پاکستان بنانے کا شکریہ جناح صاحب، اگر پاکستان نہ بنا ہوتا تو آج ہم انتہاپسند شیوسینا کے غنڈوں کے رحم و کرم

پر ہوتے، لیکن موجودہ پاکستان کی خرابیوں کے ذمہ دار آپ نہیں بلکہ ہمارے وہ سول اور فوجی حکمران ہیں جنھوں نے اپنے ذاتی فاہدئے کے لیے ملک کے مفاد کو نقصان پہنچایا۔ عمران خان کو اگر شکوہ کرنا ہے تو اُن سے کریں جو پاکستان کو اس حالات میں لانے کے ذمہ دار ہیں۔

چار نومبر 2015ء کو اسلام آباد میں سرمایہ کاری کانفرنس سے خطاب کے دوران وزیراعظم نواز شریف نے کہا تھا کہ "عوام کا مستقبل جمہوری اور لبرل پاکستان میں ہے"، وزیر اعظم کے اس بیان کے فوراً بعد جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے ایک بیان میں کہا کہ جسے لبرل ازم کی چاہت ہے وہ امریکہ چلا جائے۔ اس سے پہلے سراج الحق لوگوں کو ممبئی جانے کا مشورہ بھی دے چکے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سراج الحق عمران خان کے اس بیان کے بعد اُنہیں گاندھی کے دیس بھارت جانے کا مشورہ دے دیں۔ لیکن ایسا شاید نہ ہو کیونکہ وہ اُس جماعت کے سربراہ ہیں جس کے بانی مولانا مودودی تھے، دوسرے وہ عمران خان کے سیاسی اتحادی بھی ہیں۔ اگر پاکستان نہ بنا ہوتا تو شوسینا کے دستے عمران خان کے گھر کا گھیراؤ کئے ہوتے اور انہیں الٹی میٹم دے رہے ہوتے کہ اگر زندہ رہنا ہے تو ہمارا دھرم اختیار کرلو۔ عمران خان کے اس بیان پر پاکستان میں کافی مخالفت بڑھ رہی ہے اور بڑھے گی، اگر عمران خان اپنے آپ کو گاندھی کا چیلہ نہیں کہلوانا چاہتے ہیں تو بہتر ہوگا کہ عمران خان اپنے اُس بیان کو واپس

لیکر پوری قوم سے معافی مانگیں جو انہوں نے لاہور میں 25 نومبر 2015ء کو تحریک انصاف یوتھ ونگ کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر یہی پاکستان بننا تھا تو اس سے بہتر تھا کہ نہ بنتا" کیونکہ اُنکا یہ بیان حقیقت سے بہت دور ہے۔

بلدیاتی انتخابات میں ووٹ ضرور ڈالیں

پنجاب اور سندھ کے تیسرے اور آخری مرحلے میں 5 دسمبر کو کراچی شہر میں بلدیاتی انتخابات کے سلسلے میں ہونے والی سرگرمیاں اب اپنے عروج پر پہنچ چکی ہیں۔ کراچی میں 1520 نشستوں کے لیے 5401 امیدواروں میں مقابلہ ہوگا اور 70 لاکھ سے زائد ووٹرز حق رائے دہی استعمال کریں گے ۔ الیکشن کمیشن کے اعداد و شمار کے مطابق سندھ میں تیسرے مرحلے کے بلدیاتی انتخابات میں کراچی کے چھ اضلاع میں پولنگ ہوگی۔ کراچی کے مختلف علاقوں میں جماعت اسلامی، تحریک انصاف، پیپلز پارٹی ،اے این پی اور ایم کیوایم نے ریلیوں اور کارنر میٹنگز کا انعقاد کیا۔ کراچی میں بلدیاتی انتخابات کیلئے جماعت اسلامی اور تحریک انصاف متحد ہو کر ان انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں۔ جماعت اسلامی اور پاکستان تحریک انصاف کے سربراہوں سراج الحق اور عمران خان کی قیادت میں 28 نومبر کو ایک طویل ریلی نکالی گئی۔ لیاری میں پیپلز پارٹی کے زیر اہتمام ریلی نکالی گئی جو بغدادی ،کلاکوٹ ، گل محمد لائن ،آٹھ چوک ،بکرا پیڑی اور نیاآباد سے ہوتی ہوئی موسی لائن پر اختتام پذیر ہوئی، ریلی میں شریک جیالوں کا جوش وخروش جوبن پر تھا۔ عوامی نیشنل پارٹی سندھ کے صدر شاہی سید نے کورنگی، مہران ٹاؤن اور بلال کالونی میں الیکشن دفاتر کا افتتاح کیا۔

متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیوایم) نے شہر کے متعدد مقامات پر کارنر میٹنگز کا انعقاد کیا جس میں عوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ ایم کیوایم نے منگل یکم دسمبر کو شہر کی تمام یوسیز میں پتنگ میلے کا اہتمام کیا ہے۔ مرکزی پروگرام عزیزآباد کے جناح گرائونڈ میں ہوگا جس میں ایم کیوایم کی رابطہ کمیٹی، سی ای سی اراکین، حق پرست اراکین سینیٹ قومی وصوبائی اسمبلی عوام کے ہمراہ ایم کیوایم کے پرچم کے رنگ کی پتنگیں اڑائیں گے۔ کراچی جو دنیا بھر میں امن وامان کے حوالے سے ایک غیر محفوظ شہر کے طور پر پہچانا جاتا ہے لیکن اس وقت یہ بہت ہی خوش آئند بات ہے کہ شہر میں بدامنی کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔آپس میں متصادم سیاسی جماعتوں نے شہر بھر میں سیاسی سرگرمیوں کا مظاہرہ کیا، ریلی نکالیں اور مختلف مقامات پر خطابات کیئے جس کو مخالف پارٹیوں نے نہ صرف خوشدلی سے قبول کیا بلکہ اس نے بھی اپنی بھرپور سیاسی طاقت کا مظاہرہ کیا۔

کراچی میں سیاسی سرگرمی اس وقت عروج پر پہنچی جب تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اور جماعت اسلامی کے سربراہ سراج الحق 28 نومبر کو کراچی پہنچے، عمران خان کراچی کے دوروزہ دورے پر کراچی آئے تھے جبکہ سراج الحق اُس رات ہی لاہور چلے گے۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اور جماعت اسلامی کے

سر براہ سراج الحق کی قیادت میں 28 نومبر کو ایرپورٹ سے مزار قائد تک کے لیے ریلی نکالی گئی لیکن یہ ریلی بعد میں دو حصوں میں بٹ گئی، عمران خان نے ریلی جیل روڈ پر ہی ختم کردی جبکہ سراج الحق نے سفر جاری رکھا اورمزار قائد پر پہنچ کر فاتحہ خوانی کی۔ اس موقع پر ریلی کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے امیر جماعت اسلامی سراج الحق کا کہنا تھا کہ کراچی شہر زخم خوردہ ہے، ہم عوام کے دکھ اور درد دور کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ شہر قائد کو قابضین اور مافیا سے نجات دلائیں گے۔ انہوں نے اہلیانِ کراچی سے وعدہ کیا ہے کہ ہمیں بلدیاتی انتخابات میں کامیاب کروائیں تو کراچی سے بوری بندی کی سیاست کا خاتمہ کرکے کراچی کو استنبول کی طرح پرامن اور خوبصورت بنادیں گے۔ریلی کو ختم کرنے کے دو مختلف فیصلوں سے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس قسم کے اتحادی ہیں، ایک اور عجیب بات یہ تھی کہ جو اپنے آپ کو قائد اعظم ثابت کرنا چاہ رہا ہے اُس نے تو ریلی جیل روڈ پر ہی ختم کردی لیکن وہ جو نہ پاکستان کے حامی تھے اور نہ ہی قائد اعظم کے اُس نے ریلی مزار قائد پر پہنچ کر ختم کی اور مزار قائد پر حاضری بھی دی۔ واہ عمران خان واہ، تماری سیاسی ناکامی کی ایک وجہ اس قسم کے غلط سیاسی فیصلے بھی ہیں۔

اتوار 29 نومبر کا پورا دن عمران خان نے کراچی میں انتہائی مصروف گزارا، جہاں ،انہوں نے لیاری کے ککڑی گراؤنڈ میں کارکنان سے خطاب کیا وہیں، بنارس

نارتھ ناظم آباد، فائیو اسٹار چورنگی، ابوالحسن اصفہانی روڈ پر کارکنان کے اجتماعات سے خطابات کئے۔ لیاری کے ککری گراؤنڈ میں خطاب کے دوران عمران خان نے کہاکہ سیاست دانوں کا مفاد عوام کو لڑانے میں ہے، پاکستان میں ظالم اکٹھے اور مظلوم تقسیم کردیئے گئے ہیں، مجرموں اور قبضہ گروپ نے ملک سنبھال لیا اور باریاں لیں، کرپٹ لوگوں کی یونین بنی ہوئی ہے، ایک پر ہاتھ ڈالیں تو سب اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ عمران خان نے مزید کہاکہ کراچی کبھی روشنیوں کا شہر تھا، لیاری میں گولیوں کی سیاست کی گئی اور اپنے مفاد کے لئے نفرتیں پھیلائی گئیں، وہ نئے کراچی اور نئے لیاری کے لئے عوام کے پاس آئے ہیں، کراچی پاکستان کا معاشی حب ہے،اس کو بچانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ کراچی میں خون خرابے کا کھیل ختم کرکے دکھائیں گے۔ کراچی میں عرصہ دراز سے ایک سیاسی جماعت کی اجارہ داری قائم ہے لیکن کراچی کے شہریوں کو پانچ دسمبر کو ترازو اور بلے کو ووٹ دے کر نئی تاریخ رقم کرنی ہے۔ کراچی کے اس پورے دورے کے دوران عمران خان اُن علاقوں سے دور رہے جو ایم کیو ایم کے گڑھ کہلائے جاتے ہیں۔ کراچی ہو یا ملتان یا پھر لاہور ہو یا اسلام آباد، غرضیکہ پاکستان میں کسی بھی جگہ تحریک انصاف کا کوئی پروگرام ہو اور اُسکے کارکن بدتمیزی نہ کریں ایسا ہو نہیں سکتا۔ عمران خان کی کراچی آمد پر تحریک انصاف کے

کارکنان کی جانب سے بدتمیزی کے بھرپور مظاہرے کیے گئے۔ پہلے روز تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کی مشترکہ ریلی کی کوریج کرنے والی ایکسپریس نیوز کی خاتون رپورٹر کے ساتھ نہ صرف بدتمیزی کی گئی بلکہ کیمرہ بھی توڑ دیا گیا، اس کی وڈیو سوشل میڈیا پر چل رہی ہے جس میں خاتون اینکر نے پی ٹی آئی کے ورکروں پر الزام لگایا ہے کہ پہلے انہوں نے ہمیں اس بات پر گالیاں دیں کہ ہم نے اُن کی گاڑیوں میں رکھے ہوئے ڈنڈوں کی فلم کیوں بنائی، اُسکے بعد انہوں نے میرا دوپٹہ کھینچا لیکن مجھے دوسرے ساتھیوں نے بچایا۔ داؤد چورنگی پر تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کارکنان سے خطاب کرنا تھا لیکن وہ کارکنان سے خطاب کئے بغیر ہی ایئرپورٹ روانہ ہوگئے جس کے بعد کارکنان مشتعل ہوگئے اور انہوں نے نہ صرف تحریک انصاف کے رہنما علی زیدی کی گاڑی کا گھیراؤ کیا بلکہ ایکسپریس نیوز کی ڈی ایس این جی پر دھاوا بول دیا اور شیشے بھی توڑ دیئے تاہم حملے میں ایکسپریس نیوز کا عملہ محفوظ رہا۔ عمران خان کا کہنا ہے کہ وہ نیا پاکستان بنائینگے، نیا پاکستان بنانے سے پہلے اگر عمران خان اپنے ورکروں کو تمیز سکھالیں تب ہی شاید وہ کچھ کر سکیں گے۔

بلدیاتی انتخابات کی مہم کیلیے ایم کیو ایم کی جانب سے کراچی کے علاقوں کورنگی، بیت المکرم گلشن اقبال، سرجانی اور رنچھوڑ لائن میں کارنر میٹنگز کا

انعقاد کیا گیا۔ایم کیو ایم کے رہنما ریحان ہاشمی نے نارتھ ناظم آباد میں خطاب میں کہا کہ جس طرح کراچی کے این اے 246 میں ایم کیو ایم نے بڑی فتح حاصل کی اسی طرح کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں بھی ایم کیو ایم کی ہی جیت ہوگی۔ ایم کیو ایم کی جانب سے حیدر عباس رضوی نے حیدری میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پورے پاکستان نے بلدیاتی انتخابات میں مائنس عمران فارمولا اپنایا۔انہوں نے کہا کہ آج سارا دن ہی میڈیا کو مصروف رکھا گیا ایک چھوٹی سی ریلی کیلئے جو کہ ملک کی دو ایسی جماعتوں نے ملکر نکالی تھی کہ جن کے ماننے والے، ووٹر، سپورٹرز پورے پاکستان میں سمیٹتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آج کالعدم تنظیموں اور طالبان اور برصغیر القاعدہ کے سیاسی ونگز کی ایک ریلی تھی۔ انہوں نے کہا کہ محض نعرے لگا کر کراچی والوں کو بیوقوف نہیں بنایا جاسکتا، کراچی پاکستان کا سب سے پڑا لکھا اور باشعور شہر ہے۔

کراچی میں جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کی مشترکہ ریلی پر بات کرتے ہوئے وفاقی وزیر ریلوے خواجہ سعد رفیق کا کہنا تھا کہ کراچی میں جماعت اسلامی کا تحریک انصاف سے اتحاد حیران کن ہے، سراج الحق واضح کریں کہ دائیں بازو کی پارٹی لبرل جماعت کے ساتھ کیسے ہے۔ سراج الحق کو لبرل پارٹی سے اتحاد مبارک ہو لیکن اپنی نظریاتی اساس واضح کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ جلسے

جلوسوں اور ریلیوں میں عوام رہنماؤں کو دیکھنے آجاتے ہیں لیکن ووٹ اسے ہی دیتے ہیں جو عوام کے لئے کام کرے اور کراچی میں عوام ووٹ اسے دیتے ہیں جو عوام کا ساتھ دے۔

ایک دور تھا جب کراچی کو جماعت اسلامی کا شہر کہا جاتا تھا، تاہم وقت کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی کراچی میں اپنی مقبولیت کھوتی چلی گئی اور اب وہ کراچی میں تحریک انصاف کے ساتھ ملکر بلدیاتی انتخابات لڑرہی ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جماعت اسلامی اور پی ٹی آئی ملکر کراچی میں اکثریت حاصل کرلینگے اور کیا ایم کیو ایم اپنی ماضی کی روایت کو برقرار رکھ سکے گی؟ اس سوال کا جواب پانچ دسمبر کو ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں ہی حاصل ہوسکے گا۔ کراچی جو گذشتہ 30 سال سے بربادیوں کا شہر بنا ہوا ہے اُسکے باسیوں کو چاہیے کہ پانچ دسمبر 2015ء کے بلدیاتی انتخابات میں ماضی کے تجربات کی روشنی میں اپنے شہر کے مستقبل کو سنوارنے کا فیصلہ کریں۔ گمراہ کن نعروں، جھوٹے دعوؤں اور وعدوں کو مسترد کرتے ہوئے اُن پر بھروسہ کریں جن پر اُنہیں یقین ہو کہ وہ نہ صرف کراچی کے مسائل سے واقف ہیں بلکہ اُن مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بہت سوچ سمجھ کر بلدیاتی انتخابات میں اپنا ووٹ ضرور ڈالیں کیونکہ آپکا ووٹ آپکے شہر کے مسائل کو حل کرنے میں ایک بنیادی کنجی ہے۔

اسحاق ڈار کا منی بجٹ اور عام آدمی

پورے پاکستان میں صرف دو جڑواں بھائی ہیں جو عیش کر رہے ہیں اور جنہیں آج تک ہمارے حکمرانوں کے سوا کسی نے دیکھا تک نہیں، ان میں سے پہلے کا نام ہے نامعلوم" جبکہ دوسرے کا نام ہے "عام آدمی"۔ پورے پاکستان میں کہیں بھی کوئی" بھی جرم ہو، قتل ہو، ٹارگٹ کلنگ ہو، چوری ہو یا لوٹ مار، ان جرائم میں جو مجرم نہیں پکڑا جاتا اُسے ہمارے حکمران "نامعلوم" کہہ کر پکارتے ہیں اور یہ "نامعلوم" کبھی بھی پکڑا نہیں جاتا، اس لیے" نامعلوم" جہاں بھی ہے سارے جرائم کرنے کے باوجود عیش کرتا ہے۔

پوری دنیا میں "عام آدمی" کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے جو متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کی آمدنی اور اخراجات تقریباً یکساں ہوتے ہیں اور جو اپنی ساری زندگی آمدنی اور اخراجات کی جمع تفریق میں گزار دیتے ہیں، یا پھر وہ غریب ہیں جن کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی جس سے وہ اپنے اور اپنے بچوں کے لیے بنیادی ضروریات خرید سکیں۔ متوسط طبقے میں نوکر پیشہ اور چھوٹے کاروبار کرنے والوں کے علاوہ روزانہ کی بنیاد پر کام کرنے والے ہنرمند شامل ہوتے ہیں۔ پاکستان جیسے ممالک میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ یہ متوسط طبقہ ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتا ہے۔ بدنصیبی سے

پاکستان میں متوسط طبقہ بے روزگاری، کاروبار کی بندش اور امن و امان کی مخدوش صورتحال کی وجہ سے سکڑ کر تیزی سے غریب طبقے میں شامل ہو رہا ہے۔ آمدنی اور وسائل کے کم ہونے کی وجہ سے اس وقت ملک کی 65 فیصد آبادی غربت یا غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں اس طبقے کو "عام آدمی" نہیں کہا جاتا، ہمارے ملک میں "عام آدمی" کا اصل مطلب مراعات یافتہ طبقہ ہے، جس پر کسی بھی قسم کی مہنگائی کا کبھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔

آیئے اسلام آباد چلیں جو ہمارے حکمرانوں کا شہر ہے اور جہاں یکم دسمبر 2015ء کو ہمارے وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے ایک منی بجٹ کے ذریعے اکٹھ درآمدی اشیاء پر پانچ سے دس فیصد مزید ریگولیٹری ڈیوٹی عائد کی اور دو سو نواسی درآمدی اشیاء کی ڈیوٹی میں پانچ فیصد اضافے کا اعلان کیا ہے۔ وزیر خزانہ کا کہنا تھا کہ "نئے محصولات لگانے کا مقصد سال کے پہلے چار ماہ میں حاصل ہونے والی آمدنی کے انتالیس اعشاریہ آٹھ ارب روپے کے خسارے کو پورا کرنا ہے"۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ان ٹیکسوں کا اثر "عام آدمی" پر نہیں پڑے گا۔ بقول اُن کے نئے ٹیکس پر تعیش اشیاء پر لگائے گئے ہیں۔ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس کے بعد پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ رواں مالی سال کی پہلی سہ ماہی میں محصولات کے ہدف میں چالیس ارب روپے کی کمی پوری کرنے کے لیے ای سی سی کے اجلاس میں

ریگولیٹری ڈیوٹی میں اضافے کی منظوری دی گئی ہے۔

اقتصادی ماہرین کا کہنا ہے کہ وزیر خزانہ کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ نئے ٹیکسوں سے عام آدمی متاثر نہیں ہوگا۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہوتی ہیں، وزیر خزانہ صاف کیوں نہیں کہتے کہ وہ آئی ایم ایف کے دباؤ میں ہیں۔ آئی ایم ایف نے واضح کر دیا تھا کہ اگر نئے ٹیکس نافذ نہ کیے گئے تو پاکستان کو قرضے کی اگلی قسط نہیں مل سکے گی۔ مختلف حلقوں کی جانب سے تنقید کے بعد وزیر خزانہ نے حسب دستور اپنی بات کو بدلتے ہوئے کہا کہ ان نئے ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی چالیس ارب روپے کی آمدن اندرون ملک بے گھر افراد (آئی ڈی پیز) کی بحالی اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال ہوگی۔ اُنھوں نے کہا حکومت نے صنعتوں، زراعت اور مقامی طور پر بننے والی تمام اشیاء پر ٹیکس نہیں لگائے ہیں، البتہ کاسمیٹکس، چاکلیٹ، تیل، گھی اور ایک ہزار سی سی سے زائد کی نئی گاڑیوں پر پانچ سے دس فیصد درآمدی ڈیوٹی عائد کی ہے۔ کوئی وزیر خزانہ سے پوچھے کہ کم از کم عوام کو اتنا ہی بتادیں کہ وہ کون سی وجوہ ہیں جن کی وجہ سے بجٹ میں متعین کردہ اہداف پورے نہ کیے جاسکے؟ وزیر خزانہ وہ عام آدمی دکھا دیں، جس پر ان نئے ٹیکسوں کا اثر نہیں پڑے گا۔ یہ کون نہیں جانتا کہ حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کا خمیازہ عوام کو ہی بھگتنا ہے۔

پہلے ہی عوام کو براہ راست اور بالواسطہ ٹیکسوں کے بوجھ تلے کچلا جا رہا ہے اب یہ نئے ٹیکسوں کا بوجھ بھی غریب عوام پر ہی پڑے گا۔ کیا سالانہ بجٹ پیش کرنے کے بعد جمہوریت کی بجائے آمریت قام ہو گئی تھی؟ ایک جانب حکومت معاشی اہداف اور ترقی کے وعدے پورے کرنے میں ناکام ہو چکی ہے اور دوسری طرف منافع خوروں اور گراں فروشوں نے منڈی اور بازار میں قیمتوں میں من مانا اضافہ کر دیا ہے۔
حکومتوں کی طرف سے نرخ قابو میں رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی ہے، حکمران طبقہ مہنگائی پر قابو پانے کی بجائے صرف معیشت کی ترقی کے دعوے کرتا دکھائی دیتا ہے۔
پاکستان میں حزب اختلاف کی تین بڑی جماعتوں پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان تحریک انصاف اور ایم کیو ایم نے وفاقی حکومت کی جانب سے چالیس ارب روپے کے نئے ٹیکسوں کے نفاذ کے خلاف مشترکہ احتجاج شروع کرنے کا اعلان کیا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان تحریک انصاف اور ایم کیو ایم نے منی بجٹ کو ظالمانہ قرار دے کر مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ آئندہ ہفتے قومی اسمبلی اور سینیٹ کے اجلاس کے دوران احتجاج کریں گے۔ چالیس ارب روپے کے ٹیکس لگانے پر ایک خاتون نے ایک ٹی وی چینل کے پروگرام میں لائیو کال کرکے اسحاق ڈار کو لعن طعن کا نشانہ بنایا ہے۔
ایک سوال::: 1992ء میں چینی حکومت نے اچانک چینی کی قیمت میں اضافہ کر دیا تھا، چینی قوم نے اِس فیصلے کا بائیکاٹ کرتے ہوئے چینی خریدنا بند کر دی، تین

ماہ تک کسی ایک شخص نے بھی چینی کا استعمال نہیں کیا، جس کی وجہ سے چینی کا سارا ذخیرہ رکھے رکھے ہی خراب ہونا شروع ہوگیا۔ عوامی مقاطعے کے باعث چینی حکومت کو اربوں ڈالر کا نقصان اُٹھانا پڑا، معیشت تنزلی کا شکار ہو گئی، آخرکار چین کی حکومت نے اپنے عوام سے معافی مانگی اور چینی کی قیمت سابقہ قیمت سے بھی کم کردی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ کل اگر اسحاق ڈار کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے بدترین مہنگائی ہوجائے، آپ کے بچوں کے تن سے کپڑے بھی چھن جائیں، اُن کے لیے رزق بھی میسر نہ ہو وہ بھوکے رہیں، کیا اُس وقت بھی آپ لوگوں نے خاموش رہنا ہے؟ کم از کم اپنا احتجاج تو ریکارڈ کروائیں۔

بقول اسحاق ڈار ان ٹیکسوں کا اثر "عام آدمی" پر نہیں پڑے گا تو کیا آپ کو پتہ ہے کہ مہنگائی سے محفوظ حکمرانوں کا یہ "عام آدمی" کہاں ملے گا، آیئے تلاش کرتے ہیں، یہ عام آدمی آپ کو پشاور، پنڈی، لاہور یا کراچی کی سڑکوں پر نہیں ملے گا، یہ آپ کو رائے ونڈ، بلاول ہاوس یا بنی گالہ میں ملے گا۔ میں اور آپ تو خاص آدمی ہیں لہٰذا عام آدمی کے گھر میں داخل ہونا آپ کے اور میرے لیے ممکن نہیں اس لیے صبر کریں اور بقول قتیل شفائی منافقوں میں شامل ہوجائیں

دنیا میں قتیل اس سا منافق نہیں کوئی

جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا

ایم کیو ایم کے مینڈیٹ کو تسلیم کریں

کراچی میں بلدیاتی انتخابات کی اہمیت دیگر شہروں کی نسبت کہیں زیادہ ہے کیونکہ یہ میٹروپولیٹن شہر بھی ہے اور کاسموپولیٹن بھی لیکن بدقسمتی سے اسکو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو اسکو ملنی چاہیے۔ پنجاب اور سندھ کے تیسرے اور آخری مرحلے میں پانچ دسمبر 2015ء کو کراچی شہر کے چھ اضلاع میں بلدیاتی انتخابات میں 1520 نشستوں کے لیے 5401 امیدواروں میں مقابلہ ہوا، اس سے پہلے اپنی انتخابی سرگرمیوں میں تمام سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا۔ کراچی میں اصل مقابلہ متحدہ قومی موومنٹ اور جماعت اسلامی اور پاکستان تحریک انصاف کے دو جماعتی اتحاد کے درمیان تھا۔ اے این پی تقریباً مقابلے سے باہر تھی جبکہ پیپلزپارٹی کو بھی کراچی کے بلدیاتی انتخابات سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ پیپلزپارٹی کے بہت کم امیدوار تھے جس میں اُس کو اپنے گڑھ لیاری میں کل 15 میں سے صرف 6 نشستوں پر کامیابی ملی۔ کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں ایم کیو ایم نے میدان مار لیا۔ آئندہ میئر ایم کیو ایم کا ہی ہوگا۔ ترازو اور بلے کا اتحاد ناکام ہوگیا۔ جیسا کہ میں نے 24 نومبر کو اپنے ایک مضمون "کراچی میں ایم کیو ایم کا ہلکا پھلکا مقابلہ" میں لکھا تھا کہ "بظاہر کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں صرف ایک ہی مضبوط پارٹی ایم کیو

ایم ہے جسکا ہلکا پھلکا مقابلہ جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کے اتحاد سے ہوگا" تو بلکل ایسا ہی ہوا ہے۔

کسی ایک بھی تجزیہ نگار نے ایم کیو ایم کی شکست کا سوچا بھی نہیں، بقول ایم کیو ایم کے رہنما حیدر عباس رضوی کے کہ انکو توقع سے زیادہ کامیابی ملی ہے۔اب تک موصول ہونے والے نتائج کے مطابق کراچی کی مجموعی 456 نشستوں میں سے ایم کیو ایم نے 254 نشتیں حاصل کی ہیں۔ پیپلزپارٹی 39 نشستوں پر کامیاب ہوئی ہے، 34 نشستوں پر آزاد امیدوار کامیاب ہوئے ہیں، جبکہ دیگر جماعتوں کے 63 امیدوار کامیاب ہوئے۔ کراچی میٹروپولیٹن کی یونین کونسلوں اور یونین کمیٹیوں کی 246 نشستوں میں سے ایم کیوایم، 32 پیپلزپارٹی، 8 جماعت اسلامی، 9 تحریک انصاف، 9 مسلم لیگ 135 ن ، 3 جے یو آئی، ایک اے این پی اور 24 آزاد امیدواروں نے چیئرمین شپ پر کامیابی حاصل کی ہے۔ کراچی کے سب سے بڑے ضلع وسطی میں ایم کیوایم نے مخالفین پر جھاڑو پھیردی 102 نشستوں میں سے 100 پر ایم کیوایم نے قبضہ جمالیا جبکہ صرف دو نشتیں پیپلزپارٹی کے حصے میں آئیں (تمام اعداد و شمار دستیاب معلومات پر لکھے گے ہیں ان میں بعد میں کسی بھی تبدیلی کی ذمہ داری مضمون نگار پر نہیں ہوگی) ۔

ایم کیوایم پر واضح الزامات ہیں کہ کراچی میں بھتہ خوری، ٹارگیٹ کلنگ کے

علاوہ بوری بند لاشوں کی بھی ذمہ دار ایم کیو ایم ہے، اس سال فروری اور مارچ میں نہ صرف ایم کیو ایم پر قتل اور دہشت گردی کے الزامات لگے بلکہ اُسکے مرکز نائن زیرو پر رینجرز نے چھاپا بھی مارا، ایک مقامی اخبار کے سروئے کے مطابق متحدہ قومی موومنٹ کے مرکز نائن زیرو پر رینجرز کے چھاپے کو 74 فیصد پاکستانیوں نے درست فیصلہ قرار دیا تھا۔ ایم کیو ایم کے مرکزی دفتر نائن زیرو سے رینجرز کے چھاپے کے دوران بھاری اسلحہ برآمد ہوا تھا اور مفرور مطلوبہ افراد پکڑے گئے تھے۔ کراچی کی 85 فیصد نمایندگی کی دعویدار ایم کیو ایم پر تو اُس کی پیدائش کے وقت سے ہی الزامات لگتے رہے ہیں اور آج بھی ایم کیوایم پر ٹارگیٹ کلنگ اور بھتہ خوری کے الزامات سرفہرست ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ اس کے باوجود ایم کیو ایم عام اور بلدیاتی انتخابات جیتنے کا ریکارڈ قائم کرتی چلی جارہی ہے۔ وجہ بڑی سادہ ہے کہ دو کروڑ کی آبادی اور ملک کو 70 فیصد ریونیو کما کر دینے والے اس لاوارث شہر کراچی کے عوام کی ذمہ داری نہ ہی مرکزی حکومت لیتی ہے اور نہ ہی صوبائی حکومت اپنی ذمہ داری پوری کرتی ہے، لہٰذا کراچی کے شہریوں اور خاص کر مہاجروں کے پاس صرف ایم کیو ایم ہوتی ہے جو مہاجروں کے نام پر دہائی دیتی رہتی ہے۔

موجودہ بلدیاتی انتخابات میں ایم کیو ایم اور رینجرز کے درمیان کشیدگی کی زیادہ اہمیت رہی ہے۔ ایم کیو ایم کا کہنا ہے کہ رینجرز صرف ایم کیو ایم کو

نشانہ بناتی ہے، جبکہ رینجرز کا کہنا ہے کہ آپریشن کسی ایک سیاسی جماعت کے خلاف نہیں بلکہ مبینہ جرائم پیشہ عناصر کے خلاف ہے۔حالات اور واقعات کی روشنی میں سیاسی تجزیہ نگار ایم کیو ایم کی موجودہ کامیابی کو بھی ماضی جیسا ہی قرار دے رہے ہیں۔ جبکہ اخبارات کی خبروں میں کہا جارہا ہے کہ کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے والے بڑے بڑے برج اُلٹ گئے۔ کون سے برج حافظ نعیم الرحمٰن اور علی زیدی؟کیا خدمات ہیں ان کی کراچی کے لوگوں کے لیے اور کراچی میں کتنے لوگ اُن کو جانتے ہیں، ان کی غیر مقبولیت کا حال یہ ہے کہ یہ ایسے لوگوں سے ہارگے جو ایم کیو ایم کے غیر معروف امیدواروں تھے۔ جماعت اسلامی کے حافظ نعیم الرحمٰن کو ایم کیو ایم کے غیر معروف مظہر حسین نے شکست دی، مظہر حسین نے 3205اور حافظ نعیم الرحمان نے 712 ووٹ حاصل کیۓ، حافظ نعیم الرحمان نے اسے کھلی دھاندلی قرار دیا۔پاکستان تحریک انصاف کے ایک رکن اسمبلی خرم شیر زمان کا کہنا ہے رینجرز نے اپنے وعدے پورے نہیں کیے اور یہ کہ الیکشن کمیشن بھی منصفانہ انتخابات کرانے میں ناکام رہا، جبکہ تحریک انصاف کراچی کے صدر اور میر کے ناکام امیدوار علی زیدی کا کہنا ہے جنھوں نے ایم کیو ایم کو ووٹ دیا انھیں شرم آنی چاہیے، اب آپ جواب میں یہ نہ کہیے گا کہ جو ان انتخابات کے نتایج کو تسلیم نہیں کررہے دراصل شرم اُنہیں آنی چاہیے۔

جماعت اسلامی نے این اے 246 میں اپنی ضمانت ضبط ہونے جیسے نتائج سے بچنے کے لیے اپنی حکمت عملی تبدیل کی اور تحریک انصاف سے انتخابی اتحاد کے زریعے فوائد سمیٹنے کی کوشش کی۔ کیونکہ اس انتخابی اتحاد کے پیچھے جماعت اسلامی کی سوچ یہ تھی کہ اگر جماعت اسلامی کچھ حلقوں میں انتخابات نہ بھی جیت پائے تو وہ کم از کم بدترین شکست سے بچ جائے۔ جماعت اسلامی کی پوری کوشش تھی کہ وہ کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں اپنی برتری ثابت کرسکے۔ کراچی میں جماعت اسلامی نے تمام بلدیاتی حلقوں میں تو حصہ نہیں لیا لیکن آدھے شہر میں اس نے اپنے امیدوار کھڑے کئے تھے۔ پاکستان تحریک انصاف نے جماعت اسلامی کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ اور 35 فیصد کوٹہ جماعت اسلامی کو دیا جبکہ تحریک انصاف کو پتہ تھا کہ کراچی کے شہریوں کو جماعت اسلامی کا تجربہ پہلے سے ہے۔ جماعت اسلامی کو کئی بار آزمایا جاچکا ہے، تین بار شہر کی میئرشپ بھی جماعت اسلامی کے پاس رہ چکی ہے۔ کراچی کے شہری پی این اے اور دوسرے اتحادوں کی سیاست دیکھ چکے ہیں لہذا اتحادوں کی سیاست کو پسند نہیں کرتے۔ ویسے بھی کراچی کے شہری لبرل انداز زندگی کو پسند کرتے ہیں لہذا کراچی کے شہری طالبان دہشت گردوں کے حامیوں اور سہولت کاروں کو ووٹ نہیں دیتے۔ اگرچہ عمران خان بھی طالبان کے ہمدردوں میں ہی ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو لبرل بھی کہتے ہیں، کراچی میں تحریک انصاف کا جماعت اسلامی سے اتحاد عمران خان کی ایک بڑی غلطی تھی جو بدترین شکست کی صورت میں اُن کے سامنے آیا ہے۔

اگرچہ تحریک انصاف کے ساتھ انتخابی اتحاد میں جماعت اسلامی کا حصہ زیادہ تھا لیکن جماعت اسلامی کے رہنماؤں کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ تحریک انصاف کا ووٹر جماعت اسلامی کے اُمیدوار کو ووٹ دے گا۔ پانچ دسمبر کے بلدیاتی انتخابات میں، تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کا اتحاد، ایم کیو ایم کے مدمقابل تھا لیکن شہر میں سیاسی منافقت کے کافی مناظر بھی دیکھے گے۔ بعض حلقوں میں جماعت اسلامی اور مسلم لیگ ن) ایک دوسرے کی اتحادی تھے۔ یکم دسمبر کو جب جماعت اسلامی کراچی کے امیر) حافظ نعیم الرحمٰن میڈیا کے سامنے کراچی کے لیے اپنا پروگرام بتا رہے تھے ٹھیک اُسی وقت جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ، اسٹیل مل کے علاقے گلشن حدید میں جماعت اسلامی اور مسلم لیگ (ن) کے مشترکہ جلسے سے خطاب کر رہے تھے، مسلم لیگ (ن) سندھ کے صدر اسماعیل راہو بھی اسٹیج پر موجود تھے۔ ڈسٹرکٹ ویسٹ میں بلدیہ ٹاؤن کی یونین کونسل 34 میں جماعت اسلامی کے امیدوار کو ترازو کا نشان پوسٹر پر چھاپنے سے بھی تسلی نہیں ہوئی تو اُس نے گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے قاتل ممتاز قادری کی تصویر بھی عمران خان اور سراج الحق کے ساتھ چھاپ دی۔ سب سے دلچسپ منظر اورنگی ٹاؤن کی ایک یونین کونسل میں تھا، جہاں ایم کیو ایم کے مقابل انتخابی اتحاد میں مولانا فضل الرحمٰن کی جے یو آئی اور عمران خان کی پی ٹی آئی ساتھ ساتھ موجود تھے۔

پانچ دسمبر کو کراچی کے لوگوں نے اپنا فیصلہ دے دیا، کراچی کے لوگوں نے ایم کیو ایم کو بھاری اکثریت میں کامیاب کروایا ہے اور تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کے دو جماعتی اتحاد کو بڑی بے دردی سے مسترد کردیا، جسکا مطلب ہے کہ کراچی کے لوگ نہ تو کوئی تبدیلی چاہتے ہیں اور نہ ہی کراچی کو استنبول بنانا چاہتے ہیں تو پھر انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیں بلکل ایسے ہی جیسے اندرون سندھ والوں نے پیپلز پارٹی کو اور پنجاب والوں نے مسلم لیگ (ن) کو کامیاب کروایا ہے اور کوئی اُنکے خلاف آواز نہیں اٹھارہا ہے۔
مجھے ایم کیو ایم سے اختلاف رہتا ہے، لیکن یہ کراچی کی اکثریت کا فیصلہ ہے، جمہورت میں اکثریت ہی کا فیصلہ سب کا فیصلہ ہوتا ہے، اس لیے میں لاکھ اختلاف کروں لیکن مجھے جمہوری فیصلہ قبول کرنا چاہیے۔آپکا یا میرا ایم کیو ایم سے اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا، ہمیں اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کرنا ہوگا۔ایک چیز ذھن میں رکھیں کہ یہ جو سوشل میڈیا پر مہاجر مہاجر کے تعصب سے بھرپور تبصرے ہورہے ہیں تو تبصرے کرنے والوں کے لیے یہ اطلاع ہے کہ ہارنے اور جیتنے والے سب کے سب مہاجر ہیں، جن میں ایم کیو ایم کے وسیم اختر، جماعت اسلامی کے حافظ نعیم الرحمٰن اور تحریک انصاف کے علی زیدی بھی شامل ہیں، ویسے بھی تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان خود بتاچکے ہیں کہ وہ بھی آدھے مہاجر ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایم کیو ایم کو بھرپور مبارکباد دیں۔ دل بڑا

کیجیے، ایم کیو ایم کے مینڈیٹ کو تسلیم کریں۔

پرویز مشرف کی نواز حکومت پر تنقید

سابق پاکستانی صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے 3 دسمبر کو ایک نجی ٹی وی چینل دنیا" کو انٹرویو دیتے ہوئے اُس کے اینکر پرسن کامران شاہد کے بہت سارے سوالوں" کے جوابات دیئے۔ ایک سوال کے جواب میں اُن کا کہنا تھا کہ بھارتی وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات برابری کی سطح پر ہونی چاہیئے۔ اگر میں اوفا میں ہوتا تو مودی کی بد تمیزی کے جواب میں پہلے اُس کے وزرا سے ہاتھ ملاتا تاکہ اُسکو احساس ہوتا کہ ایک مہمان اور ایک ملک کے سربراہ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ سابق صدر پرویز مشرف نے کہا ہے کہ بھارتی ہندو انتہا پسند جماعت شیو سینا دہشتگرد تنظیم ہے اس پر پابندی عائد ہونی چاہیئے، جس طرح وہ ہم سے مطالبے کرتے ہیں لشکر طیبہ اور حافظ سعید کے بارے میں ، بلکل اُسی جارحانہ انداز میں ہمیں شیو سینا دہشتگردوں کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ سابق صدر نے 1979ء کی جنرل (ر) ضیاءالحق کی پالیسی کا دفاع کیا جسکی صاف وجہ سمجھ آتی ہے کہ خود پرویز مشرف نے بھی 11/9 کے بعد امریکہ کا ساتھ دیا تھا، پرویز مشرف کا کہنا تھا کہ سویت یونین کی فورسز کو نکالنا ملک کے مفاد میں تھا۔ پرویز مشرف کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ اپنے سابق ادارے یا اُس کے حاضر یا سابق جنرلوں کے خلاف کچھ نہ کہا جائے۔

پرویز مشرف نے کہا کہ مجھ پر الزام لگانے والوں سے پوچھا جائے کہ بینظیر بھٹو اور نواز شریف کے دور میں کیا ہوا؟ طالبان کی تنظیم اُنکے زمانے میں ہی بنی ہے، انہوں نے کہا کہ سال 1999ء میں ہم ناکام ملک قرار دیے جانے والے تھے، میرے نواز شریف کے ساتھ کسی قسم کے اختلاف نہیں تھے، ایک ماہ پہلے وہ مجھے اور میری بیگم کو اپنے ساتھ عمرے پر لے گے تھے۔ ایم کیو ایم سے اپنے اتحاد کے بارے میں سابق صدر کا کہنا تھا کہ میں نے اپنے دور میں کراچی میں کئی نو گو ایریاز ختم کیئے تھے۔ عمران خان کے بارے میں اُنکا کہنا تھا کہ عمران خان سمجھدار لیڈر نہیں ہے لیکن پھر بھی نوجوان اُنہیں پسند کرتے ہیں، عمران خان کی ہر تقریر میں رونا دھونا ہوتا ہے، عمران خان کے بیانات میں ٹھراؤ نہیں ہوتا۔ ایک سوال کے جواب میں اُنکا کہنا تھا کہ یہ کہنا کہ میں مردم شناس نہیں ہوں، ایسا نہیں ہے، وہ جو کبھی میرے دور میں میرے ساتھ تھے آج نواز شریف کی کابینہ میں موجود ہیں یہ وہ لوٹے ہیں جو انتخابات کے زریعے آئے تھے، میرے پہلے تین سال میں وہ لوگ جن کو میں نے چنا تھا، اُن تیرہ چودہ لوگوں میں سے ایک بھی نواز شریف کے ساتھ نہیں ہے۔ سابق صدر پرویز مشرف نے مزید کہا کہ ملک میں لیڈر شپ اور گورنس کمزور ہے، لیڈر شپ کمزور ہو تو ظاہر ہو جاتی ہے۔ اگر حکومت بدعنوانیوں میں ملوث ہوگی تو لازمی ایسی حکومت کمزور ہوگی اور پھر وہ فوج کی طرف دیکھے گی، لیکن

اگر حکومت کی گورنس مضبوط ہے اور وہ کسی بد عنوانی ملوث نہیں ہے تو پھر اسکو کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔ ایسا ہونے کی صورت میں فوج اُنکے کہنے کے مطابق چلے گی۔ جیو اور جنگ گروپ کا ایک صحافی حامد میر جو ہمیشہ اپنے پروگرام "کیپٹل ٹاک " میں کوشش کرتا ہے کہ پاک فوج کے خلاف بات کی جائے اور کسی نہ کسی طرح پرویز مشرف کے خلاف کچھ نہ کچھ کہا جائے۔ بلوچستان کے گمشدہ لوگ ہوں، یا پرویز مشرف کیس حامد میر نے اپنا ذہن فوج کے خلاف بنایا ہوا ہے، پرویز مشرف کیس میں وہ پرویز مشرف کی مخالفت میں ذاتی ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ وہ کوئی موقعہ نہیں چھوڑتا جب روزانہ اپنے پروگرام کیپٹل ٹاک میں بہانے بہانے سے فوج کو اور خاصکر آئی ایس آئی کو بدنام کرنے کی کوشش نہ کرتا ہو۔ کچھ دن قبل کیپٹل ٹی وی کے پروگرام "فرینڈلی اپوزیشن" میں حامد میر نے سابق صدر پرویز مشرف پر الزام لگایا تھا کہ 3 نومبر 2007ء کی ایمرجنسی کے بعد سابق صدر پرویز مشرف نے مجھے خریدنے کی کوشش کی اور مجھے پندرہ کروڑ روپے کی پیشکش کی تھی۔ حامد میر کے مطابق پرویز مشرف چاہتے تھے کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں مگر میں نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ سابق صدر پرویز مشرف کا جواب تھا کہ میں نے تو اُسکو کوئی پیشکش نہیں کی، لیکن اگر وہ مجھ کو پندرہ کروڑ روپے دے میں تب بھی اُسے اپنے ساتھ شامل نہیں کروں گا، ابھی تک حامد

میر کا کوئی جواب سامنے نہیں آیا ہے۔

سابق صدر پرویز مشرف کے حکومت پر تنقیدی انٹرویو کے کچھ دیر بعد وزیراعظم نواز شریف کی صاحبزادی مریم نواز بھی میدان میں آ گئیں لیکن اُن کا انداز ایسا ہی تھا کہ جیسے اُنکے والد نواز شریف صاحب اس ملک کے بادشاہ ہیں اور وہ شہزادی۔ انہوں نے ایک ٹویٹ میں مشرف پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اُن کو حکومت کی کارکردگی پر تبصرہ کرنے کی اجازت کس نے دی۔ انہوں نے سوال کیا کہ اب غداری کیس کا ملزم ہمیں بتائے گا کہ حکومت کس طرح کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سماجی ویب سائٹ پر احتجاج میرا حق ہے۔ایک گمنام ٹویٹ آئی کہ پھر بتایا جائے کہ غداری کے ملزم پر پابندی کیوں نہیں لگائی گئی جس کے جواب میں مریم نواز نے ٹویٹ کی کہ حکومت کو فوری پابندی لگانی چاہئے۔ مریم نواز کو معلوم ہوگا کہ جیسے وہ غدار کہہ رہی ہیں اُسی پرویز مشرف کو اُنکے والد نے آرمی چیف مقرر کیا تھا۔ وہ شکر کریں کے آج اُنکے والد نہ صرف زندہ ہیں بلکہ اس وقت تیسری مرتبہ پاکستان کے وزیراعظم بھی ہیں۔ کم از کم پرویز مشرف نواز شریف کے سیاسی باپ ضیاء الحق کی طرح ظالم ثابت نہیں ہوا جس نے ایک عوامی لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی تھی، جس کو آج بھی عدالتی قتل کہا جاتا ہے۔ لیکن نواز شریف کو جیسے ہی موقعہ ملا انہوں نے پہلی فرصت میں مشرف سے اپنا بدلا لینے کی ابتدا کردی، راولپنڈی میں محرم کے دوران فسادات ہوئے

تھے اور اس واقعہ پر بات کرنے کے بجائے وزیر داخلہ نے پرویز مشرف کے خلاف مقدمے کا اعلان کر دیا تھا۔ حکومت اور ایف آئی اے نے پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ درج کیا تھا، جس کا کوئی اخلاقی اور سیاسی جواز نہیں تھا، اور آج اُسی مقدمے کی بنیاد پر مریم نواز پرویز مشرف کو غدار کہہ کر پکار رہی ہیں۔

نواز شریف 2013ء کے انتخابات جیتنے اور وزیر اعظم بننے کے بعد وہ اور اُنکے وزرا ایک سال تک مذاکرات کے نام پر پوری قوم کو دھوکا دے رہے تھے۔ آٹھ جون کو کراچی ایئرپورٹ پر حملے کے بعد اتوار 15 جون 2014ء کو افواج پاکستان نے طالبان دہشتگردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن کا آغاز کیا۔ نواز شریف کو مجبوراً آپریشن کی منظوری دینا پڑی یا افواج پاکستان کے آپریشن کے مشورہ کو قبول کرنا پڑا اسکے علاوہ اُنکے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا کیونکہ پوری قوم افواج پاکستان کے ساتھ کھڑی تھی۔

وفاقی حکومت نے چار ستمبر 2013ء کو کراچی میں رینجرز کی سربراہی میں ٹارگٹڈ آپریشن کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کراچی میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا تھا کہ 'وفاقی سول اور ملٹری انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پاس سینکڑوں شرپسند عناصر کے نام ہیں جن کے خلاف رینجرز کی سربراہی میں ٹارگٹڈ آپریشن ہوگا۔' لیکن گذشتہ ایک سال میں جو حالات اور واقعات سامنے آئے ہیں اُس سے

یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں آپریشن ضرب عضب اور کراچی میں رینجرز کی سربراہی میں ٹارگٹڈ آپریشن میں اپنا وہ کردار ادا نہیں کر رہی ہیں جو اُنہیں کرنا چاہیے۔ یہ ہی وجہ ہے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی جانب سے آپریشن کے بہتر نتائج کیلئے گڈ گورننس کی ناگزیریت کا اظہار کیا گیا اور وفاقی وزیر دفاع خواجہ آصف کی جانب سے گڈ گورننس کیلئے مہلت و وقت کی فراہمی کے لیے کہا گیا۔

افواج پاکستان نے پاکستان کے سرحدی و جغرافیائی تحفظ کے ساتھ اُسے اندرونی بیرونی سازشوں سے محفوظ بنانے اور دہشتگردی کی لعنت کو جڑ سے اکھاڑنے کا فریضہ جس جانفشانی٬ دیانتداری٬ فرض شناسی اور حب الوطنی سے ادا کیا ہے پوری قوم اس کی معترف ہے اور اپنی افواج پر فخر واعتماد کے اظہار کے ساتھ اسے خراج تحسین بھی پیش کرتی ہے مگر ملک میں پائیدار امن کیلئے حکومت کی فعالیت٬ حکومتی دیانتداری وفرض شناسی٬ حکمرانوں کی حب الوطنی اور گڈ گورننس بھی شرط ہے جو اب تک قوم کو کہیں دکھائی نہیں دی ہے جبکہ دو سال سے زائد کا عرصہ گزارنے والی حکومت کے وزیر دفاع کا گڈ گورننس کیلئے وقت و مہلت کی طلبی کا بیان عوام کیلئے انتہائی تعجب انگیز ہی نہیں بلکہ فکر انگیز اور تشویشناک بھی ہے اور انہی بنیاد پر سابق صدر پرویز مشرف نے نواز شریف حکومت پر تنقید کی ہے۔

مریم نواز کو معلوم ہونا چاہیے کہ پرویز مشرف بھی اُتنے ہی پاکستانی ہیں جتنی وہ یا اُنکے والد۔ پاکستان کا آئین پرویز مشرف کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ نواز شریف یا زرداری حکومت کی کارکردگی پر تبصرہ کر سکتے ہیں، مریم نواز بھی مشرف حکومت پر تنقید کرنے کا حق رکھتی ہیں لیکن اُن کا یہ سوال کرنا کہ "مشرف کو حکومت کی کارکردگی پر تبصرہ کرنے کی اجازت کس نے دی"، اسکا انکو کوئی حق نہیں۔ اور جہاں تک مریم نواز کا یہ سوال کہ اب غداری کیس کا ملزم ہمیں بتائے گا کہ حکومت کس طرح کرنی ہے"؟۔ تو اُنہیں" معلوم ہوگا کہ ملزم اور مجرم میں کیا فرق ہوتا ہے، پرویز مشرف ابھی مجرم نہیں ملزم ہیں وہ بھی نواز شریف کی ذاتی عداوت کی وجہ سے۔ مریم نواز کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ پاکستان کے مالک اُنکے 20 کروڑ عوام ہیں، شریف خاندان نہیں۔

آپریشن ضرب عضب جواب پشاور دہشت گردی

پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر 16 دسمبر 2014ء کے حملے کے بعد دہشت گردی رکی نہیں۔ 30 جنوری 2015ء کو صوبہ سندھ کے شہر شکارپور کی مرکزی مسجد اور امام بارگاہ کربلا معلیٰ میں 150 کے قریب نمازی جمعہ کی ادائیگی کے لئے موجود تھے، اس دوران ایک زور دار دھماکہ ہوا اور امام بارگاہ کی چھت زمین بوس ہو گئی جس کے نتیجے میں 60 افراد شہید ہو گئے جبکہ 50 سے زیادہ افراد زخمی ہوئے۔ 13 مئی 201546ء کو کراچی میں صفورہ چورنگی کے قریب بیس سے ستر برس تک کی عمر کے اسماعیلی برادری کے بے گناہ لوگوں کو شہید کیا گیا۔ شہید ہونے والے افراد میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ اس دہشت گردی میں شقی القلب شارپ شوٹرز نے صرف چند منٹ میں اسماعیلی برادری کے معصوم اور بے ضرر لوگوں کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا۔ گذشتہ ایک سال میں جو حالات اور واقعات سامنے آئے ہیں اُس سے یہ بات تو واضع ہو گئی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں آپریشن ضرب عضب میں اپنا وہ کردار ادا نہیں کر رہی ہیں جو اُنہیں کرنا چاہیے۔ جس کا ایک ثبوت کراچی آپریشن ہے جس پر آجکل مرکزی اور صوبائی حکومتیں دست و گریباں ہیں۔

پندرہ جون 2014ء کو شروع ہونے والا آپریشن ضرب عضب اب بھی جاری ہے،

تازہ

ترین اطلاع کے مطابق پاک فوج کے ترجمان نے کہا کہ آپریشن ضرب عضب کو ڈیڑھ برس مکمل ہوگیا اس دوران کئی اہداف حاصل کر لئے گئے ہیں۔ ترجمان پاک فوج کا کہنا ہے کہ آرمی پبلک اسکول کے سانحے کے بعد پاک فوج نے دہشت گردوں کے خلاف آپریشن تیز کیا، آپریشن کے آخری مرحلے میں پاک افغان سرحدی علاقے کو دہشت گردوں سے صاف کیا جارہا ہے۔ اب تک ملک بھر میں انٹیلی جنس کی بنیاد پر 13 ہزار آپریشن کئے گئے۔ ان کارروائیوں میں 3 ہزار 400 دہشت گرد ہلاک جب کہ 200 ہزار 193 کو گرفتار کیا گیا، اس کے علاوہ دہشت گردوں کی 837 محفوظ پناہ گاہیں 21 بھی تباہ کی گئیں۔ ان کارروائیوں میں مجموعی طور پر 488 سیکیورٹی اہلکاروں نے جام شہادت نوش کیا جبکہ ایک ہزار 914 اہلکار زخمی ہوئے، ملک بھر میں قائم 11 فوجی عدالتوں میں 142 مقدمات بھیجے گئے جن میں سے 55 پر فیصلے سنائے جاچکے، 87 مقدمات ابھی زیر سماعت ہیں، ان مقدمات میں 31 دہشت گردوں کو سزائیں سنائی جاچکی ہے۔

آرمی پبلک اسکول پر حملے کے بعد فوجی عدالتوں کے دائرہ اختیار وسیع کرتے ہوئے اُنہیں عام شہریوں کے خلاف بھی مقدمے چلانے کا اختیار دیا گیا تھا تاہم یہ عدالتیں صرف اُنہی افراد کے خلاف کارروائی کرنے کی مجاز ہیں جن کی سفارش پاکستان کی وزارت داخلہ نے کی ہو۔ جس کے بعد خصوصی عدالتوں نے دہشت گردی کے الزام میں گرفتار ہونے والے متعدد افراد کو موت اور عمر قید کی

سزائیں سنائی ہیں۔ خصوصی عدالتوں نے پشاور میں آرمی پبلک اسکول پر حملوں کے چھ مجرموں کو سزاے موت دی جبکہ ایک مجرم کو عمر قید کی سزا سنائی تھی۔ ان میں سے چار ملزمان کو 2 دسمبر 2015ء کو خیبر پختونخوا کی کوہاٹ جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے پاس موجود اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کی جیلوں میں اس وقت ساڑھے آٹھ ہزار کے قریب ایسے قیدی ہیں جنھیں موت کی سزا سنائی جاچکی ہے اور اُن کی تمام اپیلیں مسترد ہو چکی ہیں۔ سزائے موت کی مخالفت کرنے والی غیر سرکاری تنظیم جسٹس پاکستان پراجیکٹ کے مطابق گذشتہ دسمبر سے اب تک ملک میں 305 افراد کو تختہ دار پر لٹکایا گیا جن میں محض 63 افراد ایسے تھے جنہیں دہشت گردی کے الزامات کے تحت موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ جبکہ 183 ایسے افراد پھانسی چڑھائے گئے جو دوسرے جرائم میں ملوث تھے۔

کیا وجہ ہے کہ آپریشن ضرب عضب شروع ہونے کے ڈیڑھ سال کے بعد بھی دہشت گردی پر قابو نہیں پایا جاسکا ہے، کراچی سے خیبر تک اب بھی لوگ سہمے ہوئے ہیں، ایسا کیوں؟ بدنصیبی سے اسکی وجہ ہیں ہماری سیاسی جماعتیں جو اپنے سیاسی مفاد کے لئے اُن کالعدم تنظیموں کو سپورٹ کرتی ہیں جو دہشت گردی میں شامل ہیں، ان میں سے کچھ سیاسی جماعتیں دہشت گردوں کے لئے سہولت کار کی خدمات بھی انجام دے رہی ہیں۔ آپریشن ضرب عضب کے نتیجہ میں شمالی و جنوبی وزیرستان سے

بچ نکلنے والے کالعدم تنظیموں کے جنگجوؤں میں پنجاب، سندھ اور کسی حد تک بلوچستان کا رخ کرنے والوں کے خلاف کارروائی جاری تو ہے مگر کراچی کے سوا کسی بھی علاقے میں اس قدر مربوط کارروائی نہیں ہورہی کہ اسے تسلی بخش قرار دیا جاسکے۔ بلوچستان سے ملحقہ سندھ کے ضلع جیکب آباد کے علاوہ شکارپور، سکھر کے ساتھ ضلع گھوٹکی وہ اضلاع ہیں جن میں لشکر جھنگوی اور جنداللہ کے ساتھ ساتھ طالبان کے دونوں دھڑوں کے ہمدرد مدارس موجود ہیں اور ان مدارس میں پچھلے ایک ڈیڑھ سال کے دوران اساتذہ و طلبا کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ پنجاب مسلم لیگ (ن) اور اس کی حکومت کالعدم تنظیموں سے اپنے تعاون کا شاندار ماضی و حال رکھتی ہے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے کہ جب صوبائی حکومتیں اپنے مخالفین پر دبدبہ قائم رکھنے اور دیگر معاملات میں کالعدم تنظیموں سے اپنے روابط کو بروئے کار لارہی ہیں تو کیا نیشنل ایکشن پلان پر اس کی روح کے مطابق عمل ہوپائے گا؟

حالیہ بلدیاتی انتخابات میں پنجاب میں ایک کالعدم تنظیم مسلم لیگ (ن) کی ہمنوا تھی۔ پنجاب میں چونکہ مسلم لیگ (ن) کے مخصوص کالعدم تنظیموں سے روابط خاصے بدنام ہیں اس لیے کہ مسلم لیگ (ن) نے 2013ء کے عام انتخابات کی طرح بلدیاتی انتخابات میں بھی کالعدم تنظیم کے ہمدردوں کو مسلم لیگ (ن) کے پارٹی ٹکٹ پر الیکشن لڑوایا ہے، سندھ میں جماعت اسلامی، تحریک انصاف اور جے

یو آئی (ف) نے بھی پاکستان راہ حق پارٹی کے ساتھ مشترکہ امیدوار کھڑے کیے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ بیشتر سیاسی جماعتیں کالعدم تنظیموں سے انتخابی تعاون کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ کیا یہ دو عملی پاکستانی معاشرے سے شدت پسندی کے خاتمے میں رکاوٹ نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ جب تک حکومت اور سیاسی جماعتیں عوامی جذبات کے احترام اور قیام امن کے حقیقی تقاضوں کو مد نظر رکھ کر کالعدم تنظیموں اور ان کے سیاسی ایڈیشنوں کے خلاف نیشنل ایکشن پلان کے تحت موثر کارروائی عمل میں نہیں لاتیں۔ اس وقت تک شدت پسندی کا خاتمہ ممکن نہیں۔

آپریشن ضرب عضب کس حد تک نتیجہ خیز لگ رہا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اکیلی فوج آپریشن ضرب عضب میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے ضروری ہے سول حکومت بھی اس کے ساتھ ہو۔ لوگوں کو ضرب عضب کی ضرورت اور اس کے فوائد سے آگاہ کیا جائے۔ امریکہ نے عوام کی حمایت کے بغیر ویت نام میں تیرہ سال تک جنگ لڑی اور بالآخر اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایک خبر کے مطابق آرمی پبلک اسکول پشاور پر حملے میں ملوث چار دہشت گردوں کو پھانسی دینے پر جوابی کارروائی کا خطرہ ہے۔ پولیس اور تمام سیکیورٹی اداروں کو سرکاری و نجی تعلیمی اداروں اور ان کی ٹرانسپورٹ کے نقل و حمل کے دوران سیکیورٹی کے فول پروف انتظامات کرنے کیلئے کہا گیا ہے۔ 16 دسمبر سے پہلے جو لوگ سوچا کرتے

تھے کہ دنیا میں سب سے بڑا سانحہ کیا ہو سکتا ہے، وہ سانحہ 16 دسمبر 2014ء کو ساری دنیا نے دیکھا، 132 معصوم بچے اور 16 مرد و خواتین استاد شہید کردیے گے، ان بچوں میں سے کچھ ڈاکٹر ہوتے تو کچھ انجنیر، ان میں مستقبل کے سائنسداں، سیاستداں، فنکار، ادیب قلمکار، کھلاڑی سب موجود تھے لیکن دہشت گردوں نے ان سب کو اپنی بربریت کا نشانہ بنا ڈالا۔ 16 دسمبر کو جنھوں نے شہید ہونا تھا وہ تو ہوگے لیکن دہشت گردوں کے حامیوں میں انسانیت پھر بھی نہ جاگی، وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ یہ دہشت گردی طالبان کا کارنامہ ہے اور اگر مان بھی رہے تھے تو بقول لال مسجد کے دہشت گرد ملا عبدالعزیز، کہ "پشاور میں جو دہشت گردی ہوئی وہ آپریشن ضرب عضب کا جواب ہے"۔

رات کی تاریکی میں پی آئی اے کی نجکاری

وفاقی حکومت کے خلاف آجکل پاکستان میں اپوزیشن اور کاروباری افراد نے شور مچایا ہوا ہے، شور مچانے کی وجہ چالیس ارب روپے کے ٹیکس نافذ کرنا اور وہ صدارتی آرڈیننس ہے جو رات کی تاریکی میں پی آئی اے کی نجکاری کے سلسلے میں جاری کیا گیا۔ ایک روز بعد ہی قومی اسمبلی کا اجلاس ہونے والا تھا لیکن چور کی داڑھی میں تنکا کے مصادق وزیر خزانہ اسحاق ڈار کو یہ معلوم تھا کہ قومی اسمبلی سے پی آئی اے کی نجکاری کا بل پاس کرانے میں وقت بھی لگے گا اور آسانی کے ساتھ یہ پاس بھی نہیں ہوگا۔ اس لیے قومی اسمبلی کی بالادستی کو نظرانداز کرکے رات کی تاریکی میں یہ صدارتی آرڈیننس جاری ہوا۔ بعد میں پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائن کارپوریشن (تبدیلی) آرڈیننس 2015 ء قومی اسمبلی میں پیش کردیا گیا۔ قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران وزیر مملکت برائے پارلیمانی امور شیخ آفتاب احمد نے پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائن کارپوریشن تبدیلی آرڈیننس 2015ء منظوری کے لئے پیش کیا۔ آرڈیننس کے تحت اب پی آئی اے کمپنیز آرڈیننس 1984ء کے تحت ایک کمپنی کے طور پر کام کرے گی۔

پی آئی اے ایک قومی ادارہ ہے جس کے حالات اور معاملات عرصہ دراز سے سیاسی

مداخلت اور میرٹ سے ہٹ کر تقرریوں کے باعث خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ نااہل اور سفارشی بھرتیوں کے باعث یہاں بگاڑ آیا ہے۔ حکومت نے اس کا حل نجکاری میں تلاش کر لیا ہے۔ دبئ سے آنے والی ایک خبر نے اس راز پر سے پردہ اٹھایا کہ وزیر خزانہ اسحاق ڈار کو ٹیکس نافذ کرنے اور پی آئی اے کی نجکاری کی جلدی کیوں تھی۔ خبر کے مطابق "وزیر اعظم کے خصوصی معاون.برائے ریونیو ہارون اختر خان چیئر مین ایف بی آر کے ممبر ڈاکٹر اقبال آج (نو دسمبر 2015ء) دبئ میں آئی ایم ایف مشن کو چالیس ارب روپے کی اضافی ریگولیٹری ڈیوٹی کے نفاذ کی تفصیلات کے بارے میں اعتماد میں لیں گے۔ پاکستانی وفد آئی ایم ایف مشن کو بتائے گا کہ باون کروڑ ڈالر کی نویں قسط اگلے ماہ جاری کرنے کیلئے جو شرط رکھی گئ تھی وہ پاکستان نے من و عن پوری کر دی ہے۔ سامان تعیش اور درآمدی اشیاء کے خوردو نوش اور استعمال شدہ گاڑیوں کی درآمد سے چالیس ارب روپے کا ریونیو سات ماہ میں جمع کر لیا جائے گا"۔ اب پتہ نہیں کس نے اسحاق ڈار کو یہ بتایا ہے کہ خوردو نوش کی درآمدی اشیاء صرف کتے اور بلیوں کی خوراک ہے کہ وہ کہہ بیٹھے کہ "کتے بلیوں کی خوراک پر ٹیکس لگا ہے، عام آدمی متاثر نہیں ہوگا"۔

آئی ایم ایف نے پہلے سے زیادہ شرح سود پر پاکستان کو قرضہ دینے کے علاوہ یہ شراط بھی رکھیں تھیں کہ پاکستان ریاستی اخراجات میں کمی کے ساتھ ساتھ

عوام کو دی جانے رعایت کا مکمل خاتمہ کرے گا اور جلد از جلد ریاستی اداروں کی نجکاری پر عمل کرے گا۔ پاکستان نے ان تمام باتوں پر اپنی رضامندی دی تھی، یہ ہی وجہ ہے کہ آئی ایم ایف پاکستان مشن کے سربراہ ہیرلڈ فنگر نے پاکستانی اداروں کی نجکاری کے سلسلے میں پہلے ہی بتایا دیا تھا کہ حکومت پاکستان اس سال دسمبر تک پی آئی اے کی نجکاری کردے گی، جبکہ پاکستان اسٹیل کی نجکاری مارچ 2016ء تک کرنے کا پروگرام طے ہے، بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں کی نجکاری بھی ہوگی۔ لیکن شاباش ہے ہمارے وزیر خزانہ کو کہ وہ قوم کو سچ بتانے پر اب بھی تیار نہیں، قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے کہا کہ ہمیں اس قومی ادارے کو ٹھیک کرنا ہے۔ نئے آرڈیننس کے بعد اس قانون یا کمپنی بننے کے بعد کوئی ملازم فارغ ہوا ہے نہ ہوگا۔ پی آئی اے کے کسی اثاثے کی نجکاری نہیں ہوگی۔

وفاقی وزیر خزانہ اسحٰق ڈار کا کہنا ہے کہ پی آئی اے کیلئے اسٹریٹجک پارٹنر ڈھونڈ رہے ہیں، پی آئی اے کی نجکاری کے حوالے سے غیر ذمہ دارانہ بیانات دیئے جارہے ہیں، آرڈیننس پی آئی اے کو کارپوریٹ ادارہ بنانے کیلئے لایا گیا ہے، پی آئی اے آج پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن لمیٹڈ بن چکی ہے، کارپوریٹ ادارہ بننے کے بعد بھی پی آئی اے کے ملازمین کے عہدوں اور سہولیات میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، پی آئی اے کیلئے نجکاری کا لفظ

استعمال کرنا غلط ہے، ہم پی آئی اے کیلئے اسٹریٹجک پارٹنر ڈھونڈ رہے ہیں۔ یہ کام پاکستان میں پہلی دفعہ نہیں ہو رہا، ماضی میں او جی ڈی سی ایل اور ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کو بھی کارپوریٹ ادارہ بنایا جاچکا ہے۔انہوں نے کہا کہ آرڈیننس جاری کر کے حکومت نے کوئی غیر آئینی کام نہیں کیا، اگر نجکاری کیلئے قانون لا رہے ہوتے تو پہلے پارلیمنٹ میں ضرور جاتے۔

وزیر خزانہ اسحٰق ڈار پی آئی اے کی نجکاری کے بعد ملازمین کو نہ نکالنے کا دعویٰ کرکے کسے بے وقوف بنا رہے ہیں، اس سے قبل پی ٹی سی ایل اور کے ای ایس سی کی نجکاری کے موقع پر بھی ایسے ہی دعوے کئے گئے تھے بلکہ تحریری طور پر ملازمین کو یقین دلایا گیا تھا کہ نجکاری کے بعد کسی کو جبری برطرف نہیں کیا جائیگا لیکن پی ٹی سی ایل اور کے ای ایس سی کی نجکاری کے بعد پی ٹی سی ایل سے 20 ہزار سے زیادہ مستقل ملازمین اور کے ای ایس سی سے 8 ہزار مستقل ملازمین کو بلا کسی جواز کے جبری برطرف کرکے ان کا معاشی قتل کیا جاچکا ہے۔ وزیر خزانہ پی آئی اے کی نجکاری آئی ایم ایف کے حکم پر کر رہے جو قطعی ملکی مفاد میں نہیں۔ ایک سیاسی رہنما نے دعویٰ کیا ہے کہ "حکمرانوں کا صرف پی آئی اے ہی نہیں، پاکستان اسٹیل ملز، او جی ڈی سی اور پاکستان ریلوے سمیت 68 قومی ادارے اونے پونے بیچنے کا منصوبہ ہے۔زیادہ تر اداروں کی خریداری میں حکومت میں شامل لوگ دلچسپی لے رہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نجکاری شفاف

نہیں بلکہ سفارشی بنیادوں پر ہو رہی ہے" ۔

نجکاری کے بارے میں سابق پلاننگ سکریٹری، ڈاکٹر اختر حسن خان نے اپنی تحقیقات کی بنیاد پر مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے: ۔

1۔ سرکاری اداروں کی نجکاری کے نتیجے میں ان کی انتظامی کارکردگی بہتر نہیں ہوئی؛ صرف 20 فیصد یونٹوں کی کارکردگی بہتر رہی، 44 فیصد کی کارکردگی ویسی ہی رہی جیسی نجکاری سے پہلے تھی، جبکہ 35 فیصد کی کارگردگی اور بھی بدتر ہو گئی۔ نجکاری کے بعد خراب کارکردگی والے سرکاری مینوفیکچرنگ اداروں کی تعداد بڑھ کر 42 فیصد ہو گئی۔

2۔ نجکاری سے شہریوں کو فائدہ نہیں پہنچا کیونکہ سات سے آٹھ برسوں کے دوران اشیاء کی قیمتوں میں 100 فیصد سے زیادہ کا اضافہ ہوا۔

3۔ مزدوروں کو فائدہ نہیں ہوا کیونکہ اس دوران روزگار کی شرح گھٹ گئی۔

4۔ کئی ایک یونٹوں کو تو کوڑیوں کے دام فروخت کر دیا گیا، بلکہ بعض کو تو ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کیا گیا جن کو اس کا تجربہ نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اول الذکر نے ناجائز منافع کمایا جبکہ ناتجربہ کار لوگوں کی وجہ سے بہت سے اہم یونٹ بند ہو گئے (مثلاً ذیل پاک سیمنٹ، نیشنل سیمنٹ اور پاک چائنا فرٹیلائزر)۔

ماہرین معاشیات موجودہ نجکاری کی پالیسی کو غلط قرار دے رہے ہیں ۔ اُن کا خیال میں موجودہ نجکاری کی پالیسی جس کے عوض قرضہ حاصل کیا جارہا ہے ریاست کے معاشی مفادات کے خلاف ہے۔ حکمران خسارے میں چلنے والے قومی اداروں کی نجکاری کے اقدامات پر دوبارہ غور کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ قومی اداروں کو یوں اونے پونے داموں من پسند افراد یا اداروں کے ہاتھ فروخت کرنا دانشمندی نہیں۔ پی آئی اے کے مزدور اور کارکن بھی ادارے کی نجکاری کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں، مزدوروں کے مفادات کا سودا کیا جا رہا ہے۔ اپنے اداروں کو کسی غیر ملکی یا مقامی سرمایہ کار کے ہاتھ فروخت کرنا عوام کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ قومی ترقی کیلئے ہمیشہ نئے ادارے بنانے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ ہمارے حکمران محنت و مشقت اور کثیر سرمائے سے کھڑے کئے گئے اداروں کو بیچ رہے ہیں۔

اداروں کی نجکاری ملکی سالمیت اور قومی وحدت کے بھی خلاف ہے ۔ حکومتوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ روزگار کے نئے مواقع پیدا کرکے ملک سے بے روزگاری کا خاتمہ کریں جبکہ ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی ہے ، روزگار دینے کی بجائے.برسر روزگار لوگوں سے روزگار چھینا جارہا ہے ۔ ایک ایسی ریاست جہاں 60 فیصد عوام غربت کی لکیر سے نیچے رہ رہے ہیں اپنے مزدوروں اور صارفین کو منافع خور سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی۔ پاکستان میں جائز منافع اور

استحصالی ذہنیت کے درمیان بہت کم فرق ہے اور محسوس یہ ہوتا ہے کہ استحصالی رویہ معمول کی بات بن چکا ہے۔ جہاں کہیں معاشرے میں سرمایہ اور ہنرمندی کی قلت ہوتی ہے، وہاں سرکاری شعبہ پر واجب ہے کہ وہ صارفین اور مزدوروں کے مفادات کا تحفظ کرے۔ اس کے علاوہ یہ سوچ بھی غلط ہے کہ سرکاری ادارے مثلاً پی آئی اے، پاکستان ریلویز یا واپڈا خالصتاً تجارتی ادارے ہیں، یہ عوامی خدمات فراہم کرنے والے ادارے ہیں، انھیں موثر اور منافع بخش بنایا جاسکتا ہے لہٰذا یہ دلیل نہیں دی جاسکتی کہ ان کی نجکاری ضروری ہے۔

وفاقی وزیر خزانہ اسحٰق ڈار کیوں نہیں اپنی ناکامیوں کو تسلیم کرتے ، وہ کشکول پھیلا کر اور قومی اداروں کو بیچ کر کب تک عوام کو ترقی کا جھانسہ دینگے، انہوں نے نجکاری کے نام پر جو قومی اداروں کی لوٹ سیل لگا رکھی ہے وہ دراصل سوداگری ہے جس سے کرپشن کی نئی راہیں کھل رہی ہیں۔ نجکاری کے نام پر، اس کرپشن پر پی آئی اے کے ہر ملازم کو وزیراعظم نواز شریف کے اُس بیان پر ضرور شکرگذار ہونا چاہیے جس میں انہوں نے وزیر خزانہ اسحاق ڈار کو اس امر کو یقینی بنانے کی ہدایت کی ہے کہ پی آئی اے کا کوئی ملازم ادارے کے کمپنی میں تبدیل ہونے کے بعد ملازمت سے فارغ نہ کیا جائے۔

پاکستان نے مشرقی پاکستان کو علیحدہ نہیں کیا

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ پاکستان توڑنے کے لیے ذوالفقار علی بھٹو نے "اودہر تم، ادہر ہم" کا نعرہ لگایا تھا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ بھٹو نے ایسا ہی کہا تھا، لیکن بھٹو مخالف اس بات کو جسطرح بتاتے ہیں، اُسے آپ سیاسی منافقت بھی کہہ سکتے ہیں۔ "اودھر تم، ادھر ہم" بغیر سیاق وسباق کے ایک پروپگنڈا تو ہو سکتا ہے مگر حقیقت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ دسمبر 1970ء میں جب پاکستان کے عام انتخابات ہوئے تو شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے 162 امیدوار کھڑے کیے، جن میں سے 160 کامیاب ہوئے، یہ ایک ناقابل یقین نتیجہ تھا۔ عوامی لیگ نے مغربی پاکستان سے ایک بھی سیٹ نہیں جیتی تھی جبکہ بھٹو کی پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں 81 سیٹیں جیت کر مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کی تھی مگر مشرقی پاکستان سے اُنکی بھی کوئی نمائیدگی نہیں تھی۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے نے فروری 1971ء کو لاہور کہ ایک جلسہ عام میں بھٹو نے شیخ مجیب الرحمٰن کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ مغربی پاکستان سے تمارا کوئی نمایندہ نہیں اور مشرقی پاکستان سے ہمارا کوئی نمایندہ نہیں لہٰذا "اودہر تم، ادہر ہم" نمایندہ ہیں۔
ویسے ایک بات عرض کرتا چلوں کہ سقوطِ ڈھاکہ محض بھٹو یا یحیٰی خان کی وجہ

سے نہیں ہوا یہ تو بیچ میں آگے ورنہ اس کے پیچھے چوبیس سالہ بھارتی سازش تھی، جسکا ذکر بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے کچھ عرصے قبل بنگلہ دیش کے دورے کے دوران کیا تھا اور اپنی دہشتگردی کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ "بنگلہ دیش کا قیام ہر بھارتی کی خواہش تھی اور بھارتی فوج مکتی باہنی کے ساتھ مل کر لڑی تب ہی بنگلہ دیش کو آزادی نصیب ہوئی"۔ سابقہ مشرقی پاکستان اور حالیہ بنگلہ دیش میں آج بھی پچیس فیصد سے زیادہ آبادی ہندوؤں کی ہے ان ہندوؤں میں سے اکثریت آج بھی ہندوستان کی وفادار ہے، پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان میں یہ پروپگنڈا عام تھا کہ مغربی پاکستان اُن کو لوٹ رہا ہے، اتفاق سے تھوڑے عرصے بعد ہی پاکستان کے سیاسی حالات بھی اچھے نہ رہے اور ہندوستان کو اپنا کھیل کھیلنے کا پورا موقعہ ملتا رہا۔

ایوب خان نے 1960ء میں اعظم خان کو مشرقی پاکستان کا گورنر بنایا، جنرل اعظم خان نے وہاں حالات کو اسقدر اچھا کر دیا کہ عام لوگ اعظم خان کو پسند کرنے لگے۔ خوشامدیوں نے اعظم خان کے خلاف ایوب خان کے کان بھرے، ایوب خان اعظم خان کی شہرت کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگا، اس لیے مئی 1962ء میں اعظم خان کو واپس مغربی پاکستان بُلا لیا۔ ایوب خان نے غلام فاروق کو تھوڑے عرصے گورنر بنانے کے بعد عبدالمنعم خان کو اکتوبر 1962ء میں مشرقی پاکستان کا گورنر بنایا۔ عبدالمنعم خان 23 مارچ 1969ء تک مشرقی پاکستان کا گورنر

رہا۔ گورنر عبدالمنعم خان جو خود بنگالی تھا مگر اُسکے ظلم کی داستان آج بھی بنگالیوں کو یاد ہے۔ ایوب خان کو نہ مشرقی پاکستان میں ہونے والی بھارتی سازشوں کا احساس تھا اور نہ ہی بدلتے ہوئے سیاسی حالات کا اور یہ ہی وجہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد بھارت نے مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کے زریعے مشرقی پاکستان کو علیدہ کرنے کی سازشیں تیز کردیں۔

شیخ مجیب الرحمٰن 1947ء میں پاکستان بننے کے فوراً بعد مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر پاکستان مسلم اسٹوڈنٹس لیگ قائم کرکے اردو کی مخالفت کرنا شروع کردی جس سے صاف ظاہر تھا کہ شیخ مجیب شروع ہی سے مسلم قومیت کے بجائے بنگالی قومیت کا علمبردار تھا اور اس نے مسلم لیگ کے بہت سے دوسرے رہنماؤں کی طرح مسلم لیگ کا ساتھ محض اس لیے دیا کہ وہ اس زمانے میں مقبول تحریک تھی۔ اور اس میں شامل ہو کر اقتدار حاصل کیا جا سکتا تھا۔ 1952ء میں جب حسین شہید سہروردی نے عوامی لیگ قائم کی تو شیخ مجیب الرحمٰن نے اُس کی تشکیل میں حصہ لیا۔ 1956ء میں آئین کی تیاری میں بھی اُس نے حصہ لیا لیکن اس آئین میں صوبائی خود مختاری کی جو حدود مقرر کی گئی تھیں شیخ مجیب الرحمٰن اس سے متفق نہیں تھے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے 1966ء میں پہلی مرتبہ نیشنل کانفرنس لاہور کے اجلاس میں چھ نکات پیش کیے۔ شیخ مجیب کے چھ نکات یہ تھے۔

1۔ قرارداد لاہور کی روح کے مطابق آئین سازی کی جائے۔

2۔ وفاق کے پاس صرف دفاع اور خارجہ امور کے محکمے ہوں باقی معاملات وفاقی اکائیوں کے سپرد کئے جائیں۔

3۔ جداگانہ مالی پالیسی اختیار کی جائے اور مشرقی پاکستان کی کرنسی الگ ہو

4۔ وفاق کو ٹیکس لگانے اور آمدن جمع کرنیکااختیار نہیں ہونا چاہیے۔

5۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے تجارتی حسابات علیحدہ علیحدہ ہوں۔

6۔ مشرقی پاکستان کو اپنے نیم فوجی دستے رکھنے کا مکمل اختیار ہونا چاہیے۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے 1970ء کے عام انتخابات کے بعد پاکستان کا نیا آئین چھ نکات کی بنیاد پر بنانے کا اعلان کیا، چھ نکات کا مطلب پاکستان کے چھ ٹکڑے کرنا تھا اور جب یحییٰ خان نے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس طلب نہیں کیا جو یحییٰ کی بہت بڑی غلطی تھی تو مارچ 1971ء میں شیخ مجیب الرحمٰن نے عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے 25 مارچ 1971ء کو فوج نے شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا اور مشرقی پاکستان میں 26 مارچ 1971ء سے فوجی کارروائی شروع کر دی۔ اس موقعہ پر بھارت نے اپنی سرحد کھول دیں اور ہزاروں بنگالیوں کو اپنے ہاں پناہ دیکر مکتی باہنی کے نام سے اپنے تربیت یافتہ گوریلا گروہ اور تربیت یافتہ فوجیوں کے زریعے عسکری کاروائیاں شروع کیں اور افواج اور وفاق پاکستان کے وفادار عناصر کا قتل عام کیا۔ مارچ 1970ء سے لے

کے سقوط ڈھاکہ تک تمام عرصے میں بھارت بھرپور انداز میں مکتی باہنی اور دیگر گروہوں کو عسکری، مالی اور سفارتی مدد فراہم کرتا رہا۔

چودہ ستمبر 1971ء کو بھارت کھل کر سامنے آیا اور اس نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ بالآخر دسمبر میں مشرقی پاکستان کی حدود میں گھس کر اس نے 16 دسمبر 1971ء کو ڈھاکہ میں افواج پاکستان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ سانحہ مشرقی پاکستان کے ایک کردار سابق بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی نے کہا تھا آج دو قومی نرھیہ خلیج بنگال میں ڈوب گیا۔ دہلی میں ہندوں نے ایک ایک مسلمان کو پکڑ پکڑ ان کے منہ میں مٹھائی دی، اس مٹھای کو کھانے والے یہ ہی کہہ رہے تھے گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ یہ ایک بین القوامی سازش تھی مگر یہ سازش اس وجہ سے کامیاب ہوئی کہ بدقسمتی سے ہمار ئے حکمران اقتدار کی سازشوں میں مصروف رہے۔ یہ ایسا دردناک واقعہ ہے کہ جس قدر اسکے بارے میں سوچو اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمار ئے حکمرانوں نے مادر وطن کے دو ٹکڑے ہوجانے والے اس سا نحے سے آج بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔

بنگلہ دیش بننے سے پہلے ہی بھارت بنگلہ دیش کو تسلیم کرچکا تھا جس کی وجہ سے پاکستان نے بھارت سے سفارتی تعلقات توڑ لیے تھے۔ پاکستان نے بنگلہ دیش

کو فروری 1974ء کی اسلامی سربراہ کانفرنس سے صرف دو یا تین دن پہلے تسلیم کیا تھا اور اس وقت تک کافی ممالک بنگلہ دیش کو تسلیم کر چکے تھے جن میں ایک خاصی تعداد اسلامی ممالک کی بھی تھی۔ آج پاکستان کے حوالے سے انتہا درجے کا منفی پروپگنڈا پورے بنگلا دیش کے وجود میں خون کی طرح گردش کر رہا ہے۔ اگر یہ سمجھ کر چپ سادھ لی جائے کہ الزام فلاں پہ لگ رہا ہے تو وہی بھگتے' ایسا بے رخی پر مبنی رویہ اختیار کرنا کم از کم تحقیقی اداروں کے شایان شان نہیں ہو سکتا۔ پاکستان کے تحقیقی اداروں اور یونیورسٹیوں کو پاکستان توڑنے، پاکستانیوں کو مارنے اور پاکستان کو بدترین الزامات کا نشانہ بنانے والے اقدامات کا معروضی اور تحقیقی انداز سے جائزہ لینا چاہیے۔

آخر میں عرض ہے کہ پاکستان نے مشرقی پاکستان کو علیحدہ نہیں کیا وہ خود علیحدہ ہوئے تھے اور یقین کریں وہ آج بھی پاکستان سے زیادہ ہندوستان کے قریب ہیں، اس بات کا واضع ثبوت شیخ مجیب الرحمان کی بیٹی حسینہ واجد ہے جو اس وقت بنگلہ دیش کی وزیر اعظم ہے اور اپنے باپ سے زیادہ بھارت کی وفادار ہے، حسینہ واجد پاکستان سے اپنی نفرت کا کھلے عام اظہار کرتی ہے۔ پندرہ اگست جو بھارت کی آزادی کا دن ہے، پندرہ اگست 1975ء کو شیخ مجیب الرحمان اپنی دو بیٹیوں ریحانہ اور حسینہ کے علاوہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

بنگلہ دیش اور دو جھوٹے الزامات

ہر سال 16 دسمبر کو ہم متحدہ پاکستان کو یاد کرتے ہیں، متحدہ پاکستان سے مراد وہ پاکستان ہے جس کا ایک بازو مشرقی پاکستان کہلاتا تھا اور دوسرا بازو مغربی پاکستان۔ 16 دسمبر 1971ء کو یہ دونوں بازو علیحدہ علیحدہ ہوگئے۔ 16 دسمبر 1971ء کے بعد مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کے نام سے دنیا کے نقشے پر ایک نئے ملک کے طور پر ظاہر ہوا۔ بنگلہ دیش کیوں بنا، کیسے بنا یہ سب آپکو بے شمار مضامین میں پڑھنے کو مل جائے گا۔ اس مضمون میں، میں صرف اُن دو الزامات کا ذکر کرونگا جو بنگلہ دیش کے حوالے سے سراسر جھوٹ پر مبنی ہیں۔ اس مضمون کے لیے میں نے مصنف شمیم کے ایک مضمون "مشرقی پاکستان میں 30 لاکھ کے قتل کا افسانہ" اور ڈاکٹر صفدر محمود کے کالم بعنوان "خدارا قائداعظم کو معاف کردو" سے مدد لی ہے۔ پہلا الزام، شیخ مجیب الرحمان جسکو گرفتار کرکے مغربی پاکستان لایا گیا تھا اپنی رہائی کے بعد ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں ایک جلسے میں پاکستان پر الزام لگارہا تھا کہ "30 لاکھ انسانوں کا قتل ہوا ہے جبکہ 5 لاکھ عورتوں کی آبروزی کی گئی"۔ دوسرا الزام، اُن لوگوں کا ہے جنھیں بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح سے خدا واسطے کی عداوت ہے اُنکا الزام ہے کہ "بنگلہ دیش تو اُس وقت ہی بن گیا تھا جب محمد علی جناح نے بنگلہ دیش میں اردو زبان کو

سرکاری زبان قرار دیا تھا"۔

شیخ مجیب الرحمان نے 29 جنوری 1972ء کو سرکاری سطح پر ایک 12 رکنی تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی، جس کے سربراہ عبدالرحیم، ڈی آئی جی پولیس تھے۔ جب کہ ارکان کمیٹی میں عوامی لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ) کے لیڈر اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے تجربہ کار ارکان شامل تھے۔ سرکاری گزٹ میں اس کمیٹی کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ کمیٹی کے ذمہ یہ کام تھا کہ "وہ مقتولین اور املاک کے نقصان کا جائزہ لے اور شرپسندوں کی نشاندہی کرے"۔ عبدالرحیم انکوائری کمیٹی نے بڑی تن دہی سے کام کیا، ایک ایک یونین کونسل اور ایک ایک پولیس اسٹیشن سے رابطہ کرکے کوائف جمع کیے، اور انفرادی گواہیوں کو بھی قلم بند کیا۔ روزنامہ گارڈین لندن کا نمائندہ خصوصی ولیم ڈرومنڈ جو مستقل طور پر ڈھاکا میں مقیم تھا، بیان کرتا ہے کہ "مارچ کے تیسرے ہفتے تک انکوائری کمیٹی کے سامنے 2 ہزار افراد کے قتل کی رپورٹیں پیش ہو سکیں کہ انہیں پاکستانی افواج نے مارا تھا"۔ (روزنامہ گارڈین لندن، 6 جون 1972ء)۔ تاہم جب تحقیقاتی کمیٹی نے رپورٹ مکمل کی تو معلوم ہوا کہ پورے بنگلہ دیش میں اس ساڑھے آٹھ ماہ کی بغاوت، خانہ جنگی، بلوے، لوٹ مار اور گوریلا جنگ میں 56 ہزار 7 سو 63 افراد کے قتل کے ثبوت فراہم کیے جا سکے ہیں۔

بقول ولیم ڈرومنڈ کہ "جونہی انکوائری کمیٹی کے سربراہ نے رپورٹ وزیر اعظم کو پیش کی تو جلد مشتعل ہو جانے والا جذباتی مجیب آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے رپورٹ پکڑ کر فرش پر دے ماری اور غصے میں چلانے لگا کہ "میں نے 30 لاکھ کہے ہیں 30 لاکھ۔ تم لوگوں نے یہ کیا رپورٹ مرتب کی ہے؟ یہ رپورٹ اپنے پاس رکھو جو میں نے کہہ دیا ہے، بس وہی سچ ہے"۔ (گارڈین لندن 6 جون 1972ء)۔ یہی نمائندہ آگے چل کر رقم طراز ہے کہ "بنگلہ دیش قومی اسمبلی میں وزارتِ خزانہ کے بیان کے مطابق شیخ مجیب الرحمان نے مقتولین کی مدد کے لئے 2 ہزار ٹکہ فی کس کا جو اعلان کیا تھا، اس کے حصول کے لئے 72 ہزار افراد نے درخواستیں جمع کرائیں، جن میں 50 ہزار مقتولین کے لئے رقم حاصل کرنے کا دعویٰ کیا گیا، اور ان درخواستوں میں متعدد جعلی درخواستیں بھی شامل تھیں"۔ (گارڈین، لندن 6 جون 1972ء)۔ عبدالرحیم انکوائری کمیٹی نے جو خود شیخ مجیب الرحمان کے حکم پر بنائی گئی تھی اپنی رپورٹ میں مجیب کے دونوں الزامات "30 لاکھ انسانوں کا قتل اور 5 لاکھ عورتوں کی آبروزی" کو مسترد کر دیا تھا اور بعد میں ان الزامات میں بیان کیے گئے دونوں اعداد و شمار بین الاقوامی طور پر بھی غلط ثابت ہو چکے ہیں۔

اطالوی صحافی خاتون آریانا فلاسی نے اپریل 1972ء میں (تب) صدر پاکستان

ذوالفقار علی بھٹو کا انٹرویو لیا، جو اس کی کتاب "انٹرویو ود ہسٹری" میں شامل ہے۔ فلاسی کے جواب میں بھٹو نے کہا تھا کہ "شیخ مجیب الرحمان ایک پیدائشی جھوٹا شخص ہے۔ یہ اس کے بیمار ذہن پر ہے کہ وہ کب کیا بات کر دے، مثلاً وہ یہ کہتا ہے کہ اس قتل عام میں 30 لاکھ لوگ مارے گئے تھے۔ وہ پاگل ہے، وہ سب لوگ پاگل ہیں۔ بشمول اخبارات کے جو اس کی بات کو دہراتے ہیں کہ 30 لاکھ لوگ مارے گئے، 30 لاکھ لوگ قتل ہو گئے۔ بھارتیوں نے کہا تھا کہ 10 لاکھ لوگ مارے گئے تھے۔ شیخ مجیب نے پہلے 10 کو 20 کیا اور پھر 30 لاکھ بنا دیا۔ وہ تو طوفان سے مرنے والے لوگوں کی تعداد بھی اسی طریقے سے ضرب تقسیم کرکے بڑھاتا رہتا تھا۔ بھارتی صحافیوں کے مطابق مرنے والوں کی تعداد 60 سے 70 ہزار تھی، جبکہ کچھ مشنری لوگوں کے مطابق 30 ہزار لوگ مارے گئے تھے، اور جہاں تک میری اطلاعات ہیں تقریباً 50 ہزار لوگ مارے گئے تھے۔ کیونکہ 50 ہزار اور 30 لاکھ لوگوں کے مرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ مشرقی پاکستان سے بھارت جانے والے پناہ گزینوں کے بارے میں بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کہتی ہے کہ یہ ایک کروڑ لوگ تھے۔ اُس نے جان بوجھ کر ایک کروڑ کا نمبر دیا، تاکہ اُسے جواز بنا کر مشرقی پاکستان پر حملہ کر سکے"۔ (ایک سیاست کئی کہانیاں، میں مذکورہ انٹرویو کا ترجمہ از رؤف کلاسرا صفحہ 362، 363)۔

شیخ مجیب الرحمان نے جھوٹ کی جو آلودگی پھیلائی تھی، وہ ذہنوں کو متاثر

کرتی رہی۔ پھر 15 جون 1993ء کو بنگلہ دیش قومی اسمبلی میں کرنل اکبر حسین (جو جنرل ضیاالرحمٰن اور خالدہ ضیا کی حکومتوں میں وزیر رہ چکے تھے) نے یہ کہہ کر بحث کو دوبارہ زندہ کر دیا کہ عوامی لیگ نے 30 لاکھ مقتولین آزادی کا افسانہ گھڑا، جبکہ حقیقت اس کے صرف 10 فیصد کے قریب ہے۔ اس پر عوامی لیگ کے ایک رکن اسمبلی عبدالصمد آزاد نے اسمبلی میں جواب دیا کہ یہ بات ہم نے اپنے لیڈر شیخ مجیب سے سنی ہے اور اسے ہی ہم درست سمجھتے ہیں۔ پھر ہندو رکن اسمبلی شدھن گھشو شیکر نے چیلنج کرتے ہوئے سوال اٹھایا کہ اکبر حسین اپنے دعوے کا ثبوت پیش کریں۔ تب وزیر اکبر حسین نے کہا کہ بنگلہ دیش حکومت بننے کے بعد حکومت نے اعلان کیا تھا کہ جس جس گھرانے کا کوئی فرد بھی جنگ میں مارا گیا ہے یا لاپتہ ہوا ہے، وہ گھرانہ متعلقہ فرد کا نام پتہ بتا کر 2 ہزار ٹکے بطور امداد وصول کرے۔ اس اپیل کے جواب میں بنگلہ دیش بھر سے صرف 3 لاکھ افراد نے نام درج کرائے۔ اگر وہ 30 لاکھ ہوتے تو لازماً وہ بھی نام درج کراتے، مگر ایسا نہیں ہوا، باقی 27 لاکھ کہاں گئے؟۔ جب یہ جواب ملا تو پورے ایوان میں خاموشی چھا گئی۔ (بنگلہ دیش قومی اسمبلی کی روداد 15،16 جون 1993ء بحوالہ 30 لاکھ کی کہانی کے پیچھے صفحہ 5)۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ "بنگلہ دیش تو اس وقت ہی بن گیا تھا جب محمد علی جناح نے بنگلہ دیش میں اردو زبان کو سرکاری زبان قرار دیا تھا"۔ کیا قائدا عظم

محمد علی جناح نے بنگلہ دیش میں اردو زبان کو سرکاری زبان قرار دیا تھا؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ کئی کتابوں مصنف اور مشہور مورخ ڈاکٹر صفدر محمود اپنے 21 دسمبر 2011ء کے کالم بعنوان "خدارا قائداعظم کو معاف کردو" میں لکھتے ہیں کہ بلاشبہ قائداعظم نے اپنے سرکاری دورے کے دوران مشرقی پاکستان میں اردو کو واحد قومی زبان قرار دیا کیونکہ اردو کا نہ صرف مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت سے گہرا تعلق تھا بلکہ اردو نے تحریک پاکستان میں بھی اہم کردار سرانجام دیا تھا۔ میری خواہش ہے کہ لوگ قائداعظم کی ڈھاکہ والی تقریر پڑھیں جو 21 مارچ 1948ء میں جلسہ عام میں کی گئی۔ اس تقریر کے ایک ایک لفظ میں قومی اتحاد کی شدید آرزو تڑپتی نظر آتی ہے۔ قائداعظم جانتے تھے کہ پاکستان دشمن عناصر قوم میں تفریق اور انتشار پھیلانا چاہتے ہیں۔ اُن کو خبر تھی کہ ہندوستان مشرقی پاکستان کو متحدہ بنگال کا حصہ بنانے کے لئے سازش کر رہا ہے، انہوں نے ان ہی خطرات کا اپنی تقریر میں برملا اظہار کیا تھا۔ قومی اتحاد کے پس منظر میں قائداعظم نے واضح کیا کہ ایک قومی زبان کی ضرورت کیونکر ہے ذرا ان کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے "اس میں کوئی حقیقت نہیں کہ زبان آپ کی معمول کی زندگی یا بنگالی زبان پر اثر انداز ہوگی کیونکہ بالآخر اس کا فیصلہ صوبے کے عوام کو کرنا ہے کہ اُن کے صوبے کی زبان کیا ہوگی؟ میں یہاں یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ریاست پاکستان کی زبان اردو ہوگی کیونکہ

ایک زبان کے بغیر نہ قوم متحد رہ سکتی ہے اور نہ کام کر سکتی ہے۔اس لئے ہماری سرکاری زبان اردو ہوگی لیکن اس فیصلے میں وقت لگے گا" گویا قائداعظم نے واضح کر دیا کہ یہ ان کی نصیحت بحیثیت بابائے قوم ہے لیکن اس کا فیصلہ دستور سازی کے دوران ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مشرقی پاکستان کی حکومت اور لوگ اپنے صوبے کے لئے بنگالی کو بطور سرکاری زبان اختیار کر سکتے ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اسے ذریعہ تعلیم اور صوبائی زبان قرار دے کر اپنی ثقافت اور ادب کو ترقی دے سکتے ہیں لیکن صوبائی رابطے کے لئے اردو قومی زبان ہوگی جبکہ عملاً صوبائی رابطے، سرکاری خط و کتابت اور بین الاقوامی سطح پر صرف انگریزی زبان ہی استعمال کی جارہی تھی اور آج بھی وہی نظام جاری و ساری ہے"۔

بھارت 24 سال تک پاکستان کے خلاف سازشیں کرتا رہا اور شیخ مجیب الرحمان ایک بھارتی ایجنٹ کا کردار ادا کرتا رہا، شیخ مجیب الرحمان کی بیٹی اور بنگلہ دیش کی موجودہ وزیر اعظم حسینہ واجد اچھی طرح جانتی ہے کہ بنگلہ دیش بننے کی سازش میں اُسکا باپ شامل تھا، لیکن غدار باپ کی غدار بیٹی آج بھی پاکستان پر مختلف جھوٹے الزام لگاتی رہتی ہے۔

سانحہ پشاور کا ذمہ دار کون ہے؟

کچھ تاریخیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں یا تو خوشی چھپی ہوتی ہے یا پھر غم۔ پاکستان میں بھی ایسی بہت سی تاریخیں ہیں لیکن پاکستان میں ایک ایسی منحوس تاریخ بھی جس نے ایک بار نہیں دو بار پوری قوم کو رلایا ہے اور وہ ہے 16 دسمبر۔ 16 دسمبر 1971ء کو ملکی تاریخ کا سیاہ ترین دن تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اس روز پاکستانی قوم کو سانحہ سقوط ڈھاکہ کے غم و اذیت سے دوچار ہونا پڑا اور تینتالیس سال بعد پھر اسی سیاہ دن پاکستانی قوم کو دہشت گردوں کے ہاتھوں سانحہ پشاور کی صورت میں رونا پڑا۔ 16 دسمبر 2014ء کو پشاور کے کینٹ ایریا میں وارسک روڈ پر واقع آرمی پبلک اسکول پر دہشت گردوں نے حملہ کیا، دہشت گرد اسکول کی پچھلی طرف سے آڈیٹوریم میں داخل ہوئے اور داخل ہوتے ہی بچوں اور اساتذہ پر فائرنگ کر دی۔ سیکیورٹی فورسز کی جانب سے فوری طور پر کارروائی شروع کی گئی لیکن اُسکے باوجود شہید ہونے والوں کی تعداد 148 ہے، جس میں 132 بچے تھے، زخمی ہونے والوں کی تعداد بھی 124 تھی۔ آئی ایس پی آر کے مطابق اسکول پر حملے میں شامل 27 میں سے 6 دہشت گرد اب تک گرفتار نہیں ہوسکے جبکہ 6 کو پاکستان اور 6 کو افغانستان میں گرفتار کیا گیا، فوج کی کارروائی میں ہلاک ہونے والے حملہ آوروں کی تعداد 9 بتائی گئی ہے۔ تحریک طالبان پاکستان نے پشاور میں اسکول پر حملے کی

ذمے داری قبول کرلی تھی۔ اس سانحہ نے جہاں پوری دنیا کو غمناک کیا، وہیں پاکستانی قوم کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور دہشت گردی و انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے پوری قوم متحد ہو گئی تھی افسوس اب نہیں ہے۔

شہید ہونے والوں ہونے والوں میں اسکول کی پرنسپل طاہرہ قاضی بھی تھیں جن کے پاس موقعہ تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے فرار ہوجاتیں لیکن انھوں نے اپنے اسکول کے بچوں کے ساتھ رہنا پسند کیا اور انھوں نے بڑی جرات و ہمت سے دہشت گردوں کو للکارا.بزدل دہشت گردوں نے اُنکو شہید کردیا۔ ایک اور خاتون استاد بینش پرویز جو پانچویں کلاس کے بچوں کو پڑھانے پر مامور تھیں، ایک میجر رینک کے آرمی افسر کی بیوی اور تین بچوں کی ماں تھیں، جب دہشت گرد اُن کی کلاس روم میں داخل ہوئے اور اُنھوں نے ڈیسکوں کے نیچے چھپے بچوں کو مارنا شروع کیا تو بینش سے.برداشت نہ ہوا اور وہ بے اختیار ان دہشت گردوں پر جھپٹیں، ایک کمزور اور نہتی خاتون استاد کی یہ جرات اور ہمت دہشت گردوں کو پسند نہیں آئی، وہ غضب ناک ہوگئے اور انھوں نے بینش پرویز کو قابو کرکے اُنہیں زندہ جلادیا، بینش پرویز بھی دہشت گردوں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوہیں۔ آرمی پبلک اسکول کے ایک استاد سعید خان بھی دہشت گردوں کے حملے میں شہید ہوئے، سعید خان کو بھی اُن کے جاننے والوں نے خراج عقیدت پیش کیا، خراج عقیدت پیش کرنے میں بن کتب فاؤنڈیشن بھی شامل ہے جس کا کہنا تھا کہ

سعید خان نے ہمیشہ اس ادارے کی عوام کی بھلائی سے متعلق کی جانے والی کوششوں کی حمایت کی۔

دہشت گردوں کے حملے کے نتیجے میں شہید ہونے والے بچوں کے والدین نے حملے کی تحقیقات کے لیے "شہدا فورم" قائم کیا تھا۔ اس فورم میں موجود والدین نے مطالبہ کیا تھا کہ اسکول پر حملے میں ملوث عناصر کی نشاندہی کرکے اُنہیں سزا دی جائے۔ ایک شہید بچے کی والدہ کا کہنا تھا کہ کوئی سوچ سکتا ہے کہ پاک افواج اپنے ہی بچوں کو نہ بچا سکی ۔ کہاں گئی آئی ایس آئی، کہاں گیا وزیر داخلہ اور اس کی خبر گیری ۔ اس ملک کے جاہل وزیروں اور دس جماعت پاس مشیروں کی حفاظت کے لیئے دس دس گن مین، اور اسکولوں کی حفاظت کے لیئے ایک گارڈ بھی نہیں۔ طالبان دہشت گردوں کے حملے میں شہید ہونے والوں میں 10 ویں جماعت کے طالب علم اسفند خان کی والدہ مسز شاہانہ اجون نے بی بی سی کو بتایا تھا کہ والدین کو سکون نہیں آرہا، انہوں نے کہا تھا کہ "وہ اپنے بچوں کی فیس کے ساتھ اسکول کی سکیورٹی فیس بھی دیتے تھے"۔ اُن کا کہنا تھا کہ اسکول کی حفاظت کی بنیادی ذمہ داری آرمی کی تھی اور اُنہوں نے کیا سکیورٹی کی تھی وہ" اس بارے میں والدین کو بتائیں اس کے بعد وفاقی اور صوبائی حکومتیں ذمہ دار ہیں"۔ مسز شاہانہ اجون کے مطابق اس واقعے کے بعد دھرنے ختم ہو گئے، یوٹرن لیے گئے، مسلم لیگ کی کرسیاں بچ گئیں اور باقی سب اپنی جگہ پر موجود ہیں

اور نقصان صرف والدین اور بچوں کا ہوا ہے۔

پشاور جو پہلے ہی ایک عرصے سے دہشت گردی کا شکار تھا، طالبان دہشت گردوں کی آرمی پبلک اسکول میں معصوم بچوں کی خون کی ہولی کھیلنے سے عام پاکستانیوں کو ایسا شدید نفسیاتی دھچکا لگا ہے جس کے اثرات سے نکلنے میں طویل عرصہ لگے گا۔ ایک سال ہونے کے باوجود ایسا لگتا ہے جیسے کل ہی بات ہے۔ دہشتگردوں نے ایسے ٹارگٹ کا انتخاب کیا، جس سے پورے پاکستان کو خوف میں مبتلا کیا جاسکے اور ایسا ہی ہوا۔ جنھوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا شاید انہیں اس کی خوفناک جھلکیاں ساری زندگی.برے خواب کی طرح ستاتی رہے۔ ہمیں اُن والدین کی عظمت کو سلام پیش کرنا چاہئے کہ جنھوں نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو وطن کی مٹی پر قربان کردیا۔ اللہ تعالٰی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔اب ہمیں مضبوط ارادے سے دہشت گردی کی ہر شکل کو ہر محاذ پر شکست دینا ہوگی ورنہ ناکام قوموں کے قصے تاریخ میں بھرے پڑے ہیں۔

سولہ دسمبر 2014ء کو ہونے والے حملے کے بعد پاکستان میں کئی مظاہرے ہوئے ، لیکن اسلام آباد میں ہونے ولا مظاہرہ کبھی نہ بھولنے کے نام سے مہم کی صورت اختیار کرگیا، یہ مہم اس وقت شدت اختیار کرگئی جب لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز نے پشاور حملے کی مذمت کرنے سے انکار کردیا، اس موومنٹ نے

عبدالعزیز کی گرفتاری کا مطالبہ کیا، حکومت سے دہشتگردی کے خلاف زرہ برابر بھی لچک کا مظاہرہ نہ کرنے کا مطالبہ کیا اور جہادی اور عسکریت پسند سوچ رکھنے والے افراد کے خلاف عدم برداشت کی پالیسی کے تحت ایکشن لینے کا مطالبہ کیا۔ 16 جنوری 2015ء کو "کبھی نہ بھولنا مہم" کے نام سے ملک بھر میں ریلیاں نکالی گئیں، مظاہرین نے اپنی مساجد کو سنوارو/سدھارو، خاموشی جرم ہے اور عبدالعزیز کو گرفتار کرو کے نعرے لگائے۔ لاہور میں انسانی ہاتھوں کی زنجیر بنا کر آرمی پبلک اسکول پشاور کے سانحے کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ لیکن لال مسجد کے دہشت گرد ملا عبدالعزیز کا کہنا تھا کہ وہ پشاور حملے کی مذمت نہیں کرے گا، سول سوسایٹی کی طرف سے اُس کے خلاف کئی کیسز بھی دائر کیئے گئے تھے تاہم اس کے باوجود اُس کے ہاتھوں میں ہتکڑیاں پہنانے کی جرات کوئی نہ کرسکا۔

سوال یہ ہے کہ "سانحہ پشاور کا ذمہ دار کون ہے؟"، آج ایک سال کے بعد بھی کوئی یہ بتانے کو تیار نہیں کہ ذمہ دار کون ہے۔ یہ پورے کا پورا واقعہ بدترین غیر ذمہ داری کی وجہ سے پیش آیا تھا جس کی وجہ سے طالبان دہشت گرد آسانی سے اپنے ہدف تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔اس حادثہ کی ذمہ داری سے انٹیلی جنس ایجنسیاں، سیکوریٹی کے ادارے، صوبائی انتظامیہ اور وفاقی حکومت کس طرح اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے سکتی ہیں۔ مگران میں سے کس کس نے اب

تک ندامت کا اظہار کیا ہے؟ کسی ایک نے بھی نہیں تو پھر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ پشاور میں ان طلبا کے قتل عام کے ذمہ دار انٹیلی جنس ایجنسیاں، سیکورٹی کے ادارے، صوبائی انتظامیہ اور وفاقی حکومت کے ذمہ داران ہیں۔ ان سب نے ان بچوں کو دھوکہ دیا ہے۔ یہ سب اُن شہید بچوں اور اُن کے والدین اور گھر والوں کے مجرم ہیں۔

شدت پسند وزیر داخلہ چوہدری نثار

نواز شریف کی کابینہ میں یا تو اُنکے رشتہ دار ہیں یا پھر وہ لوگ جنکو ہر حال میں وزیر اعظم کو خوش رکھنا ہوتا ہے۔ سابق وزیر ماحولیات سینٹر مشاہد اللہ خان جو ماحول بگاڑنے کے ماہر ہیں، نواز شریف کے چہیتوں میں سے ایک ہیں، آپ میڈیا پر ہونے والے کسی بھی ٹاک شو میں اُنکو دیکھ لیں، یہ نہ صرف سب سے زیادہ شور مچا رہے ہوتے ہیں بلکہ مخالف کے لیے جو زبان استمال کرتے ہیں وہ انتہائی گری ہوئی اور تہذیب کے دائرہ سے باہر ہوتی ہے۔ اپنے اسی طرز عمل کی وجہ سے 18 دسمبر 2015ء کو سینٹ کے اجلاس میں کہہ بیٹھے کہ "ملک حالت جنگ اور سندھ حکومت حالت بھنگ میں ہے"۔ مشاہد اللہ کے یہ الفاظ پیپلز پارٹی کے ارکان کو اسقدر برے لگے کہ شدید احتجاج کرتے ہوئے اجلاس سے واک آوٹ کرگے۔ پیپلز پارٹی کے شدید احتجاج پر سینٹر مشاہد اللہ نے اپنے الفاظ پر معذرت کرلی۔ سینٹر مشاہد اللہ کو قطعی معذرت نہیں کرنی پڑتی اگر وہ پوری بات کرتے اور وہ پوری بات یہ ہے کہ "ملک حالت جنگ میں ہے لیکن مرکزی اور سندھ کی حکومتوں نے بھنگ پی ہوئی ہے"۔ ایسا میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ سندھ میں اور خاصکر کراچی میں رینجرز کے اختیارات کو سلب کرنے کی جو پالیسی پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت نے اپنای

ہوئی ہے وہی پالیسی مرکزی حکومت نے اسلام آباد میں دہشت گردوں کے لیے اپنای ہوئی ہے۔ ملک کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی یہ کہنے کو تیار نہیں ہے کہ ملک سے دہشت گردی کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ دہشت گردوں کی خاموشی خطرناک بھی ہو سکتی ہے، کراچی میں رینجرز کے اختیارات کو کم کرنے اور مرکزی وزیر داخلہ کا اسمبلی میں کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ "مولانا عبدالعزیز کے خلاف تو کوئی کیس ہی نہیں ہے تو پھر پولیس مولانا عبدالعزیز کو کب تک پکڑ کر رکھ سکتی ہے" کسی بھی تخریب کاری کا سبب بن سکتی ہے۔ وزیر داخلہ اگر دہشت گردوں کی ہمدردی سے باہر آیں تو اُنہیں فوراً یاد آجائے گا کہ "اس سلسلے میں ایک ایف آئی آر 19 دسمبر 2014ء کو سول سوسائٹی کی جانب سے تھانہ آبپارہ، اسلام آباد میں جبکہ دوسری ایف آئی آر تھانہ عزیز آباد، کراچی میں 20 دسمبر 2014ء کو درج کی گاں۔ تھیں۔

چار دن پہلے مرکزی وزیر داخلہ چوہدری نثار سندھ حکومت پر ایسے ہی برس رہے تھے جیسے کبھی پنجابی فلموں میں سلطان راہی برسا کرتا تھا، لیکن جب جواب میں خورشید شاہ نے مصطفیٰ قریشی کے انداز میں جواب دیتے ہوے چوہدری نثار کو نواز شریف کی آستین کا سانپ قرار دیا ہے، تب سے چوہدری نثار نے سندھ میں رینجرز کے اختیارات کے حوالے سے اپنا منہ بند کیا ہوا ہے۔ آپکو یاد ہوگا کہ 16 اگست 2013ء کو اسلام آباد کے ریڈزون ایریا میں حافظ آباد کے رہائشی

سکندر حیات نے ساڑھے پانچ گھنٹے تک اسلحہ کے زور پر ہلچل مچائی، لیکن وزیر داخلہ چوہدری نثار کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ پیپلز پارٹی کے رہنما زمرد خان نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بچوں کو ملنے کے بہانے ملزم کو دبوچا تھا۔ 18 دسمبر 2015ء کو وزیر داخلہ چوہدری نثار اسمبلی کے فلور پر کھڑے ہو کر فرما رہے تھے کہ "اسلام آباد کے گھر گھر کا پتہ ہے اور وفاقی دارالحکومت میں بلیک واٹر یا کوئی اور غیر ملکی خفیہ ایجنسی موجود نہیں۔ اگر چوہدری نثار کی اس بات کو مان لیا جائے تو گذشتہ چار ہفتے سے ہر جمعہ کو دوپہر 12 بجے سے 2 بجے تک وزارت داخلہ اور پی ٹی اے کی جانب سے کوئی اعلان ہوئے بغیر موبائل فون سروس کیوں بند ہو جاتی ہے؟۔

مان لیتے ہیں کہ وفاقی دارالحکومت میں بلیک واٹر یا کوئی اور غیر ملکی خفیہ ایجنسی موجود نہیں ہے لیکن وفاقی وزیر داخلہ کو اسلام آباد میں موجود طالبان اور داعش کے ہمدرد لال مسجد کے دہشت گرد مولانا عبدالعزیز سے کیا ہمدردی ہے کہ وہ آئے دن ریاست کو للکارتا رہتا ہے۔ سرکاری اہلکار سرگوشی میں بتاتے ہیں کہ مولانا عبدالعزیز لال مسجد میں نماز جمعہ کے اجتماع سے جامعہ حفصہ سے بیٹھ کر فون پر تقریر کرتا ہے جس کو روکنے کے لیے موبائل فون سروس بند کی جاتی ہے لیکن مولانا عبدالعزیز کے خلاف کوئی کاروائی کرنے سے حکومت ڈرتی ہے۔ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں کس گھر میں کون رہتا ہے

وزیر داخلہ اور حکومت سب کے بارے میں جانتے ہیں، مگر جب جمعہ کے روز اسلام آباد میں تمام موبائل فونز کے سگنلز دو گھنٹے کے لیے کیوں بند کر دیے جاتے ہیں تو اس کی وجہ کوئی نہیں جانتا۔ شہری گاڑیوں کے ٹریکرز بند ہونے کے بعد سڑک پر بے بسی کی تصویر بن جاتے ہیں۔ وجہ پوچھیں تو وزارت داخلہ کو چپ سی لگ جاتی ہے اور پی ٹی اے کے ذمہ داران جواب دینے کے لیے بے بس لگتے ہیں۔ اس سے واقعی اندازہ ہوتا ہے کہ وفاقی وزیر داخلہ کے اس دعویٰ میں کتنی سچائی ہے کہ انہیں پورے اسلام آباد پر کنٹرول حاصل ہے۔

وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے کہا ہے کہ امن قائم رکھنا میری ذمہ داری ہے۔ علماء کرام ہمارا ٹارگٹ نہیں، دہشتگردی کیخلاف جنگ میں ہمارے معاون ہیں، جو دینی مدارس شدت پسندی کی تربیت دینے میں ملوث پائے گئے ان کیخلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ تاہم ابھی تک کسی بھی مدرسے کے دہشت گردی میں ملوث ہونے کے ثبوت نہیں دیئے گئے۔ طالبان سے مذاکرات فوج کے مشورے سے شروع کئے اور آپریشن بھی ان کی مشاورت سے شروع کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ وزیر داخلہ اس انتظار میں ہیں کہ دہشت گرد خود آکر وزیر داخلہ کو بتائینگے کہ ہم دہشت گرد ہیں اور ہم نے فلاں فلاں جگہ دہشت گردی کی ہے۔ وزیر داخلہ کا یہ بیان کہ نواز شریف حکومت نے طالبان سے مذاکرات فوج کے مشورے سے شروع کئے اور آپریشن حکومت کی مشاورت سے شروع ہوا سراسر جھوٹ ہے، نواز شریف حکومت قطعی طور پر

آپریشن کی مخالف تھی یہ ہی وجہ ہے کہ جب اتوار 15 جون 2014ء کو افواج پاکستان نے طالبان دہشتگردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن "ضرب عضب" کا آغاز کیا تو قوم کو آئی ایس پی آر کے پریس ریلیز کے زریعے آپریشن شروع ہونے کی اطلاع ملی۔
آپریشن شروع ہونے کے اگلے روز وزیر اعظم نواز شریف نے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہم مذاکرات کر رہے تھے جبکہ دوسری جانب سے دہشت گردی جاری تھی۔ دہشت گردی ہماری معیشت کو 103 ارب ڈالر کا زخم لگا چکی ہے۔ ہم کسی قیمت پر ملک کو دہشت گردوں کی پناہ گاہ نہیں بننے دیں گے۔ قومی اسمبلی میں یہ سب باتیں کرنے والے نواز شریف اور اُنکے وزرا گذشتہ ایک سال سے زیادہ خاصکر 23 جنوری 2014ء سے مذاکرات کے نام پر پوری قوم کو دھوکا دے رہے تھے۔ آٹھ جون کو ایک مرتبہ پھر کراچی ایئرپورٹ پر دہشت گردوں نے خون بہایا اور ملکی معیشت کو تباہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ نواز شریف جو فی الوقت آپریشن کے لیے تیار نہیں تھے کراچی ایئرپورٹ پر حملے کے بعد اُنہیں آپریشن کی منظوری دینا پڑی یا افواج پاکستان کے آپریشن کے مشورہ کو قبول کرنا پڑا اسکے علاوہ اُنکے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا کیونکہ پوری قوم افواج پاکستان کے ساتھ کھڑی تھی۔

وزیر داخلہ کا اپنی تقریر میں مزید کہنا تھا کہ چند مدارس سے پڑھ کر کوئی دہشتگردی کرتا ہے تو اسکولوں سے پڑھ کر بھی لوگ دہشت گردی کرتے ہیں، تو پھر کیا حکومت ان تعلیمی اداروں کیخلاف بھی کارروائی کرے؟ وزیر داخلہ نے کہا کہ مدارس کی مخالفت اور کارروائی کے مطالبے کو فیشن بنا لیا گیا ہے بس کریں مدارس نے دہشت گردی کے خلاف ریاست کا ساتھ دیا ہے۔ چوہدری نثار نے کہا کہ 2007ء میں اسلام آباد میں اتنا بڑا آپریشن کیا گیا ہم سمجھتے ہیں غلط کچھ سمجھتے ہیں صحیح، لیکن اس آپریشن کا کیا فائدہ ہوا مولانا صاحب کو دوبارہ کیوں بسایا گیا وہ مسجد میں واپس کیسے اور کیوں آ گئے۔ اسلام میں لبرل ازم اور بنیاد پرستی کی کوئی گنجائش نہیں، اسلام کو اسلام رہنے دیں۔ جہاں تک چوہدری نثار کا یہ کہنا کہ اسکولوں سے پڑھنے والے بھی دہشت گردی میں شامل ہیں تو کس نے کہا ہے کہ ان دہشت گردوں کو کچھ نہ کہا جائے، وزیر داخلہ جو خود شدت پسندوں کے بہت زیادہ حامی ہیں اس لیے اُنکو تکلیف ہو رہی ہے کہ مدارس میں جو دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے اُسکا ذکر کیوں ہو رہا ہے، چوہدری نثار کسی ایک مدرسے کا نام نہیں بتا سکتے جس نے دہشت گردوں کے خلاف کوئی معاونت کی ہو اور جہاں تک مولانا عبدالعزیز کو دوبارہ اسلام آباد میں بسانے کی بات ہے تو وہ کم از کم انہوں نے نہیں بسایا جنہوں نے مولانا کی دہشت گردی کے خلاف آپریشن کیا تھا۔

وزیر داخلہ چوہدری نثار کے مطابق طالبان سے مذاکرات میں نامور علماء نے مثبت کردار ادا کیا، کونسے نامور علماء؟ حکومت کی کمیٹی میں کوآرڈینیٹر عرفان صدیقی، آئی ایس آئی کے افسر میجر (ر) عامر شاہ، سابق سفیر رستم شاہ مہمند اور نامور صحافی رحیم اللہ یوسف زئی شامل تھے جبکہ طالبان کی جانب سے مذاکرات کے لیے قائم کی گئی کمیٹی میں جمیعت علمائے اسلام (س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق، لال مسجد سے مولانا عبدالعزیز اور جماعت اسلامی کے رہنما پروفیسر ابراہیم شامل تھے اور یہ سب کے سب سوائے رحیم اللہ یوسف زئی کے طالبان کے حامی ہیں، طالبان کی کمیٹی میں مولانا سمیع الحق جو اپنے آپ کو طالبان دہشت گردوں کا باپ کہتا ہے، دوسرا مولانا عبدالعزیز جو لال مسجد میں بیٹھ کر دہشت گردی کا درس دیتا ہے اور تیسرا پاکستان کی شدت پسند جماعت اسلامی کے پروفیسر ابراہیم جو سر سے پیر تک طالبان کے ہمدرد ہیں۔ چوہدری نثار آج بھی اپنے بھائی بدنام زمانہ دہشت گرد حکیم اللہ محسود کو یاد کرتے ہیں اور اُسکی کی ہلاکت کا ذکر کرنا نہیں بھولے، انہیں کل بھی اُس سے ہمدردی تھی اور آج بھی ہے۔ وزیر داخلہ چوہدری نثار کو لبرل ازم کا نام سنکر تکلیف ہوتی ہے، وہ ایک انتہائی شدت پسند انسان ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ اسلام آباد میں آج بھی طالبان اور داعش کا حامی دہشت گرد لال مسجد کا سابق خطیب عبدالعزیز موجود ہے۔ اب اگر سینیٹر مشاہد اللہ خان وزیر داخلہ کی تقریر سن کر یہ کہہ بیٹھیں کہ چوہدری نثار شدت پسند ہیں، تقریر کرتے وقت بھنگ کا نشہ

تھا اور کچھ نہیں تو مشاہد اللہ کو کوئی کیا کہے گا۔ اگر آپ چوہدری نثار کی تقریر کو صرف دو مرتبہ غور سے پڑھ لیں یا سن لیں تو آپکو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وزیر داخلہ کی یہ تقریر کلی طور پر دہشت گردوں کی حمایت میں تھی۔

اپنے حقوق پہچانیں ورنہ بسمہ مرتی رہے گی

جب تک ہم اپنے حقوق کو نہیں پہچانیںگے بسمہ مرتی رہے گی، ایک مرتبہ اور صرف ایک مرتبہ وی آئی پی کی آمد پر اُسکے پروٹوکول کی ساری رکاوٹیں توڑ دی جایں پھر دیکھیں بدلاو کیسے نہیں آتا، بغاوت تو کرنی پڑے گی کیونکہ ان ایک فیصد وی آئی پی نے پورے پاکستان کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھا ہوا ہے۔ سوال کیا گیا کہ تو جو پہلا قدم اٹھاے گا کیا وہ گولی کا نشانہ نہیں بنے گا؟ جی ایسا ہی ہوگا لیکن اُس سے تو بہتر ہوگا جو ملتان کے علاقے شریف پورہ کے رہائشی اشفاق احمد نے 23 دسمبر 2015ء کو کیا۔ اشفاق احمد پاور لومز میں کام کرتا تھا، غربت اور گھریلو جھگڑوں سے تنگ آکر اس غربت کے مارے مزدور نے اپنی بیوی اور چار بچوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے گلے میں پھندا لگا کر خودکشی کرلی، بظاہر ان سب کا قاتل اشفاق احمد ہے لیکن اگر آپ غور کرینگے تو ان سب کی قاتل غربت ہے اور غربت کے ذمہ دار حکمراں ہیں۔ ایک گھر سے 6 افراد کی لاشیں ملی ہیں کیوں اس لیے کہ کب تک ظلم برداشت کرتا، اپنے پیاروں کو بھی مار دیا اور خود کو بھی مار لیا۔ یہ جو بچی بسمہ کراچی میں مری ہے یہ بھی غربت کا شکار تھی۔ دس ماہ کی بسمہ اپنے والدین کے ساتھ کراچی کے غریب علاقے لیاری کی رہائشی تھی، ایک کمرے کا چھوٹا سا ،گھر جو داخل ہوتے ہی ختم ہوجاتا ہے، نہ ہوا، نہ روشنی کا گزر

چاروں طرف غربت کا راج۔ کراچی میں ہسپتالوں اور اچھے ڈاکٹروں کی کمی نہیں لیکن بسمہ کے باپ فیصل بلوچ کے پاس پیسے ہی نہیں تھے، اگر ہوتے تو کسی بھی دوسرے ہسپتال چلا جاتا، اس سرکاری ہسپتال میں نہیں آتا۔

سول ہسپتال کراچی میں بلاول زرداری کیلئے وی آئی پی پروٹوکول کے باعث راستے بند ہونے سے بروقت طبّی امداد نہ ملنے پر لیاری سے تعلق رکھنے والی دس ماہ کی بچی بسمہ انتقال کر گئی۔ بچی کے والد کا کہنا ہے کہ وی آئی پی سیکورٹی کے باعث سول ہسپتال آنے والے راستے بند تھے، جس کی وجہ سے تاخیر ہوئی اور میرے ہاتھوں میں بچی نے جان دے دی، ڈاکٹرز کہتے ہیں اگر 10 منٹ پہلے ہسپتال پہنچ جاتے تو بچی کی جان بچ سکتی تھی۔ پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول زرداری اور وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے سول ہسپتال کراچی میں بینظیر بھٹو ٹراما سینٹر کا افتتاح کیا، اُن کی آمد کے موقع پر سیکورٹی سخت انتظامات تھے اور ہسپتال آنے والے راستے بند کر دیئے گئے تھے۔ دوسری جانب ایم ایس سول ہسپتال کا بڑی بے شرمی کے ساتھ یہ کہنا ہے کہ پروٹوکول نے آنے نہیں دیا، اس کا میں ذمہ دار نہیں ہوں، ہسپتال کا مین گیٹ کھلا تھا اگر وہ شارٹ کٹ لینا چاہتا تو لے سکتا تھا۔

انسانیت کے ناطے کہہ رہا ہوں کہ جس شخص میں تھوڑی بہت انسانیت باقی ہوگی

اور اُس نے ٹی وی پر فیصل کو اپنی بچی کو گود میں اٹھائے بھاگتے ہوئے دیکھا ہوگا اور بعد میں فیصل کی زبانی یہ سنا ہوگا کہ ڈاکٹر کہہ رہا تھا " اگر بچی دس منٹ پہلے آجاتی تو بچ جاتی " یقیناً ہر صاحب اولاد اس واقعہ پر غمزدہ ضرور ہوا ہوگا۔ لیکن جناب ہمارے صاحب اقتدار تو یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ بلاول کا پروٹوکول تو ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ ایک بات جو میری سمجھ میں نہیں آرہی وہ یہ ہے کہ بلاول کو کس حیثیت کی وجہ سے سرکاری پروٹوکول دیا جاتا ہے، نہ تو وہ اپنے والد آصف زرداری کی طرح سابق صدر ہے اور نہ ہی صوبے کا وزیر اعلیٰ، بلاول کو سرکاری پروٹوکول اگر اس لیے دیا جارہا ہے کہ وہ ایک سیاسی جماعت کا سربراہ ہے تو سراج الحق ، مولانا فضل الرحمان اور دوسرے بہت سوں کو جو اپنی اپنی سیاسی جماعتوں کے سربراہ ہیں اُنکو بھی وہی پروٹوکول دیا جائے جو بلاول کو دیا جارہا ہے، یہ ملک بلاول کی ذاتی جاگیر نہیں ہے۔ بلاول اور اُسکے والد نے تو دس ماہ کی بسمہ کے لیے تھوڑا بہت افسوس کا اظہار کر بھی لیا، مگر شاہ سے زیادہ شاہ کے وفاداروں کی قطعی کوئی ہمدردی اُس بچی کے لواحقین کے ساتھ نہیں۔

پیپلز پارٹی کے سینئر رہنما نثار کھوڑو کا کہنا تھا کہ بچی کے انتقال پر افسوس ہے، اگر سیکورٹی کی وجہ سے بچی کا انتقال ہوا ہے تو والدین سے معذرت خواہ ہوں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ ہمیں سب سے زیادہ بلاول بھٹو عزیز ہیں، ان

کی فیملی کو سیکورٹی خدشات ہیں۔ ننھی بسمہ جان سے گئی، ذمے داروں کا تعین کرنے یا غلطی سے سبق سیکھنے کے بجائے پیپلزپارٹی نے واقعے کا سارا ملبہ ڈاکٹر اور پولیس افسر پر ڈال دیا۔ پارٹی رہنما نادیہ گبول لیاری پہنچیں تو ''گو نادیہ گو'' کے نعروں سے ان کا استقبال ہوا۔ بجائے شرمندہ ہونے کے انہوں نے بڑی بے شرمی سے فرمایا کہ اس ڈاکٹر کے خلاف انکوائری ہوگی جس نے کہا ہے کہ بچی کو دس منٹ پہلے لاتے تو وہ بچ سکتی تھی۔ سندھ اسمبلی کی ڈپٹی اسپیکر شہلا رضا نادیہ گبول سے ایک قدم آگے بڑھ گئیں۔ جیو نیوز کے پروگرام رپورٹ کارڈ میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میڈیا کو تقریب میں جانے نہیں دیا گیا اس لیے بلبلا اٹھا۔ جبکہ صوبائی وزیر صحت جام مہتاب نے عجیب منطق پیش کی ہے کہ بسمہ کے مرنے کو خوامخواہ کا اشو بنایا گیا ہے، مرنا انسان کے بس میں نہیں ہے۔

کسی نے کہا موت زندگی کا فیصلہ اللہ کرتا ہے، کوئی بولا ہمیں بلاول کی جان سب سے زیادہ عزیز ہے اور کسی نے فرمایا ایسا تو ہر روز ہوتا ہے، ایک ڈاکٹر کو کوس رہی ہیں جبکہ دوسری میڈیا کو۔ صوبائی وزیر صحت جام مہتاب نے تو سیدھا سیدھا بچی کی موت کا الزام اللہ تعالی پر ڈال دیا چلیں مان لیتے ہیں کہ دس ماہ کی بسمہ کی موت کا فیصلہ اللہ تعالی کا ہے تو جام مہتاب صاحب ہر سال 4 اپریل اور 27 دسمبر کو گڑھی خدا بخش میں جاکر کیوں روتے ہو، کہو کہ بھٹو

اور بے نظیر کی موت کا فیصلہ بھی اللہ تعالی نے کیا تھا، نہ بھٹو کی موت کا ذمہ دار ضیاء الحق تھا اور نہ ہی بینظیر کے قاتل طالبان ہیں۔ نثار کھوڑو، نادیہ گبول اور شہلا رضا کو پارٹی میں اپنی حیثیت کا اندازہ ہے، لہٰذا ان کے نزدیک بلاول کی حفاظت سے سب سے زیادہ ضروری ہے چاہے کوئی مرئے لیکن مرنے والوں میں ان میں سے کسی کا بچہ نہ ہو۔ کہہ رہے کہ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنایا جارہا ہے، کسی ماں کی گود اجڑگیی آپ اپنی سیاست چمکارہے ہیں۔ یہ حکومتی درباری جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صرف بادشاہ صاحب کو خوش کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں، لیکن جو کچھ دس ماہ کی بسمہ کی ماں اور اُس کے باپ اور اُس کے رشتے داروں نے کہا، بس وہی سننے کے لائق ہے۔

بسمہ کا والد فیصل بلوچ جس کی بے بسی اور آنسوئوں کا سیل رواں پوری قوم نے دیکھا لیاری کے اس علاقے کا رہنے والا ہے جسے سندھ حکومت پر فائز پیپلزپارٹی کا گڑھ تصور کیا جاتا ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے پہلے پیپلزپارٹی کے منتخب رکن قومی اسمبلی محمد شاہ جہان بلوچ کو بسمہ کے گھر بھیجا، انہوں نے اہلخانہ سے تعزیت کے علاوہ تمام معاملات طے کیے جس کے بعد سید قائم علی شاہ لیاری پہنچے لیکن پھر بھی بسمہ کے گھر جانے کی ہمت نہ کرسکے اور نادیہ گبول کے گھر پہنچ گئے اور بچی کے والد فیصل کو وہاں بلوالیا۔ چند منٹ میں ہی سندھ کی حکومت دودھ کی دھلی ہوئی ہو گئی اور سارے معاملات طے

ہوگے۔ یہ سب اسقدر تیزی سے یوں کیا گیا کہ کراچی سے پیپلز پارٹی کا خاتمہ ہوچکا ہے، صرف ایک لیاری بچا ہوا ہے جہاں بیچارا بھٹو بھی آخری سانسیں لے رہا ہے، اس لیے زرداری پریشان تھے ورنہ آصف زرداری ایک غریب بچی کے لیے اسقدر پریشان نہ ہوتے۔

فیصل بلوچ اپنی بیٹی کو دفن کرکے گھر پہنچا ہی تھا کہ اسے پولیس کے چاق وچوبند جوان اٹھا کر نادیہ گبول کے گھر لے گئے اور اس کے گھر کو پولیس کمانڈوز نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور علاقے میں نیا پروٹوکول نافذ کردیا گیا کہ کوئی اہم شخصیت اسے پرسہ دینے کے لیے آرہی ہے اور وہ اہم شخصیت تھی وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ۔ وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے مرحومہ بسمہ کے والد فیصل سے لیاری میں پیپلز پارٹی کی رہنما نادیہ گبول کے گھر پر ملاقات کی ۔ ملاقات کے موقع پر وزیر اعلیٰ سندھ نے فیصل بلوچ سے بچی کی موت پر تعزیت کی اور سرکاری نوکری کا اعلان کیا۔ بعدازاں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ کہنا تھا کہ واقعہ افسوس ناک ہے تاہم بچی کی طبیعت پہلے سے خراب تھی ۔ جس راستے سے بچی کو ہسپتال لایا جانا تھا وہ راستہ بالکل کلیئر تھا۔

اس موقعے پر میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے جاں بحق ہونے والی بچی کے والد فیصل

بلوچ کا کہنا تھا کہ میری بچی پہلے سے بیمار تھی مگر وی آئی پی موومنٹ کی وجہ سے ہسپتال لانے میں دیر ہوئی۔ وزیر اعلیٰ سندھ میرے گھر آئے اُن کا شکر گزار ہوں ان کی یقین دہانی پر مطمئن ہوں۔ کسی غریب سے صوبے کا وزیر اعلیٰ علیحدگی میں بات کرے اور اس کا اثر نہ ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا، سائیں نے مرنے والی بچی کے باپ کی مجبوریوں کا سودا کیا اور جو باپ چند گھنٹے پہلے تک واقعے کا ذمے دار سندھ حکومت کو قرار دے رہا تھا، وہ کچھ اور کہتا نظر آیا، ہائے غربت، ہائے مجبوری۔ پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے اس واقعے کی مذمت کی ہے، عوام بھی مذمت کر رہے ہیں، انہی عوام میں ایک مبشر علی زیدی بھی ہیں جنھوں نے فیس بک پر صرف ایک جملہ لکھ کر حکمرانوں کو اُن کی اوقات یاد دلائی ہے، وہ کہتے ہیں "بادشاہ سلامت! جس دن آپ کے سینے میں سانس اٹکے گی، بسمہ یاد آئے گی"۔

اسلامی نظریاتی کونسل اور دہشت گردی

صوبہ خیبر پختونخواکے ضلع مردان میں منگل 29 دسمبر 2015ء کی صبح نادرا آفس کے باہر شناختی کارڈ بنوانے والوں کا رش تھا، جب ایک خودکش حملہ آور نے اپنی موٹر سائیکل دفتر کے دروازے سے ٹکرادی۔ خودکش حملے میں 26 افراد ہلاک جبکہ درجنوں زخمی ہو گئے۔ عین اس وقت جب پوری قوم مردان میں خودکش حملہ کے نتیجے میں بے گناہ شہریوں کی ہلاکت پر غمزدہ تھی اور امدادی ورکر مرنے والوں کی لاشیں اٹھانے اور زخمیوں کو طبّی امداد فراہم کرنے میں مصروف تھے، تو دوسری طرف اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں ایک دنگل ہو رہا تھا، جہاں چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل مولانا محمد خان شیرانی اور پاکستان علما کونسل کے چیئرمین مولانا طاہر اشرفی آپس میں ہاتھاپائی میں مصروف تھے۔اجلاس میں احمدیوں کے مسئلے پر بات چیت کے دوران دونوں علماء کے درمیان تلخ کلامی ہوئی اور اُنوں ں نے ایک دوسرے کے گریبان پکڑ لیے۔

اجلاس کے بعد مولانا طاہر اشرفی نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے بتایا کہ "گذشتہ اجلاس کے ایجنڈے میں قادیانیوں کے بارے میں ایک شق شامل کی گئی تھی جس کے بعد ملک میں یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کی گئی جیسے اسلامی نظریاتی کونسل کے

ارکان چاہتے ہیں کہ جو ضابطہ اخلاق متفقہ طور پر بنا ہوا ہے اس کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کا مسئلے کو بھی از سر نو دیکھا جائے، اور مرتد کون ہوگا، ذمی کون ہوگا، کافر کسے کہا جائے اور کسے نہ کہا جائے"۔ مولانا طاہر اشرفی کی پریس بریفنگ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسئلہ بہت گھمبیر اور خطرناک تھا، ورنہ دوبارہ یہ مسئلہ پھر ایک المیہ بن جاتا اس میں افرا تفری اور بدامنی کا بھی خطرہ ہو سکتا تھا، ایک معاملہ طے ہو چکا ہے اُسے دوبارہ چھیڑنے کا کیا فائدہ ہے۔ اس کیلئے ایسے فورم کو استعمال کرنے کی کوشش کی گئی جو بہت اہم اور نظریاتی سمجھا جاتا ہے اور وہاں یہ سوال اٹھانا کہ "قادیانی کافر ہیں مرتد ہیں یا گمراہ ہیں؟"۔

مولانا اشرفی کا کہنا تھا کہ جب انھوں نے ایجنڈے کے حوالے سے چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل سے وضاحت طلب کی تو اسی دوران مولانا شیرانی اپنی نسشت سے اٹھے اور انھوں نے میرا گریبان اپنے ہاتھوں سے پکڑا جو قابل شرم بات ہے۔ میرا صرف ایک سوال ہے کہ کیا ایک ایسا شخص جو اختلاف رائے قبول کرنا تو دور کی بات، اپنے اراکین کا گریبان پکڑلے اسے اسلامی، آئینی ادارے کا سربراہ ہونا چاہیے؟ گریبان پکڑنا، تشدد کرنا اُن کی شرعی ذمہ داری ہے یا قانونی ذمہ داری ہے یا ان کے تعصب کی؟ جبکہ مولانا شیرانی کا کہنا تھا کہ صوتحال کو غلط انداز میں پیش کیا جارہا ہے۔ انہوں نے طاہر اشرفی کے ساتھ

دست گریباں ہونے کی بھی تردید کی۔ مولانا طاہر اشرفی نے میڈیا پر آ کر اپنا چاک گریباں دکھایا اور یہ الزام بھی لگایا کہ مولانا شیرانی بلوچستان سے اپنے ساتھ غنڈے "لے کر اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں آتے ہیں اور وہ غنڈے بھی اُن" پر حملہ آور ہوئے۔ دوسری جانب مولانا محمد خان شیرانی نے الزام عائد کیا کہ مولانا اشرفی حالت غیر میں تھے اور انہوں نے نشے کے عالم میں اجلاس میں ہنگامہ آرائی کی ۔اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں غنڈوں کی آمدورفت یا شراب کا تذکرہ ایک نہایت تکلیف دہ معاملہ ہے۔ہمارے یہ نام نہاد عالم گالم گلوچ ، الزام تراشی اور ہاتھا پائی کے ذریعے یہ پیغام دے رہے تھے کہ اُنہیں اپنے گرد و نواح میں رونما ہونے والے واقعات سے کوئی غرض نہیں ہے۔

مولانا فضل الرحمان انتہائی چالاک اور معاملہ فہم سیاستدان ہیں، 2008ء میں مسلم لیگ (ن) کی حمایت ختم ہونے کے بعد میں پیپلز پارٹی کو مولانا کی دوستی بہت کام آئی۔ مولانا فضل الرحمان کی سیاسی چالوں کا تو ہر کوئی معترف ہے، 2010ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ کے حصول کیلئے مولانا نے متحدہ مجلس عمل کی بحالی کا ڈرامہ رچا کر کامیابی سے مولانا شیرانی کیلئے اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ حاصل کرلی۔ مولانا شیرانی کا تقرر سیاسی نوعیت کا ہے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی نوعیت بھی سیاسی ہو چکی ہے۔ کونسل میں اب تک ایسا کچھ خاص نہیں ہوا جو قابل ذکر ہو، اسے آپ زیادہ سے

زیادہ مرکزی وفاقی یونین کونسل کہہ سکتے ہیں، جہاں لوگ منتخب ہوکے نہیں آتے نامزد کئے جاتے ہیں۔ ڈھائی سال پہلے مولانا شیرانی نے مطالبہ کیا تھا کہ "چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کو بھی چیئرمین سینٹ اور اسپیکر قومی اسمبلی کے برابر کا درجہ دیا جائے"۔ مولانا شیرانی نے 17 فروری 2015ء کو اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہُوئے کہا تھا کہ "جمہوریت کُفر کا نظام ہے"، اب مولانا سے کوئی پوچھے کہ آپ جو مطالبہ کررہے تھے تو آپکو یہ تو معلوم ہوگا کہ چیئرمین سینٹ اور اسپیکر قومی اسمبلی جمہوریت کے زریعے ہی منتخب ہوتے ہیں اور جمہوریت کو آپ کفر کہہ رہے ہیں۔

پیپلزپارٹی اقتدار میں ہو یا مسلم لیگ (ن) یا کوئی اور ان میں سے کسی کو بھی اسلامی نظریاتی کونسل سے کوئی غرض نہیں اور نہ ہی چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کے بارے میں معلومات سے کوئی دلچپسی۔ سابق فوجی صدر ایوب خان نے 1962ء میں اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی تھی، اور ابھی تک اس کی سرگرمیاں، نکاح، طلاق اور پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر، دوسری شادی، یا کم عمر بچیوں سے شادی قسم کے مسائل پر فتوے دینے تک محدود ہیں۔ گزشتہ برس اسی کونسل نے اپنے ایک فیصلے میں بچوں کی کم عمری میں شادیوں پر پابندی کے ملکی قانون کو اسلامی احکامات سے متصادم قرار دے دیا تھا اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اس قانون میں ترمیم کرے۔ اس پر انسانی حقوق کی بہت سی تنظیموں

اور کارکنوں کی طرف سے اس کونسل کی شدید مذمت کی گئی تھی۔ اسلام کا اقتصادی نظام کیا ہے اور اُسے پاکستان میں کیسے نافذ کیا جائے؟ پاکستان کے 65 فیصد مفلوک اُلحال انسانوں کی بنیادی ضروریات کو کس طرح پورا کیا جائے؟ ان مسائل سے اسلامی نظریاتی کونسل کا کوئی لینا دینا نہیں۔

مولانا شیرانی اپنے کٹر نظریات کی تبلیغ کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کا پلیٹ فارم استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ مولانا شیرانی جب شر کی روک تھام کے لئے عورتوں کو پابند اور برقع بند کرنے کی بات کرتے ہیں تو یہ درحقیقت اس بیمار مردانہ ذہنیت کا اظہار ہے جو معاشرے میں برائیوں کے فروغ کی تمام ذمہ داری خواتین پر ڈال کر خود گناہ کرنے کا اجازت نامہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس طرح وہ خود تو ناقابل اعتبار اور مضحکہ خیز شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہی ہیں لیکن اس کے ساتھ اسلام اور اس سے وابستہ روایات اور ادارے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ روشن خیالی اور جمہوریت کے عہد نو میں اس قسم کے رویہ کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ دین سے وابستہ لوگوں کے یہی متضاد اور افسوسناک رویے عام لوگوں میں بے راہ روی عام کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ گذشتہ سال سندھ اسمبلی میں خواتین سے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل کے فیصلے کے خلاف شدید تحفظات کا اظہار کیا گیا اور وفاق سے مطالبہ کیا گیا کہ کم عمری کی شادی، ڈی این اے ٹیسٹ سے متعلق عملدرآمد روکا جائے۔ اسکے ساتھ ہی سندھ

اسمبلی میں اسلامی نظریاتی کونسل ختم کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کونسل کی سفارشات ختم کرنے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کرلی گئی تھی۔

نذیر ناجی اپنے ایک مضمون "مولانا شیرانی کا خفیہ منصوبہ کیا تھا؟" میں لکھتے ہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں جو ہنگامہ برپا ہوا اس پر مولانا شیرانی کا غیر معمولی رد عمل" کسی بڑے منصوبے کی ناکامی پر جھلاہٹ ہے۔ ہو سکتا ہے اسی جھلاہٹ میں انہوں نے مولانا طاہر اشرفی کے گریبان پر ہاتھ ڈالا۔ میں یہ سوچ کر کانپ گیا کہ خدانخواستہ اسلامی نظریاتی کونسل میں ایجنڈے کی متنازعہ شق پر بحث ہو جاتی اور اپنے منصوبے کے مطابق مولانا شیرانی اس موضوع پر حکومت کو کوئی سفارش کرنے میں کامیاب ہوجاتے تو کتنا بڑا فساد برپا ہونا تھا۔ اس وقت پاکستان نازک حالات سے گذر رہا ہے کہ فساد پیدا کرنے کی ذراسی کوشش بھی پورے ملک میں آگ بھڑکا سکتی ہے، کوئی نہیں جانتا کہ ایجنڈے کے پراسرار حصے میں مولانا شیرانی کا خفیہ منصوبہ کیا تھا"۔

قرآن و سنت اور اسلامی تعلیمات کے آئینے میں ڈھلے علماء کرام سے معاشرے کی قیادت اور بہتری کی طرف رہنمائی کی امید ہوتی ہے یہ پر فتن دور میں بھی ثابت قدم رہ کر قوم کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کی قوت رکھتے ہیں۔ ہمارے یہ

علماء اس بات سے بھی لاپرواہ اور بے خبر ہیں کہ یہ ملک اور اس میں آباد لوگ گزشتہ ایک دہائی سے جن عناصر کی چیرہ دستیوں اور ہلاکت خیزی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، وہ اسی قسم کے عالموں اور مذہبی پیشواؤں کی درس گاہوں سے تعلیم اور تربیت حاصل کر کے نکلتے ہیں اور جب کوئی اس طرف اشارہ کرنے کا حوصلہ کرتا ہے تو یہ سارے دین فروش خونخوار انداز میں ان آوازوں کو دبانے کے لئے بر سر جنگ ہوتے ہیں۔ اور جس وقت یہ دونوں عامہء آپس میں دست و گریباں تھے تو کیا اُن تک مردان میں ہونے والی دہشت گردی کی خبر نہیں پہنچی ہوگی۔ گزشتہ روز اسلامی نظریاتی کونسل میں جو مناظر سامنے آئے وہ اسلامی نظریات کی ترجمانی نہیں بلکہ شدت پسندانہ کردار کے آئینہ دار ہیں۔ قوم اسلام کے نام پر دہشت گردی کے جن تکلیف دہ مراحل سے گزر رہی ہے اس میں ایسی محاذ آرائی کی گنجائش نہیں جو معاشرے کو مزید تقسیم کر دے۔

دہشت گردی کا آخری اور بیخ کنی کا سال

پاکستان کے آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے جمعہ یکم جنوری 2016ء کو پوری قوم کو خوشخبری دیتے ہوئے کہا ہے کہ "اُنکو پورا یقین ہے 2016ء دہشت گردی کا آخری اور بیخ کنی کا سال ہو گا، قوم کی حمایت سے دہشت گردوں، مجرموں اور کرپشن کا گٹھ جوڑ توڑدیں گے، جس کے باعث انصاف کی راہ ہموار اور پائیدار امن کی منزل حاصل ہو گی۔ جمعہ یکم جنوری کو ہی جنرل راحیل شریف نے مزید 9 خطرناک دہشت گردوں کے ڈیتھ وارنٹ پر دستخط کر دیئے۔ یہ 9 دہشت گرد پریڈ لین مسجد راولپنڈی، آئی ایس آئی ہیڈ کوارٹر ملتان، قانون نافذ کرنے والے اداروں، لاہور میں معصوم شہریوں کے اغوا اور قتل کی وارداتوں میں ملوث تھے۔ ان دہشت گردوں کیخلاف فوجی عدالتوں میں سماعت ہوئی اور جرم ثابت ہونے پر سزائے موت سنائی گئی۔ جنرل راحیل شریف اس سال 29 نومبر کو ریٹائر ہورہے ہیں اور اسی سال دہشت گردی کو بھی جڑ سے ختم کرنے کیلیے پر عزم ہیں، آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے دور میں ملک بھر میں دہشت گردوں کے گرد گھیرا تنگ کیا گیا، اُن کی سربراہی میں آپریشن ضرب عضب شروع کیا گیا۔

سابق آرمی چیف جنرل کیانی کے حوالے سے یہ بات کی جاتی رہی ہے اور سابق ڈی

جی آئی ایس پی آر میجر جنرل (ر) اطہر عباس نے بھی کہا ہے کہ تمام تیاریاں مکمل ہونے کے باوجود جنرل کیانی نے وزیرستان میں آپریشن نہیں کیا، مگر جنرل راحیل شریف نے آنے کے بعد دہشت گردوں کے خلاف آپریشن شروع کیا اور پاکستان میں امن آیا، جنرل راحیل شریف نے مزید یہ بھی کہا کہ قوم کی حمایت سے دہشت گردی، جرائم اور کرپشن کا گٹھ جوڑ توڑیں گے اور انصاف و امن کی راہ ہموار کی جائے گی۔ وزیر اعظم نواز شریف کو اس سال جہاں بہت سارے اُمور دیکھنے ہونگے وہاں موجودہ آرمی چیف کی مدت میں توسیع یا ایسے نئے آرمی چیف کا انتخاب کرنا ہوگا جو دہشت گردی کیخلاف جنگ کو اسی طریقے سے جاری رکھے جس طرح سے جنرل راحیل شریف نے جاری رکھی ہوئی ہے۔
سال 2015ء جب شروع ہوا تو پوری قوم اداس تھی جسکی وجہ ملکی تاریخ میں 16 دسمبر 2014ء کی وہ بدترین دہشت گردی تھی جس میں پھولوں کے شہر کا تشخص رکھنے والے شہر پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں طالبان دہشت گردوں نے پاکستان میں ابتک ہونے والی سب سے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیااور 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا۔ 132 طلباء کی شہادت یقیناًایک قومی المیے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس واقعہ نے پورے ملک کو ہلاکر رکھ دیا اور پوری قوم بغیر کسی تفریق کے ماسوائے چند لوگوں کو چھوڑ کر متحد ہوگئی (چند لوگوں میں اسلام آباد کی لال مسجد کا سابق خطیب شقی القلب مولانا عبدالعزیز اور سابق

امیر جماعت اسلامی منافق سید منور حسن شامل ہیں)۔ اسکے بعد طالبان کے بارے میں پوری قوم کی ایک ہی رائے تھی کہ یہ دہشت گرد ہیں اور اُن کا اور اُنکی سوچ کا خاتمہ ضروری ہے۔ عسکری قیادت کی طرف سے آرمی پبلک اسکول کے واقعے کے بعد ملک سے دہشت گردی و انتہا پسندی کے مکمل خاتمے کے لیے فیصلہ کن کارروائیوں کا عزم کیا گیا اور شدت پسندوں کے خلاف بلا تفریق کاروائیاں تیز کر دی گئیں۔

ان تمام کوششوں کے باوجود بھی دہشت گردوں کی طرف سے ملک کے مختلف حصوں میں ہلاکت خیز حملے کیے جاتے رہے۔ حکومتی عہدیداران ان حملوں کو شدت پسندوں کے خلاف سکیورٹی فورسز کی جاری کارروائیوں کا ردعمل قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ دہائیوں سے جڑ پکڑتی دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے ابھی مزید وقت درکار ہے۔

سال 2014ء کی نسبت اس سال صورتحال کافی بہتر ہوئی ہے۔ اس پورے سال مختلف دہشت گردی کی وارداتوں سے یہ تاثر ملا کہ دہشت گردوں کی کارروائیاں کرنے کی صلاحیت ابھی تک مکمل طور پر ختم نہیں کی جا سکی ہیں۔ قومی لائحہ عمل کے نتائج سامنے آئے ضرب عضب کی صورت میں بھی، کراچی کی صورتحال کی بہتری کی صورت میں بھی، بلوچستان میں جو قتل و غارت گری تھی اس معاملے میں بھی۔ انتہا پسندی اب ویسی نہیں رہی لیکن یہ بہت مشکل مسائل ہیں یہ جو فرقہ واریت اور انتہا پسندی کی لعنتیں ہیں یہ وقت کے ساتھ پنپتی رہی ہیں اور اسکو ختم ہونے

میں لازمی وقت لگے گا۔ پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ صرف سال 2015ء میں طالبان کے خلاف جو لڑائی لڑی گئی وہ کبھی نہیں لڑی گئی، اس سے پہلے صرف مصلحتوں سے کام چلایا گیا۔

پاکستان انسٹی ٹیوٹ فار کنفلکٹ اینڈ سیکیورٹی اسٹڈیز کی سالانہ رپورٹ کے مطابق گزشتہ برس دہشت گردی کے واقعات میں 56 فیصد کمی جبکہ دہشت گردی سے ہونے والی ہلاکتوں میں 2014ء کی نسبت 48 فیصد کمی ہوئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق سانحہ آرمی پبلک اسکول پشاور کے بعد آپریشن ضرب عضب میں ملنے والی کامیابیوں اور دہشت گردوں کی بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کی وجہ سے ملک میں امن وامان کی مجموعی صورتحال بہتر ہوئی ہے۔ گزشتہ سال ملک میں سلامتی کی مجموعی صورتحال میں نمایاں بہتری آئی اور خیبر پختونخوا میں بھی دہشت گرد حملوں میں نمایاں کمی آئی۔ صرف پنجاب میں خودکش حملوں میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ بلوچستان میں دہشت گردی اور ریاست مخالف حملوں کی تعداد زیادہ رہی۔

رپورٹ کے مطابق 2015ء میں 706 دہشت گرد حملوں میں 1325 انسانی جانیں ضائع ہوئی جن میں 619 شہری اور 348 سیکیورٹی اہلکار تھے۔ گزشتہ برس 325 دہشت گرد بھی مارے گئے۔ گزشتہ سال دہشت گرد حملوں میں 1464 افراد زخمی بھی ہوئے۔ 2015ء بلوچستان میں سب سے زیادہ 280 دہشت گرد حملوں میں 355 افراد جاں بحق اور 335 زخمی

ہوئے، بلوچستان میں ہونے والے یہ واقعات 2014ء میں ہونے والے واقعات کی نسبت 41 فیصد کم ہیں۔ رپورٹ کے مطابق فاٹا میں 170 دہشت گرد حملوں میں 396 انسانی جانیں ضائع ہوئیں جو 2014ء کی نسبت 55 فیصد کم ہیں۔

خیبر پختونخوا میں 139 دہشت گرد حملوں میں 224 انسانی جانیں قربان ہوئیں۔ 2014ء کے مقابلے میں خیبر پختونخوا میں سلامتی کی صورتحال بہت بہتر ہوئی اور دہشت گرد حملے 70 فیصد کم ہوگئے۔ صوبہ سندھ میں بھی سلامتی کی صورتحال بہتر ہوئی اور گزشتہ سال یہاں 89 دہشت گرد حملوں میں 240 افراد جاں بحق ہوئے تاہم یہ تعداد 2014ء کی نسبت 64 فیصد کم ہے۔ پنجاب میں باقی ملک کی نسبت خودکش حملوں کی تعداد بڑھ گئی تاہم دہشت گرد حملوں میں 39 فیصد کمی ہوئی۔ وفاقی دارالحکومت میں بھی پچھلے سال دو اور گلگت بلتستان میں ایک دہشت گرد حملہ ہوا۔ جبکہ 18 دسمبر کو وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے سینٹ میں بتایا کہ ایک سال کے دوران دہشت گردی کے واقعات میں کمی دیکھی گئی ہے، سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 1100 سے زائد واقعات ریکارڈ کئے گئے' ان واقعات میں تقریباً 650 مبینہ شدت پسند ہلاک ہوئے جبکہ 710 گرفتار ہوئے۔

اگرچہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے جاری قومی ایکشن پلان کے تحت حکومت ہزاروں مشتبہ افراد کو گرفتار کرنے کا دعوی کرتی رہی ہے لیکن وزیر داخلہ کے بیان

کے مطابق اس سال 710 دہشت گرد گرفتار کئے گئے۔ سب سے بڑی تعداد خیبر پختونخوا سے یعنی 301 ایک رہی۔ دوسرے نمبر پر بلوچستان رہا جہاں سے 267 گرفتاریاں ہوئیں۔ فاٹا میں ہلاکتیں تو سب سے زیادہ رہیں لیکن گرفتاریاں محض 88 ہی ہوئیں۔ پنجاب سے حیران کن طور پر محض دو دہشت گردوں کی گرفتاری کی معلومات دی گئی ہیں۔ سندھ میں یہ تعداد 52 رہی۔

ان تمام اعداد و شمار کے باوجود 2015ء میں دہشت گرد ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں، وہ ابھی تک جب چاہتے اور جہاں چاہتے پہنچ جاتے ہیں مثال کے طور پر ہمیں ایک افغان طالبان رہنما کا پتہ جب چلتا ہے جب تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان جیو نیوز کو خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایک افغان طالبان رہنما نے بھی شوکت خانم اسپتال لاہور سے علاج کرایا تھا، طالبان لیڈر نے علاج کے بعد شکریہ کا خط لکھا تو مجھے اس بات کا پتا چلا۔ اسکا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ ہمارے خفیہ ادارے سوئے ہوئے ہیں کہ انکو افغان طالبان رہنما کا پتہ ہی نہیں چلا، شوکت خانم اسپتال لاہور کی انتظامیہ سے بھی پوچھا جائے۔ سال 2015ء کے ختم ہونے سے صرف دو دن پہلے صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع مردان میں منگل 29 دسمبر 2015ء کی صبح نادرا آفس کے باہر شناختی کارڈ بنوانے والوں کا رش تھا، جب ایک خود کش حملہ آور نے اپنی موٹر سائیکل دفتر کے دروازے سے ٹکرا دی۔ خود کش حملے میں 26 افراد ہلاک جبکہ درجنوں

زخمی ہو گئے، یہ ایک طرح سے دہشت گردوں کا پیغام تھا کہ ابھی وہ ختم نہیں ہوئے ہیں۔ پاکستان میں داعش ہے یا نہیں اس پر اگلے مضمون میں بات ہو گی۔

ابھی پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ نہیں ہوا ہے لیکن 2015ء ملک کے لیے ایک اچھا سال تھا، لازمی بات ہے کہ دس سال کی دہشت گردی ختم ہونے میں وقت لگے گا۔ 2015ء میں پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف شاندار کامیابیاں حاصل کیں ہیں۔ توقع یہی ہے کہ 2016ء کا پاکستان بقول آرمی چیف جنرل راحیل شریف کہ "دہشت گردی کا آخری اور یکجہتی کا سال ہوگا"، جس کے باعث پائیدار امن کی منزل حاصل ہوگی، ہماری دلی خواہش بھی یہ ہی ہے کہ شہیدوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والے آرمی چیف جنرل راحیل شریف جب 29 نومبر 2015ء کو اپنی ملازمت کی مدت ختم ہونے پر اپنے گھر جایں تو پاکستان دہشت گردی کی لعنت سے پاک ہو چکا ہو۔ پاکستان زندہ باد

داعش ہیں، داعش نہیں ہیں

دہشت گردوں کا گروہ داعش یا امارت اسلامی ظاہری طور پر اسلامی احکام کے اجرا کی تاکید کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دہشت گرد گروہ کے افکار و نظریات مکمل طور پر اسلام مخالف ہیں۔ یہ دہشت گرد شریعت کے نفاذ کا نعرہ اس لیے لگا رہے ہیں تاکہ دنیا والوں پر یہ ظاہر کریں کہ وہ ایک اسلامی گروہ ہیں۔ داعش کا مقصد ایک طرف اسلام کے چہرے کو بدنام کرنا ہے تو دوسری طرف عالم اسلام میں مذہبی اور فرقہ وارانہ جنگ کی آگ کو بھڑکانا ہے۔ عراق کے شمال میں داعش نے 12 جون 2014ء کو ایک ہولناک خون کی ہولی کھیلی جس میں سیکڑوں عراقی شہریوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔اس دن سے اس دہشت گرد گروہ کا نام لوگوں کی زبانوں پر آنا شروع ہو گیا ہے، اس گروہ کے لوگ پہلے القاعدہ میں شامل تھے، شام میں جاری محاذ پر انھوں نے اپنی تنظیم کو النصر فرنٹ کا نام دیا اور پھر بعد میں اس گروہ سے خود کو جدا کر کے ایک اور گروہ بنایا جس کا نام داعش رکھ لیا۔

.برطانیہ کے سابق وزیراعظم ٹونی بلیئر سابق امریکی صدر جونیئر بش کے ہر گناہ کے ساتھی رہے ہیں اب سے دو ماہ پہلے انھوں نے امریکی ٹیلی ویژن چینل سی این این کو بتایا کہ عراق کے بارے میں ان کی حکمت عملی ناکام رہی لیکن اس کے

بعد کی حکمت عملیاں بھی کامیاب نہیں ہو سکیں۔ ٹونی بلیئر نے کہا میں اس بات پر معافی مانگتا ہوں کہ جاسوسی معلومات غلط تھیں۔ میں اس کے لیے بھی معافی مانگتا ہوں کہ حکمت عملی تیار کرنے اور یہ سمجھنے میں غلطیاں ہوئیں کہ جب آپ حکومت بدل دیں گے تو کیا ہو گا۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ کیا عراق جنگ ہی شدت پسند تنظیم دولت اسلامیہ کے فروغ کا باعث بنی ہے، تو انھوں نے جواب دیا میں سمجھتا ہوں کہ اس بات میں کسی حد تک حقیقت ہے۔ بظاہر کہا جاتا ہے کہ داعش ایک مسلم تنظیم ہے لیکن تباہ ہوتے ہیں عراق، لیبیا اور اب شام۔ داعش کی تشکیل کے بعد اس کی جانب سے اسلام کے نام پر عراق اور شام میں انجام پانے والے غیر انسانی اور دہشت گردانہ اقدامات کا اصل مقصد ہی اسلام کے چہرے کو بگاڑ کر پیش کرنا ہے۔ داعش کی جانب سے نہتے عوام کے خلاف بہیمانہ ظلم و ستم انجام پانے کا بڑا مقصد اسرائیل کے چہرے کو سفید کرنا اور عالمی سطح پر اس کے چہرے پر لگے ظلم و بربریت کے لیبل کو ہٹانا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اسرائیل جو پوری طرح مسلم دشمنی کا مظاہرہ کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے، وہ مکمل محفوظ ہے۔

ابو بکر البغدادی نام ہونے کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمانوں کا دشمن نہیں، عبداللہ محسود، حکیم اللہ محسود کون تھے؟ تھے تو نام سے مسلمان لیکن 60 ہزار پاکستانیوں کے قاتل تھے۔ موجودہ طالبانی لیڈر

فضل اللہ کون ہے، کیا مسلمان نہیں ہے؟ ہر گز نہیں پشاور کے آرمی پبلک اسکول کے بچوں اور ہزاروں پاکستانیوں کا قاتل ہے۔ اسامہ بن لادن کس کے کہنے پر روس 132 سے لڑنے افغانستان آیا تھا؟ ساری دنیا جانتی کہ وہ امریکی نمک خوار تھا۔ صدام حسین کون تھا، امریکی نمک خوار، ایران سے آٹھ سال جنگ اور کویت پر قبضہ امریکہ کے حکم پر لیکن امریکہ اپنے نمک خواروں کا یہ ہی انجام کرتا ہے جو صدام حسین کو پھانسی پر لٹکا کر کیا، قذافی نے بھی جب امریکی نمک حلالی کی کوشش کی تو سب سے زیادہ برے انجام کا مستحق قرار دیا گیا۔ پاکستان کا سابق ڈکٹیٹر جنرل ضیاالحق بھی اپنے آقا امریکہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ القاعدہ کے ناکام ہونے کے بعد اب زیادہ سرمایہ لگا کر شدت پسند تنظیم دولت اسلامیہ بنائی گی ہے، جسکا سربراہ ابوبکر البغدادی ہے، ابوبکر البغدادی اپنے آپ کو نام نہاد خلیفہ قرار دے چکا ہے، اور اب آپ کو القاعدہ اور طالبان کے کافی دہشتگرد داعش میں ملیں گے۔

فرانسیسی دارالحکومت پیرس میں جمعہ 13 نومبر 2015ء کی شب چھ مقامات پر خود کش حملوں اور فائرنگ سے 129 افراد ہلاک اور 100 سے زیادہ زخمی ہوئے۔ بقول داعش کہ فرانس کی شام میں مداخلت کے پیش نظر داعش کی جانب سے پیرس میں دہشت گردی کرکے انتقام لیا گیا۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن پیرس میں دہشت گردی کامیاب کیسے ہوئی، جبکہ فرانس جیسے ترقی یافتہ ملک میں یہ بہت ناممکن لگتا

ہے، پیرس میں ہونے والی دہشت گردی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ فرانسیسی حکومت نے دستیاب معلومات کو سنجیدگی سے نہیں لیا اور کچھ زیادہ ہی خود اعتمادی کا شکار ہو گئی۔ جمرات 7 جنوری کو ایک مرتبہ پھر پیرس میں ایک خود کش جیکٹ پہنے شخص نے پیرس کے ایک تھانے پر حملے کی کوشش کی لیکن فرانسیسی پولیس نے دھماکے کی کوشش ناکام بنانے کے ساتھ ساتھ فائرنگ کرکے اُس شخص کو ہلاک کردیا۔ دھماکے کی ناکامی کی وجہ پیرس پولیس کا ہوشیار رہنا تھا۔

وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار طالبان کے سربراہ دہشتگرد حکیم اللہ محسود کی موت پر بہت روئے تھے۔ جماعت اسلامی کے سابق امیر منور حسن نے تو اپنے بھائی دہشتگرد حکیم اللہ محسود کی موت پر اُسکو شہید قرار دیا تھا جبکہ مولانا فضل الرحمان نے اُسے کتا قرار دیتے ہوئے شہید بھی قرار دیا تھا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چوہدری نثار، منور حسن اور مولانا فضل الرحمان دہشت گردی اور دہشت گردوں سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ 2014ء کے آخر میں کراچی کی نواحی بستیوں میں دیواروں پر خلیفہ البغدادی کا نام لکھا ہوا نظر آیا اور یقیناً یہ کارنامہ جماعت اسلامی نے سرانجام دیا ہوگا۔ ملک کے طول و عرض میں دہشت گردی کے عفریت کو قابو میں کرنے کی کارروائیاں تو جاری ہی تھیں کہ پڑوسی ملک افغانستان میں شدت پسند گروپ داعش کی طرف سے قدم جمانے کو پاکستان کے لیے ایک نئے خطرے کے طور پر دیکھا جانے لگا۔ لیکن عہدیداروں کا اصرار ہے کہ

پاکستان میں اس گروپ کا کوئی وجود نہیں اور اس کا سایہ بھی یہاں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ترجمان دفتر خارجہ کا کہنا ہے کہ "ہم داعش کو دہشت گرد جماعت سمجھتے ہیں اور ہم نے بارہا کہا ہے کہ پاکستان میں اس کا وجود نہیں ہے۔ بین الاقوامی سطح پر ہم نے ہمیشہ بین الاقوامی برادری کے ساتھ دہشت گردی کو ختم کرنے میں تعاون کیا ہے"۔

پاکستان کی فوج نے 2015ء کے پورے سال میں دہشت گردی کے خاتمے میں بھرپور کردار ادا کیا اور ساڑھے تین ہزار سے زائد مشتبہ دہشت گردوں کو ہلاک اوران کے ٹھکانوں کو تباہ کرتے ہوئے دہشت گرد نیٹ ورکس کو تخت وتاراج کرنے کا بتایا۔ لیکن پاکستانی فوج کی ان تمام دہشت گردوں کے خلاف کامیابیوں کے باوجود عام جانے پہچانے دہشت گردوں کے حامی اوراُنکے سہولت کار آزادی سے وہ سب کچھ کررہے ہیں جو وہ آپریشن ضرب عضب اور کراچی آپریشن سے پہلے یا اُسے شروع ہونے کے بعد کرتے رہے ہیں۔اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ملک کے ہر شہر سے بلکہ خاصکر چھوٹے شہروں سے داعش کے حامی پکڑے جارہے ہیں، کافی تعداد میں خواتین بھی دہشت گردوں کی سہولت کار کے طور پر سامنے آئی ہیں۔ لیکن وفاقی وزیر داخلہ کو ملک میں صرف ایک دہشت گرد ڈاکٹر عاصم نظر آرہا ہے، یہ بلکل صیح ہے کہ ڈاکٹر عاصم مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث رہا ہے لیکن کیا چوہدری نثار اور سندھ حکومت اپنی حکومتوں کا باقی وقت ڈاکٹر عاصم اور رینجرز کے

اختیارات طے کرنے میں صرف کرینگے۔

وفاقی وزیر داخلہ نے اپنے اسلام آباد کے پڑوسی کے لیے تو صاف کہہ دیا کہ لال مسجد والے مولانا عبدالعزیز جو دہشت گردوں کے حامی اور سہولت کار ہیں اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی کیونکہ اُن کے خلاف کوئی مقدمہ موجود نہیں ہے۔ بھولے وزیر داخلہ صاحب مشرف کی مخالفت اپنی جگہ لیکن آٹھ جولائی 2007ء کو پاکستان کی فوج کے لیفٹیننٹ کرنل ہارون لال مسجد کی لڑائی میں 150 جوانوں کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اس کارروائی میں نامعلوم تعداد میں فوجی جوان اور افسر بھی شہید ہوئے تھے۔ لال مسجد آپریشن کے دوران دہشت گردوں نے درجنوں بچیوں کو انسانی ڈھال کے طور پر استمال کیا تھا جنکو فوج نے لال مسجد کے اندر سے برآمد کیا۔ مولانا عبدالعزیز جو برقعہ پہن کر پہلے ہی فرار ہوتے ہوئے پکڑا گیا تھا اور اس وقت پاکستان میں داعش کا سب سے بڑا حامی ہے، وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار کی نگاہ میں معصوم اور بے قصور ہے۔ اس کہتے ہیں ایک اچھا پڑوسی اپنے پڑوسی کا کیسے خیال رکھتا ہے، ویسے بھی طالبان کے ناطے تو دونوں بھائی بھائی ہیں۔

جماعت اسلامی، درس وتدریس والی خواتین اور داعش کے گٹھ جوڑ پر بھی بات ہونی ہے لیکن کالم طویل ہوجائے گا لہٰذا اگلے کسی کالم میں۔تازہ ترین خبر یہ

ہے کہ کراچی پورٹ سے 20ہزار کلو دھماکا خیز مواد سے بھرا کنٹینر کسٹمز انٹیلی جنس نے پکڑا ہے، جو راولپنڈی سے تعلق رکھنے والی کسی شخصیت کی ملکیت ہے۔اس سے قبل اسی نوعیت کے دو کنٹینرز پشاور سے پکڑے جاچکے ہیں وہ بھی کسٹمز انٹیلی جنس نے ہی پکڑے تھے، کیا چوہدری نثار قوم کو بتائیں گے کہ یہ 20ہزار کلو دھماکا خیز مواد سے بھرا کنٹینر کس مقاصد کے لیے پاکستان لایا گیا، اور راولپنڈی کی وہ کون سی شخصیت ہے جس نے یہ دھماکہ خیز مواد منگوایا تھا اور پشاور میں پکڑے گئے دو کنٹینرز کا کیا ہوا۔ اسوقت داعش کے حامی پورے پاکستان میں موجود ہیں، پنجاب کے وزیر قانون رانا ثناللہ نے تو اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ داعش کے حامی پاکستان میں اور خاصکر پنجاب میں موجود ہیں لیکن پاکستان کے وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار نے ملک میں داعش کی موجودگی کی تردید کی جو افسوسناک ہے، ملک بھر میں داعش کی حمایت میں چاکنگ کی گئی جب کہ لاہور میں ناصرف چاکنگ بلکہ داعش کے پوسٹرز بھی لگائے گئے۔

سانحہ صفورا کے ملزم سعد عزیز کی نشاندہی پر پولیس اور حساس اداروں نے مشترکہ کارروائی میں سانحہ صفورا کے مرکزی ملزم عمر کاٹھیو کو گرفتار کیا ہے۔ معلومات کے مطابق عمر کاٹھیو نے 2011 ء میں سندھ میں دہشت گردوں کا نیٹ ورک قائم کیا تھا۔ گرفتار دہشت گرد کا کام القاعدہ کے دہشت گردوں کو سہولت فراہم کرنا تھا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ ملزم نے القاعدہ سے داعش میں شمولیت اختیار کی

جبکہ عمر کاٹھیو کی بیوی سندھ میں داعش کی خواتین کا نیٹ ورک چلاتی ہے۔ اگر بقول چوہدری نثار پاکستان میں داعش موجود نہیں تو پھر کون اس کا پرچار کر رہا ہے، اور وہ کون ہیں جو پاکستان میں داعش کی حمایت کر رہے ہیں اور سہولت کار بنے ہوئے ہیں، اگر چوہدری نثار پاکستان میں داعش کی موجودگی کو تسلیم نہیں کرتے تو یقینا وہ فرانس کے حکمرانوں والی غلطی پاکستان میں دہرانا چاہ رہے ہیں۔

سابق جنرل پرویز کیانی پر الزامات

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بدعنوانی کا مرض سرطان کی شکل اختیار کرچکا ہے، یہ موذی مرض نہ صرف ہمارے سیاستدانوں، فوجی اداروں، سرکاری اداروں بلکہ عام لوگوں میں بھی سرایت کرچکا ہے۔ بدعنوانی کی کئی صورتیں ہیں مثلاً مالیاتی بدعنوانی، فیصلہ کرنے میں بدعنوانی، اختیارات اور مراعات کا غلط استعمال، سفارش، رشوت، دھوکہ دہی وغیرہ۔ بدعنوانی کی یہ تمام صورتیں ہم روزانہ دیکھتے ہیں اور ان سے متعلق خبریں بھی سنتے ہیں۔ پاکستان میں بدعنوانی کی وجوہات میں کمزور سول سوسائٹی، احتساب کا ناقص اور کمزور نظام اور سیاسی عزم کی کمی شامل ہیں۔ بدعنوان افراد سرکاری اور نجی املاک، سرکاری رقوم اور اپنے اختیارات میں ہر قسم کی دھوکہ دہی میں ملوث ہیں اور غریبوں، بیواوں اور یتیموں کا مال ہڑپ کرنے میں بھی دیر نہیں لگاتے۔ لاہور کے ڈی ایچ اے سکینڈل میں گرفتار ایک معروف تعمیراتی کمپنی کے چیف ایگزیکٹو حماد ارشد کے خلاف احتساب عدالت میں جمع کرائی گئی رپورٹ کے ذریعے جو اہم انکشافات سامنے آئے ہیں اس کے مطابق ملزم حماد ارشد نے فوجی جوانوں اور شہداء کو اُن کے جائز حق سے محروم کیا۔ اُس پر الزم ہے کہ اس نے سترہ ارب روپے کا فراڈ کیا،اس کے خلاف نیب کو گیارہ ہزار سات سو پندرہ شکایات موصول ہوئیں۔ ملزم حماد ارشد نے معاہدے کے

تحت ہاوسنگ سوسائٹی کے لیے 25 ہزار کنال اراضی حاصل کر کے تعمیراتی کام کروانے تھے مگر حماد ارشد نے مختلف ٹکڑوں میں تیرہ ہزار کنال اراضی حاصل کی اور ترقیاتی کام بھی نہ کروائے۔ نیب رپورٹ میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ حماد ارشد نے قوم کے شہداء اور فوجی جوانوں کو اُن کے جائز حق سے محروم رکھا۔ ایک اطلاع کے مطابق ملزم حماد ارشد کو سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کا قریبی عزیز بتایا جاتا ہے۔

ڈی ایچ اے سکینڈل میں ایک اور ملزم کامران کیانی ہیں جو سابق آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کے بھائی ہیں۔ اطلاعات کے مطابق اُن کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارے جا رہے ہیں جبکہ کامران کیانی کے ایک اور بھائی بریگیڈیر ریٹائرڈ امجد کیانی کے مطابق کامران کیانی دبئی میں ہیں اور وہ کسی قسم کی کرپشن میں ملوث نہیں ہیں۔ اخباری اطلاعات کے مطابق 17 ارب روپے کے اس گھپلے میں ایڈن گروپ کے حماد ارشداور ایلیسیم سویڈنگ کے کامران کیانی نے شہداء اور فوجیوں کے خاندانوں اور عام لوگوں کے اعتماد کو بری طرح مجروح کیا۔ ڈی ایچ اے منصوبے کا بنیادی مقصد شہداء کے لواحقین اور جنگ زدہ زخمی فوجیوں کے خاندانوں کو چھوٹے پلاٹوں کی الاٹمنٹ کے ذریعے مادر وطن کے لیے ان کی بہترین خدمات کا اعتراف کرنا تھا تاکہ ان کے لواحقین اور خاندان مناسب قیمت کی ادیگی کے بعد اپنے گھروں میں باعزت طور پر زندگی گزار سکیں۔ بدقسمتی سے

کرپٹ مافیا نے شہداء کے خاندانوں کو بھی نہیں بخشا۔ اس فراڈ کیس سے 26 ہزار کے قریب افراد متاثر ہوئے ہیں، چھ برس گزرنے کے باوجود فوجی شہداء اور زخمیوں کے لواحقین اور دیگر افراد اپنے حق کے حصول کے لیے دربدر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

جنرل (ر) اشفاق پرویز کیانی 2007ء میں فوج کے سربراہ تعینات ہوئے۔ فوج کی سربراہی ملنے سے قبل وہ وائس چیف آف آرمی اسٹاف تھے۔ اس سے پہلے ڈی جی آئی ایس آئی تھے، اس سے پہلے ڈی جی ایم او تھے، ساتھ ساتھ پنڈی کے کور کمانڈر بھی تھے، یہ ساری اثرورسوخ والی تقرریاں تھیں۔ جنرل (ر) کیانی کے تین بھائی ہیں، ان میں بریگیڈیر (ر) امجد کیانی، میجر (ر) بابر کیانی اور کامران پرویز کیانی شامل ہیں۔ بابر کیانی اور کامران کیانی کاروبار سے منسلک ہیں اور ان پر یہ الزامات لگے کہ اُنھوں نے اپنے بھائی کے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے، سرکاری ٹھیکے حاصل کیے۔ کامران کیانی نے 1999ء میں کام شروع کیا، یہ وہ وقت ہے جب جنرل (ر) کیانی طاقتور یا بااثر شخصیت بننا شروع ہوئے، ترقی کرتے رہے اور پھر جب 2007ء میں جب جنرل (ر) کیانی آرمی چیف بنے تو کامران کیانی چھ سات ارب روپے کے کام کرچکے تھے۔ جن دنوں مذکورہ بالا منصوبے کا آغاز ہوا کامران کیانی کے بھائی سابق آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی چیف آف آرمی سٹاف تھے اس لیے عام تاثر یہی ہے کہ انہوں

نے اپنے بھائی کے اثر و رسوخ اور منصب سے بھی فائدہ اٹھایا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ چھ برسوں کے دوران منصوبہ کاغذوں میں ہی رہا اور لوگوں کی رقوم سے مخصوص افراد فائدہ اٹھاتے رہے۔ جنرل کیانی کے بھائی کے ملوث ہونے کے الزامات پر بھی تحقیقات کا آغاز ہو گیا ہے۔

جنرل (ر) کیانی کے عہدے کی معیاد، پیپلز پارٹی کی حکومت نے تین سال بڑھا دی تھی، اور اسی دور میں ان کے خاندان پر بد عنوانی کے الزامات سننے میں آئے۔ یہی نہیں، بلکہ جب نواز شریف کے سامنے آرمی چیف کی تقرری کا معاملہ آیا، تو ذرائع کا کہنا تھا کہ جنرل (ر) اشفاق پرویز کیانی ایک اور معیاد بڑھائے جانے کے امیدوار تھے، چاہے وہ بطور آرمی چیف ہوتی یا چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی کے۔ لیکن وزیر اعظم نے اس امکان کو یکسر مسترد کرتے ہوئے، نہ صرف اپنی مرضی کا آرمی چیف چنا بلکہ جنرل (ر) کیانی کے تجویز کردہ آرمی چیف کو چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی مقرر کرکے جنرل (ر) کیانی کی بات نہ ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ چھ سال تک پاکستان کے ڈی فیکٹو حکمران رہنے والے اس طاقتور جرنیل کو اسلام آباد کے بے نظیر انٹر نیشنل ایئر پورٹ پر بیرون ملک جانے سے روک دیا گیا۔ ذرائع کے مطابق وہ آسٹریلیا جارہے تھے، جہاں انہیں کچھ کاروباری معاملات نبٹانے تھے۔ جب وہ امیگریشن کاؤنٹر پر پہنچے تو انہیں وہاں موجود حکام نے مہذبانہ طریقے سے آگاہ کیا وہ بیرون

ملک نہیں جاسکتے، کیونکہ یہ ہدایات وزارت داخلہ کی جانب سے آئی ہیں۔ جنرل (ر) کیانی کے بھائی کامران کیانی کی کنسٹرکشن کمپنی کے پاس لاہور رنگ روڈ کی تعمیر کا ٹھیکہ تھا۔ جنرل (ر) کیانی کے زمانے سے ہی قومی ذرائع ابلاغ کی نظریں اُن کے بھائیوں اور اُن کی املاک پر مرکوز ہوگئیں۔ بعدازاں کامران کیانی اپنے بھائی کی ریٹائرمنٹ کے بعد فیملی سمیت دبئی منتقل ہوگئے جس پر ان افواہوں کو اور تقویت ملی کہ وہ بھاری رقم لے کر بیرون ملک منتقل ہوگئے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ، کرپشن کے یہی الزامات، جنرل (ر) کیانی کے بیرون ملک روانگی میں حائل ہوئے۔

دفاعی تجزیہ کار، بریگیڈیر (ر) لیاقت طور کا کہنا تھا "سابق آرمی چیف جنرل (ر) اشفاق پرویز کیانی کے خلاف کچھ وجوہات کی بنا پر فوج میں منفی تاثر تو موجود ہے۔ اس کی ایک وجہ ان کا این آر او سے وجود میں آئی حکومت سے اپنی مدت ملازمت میں توسیع حاصل کرنا تھا، جسے بہت اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ دوسری جانب اُن کے بھائیوں پر کرپشن کے الزامات بھی ان کی شہرت کے لیے اچھے ثابت نہیں ہوئے۔ سب جانتے ہیں کہ ان کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے ہے، پھر ان کے بھائیوں کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آیا، یہ سوچنے کی بات ہے"۔

گیارہ جون 2015ء کو ایپکس کمیٹی میں ڈی جی رینجرز سندھ نے ایک رپورٹ پیش کی

جس کے مطابق سالانہ 230 ارب روپے دہشت گردی میں استعمال ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ ڈی جی رینجرز سندھ کی بریفنگ میں اُن تمام اداروں کی نشاندہی کی گئی جہاں جہاں سے رقم حاصل کی جارہی تھی۔ ڈی جی رینجرز کی بریفنگ کے جواب میں آصف زرداری نے اپنے جیالوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے دھمکی آمیز لہجہ اپنایا اور کہا کہ سیاست دانوں کے راستے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کی جائیں ورنہ اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، دو یا تین دن کے بعد وہ دبئی چلے گے،اب تک وہیں قیام پذیر ہیں۔ ڈاکٹر عاصم حسین جو سابق صدر آصف زرداری کے 1990ء سے بہت قریبی دوست ہیں وہ پیپلز پارٹی کے دور میں پیٹرولیم اور قدرتی وسائل کے وزیر تھے۔ اس عرصے میں وہ مبینہ طور پر سی این جی اسٹیشنوں کے غیر قانونی پرمٹ جاری کرنے کے علاوہ دیگر بدعنوانیوں میں شامل رہے۔ ان کے مخالفین اُن کے کردار پر تنقید کرتے رہے ہیں۔ چھبیس مئی کو ڈاکٹر عاصم حسین اور ڈپٹی مینجنگ ڈائریکٹر سوئی سدرن گیس کمپنی شعیب وارثی کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عاصم حسین کے اوپر الزام ہے کہ انھوں نے غیر قانونی طریقے سے کروڑوں روپے کمائے ہیں۔

قومی احتساب بیورو کی عدالتوں کے لیے ڈاکٹر عاصم حسین جو سابق صدر آصف زرداری کے دوست ہیں اور کامران کیانی جو سابق آرمی چیف جنرل (ر) اشفاق پرویز کیانی کے چھوٹے بھائی ہیں، جبکہ ملزم حماد ارشد سابق چیف جسٹس افتخار

محمد چوہدری کا قریبی عزیز بتایا جاتا ہے، ان تینوں ملزمان کے خلاف مقدمات نیب کی کارکردگی، اہلیت اور دیانت جانچنے کے لیے آزمائشی مقدمات ہیں۔ کیا قومی احتساب بیورو سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ شہداء اور فوجیوں کے خاندانوں اور عام لوگوں کو انصاف ملے گا اور ملزمان کو اُن کے جرائم کی سزا ضرور ملے گی۔ اس مرتبہ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے احتساب کا عمل فوج سے شرع کیا ہے اگر ایسا ہوا تو متاثرین یہ توقع کر سکتے ہیں کہ اُنہیں اُن سے کیے جانے والے وعدے کے مطابق پلاٹ فراہم کیے جائیں گے۔ عام طور پر بعض سیاسی رہنماوں کی جانب سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ملک میں کسی کو مقدس گائے نہ سمجھا جائے اور سب کا احتساب کیا جائے۔ حال ہی میں چیئرمین نیب نے بھی اس ضمن میں ایک تقریب سے خطاب کے دوران کہا تھا کہ کسی استثنٰی کے بغیر سب کا احتساب ہونا چاہیے۔ سیاستدانوں کا تو احتساب ہوتا ہے مگر جن کے سرپر عسکری اسٹیبلیشمنٹ کا دست شفقت ہے ان کا احتساب نہیں کیا جاتا۔ ملک میں کوئی بھی مقدس گائے نہیں ہے سب کو احتساب کے دائرے میں لایا جائے۔

قطع نظر اس کے کہ سابق جنرل کیانی بدعنوانی میں ملوث تھے یا نہیں ان پر سنگین الزامات لگائے گئے ہیں اور یہ فوج کے لیے ایک آزمائش ہے کہ کیا وہ جنرل مشرف کے خلاف مقدمات کی طرح جنرل کیانی کے معاملے کو بھی اپنی اناء اور آن کا مسئلہ بنا کر ان الزامات کی تحقیقات کی راہ میں روکاوٹ بن جائے

گی یا پھر ایک مثال قائم کرے گی۔ فوجی قیادت کو یہ بھی سوچنا ہو گا کہ ماضی میں نیشنل لاجسٹک سیل میں بدعنوانی کرنے والے فوجی افسران کو جس طرح مجرم ثابت ہونے کے باوجود "چھوٹ" دی گئی اس مرتبہ ایسا نہ ہو۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ فوج کس بنیاد پر ڈی ایچ اے جیسے ادارے چلارہی ہے اور کیا فوج کے زیر انتظام چلنے والے تجارتی اور کاروباری ادارے واقعی ہر قسم کی مالی بدعنوانیوں سے پاک ہیں؟ ان منصوبوں اور اداروں کی شفافیت مشکوک ہے اور فوج کو ایسے ادارے چلانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔

فوج کے پاس اس تاثر کو رد کرنے کا یہ ایک عمدہ موقع ہے کہ وہ ایک جانب تو اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے سیاسی حکومتوں اور سول اداروں کا احتساب کرنا چاہتی ہے اور دوسری جانب اپنے احتساب کو تیار نہیں۔ فوج کو اس معاملے میں اس امر کا بھی خیال رکھنا ہو گا کہ اپنا احتساب کرنے کا عمل شروع کرنے کے باوجود آئینی طور پر وہ سول اداروں کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتی تاہم فوجی جرنیلوں کا احتساب سیاسی حکومتوں پر ایک اخلاقی دباو کا باعث ضرور بنے گا۔ سول اداروں اور سیاسی جماعتوں کو جس میڈیا ٹرائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے شاید فوج کو اتنے دباو کا سامنا نہ کرنا پڑے لیکن لوگ انگلیاں ضرور اٹھائیں گے۔ بہر طور پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے اس موقف میں وزن ہے کہ محض چند جماعتوں اور ان کے کارکنان کا احتساب احتساب نہیں سیاسی انتقام کا

نشانہ بنانا ہے، فوج اگر احتساب میں سنجیدہ ہے تو اسے اپنے ہاں موجود بدعنوان افسران کے خلاف کارروائی کرنا ہو گی، ان کے خلاف بھی جو مالی بدعنوانیوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور ان کے خلاف بھی جو آئین کی خلاف ورزی کے مجرم ہیں۔ احتساب کے اس عمل میں فوج کو نہ صرف اپنے افسران کے خلاف کارروائی کرنا ہو گی بلکہ سول اداروں کے معاملات میں مداخلت سے بھی گریز کرنا ہو گا۔

صحرائے تھر میں سرکاری دہشتگردی

پاکستان کا اولین مسئلہ دہشتگردی کا خاتمہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ دہشتگردی کیا ہے؟ دہشت کسے کہتے ہیں؟ میرے نزدیک خوف وہراس اور وحشت کی فضا پیدا کرکے عدم تحفظ کا احساس پیدا کرنا اور بغیر کسی وجہ کے انسانی زندگی کو ختم کرنا دہشتگردی ہے۔ دو خبریں ہیں جنکا تعلق گذشتہ تین ہفتے سے ہے، پہلی خبر یہ ہے کہ 29 دسمبر 2015ء سے 20 جنوری 2016ء تک طالبان دہشتگردوں نے مردان، کوئٹہ، پشاور اور چارسدہ میں خودکُش حملوں، ریموٹ کنٹرول بم اور گولیاں مار کر 66 افراد کو شہید کردیا۔ دوسری خبر کے مطابق تھرپارکر میں جنوری 2016ء کے پہلے 21 روز میں غذائی قلت کی وجہ سے بچوں کی ہلاکت کی تعداد 94 ہو گئی۔ بچوں کے ساتھ ساتھ اسلام کوٹ اسپتال میں ایک حاملہ خاتون زچگی کے دوران بچے سمیت جان کی بازی ہار گئی۔ دونوں خبروں میں جو عنصر مشترک ہے وہ ہے "موت" جو بغیر کسی وجہ کے معصوم انسانوں کو ملی۔ ویسے تو پورے پاکستان میں دہشتگردی کا خوف موجود ہے، لیکن ہر روز صبح کو خیبر پختونخوا کے والدین میں جو خوف وہراس پیدا ہوتا ہے وہ شاید ملک کے باقی حصوں میں ابھی نہیں ہوتا، بلکل اس طرح ہی تھرپارکر کے والدین کا حال یہ ہے کہ وہ سارا دن خوف وہراس میں رہتے ہیں کہ غذائی قلت کی وجہ سے آج اُنکا بچہ زندہ بچے گا یا نہیں۔

اسی خوف و ہراس، وحشت کی فضا اور عدم تحفظ کے احساس کو ہم " دہشت " بھی کہہ سکتے ہیں۔

پہلی دہشتگردی وہ لوگ کر رہے جو مذہبی شدت پسندی کا شکار ہیں ، ایک غلط سوچ اور پیسوں کی لالچ میں وہ بے گناہ لوگوں کا خون بہا رہے ہیں، اُنکو ختم کرنے کے لیے آپریشن ضرب عضب جاری ہے اور پاکستانی فوج اُن سے لڑ رہی ہے۔ لیکن کرپشن اور بدانتظامی کی وجہ سے تھرپارکر میں جو روزانہ بچوں کی زندگی کے چراغ گل ہو رہے ہیں اُسکے لیے کوئی آپریشن نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تھرپارکر میں معصوم بچوں کی موت کی صورت میں ہونے والی دہشتگردی کی خود حکومت ذمہ دار ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ اسلام کوٹ کی تعلقہ اسپتال میں گزشتہ 2 ماہ سے آپریشن تھیٹر بند ہے، سنگین حالات کے باوجود محکمہ صحت نے آپریشن تھیٹر کو چلانے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا۔ غذائی قلّت ، بیماریوں اور صحت کی سہولتوں کے فقدان کے باعث روزانہ بچے دم توڑ رہے ہیں ۔ ضلعی انتظامیہ اور محکمہ صحت نے تعلقہ اسپتالوں اور بچوں کے وارڈز سمیت دیہاتوں میں مطلوبہ طبّی عملے تعینات نہیں ہے۔ ضلعی انتظامیہ کے جاری بیان کے مطابق بیمار بچوں کو علاج کے لئے شہروں میں لانے کے انتظامات کئے جا رہے ہیں اور ٹیموں کو دیہاتی علاقوں میں بھیجا گیا ہے۔ تھرپارکر کے لوگوں نے حکومت سمیت سماجی تنظیموں سے فوری ضروری امداد کی اپیل کی ہے تاکہ تھری مکین کچے جھونپڑوں

میں سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے اپنے بچوں کو بچا سکیں۔

تھرپارکر میں ہر سال موت ڈیرے ڈال لیتی ہے. حاملہ خواتین غذائی قلت کا شکار ہیں جس کے باعث نومولود جاں بحق ہورہے ہیں۔ تھرپارکر کے باسی آج بھی حکومتی امداد کے منتظر ہیں۔ موت کی وادی صحرائے تھرمسلسل معصوموں کی زندگیاں نگلنے میں مصروف ہے. تھرپارکر کے باسی بے بسی کے عالم میں صرف اپنے بچوں کی اموات کا انتظار کر رہے ہیں۔ ناجانے کب موت ان کے گھرپر دستک دے دے۔ صحرائے تھرپارکر میں ہمیشہ کی طرح اس سال بھی خوراک کی کمی، جان بچانے والی ادویات کی عدم دستیابی اور انتظامیہ کی سستی کے باعث معصوم بچے جاں بحق ہو رہے ہیں۔ مویشی بھوک پیاس سے مر رہے ہیں اور سندھ کی حکومت زبانی جمع خرچ کرکے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کوششیں کر رہی ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ کا کہنا ہے کہ تھر پارکر میں اگر بچے مر رہے ہیں تو کیا ان کے مرنے کا اُنہیں الہام ہو گا۔ وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ کا تھرپارکر کے سسکتے بلکتے بچو ں اور اُن کی اموات سے متعلق یہ پہلا غیر ذمہ دارانہ بیان نہیں چند روز پہلے انہوں نے کہا تھا کہ چند ایک بچوں کا مرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ قائم علی شاہ کے ضلع میں چار سو واٹر فلٹریشن پلانٹ میں سے آدھے خراب پڑے ہیں جس سے کمسن بچے آلودہ پانی پینے سے بیمار ہو رہے ہیں۔ ریاست تو ماں کی

سی ہوتی ہے تو پھر یہ کیسی ریاست اور اس کی کیسی حکومت ہے جو معصوموں کو صرف مرتے دیکھنا چاہتی ہے ان کو بچانے کے لئے کچھ کرنا ان کی ذمہ داری نہیں بنتی ۔ مارچ 2014ء میں بھی قحط سے متاثرہ صحرائے تھر میں ایک محتاط اندازوں کے مطابق پانچ سال کی عمر تک کے 175 سے زائد بچے بھوک سے ہلاک ہوگے تھے۔ اس کے علاوہ آٹھ لاکھ سے زیادہ مویشی ہلاک ہوئے تھے۔ مویشی جو اس علاقے کی معیشت ہیں اور جن پر اس علاقے کے غریب لوگوں کی زندگیاں منحصر ہیں۔ مارچ 2014ء تک 3 لاکھ سے زائد افراد بلواسطہ طور پر قحط کے بحران سے متاثر ہوئے، جن میں سے ڈیڑھ لاکھ افراد نقل مکانی کرگے تھے۔

تھرپارکر کے عوام کو گزشتہ چار سالوں سے مسلسل نظرانداز کیا جارہا ہے اس دوران قدرتی آفات سیلاب اور بیماریوں سے جانی اور مالی بہت نقصان ہوا ہے، سندھ حکومت تھرپارکر کے لوگوں کے لئے کچھ نہیں کررہی ، میڈیا کو دکھانے کے لیے مصنوئی اقدامات کیے جاتے ہیں، جبکہ وزرا اور دیگر انتظامیہ کے لوگ سب سے پہلے اپنی خدمت کرتے ہیں اس کے بعد وہ عوام کا سوچتے ہیں، عوام کی مشکلات کا رونا رویا جاتا ہے اور جیبیں اپنی بھری جاتی ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ سندھ میں جو بچے ادویات نہ ملنے پر مررہے ہیں، اُنکے ساتھ ستم ظریفی یہ بھی ہے جن سرکاری ہسپتالوں کو کروڑوں روپے کا فنڈ ملتا ہے عوام کے لئے مفت ادویات دینے اور علاج معالجہ کی سہولتوں کے لئے وہ ہسپتالوں میں موجود ہی

نہیں ہوتیں، اگر کبھی کبھار میڈیا کو دکھانے کے لئے ادویات خرید بھی لی جائیں تو ان ادویات کو بازار میں اونے پونے داموں میں بیچ کر اپنی جیبیں بھر لی جاتی ہیں۔ جمہور کے ووٹوں سے منتخب ہونے والے عوامی نمائندے اور اُن کے کپتان قائم علی شاہ صحرا ئے تھر میں سرکاری دہشتگردی کو ختم کرکے تھرپارکر کے بچوں کو زندگی کا حق نہیں دے سکتے تو پھر ان کا سندھ اسمبلی کی عمارت میں بیٹھنے کا کیا قانونی اور اخلاقی جواز ہے؟۔

دہشتگردی کی کاروائیوں میں مسلسل اضافہ

امریکی صدر براک اوباما نے 12 جنوری کو سٹیٹ آف دی یونین سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ شدت پسندی کی وجہ سے پاکستان اگلی کچھ دہائیاں عدم استحکام کا شکار رہے گا۔ امریکی صدر اوباما نے اپنی تقریر میں یہ دعویٰ کیا کہ پاکستان کے کچھ حصوں میں آنے والی کئی دہائیوں تک بدامنی جاری رہے گی۔ امریکی صدر اوباما کے خیالات ہمارے ارباب اختیار کو بلکل اچھے نہیں لگے، کیونکہ اُنکا خیال تھا کہ امریکی صدر پاکستان کی موجودہ داخلی اور خارجہ پالیسی کی تعریف کرینگے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اوباما کی قیادت میں امریکی حکومت کا آٹھ سالہ دور جنوری 2017ء میں مکمل ہوگا، جب کہ اگلے سال انتخابات ہوں گے اور اسکے ساتھ ہی اوباما کا دور بھی ختم ہوجائے گا۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ گذشتہ 35 سال سے پاکستان کی خارجی اور داخلی پالیسیوں کی رہنمائی امریکہ سے کی جاتی رہی ہے۔ جنرل ضیاء الحق سے لیکر نواز شریف تک سب امریکی پالیسی پر عمل کرتے رہے ہیں، بلکہ کافی عرصے تک تو امریکہ کی طرف سے "ڈو مور" کے نعرے بھی لگتے رہے ہیں۔

پاکستان کی سینیٹ میں 18 جنوری کو حزب اختلاف کے سینٹر مشاہد حسین سید نے

امریکی صدر براک اوباما کی طرف سے پاکستان کے بارے میں جاری کیے گئے بیان پر تحریک التوا پیش کی جس کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعظم پاکستان کے مشیر برائے خارجہ امور سرتاج عزیز نے کہا کہ پاکستانی حکومت امریکی صدر کے بیان کو بطور چیلنج لیتی ہے۔ سرتاج عزیز کا کہنا تھا کہ پاکستان گذشتہ تین دہائیوں سے شدت پسندی کا شکار رہا ہے جس کی وجہ سے دنیا بھر میں پاکستان کا تشخص خراب ہوا اور ملک عدم استحکام کا شکار ہوا۔ سرتاج عزیز کا کہنا ہے کہ امریکی صدر براک اوباما کے آئندہ کئی دہائیوں تک پاکستان کے عدم استحکام ہونے سے متعلق خدشات درست نہیں ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ امریکہ اور اتحادی ملکوں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے خطے میں عدم استحکام رہا ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ موجودہ نواز شریف حکومت گذشتہ ڈھائی سالوں میں خارجہ اور ملکی سلامتی سے متعلق پالیسیوں میں تبدیلی لائی ہے جس کے مثبت اثرات دکھائی دے رہے ہیں۔
بقول سرتاج عزیز کہ 2013ء میں کراچی آپریشن اور پھر شدت پسندوں کے خلاف آپریشن ضرب عضب کے مثبت نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ سرتاج عزیز کا کہنا تھا کہ شدت پسندوں کے خلاف عدم برداشت کی پالیسیوں کی وجہ سے گذشتہ برس شدت پسندی کے واقعات میں 2014ء کی نسبتاً 50 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔
کراچی آپریشن اور آپریشن ضرب عضب کے شروع ہونے کے بعد شروع شروع میں تو ایسا لگ رہا تھا کہ اب نہ دہشتگردوں کی خیر ہے اور نہ ہی کراچی کے جرائم

پیشہ عناصر باقی رہیں گے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کہ 2015ء میں 2014ء کی نسبت دہشتگردی اور جرائم میں کمی واقع ہوئی۔ لیکن ایسا بلکل نہیں ہوا کہ دہشتگردی مکمل ختم ہو گئی ہو۔ 2015ء میں 30 جنوری کو صوبہ سندھ کے شہر شکار پور میں ایک امام بارگاہ پر کیے جانے والے ایک خودکُش حملے میں باسٹھ افراد شہید ہوئے۔ 13 فروری کو پشاور میں ایک امام بارگاہ پر عسکریت پسندوں کے ایک حملے میں بائیس افراد شہید ہوئے۔ 13 مئی کو مسلح افراد نے کراچی میں ایک بس پر حملہ کرکے 46 اسماعیلی برادری کے لوگوں کو شہید کردیا۔ 18 ستمبر کو پشاور کے قریب ایئر فورس کا ایک اڈہ پاکستانی طالبان کے ایک حملے کا نشانہ بنا، کم از کم 29 افراد شہید ہوئے، جن میں سے زیادہ تر وہاں خدمات انجام دینے والے عملے کے ارکان تھے۔ 29 دسمبر کو مردان میں ایک موٹر سائیکل پر سوار ایک خودکُش طالبان حملہ آور نے 26 لوگوں کو شہید کردیا۔ 18 جنوری 2016ء کو کوئٹہ کے علاقے مارگٹ میں واقع ایف سی چیک پوسٹ کے قریب سکیورٹی فورسز کی گاڑی کو ریموٹ کنٹرول بم سے نشانہ بنایا گیا۔ بم دھماکے میں 6 ایف سی اہلکار شہید ہوئے۔ 19 جنوری 2016ء کو پشاور چیک پوسٹ خودکُش دھماکے میں تیرہ افراد شہید ہوئے۔ 20 جنوری، 2016ء کو چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی پر طالبان کے چار دہشتگردوں نے ایک حملے میں اکیس افراد کو شہید کردیا، شہید ہونے والوں میں ایک پروفیسر، ایک لیب اسسٹنٹ اور 19 طلبہ شامل ہیں۔

سولہ دسمبر 2014ء کو پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں ہونے والی دہشتگردی کا واقعہ انسانی تاریخ کا دوسرا بدترین سانحہ ہے، جس میں 132 بچوں سمیت 148 بے گناہ لوگوں کو شہید کردیا گیا، سترہ دسمبر 2014ء کو وزیراعظم نواز شریف کی بلائی ہوئی ہنگامی آل پارٹیز کانفرنس میں ملک کی تقریبا تمام سیاسی جماعتوں نے شرکت کی۔ مشترکہ اجلاس کے بعد کیے جانے والے مشترکہ اعلامیے کے مطابق "نیشنل ایکشن پلان" کمیٹی ایک ہفتے میں اپنی تجاویز تیار کرے گی جنھیں منظوری کے لیے ملک کی سیاسی اور عسکری قیادت کو پیش کیا جائے گا۔ پاکستان میں دہشت گردی کے خطرے سے نمٹنے کے لیے نیشنل ایکشن پلان" کے نفاذ کو ایک سال گزر جانے کے باوجود سول سکیورٹی اداروں" کو جدید اور مضبوط بنانے کے ضمن میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہو سکی۔اسی منصوبے کے تحت نیکٹا نامی انسدادِ دہشت گردی کا اعلیٰ ترین ادارہ بھی وجود میں آنا تھا مگر عملی طور پر اس کے پاس صرف اسلام آباد میں درجن بھر اہلکاروں اور ایک دفتر سے زیادہ کچھ نہیں۔

نیشنل پولیس بیورو کے سابق سربراہ شعیب سڈل نے بی بی سی اردو کو بتایا کہ "سب سے زیادہ پولیس کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر پولیس اپنا کام صحیح کرے تو فوج اور رینجرز کی مدد کی بہت کم ضرورت پڑے گی"۔ تناسب کے لحاظ سے اوسطاً ہر 450 شہریوں کے لیے ایک پولیس اہلکار ہے۔ نیشنل بیورو کے اعداد و

شمار کے مطابق پنجاب میں ایک لاکھ 18 ہزار، سندھ میں ایک لاکھ 14 ہزار، اسلام آباد میں دس سے 11 ہزار، خیبر پختونخوا میں 66 ہزار، بلوچستان میں 35 سے 36 ہزار، گلگت بلتستان چھ ہزار اور پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر میں آٹھ ہزار پولیس نفری موجود ہے۔ اقوامِ متحدہ کے معیار کے مطابق ہر 350 شہریوں کے لیے ایک پولیس اہلکار ہونا چاہیے۔ماہرین کہتے ہیں کہ پاکستان میں پولیس اور شہریوں کا تناسب اتنا کم بھی نہیں۔

پاکستان کے مختلف علاقوں میں دہشتگردانہ کاروائیوں میں مسلسل اضافے کی وجہ سے عام لوگوں میں خوف وہراس اب بہت تیزی سے بڑھتا جارہا ہے۔ عوام کو بار بار بتایا گیا ہے کہ دہشتگردوں کی کمر توڑ دی ہی ، لیکن ٹوٹی کمر والوں کا حال یہ ہے کہ 29 دسمبر 2015ء سے جنوری 2016ء کے پہلے تین ہفتوں میں مردان، کوئٹہ، پشاور، اور چارسدہ میں ہونے والے حملوں نے دہشتگردوں کی کمر توڑنے کے دعوے کو غلط ثابت کردیا؟ کیا چارسدہ میں باچا خان یونیورسٹی پر خوفناک حملہ ہمارے طاقتور خفیہ اداروں کی ناکامی نہیں؟ دشمن نے پھر ایک وار کیا ہے، 16 دسمبر 2014ء کے زخموں کو پھر سے ہرا کردیا ہے، معصوم بے گناہ طلب علم میں نکلے ہوئے جوانوں کے سر اور سینے چھلنی کرتے ہوئے دشمن کے نہ ہاتھ کانپتے ہیں نہ ایک مذہب ایک وطن کا رشتہ اس کے قدموں کو روکتا ہے، ہاں جب ان خون آشام بھیڑوں کو پھانسی دی جانے لگتی ہے تو ان کے دیدہ نہ دیدہ

ہمدرد نئی نئی تاویلیوں کے علم اٹھائے انہیں بچانے چلے آتے ہیں۔ یہ دشمن جس جنگ میں ہمارے بچوں، جوانوں، بوڑھوں، مردوں عورتوں کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں شاید وہ خود بھی نہیں جانتے کہ وہ کس کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

پاکستانی طالبان نے چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی پر دہشتگردانہ حملے کی ذمے داری قبول کر لی ہے۔ چارسدہ میں باچا خان یونیورسٹی پر حملے کی ذمہ داری تحریک طالبان درہ آدم خیل نے تو قبول کر لی لیکن ان کی مرکزی قیادت نے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ پہلے پہل درہ آدم خیل کی جانب سے میڈیا سے رابطہ کرکے بتایا گیا کہ چار خودکش حملہ آور روانہ کیے گئے تھے۔ اس سے میڈیا نے یہ تاثر لیا کہ شاید یہ تحریک طالبان کی ہی کارروائی ہے۔ لیکن چند گھنٹوں کے بعد تنظیم کے مرکزی ترجمان محمد خراسانی کی جانب سے میڈیا کو وضاحت موصول ہوئی کہ اس حملے سے ان کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ جن لوگوں نے اُن کی تنظیم کا نام استعمال کیا ہے اس کے خلاف کارروائی بھی کی جائے گی۔

جسطرح یہ واضح نہیں ہے کہ باچا خان یونیورسٹی پر کس نے حملہ کیا، بلکل اس طرح ہی یہ بھی واضح نہیں ہے کہ اس حملے میں جو قیمتی جانیں گئی ہیں اسکا ذمہ دار کون ہے، صوبائی حکومت، وفاقی حکومت، صوبائی وزیر داخلہ یا وفاقی وزیر داخلہ۔ صوبائی وزیر داخلہ کا تو معلوم نہیں البتہ ایک صاحب کے کہنے کے مطابق "وفاقی وزیر داخلہ کا مطلب ہے وزیر داخلہ برائے وفاقی دارالحکومت اسلام

آباد، باقی ملک میں جو بھی ہوتا رہے اُس کی بلا سے"۔ وزیر داخلہ چوہدری نثار کا باچا خان یونیورسٹی پر دہشتگرد حملہ کے بعد سے کہیں نام ونشان نہیں ہے۔

پاکستان کے وزیر دفاع اور وزیراعظم کے قریب ساتھی خواجہ آصف نے 35 سال کی تاریخ اور پالیسی ایک جملے میں بیان کردی، بقول خواجہ آصف "ہم ہاتھوں سے لگائی گئی گرہیں، دانتوں سے کھول رہے ہیں"۔ خواجہ آصف کو یاد رہنا چاہیے کہ یہ گرہیں اُنہوں نے اور اُنکے لیڈر نواز شریف نے اپنے سیاسی امام ضیاالحقؒ کے ساتھ ملکر لگائی تھیں، مقصد صرف ضیاالحقؒ کے اقتدار کو طول دینا تھا۔ پاکستان کی اندرونی سکیورٹی میں فوج کا فُٹ پرنٹ ہمیشہ سے حاوی رہا ہے مگر کئی تجزیہ کاروں کے بقول سویلین سکیورٹی اداروں کی کمزوری اور پسماندگی کی بڑی وجہ سیاسی عزم کی کمی ہے جس کا مظاہرہ منتخب حکومت ہی کرسکتی ہے جو شاید نواز شریف کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اگر جنرل راحیل شریف چاہتے ہیں کہ اپنے جانے سے پہلے دہشتگردی ختم کردیں تو اُنکو "نیشنل ایکشن پلان" کا مکمل نفاذ کرنا ہوگا، جسکے 75 فیصد حصہ پر قطعی عمل نہیں ہوا ہے۔ دوسرئے کابل اور دہلی کے بجاے پہلے پاکستان میں بیٹھے ہوئے دہشتگردوں کے سہولت کاروں کو ختم کرنا ہوگا، جیسا کہ چارسدہ کے واقعہ میں کیا گیا ہے، یہ ایک اچھی ابتدا ہے کہ سہولت کاروں کو نہ صرف گرفتار کیا گیا ہے بلکہ اُنکو میڈیا کے سامنے بھی

کھلے چہروں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ سہولت کار دہشتگردوں کو مختلف سہولتیں فراہم کرتے ہیں، جسکا ذکر فوجی ترجمان نے اپنی پریس کانفرنس میں بھی کیا ہے۔ ان سہولت کاروں کی وجہ سے ہی دہشتگردی کی کاروائیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، لہٰذا ان سہولت کاروں کا خاتمہ لازمی ہے۔ اگر جنرل راحیل شریف ان سہولت کاروں کو ختم کرکے تو تب ہی پاکستان سے دہشتگردی کا خاتمہ ممکن ہے۔

داعش کا کھُرا مل گیا

پاکستان میں آپریشن ضرب عضب کے بعد دہشتگردی میں کافی کمی آئی تھی لیکن 2015ء کے آخر سے دہشتگردی میں پھر اضافہ ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی دہشتگردوں کے سہولت کاروں میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہوا ہے۔ آجکل ہمارے ملک میں یہ بحث عام ہے کہ پاکستان میں داعش کے سہولت کار کہاں کہاں موجود تھے یا ہیں، ان ہی سہولت کاروں میں ایک بڑی تعداد خواتین کی بھی ہے۔ اس بات کو تقویت اس طرح بھی ملتی ہے کہ آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ نے 20 جنوری کو چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی پر چار حملہ کرنے والوں کو مدد دینے والے آٹھ سہولت کاروں میں چار سہولت کاروں کو میڈیا کے سامنے پیش کرتے ہوئے بتایا کہ پانچ سہولت کاروں کو گرفتار کرلیا گیا ہے، تین کی تلاش جاری ہے جن میں دو خواتین بھی شامل ہیں۔ ڈی جی آئی ایس پی آر لیفٹیننٹ جنرل عاصم باجوہ کے مطابق دہشتگردوں کے لیے اسلحہ درہ آدم خیل سے لیا گیا اور اسلحہ لینے میں سہولت کار "اے" جس کا اصل نام خفیہ رکھا گیا ہے اس کی بیوی اور بھانجی نے بھی مدد کی۔

کراچی میں صفورہ چورنگی کے قریب 13 مئی 2015ء کو دہشت گردوں نے ایک بس میں

سوار اسماعیلی برادری کے 47 بے گناہ لوگوں کو قتل کیا۔ اس دہشت گردی میں شقی القلب دہشت گردوں نے صرف چند منٹ میں اسماعیلی برادری کے بیس سے ستر برس تک کی عمر کے 47 معصوم اور بے ضرر لوگوں کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا۔ پاکستان میں یہ ایسا پہلا حملہ تھا، جس کے لیے ذمہ داری داعش نے قبول کی تھی۔ پاکستانی وزیرداخلہ چوہدری نثار علی خان نے 20 مئی 2015ء کو کراچی میں 47 اسماعیلی شیعہ مسلمانوں کے قتل میں ملوث ماسٹر مائنڈ اور دیگر حملہ آوروں کو حراست میں لینے کا انکشاف کیا۔ وزیر داخلہ متواتر پاکستان میں داعش کی موجودگی کا امکان مسترد کرتے رہے ہیں، لیکن یہ چوہدری نثار کی بدقسمتی ہے کہ داعش کا "کُھرا" پاکستان میں مل چکا ہے، پاکستانی کھوجیوں نے داعش کے "کُھرے" کو نہ صرف کراچی بلکہ پنجاب کی متعدد شہروں میں ڈھونڈ نکالا ہے۔ دہشت گرد طالبان کے زیادہ تر کُھرے مردانے پائے گئے ہیں لیکن داعش کے "کُھروں" میں پاکستانی کھوجیوں نے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے "کُھرے" بھی کھوج نکالے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ داعش پاکستان میں حملے کر رہی ہے اور پاکستان سے لوگ بھرتی کر رہے ہے لیکن چوہدری نثار ابھی تک اس امر کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

وزیرداخلہ چوہدری نثار علی خان قسمت کے دھنی ہیں وہ جس بات سے انکار کرتے ہیں وہ فوراً ثبوت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے، گزشتہ سال فرمایا "پاکستان میں

داعش کا کوئی وجود نہیں"۔ برا ہو دفتر خارجہ کا کہ جس نے سینیٹ کی کمیٹی کے سامنے دو ٹوک لفظوں میں کہہ دیا کہ داعش نے جنوری میں پاکستان اور افغانستان کو خراسان قرار دے کر یہاں اپنی تنظیم کے قیام کا اعلان کیا ہے۔ چوہدری نثار نے لال مسجد کے دہشت گرد مولانا عبدالعزیز کے بارے میں فرمایا "اُن کے خلاف کوئی ثبوت نہیں، سوشل اور الیکٹرونک میڈیا نے مولانا کے خلاف لاتعداد ثبوت جن میں دو عدد "ایف آئی آر" بھی شامل ہیں پیش کر دیں، کچھ عرصہ قبل جامعہ حفصہ کی طالبات کی جانب سے داعش کے حق میں ویڈیو منظر عام پر آنے کے بعد اسلام آباد میں سول سوسائٹی کی جانب سے مظاہرے کیے گئے تھے۔ مظاہرین کے دباؤ کے بعد اسلام آباد انتظامیہ حرکت میں آئی اور دہشت گرد مولانا عبدالعزیز کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا، اُس کے ناقابل ضمانت وارنٹ بھی جاری کیے گئے۔ تاہم وزیر داخلہ چودھری نثار نے اسلام آباد پولیس کو کارروائی کرنے سے روک دیا۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ مدارس کو دہشت گردی کا گڑھ قرار دینا درست نہیں، ادھر مدرسہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک کے استاد نے عدالت میں تسلیم کر لیا کہ بے نظیر بھٹو قتل کے ملزمان ان کے مدرسے کے طالب علم تھے۔ چودھری نثار کو اب استعفیٰ دے دینا چاہیے!

کراچی میں انسداد دہشت گردی پولیس نے انکشاف کیا ہے کہ شہر میں داعش کی حمایتی خواتین کا ایک گروہ سرگرم ہے، اس گروہ میں بیس خواتین شامل ہیں، جو

تمام خوشحال گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ پولیس نے دعویٰ کیا کہ صفورہ واقعے کے سہولت کار خالد یوسف باری کی اہلیہ خواتین میں ایک یو ایس بی تقسیم کرتی ہے جس میں داعش کے متعلق ویڈیوز بھی ہوتی ہیں۔ خواتین کا یہ گروہ خواتین کی ذہن سازی اور چندہ اکٹھا کرنے کے علاوہ شدت پسندوں کی شادیوں کا انتظام کرتا ہے۔ یہ بات محکمہ انسداد دہشت گردی کے سربراہ راجہ عمر خطاب نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس میں بتائی۔ خواتین کے اس نیٹ ورک کی سرپرستی صفورہ بس حملے کے مرکزی ملزم سعد عزیز عرف ٹن ٹن کی بیگم اور ساس، خالد یوسف باری کی اہلیہ اور اسی واقعے کی ایک اور ملزم قاری توصیف کی اہلیہ کرتی ہیں۔ سعد عزیز پر امن کارکن سبین محمود کے قتل میں ملوث ہونے کا الزام بھی عائد ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ دوران تفتیش خالد یوسف نے انکشاف کیا ہے ان کی اہلیہ نے الذکرہ اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ بنا رکھا ہے، جس کا کوئی دفتر نہیں ہے لیکن اس میں 20 سے زائد صاحب حیثیت خواتین شامل ہیں جو درس و تدریس کی آڑ میں نہ صرف ذہن سازی کرتی ہیں بلکہ دہشت گرد تنظیموں کو زکوۃ، خیرات اور چندے کی صورت میں فنڈز فراہم کرتی ہیں۔

وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان ماضی میں ملک میں دولتِ اسلامیہ کی موجودگی کی تردید کرتے رہے ہیں۔ خیال رہے کہ فی الحال حکام کے پاس اس حوالے سے کوئی حتمی معلومات موجود نہیں کہ صوبہ پنجاب میں دولتِ اسلامیہ کا نیٹ

ورک کتنا وسیع ہے اور اس میں شمولیت کے لیے پاکستان سے باہر جانے والے افراد کی اصل تعداد کیا ہے۔ بی بی سی اردو ڈاٹ کام پر 31 دسمبر 2015ء کو شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں اطلاعات کے مطابق تین خواتین ایک درجن سے زیادہ بچوں کو لے کر شدت پسند تنظیم دولتِ اسلامیہ میں شامل ہونے کے لیے شام چلی گئی ہیں۔ ان افراد کے اغوا کی ایف آئی آر چند ماہ قبل ٹاؤن شپ، وحدت کالونی اور ہنجروال کے تھانوں میں درج کروائی گئی تھیں۔ تاہم پولیس کا کہنا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو یہ معلومات ملی ہیں کہ یہ لوگ کراچی اور گوادر کے راستے ایران سے شام گئے ہیں تاکہ دولتِ اسلامیہ میں شامل ہو سکیں۔ لاہور کے ڈی آئی جی آپریشنز ڈاکٹر حیدر اشرف نے بی بی سی کو پہلے بتایا تھا کہ پولیس کے پاس تو ان کے اغوا کی ایف آئی آر درج تھی لیکن اب ان میں سے کچھ خواتین کا رابطہ اپنے گھر والوں سے ہوا ہے جنھوں نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو یہ اطلاع دی ہے کہ وہ اغوا نہیں ہوئیں بلکہ اپنی مرضی سے شام گئی ہیں۔ اُن کا یہ بھی کہنا تھا کہ محکمۂ انسداد دہشت گردی کی مزید تفتیش سے انکشاف ہوا ہے کہ یہ خواتین کراچی اور گوادر کے راستے ایران سے شام گئیں تاکہ داعش کے لیے کام کر سکیں۔ تاہم اب ان کا کہنا ہے کہ پولیس اس حوالے سے مزید تحقیقات کر رہی ہے۔ بی بی سی کو موصول ہونے والی ایف آئی آر

کے مطابق تھانہ ہنجروال میں اپنی پوتی کی اغوا سے متعلق ستمبر میں دی گئی درخواست میں فاطمہ بی بی نے پولیس کو اطلاع دی تھی کہ ان کی ایک بیٹی ارشاد بی بی اپنے دو بچوں کے ساتھ چند ماہ پہلے شام منتقل ہو چکی ہیں۔ مبینہ طور پر شام جانے والی خواتین میں ٹاؤن شپ کی بشریٰ چیمہ عرف حلیمہ کے علاوہ فاطمہ بی بی کی ہمسائی فرحانہ بھی شامل ہیں جو ستمبر میں اپنے پانچ بچوں کے ساتھ گھر سے غائب ہوئیں۔

فرحانہ کے بھائی اور مقامی صحافی عمران خان نے پولیس کو ان کی گمشدگی کی اطلاع بھی دی تھی۔ عمران کا کہنا ہے کہ فرحانہ کے شوہر اور محکمہ ریونیو کے ملازم مہر حامد شدت پسند تنظیموں سے ہمدردی کے جذبات رکھتے تھے اور انہیں تفتیش کے لیے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے حراست میں بھی لیا تھا اور وہ کئی ماہ تک لاپتہ رہے۔ عمران کا کہنا تھا کہ اس دوران فرحانہ میں شدت پسندی کا رجحان نمایاں ہوا اور وہ ستمبر میں اپنے پانچ بچوں سمیت گھر سے غائب ہوگئیں۔ تاہم عمران کا دعوی ہے کہ فرحانہ نے پاکستان کی سرحد عبور نہیں کی تھی بلکہ ستمبر میں ہی ایف سی نے انہیں ایران کی سرحد کے قریب جیوانی سے گرفتار کرلیا تھا۔ ان افراد کے شام جانے کی تصدیق ایسے موقعے پر ہوئی جب اُس سے ایک روز قبل ہی انسداد دہشت گردی فورس نے سیالکوٹ کے قریبی علاقے ڈسکہ میں آٹھ افراد پر مشتمل ایک ایسا نیٹ ورک توڑنے کا دعویٰ کیا تھا جو

پاکستان میں دولتِ اسلامیہ کی سرگرمیوں کو منظم کرنے اور ان کے لیے بھرتیاں کرنے کا کام کر رہا تھا۔ پنجاب کے وزیر قانون رانا ثنا اللہ نے پنجاب میں اس شدت پسند تنظیم کی موجودگی کی سرکاری سطح پر تصدیق کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ڈسکہ میں موجود یہ آٹھ افراد دولتِ اسلامیہ کے لیے کام کرنے والے ایک شخص امیر معاویہ سے موبائل سروس وائبر کے ذریعے رابطے میں تھے۔

مذکورہ بالا اطلاعات اردو اخبارات اور ویب سائٹس پر موجود ہیں لیکن شاید پاکستانی وزیر داخلہ کو ابھی تک اس مواد کو دیکھنے کی فرصت نہیں ملی ہے۔ ہماری عورتیں اور بچیاں ایسے درندوں کے پاس پہنچ رہی ہیں جن کے عراق اور شام میں خواتین پر مظالم کی خبریں ہر دردمند انسان کا دل دہلا دیتی ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ داعش کے اہلکار خواتین کے ساتھ اس غیر انسانی اور غیر اسلامی سلوک کو قرآن وسنت کے مطابق جائز قرار دے رہے ہیں۔کچھ عرصہ قبل داعش نے اپنے آن لائن میگزین "دبیق" میں عورتوں کو غلام بنانے اور ان کی خرید وفروخت کو جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ القاعدہ نے جس بے راہ روی کی بنیاد اسلام اور جہاد کے نام پر ڈالی تھی داعش اس کا ایک بہت ہی بھیانک نتیجہ ہے۔ داعش ہر لحاظ سے اب القاعدہ کو دہشت گردی اور سفاکی میں پیچھے چھوڑ چکی ہے۔

عالمِ اسلام کے بیشتر رہنما اور علماء داعش اور القاعدہ کے جہاد کو دہشت گردی قرار دے چکے ہیں اور انہیں علمی دلیلوں سے رد کیا جا چکا ہے لیکن بد قسمتی سے علماء اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ان کے مطالبات اور مقاصد کو غلط قرار دینے کو تیار نہیں۔ جب ان تنظیموں کا جہاد غلط ہے تو ان کے مذہبی اہداف اور مقاصد جنہیں یہ جہاد کی آڑ میں حاصل کرنا چاہتے ہیں کس طرح سے جائز ہو سکتے ہیں؟ ان حالات میں حکومت پاکستان خاص کر وزارت خارجہ اور وزارت داخلہ کی ذمہ داریاں کافی بڑھ جاتی ہیں۔ ہمیں داعش کے بارے میں ویسی ہی غلط فہمیوں میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے جیسی طالبان سے متعلق پیدا کی گئیں، حکومت کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ ملک میں داعش کا وجود ہے اور ہمیں فوری طور پر اس تنظیم کے خلاف اقدامات کرنے ہوں گے، یہ جو خواتین شام پہنچ چکی ہیں یہ کسی تنظیم کے ذریعے ہی شام پہنچی ہیں، اور یہ اس بات بات کا واضح ثبوت ہے کہ داعش کے سہولت کار پاکستان میں موجود ہیں۔ ان تشویش ناک واقعات کے بعد بھی اگر وزیر داخلہ چوہدری نثار اس بات کو ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ پاکستان میں داعش موجود ہے تو پھر ہم سب کو اگلی کئی دہائیوں تک عدم استحکام سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔

جنرل راحیل شریف اور کراچی آپریشن

جنرل راحیل شریف دوٹوک فیصلے کرنے میں دیر نہیں لگاتے ! آپریشن ضرب عضب کا فیصلہ ہو یا پھر کراچی آپریشن پر عملدرآمد، جنرل کا ہر فیصلہ دوٹوک ہوتا ہے۔ جنرل راحیل شریف نے ایک تازہ اور دوٹوک فیصلہ کراچی کے امن کے لیے کیا ہے۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف کا کہنا ہے کہ "کراچی کو دہشت گردوں سے پاک کرنے، پرامن رکھنے اور خوف سے پاک معمولات زندگی کیلئے کسی بھی حدتک جائیں گے"۔ آرمی چیف نے حکم دیا ہے کہ کراچی میں دہشت گردوں کے نیٹ ورکس کو تباہ کرتے ہوئے شہر سے باہر ان کے ٹھکانوں اور رابطوں کو ختم کیا جائے۔ شعبہ تعلقات عامہ آئی ایس پی آر کے مطابق کور ہیڈ کوارٹر کراچی میں سربراہ پاک فوج جنرل راحیل شریف کی زیر صدارت امن وامان سے متعلق اجلاس ہوا جس میں ڈی جی آئی ایس آئی، کور کمانڈر کراچی، ڈی جی ایم آئی، ڈی جی رینجرز سندھ اور دیگر اعلی حکام نے شرکت کی؟ پانچ گھنٹے سے زائد وقت تک جاری رہنے والے فوجی حکام کے اس اجلاس میں امن وامان کی صورتحال اور کراچی آپریشن کا جائزہ لیا گیا۔ اس اجلاس کی اہم بات یہ تھی کہ اس اجلاس میں آپریشن کے کسی بھی سویلین فریق کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔

پورے پاکستان میں صرف آپریشن ضرب عضب کیا جارہا ہے جو دہشت گردوں کے خلاف ہے جبکہ کراچی میں آپریشن ضرب عضب کے ساتھ ساتھ کراچی آپریشن بھی کیا جارہا ہے۔ کراچی میں ایک طرف تو دہشت گرد ہیں تو دوسری طرف آپکو وہ جرائم پیشہ عناصر نظر آئینگے جو اسٹریٹ کرائم، ٹارگیٹ کلنگ، بھتہ خوری، بنک ڈکیتی، کار چوری اور دوسرے جرائم میں ملوث ہیں، ان تمام جرائم پیشہ عناصر کو ختم کرنے کے لیے رینجرز کو کراچی آپریشن کے نام سے ایک ٹارگیٹڈ آپریشن دیا گیا ہے۔ رینجرز کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق 2015ء میں 2410 آپریشن کیے گئے ان آپریشنز کے دوران 69 رینجرز مقابلے ہوئے، ان مقابلوں میں 152 انتہائی خطرناک دہشت گرد مارے گئے جبکہ ان آپریشنز کے دوران 12 رینجرز اہلکاروں نے جام شہادت نوش کیا اور 20 زخمی ہوئے۔ 4074 مشتبہ افراد کو حراست میں لیا گیا۔ 18 مغویوں کو بازیاب کرایا گیا۔ ملزمان سے 2755 مختلف اقسام کے ہتھیار برآمد کیے جن میں پستول، راکٹ لانچر، آوان بم، آئی ڈی ڈیوائسز، دھماکا خیز مواد، دستی بم پروف جیکٹس اور مشین گنز، ایل ایم جیز، ایس ایم جیز، اسنا یپر رائفلز، جی تھری، شارٹ گنز اور بڑی تعداد میں مختلف اقسام کے اسلحہ برآمد کیا گیا۔ اس اسلحہ کی فہرست دیکھنے کے بعد ہم باآسانی کہہ سکتے ہیں کہ کراچی کے عوام بہت ہی خطرناک حالات میں رہ رہے ہیں لیکن اگر آج آپ کراچی کے ایک عام شہری سے بات کرینگے تو وہ یہ ہی کہے گا کہ حالات پہلے سے بہتر ہیں۔ جنرل راحیل شریف آپریشن ضرب عضب اور کراچی آپریشن کی خود

نگرانی کر رہے ہیں جبکہ کراچی میں ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کو اس بات پر اعتراض ہے کہ رینجرز نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔

وزیر اعظم نواز شریف نے کہا کہ کراچی آپریشن سے روشنیاں بحال ہو رہی ہیں امن وامان کی صورت حال بھی بہتر ہو گئی ہے، عوام نے کئی سالوں بعد سکھ کا سانس لیا ہے، کراچی شہر معاشی حب ہے اور ملکی معیشت کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے کراچی شہر کو کسی صورت دہشت گردوں، بھتہ خوروں اور جرائم پیشہ افراد کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑیں گے ان کے خاتمے تک ٹارگٹڈ آپریشن جاری رہے گا۔ دوسری طرف جب تک قانون نافذ کرنے والے ادارے ایک سیاسی جماعت کو مخصوص انداز میں نشانہ بناتے ہیں تو وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ فخریہ انداز میں کراچی آپریشن کی کپتانی کا کریڈٹ لیتے ہیں لیکن جیسے ہی قانون نافذ کرنے والے اداروں کا رخ سندھ میں ہونے والی انتہائی سطح کی کرپشن اور سرکاری وسائل کے بے دریغ استعمال کی جانب موڑتے ہیں، سابق صدر آصف زرداری کے ایک دوست اور پیپلز پارٹی کے ایک سابق وزیر ڈاکٹر عاصم حسین کو کرپشن اور جرائم پیشہ افراد کے سہولت کار ہونے کے الزام میں گرفتار کرتے ہیں تو کراچی آپریشن سندھ حکومت اور وفاقی حکومت کے درمیان متنازعہ ہو جاتا ہے۔

جنوری 2016ء کے آخری دنوں میں وفاقی اور سندھ حکومت آمنے سامنے آگئے، وفاقی وزیر داخلہ داخلہ چوہدری نثار نے ایک پریس کانفرنس میں اپوزیشن لیڈر سید خورشید شاہ کی حکومت سے مک مکا کی تصدیق کرنے کے علاوہ سندھ حکومت اور پوری پیپلز پارٹی پر یہ الزام لگایا کہ کچھ سیاسی عناصر کو تکلیف کوئی اور ہے لیکن غصہ نیشنل ایکشن پلان پر نکالا جارہا ہے۔ اینٹ سے اینٹ کسی اور کی بجانا تھی ایسا تو نہ کرسکے لیکن مجھ پر تنقید شروع کردی۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ اندرون سندھ بھی آپریشن کی ضرورت ہے۔ وفاقی وزیر داخلہ داخلہ چوہدری نثار کی پریس کانفرنس کے جواب میں پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے سخت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ان کی کارکردگی پر متعدد سوال اٹھائے ہیں، قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے چوہدری نثار کا نام لیے بغیر کہا مک مکا کی بات کرکے نواز شریف کو چیلنج کیا گیا، وزیر اعظم صاحب آپ کی آستینوں میں سانپ چھپے ہیں۔ صوبائی وزیر تعلیم نثار کھوڑو نے تو یہ کہتے ہوئے وزیر داخلہ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کردیا کہ ان کے سندھ نہ آنے کا مطلب ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے گھبرا رہے ہیں اور فرار چاہتے ہیں، اگر وہ نیشنل ایکشن پلان کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرسکتے تو استعفیٰ دے دیں۔ ان بیانات کے بعد وزیر اعظم نواز شریف نے ایک اعلیٰ سطح کے مشاورتی اجلاس میں واضح کیا کہ وفاقی حکومت، سندھ حکومت کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تصادم نہیں چاہتی۔

پاکستان کے بڑے بڑے سیاسی تجزیہ نگار اس بات پر متفق تھے کہ اس مرتبہ بھی سندھ حکومت رینجرز کو اختیارات نہیں دے گی اور ایک مرتبہ پھر وفاق اور سندھ کی حکومتیں آمنے سامنے ہونگیں کیونکہ گذشتہ مرتبہ سندھ حکومت نے رینجرز کے اختیارات میں کمی کرتے ہوئے دو ماہ کے لیے مشروط توسیع کی تھی جسے وفاقی حکومت نے مسترد کرتے ہوئے رینجرز کو دو ماہ کے لیے تمام اختیارات کے تحت کارروائی کرنے کا اختیار دیا تھا، جس کے تحت رینجرز کام کر رہی تھی۔ وفاقی حکومت کی طرف سے رینجرز کے خصوصی اختیارات میں توسیع کی سمری ارسال کرنے سے متعلق خط لکھنے کے باوجود سندھ حکومت نے کوئی جواب نہیں دیا جب کہ رینجرز کو دیے گئے خصوصی اختیارات کی مدت تین فروری کو ختم ہو جانی تھی ۔ اسلام آباد میں اعلیٰ سطحی اجلاس کے بعد وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار نے وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ سے ٹیلیفون پر رابطہ کیا جس میں سندھ میں رینجرز کے اختیارات کے حوالے سے اُن سے بات کی ، اس موقع پر چوہدری نثار کا کہنا تھا کہ سندھ میں رینجرز کے انسداد دہشت گردی کے لیے خصوصی اختیارات کی مدت چند روز میں ختم ہو رہی ہے لہٰذا بہتر ہے کہ باہمی مشاورت سے نیا نوٹی فکیشن جاری کیا جائے تاکہ کراچی آپریشن کے حوالے سے ایک مثبت پیغام جائے۔

شاید یہ اسلام آباد میں ہونے والے اعلیٰ سطحی اجلاس کا کمال تھا یا پھر 27

جنوری 2016ء کو کراچی میں اعلیٰ فوجی حکام کے اس اجلاس کے اثرات تھے کہ چوہدری نثار سے ٹیلیفون پر گفتگو میں وزیراعلیٰ سندھ کا کہنا تھا کہ رینجرز اختیارات میں توسیع کی ریکوزیشن کل وفاقی حکومت کو بھیجیں گے اور اس ریکوزیشن کے الفاظ سے بھی بہتر پیغام جائے گا۔ اس درمیان میں وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے اپنے ایک پرانے ساتھی عزیر جان بلوچ کی گرفتاری پر کہا کہ ان کی گرفتاری سے پیپلز پارٹی میں کوئی اختلاف نہیں اور عزیر جان بلوچ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ساتھ ہی قائم علی شاہ نے یہ تصدیق بھی کی کہ عزیر جان بلوچ کی گرفتاری کے معاملے پر ڈی جی رینجرز نے انہیں اعتماد میں لیا۔ میڈیا کی اطلاع کے مطابق وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے رینجرز کے اختیارات کی خصوصی سمری پر دستخط کر دیے۔ سندھ رینجرز کے اختیارات میں نوے روز کی توسیع کر دی گئی ہے، یہ ایک خوش آیند اطلاع ہے کہ کراچی آپریشن بلا روک ٹوک جاری رہے گا۔ قبل ازیں صورتحال قطعی واضح نہ تھی، بہر حال کراچی آپریشن اور رینجرز اختیارات کے حوالے پیدا شدہ تشویش کا باب بند ہوا ورنہ وزارت داخلہ نے بوجوہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر سندھ حکومت نے رینجرز اختیارات میں توسیع کی سمری ارسال نہ کی تو وہ وزیراعظم کی منظوری سے ازخود توسیع کا نوٹیفکیشن جاری کر دے گی۔

آرمی چیف جنرل راحیل شریف کا کراچی کو دہشت گردی سے پاک اور محفوظ بنانے

کیلئے آخری حد تک جانے کا بھرپور عزم عین اس وقت سامنے آیا ہے جب سیاسی اور صحافتی حلقے 25 جنوری کو کئے گئے انکے اپنی میعاد عہدہ میں توسیع نہ لینے کے اعلان پر تبصروں میں مصروف تھے اور مذکورہ بیان کے دو دن بعد بدھ 27 جنوری کو پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کی طرف سے آنیوالے بیان نے قوم کو واضح طور پر یہ پیغام دیا ہے کہ فوج کی ترجیحات برقرار رہیں گی، مستقبل کے منصوبے جاری رہیں گے اور شہر قائد میں رینجرز کی قیادت میں جاری آپریشن میں بظاہر کسی خلل کا امکان نہیں ہے۔ سیاسی حلقوں میں یہ قیاس آرائیاں بھی ہو رہی تھیں کہ وفاقی حکومت اور پیپلز پارٹی کے مابین الزام تراشی کا جو سلسلہ جاری ہے اسے اسٹیبلشمنٹ کراچی آپریشن میں گرفتاریوں کے وسیع تر تناظر میں دیکھ رہی ہے، اور کوشش کی جائے گی کہ سیاسی کشیدگی سے جمہوری عمل اور مفاہمت کی فضا تباہ نہ ہو جب کہ رینجرز کی شفاف کارروائی پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے۔ کراچی کے عوام جنرل راحیل شریف سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ کراچی آپریشن کو اپنے ریٹائرمنٹ سے قبل پایہ تکمیل تک پہنچائینگے اور کراچی میں موجود جرائم پیشہ عناصر اور دہشت گردوں اور انکے سہولت کاروں کو ختم کردینگے۔

چوہدری نثار اور مولانا عبدالعزیز کا گٹھ جوڑ

وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار نے 30 دسمبر کو سینیٹ میں تقریر کرتے ہوئے لال مسجد کے سابق خطیب مولانا عبدالعزیز کے بارے میں کہا تھا کہ " مولانا عبدالعزیز کے خلاف تو کوئی کیس ہی نہیں ہے تو پھر پولیس مولانا عبدالعزیز کو کب تک پکڑ کر رکھ سکتی ہے"۔ مولانا عبدالعزیز کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ وہ نہ صرف دہشت گردوں کا حامی ہے بلکہ خود بھی دہشت گرد سرگرمیوں میں شامل رہا ہے۔ لال مسجد کا یہ دہشت گرد مولانا عبدالعزیز اپنے خلاف قائم مقدمے میں ضمانت کروانے سے سرعام انکار کرتا رہا ہے۔ پوری سول سوسائیٹی مولانا عبدالعزیز کے خلاف شور کررہی ہے لیکن وہ پوری آزادی کے ساتھ سول سوسائیٹی کے لوگوں کو دھمکانے اور دہشت گرد تنظیموں جس میں داعش بھی شامل ہے حمایت کرنے میں مصروف ہے۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں مذہبی جنون اور بربریت کا پرچار بلا خوف وخطر کیا جاتا ہے۔ پرویز مشرف کے دور میں یہاں آپریشن ہوا جس میں فوج کے کئی جوان ان دہشت گردوں کا نشانہ بنے، کئی گھر اجڑ گئے لیکن قاتل آج تک دندناتے پھر رہے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ان شہید جوانوں کی شہادت حکمرانوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں۔

چوہدری نثار کی جانب سے مولانا عبدالعزیز کے حوالے سے سینیٹ میں دیے جانے

والے بیان کے جواب میں پیپلز پارٹی کے سینیٹر فرحت اللہ بابر نے سینٹ میں مولانا عبدالعزیز کے خلاف درج کی جانے والی دو ایف آئی آرز کی کاپی جمع کروائی ہیں۔ ان کا کہنا تھا ایک ایف آئی آر خود وزارت داخلہ کی جانب سے اکتوبر 2014ء میں درج کروائی گئی تھی۔ بعد میں پولیس کی درخواست پر عدالت نے مولانا عبدالعزیز کو اشتہاری قرار دیا، جمع کروائے گئے دستاویزی ثبوت میں پولیس کا وہ بیان بھی شامل ہے جو عدالت میں عبدالعزیز کی روپوشی کے حوالے سے دیا گیا۔ سینیٹر فرحت اللہ بابر نے بتایا کہ سینیٹ میں ان اشتہارات کی کاپی بھی جمع کروائی گئی جو لال مسجد کے سابق خطیب کو اشتہاری قرار دینے کے لیے اخبارات میں شائع ہوئے۔ سینیٹر فرحت اللہ بابر کہتے ہیں کہ پی ٹی اے کا وہ خط بھی سینیٹ میں جمع کروایا گیا ہے جس میں تمام موبائل کمپنیوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ "جمعے کو خطبے کے وقت لال مسجد کے ارد گرد کے علاقوں میں موبائل سروس بند رکھیں"۔ وہ کہتے ہیں کہ جب سارے دستاویزات موجود تھے تو پھر ان سے لاعلمی کا اظہار کیوں کیا گیا۔ "کیا وزیر داخلہ لاعلم تھے، ڈرے ہوئے تھے یا پھر مولانا عبدالعزیز کے ساتھ ملے ہوئے تھے؟"۔

چیئرمین سینیٹ رضا ربانی نے سینیٹر فرحت اللہ بابر کی جانب سے جمع کروائیں گیں ان تمام دستاویزات کو وزارت داخلہ بھجوادیا ہےاور ساتھ ہی وزیرداخلہ کی 30 دسمبر والی تقریر کی کاپی بھی بھیجی ہے۔ چیئرمین سینیٹ نے وزیر داخلہ

سے پوچھا ہے کہ آپ کے بیان اور ان ڈاکومینٹس میں جو حقائق ہیں ان میں بڑا تضاد ہے، اس تضاد کی وضاحت کی جائے۔ نومبر 2015ء میں وفاقی حکومت نے قانون نافذ کرنے والے اداروں اور خفیہ ایجنسیوں سے کہا ہے کہ وہ لال مسجد کے سابق خطیب مولانا عبدالعزیز کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں کیونکہ ان کی سرگرمیاں امن وامان اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے شدید خطرہ ہیں۔ اس سلسلے میں سماجی کارکن اور وکیل جبران ناصر کہتے ہیں کہ "مولانا عبدالعزیز کئی بار حکومت کی رٹ چیلنج کر چکے ہیں، انھیں طالبان اپنی مذاکراتی کمیٹی کا رکن نامزد کر چکے ہیں، اس کے بعد بھی چوہدری نثار اگر یہ کہتے ہیں کہ ان سے پوچھ گچھ یا ان کے خلاف تحقیقات یا کسی قسم کے ایکشن کی ضرورت نہیں تو یہ غیر ذمہ دارنہ رویہ ہے"۔ چوہدری نثار کا مولانا عبدالعزیز کے خلاف کارروائی کے مطالبے پر کہنا تھا کہ حکومت کی پالیسی واضح اور شفاف پالیسی ہے، مولانا عبدالعزیز سے متعلق بہت غلط بیانی کی گئی، تمام ریکارڈ قوم اور سینیٹ کے سامنے رکھوں گا۔

مولانا عبدالعزیز نے دسمبر 2015ء میں پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر طالبان کے حملے میں 150 کے قریب بچوں کے قتل عام کو جائز قرار دیا تھا جس کے بعد پاکستانی قوم میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا نے معافی مانگی تو حکومت نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ اسی سلسلے میں لال مسجد کے باہر ہونے والے مظاہرے کے دوران سماجی کارکنان کو لال مسجد کی انتظامیہ کی جانب سے ایک

پریس ریلیز کے ذریعے دھمکایا گیا تھا۔ چند مہینے پہلے پاکستانی خفیہ اداروں کی جانب سے وزرات داخلہ کو بھیجی گئی ایک رپورٹ میں خبردار کیا گیا تھا کہ لال مسجد کے مولانا عبدالعزیز کے انتہاپسندوں کے ساتھ تعلقات ہیں اور یہ تعلقات جڑواں شہروں کی سکیورٹی کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔اس کے باوجود حکومت اس مسئلے میں ابہام کا شکار کیوں ہے؟ سوال یہ ہے کہ لال مسجد کا مولوی ڈرتا کیوں نہیں؟ جواب سیدھا سیدھا ہے کہ مولوی نہیں ڈرے گا کیوں کہ ریاست ڈر گئی ہے، ریاست کے عوام سہم گئے ہیں، اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان سینکڑوں افراد کے قاتلوں کے مقدمات کی سماعت کے تصور سے خوفزدہ ہوجاتے ہیں جبکہ ریاستی ادارے اپنی حفاظت میں مصروف ہیں۔ہزاروں مدارس آج بھی بے دھڑک چلائے جا رہے ہیں جن کے دہشت گردی میں ملوث ہونے کی رپورٹیں خود وزارت داخلہ یا ایجنسیوں نے جاری کی ہیں۔

مولانا عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں جذبہ جہاد کے شوق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ جہاد میں اگر حالات کا تقاضا ہو تو پھر پیچھے ہٹنا جرم نہیں، حکومت کی زمین پر مساجد اور مدارس بنانا جائز ہے۔لال مسجد کے زیر سایہ مزید 28 مدارس کام کر رہے ہیں ۔ 550 ملازمین کی تنخواہوں پر ماہانہ 28 لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں ۔ ایک سوال کے جواب میں مولانا عبدالعزیز کا کہنا تھا کہ 28 مدارس ملک بھر میں کام کر رہے ہیں اور ان کے اساتذہ، معلمات اور

دیگر اسٹاف کی تنخواہیں تقریباً 28 لاکھ روپے بنتی ہیں جو باقاعدگی سے دی جارہی ہیں لیکن مولانا عبدالعزیز نے اپنی ذرائع آمدنی نہیں بتائی۔ ایک طرف صورتحال یہ ہے کہ دہشت گردی کا پرچار کرنے والوں کو ہر ماہ تنخواہ مل جاتی ہے جبکہ دوسری طرف بہت سارے سرکاری اداروں میں کئی کئی ماہ تنخواہ نہیں ملتی ہے، جس کی ایک مثال پاکستان اسٹیل مل" ہے۔"

باچا خان یونیورسٹی پر دہشت گردوں کے حملے سے لاتعلق وزیر داخلہ چوہدری نثار نے کچھ دن پہلے ایک پریس کانفرنس میں یہ دعوی کیا تھا کہ ہم حقیقتاً دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ جیت چکے ہیں مگر سیکورٹی اداروں پر عوام کی بے جا تنقید سے ہمارا مورال ڈاون ہو رہا ہے یوں ہم نفسیاتی محاذ پر جنگ ہار رہے ہیں۔ یہ کیسی فتح ہے جس کا ذکر آرمی چیف کی طرف سے ابھی تک نہیں کیا گیا۔ یہ کیسی فتح ہے جس میں دہشت گردوں کے ہاتھوں معصوم شہریوں کے قتل پر عوام سے یہ شکوہ کیا جاے کہ تم لاشوں پر کیوں ماتم کر رہے ہو؟ جہاں تک نفسیاتی محاذ پر پسپائی کا تعلق ہے، تو کیا جب مولانا عبدالعزیز ریاست جمہوریت اور فوج کے خلاف زہر اگلتا ہے، اس وقت ہم نفسیاتی محاذ پر صحت مند ہوتے ہیں؟ جب جماعت اسلامی کا سابق امیر منور حسن پاکستانی فوجی کو شہید ماننے سے انکار کر دیتا ہے اس وقت بھی نفسیاتی محاذ پر ہمیں کوئی اثر نہیں پڑتا، داعش کے گروہ جب زیر زمیں سرگرمیوں میں اپنا نیٹ ورک وسیع کر رہے ہوتے ہیں تب بھی

اور چارسدہ جیسے سانحات ہوتے ہیں تب بھی نفسیاتی محاذ پر ہم صحت مند ہوتے ہیں۔ مگرجب عوام اپنے پیاروں کے غم میں ماتم کرتے ہیں اور صرف یہ سوال کرتے ہیں کہ نیشنل ایکشن پلان پر عمل کیوں نہیں ہورہا؟ تو اس سوال کے پوچھے جانے سے ہمارا یہ نفسیاتی محاذ کمزور پڑ جاتا ہے۔

لگتا ہے آجکل چوہدری نثار کے ستارے گردش میں ہیں، ایک طرف ان پر لال مسجد کے مولانا عبدالعزیز کے خلاف کارروائی کیلئے دباؤ بڑھ رہا ہے تو دوسری طرف اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ مطالبہ کررہے ہیں کہ وزیر داخلہ چوہدری نثار کو فوری طور پر ان کے عہدے سے ہٹایا جائے، سینیٹر فرحت اللہ بابر کے مولانا عبدالعزیز کے خلاف مقدمات کے ثبوت سینیٹ میں پیش کیے جانے کے بعد سینیٹرز نے چوہدری نثار پر سخت تنقید کی کہ وزیر داخلہ نے مولانا عبدالعزیز کے حوالے سے ایوان کو گمراہ کیا ہے۔ لال مسجد کے معاملے میں ہر پیش رفت حکمرانوں کی لاچارگی، ابہام اور نامرادی کی غمازی ہی کرتی ہے۔ ان تمام معاملات پر وزیر داخلہ کے بیانات نہ صرف متضاد ہیں بلکہ دہشت گردوں کے لیے ان کی ہمدردی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ شاید ان کے مشورے پر ہی مولانا عبدالعزیز نے عدالت میں حاضر ہوکر اپنی ضمانت منظور کروائی ہے۔ اپنی ضمانت کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے مولانا عبدالعزیز نے چارسدہ اور اے پی ایس واقعہ کی شدید مذمت کی، ساتھ ہی انھوں نے پرویز مشرف کو اپنا بھائی قرار

دیتے ہوئے کہا کہ وہ پرویز مشرف سمیت لال مسجد کے تمام کرداروں کو معاف کرنے کا اعلان پریس کانفرنس کے ذریعے کریں گے۔

مولانا عبدالعزیز جو پاکستان کے آئین کو نہیں مانتا ہے، وہ اپنی ضمانت کے لیے عدالت میں بھی حاضر ہو جاتا ہے اور اپنے شدید مخالف پرویز مشرف سمیت لال مسجد کے تمام کرداروں کو معاف کرنے کی بات کر رہا ہے۔ ایسا کیوں؟ ایسا اس لیے کہ مولانا عبدالعزیز کے ہمدرد وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار نے اپنے لیے کافی مشکلات بڑھالی ہیں، آنے والے دنوں میں یقیناً ان کے مخالف ان کے لیے مزید مشکلات بڑھانے کی کوشش کرینگے، انکو ابھی سینٹ کو بھی جواب دینا ہے جہاں ان کے مخالفوں کی اکثریت ہے، لہٰذا چوہدری نثار نے مولانا عبدالعزیز کو بچانے کے لیے مولانا کی عدالت میں حاضری اور پرویز مشرف کو معاف کرنے کا اعلان مولانا سے کروادیا تاکہ کل وہ سینٹ میں کھڑے ہو کر کہہ سکیں کہ مولانا کو کیسے پکڑیں انکی تو عدالت نے ضمانت منظور کی ہوئی ہے، نیز مولانا پر یہ الزام کہ وہ لوگوں کو دھمکی دیتا ہے ایسا ممکن نہیں کیونکہ مولانا نے تو اپنے بدترین دشمن پرویز مشرف تک کو بھی معاف کردیا ہے۔ ایک دہشت گرد اور ایک دہشت گرد کے حامی وزیر داخلہ کے بارئے میں آنے والا وقت کیا فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے انتظار کرنا ہوگا لیکن وزیراعظم نواز شریف کو اگر اپنے غیر ملکی دوروں اور نمایشی منصوبوں کے افتتاح سے فرصت مل جائے تو اپنے وزیر

داخلہ چوہدری نثار اور مولانا عبدالعزیز کے گٹھ جوڑ پر بھی ایک نظر ڈال لیں جو انکی
حکومت کے لیے بہتر ہو گا۔

عزیر جان بلوچ میرا بھائی

ابھی ڈاکٹر عاصم حسین کی گرفتاری پر پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے رہنماؤں کے تندو تیز بیانات کا سلسلہ تھما نہیں تھا کہ رینجرز کی جانب سے لیاری گینگ وار کے سرغنہ اور پیپلز امن کمیٹی کے سابق سربراہ کی گرفتاری کا اعلان اس ہیجان میں مزید اضافہ کرتا دکھائی دے رہا ہے۔ وزیر تعلیم سندھ نثار کھوڑو کا کہنا ہے کہ لیاری گینگ وار کے سربراہ عزیر بلوچ کی گرفتاری کہیں وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار کے خلاف بیانات کا رد عمل تو نہیں۔ عزیر بلوچ کی گرفتاری کا اچانک اعلان بہت عجیب سا دکھائی دیتا ہے کیونکہ سوال یہ اٹھتا ہے کہ وہ دبئی سے کراچی کیسے آیا؟ ویسے کئی ماہ سے یہ افواہیں گردش میں تھیں کہ اسے دبئی سے لایا جاچکا ہے اور اب محض اس کی گرفتاری کا اعلان کرنا باقی ہے۔ عذیر جان بلوچ اپنے والد کے اغواء اور بہیمانہ قتل کے بعد قانون شکن بنا، جرائم کی دنیا میں حادثاتی طور پر آیا، جب ارشد پپو گروپ نے اس کے ٹرانسپورٹر باپ فیضو ماما کو اغوا کے بعد قتل کیا تو رحمان ڈکیت نے اسے اپنے گینگ میں شامل کرلیا پھر 2009ء میں ایک وقت وہ بھی آیا جب پولیس مقابلے میں رحمان ڈکیت کے مارے جانے کے بعد اس نے گینگ کی سربراہی سنبھال لی۔اس کے بعد عزیر بلوچ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، اس کے مسلح کارندے کراچی کے کاروباری و صنعتی علاقوں میں خوف و

دہشت کی علامت بن گئے، جہاں بھتہ خوری اور قتل و غارت کا بازار گرم رہتا۔

سابق وزیر داخلہ سندھ ڈاکٹر ذوالفقار مرزا نے کالعدم پیپلز امن کمیٹی کی سربراہی کے لیے عزیر بلوچ کا نام سابق صدر آصف زرداری کو اس لیے تجویز کیا کہ اس کے ذریعے ایم کیو ایم کے مبینہ عسکریت ونگ کا مقابلہ کیا جائے، عزیر بلوچ نے سیاسی پشت پناہی پر کالعدم پیپلز امن کمیٹی کا جھنڈا گاڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے امن کمیٹی شہر کراچی میں خوف کی علامت بن چکی تھی اور اس کے نتیجے میں ہولناک ترین خونریزی ہوئی، جس کے نتیجے میں حکومتی اتحاد ختم ہوگیا۔ جب صورتحال بالکل ہاتھ سے نکل گئی اور ایم کیو ایم اور عزیر گروپ کے مابین اس نے خانہ جنگی کا روپ دھار لیا تو سابق صدر نے گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد کو اس میں مداخلت کی ہدایت کی ۔ بالآخر آصف زرداری کے پاس ذوالفقار مرزا سے استعفیٰ لینے اور لیاری میں آپریشن کا حکم دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا۔ اس قلیل جنگ سے پہلے بلوچوں کو ایم کیو ایم سے کبھی کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ کراچی میں بدترین لسانی فسادات یا ہڑتالوں میں لیاری ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ پیپلزپارٹی غیر اعلانیہ طور پر عزیر بلوچ کو حمایت کرتی رہی ہے۔ عزیز بلوچ سے وزیراعلیٰ سندھ، شرجیل میمن، فریال تالپور اور دیگر کی ملاقاتیں بھی سامنے آچکی ہیں۔

اس متنازع اتحاد کے شیشے میں بال 2012ء میں اُس وقت پڑا جب عزیر بلوچ نے پیپلز پارٹی کے سرکردہ رہنما اویس مظفر عرف ٹپی کو لیاری سے الیکشن لڑنے سے روک دیا۔ ردعمل یہ آیا کہ اپریل 2012 ء میں لیاری گینگ وار کے خلاف آپریشن شروع کردیا گیا جو مقامی لوگوں اور اندرونی ذرائع کے مطابق مکمل سیاسی مقاصد کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ آٹھ روز تک جاری رہنے والا آپریشن بغیر کسی اہم کامیابی کے ختم ہوگیا جس کی وجہ سے پیپلز پارٹی کی حکومت کو تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

قومی اسمبلی میں سرکاری قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ نے بہت ہی سیاسی انداز سے کام لیتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ گرفتار شدہ عزیر جان کی پیپلز پارٹی کے تمام سرکردہ رہنماؤں کے ساتھ تصاویر کا ملنا دراصل ''سیلفی'' کلچر کا شاخسانہ ہے حالانکہ اب تک سامنے آئی تصاویر زیادہ تر وڈیو کی صورت میں ہیں جس میں وہ سندھ کے وزیراعلیٰ قائم علی شاہ سے معانقہ کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے، کہیں فریال تالپور کا استقبال کرتے ہوئے نظر آتا ہے، اسی طرح سندھ اسمبلی کے ارکان اور وزراء اس کے جلو میں فاخرانہ انداز میں کھڑے ہیں۔ شاید پیپلز پارٹی کے اعلیٰ ترین رہنماؤں کو یقین تھا کہ عزیر جان کو گرفتار نہیں کیا جائے گا ان کی یہ خوش فہمی کسی میثاق کے تابع تھی یا اس کا سبب کوئی دوسری طرح کی مفاہمت تھی۔ عزیر بلوچ کراچی

آپریشن کے آغاز پر کراچی سے مفرور ہوا تھا، اس کے متعدد سیاسی رہنماؤں سے مبینہ تعلقات بھی ظاہر کیے جاتے ہیں اور ان تعلقات کی متعدد ویڈیوز بھی منظر عام پر آچکی ہیں، عزیر بلوچ کی گرفتاری کو اس لحاظ سے بھی خاصا اہم قرار دیا جارہا ہے کہ اس سے متعدد اہم رازوں سے پردہ اٹھ سکتا ہے۔ مرحومہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے عینی شاہدین کو جس طریقے سے موت کے گھاٹ اتارا گیا اس سے بھی یہ معلوم ہوجائے گا کہ قتل کرانے والے اپنے کس جرم کی پردہ پوشی کیلئے اس سے یہ سب کچھ کروا رہے تھے۔ سابق وزیر اعظم مرحومہ بے نظیر بھٹو کے قتل کا مقدمہ عزیر جان بلوچ کے انکشافات کی بدولت ڈرامائی موڑ لے سکتا ہے اس میں قاتلوں کی نشاندہی اب مفروضوں نہیں شہادتوں کی بنیاد پر ہوگی جو سراسر نئی ہونگی۔

عدالت نے عزیر بلوچ کو 90 روز کے ریمانڈ پر رینجرز کی تحویل میں دیا، ساتھ ہی حکومت کو 15 روز میں جے آئی ٹی کی تشکیل کی بھی ہدایت کردی۔ ان میں عزیر بلوچ کا عمومی مجرمانہ ماضی، لیاری گینگ وار میں اس کا کردار، بلوچستان لبریشن آرمی (بی ایل اے) کیلئے سہولت کار کا کام کرنا، جرائم کی دنیا اور غیر قانونی انتقال زر میں اسکا کردار، دہشت گردی کی مالی معاونت اور بڑے پیمانے پر بھتہ وصولی۔ عزیر بلوچ جرم اور سیاست کے ایک بڑے گٹھ جوڑ کا محض ایک کردار ہے۔ وہ پہلے ہی جتنے انکشافات کرچکا ہے اور آئندہ دنوں میں وہ

تحقیقات میں جتنے انکشافات کریگا، اس کی بنیاد پر کراچی آپریشن کے حتمی مرحلے میں پیش رفت ہوگی۔ ممکن ہے اسے ڈاکٹر عاصم کے اس کیس میں بھی اہم گواہ کے طور پر شامل کرلیا جائے جس میں ضیاء الدین اسپتال میں مبینہ طور پر لیاری گینگ وار کے عسکریت پسندوں کا علاج ہوا۔ صولت مرزا کے لیے ایم کیو ایم نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ ہم اسے نہیں جانتے بلکہ یہ کہا کہ ہم اسکو ایم کیو ایم سے فارغ کرچکے ہیں۔ اسکے برعکس پیپلز پارٹی کے رہنما متعدد ویڈیوز کے منظر عام پر آنے کے باوجود عزیر بلوچ کے ساتھ اپنی لاتعلقی کا اظہار کررہے ہیں جن میں وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ سرفہرست ہیں۔ سابق وزیر داخلہ سندھ ڈاکٹر ذوالفقار مرزا عام طور پر سندھ کی سیاست میں ایک ناپسندیدہ شخصیت ہیں اور رحمان ڈکیت کے بعد عزیر بلوچ کو آگے بڑھانے میں ان کا کلیدی کردار ہے۔

عزیر بلوچ کی گرفتاری کے بعد ڈاکٹر ذوالفقار مرزا کا ایک اور کردار سامنے آیا ہے، انہوں نے بزدلوں کی طرح یہ نہیں کہا کہ وہ عزیر بلوچ کو نہیں جانتے بلکہ کہا کہ میں عزیر بلوچ کو آج بھی اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ ذوالفقار مرزا کا یہ کردار قابل تعریف ہے۔

قطر سے ایل این جی کا معاہدہ

بدھ 10 فروری 2015ء کو قطر کے دارالحکومت دوحا میں پاکستان کی وزارت پیٹرولیم اور قدرتی وسائل اور قطر پٹرولیم کے درمیان 16 ارب ڈالر کا ایک معاہدہ طے پایا ہے۔ معاہدے پر وزیر پٹرولیم اور قدرتی وسائل شاہد خاقان عباسی اور چیئرمین قطر گیس بورڈ سعد شریدا نے دستخط کیے۔ اس موقع پر وزیراعظم محمد نواز شریف اور قطر کے امیر شیخ تمیم بن حماد بن خلیفہ الثانی بھی موجود تھے۔ معاہدے کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے شاہد خاقان عباسی کا کہنا تھا کہ قطر کے ساتھ ایل این جی کا معاہدہ پاکستان کے لیے بہت اہم ثابت ہوگا۔ پاکستان کو درپیش توانائی کے شدید بحران کی وجہ سے حکومت مختلف ذریعوں سے توانائی کے حصول کی کوشش کر رہی ہے۔ اس ضمن میں قطر سے ایل این جی درآمد کو انتہائی اہم قرار دیا جارہا ہے۔ مجوزہ معاہدے کے تحت ایل این جی کی قیمت خام تیل کی تین ماہ کی اوسط قیمت کے 13.37 فیصد کے برابر ہوگی۔ قطر گیس کے ساتھ طے پانے والے مجوزہ معاہدے میں ایل این جی کی قیمت کے تعین کیلئے خام تیل برینٹ کی قیمت 40 ڈالر فی بیرل لی گئی ہے۔ایل این جی کی قیمت پر 10 سال بعد نظرثانی کی جائے گی۔

آیئے تھوڑا سا ماضی میں چلتے ہیں راحیل احمد شیخ لکھتے ہیں کہ "سال 2006ء کی بات ہے اس وقت کے پاکستان کے حکمران نے توانائی کے بحران سے بچنے کے لئے قطر سے ایل این جی گیس درآمد کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے پر سوچ و بچار کے لئے دو کمپنیوں اے بی این امرو اور پوٹن این پارٹنر کو اٹھائیس کروڑ روپے کا ٹھیکہ دیا گیا۔ غریب ملکوں میں غریبوں کے خون پسینے کی کمائی سے سوچنے کا کام بھی ٹھیکے پر دیا جاتا ہے)"۔ان کمپنیوں کے سوچنے والوں نے سوچ سوچ کر بتایا کہ پاکستان میں قطر کے بحری جہاز کیو فلیکس، ایل این جی نہیں لا سکتے۔ یہ ناممکن ہے۔ یہ گیس بھیجنے سے پہلے مائع حالت میں تبدیل کرکے جہازوں میں لادی جاتی ہے۔ جہاز جب اس درآمد کرنے والے ملک میں پہنچتے ہیں تو اس کو دوبارہ مائع سے گیس میں تبدیل کرکے پائپوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ سوچنے والوں نے کہا کہ قطر کے جہازوں کو بندرگاہ تک پہنچنے کے لئے بندرگاہ کی گہرائی 14 میٹر سے زیادہ چاہیے ہوتی ہے جبکہ پورٹ قاسم کی بندرگاہ کی زیادہ سے زیادہ گہرائی 12 میٹر ہے۔ یہی رپورٹ، پورٹ قاسم نے بھی دی۔ چنانچہ اٹھائیس کروڑ روپے خرچ کرکے یہ خیال دل سے نکال دیا گیا۔ منگل 24 مارچ 2015 کی ایک خبر کے مطابق بین الاقوامی دباؤ اور ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی جانب سے ایل این جی کی درآمد میں شفافیت سے متعلق اعتراضات نے پاکستان میں ایل این جی کی درآمد کے منصوبے کا مستقبل خطرے میں ڈال دیا ہے جبکہ قطر کی گیس سپلائر کمپنی کی جانب سے پورٹ قاسم کی مطلوبہ گہرائی،

ایل این جی کی آمد کے دوران جہازوں کی آمدورفت کی مینجمنٹ اور روشنی کے انتظامات پر اعتراضات نے بھی منصوبے کو تاخیر سے دوچار کرنے کی راہ ہموار کردی ہے۔

روزنامہ پاکستان کی 29 جنوری کی خبر کے مطابق گوادر کی بندرگاہ پر ڈریجنگ نہ ہونے کے باعث بندرگاہ کی گہرائی کم ہو گئی ہے۔ تفصیلات کے مطابق شپنگ ذرائع نے دعویٰ کیا ہے کہ گہرائی 14.5 میٹر سے کم ہو کر 12.5 میٹر رہ گئی ہے جبکہ پورٹ قاسم کی گہرائی 13 میٹر اور کراچی پورٹ کی گہرائی 12.5 میٹر ہے۔ دوسری جانب گوادر پورٹ حکام کا دعویٰ ہے کہ بندرگاہ کی گہرائی میں کمی واقع نہیں ہوئی اور اس وقت اس کی گہرائی 14.5 میٹر ہی ہے۔ سیکرٹری پورٹ کا کہنا ہے کہ گہرائی میں اضافہ چین کے بزنس پلان کی روشنی میں کیا جائے گا۔ لگتا ہے کہ حکومت پاکستان نے قطر کے ساتھ دوحا میں جو 16 ارب ڈالر کا معاہدہ کیا ہے اس میں حکومت پاکستان کا ہوم ورک مکمل نہیں ہے، اس لیے کہ قطر کے جہازوں کو بندرگاہ تک پہنچنے کے لئے بندرگاہ کی گہرائی 14 میٹر سے زیادہ ہونی چاہیے لیکن حکومت نے قطر کی گیس سپلائر کمپنی کی جانب سے پورٹ قاسم کی مطلوبہ گہرائی کو اب تک مکمل نہیں کیا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ اس طویل المدتی معاہدہ پر عمل درآمد کرنے کے لیے بندرگاہ کی مطلوبہ گہرائی کو جلد از جلد مکمل کرے۔

وزیر پٹرولیم شاہد خاقان عباسی کے مطابق قطر سے معاہدے کے تحت 37 لاکھ ٹن سے زائد ایل این جی سالانہ درآمد کی جائے گی۔ ان کا کہنا تھا کہ اس معاہدے سے 2000 میگا واٹ کے بند یونٹس کی کارکردگی میں بہتری آئے گی۔ قطر سے درآمد کی جانے والی گیس سے ملکی توانائی کی ضروریات کا بیس فیصد پورا ہوگا اور یہ گیس کھاد فیکٹریوں، بجلی گھروں، سی این جی اسٹیشنوں اور گھریلو صارفین کو فراہم کی جائے گی۔'' انہوں نے امید ظاہر کی کہ موجودہ حکومت کے دور میں توانائی کا بحران حل کر لیا جائے گا۔ حزب اختلاف کی جماعتیں اور بعض ماہرین حکومت کے قطر سے ایل این جی کی خریداری کے معاہدے پر تنقید بھی کر رہے ہیں۔ ان ناقدین کے مطابق حکومت کے اس معاہدے کے نتیجے میں صارفین کو ایل این جی کی انتہائی مہنگے داموں دستیاب ہوگی۔ حزب اختلاف کی جماعتوں پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف کے رہنما حکومت پر ایل این جی درآمد کرنے کے معاہدے کے ذریعے اپنے من پسند افراد کو نوازنے کے الزامات بھی عائد کرتے ہیں۔ تاہم حکومتی عہدیدار ہمیشہ ان الزامات کی تردید کرتے ہیں۔

پاکستان کے توانائی کے امور کی رپورٹنگ کرنے والے صحافی شہباز رانا کا کہنا ہے کہ حکومت اس وقت تو یہ کہہ رہی ہے کہ اس معاہدے سے سستی ایل این جی ملے گی لیکن شاید یہ درست نہ ہو۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے شہباز نے بتایا کہ ”اس

معاہدے کے تحت ایل این جی کی قیمت کو عالمی منڈی میں خام تیل کی قیمت کے تناسب سے مقرر کیا گیا ہے، جو اس وقت تیس سے پینتیس ڈالر فی بیرل کی سطح پر ہیں۔ اس حساب سے پاکستان کو ایل این جی کی قیمت پانچ ڈالر فی برٹش تھرمل یونٹ ادا کرنا پڑے گی لیکن اگر عالمی منڈی میں تیل کی قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر یہ قیمت اس حساب سے دگنی یا تگنی بھی ہو سکتی ہے۔'' اس کے علاوہ ایل این جی کی ٹرانسپورٹیشن کی قیمت، دوبارہ گیس میں منتقل کرنے کی قیمت، ٹرمینل آپریٹر کی قیمت، گیس کمپنیوں کے چارجز اس میں شامل کئے جائیں تو یہ قیمت کسی بھی سیکٹر کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ شہباز رانا نے کہا کہ اس وقت تیل کی عالمی منڈی میں قیمت کے حساب سے اس معاہدے کی لاگت پندرہ ارب ڈالر سالانہ بنتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک طویل المدتی معاہدہ ہے اور اس میں حکومت پاکستان نے کافی بڑا رسک لیا ہے۔ شہباز رانا کے مطابق اگر حکومت بہتر منصوبہ بندی کے ساتھ قطر کے ساتھ بات چیت کر کے مائع گیس کی خریداری کے معاہدے کو عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں سے منسلک نہ کراتی تو یہ ڈیل بہتر ہو سکتی تھی۔

وزیر داخلہ کی ویلنٹائن ڈے پر پابندی

یکم فروری 1948ء کو امریکی عوام سے ریڈیو خطاب میں قائدِ اعظم نے فرمایا تھا کہ پاکستان ایک ایسی مذہبی ریاست نہیں بنے گا جس میں ملاوں کو مذہبی نصب العین کی" روشنی میں حکومت کرنے کا اختیار ہو۔ ہمارے ملک میں بہت سے غیر مسلم شہری موجود ہیں مثلاً ہندو، مسیحی اور پارسی وغیرہ لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ انہیں وہی حقوق اور مراعات حاصل ہوں گے جو دیگر شہریوں کو دیئے جائیں گے اور انہیں پاکستان کے امور مملکت میں اپنا کماحقہ کردار ادا کرنے کا پورا موقع ملے گا۔" لیکن آج صورتحال یہ ہے کہ پاکستان کے وزیر داخلہ جو دہشت گردوں کے زبردست حامی ہیں اور اگر کوئی دہشت گرد مرجائے تو انکو بہت افسوس ہوتا ہے، وزیر داخلہ کو دہشت گردوں کی کس قدر فکر رہتی ہے اسکا اندازہ لال مسجد کے زندہ دہشت گرد ملا عبدالعزیز کے اوپر وزیر داخلہ کی مہربانیاں دیکھ کر ہوجاتا ہے، اسکے برعکس چند لوگوں کے ویلنٹائن ڈے منانے کے پروگرام پر وزیر داخلہ چوہدری نثار کو بہت تکلیف ہے، انہوں نے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے منانے پر پابندی عائد کردی ہے اور ضلعی انتظامیہ کو حکم دیا ہے کہ ویلنٹائن ڈے منانے کی پابندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف کریک ڈاون کیا جائے۔ اسلام آباد انتظامیہ نے بتایا کہ اس سلسلے میں تمام تقریبات

منسوخ کرنے کی بھی ہدایات جاری کردی گئی ہیں۔

وزیر داخلہ ویلنٹائن ڈے منانے والوں کے خلاف تو کریک ڈاون کا حکم فرماتے ہیں لیکن دہشت گرد تنظیم داعش کے لیے بہت ہی ہمدردی رکھتے ہیں۔ دہشت گردوں کے حامی چوہدری نثار اس قدر بے خبر وزیر داخلہ ہیں کہ انکو معلوم ہی نہیں کہ ملک کی داخلی سلامتی پر حکومت کے عہدے دار کیا کررہے ہیں اور کیا بتارہے ہیں۔ انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ آفتاب سلطان نے بدھ کو سینٹ کی داخلہ کمیٹی کو تفصیلی بریفنگ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ جنرل ضیا الحق (کے اثر) سے آگے کی دو نسلوں کے ذہن تبدیل ہوئے ہیں، انہیں بدلنے کے لیے دس سال لگیں گے۔ داعش کا ایک نیٹ ورک آئی بی نے پکڑ لیا ہے۔ تحریک طالبان داعش سے تعاون کرتی ہے، کالعدم سپاہ صحابہ، ٹی ٹی پی اور لشکر جھنگوی کے آپس میں روابط ہیں، سیکڑوں مقامی جنگجو شام چلے گئے ہیں، میڈیا ہاوسز اور تعلیمی ادارے دہشتگردوں کا ہدف ہیں۔ وزیر داخلہ کو تو شاید یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ جنگ اخبار میں بیٹھا ہوا انصار عباسی دہشت گردوں کا ایک کھلا ہوا سہولت کار ہے، یہ ہمیشہ اپنی تحریروں کے زریعے کھلے الفاظ میں دہشت گردوں کی حمایت کرتا ہے۔ اپنے مضمونوں کے زریعے ان لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہے جو طالبان، داعش یا اور دہشت گردوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو سب سے بہتر مسلمان ظاہر کرنا اور اس کی آڑ میں لبرل کو بدنام کرنا اسکا روزکا

کام ہے۔ اسکو بھی وزیر داخلہ کی طرح ویلنٹائن ڈے منانے والوں سے سخت اختلاف ہے، اپنے ایک حالیہ مضمون میں "ہمیں ویلنٹائن ڈے نہیں منانا" میں اس نے تہذیب کے دائرہ سے باہر نکل کر عام لوگوں کی بیٹی، بہو، بہن اور ماں تک کا ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے ذکر کر ڈالا۔

ملتان کی ڈاکٹر رامش فاطمہ اپنے مضمون "صاحب ! پھول سے ڈر کیوں لگتا ہے؟" میں لکھتی ہیں کہ "ویلینٹائن ڈے پہ پابندی لگاکے تمام پھول ان سب پہ برسائے جائیں گے جو پابندی کو تمام مسائل کا حل سمجھتے ہیں، حیا ڈے، حجاب ڈے، کشمیر ڈے اور ایسی مزید ڈرامے بازیوں سے قوم کو لطف اندوز کرنے کے بعد پرانی فلم کو پھر مذہب اور سماج نام پہ چلایا جارہا ہے کہ ویلینٹائن نہ منایا جائے، کیا یہ بھی کسی نیشنل ایکشن پلان کا حصہ ہے کہ ہر اسکول میں ہر استاد تک بندوقیں پہنچا کر ہر گلی ہر محلے سے پھول اٹھا لیے جائیں؟ آخر آپ کا مذہب آپ کا عقیدہ آپ کے مذہبی جذبات جگہ جگہ لگے کمزوری کے اشتہار سے بھی زیادہ کمزور کیوں ہیں کہ ان کو ذرا ذرا سی بات پہ ٹھیس پہنچ جاتی ہے؟ موقع بعد میں آتا ہے اور پابندی پہلے لگ جاتی ہے۔ غیرت کے نام پہ قتل ہونے سے روکنا ہے تو ویلنٹائن پہ پابندی لگا دیں۔ اگر ممنون صاحب علما سے سود کی گنجائش مانگ سکتے ہیں تو ہم پھولوں کی گنجائش کے سوالی ہیں۔ کوئی سامان ہماری خوشی کا بھی باقی رہنے دیں۔ آپ اپنی سوچ ہم پہ مسلط نہ کریں اور ہم

اپنے پھول آپ پہ مسلط نہیں کرتے، خوشبو زیادہ تنگ کرے تو خوشبو لگا کے آ جائیں اور پھول تقسیم کریں کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں۔ ٹھیک ہے آپ نے نہیں منانا تو نہ منائیں، آپ پھول خریدیں اور اپنے مستقبل کے لیے محفوظ کر لیں لیکن جو منانا چاہتے ہیں انہیں آپ کیسے روک سکتے ہیں؟"۔

ڈاکٹر رامش فاطمہ نے اپنے مضمون میں وزیر داخلہ کو جتادیا ہے کہ یہ ملک نہ تو آپکی اور نہ ہی انصار عباسی کی ذاتی جاگیر ہے اور نہ ہی آپ کو یہ اختیار ہے کہ لوگوں کی ذاتی زندگی میں خلل ڈالیں۔ کون حجاب لیتا ہے اور کون نہیں لیتا یہ اسکا ذاتی معاملہ ہے۔ ملک کے قانون میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ ویلنٹائن ڈے منانا منع ہے، جو منانا چاہیں منایں جو نہیں منایں وہ انکی مرضی لیکن اسلام آباد میں ویلنٹائن ڈے پر پابندی وزیر داخلہ کا ذاتی فیصلہ ہے ریاست کا نہیں، شاید وزیر داخلہ اپنے دہشت گرد بھائیوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک انصار عباسی کا تعلق ہے تو اسکو تو روزانہ اپنے طالبانی آقاوں کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ بقول وجاہت مسعود "اگر وزیراعظم نواز شریف لبرل ہونے اور قائداعظم کے اس نصب العین پر عمل پیرا ہونے کا عندیہ دیتے ہیں تو انصار عباسی کا کہنا ہوتا ہے کہ وزیراعظم بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں ۔ لاکھوں لوگ ویلنٹائن ڈے منانے کیلیئے سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور انہیں پولیس کے ذریعے روکا جاتا ہے۔ لوگ بسنت کی پتنگ اڑانے نکلتے ہیں تو چھتوں پر کھلے

پھول دیکھ کر کچھ خوش نا اندیشوں کو آشوب چشم لاحق ہوتا ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی کے ہاتھوں جلاوطن ہونے والی کرکٹ کا میلہ دبئ میں سجتا ہے تو وہاں نوجوان لڑکے لڑکیوں کو ہنستے کھیلتے دیکھ کر کراچی کے نامور مفتی صاحب اسلامی ای میل لکھتے ہیں"۔ بات دراصل یہ ہے کہ عوام کی اکثریت دہشت گردی کے خلاف ہے لیکن دہشت گردوں کے حامی وزیر داخلہ اور انصار عباسی کو طالبان کی دہشت گردی تو قبول ہے لیکن کچھ لوگوں کا ویلنٹائن ڈے منانا قبول نہیں ہے۔ قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ "پاکستان ایک ایسی مذہبی ریاست نہیں بنے گا جس میں ملاوں کو مذہبی نصب العین کی روشنی میں حکومت کرنے کا اختیار ہو"۔

نیب کا پیر شیر کی دم پر

قومی احتساب بیورو (نیب) کا قیام قومی احتساب آرڈیننس کے تحت 16 نومبر 1999ء کو عمل میں لایا گیا۔ نیب کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ملک سے بدعنوانی کے خاتمہ کے لئے نہ صرف اقدامات کئے جائیں بلکہ بدعنوان عناصر سے لوٹی ہوئی رقم برآمد کرکے قومی خزانے میں جمع کروائی جائے اور ان کو قانون کے کٹھرے میں کھڑا کیا جائے، جہاں ان کو قانون کے مطابق سزا دی جاسکے۔ نیب کا دائرہ کار پورے ملک بشمول فاٹا اور گلگت بلتستان تک ہے، نیب کا ہیڈکوارٹر اسلام آباد میں ہے جبکہ کراچی، لاہور، ملتان، راولپنڈی، سکھر، پشاور اور کوئٹہ میں اس کے علاقائی دفاتر ہیں۔ نیب کے پہلے چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل سید محمد امجد تھے جبکہ موجودہ چیئرمین قمر زمان چوہدری ہیں۔ قمر زمان چوہدری اس لحاظ سے وہ واحد چیئرمین ہیں جن کو حکومت اور اپوزیشن نے متفقہ طور پر اس اہم عہدے پر تعینات کیا ہے۔

ویسے تو پاکستان میں کوئی بھی اپنے احتساب کے لیے تیار نہیں اور خاصکر وہ سیاسی جماعتیں جو اپنے آپ کو عوام کا نمائندہ کہتی ہیں۔ ملک میں نیا سیاسی کلچر پروان چڑھتا نظر آرہا ہے، حکمراں جماعت اور اپوزیشن جماعتیں سب کے سب احتساب سے بھاگ رہے ہیں، سب احتسابی عمل کو متنازع بنا رہے ہیں۔ پاکستان میں

کرپشن کینسر کی طرح ہر شعبے میں پھیل چکا ہے اور یہ سارے ملک کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ مسلم لیگ (ن)، تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی نے تواتر کے ساتھ مختلف اوقات میں موجودہ احتسابی طریقہ کار کے خلاف بات کی۔ کچھ عرصہ قبل پیپلز پارٹی کی جانب سے نیب اور ایف آئی اے کی کارروائیوں پر بہت زیادہ شور مچایا گیا تھا۔ دو ہفتے قبل وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا پرویز خٹک نے چیئرمین تحریک انصاف عمران خان کی منظوری سے احتساب کے صوبائی ادارے کے چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل (ر) حامد خان کے اختیارات میں کمی کرکے انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کیا۔ وزیراعظم نواز شریف بھی منگل 16 فروری 2016ء کو نیب پر برس پڑے اور کم و بیش وہی الزامات لگائے جو پہلے پیپلز پارٹی لگا چکی ہے۔ گذشتہ چند دنوں میں یہ بات نوٹ کی گئی ہے کہ نواز شریف نے پی آئی اے کی ہڑتال کے وقت اور اب نیب کے خلاف جو باتیں کی وہ ان کے اپنے اندازِ بیاں کے خلاف نظر آئیں، عام طور پر نواز شریف اس لہجہ میں بات نہیں کرتے ہیں لیکن پی آئی اے کی ہڑتال اور نیب کے حوالے سے ان کی طرف سے سخت لہجہ میں بات کی گئی۔ وزیر اعظم نواز شریف نے بہاولپور کے عوامی اجتماع میں نیب کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ یہ معصوم اور بے گناہ لوگوں کے گھروں اور دفتروں میں گھس کر انھیں ہراساں کرتے ہیں۔ نواز شریف نے نیب کی کارروائی کے طریقہ کار پر

برملا غصے کا اظہار کرتے ہوئے، اسے متنبہ کیا، کہ اگر چیئرمین نیب قمر زمان چوہدری نے ان کے تحفظات کا نوٹس نہ لیا تو وہ صورتحال کی درستی کیلئے قانونی ذرائع استعمال کر سکتے ہیں۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) نے مشترکہ طور پر قمر زمان چوہدری کو چیئرمین نیب کو لگایا تھا لیکن اب سب ان سے ناراض ہو رہے ہیں۔ نواز شریف کی ناراضگی کی ایک وجہ یہ ہے پنجاب میں بہت سے پروجیکٹ چل رہے ہیں اور کافی نئے پراجیکٹس لگائے جارہے ہیں جنھیں نواز شریف اور شہباز شریف جلد از جلد مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ تماشہ یہ ہے کہ جب پیپلز پارٹی کے لوگوں پر ہاتھ پڑتا ہے تو وہ چیخیں مارتے ہیں اور جب مسلم لیگ (ن) کے بیوروکریٹس پر ہاتھ پڑتا ہے تو وہ چیخیں مارتے ہیں، کرپشن روکنے کیلئے بے انتہا قوانین بنادیئے گئے ہیں لیکن کرپش تاحال جاری ہے، اگر یہ قوانین بھی نہ ہوتے تو شاید دس گنا سے بھی زیادہ کرپشن ہو رہی ہوتی ۔ ایسا پہلی بار نہیں ہوا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت کی طرف سے نیب پر تنقید کی گئ ہو، کچھ عرصہ قبل وزیر اطلاعات پرویز رشید اس وقت نیب پر گرجے تھے جب نیب کی طرف سے شریف فیملی کیخلاف کیسز دوبارہ کھولنے کی خبریں آئی تھیں۔

اسوقت سوال یہ ہے کہ آخر نیب نے ایسا کیا کردیا کہ وزیراعظم نواز شریف اپنے اندازِ بیاں کے برعکس بولے، کیا وزیراعظم کی نیب پر تنقید کی وجہ شریف فیملی کے خلاف نیب کی تفتیش ہے یا پھر نیب کے اجلاس میں وزارت پانی و بجلی

کے ماتحت ادارے آئیسکو میں غیر قانونی بھرتیوں کی شکایت کی تصدیق کے عمل کو شروع کرنے کا فیصلہ ہے۔ سابق صدر پرویز مشرف کے زمانے میں وزیراعظم نواز شریف اور پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف کیخلاف کرپشن کی تحقیقات شروع کی گئی تھیں، لیکن ابتک اسکا کوئی فیصلہ سامنے نہیں آیا، فیصلہ کرنے کیلئے اب ایک نئی تاریخ 31 مارچ 2016ء مقرر کی گئی ہے۔ وزیراعظم نواز شریف کیخلاف دو اور کیسوں میں تفتیش کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک کیس میں وزیر عظم نواز شریف، وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف اور دیگر پر رائیونڈ سے جاتی امرا تک سڑک کی تعمیر کے معاملے میں اختیارات کے ناجائز استعمال الزام کے ساتھ ساتھ 125 ملین روپے کی خرد برد کا بھی الزام ہے۔ دوسرے کیس میں وزیراعظم پر ایف آئی اے میں غیر قانونی بھرتیوں کا الزام ہے۔ شریف برادران کے علاوہ کرپشن کے بڑے کیسوں میں وزیر خزانہ اسحاق ڈار کا نام بھی سامنے آیا تھا، نیب نے ان کے مقدمات نمٹانے کیلئے بھی ڈیڈلائن 29 فروری 2016ء مقرر کی ہے۔ اسحاق ڈار پر اختیارات کے ناجائز استعمال اور وسائل سے زیادہ اثاثے رکھنے کا الزام ہے۔ سپریم کورٹ میں یہ فہرست پیش کیے جانے کے بعد مسلم لیگ (ن) نے شدید رد عمل کا اظہار کیا اور نیب کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ 7 جولائی 2015ء کو نیب نے ملک میں بدعنوانی کے زیر تفتیش 150 مقدمات کی فہرست سپریم کورٹ میں جمع کروائی جس کے مطابق وزیراعظم نواز شریف سمیت چار سابق وزرائے اعظم کے خلاف اختیارات کے ناجائز استعمال سے متعلق ماضی میں شروع کی جانے والی

تفتیش مختلف مراحل میں ہے۔

وزیر اعظم نواز شریف کے مخالفین نیب کے بارے میں انکے بیان کو ایک دھمکی قرار دے رہے ہیں، جس میں وزیر اعظم نے نیب کے خلاف قانونی اور آئینی اقدامات کرنے کا عندیہ بھی دیا ہے۔ تحریک انصاف، مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی سمیت تمام سیاسی جماعتیں نیب کے خلاف اپنے اپنے انداز میں شکایت کرتی نظر آتی ہیں۔ آج جو صورت حال ہے اس میں تمام جماعتیں نیب سے نالاں نظر آتی ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو نیب اپنا کام ٹھیک طریقے سے کر رہا ہے یا اس کی ڈوریں کہیں اور سے ہلائی جا رہی ہیں۔ اس لیے نیب کے قوانین میں سخت قواعد و ضوابط وضع ہونا چاہییں کہ کن حالات میں کسی شخص کے خلاف کارروائی شروع کی جانی چاہیے۔ دراصل نیب کی طرف سے پنجاب کے حکمرانوں کے خلاف انکوائری وزیر اعظم کی پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف نے 16 فروری کو بہاولپور میں ایک عوامی اجتماع میں نیب کو ہدف تنقید بنایا اور جہاں وہ اپنے اندازِ بیاں کے برعکس سخت لہجہ میں بات کرتے دکھائی دیئے، لگتا ہے اس مرتبہ نیب کا پیر شیر کی دم پر کچھ زیادہ ہی سخت پڑ گیا ہے۔

پٹھان کوٹ پر حملے کی ایف آئی آر

گزشتہ سال 29 جولائی 2015ء کو پاکستان کی سرحد سے متصل بھارتی ریاست پنجاب کے شہر گرداس پور میں تھانے پر حملہ ہوا، حملہ میں تین افراد شامل تھے، ان تینوں افراد کو کئی گھنٹے تک جاری رہنے والے آپریشن کے دوران مار دیا گیا۔ اس حملے کے فوراً بعد بھارت نے الزام عائد کیا کہ تھانے پر حملہ کرنے والے دہشتگرد پاکستان سے آئے تھے، جبکہ پاکستان نے اس الزام کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا تھا، پاکستان کا کہنا تھا کہ اس قسم کے الزامات خطے کی سلامتی کے لیے خطرناک ہیں۔ 30 نومبر 2015ء کو پیرس میں ایک کانفرنس کے موقع پر بھارتی وزیراعظم نریندر مودی اپنی نشست سے اٹھ کر وزیراعظم نواز شریف کے پاس آئے اور ان سے مصافحہ کیا جس کے بعد دونوں رہنماء صوفے پر بیٹھ گئے، اس ملاقات کا دورانیہ دو منٹ سے بھی کم تھا لیکن اس غیر متوقع ملاقات کو دونوں ملکوں کے میڈیا نے بھرپور کوریج دی۔ 25 دسمبر 2015ء کو بھارتی وزیراعظم نریندر مودی بغیر کسی پیشگی پروگرام کے کابل سے نئی دہلی جاتے ہوئے مختصر قیام کے لیے لاہور پہنچے۔ پاکستانی وزارت خارجہ کے مطابق بھارتی وزیر اعظم کے مختصر قیام کے دوران دونوں وزراا عظم نے خوشگوار ماحول میں مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ اس ملاقات کے فوراً بعد دونوں ملکوں کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ پاکستان

اور بھارت کے خارجہ سیکریٹریز کی ملاقات 15 جنوری کو ہوگی جس میں جامع دوطرفہ مذاکرات کے طریقہ کار اور نظام الاوقات پر بات چیت ہوگی۔
خارجہ سیکریٹریز کی ملاقات سے بہت پہلے دو جنوری 2016ء کو پاکستان کی سرحد سے 25 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع بھارتی ریاست پنجاب کے شہر پٹھان کوٹ میں واقع بھارتی فضائیہ کے اڈے پر چھ دہشتگردوں نے حملہ کرکے سات بھارتی فوجیوں کو ہلاک کردیا۔ چار دن تک جاری رہنے والے اس آپریشن میں تمام حملہ آور بھی مارے گئے۔ بھارت کی جانب سے پٹھان کوٹ حملے کا الزام کالعدم جیش محمد اور اس کے سربراہ مولانا مسعود اظہر پر عائد کیا گیا اور مسلسل یہ مطالبہ کیا جارہا تھا کہ پاکستان ان کے خلاف کاروائی کرے۔ پٹھان کوٹ حملے کے بعد پاکستان کی سول اور فوجی قیادت نے بھارتی حکومت کے ساتھ رابطے میں رہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس عزم کو دہرایا تھا کہ دہشتگردی کے مکمل خاتمے کے لیے بھارت کے ساتھ مکمل تعاون کیا جائے گا۔ 18 فروری 2016ء کو وزیراعظم نواز شریف کی ہدایت پر قائم کی گئی خصوصی تحقیقاتی ٹیم کی سفارش پر بھارت میں پٹھان کوٹ ایئر بیس پر حملے کا مقدمہ گوجرانوالہ میں ڈپٹی سیکرٹری داخلہ کی درخواست پر 6 نامعلوم دہشتگردوں کے خلاف درج کیا گیا۔ سی ٹی ڈی ترجمان کے مطابق جوائنٹ انویسٹی گیشن ٹیم اس کیس کی تحقیقات کا باقاعدہ آغاز کریگی۔ پٹھان کوٹ ایئر بیس پر حملے کی ایف آئی آر میں کالعدم تنظیم جیش محمد اور

اس کے سربراہ مسعود اظہر کا نام نہ شامل کئے جانے پر بھارت نے افسوس کا اظہار کیا ہے اور پاکستان کی جانب سے اس اقدام کو درست سمت کی جانب سے ایک چھوٹا سا قدم قرار دیا ہے۔

بھارت میں جب بھی اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا ہے، بھارتی حکومت اپنی نااہلی اور ناکامی کو چھپانے کے لیے اس دہشتگردی کا الزام پاکستان پر لگادیتی ہے۔ بھارتی حکومت نے جس طرح اس حملے کے خلاف آپریشن کیا اس سے نہ صرف اس کی نااہلی ظاہر ہو گئی ہے بلکہ بہت سارے سوالات نے بھی جنم لیا ہے۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ پیشگی اطلاعات مل جانے کے باوجود حملہ آوروں کو ایئر بیس میں داخل ہونے سے کیوں نہیں روکا جاسکا؟ بھارتی وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ نے حملے کے روز شام کو ٹوئٹر پر کہا تھا کہ سبھی پانچ دہشتگردوں کو مار گرایا گیا ہے، لیکن اس کے دو دن بعد بھی آپریشن جاری تھا اور وزیر داخلہ نے اپنی ٹوئیٹ کو اپنے اکاؤنٹ سے ہٹا دیا، کیا بھارتی وزیر داخلہ واقعی اتنے بے خبر تھے یا پھر پاکستان کے خلاف کوئی سازش تیار کی جارہی تھی؟ حملے کے تیسرے دن بھی واضح نہیں تھا کہ حملہ آوروں کی کل تعداد کتنی ہے، وہ دو ٹیموں میں تھے یا ایک، کیا آپریشن کو لمبا کھینچنا ہی ان کی حکمت عملی تھی، دو حملہ آور سنیچر کی شام سے اتوار کی دوپہر تک کیوں خاموش چھپے رہے، اگر حملہ آور دو ٹیموں میں تھے تو دوسری ٹیم فضائیہ کے اڈے تک کیسے پہنچی؟

بھارت کے لیے پٹھان کوٹ حملہ کا مقدمہ درج ہونا بہت اہم پیشرفت ہے، حکومت ایک سال تک کسی کو حفاظتی تحویل میں رکھ سکتی ہے اس کیلئے ایف آئی آر کاٹنے کی ضرورت نہیں تھی،پٹھان کوٹ حملہ پر ایف آئی آر درج کرکے پاکستان نے بھارت کی بہت پرانی خواہش پوری کردی، ایف آئی آر درج کرکے پاکستان نے قبول کرلیا ہے کہ پٹھان کوٹ حملے میں کچھ پاکستانی بھی شامل تھے۔ گوجرانوالہ میں جو ایف آئی آر درج کی گئی ہے وہ وزیر اعظم نواز شریف کی ہدایت پر کی گئی ہے جبکہ اس کا دفاع مرکزی وزیر داخلہ چوہدری نثار، پنجاب کے وزیر قانون رانا ثنا اللہ کے علاوہ حکومت کے حامی تجزیہ نگار بھی کررہے ہیں اور حکومت پاکستان اس کا سیاسی فاہدہ اٹھانا چاہ رہی ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف کو چاہیے کہ وہ ممبئی ، گرداس پور اور اس کے علاوہ بھارت نے اب تک جس جس دہشت گردی میں پاکستان کا نام لیا ہے ان سب کی بھی ایف آئی آر پاکستان میں درج کروایں ، لیکن اس سے پہلے اپنے ہمنصب بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی سے اس بات کی ضمانت ضرور لے لیں کہ جن دہشتگردی کے واقعات کے لیے ماضی میں پاکستانی حکومت بھارت پر الزام لگاتی رہی ہے بھارتی حکومت بھی ان بھارتی دہشتگردوں کے خلاف ایف آئی آر درج کروائے گی۔ پاکستان کے جی ایچ کیو، پی این ایس کارساز کراچی، واہگہ بارڈراورآرمی پبلک اسکول پشاورکے دہشتگرد واقعات میں بھارت ملوث رہاہے، کراچی میں نیوی کی بسوں پر حملے کا

ذمہ دار بھی بھارت ہی ہے، اسکے علاوہ کراچی کے امن کو تباہ کرنے کی ذمہ دار بھارتی خفیہ ایجنسی 'را' ہے۔ لاہور آنے والی سمجھوتا ایکسپریس کو آٹھ سال پہلے بھارت میں ہندو انتہا پسند آر ایس ایس کے دہشتگردوں نے جلایا تھا، اس دہشتگردی میں ایک بھارتی انٹیلی جنس کا کرنل بھی شامل تھا۔ اس واقعہ میں 68 پاکستانیوں کی لاشیں پاکستان پہنچی تھیں۔ کیا نواز شریف ان تمام واقعات کی ایف آئی آر بھارت میں درج کرانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں؟ جواب یقیناً نہیں میں ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ کیا آئندہ پاکستان کسی بھی عالمی فورم میں جاکر بھارت کی دہشتگردی کی شکایت کر سکے گا؟، یقیناً نہیں لیکن پٹھان کوٹ واقعہ کی پاکستان میں ایف آئی آر درج ہونے کے بعد بھارت کو یہ موقعہ مل گیا ہے کہ وہ کسی بھی عالمی فورم پر پاکستان پر دہشتگردی کا الزام لگا سکتا ہے۔ پاکستانی وزیر داخلہ چوہدری نثار کا کہنا ہے کہ کچھ لوگوں نے پٹھان کوٹ واقعے کی ایف آئی آر کے اندراج پر پیالی میں طوفان اٹھایا ہوا ہے جبکہ طوفان اٹھانے والوں کا کہنا ہے کہ پاکستان کو یہ ایف آئی آر درج نہیں کرانی چاہیے تھی۔

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ ایک سے پانچ

سو لفظوں کی کہانی نمبر 1 ۔۔۔۔۔۔پیسے۔۔۔۔۔۔

میری بیوی جو ڈاکٹر ہے

کل روتے ہوئی بولی مجھے اس ملک سے لے چلیں

کیا ہوا آپ تو ملک سے باہر جانا نہیں چاہتیں تھیں

کچھ دن سے ایک غریب آدمی

اپنے بیمار بچے کو علاج کے لیے لا رہا تھا

آج اسکے بچے کا ہسپتال میں انتقال ہوگیا

میں نے اس سے کہا تم ٹھیرو

میں ایمبولینس کا بندوبست کرتی ہوں

وہ بولا نہیں ڈاکٹر صاحب

ہم بچے کو اپنے کندھے سے لگا کر بس میں لے جاینگے

کسی کو کیا پتہ چلے گا بچہ زندہ ہے یا مرچکا ہے۔

سرجانی ٹاون بہت دور ہے

اور ہمارے پاس ایمبولینس کے پیسے نہیں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 2 ۔۔۔یہ زندہ رہے گا۔۔۔

تھر کے ہسپتال میں ایک ہفتہ بعد ڈاکٹر راونڈ پر آیا تھا

ہر بچے کے ماں باپ ہاتھ باندھے کھڑے تھے

ڈاکٹر نرسوں کی بنائی ہوئی رپورٹ دیکھتا پھر بچے کو دیکھتا

اس کے بعد بچے کے باپ سے بچے کا نام پوچھتا

ایک پرچے پر دوا لکھ دیتا جو بازار سے لینی ہوتی

ڈاکٹر آخری بچے کے پاس پہنچ گیا

بچے کے باپ سے بچے کا نام پوچھا

ابھی رکھا نہیں بچے کے باپ نے جواب دیا

تو پھر کب رکھو گے؟

جب یہ یقین ہو جائے گا کہ

میرے دو بچوں کے برعکس

بھوک اور پیاس کے باوجود یہ زندہ رہے گا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 3 ---یہ ملاوٹ---

میرا ایک دوست بتا رہا تھا کہ

لاہور میں میرا ایک ہوٹل اور ایک بیکری ہے

کچھ دن پہلے تک میرے کاروبار میں خوب ترقی ہو رہی تھی

میری اماں میرا فوٹو ساتھ لیے لڑکی تلاش کر رہی تھیں

انہیں ایک لڑکی پسند آگئی
اماں نے لڑکی کا فوٹو دکھایا
فوٹو میں اس کے ساتھ اسکی سہیلی بھی تھی
اماں نے پوچھا اس سے شادی کروگے
میرا جواب تھا کبھی نہیں اماں کبھی نہیں
اماں کو کیا بتاتا کہ اس فوٹو میں موجود لڑکی کی سہیلی
عائشہ ممتاز نے دس دن پہلے ملاوٹ کی وجہ سے
میرے ہوٹل اور بیکری کو سیل کیا تھا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 4 ۔۔۔ شعور۔۔۔
آج عدالت میں خلاف معمول بہت رش ہے
پتہ لگا ایک بہت بڑے ملزم کی حاضری ہے
عدالت کے پیشکار سے پوچھا ملزم پر الزام کیا ہے
ملزم لوگوں کو شعور کے نشہ کا عادی بنا رہا ہے
حکومت نے ملزم پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا ہے
ملزم لوگوں کو کتابیں پڑھنے کی طرف راغب کرتا ہے
اور لکھنے والوں کو اکساتا ہے کہ
سو لفظوں میں پوری بات کہہ دو

تاکہ زیادہ لوگ زیادہ باشعور ہو سکیں
کافی لوگ اس پر عمل کر رہے ہیں
اچانک عدالتی ہرکارے نے آواز لگائی
سو لفظوں کی کہانی کے خالق
ملزم مبشر علی زیدی حاضر ہو

سو لفظوں کی کہانی نمبر 5 ---مفاد پرستی---
بھٹو صاحب کی حکومت تھی، مفاد پرستی عام تھی
ایک صاحب نے اخبار کے ایڈیٹر کو ایک پرچہ دیا
اور کہا یہ خبر چھپوانی ہے
پرچے میں لکھا تھا، تابش دہلوی کو صدمہ
انکی خوشدامن صاحبہ کا انتقال ہوگیا
تابش دہلوی کی شاعری کے چار مجموعے شایع ہو چکے ہیں
تابش دہلوی اپنے ہزاروں ساتھیوں کے ساتھ
پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے ہیں
ایڈیٹر نے کہا جناب اس میں تو تین خبریں ہیں
پوچھا فائدہ کس میں ہے؟
ایڈیٹر نے کہا

پیپلز پارٹی میں شامل ہونے والی خبر میں
تابش دہلوی جھٹ سے بولے
تو پھر وہ ہی چھاپ دیں

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ چھ سے دس

سو لفظوں کی کہانی نمبر 6۔۔۔۔فرمائش۔۔۔۔۔۔

وزیر اعظم :آیئے آیئے مولانا صاحب میں آپکو یاد کر رہا تھا

مولانا: کیا ہماری کوئی نئی فرمائش پوری کرنے کا ارادا ہے

وزیر اعظم : آپکو صرف اپنی فرمائش کی فکر ہے

نیب جو میرے خلاف کیس کھول رہی ہے اسکا کچھ سوچیں

مولانا: ہم پہلے سوچتے ہیں پھر فرمائش کرتے ہیں

آپ صرف یہ کریں ہمارے بیٹے کو وزیر خارجہ بنا دیں

ہمارے مدارس کے لیے چندہ جمع کرنے میں آسانی ہو جائے گی

اگلے دن مولانا کا بیان تھا

نیب کو ایک ڈکٹیٹر نے سیاسی لوگوں سے انتقام کیلیئے قائم کیا تھا

ایسے اداروں کو قائم نہیں رہنا چاہئے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 7۔۔۔۔ مونا لیزا۔۔۔۔۔

فن مصوری کی شہرہ آفاق مونا لیزا کی مسکراہٹ کو

ماہرین نے ایک تصویر کی بنیاد پر جعلی قرار دیا تھا

افغان لڑکی شربت بی بی بارہ سال کی تھی جب اسکی تصویر ایک

عالمی جریدے نے اپنے سرورق پر شائع کی تھی
سبز آنکھوں کی وجہ سے نیشنل جیو گرافک چینل نے
اسکی دستاویزی فلم بنائی
وہ 'افغان مونالیزا' کے نام سے مشہور ہوئی
گذشتہ سال نادرا نے 'افغان مونالیزا' کے پاکستانی
شناختی کارڈ کو منسوخ کردیا
جعلی طریقے سے حاصل کیا تھا
افسوس تصویر والی مونالیزا کی مسکراہٹ اور
جیتی جاگتی مونالیزا کا شناختی کارڈ جعلی نکلے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 8۔۔۔۔سالگرہ۔۔۔۔۔
زمبابوے میں 24 لاکھ افراد خشک سالی
کی وجہ سے غذا سے محروم ہیں
جس دن بانوے سالہ صدر رابرٹ موگابے کی سالگرہ تھی
وہ دو دن سے بھوکا تھا
اسکول والے اسکو زبردستی سالگرہ کی تقریب میں لے گئے
یہ تقریب خشک سالی سے متاثرہ شہر میسونگو میں ہوئی
تقریب پر آٹھ لاکھ ڈالر کی رقم خرچ کی گئی

تقریب شروع ہوئی، بچوں نے صدر کی عمر درازی کے لیے
دعایہ گیت گائے مگر وہ خاموش رہا
پھر کھانے کا پروگرام شروع ہوا
کھانے دیکھ کر اس نے بلند آواز میں دعا کی
یا اللہ ہمارے صدر کی سالگرہ روز ہوا کرے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 9۔۔۔۔یونیفارم۔۔۔۔۔

منی بہت دن سے اسکول کے نئے یونیفارم کا تقاضہ
کر رہی ہے جس کے لیے دو سو روپے چاہیں
،مزدور آدمی ہوں
کبھی مزدوری مل جاتی ہے اور کبھی نہیں
بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کے وظیفے
سے ہر تین ماہ بعد 4500 روپے مل جاتے ہیں
روز قبل اس میں 800 روپے سالانہ کے اضافے کا اعلان ہوا 15
میں نے منی کو بتایا کہ اب ہم جلد ہی نیا یونیفارم خرید سکیں گے
منی نے حساب لگا کر بتایا کہ ہمارے وظیفہ میں
دو روپے انیس پیسے روزانہ کا اضافہ ہوا ہے
اس لیے ہم بانوے دن بعد یونیفارم خرید سکیں گے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 10۔۔۔۔ کوئز مقابلہ۔۔۔۔۔۔

،کوئز مقابلہ ہو رہا تھا

سوال: کیاآپ پاکستان کے دو مشہور جڑواں

بھائیوں کے نام بتا سکتے ہیں؟

جواب: پہلے کا نام ہے 'نا معلوم 'اور

'دوسرے کا نام ہے 'عام آدمی

سوال: کیاآپ نے ان کو دیکھا ہے؟

جواب: جی نہیں، ان کو صرف حکمران دیکھ سکتے ہیں

سوال:ان دونوں میں کیا کیا خصوصیات ہیں؟

،جواب: قتل ہو، ٹارگٹ کلنگ ہو، چوری ہو یا لوٹ مار

ان تمام جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود

جو نہیں پکڑا جاتا وہ 'نا معلوم ' ہے

اور 'عام آدمی ' وہ ہے جس پر نہ تو مہنگائی

کا اثر ہوتا ہے اور نہ ہی کسی ٹیکس کا

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ گیارہ سے پندرہ

سو لفظوں کی کہانی نمبر 11۔۔۔۔آخری خواہش۔۔۔۔۔۔

انتیس مارچ 2015ء کو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے

درمیان میلبورن میں کرکٹ ورلڈ کپ کا فائنل تھا

فائنل سے قبل نیوزی لینڈ کے سابق کپتان مارٹن کرو

نے اپنے ساتھیوں کو ایک جذباتی پیغام بھیجا

جس میں مارٹن کرو کا کہنا تھا کہ مجھے کینسر ہے

ہوسکتا ہے یہ میری زندگی کا آخری ورلڈ کپ ہو

میری آخری خواہش ہے کہ میں اپنی ٹیم کو چیمپئن بنتا دیکھوں

افسوس مارٹن کرو کی آخری خواہش پوری نہ ہوئی

فائنل میں آسٹریلیا نے نیوزی لینڈ کو شکست دے دی

تین مارچ کو 53 سال کی عمر میں مارٹن کرو کا انتقال ہوگیا

۔۔

سو لفظوں کی کہانی نمبر 12۔۔۔۔کھدائی۔۔۔۔۔۔

مصطفیٰ کمال 2005ء سے 2009ء تک کراچی کے ناظم رہے

کراچی میں کام شروع ہوا تو ہر طرف کھدائی ہو رہی تھی

کراچی والے اُنکو مصطفیٰ کھدائی کہنے لگے
اُن کا دور کراچی کی ترقی کے حوالے سے یاد رکھا جائے گا
سال 2013ء میں مصطفیٰ کمال اور ایم کیو ایم کی قیادت کے
درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے
مصطفیٰ کمال ایم کیو ایم سے علیدہ ہو کر دبئی چلے گئے
تین سال کے بعد 3 مارچ کی صبح مصطفیٰ کمال کراچی پہنچے
اور اسی شام انہوں نے کھدائی کرڈالی
اس مرتبہ کھدائی کراچی کی نہیں بلکہ ایم کیو ایم کی ہوئی ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 13----لالچ------
سگنر چورنگی پر صدیق لوگوں سے موبائل چھین رہا تھا
وہ دس موبائل چھین چکا تھا کہ کسی نے اس پر گولی چلادی
وہ شدید زخمی تھا لیکن اسے چھینے ہوئے موبائل فونوں کی فکر تھی
ایک نوجوان شدید زخمی حالت میں جناح اسپتال
لایا گیا لیکن وہ ہلاک ہوگیا
پولیس ہلاک ہونے والے نوجوان کے گھر پہنچ گئی
اس کی بہن نے بتایا کہ صدیق زخمی ہونے کے باوجود
اپنی موٹر سائیکل پر موبائل فونوں کو چھپانے گھر آیا تھا

ایمبولنس کے زریعے وہ جناح اسپتال پہنچا
لیکن لالچ کی وجہ سے خون زیادہ بہہ چکا تھا
طبّی امداد کے دوران وہ چل بسا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 14۔۔۔۔پیدائشی۔۔۔۔۔۔

مرحوم ابراھیم جلیس پیر کالونی سے بس میں بیٹھے تھے
اگلے بس اسٹاپ سے بس میں ایک بچہ چڑھا
بچے کے ہاتھ میں سفید رنگ کے کارڈ تھے
بچے نے پوری بس میں تمام مردوں اور عورتوں کو کارڈ دیے
کارڈ پر عبارت چھپی ہوئی تھی جس میں لکھا تھا
یہ بچہ گونگا اور بہرا ہے لہٰذا اس کی مدد کریں
بچے نے لوگوں سے کارڈ واپس لینے شروع کیے
مرحوم ابراھیم جلیس نے اسکو کارڈ کے ساتھ
ایک روپیہ بھی دیا اور بچے سے پوچھا
بیٹا یہ بتاؤ گونگے اور بہرے کب سے ہو؟
بچے نے جواب دیا 'پیدائشی'

سو لفظوں کی کہانی نمبر 15۔۔۔۔دھرم شالا۔۔۔۔۔

نبیل ٹی ۔20 کا ورلڈ کپ کھیلنے بھارت جانے والا ہے

اماں نے پوچھا تو انہیں بتایا کہ انکا پوتا

بھارت میں دھرم شالا میں رہے گا

غصہ سے بولیں کیا برا وقت آگیا ہے

آپ اور ابا گھومنے جاتے تھے تو کہاں ٹھیرتے تھے؟

اماں فخر سے بولیں مسافر خانے میں

ہم کبھی دھرم شالا میں نہیں رہے

ہم اتنے غریب نہیں تھے

اماں یہ وہ دھرم شالا نہیں ایک شہر کا نام ہے

لیکن ہم نے اماں کو یہ نہیں بتایا کہ

دھرم شالا کو اردو میں مسافر خانہ کہتے ہیں

جہاں مسافر کم پیسوں میں ٹھیر جاتے ہیں

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ سولہ سے بیس

سو لفظوں کی کہانی نمبر 16۔۔۔۔ غم۔۔۔۔۔۔

اسلم نے بہت دن بعد الطاف حسین کی تقریر سنی تھی

وہ کہنے لگا بھائی کبھی کبھی گا کر بھی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں

جب ذوالفقار مرزا نے بھائی کے خلاف پریس کانفرس کی

تو بھائی نے ذوالفقار مرزا کو گا کر دھمکی میں جواب دیا

پردے میں رہنے دو پردہ نہ اٹھاو'

'پردہ جو اُٹھ گیا تو بھید کُھل جاے گا

لیکن تین مارچ کی مصطفیٰ کمال کی پریس کانفرنس کے بعد

بھائی بہت غمزدہ ہیں اور کل وہ تقریر میں گا رہے تھے

دشمن نہ کرے دوست نے وہ کام کیا ہے'

'عمر بھر کا غم ہمیں انعام دیا ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 17۔۔۔۔ کراچی ڈوب جائے گا۔۔۔۔۔۔

کراچی ڈوب جائے گا' کانفرنس بڑے زور و شور سے جاری تھی'

سینیٹر ساجد میر نے بتایا کہ کراچی 2060 تک سمندر میں ڈوب جائے گا

ماہرین نے تشویش کا اظہار کیا اور اس مسئلہ کو جلد حل کرنے پر زور دیا

آخر میں وزیر اعلی سندھ نے فرمایا کہ میں بہت بوڑھا ہوچکا ہوں اور 2060 بہت دور ہے

لہٰذا ہم نے کراچی کے تمام گٹروں سے گندے

پانی کو سڑکوں اور گلیوں میں بہنے کا انتظام کردیا ہے

یہ پروگرام کامیابی سے جاری ہے

ہمیں امید ہے کراچی ہمارے دور میں ہی گٹروں کے پانی میں ڈوب جائے گا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 18----- میزبانی------

آپریشن ضرب عضب کیا ہے؟

خوشی محمد کے اس سوال پر غصہ تو بہت آیا لیکن جواب میں کہا

گذشتہ بیس ماہ سے آپریشن ضرب عضب کے زریعے

پاکستانی فوج دہشتگردوں سے لڑرہی ہے

اور ان کے مضبوط ٹھکانوں کا خاتمہ کردیا ہے

خوشی محمد نے طنزیہ انداز سے پوچھا

کون سے دہشتگردوں سے لڑرہے ہو؟

کس کے ٹھکانے ختم کیے ہیں؟

کیاآپ نے مشیر خارجہ سرتاج عزیز کا بیان پڑھا ہے کہ

افغان طالبان کی قیادت پاکستان میں ہے اور اُن کے خاندان بھی

خوشی محمد کا آخری سوال تھا
ہم کب تک کرائے کے جہادیوں کے میزبانی کرینگے ؟

سو لفظوں کی کہانی نمبر 19 ---- جیسے کو تیسا ------
بھارت جانے سے قبل پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کپتان نے اعلان کیا ہے کہ
ہم اپنے کپڑوں ، بیٹ اور گیندوں کے علاوہ کلاشنکوف، ہینڈ گرینڈاور کریکر بھی ساتھ لائینگے
اس لیے اگر کوئی بھارتی شہری ہمارئے میچ کے دوران
اسٹیڈیم میں داخل ہواا تو اسکا انجام برا ہوگا
بھارتی کرکٹ بورڈ نے پاکستانی کپتان کے اس اعلان کے خلاف احتجاج کیا ہے
بھارتی وزیر داخلہ نے کہا ہے کہ
جبتک پاکستانی کپتان اپنا بیان واپس نہیں لیتے ہم اپنی ٹیم کو اسٹیڈیم نہیں آنے دیںگے
ماہرین کے مطابق پاکستانی کپتان کا اعلان
بھارتی شدت پسندوں کے لیے جیسے کو تیسا ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 20 ---- چار روٹی ------
روٹی لینے کے لیے ڈاکٹر الیاس لائن میں کھڑے تھے

ایک شخص انکے پاس آیا اور بولا

بابو جی چار روٹی کے پیسے دے دیں

میرے بچے بھوکے ہیں

ڈاکٹر الیاس نے کاونٹر سے چار روٹیوں کی پرچی لی اور اس شخص کے حوالے کردی

وہ شخص پرچی دیکھ کر بولا میں نے روٹی کے پیسے مانگے تھے روٹی کی پرچی نہیں

ڈاکٹر الیاس نے پوچھا اس سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے

وہ بولا آپ پیسے دیتے تو میں آگے جاکر کسی اور سے یہ ہی سوال کرتا

اپنی پرچی واپس لے لیں بیکار میں میرا ٹائم بھی کھوٹی کیا

الطاف حسین اور ایم کیو ایم کا مستقبل

مئی 2013ء کے عام انتخابات کے بعد متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) ایک بحرانی کیفیت سے دوچار ہوئی، جب کراچی میں پاکستان تحریک انصاف نے 8 لاکھ سے زائد ووٹ حاصل کیے تو ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے 19 مئی کو کارکنوں کے اجتماع میں رابطہ کمیٹی کو معطل کر دیا، جبکہ کارکنوں کی جانب سے کئی رہنماؤں کے ساتھ بدسلوکی بھی کی گئی تھی۔ تاہم اس واقعے کے بعد ایم کیو ایم کے معروف رہنماؤں نے یا تو پارٹی چھوڑ دی یا پھر انہیں ایک طرف کر دیا گیا۔ گذشتہ سال 11 مارچ کو ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر رینجرز نے چھاپا مارا اور کافی لوگوں کو گرفتار کیا، گرفتار ہونے والوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کو عدالت سے سزائے موت کی سزا مل چکی تھی۔ ایک مقامی اخبار کے سروے کے مطابق ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر رینجرز کے چھاپے کو 74 فیصد پاکستانیوں نے درست فیصلہ قرار دیا تھا جبکہ 25 فیصد نے اس کو غلط قرار دیا۔ ایم کیو ایم کو اپنے قیام کے بعد کئی مرتبہ اتار چڑھاؤ کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس جماعت کے خلاف تین بار آپریشن کیا جا چکا ہے، ریاستی سرپرستی میں اس کی دھڑے بندی کی جاچکی ہے، اس جماعت کے سربراہ جلاوطن ہیں لیکن اس جماعت نے جنرل اسلم بیگ اور جنرل پرویز مشرف کے زمانے میں مکمل اختیارات اور طاقت کا مزہ بھی چکھا ہے۔ فوجی کارروائیوں ،

مقدمات اور مشکلات کے باوجود اس جماعت کا ووٹ بنک اپنی جگہ برقرار رہا ہے اور یہ جماعت ہمیشہ سندھ کے شہری علاقوں سے جیتتی آئی ہے۔

کراچی میں 2013 سے جاری رینجرز آپریشن کی وجہ سے ایک بار پھر اس جماعت کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگ گئے ہیں۔ عام انتخابات کے قریب تین سال بعد 3 مارچ کی صبح سابق میئر کراچی مصطفیٰ کمال اور متحدہ قومی موومنٹ کی رابطہ کمیٹی کے سابق ڈپٹی کنوینز انیس قائم خانی کراچی پہنچے۔ اسی دن شام کو مصطفیٰ کمال نے ایک پریس کانفرس کی جس میں ان کے ہمراہ انیس قائم خانی بھی موجود تھے، مصطفیٰ کمال نے ایم کیوایم کے قائد الطاف حسین کو ہدف تنقید بناتے ہوئے سنگین الزامات کا نشانہ بنایا، جن میں الطاف حسین کے بھارتی خفیہ ایجنسی 'را' سے تعلقات اور 'منی لانڈرنگ' سرفہرست ہیں۔

مصطفیٰ کمال نے مختلف جرائم اور جرائم پیشہ لوگوں کے جرائم کا ذمہ دار بھی الطاف حسین کو قرار دیا۔ اپنی بات کو صرف دس منٹ میں ختم کرنے کا کہہ کر مصطفیٰ کمال 3 گھنٹے میں بھی اپنی بات مکمل نہیں کرپائے اور ابھی تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ ہر پیر اور جمعرات کو ایم کیوایم کو آفٹرشاک کے جھٹکے دے رہے ہیں، رضا ہارون کی ایم کیوایم سے علیحدگی ان کا ایک تازہ جھٹکا ہے۔ مصطفیٰ کمال کے علاوہ رضا ہارون نے بھی بتایا کہ الطاف حسین ہر وقت نشے کی حالت میں ہوتے ہیں اور یہ ہی وجہ ہے کہ رات کو وہ الزامات لگاتے ہیں اور صبح کو معافی

مانگ لیتے ہیں۔

مصطفیٰ کمال اس وقت آزادی سے الطاف حسین کو نشانہ بنا رہے ہیں جبکہ پاکستان میں الطاف حسین پر چند ماہ قبل لاہور ہائیکورٹ کی طرف سے یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ میڈیا نہ تو ان کے بیانات کو نشر کر سکتا ہے اور نہ ہی انہیں شائع کر سکتا ہے، یہاں تک کہ ان کی تصویر یا تصویری جھلکیاں بھی نشر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ پابندی چند ماہ پہلے ان پر لاہور ہائیکورٹ نے عائد کی تھی، جس کی وجہ ان کی کچھ متنازع تقاریر ہیں، جنھیں اسٹیبلشمنٹ کے حلقوں میں پسند نہیں کیا گیا۔ اگرچہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین 24 سال قبل پاکستان چھوڑ کر برطانیہ چلے گئے تھے لیکن ایم کیو ایم کی سیاست ان ہی کی مرہون منت ہے۔ ایم کیو ایم روز اول سے الطاف حسین کا دوسرا نام اور شخصیت پرستی کے اعتبار سے یہ پاکستان کی سب سے قابل ذکر جماعت ہے۔ ایم کیو ایم کے عام کارکن الطاف حسین سے ویسی ہی عقیدت رکھتے ہیں جیسے مرید اپنے پیر سے۔ تین بڑے آپریشن بھی اسے باہر سے ختم نہیں کر سکے۔ اب موجودہ حالات میں سوال یہ ہے کہ ایم کیو ایم کے ہمدردوں میں الطاف حسین اور ایم کیو ایم کا مستقبل کیا ہوگا۔ اور کیا مصطفیٰ کمال اور ان کے ساتھ شامل ہونے والا ایم کیو ایم کا دھڑا مہاجر ووٹ بنک کو اسی طرح متحد اور یکجا رکھ سکے گا جس طرح الطاف حسین اور موجودہ ایم کیو ایم نے گزشتہ کئی برسوں سے جوڑ رکھا ہے؟

ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ کراچی اور دوسرے شہروں میں آباد مہاجر یا اردو بولنے والوں کو ایم کیو ایم نے گذشتہ 30 سالوں میں کیا دیا؟ جواب میں لوگ کہتے ہیں بوری بند لاشیں اور خوف۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سندھ کے شہری علاقوں میں موجود مہاجر بار بار ایم کیو ایم کو ہی کیوں منتخب کرتے ہیں۔ بعض 'غیر مہاجر' اس حوالے سے مختلف تعصّبات کا شکار ہیں اور اپنے تجزیوں میں مہاجروں کو سمجھ بوجھ سے عاری قرار دیتے ہیں حالاں کہ یہ طبقہ پاکستان کا سب سے زیادہ باشعور طبقہ ہے لیکن بدقسمتی سے ایوب خان سے لے کر آج تک ہر حکمران ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتا رہا ہے۔

ایم کیو ایم کے قیام سے قبل 1970ء کے انتخابات میں کراچی کے عوام نے کراچی سے جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام اور پاکستان پیپلز پارٹی کو نمائندگی دی۔ کراچی کے صوبائی اسمبلی کے حلقہ نمبر 6 سے جو فیڈرل بی ایریا اور نیو کراچی پر مشتمل تھا اور مکمل مہاجروں کی آبادی ہے پاکستان پیپلز پارٹی نے ایک سندھی محمد علی گبول کو ٹکٹ دیا اور محمد علی گبول جماعت اسلامی کے مہاجر امیدوار کے مقابلے میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ لیکن اقتدار میں آنے کے بعد پیپلز پارٹی نے کراچی کے شہریوں کو تیسرے درجے کا شہری بنا کر رکھا۔بزرگ رہنما معراج محمد خان اس کی ایک مثال ہیں۔

جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام نے کبھی بھی کراچی کی نمائندگی کا حق ادا نہیں کیا اور آج بھی پاکستان کی کسی بھی چھوٹی بڑی سیاسی جماعت کو کراچی کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) کی مرکزی حکومت اور پاکستان پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت کو کراچی کے عوام اور ان کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن کراچی سے ہونے والی آمدنی پر ان کی نظر مستقل رہتی ہے۔ 2013ء کے انتخابات میں 8 لاکھ سے زیادہ ووٹ ملنے کے بعد بھی عمران خان یا ان کی پارٹی کے کسی رہنما نے کراچی میں کام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جس کا نتیجہ حلقہ این اے 246 اور بلدیاتی انتخابات کے نتائج سے لگایا جاسکتا ہے۔ ایم کیو ایم بار بار کیوں جیتتی ہے؟ اس لیے کیوں کہ مہاجر طبقے کی نمائندگی کرنے کے لیے کوئی متبادل سیاسی طاقت موجود نہیں، کیونکہ کراچی اور سندھ کے مہاجروں کے پاس الطاف حسین اور ایم کیو ایم کے سوا کوئی دوسرا رہنما اور جماعت موجود نہیں۔ ماضی میں کیو ایم کے رہنماوں پر مبنی ایک دھڑا ایم کیو ایم حقیقی کے نام سے سامنے لایا گیا تھا جو مقبول نہیں ہو سکا، کیا مصطفیٰ کمال اور ان کے ہم نوا بھی ایک اور ایم کیو ایم حقیقی ثابت ہوں گے یا نہیں اس کا جواب ملنا ابھی باقی ہے۔
گذشتہ 30 سال سے یہ ہی دیکھا گیا ہے کہ ایم کیو ایم اپنے خلاف ہونے والے

آپریشنوں کے دوران وقتی طور پر دفاعی انداز اختیار کرلیتی ہے لیکن جیسے ہی موقعہ ملتا ہے یہ پھر سے متحرک نظر آتی ہے۔ اس وقت ایم کیو ایم پر پارٹی کی حیثیت سے اس کے سینکڑوں کارکنوں پر ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری اور دوسرے جرائم کے مقدمے چل رہے ہیں جبکہ ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین کو برطانیہ میں عمران فاروق قتل کیس اور منی لانڈرنگ کے کیسوں کا سامنا ہے، پاکستان میں الطاف حسین اور بھارتی خفیہ ایجنسی 'را' کے ساتھ تعلقات کے الزامات کی تفتیش شروع ہو گئی ہے۔ ان تمام الزامات کے بعد بھی کیا مہاجروں میں الطاف حسین کو اب بھی پہلے جیسی ہی حمایت حاصل ہے یا ان کی حمایت میں کمی ہوئی ہے، اس کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ سات اپریل کو کراچی میں قومی اسمبلی کے حلقہ 245 اور سندھ اسمبلی کے حلقہ 115 میں انتخابات ہوں گے، عوام ایم کیو ایم کو کتنی تعداد میں ووٹ دیتے ہیں اس سے پتہ چل جائے گا کہ عوام کو ایم کیو ایم پر کتنا اعتماد ہے۔ 2013ء کے انتخابات میں عوام نے ایم کیو ایم کو قومی اسمبلی کے حلقہ 245 میں ایک لاکھ 15 ہزار 810 ووٹ اور سندھ اسمبلی کے حلقہ 115 میں 55 ہزار 804 ووٹ دیے تھے۔ صرف سات اپریل تک انتظار کرلیں پھر آپ کو عوام کی طرف سے اس سوال کا جواب مل جائے گا کہ عوام میں ایم کیو ایم کا مستقبل کیا ہوگا۔

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ اکیس سے پچیس

سو لفظوں کی کہانی نمبر 21۔۔۔۔ بھونکنا۔۔۔۔۔۔

دیوار برلن موجود تھی

مشرقی برلن سے ایک کتا مغربی برلن کے ایک کتے کے پاس مہمان آیا

میزبان نے مہمان کو اپنے پر آسائش جھولے میں آرام کرنے کو کہا

مہمان نے کہا نہیں میں سرمایہ دارانہ آسائش والا جھولا استمال نہیں کرتا

میزبان نے مہمان کو اپنے کھانے میں سے سب سے اچھی ہڈی دی

مہمان بولا نہیں میں سرمایہ داروں کی دی ہوئی ہڈیاں قطعی نہیں کھاتا

میزبان کتے نے پوچھا پھر تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟

مہمان کتے نے جواب دیا میں تھوڑی دیر بھونکنا چاہتا ہوں

جس کی میرے ملک میں قطعی اجازت نہیں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 22۔۔۔۔آرزو۔۔۔۔۔۔

سبیر بھاٹیا نے 1995 میں ہاٹ میل ایجاد کی

مائیکروسوفٹ کو 400 ملین ڈالر میں بیچ دی

دو سال مائیکروسوفٹ کے ساتھ کام کیا

ہاٹ میل بہت کامیاب ہوئی

سبیر بھاٹیا بھارت واپس آگئے

بھارت میں 'آرزو ڈاٹ کام' لانچ کی

کسی بڑے ادارے کی پشت پناہی نہیں تھی

جلد سبیر بھاٹیا کی 'آرزو' دم توڑ گئی

مصطفیٰ کمال ایم کیو ایم کے نمائندے کے طور

پر 2005 سے 2009 تک کراچی کے کامیاب ناظم رہے

تین سال پہلے الطاف حسین سے اختلاف ہوا

ایم کیو ایم سے علیدہ ہو کر دبئی چلے گئے

تین سال بعد واپس آئے ہیں کچھ 'آرزو' لیکر

سو لفظوں کی کہانی نمبر 23۔۔۔۔ حقوق نسواں۔۔۔۔۔

کچھ دن پہلے فرہاد نے شریں کو فون پر بتایا کہ

وہ اس سے شادی نہیں کرے گا

کیونکہ اب اسے لیلیٰ پسند آگی ہے

کل فرہاد کا فون آیا تو اس نے بتایا کہ

شریں نے اسکو آخری ملاقات کے لیے بلایا ہے

آج میں سرگودھا کے ایک اسپتال میں

فرہاد کے بیڈ کے ساتھ کھڑا تھا

فرہاد نے بتایا کہ کل شریں نے مجھ پر تشدد کیا
اور مجھے نیم بے ہوش کرکے فرار ہو گئی
بس مجھے ایک بات یاد ہے مجھ پر تشدد کرتے ہوئے
وہ بار بار پوچھ رہی تھی کیا تم نے حقوق نسواں بل نہیں پڑھا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 24۔۔۔۔گلشن اقبال۔۔۔۔۔
پ کا نام اقبال ہے اور آپ شاعر بھی ہیں آ
خدا نے آپ کو سب کچھ دے رکھا ہے
لیکن آپ کی ہوس ختم نہیں ہو رہی ہے
اقبال تو زندگی بھر انا اور خوداری کا درس دیتے رہے
وہ بولا اتفاق سے آج پوری قوم کا یہی حال ہے
میرے نام کے ساتھ اقبال لگا ہوا ہے
میں نے اس حوالے سے ایک قطعہ لکھا ہے
کیا کام عقابوں سے، نشیمن سے، انا سے "
دن رات کے جنجال میں رہتے ہیں بہت ہے
اقبال کے افکار سے تعلق ہے بس اتنا
"ہم گلشن اقبال میں رہتے ہیں بہت ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 25۔۔۔۔ کھانا کھل گیا۔۔۔۔۔

مونا باجی سے ملنے کا بہت دل چاہ رہا تھا

کل ان کے بیٹے کا ولیمہ تھا

ولیمہ میں گیا تو دیکھا مونا باجی مہمانوں میں گھری ہوئی ہیں

میں اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ گیا

بہت سارئے رشتہ داروں سے ملاقات ہوئی

'اچانک ایک طرف سے آواز آئی' کھانا کھل گیا ہے

ایک منٹ بعد دیکھا تو میرئے قریب کوئی نہیں تھا

اور سامنے موجود مونا باجی بھی اکیلی تھیں

سارئے مہمان کھانے کے حصول میں مصروف تھے

تب میں مونا باجی کے پاس پہنچ گیا

ملتے ہی بولیں میں تم سے ملنے کے لیے کھانا کھلنے کا انتظار کر رہی تھی

نوٹ: منظر امام صاحب نے اپریل 2011 میں سسپنس ڈائجسٹ میں ' زر پرست ' کے عنوان سے ایک چھوٹا سا مضمون لکھا تھا، کہانی نمبر 24 'گلشن اقبال ' اسی مضمون کی مدد سے بنائی ہے۔

دعا کریں کمانڈو واپس نہ آئے

اٹھارہ اگست 2008 کو سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف صدارت سے علیحدہ ہوئے تو اس وقت کی حکمران پیپلز پارٹی نے انہیں گارڈ آف آنر دے کر پورے عزت اور احترام کے ساتھ ایوان صدر سے رخصت کیا، اور کچھ عرصے بعد پرویز مشرف ملک سے باہر چلے گئے۔ پانچ سال بعد 24 مارچ 2013 کو وہ اس امید پر وطن واپس پہنچے کہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد ان کا استقبال کرے گی، ان کا خیال تھا کہ وہ اب بھی عوام میں بہت مقبول ہیں، لیکن ائرپورٹ پر لوگوں کی ایک مختصر جماعت ہی موجود تھی۔
جنرل پرویز مشرف بڑے طمطراق سے پاکستان پہنچے تھے حالاں کہ اُنہیں معلوم تھا کہ ان کے زمانہ اقتدار کے تمام سیاسی ساتھیوں نے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے آقا بدل لیے ہیں۔ اگر وہ تاریخ سے سبق سیکھ لیتے تو بہتر ہوتا لیکن شاید تاریخ سے انہوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا اس لیے جب وہ آئے تو ان کے کھاتے میں جرائم کی ایک لمبی فہرست تھی جس میں بے نظیر کے قتل کا الزام، این آر او، لال مسجد کا واقعہ، اکبر بگٹی کی ہلاکت، ججوں کو نظر بند کرنے کا جرم، آیئن سے انحراف اور ایمرجنسی کا نفاذ شامل تھے۔
اٹھارہ مارچ کی صبح چار بجے سابق صدر پرویز مشرف تین سال پاکستان میں رہنے

کے بعد واپس دبئی چلے گئے۔ سابق صدر کافی عرصے سے اپنے 'علاج' کی غرض سے ملک سے باہر جانا چاہتے تھے لیکن نواز شریف حکومت نے ان کا نام ای سی ایل میں ڈالا ہوا تھا اور حکومت کا یہ موقف تھا کہ سپریم کورٹ نے پرویز مشرف کا نام ای سی ایل میں ڈالنے کو کہا تھا۔ 16 مارچ کو سپریم کورٹ نے وفاقی حکومت کو اپنا کندھا استمال کرنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ حکومت خود فیصلہ کرے کہ پرویز مشرف کا نام ای سی ایل میں ہونا چاہیے یا نہیں، ساتھ ہی سپریم کورٹ نے یہ بھی وضاحت کی کہ پرویز مشرف کا نام ای سی ایل میں ڈالنے سے متعلق عدالت کا کوئی بھی تحریری حکم نامہ موجود نہیں ہے۔ پرویز مشرف کا نام پونے دوسال سے ای سی ایل پر تھا جبکہ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثاراب بھی جھوٹ بول کر لوگوں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہم نے عدالت کے کہنے اور مشرف کے وکیلوں کے وعدے پر انہیں علاج کے لیے باہر جانے کی اجازت دی ہے اور مشرف چھ ہفتے بعد واپس آکر مقدمات کا سامنا کریں گے۔ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار نے پرویز مشرف کے بیرون ملک جانے کے حق میں اس قدر زیادہ دلائل دیے کہ ایسا لگ رہا تھا کہ شاید وہ مسلم لیگ نواز کے نہیں پرویز مشرف کے وزیر ہیں، بات دراصل یہ ہے کہ تمام باتوں کے باوجود خود چوہدری نثار کو اپنی بات کا یقین نہیں۔

وزیر داخلہ نے کہا کہ خصوصی عدالت نے پرویز مشرف کو آزاد شہری قرار دیا

تھا، انہیں مشرف کے وارنٹ گرفتاری سے متعلق کوئی خبر نہیں تھی، نہ اس بارے میں اسلام آباد پولیس نے بتایا اور نہ ہی یہ وزارت داخلہ کا کام ہے۔ پرویز مشرف 12 اکتوبر 1999 سے لے کر 3 نومبر 2007 تک لگائے گئے تمام الزامات کا تن تنہا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ ان کے پیچھے کون ہے، وہ یہ سب کر چکے لیکن پھر بھی کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ ابتداء سے ہی حکومت کی اس حوالے سے کوئی حکمت عملی نظر نہیں آئی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پرویز مشرف کے خلاف 1999 کی بغاوت کا مقدمہ قائم کیا جاتا لیکن اس کے بجائے نومبر 2007 کی ایمرجنسی کا بنایا گیا، مقصد یہ تھا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ نواز شریف پرویز مشرف سے ذاتی انتقام لے رہے ہیں۔ اس سال جنوری میں عدالت نے 2006ء کے نواب اکبر بگٹی قتل کیس میں پرویز مشرف کو بری کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ سابق صدر کو دیگر چار مقدمات کا سامنا ہے، جن میں ہنگامی حالت کا نفاذ، عدلیہ کی غیر قانونی برطرفی، بے نظیر قتل کیس اور اسلام آباد کی لال مسجد میں ہونے والی ہلاکت خیز کارروائی شامل ہے۔

پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین بلاول زرداری سمیت کئی افراد نے پرویز مشرف کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ سے ہٹانے اور پھر انہیں علاج کے غرض سے ملک چھوڑ کر جانے کی اجازت دیے جانے کے فیصلے کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ بلاول زرداری نے مشرف کو بیرون ملک جانے کی اجازت دینے کے خلاف ملک بھر میں احتجاج

مظاہرے شروع کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ جبکہ سوشل میڈیا پر فیصل رضا عابدی نے ٹویٹ کی ہے کہ 'لال مسجد کارروائی، افتخار چوہدری کا معاملہ اور 3 نومبر کا اقدام، سب فیصلے آئینی تھے'، کوئی وجہ ہی نہیں تھی کہ ان کے خلاف مقدمات چلائے جاتے۔ ایک ٹی وی اینکر نے لکھا کہ 'مشرف کو جانا ہی تھا، سول فوجی تعلقات کا بہتر ہونا مشرف کے جانے پر ہی منحصر تھا، یہی پاکستان ہے'، جبکہ ایک دوسرے اینکر نے لکھا کہ 'مشرف اور زرداری کا علاج کے غرض سے ملک سے جانا ظاہر کرتا ہے کہ پاکستان میں صحت کا نظام کس خستہ حالی کا شکار ہے'۔

پرویز مشرف کے پاکستان آنے سے قبل مسلم لیگ (ن) اور اس کے ہمنوا یہ کہتے رہے کہ پرویز مشرف اب پاکستان نہیں آئیں گے، پھر جب تین سال پہلے وہ پاکستان آگئے تو اس کے بعد مسلم لیگ (ن) کے وزراء پرویز مشرف کی کردار کشی کرتے رہے۔ نواز شریف میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ وقتی طور پر خاموش ہو جاتے ہیں لیکن بدلہ لینے کی تاک میں رہتے ہیں۔ نواز شریف نے اپنی سی کوشش کی بھی لیکن اپنے سابق چیف کو بچانے کے لیے پاکستانی فوج آڑے آگئی اور نواز شریف پرویز مشرف کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ اس مرتبہ شاید وزیر داخلہ چوہدری نثار نے نواز شریف کو بہت اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ بہتر ہوگا سابق صدر کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں ورنہ کہیں 1999 کی تاریخ نہ دہرا دی جائے۔ نواز شریف کو یہ کسی صورت منظور نہیں تھا، لہذا سپریم کورٹ کے فیصلے کی آڑ لے

کر اور اپنے میں پرویز مشرف کو روکنے کی ہمت نہ پا کر تیسری مرتبہ وزیر اعظم بننے والے نواز شریف نے پرویز مشرف کو جانے دیا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو حکومت تنقید کی زد میں رہتی اور اب جانے دیا گیا ہے تو بھی اس پر تنقید کی جا رہی ہے۔ لیکن اس فیصلے کا فائدہ کسی کو ہو یا نہ ہو نواز شریف حکومت کو ضرور ہوگا کیونکہ اس فیصلے سے سول ملٹری تعلقات مزید مستحکم ہوں گے۔ نواز شریف اور ان کے ہمنواوں کو چاہیے کہ اب دعا کریں کمانڈو واپس نہ آئے کیونکہ ملک کے وزیر اعظم ہونے کے باوجود ان میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ پرویز مشرف کو ایک رات حوالات میں رکھ سکیں۔ عام طور پر خیال یہ کیا جا رہا ہے کہ سابق صدر کے واپس آنے کے امکانات بہت کم ہیں، لیکن اگر وہ واپس آتے ہیں تو حکومت کو پریشانی اور پاکستان فوج کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ چھبیس سے تیس

سو لفظوں کی کہانی نمبر 26۔۔۔۔ دھابے جی ۔۔۔۔۔۔

عرش منیر نے حیدر آباد کا کرایہ ادا کیا

اور ڈرائیور سے کہا جب دھابے جی آئے تو بتانا

بار بار دھابے جی کا پوچھنے پر ڈرائیور نے

بدتمیزی سے کہا اماں خاموش بیٹھو

بس میں دو پارٹیاں بن گیں

سب آپس میں لڑ رہے تھے کہ دھابے جی آگیا

چلو اماں اترو دھابے جی آگیا

اترنا نہیں ہے بھیا

تو پھر بار بار دھابے جی کا کیوں پوچھ رہی تھیں ؟

عرش منیر بولیں بھیا ڈرائیور آج میری طبیت خراب تھی

ڈاکٹر نے دو گولی دے کر کہا تھا ایک گولی ابھی کھالو

اور ایک جب دھابے جی آئے تب کھالینا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 27۔۔۔۔کاروباری اور کمانڈو۔۔۔۔۔

سیاست کے پروفیسر کاروباری اور کمانڈو کا فرق بتا رہے تھے
نواز شریف کو طیارہ ہائی جیکنگ کیس میں سزا ہوئی
حسین نواز اپنے والد نواز شریف کی گرفتاری کے بعد جدہ پہنچے
سعودی حکمرانوں سے اپنے والد اور چچا کی قید کی دھائی دی
دسمبر 2000 میں ایک لکھا ہوا معاہدہ طے پایا
دس دسمبر 2000 کو نواز شریف سعودی عرب چلے گئے
پرویز مشرف کو جمرات کی رات دبئ روانہ ہو جانا تھا لیکن
حکومت سابق صدر سے لکھ کر اس بات کی ضمانت مانگ رہی تھی کہ وہ واپس آینگے
پرویز مشرف صرف زبانی وعدۓ پر 24 گھنٹے کی تاخیر سے دبئ روانہ ہو گۓ

سو لفظوں کی کہانی نمبر 28۔۔۔۔پی ٹی وی۔۔۔۔۔
کل میرۓ آفس کی ساتھی کہہ رہی تھیں
ورلڈ ٹی ٹوئنٹی کے نشریاتی حقوق پاکستان ٹیلی وژن کے پاس ہیں
دہلی میں پاکستان اور بھارت کی خواتین کرکٹ ٹیم کا میچ تھا
سولہ اوورز کے اختتام پر بارش شروع ہو گئ
پاکستان دو رنز سے جیت گیا
پی ٹی وی ویمبلڈن ٹینس کے ویمن سنگلز اور ڈبل دیکھا چکا ہے
آج مکمل لباس والی کرکٹ ٹیم کی کوریج نہیں کر رہا

سراج الحق نے خواتین کی کرکٹ ٹیم کو مبارکباد دی ہے

ضیا الحق نہیں تو کیا ہوا

لبرل وزیراعظم کے دوست پی ٹی وی چیرمین عطا الحق قاسمی تو ہیں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 29۔۔۔۔جیب کترا۔۔۔۔۔

بس سے اتر کر جیب میں ہاتھ ڈالا تو پتہ چلاجیب کٹ چکی ہے

جیب میں نوئے روپے اور ماں کو لکھا ہوا پوسٹ کارڈ تھا

میں نے ماں کو لکھا تھا کہ ابھی پیسے نہیں بھیج پاونگا

کچھ دن گذرئے ۔۔۔ ماں کا خط ملا

خط پڑھا حیران رہ گیا !

بیٹا ! ایک ہزار روپے کا منی آرڈر مل گیا

کچھ دن بعد ایک اور خط ملا لکھا تھا

بھائی نوئے روپے تمارئے اور نو سو دس روپے

اپنے ملا کر منی آرڈر بھیج دیا تھا

ماں تو سب کی ایک جیسی ہوتی ہے نا !

وہ کیوں بھوکی رہے ؟۔۔۔ تمھارا جیب کترا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 30۔۔۔۔ نا معلوم۔۔۔۔۔

بلاول 19 سال کا تھا تب ظالموں نے اسکی ماں کو مار دیا

وہ اور اسکی بہنیں اپنی ماں کا غم منا رہے تھے

آصف زرداری مستقبل کی پلاننگ کر رہے تھے

الیکشن جیتا پیپلز پارٹی کی حکومت بنائی، خود صدر بنے

ملک کو لوٹ کر کنگال کر دیا

بیوی کے قاتل کو کبھی نہیں ڈھونڈا

اب بلاول 28 سال کا ہے

وہ مشرف کے بیرون ملک جانے سے بہت ناراض ہے

وہ پوچھ رہا ہے کہ اسکی ماں کا قاتل کون ہے

میں نے بے نظیر کی پولیٹکل سیکریٹری ناہید خان سے پوچھا

انہوں نے کہا قاتل نا معلوم ہے اور نا معلوم کبھی پکڑا نہیں جاتا

ورلڈ کپ: چور کی داڑھی میں تنکا

بھارت اور پاکستان کے تعلقات کبھی بھی اچھے نہیں رہے، پاکستان نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ بھارت اور پاکستان کے تعلقات اچھے ہوں تاکہ خطے کی ترقی کے لیے کچھ کیا جاسکے، لیکن بھارت کی کسی بھی حکومت نے کبھی اس قسم کی کوشش نہیں کی۔ آج صورتحال یہ ہے کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان ہونے والے کرکٹ میچوں میں بھی سیاست کا کافی عمل دخل ہوگیا ہے۔ آپ 2016 کا ورلڈ کپ ٹی 20 تو دیکھ ہی رہے ہیں، اب تو پاکستانی ٹیم کی واپسی بھی ہو گئی ہے، لیکن پاکستانی ٹیم کے جانے سے پہلے بھارتی انتہا پسند تنظیم شیوسینا نے پاکستان کرکٹ ٹیم کے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا ہوا تھا۔ 19 مارچ کو کولکتہ میں ہونے والا پاکستان اور بھارت کا میچ پہلے ہندوستانی ریاست ہماچل پردیش کے شہر دھرم شالا میں ہونا تھا لیکن پاک بھارت میچ سے پہلے ہی دھرم شالا میں انتہا پسندوں نے احتجاج شروع کردیا جبکہ انٹرنیشنل کرکٹ کونسل نے پاکستانی ٹیم کو سیکیورٹی دینے سے انکار کردیا، آئی سی سی کا کہنا تھا کہ گراؤنڈ کے اندر پاکستانی ٹیم کو سیکیورٹی دینا ہماری ذمہ داری ہے لیکن گراؤنڈ سے باہر سیکیورٹی نہیں دے سکتے۔ نام کے بہادر ریاست ہماچل پردیش کے وزیر اعلی ویربھادرا سنگھ نے انتہا پسندوں کی دھمکی کی وجہ سے دھرم شالا میں ہونے والے میچ کے لیے پاکستانی کھلاڑیوں کو سیکورٹی فراہم

کرنے سے معذرت کرلی تھی۔ وزیراعلی ویربھادرا سنگھ کا کہنا تھا کہ پاک بھارت میچ کے حوالے سے لوگوں میں اشتعال پایا جاتا ہے، اگر 19 مارچ کو گراؤنڈ کے باہر سابق فوجیوں نے احتجاج کیا تو ان کے خلاف کارروائی نہیں کریں گے، لہذا میچ کولکتہ منتقل کردیا گیا۔

بوم بوم شاہد آفریدی واقعی بوم بوم ہیں، وہ اپنی قوم کے لیے 2016 کا ورلڈ کپ ٹی 20 تو کیا جیتے انہوں نے اور ان کے ساتھ تمام کھلاڑیوں نے قوم کو بہت مایوس کیا ہے۔ پوری پاکستانی قوم کو اس بات کا دکھ ہے کہ آفریدی کی قیادت میں جانے والی ٹیم ورلڈ کپ کا صرف ایک میچ جیت سکی اور وہ بھی بنگلہ دیش سے۔ کیا بیٹنگ اور کیا بالنگ ہر شعبے میں ہماری ٹیم ناکام رہی ہے۔ شاہد آفریدی پورے ورلڈ کپ میں میدان میں رہتے ہوئے بوم بوم کا کوئی نظارہ نہیں دیکھا پائے لیکن میدان سے باہر انہوں نے دو مرتبہ بوم بوم کا نظارہ دیکھایا، انہوں نے پہلا نظارہ کولکتہ میں کی گئی اپنی پریس کانفرنس میں دکھایا جب انہوں نے پریس کانفرنس کے دوران ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ہندوستان کے لوگوں سے ہمیں بہت پیار ملا ہے اور اتنا پیار تو ہمیں پاکستان میں بھی' نہیں ملا جتنا یہاں ملا'۔ یہ ایک طرح کا سفارتی بیان تھا لیکن اس بیان پر انہیں پاکستان بھر میں شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا اور سابق کھلاڑیوں نے بحیثیت کپتان ان سے ذمہ دارانہ بیان دینے پر زور دیا، ایسا

نہیں کہ تمام سابق یا موجودہ کھلاڑیوں نے انکی مخالفت کی ہو، لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک تبصرہ پاکستانی کرکٹ کے لیجنڈ جاوید میانداد کا تھا جس میں انہوں نے شاہد آفریدی کے بیان کی مذمت کی تھی۔ان کا کہنا تھا کہ شاہد آفریدی کے بیان سے انھیں صدمہ اور تکلیف' پہنچی ہے۔ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑھ رہا کہ جاوید میانداد اپنے' گریبان میں جھانکیں تو انکو بھارت کا مشہور انڈر ورلڈ ڈان داود ابراھیم نظر آیگا جو انکا سمدھی ہے اور اس وجہ سے بھارت اکثر داود ابرھیم کو ڈھونڈتا ہوا پاکستان پہنچ جاتا ہے۔ بھارت میں کانگریس اور انتہاپسند تنظیم شیوسینا دونوں جاوید میانداد کے بھارت میں داخلے کے خلاف ہیں۔سابق پاکستانی کپتان عمران خان نے ایک بھارتی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ وہ جاوید میانداد کے بیان سے اتفاق نہیں کرتے۔

جب پاکستان کرکٹ ٹیم آئی سی سی ورلڈکپ ٹی 20 مقابلوں میں شرکت کے لیے بھارت کے شہر کولکتہ پہنچی تھی تو سینکڑوں شائقین نے ٹیم کا استقبال کیا تھا۔جب بھی پاکستان اور ہندوستان کرکٹ کا میچ کھیلنے کے لیے آمنے سامنے ہوتے ہیں تو دونوں طرف جذبات انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے سابق ہندوستانی کپتان سنیل گاوسکر کا ماننا تھا کہ پاکستان کے ٹی 20 کے کپتان شاہد آفریدی کا بیان کافی کارگر ثابت ہوگا اور کولکتہ میں کھیلتے ہوئے اس

سے شائقین کے پاکستان مخالفت جذبات میں کمی آ سکتی ہے۔ گاوسکر کا کہنا تھا کہ پاکستانی کپتان کا بیان ایڈن گارڈنز کے عوام کا دل جیتنے کیلئے پاکستان کی ایک حکمت عملی ہو سکتی ہے۔ سابق ہندوستانی کپتان نے ساتھ ساتھ یہ بھی باور کرایا کہ شاید آفریدی نے مخلصانہ نیت اور دل کی گہرائیوں سے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہوگا۔ گاوسکر نے کہا کہ آفریدی ان لوگوں میں سے ہیں جو دل سے بات کرتے ہیں، ان کے الفاظ میں بناوٹی پن نہیں ہے اور ممکنہ طور پر ہندوستان میں اپنے سابقہ تجربے کی بنیاد پر بات کر رہے ہوں گے۔ 19 مارچ کو کولکتہ کے ایڈن گارڈنز میں 70 ہزار تماشایوں نے بہت سکون سے یہ میچ دیکھا، یہ الگ بات ہے کہ بھارت نے یہ میچ 6 وکٹوں سے جیت لیا۔

شاہد آفریدی نے بھارت میں دوسری مرتبہ بوم بوم کا نظارہ اس وقت کروایا جب انہوں نے موہالی کے اسٹیڈیم میں ٹاس کے موقع پر گفتگو کرتے ہوئے ان کشمیری شائقین کرکٹ کا شکریہ ادا کیا جو اسوقت اسٹیڈیم میں موجود تھے۔ شاہد آفریدی نے کہا تھا کہ موہالی میں ہمارے بہت سے مداح ہیں، بہت سے لوگ کشمیر سے بھی پاکستان کرکٹ ٹیم کی حمایت میں آئے ہیں۔ شاہد آفریدی کا یہ بیان صرف کرکٹ کی حد تک تھا لیکن غاصب بھارتیوں کو اس بیان کو ہضم کرنا مشکل تھا، لہٰذا بھارتی کرکٹ بورڈ کے سیکریٹری انوراگ ٹھاکر نے کپتان شاہد آفریدی کی جانب سے کشمیریوں کی حمایت کے بیان پر انھیں تنقید کا نشانہ

بناتے ہوئے سیاسی بیانات سے پرہیز کرنے کو کہا۔ انوراگ ٹھاکر کا کہنا تھا کہ پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان کو اس قسم کا بیان نہیں دینا چاہیئے تھا،ان کا کہنا تھا کہ شاہد آفریدی کا بیان سیاسی طور پر درست نہیں۔ شاہد آفریدی کے اسٹیڈیم میں موجود کشمیری شائقین کرکٹ کا شکریہ ادا کرنے پر بھارتیوں کو آگ لگ گئی تھی اور بی سی سی آئی نے انہیں بیان دینے سے روک دیا تھا۔ شاہد آفریدی کا بیان قطعی سیاسی نہیں تھا، اگر بھارت آفریدی کے بیان کو نظر انداز کر دیتا تو یہ اس کے ہی لیےاچھا ہوتا کیونکہ پوری دنیا میں ورلڈ کپ کے میچ دیکھنے والوں کی تعداد شاید دو ارب کے قریب ہو گی، بھارت کی جواباً بیان بازی سے دو ارب افراد تک یہ پیغام لازمی پہنچا ہے کہ کشمیر بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک بڑا مسئلہ ہے۔ بھارت کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ اس مسئلہ کی بین الاقوامی تشہیر نہ ہو۔ لیکن 'چور کی داڑھی میں تنکا' کے مصداق انوراگ ٹھاکر پاکستانی کپتان شاہد آفریدی کے نادانستہ بولے ہوئے سچ کو برداشت نہ کر پائے۔

وزیراعظم کا گیارہ منٹ کا خطاب

وزیر اعظم نواز شریف کے بہت سارے کارناموں میں 28 مارچ کی شام ایک نئے کارنامے کا اضافہ دیکھنے کو ملا جب انہوں نے قوم سے خطاب کیا اور قوم کے قیمتی وقت کو بچاتے ہوئے گیارہ منٹ سے بھی کم وقت میں 27 مارچ کو لاہور میں ہونے والی دہشتگردی، راولپنڈی سے اسلام آباد تک کی غنڈہ گردی اور اربوں روپے کی املاک کی تباہی کے ساتھ ساتھ اپنے کارناموں، مخالفوں کی کوتاہیوں اور دہشتگردوں کو بھی انتباہ کیا۔ دہشتگردوں کو بھی انتباہ کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ دہشتگرد جان لیں ناکامی اور نامرادی ان کا مقدر ہے۔ اسی گیارہ منٹ میں وزیر اعظم نے غلط بیانی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے، انہوں اپنی تقریر میں فرمایا کہ ''ہم نے 2013ء میں حکومت سنبھالنے کے بعد پہلی بار دہشتگردی جیسے مسئلہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے حل کرنے کے لئے آپریشن شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپریشن ضرب عضب کے تحت پولیس اور افواج نے خون سے مہم کو پروان چڑھایا''۔ محترم وزیر اعظم صاحب لگتا ہے آپ پوری قوم کو بے وقوف سمجھ رہے ہیں، اس بات سے پوری قوم واقف کہ آپ تو خود طالبان دہشتگردوں کی چھاوں میں انتخابات جیت کر وزیر اعظم کی کرسی تک پہنچے ہیں۔ دوسری طرف لاہور کے گلشن اقبال پارک میں دھماکے کی ذمہ داری قبول کرنے والی کالعدم تنظیم جماعت الاحرار کے ترجمان

احسان اللہ احسان کا کہنا تھا کہ ''ان کا نشانہ عیسائی تھے، ہم وزیر اعظم نواز شریف کو یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ ہم لاہور میں داخل ہو چکے ہیں، وہ کچھ بھی کر لیں لیکن ہمیں روک نہیں سکتے اور ہمارے خود کش حملہ آور اس طرح کے دھماکے کرتے رہیں گے''۔

طالبان کے لفظی معنی کچھ بھی ہوں مگر ہمارے ملک میں طالبان عام طور پر دہشت گردوں کو کہا جاتا ہے، طالبان کے 45 سے زائد گروہ ہیں اور ہر گروہ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی قتل و غارت گری کی کسی بڑی مہم کا حصہ رہ چکا ہے اور اس کا اقرار بھی کرچکا ہے، ان گروہ میں سے کوئی عام انسانوں کا قتل عام کر رہا ہے تو کوئی فرقہ وارانہ قتل و غارت گری میں مصروف ہے، یہ اغوا برائے تاوان، بھتہ خوری، ٹارگیٹ کلنگ، منشیات کی اسمگلنگ، ڈکیتیوں اور دوسرے جرائم میں بھی مصروف ہیں۔ یہ صرف نام کے انسان ہیں خصلتیں سب کی درندوں جیسی ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) نے 6 جون 2013ء کو جب حکومت کی ابتدا کی تو نواز شریف اور اُنکے وزرا کی شدید خواہش یہ تھی کہ طالبان دہشتگردوں کے خلاف کسی بھی قسم کی کارروائی سے پہلے ان سے بات چیت کی جائے۔ بڑی کوششوں کے بعد23 جنوری 2014ء سے حکومت اور طالبان کے درمیان شروع ہوئے، دہشتگردی مسلسل ہورہی تھی اور جس وقت وزیر اعظم نواز شریف مذکراتی کمیٹی کا اعلان کررہے تھے اُس وقت بھی کراچی کی فضائیں یکے بعد دیگرے ہونیوالے دھماکوں سے گونج رہی تھیں۔

آٹھ جون 2014ء اتوار کی درمیانی شب کو کراچی کے جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر حملہ کیا گیا اور ایک مرتبہ پھر کراچی میں خون بہایا گیا۔

اتوار 15 جون کو افواج پاکستان نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن "ضرب عضب" کا آغاز کیا۔ پاکستانی قوم کو آئی ایس پی آر کے پریس ریلیز کے زریعے آپریشن شروع ہونے کی اطلاع ملی، آئی ایس پی آر کے پریس ریلیز کے مطابق شمالی وزیرستان میں حکومتی ہدایت پر باقاعدہ فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا ہے۔ نواز شریف جو طالبان دہشتگردوں کے خلاف آپریشن کے لیے تیار نہیں تھے کراچی ایئرپورٹ پر حملے کے بعد اُنہیں افواج پاکستان کے آپریشن کو قبول کرنا پڑا۔ شمالی وزیرستان میں باقاعدہ فوجی آپریشن کے بعد دہشت گردوں نے شمالی وزیرستان سے نکل کر ملک کے دوسرے حصوں خاص طور پر کراچی اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں اپنے ٹھکانے بنانے شروع کردیے۔ سیاسی تجزیہ نگار مستقل یہ کہتے رہے کہ ہمیں دہشت گردوں سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ساری ذمہ داری فوج پر نہیں ڈالنی چاہیے، سول انتظامیہ کو بھی اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ آپریشن ضرب عضب کے بعد یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ دہشتگردی میں کافی حدتک کمی آئی ہے لیکن مکمل خاتمہ کب ہوگا اس کے بارے اس سال کے شروع میں جنرل راحیل شریف کا کہنا تھا کہ 2016ء پاکستان میں دہشتگردی کے خاتمہ کا سال ہوگا۔ پورے پاکستان میں یکم جنوری 2016ء سے

مارچ تک دہشتگردی کی وجہ سے 93 افراد ہلاک ہوئے اور 210 افراد زخمی 20 ہوئے۔ 27 مارچ کو لاہور کے گلشن اقبال پارک میں ہونے والی دہشتگردی اس سال کی سب بڑی دہشتگردی ہے، جس میں سے 72 افراد ہلاک اور 300 سے زیادہ افراد زخمی ہوئے ہیں، ہلاک ہونے 72 افراد میں 29 بچے شامل ہیں۔

پاک فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے کور کمانڈرز کانفرنس میں، لاہور میں دہشت گردی کے واقعہ کا سخت نوٹس لیتے ہوئے صوبے میں رینجرز کو کارروائی کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ اطلاع بھی قوم کو پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل عاصم باجوہ نے دی ہے۔ فوجی ترجمان کے مطابق رینجرز کو پنجاب میں دہشت گردوں کا صفایا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لاہور میں خودکش دھماکہ سے جاں بحق ہونے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا لیکن حکومت کی طرف سے ایسی کوئی خبریں نہیں تھیں کہ عوام اپنے غصہ کو قابو میں رکھتے، لیکن پاک فوج کے آجانے اور اسکی موثر کارروائیوں کی وجہ سے حالات قابو میں رہے۔ایک طرف جنرل راحیل شریف نے فوری کارروائی کا حکم دیا تھا جبکہ دوسرئی طرف پنجاب کے وزیر قانون رانا ثنا اللہ ٹی وی ٹاک شو میں بیٹھ کر اس بات سے انکار کرتے رہے کہ صوبے میں فوج کو کارروائی کا اختیار دیا گیا ہے۔ ان حالات میں یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ فوج اور سول انتظامیہ ایک پیج پر نہیں ہیں۔ گذشتہ چھ ماہ سے فوج پنجاب میں آپریشن کرنا چاہ رہی تھی لیکن

نواز شریف حکومت وہی حرکتیں کر رہی تھی جو وہ آپریشن ضرب عضب شروع ہونے سے پہلے کر رہی تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آرمی چیف نے کسی کے حکم نہ ماننے کا حکم دیا ہے اور اس آپریشن کی خود کمانڈ سنبھال لی ہے۔ ڈی جی آئی ایس پی آر نے بریفنگ میں بتایا کہ لاہور، فیصل آباد اور ملتان میں گزشتہ رات سے اب تک متعدد آپریشن کیے ہیں، تمام ہی کارروائیاں فوج اور رینجرز کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ساتھ مل کی گئیں۔ آرمی چیف کو بتایا گیا کہ پنجاب کے مختلف اضلاع میں ہونے والے آپریشن میں مشتبہ دہشت گردوں اور ان کے سہولت کاروں کو بھی گرفتار کیا گیا، جن سے اسلحہ و بارود کی بڑی مقدار بھی برآمد ہوئی۔

بھارت کی خفیہ ایجینسی 'را' ایک عرصے سے پاکستان میں دہشتگردی کروا کر پاکستان کو داخلی طور کمزور کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے، مارچ کے شروع میں چمن کے علاقے سے 'را' کا ایک ایجنٹ کلبھوشن یادو گرفتار ہوا تھا۔ گرفتار ہونے والے بھارتی ایجنٹ کے بیانات سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بھارت اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ پاکستان میں کبھی امن قائم نہ ہو۔ پنجاب میں ایک عرصے سے دہشت گردوں کے خلاف کارروائیوں کے لیے ملک بھر سے آوازیں اٹھتی رہی ہیں، تاہم صوبائی حکومت دہشت گردوں کی موجودگی سے انکار کرتی رہی ہے۔ اگر دہشتگردوں کے خلاف منظم کارروائیاں پہلے کر لی جاتیں تو شاید آج یہ جانیں بچائی جا سکتی تھیں۔ نواز شریف جو حکومت کے سربراہ ہیں ان سے قوم کچھ عملی

اقدامات کی توقع کر رہی ہے جبکہ وزیراعظم نواز شریف کا گیارہ منٹ کا قوم سے خطاب
دراصل قوم کے ساتھ ایک مذاق تھا۔

اسلام آباد کا دھرنا ایک فساد تھا

وزیر اعظم نواز شریف نے پیر 28 مارچ کو کو قوم سے ٹیلی وژن پر خطاب کے دوران اسلام آباد کے ڈی چوک پر دھرنے کے شرکا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ’’کسی کو معصوم افراد کے مذہبی جذبات اکسانے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور حکومت کی برداشت کو کمزوری نہ سمجھا جائے‘‘۔ لیکن ان کی حکومت کی کمزوری تو اس وقت ہی کھل کر سامنے آگئی تھی جب سنی تحریک و دیگر مذہبی جماعتیں لبیک یارسول ﷺ کانفرنس کے بعد اتوار 27 مارچ کی دوپہر ممتاز قادری کے چہلم کے اختتام پر پنجاب حکومت سے اپنے کئے ہوئے معاہدے سے منحرف ہوگیں، معاہدے میں یہ طے ہوا تھا کہ چہلم کی فاتحہ کے بعد یہ پروگرام ختم ہوجائے گا اور لوگ اپنے گھروں کو چلے جاینگے۔

کانفرنس کے دوران تحریک کے رہنماوں نے تحریک کے دس نکاتی چارٹر آف ڈیمانڈ پر حکومتی ذمہ داران سے مذاکرات کرنے چاہے جو نہ ہوسکے، لہٰذا کانفرنس میں شریک مشتعل افراد نے اپنے مطالبات کے حق میں پارلیمنٹ ہاؤس کی طرف مارچ شروع کیا ۔ مظاہرین فیض آباد میں کھڑی کی گیئں رکاوٹیں ہٹاکر اسلام آباد میں داخل ہوگئے۔ مظاہرین نے اسلام آباد میں میٹرو اسٹیشنوں پر توڑ پھوڑ بھی

کی اور چار کنٹینر بردار ٹرکوں اور آگ بجھانے والی ایک گاڑی کو جلادیا تھا۔ بعد میں مظاہرین تمام رکاوٹیں ہٹاتے ہوئے ریڈ زون میں داخل ہو گئے۔ مشتعل مظاہرین نے پارلیمنٹ کا گھیراؤ کرنے کی بھی کوشش کی اور پارلیمنٹ پر دھرنا دیا، جلاؤ گھیراؤاور پتھراؤ کے باعث پاک فوج کو ریڈ زون میں آنا پڑا۔ ایک اندازے کے مطابق کرڑوں روپے کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔

پیر 28 مارچ کو وزیر داخلہ نے ایک اجلاس میں اسلام آباد کی سکیورٹی اور دھرنے کے شرکاء سے نمٹنے کی حکمت عملی پر غور کیا، اسلام آباد کے معروف تجارتی مرکز بلیو ایریا اور پریڈ ایونیو سے متعدد مظاہرین کو گرفتار کرکے مقامی تھانوں میں بند کردیا اور اسی شام وزیر اعظم نے قوم سے خطاب کیا۔ خبریں یہ بھی آرہی تھیں کہ اسلام آباد کے سرکاری ہسپتالوں میں بھی کسی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے طبّی عملے کو ہائی الرٹ رکھا گیا ہے۔ منگل 29 مارچ کی شب وزیر داخلہ چوہدری نثار نے دھرنے کے شرکاء کو پرامن طور پر منتشر ہونے کے لیے بدھ 30 مارچ بعد دوپہر ایک بجے تک کا وقت دیا تھا۔ تاہم حکومت اور انتظامیہ کے نمائندے مظاہرین کی قیادت سے بات چیت کرتے رہے اور بالآخر ایک غیر تحریری معاہدے کے نتیجے میں یہ دھرنا ختم کر دیا گیا۔ عوام کی جانب سے یہ سوال کیا جارہا ہے کہ پنجاب اور وفاق کی حکومتوں نے یکم مارچ کو ممتاز قادری کی تدفین کے موقع پر تو لاکھوں کی تعداد میں مظاہرین کو

کنٹرول کرلیا تھا لیکن وہ اس کے چہلم کے موقع پر چند ہزار مظاہرین کو ریڈ زون میں داخل ہونے سے کیوں نہیں روک سکی۔ ہنگامہ آرائی کے دوران مظاہرین نے راولپنڈی اور اسلام آباد میں میڈیا کے نمائندوں پر بھی تشدد کیا۔ کراچی پریس کلب پر بھی حملہ کیا گیا۔

بدھ کی شام اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر داخلہ چوہدری نثار نے کہا کہ آج شام پانچ بجے تک دھرنے کے شرکاء کے خلاف آپریشن کا فیصلہ ہو گیا تھا لیکن ڈیڈ لائن کے آخری لمحات میں قابل احترام شخصیات نے اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے کہا کہ آئندہ ریڈ زون میں بالعموم اور ڈی چوک میں بالخصوص کسی کو احتجاج کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ مظاہرین کی طرف سے جو مطالبات حکومت کو پیش کیے گئے تھے اُن میں توہین مذہب کے قانون میں کوئی ترمیم نہ کرنا، مظاہرین اور قائدین پر درج کیے گئے مقدمات کی واپسی اور اُن کی رہائی بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ مسیحی خاتون آسیہ بی بی سمیت توہین مذہب کے مقدمے میں عدالتوں سے سزا پانے والے افراد کی سزاؤں پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔ حکومت کی طرف سے ان مطالبات پر سنجیدگی سے غور کرنے کی یقین دہانی کے بعد مظاہرین نے احتجاج ختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار کا کہنا تھا کہ لوگوں میں 295 سی میں ترمیم کی افواہ پھیلائی گئی، حالانکہ 295 سی میں کوئی ترمیم زیر غور نہیں اور توہین

رسالت ﷺ قانون میں کوئی بھی ترمیم نہیں ہوگی۔

اگر آپ مظاہرین کے مطالبات پر غور کریں تو ان میں ایک بھی مطالبہ ایسا نہیں ہے کہ جسکو بنیاد بنا کر اسلام آباد میں چار روز تک دھرنا دیا گیا اور کرڑوں روپے کی املاک کو تباہ کیا گیا۔ دھرنے کے شرکا سیاسی حکومت سے مذاکرات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سنی تحریک کے سینیئر رہنما ڈاکٹر اشرف آصف جلالی نے کہا تھا کہ فوج کی ضمانت کے بغیر بات نہیں ہوگی۔ عجیب بات یہ ہے کہ اسلام آباد کے ریڈ زون کے ڈی چوک پر دھرنے دینے والے احتجاج تو سیاسی حکومت سے کرتے ہیں لیکن ضمانت انھیں فوج کی چاہیے ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ڈی چوک میں دھرنے کے نام پر جمع دو سے تین ہزار لوگ کون تھے، کیا یہ پاکستان کی بیس کروڑ کی آبادی کے نمائندے تھے یا یہ وہ لوگ ہیں جنکو انکے نام نہاد رہنما ٹشو پیپر کی طرح استمال کرتے ہیں، سامنے کی بات ہے چار دن پہلے ان سے کہا گیا کہ اسلام آباد میں دھرنا دو، دھرنا دیے دیا گیا، چار دن بعد کہا گیا کہ دھرنا ختم یہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ دھرنا دینے والے کسی عام ورکر کو بلا کر پوچھیں کہ دھرنا کیوں دیا اور پھر ختم کیسے ہوگیا تو پتہ چلے گا ان کو کچھ نہیں معلوم۔ تو پھر انہوں نے دھرنا کیوں دیا؟ تھوڑی سے معلومات جمع کرنے کے بعد حاصل جمع یہ ہوگا کہ یا تو ان کو اسلام کا نام لیکر استمال کیا گیا ہے یا پھر ضرورت مندوں کو تھوڑی بہت اجرت دی گئی ہے۔

اسلام آباد میں ہنگامہ آرائی کرنے والوں تک یقیناً لاہور میں ہونے والی دہشتگردی کی خبر پہنچ گئی ہوگی لیکن ان کے قائدین کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ صرف اور صرف اپنا سیاسی قد کاٹ بنانے میں مصروف تھے۔ ان پورے چار دن میں سے ایک منٹ بھی سنی تحریک کے کسی رہنما نے لاہور کے ان معصوم 72 افراد کا تذکرہ بھی کرنا گوارہ نہیں کیا جو دہشتگردی کا شکار ہوئے، اور ان 72 افراد میں 29 بچے تھے۔ 27 مارچ کو لاہور میں ہونے والی دہشتگردی ملک کی تاریخ کی ایک بڑی دہشتگردی تھی لیکن افسوس وہ سنی رہنما جو کراچی سے بھاگے ہوئے اسلام آباد صرف اس لیے پہنچے تھے کہ کوئی کشت و خون نہ ہو، کوئی بے گناہ نہ مارا جائے، انہوں نے ایک مرتبہ بھی لاہور کے مظلوموں کا ذکر نہیں کیا، شاید اس لیے کہ مرنے والوں میں زیادہ تر مسیحی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام آباد کا دھرنا ایک فساد تھا، اس ناکام دھرنے کو حکومت جب چاہتی ختم کرسکتی تھی۔ شاہ اویس نورانی اور حاجی رفیق پردیسی نے اسلام آباد میں جو مصالحت کا کردار ادا کیا وہ صرف سنی تحریک کے رہنماوں کی عزت بچانے کے لیے تھا اور کچھ نہیں، افسوس یہ ہے کہ حکومت نے بھی انکا ساتھ دیا۔

سنی تحریک کے دھرنے کا حلوہ کڑوا تھا

مولانا احمد رضا خان بریلوی، جو اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، حسان الہند جیسے القابات سے بھی جانے جاتے ہیں 1272ھ ۔ 1856ء میں پیدا ہوئے۔امام احمد رضا خان شمالی بھارت کے شہر بریلی کے ایک مشہور عالم دین تھے جن کا تعلق فقہ حنفی سے تھا۔ امام احمد رضا خان کی وجہ شہرت میں اہم آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں لکھے نعتیہ مجموعے اور آپ کے ہزارہا فتاوی کا ضخیم علمی مجموعہ جو 30 جلدوں پر مشتمل فتاوی رضویہ کے نام سے موسوم ہے۔ انہوں نے عربی، فارسی اور اردو میں ایک ہزار کے قریب کتابیں تصنیف کیں۔ بعض جگہ ان کتابوں کی تعداد چودہ سو ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اہلسنت کی ایک بڑی تعداد آپ ہی کی نسبت سے بریلوی کہلاتے ہیں اور پاکستان میں ان کی ہی اکثریت ہے۔

شاہ احمد نورانی جمعیت علماء پاکستان (نورانی) کے سربراہ تھے، انہیں قائد اہلسنت بھی کہا جاتا تھا۔ مولانا شاہ احمد نورانی پاکستان کے اسلامی دینی اور سیاسی میدان میں ایک قد آور شخصیت تھے۔ اگر ہم انکی سیاسی زندگی پر نظر ڈالیں گے تو بہت سی جگہ اختلاف کرنے کے باوجود ہم ان کو ایک بااخلاق انسان

پائینگے۔ مولانا نورانی سیاسی معاملات میں اگر کسی کی مخالفت کرتے بھی تھے تو کبھی بھی اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ 1990ء میں محمد سلیم قادری نے پاکستان سنی تحریک کی بنیاد رکھی لیکن انہیں مئی 2001ء میں شہید کر دیا گیا۔ آجکل ثروت اعجاز قادری پاکستان سنی تحریک کے سربراہ ہیں۔ پاکستان سنی تحریک کی یہ تاریخ رہی ہے کہ یہ ہمیشہ دہشتگردی کے مخالف رہے ہیں۔ سربراہ پاکستان سنی تحریک ثروت اعجاز قادری کا کہنا ہے ملک کو بحرانوں سے نکالنے اور دہشتگردی کے خلاف آخری سانس تک جہد مسلسل جاری رکھیں گے، دہشتگردوں کی حمایت اور پناہ دینے والوں کی کسی صورت حمایت نہیں کر سکتے۔

پاکستان سنی تحریک و دیگر مذہبی جماعتوں نے لبیک یارسول ﷺ کانفرنس کے بعد اتوار 27 مارچ کی دوپہر ممتاز قادری کے چہلم کے اختتام پر اپنے مطالبات کے حق میں پارلیمنٹ ہاؤس کی طرف مارچ شروع کیا۔ پولیس نے مظاہرین کو روکنے کی کوشش کی، اس دوران جھڑپوں میں متعدد مظاہرین اور پولیس اہلکار زخمی بھی ہوئے۔ آخر میں مظاہرین نے اسلام آباد کے ڈی چوک میں دھرنا دے دیا، یہ دھرنا چار روز کے بعد مظاہرین اور حکومت کے درمیان ایک غیر تحریری معاہدے کے بعد ختم ہو گیا۔ اس دھرنے میں جس قسم کی شرمناک حرکتیں اور گالم گلوچ کی گئی وہ باعث حیرت ہے اور ناقابل برداشت بھی۔ پاکستان سنی تحریک کے رہنما جو عالم دین بھی ہیں انکی حرکتوں سے پوری دنیا میں پاکستان کی بدنامی ہوئی ہے

لیکن شاید سنی تحریک کے رہنماوں کو اسکا احساس بھی نہیں ہے، افسوس ہوا جب کراچی میں مفتی منیب الرحمان صاحب نے فرمایا کہ مذہبی پُرجوش کارکنوں کے جذبات کا خیال رکھا جائے اور ڈی چوک پر دھرنا دینے والوں اور مظاہرہ کرنے والوں کے خلاف طاقت کا استعمال ہرگز نہ کیا جائے۔ شاہ احمد نورانی کے صاحبزادے اور جمعیت علماء پاکستان (نورانی) کے سربراہ شاہ اویس نورانی نے ایک ٹی وی چینل کے پروگرام میں گالیاں دینے والوں کا یہ کہہ کر دفاع کیا کہ نوجوان ہیں، غصے میں تھے اس لیے جذبات میں آکر یہ حرکتیں کر بیٹھے۔ گویا دونوں مذہبی اسکالر کے نزدیک ملک کے وزیر اعظم نواز شریف، انکی صاحبزادی مریم نواز، ممتاز مذہبی اسکالر طاہر القادری اور ملک کی ایک بڑی سیاسی پارٹی کے رہنما عمران خان کو مغلظات بکنا اور گالیاں دینا کوئی غلط بات نہیں ہے۔ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں 14 جنوری 2013ء کو طاہر القادری کا پہلا چار روزہ دھرنا، دوسری بار نواز شریف حکومت میں 14اگست 2014ء کو طاہر القادری کا دوسرا دھرنا اور تحریک انصاف کی جانب سے پاکستان کی سیاسی تاریخ کا سب سے طویل 126 روزہ دھرنا۔ طاہر القادری نے اپنے پہلے دھرنے میں بہت پرجوش انداز میں تقاریر کیں، مسائل بیان کیے، پیپلز پارٹی کی حکومت کو برا بھلا بھی کہا۔ خالی ہاتھ واپس گئے لیکن ایک مرتبہ بھی تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ دوسرے دھرنے میں طاہر القادری کے ساتھ عمران خان بھی شامل تھے،

طاہر القادری کا بلڈ پریشر بڑھا تو کفن لے آئے جس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یا تو میں پہنونگا یا نواز شریف کی حکومت ، دھرنا چھوڑ کر جانے تک ان کی زبان سے کوئی بے ہودہ لفظ نہیں سنائی دیا۔ عمران خان کے دھرنے میں عمران خان نے سب سے زیادہ اوئے'' کا لفظ استمال کیا مثلًا ''اوئے نواز شریف''، جس پر انکو ایک بد تمیز سیاستدان'' کہا جانے لگا۔ انکے دھرنے میں زیادہ اکثریت نوجوانوں کی تھی جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل تھے۔

اپنی سیاسی مخالفت میں مولانا فضل الرحمان نے عمران خان کے دھرنے کے بارے میں کہا تھا کہ عمران خان کے لوگ دن میں دھرنا دیتے ہیں اور رات کو مجرا کرتے ہیں، مولانا کے اس بیان کو خود ان کے ہمدردوں نے پسند نہیں کیا تھا اور پورے ملک میں اسکی مذمت کی گئی۔ ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین کو بھی اپنی زبان پر قابو نہیں اس لیے انہوں نے دھرنے کے شرکا اور تحریک انصاف کی ترجمان شیری مزاری کے بارے میں بے ہودہ کلمات کہے جس پر تحریک انصاف نے بھرپور احتجاج کیا، بعد میں الطاف حسین نے ایک ٹی وی چینل پر اپنے بیان پر معذرت کی اور شیری مزاری سے بھی ذاتی طور پر معذرت کی۔ مفتی منیب الرحمان فرمارہے تھے کہ اس سے پہلے بھی دھرنے ہوئے ہیں، مفتی صاحب کی بات بلکل درست کہ دھرنے ہوئے ہیں لیکن معذرت کے ساتھ پاکستان سنی تحریک کے دھرنے کی ایک بھی مثال نہیں ملتی جس میں موجود مذہبی شخصیات حکومت اور حریف مذہبی

اور سیاسی رہنماؤں کو ایسی گالیاں دے رہی تھیں جنہیں شاید کوئی بھی مہذب انسان سننا پسند نہیں کرتا ہے۔

سوشل میڈیا پر چلنے والی ایک ویڈیو میں اس دھرنے کے تعلق سے لاہور میں واپڈا ہاؤس کے سامنے ایک مولوی دوسرے چند لوگوں کے ساتھ لوہے کا ایک پائپ اٹھا کر وزیراعظم نواز شریف کے ساتھ برا سلوک کرنے کا کہہ رہا ہے۔ ڈی چوک کے دھرنے میں نواز شریف کے علاوہ انکی صاحبزادی مریم نواز کو بہت ہی غلیظ الفاظ سے نوازا گیا۔ دھرنے کے شرکا باپ بیٹی کے متعلق اپنے گھٹیا ریمارکس دیتے رہے۔ ڈی چوک کی سڑکوں کو بھی اپنے گندے نعروں کے لیے استعمال کیا، وہاں موجود کنٹینر گندی گالیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ عمران خان کے بیان پر کہ ''ہمارے دھرنے کا اس دھرنے سے موزانہ نہ کریں'' مولانا خادم حسین نے عمران خان کو گندی گالیاں دیں۔ طاہر القادری کو بھی مولانا خادم حسین نے دل کھول کر گالیاں دیں۔ مسلکی اختلاف کے باوجود جو رائے عامہ ممتاز قادری کے حق میں تھی، اب اس کا کہنا ہے کہ سنی تحریک کے دھرنے کا حلوہ کڑوا تھا۔ کوئی کیسے مان لے کہ یہ عاشق رسول ﷺ ہیں؟ لوگ مذہب کتابوں سے نہیں، افراد اور معاشروں سے سیکھتے ہیں۔ اگر خود یہ رہنما ایسی شرمناک گالیاں دیتے ہیں، تو ان کے زیر تعلیم رہنے والوں کی اخلاقی تربیت اور حالت کیسی ہو گی، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ اکتیس سے پینتیس

سو لفظوں کی کہانی نمبر 31۔۔۔۔ زہریلی شراب ۔۔۔۔۔۔

بھٹو صاحب کے زمانے میں لیاری میں

زہریلی شراب پینے سے 25 افراد ہلاک ہوگئے

پیپلز پارٹی کراچی آفس میں مرنے والوں کے لیے فاتحہ خوانی کے دوران

ایک صاحب بولے شرابیوں کے لیے فاتحہ خوانی

کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے

جنرل سیکریٹری عبدالسلام اختر شرکا سے بولے

آپ میں سے بہت سوں نے میرے ساتھ بیٹھ کر شراب پی ہے

ہمیں مطالبہ کرنا چاہیے کہ معیاری شراب کی قیمت کم کیجائے

تاکہ غریب شرابی زہریلی شراب پینے سے بچ سکے

شراب کی قیمت کم نہیں ہوئی

تازہ ترین خبر کے مطابق ٹنڈو محمد خان میں زہریلی شراب پی کر 61 افراد مرچکے ہیں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 32۔۔۔۔ کرکٹ ۔۔۔۔۔۔

پاکستانی کرکٹ ٹیم بنگلہ دیش میں
ایشیاکپ کھیلتے ہوئے بنگلہ دیش سے ہار گئی
سوشل میڈیا پر ایک دل جلے پاکستانی نے حسینہ واجد کو لکھا
پاکستان کی پوری ٹیم کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے
حسینہ واجد کے پڑھنے سے پہلے ٹیم پاکستان پہنچ گئی
شیو سینا کی دھمکیوں کی وجہ سے ٹیم کی بھارت روانگی تاخیر سے ہوئی
ٹی۔20 ورلڈ کپ کا پہلا میچ بنگلہ دیش سے جیتا
کمبخت سب خاموش رہے
دو دن بعد بھارت سے ہار گئے
اگلے دن سوشل میڈیا پر پیغام تھا
...پیارے شیو سینا والے بھائیو
آفریدی گائے کا گوشت کھاتا ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 33۔۔۔۔ڈی چوک۔۔۔۔۔۔
میرے خاندان کا تعلق لکھنو سے تھا
والد کی تربیت امراو جان ادا کے کوٹھے پر ہوئی تھی
والد سے جو بھی ملتا ان کی گفتگو کی بہت تعریف کرتا
پاکستان آئے تو کوٹوں پر تربیت کا سلسلہ ختم ہوگیا

والد نے میری تربیت کی لیکن میں ایسا نہ کرسکا
میں نے بیٹے کو ممتاز قادری کے چہلم پر بھیجا
سوچا مذہبی رہنماں کی صحبت میں رہے گا تو اچھی تربیت ہو جائے گی
چار دن مذہبی رہنماوں کے ساتھ ڈی چوک میں تربیت حاصل کی
کل واپس آیا تو میں نے پوچھا بیٹا کچھ سیکھا
وہ بولا ہر قسم کی گالی

سو لفظوں کی کہانی نمبر 34-----یتیم------
میں اور قاسم کافی عرصے گیس کمپنی میں ساتھ رہے
آج پانچ سال بعد قاسم ملا تو اس نے بہت بیتاب ہو کر پوچھا
زندگی کیسے گزر رہی ہے
بہت اچھی، اور تماری؟
قاسم بولا یتیم ہوں میرا بیٹا اور بہو میرا خیال رکھتے ہیں
کیا مطلب؟ میں نے پوچھا
وہ بولا، میرے سمدہی واعظ کرتے ہیں
ایک دن انہوں واعظ میں فرمایا
جنت میں جانا ہے تو یتیموں کا خیال رکھو
میں نے اپنی بہو کو سمجھایا کہ یتیم تو میں بھی ہوں

میرے بھی ماں باپ مر چکے ہیں
بس اس دن سے کھانا بھی مل جاتا ہے اور دھلے ہوئے کپڑے بھی

سو لفظوں کی کہانی نمبر 35-----اداکاری------
نازیہ اسٹیج کی بہترین اداکارہ تھی
کمال جس کو وہ بہت چاہتی تھی اس سے شادی کے بعد اس نے اداکاری چھوڑ دی
سب کچھ ٹھیک تھا کہ اچانک کمال کا ایکسیڈنٹ ہو گیا
اس کو ہسپتال میں داخل کرایا
کمال کی اجازت سے ڈراموں میں دوبارہ کام شروع کیا
ڈرامہ چل رہا تھا اور نازیہ کے رونے کا سین شروع ہوا ہی تھا کہ
اس کے گلے میں پڑے ہوئے موبائل پر ایک ایس ایم ایس آیا
کمال کا انتقال ہو گیا
وہ رونے لگی اور روتی ہی چلی گئی
ہال میں بیٹھا ہوا ہر شخص اس کی اداکاری پر تالیاں بجا رہا تھا

پاناما پیپرز اور شوکت خانم ہسپتال

کسی بھی دوسرے ملک میں آف شور بینک اکاؤنٹس مالیاتی لین دین کے نگران اداروں سے یا ٹیکس سے بچنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کمپنیاں یا شخصیات اس کے لیے عموماً شیل کمپنیوں کا استعمال کرتی ہیں جس کا مقصد اصل مالکان کے ناموں اور اس میں استعمال فنڈز کو چھپانا ہوتا ہے۔ ایک سال قبل کسی نامعلوم شخص نے جرمنی کے سب سے بڑے اخبار زیدوچے سائتونگ سے رابطہ کیا اور اخبار کو موساک فونسیکا کی اندرونی دستاویزات فراہم کرنے کی پیشکش کی۔ اخبار نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور آنے والے مہینوں میں اس نامعلوم ذریعے کی جانب سے بھجوائی جانے والی دستاویزات کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور اس سارے ڈیٹا کا حجم 2.6 ٹیرا بائیٹ تک پہنچ گیا۔ یہ سب کچھ فراہم کرنے والے ذریعے نے اس کے بدلے میں کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ سکیورٹی کے بارے میں چند یقین دہانیاں مانگیں۔ موساک فونسیکا پاناما کی ایک لا فرم ہے جس سے ایک کروڑ دس لاکھ خفیہ دستاویزات افشا ہوئیں۔ ان دستاویزات کے افشا ہونے سے پتہ چلا ہے کہ دنیا بھر کے بڑے سرمایہ دار اور طاقتور افراد اپنی دولت کیسے خفیہ رکھتے ہیں۔ دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح موساک فونسیکا کے گاہکوں نے کیسے منی لانڈرنگ کی پابندیوں سے بچے اور ٹیکس چوری کی۔ مثلاً ایک کیس میں اس لا کمپنی نے ایک

امریکی لکھ پتی کو جعلی مالکی حقوق کے دستاویزات دیے تاکہ حکام سے دولت چھپا سکے۔ یہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے جو منی لانڈرنگ کو روکنے اور ٹیکس چوری کو روکنے کے لیے ہے۔

ٹیکس سے بچنے کے قانونی طریقے بھی ہیں لیکن زیادہ تر جو ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ دولت کے حقیقی مالک کی شناخت کو چھپانا، دولت کیسے حاصل کی اور اس دولت پر ٹیکس نہ دینا۔ایک الزام یہ ہے کہ شیل کمپنیاں بنائی جاتی ہیں جو کہ ظاہری طور پر تو قانونی ہوتی ہیں لیکن یہ ایک کھوکھلی کمپنی ہوتی ہے۔ان دستاویزات میں سابق اور موجودہ سربراہان مملکت کے نام ہیں بشمول ان آمروں کے جن پر ملک کی دولت لوٹنے کے الزامات ہیں۔ان دستاویزات کے مطابق سربراہان مملکت اور دیگر سیاستدانوں کے ساتھ کے قریب رشتہ دار اور رفقا کے نام بھی آئے ہیں۔ روسی صدر پوتن کے قریبی رفقا، چینی صدر کے بہنوئی، یوکرین کے صدر، ارجنٹینا کے صدر، برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کے آنجہانی والد کا ان فائلز میں ذکر ہے۔پاناما لیکس کے باعث بڑے بڑے ممالک کی اہم شخصیات میں کھلبلی مچ گئی ہے جبکہ آئس لینڈ کے وزیر اعظم پاناما لیکس کے پہلے شکار ہیں جنھوں نے عوام کے پرزور احتجاج پر اپنے منصب سے استعفیٰ دیدیا ہے۔

،ان دستاویزات میں وزیر اعظم نواز شریف کے تین بچوں مریم نواز، حسنب نواز

حسن نواز، سابق وزیر اعظم مرحوم بینظیر بھٹو اور سابق وزیر داخلہ رحمان ملک اور حسن علی جعفری کے ساتھ ساتھ 200 پاکستانیوں کے نام شامل ہیں! پاناما پیپرز کی لیکس نے پاکستان کی سیاست ہل چل مچادی ہے، پاکستان کی تیس سالہ دور اقتدار کی بڑی جماعتوں کے لیے یہ ایک بڑی خبر ہے، اس بڑے سیاسی دھماکہ سے ایوان اقتدار لرز اُٹھا ہے۔ وکی لیکس کے بعد پاناما پیپرز کی لیکس بھی منظر عام پر آگئیں، نجی ٹی وی کے مطابق کس کا کتنا کالا پیسہ باہر موجود ہے دستاویزی ثبوت منظر عام پر آگئے۔ دنیا کے بارہ سربراہان مملکت کا کالا دھن منظر عام پر آگیا، کالا دھن چھپانے والے شریف خاندان کے بعد پیپلز پارٹی بھی زد میں آ گئی ہے۔ ایک نجی ٹی وی کے مطابق پاناما پیپرز کی لیکس میں بتایا گیا ہے سابق وزیر اعظم پاکستان مرحوم بینظیر بھٹو، سابق وزیر داخلہ رحمان ملک اور حسن علی جعفری ان تینوں نے برٹش ورجن آئی لینڈ میں پیٹرو لائن انٹر نیشنل کے نام سے کمپنی قائم کی۔

تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے وزیر اعظم پاکستان اور ان کے اہل خانہ کا پاناما پیپرز کی لیکس میں نام شامل ہونے پر ان سے استعفے کا مطالبہ کیا ہے، انہوں نے کہا کہ دستاویزی ثبوت منظر عام پر آگئے ہیں اور اس میں نواز شریف کے بیٹے حسنر نواز، حسن نواز اور بیٹی مریم نواز کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہے۔ عمران خان نے کہا کہ ہماری باتیں سچ ثابت ہوگئیں الیکشن کمیشن نے

ن لیگ کو ہمیشہ بچایا اب کیسے بچائیں گے۔ جو کچھ ٹی وی چینل پر حسین نواز کہانی سنا رہے ہیں کہ سعودی عرب میں سیمنٹ کی فیکٹری قائم کرکے اس سے پیسہ کمایا اور اسکو بیچ کر برطانیہ میں بزنس کیا اور آج اربوں کے مالک ہیں، سفید جھوٹ ہے، اتنی جلدی اتنا پیسہ جائز طریقے سے نہیں کمایا جاسکتا۔ اصل کہانی کچھ یوں لگتی ہے کہ وزیر اعظم کے سمدھی اور ملک کے وزیر خزانہ اسحاق ڈار کو منی لانڈرنگ کا ہنر بہت اچھی طرح آتا ہے، اور وہ اسکا اقرار بھی کرچکے ہیں اور شاید یہ ہی وجہ ہے کہ پاناما خفیہ دستاویزات میں نواز شریف کے بچوں کے نام موجود ہیں۔

عاصم ایاز مقیم پیرس نے اپنے مضمون ''سٹیل کو سونا بنانے کا کاروبار'' میں لکھا ہے کہ حسین نواز کی سعودی عرب میں قائم کردہ ہل مٹل سٹیل کمپنی دنیا کی 100 بڑی سٹیل'' کمپنیوں میں بھی شامل نہیں۔ اس کی کل سالانہ پیداوار کمپنی پروفائل کے مطابق 5 سے لاکھ ٹن سالانہ ہے۔ جبکہ کمپنی ملازمین کی تعداد 385 یا اس سے کچھ اوپر ہے۔ دنیا 10 کی 20 ویں بڑی کمپنی روس کی نوسلیکٹس ہے جس کی سالانہ پیداوار 1 کروڑ 60 لاکھ ٹن اور ملازمین کی تعداد 61700 ہے۔ روسی کمپنی کا شرح منافع سال 15/2014 میں سب سے زیادہ رہا۔ اس نے 1 کروڑ 60 لاکھ ٹن سے زائد سٹیل کی پیداوار پر تقریبا ملین ڈالر کا خالص نفع حاصل کیا۔ اس کا مطلب ہے حسین نواز کی چھوٹی سی کمپنی 800 نے 6 سال میں کم از کم 2000

ملین ڈالر کا نا قابل یقین منافع حاصل یقینا کوئی نہ کوئی ریکارڈ توڑا ہوگا۔ اس نے کمپنی کتنا قرض لے کر کھولی تھی؟ جو اس نے نہ صرف لوٹا دیا بلکہ اپنے لیے بھی 2000 یا 1800 ملین ڈالر کے قریب رقم بچا گیا؟"

حسب دستور وفاقی وزیر اطلات پرویز رشید اور دوسرے وزرا جو ماہانہ آٹھ کروڑ روپے سے زیادہ تنخواہ تو سرکاری خزانے سے لیتے ہیں لیکن نوکری نواز شریف اور انکے اہل خانہ کی کرتے ہیں، ان وزرا نے حسب دستور نواز شریف کے بچوں کی صفایاں دینی شروع کردیں، جن میں پیش پیش وزیر اطلات پرویز رشید ہوتے ہیں۔ حسین نواز، حسن نواز کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ موجودہ وزیراعظم نواز شریف کے صاحبزادے ہیں، لیکن وزیر اطلاعات انکی صفایاں وزارت اطلاعات کے دفتر میں کھڑے ہو کر فرما رہے ہیں جو کسی بھی طرح صیح نہیں۔

اسلام آباد میں ڈی چوک پر دھرنا اور لاہور میں دہشتگردی کے واقعات 27 مارچ کو ہوئے اور 28 مارچ کی شام وزیراعظم نواز شریف نے قوم سے خطاب کیا جو صرف 11 منٹ کا تھا لیکن چار اپریل کو وزیراعظم کا خطاب 13 منٹ 46 سیکنڈ کا تھا جس میں انھوں صرف اور صرف اپنے خاندان کی بات کی ہے، یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے صرف اتفاق فاونڈری کو ہی سرکاری تحویل میں

نہیں لیا تھا بلکہ دوسری صنعتوں کو بھی سرکاری تحویل میں لیا تھا۔ چار اپریل کا وزیراعظم کا قوم سے خطاب بے مقصد تھا سوائے اس کے کہ انہوں ایک جوڈیشنل کمیشن کے قیام کا اعلان کیا جس کو تمام اپوزیشن جماعتوں نے مسترد کردیا بلکہ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے تو نواز شریف کو یہ کہا ہے کہ وہ معلوم کریں کہ انکو تقریر کرنے کے لیے دھکا کس نے دیا تھا۔ نواز شریف کی تقریر کے بعد انکے بہت ہی ہمدرد دانیال عزیز نے عمران خان اور شوکت خانم ہسپتال کے مالی معاملات کے بارے ایک پریس کانفرنس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اس میں دھاندلی کیں گیں ہیں، شرم آنی چاہیے دانیال عزیز کو اس قسم کے الزام لگانے پر جس پر کوئی یقین ہی نہ کرے۔ اول تو پاناما پیپرز کا شوکت خانم ہسپتال سے دور دور واسطہ نہیں، اور ابھی تک عمران خان کے بارے میں یہ رائے عام ہے کہ چاہے وہ اچھے سیاستدان ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ ایک اچھے سوشل ورکر اور نہایت ایماندار انسان ہیں۔

وزیراعظم کے جوڈیشنل کمیشن کو سب نے رد کردیا ہے اور تمام حزب اختلاف نے مطالبہ کیا ہے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی نگرانی میں ایک انکوائری کمیشن بنایں اور اسکو ایک محدود مدت میں اپنی سفارشات پیش کرنے کا پابند کیا جائے۔ انکوائری کمیشن کی رپورٹ کو شایع کیا جائے اور اسکی دی ہوئی سفارشات پر عمل کیا جائے۔ وزیر اعظم اگر واقعی مظلوم ہیں جس کا بھرپور تاثر انہوں نے

چار اپریل کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے دیا ہے تو بہتر ہوگا کہ وہ اپنے جوڈیشنل کمیشن یا انکوائری کمیشن کو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی نگرانی میں دے دیں تاکہ قوم کو اصل حقایق معلوم ہو سکیں۔ ویسے یقین ہے کہ نواز شریف صاحب آئیس لینڈ کے وزیراعظم کے انجام سے لازمی واقف ہونگے جو پاناما لیکس کے پہلے شکار ہیں جنھوں نے عوام کے پرزور احتجاج پر اپنے منصب سے استعفٰی دیدیا ہے۔آخری خبریں آنے تک قومی اسمبلی میں موجود حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کے نمائندوں نے وزیراعظم نواز شریف سے اپنا منصب چھوڑنے کا مطالبہ کیا ہے۔

ضمنی انتخابات میں عوام کی عدم دلچسپی

کراچی میں قومی اسمبلی کے حلقے این اے 245 اور سندھ اسمبلی کے حلقے پی ایس 115 کی دونوں نشستیں ایم کیو ایم کی چھوڑی ہوئی تھیں، 7 اپریل 2016ء کے انتخابات میں دونوں نشستیں ایم کیو ایم کو واپس مل گیں۔ حلقہ این اے 245 کی نشست ایم کیو ایم کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر ریحان ہاشمی کے قومی اسمبلی سے مستعفی ہونے کی وجہ سے خالی ہوئی تھی جبکہ حلقہ پی ایس 115 کی نشست ارشد وہرا کے ڈپٹی میئر منتخب ہونے پر خالی ہوئی تھی۔ الیکشن کمیشن کے انتخابی پروگرام کے اعلان کے بعد کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ حلقہ 245 میں کافی اچھا مقابلہ ہوگا۔ اس کے بہت سارے عوامل موجود تھے جن میں سے ایک مصطفیٰ کمال کی آمد بھی تھی، لیکن مصطفیٰ کمال اینڈ کمپنی نے اپنے آپ کو ان ضمنی انتخابات سے دور رکھا۔ این اے 246 اور بلدیاتی انتخابات میں اپنی شرمناک شکست کے بعد جماعت اسلامی کو شاید یہ ہی خیال آیا ہوگا کہ بس بہت ہوگیا، ہم تو کراچی کو استنبول بنا کر دینا چاہ رہے تھے لیکن یہ کراچی والے تو ہمارے بارے میں پکی رائے قائم کرچکے ہیں کہ ہم دہشتگردوں کے بھائی ہیں، لہذا جماعت اسلامی جو اپنے آپ کو کراچی کا ٹھیکدار سمجھتی ہے اس مرتبہ کراچی کے ضمنی انتخابات سے ایسے ہی غائب تھی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ پیپلز

پارٹی جس نے حلقہ این اے 246 کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا، اس نے حلقہ این اے 245 اور حلقہ پی ایس 115 کی دونوں نشستوں پر اپنے امیدواروں کو کھڑا کیا اور دونوں کی ضمانت ضبط ہو گئی۔ باقی دونوں حلقوں میں اور بھی امیدوار تھے جن میں حلقہ پی ایس 115 میں آفاق احمد کی مہاجر قومی موومنٹ بھی تھی جس کے لیے باعث شرم تھا کہ اس کے امیدوار کو صرف 1070 ووٹ ملے جبکہ پیپلز پارٹی کے امیدوار نے 1368 اور تحریک انصاف کے امیدوار نے 1100 ووٹ حاصل کیے۔

عمران خان پاکستان کے وہ عظیم سیاسی رہنما ہیں جنکو سیاست کے علاوہ سب کچھ آتا ہے، انکی جماعت تحریک انصاف اپنی ناکام تنظیمی ڈھانچے اور مردم ناشناسی کے جس مرض کی شکار ہے، وہ کراچی میں بہت بُری طرح ظاہر ہوا ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ عمران خان نے کراچی کے لوگوں کو زندہ لاشوں سے تشبیہ دی تھی اوراب ایک زندہ لاش ان کی جانب سے ایم کیو ایم کو ملی ہے جو تحریک انصاف کا نامزد امیدوار تھا، کراچی کے حلقہ 245 کے ضمنی انتخابات میں ووٹنگ سے چند گھنٹے قبل ہی تحریک انصاف کا نامزد امیدوار امجداللہ خان اپنے حریف ایم کیوایم کے امیدوار کے حق میں نہ صرف دستبردار ہوگیا بلکہ اپنی جماعت کو چھوڑ کر ایم کیوایم میں شامل ہوگیا۔ عمران خان کو کراچی سے کتنی دلچسپی ہے اس کا اندازہ تحریک انصاف کے نامزد امیدوار امجداللہ خان کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے کہ ''عمران خان نے مجھے امیدوار بنایا تھاتاہم جب

ان سے انتخابی مہم کے لیے کراچی آنے کا کہا تھا تو انہوں نے آنے سے منع کر دیا اور مجھے انتخابات میں آکیلا چھوڑ دیا گیا''۔

ایم کیو ایم کے کمال ملک قومی اسمبلی حلقہ این اے 245 کی نشست پر اور فیصل رفیق سندھ اسمبلی کے حلقہ پی ایس 115 کی نشست پر کامیاب ہوئے۔ ان کے مدمقابل ہارنے والے تمام امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔ ضمنی انتخابات میں ووٹ دینے والوں کی تعداد انتہائی مایوس کن تھی۔ ان انتخابات میں ووٹرز کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ مجموعی طور پر حلقہ این اے 245 پر 11.21 فیصد اور صوبائی اسمبلی کی نشست پی ایس 115 میں تقریباً 10 فیصد لوگوں نے حق رائے دہی استعمال کیا۔ بظاہر تو ایم کیو ایم قومی اور صوبائی اسمبلی میں اپنی نشستیں برقرار رکھنے میں کامیاب رہی ہے لیکن اگر ہم ان دو نشستوں کے 7 اپریل 2016ء اور مئی 2013ء کے عام انتخابات کے اعداد و شمار کا مقابلہ کریں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ 7 اپریل کے انتخابات میں سب سے زیادہ نقصان ایم کیو ایم کو پہنچا ہے۔

مئی 2013ء کے انتخابات میں عوام نے ایم کیو ایم کو قومی اسمبلی کے حلقہ این اے میں ایک لاکھ 15 ہزار 810 ووٹ دیے تھے، جبکہ 7 اپریل 2016ء کو اسی 245 حلقہ کے عوام نے ایم کیو ایم کے امیدوار کو 39 ہزار 597 ووٹ دیے۔ مئی 2013ء

کے ہی عام انتخابات کے اعداد و شمار کے مطابق سندھ اسمبلی کے حلقہ پی ایس 115 میں ایم کیو ایم کے امیدوار کو 55 ہزار 804 ووٹ ملے تھے جبکہ 7 اپریل 2016ء کو اسی حلقہ کے عوام نے ایم کیو ایم کے امیدوار کو 11 ہزار 747 ووٹ دیے۔ ان اعداد شمار کو دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مئی 2013ء کے عام انتخابات میں جو ووٹ ایم کیو ایم نے این اے 245 میں حاصل کیے تھے اس کے صرف 34.19 فیصد اس کو 7 اپریل کو ملے ہیں، اس طرح ہی سندھ اسمبلی کے حلقہ پی ایس 115 میں ایم کیو ایم کے امیدوار کو 21.05 فیصد ووٹ ملے ہیں۔

کراچی میں سیاست کرنے میں ایم کیو ایم کے علاوہ کسی بھی سیاسی جماعت کو دلچسپی نہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ 1988ء سے 2013ء تک کوئی بھی جماعت علاوہ ایم کیو ایم کراچی میں کامیاب نہیں ہو پائی، ان ناکام ہونے والی جماعتوں کی طرف سے ایم کیو ایم پر ٹھپے لگانے، ووٹروں کو دھمکانے کے علاوہ ٹارگیٹ کلنگ اور اسٹریٹ کرائم میں ملوث ہونے کا الزام ہے۔ ان تمام الزامات کے باوجود کیا کبھی ان سیاسی جماعتوں نے کراچی کے عوام کے لیے کوئی آواز اٹھائی، بلکل نہیں، تو پھر کراچی کے عوام جو کراچی کو کچرا بنتے دیکھ رہے ہیں انکو ان انتخابات سے کیونکر دلچسپی ہوگی، 2013ء کے انتخابات میں کراچی سے آٹھ لاکھ ووٹ لینے والی جماعت تحریک انصاف کے رہنما عمران خان نے اس کے بعد کبھی بھی کراچی کو اپنی سیاست کا محور نہیں بنایا اور 7 اپریل کے

انتخابات سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انکی سیاست لاہور، اسلام آباد اور پشاور کے گرد گھومتی ہے۔

ایم کیو ایم جو آج ابتری کا شکار ہے اسکی وجہ اس کے قائد الطاف حسین خود ہیں۔آج الطاف حسین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "الطاف حسین میں نہ تو مستقل مزاجی ہے اور نہ ہی ایک سلجھے ہوئے رہنما جیسی علامات۔ یہ الطاف حسین ہی ہیں جو کبھی پاکستان سے علیدگی کی بات کرتے ہیں تو کبھی پاکستان سے محبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ آرمی چیف کو دہشتگروں سے لڑنے کے لیے اپنے ہزاروں کارکن پیش کیے جاتے ہیں۔ جمہوریت ہوتے ہوئے مارشل لا کی مانگ کرتے ہیں، کراچی میں فوجی آپریشن کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب خود آپریشن کی زد میں آتے ہیں تو فوج کے خلاف سخت بیانات کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں"۔ ان کی ایسی ہی تقاریر کی وجہ سے ان پر پابندی لگائی گئ ہے، اب میڈیا نہ تو ان کا کوئی بیان نشر کرسکتا ہے اور نہ ہی انکی تصویر دکھا سکتا ہے۔آج ایم کیو ایم ٹوٹ پھوٹ کا بھی شکار ہے، ایم کیو ایم کے کچھ رہنما پارٹی سے علیدہ ہوگے ہیں اور کچھ بیرون ملک چلے گئے ہیں،۔ شاید ان ہی وجوہات کی وجہ سے 7 اپریل کے ضمنی انتخابات میں عوام کی عدم دلچپسی واضع تھی۔

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ چھتیس سے چالیس

سو لفظوں کی کہانی نمبر 36۔۔۔۔ ضمیر۔۔۔۔۔۔

مارچ میں ایم کیو ایم کے خاص دوستوں کے ضمیر جاگتے رہے

پچیس سال بعد مصطفیٰ کمال اور انیس قائم خانی کے ضمیر جاگے

ان کے ساتھ ساتھ ایم کیو ایم کے

چار مرد اور ایک خاتون کے ضمیر بھی جاگے

سب نے ایم کیو ایم چھوڑی اور الطاف حسین کے کرتوت بیان کیے

صرف چھ گھنٹے پہلے پی ٹی آئی کے امیدوار امجد اللہ خان کا ضمیر جاگا

اور انتخابات سے دستبردار ہو گئے

یہ پتہ نہیں کہ 7 اپریل کو عوام کا ضمیر جاگا ہوا تھا یا سویا ہوا

انتخابات کا نتیجہ آیا ایم کیو ایم دونوں سیٹوں پر جیت گئی

سو لفظوں کی کہانی نمبر 37۔۔۔۔ گائے۔۔۔۔۔۔

ہم گذشتہ چار دہائیوں میں چار مرتبہ بھارت گئے

بھارت میں ہمارا ٹھکانا علیگڑھ ہے

ہمارے مرحوم چچا اور چچی ہمارا بہت خیال رکھتے

صبح کو بہترین ناشتہ ملتا، دوپہر اور رات کے کھانے میں

سالن اور چاول کی ڈش میں مرغی یا بکرے کا گوشت ہوتا
ہم نے کئی مرتبہ گائے کے گوشت کی فرمائش کی
مگر کبھی پوری نہیں ہوئی
کچھ دن پہلے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی نے اس الزام کی تردید کی
کہ یونیورسٹی کی کینٹین میں گائے کے گوشت کا سالن پکتا ہے
پتہ چلا کہ چار دہائیوں سے علیگڑھ میں گائے کے ذبح پر پابندی ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 38۔۔۔۔ ذکوۃ۔۔۔۔۔
ڈاکٹر زید اور ڈاکٹر بکر دونوں جدہ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے
دونوں کو مذہب سے بہت لگاؤ تھا
ایک دن ڈاکٹر زید کی بیوی نے
ڈاکٹر بکر کی بیوی کو اپنا سارا زیور ہدیا کردیا
دس دن بعد ڈاکٹر بکر کی بیوی نے بھی
ڈاکٹرزید کی بیوی کو اپنا سارا زیور ہدیا کردیا
اگلے بیس دن میں دونوں خاندان نے اس عمل کو دہرایا
اور دونوں کے اصل زیور واپس انکے پاس پہنچ گئے
دونوں ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ
یہ سب کچھ انہوں نے اس لیے کیا کہ

ایک ماہ بعد ذکوۃ واجب تھی

اب ذکوۃ ایک سال بعد واجب ہوگی

سو لفظوں کی کہانی نمبر 39۔۔۔۔ اچھے دوست۔۔۔۔۔۔

ملک صاحب اور شیخ صاحب اچھے دوست ہیں

ملک صاحب فوج میں آرمی چیف اور

شیخ صاحب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بن گئے

ملک صاحب کے سینئر سابق آرمی چیف نے آئین توڑا تھا

شیخ صاحب کے سینئر سابق چیف جسٹس نے

سرکاری بلٹ پروف گاڑی پر قبضہ کیا ہوا ہے

حکومت نے سابق آرمی چیف کو سزا دینی چاہی

ملک صاحب آڑے آگئے

سابق آرمی چیف دھوم دھام سے ملک سے باہر چلے گئے

حکومت نے سابق چیف جسٹس سے گاڑی واپس مانگی

شیخ صاحب آڑے آگئے

سابق چیف جسٹس آج بھی بلٹ پروف گاڑی میں سفر کر رہے ہیں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 40۔۔۔۔ اقامہ۔۔۔۔۔۔

سعودی عرب میں اقامے میں جو آپ کا پیشہ
لکھا ہے اسکے مطابق ہی آپ اہل ہونگے
جدہ کے چڑیا گھر میں ایک شیر لایا گیا
رکھوالے نے اس کو کھانے کو چنے دیے
اگلے دن رکھوالا پھر چنے لے آیا
تیسرے دن شیر نے رکھوالے سے پوچھا
تو مجھے گوشت کی جگہ چنے کھانے کو کیوں دیتا ہے؟
چنے کھانے سے میرا معدہ خراب ہو جائے گا
رکھوالے نے کہا دیکھو شیر بھائی
آپکا اقامہ بندر کا ہے شیر کا نہیں
اس لیے آپ کو کھانے کے لیے چنے ہی ملیں گے
ایک خبر کے مطابق نواز شریف لندن میں
اپنے معدہ کی بیماری کا علاج کروائینگے

چھوٹو کیسے چھوٹو بنتا ہے

آجکل میڈیا پر غلام رسول عرف چھوٹو کا بہت چرچا ہو رہا ہے، غلام رسول نے بیس اپریل 2016ء کی صبح پاک فوج کی جانب سے ہتھیار پھینکنے کی وارننگ کے بعد ہتھیار ڈال کر خود کو فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ غلام رسول عرف چھوٹو کے علاوہ میں جب بھی کسی چھوٹو سے ملا یا اسکے بارے میں پڑھا، مجھے چھوٹو ہمیشہ عجیب سا لگا اور یہ احساس جاگا کہ ہمارے ملک کے حالات ہمارے بچوں کو کیسے چھوٹو بناتے ہیں یا چھوٹو کیسے چھوٹو بنتا ہے۔ 1980ء کے عشرے میں کراچی ، تین ھٹی کے سرکاری مارٹن کواٹر کے مین روڈ کے گھروں کو حکومت نے توڑ دیا، تین ھٹی سے گرومندر تک روڈ چوڑا کرنا تھا، حکومت کا کام تھا حکومت بھول گئی، لوگوں نے ٹوٹے ہوئے گھروں پر قبضے کرکے کاروبار شروع کردیے، میرے گھر کے سامنے مین روڈ کے مکان میں ایک موٹر گیراج کھل گیا، اس موٹر گیراج کی تعریف یہ تھی کہ یہ صرف مرسٹیز گاڑیوں کو ٹھیک کرتے تھے، پی ٹی وی کے معروف فنکار اطہر شاہ خان عرف جیدی بھی اکثر اپنی مرسٹیز ٹھیک کرانے آتے تھے، اس گیراج کا اصل کاریگر ایک بارہ سال کا بچہ تھا جو مرسٹیز کی خرابی دور کرنے کا ماہر تھا، اس ماہر کاریگر کو سب چھوٹو کہہ کر پکارتے تھے اور آج سے تقریبا 36 سال قبل اس چھوٹو کاریگر کی تنخواہ 3000 روپے تھی اور اس گیراج کا مالک اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا تھا۔

ایک دن یہ چھوٹو ہمارے گھر پانی لینے آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے پڑھا کیوں نہیں، چھوٹو کا جواب تھا میں جب چھ سال کا تھا تو میرے والد کا انتقال ہوگیا، والدہ اور تین بہنوں کی وجہ سے موٹر میکینک کا کام سیکھ لیا۔ اگر اس چھوٹو کو صحیح تعلیم ملتی تو وہ ایک قابل میکنیکل انجینئر بن سکتا تھا۔

یہ بھی 1980ء کے عشرے کی بات ہے کہ ایک دن صبح میں آفس جانے کے لیے بس میں بیٹھا ہوا تھا، بس ڈرائیو نے گرومندر کے اسٹاپ پر بس کھڑی کردی، پانچ منٹ بعد مسافروں نے شور مچانا شروع کردیا اور بس ڈرائیو سے بس چلانے کا مطالبہ کرنے لگے لیکن بس ڈرائیو خاموش بیٹھا رہا۔ اچانک میرے برابر میں بیٹھے دس یا بارہ سال کے بچے نے جو حلیے سے کسی موٹر گیراج میں کام کرنے والا لگا اور بعد میں تصدیق بھی ہوگئی زور سے بس ڈرائیو کو مخاطب کرکے بولا ''ابے جانے دے میری گھر والی کے بھائی''، یہ سننا تھا کہ بس ڈرائیو نے اپنی سیٹ چھوڑی اور بہت غصے میں اس بچے کو مارنے آیا، میں نے بس ڈرائیو کو سمجھایا کہ یہ بچہ کسی موٹر گیراج کا چھوٹو ہے، ہوسکتا ہے گذشتہ دو تین دن میں اس کے استاد نے کسی کو ایسا ہی کچھ کہا ہو تو اس کو اچھا لگا اور اب آپ کو کہہ دیا۔ بچے سے جب پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا استاد اس کو چھوٹو کہتا ہے اور کل چائے لانے والے چھوٹو سے کہہ رہا تھا ''جلدی سے دو چائے لے آ میری گھر والی کے بھائی''۔ یہ چھوٹو بھی شاید حالات کا شکار ہوا ہوگا اور جس طرح

کے استاد کے پاس وہ کام کر رہا تھا، پتہ نہیں اور کیا کیا برائیاں سیکھیں ہونگی۔

راجن پور کے غلام رسول کی عمر صرف 13 سال تھی جب اس کے خاندان پر ناگہانی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ اس کے علاقے کے دو قبائل چاچڑ اور کوش جو آپس میں بدترین دشمن تھے ایک عورت کی وجہ سے آپس میں لڑ پڑے جس کے نتیجے میں کوش قبیلے کے آٹھ افراد مارے گئے۔ غلام رسول کے ایک بھائی رسول بخش شوبی چاچڑوں کا دوست تھا، کوشوں نے غلام رسول کے بھائی شوبی اور گھر والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور گھر کو آگ لگا دی، انھوں نے اپنے آٹھ لوگوں کے قتل میں شوبی کا بھی نام لیا، پولیس نے شوبی کو گرفتار کر لیا، اس کا خاندان گاؤں سے بھاگ گیا اور لوگوں نے اس کے گھر اور زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ غلام رسول جیل میں بھائی سے ملنے گیا، پولیس نے اسے گرفتار کیا اور اس پر موٹر سائیکل چوری کا مقدمہ بنا دیا۔ غلام رسول تین سال بعد جیل سے نکلا تو پولیس نے اسے پھر گرفتار کر لیا، تھانے میں تشدد کے دوران اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی، پولیس کے بے جا تشدد نے غلام رسول کو جرم کی دنیا میں دھکیل دیا۔

چھوٹو کے علاقے کے لوگوں کا کہنا ہے کہ غلام رسول عرف چھوٹو تو ایک مزدور بچہ تھا جو مزدوری کی خاطر ایک چائے کے ہوٹل پر کام کرتا تھا۔ شروع میں اپنے

آپ کو تحفظ دینے کے لئے چھوٹو نے علاقہ کے سردار کے پاس بطور گارڈ بھی کام کیا اور پولیس کے لئے مخبری کا کام بھی کرتا رہا۔ پھر وہ خود مویشی چوروں اور دوسرے جرائم پیشہ افراد کے ساتھ کام کرنے لگا اور بوسن گینگ کے ساتھ رابطوں کے بعد اغواء برائے تاوان کے گھناؤنے دھندے میں اپنے علاقہ میں محفوظ پناہ گاہ ہونے کی وجہ سے بڑا نام بن گیا۔ اس کے جیل میں بننے والے دوست جیل سے باہر آئے تو چھوٹو نے اپنا گینگ بنالیا، پولیس سے اسکو سخت نفرت ہے اس لیے یہ اور اس کے گینگ کے لوگ پولیس کو اغوا کرکے ان پر بدترین تشدد کرتے یا ان کو دیکھتے ہی گولی مار دیتے۔ مختلف سرداروں اور جاگیرداروں کے یہ کام آتا رہا، اسے جرائم کی دنیا میں اہم مقام دلانے میں پولیس کی زیادتیوں، قبائلی رسم و رواج اور سرداری نظام نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

اوپر ذکر کیے گئے تمام چھوٹوں کسی نہ کسی طرح ہمارے ملک میں رائج خراب نظام کی پیداوار ہیں، اگر پہلے چھوٹو کو تعلیم کا موقعہ ملتا اور بچپن میں اس کے معاشی مسائل حل کردیے جاتے تو شاید وہ ملک و قوم کے لیے ایک اثاثہ ثابت ہوتا، دوسرے چھوٹو کے بارے میں میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ ملک و قوم کا اثاثہ ثابت ہوتا، ہاں جب بھی مجھے وہ یاد آیا تو یہ ہی خیال آیا کہ چونکہ وہ اور اسکے استاد دونوں ہی تعلیم سے دور تھے لہٰذا دوسرا چھوٹو نہ صرف زبان کا برا بنا ہوگا بلکہ شاید کردار کا بھی۔ تیسرا چھوٹو جس کا اصل

نام غلام رسول ہے اس کو چھوٹو بنانے میں اصل کردار تو ہماری بدنام زمانہ پولیس کا ہے لیکن اس چھوٹو کو ایک جزیرے کچا جمال کا بادشاہ بنانے کا کام یقیناً اس علاقے کے سرداروں، جاگیر داروں اور سیاست دانوں کا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ پولیس اپنے متعدد آپریشن میں کامیاب نہیں ہوئی جو اس نے چھوٹو کو پکڑنے کے لیے کیے تھے۔

اب راجن پور کا چھوٹو جو خوف اور دہشت کی ایک علامت بن چکا تھا، قانون کے رکھوالوں کے پاس ہے۔ قانون کے ماہرین کو چھوٹو اور اسکے ساتھیوں سے وہ تمام معلومات حاصل کرنا چاہیے کہ کیسے ایک بے ضرر سا 13 سال کا بچہ جو چائے کی دوکان پر مزدوری کرتا تھا ایک خطرناک چھوٹو ڈاکو بن گیا۔ قانون کے ماہرین کا فرض ہے کہ وہ ان ذمہ داروں کا تعین کریں جنھوں نے غلام رسول کو چھوٹو بننے پر مجبور کیا، اس کے ساتھ ہی قانون کے ماہرین کو وہ تجاویز بھی دینی ہونگی کہ موجودہ نظام میں وہ کونسی بنیادی تبدیلیاں کی جایں کہ معصوم بچے چھوٹو بننے سے بچ سکیں۔

وزیراعظم نواز شریف کے خطابوں کی ہیٹرک

وزیراعظم نواز شریف نے پچھلے ایک ماہ کے دوران 28 مارچ سے 22 اپریل 2016ء تک تین بار قوم سے خطاب کرکے اپنے خطابوں کی ہیٹ ٹرک مکمل کرلی۔ انہوں نے 28 مارچ، 5 اپریل اور 22 اپریل کو قوم سے خطاب کیا، انکا پہلا خطاب 27 مارچ کے اسلام آباد کے دھرنے اور لاہور میں گلشن اقبال پارک میں خودکش دھماکے سے متعلق تھا جبکہ اگلے دو خطاب کا تعلق پانامہ لیکس میں ان کے خاندان پر لگائے ہوئے الزامات سے تھا۔ اپنے تیسرے 22 اپریل کے خطاب میں وہ اپنی اور اپنے بچوں کی صفایاں پیش کرتے رہے اور کہا کہ انہیں پاکستان کے باشعور عوام نے منتخب کیا ہے وہ اللہ کے بعد صرف اور صرف پاکستان کے عوام کو جوابدہ ہیں۔ سوشل میڈیا پر وزیراعظم کے قوم سے خطابوں کی ہیٹرک پر لوگوں کا کہنا ہے کہ:

۔ سانحہ پشاور ہوا قوم سے خطاب نہ ہوا

۔ گذشتہ سال کراچی میں چار ہزار افراد گرمی سے مرگئے خطاب نہ ہوا

۔ قصور میں بچوں سے زیادتی ہوئی خطاب نہ ہوا

۔ لاہور، کراچی، چارسدہ اور دوسرے شہروں میں دشت گردی ہوئی خطاب نہ ہوا

۔ را کا حاضر سروس ایجنٹ پکڑا گیا خطاب نہ ہوا

۔ تھر میں بچے بھوک سے مر گئے اور مر رہے ہیں خطاب نہ ہوا

لیکن جب اپنی اور اپنے بچوں کی کرپشن سامنے آئی تو ایک ماہ میں تین بار قوم یاد آئی۔

ستائیس مارچ کو اسلام آباد کے ڈی چوک پر سنی تحریک کا دھرنا شروع ہوا، اس دھرنے سے پہلے مظاہرین نے راولپنڈی اور اسلام آباد میں سرکاری اور عام لوگوں کی املاک کو نقصان پہنچایا، اسلام آباد میں میٹرو اسٹیشنوں پر توڑ پھوڑ کی اور چار کنٹینر بردار ٹرکوں اور آگ بجھانے والی ایک گاڑی کو جلادیا تھا۔ بعد میں مظاہرین تمام رکاوٹیں ہٹاتے ہوئے ریڈ زون میں داخل ہوگئے۔ ایک اندازے کے مطابق کڑوں روپے کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ 27 مارچ کو ہی لاہور کے گلشن اقبال پارک میں خودکش حملہ آور نے ایک زوردار دھماکے سے اپنے آپ کو اڑا لیا، اس دھماکے میں 72 افراد ہلاک اور 300 سے زیادہ افراد زخمی ہوئے ہیں، ہلاک ہونے 72 افراد میں 29 بچے بھی شامل تھے۔ گلشن اقبال پارک میں ہونے والی یہ دہشتگردی اس سال کی سب بڑی دہشتگردی ہے۔ اگلے روز 28 مارچ کی شام وزیراعظم نواز شریف نے قوم سے خطاب کیا جو صرف گیارہ منٹ کا تھا، گیارہ منٹ میں وزیراعظم نے غلط بیانی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ گیارہ منٹ میں انہوں نے راولپنڈی اور اسلام آباد میں قومی املاک کو نقصان پہنچانے

والوں کے خلاف اور لاہور میں مرنے والوں سے زیادہ ہمدردی میں بولنے کے بجائے وہ اپنی حکومت کی تعریف میں زیادہ بولتے رہے۔ وزیر اعظم 72 لاشوں پر اپنی سیاست چمکا رہے تھے، انکا کہنا تھا کہ ''ہم نے 2013ء میں حکومت سنبھالنے کے بعد پہلی بار دہشتگردی جیسے مسئلہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے حل کرنے کے لئے آپریشن شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپریشن ضرب عضب کے تحت پولیس اور افواج نے خون سے مہم کو پروان چڑھایا''۔ پتہ نہیں وہ کسے بیوقوف بنارہے تھے، پوری قوم جانتی ہے کہ وہ طالبان دہشتگردوں کی مدد سے انتخابات جیتے تھے۔ وزیر اعظم نواز شریف جو حکومت کے سربراہ ہیں ان سے قوم کچھ عملی اقدامات کی توقع کررہی تھی، جبکہ وزیر اعظم نواز شریف کا گیارہ منٹ کا قوم سے خطاب ایک رسمی کارروائی تھا۔

پاناما کی ایک لا فرم موساک فونسیکا سے کی جانب سے افشا ہونے والی ایک کروڑ دس لاکھ دستاویزات میں پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف کی فیملی بھی شامل ہے۔ ان دستاویزات میں وزیر اعظم نواز شریف کے تین بچوں مریم نواز، حسین نواز اور حسن نواز کے نام شامل ہیں۔ بدعنوانی کے الزامات تو 1980ء سے نواز شریف کا پیچھا کررہے ہیں اور پاناما پیپرز میں افشا ہونے والے الزامات میں سے زیادہ تر الزامات 1990ء کی دہائی کے شروع میں ان کے خلاف ہونے والی وفاقی سطح پر تفتیش میں شامل تھے۔ نواز شریف نے 1997ء میں جب دوسری بار اقتدار حاصل کیا

توانھوں نے اس انکوائری کو 'سیاسی خواہش' قرار دیتے ہوئے بند کرنے کا حکم دے دیا۔ افشا ہونے والی دستاویزات سے معلوم ہوا ہے کہ نواز شریف کے تین بچوں کی آف شور کمپنیاں اور اثاثے ہیں جو ان کے خاندانی اثاثوں میں ظاہر نہیں کیے گئے تھے۔ ان کمپنیوں کو غیر ملکی اثاثے حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا جن میں لندن کے مے فیئر علاقے میں پارک لین کے قریب اپارٹمنٹس کی خریداری شامل ہیں۔ان الزامات نے نواز شریف کی ساکھ پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔

ان الزامات کے بعد پاکستان کی اپوزیشن جماعتوں کی جانب سے سخت رد عمل کے باعث وزیراعظم نواز شریف نے دوسری بار 5 اپریل کو قوم سے خطاب کیا۔ نواز شریف نے پانامہ لیکس کے حوالے سے اپنے خاندان پر لگائے گئے الزامات کی تحقیقات کیلئے سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج کی سربراہی میں جوڈیشل کمشن قائم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ گھسے پٹے الزامات دہرانے اور روز تماشہ لگانے والے کمیشن کے پاس جاکرالزامات ثابت کریں، میرے خاندان کے کسی فرد نے قومی امانت میں رتی بھر خیانت نہیں کی، ہمارے بچے ملک میں کمائیں تو تنقید اور باہر کاروبار چلائیں توالزامات لگتے ہیں۔ پانچ اپریل کو وزیراعظم کا خطاب 13 منٹ 46 سیکنڈ کا تھا جس میں انہوں سرکاری ٹی وی پر صرف اور صرف اپنے خاندان کی بات کی تھی۔ اپنے خاندان کی صفائی دینے کے علاوہ انہوں ایک

جوڈیشنل کمیشن کے قیام کا اعلان کیا جس کو تمام حزب اختلاف کی جماعتوں نے مسترد کردیا۔

حزب اختلاف کی جماعتوں نے نواز شریف کے جوڈیشنل کمیشن کو مسترد کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ کہ وہ کمیشن بنانے کے لیے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو خط لکھیں ،

حزب اختلاف کی جماعتیں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی سربراہی میں کمیشن بنانے پر متفق ہیں۔ دو ہفتے بعد 22 اپریل کو تیسری مرتبہ وزیراعظم نواز شریف نے پھر سرکاری ٹی وی پر قوم سے خطاب کیا، ان کے اس خطاب کا دورانیہ 23 منٹ تھا۔اس خطاب کے تین حصے تھے ، پہلا وہ جس میں حزب اختلاف کے مطالبے کو مانتے ہوئے اس بات کو مان لیا کہ وہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو خط تحریر کریں گے کہ وہ پانامہ پیپرز کے معاملہ کی تحقیقات کے لئے کمیشن تشکیل دیں اور وہ اس کمیشن کی سفارشات کو قبول کریں گے۔ خطاب کا دوسرا حصہ وہ تھا جس میں وہ پوری قوم کو اپنی دکھ بھری کہانی سناتے رہے کہ ان پر کون کون سے ظلم ہوئے، اور خطاب کا تیسرا حصہ وہ تھا جس میں وہ اپنے مخالفوں پر الزامات کی بارش کرتے رہے۔ وزیراعظم کی اس تقریر میں واضح طور پر تلخی محسوس کی گئی۔

وزیراعظم چیف جسٹس کو خط لکھ چکے ہیں لیکن حزب اختلاف کی جماعتوں کا کہنا

تھا کہ وزیر اعظم نے کمیشن کے اختیارات پر کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے بتایا کہ چیف جسٹس کیسے اور کتنے عرصے میں تحقیقات کر پائیں گے۔ حزب اختلاف نے پاناما لیکس پر جوڈیشل کمیشن کے کیلئے ٹرمز آف ریفرنس کو مسترد کر دیا۔ حزب اختلاف کا کہنا ہے کہ یہ وہ کمیشن نہیں جو ہم مانگ رہے تھے۔ وزیر اعظم کی تیسری تقریر کے بعد سوشل میڈیا پر بہت سے لوگوں نے تبصرے کیے کچھ نے ان کی مخالفت میں اور کچھ نے انکی حمایت میں۔ نواز شریف کے ایک مخالف نے سوشل میڈیا پر انہیں مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ،

۔ وزیر اعظم صاحب، آپ کا خطاب سنا جس میں آپ اپنے ساتھ ہوئے ظلم کا حساب مانگ رہے تھے۔ تو جناب حکومت آپ کی، کابینہ آپ کی، سینٹ آپ کی، عدلیہ آپ کی، پولیس آپ کی۔ انصاف کا اختیار بھی آپکا۔ پھر بھی آپ پر ظلم کرنے والا بلکہ آپ کے خاندان اور پارٹی کے ساتھ سیاسی ہاتھ کرنے والا اب کی بار قانونی ہاتھ کر کے باہر بھاگ گیا اور آپ حساب کی منتیں قوم سے کر رہے ہیں۔

،نواز شریف کے ایک اور مخالف نے سوشل میڈیا پر ان پر طنز کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

۔ اس ملک کے بادشاہ نے گھر میں اتنی دولت جمع کر لی ہے کہ اس کے گھر میں عزت رکھنے کی جگہ بھی نہیں بچی۔

وزیر اعظم کے ایک بہت ہی ہمدرد اور حامی بشیر اعوان نواز شریف کی وجہ سے

:مکہ المکرمہ کو درمیان میں لے آئے، وہ لکھتے ہیں

۔ وہ وقت دور نہیں جب دنیا جان لے گی ! کہ پانامہ لیکس سعودی عرب اور روس کے خلاف امریکہ، بھارت اور کئی ایجنسیوں کی سازش تھی، جس میں تحریک انصاف جیسے بکاؤ مال نے بھی حصہ ڈالا، اس لیک کا اصل ہدف نواز شریف نہیں مکہ ہے۔

کرپشن پاکستان میں ایک کینسر کی طرح پھیل چکا ہے، کرپشن کا کینسر سارے ملک کو کھوکھلا کررہا ہے۔ اور پاکستان میں اس حوالے سے بڑی تکلیف دہ صورتحال یہ ہے کہ کرپشن کرنے والے ہی شور مچارہے ہیں کہ کرپشن بڑھ رہا ہے۔

کراچی میں مصطفیٰ کمال شو

متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) سے علیحدگی کے بعد سابق ناظم کراچی سید مصطفیٰ کمال اور انیس قائم خانی نے اپنی تین سالہ خود ساختہ جلاوطنی ختم کرکے تین مارچ کو کراچی میں ایک پریس کانفرنس کرکے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا تھا، جس کے بعد انھوں نے اپنی جماعت کا نام پاک سرزمین پارٹی (پی ایس پی) رکھا۔ اتوار 24 اپریل 2016ء کو مزار قائد سے متصل جناح گراؤنڈ میں پاک سرزمین پارٹی کا پہلا جلسہ عام تھا جس کو ہم مصطفیٰ کمال شو کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ مصطفیٰ کمال نے تین ہفتے پہلے اس جلسے کا اعلان کیا تھا، اس جلسے کا بنیادی مقصد اپنے آپ کو عوام میں روشناس کرانا اور ایم کیو ایم اور اس کے رہنما کو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے علاوہ یہ بھی باور کرانا تھا کہ کراچی کے حالات اب اس طرح نہیں چلیں گے جیسے گذشتہ تین دہایوں سے چل رہے ہیں۔ اس جلسے کی تیاریاں ایک ہفتے سے کی جارہی تھی، عوام کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ایک روز پہلے فیملی فیسٹیول کا انعقاد بھی کیا گیا اور میوزیکل کانسرٹ میں خواتین اور نوجوانوں کی بڑی تعداد بھی شریک ہوئی۔ اس جلسے کے شرکا میں سے کئی لوگ اپنی فیملی کے ساتھ آئے تھے۔ شوہر کی ہمت افزائی کے لیے مصطفیٰ کمال کی بیگم سائرہ مصطفیٰ کمال بھی موجود تھیں۔ جلسہ گاہ میں ہزاروں کی تعداد میں کرسیاں لگائی گئیں تھیں

لیکن یہ مکمل طور پر نہیں بھر سکیں۔

پاک سرزمین پارٹی کے ایک رہنما وسیم آفتاب نے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے مستقبل کی ضمانت کراچی ہے، کراچی کے عوام نے اپنا فرض نبھادیا، پاک سرزمین ہر ملک دشمن کیلئے تنگ کردی جائیگی، ہم چاہتے ہیں کہ کراچی سے خوف کا بت پاش پاش ہو جائے، حکومت 'را' کے ایجنٹوں کے خلاف کارروائی کرے، آج مستحکم قدم نہ اٹھایا تو عوام 'را' کے ایجنٹوں کو باہر نکال دینگے، بچوں کو یتیم کرنے اور عورتوں کو بیوہ کرنے کی سازش کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ پارٹی کے رہنما انیس قائم خانی نے کہا کہ پاکستانی جھنڈے کی طاقت کے باعث آج لاکھوں کا مجمع یہاں جمع ہے، ملک بھر میں پاک سرزمین پارٹی کے جلسے ہونگے ملک کے چپے چپے میں پاکستانی پرچم لہرایا جائے گا۔ مصطفیٰ کمال نے محبت کرنا سکھایا ہے، انہوں نے ایم کیو ایم کو کہا کہ تم بھی بھارتی پرچم چھوڑ کر پاکستانی پرچم تھام لو، اب ڈرامے کرنا اور ماؤں بہنوں کے پیچھے چھپنا بند کرو۔ ہم قوم کو دوبارہ باصلاحیت بنانے کا عزم پورا کرینگے۔ کراچی کے بعد لاہور، کوئٹہ، پشاور اور دیگر شہروں میں بھی جلسے کریں گے، ایم کیو ایم کی وکٹیں گرانے کا سلسلہ بھی جاری رکھیں گے۔

سابق ناظم کراچی اور پاک سرزمین پارٹی کے سربراہ سید مصطفیٰ کمال جو تین

مارچ کے بعد سے مسلسل ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کو اپنی تنقید کا نشانا بنا رہے ہیں، پارٹی کے پہلے جلسے میں انہوں نے الطاف حسین اور ایم کیو ایم کے خلاف بات کرنے کے علاوہ ملکی مسائل پر بھی بات کی۔ اپنے مخالفین کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ آج سے کوئی کسی کی جان نہ لے۔ اس شہر کے لوگوں کو موبائل چھیننے والے، بھتہ خور، ٹارگٹ کلرز اور نہ جانے کیا کیا نام دیئے گئے۔ اس شہر کے ماتھے پر گندگی لگا دی گئی۔ کراچی پاکستان کا گیٹ وے ہے، یہ شہر بزنس کا مرکز ہے، یہ شہر ریونیو دیتا ہے۔ کسی پارٹی نے شہر کے مسائل کی بات نہیں کی۔ یہاں پر تعلیم پھیلانے کی بات نہیں کی۔ یہاں کے لوگوں کو پانی اور صحت کی بات نہیں کی۔ ہم کراچی کو خوبصورت بنائیں گے۔ یہاں کوئی سندھی، بلوچی، مہاجر پٹھان دست و گریبان نہیں ہوگا۔ یہ شہر امن کا شہر ہوگا۔ یہاں امن پسند لوگ پیدا ہوں گے۔ ہم اس شہر کو منی پاکستان بنائیں گے وہ وقت قریب ہے جب یہ شہر ''را'' کے ایجنٹوں کا نہیں بلکہ محب وطن لوگوں کا ہوگا۔

مصطفیٰ کمال نے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ ہم ایسی جمہوریت کو نہیں مانتے جو صرف اسلام آباد، لاہور، کوئٹہ، پشاور اور کراچی کے ایوانوں تک محدود ہو۔ جو پانی کا مسئلہ بھی حل نہ کرسکے اسے حکمرانی کا حق نہیں۔ اگر آپ مجھے پانی کا اختیار نہیں دے سکتے تو میں ایسی جمہوریت کو نہیں

مانتا۔ جمہوری نظام گلیوں، محلوں میں آنا چاہیے۔ تمام مسائل حل کرنے کیلئے دنیا بھر میں نظام مقامی لوگوں کو اختیار دینا ہے۔ مقامی یونین کونسلوں کو اختیار دیئے بغیر کوئی جمہوریت نہیں پنپ سکتی۔ مصطفیٰ کمال کا کہنا تھا کہ اگر آپ عام آدمی کو یہ اختیار نہیں دے سکتے تو حب الوطنی کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتے۔ آرمی اور رینجرز کے آپریشن مسائل کا وقتی حل ہیں، اچھی حکمرانی لانا ہوگی، عوام کو اختیارات نہ دیئے تو آپریشنز کے نتیجے میں کچھ دیر کیلئے قائم ہونے والا امن پھر ختم ہو جائیگا۔

متحدہ قومی موومنٹ سے بغاوت کرنے والوں کا یہ پہلا جلسہ تھا، پی ایس پی اپنے قیام کے بعد پہلا جلسہ عام کرنے میں تو کامیاب رہی لیکن ابھی اردو بولنے والوں نے اسے ایم کیو ایم کے متبادل کے طور پر قبول نہیں کیا ہے۔ جس کا واضح اشارہ مصطفیٰ کمال اور انکے ساتھیوں کے دعووں کے برخلاف جلسے میں شرکا کی کم تعداد تھی۔ جلسے میں شرکت کے لیے اندرون سندھ سے قافلے آئے ضرور مگر ان کا مقابلہ ان قافلوں سے نہیں کیا جاسکتا جو ایم کیو ایم کے جلسوں میں شرکت کیلئے آتے رہے ہیں۔ دوسری قومیتوں کے افراد نے جلسے میں اتنی ہی بڑی تعداد میں شرکت کی، جتنی وہ ایم کیو ایم کے جلسوں میں کرتے ہیں۔ جلسے میں شرکا کی تعداد کم ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جلسے میں اور پاک سرزمین پارٹی کے قیام میں بہت تھوڑے دن کا فرق ہے، دوسرے مصطفیٰ کمال اور

انکے ساتھیوں نے مہاجروں کو ٹارگٹ کلر اور را کے ایجنٹ ہونے کے الزامات سے نجات دلانے کی بات تو کی ہے لیکن ساتھ ہی وہ اپنے آپ کو صرف مہاجروں کا نمائندہ کہلوانے کو تیار نہیں۔

کراچی جس کی آبادی تقریباً دو کروڑ نفوس پر مشتمل ہے، اور اس کے بے انتہا مسائل بھی ہیں، اس سیاسی پس منظر میں اور اتنے قلیل عرصے میں پاک سرزمین پارٹی کے اس جلسے کو ایک اچھی سیاسی سرگرمی قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اس جلسے کو کوئی بڑا شو نہیں کہا جاسکتا۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس جلسے سے ایم کیو ایم کا کوئی بڑا ووٹ بینک ٹوٹا ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کراچی کی دو کروڑ کی آبادی میں سے ہر جماعت 20 سے 25 ہزار لوگ اکٹھے کرلیتی ہے۔ دوسری طرف انکی مدمقابل ایم کیو ایم اپنے ہی پیدا کردہ مسائل کو بھگت رہی ہے، لہٰذا مصطفیٰ کمال ابھی جس طرح چاہیں کھلیں لیکن یہ یاد رکھیں کہ ابھی پارٹی شروع نہیں ہوئی ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ کل وہ ایم کیو ایم کی سیاسی مشکلات میں اضافہ کردیں یا پھر وہ خود دوسرے آفاق احمد بن جائینگے۔

پاناما لیکس اور مولانا فضل الرحمان

آجکل سوشل میڈیا پر ایک وڈیو بہت نظر آرہی ہے جسکا تعلق جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن سے ہے۔ اس وڈیو کے سوشل میڈیا پر آنے کے بعد مولانا نے اس کی شکایت کی، جس کے بعد پمز اسپتال کے ایک سینیر ڈاکٹر کو معطل کردیا گیا۔ یہ ویڈیو اس وقت بنائی گئی جب مولانا پمز اسپتال میں معدے میں تکلیف کی وجہ سے داخل ہوئے تھے، وہاں چیک اپ کے دوران کسی نے چھپ کر مولانا کی ویڈیو بنالی۔ اس ویڈیو میں ایک خاتون جو یا تو ڈاکٹر ہیں یا پھر نرس وہ مولانا کا علاج کررہی ہیں، جبکہ اسی وڈیو میں مولانا کا پورا پیٹ ننگا نظر آرہا ہے۔ اس ویڈیو میں ایسی کوئی بات نہیں جو قابل اعتراض ہو، لیکن ہاں شاید یہ بات مولانا کے لیے باعث ندامت ہو کہ تھوڑے عرصے پہلے وہ حقوق نسواں بل پر بہت زیادہ برہم تھے اور پنجاب کے شوہروں کی مظلومیت پر رو رہے تھے، انہیں پنجاب کے مظلوم شوہروں کا مستقبل خوفناک نظر آرہا تھا۔ جبکہ مولانا خیبر پختونخواہ کی خواتین پر ہونے والے ظلم کا ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ خیبر پختونخواہ میں خواتین کو انکے بنیادی حقوق سے محروم رکھا ہوا ہے اور یہ کوئی اور نہیں مولانا فضل الرحمٰن جیسے ہی لوگ وہاں کی خواتین پر ظلم ڈھارہے ہیں۔

جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا کہ ویڈیو میں مولانا فضل الرحمٰن کا پورا پیٹ ننگا نظر آرہا ہے، یہ بھی کوئی خاص بات نہیں لیکن مسلئہ یہ ہے کہ مولانا کو اس پیٹ کے خاطر ہی پمز اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ پمز اسپتال کے ڈاکٹر وسیم خواجہ نے بتایا کہ مولانا فضل الرحمان دل کے عارضے اور شوگر کے مریض ہیں، انہیں خوراک میں بے احتیاطی کی وجہ سے معدے میں تکلیف ہوئی ہے۔ ڈاکٹر وسیم خواجہ نے مولانا فضل الرحمٰن کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی خوراک میں احتیاط کریں ۔ جبکہ ہمارا مولانا کو مفت مشورہ ہے کہ اپنی خوراک میں احتیاط کے ساتھ ساتھ اپنے طمع اور خود غرضی کو کم کریں۔

خواتین اور مولانا کے موضوع پر تفصیل سے بات کسی اگلے مضمون میں ہوگی۔ اس مضمون کا جو موضوع ہے وہ ہے پاناما لیکس اور مولانا فضل الرحمٰن ۔

اگر ہم وزیر اعظم نواز شریف کی کابینہ یا انکے ساتھ جو لوگ کام کر رہے ہیں ان پر نظر ڈالیں تو ان میں پہلے وہ ہیں جو نواز شریف کے رشتہ دار ہیں پھر وہ ہیں جو نواز شریف کے دوستوں میں سے ہیں، اور آخر میں وہ ہیں جو انکے بدترین مخالف پرویز مشرف کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں، جمیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان ان میں سے ایک ہیں، جن کے ایک ساتھی اکرم خان درانی جنرل پرویز مشرف کے (زمانے میں صوبہ سرحد (موجودہ صوبہ خیبر پختونخوا

کے وزیر اعلی تھے اور اب نواز شریف کی کابینہ کا حصہ ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کو اپنی حکمرانی کو جائز بنانا تھا، مولانا فضل الرحمٰن دل و جان سے حاضر، 28 دسمبر 2003 ء مولانا فضل الرحمٰن و دیگر قائدین کی موجودگی میں متحدہ مجلس عمل نے آئین میں 17 ویں آئینی ترمیم کا بل یعنی لیگل فریم ورک آرڈر منظور کرکے پرویز مشرف کی حکمرانی کو آئینی و قانونی جواز فراہم کر دیا۔

مولانا فضل الرحمٰن 2008ء میں قائم ہونے والی پیپلز پارٹی کی حکومت کے اتحادی بن گئے، کشمیر سے متعلق خصوصی کمیٹی کی چیئرمین شپ حاصل کی، مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے تو وہ کچھ نہ کرسکے لیکن اس چیئرمین شپ کے ذریعے اپنے معاشی معاملات بہتر کرتے رہے۔ 2010ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ کے حصول کیلئے مولانا نے متحدہ مجلس عمل کی بحالی کا ڈرامہ رچا کر کامیابی سے مولانا شیرانی کیلئے اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ حاصل کرلی۔ نواز شریف کے موجودہ دور میں مولانا کو ذرا صبر سے کام لینا پڑا، اپنی وفاداری کے ثبوت بغیر کسی شرط کے دیے تو سات ماہ کے طویل انتظار کے بعد نواز شریف نے بالآخر وفاقی کابینہ میں توسیع کی اور جے یو آئی (ف) کو کابینہ میں نمائندگی دی، اکرم خان درانی اور سینیٹر عبدالغفور حیدری وفاقی کابینہ میں شامل ہوئے، جبکہ مولانا فضل الرحمٰن ایک مرتبہ پھر کشمیر کمیٹی کے چیرمین بن گئے، جو ایک وفاقی وزیر کے برابر کا عہدہ ہے۔ بعد میں بہت ہی

چالاکی سے مولانا عبدالغفور حیدری کو ڈپٹی چیئرمین سینٹ منتخب کروایا جبکہ آخر وقت کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ مولانا عبدالغفور حیدری ڈپٹی چیرمین منتخب ہوجائیں گے۔ابھی مولانا کی خواہشات باقی تھیں کہ پاناما لیکس نے پورے ملک میں سیاسی طوفان کھڑا کردیا۔

پاناما لیکس نے بہت ساروں کو متاثر کیا ہے، ان متاثرین میں وزیر اعظم نواز شریف اور انکے گھر والے ہیں، تحریک انصاف کے رہنما جہانگیر ترین اور علیم خان بھی شامل ہیں، کل دو سو افراد ہیں جن کو پاناما لیکس کی وجہ سے نقصان پہنچا ہے یا پہنچے گا، لیکن مولانا فضل الرحمان جن کا نام تو پاناما لیکس میں شامل نہیں ہے لیکن پاناما لیکس سے انہوں نے فاہدہ اٹھانے میں دیر نہیں کی۔ 6 اپریل کو مولانا فضل الرحمان نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ وکی لیکس ہو یا پاناما لیکس، لیکس آتے رہتے ہیں، اسے نارمل لینا چاہیے،مال جائز بھی ہو تو ملک میں ہونا چاہیے تاکہ خوش حالی آئے۔ انہوں نے کہا کہ وزیراعظم نے کمیشن بنادیا ہے اس کی تحقیقات کا انتظار کرنا چاہیے۔ لیکن شاید نواز شریف ان کے 6 اپریل کے بیان سے مطمئن نہیں ہوئے لہذاانہوں نے قومی اسمبلی کے باہر کھڑے ہوکر 8 اپریل کو ایک اوربیان میں کہا کہ پاناما لیکس ایک عالمی سازش ہے اور جے یو آئی پوری طرح وزیراعظم نواز شریف کے ساتھ کھڑی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں تنقید کرنے والوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ وزیر اعظم نواز شریف

کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ اس بیان کے فوراً بعد مولانا فضل الرحمٰن کے بھائی مولانا ضیاء الرحمٰن کو گریڈ 18 سے گریڈ 20 میں ترقی دے کر کمشنر افغان مہاجرین تعینات کر دیا گیا۔ مولانا ضیاء الرحمٰن اس سے پہلے بطور ڈی سی او خوشاب پنجاب حکومت کے لئے خدمات انجام دے تھے۔ کمشنر افغان مہاجرین کی آمدن گریڈ بیس کے سو افسروں کی جائز اور ناجائز آمدن سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پاناما لیکس نے مولانا کے بھائی کی قسمت چمکا دی۔

مولانا فضل الرحمان اب بھی مزید دو خواہشات کی تکمیل چاہتے ہیں، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ نواز شریف ان کے صابزادے کو کوئی سرکاری عہدہ دیدیں، دوسرے خیبر پختونخواہ میں قائم تحریک انصاف کی حکومت کو ختم کرکے وہاں جمیت علمائے اسلام ف) اور پاکستان مسلم لیگ (ن) کی اتحادی حکومت قائم کی جائے، اس کے لیے ان کی) جماعت پاکستان مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف کے بڑھتے ہوئے اختلافات کو مزید بڑھانے کی کوشش کررہی ہے، جیساکہ نواز شریف کے بنوں کے جلسے میں جمیت علمائے اسلام (ف) سے تعلق رکھنے والے وفاقی وزیر ہاؤسنگ اکرم خان درانی نے کہا ہے کہ اگر وزیراعظم حکم دیں تو خیبر پختونخوا کی حکومت کو گرادیں گے۔ 2013ء کے انتخابات کے بعد سے ہی خیبر پختونخوا میں اتحادی حکومت بنانے کے لیے مولانا فضل الرحمان نے مسلم لیگ (ن) سمیت امریکی سفیر کے دروازے تک بھی دستک دی مگر شنوائی نہیں ہوئی۔ نواز شریف جن پر پہلے ہی

کرپشن کے الزامات ہیں، پاناما لیکس کی وجہ سے جس میں ان کے بچے شامل ہیں ان سے استعفی کا مطالبہ کیا جارہا ہے اور وہ مولانا فضل الرحمان کے بھائی مولانا ضیاء الرحمن کو گریڈ 18 سے گریڈ 20 میں ترقی دے کر مزید کرپشن کر چکے ہیں، جبکہ مولانا فضل الرحمان کے طمع اور خود غرضی کے کم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے ہیں۔

کراچی آپریشن، رینجرز اور ایم کیو ایم

متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) نے 23 اپریل 2016ء کو اپنے 167 لاپتہ کارکنوں کی بازیابی کے لیے کراچی پریس کلب کے باہر احتجاجی دھرنا شروع کیا۔ اگلے روز اتوار 24 اپریل کو ایم کیو ایم نے اپنے لاپتہ کارکنوں کی بازیابی کے لیے وزیراعلیٰ ہاؤس کے باہر دھرنا دیا، جہاں ایم کیو ایم کے چھ رکنی وفد نے صوبائی وزیر تعلیم نثار کھوڑو سے ملاقات کی جس کے بعد میڈیا سے بات کرتے ہوئے نثار کھوڑو کا کہنا تھا کہ ایم کیو ایم کے مطالبات سے وزیراعلیٰ سندھ کو آگاہ کریں گے۔ جبکہ ایم کیو ایم کے رہنما محمد حسین نے نثار کھوڑو کی یقین دہانی پر دھرنا ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے لاپتہ کارکنوں کے بارے میں سندھ حکومت اور وزیراعلیٰ کو آگاہ کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ کارکنوں سے متعلق یادداشت حکومت سندھ کو پیش کی ہے۔ ابھی ایم کیو ایم کے احتجاج اور دھرنے کو ختم ہوئے صرف آٹھ دن ہوئے تھے کہ یکم مئی کو متحدہ قومی موومنٹ کے رہنما ڈاکٹر فاروق ستار کے کوآرڈی نیٹر آفتاب احمد کو رینجرز نے گرفتار کرلیا اور انسداد دہشت گردی کی عدالت نے 90 روزہ ریمانڈ پر ان کو رینجرز کی تحویل میں دے دیا۔ 3 مئی کی صبح آفتاب احمد کو تشویشناک حالت میں جناح اسپتال لایا گیا، جہاں وہ ہنگامی امداد ملنے کے باوجود دم توڑ گئے۔

آفتاب احمد کی اچانک موت پر ترجمان رینجرز کا کہنا ہے آفتاب احمد کو سینے میں تکلیف کی شکایت پر اسپتال منتقل کیا گیا جہاں حرکت قلب بند ہونے سے وہ انتقال کر گئے۔ایم کیو ایم کے رہنما ڈاکٹر فاروق ستار کا کہنا ہے یقین دلایا جائے کہ آفتاب احمد کی موت طبعی طور پر ہوئی ہے، جبکہ آ فتاب احمد کی والدہ کا کہنا ہے ان کا بیٹا صحت مند تھا انصاف چاہتے ہیں۔ ابتدائی میڈیکو لیگل رپورٹ کے مطابق آ فتاب احمد کو جب جناح اسپتال لایا گیا تو دل کی دھڑکن اور نبض کام نہیں کر رہی تھی۔ مصنوعی تنفس کے ذریعے سانس بحال کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ جانبر نہ ہوسکے۔سینئر ایم ایل او ڈاکٹر کلیم کہتے ہیں موت کی وجہ کو عدالتی احکامات پر پوشیدہ رکھا گیا۔ جبکہ رینجرز کے لاء افسر نے آفتاب احمد کی موت سے متعلق ابتدائی رپورٹ انسداد دہشت گردی کی عدالت کے منتظم جج کے روبرو پیش کردی جس میں کہا گیا ہے کہ 3 مئی کی صبح سات بجے آفتاب احمد کی طبیعت اچانک خراب ہوئی جنھیں سینے میں تکلیف کی شکایت پر جناح اسپتال منتقل کیا گیا جہاں دوران علاج وہ دم توڑ گئے۔

چار مئی کوایم کیوایم نے آفتاب احمد کی رینجرز کی حراست میں ماورائے عدالت ہلاکت کیخلاف کراچی، حیدرآباد، سکھر، نوابشاہ، میرپور خاص، ٹنڈوالہ یار سمیت سندھ کے مختلف شہروں میں احتجاجی مظاہرے ہوئے اور یوم سوگ منایا گیا۔

احتجاجی مظاہروں سے خطاب کرتے ہوئے ایم کیو ایم کے رہنماؤں نے آرمی چیف جنرل راحیل شریف، صدر پاکستان، وزیر اعظم اور چیف جسٹس سے آفتاب احمد کے قاتلوں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ مقررین نے کارکنوں کی ماورائے عدالت قتل بند اور اسیر و لاپتا کارکنوں کی بازیابی کا مطالبہ بھی کیا۔ رینجرز کی طرف سے تو یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ اشفاق احمد کی موت دل کا دورہ پڑنے سے ہوئی ہے لیکن سوشل میڈیا پر دیکھی جانے والی تصاویر سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اشفاق احمد کی موت ان پر ہونے والے بدترین تشدد سے ہوئی ہے۔

آئی ایس پی آر کے مطابق فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے اس واقعہ کی مکمل تحقیقات کرنے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے واقعہ کی تحقیقات کا حکم دیتے ہوئے ہدایت کی ہے کہ حقائق جاننے کیلئے آفتاب احمد کی موت کی مکمل تحقیقات ہونی چاہئے اور ہر حال میں انصاف ہونا چاہئے۔ ڈائریکٹر جنرل سندھ رینجرز نے واقعہ کی چھان بین کیلئے تحقیقاتی کمیٹی قائم کر دی ہے اور ممکنہ طور پر ملوث اہلکاروں کو معطل کر دیا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ اب تحقیقات زیادہ شفاف انداز میں ہوں گی اور اصل مجرموں کا تعین کیا جاسکے گا اور مرحوم کے لواحقین کو اصل حقیقت سے آگاہی ہو گی کہ آفتاب احمد کی موت طبعی ہے یا ماورائے عدالت قتل۔ اس بھی زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ تحقیقاتی کمیشن رینجرز کی بجائے عدلیہ کے ماتحت بنتا تو زیادہ شفافیت پیدا ہوتی۔

سوشل میڈیا پر مضمون نگار فاخرہ گل کہتی ہیں کہ ''ایم کیو ایم کے پر تشدد کاروائیوں میں ملوث ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر مہاجر دہشت گرد اور را کا ایجنٹ ہے۔ جسطرح کے بدترین تشدد سے کل فاروق ستار کے کوآرڈینیٹر کو مارا گیا اس قانون میں اور ایک سو ستانوے قتل کرنے کے اعتراف کرنے والے عزیر بلوچ والے قانون میں فرق کیوں ہے؟ مانا کہ ہر ملک کی پولیس سچ اگلوانے کیلیئے مختلف طریقے استعمال کرتی ہے لیکن اسطرح کے بدترین تشدد کی مذمت ہونی چاہیئے خواہ وہ کہیں بھی ہو..... وہ لوگ جو پہلے ہی خود کو مظلوم سمجھتے ہیں اسطرح کے اقدامات سے ان میں مزید نفرت بڑھے گی جو کہ ہمارا وطن برداشت نہیں کرسکتا۔ ہم سب پاکستانی یکساں سلوک کے حقدار ہیں ۔ ہمیں مل کر رہنا ہے اور اس ملک کو آگے اور بہت آگے لے کر جانا ہے۔ اس لیے اگر ہماری اعلیٰ عدلیہ کی نیند میں خلل نہ پڑے تو انہیں چاہیئے کہ آفتاب احمد کے زیر حراست ہلاک ہونے پر از خود نوٹس لے اور ذمہ دار رینجرز اہلکاروں کا تعین کرکے انہیں بھی کڑی سزا دی جائے''۔

ڈاکٹر جمیل اصغر جامی فیس بک پر اپنی پوسٹ میں لکھتے ہیں کہ ''کراچی میں فاروق ستار کے کوآرڈینیٹر آفتاب احمد کی رینجرز کی تحویل میں ہلاکت ایک انتہائی افسوسناک اور شرمناک عمل ہے۔ رینجرز کی تحویل میں کسی کی ہلاکت کا

یہ پہلا واقعہ نہیں۔ چند سال پہلے سرفراز نامی ایک نہتے نوجوان کو سرعام سڑک پر گولیاں مار کر رینجرز اہلکاروں نے موت کی ندیج سلا دیا تھا۔ جس کی کربناک ویڈیو، پوری قوم نے دیکھی۔ یہ سمجھ نہیں آتی ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے، قانون کی دھجیاں کیوں بکھیرتے ہیں"۔

سید مجاہد علی اپنے مضمون ''زیر حراست تشدد کی افسوسناک مثال'' میں لکھتے ہیں کہ پاک فوج ملک میں تشدد اور دہشت کے خاتمہ کے لئے سرگرم ہے۔ اب یہ بات واضح'' ہو چکی ہے کہ دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے صرف چند افراد یا گروہوں کا خاتمہ ہی کافی نہیں ہے بلکہ شدت پسندی کے مزاج کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔ رینجرز یا دیگر سیکورٹی اداروں کی جانب سے زیر حراست لوگوں کے ساتھ غیر انسانی اور جسمانی تشدد بھی اسی مزاج کا آئینہ دار ہے جو معاشرے میں عام طور سے انتہا پسندی کے فروغ کا سبب بن رہا ہے۔ اس لئے اگر سماج سے انتہا پسندی کو ختم کرنا مطلوب ہے تو قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بھی اپنا رویہ اور طریقہ کار تبدیل کرنا ہوگا"۔

کراچی آپریشن ایک بحران کی شکل اختیار کرچکا ہے، رینجرز اور سندھ حکومت کے آپس کے تضادات کے تحت کراچی آپریشن چل بھی رہا ہے اور مفلوج بھی ہے۔ ایسے میں رینجرز اور ایم کیو ایم کا ایک دوسرے کے خلاف آمنے سامنے آجانا کسی

بھی طرح ملک اور خاصکر کراچی کے مفاد میں نہیں ہے۔ امید ہے جنرل راحیل شریف کے حکم پر تحقیقاتی کمیٹی قطعی غیر جانبدار اور شفاف تحقیقات کرے گی تاکہ آئندہ اس قسم کے افسوسناک واقعات پیش نہ آیں۔

کیا پیٹر فلیپ پشاور کا میئر بنے گا؟

لندن، برطانیہ کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ لندن دنیا کے ممتاز تجارتی، معاشی اور ثقافتی مراکز میں سے ایک ہے اور تقریباً دو ہزار سال پرانی آبادی، اس کی بنیاد قدیم رومیوں نے رکھی تھی۔ اُنیسویں صدی سے نام "لندن"، اُن تمام علاقوں تک پھیل گیا، جو اس کے اطراف و اکناف میں آباد ہوئے تھے، اور آج آبادیوں کا یہ ہجوم لندن، برطانیہ کے علاقوں اور عظیم لندن کے انتظامی علاقے اور مقامی طور پر منتخب میئر اور لندن دستور ساز مجلس کا حامل ہے۔ لندن بہت سے قسم کے لوگوں، مذاہب اور ثقافتوں کا گھوارہ ہے، اس شہر میں سو سے زائد زبانیں بولی جاتی ہیں۔ 2006ء کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق لندن کی آبادی 75,12,400 تھی جو کہ عظیم لندن کی حدود میں ہے۔ یہ آبادی کے لحاظ سے یورپی اتحاد کا سب سے بڑا شہر ہے۔ جبکہ اب کہا جاتا ہے کہ لندن کی موجودہ آبادی دس ملین یعنی ایک کروڑ کے قریب ہے۔ 5 مئی 2016ء لندن کے لیے ایک اہم دن تھا جب اس شہر کے باسیوں نے براہ راست اپنے شہر کے نئے میئر کا انتخاب کیا۔ لندن کے میئر کا عہدہ انتہائی اہم اور قابل احترام تصور کیا جاتا ہے۔ میئر کے لیے کل 12 امیدوار تھے جن میں سے اصل مقابلہ لیبر پارٹی کے صادق خان اور کنزرویٹو پارٹی کے زیک گولڈ اسمتھ کے درمیان تھا۔

برطانوی لیبر پارٹی کے صادق خان پہلے مسلم سیاستدان ہیں جن کو لندن کے میئر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ صادق خان کی کامیابی کے پیچھے انکا عوامی مسائل کی نشاندہی اور انکے حل پر بات کرنا تھا، اپنے مدمقابل زیک گولڈ اسمتھ کے ساتھ انتخابی مہم کے دوران انہوں نے لندن میں رہائش کے مسئلے پر کئی مرتبہ بحث کی۔ ان کے خیال میں لندن میں ہر سال 80 ہزار نئے مکانات تعمیر کیے جانے چاہیں اور ان میں سے 50 فیصد کی قیمت ایسی ہونی چاہیے جو عام آدمی کی پہنچ میں ہو، جبکہ زیک کے خیال میں 50 ہزار نئے مکانات کی تعمیر ہونی چاہیے۔ انتخابی مہم کے دوران صادق خان نے لندن میں مقامی آمدنی کے مطابق پبلک ٹرانسپورٹ کے کرایہ پر بھی خصوصی توجہ دی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ پبلک ٹرانسپورٹ کے کرایوں کو 4 سال کے لیے منجمد کر دیں گے جبکہ کامیابی کے بعد صادق خان کا کہنا تھا کہ وہ لندن میں بسنے والے تمام افراد کی بہتر انداز میں نمائندگی کریں گے۔ زیک گولڈ اسمتھ کی صادق خان کو شدت پسندی سے جوڑنے کی تمام تر انتخابی کوششوں کا الٹا اثر ہوا اور صادق خان سے زیادہ ووٹ برطانیہ میں آج تک کسی سیاستداں کو نہیں ملے؟

لندن میں میئر کی انتخابی مہم کے دوران جب چیئرمین تحریک انصاف عمران خان لندن گئے ہوئے تھے تو اس دوران سوشل میڈیا پر وہ صادق خان کے مقابلے میں زیک

گولڈ اسمتھ کی حمایت کرتے ہوئے اُنہیں لندن کے میئر کیلئے بہترین امیدوار قرار دے رہے تھے۔ عمران خان سیاستدان ہونے کے ناطے میئر لندن کے انتخابات میں غیر جانبدار پالیسی اختیار کرتے تو بہتر ہوتا۔ عمران خان کے اس اقدام نے لیبر پارٹی سے تعلق رکھنے والے تحریک انصاف کے کارکنوں کو مشکل میں ڈال دیا تھا اور وہ خاصے دلبرداشتہ نظر آئے۔ جب صادق خان سے اس حوالے سے سوال کیا گیا تو انھوں نے ہنستے ہوئے کہا کہ شکر ہے کہ لندن میں عمران خان کا ووٹ نہیں ہے۔ صادق خان کی کامیابی کے بعد عمران خان سے جب لندن کے میئر کے الیکشن میں ان کے بچوں کے ماموں زیک گولڈ اسمتھ کی شکست کے بارے میں سوال کیا گیا تو وہ مسکرا دیئے اور مزید کچھ نہ کہا۔

پاکستانی وزیر اطلاعات پرویز رشید جو عمران خان کی مخالفت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں اپنے ایک بیان میں لندن کا میئر منتخب ہونے پر پاکستانی نژاد برطانوی شہری صادق خان کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ پاکستانی نژاد کی جیت پاکستانیوں کے لئے خوشی کا سبب ہے، محنت کش کے بیٹے کی فتح پر پاکستانیوں کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ وفاقی وزیر کا کہنا تھا کہ عمران خان لندن میں اپنے اہل خانہ کے ہمراہ پاکستانی نژاد شہری کے خلاف مہم چلاتے رہے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ زیک گولڈ اسمتھ نے لندن میں عمران خان کی مقبولیت کے خود ساختہ دعوے کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے جب کہ عوام نے لندن

میں بھی عمران خان کی جھوٹی سیاست کو زمیں بوس کر دیا ہے۔

ویسے تو 5 مئی کو برطانیہ کے بیشتر علاقوں میں اسمبلیوں اور شہری کونسلوں کے انتخابات ہوئے، لیکن پاکستانی میڈیا کی ساری دلچسپی لندن تک محدود تھی، جس میں وہ خاصکر دو باتوں کا ذکر کرتا رہا، پہلی یہ کہ صادق خان ایک بس ڈرائیور کا بیٹا ہے، دوسرے وہ پاکستانی نژاد ہے۔ جبکہ جنھوں نے صادق خان کو ووٹ ڈالے ان کے نزدیک ان دو باتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ سو سے زیادہ زبانیں بولنے والے لندن کی تقریباً ایک کروڑ کی آبادی میں مسلمان صرف ساڑھے بارہ فیصد ہیں، جبکہ پاکستانی صرف پونے تین فیصد ہیں۔ برطانیہ میں دو نکات زیادہ اہم ہیں، پہلا نکتہ برطانیہ کی جمہوریت کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں یہ ایک سیکولر جمہوریت ہے جس میں میں تمام مذاہب کے پیروکار مل کر رہ سکتے ہیں، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جمہوریت میں ہر فرد کا احترام لازمی ہے، اسکے باپ کا پیشہ کیا تھا یا وہ پہلے دنیا کے کس حصے میں تھا اس سے سیکولر جمہوریت میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی، یہ ہی وجہ ہے کہ صادق خان کے لندن کے میئر بننے میں نہ ہی اسکے مذہب نے، نہ ہی اسکے باپ کے پیشے نے، اور نہ ہی پاکستانی نژاد ہونے نے کوئی رکاوٹ ڈالی، یہ ہی اصل جمہوریت ہے جسکا پاکستان میں ابھی تک کوئی تصور نہیں۔

پاکستانی میڈیا اور خاصکر ہمارے دو سیاستدان عمران خان اور پرویز رشید لندن کے میئر کے انتخابات میں اپنے اپنے نقطہ نظر کا اظہار کر چکے ہیں تو پاکستانی میڈیا سے یہ سوال کیا جانا ضروری ہے کہ کیا اس بات کو پورے دن اجاگر کرنا ضروری تھا کہ صادق خان کے والد ایک بس ڈرائیور تھے۔ کیا صادق خان کی سیاست کے حوالے سے میڈیا کے پاس اور کچھ نہیں تھا، لیکن جس ملک میں کمی کمین کی بات ہوتی ہو، وہاں ایسی ہی بات کی جائے گی، صادق خان پاکستانی نژاد ضرور ہیں لیکن ایک برطانوی شہری ہیں۔ عمران خان کی ایک یہودی نژاد زیک گولڈ اسمتھ کو میئر لندن بنانے میں دلچسپی تھی کیونکہ وہ انکا سابقہ سالا ہے، جبکہ پرویز رشید کو پاکستانی نژاد برطانوی شہری صادق خان کی جیت پر خوشی ہوئی ہے۔

عمران خان اور پرویز رشید سے صرف ایک چھوٹا سا سوال یہ ہے کہ برطانوی نژاد یا کسی اور نژاد کو تو چھوڑیں کیا پاکستانی رنجیت سنگھ، وجے کمار یا پیٹر فلیپ میں سے کبھی کوئی کراچی، لاہور یا پشاور کا میئر بنے گا؟ یقیناً آپکے پاس ایک ہی جواب ہوگا کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور ابتک ایسا نا ممکن ہے، یا شاید پاکستانی جمہوریت کو اس مقام پر پہنچنے میں وقت لگے۔ اس لیے گذارش ہے کہ تب تک قائداعظم کی 11 ستمبر 1947ء کی اس تقریر کی اشاعت پر پابندی لگا دیں جس میں ان کا کہنا تھا کہ ''مذہب ذاتی معاملہ ہے، ریاست

سے اس کا کوئی تعلق نہیں"۔

ترقی پسند ڈاکٹر رشید حسن خان انتقال کر گئے

لوگ کیسے اپنی نظریاتی سیاسی سوچ کو بدل لیتے ہیں، میرے نزدیک یہ ایک مشکل کام ہے۔ لیکن حالات اور واقعات بتاتے ہیں کہ کسی کی سیاسی سوچ کا دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں منتقل ہو جانا کوئی انہونی بات نہیں ہے، ایسا ممکن ہے اور ایسا دنیا بھر میں ہوتا ہے، پاکستان میں بھی اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں دائیں اور بائیں بازو کے نظریات کے حامل افراد اپنے مخالف بازو کے مقاصد اور تنظیموں کے ترجمان بن گئے۔ لیکن اس کے باوجود اسی پاکستان میں ایسے بے شمار لوگ بغیر اس بحث کے کہ وہ دائیں بازو سے ہیں یا بائیں بازو سے اپنے نظریات میں اٹل ہوتے ہیں، وہ مرتے وقت بھی اپنی سوچ اور نظریات کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ایسی ہی ایک اٹل سوچ کے مالک بائیں بازو کی طلبہ تنظیم نیشنل اسٹوڈنٹ فیڈریشن (این ایس ایف) کے سابق صدر ڈاکٹر رشید حسن خان تھے۔ رشید حسن خان حیدر آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے اور پاکستان ہجرت کی۔ انہوں نے ثانوی تعلیم کراچی میں حاصل کی اور ڈاؤ میڈیکل کالج سے گریجویشن کیا۔

جوانی کے دنوں ہی سے رشید حسن خان ترقی پسند تحریکوں میں سرگرم رہے۔ بالخصوص این ایس ایف میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ بائیں بازو کی طلبہ تنظیم این

ایس ایف کا قیام 1956ء میں ہوا۔ 1965ء میں این ایس ایف میں پہلی دھڑے بندی اس وقت سامنے آئی جب بین الاقوامی مزدور تحریک خروشچیف کی ترمیم پسند لائن کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ این ایس ایف کے ایک دھڑے کی قیادت امیر حیدر کاظمی کر رہے تھے جب کہ انقلابی لائن کی حمایت کرنیوالے دھڑے کی نمایندگی معراج محمد خان اور رشید حسن خان نے کی۔ 1968ء میں رشید حسن خان این ایس ایف کے صدر ہو گئے۔ این ایس ایف کی مرکزی مجلس عاملہ کے فیصلے کے مطابق 1969ء میں رشید حسن خان نے ملک گیر دورہ کیا، اس دورہ کے نتیجے میں این ایس ایف راولپنڈی، لاہور، پشاور، نوشہرہ، سوات، مردان، کیمبل پور، گجرات اور دوسرے شہروں میں بھی قائم کی گئی۔

رشید حسن خان نے سابق صدر ایوب خان کے فوجی دور حکومت میں 1960ء سے ء کے دوران بہت فعال کردار ادا کیا۔ جبکہ این ایس ایف کی سربراہی کے 1970 دوران وہ ایک اچھے مقرر بھی ثابت ہوئے۔انہوں نے ایوب خان کے دور حکومت میں ہی این ایس ایف کے لئے انتھک محنت کی اور اپنا ایک مقام بنایا۔ 1969ء میں یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد طلبہ یونین پر پابندی عاید کردی۔ اکتوبر اور نومبر میں طلبہ نے یونین انتخابات کے حق میں دھرنا دیا اور گرفتار کرلیے گئے۔ ان گرفتار طلبہ کی رہائی اور طلبہ یونین کے انتخابات کے انعقاد کے لیے این ایس ایف نے ملک گیر تحریک چلائی۔ رشید حسن خان اور ان کے ساتھیوں کو

گرفتار کرلیا گیا اور اس جرم میں فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ رشید حسن خان اور انکے ساتھیوں کو چھ ماہ سے ایک سال تک سزا ہوئی۔ جب ون یونٹ ٹوٹا تو انہیں رہائی ملی۔

1970ء کے انتخابات کے وقت رشید حسن خان حیدرآباد جیل میں تھے، ان کو مارچ 1971ء میں رہا کیا گیا جب مشرقی پاکستان میں بھرپور فوجی کارروائی ہو رہی تھی۔ ان کے ساتھ جیل میں موجود میر احمد علی تالپور، طارق عزیز اور مولانا عبدالحق بھی اس وقت حیدرآباد جیل میں تھے لیکن انہیں عام انتخابات سے پہلے رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد طارق عزیز نے اخبار کو انٹرویو کے دوران قیدیوں کی حالت زار اور انہیں منشیات پہنچانے میں جیل کے عملے کے کردار کے بارے میں بتایا۔ جیل کے سپریٹنڈنٹ نے رشید حسن خان سے ان الزامات کو رد کرنے کے بیان دینے کو کہا اور انکار پر اس نے رشید حسن خان کو قید تنہائی میں ڈال دیا۔ یہ وہی سیل تھا جہاں پیر پگاڑا صبغت اللہ شاہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے تھے۔ رشید حسن خان نے احتجاجاً بھوک ہڑتال کر دی۔ ایک ہفتے بعد رشید حسن خان کی صحت خراب ہونے لگی لیکن انہیں مناسب طبّی امداد نہیں دی گئی بلکہ انہیں سکھر جیل بھیج دیا گیا۔

رشید حسن خان نے اپنے ساتھی رہنما، معراج محمد خان کے بعد، این ایس ایف کی

سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کو تشکیل دینے میں سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ کندھے سے کندھا بھی ملایا۔ رشید حسن خان کا کہنا تھا کہ بھٹو کی دعوت پر ترقی پسند طلبہ اور کارکنوں نے اس خیال کے ساتھ ان کی حمایت کی کہ یوں تبدیلی آئے گی اور پرانے اور ناکارہ سیاسی نظام سے چھٹکارہ ملے گا۔ بھٹو نے پاکستان پیپلز پارٹی کا منشور بائیں بازو کے پروگرام اور نعروں کے مطابق بنایا۔ وہ بائیں بازو اور ترقی پسند قوتوں کے کندھوں پر بیٹھ کر اقتدار کے ایوانوں میں داخل ہوئے۔ چھ ماہ کے مختصر عرصہ میں بھٹو نے اپنا اصل رنگ ظاہر کر دیا۔ بھٹو بہت دیدہ ور اور ذہین تھے، لیکن مردم شناس ہر گز نہیں تھے، اگر ہوتے تو رشید حسن خان جیسے لوگ ان کے ساتھ ہوتے اور شاید آمر ضیا الحق کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ انھیں تختہ دار تک پہنچاتا اور نہ ہی پیپلز پارٹی اس حال کو پہنچتی، جس کا آج وہ شکار ہے۔

ڈاکٹر رشید حسن خان نے بھٹو کے زمانے میں ہی طلبہ سیاست کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ جنرل ضیا کے دور میں طلبہ سیاست پر پابندیوں کی وجہ سے وہ ملکی سیاسی صورتحال کے بارے مایوسی کا شکار ہو چکے تھے، مایوسی یہاں تک بڑھی کہ وہ عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ رشید حسن خان نے شادی نہیں کی تھی، پیشے کے اعتبار سے وہ ڈاکٹر تھے۔ سیاست سے کنارہ کشی کے بعد انہوں نے کراچی میں محنت کشوں

کے علاقوں میں فلاحی کلینک کھولے اور خود کو غریب و نادار افراد کو مفت طبی سہولیات فراہم کرنے اور لکھنے لکھانے تک محدود کرلیا تھا۔ 2010ء میں رشید حسن خان نے میڈیکل پریکٹس ترک کردی اور پاکستانی عوام کے بنیادی مسائل کے متعلق لکھنے میں مشغول ہوگئے۔ ہوسکتا ہے جب آپ انکو پڑھیں تو آپ میں سے کچھ کو ان کے نظریات اور تلخ نوائی اچھی نہ لگے مگر وہ ایک صاف گو، جرأت مند اور بااصول انسان تھے۔

ڈاکٹر رشید حسن خان کا 30 اپریل 2016ء کو کراچی میں انتقال ہوگیا۔ رشید حسن خان وہ انسان تھے جنھوں نے کبھی اصولوں پر سودا نہیں کیا، اپنے نظریات اور افکار پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔ خوش نصیبی سے ایک زمانے ہم بھی این ایس ایف کے رکن تھے اور این ایس ایف کے جلسوں میں جاتے تھے، لیکن ڈاکٹر صاحب اکثر جیل میں ہوتے تھے۔ایک دو مرتبہ ڈاؤمیڈیکل کالج میں ملاقات ہوئی، امید ہے کل جب تاریخ داں تاریخ لکھے گا تو شاید وہ اس ملک کے بڑے بڑے سیاست دانوں، چوہدریوں، وڈیروں، خانوں، سرداروں اور دوسروں کے نام نہ لکھے لیکن وہ اُن لوگوں کے نام جو عوام میں سے تھے اور عوام کی بات کرتے تھے ضرور لکھے گا اور یقیناً ان ناموں میں سے ایک نام ترقی پسند "ڈاکٹر رشید حسن خان" کا بھی ہوگا۔

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ اکتالیس سے بیالیس

سو لفظوں کی کہانی نمبر 41۔۔۔۔ روٹی۔۔۔۔۔۔

دونوں کا انتقال ایک ہی دن ہوا

وزیر کا انتقال لندن کے مہنگے اسپتال میں اور

شرفو کا انتقال کراچی کے سول اسپتال میں

سوئم تک رشتہ دار کھانا کھلاتے رہے

اب شرفو کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا

شرفو کی بیوی وزیر کی گھریلو ملازمہ ہے

وزیر کی میت آئی اور تدفین ہو گئی

وزیر کی بیوہ عدت گذار رہی تھی

اس کا فون آیا کام بہت ہے کل جلدی آجانا

جب وہ کام پر جارہی تھی تو رشتہ دار پوچھ رہے تھے

وہ عدت کیوں نہیں کر رہی کیا وجہ ہے؟

اس نے سب کی طرف دیکھا اور کہا ''روٹی''

سو لفظوں کی کہانی نمبر 42۔۔۔۔ گندا انڈا۔۔۔۔۔۔

میں غفور کو بتا رہا تھا کہ انڈا بہت کام کی چیز ہے
انڈا کھانے سے طاقت آتی ہے
کھانے کی بہت ساری ڈشیں بنتی ہیں
مگر جو گندا انڈا ہوتا ہے اس سے کچھ نہیں بنتا
غفور بولا میری اماں گندے انڈے کا استمال جانتی ہیں
کیا کرتی ہیں گندے انڈے کا تمہاری اماں ؟
میری اماں گندے انڈے سے میری نظر اتارتی ہیں
ان کو جمع کرتی ہیں اور گندی جگہ پر پھینک دیتی ہیں
گندے انڈے پھر جمع ہو رہے تھے لیکن آج ختم ہو گئے
ہمارے علاقے میں ماضی کے ضمیر فروش آئے تھے
اماں نے گندے انڈے ان ضمیر فروشوں پر پھینک دیے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 43۔۔۔۔ موچی دروازہ ۔۔۔۔۔۔
قادر بلوچ نے اپنے دوست گلو بٹ کو لاہور فون کیا
اڑے گلو بٹ کیا حال ہے
کل تو تمہارے لیڈر نے سب کو اڑا دیا
اڑے کیا عمران خان، کیا مشرف، کیا دوسرے
سب کو دھوبی پاٹ مار اڑے

گلو بٹ: شکریہ کل تو ساڈا شیر گرج رہا تھا

قادر بلوچ: گھر پر لائٹ نہیں تھی، تقریر سیل والے ریڈیو پر سنا

کارکنوں کے نعرے نہیں سنائی دیے کیوں؟

گلو بٹ: یار قادر بلوچ، نواز شریف وزیر اعظم ہاوس

سے قوم سے خطاب کر رہے تھے

قادر بلوچ: نہیں ڑے، قسم سے ہم تو سمجھا

نواز شریف موچی دروازے سے تقریر کر رہا ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 44۔۔۔۔ سنگدل ۔۔۔۔۔

جیب میں صرف 10 روپے تھے

پیچھے سے کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا

میں نے جیب میں سے 10 روپے نکال کر اس کو دے دیے

تھوڑی دیر بعد ایک فقیر اللہ کے نام پر مانگ رہا تھا

وہ آگے بڑھا تو ایک اور بندہ آکر بولا ٹکٹ

ابھی تو دیا تھا

مجھے نہیں پہلے والے فقیر کو دیا تھا

میرے پاس اب پیسے نہیں ہیں

کنڈکٹر بولا پھر نیچے اترو

دوسرے فقیر نے کنڈکٹر کو دس روپے دیکر کہا یہ ان صاحب کا ٹکٹ

میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا

میں فقیر ضرور ہوں سنگدل نہیں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 45-----بھیک------

اس نے دو نامی گرامی بھکاریوں ڈار اور ایدھی کے نام بتائے

ڈار ملک کے نام پر بھیک اور قرضہ مانگ کرلاتے ہیں

ڈار کے قرضے اور بھیک کی وجہ سے

ہر پاکستانی لاکھ روپے کا مقروض ہے

ایدھی صرف اپنے ملک میں ہی بھیک مانگتے ہیں

ایدھی کی مانگی ہوئی بھیک سے

لاکھوں ضرورت مندوں کی مدد کی جاتی ہے

بھکاری تو دونوں ہیں، ان میں خاص فرق کیا ہے؟

ڈار کی نگاہیں قرضہ یا بھیک مانگتے وقت جھکی ہوتی ہیں

ایدھی کو بھیک دینے والے کی نگاہوں میں التجا ہوتی ہے کہ

وہ انکی بھیک کو قبول کرلیں

بنگلہ دیش میں انسانیت کا قتل

پاکستان بننے سے پہلے تحریک پاکستان کی مخالفت کرنے والوں میں کانگریس کی زلف کے اسیر مولانا ابوالکلام آزاد تھے یا مولانا حسین احمد مدنی جو زندگی بھر کانگریس کی غلامی کرتے رہے۔ جمعیت علمائے ہند کا ایک بڑا حصہ جو علماء پر مشتمل تھا قیام پاکستان کا سخت مخالف تھا۔ ان علماء میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی شامل تھے۔ خدائی خدمت گار خان عبدالغفار خان گاندھی سے متاثر تھے، قیام پاکستان کے سخت مخالف تھے، خان عبدالغفار خان کو "سرحدی گاندھی" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے نہ تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور نہ حمایت لیکن مولانا مودودی مسلم لیگ کے مخالف تھے۔ جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مفتی محمود کا کہنا تھا کہ وہ پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں تھے۔ جی ایم سید بھی قائداعظم سے سیاسی اختلاف ہونے کی وجہ سے پاکستان مخالف کیمپ میں چلے گئے تھے، سقوط ڈھاکہ اور بنگلہ دیش کے قیام کے بعد جی ایم سید نے بھی 'سندھو دیش' کا نعرہ لگایا اور سندھ متحدہ محاذ کو 'جیے سندھ متحدہ محاذ' میں تبدیل کردیا تھا۔

تحریک پاکستان کے وقت قائداعظم محمد علی جناح کی کردار کشی کی گئی، مسلم

لیگی رہنماؤں کو دھمکیاں دی گئیں اور پاکستان کے مطالبے کو ترک کرنے کے لیے دباو ڈالا گیا۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے ان حربوں اور ہتھکنڈوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پاکستان وجود میں آگیا۔ آزادی کی اس جنگ میں دونوں اطراف کے لاکھوں لوگ مارے گئے، پاکستان کی حمایت کرنے والے لاکھوں لوگ جن میں کچھ صف اول کے وہ رہنما بھی شامل تھے جنھوں نے پاکستان بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا تھا بھارت میں ہی رہ گئے، آج بھی بھارت میں کڑوں مسلمان رہ رہے ہیں جبکہ پاکستان میں بھی تقریباً ایسی ہی صورتحال ہے، لاکھوں ہندو پاکستان میں آباد ہیں اور بھارت سے زیادہ وہ رہنما پاکستان میں موجود تھے جو پاکستان بننے کے مخالف تھے، دونوں طرف سب نے اپنی پوری زندگی بغیر کسی خوف کے گذاری۔ ان رہنماؤں پر جو پاکستان مخالف تھے کبھی اس بات پر کوئی مقدمہ قائم نہیں کیا گیا کہ انہوں نے قیام پاکستان کے وقت پاکستان کی مخالفت کیوں کی تھی، اب تو ان کی اولادیں اور پوتے پاکستان میں سیاست کر رہے ہیں۔ پاکستان میں حکومت چاہے فوجی رہی ہو یا جمہوری، پاکستان کے کسی بھی حکمران نے پاکستان مخالفوں پر کبھی اس الزام پر مقدمہ قائم نہیں کیا کہ انہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کیوں کی تھی، لیکن جب بھی پاکستان میں جمہوریت بحال ہوئی عوام نے اپنے ووٹوں سے ان تمام جماعتوں کو مسترد کر دیا جن کے رہنما تحریک پاکستان کے حامی نہیں تھے۔

بنگلہ دیش کی حسینہ واجد حکومت نے اب تک جن افراد کو پھانسی دی ہے وہ سب بنگلہ دیشی تھے کوئی پاکستانی نہیں تھا۔ 2010ء میں قائم ہونے والے جنگی جرائم کے ٹریبونل نے جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے 73 سالہ امیر مولانا مطیع الرحمٰن نظامی کو 1971ء کی جنگ میں پاکستان کا ساتھ دینے کی پاداش میں پھانسی کی سزا دی تھی۔ حسینہ واجد حکومت نے دس مئی 2016ء کو مولانا نظامی کو پھانسی دے دی۔ جماعت اسلامی اور دوسری سیاسی جماعتوں نے ایک حقیقت کے طور پر بنگلہ دیش کو قبول کرلیا تھا، جماعت اسلامی کی قیادت بھی عام انتخابات میں حصہ لے کر پارلیمنٹ میں پہنچی اور حکومتوں کا حصہ بنی۔ خود مولانا مطیع الرحمٰن نظامی دو مرتبہ خالدہ ضیاء کابینہ میں شامل رہے۔ اس تناظر میں یہ کہنا غلط نہیں کہ حسینہ واجد جنگی جرائم کے نام پر اپنے سیاسی مخالفین کو ٹھکانے لگارہی ہیں۔ مولانا نظامی پر الزام تھا کہ انھوں نے 'البدر' نامی تنظیم کے لیڈر کی حیثیت سے ان بنگالیوں کی نشاندہی کی جو پاکستانی فوج سے لڑرہے تھے اور انکو ہلاک کرنے میں پاکستانی فوج کی مدد کی۔ اس سے پہلے اسی ٹریبونل نے جماعت اسلامی کے رہنماؤں عبدالقادر ملا اور قمر الزماں سمیت کئی افراد کو پھانسی کی سزا دی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور متعدد عالمی مبصرین حسینہ واجد حکومت کی جانب سے بنائے گئے اس نام نہاد ٹریبونل کو انصاف کے عالمی معیارات کے منافی قرار دیتے ہیں۔

انیس سو سینتالیس کے بعد 1971ء میں سابق مشرقی پاکستان میں سقوط ڈھاکہ سے قبل جو کچھ ہوا وہ ایک بہت بڑا خونی سانحہ تھا، انسانیت کو دونوں طرف سے پامال کیا گیا۔ لیکن شاید حسینہ واجد کی نظر میں وہ غیر بنگالی انسان نہیں تھے جن کو اس عرصے میں بربریت کا نشانہ بنایا گیا؟ اس سانحہ کے دوران کتنے غیر بنگالی قتل ہوئے؟ غیر بنگالیوں کی نسل کشی، قتل، تشدد اور عصمت دری کے مجرموں کے ثبوت حکومت پاکستان نے 1971ء میں ہی پوری دنیا کو دے دیے تھے۔ 1971ء میں پاکستان کی وزارت اطلاعات نے ایک کتاب "ٹیررز ان ایسٹ پاکستان" چھاپ کر یا تو اپنے سفارت خانوں کے زریعے تقسیم کی یا پھر لندن کے ٹریفیگل اسکوائر میں 14 اگست 1971ء کے مظاہرئے میں تقسیم کی، اس کتاب میں وہ تصاویر موجود تھیں جو انسانیت کو شرمارہی تھیں، جس میں غیر بنگالی حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے جارہے تھے، بچوں کے پیٹوں میں بندوقوں کی سنگین ڈال کر انکو مردہ حالت میں اٹھاکر ناچا جارہا تھا۔ اگر یہ کتاب اُس وقت پاکستان میں منظر عام پر آجاتی تو شاید مغربی پاکستان میں جو بنگالی موجود تھے انکا حفاظت سے بنگلہ دیش جانا ناممکن ہوتا۔

بنگلہ دیش عملاً بھارت کی کالونی بن چکا ہے۔ حسینہ واجد جو کارروائیاں کررہی ہیں انہیں بھارت کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ عالمی فورم پر اگر کہیں کوئی آواز اٹھتی ہے تو بھارت پوری طرح بنگلہ دیش کے ساتھ کھڑا ہوجاتا ہے۔

پاکستان دشمنی میں مبتلا بنگلہ دیش وزیراعظم حسینہ واجد نے جنگی جرائم کا ایک نام نہاد ٹریبونل بنا کر اپنے مخالفین بالخصوص جماعت اسلامی کو نشانے پر رکھ لیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا حسینہ واجد انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے غیر بنگالیوں کی نسل کشی، قتل، تشدد اور عصمت دری کے مجرم عوامی لیگ کے ان بزرگ لیڈروں پر بھی ایسے ہی مقدمات چلائیں گی جیسے کہ وہ جماعت اسلامی کے لیڈروں پر چلا رہی ہیں؟ 1974ء میں پاکستان نے ساری تلخیاں بھلا کر بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا تھا۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان ایک معاہدہ بھی طے پایا تھا کہ ماضی کے واقعات کو بھول کر مستقبل میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو گی۔

حسینہ واجد نے اپنے آئین و قانون ہی کو نہیں، ساری دنیا کے ضابطوں، قاعدوں، قوانین اور معاہدوں کو پاوں تلے روند ڈالا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ 1947ء میں پاکستان بننے کی جنہوں نے مخالفت کی کوئی جرم نہیں کیا، بلکل اسی طرح 1971ء میں سابق مشرقی پاکستان اور موجودہ بنگلہ دیش میں بھارتی سازش اور مدد کے تحت چلائی جانے والی علیحدگی کی تحریک کے مقابلے میں جس نے بھی حکومت پاکستان کا ساتھ دیا اور پاکستان کو بچانے کی کوشش کی اس نے بھی کوئی جرم نہیں کیا۔ حسینہ واجد کی یہ خونی سیاست ان کے ملک میں نفرت اور انتشار کے فروغ کا سبب بنے گی اور اس کے نتائج بنگلہ دیش کے لئے تباہ کن ہوں گے۔

پاکستانی وزارت خارجہ کو بنگلہ دیش سے بات کرنے کے بجائے ہیومین رائٹس واچ، ایمنسٹی انٹرنیشنل، امریکا، یورپی یونین، جرمنی، برطانیہ، آسٹریلیا اور اقوام متحدہ سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ ”بنگلہ دیش میں انسانیت کے قتل“ کو روکیں۔

پاناما لیکس، عمران خان ماموں بن گئے

ایک مفروضہ یہ ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف اس وقت تک قومی اسمبلی میں نہیں آئے جب تک پیپلز پارٹی کے ساتھ ان کا مک مکا نہیں ہوگیا، کہا جارہا ہے کہ یہ مک مکا وزیر اعظم کی مرضی سے مولانا فضل الرحمان اور آصف زرداری کے درمیان ٹیلیفون پر ہوا ہے۔ نواز شریف جو پہلے مولانا فضل الرحمان سے ملاقات کرنے سے کتراتے تھے، آجکل وہ اور مولانا ایک جان دو قالب ہیں۔ نواز شریف کے مطابق آجکل مسلم لیگ ن) اور جمیعت علمائے اسلام (ف) میں جو نئی پارٹنرشپ بن رہی ہے وہ)
دیرپا ہوگی۔ وزیر اعظم نواز شریف اگر چاہتے تو اپنے 16 اپریل 2016ء کے قومی اسمبلی کے خطاب میں 3 اپریل سے شروع ہونے والے پناما لیکس کے بحران کو قومی اسمبلی میں حقیقت بیان کرکے ختم کرسکتے تھے، لیکن شاید انکے لیے ایسا ممکن نہیں تھا، کیونکہ پھر دبئی کی فیکٹری سے لیکر لندن کے کاروبار اور فلیٹوں تک کا حساب دینا پڑتا۔ اس ہنگامے کو خود انہوں نے بڑھایا ہے، پہلے 5 اپریل اور پھر 22 اپریل کو قوم سے خطاب کیے جس کی قطعی کوئی ضرورت نہیں تھی ۔ ان کے 22 اپریل کے قوم سے خطاب کو قطعی طور پر ایک وزیر اعظم کے شایان شان نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ خطاب لاہور کے موچی دروازے پر کی گئی تقریر کی طرح تھا۔

وزیراعظم جب قومی اسمبلی پہنچ ہی گئے تھے تو پھر پچاس سال کے دکھڑے سنانے اور صرف عمران خان کے خلاف بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چونکہ وزیراعظم کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ نہیں تھا تو سارا بوجھ اپنے مرحوم والد میاں شریف پر ڈال دیا کہ جو بھی کمایا والد نے کمایا۔ تو پھر وزیراعظم سے عوام کو یہ سوال کرنے کا تو حق ہے کہ جناب 1973ء میں متحدہ عرب امارات میں فیکٹری لگانے کے لیے آپکے

والد کے پاس سرمایہ کہاں سے آیا، ظاہر ہے آپ کے والد ایک بڑی رقم ملک سے باہر لے گئے ہونگے۔ کیسے؟ کیونکہ اس زمانے میں قانونی طور پر ملک سے باہر پیسہ لے جانا بہت مشکل تھا۔ چلیں مان لیتے ہیں کہ یہ پیسہ آپکے والد مرحوم کا تھا تو وراثت میں تو آپکے دوسرے بہن بھائیوں کا بھی حصہ ہوگا، تو پھر لندن کا سارا کاروبار اور سارے فلیٹ صرف آپکے بچوں کی ملکیت کیوں ہیں؟۔

کہتے ہیں کہ ایک کاروباری دس سیاست دانوں کے برابر ہوتا ہے۔ نواز شریف نے 16 اپریل کو پاناما لیکس کے سلسلے میں قومی اسمبلی میں اپنی تقریر کے آخری حصے میں فرمایا کہ میں کاروبار سے سیاست میں آیا ہوں، سیاست سے کاروبار میں نہیں، انکے اس بیان کی تصدیق جب ہو گئی جب انکی تقریر کے اختتام پر اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے اپنی صرف دو منٹ کی تقریر میں یہ کہہ کر اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا کہ چونکہ وزیر اعظم نے پاناما لیکس سے متعلق

اپوزیشن کے سات سوالوں کے جواب نہیں دیے اس لیے وہ واک آوٹ کر رہے ہیں۔
ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اپوزیشن وزیراعظم کو گھیرتی اور اپنی تقریروں کے زریعے نواز شریف کو باور کراتی کہ قوم انہیں ایک کرپٹ وزیراعظم سمجھتی ہے، وزیراعظم سے چیف جسٹس پاکستان کے لکھے ہوئے جواب کی روشنی میں بہت کچھ منوایا جاسکتا تھا۔ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے اجلاس کا بائیکاٹ کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہم ایوان میں باتیں کرکے وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے بلکہ میڈیا کے ذریعے عوام سے.براہ راست مخاطب ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سب مک مکا کا ایک حصہ تھا ورنہ خورشید شاہ کبھی بھی یہ منفی اور ناقابل قبول طرز عمل نہ اپناتے، عوام نے ووٹ دے کر ان لوگوں کو اس لئے اسمبلیوں میں بھیجا ہے کہ یہ عوامی مسائل پر ایوان میں بات کریں۔ کسی اپوزیشن لیڈر یا کسی پارلیمنٹرین کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کہے کہ ایوان میں بات کرنا وقت کا ضیاع ہے۔
حکومت اور پیپلز پارٹی کے مک مکا کو اگر سب سے پہلے کوئی سمجھا تو وہ متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) ہے، جس نے سب سے پہلے اپوزیشن کا ساتھ نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ ایم کیو ایم کے اراکین نے 17 اپریل کو ہونے والے متحدہ اپوزیشن کے اجلاس میں بھی شرکت نہیں کی تھی۔ وزیراعظم کے قومی اسمبلی کے خطاب کے بعد اپوزیشن کے واک آؤٹ نے جہاں سب کو حیران کیا وہاں ہی بہت سارے سوالات نے جنم لیا کہ، کیوں پاناما لیکس پر وزیراعظم کے قومی اسمبلی

میں خطاب کے بعد اپوزیشن واک آؤٹ کر گئی؟ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ صرف دو منٹ کیوں بولے؟ کیا عمران خان کے ساتھ ہاتھ ہوگیا؟ کیا پیپلز پارٹی نے سیاسی طور پر اس بحران کو اپنے کنٹرول میں لے لیا؟ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے جیو نیوز کے ایک پروگرام میں بتایا کہ تحریک انصاف واک آؤٹ کی سب سے بڑی حامی تھی۔ انہوں نے کہا کہ شیریں مزاری نے میرے خطاب سے پہلے انتہائی سختی سے کہا کہ شاہ صاحب تقریر چھوٹی رکھیے گا، ہم فوراً نکل جائیں گے، ایم کیو ایم بھی واک آؤٹ کے فیصلے میں شریک تھی لیکن آج جیو نیوز کے ہی ایک پروگرام میں ایم کیو ایم کے علی رضا عابدی نے اس بات کی تردید کی ہے ایم کیو ایم بھی واک آؤٹ کے فیصلے میں شریک تھی، ہو سکتا ہے بعد میں شریں مزاری بھی خورشید شاہ کے بیان کی تردید کریں۔

قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے اپنا کھیل جاری رکھا ہوا ہے، پیپلزپارٹی پاناما سیاست کو اپنے کنٹرول میں لے چکی ہے۔ جبکہ عمران خان اور انکی پارٹی کے ممبر پچھلی صف میں کھڑے ہونے پر راضی ہو چکے ہیں۔ خورشید شاہ کی امامت قبول کرکے عمران خان نے تحریک انصاف کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ متحدہ اپوزیشن کے اجلاس کے بعد میڈیا سے بات چیت میں اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ کا کہنا تھا کہ بڑی منتوں کے بعد تو وزیراعظم اسمبلی میں آئے تھے۔ ہمارا تو فورم ہی اسمبلی ہے، ہم اسمبلی سے کہاں بھاگنے والے ہیں، متحدہ اپوزیشن

سینیٹ اور قومی اسمبلی کے اجلاس کا بائیکاٹ ختم کرتی ہے۔ اٹھارہ اپریل کو اجلاس کا بائیکاٹ ختم کرکے جب اپوزیشن واپس قومی اسمبلی میں آئی تو وزیراعظم اسمبلی میں موجود نہیں تھے، اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ اور عمران خان دونوں نے تقریریں کیں لیکن ان کی اہمیت وہ نہ رہی جو 16 اپریل کو کرنے سے ہوتی۔

میڈیا رپورٹ کے مطابق وزیراعظم نواز شریف کی تقریر کے دوران عمران خان جس طرح وزیراعظم کی تقریر کے نوٹس لے رہے تھے اس سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف نواز شریف کی تقریر کا جواب دیں گے بلکہ آف شور کمپنی کے بارے میں اپنا موقف بھی پیش کریں گے۔ تاہم اُن کی یہ خواہش اس وقت دم توڑ گئی جب خورشید شاہ نے اچانک اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ عمران خان کی باڈی لینگویج سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید وہ اپوزیشن لیڈر کے اس فیصلے کے لیے تیار نہیں تھے۔ عمران خان کی ساتھ والی نشست پر بیٹھے ہوئے شاہ محمود قریشی نے اپنی پارٹی کے قائد کو اُٹھنے کا اشارہ کیا۔ شاہ محمود قریشی نے بتایا کہ عمران خان اپنے اوپر لگے الزامات کا قومی اسمبلی میں جواب دینے کے لیے تیار تھے لیکن متحدہ اپوزیشن نے انہیں آج کے اجلاس میں جواب دینے سے روکا۔ خورشید شاہ کی مختصر تقریر کے اختتام کے بعد پاکستان تحریک انصاف کے اراکین سمیت اپوزیشن ارکان نے واک آؤٹ کر دیا، اور شاید یہ ہی وہ مرحلہ تھا

جب پیپلز پارٹی نے عمران خان اور پوری تحریک انصاف کی قیادت کو ماموں بنادیا۔ گویا
اپریل کا اجلاس پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کا فکس میچ تھا۔ 16

سو لفظوں کی کہانیاں۔۔۔ چھیالیس سے پچاس

سو لفظوں کی کہانی نمبر 46۔۔۔۔ مقابلہ۔۔۔۔۔۔

فیس بک پر اپنی تصویر لگائی جس میں ساتھ میں پوتی بھی تھی

شام تک فیس بک کے دوست لائیک کرتے رہے

تصویریں تو ہم نے اس سے پہلے بھی فیس بک پر لگائی ہیں

لیکن کبھی اتنے لائیک نہیں آئے

اپنے بچوں سے جن میں بیٹا اور بہو بھی شامل ہیں پوچھا

کیا میری یہ تصویر بہت اچھی ہے، سب مسکرا کر خاموش ہو گئے

پھر بہن سے پوچھا، وہ بولی

یہ سارے لائیک آپکے لیے نہیں آپکی پوتی کے لیے ہیں

اوہ تو یہ بات ہے، یہ جان کر بے حساب خوشی ہوئی

کیونکہ اولاد کی اولاد سے بڑھ کر کوئی نہیں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 47۔۔۔۔ وزیر اعظم بدل لو۔۔۔۔۔۔

آجکل پاناما لیک پوری دنیا کی سیاست پر چھایا ہوا ہے

نیوزی لینڈ اور پاکستان کی اسمبلیوں کے اسپیکرز

اپنے اپنے وزیراعظم سے پریشان تھے
نیوزی لینڈ کے اسپیکر کے مطابق پاناما پیپرز کے
حوالے سے وزیراعظم اسمبلی کی کارروائی میں خلل ڈال رہے تھے
اسپیکر نے وزیراعظم کو اسمبلی سے باہر نکال دیا
پاکستان کے اسپیکر کے مطابق
جب سے پاناما لیک ہوا ہے
تب سے وزیراعظم نے اسمبلی کا رخ نہیں کیا
دونوں اسپیکرز نے مجھ سے مسئلے کا حل پوچھا
'میں نے ایک کہانی پڑھی تھی 'گھوڑے بدل لو
'اس میں ترمیم کرکے کے کہہ دیا 'وزیراعظم بدل لو

سو لفظوں کی کہانی نمبر 48---- مقروض لکھ پتی ------
بے باک گلوُ حلوائی سے قرض پر لائی ہوئی باسی مٹھائی بانٹ رہے تھے
ہمیں شوگر ہے مگر مٹھائی مفت میں تھی
اپنے رہنماوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے
بے باک کے سامنے ہاتھ پھیلا دیے
دو لڈو ہاتھ پر رکھے اور بولے لکھ پتی بننا مبارک ہو
بدبودار لڈو کھاتے ہوئے پوچھا ہم لکھ پتی کیسے ہوگے؟

بے باک بولے ابھی وزیر خزانہ نے قرض لینا نہیں چھوڑا
ستمبر 2013ء کے اعداد و شمار کے مطابق
ہر پاکستانی 96422 روپے کا مقروض ہوچکا تھا
تو لازمی ابتک لاکھ سے زیادہ کا مقروض تو ہوچکا ہوگا
ہوئے نہ آپ لکھ پتی
لیکن مقروض لکھ پتی

سو لفظوں کی کہانی نمبر 49۔۔۔۔ سامنے تو آؤ۔۔۔۔۔۔
اپوزیشن والے کافی دن سے کچھ گنگنا رہے تھے
پوچھا کیوں گنگنا رہے ہو
بولے وزیر اعظم کو قومی اسمبلی میں بلا رہے ہیں
پاناما لیکس کے بعد وزیر اعظم نے دو مرتبہ قوم سے خطاب کیا
حسب اختلاف کے شور مچانے پر سولہ مئی کو اسمبلی میں آئے
ایوان کو اپنی پچاس سال کی دکھ بھری داستان سنائی
اپوزیشن لیڈر نے واک آوٹ کیا
واپس آکر اب ستر سوالوں کے جواب مانگ رہے ہیں
سات سوالوں کے جوابات کے لیے پیتالیس دن گنگنائے
اب ستر سوالوں کے جوابات کے لیے اپوزیشن لیڈر کو

دو ہزار اٹھارہ تک گنگنانا پڑے گا

زرا سامنے تو آؤ چھلیے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 50 ----- دال قیمہ ------

یہ تماری صدارت کی دوسری مدت کا آخری سال ہے

بچت کے نام پر ہمارے پاس کچھ نہیں ہے

کاش تم امریکہ کی بجائے پاکستان میں پیدا ہوتے

نیویارک اور واشنگٹن میں اپنے کاروبار اور وی آئی پی فلیٹس ہوتے

کیا کروگے اوباما؟ مشیل نے پوچھا

اوباما بولے مشیل امریکی صدر کاروبار نہیں کرتا

تم ایسا ہی سمجھ لو میں پاکستان میں پیدا ہوا ہوں

لاکھوں پاکستانی دبئی میں ملازمت کرتے ہیں

مجھے بھی دبئی کے ایک شیخ نے نوکری کی آفر کی ہے

صدارت ختم ہونے کے بعد دبئی چلیں گے

کسی پاکستانی فیملی کے ساتھ ملکر دال قیمہ کھائینگے

ارکان پارلیمان کی تنخواہوں میں اضافہ

پاکستان میں غربت کی شرح میں دن بدن اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے، 20 کروڑ کی آبادی والے ملک کی 65 فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذار رہی ہے۔ غربت کی اس بڑھتی ہوئی شرح کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پینے کا صاف پانی یا تعلیم کا حصول ملک کی ایک کثیر تعداد کو میسر نہیں، ڈھائی کروڑ بچے کبھی اسکول نہیں گئے، سرکاری اسکولوں کا حال بد سے بدتر ہے جبکہ پرائیویٹ اسکولوں کی فیس عام آدمی کے بس سے باہر ہے۔ مسائل سے لڑتے ہوئے پاکستانی عوام ایک ایسے استحصالی اور شرمناک نظام میں زندہ رہنے پر مجبور ہیں، جہاں اُنھیں آئی ایم ایف، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ملک کے وسائل پر مسلط چند فیصد مافیا نے زندہ درگور کر رکھا ہے۔ نہ علاج کرانے کے لیے پیسے ہیں اور نہ پیٹ بھرنے کا کوئی مستقل سہارا۔

جمعرات 19 اپریل 2016ء کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں ارکان پارلیمنٹ کی تنخواہوں اور الاؤنسز میں اضافے سے متعلق تجاویز مراعات کے حوالے سے سفارشات پر مبنی ایک رپورٹ ایوان میں پیش کی گئی، جس کی بعد میں قومی اسمبلی نے منظوری دیدی۔ قومی اسمبلی میں پیش ہونے والی اس رپورٹ میں اراکین

پارلیمنٹ کی تنخواہوں میں ڈیڑھ سو فیصد اضافے کی تجویز پیش کی گئی ہے، جس کے مطابق اراکین پارلیمنٹ کی تنخواہ 80 ہزار روپے سے بڑھ کر 2 لاکھ روپے ہو جائے گی، اس کے علاوہ الاؤنس 2 لاکھ روپے، بزنس کلاس ایئر ریٹرن ٹکٹ یا واؤچر کی حد 3 لاکھ روپے کرنے کی تجاویز پیش کی گئی ہے، جبکہ اسپیکر، چیئرمین سینیٹ کی بنیادی تنخواہ 4 لاکھ روپے، ڈپٹی اسپیکر وڈپٹی چیئرمین 3 لاکھ 50 ہزار روپے، مختلف الاؤنس 6 ہزار روپے سے بڑھا کر 50 ہزار روپے کرنے کو کہا گیا ہے۔

بد قسمتی سے جمہوریت کے اس دور میں ان 65 فیصد افراد کی قطعی کوئی نمائندگی نہیں جو غربت کی لکیر سے نیچے رہ رہے ہیں اور نہ ہی عام عوام کو جو غربت کی لکیر سے تھوڑا بہت اوپر ہیں،آصف زرداری اور نواز شریف نے اپنی کرپشن سے روزانہ کی بنیاد پر غربت میں اضافہ کیا ہے۔ چار مرتبہ روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر پیپلز پارٹی برسر اقتدار آئی اور اُس کے آخری دور میں آصف زرداری اور ان کے ساتھیوں نے کرپشن کے سارے ریکارڈ توڑ دیے، یہ ہی حال شریف برادران کا ہے، شہباز شریف غریب عوام کو سستی روٹی دینے کے نام پر اربوں روپے کھا گئے۔ لاہور کے شہریوں کو صاف پانی تو آجتک نصیب ہوا نہیں لیکن میٹرو میں گھوم رہے ہیں جو دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ قیمت پر بنائی گئی ہے، اب تک مرکزی حکومت نے ایک بھی ایسا کام شروع نہیں کیا جو عام آدمی

کی بنیادی ضرورت ہے، مثلاً پانی، تعلیم اور صحت۔ جو سیاسی نظام اس وقت ملک میں رائج ہے یہ ایک جابرانہ نظام ہے جس میں آبادی کی اکثریت بنیادی سہولتوں سے محروم رہتی ہے۔

موجودہ حالات میں کتنے ایسے افراد ہیں جو دو وقت کی روٹی کمانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اپنے بچوں کو تعلیم دلوا سکتے ہیں اور ان کے علاج معالجے کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکتے ہیں۔ نچلے درجے کا سرکاری ملازم جب تک اضافی کام دھندہ یا اضافی ملازمت نہ کرے اپنے معاشی مسائل حل نہیں کر سکتا جبکہ نجی شعبہ میں کام کرنے والوں کی انتہائی کم آمدنی میں تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بے روزگاروں کے مسائل تو الگ ہیں ان بے چاروں کے پاس تو آمدنی کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہوتا۔ کرپشن پورے ملک میں ایک کینسر کی طرح پھیل چکا ہے، الیکشن سے پہلے عوام کو کہا گیا تھا کہ کشکول توڑ دینگے، توڑتے تو کیا کشکول کا سائز بڑا کر دیا ہے۔ پچھلے تین سالوں میں نواز شریف کی حکومت نے پانچ ہزار ارب روپے کا قرضہ لیا ہے۔ آئی ایم ایف سے قرضے لے کر پوری قوم کو گروی رکھ دیا گیا ہے، آج ہر پاکستانی تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار روپے کا مقروض ہے۔ قرض ادا کرنے کے لیےآئی ایم ایف کے حکم پر بجلی اور گیس مہنگی کر دی جاتی ہے، اور غریب عوام اس قرضے کو ادا کرتے ہیں۔

مقروض اور غربت کے مارے ہوئے عوام کو جب قومی اسمبلی کے ارکان پارلیمنٹ کی تنخواہوں اور الائونسز میں اضافے کی خبر ملتی ہے، تو وہ کیسا محسوس کرتے ہیں، اس سے پارلیمینٹ میں موجود اشرافیہ کو کوئی غرض نہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ قومی اسمبلی میں رپورٹ پیش کرنے والے حکمراں جماعت کے محمود بشیر ورک نے بی بی سی کو بتایا کہ جس وقت ایوان میں تنخواہوں میں اضافے کی قرارداد پیش کی گئی تو ایوان میں موجود دو تہائی اکثریت نے اتنی اونچی آواز میں اس قرارداد کی تائید کی کہ اتنی شائد کسی آئینی ترمیم کے پاس ہونے کے سلسلے میں اپنی آواز بلند نہ کی ہو۔ اراکین پارلیمنٹ کی تنخواہوں اور مراعات میں اضافے سے ملک بھر کے عوام میں مایوسی پھیلی ہے جبکہ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید کا کہنا ہے کہ ارکان پارلیمنٹ کی تنخواہوں میں اضافہ گناہ کبیرہ نہیں، انھوں نے کہا کہ قومی اسمبلی اور سینٹ کے اراکین کی تنخواہوں میں اضافہ محض حکومت پر تہمت ہے کیونکہ یہ اضافہ حکومت نے ہرگز نہیں کیا بلکہ اراکین پارلیمنٹ نے اس پر پارلیمنٹ میں اتفاق کیا ہے۔

سینیٹ اجلاس میں ایک حکومتی رکن نے نکتہ اعتراض پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں بھی سینیٹرز کی تنخواہوں میں اضافے کا بل لانا چاہیے، جس پر چیئرمین سینیٹ میاں رضا ربانی نے درخواست مسترد کرتے ہوئے کہا کہ یہ بالکل مناسب نہیں ہے، ان اراکین کو عوام کی خدمت کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے نہ کہ

اپنی تنخواہیں بڑھانے کے لیے۔ چیئرمین سینیٹ رضا ربانی کا کہنا تھا کہ میں سینیٹرز کی تنخواہوں میں اضافے کو ناجائز مطالبہ سمجھتا ہوں۔ متحدہ قومی موومنٹ کے اراکین قومی اسمبلی نے کہا ہے کہ ملک و قوم کی موجودہ صورتحال کے تناظر میں قومی اسمبلی کے اراکین کی تنخواہوں اور مراعات میں اضافہ مسترد کرتے ہیں اور ملک کے منتخب ایوان کے اراکین کی تنخواہوں اور مراعات میں اضافہ سے عوام میں منفی تاثر پیدا ہوا ہے۔ اس رپورٹ میں پاکستان کی قومی اسمبلی کے اراکین کی تنخواہ اور مراعات کا تقابلی جائزہ پاکستان کے چاروں صوبوں کے اراکین کے ساتھ ساتھ چین، بھارت،، برطانیہ، بنگلہ دیش، کینیڈا، آسٹریلیا، جرمنی، امریکا اور سوئٹزرلینڈ کی پارلیمنٹ کے اراکین کے ساتھ بھی کیا گیا ہے۔ یہاں میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے اپنے ارکان قومی اسمبلی سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کیا انھوں نے کبھی پاکستان کے عام آدمی کی آمدنی کا تقابلی جائزہ مندرجہ بالا ممالک کے عام آدمی کی آمدنی سے کیا، اگر وہ ایسا کرتے تو شاید بقول پرویز رشید کے یہ بھی کوئی گناہ کبیرہ نہ ہوتا۔ ارکان اسمبلی کی تنخواہوں اور مراعات میں اضافہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ عوام کے منتخب نمائندے پانی اور بجلی کے بحران سے نجات اور عام آدمی کا معیار زندگی بہتر بنانے کی بجائے صرف اپنے مفادات کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ قومی اسمبلی سے اس رپورٹ کی منظوری کے

بعد عام پاکستانی عوام یہ سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارے ارکان اسمبلی صرف اپنے مفادات کا خیال رکھتے ہیں، انہیں عوام کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں۔

خواتین مخالف کونسل

اسلامی نظریاتی کونسل کو اگر ہم ''خواتین مخالف کونسل'' کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ایسا لگتا ہے کہ کونسل کے چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی اور ان کے رہنما مولانا فضل الرحمان کے ساتھ انکے گھروں میں اچھا سلوک نہیں ہوتا، شاید اس وجہ سے ہی مولانا فضل الرحمان اور ان کی ہمنوا اسلامی نظریاتی کونسل نے پنجاب اسمبلی کے منظور کردہ قانون برائے ''تحفظ نسواں'' کی شدت سے مخالفت کی تھی۔ پنجاب ''تحفظ نسواں'' قانون 2015ء میں متعارف کروائے جانے والے نظام کے تحت صوبے بھر میں ضلعی سطح پر خواتین اہلکاروں کو تعینات کیا جاسکے گا۔ یہ اہلکار خواتین کی جسمانی، معاشی، یا پھر نفسیاتی تشدد کی شکایات پر کارروائی کرنے کی مجاز ہوں گی۔ جرائم میں گھریلو تشدد، جنسی تشدد، نفسیاتی اور جذباتی زیادتی، معاشی زیادتی، ہراسانی اور سائبر جرائم، شامل ہیں۔ 26 مئی 2016ء کو اسلامی نظریاتی کونسل نے 163 صفحات پر مشتمل خواتین کے تحفظ کے لئے خود اپنی سفارشات پیش کی ہیں۔ ان سفارشات سے حاصل کچھ نہیں ہونا، یہ سفارشات خواتین پر کئی طرح کی پابندیاں لگانے کی تجویز دیتی ہیں۔ ان تجاویز کے مطابق مرد کو عورت کی معمولی پٹائی کرنے کی اجازت ہونی چاہیے بشرطیکہ وہ اس کی حکم عدولی کرے۔ کچھ روز قبل ہی مولانا شیرانی نے میڈیا کو بتایا تھا کہ اسلام میں عورت پر

تشدد کی اجازت نہیں لیکن اب ان کی ہی پیش کردہ سفارشات میں کہا گیا ہے کہ شوہر کو بیوی کی ہلکی پٹائی کی اجازت ہونی چاہیے۔ دین سے وابستہ لوگوں کے یہی متضاد اور افسوسناک رویے عام لوگوں میں بے راہ روی عام کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔

پاکستان کی گذشتہ پندرہ سال کی سیاسی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دو سابق اور ایک موجودہ حکمران جن میں سابق صدر جنرل پرویز مشرف، پیپلز پارٹی کے سربراہ اور سابق صدر آصف زرداری اور مسلم لیگ (ن) کے سربراہ اور موجودہ وزیراعظم نواز شریف نے سب سے زیادہ اپنے مفادات کی تکمیل کی ہے، ان مفادات میں مالی فوائد کے علاوہ اپنے خاندان، اپنے دوستوں اور پارٹی کے ساتھیوں کو اعلیٰ عہدے پر فائز کرنا جہاں کرپشن کرکے وہ کڑوں روپے مہینوں میں کما لیتے ہیں۔ ان تین حکمرانوں کے درمیان ایک اورانتہائی مفاد پرست سیاسی شخصیت مولانا فضل الرحمان ہمیشہ موجود رہے، جو نام تو اسلام کا لیتے ہیں لیکن اپنے علاوہ، اپنے خاندان، اپنے دوستوں اور پارٹی کے ساتھیوں کے مفاد کے لیے اسلام کو پس پشت ڈالنے میں دیر نہیں کرتے۔ 2008ء میں جب مسلم لیگ (ن) نے پیپلز پارٹی کی حکومت کی حمایت ختم کی تو مولانا فضل الرحمان نے آصف زرداری کا ہاتھ تھام لیا۔

مولانا فضل الرحمان اور آصف زرداری کے مفاد پرستانہ تعلقات کا مولانا فضل الرحمان نے پورا فائدہ اٹھایا اور 2010ء میں متحدہ مجلس عمل کی بحالی کا ڈرامہ رچا کر کامیابی سے مولانا محمد خان شیرانی کیلئے اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ حاصل کرلی، مطلب مولانا شیرانی کا تقرر مولانا فضل الرحمان اور آصف زرداری کے مفاد پرستانہ تعلقات کا نتیجہ ہے۔ اب اسلامی نظریاتی کونسل کی نوعیت بھی سیاسی ہے اوراس کی چیئرمین شپ پر ناجائز طریقے سے بیٹھا ہوا شخص بھی سیاسی ہے، مولانا شیرانی جو مذہب کے نام پر عیاشی فرمارہے ہیں، وقفہ وقفہ سے متنازعہ تجاویز اور نظریات پھیلا کر قوم میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ مولانا شیرانی عوام کے منتخب نمائندے نہیں ہیں ان کو ایک سیاسی سودے بازی کے نتیجے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ دی گئی اور اسلامی نظریاتی کونسل کے چئیرمین ہونے کے ناطے ان کو وفاقی وزیر کے برابر تمام مراعات حاصل ہیں۔ مولانا فضل الرحمان اور انکے سیاسی رفقا کی عیاشیاں ان ہی سیاسی رشوت سے چل رہی ہیں۔کچھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا انکی یہ آمدنیاں حلال ہیں بھی یا نہیں۔

خواتین کی صحت، تعلیم، سیاسی بااختیاری اور معاشی استحکام کے حوالے سے انتہائی خراب کارکردگی کے باعث اقوام متحدہ کے صنفی عدم مساوات کے اشاریے میں 188 ممالک کی فہرست میں پاکستان کا نمبر 147 واں ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ

ہے کہ پاکستان گروہوں اور قبیلوں میں بٹا ہوا معاشرہ ہے جہاں جاگیردارانہ نظام اب بھی مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے ہے۔ اس نظام میں خواتین کے ساتھ ذاتی ملکیت کی طرح سلوک کیا جاتا ہے۔ شہری طرز زندگی میں اضافے اور انحطاط پذیر مشترکہ خاندانی نظام خواتین کے خلاف ہونے والی زیادتیوں اور برے رویے میں اضافے کا سبب بنا ہے۔ 'عورت فاؤنڈیشن' کی 2014ء کی رپورٹ کے مطابق سال کے ہر دن، چھ خواتین قتل اور چھ اغوا ہوئیں، چار کے ساتھ زیادتی ہوئی، اور تین خواتین نے خودکشی کی۔ جہیز کے لیے کیا جانے والا تشدد اور تیزاب پھینکنے کے واقعات اس کے علاوہ ہیں۔

حقوق نسواں کے لیے کام کرنے والی انیس ہارون کا کہنا ہے کہ مولوی کون ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کو بتائے کہ کس طرح کا لباس انہیں پہننا چاہیے۔ انیس ہارون کا کہنا ہے کہ، خواتین کی تنظیموں کا ایک اجلاس اسلام آباد میں ہو رہا ہے، جس میں ان تنظیموں کی" سرکردہ خواتین حصہ لے رہی ہیں۔ ہم ان تجاویز کو یکسر مسترد کرتے ہیں۔ ان تجاویز کے حوالے سے خواتین سے کوئی مشاورت نہیں کی گئی اور ان تجاویز کی سفارشات سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں، جنہیں ویسے بھی پاکستانی عوام رد کرتے ہیں۔ ملک میں قانون سازی کے لیے پارلیمان موجود ہے۔ علاوہ ازیں خواتین سیاست دان بھی ان تجاویز پر سیخ پا ہیں۔ پنجاب اسمبلی کی رکن عظمٰی بخاری نے اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''کیا مولانا

شیرانی گھر گھر جا کر دیکھیں گے کہ کون سا مرد اپنی بیوی کی معمولی پٹائی کر رہا ہے اور کون سا شوہر غیر معمولی مار پیٹ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ مار پیٹ تشدد کے زمرے میں آتی ہے اور اسلام میں تشدد کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ مولوی اسلام کی غلط تشریح کر رہے ہیں"۔

پاکستان بہت ساری مشکلات میں گھرا ہوا ہے لیکن ان نام نہاد علما کی تان خواتین سے شروع ہو کر خواتین پر ہی کیوں ٹوٹتی ہے؟ بظاہر تو یہ اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کے لئے حکومتوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ کرپشن کے کے خلاف ان لوگوں نے کوئی تحریک نہیں چلائی، دہشتگردوں کے تو یہ خود سہولت کار ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں پائی جانے والی گھٹن اُس کے افراد کی صلاحیتوں کو پنپنے کا موقع نہیں دیتی۔ خواتین کی تعلیم اور اُن پر موجود ناروا معاشرتی دباؤ نے پاکستانی خواتین کی ترقی کو مسدود تو کیا ہے لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ اس ظالمانہ ماحول کے خلاف بڑی جرات سے علم بغاوت بلند کر رہی ہیں۔ وہ تمام خواتین لایق تحسین ہیں جو ان حالات سے لڑ کر اپنا راستہ بنا رہی ہیں۔ فضولیات میں قوم کو الجھا کر اپنے مفادات حاصل کرنے والے ان مفاد پرست ملاوں کی قوم کو قطعی ضرورت نہیں ہے۔ سندھ اسمبلی میں ایک متفقہ قرارداد کے زریعے پہلے ہی اسلامی نظریاتی کونسل کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا ایک منتخب پارلیمنٹ کے ہوتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل جواب صرف "خواتین

مخالف کونسل" بن چکی ہے اسکو فوری طور پر ختم کر دینا چاہیے۔

سو لفظوں کی کہانی نمبر 51۔۔۔۔ بوٹی بناؤ۔۔۔۔۔۔

کراچی کے ایک ہوٹل میں ہم تین دوست کھانا کھانے گئے

ویٹر آیا تو اس نے پوچھا

گوشت والا سالن کھاینگے، سبزی والا سالن کھاینگے یا دال والا سالن کھاینگے

گوشت سبزی اور گوشت دال والا سالن بھی مل جایگا

اور ہاں دال چاول بھی ہیں

پہلے دوست نے کہا میرے لیے سادہ بوٹی کا سالن لے آو

دوسرے نے کہا میرے لیے کلیجی لادو

میں نے کہا میرے لیے ایک پلیٹ قیمہ لادو

ویٹر پہلے مسکرایا اور پھر کچن کی طرف منہ کرکے زور سے بولا

ایک بھائی کی بوٹی بناو، دوسرے کی کلیجی نکالو، تیسرے کا قیمہ بناو

سو لفظوں کی کہانی نمبر 52۔۔۔کے الیکٹرک شکریہ۔۔۔۔۔۔

کراچی پہنچا تو رات کا وقت تھا

ایرپورٹ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا

گھر جاتے ہوئے راستے میں ہر بلڈنگ روشنیوں سے جگمگا رہی تھی

سارے راستے ''کے الیکٹرک شکریہ'' کے بورڈ لگے ہوئے تھے

گھر پہنچ کر بیٹی سے پوچھا یہ سب کیا ہے؟

بیٹی: پورا کراچی خوش ہے کیا امیر کیا غریب

وجہ کیا ہے؟

بیٹی: آج ٹی وی پر خبر ہے کہ ''کے الیکٹرک'' نے

بجلی کی قیمت میں فی یونٹ 12 پیسے کی کمی کر دی

خبر یہ نہیں ہے کہ کراچی میں 12 افراد مارے گئے

کراچی والوں کو اس بہانے کوئی خوشی تو ملی

ورنہ روز لاشوں کی گنتی ہوتی ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 53--- پیر صاحب ------

بے روزگار تھا پیر بن گیا

گاہک ایک بزرگ خاتون تھیں جو کافی باتونی تھیں

بہو سے شکایت تھی لڑتی بہت ہے

خاتون کو بتایا جنوں کا سایہ ہے

پانچ ہزار کا خرچہ ہوگا

خاتون نے پانچ ہزار دیے

انکو بیس چھالیہ کے ڈلے دیے

کہا جب بہو لڑے تو چھپا کر ایک ڈلہ دانتوں میں دبا لینا

دس دن بعد آئیں بہت خوش تھیں

بولیں لڑائی شروع ہوتی میں دانتوں میں چھالیہ دبا لیتی

میری مسلسل خاموشی پر کل وہ بولی اماں آپ بہت اچھی ہیں

اب آپ مجھے ڈانتی بھی نہیں

پیر صاحب آپ تو کمال کے پیر ہیں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 54۔۔۔ ہسپتال ۔۔۔۔۔۔

نواز شریف نے اپنی والدہ کو فون کرکے دعایں لیں

بے باک کی ماں نے ہسپتال جا کر دعایں دیں

نواز شریف لندن کے ایک مہنگے ہسپتال میں اور

بے باک پنجاب کے مفت ہسپتال انسٹی ٹویٹ آف

کارڈیالوجی میں علاج کرا رہے ہیں

میں بے باک سے ملنے گیا تو اس نے کہا

نواز شریف کی والدہ تک پاکستانی عوام کا یہ پیغام پہنچا دینا کہ

بیٹے کی صحتیابی کی دعا کے ساتھ یہ دعا بھی کریں کہ

اللہ میرے بیٹے کو ہدایت دے کہ وہ ملک میں ایسے ہسپتال بنوائے

جہاں وزیر اعظم، سرکاری افسران اور عام پاکستانیوں کا بہترین علاج برابری سے ہو سکے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 55۔۔۔ خوشامدی ۔۔۔۔۔۔

وزیر اعظم کی صاحبزادی نے اعلان کیا کہ وزیر اعظم کے
آپریشن کی جو سب سے اچھی رپورٹ کرے گا
اس کو ایک بھاری بھرکم لفافہ دیا جائے گا
اس مقابلے کی واحد شرط یہ تھی کہ اخباری نمائندہ
خوشامدی ہو اور بھاری بھاری لفافے پہلے بھی حاصل کر چکا ہو
روزنامہ جنگ نے سینیئر خوشامد کار صالح ظافر کے نام کا اعلان کیا
صالح ظافر کے نام کا اعلان ہوتے ہی باقی سب دستبردار ہو گئے
شام کو لفافہ صالح ظافر کو اس خبر پر ملا کہ
محترمہ مریم نواز نے اکیلے پوری دنیا کو
وزیر اعظم کی کامیاب سرجری کی اطلاع دی

اسحاق ڈار کا چوتھا ناکام بجٹ

سالانہ بجٹ دنیا بھر میں عام طور پر حکومتی کام کا ایک حصہ خیال کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں حکومتیں نہ تو اپنی تعریف کے ڈنکے بجاتی ہیں اور نہ ہی حزب اختلاف حکومت کے خلاف کسی قسم کا شور شرابا کرتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں اس کے بلکل برعکس ہوتا ہے۔ وفاقی بجٹ کی آمد سے پہلے وفاقی وزیر خزانہ اور حکمران جماعت کے اراکین عوام کو بتا رہے ہوتے کہ بس بجٹ آتے ہی آپکے تمام مسائل جن میں معاشی، تعلیمی اور صحت کے ساتھ ساتھ تمام سماجی مسلئے بھی حل ہو جائینگے۔ انہتر سال سے یہ سب کچھ سننے والے اس ملک کے عوام بجٹ آنے سے پہلے گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں اب کونسے نئے ٹیکس کا عذاب نازل ہوگا، اور ہر سال ایسا ہی ہوتا ہے۔ بجٹ آنے کے بعد حکومتی اراکین کے مطابق شاید اس سے اچھا بجٹ ہو ہی نہیں سکتا۔ جبکہ دوسری طرف اپوزیشن کے اراکین بجٹ کے ذریعے عوام پر جو مصیبت ٹوٹی ہوئی ہوتی ہے اس پر مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہوتے ہیں۔ وفاقی بجٹ کے معاملے پر حکومت، اپوزیشن، این جی اوز اور ٹریڈ یونین قیادتوں کے مابین ہونے والی نورا کشتی کچھ عرصے تک میڈیا کی زینت بنی رہتی ہے،، بڑے بڑے جغادری میڈیا پر بیٹھ کر گلے پھاڑ پھاڑ کر عوام کے مسائل کا رونا رو رہے ہوتے ہیں۔ تھوڑے دن بعد کوئی نیا موضوع میڈیا کے ہاتھ آجاتا ہے اور بجٹ کہانی ختم۔

تین جون 2016ء کو وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے قومی اسمبلی میں مالی سال 2016-17 کا بجٹ پیش کر دیا۔ بجٹ کا مجموعی حجم 4894.9 ارب روپے جب کہ معاشی نمو کی شرح کا ہدف 5.7 فیصد رکھا گیا ہے اور ٹیکس وصولی کا ہدف 3621 ارب روپے مختص کیا گیا ہے۔ اسحاق ڈار نے بجٹ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہمارا چوتھا بجٹ ہے۔ انھوں نے کہا کہ بجٹ میں دفاع کے لئے آٹھ سو ساٹھ ارب روپے رکھے گئے ہیں یعنی آئندہ مالی سال کے بجٹ میں دفاعی اخراجات کی مد میں 11 فیصد اضافہ کیا گیا ہے جب کہ آٹھ سو ارب روپے ترقیاتی پروجیکٹس کے لئے مختص کیے گئے ہیں۔ ایک سو تیس ارب روپے توانائی کے شعبے کے لئے، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کے لئے ایک سو اٹھاسی ارب، فاٹا کے متاثرین کے لیے سو ارب، امن و امان کے لیے ایک سو تین ارب، ریلوے کے لئے 78 ارب، پانی کے منصوبوں کے لیے 32 ارب اور ہائر ایجوکیشن کے لیے 21.5 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ 29 ارب روپے بنیادی صحت کے لیے اور پچیس ارب روپے گیس انفراسٹرکچر ڈیولپمنٹ کے لیے بھی مختص کیے گئے ہیں۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور پینشن میں دس فیصد اضافہ کیا گیا ہے۔ جب کہ ایڈہاک الاؤنسز کو بنیادی تنخواہ میں ضم کر دیا گیا ہے۔ مزدور کی کم از کم تنخواہ چودہ ہزار روپے کر دی گئی ہے۔ بجٹ میں ٹیکسوں کی شرح میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ تیس لاکھ سے زیادہ جائیداد کی خرید و فروخت پر وِدہولڈنگ ٹیکس کی شرح بڑھادی گئی ہے۔

وزیر خزانہ اسحٰق ڈار کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ معاشی اعداد و شمار میں ہیرا پھیری کرنے کے بادشاہ ہیں اور وہ وفاقی بجٹ کی تشکیل میں بھی اپنی اس صلاحیت کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ کبھی قرضوں کو آمدن کی مد میں دکھایا جاتا ہے تو کبھی سابقہ قرضوں کی واپسی کیلئے درکار رقم میں سود کی واپسی کیلئے مختص رقم کو شامل ہی نہیں کیا جاتا۔ کبھی توانائی کے شعبے سے منسلک گردشی قرضوں کو قرضہ تصور ہی نہیں کیا جاتا تو کبھی فوجی بجٹ کو کم دکھانے کیلئے اس کا ایک بڑا حصہ سویلین اخراجات میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ کبھی افراطِ زر کی شرح کو کم دکھانے کیلئے کنزیومر پرائس انڈیکس بنڈل میں اپنی مرضی کے مطابق ردوبدل کر دیا جاتا ہے تو کبھی سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کو بھی متعلقہ شعبے کے ترقیاتی بجٹ کا حصہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس تمام بیہودگی کے علاوہ پورا سال منی بجٹ کے آنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور وفاقی بجٹ کے بعد بھی ہر سال حکومت کی جانب سے اربوں روپے کے نئے ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر اشفاق حسین پاکستان کے مایہ ناز معیشت دان ہیں جنرل پرویز مشرف کے دور میں مشیر خزانہ بھی رہ چکے ہیں، ایک شفاف اور مستند و معتبر نام ہے بجٹ کے اعلان سے قبل ان کا کہنا تھا نئے قومی بجٹ میں معاشی نمو کی شرح 5.7

فیصد ظاہر کی جائے گی مگر یہ معاشی نمو کی شرح صرف 3.1 فیصد ہے اور جب ملک کے وزیر خزانہ کو متعلقہ ادارے نے اصل صورت حال سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا ملک کا معاشی نمو کی شرح 3.1 ہے تو وزیر خزانہ ناراض ہو گئے اور حکم دیا اسے 5.7 فیصد تیار کرکے لایا جائے۔ ڈاکٹر اشفاق حسین کا کہنا ہے یہ صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ وزیر خزانہ بجٹ تقریر میں دعوی کرنا چاہتے تھے کہ گزشتہ 8 سالوں میں یہ پہلا موقع ہے کہ پاکستان میں معاشی نمو کی شرح کو 5.7 تک پہنچا دیا گیا۔ سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر حفیظ پاشا نے دو جون کو ایک انگریزی اخبار میں اس خوفناک بدعنوانی اور بے ایمانی کی تفصیلات پر مشتمل مضمون بھی لکھا ہے، واضح رہے کہ ڈاکٹر حفیظ پاشا کی اہلیہ پنجاب حکومت کی مشیر خزانہ بھی ہیں مگر اس کے باوجود ڈاکٹر حفیظ پاشا نے حکومت کے خفیہ معاملات سے پردہ اٹھانے میں زرا بھی عار محسوس نہیں کی۔

موجودہ حکومت نے اپنے دور اقتدار میں پیش کئے جانے والے تین وفاقی بجٹوں میں تنخواہوں اور پنشنوں میں اضافے کے معاملے میں سرکاری ملازمین کو لالی پاپ دیا ہے۔ افراطِ زر کی شرح کی مناسبت سے دیکھا جائے تو حقیقی اجرتوں اور پنشن میں کمی واقع ہوئی ہے۔ قرضوں کی واپسی، دفاع اور عوامی ضروریات سے بیگانہ ترقیاتی منصوبوں پر بجٹ کا تقریباً 80 فیصد خرچ جانے کے بعد صحت اور تعلیم جیسے بنیادی شعبوں اور سماجی انفراسٹرکچر کی تعمیر کیلئے بہت کم

رقم بچتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکاری ہسپتالوں اور تعلیمی اداروں کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ پینے کے صاف پانی اور جدید سیوریج کی سہولیات سے محروم ہے۔ محنت کش طبقے کیلئے رہائشی سہولیات کا شدید فقدان ہے اور شہروں میں کچی آبادیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔

یہ ایک روایتی بجٹ ہے جس میں ''امیر کو امیر ترین اور غریب کو غریب تر'' بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، حسب دستور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکی گئی ہے، اگر آپ اس بجٹ کو روایتی ہونے کے ساتھ ساتھ عوام دشمن بجٹ قرار دیں تو بہتر ہوگا۔ چونکہ بجٹ کے سلسلے میں ہونے والی پریس میں وزیر خزانہ کے پاس ٹھوس اور معقول جوابات نہیں تھے لہٰذا پر ہجوم پریس کانفرنس کے آغاز میں وزیر خزانہ نے مشکل اقتصادی زبان میں اپنی کامیابیاں گنوائیں اور حاضرین سے داد طلب کرنے کی غرض سے کئی بار کہا کہ کئی روز کی 'عرق ریزی' کے بعد بہت اچھا بجٹ بنانے کی کوشش کی ہے۔ وزیر خزانہ نے مہنگائی اور خوراک کی قیمتیں کم نہ ہونے پر پوچھے گئے سوالات پر مشکل اور ثقیل اقتصادی زبان کا استعمال کرتے ہوئے بچ نکلنے میں ہی عافیت جانی۔ ڈاکٹر اشفاق حسین اور سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر حفیظ پاشا کے وزیر خزانہ اسحٰق ڈار کے اعداد شمار میں ہیرا پھیری کے بارے میں بیان اور مضمون کے بعد اس بجٹ کے اعداد و شمار پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ مجموعی طور پر وزیر خزانہ اسحاق ڈار کا یہ چوتھا ناکام

بجٹ ہے جس سے عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوگا۔

پاکستانی بجٹ، صدر اور گیارہ کروڑ روپے

انسان کو زندگی گذارنے کے لیے پانچ بنیادی چیزوں کی لازمی ضرورت ہوتی ہے، یہ پانچ بنیادی چیزیں ہیں ''روٹی، کپڑا، پانی، طبی سہولیات اور تعلیم''۔ ان پانچ چیزوں میں سے روٹی اور کپڑا تو انسان کی اپنی ذمہ داری ہیں لیکن پانی، طبی سہولیات اور تعلیم یہ حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے وفاقی اور صوبائی حکومتیں بجٹ بناتی ہیں اور ان سماجی ذمہ داریوں کے لیے ایک مخصوص رقم کا بجٹ میں اعلان کرتی ہیں۔ نواز شریف کی اس حکومت نے مسلسل چوتھی مرتبہ بجٹ پیش کیا لیکن پاکستانی عوام کو کچھ نہیں ملا ہے، اس ملک کی تقریباً ایک تہائی آبادی خطِ غربت سے نیچے زندگی گزارتی ہے۔ لوگوں کے پاس نہ کھانے کو روٹی ہے، نہ پہننے کو کپڑا ہے۔ باقی ملک کو تو چھوڑیں صرف پنجاب میں لوگوں کو پینے کے صاف پانی کی فراہمی کا جو منصوبہ مشرف دور میں شروع ہوا وہ بیوروکریسی کی نااہلی، کمیشن اور کرپشن کے باعث 2016 میں بھی مکمل نہیں ہو سکا۔

کسی جامع پالیسی کی عدم موجودگی کی وجہ سے عوامی صحت کے معاملے میں حکومت کو غریب عوام کے لیے بنیادی طبی سہولیات فراہم کرنا مشکل ہو رہا ہے، اور یہ جامع پالیسی جب ہی بن سکتی ہے جب حکمران کرپشن سے باز آجایں۔ پاکستان کی

کروڑ کی آبادی ہے اور 43 کھرب 94 ارب روپے مالیت کے وفاقی بجٹ میں سے 20 صرف 29 ارب روپے بنیادی صحت کے لیے رکھے گئے ہیں۔ ایک تازہ ترین رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 78 فیصد عوام کو صحت کی بنیادی سہولیات تک رسائی حاصل نہیں۔اس کے علاوہ نجی کلینک میں علاج کے لیے جانے کی استطاعت رکھنے والے افراد کی شرح بہت کم ہے۔ پاکستان میں بڑھتی ہوئی طبقاتی تقسیم ملک کو ایک خطرناک راستے پر لے جارہی ہے، اس کی ایک جھلک آپ کو ان سرکاری ہسپتالوں میں مل جائے گی جہاں ایک بستر پر تین تین مریض لیٹے ہوئے ہیں، دوائیں یہاں ملتی نہیں کیونکہ سب بیچ دی جاتی ہیں اور غریب بیمار میڈیکل اسٹوروں وہی دوائیں خرید رہے ہوتے ہیں، جبکہ طبقاتی تقسیم کی دوسری جھلک آپکو جگمگاتے ہوئے دارالحکومت اسلام آباد میں ڈاکٹر انیس الرحمان کے جدید ترین کلینک میں نظر آئے گی۔ اس کلینک کی دیواروں پر بہترین تصاویر اور فضا میں کلاسیکل موسیقی گونجتی ہے جو ڈینٹسٹ کی ڈرل کی آواز کو دبا دیتی ہے۔ اس کلینک میں صاحبِ استطاعت کے لیے دانتوں کا بہترین علاج کیا جاتا ہے۔دانتوں کو صرف ایک دفعہ چمکانے کے لیے دو سو امریکی ڈالر تک معاوضہ لیا جاسکتا ہے۔

موجودہ بجٹ میں ہائر ایجوکیشن کے لیے 21.5 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان جنوبی ایشیا میں تعلیم پر سب سے کم سرمایہ خرچ کرنے والا ملک ہے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق پاکستانی بجٹ کا ایک بڑا حصہ دفاع اور

قرضوں کی ادائیگی کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ یہ انکشاف انسٹیٹیوٹ آف سوشل اینڈ پالیسی سائنسز کی ایک رپورٹ میں کیا گیا۔ اس رپورٹ کی تیاری میں ریسرچر کے طور پر کام کرنے والے احمد علی نے بتایا، ''پاکستان تعلیم پر جی ڈی پی کا 2.14 خرچ کرتا ہے، جو جنوبی ایشیا میں سب سے کم ہے۔ مسئلہ صرف بجٹ کا ہی نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ جو پیسہ مختص کیا جاتا ہے، اس کا ایک بڑا حصہ تنخواہوں میں چلا جاتا ہے۔ تعلیم کے شعبے میں ترقیاتی اخراجات بہت اہم ہیں لیکن اس کے لئے خاطر خواہ پیسہ نہیں ہے۔ حکومتی دعووں کے باوجود پاکستان میں تعلیم کا شعبہء زبوں حالی کا شکار ہے۔ ایک غیر سرکاری تنظیم الف اعلان کے مطابق ملک بھر میں ڈھائی کروڑ بچے اسکول جانے سے قاصر ہیں۔ یہ پاکستان میں بچوں کی آبادی کا تقریباً نصف حصہ ہے۔ باقی جو بچے اسکول جاتے بھی ہیں، اُن کو فراہم کی جانے والی تعلیم بھی کچھ زیادہ معیاری نہیں ہے۔ تنظیم کا دعوٰی ہے کہ اڑتالیس فیصد اسکولوں کی عمارتیں خطرناک اور خستہ حال ہیں، جن کو فرنیچر، ٹوائلٹس، چار دیواری، پینے کے صاف پانی اور بجلی کی کمی کا سامنا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اٹھارہ فیصد اساتذہ عموماً اسکولوں سے غیر حاضر رہتے ہیں۔

جماعت اسلامی کے امیر کامریڈ سراج الحق نے بجٹ تقریر کے بعد میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ تعلیم اور صحت پر اس بجٹ میں بھی جو خرچ کیا گیا وہ باعث

شرم ہے اور مختص کی گئی رقم بھوٹان، نیپال اور بنگلہ دیش میں ان شعبوں کے لیے رکھی گئی رقم سے بھی کم ہے۔انھوں نے کہا کہ اس وقت ہر پانچواں پاکستانی بیمار ہے اور گذشتہ بجٹ میں صحت کے لیے بجٹ کا محض 069 فیصد رکھا گیا لیکن اس بار اضافے کی توقع کر رہے تھے لیکن یہ حکومت نہ تو صحت اور نہ ہی تعلیم کے شعبے میں انقلابی کام کر سکی۔ سراج الحق کا کہنا تھا کہ ہر جگہ دو، دو پاکستان نظرآتے ہیں،ایک غریب اوردوسرا کرپٹ اشرافیہ کا پاکستان،اشرافیہ کے پاکستان میں نہ لوڈشیڈنگ ہے اورنہ ہی کوئی دوسرے مسائل، جبکہ 95فیصد غرباء کے پاکستان میں مسائل ہی مسائل ہیں۔
پاکستانی حکمرانوں کے اکثر بیانات میں کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں بدعنوانی معاشرے کے لیے ناسور کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ کرپشن تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ قوم کرپشن کرنے والوں کا سماجی بائیکاٹ کرے۔ ہیرا پھیری کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔ عوام کو کرپشن کرنے والوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اگرآپ اخبار کے مستقل قاری ہیں تو بلامبالغہ صدر کے ہر بیان میں کرپشن کے خلاف کم وبیش وہی باتیں ہوتی ہیں جو اوپر تحریر کی ہیں اور نئے چیف جسٹس انور ظہیر جمالی نے بھی حلف اٹھاتے ہی کرپشن کے خلاف اپنے عزم کو ظاہر کرتے ہوئے بلاکم وکاست یہی باتیں کی ہیں۔اس وقت ملک بھر میں کرپشن کے خلاف احتساب کے کئی ادارے سرگرم ہیں جن میں نمایاں نام ایف آئی اے اورنیب

کا ہے۔ احتساب بیورو اور وفاقی تحقیقاتی ادارے دونوں کو ملزمان کو ہتھکڑی لگانے اور ہر طرح سے پوچھ گچھ کا اختیار حاصل ہے۔

پاکستان کے معصوم اور بھولے صدر ممنون حسین جنہیں ابھی تک یہ تمیز تو نہیں آئی ہے کہ کپڑے کیسے پہنے جاتے ہیں ، لیکن گذشتہ سال انہوں نے اپنے بجٹ سے گیارہ کروڑ روپے زیادہ خرچ کیے۔ گذشتہ سال کے بجٹ میں ایوان صدر کے لیے 80 کروڑ روپے مختص کیے گئے تھے لیکن ایوان صدر نے 91 کروڑ روپے خرچ کیے اور اسی طرح وزیر اعظم کے دفتر نے بھی اپنے اصل بجٹ سے ایک کروڑ سے زیادہ خرچہ کیا۔ وزیر اعظم کے دفتر کے لیے 84 کروڑ 20 لاکھ روپے مختص کیے گئے تھے اور وزیر اعظم کے دفتر نے کروڑ 98 لاکھ روپے خرچ کیے۔ چلیے ایوان وزیر اعظم میں ہونے والے ایک 85 کروڑ کے لیے تو کہا جا سکتا ہے کہ ایوان وزیر اعظم میں ہونے والے دفتری کاموں میں ایسا ممکن ہے لیکن گذشتہ مالی سال کے دوران ایوان صدر کے اخراجات وزیر اعظم سیکرٹیریٹ سے زیادہ رہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ایوان صدر اور ایوان وزیر اعظم سے جو حساب پیش کیے گئے ہیں وہ بھی شفاف نہیں ہیں۔ کیا ایف آئی اے اور نیب ان دونوں ایوانوں کے حساب کو چیک کرینگے یا صرف عام لوگوں کے حساب کتاب چیک کرنا ہی ان کے فرائض میں شامل ہے اور کیا وہ صدر ممنون حسین سے 11 کروڑ روپے کا شفاف حساب یا اس کی واپسی کا تقاضہ

کرینگے۔حکومت لاکھ اچھے بجٹ پیش کرلے جب تک کرپشن ختم نہیں ہوتا عوام کے حالات نہیں سدھرینگے اور غربت کی لکیر سے نیچے رہنے والوں کی تعداد بڑھے گی۔

ڈونلڈ ٹرمپ، مذہبی جماعتیں اور گالیاں

ایسا لگتا ہے کہ پاکستان کی مذہبی سیاسی جماعتیں اور انکے ممبران آجکل امریکی صدارتی انتخابات کے امیدوار ڈونلڈ ٹرمپ سے سیاست سیکھنے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ نہ پوپ کا احترام کرتا ہے اور نہ ہی کسی مذہب کا، دوسری باتوں کے علاوہ وہ اختلاف کرنے والی خواتین کے ساتھ کھلے عام بہت ہی نامناسب رویہ اور بہت ہی بے ہودہ کلمات جو کسی غنڈئے بدماش کے منہ سے ہی ادا ہوتے ہیں وہ ٹرمپ کے ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ ہمارے پاس بھی اس طرح کی مثالیں موجود ہیں اور شاید پاکستان کی آئندہ سیاست کی بنیاد ہیں۔ پاکستان سنی تحریک و دیگر مذہبی سیاسی جماعتوں نے اتوار 27 مارچ 2016 کی دوپہر ممتاز قادری کے چہلم کے اختتام پر اپنے مطالبات کے حق میں پارلیمنٹ ہاوس کی طرف مارچ شروع کیا۔ مظاہرین نے اسلام آباد کے ڈی چوک میں دھرنا دیا، اس دھرنے میں جس قسم کی شرمناک حرکتیں اور گالم گلوچ کی گئی وہ باعث حیرت تھی۔ شاہ احمد نورانی کے صاحبزادے اور جمعیت علماء پاکستان نورانی) کے سربراہ شاہ اویس نورانی نے ایک ٹی وی چینل کے پروگرام میں گالیاں) دینے والوں کا یہ کہہ کر دفاع کیا کہ نوجوان ہیں، غصے میں تھے اس لیے جذبات میں آکر یہ حرکتیں کر بیٹھے۔ گویا ان کے نزدیک ملک کے وزیر اعظم نواز شریف، ان کی صاحبزادی مریم نواز، ممتاز مذہبی

اسکالر طاہر القادری اور ملک کی ایک بڑی سیاسی پارٹی کے رہنما عمران خان کو مغلظات بکنا اور گالیاں دینا کوئی غلط بات نہیں تھی۔

اگر وہ بات غلط نہیں تھی تو یقیناً 10 جون کو ایک نیوز چینل جو نیوز ون کہلاتا ہے اس کے ایک پروگرام میں ہونے والے بے ہودہ واقعے پر جمیعت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان پاکستان کی ممتاز کالم نگار اور انسانی حقوق کی کارکن ماروی سرمد کے ساتھ جو برتاو انکی پارٹی کے ایک ممبر حافظ حمد اللہ جو سینیٹر بھی ہے نے کیا ہے، اس کو یہ کہہ کر ختم کردینگے کہ حافظ صاحب ذرا گرم دماغ کے ہیں، اسلام سے بہت محبت کرتے ہیں اور قبایلی روایت کے زبردست حامی ہیں، لہذا جلد غصہ آجانا قدرتی بات ہے، غلطی تواس عورت کی ہے جو حافظ صاحب سے زبان چلارہی تھی، حالانکہ حافظ صاحب نے کہا بھی تھا کہ بیوی ہے بیوی بن، شوہر نہ بن۔ یہ وہی مولانا فضل الرحمان ہیں جنھوں نے پی ٹی آئی کے اسلام آباد کے دھرنے میں شریک ہونے والی خواتین کے بارے کہا تھا کہ یہ دن میں دھرنا دیتی ہیں اور رات کو مجرا کرتی ہیں۔ ان دو واقعات کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ کو مذہبی شدت پسندوں یا مذہب کے نام پر سیاسی دوکانداری کرنے والوں سے اچھا مقابلہ کرنا ہے تو پھر آپکو ہر قسم کی گالیوں اور بے ہودہ باتوں سے واقفیت لازمی ہے۔ بہتر ہوگا کہ ڈونلڈ ٹرمپ اور ان اسلام فروشوں کی ویڈیو دیکھتے رہا کریں۔

پاکستان میں روزانہ شام 7 بجے سے رات 11 بجے تک ہر نیوز چینل پر سیاسی مجرا ہو رہا ہوتا ہے، اس مجرے کا واحد مقصد چینل کی ریٹنگ میں اضافہ کا حصول ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ نیوز ون پر 10 جون کو جو گھٹیا سیاسی مجرا کیا گیا اسکا مقصد محض ریٹنگ کا حصول تھا۔ ماروی سرمد یسوع مسیح کو نہیں مانتیں، انکا کہنا ہے کہ اگر کوئی میرے ایک گال پر تھپڑ مارے گا تو میں اپنا دوسرا گال پیش نہیں کرتی بلکہ جیسے کو تیسا کرتی ہوں، لیکن شاید ماروی سرمد ابھی کچی ہیں لہٰذا وہ حافظ حمداللہ کے جیسی فحاش زبان استعمال نہیں کرپائی، دوسرے ماروی سرمد کو ایک مشورہ یہ بھی ہے کہ اب چونکہ ٹاک شو فائٹ شو بن چکے ہیں لہٰذا جتنی جلدی ممکن ہو جوڈو کراٹے سیکھ لیں، تاکہ حافظ حمداللہ جیسے بدماش کو وہ ناک آوٹ بھی کرسکے۔ حافظ حمداللہ کوئی عالم دین نہیں ہے لیکن وہ مذہبی سوداگر مولانا فضل الرحمان کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک ہے۔

مولانا فضل الرحمان ایک اچھے سیاسی بلیک میلر ہیں اور آج کل نواز شریف کی پانامہ لیکس سے جان چھڑانے کے لیے دوسروں سے سودے بازی وہی کررہے ہیں، یہ ہی وجہ ہے حافظ حمداللہ نیوز ون کے سیاسی مجرے میں ایک خاتون کی شلوار اتارنے کی باتیں کررہا تھا۔

دس جون کے سیاسی مجرے کا موضوع تھا ”خواتین کا زندہ جلانا“۔ اس پروگرام

میں حافظ حمد اللہ نے بھرپور طریقے سے اپنی غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا، مولانا شیرانی کو چرسی بیرسٹر مسرور نے کہا تھا ماروی نے نہیں اور جب حافظ حمد اللہ نے بیرسٹر مسرور کو مارنے کی بات کی تو بیرسٹر مسرور کا جواب تھا کہ جواب بھی ملے گا۔ مگر اس پروگرام میں جو کچھ ہوا اس میں ماروی سرمد کا کوئی قصور نہ تھا، پہل قابل نفرت حافظ حمد اللہ نے کی اور بے شرمی کی ہر حد پار کرگیا۔ کیا وجہ تھی کہ وہ ماروی سرمد کے منہ سے آدھا لفظ نکلنے سے پہلے ہی بولنے لگا؟ صاف نظر آرہا تھا کہ حافظ حمد اللہ پہلے سے اس گھٹیا حرکت کا ذہن بنا کر بیٹھا تھا۔ مگر اسکے باوجود مخصوص فکر کے حامل مذہبی لوگ ماروی سرمد کو بدتمیز ثابت محض اسلیے کرنا چاہ رہے ہیں کہ وہ ایک بے غیرت کو معصوم ثابت کر سکیں۔ اگر واقعی اس کو مولانا شیرانی کو چرسی کہنا برا لگا تھا تو بیرسٹر مسرور کو مارتا یا گالی دیتا، اس کو شاید ماروی سرمد کے ساتھ ہی اپنی بے غیرتی کا مظاہرہ کرنا تھا، ملا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ منافقت مری تھی اور ملا پیدا ہوا تھا۔ مولانا شیرانی کی والدہ بھی ایک عورت ہیں اور اگر خدا نے کوئی بیٹی دی ہے تو وہ بھی ایک عورت ہی ہے، لیکن افسوس مولانا جب سے اسلامی نظریاتی کونسل کے چیرمین بنے ہیں انکا ایک ہی مقصد رہا ہے کہ عورت کی تذلیل کیسے کی جائے۔ چلیں مان لیا کہ مولانا شیرانی کے بارے میں غلط کہا گیا لیکن مذہب کے

ٹھیکیدار کو یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ وہ روز عورت کی تذلیل کرے، وہ جب چاہے کسی پر کفر کے فتوے لگادے، کسی کی ماں بیٹی کو فاحشہ بلائے، کسی عورت کو شلوار اتارنے کی دھمکی دے، اس پر ہاتھ اٹھائے؟ یہ کون سا اسلام ہے؟ اقدس طلحہ سندھیلا اپنے مضمون "ش" سے شیرانی، "ش" سے "شلوار" میں لکھتی ہیں کہ ''مولانا کو لبرلز سے مسئلہ ہے، ان کے مطابق یہ ہماری روایات کو تباہ کرنے پر تلے ہیں اس لیے انہوں نے ماروی کو دھمکایا کہ میں تمہارا ایجنڈا پورا نہیں ہونے دوں گا۔ مولانا اگر آپ باہمت ہیں تو براہ کرم ذرا ان لبرلز کے حق میں جب کل دنیا بھر کے اخباروں میں خبریں لگیں گی اور آپ کے گاڈ فادر امریکہ سے جب کوئی مذمتی بیان دے گا تو آپ ان سے کہنا کہ تمہاری اور تمہاری ماں کی شلواریں اتاروں گا، پھر آپ کو سمجھ آئے گا کہ شلوراایں کیسے اترتی ہیں''۔

مولانا فضل الرحمان اور انکے ساتھ جو بھی مذہب کے ٹھیکیدار ہیں ایک بات یاد رکھیں کہ اس طرح کی غنڈہ گردی کے بعد جب آپ کہتے ہیں کہ اسلام ایک مہذب معاشرہ ہے تو کوئی آپکی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتا، مذہب کے نام پر کی جانے والی اس غنڈہ گردی سے عام لوگوں کے دلوں میں آپ کے لیے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ نواز شریف کی حکومت میں خواتین کے ساتھ جو بدترین سلوک ہورہاہے، وہ قابل مذمت ہے، اس واقعہ کے بعد شاید نواز شریف حافظ حمد اللہ کو جو

سینیٹر بھی ہے وزارت مذہبی امور کا وزیر بنا دیں، کیونکہ بیچارے حاجیوں کو بھی بہت گالیاں سننے کو ملتی ہیں۔ یہاں ایک امتحان سینٹ کے چیرمین کا بھی ہے کہ کیا اس واقعہ کے بعد یہ غنڈا حافظ حمد اللہ سینیٹر رہ سکتا ہے، اپنے آپ کو بہت زیادہ لبرل ظاہر کرنے والے سینیٹ کے چیرمین رضا ربانی اس کے خلاف کیا کارروائی کرتے ہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ اگر ان حرکات کو نہیں روکا گیا تو آیندہ ہونے والے انتخابات میں مذہبی سیاسی جماعتیں ڈونلڈ ٹرمپ کا ہی انداز اپنایں گیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل اور خواتین

پاکستان میں آج انہتر سال بعد بھی خواتین اور بچیوں کے ساتھ فرسودہ روایات پر مبنی جاہلانہ اور بہیمانہ برتاؤ کسی موثر روک ٹوک کے بغیر جاری ہے اور پسند کی شادی کے جرم میں لڑکیوں کو ان کے اپنے عزیز واقرباء کے ہاتھوں ہر ممکن درندگی و سفاکی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارے جانے کی عملًا کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ گذشتہ کچھ عرصے میں ایک نیا رجحان یہ سامنے آیا ہے کہ بچیوں کو زندہ جلایا جارہا ہے۔ لاہور میں پسند کی شادی کرنے والی 17 سالہ زینت کو دھوکے سے گھرلے جاکر ماں، بھائی اور بہنوئی نے پیٹرول چھڑک کر جلادیا، پولیس کے مطابق مقتولہ کی ماں نے جرم کا اعتراف کرلیا تھا، لیکن اس کا بھائی فرار تھا جو اب پکڑا گیا لیکن میڈیا کے سامنے اپنے جرم سے انکار کررہا ہے، وہ سارا الزام اپنی ماں پر لگارہا ہے۔ مری میں رشتہ سے انکار پر 19 سالہ اسکول ٹیچر ماریہ کو اپنے سے دوگنی عمر کے مرد کے ساتھ شادی سے انکار پر جلا کر ماردیا گیا تھا۔ ایبٹ آباد میں ایک لڑکی کی سہیلی کو پسند کی شادی کرنے میں مدد فراہم کرنے کے شبہ میں جرگہ نے کھلے عام جلادیا، اس جرم میں پوراگاؤں شریک تھااور ماں نے بھی جرگے کا ساتھ دیا، بلکہ اُن کو مدد بھی فراہم کی۔ انسانی حقوق کمیشن کی گزشتہ اپریل میں شایع ہونے والی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ایک سال میں

گیارہ سو لڑکیاں اور عورتیں غیرت کے نام پر قتل کی گئیں، جبکہ پاکستانی خواتین کو اکثر اس بنیاد پر بھی قتل کردیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ کم جہیز لیکرآیں تھیں۔ 25فروری 2016ء میں رائٹرز کی رپورٹ کے مطابق پاکستانی خواتین حقوق کے ایک گروپ ''عورت فائونڈیشن'' نے بیان کیا کہ پنجاب میں خواتین کے خلاف 5ہزار آٹھ سو جرائم ہوئے جو کہ پورے پاکستان میں ہونے والے خواتین کے خلاف جرائم کا 74فیصد ہے۔ یہاں دو پہلو سامنے آتے ہیں پہلا یہ ہے کہ ہم سماجی طور پر تباہی کی طرف جارہے ہیں جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم بدترین معاشی پسماندگی کا شکار ہیں۔

پاکستانی فلمساز اور ہدایتکارہ شرمین عبید چنائے نے اپنی دستاویزی فلم 'دا گرل اِن دا ریور: پرائس فار فورگیونیس' کے زریعے ایک نئی تاریخ رقم کی جب انہوں نے 29 فروری 2016 کو پاکستان کیلیے دوسرا آسکر ایوارڈ حاصل کیا۔ایوارڈ حاصل کرنے کے بعد شرمین عبید چنائے کا کہنا تھا کہ اس فلم سے پاکستان میں 'غیرت کے نام پر قتل' کا مسئلہ اجاگر ہوا ہے۔ ممتاز مذہبی اسکالر مفتی نعیم نے شرمین عبید کے دوسری بار آسکر ایوارڈ جیتنے پہلے ہی اسے بے حیا کا خطاب دے دیا تھا۔ شرمین عبید کے دوسری بار آسکر ایوارڈ جیتنے پر صدر مملکت ممنون حسین، وزیراعظم نواز شریف اور دیگر اہم شخصیات نے مبارکباد پیش کی، جبکہ ایوارڈ جیتنے کے بعد شرمین عبید کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم نواز شریف

نے یقین دھانی کرائی ہے کہ وہ آنر کلنگ کیخلاف قانون سازی کریں گے جو کسی بھی ایوارڈ سے بڑھ کر ہوگی، افسوس نواز شریف کی یہ یقین دھانی صرف یقین دھانی ہی رہی۔ اگرچہ ملک میں غیرت کے نام پر قتل اور کاروکاری جیسے گھناؤنے جرائم پر قانون سازی تو کی گئی لیکن اس سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوسکا اور یہ دونوں سنگین جرائم جاری و ساری ہیں۔

لاہور میں 17 سالہ زینت کے جلائے جانے کے بعد چیئرمین سینیٹ رضا ربانی نے اس سنگین معاملے کی جانب ایوان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا کہ یہ صورت حال نہایت افسوسناک اور اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے لہٰذا اس کے خلاف سخت قانون سازی ہونی چاہیے۔ چیئرمین سینیٹ اور ارکان کی جانب سے ملک میں لڑکیوں کے زندہ جلائے جانے کے بڑھتے ہوئے واقعات کے خلاف بجا طور پر شدید تشویش اور سخت مذمت کا اظہار کیا گیا اور اس بہیمانہ جرم کے خلاف فوری اور مؤثر قانون سازی پر زور دیا گیا۔

سینیٹ میں قائد حزب اختلاف چوہدری اعتزاز احسن نے یہ اہم انکشاف کیا کہ سینٹر صغریٰ امام کی جانب سے ایسے معاملات میں سمجھوتہ نہ کیے جانے سے متعلق جو مسودہ قانون پیش کیا گیا تھا، دونوں ایوانوں میں بیٹھے لوگوں کی سوچ یہ ہے کہ اسے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں پیش نہ ہونے دیا جائے جس کے نتیجے میں تینوں بچیوں کے قاتل چھ ماہ بعد آزاد گھوم رہے ہوں گے۔

جب سینٹ میں شدید تشویش اور سخت مذمت کا اظہار کیا گیا اور دوسری طرف میڈیا اور سوشل میڈیا پر احتجاج شروع ہوا تو پاکستانی علما اور اسلامی نظریاتی کونسل نے غیرت کے نام پر قتل کے خلاف بیانات جاری کیے۔ پاکستان کے چالیس بااثر مذہبی علماء نے غیرت کے نام پر قتل کو ''غیر اخلاقی اور ناجائز'' قرار دے دیا ہے۔ جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنے اوپر بہت زیادہ عوامی تنقید کے بعد غیرت کے نام پر قتل کو جرم قرار دیا اور کونسل کے مطابق وہ یہ رائے 16 سال پہلے بھی دے چکی ہے۔

کونسل کا یہ بیان ایک عوامی دباو کا نتیجہ ہے، ورنہ اسلامی نظریاتی کونسل کو خواتین پر تشدد کرنے کی فکر تو تھی لیکن انسانی جانوں کے ضیاع پر وہ مجرمانہ خاموشی اختیار کیے ہوئی تھی، 16 سال پہلے موجودہ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل مولانا محمد خان شیرانی، بحثیت رکن کونسل اس ورکنگ گروپ کے ممبر تھے جس نے یہ رائے دی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کونسل کو بے گناہ مرنے والوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ بغیر کسی از سر نو جائزہ کے کونسل کا کہنا ہے کہ ''کمیٹی کی رائے میں اس وقت ملک میں اس مسئلہ سے متعلق رائج قانون شریعت کے مطابق ہے، اس بارے میں کسی مزید قانون سازی یا ترمیم کی ضرورت نہیں ہے''۔

حکومت کی جانب سے قانون سازی کرکے سخت سزائیں تجویز کی گئیں لیکن اسکے

باوجود یہ سلسلہ جاری ہے اور پولیس آہنی ہاتھ سے اس کے تدارک اور روک تھام کے لئے کوئی ٹھوس قدم اٹھانے سے یوں قاصر ہے کہ غیرت کے نام پر قتل ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں خاندان کے لوگ نہ صرف شریک بلکہ اس میں ملوث بھی ہوتے ہیں۔ کافی واقعات میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کہ خاندان کے لوگ مل کر بہن یا بیٹی کو قتل کرتے ہیں، اس کے بعد ایک فرد پر جرم عائد کروا دیا جاتا ہے۔ بعد میں خاندان کے دوسرے افراد معافی دینے کا ''شرعی حق'' استعمال کرتے ہوئے اپنے اس بیٹے یا بھائی کو بری کروا لیتے ہیں، جس نے ان سب کی مرضی و صوابدید سے ہی اس جرم کا ارتکاب کیا ہوتا ہے (شاید لاہور کی 17 سالہ زینت کا بھائی اسی فارمولے پر عمل کرتے ہوئے اپنے جرم سے انکاری ہے)۔ اگر حکومت ان جرائم کا خاتمہ چاہتی ہے تو اسے اس طرح کے واقعات پر قابو پانے کے لیے ہر ممکن اقدامات اٹھانے ہونگے۔ ضرورت ہے کہ اول دور دراز علاقوں میں جرگہ سسٹم ختم کیا جائے اور ایسے جرائم کے خاتمہ کے لئے فوری اقدام کئے جائیں جس کی کسی بھی مہذب معاشرہ میں اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مشکل یہ ہے کہ ان جرائم کے لیے ملک کے موجودہ قوانین مجرموں کو سزا دینے میں ناکافی ہیں، اس لئے ان میں تبدیلی کرنے اور انہیں موثر بنانے کی ضرورت ہے۔ سینیٹر اعتزاز احسن نے گزشتہ دنوں سینیٹ میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ ایسے جرائم میں ضمانت کا حصول مشکل بنانے کے علاوہ دیت ، قصاص اور معافی کے

ذریعے جرم کی سزا سے بچنے کے طریقہ کار کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ سینیٹر اعتزاز احسن کے مطابق اب ظلم کی انتہا ہو چکی ہے اور وقت آگیا ہے کہ اس درندگی کو مزید کسی تاخیر کے ختم کیا جائے۔اس کیلئے ضروری ہے کہ اس انسانیت سوز جرم کے لیے موت کی سزا مقرر کی جائے، اس جرم کو ناقابل معافی اور ناقابل مصالحت قرار دیا جائے اور اس سلسلے میں فوری طور پر پارلیمنٹ میں قانون سازی کرکے اسے ملک بھر میں نافذ کیا جائے، لازمی بات ہے کہ اس قسم کی کسی بھی قانون سازی کو عوام کی مکمل حمایت حاصل ہو گی۔ پاکستان کی مذہبی جماعتوں اوراسلامی نظریاتی کونسل کی اب تک کی تاریخ یہ رہی ہے کہ خواتین کا غیرت کے نام پر قتل ہو یا جہیز کم لانے پر موت کی سزا، یہ بڑی بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش رہے ہیں اور اس پراسرار طرز عمل سے غیرت کے نام پر قتل کو سماجی طور پر قبول کیا جانے لگا ہے، اس جرم کو روکنا بہت ضروری ہے ورنہ آگے چل کر یہ پورے پاکستانی سماج کی تباہی کا سبب بن جائے گا۔

ایدھی بہت علیل ہے لیکن وطن میں ہے

ایدھی فاونڈیشن کے سربراہ اور ممتاز سماجی کارکن محترم عبدالستار ایدھی کی عمر 90 برس سے زیادہ ہے اور آجکل وہ بہت علیل ہیں۔ موت برحق ہے اور شاید جناب عبدالستار ایدھی کو اس بات پر کچھ زیادہ ہی یقین ہے۔ 9 جون کو کراچی میں پیپلز پارٹی کے سینئر رحمان ملک نے ہسپتال میں عبدالستار ایدھی سے ملاقات کی اور انہیں کہا کہ وہ پیپلز پارٹی کے رہنما آصف علی زرداری کی جانب سے انہیں بیرون ملک علاج کے لیے ملک سے باہر لے کر جانا چاہتے ہیں۔ عبدالستار ایدھی نے بیرون ملک علاج کروانے کی آصف زرداری کی پیشکش مسترد کر دی۔ عبدالستار ایدھی نے جواب دیا کہ وہ پاکستان ہی میں رہنا چاہتے ہیں اور پاکستان کے سرکاری ہسپتالوں سے اپنا علاج کروائیں گے۔ دو دن بعد آصف علی زرداری کی چھوٹی صاحبزادی آصفہ بھٹو زرداری نے بھی میٹھادر میں قائم ایدھی سینٹر میں ایدھی صاحب کی تیمارداری کی اور انہوں نے بھی ایدھی صاحب سے اپنے والد کی پیشکش کو دہرایا کہ وہ دنیا میں جہاں چاہیں، انہیں علاج کیلئے وہیں بھیجا جاسکتا ہے۔ جواب میں ایدھی صاحب نے آصفہ بھٹو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، ایدھی قبرستان کیلئے زمین فراہم کرنے کی درخواست کی جس پر آصفہ بھٹو نے سندھ حکومت سے بات کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

عبدالستار ایدھی کے بیٹے فیصل ایدھی نے بی بی سی کو بتایا کہ اُن کے والد کے گردے ناکارہ ہو گئے ہیں اور وہ ڈایالسس پر ہیں۔ فیصل کا کہنا ہے کہ پہلے اُن کا ڈایالسس ہفتے میں دو مرتبہ ہوتا تھا لیکن اب ہفتے میں تین بار انھیں ڈایالسس کروانا پڑتا ہے۔ جناب عبدالستار ایدھی کراچی میں ایس آئی یو ٹی ہسپتال میں زیر علاج ہیں، یہ ہسپتال بھی ایک فلاحی تنظیم کے تحت چلایا جاتا ہے، جس کے سربراہ محترم ڈاکٹر ادیب رضوی ہیں۔ 90 سالہ ایدھی صاحب جو اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں ان کی صحتیابی کے لیے پوری دنیا میں دعا کی جارہی ہے لیکن کچھ بد بخت انسانیت کے دشمن سوشل میڈیا پر ان کے خلاف مہم چلا رہے ہیں۔ ان کو ایدھی صاحب سے بنیادی تکلیف یہ ہے کہ لوگ آنکھیں بند کرکے ایک ایسے شخص کو دل کھول کر عطیات دیتے ہیں جو مذہب، مسلک، زبان و نسل کا امتیاز تک نہیں جانتا اور گذشتہ 65 سال سے انسانیت کی خدمت کر رہا ہے۔

ایدھی صاحب چونکہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں، لہٰذا اسلام سے انکی واقفیت بھی واجبی سی ہے۔ اصل میں تو ایدھی صاحب کا مذہب انسانیت ہے اورانھوں نے اپنی پوری زندگی انسانیت کی بھلائی میں گذار دی ہے، ایدھی صاحب نے جس کے لیے جو بھی کچھ کیا بغیر مذہبی تفریق کے کیا، جس کی ایک مثال وہ بھارتی بچی گیتا ہے

جو 13 برس ایدھی سینٹر میں محترمہ بلقیس ایدھی کے زیر نگرانی رہی اور جس کا اعتراف بھارتی حکومت نے کھل کر کیا اور بھارتی حکومت کی جانب سے ایدھی فاونڈیشن کو پانچ کروڑ بھارتی روپے دینے کا اعلان کیا، فیصل ایدھی نے بھارتی حکومت کی اس پیشکش کو شکریہ کے ساتھ قبول نہ کرتے ہوئے بھارتی حکومت پر واضح کیا کہ ایدھی فاونڈیشن صرف پاکستانی عوام سے مدد لیتی ہے۔ افسوس 2011 میں ایدھی صاحب کے خلاف مفتی محمد نعیم صاحب نے ایک محاذ قائم کر لیا تھا جس میں ان کا کہنا تھا کہ قادیانیوں کیلئے عبدالستار ایدھی کی دعا اور حمایت گمراہی اور شریعت و آئین کیخلاف ہے، عبدالستار ایدھی میڈیا پر آ کر اس معاملے اور قادیانیوں کیلئے کی جانے والی دعاؤں اور اپنے نمائندے کے الفاظ پر اپنی پوزیشن واضح کرے ورنہ ان کو بھی دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد سمجھا جائیگا۔ گو کہ یہ بات تین سال پرانی ہے اور لوگ اس کو بھول چکے تھے لیکن مفتی نعیم صاحب کے حمایت یافتہ کچھ انسانیت دشمن سوشل میڈیا پر ایدھی صاحب کے خلاف مہم چلا رہے ہیں۔

ایدھی صاحب سے ایک صحافی نے پوچھا آپ گورنمنٹ سے، سیاستدانوں سے، یا باہر کے ملکوں سے امداد کیوں نہیں لیتے؟ ایدھی صاحب نے جواب دیا، ''کبھی ضرورت ہی نہیں پیش آئی''۔ اور اگر کبھی مجھے زیادہ امداد چاہیے ہو، مثلاً، سیلاب، زلزلہ جیسی قدرتی آفت کے وقت، تو میں ملک کے کسی بھی شہر کی کسی بھی سڑک

فٹ پاتھ، یا چوک میں چادر بچھا کر بیٹھ جاتا ہوں اور چند گھنٹوں میں اس ملک کے، لوگ مجھے کروڑوں روپے دے دیتے ہیں، ایدھی صاحب کے مخالفین کو یہ ہی برداشت نہیں ہوتا کیونکہ اس سے ان کی دوکانداری پر اثر پڑتا ہے۔ معروف قلمکار جناب وجاہت مسعود اپنے ایک مضمون ''مولانا شیرانی کی اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات''، میں لکھتے ہیں کہ ''اس وقت قانون سازوں کے سامنے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایسے لاوارث بچوں کے لیے جن کے ماں باپ نامعلوم ہیں، شناختی کارڈ کیسے جاری کیے جائیں۔ پاکستان کے سابق صدر آصف زرداری نے تجویز پیش کی تھی کہ ایسے تمام بچوں کے باپ کے طور پر ان کا نام لکھ دیا جائے۔ عبدالستار ایدھی صاحب بھی ایسی ہی پیشکش کر چکے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس قانون سازی میں اسلامی نظریاتی کونسل رکاوٹ ڈال رہی ہے اور ان کمزور، غریب اور لاوارث بچوں کے لیے قانونی شناخت کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہے''۔

ڈاکٹر رئیس صمدانی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''عبدالستار ایدھی ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جس کی زندگی انسانیت کی خدمت سے عبارت نظر آتی ہے۔ عبدالستار ایدھی کو دکھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ اپنی ماں کی خدمت کے نتیجے میں ملا، اگر ایدھی صاحب نے اپنی ماں کی خدمت نہ کی ہوتی تو شاید آج وہ اس مقام و مرتبہ پر نہ ہوتے، یہ مرتبہ، یہ اعزاز، یہ مقام ان کو اپنی ماں کی خدمت کے عوض نصیب ہوا ہے اور اس اعزاز و مرتبے کو پروان چڑھانے میں

بھی ایک عورت کا عمل دخل رہا اور وہ نیک صفت، وفا شعار عورت ہے بلقیس ایدھی،
عبدالستار ایدھی سے شادی سے قبل بلقیس ایدھی نرس کے پیشے سے تعلق رکھتی تھیں
اور عبدالستار ایدھی کی ڈسپنسری میں خدمات انجام دیا کرتی تھی، ایدھی صاحب نے
1965 میں بلقیس ایدھی سے شادی کی، شادی کے بعد سے آج تک بلقیس ایدھی نے
اپنے شوہر کا ایسا ساتھ نبھایا کہ جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ بلقیس ایدھی قدم
قدم پر ایدھی صاحب کے ساتھ رہیں، ایدھی صاحب کو اس مقام، مرتبہ اور منزل پر
پہنچانے میں بلقیس ایدھی کا کردار قابل رشک ہے''۔

پورا پاکستان عبدالستار ایدھی سے محبت کرتا ہے اور انکی عزت کرتا ہے۔ جمعہ 17 جون
2016 کو اس محبت اور عزت میں اس وقت اور اضافہ ہوا جب پاکستان کرکٹ بورڈ
کی جانب سے عبدالستار ایدھی کو خراج تحسین پیش کرنے کی تقریب منعقد ہوئی۔ چیئرمین
پی سی بی شہریار خان نے اپنے خطاب میں ایدھی صاحب کو زبردست الفاظ میں خراج
تحسین پیش کیا۔ لاہور میں منعقدہ تقریب میں شہریار خان نے کہا ہے کہ ایدھی صاحب
کو نوبل انعام ملنا چاہئے، انسانیت کے لیے اُن کی بڑی خدمات ہیں۔ تقریب میں پاکستان
کرکٹ بورڈ اور ایدھی فاؤنڈیشن کے درمیان طے پائے معاہدہ کی رو سے پاکستان کی
کرکٹ ٹیم دورہ انگلینڈ کے موقع پر ایدھی فاؤنڈیشن کا لوگو شرٹ پر لگا کر کھیلے گی۔ شہریار
خان نے اس موقع پر پاکستان کرکٹ بورڈ اور پاکستان سپر لیگ کی جانب سے ایدھی
فاؤنڈیشن کے لیے

پانچ، پانچ لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان بھی کیا۔

دنیا ایدھی صاحب کو جانتی ہے، اور ہم میں سے جو خوش قسمت ہیں وہ اُن سے ملنے کا شرف بھی حاصل کر چکے ہونگے۔ عبدالستار ایدھی، موجودہ صدی میں خدمت خلق کی اعلیٰ ترین مثال، انسانیت کا ایسا سچا بے لوث خدمت گار جو کہ واقعی اپنی مثال آپ ہیں۔

ایک بہت ہی محترم دوست ڈاکٹر جمیل اصغر جامی نے جناب ایدھی کے آصف زرداری کی بیرون ملک علاج کرانے کی پیشکش کو مسترد کرنے اور پاکستان کے سرکاری ہسپتالوں سے علاج کرانے کا ارادہ ظاہر کرنے پر اپنے جذبات کا اظہار اپنے اشعار میں کچھ یوں کیا ہے:۔۔

آقا تو چاہتے ہیں کہ گلشن ہی بیچ دیں
مالی کا من چمن میں، تن بھی چمن میں ہے
رہبر کو چھینک آئی تو لندن چلا گیا
ایدھی بہت علیل ہے لیکن وطن میں ہے

اللہ تعالیٰ ایدھی صاحب کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور انسانیت کے لیے ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور اس کا ان کو اجر عظیم عطا فرمائے، آمین۔

ماہ رمضان میں بیہودہ رمضان نشریات

صرف ایک ٹی وی چینل ہوا کرتا تھا، اب بھی ہے، نام ہے ''پاکستان ٹیلی وژن نیٹ ورک'' لیکن اس کو عام طور ''پی ٹی وی'' کہا جاتا ہے۔ پی ٹی وی نے اپنی نشریات کا آغاز 26 نومبر 1964ء کو لاہور کے اسٹیشن سے کیا۔ پی ٹی وی پر صرف ایک چینل ہوا کرتا تھا، اس سے خبریں بھی نشر ہوتی تھیں اور ڈرامے بھی دکھائے جاتے تھے، پی ٹی وی کے ڈرامے نہ صرف پاکستان بلکہ پڑوسی ملک بھارت میں بھی بڑے شوق سے دیکھے جاتے تھے۔ پی ٹی وی کے پروگرام بغیر کسی ہچکچاہٹ کے تمام گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر دیکھے جا سکتے ہیں، چونکہ پی ٹی وی ایک سرکاری ادارہ ہے لہذا بغیر نفع نقصان کی فکر کئے اس کی نشریات جاری رہیں۔ سرکاری اداروں میں سرکار کی پالیسی چلتی ہے لہذا پی ٹی وی عوام کو وہی کچھ دکھاتا ہے جو سرکار چاہتی ہے اور یہ ہی عوام کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے۔ پی ٹی وی جہاں حکومت وقت کی ترجمانی کرتا ہے وہیں قوم کی اخلاقی اور نظریاتی تربیت کا حق بھی بھرپور طریقے سے ادا کرتا رہا ہے۔

جنگ گروپ نے 2002ء میں جیو ٹی وی چینل کے نام سے پاکستان میں اپنی نشریات کا آغاز کیا بعد میں اس چینل میں توسیع ہوئی اور اس کے مزید چینل کھلے۔

2002ء کے بعد الیکٹرونک میڈیا نے ترقی کی اور پے در پے نئے نجی چینل آتے رہے۔اس وقت پاکستان میں 80 سے بھی زیادہ نجی چینلز موجود ہیں جن کی نشریات 24 گھنٹے جاری رہتی ہیں۔ پاکستان میں زیادہ تر چینلز کے نشریات اردو میں ہوتی ہیں، تاہم ملک کی علاقائی زبانوں (پشتو، پنجابی، سندھی، بلوچی، کشمیری، سرائیکی وغیرہ) کے بھی ٹی وی چینلز موجود ہیں۔ جن میں خبریں، صحت ، تعلیم اور تفریح کے بہت سے چینلز موجود ہیں۔ پی ٹی وی ورلڈ پاکستان کا پہلا انگریزی چینل ہے۔ جیسے جیسے چینلز کی تعداد بڑھی تو مقابلے کا رجحان بھی بڑھا اور زیادہ کمائی کیسے کی جائے اس کی فکر ہوئی، چینلز کے مالکان جو دراصل سیٹھ ہیں ان کا مقصد قطعی یہ نہیں ہے کہ عوام کو اچھی تفریح مہیا کی جائے یا انکو حقایق سے آگاہ کیا جائے بلکہ سیٹھوں کی ساری دلچپی اس میں ہے کہ کس طرح عوامی توجہ حاصل ہو تاکہ ریٹنگ بڑھے جو اشتہارات اور کمائی میں اضافے کا سبب ہے۔ اس ریٹنگ کی چاہت میں چینلز کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں۔پاکستان میں تمام نیوز چینل روزانہ شام سات بجے سے رات گیارہ بجے تک ٹاک شو کے نام پر سیاسی مجرے کرتے ہیں اور ان ٹاک شوز میں چھانٹ چھانٹ کر بد تمیزوں کو جمع کیا جاتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے ہوتے ہیں، گذشتہ دنوں ایک نام نہاد مذہبی رہنما تو اس قدر بے قابو ہو گئے کہ انہوں نے اپنی مدمقابل خاتون کو وہ کچھ کہہ دیا جو شاید ایک شریف انسان کبھی بھی نہ کہہ پائے، بہت شور ہوا لیکن جناب اس ٹی وی چینل کے سیٹھ کی تو

عید ہو گئی کیونکہ پروگرام میں مذہبی رہنما کے بے ہودہ پن کے بعد یقیناً چینل کی ریٹنگ بڑھی ہو گی اور سیٹھ کی آمدنی۔

ٹاک شوز میں آنے والے سیاستدانوں میں کبھی کبھی ایک شریف سیاستدان بھی مل جاتا ہے، ایسے ہی سال کے بارہ مہینوں میں ایک مہینہ ایسا بھی آتا ہے جس کے ساتھ شرافت کا تمغہ لگا ہوتا ہے اور جسے ہم رمضان شریف کہہ کر پکارتے ہیں۔ نجی ٹی وی چینل جیو کے پروگرام 'عالم آن لائن' سے عوام میں بے حد مقبولیت پانے والے میزبان ڈاکٹر عامر لیاقت حسین کو میڈیا کے حلقوں میں رمضان نشریات کا موجد کہا جاتا ہے۔ 2014ء میں معمولی گیمز، عجیب و غریب حرکات و سکنات اور نہایت آسان سوالات کے جوابات دینے پر موبائل فونز، اے سی، جینریٹرز، موٹر سائیکل اور گاڑی جیسے انعامات دینے کا سلسلہ عامر لیاقت کے 'انعام گھر' نامی پروگرام سے شروع ہوا اور اسے رمضان کی نشریات میں بھی جاری رکھا گیا۔ اس کی مقبولیت دیکھتے ہوئے دیگر چینلز نے بھی اسی طرز کے پروگرامز اور نشریات کا آغاز کیا اور اس برس نامور اداکار اور میزبان فہد مصطفیٰ کا پروگرام 'جیتو پاکستان' سب سے زیادہ انعامات دے کر ریٹنگز کی دوڑ میں آگے نظر آرہا ہے۔ تاہم ان پروگرامز میں دکھایا جانے والا مواد عوامی حلقوں میں شدت سے زیر بحث ہے۔

رمضان نشریات کے نام پر رمضان کے مقدس ماہ میں ٹی وی چینلز سحری افطاری میں سٹیڈیم نما سٹوڈیو محفلیں سجاتے ہیں۔ رمضان نشریات میں انتہائی سنجیدہ ماحول ہونا چاہئے مگر یہاں انتہائی سنجیدہ سوالات انتہائی غیر سنجیدہ انداز میں کئے جاتے ہیں، درست جواب دینے والوں پر انتہائی مضحکہ خیز انداز میں انعامات اچھال دیئے جاتے ہیں تاکہ محفل مزاحیہ بن سکے۔ ان رمضان نشریات کے اینکرز میں بعض نام نہاد دینی سکالر ایسے بھی ہیں جن کو مشرف دور سے پہلے کوئی جانتا بھی نہیں تھا، جن کے پاس نا کوئی سند ہے اور نا ہی علماء انہیں اپنے میں سے مانتے یا جانتے ہیں۔ اسی طرح ان اینکروں میں کچھ ایسے گائیک جن کی زندگیاں گانے بجانے میں گزری ہیں وہ بھی رمضان نشریات میں قوم کو دین سے روشناس کراتے نظر آتے ہیں۔ ان چینلز کے سیٹھوں کا اگر بس چلے تو یہ مذہب کے نام پر سال کے بارہ ماہ یہ پروگرام جاری رکھیں۔ رمضان نشریات کی اہم بات یہ ہے کہ اینکر کے کپڑوں سے لے کر مولوی صاحب کی جانب سے کی جانے والی دعایں تک سب سپانسرڈ ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ جو سحر اور افطار کی دعا ہوتی ہے وہ بھی سپانسرڈ ہوتی ہے۔ پچھلے سال بھی ہر چھوٹے بڑے چینل نے رمضان کو خوب بیچا ۔لاکھوں لگا کر کروڑوں کمائے۔ اس سال بھی رمضان کی تیاری کمرشلزم کی بنیاد پر ہی کی گئی ہے۔ پچھلے سال کس نے اس پاک ماہ میں کتنا کمایا وہ آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ ایک مشہور اینکر کے مطابق رمضان دو ہزار پندرہ میں جیو اور اے آر وائی نے صرف ایک ماہ میں چالیس چالیس کروڑ کا بزنس

کیا، جبکہ باقی چینلز کا منافع بھی کروڑوں میں ہی ہے۔
کراچی کی ایک نجی یونیورسٹی میں ابلاغ عامہ کے استاد پروفیسر انعام اللہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں ٹی وی چینل کی ابتدا کے بعد رمضان کے مہینے میں ناظرین حمد باری تعالیٰ" اور نعت رسول مقبول سننے کے لیے خصوصی نشریات دیکھا کرتے تھے، اس وقت ان نشریات کو رمضان کے حوالے سے کوئی خصوصی نام نہیں دیا جاتا تھا اور نا ہی یہ سلسلہ چوبیس گھنٹے جاری رہتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جیسے جیسے ملک میں ٹی وی چینلز کی تعداد میں اضافہ ہوا اور نشریات کا دورانیہ چوبیس گھنٹے پر محیط ہونے لگا، ویسے ہی مخصوص مہینوں میں پیش کی جانے والی نشریات کو نام دیا جانے لگا اور کس چینل کی ان نشریات کو زیادہ دیکھا جاتا ہے، اس کی بنیاد پر چینلز کی کامیابی کا دارومدار ہونے لگا"۔
پروفیسر انعام کے مطابق یہ ہی وجہ ہے کہ خوبصورتی سے سجائے گئے اسٹیج، عظیم الشان سیٹ، لاکھوں روپے مالیت کے انعامات کے انبار، مذہبی شخصیات اور شوبز کے ستاروں سے سجی نشریات کا سلسلہ گزشتہ چند برسوں میں رمضان کے مہینے میں خصوصی اہتمام کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔
میڈیا ہاوسز سے تعلق رکھنے والے افراد کے مطابق رمضان کی ان نشریات کے دوران سب سے زیادہ مقبولیت پروگرام کے اس خاص حصے کو حاصل ہو رہی ہے جس میں

ہزاروں روپوں کے انعامات پروگرام میں شریک مہمانوں کو مختلف کھیل کھیلوں میں حصہ لینے کے عوض دیے جاتے ہیں۔ ان میں آم کھانے کے مقابلے سے لے کر محفل میں شریک سب سے زیادہ وزنی خاتون کے درمیان مقابلہ شامل ہے۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ جس پروگرام میں تفریح کا عنصر سب سے زیادہ رکھا جا رہا ہے وہی پروگرام عوام میں پسندیدگی کی سند حاصل کر رہے ہیں۔ تاہم عوام کی ایک بہت بڑی تعداد کے مطابق پروگرام کی کامیابی یا ریٹنگ کی دوڑ میں نا صرف اس مقدس مہینے کی اصل روح متاثر ہو رہی ہے بلکہ پروگرام کے معیار بھی گرتے جا رہے ہیں۔ رمضان نشریات سے چینل کے مالکان دوہرے فوائید حاصل کر رہے ہیں۔ ایک طرف مالکان خود کو دیندار دیکھا رہے ہیں، جبکہ دوسری طرف کروڑوں روپے کما رہے ہیں۔ یہاں تک تو سب کچھ قابل قبول ہے لیکن جب ان موسمی دینی اسکالر کم اینکرز سے کوئی غلط بات ہو جاتی ہے تو یہ پورے معاشرے کی تقسیم کا باعث بنتی ہے جیسا ایک بڑے چینل کے ایک سابق معروف گلوکار اینکر جنید جمشید نے ایک ایسی بات کر دی جو کرنے کی اُس کی حیثیت نہیں تھی۔ جس کی وجہ سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی متاثر ہونے کا خدشہ پیدا ہوا اور خود ایک بڑے عالم کو اس کے حق میں بیان دینا پڑا۔ اس ہی پروگرام کی وجہ سے چند ماہ پہلے اُسے اسلام آباد ائرپورٹ پر عوامی رد عمل کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

پاکستان میں رمضان کے مقدس اسلامی مہینے میں رمضان نشریات کے نام پر جو کچھ

ہو رہا ہے اس کا مذہب اسلام سے دور دور کوئی واسطہ نہیں۔ دولت کی ہوس نے چینلز کی ہائی ریٹنگ کی دوڑ میں سب سے آگے ہونے کے لیے بغیر کسی تحقیق کے اسلام کے نام پر جو کچھ بتایا یا دکھایا جارہا ہے وہ ایک غلط رجحان ہے جو روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ بجائے اس کے کہ رمضان المبارک کے مقدس ماہ میں اسلام سے متعلقہ علمی، ادبی، فکری، تعلیمی اور معلوماتی پروگراموں کا انعقاد کیا جاتا جس میں مذہبی سکالرز کو مدعو کیا جاتا اور ان سے اسلام کے بارے میں کچھ سیکھا جاتا، الٹا یکھ یہ رہے ہیں کہ موبائل کی بھیک کیسے مانگی جاتی ہے، کھانے پینے کی چیزوں پر کیسے جھپٹا مارا جاتا ہے۔ چینلز کے سیٹھ تو یہ سب کروائینگے اس لیے کہ اس میں ہی ان کا فائدہ ہے، لیکن ارباب اختیار کو تو یہ سوچنا چاہیے کہ ان نام نہاد رمضان نشریات سے ملک کی کس قدر بدنامی ہو رہی ہے۔ پاکستان جو کرپشن کے حوالے سے پہلے ہی پوری دنیا میں بدنام ہے ان رمضان نشریات سے مزید بدنام ہو رہا ہے، لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ ماہ رمضان میں بیہودہ رمضان نشریات پر پابندی عائد کرے۔

سو لفظوں کی کہانی نمبر 56۔۔۔۔ دیالو۔۔۔۔۔۔

صدر اور وزیر اعظم بہت پرجوش انداز میں ایک دوسرے سے ملے

دونوں نے ایک دوسرے کو نئے بجٹ کی مبارک باد دی

صدر صاحب بولے

وزیر اعظم صاحب اس مرتبہ تو ہم آپ سے جیت گئے

وہ کیسے ؟

اپنے بجٹ سے گیارہ کروڑ روپے زیادہ خرچ کیے ہیں ہم نے

جبکہ آپنے صرف ایک کروڑ 70 لاکھ زیادہ خرچ کئے

وزیر اعظم نے صدر سے پوچھا

عام لوگوں کے لیے یہ بجٹ کیسا ہے؟

اس بجٹ سے سب سے زیادہ فائدہ تو انکو ہی ہوا ہے

خوش ہیں پورے ایک ہزار روپے ماہانہ تنخواہ بڑھی ہے ہر نوکر پیشہ کی

بہت دیالو ہیں آپ

سو لفظوں کی کہانی نمبر 57۔۔۔۔ کیدو ماں ۔۔۔۔۔

جھنگ کے ہیر اور رانجھا آپس میں بہت محبت کرتے تھے

ہیر کے گھر والے شادی کے لیے بہت مشکل سے مانے

اگر کوئی نہیں مانا تو وہ ہیر کا چچا کیدو تھا

کیدو نے شادی کے دن زہریلے لڈو کھلا کر ہیر کو مار ڈالا

لاہور کی زینت اور حسن خان نے زینت کے گھر والوں کی مخالفت کے بعد کورٹ میرج کر لی

کہانی میں تبدیلی یہ آئی کہ

کیدو کا کردار زینت کے ماں نے ادا کیا

کیدو ماں کے ساتھ زینت کے بھائی اور بہنوئی بھی شامل تھے

جنھوں نے زینت پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگائی اور اسے مار ڈالا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 58۔۔۔۔ پی آئی اے۔۔۔۔۔۔

آج پی آئی اے کی تقریب میں 80 لاکھ روپے

کے جوتے کیبن کریو کے حوالے کرنا تھے

یہ جوتے سابق چیئرمین نے موجودہ چیئرمین کو

کیبن کریو کے لئے عطیہ کئے تھے

پہلے غفور کا نام پکارا گیا، وہ اپنا جوتا لے کر بیٹھ گیا

بے باک کا نام پکارا گیا اس نے جوتا وصول کیا

پرانا جوتا اتارا اور سابق اور موجودہ چیرمین کو مارنا شروع کردیا
بے باک کہہ رہا تھا کہ ایئرلائن کو مضبوط بنانے کے لئے
کہ ہم کو بے شک نئے جوتے مت دو
لیکن اس ادارئے کو صیح کرنے کے لیے کرپٹ لوگوں کو جوتے مارنے کی شدید ضرورت ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 59۔۔۔۔ ڈرون حملہ ۔۔۔۔۔۔
بس حیدرآباد سے کراچی جارہی تھی
کنڈیکٹر نے ڈیڑھ گُنا کرایہ طلب کیا تو ایک نوجوان نے انکار کردیا
ایک صاحب نے لوگوں کو ڈرایا کہ کنڈیکٹر بس سے اتار دیگا
نوجوان بھی مجبوری سے بیٹھا رہا
اس نے اخبار کھولا تو تازہ ڈرون حملے کی خبر تھی
اچانک وہی صاحب بولے
بھائیو ! ہم کسی امریکہ وغیرہ سے نہیں ڈرتے
نوجوان نے جلے کٹے لہجے میں کہا
جناب جو قوم نہتے کنڈیکٹر سے ڈرتی ہے
وہ سُپر پاور کے سامنے کھڑا ہونے کا کہتی ہے تو اچھی نہیں لگتی
کراچی پہنچنے تک پھر اُن صاحب کی آواز نہیں آئی

سو لفظوں کی کہانی نمبر 60۔۔۔۔ ریٹنگ ۔۔۔۔۔

میں نے اپنے نیوز ایڈیٹر کو بتایا کہ

کراچی میں پانی، لاہور میں جائیداد اور پشاور میں

غیرت کے نام پر بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا۔

ایڈیٹر نے کہا اس خبر سے ریٹنگ نہیں بڑھے گی کوئی اور خبر ؟

ایک خبر ملتان سے ہے جہاں شادی سے انکار پر

شمیم نامی عورت نے صداقت نامی آدمی پر تیزاب پھنک دیا۔

شمیم نے اپنے خاوند سے اس لئے طلاق بھی لی تھی

لیکن صداقت نے شادی سے انکار کر دیا۔

ایڈیٹر نے کہا آج کی لیڈ اسٹوری یہ ہی ہو گی

کیونکہ یہ خبر چینل کی ریٹنگ میں اضافہ کرے گی۔

اسحاق ڈار غریبوں کا مذاق نہ اڑائیں

پیپلز پارٹی کی رکن قومی اسمبلی شازیہ مری نے قومی اسمبلی میں ملک میں مہنگائی کا ذکر کرتے ہوئے جب ماش کی دال کی قیمت کا ذکر کیا تو پیٹ بھرے وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے فرمادیا کہ لوگ دال چھوڑ کر مرغی کھالیں۔ قومی اسمبلی کے فلور پر کھڑے ہو کر اسحاق ڈار نے جیسے اس قوم کا مذاق اڑایا ہے کہ ''دال مہنگی ہے تو مرغی کھاؤ''، ٹھیک اس طرح ہی فرانس کے ملکہ میری انٹو نیے نے بھی اپنے بھوکے عوام کا مذاق اڑایا تھا کہ ''روٹی نہیں ہے تو کیک کھاؤ''، اسی ملکہ کو لوگوں نے گھسیٹ کر محل سے نکالا تھا۔ ماضی بتاتا ہے کہ انقلاب فرانس ایسے ہی حالات میں خونریزی مچاتے ہوئے واقع ہوا تھا۔ 1789ء میں فرانس میں خونی انقلاب برپا ہوا، ملکہ میری انٹو نیے، شاہ لوئی اور ان دونوں کی اولاد، سب کا انجام انتہائی بھیانک طریقے سے ہوا تھا۔انقلاب بھوک کی وجہ سے نہیں آیا تھابلکہ جب قوم کا مذاق اڑایا گیا تو اصل انقلاب آیا تھا۔لگتا ہے جس طرح اسحاق ڈار معاشیات کی الف ب پڑھے بغیر ایک اکاونٹینٹ ہوتے ہوئے ملک کے وزیر خزانہ بن گئے، شاید اس طرح ہی تاریخ سے اور خاصکر انقلاب فرانس سے بھی نابلد ہیں۔ اسحاق ڈار نے پاکستان کے غریبوں اور خاصکر 65 سے 70 فیصد ان غریبوں کا مذاق اڑایا ہے جو غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذار رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنکی آمدنی دو

امریکی ڈالر یا 200 روپے روزانہ تک ہے، یہ اپنی 70 سے 80 فیصد آمدنی صرف اپنی غذا پر خرچ کرتے ہیں، کبھی ان کے پیر میں جوتا نہیں ہوتا تو کبھی یہ مناسب لباس کے لیے ترس رہے ہوتے ہیں۔ اسحاق ڈار کو چاہیے کہ کچھ وقت نکال کر اپنے ملک کے عوام کا حقیقی حال بھی معلوم کرلیا کریں۔

پاکستانی عوام غربت اور جہالت کے دردناک عذاب میں مبتلا ہیں جبکہ ہمارے حکمرانوں کی دولت میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے لیکن کبھی اس ملک میں آٹے کا بحران آجاتا ہے تو کبھی چینی کا، اور کبھی آلو اور پیاز کی شدید قلت ہوجاتی ہے۔ اس میں ناکامی ملکی پیداوار کی نہیں بلکہ حکمرانوں کی ہے۔ پاکستان میں ہم قومی حیثیت سے غربت اور جہالت کے جس نقطے پر کھڑے ہیں وہاں سے تعمیر و ترقی کی منزل اتنی دور ہے، اتنی دور ہے کہ اس کے بارے میں سوچنا بھی ناممکن ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں اس وقت حکومت ایک ایسے کاروباری فرد کے ہاتھ میں ہے جس کا واحد مقصد خود اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے۔ نواز شریف نے پہلے کروڑ پتی اور پھر ارب پتی بننے کی جو شاندار مہم چند سال میں طے کرلی اسے دوسرے سیاسی رہنما شاید صدیوں میں بھی سر نہیں کر سکتے۔ نواز شریف اور انکے ساتھی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایک ایک رات میں بنجر زمینوں سے محل اگائے ہیں اور ایک ایک دن میں دولت و ثروت کی فصلیں کاٹی ہیں۔ یہ لوگ 'زرگری' اور زرپرستی کے علاوہ کوئی

قدر نہیں مانتے، ان کا صرف ایک ہی نصب العین ہے یعنی دولت کھینچنا، قوم جہنم میں جائے انہیں تو اپنے کام سے کام ہے، کیا ہوگیا جو اسحاق ڈار نے قوم کا تھوڑا سا مذاق اڑا لیا۔

پاکستان کی بدنصیبی کا یہ حال ہے کہ ڈھائی کروڑ بچے اسکول ہی نہیں جاتے، جبکہ 80 فیصد پاکستانیوں کو صحت کی سہولت میسر نہیں ہیں۔ اسحاق ڈار سے پہلے وزیر صحت بھی عوام پر ستم ظریفی فرماچکی ہیں، جب انہوں نے قوم کو مشورہ دیا تھا کہ مہنگی دوا نہ خریدیں بلکہ سستی دوا خریدا کریں۔ آج پاکستان واضع طور پر دو حصوں میں بٹ چکا ہے، اب امیر اور غریب جیسے شرمناک الفاظ گفتگو میں بار بار استعمال کیے جاتے ہیں اور گویا اخلاقی اور سماجی طور پر اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ پاکستان میں دو قومیں آباد ہیں۔ ایک غریب اور ایک امیر، ایک کرسی نشین اور ایک خیمہ بردار۔ آج ہمارے ملک میں امیر، امیر ترین بننے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے، اس نے پوری قوم کے دماغ کو ماؤف اور ذہن کو خراب کر دیا ہے۔ شازیہ مری کا کہنا تھا کہ عوام کو مرغی اور دال کے چکر میں نہ پھنسایا جائے، باہر نعرے لگ رہے ہیں ڈار کی دال مرغی برابر ۔انہوں کہا کہ لگتا ہے حکومت نے انقلاب فرانس سے کچھ نہیں سیکھا۔ جو لوگ ملک کی ذہنی تعمیر وترقی سے دلچسپی رکھتے ہیں، جنہیں اس قوم کے مستقبل سے ذرا بھی ہمدردی ہے انہیں اسحاق ڈار کے اس مذاق کے خلاف سخت احتجاج کرنا چاہیے۔

پاکستان اور تنازعات میں گھرے دنیا کے 52 ملکوں میں 800 ملین افراد بھوک کا شکار ہیں، جاری فہرست میں پاکستان کا نمبر 11 واں ہے۔ وزیر خزانہ اسحاق ڈار کو معلوم ہونا چاہیے کہ ''انگلینڈ میں فرانس سے زیادہ غربت تھی، بلکہ انگلینڈ کے لوگ تو پرانے چمڑوں کو ابال کر سوپ تیار کرکے زندگی گزارتے تھے، لیکن وہ فرانس کے عوام کی طرح سڑکوں پر نہیں نکلے۔ انہوں نے امراء اور رؤساء کا قتل نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگلینڈ میں فرانس کے بادشاہوں کی طرح عوام کی غربت کا مذاق اڑانے والا کوئی نہ تھا۔ کسی ملکہ نے یہ الفاظ نہیں بولے تھے کہ ''لوگوں کو اگر روٹی نہیں ملتی تو وہ کیک کیوں نہیں کھاتے؟'' لوگ بھوک اور افلاس تو برداشت کر لیتے ہیں، لیکن اپنا مذاق اڑانا ان سے برداشت نہیں ہوتا اور پھر قتل و غارت کی ایسی تاریخ رقم کرتے ہیں جس میں کوئی پوچھتا تک نہیں کہ کون قصور وار ہے اور کون نہیں؟ بس جو شکل و صورت یا لباس سے سرمایہ دار امیر نظر آتا ہے اس کی گردن اڑا دی جاتی ہے''۔ نواز شریف کے پاس اب بھی دو سال باقی ہیں لہٰذا اگر وہ اپنے عوام کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اب بھی انکو موقعہ ہے، قوم کو اسکولوں، کالجوں، تربیت گاہوں، شفاخانوں، لہلہاتے کھیتوں اور کارخانوں کی ضرورت ہے، ان مسئلوں کے سامنے باقی تمام مسئلے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ نواز شریف، اسحاق ڈار یہ بات یاد رکھیں کہ یہ دور پاکستان کی زندگی کا بڑا نازک دور ہے، اگر اس دور میں سماج

کی منفی قدروں کو استحکام حاصل ہو گیا تو یہ ملک نفسیاتی، اخلاقی، تہذیبی اور سیاسی اعتبار سے دیوالیا ہو کر رہ جائے گا اور پھر اس کا ازالہ کسی طرح بھی ممکن نہ ہو سکے گا۔

اسلام آباد میں 16 اگست 2014 کو شروع ہونے والے علامہ طاہر القادرری اور عمران خان کے دھرنوں میں ایک بھی بھوکا شامل نہیں تھا، علامہ طاہر القادری کے ساتھ زیادہ تعداد انکے مریدوں کی تھی جو قطعی بھوکوں میں شمار نہیں ہوتے جبکہ عمران خان کے ساتھ تحریک انصاف کے ورکر تھے اور انکا شمار بھی بھوکوں میں نہیں ہوتا، لیکن انہوں نے سپریم کورٹ کی دیواروں کو اپنے گندے کپڑوں سے سجایا ہوا تھا۔ ایوان صدر اور وزیراعظم ہاوس بھی غیر محفوظ تصور کیے جارہے تھے، پارلیمنٹ کی عمارت میں پورے پاکستان کے سیاستدان موجود تو تھے لیکن سہمے ہوئے تھے۔ یکم ستمبر 2014 کو دھرنے کے کچھ شرکا پی ٹی وی کی عمارت میں داخل ہوئے اور پی ٹی وی کی عمارت پر قبضہ کرلیا، ان قابضین کو نہ تو پولیس روک پائی اور نہ ہی فوج۔ پی ٹی وی کی عمارت پر کچھ دیر قابض رہنے کے بعد فوج کے کہنے پر قابضین نے پی ٹی وی کی عمارت کا قبضہ چھوڑ دیا۔ اسحاق ڈار کو سمجھانا یہ ہے کہ دھرنے کے لیڈروں کا مقصد سیاسی تھا انقلابی نہیں تو آپکی حالت خراب ہو گئی تھی، ذرا سوچیں اگر آپکی ان ظالمانہ معاشی پالیسیوں کی وجہ سے کسی دن اسلام آباد کے ڈی چوک پر پاکستان کے غریب اور

بھوکے جمع ہوگئے تو آپکا کیا ہوگا، کیونکہ غریبوں اور بھوکوں کا جب انقلاب آتا ہے تو وہ اپنے سامنے آئی ہوئی ہر چیز کو تباہ کرتے چلے جاتے ہیں، انکا کوئی رہنما نہیں ہوتا وہ خود اپنے رہنما ہوتے ہیں، اس لیے ان کو روکنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، لہذا آئندہ پاکستان کے غریب اور بھوکے عوام کا فرانس کی ملکہ کے انداز میں مذاق نہ اڑایں تو یہ آپکے لیے ہی بہتر ہوگا۔

عمران خان کی طرف سے دہشت گردوں کو راتب

خیبر پختونخوا میں عمران خان کی جماعت پاکستان تحریک انصاف کی حکومت کو ابھی صرف چار ماہ ہوئے تھے کہ دوسرے بڑے دہشت گردی کے واقعات کے علاوہ اس عرصے میں اُن کی اپنی جماعت کے تین منتخب نمائندے بھی دہشت گردی کا شکار ہو چکے تھے۔ مگر عمران خان مذاکرات اور طالبان کے دفتر کا راگ الاپ رہے تھے، ان کا کہنا تھا کہ طالبان سے مذاکرات کے لیے اس کا ایک دفتر ہونا ضروری ہے۔ آپریشن ضرب عضب سے پہلے تک عمران خان مسلسل لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے رہے کہ نو سال میں کچھ نہیں ہوا اور پچاس ہزار افراد مارے گئے اس لیے مذاکرات ہی وہ راستہ ہے جس سے امن آسکتا ہے۔ مئی 2013 کے انتخابات کے درمیان طالبان دہشتگرد باقاعدہ اعلان کرکے پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم اور اے این پی کو اپنی دہشت گردی کا نشانہ بنا رہے تھے، جس کی وجہ سے ان تینوں جماعتوں نے اپنی انتخابی مہم بند کردی تھی لیکن طالبان دہشت گردوں کی حامی جماعتوں پاکستان تحریک انصاف، پاکستان مسلم لیگ (ن)، جماعت اسلامی اور جمیت علمائے اسلام کے دونوں گروپ بغیر کسی خوف کے اپنی انتخابی مہم چلاتے رہے۔

نواز شریف حکومت قائم ہونے کے بعد مولانا عبدالعزیز، پروفیسر ابراہیم خان

اور مولانا سمیع الحق پاکستانی طالبان کی طرف سے حکومت کے ساتھ مذاکرات کے لیے قائم کردہ کمیٹی کے ارکان مقرر ہوئے۔ مولانا عبدالعزیز جو سابق خطیب لال مسجد، اسلام آباد ہیں انہوں نے پشاور میں طالبان دہشت گردوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے 132 معصوم بچوں کی ہلاکت کو دہشتگردوں کا صحیح فیصلہ قرار دیا تھا، مولانا عبدالعزیز دہشتگرد تنظیم داعش کے بھی عاشق ہیں۔ پروفیسر ابراہیم خان، امیر جماعت اسلامی خیبر پختونخوا ہیں، طالبان کے زبردست حامی ہیں اور کیوں نہ ہو ان کی جماعت، جماعت اسلامی پاکستان میں دہشت گردوں کی سب سے بڑی حامی اور سہولت کار ہے۔ مولانا سمیع الحق اکوڑہ خٹک میں واقع دارالعلوم حقانیہ کے بانی اور سربراہ ہیں، مولانا سمیع الحق طالبان دہشت گردوں کو اپنے بچے کہتے ہیں اور خود کو ان کا روحانی باپ، جلال الدین حقانی سے لے کر ملا اختر منصور تک سب نے اپنے روحانی باپ کے مدرسے دارالعلوم حقانیہ میں ہی پڑھا ہے، مولانا سمیع الحق کے بچے طالبان دہشتگرد بھی نواز شریف حکومت کے ساتھ مذاکرات مذاکرات کھیلتے ہوئے اپنے باپ کو نہیں بھولے تھے۔ طالبان دہشت گردوں نے حکومت سے مذاکرات کی بات کی تو انہوں نے مولانا عبدالعزیز، پروفیسر ابراہیم خان اور مولانا سمیع الحق کو اپنا نمائندہ بنایا لیکن اس سے پہلے انہوں نے عمران خان کو اپنا نمائندہ بنایا تھا، لیکن عمران خان جو طالبان خان کے نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں راضی نہ ہوئے۔

مذاکرات کے درمیان بھی طالبان دہشت گردوں کی دہشت گردی جاری رہی۔آٹھ جون 2014ء اتوار کی درمیانی شب کو کراچی کے جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہ حکومت کی ناقص سیکوریٹی انتظام اورایک اندیشے کے مطابق انتظامیہ میں سے چند بکے ہوئے ارکان کی وجہ سے طالبان دہشت گردوں کی جانب سے ایئرپورٹ پر حملہ ہوا۔ اتوار 15 جون کو افواج پاکستان نے طالبان دہشت گردوں کے خلاف ایک بھرپورآپریشن ضرب عضب کے نام سے شروع کیا۔ فوج کے از خود آپریشن شروع کرنے کی وجہ سے عمران خان نے بھی مذاکرات کا راگ الاپنا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود طالبان سے عمران خان کی ہمدردیاں ختم نہیں ہویں، لہٰذا تحریک انصاف کی خیبر پختونخوا حکومت نے اپنے حالیہ صوبائی بجٹ میں 30 کروڑ روپے کی خطیر رقم دارالعلوم حقانیہ کے لیے مختص کی ہے۔عمران خان نے بڑے کمزور انداز میں اس فیصلے کا دفاع ایک ٹی وی انٹرویو میں یہ کہتے ہوئے کیا ہے کہ ''اس سے انتہا پسندی پر قابو پانے میں مدد ملے گی''۔عمران خان کا کہنا تھا کہ جب طالبان نے صوبے میں انسداد پولیو مہم کی مخالفت کی اور پولیو ورکرز کو قتل کیا تو اس وقت مولانا سمیع الحق نے انسداد پولیو مہم کی حمایت کی تھی۔

سینئر تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ خیبر پختونخوا کے بجٹ میں دارالعلوم حقانیہ کو 30 کروڑ روپے کی امداد سیاسی رشوت ہے، خیبر پختونخوا حکومت مولانا فضل

الرحمٰن کی ضد میں مولانا سمیع الحق کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے، ایک طرف طالبان کے خلاف آپریشن ہو رہا ہے تو دوسری طرف اس مدرسے کو مالی امداد دی جا رہی ہے جو فخریہ طالبان سے اپنا تعلق جوڑتا ہے۔ وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید کے مطابق ایک جانب تو تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری کو حکومت کے خلاف احتجاج میں اپنے ساتھ کنٹینر پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور دوسری جانب وہ ان کی والدہ کے قاتلوں سے تعلق رکھنے والوں کو انعام دے رہے ہیں۔ پرویز رشید نے عمران خان سے سوال کیا کہ ''جس مدرسے سے تعلق رکھنے والوں نے سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے قتل میں کردار ادا کیا انھیں تیس کروڑ روپے کا یہ انعام کیوں دیا گیا ہے؟''۔

عوامی نیشنل پارٹی سے تعلق رکھنے والی معروف سیاستدان بشریٰ گوہر نے ٹوئٹر پر اپنے ایک پیغام میں پشاور حکومت کے اس اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا، ''طالبان خان مراد پی ٹی آئی کے رہنما عمران خان) نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں قیمتی) انسانی جانوں کے نقصان پر تو ایک لفظ بھی نہیں کہا لیکن طالبان کی مالی مدد کے لیے تیس کروڑ روپے مختص کر دیے گئے''۔ معروف دفاعی تجزیہ نگار اسد منیر نے اپنی ایک ٹویٹ میں کہا کہ ''بے نظیر بھٹو کے قتل میں ملوث چار ملزمان کا تعلق جامعہ حقانیہ سے تھا''۔ اسی طرح پاکستان پیپلز پارٹی کی نائب صدر شیریں رحمان نے بھی ٹوئٹر پر اپنے ایک پیغام میں جامعہ

حقانیہ کے لیے اس گرانٹ پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔شیریں رحمان نے لکھا، ''عبداللہ، نادر، فیض اور رشید وہ چار دہشت گرد تھے، جو بے نظیر بھٹو کے قتل میں ملوث تھے۔ ان دہشت گردوں کا تعلق جامعہ حقانیہ سے تھا، جن کے لیے صوبہ خیبر پختونخوا کی حکومت نے تین سو ملین روپے مختص کیے ہیں''۔

انسانی حقوق اور حقوق نسواں کے لیے کام کرنے والی فرزانہ باری نے بتایا کہ، ''جامعہ حقانیہ کو دی جانے والی یہ امداد نیشنل ایکشن پلان کی دھجیاں بکھیر دینے کے مترادف ہے۔ ایک سوال کے جواب میں فرزانہ باری نے کہا، ''جماعت اسلامی اور تحریک انصاف ویسے تو مذہبی انتہا پسندوں کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہیں لیکن وہ اس کو کئی بار چھپانے کی بھی کوشش کر چکی ہیں۔ تاہم اس امداد نے ان کے اس جھوٹ کو بھی فاش کر دیا ہے اور دنیا کو دکھا دیا ہے کہ وہ انتہا پسندوں کے کتنے بڑے حمایتی ہیں۔ سوشل میڈیا ایک تبصرہ کچھ اس طرح سے تھا کہ ''آپ تو جانتے ہیں کہ فوج بار بار دعوے کرتی ہے کہ طالبان کی کمر توڑ دی گئی ہے اور ان سے اٹھانوے فیصد علاقہ کلیئر کروا لیا گیا ہے۔ یہ پیسے عمران خان نے کے پی کے کی حکومت سے مولانا سمیع الحق کو مدرسہ دارالعلوم حقانیہ کی امداد کے لیے نہیں بلکہ اس لیے دلوائے ہیں تاکہ وہ طالبان کی ٹوٹی ہوئی کمر کا علاج کروا سکے اور انہیں دوبارہ کھڑے ہونے کے قابل بنا سکے تاکہ طالبان اپنا بم بارود والا ادھورا مشن مکمل کر سکیں''۔

ایک ایسا مدرسہ جسے دہشت گردوں کی فیکٹری کہا جاتا ہو، اس کو پیسے دینے کا جواز کیا ہے؟ حالانکہ دوسری طرف خیبر پختونخواکے اسکولوں میں پانی نہیں ہے، دیواریں نہیں ہیں، ٹائلٹ نہیں ہیں۔ میٹرک کا ابھی نتیجہ آیا ہے، جس میں 70 فیصد طالب علم پاس ہی نہیں ہوسکے۔ خیبر پختونخوا کی حکومت نے سالانہ ترقیاتی بجٹ میں کمی کی ہے اور انتہا پسندوں کی مالی مدد کے لیے تیس کروڑ روپے رکھ دیے ہیں، جو اس صوبے کے عوام کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔ دہشت گردوں کے روحانی باپ مولانا سمیع الحق کو درالعلوم حقانیہ کیلیۓ 30 کروڑ روپے مختص کرنے سے عمران خان اور پی ٹی آئی کے بارے میں یہ سوال ضرور ذہن میں آتا ہے اگر یہ کل پاکستان پر حکمرانی کرینگے تو ملک کو کس سمت میں لے جاینگے اور روحانی باپ کے دہشت گرد بچے کیا کریں گے۔ طالبان دہشت گردوں کو 30 کروڑ روپے مختص کرنے کا مطلب ہے کہ مولانا سمیع الحق کے زریعے عمران خان کی طرف سے دہشت گردوں کو راتب مہیا ہوگی، واقعی یہ ایک بڑی تبدیلی ہے جو عمران خان ہی لا سکتے ہیں۔

امجد صابری کی بے ضرر آواز خاموش ہو گئی

بہت سے لوگ کہہ رہے کہ کراچی آپریشن سیاسی ہو چکا ہے اس لیے بہت ضروری ہے کراچی آپریشن کو سیاست سے علیحدہ رکھا جائے اور شاید اس موقع پر یہ کہنا مناسب نہ ہو کہ امجد صابری کا قتل اور چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ کے صاحبزادے کا اغوا کراچی آپریشن کی ناکامی ہے۔ چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ جسٹس سجاد علی شاہ کے صاحبزادے اویس علی شاہ پیر 20 جون 2016 کی دوپہر کلفٹن کے ایک سپر سٹور پر گئے جہاں سے واپسی پر انہیں اغوا کر لیا گیا۔ عینی شاہدین کے مطابق سفید رنگ کی کار میں سوار نامعلوم افراد نے انہیں پکڑا اور اپنی گاڑی میں زبردستی ڈال کر لے گئے، مسلح افراد چار تھے جنہوں نے اویس کو اسلحے کے زور پر گاڑی میں ڈالا۔ چاروں افراد نے نقاب کیا ہوا تھا جبکہ ٹوپیاں بھی پہن رکھی تھیں، یہ کارروائی بھرے مجمع کے سامنے کی گئی جہاں پولیس بھی موجود تھی۔ جسٹس سجاد علی شاہ کی جانب سے پولیس کو اویس علی شاہ کی گمشدگی کی رپورٹ رات نو بج کر دس منٹ پر کی گئی جبکہ انہوں نے اویس علی شاہ کے اغوا کا بھی خدشہ ظاہر کیا۔ میری پوری دعا ہے کہ جسٹس سجاد علی شاہ کے صاحبزادے جلد از جلد اپنے گھر واپس لوٹ آئیں، ہر وہ شخص جو صاحب اولاد ہے جسٹس صاحب اور انکے اہل خانہ کا درد محسوس کر رہا ہوگا۔

بائیس جون 2016 کو کراچی میں مرحوم غلام فرید صابری قوال کے بیٹے عالمی شہرت یافتہ قوال امجد صابری کو انکے گھر کے قریب لیاقت آباد دس نمبر پر دو موٹر سائیکل سوار دہشت گردوں نے ان کی گاڑی پر فائرنگ کرکے ان کو قتل کر دیا، جبکہ ان کے ساتھ موجود ان کے بڑے بھائی سلیم صابری زخمی ہو گئے۔ ملزمان نے امجد صابری کو ان کے والد غلام فرید صابری کے نام سے منسوب انڈر بائی پاس کے قریب ہی ٹارگٹ کیا۔

امجد صابری کی نہ کوئی سیاسی وابستگی تھی اور نہ ہی کسی فرقے سے کوئی خاص تعلق۔

امجد صابری نے کسی ایک مسلک اور فرقے کے ساتھ ناطہ نہیں جوڑا، اسکا فن سب کے لئے عقیدت کا سبب رہا۔ ٹی وی شوز میں جب وہ قوالی نہیں گارہا ہوتا تھا تو پھر رفیع کو گالیتا تھا۔ لباس کے معاملے میں بھی وہ آزاد خیال تھا کبھی جینز اور کرتا پہن لیا اور جب ضرورت ہوتی تو قوال پارٹی کا لباس پہن لیاق۔ لوگوں سے ہنسی مذاق بھی کرلیا کرتا تھا، غرضیکہ کسی بھی زاویئے سے شاید ہی کوئی یہ سوچتا ہو کہ اس بے ضرر انسان کو کوئی قتل بھی کرسکتا ہے۔

میں نے ایک سینئیر تجزیہ نگار سے پوچھا کہ امجد صابری کے قتل کی کیا وجہ ہو سکتی ہے تو انکا جواب تھا کہ شہرت رکھنے والے لوگوں کو قتل کرنے کا فائدہ دہشت گردوں کو ہوتا ہے، امجد صابری جیسوں کے مارے جانے کی خبر لمحہ بھر میں پوری دنیا میں پہنچ جاتی ہے۔ چینلوں پر بریکنگ نیوز بنتی ہیں، اخباروں میں

شہ سرخیاں چھپتی ہیں، سوشل میڈیا چیخ اٹھتا ہے۔اداریئے لکھے جاتے ہیں، کالم تحریر ہوتے ہیں، ٹاک شوز میں ان سانحات کا ذکر چلتا رہتا ہے ۔ پھر کیا ہوتا ہے، وہی جو دہشت گرد چاہتے ہیں، خوف وہراس کی فضا بنتی ہے، تعلیمی ادارے بند کیے جاتے ہیں، ہر قسم کے کاروبار متاثر ہوتے ہیں، معاشی بے چینی پھیلتی ہے، معاشرے میں بے یقینی کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی زندگی متاثر ہوتی ہے، سکون کی جگہ بے سکونی اور روشنی کی جگہ اندھیرا جگہ بنالیتا ہے، اور یہ ہی دہشت گردوں کا مقصد ہوتا ہے۔

اسی شام بائیس جون 2016 کو ہی امجد صابری کے بہیمانہ قتل کے واقعے کے بعد جس علاقے میں امجد صابری کو قتل کیا گیا اس سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر اور کچھ گھنٹے بعد ہی تین ہٹی کے قریب نامعلوم ملزمان نے نوحہ خواں فرحان علی وارث کی گاڑی پر فائرنگ کردی، گارڈ کی جوابی فائرنگ سے حملہ آور فرار ہوگئے۔فرحان علی وارث تو گاڑی میں موجود نہیں تھے لیکن پولیس گارڈ کی جوابی فائرنگ سے حملہ آور فرار ہوگئے۔اگلے روز مرحوم امجد صابری کی تدفین پاپوش نگر کے قبرستان میں کی گئی۔

مرحوم کے جنازے میں گرمی اور روزئے کے باوجود عوام کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی جو دہشت گردوں کو ایک واضع پیغام تھا کہ حملہ چاہے پشاور میں ہو یا چارسدہ میں، لاہور میں ہو یا کراچی میں، پاکستان کے عوام دہشت گردوں سے نہیں ڈرتے۔امجد صابری کا قتل پاکستان اور

فن قوالی کیلئے بہت بڑا نقصان ہے۔ ہر پاکستانی یہ جاننا چاہ رہا ہے کہ امجد صابری کو کیوں مارا گیا؟ اس سے ایسی کیا خطا ہوئی کہ بات اس کے قتل تک پہنچ ؟ ایک خوش آواز جس نے بچپن سے ہی بڑی محبت اور عقیدت سے حمد، نعت اور منقبت پڑھی، نرم مزاج، نرم گفتار اور ہنستا مسکراتا گلوکار ہر ٹی وی شو کی جان تھا۔ کیا یہ ہی وجہ اس کی موت کا سبب بنی۔

امجد صابری کا قتل ہو جاتا ہے اور چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ جسٹس سجاد علی شاہ کے صاحبزادے اویس علی شاہ کا دن دھاڑے اغوا، کون ذمہ دار ہے، کوئی نہیں کیونکہ صوبے کے چیف منسٹر قائم علی شاہ کا فرمانا ہے کہ وہ کوئی پیر فقیر نہیں کہ بتادیں کہ امجد صابری کے قاتل کب پکڑے جائیں گے، کیا آپ نے کبھی اس طرح کا غیر ذمہ دارانہ بیان کسی چیف منسٹر کا سنا ہے۔ پچاسی سالہ یہ نااہل شخص سندھ کے عوام کے لیے ایک عذاب ہے، جس کو عوام کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ایک طرف دہشت گرد شاید اویس شاہ کے اغوا کی صورت میں عدالتوں کو دبانے اور ڈرانے کی کوشش کر رہے ہیں اور دوسری طرف امجد صابری کو قتل کرکے سیاست دانوں اور عوام میں خوف وہراس پھیلا رہے ہیں۔ دو بڑے واقعات کے بعد پاکستان کی پوری سیاسی اور عسکری قیادت کراچی پہنچ گئی ہے۔ وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار نے کہا کہ ان واقعات کا مقصد کراچی میں خوف وہراس پھیلانا ہے۔ سیکورٹی ادارے جلد امجد صابری کے قاتلوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب

ہو جائیں گے۔

جب کوئی بڑا واقعہ ہوتا ہے تو پولیس اپنی جان بچانے کے لیے بے گناہ لوگوں کو پکڑ لیتی ہے اور بیان یہ آجاتا ہے کہ مجرموں کو پکڑ لیا، اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک تماشہ یہ ہوا ہے کہ امجد صابری کی ٹارگٹ کلنگ کے تحقیقاتی افسر کو چار روز بعد ہی تبدیل کردیا گیا۔ مبصرین کی رائے میں چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ کی بیٹے کے اغوا کے بعد اغواکاروں کی جانب سے تاحال کوئی رابطہ نہ ہونا زیادہ تشویش ناک بات ہے۔ اس سے شبہ یہی ہوتا ہے کہ اغواکاروں کا مقصد شاید تاوان کا حصول نہیں جبکہ امجد صابری کا قتل معاشرے میں ہم آہنگی کی بحال ہوتی فضا کو ایک دھچکا لگانا ہے کیونکہ ایک ایسے غیر متنازعہ فنکار کو جو تمام فرقوں میں یکساں مقبول ہو اور قطعی بے ضرر ہو، اسے قتل کرنا کسی ذاتی تنازعے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اب یہ بات طے ہے کہ پاکستان کے عوام کی سوچ واضح طور پر تقسیم ہوچکی ہے، ایک وہ ہیں جو امجد صابری کی آواز سے آواز ملا رہے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو اس آواز کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

کراچی آپریشن لیکن شہر میں لاقانونیت

کراچی کا شمار دنیا کے ان شہروں میں ہوتا ہے، جہاں امن وامان کی صورت حال اکثر خراب رہتی ہے۔ اس شہر میں مذہب کے نام پر خونریزی کرنے والے دہشت گردوں، فرقہ پرستی، لسانی اختلافات کو ہوا دینے والی تنظیموں اور مجرموں کے منظم گروہوں کی وجہ سے مسلسل خونریزی دیکھنے میں آتی ہے۔ وفاقی حکومت نے چار ستمبر 2013ء کو کراچی میں رینجرز کی سربراہی میں ٹارگٹڈ آپریشن کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کراچی آپریشن کے بعد کراچی کے جرائم میں کمی آئی اور گذشتہ چند مہینوں سے کراچی میں قدرے سکون دیکھا جا رہا تھا، لیکن شاید ابھی کراچی والوں سے مستقل سکون روٹھا ہوا ہے۔ 20 جون 2016 کی دوپہر چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ کے بیٹے کو مسلح افراد نے کلفٹن کی ایک سوپر مارکیٹ کے باہر سے اغوا کر لیا، دو دن بعد 22 جون کو معروف قوال امجد صابری کو ان کے گھر کے قریب لیاقت آباد کے پرہجوم علاقے میں سفر کے دوران ان کی گاڑی پر فائرنگ کر کے ان کو قتل کر دیا۔ دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ ہوئے ہیں لیکن ایک چیز مشترک ہے کہ ان دونوں واقعات میں دہشت گرد ملوث ہیں۔

امجد صابری کو فائرنگ کر کے قتل کرنے کی ذمہ داری پاکستانی طالبان کے ایک

دہشت گرد گروپ نے قبول کرلی ہے جس کا سیدھا سیدھا مقصد خوف وہراس پھیلانا تھا جبکہ چیف جسٹس کے بیٹے کے اغواکے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ عسکریت پسند اغواکار، ممکنہ طورپر مغوی کی رہائی کے لیے سودے بازی کرنا چاہیں گے اور چیف جسٹس کے بیٹے کی رہائی کے بدلے میں اپنے زیرحراست دہشت گرد ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کرینگے، دہشت گردوں سے تین سال بعد رہائی پانے والے سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے بیٹے علی حیدر گیلانی کا کہنا ہے کہ ''القاعدہ میرے بدلے میں ڈاکٹر ایمن الظواہری کے خاندان کی چند قید خواتین کی رہائی اور بھاری رقم کا تقاضا کررہی تھی''۔ چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ کے بیٹے کے اغوااور امجد صابری کے قتل، دونوں واقعات نے پاک فوج کی طرف سے کیے جانے والے آپریشن ضرب عضب اورآپریشن کراچی کو شدید نقصان پہنچایا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ آرمی چیف اور وزیر داخلہ ساتھ ساتھ کراچی پہنچے ہیں۔ جنرل راحیل شریف نے ایک بار پھر واضح کیا ہے کہ کراچی میں امن کی مکمل بحالی تک آپریشن جاری رہے گا۔آرمی چیف کا کہنا ہے رینجرز کو مشن مکمل کرنے کیلئے انٹیلی جنس اور ضروری آلات فراہم کئے جائیں گے۔

آرمی چیف کے مطابق وہ کراچی کو دہشت گردوں سے نجات دلا کر دم لیں گے، تاہم تجزیہ کاروں کی رائے میں یہ کام امن عامہ سے متعلق صوبائی اداروں کی تنظیم نو کے بغیر ناممکن نہیں تو قدرے مشکل ضرور ہے۔ کراچی آپریشن کے نتیجے میں

کراچی میں پیدا ہونے والا امن آہستہ آہستہ ختم ہوتا دکھائی دے رہا ہے اور دہشت گردوں کے گروہ دوبارہ سرگرم ہوتے نظر آرہے ہیں۔ آپریشن کی کامیابی کو طویل المدتی بنانے کے لیے پولیس کو دوبارہ ایک فعال ادارہ بنانا ہوگا اور نیشنل ایکشن پلان پر اس کی روح کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ امن کی جزوی بحالی ہوتے ہی قانون نافذ کرنے والے اداروں نے توجہ کرپشن کی سرکوبی سمیت دیگر امور پر مرکوز کرلی، سیاسی جماعتوں کے ساتھ سیاسی جماعتوں کی طرز پر بیان بازی شروع کردی، نتیجہ یہ نکلا کہ دہشت گردوں کو دوبارہ سر اٹھانے کا موقع مل گیا اور اس بار انہوں نے دو ایسے وار کیے کہ تین سال کی محنت کے بعد شہر میں ختم ہوتی خوف کی فضا یک دم دوبارہ قائم ہوتی دکھائی دینے لگی۔

آرمی چیف کے ساتھ کراچی پہنچنے والے وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے گورنر سندھ کے ہمراہ چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ جسٹس سجاد علی شاہ اور مقتول امجد صابری کی رہائش گاہوں پر جاکر ان سے ملاقات کیں۔ تجزیہ کاروں کی رائے میں ان دونوں ملاقاتوں کے دوران چوہدری نثار علی خان خالی ہاتھ دکھائی دیے اور ان کے پاس سوائے دلاسوں اور تسلیوں کے کچھ نہیں تھا۔ اگر ان ملاقاتوں کا مقصد کراچی میں بحالیٔ امن کی کوششوں کے لیے وفاقی حکومت کا عزم اور صوبائی حکومت کے ساتھ اظہار یکجہتی تھا تو چوہدری نثار کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی کیونکہ وفاقی وزیر داخلہ کو اس دورے میں وزیر اعلیٰ سندھ قائم

علی شاہ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیے تھا۔ سندھ حکومت پہلے ہی پولیس کو درپیش فنی مسائل کے حوالے سے وفاقی حکومت کے رویے پر بھی شاکی ہے۔ وزیر داخلہ سہیل انور سیال الزام عائد کر چکے ہیں کہ وفاقی حکومت کے عدم تعاون کے باعث سندھ پولیس فنی اعتبار سے بیس برس پیچھے ہے، آئی جی سندھ نے بتایا کہ شہر میں پولیس کنٹرول کے 967، کے ایم سی کے 1400 اور ٹریفک پولیس کے 100 کیمرے لگے ہیں، پولیس کنٹرول کے 80 فیصد کیمرے خراب ہیں، کے ایم سی کے 90 فیصد کیمرے کام کر رہے ہیں لیکن شہر میں کئی گناہ زیادہ اور اچھی ریسولوشن والے کیمرے درکار ہیں جن کے لیے بڑا بجٹ چاہیے۔ ایسی صورت حال میں وزیر داخلہ کا گورنر کے ہمراہ دورے کرنا مزید منفی تاثر دے رہا تھا، شاید وزیر داخلہ نے اس موقعہ پر اپنی سیاسی مخالفت کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا جو انتہاہی غلط ہے۔

کراچی کو پہلے رمضان یعنی 7 جون سے سے ریڈ الرٹ کر دیا گیا ہے اور 23 جون تک ٹارگٹ کلنگ کی دس وارداتیں ہو چکی ہیں۔ للذا دن دہاڑے چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ کا بیٹا اگر اغوا ہو جاتا ہے اور اس کے دو دن بعد دن دہاڑے ہی ایک بڑا فنکار قتل کر دیا جاتا ہے تو پھر قانون نافذ کرنے والوں کے دعوئوں کی قلعی کھل جاتی ہے کہ حالات انکے کنٹرول میں نہیں ہیں۔ آپریشن ضرب عضب اور کراچی آپریشن کے ممکنہ اثرات پاکستان کے اقتصادیات پر براہ راست اثرانداز ہوتے ہیں ۔ کراچی جو پاکستان کی معیشت کا حب ہے، اگر وہاں بہتری آتی ہے تو

پورے ملک پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ آٹھ دن گذر جانے کے باوجود چیف جسٹس کے بیٹے کا پتہ نہیں چل سکا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کراچی شہر میں مقامی اور غیر مقامی دہشت گردوں کے نیٹ ورکس کام کر رہے ہیں، جس سے انکے مددگاروں کی شہر میں موجودگی ثابت ہو رہی ہے۔ کیا کراچی میں یہ سب کچھ ہوتا رہے گا۔ایک صوبے میں جہاں کرپشن کا راج ہو اور اس صوبے کے چند وزیر، مشیر اور انسپکٹر جنرل کو کرپشن کے سنگین الزامات کا سامنا ہو، وہاں قانون پر عمل کیسے ہو؟ شاید قانون نافذ کرنے والوں کے پاس بھی اس سوال کا جواب نہیں ہے۔

ویسے تو پورا سندھ لیکن خصوصاً کراچی مکمل لاقانونیت کا شکار ہے، حکومت کی رٹ دور دور نظر نہیں آتی۔ کراچی آپریشن کی کامیابی کے بلند و بانگ دعوؤں کے باوجود شہر میں جرائم پیشہ عناصر، دہشت گرد اور ٹارگٹ کلرز اب بھی قانون کی گرفت سے محفوظ ہیں۔ کراچی آپریشن میں کراچی اور اس کے عوام کو جرائم پیشہ عناصر اور دہشت گردوں سے تحفظ نہ ملنا اور ان کا دہشت گردوں اور ٹارگٹ کلرز کے رحم و کرم پر ہونا انتہائی افسوسناک اور تشویشناک امر ہے۔آپریشن کے باوجود شہر میں شہریوں کے قتل، اغواء اور بھتہ خوری کی وارداتیں عروج پر ہیں، لیکن کراچی آپریشن کی کامیابی کے جھوٹے دعوے کئے جارہے ہیں۔ یہ حالات سندھ حکومت کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہیں۔ رینجرز کی

موجودگی میں امن وامان کی صورتحال یہ ہے تو رینجرز کے جانے کے بعد کیا ہوگا۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ کیا ہوگا وہی دعویٰ ہونگے جواب ہو رہے ہیں، دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہوگا جہاں اتنا بڑا فنکار قتل کر دیا جائے اور حکومتی وزیر کہہ رہا ہو کہ اگست اور ستمبر کے مہینے خونی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس وقت تو کراچی آپریشن بھی ہو رہا ہے اور شہر میں لاقانونیت کا راج بھی ہے۔ آرمی چیف اور وفاقی حکومت اگر کراچی آپریشن کو کامیاب اور کراچی کو دہشت گردوں سے نجات دلانا چاہتے ہیں تو انکو کراچی میں دہشت گردوں اورانکے سہولت کاروں کا مکمل صفایا کرنا ہوگا اور یہ سارا عمل لازمی طور پر غیر سیاسی ہونا چاہیے۔

عمران خان کی بہن پر پروٹوکول کا حملہ

یکم جولائی کو لاہور کے علاقے گلبرگ تھری میں آزاد کشمیر کے صدر سردار یعقوب، چوہدری عاصم گجر کی والدہ کے انتقال پر تعزیت کے لیے ان کے گھر پہنچے، آزاد کشمیر کے صدر کے ساتھ وی آئی پی پروٹوکول بھی تھا۔ اس دوران ہی تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کی بہن ڈاکٹر عظمیٰ خان اپنے بچوں کے ساتھ وہاں سے گزر رہی تھیں کہ چوہدری عاصم گجر کے مکان کے سامنے پروٹوکول کے اہل کاروں نے پہلے ان کی گاڑی کو زبردستی روکا اور سائڈ پر ہونے کا حکم سنایا، گاڑی سائیڈ پر کرنے کے باوجود سامنے سے آنے والی ایک دوسری سیاہ گاڑی نے اوور اسپیڈنگ کے ساتھ ڈاکٹر عظمیٰ کی کار کو نہ صرف ہٹ کیا بلکہ پولیس اہل کاروں نے ان پر اسلحہ بھی تان لیا، اسلحہ بردار اہل کار ڈاکٹر عظمیٰ کو مخاطب کرکے چلی جاؤ، یہاں سے چلی جاؤ کا شور مچاتے رہے۔ ڈاکٹر عظمیٰ نے جب گھر کے مکینوں سے وی آئی پی پروٹوکول کے بارے میں معلوم کیا تو چوہدری عاصم گجر نے پہلے تو ان کو نقصان پورا کرنے کی تاویلیں پیش کیں، لیکن ڈاکٹر صاحبہ کے اصرار کرنے پر عاصم گجر نے بتایا کہ یہ مریم نواز کا پروٹوکول تھا جو وہاں تعزیت کے لیے آئی تھیں۔

عمران خان کی بہن ڈاکٹر عظمیٰ کو چوہدری عاصم گجر نے بتایا تھا کہ یہ مریم نواز کا پروٹوکول تھا جو وہاں تعزیت کے لیے آئی تھیں۔ چوہدری عاصم گجر کی غلط بیانی کے بعد ڈاکٹر عظمیٰ نے وزیر اعظم کی صاحبزادی مریم نواز کے پروٹوکول پر تعینات پولیس کی طرف سے ہراساں کرنے کا الزام عائد کیا تھا، دوسری طرف کراچی میں انکے بھائی عمران خان کو اپنی بہن پر مریم نواز کے پروٹوکول کے حملے کا پتہ چلا تو قدرتی طور پر انہوں نے بھی احتجاج کیا جو بہت سخت تھا۔ دوسری طرف مریم نواز نے اس بات کی تردید کی اور ڈاکٹر عظمیٰ کے الزام کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے بتایا کہ جس وقت میڈیا یہ خبر دے رہا تھا اس وقت وہ اسلام آباد میں تھیں اور بعد ازاں اسلام آباد سے لاہور کیلئے روانہ ہوئیں ۔ مریم نواز کے مطابق عمران خان کی بہن کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ پر افسوس ہے، واقعہ کی خبر ملی تو میں اسلام آباد میں تھی، میں دوپہر 4 بجکر 30 منٹ پر اسلام آباد سے لاہور پہنچی، کم از کم رمضان المبارک میں جھوٹ بولتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ مریم نواز کی تردید کے بعد بات ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ ہی تو وہ موقعے ہوتے ہیں جب نواز شریف کے وفادار اپنی وفاداریوں کے ثبوت دیتے ہیں۔ ترجمان شریف فیملی نے کہا کہ اس واقعہ کے وقت مریم نواز اسلام آباد میں موجود تھیں۔ عمران خان کی بہن اپنے بھائی کی طرح جھوٹ بولنا چھوڑ دیں اور

حقیقت کو حقیقت رہنے دیا جائے۔ ترجمان نے مزید کہا کہ مریم نواز ان کے اعصاب پر اتنی سوار ہیں کہ ان کو خواب میں بھی مریم ہی دکھائی دیتی ہیں۔ مسلم لیگ ن کے رہنما طلال چودھری، وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات سینیٹر پرویز رشید اور نواز شریف کے سمدھی وفاقی وزیر خزانہ سینیٹر اسحاق ڈار سب نے ہی عمران خان اور ان کی بہن کے خلاف بہت کچھ کہا اور مطالبہ کیا کہ وہ مریم نواز سے معافی مانگیں۔ اسحاق ڈار نے اپنی گھٹیا سوچ کا مظاہرہ کرتے ہوئے عمران خان سے کہا کہ ''خان صاحب اپنے بیٹوں کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹی کے ہمراہ بھی کچھ وقت گزاریں تاکہ ان کے وقار کا احساس ہو''۔ لیکن افسوس نہ ہی مریم نواز نے اور نہ ہی ان کے خوشامدیوں سے کسی ایک نے بھی عمران خان کی ہمشیرہ ڈاکٹر عظمیٰ خان سے اس بات کا اظہار کیا کہ انکے ساتھ چوہدری عاصم گجر کے مکان کے سامنے آزاد کشمیر کے صدر کے پروٹوکول نے جو سلوک کیا وہ قابل مذمت اور قابل افسوس ہے۔

دو دن بعد 3 جولائی کو عمران خان کی بہن ڈاکٹر عظمیٰ خان نے اپنے بڑے پن کا ثبوت دیتے ہوئے وزیر اعظم کی صاحبزادی مریم نواز کو ایک خط تحریر کیا جس میں انہوں نے یکم جولائی کو پیش آنے والے واقعے پر باضابطہ معذرت کی ہے۔ خط میں انہوں نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی تفصیلات بھی تحریر کی ہیں ،ڈاکٹر عظمیٰ کا کہنا ہے کہ انہوں نے پروٹوکول کی تفصیل پوچھی تو چوہدری عاصم

گجر نے براہ راست بتایا کہ وزیر اعظم کی صاحبزادی آئی ہیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ چوہدری عاصم گجر غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں، پریشانی کی حالت میں تھی، اس لیے چوہدری عاصم گجر کی بات تسلیم کرلی، مریم نواز ان کی معذرت قبول کریں۔ ساتھ ہی ڈاکٹر عظمیٰ نے پروٹوکول کے تنازع پر وزیر اعلیٰ پنجاب کو بھی ایک خط لکھ کر پروٹوکول کے معاملے کی انکوائری کا مطالبہ کیا ہے۔ ڈاکٹر عظمیٰ نے اپنے خط میں کہا ہے کہ پروٹوکول کے نام پر مسلح قافلے کے شہر میں داخلے پر پولیس کی لاعلمی انتظامیہ کی نااہلی ہے، انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس بات کا پتہ لگایا جائے کہ پروٹوکول کس کا تھا اس میں شامل کون لوگ تھے۔ ڈاکٹر عظمیٰ نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ انھیں اور ان کے بچوں کو ہراساں کرنے والوں کو گرفتار کیا جائے اور بلیو بک سے ہٹ پروٹوکول لینے والی سیاسی شخصیات کے خلاف کارروائی عمل میں لائی جائے۔

یکم جولائی 2016 کو لاہور کے علاقے گلبرگ تھری میں عمران خان کی بہن ڈاکٹر عظمیٰ خان کو جس اذیت سے گزرنا پڑا اور جو ان کے اوپر گزری وہ وی آئی پی کلچر کے نام پر ہر پاکستانی پر گزرتی ہے۔ وی آئی پی پروٹوکول کی وجہ سے ہی کچھ عرصہ پہلے ایک خاتون نے بچے کو رکشہ میں جنم دیا تھا۔ ابھی لوگ کراچی کی بسمہ کو نہیں بھولے ہونگے، دسمبر 2015 میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول زرداری اور وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے سول ہسپتال کراچی میں

بینظیر بھٹو ٹراما سینٹر کا افتتاح کیا جس نے آجتک کام کرنا شروع نہیں کیا ہے۔ بلاول زرداری کی آمد کے موقع پر سیکورٹی کے سخت انتظامات تھے۔ وی آئی پی پروٹوکول کے باعث راستے بند ہونے سے بروقت طبّی امداد نہ ملنے پر لیاری سے تعلق رکھنے والی دس ماہ کی بچی بسمہ انتقال کر گئی۔ بچی کے والد کا کہنا تھا کہ وی آئی پی پروٹوکول کے باعث سول ہسپتال آنے والے راستے بند تھے، جس کی وجہ سے تاخیر ہوئی اور میرے ہاتھوں میں بچی نے جان دے دی، ڈاکٹرز کہتے ہیں اگر 10 منٹ پہلے ہسپتال پہنچ جاتے تو بچی کی جان بچ سکتی تھی۔

کراچی ہو یا لاہور، پشاور ہو یا کوئٹہ یا کوئی اور شہر، وی آئی پیز کے نام پر عوامی نمائندے اور ان کے محافظ اسی عوام کی عزت نفس کو کچلتے ہیں جنھوں نے ان کو اپنے ووٹ دے کر ایوانوں میں بھیجا ہوتا ہے، لیکن بعد میں ان کا طرز عمل بادشاہوں جیسا ہوجاتا ہے، پاکستان میں باضابطہ طور پر تو بادشاہت کا اعلان نہیں کیا گیا ہے لیکن نواز شریف کا حکومت کرنے کا انداز شاہانہ ہے، وی آئی پی پروٹوکول کے بغیر نہ تو نواز شریف چلتے ہیں اور نہ ہی انکے اہل خانہ میں سے کوئی ایک۔ ایک سوال یہ ہے کہ مریم نواز ہوں یا بلاول زرداری ان کو کس حیثیت میں وی آئی پی پروٹوکول دیا جارہا ہے، نہ ہی مریم نواز اور نہ ہی بلاول کے پاس کوئی سرکاری عہدہ ہے تو پھر سرکاری پروٹوکول کیوں؟ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔ حکمران طبقہ اور سیاست دان ایک بات یادرکھیں

کہ وی آئی پی پروٹوکول حکمرانوں اور عوام میں نفرت کو بڑھا رہا ہے، بہتر ہوگا کہ شاہانہ پروٹوکول کو ختم کیا جائے اور غریب عوام کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح نہ سمجھا جائے، ورنہ جس دن عوام اس شاہانہ پروٹوکول کے خلاف کھڑے ہوگئے تو پھر نہ ہی کوئی پروٹوکول ہوگا اور نہ ہی پروٹوکول لینے والا۔

سو لفظوں کی کہانی نمبر 61۔۔۔۔ جھوٹ ۔۔۔۔۔۔

وہ جھوٹ کبھی نہیں بولتا تھا

اماں نے پوچھا کیا بات ہے بیٹا کیوں روئے تھے؟

اماں بہت دن ہو گئے بابا کے پاس نہیں سویا ہوں

اماں نے یہ سنا تو پریشان ہو گیں

وہ بولا اماں آپ پریشان نہ ہوں

آپ کو تو اپنے پوتے پوتیوں کی خوشیاں بھی دیکھنی ہیں

اماں نے نماز سے فارغ ہو کر بیٹے کو دیکھا

پوچھا بیٹا کہاں جا رہے ہو؟

بیٹا برجستہ بولا، بابا کے پاس جا رہا ہوں

تھوڑی دیر بعد دنیا بھر کے میڈیا پر یہ خبر چل رہی تھی

امجد صابری ایک دہشتگرد حملے میں ہلاک ہو گئے

وہ جھوٹ کبھی نہیں بولتا تھا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 62۔۔۔۔ 30 کروڑ روپے ۔۔۔۔۔۔

اکوڑہ خٹک میں واقع دارالعلوم حقانیہ میں آج جشن منایا جا رہا تھا

پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان عرف طالبان خان جشن کے مہمان خصوصی تھے
تقریریں شروع ہویں تو دہشت گردوں نے خیبر پختونخوا کے بجٹ سے
کروڑ روپے مہیا کرنے پر عمران خان کا شکریہ ادا کیا 30
دہشت گردوں کے روحانی باپ مولانا سمیع الحق نے
کہا کہ عمران خان ہمیشہ سے دہشت گردوں کے ہمدرد رہے ہیں
مولانا سمیع الحق نے جنرل راحیل شریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا
جنرل صاحب آپریشن ضرب عضب میں آپ کو کامیابی
یوں ملی کہ ہمارے پاس پیسے ختم ہوگئے تھے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 63۔۔۔۔ مفتی اور قندیل ۔۔۔۔۔۔
ایک شادی اور چار نکاح کا فتویٰ دینے والے مفتی عبدالقوی نے
قندیل بلوچ کو فون کرکے چاند کہہ ڈالا
دونوں ملے قندیل نے مفتی کی ٹوپی پہنی
سیلفیاں بھی ساتھ ساتھ بنوایں
دو دن بعد مفتی نے سوشل میڈیا پر دیکھا کہ
قندیل بلوچ نے اس کی ٹوپی پہن کر اس کو ٹوپی پہنا دی
میڈیا پر مفتی کی کافی عزت افزائی کی جارہی ہے
مفتی نے پہلے قندیل کو نکاح کی پیشکش کی تھی

اب اس کو بیٹی کہہ رہا ہے، قندیل کا عاشق جعلی نکلا
قندیل کے لفظی معنی تو فانوس کے ہیں لیکن یہ قندیل جعلی ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 64۔۔۔۔برابری ۔۔۔۔۔

ایک دن میرے پاس آئے اور بولے
اب آپ کا جوتا میرے پیر میں بلکل فٹ ہے
لہذا آج سے ہم دوست ہو گئے
اب برابری کی بنیاد پر بات کرینگے
میں نے انکو کہا کہ برابری سے بات ہو گی
جب آپ ایک بیوی کے شوہر اور بچوں کے باپ ہوں
کچھ سال بعد بولے اب میری ایک بیوی ہے اور ایک بچی
اب تو میں برابری سے بات کر سکتا ہوں؟
میں نے کہا جی نہیں اب آپ اپنی ایک بہو اور ایک پوتی دکھایں
تھوڑی دیر بعد بولے
ابو، باپ سے برابری نہیں ہو سکتی
چاہے بندہ خود دادا بن جائے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 65۔۔۔۔ رپورٹ ۔۔۔۔۔

حکومت پر ایک جائزہ رپورٹ تیار کرنی تھی
موجودہ حکومت کی اچھایاں اور برائیوں کا ذکر ہو رہا تھا
حامی سیاستدانوں نے اچھایاں بیان کیں
مخالف سیاستدانوں نے گلے شکوے کیے
ابھی رپورٹ بہت مختصر تھی
پھر ایک عام آدمی نے لوگوں کے مسائل بتانا شروع کیے
بیروزگاری، کم آمدنی، مہنگائی، ہسپتالوں کی خستہ حالت، تعلیم کی عدم دستیابی
عام آدمی کی باتوں میں شکایتیں ہی شکایتیں تھیں
رپورٹ بہت موٹی ہو گئی تھی
جبار واصف جو شاعر ہیں پوچھا کیا کریں، تو بولے
داستاں سے ختم کر دو قصہ گو کی ہچکیاں
اس طرح لمبی کہانی مختصر ہو جائے گی

سعودی عرب میں پاکستانی دہشت گرد؟

پاکستانی عوام پوری دنیا میں کہیں بھی ہونے والی دہشت گردی کی بھرپور طریقے سے مذمت کرتے ہیں۔ پاکستان جو خود دہشت گردی کا بدترین شکار ہے لیکن دہشت گردوں کے مقابلے میں کبھی بھی جھکا نہیں، ان چار اسلامی ملکوں کے ساتھ کھڑا ہوا ہے جو گزرے ہوئے ماہ رمضان 2016 میں دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے ان دہشت گردوں کا جن کا درحقیقت کوئی مذہب نہیں اور جو انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں، رمضان میں انہوں نے باری باری چار اسلامی ملکوں کو نشانہ بنایا اور 300 سے زیادہ لوگوں کی جان لے لی۔ دہشت گردی کے ان چار بڑے واقعات سے پوری دنیا ہل کر رہ گئی۔ پہلا نشانہ ترکی تھا، 22 جون مطابق 16 رمضان کو استنبول ایرپورٹ پر تین خود کش حملے کیے گئے۔ 45 کے قریب افراد مارے گئے، انٹیلی جنس اداروں کو شبہ ہے کہ اس کارروائی کا ماسٹر مائنڈ داعش کا چیچن کمانڈر تھا۔ یکم جولائی مطابق 25 رمضان، بنگلادیشی دارالحکومت میں دہشت گردی ہوئی، یہ ڈھاکا کی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ تھا، اس دہشت گردی میں 22 افراد مارے گئے اکثریت غیر ملکیوں کی تھی، اس حملے کی ذمہ داری داعش نے قبول کی۔ دو جولائی مطابق 26 رمضان عراقی دارلحکومت بغداد میں دو کار بم دھماکوں میں 200 سے زائد افراد کی جانیں ضایع ہوئیں، بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی

حملے کی ذمہ داری داعش نے قبول کرلی۔

چار جولائی مطابق 29 رمضان دہشت گردوں نے 24 گھنٹوں کے دوران سعودی عرب کے مشرقی شہر قطیف، ساحلی اور تجارتی شہر جدہ اور مسلمانوں کے مقدس شہر مدینہ منورہ میں 4 خودکش دھماکے کیے، جس میں پانچ سیکورٹی اہلکار شہید ہوگئے، ابھی تک کسی بھی دہشت گرد تنظیم نے ان حملوں کی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے۔ ابھی دہشت گردی کے ان تینوں واقعات کی داخلی تحقیقات جاری ہے، اس کے بعد ہی دھماکوں کی سازش کرنے والوں کی شناخت کا پتا چل سکے گا۔ ویسے تینوں واقعات میں داعش کے طریق واردات کی نشانیاں ہی پائی جاتی ہیں، دھماکے کرنے کے انداز اور محرکات کا کھرا داعش ہی کی جانب جاتا ہے۔ چند ہفتے قبل ہی داعش کے ایک لیڈر نے رمضان المبارک میں دنیا بھر میں اپنے دشمنوں کے خلاف حملوں کی دھمکی دی تھی۔ عام لوگوں کی سوچ یہ تھی کہ داعش جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں شاید یہ دہشت گرد گروہ اب اپنے داغ دار تشخص میں مزید کسی خوفناک پہچان کا اضافہ نہیں کرے گا، لیکن اس دہشت گرد گروہ نے جو دراصل انسانیت کے دشمن ہیں پیر کی شام مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دھماکا کرکے ہماری سوچ کو غلط ثابت کردیا ہے۔

مدینہ منورہ میں ہونے والی دہشت گردی میں حملہ آور کا ہدف مسجد نبوی صلی

اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونا تھا، تاہم دھماکا کار پارکنگ ایریا میں ہوا، دھماکے کے وقت سیکیورٹی چیک پوسٹ پر اہلکار افطار کر رہے تھے۔ سعودی حکام نے مسجد نبوی کے قریب کئے گئے دھماکے کے خودکش حملہ آور کی شناخت 18 سالہ سعودی شہری عمر عبدالہادی عمر جعید العتیبی کے نام سے کی ہے، سعودی حکام کا کہنا ہے کہ عمر عبدالہادی مطلوب دہشتگرد تھا۔ مشرقی شہر قطیف میں پیر 4 جولائی کی شام مسجد عمران پر خودکش حملہ کیا گیا، دھماکے میں خودکش حملہ آور ہلاک ہو گیا، دھماکے میں ہلاکتوں کا خدشہ ظاہر کیا گیا تھا۔ ساحلی اور تجارتی شہر جدہ میں واقع امریکی قونصل خانے کے قریب ایک خودکش بمبار نے خود کو دھماکے سے اڑا لیا جس کے باعث دو سیکورٹی اہلکار زخمی بھی ہوئے، سیکیورٹی ترجمان نے بتایا کہ حملہ آور نے قونصل خانے کے قریب ایک مسجد کے ساتھ سحری کے وقت سوا دو بجے اپنی گاڑی پارک کی اور جونہی دو سیکیورٹی اہلکار اسے مشتبہ جان کر اس کے قریب آئے تو اس نے خود کو دھماکے سے اڑا لیا، مقامی میڈیا کے مطابق دھماکا مسجد کے دروازے کے پاس ہی کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں دہشت گرد خود ہلاک ہو گیا تھا جبکہ سیکیورٹی اہلکاروں کو معمولی زخم آئے۔

سعودی عرب کی وزارت داخلہ نے ایک بیان میں کہا ہے کہ 4 جولائی کو جدہ میں امریکی قونصل خانے کو نشانہ بنانے کی کوشش میں ہلاک ہونے والا خودکش حملہ

آور عبداللہ گلزار خان پاکستانی شہری تھا اور جدہ میں گذشتہ بارہ سال سے اپنی بیوی اور ساس سسر کے ساتھ مقیم تھا۔ عبداللہ گلزار خان بطور ڈرائیور سعودی عرب میں کام کر رہا تھا۔ پیر چار جولائی کے اس واقعہ میں مشتبہ حملہ آور ہلاک اور دو پولیس اہلکار زخمی ہوئے ہیں، جنھوں نے حملہ آور پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ سعودی حکام کے مطابق خودکش حملہ آور کی خودکش جیکٹ مکمل طور پر نہیں پھٹ سکی تھی، جس کے سبب جسم سے جڑے دیگر بم فوری طور پر ناکارہ بنا دیے گئے، یہ واضح نہیں کہ خودکش حملہ آور کا ہدف کیا تھا۔ واضح رہے کہ پیر 4 جولائی کو جدہ میں امریکی قونصل خانے کے قریب دہشت گردوں کا یہ دوسرا حملہ تھا، اس سے پہلے 2004 میں بھی امریکی قونصل خانے پر دہشت گردوں نے حملہ کیا تھا، جس میں نو افراد ہلاک ہوئے تھے لیکن اس واقعہ میں نہ تو کوئی پاکستانی ہلاک ہوا تھا اور نہ ہی اس وقت ہونے والی دہشت گردی میں کوئی پاکستانی شامل تھا۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سے اب تک سعودی عرب اور پاکستان کے تعلقات مثالی رہے ہیں۔ آج بھی دس لاکھ پاکستانی سعودی عرب میں کام کر رہے ہیں اور سعودی عرب کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔ سعودی حکومت اور سعودی عوام نے ہمیشہ پاکستان کا ساتھ دیا ہے تو دوسری طرف پاکستان کی حکومت اور عوام نے بھی سعودی عرب کا ہمیشہ خاص خیال رکھا ہے۔ سعودی عرب میں مقیم پاکستان کے سفیر منظور الحق نے سعودی میڈیا سے بات کرتے ہوئے پاکستانی عوام کی صحیح ترجمانی

کی ہے، پاکستانی سفیر کا کہنا تھا کہ پاکستان کا کسی ایسے شخص سے کوئی تعلق نہیں جو کہ سعودی عرب میں پر تشدد کارروائی میں ملوث ہو۔ پاکستان کی صورتحال یہ ہے کہ جب بھی کہیں دہشت گردی کا واقعہ ہوتا ہے ہم پاکستانی ڈر جاتے ہیں کہ دہشت گردوں میں کوئی پاکستانی شامل نہ ہو۔ شاید جدہ کا خودکش حملہ آور عبداللہ گلزار خان پاسپورٹ کی حدتک پاکستانی شہری ہو، کیونکہ جنرل ضیاء کے دور حکومت میں لاکھوں افغانیوں کو پاکستانی پاسپورٹ دیے گئے تھے جو ایک غلط پالیسی تھی۔ اگر سعودی حکومت گذشتہ 20 سال میں پکڑے جانے والے پاکستانی منشیات کے اسمگلروں کی صحیح طرح چھان بین کرتی تو اس میں 95 فیصد افغانی تھے، لیکن ان کے پاس پاسپورٹ پاکستانی تھے۔ اگر عبداللہ گلزار خان واقعی ایک پاکستانی ہی ہے تو یہ دہشت گردوں کی ایک منظم سازش ہے تاکہ پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات خراب ہوں، کیونکہ ایک شخص جو گذشتہ 12 سال سے سعودی عرب میں مقیم ہو یقیناً اس کو بھی کسی سازش کے زریعے ہی دہشت گردی کے لیے تیار کیا گیا ہوگا۔

عبداللہ گلزار خان نے جدہ میں دہشت گردی کی کوشش کی تھی جبکہ اسی شہر جدہ میں ایک سڑک کا نام ایک پاکستانی فرحان خان کے نام پر ہے۔ پاکستان کے اس قابلِ فخر سپوت فرحان خان نے 2009 میں جدہ میں سیلابی ریلے کے اندر سے 14 افراد کی زندگی بچای تھی جبکہ پندرویں شخص کو بچانے کے لیے جاتے ہوئے فرمان

خان خود اپنی زندگی کی بازی ہار گیا۔ سعودی حکومت نے فرحان خان کی اس قربانی کو بہت سراہا تھا۔ 1979 میں دہشت گردوں کے قبضے سے خانہ کعبہ کو آزاد کرانے اور سعودی شہریوں کو باحفاظت بازیاب کرانے والے بھی پاکستانی کمانڈو تھے۔ ہمیں سعودی حکوت اور عوام سے یہ امید ہے کہ وہ کسی ایک دہشت گرد کی وجہ وہاں رہنے والے لاکھوں پاکستانیوں کے ساتھ اپنا رویہ نہیں بدلینگے اور تمام پاکستانی اپنے معمول کے مطابق اپنے کام سرانجام دینگے۔ تمام پاکستانی مقدس ماہ رمضان میں چار مسلم ممالک میں ہونے والی دہشت گردی کی بھرپور مذمت کرتے ہیں اور سعودی عرب کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ہم ہر مشکل وقت میں سعودی عرب کے ساتھ ہونگے۔

انسانیت کے علمبردار عبدالستار ایدھی الوداع

انسانیت کے علمبردار عبدالستار ایدھی بروز جمہ آٹھ جولائی 2016 انتقال کر گئے، پوری قوم اُن کے لیے غمگسار ہے۔ وہ 1928ء کو بھارت کے شہر گجرات میں بانٹوا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بانٹوا میں زیادہ تر افراد کا تعلق متوسط گھرانے سے تھا اور ذریعہ معاش کاروبار تھا۔ چار بھائی اور دو بہنیں تھیں لیکن سب سے چھوٹے بھائی عزیز کے علاوہ سب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ والدین کی تربیت کے باعث بچپن سے ہی سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے لیکن خاطر خواہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ کہتے تھے کہ وہ شرارتوں کے باعث تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ رمضان اور عیدین کے مواقع پر اُنکی والدہ اور دیگر میمن خواتین کھانے پینے کی چیزوں کے چھوٹے چھوٹے پیکٹ تیار کرتیں جنہیں غریبوں میں تقسیم کرنے کی ذمہ داری بھی انہیں ہی سونپی جاتی۔ انہوں نے بتایا کہ والدہ کی تربیت کے باعث اکثر وہ بانٹوا کے گلی کوچوں میں گھومتے رہتے اور اگر کوئی معذور یا اپاہج نظر آ جاتا تو اس کی مدد کرتے۔

عزت اور ذلت دینے والی ذات صرف اللہ تعالی کی ہے، مگر یہ عزت اور ذلت ہمیں ہمارے اعمال کے بدلے میں ملتی ہے۔ یہ 1986ء کی بات ہے اس وقت پاکستان میں

صرف سرکاری ٹی وی چینل پی ٹی وی ہوا کرتا تھا۔ پی ٹی وی ہر سال ایوارڈ کی ایک تقریب کیا کرتا تھا۔ پی ٹی وی پر آخری ایوارڈ کی تقریب بھی 1986ء میں ہوئی تھی۔ اسلام آباد کمپلیکس میں ہزاروں لوگ موجود تھے،.بڑی بڑی شخصیات اس تقریب میں موجود تھیں۔ انور مقصود اس تقریب کے کمپیر تھے۔ تقریب کے دوران انور مقصود مختلف شخصیات کو جن میں وزرا بھی تھے اسٹیج پر بلاتے اور کمپلیکس میں بیٹھے ہوئے لوگ اُن کی آمد پر تالیاں بجاتے۔ یہ پروگرام.براہ راست دکھایا جارہا تھا۔ پروگرام کے آخر میں انور مقصود نے ایک شخصیت سے اسٹیج پر آنے کی درخواست کی، اعلان کا ہونا تھا کہ وہاں موجود ہر شخص کھڑا ہوگیا اور تقریبا دس منٹ تک وہاں موجود لوگ اُس شخص کے احترام میں کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے رہے۔ پاکستان کی تاریخ میں اُس وقت تک اتنی عزت کسی شخصیت کو نہیں ملی تھی اور نہ آج تک ملی ہے۔ وہ عظیم شخصیت محترم عبدالستار ایدھی تھے۔

پاکستان بننے کے بعد اُنکے والد نے کہا کہ ہمیں بہتر مستقبل کیلئے پاکستان چلے جانا چاہیے اور اُنھوں نے برادری کے بہت سے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا۔ چھ ستمبر 1947 کو میمن.برادری کے چار ہزار افراد کے ساتھ پاکستان کے لیے روانہ ہوئے، اس دوران پانچ روز تک سوکھی روٹی کھا کر گذارہ کرنا پڑا اور کشتیوں میں بیٹھ کر.براستہ بحرہ عرب کراچی کے ساحل پر پہنچے ۔اس وقت ان

کی عمر بائیس سال تھی۔ کچھ عرصہ ملیر میں رہنے کے بعد اُن کے والد نے جوڑیا بازار کے ساتھ چھاپہ گلی میں ایک چھوٹا سا گھر کرائے پر لے لیا۔ میٹھادر میں ایک 13 سو روپے کا ٹکڑا لیا جو ابھی ان کی اہلیہ بلقیس ایدھی کے نام پر ہے جبکہ ان کے نام صرف چھاپہ گلی کا ایک مکان ہے جس سے ان کے والدین کا جنازہ اٹھایا گیا تھا۔ بچپن سے ایمبولینس چلانا ان کا شوق تھا کیونکہ اس سے بہت اچھے کام ہوتے ہیں۔

عبدالستار ایدھی نے 1951ء میں اپنی جمع پونجی سے ایک چھوٹی سی دکان خریدی اور اسی دکان میں ایک ڈاکٹر کی مدد سے چھوٹی سی ڈسپنسری کھولی جنہوں نے اُن کو طبّی امداد کی بنیادات سکھائیں۔ ایدھی نے ہمیشہ سادہ طرز زندگی کو اپنایا اور ڈسپنسری کے سامنے بنچ پر ہی سو لیتے تاکہ بوقت ضرورت فوری طور پر مدد کو پہنچ سکیں۔ 1957ء میں کراچی میں بہت بڑے پیانے پر فلو کی وبا پھیلی جس پر ایدھی نے فوری طور پر رد عمل کیا۔ انھوں نے شہر کے نواح میں خیمے لگوائے اور مفت مدافعتی ادویہ فراہم کیں۔ مخیّر حضرات نے اُنکی دل کھول کر مدد کی۔ امدادی رقم اتنی زیادہ تھی کہ انھوں نے وہ پوری عمارت خرید لی جہاں ڈسپنسری تھی اور وہاں ایک زچگی کے لیے سینٹر اور نرسوں کی تربیت کے لیے سکول کھول لیا، اور یہی ایدھی فاؤنڈیشن کا آغاز تھا۔

آنے والوں سالوں میں ایدھی فاؤنڈیشن پاکستان کے باقی علاقوں تک بھی پھیلتی گئی۔ فلو کی وبا کے بعد ایک کاروباری شخصیت نے ایدھی کو کافی بڑی رقم کی امداد دی جس سے انہوں نے ایک ایمبولینس خریدی جس کو وہ خود چلاتے تھے۔ ایدھی فاؤنڈیشن رجسٹرڈ نہیں، تاہم اس حوالے سے حیدرآباد کی ایک عدالت میں دو صفحات پر مشتمل ڈکلریشن کیلئے ایک درخواست جمع کروائی گئی تھی جو گجراتی میں تحریر کی گئی اور اس میں اپنے مقاصد سے آگاہ کیا گیا تھا۔ عدالت نے ڈکلریشن دے دی۔ دنیا کے بارہ بڑے شہروں میں ایدھی سینٹرز ہیں۔ پاکستان میں ہی 375 سینٹرز ہیں۔ سیاچین سے لیکر نگر پارکر تک ایدھی کی سولہ سو ایمبولینسز کام کر رہی ہیں۔ 1997ء گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ کے مطابق ایدھی فاؤنڈیشن کی ایمبولینس سروس دنیا کی سب سے بڑی فلاحی ایمبولینس سروس ہے۔ سات ہزار ملازمین کا روزگار اس ادارے سے وابستہ ہے۔ ایدھی فاؤنڈیشن نے کلینک، زچگی گھر، پاگل خانے، معذوروں کے لیے گھر، بلڈ بنک، یتیم خانے، لاوارث بچوں کو گود لینے کے مراکز، پناہ گاہیں اور سکول کھولے ہیں۔ اسکے علاوہ یہ فاونڈیشن نرسنگ اور گھرداری کے کورس بھی کرواتی ہے۔ ایدھی مراکز کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر ایدھی مرکز کے باہر بچہ گاڑی کا اہتمام ہے تاکہ جو عورت بچے کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی اپنے بچے کو یہاں چھوڑ کر جاسکے۔ اس بچے کو ایدھی فاونڈشن اپنے یتیم خانہ میں پناہ دیتی ہے اور اسکو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

ایدھی صاحب ایمبولینس کے ذریعے مریضوں کو گھر سے اسپتال اور اسپتال سے گھر منتقل کرتے تھے۔ ریڈ کراس اور سین جون بھی گئے اور ان کے لائیو ممبر بھی بنے۔ اس دوران ادارے کو پیسے مل بھی رہے تھے اور مستحقین میں ان کی تقسیم بھی جاری تھی۔ قربانی پر لوگ جانوروں کی کھالیں بھی جمع کروا رہے تھے۔35 ، 35 ہزار کھالیں جمع ہو گئیں۔ رمضان المبارک میں فطرہ بھی دیا جا رہا تھا، لہذا انسانیت کی خدمت دن بدن بڑھتی گئی ۔ عبدالستار ایدھی کو کافی ایوارڈز ملے جس میں شیخ زید بن سلطان ایوارڈ بھی شامل ہے جس کی مالیت دس لاکھ روپے ہے۔ تمام ایوارڈز کی مالیت تقریبا کروڑ روپے ہے۔ ذاتی جائیداد میں میٹھادر والا مکان جو شروع میں تیرہ سو روپے کا 32 خریدا گیا تھا وہ بلقیس ایدھی کے نام پر ہے جبکہ چھاپہ گلی والا چھوٹا سا مکان جس سے والدین اور بہن بھائی کا جنازہ اٹھا تھا ان کے نام پر ہے ۔ ایدھی ٹرسٹ کے اخراجات گھر سے بالکل الگ ہیں اور ٹرسٹ کا ایک پیسہ بھی وہ ذاتی طور پر استعمال نہیں کرتے تھے۔ گھر کے خرچ کیلئے، پہلے دکانیں تھیں وہاں سے بھی کرایہ آتا تھا، اگر اخراجات سے کچھ پیسہ بچتا ہے تو وہ بھی ایدھی ٹرسٹ میں ڈال دیا جاتا ہے ۔

ایدھی فاونڈیشن نے صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی

ترقی کی ہے۔ اسلامی دنیا میں ایدھی فاؤنڈیشن ہر مصیبت اور مشکل وقت میں اہم مدد فراہم کرتی ہے۔ جہاں امداد اور نگرانی ایدھی بذات خود متاثرہ ممالک میں جا کر کرتے تھے۔ پاکستان کے علاوہ ایدھی فاونڈیشن نے جن ممالک میں کام کیا ہے ان میں سے چند ممالک افغانستان، عراق، چیچنیا، بوسنیا، سوڈان، ایتھوپیا اور قدرتی آفت سماٹرا اندامان کے زلزلہ (سونامی) سے متاثرہ ممالک ہیں۔ 16 اگست 2006ء کو ایدھی انٹرنیشنل ایمبولینس فاؤنڈیشن کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ جس کے تحت دنیا کے امیر یا غریب ہو یا دنیا کا کوئی بھی ملک امریکہ، یوکے، اسرائیل، شام، ایران، بھارت، بنگلہ دیش ہوں میں یہ ایمبولینس بطور عطیہ دی جا رہی ہے اور انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان ایمبولینس کو 5 سال تک استعمال کرنے کے بعد فروخت کرکے اس کی رقم خیراتی کاموں میں استعمال کریں۔ جبکہ ایدھی انٹرنیشنل ایمبولینس فاؤنڈیشن کی ایمبولینسیں دنیا بھر میں انسانوں کی جانیں بچائیں خواہ وہ لندن، نیویارک، ٹوکیو، تل ابیب، بیروت اور دمشق ہوں۔

پاکستان میں انسانیت عبدالستار ایدھی سے شروع ہوتی ہے۔ 88 سالہ عبدالستار ایدھی نہیں جانتے تھے کہ پیسے کے پیچھے بھاگنا کیا ہوتا ہے، کبھی کسی حکومت سے امداد نہیں لی، صرف عوامی تعاون سے 65، 66 سالوں سے ایک ایسا

رفاہی ادارہ چلا رہے تھے جس کا اب سالانہ خرچ تقریبا ایک ارب روپے ہے تاہم آمدنی اس سے دوگنی ہے اور یہ ادارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہے۔۔ سادہ اتنے تھے کہ بتاتے تھے کہ ادارے میں امدادی رقم ڈبل آتی اور سنگل خرچ ہوتی ہے۔ نڈر ایسے تھے کہ کوئی پروٹوکول نہیں، بدترین حالات میں بھی کوئی سیکیورٹی حصار نہیں۔ بلوچستان گئے تو ڈاکو تائب ہوگئے، فنڈز دیئے ۔ شمالی وزیرستان گئے تو طالبان نے بے لوث رہنما مان لیا اور ڈھیروں امداد دیکر بحفاظت روانہ کیا۔ کوئی خوف نہیں کوئی لگی لپٹی نہیں۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر سراہے جانے کی کوئی تمنا بھی نہیں تھی۔ پاکستان کے علاوہ اسلامی دنیا میں بھی عبدالستار ایدھی نے ایک غیر خود غرض اور محترم شخص کے طور شہرت پائی تھی، شہرت اور عزت کے باوجود انہوں نے اپنی سادہ زندگی کو ترک نہیں کیا، وہ سادہ روائتی پاکستانی لباس پہنتے تھے، جو صرف ایک یا دو انکی ملکیت تھے، اسکے علاوہ انکی ملکیت کھلے جوتوں کا ایک جوڑا تھا۔

آج ایدھی فاؤنڈیشن ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ عبدالستار ایدھی مستقبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ پاکستان کے ہر 500 کلومیٹر پر ہسپتال تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اُنکو احترام کے طور پر مولانا کا لقب دیا گیا ہے لیکن وہ ذاتی طور پر اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو ڈاکٹر کہلوانا پسند کرتے تھے، کیونکہ انسانیت کی خدمات پر پاکستان میں انسٹیٹیوٹ

آف بزنس ایڈمنسٹریشن نے اُنکو ڈاکٹری کی اعزازی سند دی تھی۔ وہ اس بات کو بھی سخت ناپسند کرتے تھے جب لوگ اُنکی یا اُنکے کام کی تعریف کرتے تھے۔1996ء میں انکی خودنوشت سوانح حیات شائع ہوئی۔ ایدھی بذات خود بغیر چھٹی کیے طویل ترین عرصہ تک کام کرنے کے عالمی ریکارڈ کے حامل ہیں اور ریکارڈ بننے کے بعد بھی ابھی تک انھوں نے چھٹی نہیں لی تھی۔ لیکن اب عبدالستار ایدھی ہمیشہ کے لیے چھٹی پر چلے گے ہیں۔آیئے ملکر انسانیت کے علمبردار عبدالستار ایدھی کو الوداع کریں اور دعا کریں کہ ایدھی فاؤنڈیشن اسی طرح انسانیت کی خدمت کرتی رہے جس طرح سے وہ ایدھی صاحب کی قیادت میں کرتی رہی ہے۔ اللہ تعالی عبدالستار ایدھی مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور اُنکے لواحقین اور چاہنے والوں کو صبر عطافرمائے، آمین۔

محمود خان اچکزئی کے متنازع بیانات

پختونخوا ملی عوامی پارٹی کے سربراہ محمود خان اچکزئی جو قائد اعظم کے تو مخالف ہیں لیکن اپنے آپ کو ایک اصول پسند سیاستدان کہتے ہیں، غریبوں اور مظلوموں کی نام نہاد ہمدردی رکھنے والے اس سیاستدان نے دسمبر 2014 میں اسلام آباد کے دھرنے کے شرکا کو جو عام طور پر متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے خانہ بدوش کہہ کر پکارا تھا حالانکہ یہ انہی جیسے خانہ بدوشوں کے ووٹوں کی بھیک حاصل کرکے پارلیمنٹ میں پہنچے ہیں۔ محمود خان اچکزئی نواز شریف کے سیاسی حلیف ہیں، اس لیے سیاسی اور مالی فوائد بھی حاصل کررہے ہیں۔ نواز شریف حکومت میں محمود خان اچکزئی کی بیوی سمیت انکے خاندان کے دس افراد مختلف حکومتی عہدوں پر موجود ہیں ، خود وزیراعظم کے مشیر خاص اور ایک بھائی گورنر بلوچستان، باقی دوسرے عہدوں پر۔ محمود خان اچکزئی اپنے متنازع بیانات کے لیے مشہور ہیں، ان کے والد خان عبدالصمد اچکزئی نے 1973ء کے آئین کو تسلیم نہیں کیا تھا اور اپنی پوری زندگی خان عبدالصمد اچکزئی یہ درس دیتے رہے کہ پختون قوم کی آزادی کے لئے آزاد پختونستان کا قیام ضروری ہے۔

ایک جلسہ عام میں جو 25 جون 2012 کو کوئٹہ کے صادق پارک میں ہوا تھا، محمود

خان اچکزئی نے اپنی طویل تقریر کے دوران کہا تھا کہ ''بلوچوں کے ساتھ نہ کوئی لڑائی ہے، نہ جھگڑا، یہ بلوچوں کا علاقہ ہے جو چاہیں کریں، ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہم پشتون برابری کی بنیاد پر اپنا حق مانگتے ہیں۔ صوبے میں پشتونوں کو ان کا حق دیا جائے تو ہم یہاں رہیں گے۔ ہمیں حقوق نہ دیئے گئے تو دوسروں کو بھی مزے نہیں لینے دیں گے۔ وزیراعلیٰ پشتون نہیں تو گورنر پشتون ہونا چاہیے۔ چترال سے بولان تک متحدہ قومی وحدت کی تشکیل تک 125 سال پرانا صوبہ بحال کیا جائے۔ ہماری جدوجہد کا مقصد پاکستان کو توڑنا نہیں، ہم بلوچستان میں دوسرے درجے کے شہری بن کر نہیں رہ سکتے۔ بلوچ ہمیں مجبور نہ کریں کہ جرگہ بلا کر الگ صوبے کا اعلان کریں''۔ ان کی اس تقریر نے بلوچ قوم پرستوں میں شدید ردعمل پیدا کیا ہے اور تمام قوم پرست پارٹیوں نے ان کے خلاف بیانات دیئے۔ بلوچستان میں پشتون بلوچ سیاست میں ایک خاموش فائر بندی تھی، جو محمود خان اچکزئی کی اس تقریر کے بعد ٹوٹ گئی۔

قومی اسمبلی میں دس جون 2013 کو اس وقت کے صدر آصف زرداری کے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس پر بحث کے دوران، محمود خان اچکزئی نے اپنی تقریر میں یہ سوال اُٹھایا تھا کہ آخر کراچی سے اردو بولنے والوں کے علاوہ دیگر قومیتوں اور زبانیں بولنے والے جیسے سندھی، پنجابی، بلوچ یا پٹھان، سندھ کی صوبائی اسمبلی اور قومی اسمبلی کے لیے کیوں منتخب نہیں ہوتے؟ اس حوالے سے انہوں نے

لبنان کی بھی مثال دی جہاں آئین کی رو سے صدر عیسائی، وزیراعظم سنی جبکہ شیعہ کمیونٹی کا فرد اسپیکر بنتا ہے، یہ طریقہ کار وہاں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو یقینی بنانے میں مدد دیتا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے کراچی کو ''دہشت گردوں کا شہر'' قرار دے دیا۔ ایم کیو ایم کے سخت احتجاج کے بعد اسپیکر نے ''دہشت گردوں کا شہر'' کے الفاظ کو حذف کروادیا تھا۔ اپنی اسی تقریر کے دوران محمود خان اچکزئی نے فاٹا کی سات ایجنسیز پر مشتمل ایک علیحدہ پارلیمنٹ بنانے کی بھی تجویز پیش کی جس کا انتخاب فی فرد ایک ووٹ کے تحت کیا جائے اور ان کا ایک منتخب گورنر بھی ہو، لیکن ایم کیو ایم کے شور شرابے کی وجہ سے ان کی یہ تجویز زیر بحث نہ آسکی۔

گذشتہ دنوں کافی عرصے بعد محمود خان اچکزئی کو ایک مرتبہ پھر متنازع بیان دینے کا شوق جاگا تو انہوں نے افغان ٹائمز کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کہا کہ خیبر پختونخوا افغانوں کا علاقہ ہے اور "اگر افغان مہاجرین کو پاکستان کے دوسرے صوبوں میں ہراساں کیا جاتا ہے تو انہیں یہاں صوبہ خیبر پختونخوا میں آجانا چاہیے جہاں ان سے کوئی بھی مہاجر کارڈ طلب نہیں کرے گا کیونکہ یہ انہی کا ہے"۔ افغان مہاجرین وہاں جب تک چاہیں بلا خوف وخطر رہ سکتے ہیں۔ افغان اخبار کے مطابق ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ افغان مہاجرین کی جبری بے دخلی پر پاکستانی پشتونوں کو بھی تشویش ہے۔ بعد میں محمود خان اچکزئی نے

وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ افغان اخبار نے ان کا بیان غلط انداز میں پیش کیا۔ میں نے یہ کہا تھا کہ تاریخ کے حوالے سے خیبر پختونخوا افغانستان کا حصہ رہا ہے، یہ نہیں کہا کہ خیبر پختونخوا افغانیوں کا ہے۔ محمود خان اچکزئی نے اپنے بیان میں پختون قوم پرستی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان کے اس انٹرویو کے جواب میں وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا پرویز خٹک نے کہا ہے کہ محمود خان اچکزئی کا بیان شرمناک ہے، اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے، کیا محمود خان اچکزئی خیبر پختونخوا کے بغیر ایک مکمل پاکستان کا تصور کر سکتے ہیں؟ پرویز خٹک کا کہنا تھا کہ پختونخوا ملی عوامی پارٹی کے سربراہ محمود خان اچکزئی نے آج تمام پاکستانیوں کا سر شرم سے جھکا دیا، خیبر پختونخوا کے عوام نے 1947ء میں پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا نہ کہ افغانستان کے۔ پرویز خٹک نے مزید کہا کہ محمود خان اچکزئی کے بیان کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے، خیبر پختونخوا کے عوام محمود خان اچکزئی کے بیان کو مسترد کرتے ہیں، پاکستان صرف پاکستانیوں کا ہے اور پاکستانی ہی اس ملک کے مستقل شہری ہیں۔

ماضی کی سیاست میں قوم پرستی کا ایشو بہت زیادہ تھا مگر پھر قوم پرستوں نے جن میں غفار خان اور ولی خان بھی شامل ہیں خیبر پختونخوا کو پاکستان کا

حصہ تسلیم کرلیا تھا۔ محمود خان اچکزئی کا افغان مہاجرین کے حوالے سے بیان پختون قوم پرستی کی بنیاد پر سیاست ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محمود خان اچکزئی جانتے ہیں پختون قوم پرستی کے مردہ گھوڑے میں دوبارہ جان نہیں ڈالی جاسکتی ہے۔ پختون قوم پرستی کی تحریک دفن ہوچکی ہے جس میں زیادہ کردار پاکستان کے پختون قوم پرستوں کا رہا ہے۔ محمود خان اچکزئی نے افغان مہاجرین کے بارے میں بیان سیاست کی غرض سے دیا ہے، انہوں نے پشتون قوم پرستی کی بنیاد پر سیاست کی ہے، بلوچستان میں پختون اور بلوچ سیاست اہم ہے۔ محمود خان اچکزئی افغانستان کو پاکستان کا پانچواں صوبہ سمجھنے اور وہاں مداخلت کے خلاف ہیں لیکن جب پاکستان کی ریاست کی بات آتی ہے تو وہ سرحدوں کو بھول جاتے ہیں، اس لیے محمود خان اچکزئی کے اس قسم کے وطن دشمن بیانات پاکستان کے عوام اور خاصکر پختونوں کو قبول نہیں ہیں۔ کوئی بھی محب وطن پاکستانی خیبر پختونخوا کے بغیر ایک مکمل پاکستان کا تصور نہیں کرسکتا۔ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ محمود خان اچکزئی کے اس متنازع بیان کا نوٹس لے اور خاصکر وزیراعظم نواز شریف کو اپنے سیاسی حلیف محمود خان اچکزئی جیسے غیر محب وطن کے ساتھ اپنے سیاسی اتحاد کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

ایدھی کا جھولا اور اس کا انعام

نیویارک میں بیٹھے ہوئے ایک شخص خلیل چشتی جو اپنے آپ کو مذہبی اسکالر کہتے ہیں انہوں نے ایدھی صاحب کی وفات کے اگلے روز 9 جولائی کو اپنے فیس بک پر ایک تیسرے درجے کے مضمون ''عبدالستار ایدھی: کے کے دو رخ'' جس کے مصنف کا نام ڈاکٹر حسن مدنی'' ہے شایع کیا، بعد میں پاکستان میں بھی یہ مضمون دو ویب سائٹ'' پر شایع کیا گیا جس میں سے ایک ویب سائٹ پر ڈاکٹر حسن مدنی کا نام ہے جبکہ دوسری ویب سائٹ پر ابو عبداللہ نامی ایک صاحب نے اس مضمون کو اس طرح شایع کیا جیسے یہ مضمون انہوں نے لکھا ہو، مگر ان کی بدقسمتی کہ اس ویب سایٹ سے منسلک کچھ لوگوں نے اس پوسٹ پر اعتراضات اٹھائے تو ابو عبداللہ نے یوٹرن لیا اور ذمہ داری خلیل چشتی پر ڈال دی لیکن اپنی طرف سے بحث.برابر جاری رکھی اور آخر میں بتایا کہ اس شرانگیز مضمون کے مصنف کا نام ''ڈاکٹر حسن مدنی'' ہے۔ ڈاکٹر حسن مدنی، خلیل چشتی اور ابو عبداللہ کے ایمان کا حال یہ ہے کہ عبدالستار ایدھی جس کی پوری زندگی انسانیت کی خدمت میں گذری ہو اس کے مرنے کے فوری بعد، لوگوں کی اس کے بارے میں خوش گمانی دور کرنا اپنے ایمان کا حصہ سمجھ رہے تھے۔

ڈاکٹر حسن مدنی کا مضمون تو بہت طویل ہے لیکن شروع میں لکھا ہے کہ " عبدالستار ایدھی صاحب کے انتقال کی خبر ملی (افواہ) تو بھائی جان کہنے لگے سمجھ نہیں آئی "انا للہ وانا الیہ رجعون" پڑھنا تھا کہ "الحمد للہ"۔ ایدھی صاحب کے متعلق دو متفرق پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ مذہبی پہلو اور انسانی خدمت کا پہلو جو بظاہر انتہائی شاندار ہے۔ مذہبی پہلو اتنا "خوفناک" اور "بھیانک" ہے کہ آج کل کی عجلت پسند عوام کافر سے کم پر راضی نہ ہوں، اور واقعی مذہبی پہلو دیکھتے ہوئے ایدھی صاحب کا اسلام بڑا "ڈانوا ڈول" سا لگتا ہے لیکن کافر ٹھہرانا مسلمان رکھنے سے ہزار درجے مشکل کام ہے۔ بنظر طائر دیکھا جائے تو خدمت خلق کا بڑا تابناک باب نظر آتا ہے۔ لیکن جہاں تک میری مولویانہ" سمجھ شریف میں بات آئی ہے کہ یہ سب ایک بہت بڑا مفسدہ ہے۔ اور" ایک عالم نے یوں ہی بے ساختہ نہیں کہی دیا کہ "ایک تخریب کار اپنے انجام کو پہنچا"۔ ڈاکٹر حسن مدنی نے مزید لکھا ہے کہ اب خدمت خلق کا ایدھی ترجمہ "خاصا اوکھا" ہے جو اگرچہ دیگر وجوہات میں سرگرم ہے لیکن مرکزی طور پر:۔

1۔ بھاگ کر شادی کر لینے والی لڑکیوں کو پناہ دینا

2۔ جو خواتین بچوں کی پرورش نہیں کرنا چاہتی ان کے بچے سنبھال کر ان کو آزاد کرنا

3۔ حرام کاری کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچوں کی پرورش۔

اب یہ کچھ عجیب سی بات ہے کہ درج بالا مقاصد کے تحت صرف پاکستان میں ہزاروں " ایمبولینسیں، مراکز اور ڈسپینسریاں۔۔۔ یعنی پاکستان نہیں ناپاکستان ہوگیا" یہ۔۔ معاذاللہ

ڈاکٹر حسن مدنی کے اس مضمون کو جو جھوٹے الزامات کی کیچڑ میں لتھڑا ہوا ہے، اگر آپ پورا پڑھینگے تو ایسا لگے کہ ایدھی ساری زندگی گناہ کرتا رہا ہے اور شاید ایدھی پاکستان میں صرف حرام کاری کی خدمت کر رہا تھا۔ اس بات کے جواب میں اردو مجلس فورم پر ام نورالعین لکھتی ہیں کہ " ہمیں ایدھی کے متعلق سنی سنائی ہانکنے سے پہلے کم از کم ایک بار تجربہ کرنا چاہیے کہ لاوارث لاش کو اپنے ہاتھوں سے غسل دینے اور کفن پہنانے سے کیا لذت ملتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایدھی کے جھولوں میں پڑے سب بچے "ایسے ویسے بچے" ہیں۔ کیا کسی کو یاد ہے کہ اسلام کے نزدیک ایسے ویسے بچے بھی ایک انسانی جان ہیں جس کا بچانا فرض ہے اور جس کی بہتر پرورش انسانی معاشرئے کی ذمہ داری ہے اور جو اپنے ماں باپ کے جرم کے ذمہ دار نہیں"۔ ڈاکٹر حسن مدنی کا مضمون تین جگہ شایع ہوا ہے لیکن سب سے زیادہ تبصرئے خلیل چشتی کی فیس بک کی پوسٹ پر کیے گئے ہیں جن میں اکثریت نے اس مضمون کو پسند نہیں کیا ہے،

کچھ نہ پسند کرنے والے تبصرے مندرجہ ذیل ہیں:۔

۔1۔ کیا قاضی حسین احمد صاحب کے انتقال پر کوئی منفی پوسٹ دیکھی؟

۔2۔ بہت دکھ ہوا آپکی یہ پوسٹ پڑھ کر۔ ایک اسکالر اتنا ظالم بھی ہو سکتا ہے کہ آج کے دن ہی پوسٹ کرے۔ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں اسلامی اسکالرز کی عزت لوگوں کے دلوں میں کم ہو رہی ہے۔

۔3۔ افسوس جس نبی مہربان نے منافقوں کے سردار کا جنازہ پڑھانے سے گریز نہیں کیا، اس کی امت کے روحانی پیشواؤں کا یہ حال ہو چکا ہے کہ ایک آدمی کے مرنے کے فوری بعد لوگوں کی اس کے بارے میں خوش گمانی دور کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۔4۔ ایدھی مذہبی اسکالر نہیں تھے، نہ ہی زیادہ پڑھے لکھے تھے، لیکن انہوں نے انسانیت کے لیے بہت کچھ کیا، ہم ان کے کچھ بیانات کو نظرانداز بھی کر سکتے ہیں، مجموعی طور انہوں نے اچھے کام کیے ہیں، ہمیں امید ہے کہ انکی موت کے بعد اللہ انکو اچھا مقام دیگا۔

۔5۔ یتیموں کا والی، بیواوں کا آسرا، کٹی پٹی گلی سڑی لاشوں کو گلی کوچوں اور گندی نالیوں سے اٹھانیوالا عبدالستار ایدھی اب حقیقت کی دنیا میں پہنچ گیا۔

۔6۔ ایک تیسرے درجے کی تحریر جو ڈاکٹر حسن مدنی نے تحریر کی اور آپ جیسے مذہبی اسکالر نے شیر کی ہے، مجھے آپ سے بہت مایوسی ہوئی، یہ قطعی اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

7۔ برادران حسن مدنی اور چشتی صاحب ! آپ تو ہمارے مربین ہیں ... کن جھمیلوں میں خود کو الجھا رہے ہیں ..... ایسے تبصرے ایک ایسے انسان کی وفات پر نہیں بنتے جسکی شخصیت کا تعارف اسکا ویلفیئر کا کام ہو .... آپ تو ایدھی مرحوم کی شخصیت کے مختلف پہلو کو ایسے ڈسکس کر رہے ہیں گویا وہ ایک ریلیف کا کام کرنے والا نہیں بلکہ وقت کا امام تھا ....اور پھر دوسرے پہلو میں جس طرح انکی خدمات کی ایسی کی تیسی پھیری ہے اس پر تو خاموشی ہی بہتر کہ ہم اب اپنے مربین کو کیا کہیں۔

8۔ میرا سوال چشتی صاحب سے یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ یہ مضمون ایدھی کی موت کے بعد شایع کیا گیا، اگر ایدھی کی زندگی میں شایع کیا جاتا تو شاید مرحوم کوئی جواب دیتے۔اسلام اپنے اوپر لگائے ہوئے الزامات کی صفائی دینے کی اجازت دیتا ہے۔ میرا یہ بھی سوال ہے کہ مرنے والے کے لیے یہ کون طے کریگا کہ وہ اچھا مسلمان تھا یا برا، مخلوق یا خالق۔ میں اس بات کا پرزور یقین رکھتا ہوں کہ اس مضمون کو شایع کرنے کا وقت انتہائی نامناسب ہے۔ اللہ آپکو ہدایت دے۔

9۔ جناب چشتی صاحب، آپ بہت قابل احترام ہیں، آپ سے محبت اور عقیدت رکھنے والوں نے مختلف انداز میں تبصرہ کیا ہے، نچوڑ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ایسی پوسٹ آپ سے متوقع نہیں تھی۔

10۔ کیا پاکستان میں ایک بھی مذہبی اسکالر ایسا ہے جس نے عام آدمی کی

فلاح و بہبود کے لیے ایدھی صاحب جتنا کام کیا ہو۔

اللہ تعالی ڈاکٹر حسن مدنی، خلیل چشتی اور ابو عبداللہ اور ان جیسوں کو ہدایت دے کہ وہ بھی کچھ انسانیت کی بھلائی کے لیے کچھ کام کریں۔ایدھی سے بغض کیوں کیا جارہا اس کی وجہ مذہبی رہنماوں کی ذہنی تنگدستی ہی کہی جاسکتی ہے۔ پورے ملک میں ایدھی فاونڈیشن کے پاس 15 سو سے زیادہ ایمبولینسز ہیں جبکہ تین فضائی ایمبولینسز بھی ہیں۔ ایمبولینس سروس کے ساتھ ساتھ ہسپتال، کلینکس، پاگل خانے، معذوروں کی بحالی کے مراکز، بلڈ بینک، یتیم خانے، لاوارث بچوں کے مراکز، پناہ گاہیں اور سکول بھی کام کر رہے ہیں۔ ایدھی فاونڈیشن قدرتی آفات کے وقت پاکستان کے ساتھ ساتھ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی امدادی خدمات فراہم کرتی ہے۔ عبدالستار ایدھی کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ ہر ایدھی مرکز کے باہر ایک ایسے جھولے کا اہتمام ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی عورت جو بچے کی دیکھ بھال نہیں کرسکتی اپنے بچے کو اس جھولے میں چھوڑ کرجاسکے۔ ہمارے مذہبی رہنما خود تو کوئی رفاہی کام کرتے نہیں لیکن انہیں ایدھی مرکز کے باہر بچے کے جھولے سے سخت اختلاف ہے، لیکن 100 الفاظ کی کہانی کے موجد مبشر علی زیدی ہمیں ایدھی کے اس جھولے کی ایک خوبصورت کہانی سنا رہے ہیں:۔

انعام ۔۔۔۔۔۔۔۔ مبشر علی زیدی

میں جنت میں چاندی کا محل دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ ایک خوب صورت باغ میں تعمیر کیا گیا تھا۔
میں ایدھی صاحب کا انٹرویو کرنے وہاں پہنچا تھا۔ محل کے باہر چاندی کی بگھیاں کھڑی تھیں۔
محل کا دروازہ اور دیواریں بھی چاندی کی بنی ہوئی تھیں۔
محل میں داخل ہوا تو ایدھی صاحب دکھائی دیئے۔ وہ بڑے سے جھولے میں بیٹھے تھے۔
''میں نے تعجب کیا، ''ایدھی صاحب ! محل میں سب اشیا چاندی کی ہیں، پھر یہ جھولا سونے کا کیوں؟
،ایدھی صاحب نے کہا
''یہ مجھے ایدھی سینٹر کے باہر جھولا رکھنے کا انعام ملا ہے۔''

نوٹ : اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل ویب سائٹ اور فیس بک کی مدد لی گئی ہے۔

https://www.pakistantv.tv/2016/07/12/edhi-two-sides-of-the-coin-by-dr-hassan-madani/

https://www.facebook.com/khaleel.chishti/posts/1020050334774787

http://www.urdumajlis.net/threads/%D8%A7%DB%8C%D8%AF%DA%BE%DB%8C.37792/

http://search.jang.com.pk/print/134592-inaam

عمران خان کا غیر جمہوری بیان

ہفتہ 16 جولائی 2016 کو ترک فوجیوں کے ایک گروپ نے ترکی کی منتخب جمہوری حکومت کو ہٹا کر اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش کی۔ ترک صدر طیب اردوان نے ترک عوام سے جمہوریت کو بچانے کی اپیل کی جس کے فوراً بعد ملک کے مختلف شہروں میں لاکھوں افراد باہر نکل آئے، جنہوں نے اردوان حکومت کے خلاف فوجی بغاوت کو ناکام بنادیا۔ ترکی کے صدر طیب اردوان نے کہا ہے کہ پولیس، جمہوریت پسند فوج اور عوام نے نکل کر بغاوت ناکام بنادی، ملک اور جمہوریت کے خلاف سازش کی گئی تھی۔ استنبول میں خطاب کرتے ہوئے ترک صدر نے کہا کہ صورتحال پر قابو پالیا گیا ہے، عوام کی خدمت کا موقع ملا ہے اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ملک اور جمہوریت کے خلاف سازش کی گئی تھی تاہم آج کا ترکی پہلے سے مختلف ہے۔ ملکی یکجہتی اور اتحاد کے خلاف بغاوت کی کوشش ناکام بنادی گئی ہے۔

پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے اتوار 17 جولائی کو میرپور کے شہر اسلام گڑھ کے انتخابی جلسے میں ایک بہت ہی غیر جمہوری اور غیر ذمہ دارانہ بیان دیتے ہوئے ترکی کی فوجی بغاوت کا حوالہ دیا، ان کا کہنا تھا کہ اگر حکومت خدمت کرے تو عوام اس کے ساتھ کھڑی ہو جاتی ہے، ترکی میں بھی

ساری دنیا نے یہی دیکھا، ترکی میں ایک جمہوری حکومت کو ہٹانے کی کوشش کی گئی تاہم جمہوریت کو بچانے کے لئے پوری ترک قوم سڑکوں پر آگئی کیونکہ ترکی کے صدر طیب اردوان اپنے ملک میں خوشحالی لے کر آئے۔ لیکن اگر پاکستان میں فوج آئی تو لوگ خوشیاں منائیں گے، مٹھائی بانٹی جائیگی اور جشن منائیں گے۔ جمہوریت کو فوج سے نہیں نواز شریف کی بادشاہت سے خطرہ ہے۔ عمران خان کے اس بیان پر افسوس ہوا، ہر پاکستانی جانتا ہے کہ نواز شریف حکومت کے دوران ملک کے معاشی، سیاسی اور سماجی حالات بہت خراب ہوئے ہیں لیکن کوئی بھی جمہوریت پسند پاکستانی عمران خان کی فوج کو دی گئی دعوت کو پسند نہیں کرے گا۔ عمران خان کے کئی ناقدین کا خیال ہے کہ عمران خان کا طرز سیاست انتہائی طفلانہ ہے اور ان کے بیانات میں سیاسی پختگی نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں ''کئی لوگ اُن سے اب مایوس ہو چکے ہیں''۔

عمران خان کے اس بیان پر کہ 'اگر پاکستان میں فوج آئی تو لوگ خوشیاں منائیں گے، مٹھائی بانٹی جائیگی اور جشن منائیں گے'، عمران خان کے سابق ساتھی سینیئر سیاستدان جاوید ہاشمی نے کہاہے کہ 'فوج کو دعوت دینے سے فوج متنازع ہوگی، جوکر ٹائپ سیاستدان کہتے ہیں فوج کے آنے سے مٹھائیاں بانٹی جائیں گی، عمران خان کو اب بالغ سیاستدان بننا ہوگا، عمران خان سمجھتے ہیں کہ کوئی انہیں وزیر اعظم بنا دے گا'۔ اے این پی کے شاہی سید نے کہاکہ

سیاستدان اور کھلاڑی میں یہی فرق ہوتا ہے جو سامنے آیا ہے۔ خدارااداروں کوامتحان میں نہ ڈالا جائے، بہتر ہوگا کہ ملک میں آئین چلتا رہے۔ سرکاری وزرا نے عمران خان کے بیان کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ترکی میں ناکام بغاوت کے حوالے سے پاک فوج کے کردار کوزیر بحث لانا مناسب نہیں۔ عمران خان کے اس بیان کی حمایت میں سابق وزیر اعلیٰ پنجاب مسلم لیگ (ق) کے رہنما چوہدری پرویزالٰہی نے کہا ہے کہ یہاں ترکی جیسا ہوا تو لوگ مٹھائیاں بانٹیں گے اور حکمرانوں کو چھپنے کی بھی جگہ نہیں ملے گی۔ یہ وہی چوہدری پرویزالٰہی ہیں جو سابق صدر پرویزمشرف کو وردی میں سو مرتبہ صدر بنانا چاہتے تھے، یہ اور انکا پورا خاندان آمروں کے زیر سایہ ہمیشہ خوش رہے ہیں، انکے والد صاحب جنرل ضیاء الحق کے درباری تھے اور یہ اور انکے بھائی چوہدری شجاعت حسین جنرل پرویزمشرف کے درباری رہے ہیں۔

عمران خان گذشتہ 20 سال سے سیاست کررہے ہیں لیکن شاید ابتک ان کو سیاست ہی نہیں آئی ہے۔ اتوار 17 جولائی کو عمران خان کے اس بیان کہ 'اگر پاکستان میں فوج آئی تو لوگ خوشیاں منائیں گے'۔ نہ صرف ان کے مخالفین بلکہ ان کے سابق اور موجودہ، اتحادیوں کو بھی پسند نہیں آیا۔ لہٰذا خان صاحب نے اپنی عادت کے مطابق اگلے دن یوٹرن لیا اور جمہوریت کو بہترین نظام قرار دیا، انہوں نے جمہوریت کی تعریف کرتے ہوئے کہا اگر جمہوریت کو کوئی خطرہ ہوا

تو وہ اتنا بڑا مظاہرہ کریں گے جو پہلے کبھی نہیں ہوا ہوگا۔ ان کی مدد کرتے ہوئے پی ٹی آئی کی رہنماء ڈاکٹر شیریں مزاری کا کہنا تھا کہ ن لیگ کی حکومت کو آئینی طریقے سے ہٹائیں گے، جبکہ عمران خان پر کی جانے والی تنقید کو مسترد کرتے ہوئے پی ٹی آئی کی مرکزی نائب صدر ناز بلوچ نے کہا کہ عمران کے بیان کو سیاق وسباق سے ہٹ کر بیان کیا جارہا ہے۔ پارٹی چیئرمین نے مارشل لا کی حمایت نہیں کی بلکہ وہ بتارہے تھے کہ نواز شریف نے عوام کی خدمت نہیں کی، اسی لئے اگر پاکستان میں فوج آئی تو لوگ اس پر خوش ہوں گے اور یہ صرف دو حکومتوں کا موازنہ ہے ناکہ قطعی مقصد آمریت کی حمایت کرنا۔

نواز شریف اپنی حکومت کی ہیٹ ٹرک کرچکے ہیں اور اب شاید عمران خان کے لیے یہ ممکن نہ ہو لیکن تھوڑے دن پہلے عمران خان کی شادی کی ہیٹ ٹرک کی خبر سنی تھی، بہتر ہے وہ جلد از جلد اپنی شادی کی ہیٹ ٹرک مکمل کریں تاکہ لوگوں کو مٹھائی کھانے کا موقعہ ملے۔ آجکل چونکہ ان کے ذہن میں تیسری شادی سوار ہے لہذا انہیں ہر طرف مٹھائیاں نظر آتی ہونگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے عوام مسلم لیگ (ن) کی حکومت سے قطعی مطمئن نہیں ہیں، صاف لگ رہا کہ نواز شریف پاکستانی عوام کے مسائل حل کرنے کے بجائے اپنے مفادات میں زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں، لیکن فوجی حکومت آجائے اور مارشل لاء لگ جائے اس کے عوام قطعی حامی نہیں ہیں، اس کے بجائے لوگ اب چاہتے ہیں کہ جمہوریت

پھلے پھولے، جمہوریت میں تسلسل بڑا ضروری ہوتا ہے اور اگر عمران خان اس قسم کی باتیں کریں گے کہ لوگ مٹھائی بانٹیں گے تو پھر جمہوریت کا کیا مستقبل ہے پاکستان میں۔

لفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ طلعت مسعود نے کہا کہ بڑا حیران کن بیان ہے، عمران سے اس بیان کی توقع نہیں تھی۔ آپس میں کتنے بھی اختلافات ہوں سیاسی جماعتوں میں جتنے بھی گہرے اختلافات ہوں اسکے باوجود جب بھی جمہوریت کی بات آئے گی تمام سیاسی جماعتیں اکھٹی ہو کر مزاحمت کریں گی۔ وفاقی اردو یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر توصیف احمد کہتے ہیں کہ عمران خان برطانیہ میں رہے ہیں اور انہوں نے تعلیم بھی وہیں حاصل کی ہے لیکن انہوں نے نہ تو جمہوریت کے ارتقاء کو سمجھا اور نہ اس کی اہمیت کو۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ عالمی برادری اس وقت پاکستان میں آمریت کو قبول نہیں کرے گی۔ اس وقت پاک فوج اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ آپریشن ضرب عضب کے زریعے پورے ملک سے دہشت گردی کو ختم کرنے جیسے قومی فریضے کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ چنانچہ اس موقع پر ترکی میں ناکام بغاوت کے حوالے سے پاک فوج کے کردار کو زیر بحث لانا مناسب نہیں۔

انقلابی سیاستدان معراج محمد خان چل بسے

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امراء کے در و دیوار ہلا دو

غریبوں کو جگانے والے سینئر سیاستدان معراج محمد خان جمعرات 21 جولائی 2016 کو کراچی میں 78 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ معراج محمد خان 20 اکتوبر 1938ء کو فرخ آباد اتر پردیش میں پیدا ہوئے تاہم ان کا خاندان بنیادی طور پر پختون تھا جو آفریدی قبیلے کی شاخ زکاخیل سے تعلق رکھتا تھا۔ والد کا نام حکیم مولوی تاج محمد خان تھا جو ہومیوپیتھک کے معالج تھے۔ وہ چار بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، مرحوم پی ایف یو جے کے سابق صدر اور صحافیوں کے رہنما منہاج برنا اور معروف شاعر دکھی پریم نگری (وہاج محمد خان) کے چھوٹے بھائی تھے۔ 1957ء میں کراچی یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ 1962ء میں فلسفے میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ 4 جولائی 1963ء سے نومبر 1967ء تک وہ نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر رہے۔ معراج محمد خان 30 کے بعد ڈاکٹر رشید حسن خان جن کا 30 اپریل 2016ء کو کراچی میں انتقال ہوا ہے نے یہ عہدہ سنبھالا۔ افسوس تین ماہ کے مختصر وقت میں یہ دوسری موت ہے جو ایک سچے انقلابی اور نظریاتی ساتھی کی ہوئی ہے۔

معراج محمد خان پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی ارکان میں سے ایک تھے۔ پیپلز پارٹی میں آنے سے پہلے وہ پاکستان کمیونسٹ پارٹی سے متعلق رہے۔ انہیں اپنی انقلابی جدوجہد پر حبیب جالب ایوارڈ بھی دیا گیا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اور غریب اور مزدور تحریک کے حق میں انہوں نے عمر بھر کام کیا۔ بائیں بازو کے حلقوں میں انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ معراج محمد خان نے پاکستان پیپلز پارٹی کو تشکیل دینے میں سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کام کیا۔ 1969 میں معراج محمد خان ، ذوالفقار علی بھٹو کو لیکر نیو کراچی کی غریب آبادی آئے ، جس کار سے بھٹو صاحب آئے تھے اس میں بھٹو صاحب کے ساتھ انکے ڈرائیور کے علاوہ صرف معراج محمد خان تھے اور اس وقت ملک میں یحیی خان کا مارشلاء لگا ہوا تھا جو بھٹو صاحب اور انکے ساتھیوں پر نظر رکھے ہوئے تھے، اس وقت کوئی سرمایہ دار یا جاگیردار بھٹو کے قریب نہیں آتا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو بہت عظیم سیاستدان تھے لیکن تاریخ میں یہ صاف لکھا ہے کہ بھٹو کو سیاست کی بلندی پر لے جانے والے ان کے معراج محمد خان جیسے ساتھی ہی تھے۔ معراج محمد خان اپنے بائیں بازو کی نظریات کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے قیام کے ساتھ ہی کراچی کے حوالے سے معراج محمد خان کا نام سامنے آیا جو بائیں بازو کے دانشور، مزدور دوست اور غریبوں کے حامی

کے طور پر پہلے ہی شہرت پا چکے تھے۔ سابق وزیراعظم اور پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی چیرمین ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے جو دو جانشین نامزد کیے تھے، مرحوم معراج محمد خان ان میں سے ایک تھے۔ نظریاتی طور معراج محمد خان سوشلسٹ تھے اور سوشلسٹ ایجنڈے سے انتہائی مخلص تھے۔ بھٹو صاحب نے پاکستان پیپلز پارٹی کا منشور بائیں بازو کے پروگرام اور نعروں کے مطابق بنایا تھا جن میں سے ایک نعرہ تھا کہ 'سوشلزم ہماری معیشت ہے'۔ وہ بائیں بازو اور ترقی پسند قوتوں کے کندھوں پر بیٹھ کر اقتدار کے ایوانوں میں داخل ہوئے۔ اقتدار حاصل ہونے کے صرف چھ ماہ بعد کے مختصر عرصہ میں بھٹو صاحب نے وڈیروں اور جاگیرداروں کی نمائندگی شروع کر دی۔ پیپلز پارٹی جیسے جیسے اپنے ایجنڈے سے ہٹتی گئی معراج محمد خان سے بھٹو حکومت کے اختلافات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بالآخر 1973ء ہی میں معراج محمد خان نے پیپلز پارٹی چھوڑ دی اور اپنی سیاسی جماعت بنانے پر غور شروع کیا۔ اسی سال انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو ایک عظیم سیاسی رہنما ہیں لیکن افسوس کہ سرمایہ داروں کے گھیرے میں آ گئے ہیں اور مزدور تحریک کو وہ کچلنا چاہتے ہیں۔

معراج محمد خان غضب کے مقرر تھے، میں نے معراج محمد خان کی نے بے شمار تقریریں سنیں ہیں ان کے الفاظ میں جادو تھا۔ تقریر کے دوران ان کا پورا جسم

ان کی زبان سے ادا ہونے والے ہر لفظ کا ساتھ دے رہا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ لاہور میں مزنگ روڈ پر مزدور کسان ہال میں خطاب کر رہے تھے تو انہوں نے بھٹو صاحب کے لیے غریبوں کی والہانہ محبت اور مزدوروں کی بے انتہا عقیدت کے بعد کراچی میں ان کے جلوس پر بھٹو صاحب کے نادر شاہی حکم پر فائرنگ کا تذکرہ کیا تو شدت جذبات سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور جو سن رہے تھے وہ بھی رو رہے تھے۔ کراچی میں خواتین کا ایک جلوس نکل رہا تھا کہ معراج محمد خان راستے میں آ گئے۔ عورتوں نے انہیں مجبور کیا کہ ہمارے ساتھ چلو اور بھٹو شاہی کے ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرو۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد پولیس نے لاٹھی چارج کیا جو اتنا وحشیانہ تھا کہ بے اندازہ خواتین زخمی ہوئیں۔ ایک لاٹھی معراج کے سر پر بھی لگی جس کی وجہ سے ان کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہے۔ معراج محمد خان نے اس واقعہ کے بعد بھی بیسیوں بار میں نے جلوسوں کی قیادت کی۔ صوبائی حکومت نے ان پر بے شمار مقدمات قائم کئے اور ایسے ہی ایک جھوٹے مقدمے میں انہیں ساڑھے چار سال قید بامشقت جیل میں رہنا پڑا۔ جنرل ضیاء کی حکومت نے انہیں رہا کیا اور چاہا کہ وہ بھٹو صاحب کے خلاف کچھ بولیں، بھٹو صاحب اس وقت جیل میں تھے، معراج محمد خان کا تاریخی جواب تھا کہ 'میں اس شخص کے خلاف کیسے بولوں جو اس وقت خود جیل میں ہے اور میری بات کا جواب نہیں دے سکتا'، معراج محمد خان کا یہ جواب انکے کردار کا مظہر تھا۔

بعدازاں معراج محمد خان نے اپنی تنظیم قومی محاذآزادی بنائی۔ قومی محاذآزادی کو انہوں نے پاکستان تحریک انصاف میں ضم کردیا اور وہ پاکستان تحریک انصاف کے جنرل سیکرٹری بنے، لیکن عمران خان سے اختلافات کے بعد انہوں نے نہ صرف تحریک انصاف بلکہ عملی سیاست سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ معراج محمد خان نے اپنی زندگی کے 13 سال جیلوں میں گزارے۔ بھٹو صاحب سے بھی پہلے انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دیا اور ایوبی آمریت کی مخالفت کی۔ انہوں نے ایم کیو ایم کے پلیٹ فارم سے بھی تقریریں کیں اور حکومتی ظلم و ستم کی مذمت بھی کی لیکن کبھی بھی ایم کیو ایم میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ ان کا کہنا تھا کہ کاش ہم مذہب کے اجارہ داروں کو خود پر اتنا سوار نہ کرتے تو آج اتنی بڑی تعداد میں دہشت گرد سامنے نہ آتے۔ معراج محمد خان نے ساری زندگی اس بات پر یقین رکھا کہ پیپلز پارٹی کا منشور، 1۔ اسلام ہمارا دین ہے، 2۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے، 3۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے، اور 4۔ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ یہ منشور ایک متوازن معاشرہ قائم کر سکتا ہے جو عوام کے مسائل کو حل کرنے کی ضمانت فراہم کرے گا۔ یہ نعرے کل بھی سچے تھے اور آج بھی سچے ہیں۔

معراج محمد خان تو چلے گئے یقیناً کوئی دوسرا آئے گا اور اس منشور پر عمل کرئے گا، افسوس آج ہم پاکستانی ایک ایسے شخص سے محروم ہوگئے جو غریبوں کا سچا ہمدرد تھا۔ مرحوم نے ہمیشہ غریب اور کچلے ہوئے

انسانوں کے حقوق کے لئے جدوجہد کی۔

کشمیر کمیٹی اور مولانا فضل الرحمان کا کردار

.برہان وانی کو اب سے کچھ عرصہ پہلے تک بہت کم لوگ جانتے تھے، لیکن آج بلاشبہ تحریک آزادی کشمیر کا یہ شہید مجاہد پوری دنیا میں مقبوضہ کشمیر کی آزادی کی ایک پہچان بن گیا ہے۔ ہندوستان ٹائمز کی ایک رپورٹ کے مطابق اسکول پرنسپل کے بیٹے اور اسکول میں نمایاں نمبرز حاصل کرنے والا کشمیری طالب علم برہان وانی صرف 15 سال کی عمر میں اپنے سارے سکھ چین چھوڑ کر تحریک آزادی کشمیر کا سپاہی بن گیا۔ اسے یقین تھا کہ یہی وہ راستہ ہے جو بالآخر ایک دن کشمیریوں کو صبح آزادی کی طرف لے جائے گا۔ برہان ایک ذہین نوجوان تھا، اس نے جدید ٹیکنالوجی کو کشمیر کی آزادی کی تحریک کے لیے استعمال کیا۔ وہ فیس بک پر ایسی وڈیوز اپ لوڈ کرتا جن سے بھارتی فورسز کے مظالم بے نقاب ہوتے تھے۔ وہ کشمیری نوجوانوں کو تحریک آزادی کا حصہ بننے کے لیے پیغام دیتا کہ وہ بھارتی ظلم و ستم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اس ذہین مجاہد نے سوشل میڈیا کو استعمال کرکے دنیا بھر کو بھارتی مظالم سے آگاہ کیا۔ مقبوضہ کشمیر میں بین الاقوامی میڈیا پر پابندی ہے، اس لیے غیر جانبدار میڈیا مقبوضہ وادی کے لوگوں پر ہونے والے جبر کی صحیح اور سچی عکاسی کرنے سے قاصر ہے، لیکن برہان وانی نے پوری دنیا کو بھارتی جبر اور ستم کی اصل حقیقت سے روشناس کیا۔

ہندوستانی میڈیا کے مطابق.برہان وانی نے اپنے بڑے بھائی خالد وانی پر ہندوستانی فوجیوں کے تشدد کے بعد ہتھیار اٹھائے۔خالد وانی کو سال 2010 میں مبینہ طور پر آزادی پسندوں کی بھرتیاں کرنے کے الزام میں ہندوستانی فورسز نے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ خالد وانی کو گزشتہ سال 14 اپریل 2015 کو ہندوستانی فوج نے ترال کے علاقے میں ایک 'جعلی مقابلے' میں شہید کر دیا تھا۔آٹھ جولائی 2016ء کو ایک جھڑپ میں بھارتی فورسز نے.بڑی بے دردی سے.برہان وانی کو بھی شہید کردیا،.برہان وانی کی شہادت کے وقت تک شاید پاکستانی میڈیا بھی اس کو نہیں جانتا تھا۔نوجوان.برہان وانی کی شہادت پر پوری دنیا کا میڈیا اس پر تبصرے کر رہا ہے اور حیران ہے کہ کیسے یہ سب اچانک ہوگیا، خود بھارتی میڈیا اس پر حیران کن تبصرے کر رہا ہے، انڈین ایکسپریس نے لکھا ہے کہ '' وانی اپنی موت کے ساتھ ہی ایک نیا علیحدگی پسند کشمیریوں کا عسکری چہرہ بن گیا ہے''، جبکہ درحقیقت.برہان وانی اپنی شہادت کے ساتھ ہی تحریک آزادی کشمیر کا ایک نیا چہرہ ہے۔ ایک اور انڈین اخبار نے لکھا ہے کہ ".برہان وانی آج اپنی قبر سے جس طرح کشمیریوں کو تحریک دے رہا ہے، شاید وہ زندہ رہ کر ایسا نہ کر سکتا''۔برہان وانی کو پاکستان کے سبز ہلالی پرچم میں لپیٹ کر دفنایا گیا۔ مقبوضہ کشمیر کے عوام کی ہمیشہ کی طرح آج بھی پاکستان کے ساتھ الحاق کی خواہش اور پاکستان سے والہانہ محبت عروج پر ہے اور وہ

مسلسل اپنی جانوں کا نذرانہ دے رہے ہیں۔

اب تک مظاہرین پر فورسز کی بے تحاشا فائرنگ سے 50 سے زائد افراد ہلاک اور سے زائد زخمی ہو چکے ہیں۔ کرفیو اور ناکہ بندی کے باعث پوری وادی کے 2000 مکین آٹھ جولائی سے محصور ہیں اور مواصلات کے تمام ذرائع پر پابندی کی وجہ سے مکین دُنیا سے ہی نہیں ایک دوسرے بھی کٹ کر رہ گئے ہیں۔ مواصلاتی رابطوں پر لگی پابندی کے خلاف عالمی سطح پر رد عمل ظاہر کیا گیا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی بھارتی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ انٹرنیٹ اور فون رابطوں کو بحال کیا جائے۔ آج سری نگر کا سب سے بڑا ہسپتال بھارتی بربریت کا شکار ہونے والے نوجوان کشمیریوں سے بھرا پڑا ہے۔ پاکستان کا نام لینے پر ان کی آنکھوں میں فائر کرکے بھارتی درندوں نے انہیں نابینا کردیا، دوسری جانب پاکستان میں کشمیر کاز کو جس غیر سنجیدگی سے لیا گیا یہ مجاہدین کے جذبہ آزادی کی توھین ہے۔ کشمیر کمیٹی سوئی ہوئی ہے اور کمیٹی کے موجودہ چیئرمین مولانا فضل الرحمٰن جو پاکستان میں سب سے بڑے مفاد پرست سیاستدان ہیں ان کے پاس اپنے دوسرے سارے سی مفادات کی وجہ سے کشمیری عوام پر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا وقت نہیں ہے۔ آجکل وزیر اعظم کو پاناما لیکس سے بچانے میں لگے ہوئے ہیں۔

قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی برائے کشمیر کا قیام 1993 میں عمل میں آیا، جس کا مقصد مسئلہ کشمیر کو دنیا کے سامنے اجاگر کرنا اور حل کیلئے اپنی شفارشات پیش کرنا تھا اس کمیٹی کے پہلے چیئرمین نوابزادہ نصراللہ خان مقرر کئے گئے، پھر مختلف ادوار میں مختلف اشخاص کشمیر کمیٹی کے چیرمین رہے۔ 2008 کے انتخابات میں کامیابی کے بعد پیپلز پارٹی نے مخلوط حکومت بنائی اور مولانا فضل الرحمان کو 36 ممبران پر مشتمل کمیٹی کا چیئرمین بنایا گیا جس کے چالیس بے مقصد اجلاس بلائے گئے، کمیٹی صرف سفارشات پیش کرنے کے علاوہ کوئی خاطر خواہ کام نہ کر سکی جبکہ پانچ سال میں کروڑوں روپے دوروں اور اجلاس کی مد میں ہضم کرلیے گئے۔ 2013 کے انتخابات اور نئی حکومت کے قیام کے سات ماہ کے طویل انتظار کے بعد وزیراعظم نواز شریف نے مولانا فضل الرحمان کو کشمیر کمیٹی کا چیرمین بنایا اوراس عہدے کو وفاقی وزیر کے برابر درجہ دیا گیا۔ کشمیر کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت میں مولانا ایک وزیر کے برابر مراعات لیتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمان کی جانب سے کشمیر کے معاملے میں ہمیشہ عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا گیا اور اب تک صرف تین اجلاس بلائے گئے۔ 2013 سے آج 2016 تک کشمیر کمیٹی سب سے مہنگی کمیٹی ثابت ہوئی ہے جس کے صرف تین اجلاس پر 18 کروڑ روپے کی لاگت آئی ہے۔ کشمیر کمیٹی جو نیشنل اسمبلی کی 32 قائمہ کمیٹیوں میں سب سے زیادہ بجٹ لینے

والی کمیٹی ہے' زیادہ تر اپنا کام مذمتی بیانات سے چلاتی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن اس کمیٹی کے چیئرمین بن کر وفاقی وزیر کی تنخواہ اور مراعات حاصل کر رہے ہیں۔ انہیں اسلام آباد میں سرکاری گھر بھی اسی کھاتے میں ملا ہوا ہے۔ چھ کروڑ کا بجٹ اور لاکھوں کی تنخواہیں لینے والی کشمیر کمیٹی کو جو کام بین الاقوامی سطح پر کشمیر کاز کے لیے کرنا چاہیے تھا وہ اس میں بری طرح ناکام ہے۔ اسلام آباد میں بیٹھ کر محض مذمتی بیانات جاری کرنا کشمیر کی تحریک آزادی کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ اور پھر اس سے بڑا مذاق اور کیا ہوگا کہ سرکاری طور پر 19 جولائی کو یوم سیاہ منانے کا فیصلہ کیا گیا جو کشمیری عوام یوم الحاق پاکستان کے طور پر مناتے ہیں۔ فیصلہ اگرچہ بعد میں واپس لے لیا گیا مگر چھ کروڑ کا بجٹ ہضم کرنے والی کشمیر کمیٹی کی قابلیت ضرور عیاں ہو گئی ہے جو کشمیر کی تاریخ سے ہی نابلد ہے۔

کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ میں موجود ہے، مسئلہ کشمیر عالمی توجہ چاہتا ہے اسے عالمی سطح پر پیش کرنے والے کو کم از کم انگریزی زبان پر تو عبور ہونا چاہیئے۔ مولانا فضل الرحمٰن انگریزی زبان نہیں جانتے جبکہ انٹرنیشنل فورم پر بات کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو انگریزی بول چال میں مہارت رکھتا ہو اور دنیا کے سامنے کشمیر کے موقف کو سلیقے اور متاثر کن انداز میں پیش کرنے کا ہنر جانتا ہو۔ وزیر اعظم نواز شریف اگر کشمیریوں کے ساتھ مخلص

ہیں تو فوراً کشمیر کمیٹی کے چیئرمین مولانا فضل الرحمٰن کو تبدیل کریں اور کسی قابل شخص کو اس کا سربراہ مقرر کریں کیونکہ یہ معاملہ انٹرنیشنل فورم پر اُٹھانے اور لابنگ کرنے کا متقاضی ہے۔ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ کشمیر کمیٹی کو اس کی اصل روح کے مطابق فعال کرے تاکہ کمیٹی کا مقصد پورا ہو اور عالمی برادری کو باور کروایا جاسکے کہ خطے میں مسئلہ کشمیر کے حل کے بغیر دیرپا امن ممکن نہیں۔ مولانا فضل الرحمان اس سے پہلے بھی کشمیر کمیٹی کے چیرمین رہے ہیں لیکن صرف اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کے انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ کشمیر کے مسئلے پر نہ پہلے کچھ ہوا ہے اور نہ اب ہوگا، لہٰذا جتنا جلد ہوسکے مولانا کی جگہ کسی ایسے شخص کو کشمیر کمیٹی کا چیرمین بنایا جائے جو اپنے ذاتی مفادات کے بجائے کشمیر کے مسئلے کو دنیا کے سامنے اجاگر کرے۔

سو لفظوں کی کہانیاں ۔۔۔ چھیاسٹھ سے ستر

سو لفظوں کی کہانی نمبر 66۔۔۔۔ خود کشی ۔۔۔۔۔۔

سکندر کے وڈیرے نے وعدہ کیا تھا کہ

وہ عید سے قبل اس کی کھیت مزدوری ادا کردیگا

کل اسے پتہ چلا کہ وڈیرہ عید منانے بڑے شہر چلا گیا

رات بھر وہ لوگوں سے مانگتا پھرا کچھ نہ ملا

گھر واپس آیا تو عید کی صبح تھی ، بچوں نے اس سے کہا کہ

ابا! ہمیں بھوک لگی ہے

بچوں کی بھوک کی حالت برداشت نہ کرسکا

کمرے میں جاکر چھت کے پنکھے میں رسہ باندھا

گلے میں پھندا لگا کر خود کشی کرلی

بچے اپنے باپ کی لاش سے لپٹ لپٹ کر

روررہے تھے کہ ابا اٹھو!

ہم روٹی نہیں مانگیں گے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 67۔۔۔ ایدھی مر گئے۔۔۔۔۔۔

دونوں بیمار ہوگئے

وزیراعظم کا دل اور ایدھی کے گردے خراب ہوگئے

وزیراعظم علاج کے لیے لندن چلے گئے

ان کا کامیاب آپریشن ہوگیا

ایدھی مفت کا علاج کرانے سرکاری ہسپتال ایس آئی یو ٹی چلے گئے

آٹھ جولائی کو ایدھی مرگئے اور

وزیراعظم کو ڈاکٹروں نے سفر کی اجازت دے دی

اگلے دن ایدھی کو جب دفنایا جارہا تھا

وزیراعظم کا چارٹر طیارہ لاہور میں اتر رہا تھا

ایدھی ان ہی کپڑوں میں دفن ہوئے جو پہنے ہوئے تھے

ایدھی غریبوں کے لیے اربوں روپے چھوڑ گئے

وزیراعظم کی آمد پر غریب عوام کے 30 کروڑ روپے خرچ ہوگئے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 68۔۔۔۔ 'ڈومور'۔۔۔۔۔۔

فاطمہ بھٹو نے ایک کانفرس میں

دہشت گرد نامی سانپ ہم پر چھوڑنے والوں کو کہا

دنیا میں اکھٹے ابھریں گے یا اکھٹے ڈوبیں گے''

یہ نہیں ہوسکتا کہ دمشق میں دھماکہ ہو اور پیرس بچا رہے

کابل میں سکون نہ ہو اور لندن میں سکون ہو
امریکہ کے اسکولوں کے بچے محفوظ ہوں
''اور بغداد میں بچے محفوظ نہ ہوں
آگے میرے دوست بے باک کہتے ہیں
اے امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے حکمرانوں
'آپ ہمیشہ ہمیں کہتے تھے 'ڈو مور' 'ڈو مور
لیکن آج ہم آپ کی ہمدردی میں آپ سے کہہ رہے ہیں
'ڈو مور' 'ڈو مور'

سو لفظوں کی کہانی نمبر 69۔۔۔۔ فوجی بغاوت ۔۔۔۔۔۔۔
نواز شریف نوے کی دھائی میں دو مرتبہ وزیر اعظم بنے
اپنے دوسرے دور میں غیر جمہوری فیصلوں کی وجہ سے غیر مقبول ہو گئے
بارہ اکتوبر 1999 کو فوج نے بغاوت کرکے اقتدار پر قبضہ کرلیا
پندرہ جولائی کی رات ترکی میں فوجی بغاوت ہوئی
ترک وزیر اعظم اردوان نے عوام سے جمہوری حکومت بچانے کی اپیل کی
لاکھوں افراد باہر نکل آئے جنہوں نے جمہوریت کا ساتھ دیا
نواز شریف کہہ رہے تھے
ترکی کے بہادر عوام کا عزم قابل تعریف ہے

اپنے پاکستانی عوام کے لیے ایسا کیوں نہ کہہ سکے
فرق واضح ہے مقبول اور غیر مقبول حکمراں میں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 70----- کشمیر کمیٹی -------
رانا تبسم کا کہنا تھا کہ مولانا فضل الرحمان کا خاندانی شجرہ
دادا تاج برطانیہ کا وفادار اور تنخواہ دار تھا
باپ پاکستان بنانے کے "گناہ" میں شریک نہیں تھا
نواز شریف کی وزارت عظمی میں
کشمیر کمیٹی کی چیرمین شپ سونے کی کان
، کروڑ روپے سالانہ کا بجٹ 6
گذشتہ تین سال میں تین اجلاس ، لاگت 18 کروڑ روپے
رہا کشمیر کمیٹی کا کردار تو کشمیر کے نام پر 6 کروڑ روپے کی سالانہ عیاشی
میں نے پوچھا تو پھر
کشمیریوں کے دکھ درد پر کون آواز اٹھائے گا؟
کم از کم کشمیر کمیٹی کے موجودہ چیرمین مولانا فضل الرحمان تو نہیں

مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی

کہنے کو تو بھارت دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت اور سیکولر ریاست ہے، لیکن یہ ہی جمہوری اور سیکولر ریاست انسانی حقوق کی پامالی میں سب سے آگے ہے۔ بھارت انسانی حقوق کی پامالی صرف مقبوضہ کشمیر میں ہی نہیں کر رہا بلکہ پورا بھارت مذہبی، لسانی اور معاشرتی تعصبات اور ریاستی دہشت گردی کا شکار ہے۔ مسئلہ کشمیر کو بھارتی عوام اپنے لئے ایک عذاب سے کم نہیں سمجھتے، جبکہ بھارتی سرکار کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ'' کہتے ہوئے نہیں تھکتی۔ بھارتی عوام کھلے بندوں مسئلہ کشمیر کو بھارتی'' عوام کے مسائل کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ عام طور سے یہی خیال کیا جاتا ہے کہ بھارت سے آزادی کی تحریک صرف کشمیر میں چل رہی ہے لیکن یہ خیال درست نہیں، کشمیر کے علاوہ تامل ناڈو، آسام، ناگالینڈ، تری پورہ، منی پور، مشرقی پنجاب (خالصتان) شمالی مشرقی بھارت سمیت کئی ریاستوں میں بھی علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں، ، لیکن بھارت عالمی طاقتوں کی پشت پناہی، کالے قوانین اور قوت کے بے جا استعمال کی وجہ سے علیحدگی کی ان تحریکوں کو دبائے رکھنے میں اب تک کامیاب رہا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کب تک کر سکے گا؟ آزادی کی تحریکوں میں وقت لگتا ہے لیکن ایک دن آزادی کی تحریک کامیاب ہوتی ہے، انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے میں نوے سال لگے تھے، لیکن شاید بھارتی رہنماوں کو یہ

بات یاد نہیں رہی ہے، دوسرے بھارتی قیادت یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ کشمیر کی آزادی کے بعد بھارت کا متحد رہنا مشکل ہوگا اور بھارت کی کم از کم دس سے بارہ ریاستیں بھارت سے فوراً علیحدہ ہوجائینگیں۔

پندرہ اگست 1942 کو برطانوی حکمرانوں نے آرمڈ فورسز (اسپیشل پاورس) ایکٹ کے نام سے ایک قانون متعارف کرایا گیا جس کا مقصد فوج کو خصوصی (AFSPA) اختیارات دے کر بھارت کی آزادی کو دبانا تھا۔آزادی کے بعد 11 ستمبر 1958 کو بھارت میں اسی کالے قانون کو دوبارہ متعارف کرایا گیا جس کا مقصد فوج کو خصوصی اختیارات دے کر ملک بھر میں جاری علیحدگی پسند تحریکوں کو کچلنا تھا۔ اس قانون کے تحت ایک عام سپاہی کو بھی یہ اختیار حاصل ہوگیا کہ وہ کسی بھی شخص کو غداری کے زمرے میں لاکر جیل بھجواسکتا تھا اور سر عام قتل بھی کرسکتا تھا۔ اس اختیار کا استعمال کرتے ہوئے بھارتی فوج نے علیحدگی پسندوں کے خون سے خوب ہولی کھیلی، اس قانون کا اطلاق سب سے پہلے منی پورہ میں کیا گیا جو بھارتی نقطہ نظر سے بہت کامیاب رہا۔ 5 جولائی 1990 کو اس کالے قانون آرمڈ فورسز (اسپیشل پاورس) ایکٹ کو کشمیر میں نافذ کیا گیا، بعد ازاں اسے پورے بھارت میں نافذ کردیا گیا، چنانچہ بھارت سے علیحدگی یا آزادی کی کوئی بھی تحریک سر اٹھاتی ہے تو بھارتی فوج تمام جائز و ناجائز ذرائع اور ظلم و جبر کے تمام حربے استعمال کرتے ہوئے اسے کچل دیتی ہے۔ بے گناہ لوگوں کو قتل کیا

جاتا ہے، ان کی جائیداد و املاک نذر آتش کر دی جاتی ہے، نوجوانوں کو گرفتار کرکے بغیر مقدمہ چلائے جیلوں اور عقوبت خانوں میں ڈال دیا جاتا ہے جہاں سے اکثر کبھی واپس نہیں آتے۔ اس قسم کے واقعات سب سے زیادہ مقبوضہ کشمیر میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

حالیہ سارک ممالک کے وزرائے داخلہ کی کانفرنس (3 اور 4 اگست) کے ایجنڈے میں دہشت گردی، سمندری جرائم، منشیات، سائبر کرائمز، کرپشن اور عورتوں و بچوں کی اسمگلنگ جیسے مسائل شامل تھے اور کانفرنس سے یہ امید کی جارہی تھی کہ کانفرنس ان نہایت اہم موضوعات پر سنجیدگی سے غور و فکر کرے گی، لیکن بھارتی ایجنڈا اس کے بلکل برخلاف تھا۔ مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کی نئی لہر سے پوری بھارتی قیادت پریشان ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ بھارتی وزیر داخلہ خود آئے اور پاک بھارت کشیدگی کم کرنے کی بجائے اس میں مزید اضافہ کرکے چلے گئے۔ بھارتی وزیر داخلہ نے پاکستان پر بہتان تراشی کی اور کابل اور ڈھاکہ کے بم دھماکوں کو بھی پاکستان کے کھاتے میں ڈال دیا، پاکستانی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے جو کانفرنس کی صدارت کر رہے تھے کچھ دیر کیلئے ڈائس سے نیچے اتر کر اپنی نشست پر آگئے اور جواب کا حق استعمال کرتے ہوئے بھارتی وزیر داخلہ کو یاد دلایا کہ آزادی کی جدوجہد اور دہشت گردی میں واضح فرق ہوتا ہے۔ بھارتی وزیر داخلہ کے ایما پر افغانستان اور بنگلہ دیش کے

نمائندوں نے بھی پاکستان کے خلاف الزام تراشی کی، لیکن پاکستانی وزیر داخلہ کا کرارا جواب سن کر راج ناتھ سنگھ کانفرنس ادھوری چھوڑ کر واپس نئی دہلی چلے گئے۔

بھارت جو اپنے آپ کو جمہوریت کا چیمپیئن کہتا ہے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کی نہتے کشمیریوں کے خلاف ظلم وستم کی کارروائیاں جاری ہیں، بھارت مخالف مظاہرے روکنے کیلئے وادی میں آج بھی کرفیو نافذ ہے۔ 8 جولائی سے 6 اگست تک 65 سے زائد کشمیری شہید کر دیئے گئے ہیں۔ گزشتہ روز مظاہروں میں شریک 500 افراد کو گرفتار کرلیا جبکہ بھارتی فوج کی فائرنگ سے 100 سے زائد کشمیری زخمی ہوگئے۔ کاروبار اور تعلیمی ادارے بند، سڑکیں سنسان ہیں۔ موبائل انٹرنیٹ سروس بھی معطل کر دی گئی ہے۔

سارک کانفرنس میں بھارتی وزیر داخلہ کا غیر سنجیدہ رویہ اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ بھارت خطے میں امن قائم کرنے اور پاک بھارت کشیدگی کم کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہماری سفارتی کوششیں اس مسئلے پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتیں۔ کشمیر کے سلسلے میں سابق بھارتی وزیراعظم جواہر لعل نہرو یا موجودہ وزیراعظم نریندر مودی کی سوچ ایک ہی ہے، اس میں کبھی بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

مسئلہ کشمیر کا حل کب اور کیسے ہوگا یہ واضح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا جواب دیا جا سکتا ہے کشمیری عوام رائے شماری چاہتے ہیں لیکن بھارت اس کیلئے تیار نہیں ہے۔ مقبوضہ کشمیر، میں 90 فیصد سے زیادہ لوگ بھارت سے آزادی چاہتے ہیں۔ مسئلہ کشمیر پہلے سے زیادہ پیچیدہ ہو چکا ہے، عالمی برادری کا ہمارا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے بھارت بھی شیر ہو چکا ہے۔ ہمارا موقف بالکل ٹھیک ہے لیکن بھارت کو ماضی کے مقابلے میں زیادہ حمایت ملی ہوئی ہے اور وہ کھلم کھلا ہمارے موقف کو چیلنج بھی کرنے لگا ہے، اب وہ مقبوضہ کشمیر کے بجائے آزاد کشمیر کی بات کرنے لگا ہے۔ کشمیر کا حل اقوام متحدہ کی قراردادوں کے ذریعے ہی ممکن ہے اور اس سلسلہ میں پاکستان کو اپنے موقف پر قائم رہنا ہوگا۔

پاکستان کو ہم خیال ممالک کو ساتھ ملا کر اور اقوام متحدہ کے ذریعے بھارت پر دباؤ ڈالنا ہوگا، تاکہ بھارت اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجائے اور مسئلہ کشمیر کے حل پر آمادہ ہو جائے۔ اس سلسلے میں پاکستان کو اپنی سفارتکاری کو تیز کرنا ہوگا اور دنیا کو بتانا ہوگا کہ مقبوضہ کشمیر میں بھارت کس طرح سے انسانی حقوق کی پامالی کر رہا ہے۔

کوئٹہ میں دہشت گردی کا ذمہ دار کون ہے؟

افغان جہاد نے جہاں پاکستان سے ایک آزاد انداز فکر کو چھین لیا، وہیں داخلی اور خارجی رویوں میں بھی نمایاں تبدیلی آ گئی۔ جن کی بات پسند نہیں آئی ان کو مار دیا اور جن کی سوچ مختلف لگی ان کو غائب کروا دیا۔ عرصہ ہوا ضیاالحق کی لگایا ہوا جہاد کا پودا تناور درخت بن چکا ہے۔ صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ شہر میں پہلا حملہ سردار نثار کی گاڑی پہ ہوا جس کے نتیجے میں ان کا گارڈ اور ڈرائیور ختم ہوئے۔ یہ پہلا قتل تھا مگر اب یہ تعداد ہزاروں میں ہے۔ مارنے والے اتنے اطمینان سے مارنے آتے ہیں گویا انہیں مکمل یقین ہے کہ ان کے اس فعل کے پیچھے مذہب سے لے کر ریاست تک تمام سرکردہ لوگ موجود ہیں۔پاکستان کیلئے ایسا سانحہ کوئی نئی بات نہیں رہی اور سانحے کا معمول بن جانا ہی دراصل سب سے بڑا المیہ ہے، تھوڑے دن بعد کوئٹہ میں کیا ہوا کسی کو یاد نہیں ہوگا سوائے انکے جن کے گھروں سے جنازے اٹھے ہیں۔

آپریشن ضرب عضب اور قومی ایکشن پلان سے بچ نکلنے والے عناصر بدستور قومی سلامتی کے درپے ہیں اور موقع ملتے ہی کونے کھدروں سے نکل کر آتش و آہن کا کھیل شروع کر دیتے ہیں۔ آپریشن ضرب عضب کی وجہ سے بم دھماکوں، خودکش حملوں

اور ٹارگٹ کلنگ کے سنگین واقعات میں مسلسل کمی سے بلوچستان میں معمول کی سماجی تجارتی اور معاشرتی سرگرمیاں بحال ہونے کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ رقبہ کے لحاظ سے ملک کا یہ سب سے بڑا صوبہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی سازشوں اور تخریب کاری کی مجنونانہ کارروائیوں سے بچتے بچاتے اب رفتہ رفتہ امن سکون کے راستے پر چل نکلا تھا، لیکن آٹھ اگست اور گیارہ اگست کو ہونے والی دہشت گردی کے نتیجے میں جو دل دہلا دینے والے سانحے ہوئے انہوں نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ کوئٹہ میں گذشتہ چار روز میں دہشت گردی کے دو واقعات ہو چکے ہیں، کوئٹہ جو کبھی پھلوں کا شہر کہلاتا تھا اب موت کا شہر بن چکا ہے۔

کوئٹہ میں 15 سال میں دہشت گردی کے چھ بڑے واقعات میں ایک جیسی ہی منصوبہ بندی کی گئی۔ 8 اگست 2016 کوئٹہ سول ہسپتال میں ہونے والا دھماکا 8 اگست 2013 کو پولیس لائن کوئٹہ میں ہونے والے خودکش دھماکے کے ساتھ اس لیے مماثلت رکھتا ہے کہ اس دھماکے میں پہلے ایئرپورٹ روڈ پر ایس ایچ او کو ٹارگیٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ سہ پہر کو جب ایس ایچ کی پولیس لائن میں نماز جنازہ ادا کی جارہی تھی تو خودکش حملہ آور نے اپنے آپ کو اڑا دیا۔ اس واقعے میں ڈی آئی جی، سنیئر پولیس افسران سمیت 44 پولیس اہل کار جاں بحق ہو گئے تھے اور 60 پولیس اہل کار زخمی ہوئے تھے۔آٹھ اگست 2016 کی صبح کوئٹہ میں ایک

بڑی دہشت گردی اسی منصوبہ کے تحت ہوئی کہ پہلے چھوٹا واقعہ اور پھر اس واقعے کی وجہ سے جمع ہونے والے زیادہ افراد کو نشانہ بنایا جائے۔ کوئٹہ کے علاقے منوجان روڈ پر بلوچستان بار ایسوسی ایشن کے صدر بلاول انور کاسی نامعلوم افراد کی فائرنگ سے جاں بحق ہوگئے تھے، ان کی لاش سول اسپتال لائی گئی تھی، لاش ہسپتال پہنچی تو اس وقت وکلا بھی جمع ہونا شروع ہو گئے۔ وکلا کی بڑی تعداد اسپتال میں موجود تھی اور جب بلال انور کاسی کے درجنوں ساتھی وکلا لاش کی طرف بڑھے تو دھماکہ ہوگیا اور ہر طرف لاشیں ہی لاشیں نظر آئیں، دھماکے کے بعد فائرنگ کی آوازیں بھی سنی گئیں۔ کوئٹہ کے سول ہسپتال پر ہوئے خونریز خودکش بم حملے میں جاں بحق ہونے والوں میں نجی ٹی وی آج نیوز اور ڈان نیوز کے کیمرہ مین بھی شامل ہیں۔ جاں بحق ہونے والوں میں ہسپتال میں زیر علاج مریضوں کے باہر بیٹھے رشتہ دار بھی شامل ہیں۔ خودکش بم حملے میں 74 افراد جاں بحق اور 120 سے زائد زخمی ہوگئے۔ جاں بحق ہونے والوں میں زیادہ تعداد وکلا برادری کی ہے جس میں بلوچستان بار کے سابق صدر باز محمد کاکڑ بھی شامل ہیں۔ اس حوالے سے ماہرین کا کہنا ہے کہ ان دونوں دھماکوں کے لیے باقاعدہ پلاننگ کی گئی اور 8 اگست کی تاریخ بھی اسی پلاننگ کے تحت رکھی گئی۔ دو دن بعد 11 اگست 2016 کو فیڈرل شریعت کورٹ کے جج ظہور شاہ وانی کے قافلے کو ریموٹ کنٹرول بم دھماکے سے نشانہ بنایا گیا جس

میں 14 افراد زخمی ہو گئے، جس میں چار پولیس اہلکار بھی شامل ہیں۔ اس واقعہ سے ایک رات پہلے ہی فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کی ہدایت پر کوئٹہ شہر کے مختلف علاقوں میں شدت پسندوں کے خلاف کومبنگ آپریشن بھی شروع کیا گیا تھا۔

حکمرانوں کو عام لوگوں کی نہ تو پرواہ ہے اور نہ ہی انہیں یہ فکر ہے ملک کے اسپتالوں میں عام لوگوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ ہمارے ارباب اختیار یعنی وزیر اعظم، وزرا، افسر شاہی اور ملک کے دولت مند ملک میں موجود ہسپتالوں سے اپنی چھوٹی سے چھوٹی بیماری کا علاج کروانا پسند نہیں کرتے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کے ہسپتالوں میں سہولت اور بہتر علاج ناپید ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے علاج یورپ اور امریکہ سے کرواتے ہیں۔ دہشت گرد اب اسکولوں، عدالتوں اور ہسپتالوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ بلوچستان میں کالعدم دہشت گرد تنظیموں کے کئی گروہ سرگرم عمل ہیں جنہیں بعض غیر ملکی خفیہ ایجنسیوں کی عملی مدد حاصل ہے، افغان سرحد سے جہاں بھارتی قونصل خانوں کی صورت میں دہشت گردوں کے تربیتی مراکز موجود ہیں چور دروازوں سے تخریب کار آتے رہتے ہیں خود صوبے کے اندر موجود تخریبی عناصر بھی موقع کی تلاش میں رہتے ہیں ایسی صورت حال میں حکومت کو سکیورٹی انتظامات پر زیادہ توجہ دینی چاہئے، دہشت گرد خواہ

کوئی بھی ہوں، داعش، طالبان، کالعدم تنظیمیں یا 'را'، اب بہت ہوگیا، حکمران جواب دیں کہ وکلاء کی ایک نسل مٹانے والے کون ہیں؟ اور سول اسپتال تک دہشت گرد کیسے پہنچ گیا؟ بعض وقت متعلقہ ادارے بروقت فیصلے نہیں کر پاتے حالیہ سول ہسپتال کا واقعہ بھی ایسی ہی غفلت کا نتیجہ ہو سکتا ہے حکام نے واقعے کے بعد ہسپتال کے احاطے میں جیمرز لگا دیئے یہ پہلے لگا دیئے جاتے تو زیادہ موثر ہوتے۔

وزیر اعلیٰ بلوچستان نواب ثناء اللہ زہری نے کہا ہے کہ یہ واقعہ بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کی کارستانی ہے۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان کے 'را' پر الزام لگانے کی تصدیق بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کی بھارت کی یوم آزادی کے موقعہ پر کی گئی تقریر سے ہوگیا۔ بھارت وہی مکروہ کھیل بلوچستان میں کھیل رہا ہے جو مشرقی پاکستان میں 1971 میں کھیلا گیا تھا۔ نریندر مودی کو گلگت، بلوچستان یاد آیا پر مقبوضہ کشمیر یاد نہ آیا جہاں بھارتی فوج نہتے کشمیریوں پر مظالم کی نئی داستان رقم کر رہی ہے۔ 10 اگست کو قومی اسمبلی میں وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار کا کہنا تھا کہ سانحہ کوئٹہ کی ابتدائی تفتیش میں چند شواہد ملے ہیں، کوئٹہ سانحہ ایک روٹین کا دہشت گرد حملہ نہیں تھا۔ اگلے دن وفاقی وزیر داخلہ یہ بھول گئے کہ کوئٹہ میں کیا ہوا تھا بلکہ انہوں نے وہی گندی سیاست شروع کر دی، پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف پر انہوں نے

ذاتی الزامات کی بارش کردی، جس کے جواب میں پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف دونوں نے ان پر جوابی حملہ کیا جو وہ چاہتے تھے یعنی کوئی حکومت سے یہ نہ پوچھے کہ کوئٹہ میں دہشت گردی کا ذمہ دار کون ہے؟

مودی کا بلوچستان کے لیے رونا

پیر 15 اگست کو بھارتی یوم آزادی کے موقع پر نئی دہلی کے لال قلعے میں اپنے خطاب میں بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے بھارت کے زیرانتظام کشمیر میں جاری پرتشدد واقعات کا براہ راست تذکرہ کرتے ہوئے بہت ہی بے شرمی کے ساتھ کہا کہ 'دہشت گردی کے مددگاروں' کو کڑے ہاتھوں لیا جائے گا، یعنی مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی جنگ کو مودی نے دہشت گردی قرار دے دیا۔ مودی کی اس طویل 94 منٹ کی تقریر میں میں مرکزی نکتہ پاکستان اور دہشت گردی تھا۔ مودی کا بلوچستان کے حوالے سے کہنا تھا، ''میں اب کچھ بات بلوچستان، گلگت بلتستان اور پاکستان کے زیرقبضہ کشمیر پر کرنا چاہتا ہوں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان بلوچستان اور اپنے زیرقبضہ کشمیر کے لوگوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا جواب دے۔'' مودی کو گلگت، بلوچستان اور آزاد کشمیر سب یاد آیا، نہیں یاد آیا تو بس مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کے ہاتھوں نہتے کشمیریوں پر مظالم۔ مقبوضہ کشمیر میں 95 فیصد سے زیادہ لوگ بھارت سے آزادی چاہتے ہیں جبکہ بلوچستان میں مشکل سے 5 فیصد ایسے لوگ ملینگے جنکو یا تو بھارت کے ایجنٹوں نے بہکایا ہوا ہے یا خریدا ہوا ہے۔

بھارت کے 70 ویں یوم آزادی کو پوری وادی کشمیر اور تمام دنیا میں کشمیری باشندوں نے یوم سیاہ کے طور پر منایا، مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی ریاستی دہشت گردی کے خلاف جلسے، جلوس، مظاہرے اور ریلیاں منعقد ہوئیں ، پوری وادی میں مکمل ہڑتال کے سبب کاروبار زندگی معطل رہا، ، گھروں اور دکانوں پر سیاہ پرچم لہرائے گئے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فورسز کے تشدد سے آٹھ جولائی سے اب تک 80 سے زائد کشمیری شہید کر دیئے گئے ۔ بھارت مخالف مظاہرے روکنے کیلئے وادی میں آج بھی کرفیو نافذ ہے۔ اس درمیان میں آٹھ اگست کو کوئٹہ کے سول ہسپتال کے سامنے ایک خود کش بم حملے میں افراد شہید جبکہ 150 کے قریب زخمی ہوئے۔ اس بم دھماکے کی ذمہ داری 74 پاکستانی طالبان کے ساتھ ساتھ دہشت گرد تنظیم داعش نے بھی قبول کر لی تھی، لیکن پاکستان کے سینئر اور ملٹری حکام اسے بھارتی خفیہ ایجنسی ’’را‘‘ کی پاک چین اقتصادی راہداری کو نشانہ بنانے کی کارروائی قرار دے رہی ہے۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان نے کارروائی کا ذمہ دار ’’را‘‘ کو قرار دیا ہے جبکہ آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی رائے ہے کہ یہ بزدلانہ کارروائی پاک چین اقتصادی راہداری (سی پیک) اور بلوچستان کی بہتر ہوتی امن عامہ کی صورتحال کو نشانہ بنانے کی کوشش ہے۔

بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی مقبوضہ کشمیر کی صورتحال سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لیے بلوچستان میں فرضی زیادتیوں کی دہائی دے رہے ہیں جبکہ یہ

پاکستان کا باقاعدہ حصہ ہے، اس کھلی حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجائے وہ ہیر پھیر کے راستے اختیار کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے بھارتی قومی سلامتی کے مشیر اَجیت ڈووَل نے اپنی ایک تقریر میں پاکستان کیخلاف ''دفاعی حملہ'' شروع کرنے کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ اس حکمت عملی کے تحت ڈوول کے مطابق بھارت کو انتہا پسندوں کی خدمات کرائے پر حاصل کرنا چاہئیں اور انہیں پاکستان میں کارروائی کیلئے استعمال کرنا چاہیے۔ اسی خطاب میں ڈوول نے یہ دھمکی تک دیدی تھی کہ اگر پاکستان نے بھارت میں ممبئی حملوں جیسی ایک اور کارروائی کی تو اسے بلوچستان سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا۔ مودی کے پاکستان دشمن بیانات پر خود بھارت میں ملک کے چیف جسٹس ٹی ایس ٹھاکر، سابق کانگریسی وزیر داخلہ پی چدم برم اور سابق وزیر خارجہ سلمان خورشید سمیت کئی اہم شخصیات نے نریندر مودی کی اس ہرزہ سرائی پر کڑی گرفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بھارت کو ایک ایسے علاقے پر بات کرنے کا کوئی حق نہیں جس پر اس کا کوئی دعویٰ ہی نہیں البتہ کشمیر کے حوالے سے اسے خود اپنی خبر لینی چاہیے۔ کانگریسی رہنماوں نے کشمیر میں شورش کا ذمہ دار بی جے پی کو قرار دیتے ہوئے کہا کہ مقبوضہ کشمیر میں مکمل افراتفری کی صورت حال ہے، اس بحران کو وزیراعظم مودی، وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ اور وزیر دفاع منوہر پاریکر کے بیانات نے سنگین بنا دیا ہے۔

شہید برھان وانی جس کو بھارتی فوج نے 8 جولائی کو شہید کر دیا تھا، بدھ 17

اگست کو اس کے چہلم کے موقع پر ہزاروں افراد باندی پورہ میں جمع ہوگئے، اس موقع پر شہید برھان وانی کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ مقبوضہ کشمیر کی کٹھ پتلی انتظامیہ نے لوگوں کو سرینگر میں اقوام متحدہ کے دفتر کی طرف مارچ کرنے سے روکنے کیلئے بدھ 17 اگست کو مسلسل 40 ویں روز بھی پوری وادی میں سخت کرفیو اور دیگر پابندیاں جاری رکھیں، مارچ کو ناکام بنانے کیلئے اقوام متحدہ کے دفتر کی طرف جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ تاہم متعدد مقامات پر لوگ کرفیو اور دیگر پابندیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے اور اقوام متحدہ کے دفتر کی طرف مارچ کی کوشش کی۔ جبکہ بدھ 17 اگست کو ہی پورے بلوچستان میں بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کے بلوچستان سے متعلق بیان کے خلاف عوام سراپا احتجاج تھے۔ صوبے کے مختلف شہروں میں ریلیاں نکالی گئیں اور مودی کے بیان کے خلاف مظاہرے کیے گئے۔ بھارت سے آزادی کی تحریک کشمیر کے علاوہ تامل ناڈو، آسام، ناگالینڈ، تری پورہ، منی پور، مشرقی پنجاب (خالصتان)، شمالی مشرقی بھارت سمیت کئی ریاستوں میں بھی علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں، لہٰذا پاکستان کو چاہیے کہ وہ پوری دنیا کو ان علیحدگی کی تحریکوں کے بارے بتائے، تاکہ بھارت کا سیاہ چہرہ دنیا کے سامنے آئے۔ بھارت کے یوم آزادی کے موقع پر کئی مقامات پر مظاہرین اور بھارتی فوج کے درمیان تصادم ہوا جس کے نتیجے میں آٹھ کشمیری نوجوان

شہید اور دو بھارتی سپاہی ہلاک ہوئے جبکہ اس سے ایک دن پہلے پاکستان کے یوم آزادی پر پورے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھی پاکستانی پرچم لہرائے گئے ، قومی ترانے گونجتے رہے اور پاکستان کے ساتھ یکجہتی کا بھرپور اظہار کیا گیا۔ کشمیری عوام کا یہ رویہ اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اپنی سرزمین پر انہیں بھارت کا غاصبانہ تسلط ہرگز قبول نہیں اور اپنے مستقبل کا فیصلہ وہ اپنی آزاد مرضی سے کرنا چاہتے ہیں جس کی ضمانت پوری عالمی برادری نے اقوام متحدہ کی منظور کردہ قراردادوں کی شکل میں انہیں دے رکھی ہے۔

ان حالات میں بھارتی قیادت کیلئے ہوشمندی کا راستہ صرف یہ ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق تنازع کشمیر کے پرامن تصفیے کیلئے پاکستان سے بامقصد بات چیت شروع کرے جس کی دعوت اُسے ایک بار پھر حکومت پاکستان کی جانب سے دی گئی ہے۔ بھارتی قیادت یہ بات نہ بھولے کہ جوہری صلاحیت کے حامل دونوں ممالک کے درمیان لڑی جانے والی تین میں سے دو جنگوں کی وجہ کشمیر کا متنازعہ علاقہ رہا ہے، بلوچستان، گلگت بلتستان نہیں۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی بلوچستان کا رونا بند کریں اور مقبوضہ کشمیر میں ڈھائے جانے والے مظالم بند کریں۔

الطاف حسین کی تقریر کا رد عمل

پیر 22 اگست 2016 کو متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کے سربراہ الطاف حسین کی تقریر اور اس کے بعد ہونے والی ہنگامہ آرائی کے بعد میں نے فیس بک پر ایک پوسٹ جاری کی تھی جس میں نے اپنے پڑھنے والوں سے یہ سوال پوچھا تھا کہ "کیا قائد اعظم غلط تھے؟"۔ آگے میں نے لکھا "کیا اردو بولنے والے (مہاجر) اب بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین ان کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں، میرے نزدیک تو 26 سال قبل جب وہ کراچی چھوڑ کر چلے گئے تھے اس دن کے بعد نہ تو ان کو ایم کیو ایم کی قیادت کرنی چاہیے تھی اور نہ ہی مہاجروں کی۔ لیکن آج انہوں نے پاکستان کو گالیاں دیکر اور پاکستان مخالف نعرے لگا کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ اب پاکستانی نہیں رہے۔ ان کی آج کی گئی تقریر شاید ہی کوئی مہاجر قبول کرے، اس لیے اب نہ وہ ایم کیو ایم کے رہنما رہے ہیں اور نہ ہی مہاجر عوام کے، جسکا ثبوت یہ ہے کہ ایم کیو ایم کے کافی رہنماوں نے الطاف حسین کی اس تقریر کا رد عمل دیتے ہوئے ایم کیو ایم سے علیدہ ہونے کا اعلان کیا ہے، کچھ رہنماوں نے سوشل میڈیا پر "پاکستان زندہ باد" کا پیغام دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا قائد اعظم غلط تھے یا وہ سارے مہاجر جنھوں نے پاکستان کے لیے اپنا آبائی وطن چھوڑا؟

میرے سوال کے جواب میں جنھوں نے جواب دیا انہوں نے الطاف حسین کی تقریر کی مذمت کی۔ الطاف حسین کی پیر 22 اگست 2016 کی تقریر سے ایم کیو ایم کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ یہاں تک کہ ایم کیو ایم کے رہنما بھی اس خطاب کی حمایت نہیں کر سکتے۔ ایم کیو ایم کے کارکنوں کے خلاف کریک ڈاؤن کے باعث بہت سے افراد کی ہمدریاں الطاف حسین کے ساتھ تھیں مگر ان کی 22 اگست کی تقریر نے سب کچھ بدل دیا ہے۔ الطاف حسین کی پاکستان مخالف تقریراورکارکنوں کو پر تشدد واقعات پر اکسانےکے بعد رینجرز ایم کیو ایم کے مرکزی دفتر نائن زیرو میں داخل ہوئی۔ نائن زیرو کے علاوہ خورشید بیگم سیکریٹریٹ ،ایم پی اے ہوسٹل کی تلاشی لی گئی اور پانچ افراد کو گرفتار کیا گیا۔ نائن زیرو کے علاوہ خورشید بیگم سیکریٹریٹ ،ایم پی اے ہوسٹل کو سیل کردیا گیا، ساتھ ہی گلشن معمار، گلشن اقبال ، گلستان جوہر ، جمشید کوارٹر سمیت پورے کراچی میں متحدہ کے دفاتر میں رینجرز اور پولیس نے تلاشی لینے کے بعد تمام دفاتر سیل کردیے۔ کراچی کے علاوہ پورے سندھ میں موجود ایم کیو ایم کے دفاتر سیل کردیے گئے۔ اس موقع پر ایم کیوایم کی ویب سائٹ بھی بند کردی گئی۔ رات گئے ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کے ڈپٹی کنوینر ڈاکٹر فاروق ستار، سندھ اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خواجہ اظہار الحسن کو رینجرز حکام کراچی پریس کلب کے باہر سے پوچھ گچھ کے لیے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ اس کے بعد رینجرز نے ایم کیو ایم کے رہنما ڈاکٹر

عامر لیاقت کو پوچھ گچھ کے لیے ان کے دفتر سے تحویل میں لے لیا ہے۔ ان تینوں کے علاوہ ایم کیو ایم کے متعدد رہنما اور 50 سے زیادہ کارکنوں کو رینجرز نے گرفتار کرلیا ہے۔

منگل 23 اگست کی دوپہر ڈاکٹر فاروق ستار، خواجہ اظہار الحسن اور ڈاکٹر عامر لیاقت کو رینجرز نے رہا کردیا۔ ڈاکٹر فاروق ستار نے اپنی رہائی کے بعد کراچی پریس کلب میں سینٹر نسرین جلیل، ڈاکٹر خالد مقبول، خواجہ اظہار الحسن، ڈاکٹر عامر لیاقت حسین، آصف حسنین، اقبال محمد علی خان، خواجہ سہیل منصور، ڈاکٹر ارشد وہرا سمیت پارلیمنٹیرین کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے پیر کو کراچی پریس کلب کے باہر ایم کیو ایم کے بھوک ہڑتالی کیمپ میں پاکستان مخالف نعروں اور میڈیا ہاؤسز پر کئے جانے والے حملوں پر معذرت کرتے ہوئے واقعے سے لاتعلقی کا اظہار کردیا ہے اور کہا کہ ہم ہی ایم کیو ایم ہیں، متحدہ قومی موومنٹ اب پاکستان سے چلائیں گے، کارکن یا قائد کو پاکستان مخالف نعرہ نہیں لگانے دیں گے۔ ایسے عمل کو نہ دہرانے کی ذمہ داری ایم کیو ایم لیتی ہے۔ ڈاکٹر فاروق ستار نے کہا کہ ایم کیو ایم کو بار بار اس قسم کی صورتحال سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے جس کی وجہ خراب صحت ذہنی تناؤ کو قرار دیا گیا لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے ذہنی تناؤ، خرابی صحت کا مسئلہ حل کیا جائے، جبکہ قائد ایم کیو ایم نے اپنے بیان پر

ندامت کا اظہار کیا ہے۔

ڈاکٹر فاروق ستار کا کہنا تھا کہ ہمارے اس بیان کو ڈکٹیشن یا ڈر و خوف نہ سمجھا جائے جو پیر کو کہنا چاہتے تھے وہی کہا ہے، ہماری کوشش تھی کہ یہ پریس کانفرنس کل ہی کرتے، گذشتہ رات بھی آئے تھے مگر ہمیں ہمارا مؤقف پیش نہیں کرنے دیا گیا اور ہمیں یہاں سے لے جایا گیا، کل کی تمام صورتحال پر ہمارے موقف کو لوگوں کے سامنے آنا چاہئے تھا مگر پریس کانفرنس نہ ہونے کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ انہوں نے کہا کہ اب ہماری پریس کانفرنس کو کسی اور کا ڈکٹیشن سمجھا جائے گا۔ پریس کانفرنس کے دوران ایم کیو ایم کے رہنماؤں اور کارکنوں نے ''پاکستان زندہ باد'' کے فلک شگاف نعرے لگائے، یہ نعرے واضح طور پر الطاف حسین کی تقریر کی نفی کر رہے تھے۔ اس سے پہلے ایم کیو ایم کے رکن قومی اسمبلی رشید گوڈیل نے اپنے ٹوئٹ میں کہا کہ ''سب سے پہلے پاکستان تھا اور رہے گا''۔ جبکہ بابر غوری نے اپنے ٹویٹر پیغام میں ''پاکستان زندہ باد'' تحریر کیا۔ ایم کیو ایم کے رکن سندھ اسمبلی فیصل سبزواری نے اپنے ٹوئٹ میں کہا ہے کہ '' مادر وطن کا مطلب یکساں پاکستان ہے، امید ہے ایسا ہی دیکھیں گے''۔ سنیٹر طاہر مشہدی نے اپنے ٹوئٹ میں کہا کہ ''مجھے پاکستان کی خدمت پر فخر ہے،خدمت کرتا رہوں گا، کسی کو اپنی قوم کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دوں گا''۔ بعد میں ایم کیو ایم کے رہنما ڈاکٹر عامر لیاقت حسین

نے ایم کیو ایم اور سیاست چھوڑنے کا اعلان کیا جو لازمی کسی دباو کا نتیجہ ہے۔
الطاف حسین کی تقریر کا ردعمل ایم کیو ایم کے لیے ایک زلزلہ سے کم نہیں کیونکہ بات تقریر تک رہتی تو صرف الطاف حسین پر فرد جرم عائد کیا جاتا لیکن الطاف حسین نے تین نیوز چینلز کے لیے اپنے کارکنوں کو واضع طور پر بھڑکایا تو عقل سے کوری کسی عورت نے نیوز چینلز کو سبق سکھانے کے لیے بھائی سے اجازت طلب کی تو جواب میں بھائی نے تین مرتبہ بسم اللہ کہا جسکے بعد ایم کیو ایم کے کارکنوں نے نیوز چینل اے آر وائی کے دفتر پر حملہ کر دیا۔ اے آر وائی نیوز نے اپنی ٹرانسمیشن کے دوران اپنے دفتر پر ہونے والے حملے کی فوٹیج میں دکھایا کہ کیسے حملہ آور دفتر میں توڑ پھوڑ کر رہے ہیں۔ کراچی میں اس حملے کا نوٹس لیتے ہوئے ڈی جی رینجرز میجر جنرل بلال نے اپنے ایک بیان میں کہا، ''لاقانونیت کے ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ رینجرز کی نفری کو تینوں نیوز چینلز کے دفتر کے باہر تعینات کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر فاروق ستار کو ابھی دو کام کرنے ہیں، پہلے حکومتی اداروں کو اس بات کا یقین دلانا ہوگا کہ ایم کیو ایم اب لندن سے نہیں پاکستان سے چلائی جا رہی ہے، دوسرے ان کو اپنے ان کارکنوں کو فارغ کرنا ہوگا جو مختلف جرائم میں ملوث ہیں یا تھے۔ اس کے باوجود الطاف حسین کی تقریر کے آفٹر شاک ایم کیو ایم کو

کافی عرصے تک بھگتنے ہونگے جیسے ابھی رینجرز نے متحدہ قومی موومنٹ کے اراکین اسمبلی کو طلب کرکے تحقیقات کرنا شروع کردی ہیں۔

الطاف حسین کی معافیاں

متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کے سربراہ الطاف حسین نے اپنی پیر 22 اگست 2016 کو ''پاکستان مخالف'' کی گئی تقریر کے بعد رات گئے پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کے ساتھ ساتھ ڈی جی رینجرز میجر جنرل بلال سے بھی اپنی 'پاکستان مخالف' اور ان دونوں کے خلاف تقریر کرنے پر معافی مانگ لی۔ سوشل میڈیا پر الطاف حسین کی اس تقریر کے وہ حصے شیئر کیے جا رہے ہیں، جن میں وہ پاکستان کے خلاف نعرے لگا اور لگوا رہے ہیں اور جس میں انہوں نے پاکستان کو 'دنیا کے لیے ایک ناسور' کہا تھا۔ ایم کیو ایم کے ترجمان واسع جلیل نے ٹوئٹر پر الطاف حسین کا معافی نامہ شائع کیا، جس میں الطاف حسین کی جانب سے لکھا گیا ہے، ''میں پاکستان، جنرل راحیل شریف اور ڈی جی رینجرز کے خلاف ادا کیے گئے اپنے الفاظ پر دل کی گہرائیوں سے معافی مانگتا ہوں۔'' الطاف حسین اس بیان میں کہتے ہیں، ''اپنے ساتھیوں کے ماورائے عدالت قتل، ان کی مسلسل گرفتاریوں اور ان کی مشکلات کو دیکھ کر میں شدید ذہنی تناؤ کا شکار ہوا، بھوک ہڑتال پر بیٹھے ساتھیوں کی بگڑتی صورتحال کو دیکھ کر میں نے ان ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف الفاظ استعمال کیے، جو انتہائی شدید ذہنی دباؤ کا نتیجہ تھے۔'' الطاف حسین نے اپنے معافی نامے میں یہ بھی کہا کہ گذشتہ روز جو کچھ میڈیا کے ساتھ ہوا، اس

کے لیے وہ میڈیا سے بھی معافی کے طلب گار ہیں۔

الطاف حسین نے پیر 22 اگست 2016 کو اپنی تقریر میں پہلے تو پاکستان اور پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کے ساتھ ساتھ ڈی جی رینجرز میجر جنرل بلال کے خلاف انتہائی نازیبا زبان استعمال کی اور اس کے بعد پاکستان مخالف نعرے نہ صرف خود لگائے بلکہ پنڈال سے بھی پاکستان مخالف نعرے لگوائے۔ الطاف حسین کے ساتھ نعرے لگانے والوں مرد ہی نہیں ہر عمر کی خواتین بھی شامل تھیں۔ میں نے سوشل میڈیا پر موجود ایک ویڈیو فلم میں دیکھا کہ الطاف حسین نے جیسے ہی پاکستان کے خلاف بات کرنی شروع کی کچھ خواتین چلی گیں۔ جب الطاف حسین نے پاکستان مخالف نعرے لگائے تو نعروں کا ساتھ دینے والی کچھ خواتین دادی کی عمروں کی تھیں۔ پاکستانی میڈیا اداروں پر حملے کے وقت ان خواتین کو دیکھ کر افسوس ہوا جو خود کئی بچوں کی مائیں تھیں، ان کے چہرے پوری طرح عیاں تھے، وہ ڈنڈے لیکر ٹی وی چینل کے دفتر پہنچیں اور انوئس نے قانون کو ہاتھ میں لیا۔آئندہ کسی بھی وقت پولیس اور رینجرز ان کو گرفتار کرسکتی ہے، وہ خواتین جنھوں نے کبھی جیل تو کیا کوئی تھانہ بھی اندر سے نہیں دیکھا ہوگا وہ کس طرح کئی کئی دن جیلوں میں بسر کریں گیں۔ ابھی تک کسی خاتون کی گرفتاری تو عمل میں نہیں آئی ہے لیکن اگر ایسا ہوا تو پھر ایم کیو ایم کے مخالف یہ ہی کہہ رہے ہونگے دیکھو مہاجروں الطاف حسین نے

تمہاری ماؤں اور بہنوں کو جیل پہنچادیا، افسوس صد افسوس۔
الطاف حسین کو سیاست میں آئے ہوئے 35 سال سے زیادہ ہو چکے ہیں لیکن اب تک ان کو سیاسی زبان نہیں آئی ہے۔ ایک اچھا سیاست دان وہ ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے مخالفوں کو مخاطب کرتا ہے تو انکی تمام برائیوں کا ذکر کرتا ہے لیکن اپنی زبان سے ناشاستہ بات نہیں کرتا۔ بد قسمتی سے الطاف حسین کو اپنی زبان پر بلکل قابو نہیں ہے۔
چند سال قبل دہلی میں الطاف حسین نے کھلے عام لفظوں میں ہندوستان کی بیوروکریسی سے التجا کی تھی کہ کراچی میں ''مہاجروں'' کیلئے بارڈر کھول دیا جائے تاکہ وہ سب اپنے گھروں میں واپس لوٹ آئیں۔ مئی 2013 کے انتخابات کے بعد نواز شریف کو سب سے پہلے الطاف حسین نے ہی مبارک باد دی لیکن اسکے ساتھ ساتھ حسب دستور اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکے اور ان پر پنجابی مینڈیٹ کی پھبتی کسی اور اسے جاگ پنجابی جاگ کے نعرے کا نتیجہ قرار دئے ڈالا، ان کے اس بیان کو عام طور پر ناپسند کیا گیا۔
دوسرے روز انہوں نے پاکستان کے حکمرانوں اور ارباب اختیار کو مخاطب کرتے ہوئے کہاکہ " اگر آپ کو کراچی اور کراچی کے عوام کا مینڈیٹ پسند نہیں ہے تو صبح شام کراچی والوں کو مغلظات بکنے کی بجائے کراچی کو پاکستان سے علیحدہ کیوں نہیں کر دیتے"، اس بیان پر پورے پاکستان میں احتجاج کیا گیا۔ اگلا بیان پی ٹی آئی کی حمایت میں دھرنا دینے والوں کو دھمکی تھا۔ پھر پاکستانی میڈیا کے

لیے فرمادیا کہ "کارواں چلتے ہیں، کتے بھونکتے ہیں"۔ اسکے علاوہ وہ مسلسل اپنی تقریروں میں گندی زبان استمال کرتے رہے ہیں۔

الطاف حسین کا یہ پہلا معافی نامہ نہیں ہے، مئی 2013 کے انتخابات کے بعد سے اب تک الطاف حسین تین یا چار بار پاکستان اور پاکستانی اداروں کے خلاف بول چکے ہیں اور اس کے بعد معافی بھی مانگ چکے ہیں۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے جمرات 30 اپریل 2015 کی شب ایم کیو ایم کے مرکز ناین زیرو پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں روزانہ 'را' کا ایجنٹ بنا دیا جاتا ہے، 'را' والوں سے کہتا ہوں کہ ایک دفعہ ہمارا" ساتھ تو دے دو، حقوق نہ ملے تو نہ ملک رہے گا اور نہ تمہاری چھڑیاں اور نہ تمہارے بلے۔ انہوں نے کہا کہ جو ہتھیار ڈالتے ہیں وہ محب وطن کہلاتے ہیں اور پاکستان کے بانیوں کو غدار کہا جاتا ہے۔ یکم مئی کو الطاف حسین نے یو ٹرن لیتے ہوئے کہا کہ میری گذشتہ رات کی تقریر کو سیاق وسباق سے ہٹ کر پڑھا گیا ہے، میں نے 'را' سے مدد کی بات صرف اور صرف طنزیہ طور پر کہی تھی تاہم اگر میرے ان جملوں سے قومی سلامتی کے اداروں اور محب وطن افراد کی دل آزاری ہوئی ہے تو میں ان سب سے خلوص دل کے ساتھ معافی کا طلبگار ہوں۔

بارہ جولائی 2015 کو نائین زیرو پر تقریر کرتے ہوئے الطاف حسین نے کارکنان

کے ہنگامی اجلاس سے ٹیلی فون پر خطاب کرتے ہوئے دوسری باتوں کے علاوہ کہا کہ اس وقت ڈی جی رینجرز وائسرائے کا کردار ادا کر رہے ہیں اور وزیراعظم نواز شریف" کے ذاتی ملازم بن کر اپنے بنیادی فرائض کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یکم اگست 2015 کو امریکا کے شہر ڈیلاس میں ایم کیوایم امریکا کے سالانہ کنونشن کے موقع پر ٹیلی فونک خطاب میں الطاف حسین یا تو ہوش میں نہیں تھے یا پھر وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے. لہٰذا ڈیلاس میں انہوں نے نہ صرف پاک فوج کے خلاف بلکہ تمام مسلم فوج کے خلاف بھی زہر اگلا۔ الطاف حسین نے کہا کہ دوسری جنگ عظیم میں سکھوں، ہندوؤں اور عیسائیوں نے کعبۃ اللہ پر گولیاں چلانے سے انکار کردیا تھا لیکن ان مسلمان فوجیوں نے انگریزوں کے حکم پر خانہ کعبہ پر گولیاں چلائیں۔ میں ایسی فوج کو مقدس نہیں سمجھتا جو خانہ کعبہ پر گولیاں چلاتی ہے، جو اپنے ہم مذہب اور کلمہ گو بنگالی مسلمانوں کا قتل عام کرتی ہے، ایک لاکھ مسلم بنگالی خواتین کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنا کر حاملہ کردیتی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو سلو پوائزن دیکر مار دیتی ہے، محترمہ فاطمہ جناح کو قتل کردیتی ہے۔ الطاف حسین نے اپنی تقریر میں ایک بار پھر براہ راست قانون نافذ کرنے والے اداروں کو تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا مسلح افواج کو سلام اور سیلوٹ پیش کرکے بڑی غلطی کی۔

الطاف حسین ایک بیمار انسان ہیں اور یہ بات انہوں نے خود جیو نیوز کے اینکر شاہ زیب خانزادہ کے ایک پروگرام میں کہی کہ میں اپنے اوپر کنٹرول نہیں کرپاتا اور الٹا سیدھا بول دیتا ہوں مگر میں بعد میں معافی مانگ لیتا ہوں۔ الطاف حسین کے متنازعہ بیانات سے نہ صرف ایک محبِ وطن پاکستانی کو دکھ ہوتا ہے بلکہ انکی اپنی سیاسی جماعت کو بھی نقصان ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر ان لوگوں کو دکھ ہوتا ہے جن کے بزرگوں نے قائد اعظم کی آواز پر لبیک کہا اور پاکستان ہجرت کی۔ جیسا کہ ڈاکٹر فاروق ستار نے اپنی منگل 23 اگست 2016 کی پریس کانفرس میں کہا ہے کہ ہم ہی ایم کیو ایم ہیں، ایم کیو ایم کو اب پاکستان سے چلائیں گے، کارکن یا قائد کو پاکستان مخالف نعرہ نہیں لگانے دیں گے۔ ایسے عمل کو نہ دہرانے کی ذمہ داری ایم کیو ایم لیتی ہے۔ ڈاکٹر فاروق ستار کو چاہیے کہ اپنی جماعت کے بانی الطاف حسین کو اگلے دو سال تک سیاست سے دور رکھیں اور عوام سے براہِ راست ہر گز مخاطب نہ ہونے دیں ورنہ ایم کیو ایم کی مشکلات میں ایسا اضافہ ہوگا جس کو ڈاکٹر فاروق ستار کو قابو کرنا بہت مشکل ہوگا کیونکہ یہ بار بار ثابت ہوچکا ہے کہ الطاف حسین کو اپنی زبان پر قابو نہیں۔

پیر الطاف حسین مردہ باد

پہلے میں نے اس مضمون کا عنوان ''مہاجروں کی شناخت '' منتخب کیا تھا لیکن سندھ اسمبلی میں بدھ 21 ستمبر 2016 کو ملک کے خلاف الطاف حسین کی پیر 22 اگست 2016 کی اشتعال انگیز تقریر، نعرے بازی اور میڈیا ہاؤسز پر حملے پر الطاف حسین کے خلاف مختلف جماعتوں بشمول ایم کیو ایم پاکستان کی جانب سے پیش کی جانے والی قرارداد یں متفقہ طور پر منظور کر لی گئیں۔ اس سبب میں نے اس مضمون کا عنوان موجودہ عنوان پیر الطاف حسین مردہ باد'' سے بدل دیا۔ وہ لوگ جو اس ملک میں ہی پروان چڑھے'' اور اس ملک نے ہی انکو نام اور شہرت دی ، وہی اگر پاکستان کے خلاف کے خلاف نعرہ لگاییں گے تو پھر وہ ہی مردہ باد ہونگے۔ پاکستانی عوام پاکستان کے لیے صرف ایک ہی نعرہ لگاتے ہیں، ''پاکستان زندہ باد''۔ آیئے اصل مضمون کی طرف چلتے ہیں۔

متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کے لیے 12 مئی اور 22 اگست وہ بھیانک تاریخیں ہیں جس سے اگلے دس بیس سال تو ایم کیو ایم کی جان چھوٹتی نظر نہیں آتی۔ بارہ مئی 2007 کراچی میں ہنگامے، 50 افراد ہلاک ۔ سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اور سابق صدر جنرل پرویز مشرف کی حمایت میں عوامی طاقت کے مظاہرے کے دوران ہنگامہ آرائی ہوئی، جس میں جماعت اسلامی، پیپلز پارٹی

اور عوامی نیشنل پارٹی نے ایم کیو ایم پر فسادات میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا لیکن ایم کیو ایم نے الزامات کو مسترد کیا، مگر اس وقت سے 12 مئی ایم کیو ایم کے لیے ایک .برا دن کہا جاتا ہے۔ الطاف حسین نے پیر 22 اگست 2016 کو اپنی تقریر میں پہلے تو پاکستان اور پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کے ساتھ ساتھ ڈی جی رینجرز میجر جنرل بلال کے خلاف انتہائی نازیبا زبان استعمال کی اور اس کے بعد پاکستان مخالف نعرے نہ صرف خود لگائے بلکہ پنڈال سے بھی پاکستان مخالف نعرے لگوائے۔ الطاف حسین کی اس تقریر نے سب کچھ بدل ڈالا۔ ایم کیو ایم کے کافی رہنماوں نے الطاف حسین کی اس پاکستان مخالف تقریر کا رد عمل دیتے ہوئے ایم کیو ایم سے علیدہ ہونے کا اعلان کیا ہے، کچھ رہنماوں نے سوشل میڈیا پر ''پاکستان زندہ باد'' کا پیغام دیا۔

الطاف حسین کی تقریراورکارکنوں کو پر تشدد واقعات پر اکسانےکے بعد رینجرز ایم کیو ایم کے مرکزی دفتر نائن زیرو میں داخل ہوئی اور اسکو سیل کر دیا اوراس کے بعد ایم کیو ایم کے قانونی دفاتر بھی سیل کر دیے گئے ہیں جبکہ غیر قانونی دفاتر توڑے جا رہے ہیں۔ کراچی کے علاوہ پورے سندھ میں بھی موجود ایم کیو ایم کے دفاتر سیل کر دیے گئے۔ منگل 23 اگست کی دوپہر ڈاکٹر فاروق ستار نے خواجہ اظہار الحسن، سینیٹر نسرین جلیل اور ایم کیو ایم کے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ پیر 22 اگست کو کراچی پریس کلب کے باہر ایم کیو ایم کے بھوک

ہڑتالی کیمپ میں پاکستان مخالف نعروں اور میڈیا ہاؤسز پر کیے جانے والے حملوں پر معذرت کرتے ہوئے واقعے سے لاتعلّقی کا اظہار کردیا ہے اور کہا کہ ہم ہی ایم کیو ایم ہیں، متحدہ قومی موومنٹ اب پاکستان سے چلائیں گے، اس کے ساتھ ہی ایم کیو ایم دو حصوں بٹ گئی ایک وہ جو اب بھی لندن میں موجود الطاف حسین کو ایم کیو ایم کا سربراہ مانتے ہیں اور دوسرے وہ جو الطاف حسین سے لاتعلق ہوگئے ہیں اور جن کی قیادت فاروق ستار کررہے ہیں۔

فاروق ستار کی سرپرستی میں ایم کیو ایم نے الطاف حسین سے قطع تعلّق کے بعد پارٹی آئین میں بھی تبدیلی کی ہے اور جو فیصلے کیے ہیں وہ انتہائی اہم نوعیت کے ہیں، ایم کیو ایم اپنے فیصلوں کی توثیق اپنے کارکنوں سے لیتی ہے، لہٰذا پرچم اور آئین سے الطاف حسین کا نام حذف کرنا، بحیثیت قائد الطاف حسین کو سبکدوش کرنا ایسے فیصلے ہیں جن کی توثیق ہونا لازمی ہے۔ بہت سے سوالات ایم کیو ایم کے کارکنان کے ذہنوں میں بھی گردش کر رہے ہونگے۔ فاروق ستار کا کہنا ہے کہ قطع تعلّق کے بعد اُن کا الطاف حسین یا ایم کیو ایم لندن سے کوئی رابطہ نہیں۔ایم کیو ایم پاکستان کے الطاف حسین سے قطع تعلّق کے بعد وسیم اختر کراچی کے میئر منتخب ہوئے۔ اپنے انتخاب کے بعد متحدہ کے دوسرے رہنمائوں کی طرح انہوں نے بھی الطاف حسین اور لندن ایم کیو ایم کی بجائے ایم کیو ایم پاکستان سے اپنے آپ کو جوڑا۔ کراچی کے منتخب میئر وسیم

اختر نے الطاف حسین کے پاکستان مخالف بیان کو غداری قرار دیتے ہوئے فاروق ستار کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔

فاروق ستار اور ایم کیو ایم پاکستان کی قیادت گذشتہ چار ہفتوں سے الطاف حسین کی 22 اگست کی تقریر سے اپنے آپ کو لا تعلق قرار دیے رہے ہیں اور ایم کیو ایم کو سیاسی تباہی سے بچانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ فاروق ستار کی یہ کوششیں کچھ کارآمد ہوتی نظر آئیں تو لندن میں موجود الطاف حسین اور ان کے حواریوں کو یہ بات قطعی پسند نہیں آئی، لہٰذا 20 ستمبر 2016 کی دوپہر ایم کیو ایم لندن کے رہنما ندیم نصرت نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا ہے کہ ''بانی ایم کیو ایم نے ہی مہاجروں کو شناخت دی، ان کے بغیر ایم کیوایم کچھ نہیں ہے، بانی ایم کیوایم اپنی ذات میں ایم کیوایم ہیں''۔ اس کے جواب میں رابطہ کمیٹی ایم کیو ایم پاکستان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ لندن سے جاری کے گئے بیان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ رابطہ کمیٹی ایم کیو ایم پاکستان کا مزید کہنا ہے کہ ندیم نصرت کے بیان کو ایم کیوایم پاکستان کا بیان نہ سمجھا جائے، 22 اگست کے واقعے کے بعد متفقہ طور پر لندن سے اظہار لاتعلقی کر چکے ہیں۔ ایم کیو ایم پاکستان لندن سے چلنے والی ایم کیو ایم کی ویب سائٹ سے پہلے ہی لاتعلقی کا اظہار کر چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی متحدہ قومی موومنٹ پاکستان نے ندیم نصرت، واسع جلیل، مصطفیٰ عزیزآبادی اور قاسم علی

کو رابطہ کمیٹی سے خارج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ 23 اگست کی پالیسی کی خلاف ورزی پر ندیم نصرت، واسع جلیل، مصطفیٰ عزیز آبادی اور قاسم علی کی پارٹی رکنیت منسوخ کی جائے گی۔

ندیم نصرت کے بیان کے جواب میں رابطہ کمیٹی ایم کیو ایم پاکستان نے بلکل صیح فیصلہ کیا ہے، ندیم نصرت کہہ رہے ہیں کہ ''بانی ایم کیو ایم نے ہی مہاجروں کو شناخت دی''، جی ہاں 30 سال میں الطاف حسین نے مہاجروں کو ہزاروں لاشیں، بھتہ خور بدماش، ٹارگیٹ کلر، بوری بند لاشیں اور خوف دیا ہے اور آج پاکستان میں مہاجروں کی یہ ہی شناخت ہے۔ الطاف حسین 24 سال قبل پاکستان چھوڑ کر برطانیہ چلے گئے تھے اور میں جن نوجوانوں نے ایم کیو ایم کو ووٹ دیا تھا انہوں نے الطاف حسین کو 2013 صرف ٹی وی پر ہی دیکھا ہے۔ پاکستان ایک ایسا بدنصیب ملک ہے جہاں عوام شخصیت پرستی کے مرض میں بری طرح ملوث ہیں۔ ایم کیو ایم روز اول سے الطاف حسین کا دوسرا نام اور شخصیت پرستی کے اعتبار سے یہ پاکستان کی سب سے قابل ذکر جماعت ہے۔ ایم کیو ایم کے کارکن الطاف حسین کو پیر صاحب کہتے تھے، پیر صاحب شہرت اور دولت میں مالامال ہوئے تو اپنی حیثیت بھول بیٹھے، پاکستان اور پاکستانی اداروں کے خلاف زہر اگلنا شروع کردیا اور پیر 22 اگست کو انہوں نے ''پاکستان مردہ باد'' کے نعرے لگا دیئے، پاکستان تو مردہ باد نہیں ہوا البتہ مہاجروں کی نظر میں پیر الطاف

حسین ضرور مردہ باد ہوگئے ہیں۔

اس وقت ایم کیو ایم پر پارٹی کی حیثیت سے اس کے سینکڑوں کارکنوں پر ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری اور دوسرے جرائم کے مقدمے چل رہے ہیں۔ مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث افراد چاہے کسی بھی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں انہیں سزا دی جانی چاہئے لیکن ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ سیاسی ماحول کو بہتر کیا جائے۔ سینیئر کالم نگار وسعت اللہ خان کے مطابق ''ایم کیو ایم سے لاکھ اختلاف سہی، کسی کو پسند ہو یا نہ ہو لیکن وہ بہرحال پاکستان کی معاشی شہ رگ کراچی کی نمائندہ جماعت اور حیدرآباد، میرپور خاص اور سکھر کی شہری سیاست کا ناگزیر حصہ ہے اور پاکستان کی چوتھی بڑی سیاسی پارٹی ہے، جس نے گذشتہ عام انتخابات میں 25 لاکھ سے زائد ووٹ حاصل کیے۔ للہذا اس وقت ایم کیو ایم جس دور سے گذر رہی ہے اسے سہولت سے گزرنے دیا جائے۔ اس عمل کو کوئی خاص سمت دینے کی کوئی بھی ماورائے جماعت خارجی مداخلت معاملات کو سنوارنے کے بجائے مزید بگاڑ سکتی ہے''۔ ایم کیو ایم کو اپنے دفاتر کھولنے کی اجازت دی جائے، دفاتر کھلنے سے فاروق ستار اور ایم کیو ایم کو اپنے کارکنان سے رابطہ بحال کرنے میں آسانی ہوگی اور ان کو حال ہی میں کیے گئے فیصلوں سے آگاہ کرنے کے بعد کارکنان کی توثیق کرانے کا موقع ملے گا، جس کے بعد کراچی اور دوسرے شہروں میں امن قائم ہونے میں کافی مدد ملے گی۔ 14 اگست 1947 کو وجود میں آنے

والے پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے بھی بہت زیادہ مخالفت کی گئی تھی، اس وقت بھی سب نے ملکر ایک نعرہ لگایا تھا اور آج بھی سب ملکر وہی نعرہ لگاتے ہیں ''پاکستان زندہ باد''۔

بھارتی وزیراعظم مودی نہیں موزی ہے

اگر کسی بھی بھارتی کو اس بات پر اعتراض ہو کہ ہم نے مودی کو موزی کو کیوں لکھا ہے تو وہ یہ جان لے کہ ایسا ہمیں لکھنے پر مودی ہی نے مجبور کیا ہے۔ گذشتہ سال جب بھارتی وزیراعظم نریندر مودی پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف کو ان کی سالگرہ پر مبارکباد دینے پاکستان آئے تھے تو انہوں نے نواز شریف کی والدہ سے وعدہ کیا تھا کہ خالا اب شرارت نہیں کرونگا، پاکستان کے خلاف بھی کوئی بات نہیں کرونگا۔ لیکن گجرات کے قصائی نے اپنے وعدے پر عمل نہیں کیا، مقبوضہ کشمیر میں پچھلے تقریباً ڈھائی ماہ سے 1989ء سے شروع ہونے والی تحریک کے تسلسل میں آزادی کی جو نئی لہر اٹھی ہے اس دوران 110 سے زائد کشمیری نوجوان شہید، پیلٹ گنوں کے چھرے لگنے سے 700 بینائی سے محروم اور فوج کی فائرنگ سے ہزاروں افراد زخمی ہو چکے ہیں، پوری وادی میں کرفیو نافذ ہے حریت کانفرنس کے تمام رہنما نظر بند یا گرفتار ہیں، مسجدوں میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں حتیٰ کہ عیدالاضحیٰ کے اجتماعات پر بھی پابندی لگا دی گئی تھی۔

پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف نے 22 ستمبر 2016 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 71 ویں اجلاس میں مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے بھارتی مظالم کے

خلاف آواز اٹھائی تو نریندر مودی، پوری بھارتی سرکار اور بھارتی میڈیا بلبلا اٹھے۔
وزیراعظم نواز شریف نے اپنی سترہ منٹ تیس سیکنڈ کی اس تقریر میں پوری دنیا اور خاص کر مقبوضہ کشمیر کے عوام کو یہ یقین دلایا ہے کہ پاکستانی ریاست اور اس کے عوام آزادی کی اس جنگ میں اپنے کشمیری بھائیوں کے ساتھ ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف کی تقریر میں سے اس کا کچھ حصہ جس میں ان کا کہنا تھا کہ ''بھارت اور پاکستان کے درمیان امن اور معمول کے تعلقات تنازعہ کشمیر کو حل کیے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ کشمیریوں کی موجودہ جدوجہد آزادی کو حسب معمول پانچ لاکھ سے زائد قابض بھارتی افواج نے اپنے وحشیانہ مظالم کے ذریعے دبانے کی کوشش کی ہے۔ ایک سو سے زائد کشمیریوں کو شہید جبکہ کمسن بچوں سمیت سیکڑوں افراد کو پیلٹ گنوں کے ذریعے نشانہ بنا کر انہیں بینائی سے محروم کر دیا گیا، گزشتہ دو ماہ کے دوران 6 ہزار سے زائد غیر مسلح شہریوں کو زخمی کیا گیا۔
پاکستان کشمیریوں کے حق خودارادیت کے مطالبے کی مکمل طور پر حمایت کرتا ہے جس کا وعدہ ان سے سلامتی کونسل نے اپنی کئی قراردادوں میں کیا ہے۔ ناجائز بیرونی تسلط کے خلاف ان کی آزادی کی جدوجہد جائز ہے''۔
وزیراعظم نواز شریف کے جنرل اسمبلی میں تقریر کے بعد بھارت کی طرف سے روزانہ جارحانہ عزائم کا اظہار کیا جا رہا ہے، بھارتی وزیراعظم نریندر مودی، بھارتی لیڈر اور میڈیا سب پر جنگی جنون طاری ہے، جبکہ پاکستان کی فوجی

قیادت نے بھارت کو واضح طور پیغام دے دیا ہے کہ پاکستان بھارتی جارحیت کی صورت میں اپنی سرزمین کے ایک ایک انچ کا دفاع کرنے کے لئے تیار ہے لیکن بھارت کی طرح کسی قسم کے جارحانہ عزائم کا اظہار پاکستان میں نہ سیاسی اور نہ ہی عسکری قیادت کی جانب سے کیا جارہا ہے، اسی طرح نہ پاکستانی میڈیا اور نہ ہی عوامی حلقے ایسی کوئی بات کررہے ہیں۔ 26 ستمبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بھارت کی وزیر خارجہ سشما سوراج نے تقریر کرتے ہوئے وہی پرانا راگ الاپا ہے کہ "کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور بھارت سے اسے کوئی علیحدہ نہیں کرسکتا"۔ پاکستانی دفتر خارجہ کے ترجمان نے بھارتی وزیر خارجہ سشما سوراج کے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اجلاس سے تقریر پر ردعمل میں کہا کہ "اگر کشمیر بھارت کا لازمی حصہ ہے تو سلامتی کونسل کے ایجنڈے پر کیوں ہے؟"۔

اوڑی سیکٹر میں بھارت نے کوئی تحقیق کئے بغیر پاکستان پر الزام لگانے میں جو تیزی دکھائی اس سے تجزیہ کاروں کی اس رائے میں بڑا وزن ہے کہ یہ خود بھارت کی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے جس کا مقصد مقبوضہ کشمیر میں آزادی مانگنے والے عوام کے قتل عام سے عالمی برادری کی توجہ ہٹانا، پاکستان کو دہشت گردی کے لئے بدنام کرنا اور جنرل اسمبلی سے وزیراعظم نواز شریف کے خطاب کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔ اوڑی سیکٹر میں بھارتی فوج کے سیکورٹی کے اعتبار سے

انتہائی مضبوط بریگیڈ ہیڈ کوارٹر پر حملہ بھارت کا ٹوپی ڈرامہ ہے۔ اوڑی میں صرف چار حملہ آوروں نے پورے بھارتی بریگیڈ کو پانچ گھنٹے تک یرغمال بنائے رکھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بھارتی سرکار کو لڑائی ختم ہونے اور حملہ آوروں کے مارے جانے سے پہلے کس نے یہ تفصیلات انہیں مہیا کیں کہ ''حملہ آور آزاد کشمیر سے کنٹرول لائن کی آہنی باڑ توڑ کر ایک ندی پار کر کے ہتھیاروں سمیت بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں داخل ہو گئے، رات آرام سے وہاں گزاری اور علی الصبح حملہ کر دیا''۔ بھارت ہمیشہ سے پاکستان کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ بھارت نے پٹھانکوٹ ایئر بیس پر حملے کے دوران ہی واویلا شروع کر دیا تھا کہ اس میں پاکستان کا ہاتھ ہے، بعد میں بھارت کی اپنی انٹیلی جنس ایجنسی نے تحقیق کی تو تصدیق کر دی کہ اس واقعہ میں پاکستان یا اس کی کسی ایجنسی کے ملوث ہونے کے کوئی شواہد نہیں ملے۔

انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی اور پاکستان انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی کی سابق سیکرٹری انیس ہارون نے ایک ویب سائٹ پر اپنا ردعمل دیتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان اور بھارت میں امن کی بات کرنے والوں کے لیے جگہ کم ہوتی جا رہی ہے۔'' ماسوائے ایک قلیل اقلیت کے دونوں ممالک کے ذرائع ابلاغ جنگی جنون کو ہوا دے رہے ہیں۔ عالمی طاقتوں کو فوری طور پر مداخلت کر کے اس کشیدگی کو کم کرانا چاہیے۔

کشمیر پاکستان اور بھارت کے درمیان میدانِ

جنگ نہیں بننا چاہیے۔ اس کو حل کرنے کے لیے پاکستان، بھارت، کشمیری اور بین الاقوامی برادری کو مل کر بیٹھنا چاہیے اور اس خطرناک صورتِ حال کو ختم کرنا چاہیے ۔"

بھارت کے عسکری ذرائع کا یہ کہنا کہ ''سرحد پار پاکستان کے فوجی اڈوں اور تربیتی کیمپوں پر فضائی حملے کئے جا سکتے ہیں'' اور بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی زیر صدارت ایک اعلیٰ سطحی اجلاس کے فوراً بعد بھارت کے ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز کا یہ کہنا ہے کہ ''دشمن کو جواب دینے کے لئے وقت اور مقام کا تعین ہم خود کریں گے''، اس طرح کے اشتعال انگیز بیانات بھارت کی بوکھلاہٹ کا نتیجہ ہیں جس کے پاس مقبوضہ کشمیر میں جاری ظلم و جبر کے حوالے سے دنیا کو مطمئن کرنے کے لئے کچھ نہیں۔ بھارت اور پاکستان کے امن پسند دانشور یقینا سوچ رہے ہونگے کہ کس طرح اس جنگی ماحول کو ختم کیا جائے، ایک تجزیہ نگار کے مطابق، ''فتح آخر میں دانا عناصر کی ہوگی۔ جب جنگ کی تیاریاں بڑھتی ہیں تو حل کے لیے بھی لوگ سوچنا شروع کر دیتے ہیں''۔ بھارت اور پاکستان کے لئے بھی یہی سلامتی اور خوشحالی کا راستہ ہے۔ لیکن بھارتی وزیر اعظم مودی اپنے انتہاپسندانہ نعروں کے حصار میں گھرے ہوئے ہیں اور اس سے نکلنے کی ہمت نہیں کرپارہے۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ جو لیڈر انتہاپسندی اختیار کرتا ہے وہ خود بھی تباہی کا شکار ہوتا ہے اور اپنی قوم اور ملک کے

لئے بھی بربادی کا سبب بنتا ہے، اس کی ایک مثال دوسری جنگ عظیم میں جرمنی لیڈر ہٹلر تھا۔ اب اگر پاکستانی عوام بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کو موزی کہہ رہے ہیں تو اس میں غلط کیا ہے۔

پاکستان سارک تنظیم سے علیحدہ ہو جائے

بنگلادیش کے مرحوم صدر ضیاء الرحمان نے 1980 کے قریب جنوبی ایشیائی ممالک کے آپس کے تعلق کے حوالے سے ایک علاقائی تنظیم کا تصور پیش کیا تھا۔ جنوبی ایشیا کے سات ممالک کے سربراہان پہلی بار اپریل 1981 میں کولمبو میں اکٹھے ہوئے اور چار سال بعد ڈھاکا میں دو روزہ اجلاس جو 7 اور 8 دسمبر 1985 کو ہوا تھا جنوبی ایشیائی ممالک نے سارک تنظیم کی بنیاد رکھی ۔ سارک کی تشکیل کے وقت اس کے سات ارکان تھے، 2007 میں نئی دہلی میں ہونے والی کانفرنس کے دوران افغانستان کو بھی ممبرشپ دی گئی جس کے بعد اس کے ممبر ممالک کی تعداد آٹھ ہو گئی۔ سارک کے ممبر ممالک میں بھارت، پاکستان، بنگلادیش، سری لنکا، بھوٹان، نیپال، مالدیپ اور افغانستان شامل ہیں۔ جبکہ آسٹریلیا، چین، یورپی یونین، ایران، جاپان، ماریشش، میانمار، جنوبی کوریا اور امریکا کو مبصر کا درجہ دیا گیا ہے۔ سارک بنانے کا مقصد جنوبی ایشیائی ممالک کے آپس کے تعلق میں مضبوطی، علاقے میں ترقی اور خوشحالی اور امن کے لیے کام کرنا تھا، جبکہ اسی تنظیم کو جنوبی ایشیا کے خطے کی ثقافت و تہذیب کو فروغ دینے کے لیے بھی استعمال کرنا تھا، لیکن بدقسمتی سے آج تک سارک تنظیم خطے میں کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکی ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک طرف تو اقوام متحدہ جیسی عالمی تنظیم قائم ہوئی تو دوسری طرف علاقائی تنظیموں کے قیام کا رجحان بھی بڑھا، یورپی یونین، او آئی سی، عرب لیگ، خلیج تعاون کونسل، اکنامک کمیونٹی آف افریقہ، اوپیک اور کامن ویلتھ وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔ ان تنظیموں میں اتحاد زیادہ تر مشترکہ دفاع اور اقتصادی تعاون کی بنیاد پر بنے۔ یورپ میں علاقائی تنظیموں اور اتحادوں کو کامیابی سے چلتے ہوئے دیکھ کر جنوبی ایشیا میں بھی اس طرح کے اتحاد کے قیام کی خواہش پیدا ہوئی، سارک نے اسی ہی خواہش کے بطن سے جنم لیا تھا۔ سارک کے وجود میں آنے کے بعد سے 2014 تک اس کے اٹھارہ اجلاس ہو چکے ہیں جب کہ آئندہ ماہ نومبر میں اسلام آباد میں سارک کا انیسواں اجلاس منعقد ہونا تھا جو بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے فی الحال ملتوی کر دیا گیا ہے۔ سارک کا اٹھارواں اجلاس نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو میں 2014 میں ہوا تھا۔ اجلاس کے اختتام پر ایک 36 نکاتی مشترکہ اعلامیہ بھی جاری کیا گیا تھا، جو جنوبی ایشیا کے عوام کے دل کی آواز تھا، اس میں اقتصادی یونین، ترقیاتی فنڈز اور فوڈ بینک کے قیام کی خوش خبری سنائی گئیں تھیں۔ رکن ممالک کے درمیان زمینی رابطوں کے ذریعے تعاون بڑھانے پر بھی اتفاق ہوا ہے۔ توانائی بحران سے نمٹنے کے لیے کئی مشترکہ منصوبوں کی بھی بات کی گئی تھی۔ 36 نکاتی مشترکہ اعلامیہ کے سارے نکات بھی انتہائی پرکشش تھے، مگر سارک ایک کمزور تنظیم ہونے کی وجہ سے جس کی پوری ذمہ داری صرف اور صرف بھارت پر ہے ان

نکات پر عمل در آمد کروانے میں بے بس رہی۔

سارک تنظیم کو سب سے زیادہ نقصان بھارت کی وجہ سے ہو رہا ہے، سارک تنظیم کے ممبران میں بھارت زمینی اور آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا ملک ہے، اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو علاقے کا تھانیدار سمجھتا ہے۔ سارک ممالک بھارت کے اس رویے سے عاجز آ چکے ہیں، مگر پاکستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ وہ نیپال، سری لنکا، بھوٹان، بنگلادیش، پاکستان اور افغانستان کے سیاسی، سماجی اور دفاعی امور میں مداخلت کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ کئی سارک ممالک میں جہاں اندرونی طور پر حالات پر امن نہیں ہیں واضح طور پر بھارت ملوث ہے۔ بھارت کے اسی رویئے کی وجہ سے گذشتہ اکتیس سال میں کبھی بھی سارک تنظیم اپنے مقاصد حاصل نہ کرپائی۔ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اختلافات تو سمجھ میں آتے ہیں کہ کشمیر کا تنازعہ موجود ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بنگلہ دیش سے بھی ہندوستان کو یہی شکایت ہے کہ اس کی شمال مشرقی ریاستوں کے شورش پسند بنگلہ دیش میں اپنے تربیت کیمپ بنائے بیٹھے ہیں۔ نیپال اور ہندوستان کے درمیان بھی اسی قسم کے اختلافات موجود ہیں اور ماضی میں دونوں ایک دوسرے کے شورش پسندوں کی ہمت افزائی کا ایک دوسرے پر الزام عائد کرتے رہے ہیں۔

بھارت ایک عرصے تک سری لنکا کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرتا رہا ہے، پاکستان میں اپنی خفیہ ایجنسی ''را'' کے زریعے ایک عرصے سے اور اب بھی بلوچستان اور کراچی کے امن کو تباہ کرتا رہا ہے۔اور اب تو صورتحال یہ ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں کیے جانے ظلم ستم کو چھپانے کے لیے گجرات کے قصائی بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے بھارت کی یوم آزادی پر تقریر کرتے ہوئے بلوچستان میں عوام پر ہونے والے ظلم کا جھوٹا الزام لگایا، جس کا جواب خود بلوچستان کے عوام نے مودی کے خلاف بھرپور مظاہرئے کرکے دیا۔ بھارت کی ہٹ دھرمی کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ وہ سارک کے فورم پر کشمیر کا نام تک سننا پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف سارک اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے کشمیر کا معاملہ گول کرگئے۔ سارک ایک علاقائی تنظیم ہے، اسے خطے میں پائے جانے والے تنازعات حل کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے، کیوں کہ خطے کے لوگ اپنے معاملے کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ آٹھ جولائی کے بعد سے اب تک جو ظلم مقبوضہ کشمیر میں جاری ہے اس کے بعد پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف کے لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ بھارتی مظالم پر خاموش رہیں لہذا انہوں نے 22 ستمبر کواقوام متحدہ میں تقریر کرتے ہوئے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کا پردہ چاک کردیا۔

پاکستانی وزیراعظم نواز شریف کی اقوام متحدہ میں تقریر کے بعد گجرات کا

قصائی نریندر مودی، پوری بھارتی سرکار اور بھارتی میڈیا پاکستان کے خلاف بھرپور اشتعال انگیزی میں لگے ہوئے ہیں۔ پوری دنیا اور خود اس تنظیم کے رکن ممالک کے عوام بھارت کی اشتعال انگیزی پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اس تنظیم میں شامل تمام ممالک ثقافتی، تاریخی اور اقتصادی اعتبار سے ایک دوسرے سے جتنے قریب ہیں اتنی قربت کسی بھی اس نوعیت کی علاقائی تنظیم کے رکن ملکوں میں نہیں پائی جاتی۔ لیکن اس کے باوجود کہ سارک کو قائم ہوئے اکتیس سال سے زیادہ ہوگئے لیکن یہ تنظیم عملی اعتبار سے وہیں ہے جہاں اپنے قیام کے وقت تھی۔ بد قسمتی سے سارے رکن ملکوں میں ایسے گروپ ہیں جن کا وجود ہی اس بنیاد پر قائم ہے کہ سارک ممالک ایک دوسرے کے قریب نہ آئیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہندوستان، جو علاقے کا ہر اعتبار سے بڑا ملک ہے، اس کے سیاسی رہنما بہت ہی تنگ نظر ہیں، ان سے وسیع القلبی اور دور اندیشی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اگر آپ سارک کی 1985 کی پہلی کانفرنس سے لے کر 2014 کی اٹھارویں کانفرنس تک کے اعلامیوں پر نظر ڈالیں اور دوسری طرف خطے کے مسائل کو دیکھیں، تو ہم ایک لمحے میں اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ یہ اعلامیے خواہشات سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔ صاف لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ سارک اپنے قیام کے مقاصد کے حصول میں بری طرح ناکام ہوچکی ہے۔ لہٰذا اب اس تنظیم کے مستقبل کا بھی تعین ہونا چاہیے کہ کیا سارک یونہی چلتی رہے گی جیسے کہ اب تک چلتی آئی ہے یعنی

بھارت کی تھانیداری اور نشستند، گفتند اور برخواستند یا پھر یہ رکن ممالک کے عوام کی خواہشات کی آواز بن کر ابھرے گی جو اس کا بنیادی مقصد ہے اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو بہتر ہوگا پاکستان سارک تنظیم سے علیدہ ہوجائے۔

کابل کے قصائی حکمت یار کی واپسی

افغان صدر اشرف غنی نے افغان حکومت کے خلاف لڑنے والے حزب اسلامی کے سربراہ گلبدین حکمت یار کے ساتھ امن معاہدہ کرلیا ہے۔ اس طرح جنگی جرائم کی تاریخ رکھنے والے اور گزشتہ کئی برسوں سے روپوش اس لیڈر کا سیاست میں واپسی کا راستہ ہموار کیا گیا ہے۔ گلبدین حکمت یار جو افغانستان کے سابق وزیراعظم ہیں، 1947 میں صوبہ کندوز، شمالی افغانستان میں پیدا ہوئے، پہلے ملٹری اکیڈمی اور پھر کابل یونیورسٹی سے اپنے شدت پسند نظریات کی وجہ نکال دیے گئے۔ حکمت یار اپنی طالب علمی کے دور میں بے پردہ خواتین پر تیزاب پھینکنے کی وارداتوں میں ملوث رہے ہیں۔ حکمت یار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک انتہائی سخت زندگی گزاری ہے اور ان کے حامی 'مجاہدین' افغانستان میں خانہ جنگی کے دور میں ہزاروں انسانی ہلاکتوں کے ذمہ دار تھے۔ ماضی کی دہشت گرد کارروائیوں، القاعدہ کی حمایت اور 1990 کی افغان خانہ جنگی کے دوران کابل پر راکٹ حملے کرنے کی وجہ سے حکمت یار کو افغانستان میں عوامی سطح پر ناپسند کیا جاتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اسے 'کابل کے قصائی' کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

افغانستان پر سوویت حملے کے بعد امریکا سے لاکھوں ڈالر کا سرمایہ اور ہتھیار

ترسیل کیے جانے کا سلسلہ شروع ہوا، تو کابل کا قصائی بھی ڈالر جہاد میں شریک ہوگیا۔ حکمت یار کا شمار ان متنازعہ ترین شخصیات میں ہوتا ہے جو طالبان کے ساتھ مل کر ابھی تک حکومت مخالف کارروائیوں میں مصروف رہے ہیں۔ گلبدین حکمت یار اور اس کی پارٹی حزب اسلامی کو اقوام متحدہ نے غیر ملکی دہشت گرد تنظیموں کی فہرست میں شامل کر رکھا ہے۔ خود حکمت یار کو امریکا نے 2003 میں 'عالمی سطح کا دہشت گرد' قرار دیا تھا۔ چالیس سالہ جنگ کے بعد اب کابل کا قصائی گم نامی کے اندھیروں سے نکلنے کی کوشش میں ہے۔ امن معاہدے پر دستخط کرنے کی تقریب افغانستان میں ٹیلی وژن پر براہ راست نشر کی گئی تھی۔ پچیس نکات پر مشتمل یہ امن معاہدہ حکمت یار اور ان کے حامیوں کو ان کی سابقہ سرگرمیوں کے خلاف قانونی کارروائی سے استثنٰی بھی فراہم کرتا ہے۔ افغانستان میں طالبان کے ساتھ 2001 میں شروع ہونے والی جنگ کے بعد حکومت کے خلاف لڑنے والے کسی گروپ کے ساتھ کابل حکومت کا یہ پہلا امن معاہدہ ہے۔

اس امن معاہدئے کے بعد افغان صدر اشرف غنی نے اقوام متحدہ اور امریکا سے درخواست کی ہے کہ حکمت یار اور ان کی جماعت کا نام کالعدم افراد اور تنظیموں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے۔ دوسری جانب امریکا نے کہا ہے کہ وہ اس گروپ کے ساتھ کسی قسم کے مذاکرات میں شامل نہیں ہے لیکن وہ اس معاہدے کا خیر مقدم کرتا ہے۔ اپنے سابق وفادار کے لیے ایک امریکی اہلکار کا کہنا ہے کہ

حکمت یار اور حزب اسلامی کے خلاف عائد پابندیوں کے خاتمے کے حوالے سے کابل حکومت کی کسی بھی درخواست کا کافی سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے گا۔ امریکی اہلکار نے مزید کہا کہ ''اگر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ کسی فرد پر عائد پابندیاں اب درکار نہیں اور افغانستان میں امن و استحکام کے مفاد میں بھی نہیں، تو ہمیں بھی اس کا جائزہ لینا پڑے گا''۔

پاکستان میں حکمت یار کو پہلے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو اور بعد میں جنرل ضیاالحق نے اپنا مہمان خاص بنایا تھا۔ بھٹو نے سردار داؤد کے ساتھ اچھے تعلقات ہونے کے باوجود بھی حکمت یار کو بچائے رکھا گیا۔ جب سردار داؤد کا تختہ الٹا کر کمیونسٹ اقتدار میں آئے تو حکمت یار نے اپنی وفاداریاں امریکہ کے پلڑے میں ڈال دی۔ افغانستان میں روس کی مداخلت کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کے وقت ڈالر جہاد میں وہ امریکہ سے ڈالر وصول کرتے رہے، امریکی ان پر اس قدر مہربان تھے کہ ڈالر دینے کے علاوہ ان کو ہیروئین کے کاربار کی اجازت بھی دے دی تھی جبکہ پاکستان میں وہ جنرل ضیاالحق کے نور نظر اور جماعت اسلامی کے چہیتے تھے۔ حکمت یار روسی افواج کے خلاف اپنے ہی ملک میں امریکی میزائل جہاد سمجھ کر داغ رہے تھے۔ روس کے خلاف ڈالر جہاد کے نتیجے میں لاکھوں افغان گھربار چھوڑ کر پاکستان، ایران، ہندوستان، یورپ اور امریکہ میں پناہ گزین ہوگئے۔ بیس لاکھ کے قریب لوگ مارے گئے اور لاکھوں معذور ہوئے۔

افغانستان کی تباہی کی رہی سہی کسر اس وقت پوری ہوئی جب روسی فوج افغانستان سے نکل گئی اور کابل میں مجاہدین کہلانے والے جنگجوؤں کی آمد ہوئی۔ آٹھ دھڑوں میں بٹے ان نام نہاد مجاہدین نے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ افغانستان کے اندر سڑکیں، نہری نظام، زراعت سمیت ہر شے تباہ ہو گئی اور ملک کھنڈرات میں تبدیل ہوگیا۔ خون خرابہ، مار دھاڑ اور لاقانونیت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہا اور ایسے میں گلبدین حکمت یار وزیر اعظم بھی رہے مگر کابل سمیت پورے افغانستان میں رقص ابلیس جاری رہا۔ حکمت یار سمیت مجاہدین کہلانے والے حکمرانوں کو اس وقت راہ فرار اختیار کرنا پڑی جب ان سے بڑے دہشت گرد طالبان نے افغانستان میں ملا عمر نامی ایک دہشت گرد کی سربراہی میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ گیارہ ستمبر 2001 کے امریکہ پر حملوں تک طالبان کا دور بھی افغانستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دور ہے جب یہاں سخت گیر موقف رکھنے والے طالبان نے حکومت بنا کر اقلیتوں، عورتوں اور دیگر کمزور طبقات کے ساتھ ظلم و استبداد جاری رکھا۔

امریکہ کے کابل آنے کے بعد افغانستان کی بربادی کا ایک اور دور شروع ہوا اب جنگ کابل سے پاکستان میں داخل ہوئی، اور طالبان دہشت گردی میں باقاعدہ ملوث ہیں۔ اب خود کش حملے، دھماکے، اغوا، قبضہ اور منشیات افغانستان اور پاکستان

کے نئے مسائل ہیں۔ اگرچہ پاکستان کی حکومت نے افغان حکومت اور حزب اسلامی کے درمیان ہونے والے امن معاہدے کا خیر مقدم کیا ہے اور کہا کہ پاکستان افغان نمائندوں کی قیادت میں افغان مسئلے کے حل پر یقین رکھتا ہے اور اس کی حمایت کرتا ہے۔ جبکہ اس امن معاہدے پر دستخطوں کے خلاف کابل میں عوامی احتجاجی مظاہرے ہوئے ہیں اور کابل میں انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والے کارکنان نے حکمت یار کو معافی دینے اور ان کے ساتھ معاہدہ کرنے پر افغان حکومت کے خلاف احتجاج کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ ایسے مجرموں کو معافی نہیں دی جا سکتی جنھوں نے اپنے ملک کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ہو۔

کچھ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ افغان حکومت کے حزب اسلامی کے ساتھ اس امن معاہدے کے بڑے اثرات پیدا ہونا ممکن نہیں۔ افغانستان کے اندر حکمت یار اپنی سیاسی وفاداریاں تبدیل کرنے کے باعث اب کمزور ہو چکے ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق حکمت یار جو اب بوڑھے ہو چکے ہیں اور وہ ایسے کسی معاہدے سے ملکی سیاست میں اہمیت حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں جبکہ کچھ ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ حکمت یار کے یقینی طور پر افغان سیاست کے سرگرم افراد سے تعلقات ہیں اور ان کا فائدہ اشرف غنی حکومت کو حاصل ہو سکتا ہے۔

گلبدین حکمت یار جو وفاداریاں بدلنے میں بہت ہی مفاد پرست ہے اور جس کی

تاریخ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر بیٹھ کر اپنے ساتھیوں سے جو وعدہ کیا تھا اس کو بھلا بیٹھا تھا۔ پاکستان کو آنے والے دنوں پر افغانستان کے اوپر گہری نظر رکھنی ہوگی کیونکہ افغانستان کا پورا جھکاو بھارت کی جانب ہے جبکہ اس امن معاہدے میں سب سے زیادہ دلچسپی افغان چیف ایگزیکٹیو عبداللہ عبداللہ لے رہا تھا، جس کے بارے ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ پکا بھارت نواز ہے۔ حال ہی میں افغانستان نے سارک کانفرس میں بھارت کی آواز سے آواز ملاتے ہوئے نومبر میں پاکستان میں ہونے والی سارک کانفرس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے۔ اس لیے بھارت جو آئے دن بلوچستان میں گڑبڑ کرواتا رہتا ہے، کابل کے قصائی گلبدین حکمت یار کی واپسی کا فاہدہ اٹھا کر اسے پاکستان کے خلاف استمال کر سکتا ہے۔

سو لفظوں کی کہانیاں ۔۔۔ اکہتر سے بہتر

سو لفظوں کی کہانی نمبر 71 ۔۔۔۔ کٹھ پتلی ۔۔۔۔۔۔

پہلے نانا، پھر ماں، پھر باپ اور اب خود بلاول کٹھ پتلیوں کو نچاتا ہے

نانا کے زمانے کی ایک کٹھ پتلی بوڑھی ہو چکی تھی

جہاں سے کمائی ہوتی ہے بوڑھی کٹھ پتلی وہیں ناچتی تھی

لیکن اب اس میں پہلے جیسی پھرتی نہیں تھی، میڈیا اکثر اسے سوتا دکھاتا

اس نے باپ سے کہا اب یہ بوڑھی کٹھ پتلی ہمارے کام کی نہیں

باپ نے کٹھ پتلی بدلنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ہماری کمائی کم نہ ہو

بوڑھے قائم علی شاہ وزارت اعلیٰ سے ہٹا دیئے گئے

نوجوان مراد علی شاہ نے وزیر اعلیٰ سندھ کا حلف اٹھالیا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 72 ۔۔۔۔ کاروبار ۔۔۔۔۔۔

بے باک نے بتایا کہ کاروبار کر لیا ہے

آمدنی اچھی ہے فیلڈ میں کام کرنا پڑتا ہے

کیا کام کرتے ہو یہ تو بتاو

اپنا لائسنس یافتہ اسلحہ لیکر ایسی جگہ پہنچ جاتا ہوں جہاں اکثر ڈاکے پڑتے ہیں

کوئی ڈاکو آجاتا ہے تو ایسی جگہ بیٹھ جاتا ہوں کہ ڈاکو میرے نشانے پر رہے

وہ ڈاکہ ڈال کر روانہ ہوتا میں اسکو گولی مار دیتا ہوں

کچھ دن بعد پولیس سے تعریفی سند اور 50 ہزار روپے انعام مل جاتے ہیں

اور اگر کوئی ڈاکو نہ ہو تو کوئی پوچھتا ہے؟

کون پوچھے گا؟

ہر لاش کو ڈاکو قرار دینے کے لیے حصہ دیتا ہوں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 73۔۔۔۔11 ستمبر 2001 ۔۔۔۔۔۔

ناہید شادی کے بعد اپنے شوہر عارف کے ساتھ نیویارک جا بسی

پانچ سال تک عارف اس پر ظلم و ستم کرتا رہا

تنگ آکر وہ اپنی ایک دوست کے گھر چلی گئ

ستمبر 2001 کو نیویارک کے ٹوئن ٹاور پر حملہ ہوا 11

حملے کے دو دن بعد ناہید نے اپنی دوست کو بتایا کہ وہ جا رہی ہے

اس کی دوست نے پوچھا کہاں جا رہی ہو

ناہید نے بتایا کہ ٹوئن ٹاور پر حملہ کی زد میں عارف بھی آگیا ہے

وہ بہت زخمی ہے اور نیویارک میں اس کا کوئی نہیں

اس لیے جب تک وہ ٹھیک نہیں ہو جاتا اس کی تیمارداری کرونگی

سو لفظوں کی کہانی نمبر 74۔۔۔۔'موزی' ۔۔۔۔۔۔

اماں میں نے بھائی کو منع کیا تھا کہ

گجرات کے قصائی سے دوستی مت بڑھاو

لیکن بھائی کو تو بل گیٹ بننا ہے

وہ بھارت میں بھی کاروبار کرنا چاہتے ہیں

بیٹا شہباز تو صحیح کہہ رہا ہے بس میں بھی اندازہ نہیں کرپائی

گذشتہ سال جب وہ نواز کو سالگرہ کی مبارک باد دینے پاکستان آیا تھا

تو میں نے اس سے پوچھا تھا کہ

پاکستان کے ساتھ تو کوئی گڑبڑ نہیں کروگے ؟

بولا موسی گاو ماتا کی قسم میں کوئی گڑبڑ نہیں کرونگا

لیکن بیٹا اب تو نواز کو بھی سمجھنا چاہیے کہ

وہ پاکستان کے لیے مودی نہیں 'موزی' ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 75 ----- صفائی ------

لیاری کے رہاشی قادر بلوچ کی بیٹی کی شادی تھی

لیکن وہ بہت پریشان تھا پیسوں کی وجہ سے نہیں

اس کے گھر کے سامنے کوڑے کا ڈھیر لگا ہوا تھا

اس نے بلدیہ کے آفس میں بھی درخواست دی

لیکن کوڑے کا ڈھیر اپنی جگہ موجود تھا

بیٹی کی شادی سے دو دن پہلے پورے علاقے میں صفائی شروع ہو گئ

کوڑے کا ڈھیر غائب ہوگیا

بلدیہ کے ملازمین پورے علاقے کو سجا رہے تھے

قادر بلوچ بہت حیران تھا لیکن اس کی حیرانی جب ختم ہو گئی

جب اسے پتہ چلا کہ اسی شام کو اس کے علاقے میں

بختاور اور آصفہ بھٹو آ رہی ہیں

میانداد اور آفریدی آمنے سامنے

محرم کے پہلے دس دنوں میں عام طور پر لوگ دوسری مصروفیات کو کم یا ترک کرکے مجالس، جلوس میں شرکت اور واقعہ کربلا پر بات کر رہے ہوتے ہیں، ایسے میں سیاسی مصروفیات بھی بہت کم ہو جاتی ہیں، ایسا ہی اس سال بھی ہوا اور خاصکر 6 محرم کے بعد سے سیاسی بیانات نہ ہونے کے برابر رہ گئے۔ اس اثنا میں پاکستانی میڈیا نے پاکستان کے دو نامور کرکٹ کے کھلاڑیوں جاوید میانداد اور شاہد آفریدی کے آپس میں الجھ جانے کا پورا پورا فاہدہ اٹھایا اور اس خبر کو لیڈ نیوز بنائے رکھا۔ میانداد اور آفریدی کے آمنے سامنے آنے کا پس منظر یہ تھا کہ ایک کتاب کی تقریب رونمائی کے دوران میڈیا کے نمائندوں نے شاہد آفریدی سے یہ سوال کیا کہ جاوید میانداد کا کہنا ہے کہ آپ پیسوں کے لیے اپنا الوداعی میچ چاہتے ہیں جس پر شاہد آفریدی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''جاوید میانداد کو ساری زندگی پیسوں کا مسئلہ رہا ہے۔ شاہد آفریدی کا کہنا تھا کہ اتنے بڑے کرکٹر کو ایسی چھوٹی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہی فرق عمران خان اور جاوید میانداد میں تھا''۔ شاہد آفریدی کے اس بیان کے بعد جاوید میانداد نے ایک نجی ٹی وی چینل پر شاہد آفریدی پر تنقید کرتے ہوئے مبینہ طور پر ان پر میچ فکسنگ میں ملوث ہونے کا الزام بھی عائد کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ آفریدی اپنی بیٹیوں کے سر پر

ہاتھ رکھ کر کہیں کہ انہوں نے میچ نہیں بیچے۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جاوید میانداد جو پاکستان کے بہت سینیئر اور لیجنڈ کرکٹر ہیں اپنے سے بہت جونیر شاہد آفریدی کے بہت زیادہ خلاف کیوں ہیں۔ مثلاً شاہد آفریدی نے بھارت میں ہونے والے 2016 کے ورلڈ کپ ٹی 20 میں کولکتہ میچ سے پہلے ایک پریس کانفرنس کی اور ایک سوال کے جواب میں ان کا کہنا تھا کہ 'ہندوستان کے لوگوں سے ہمیں بہت پیار ملا ہے اور اتنا پیار تو ہمیں پاکستان میں بھی نہیں ملا جتنا یہاں ملا'۔ یہ ایک طرح کا سفارتی بیان تھا لیکن اس بیان پر انہیں پاکستان بھر میں شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا، ایسا نہیں کہ سب نے انکی مخالفت کی ہو، لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک تبصرہ پاکستانی کرکٹ کے لیجنڈ جاوید میانداد کا تھا جس میں انہوں نے شاہد آفریدی کے بیان کی مذمت کی تھی۔ انہوں ٹی وی شو میں بیٹھ کر شاہد آفریدی کو لعنت بھی دکھائی ۔ان کا کہنا تھا کہ شاہد آفریدی کے بیان سے انھیں 'صدمہ اور تکلیف' پہنچی ہے۔ سابق پاکستانی کپتان اور موجودہ سیاستدان عمران خان نے ایک بھارتی ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ وہ جاوید میانداد کے بیان سے اتفاق نہیں کرتے۔ جاوید میانداد ایک کرکٹر رہے ہیں سیاست دان نہیں لہذا ان کو شاہد آفریدی اور کھلاڑیوں کی کارکردگی پر بولنا چاہیے تھا۔

جاوید میانداد کے شاہد آفریدی پر میچ فکسنگ کے الزام کے بعد شاہد آفریدی نے جاوید میانداد کے بیان پر وکلا سے مشاورت کے بعد قانونی کارروائی کا فیصلہ کیا ہے۔ آفریدی نے سوشل میڈیا پر پیغام دیا کہ 'جاوید میانداد کے ذاتی حملے کافی عرصہ برداشت کئے لیکن ہر کسی کے برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ آفریدی کا کہنا تھا کہ جو کچھ ہوا اس پر افسوس ہے لیکن میانداد کے رویے پر ان کا رد عمل فطری تھا'۔ کرکٹ کے سابق کھلاڑیوں کا کہنا ہے کہ شاہد آفریدی کو اپنی پوزیشن کلیر کرنے کے لیے لازمی عدالت میں جانا چاہیے۔ جاوید میانداد اور شاہد آفریدی کے درمیان الفاظ کی جنگ کے دوران پی سی بی کے سابق چیئرمین جنرل توقیر ضیاء اور سابق کپتان وسیم اکرم نے دونوں کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کی تھی۔ ان تمام حالات کے بعد جاوید میانداد کی طرف سے ایک بیان دیا گیا جس میں انکا کہنا تھا کہ 'شاہد آفریدی میرے ہاتھوں ہی پروان چڑھا ہے، اس کے بیان نے میرا دل بہت دکھایا ہے، پھر بھی بڑا ہونے کے ناطے میں نے شاہد آفریدی کو معاف کر دیا ہے'۔

جاوید میانداد کے اس بیان کے بعد شاہد آفریدی کا ٹوئٹر پر کہنا تھا کہ 'اپنے ملک کے لئے کھیلنا ان کے لئے اعزاز کی بات ہے وہ کبھی اپنے ملک کو نہیں بیچ سکتے۔ جاوید میانداد کے الزامات سے انہیں، ان کے گھر والوں اور پرستاروں کو تکلیف پہنچی ہے۔ ان کے دل میں جاوید میانداد کی بہت عزت ہے، جاوید میانداد

نے انہیں معاف کردیا ہے جس پر وہ ان کے شکر گزار ہیں، لیکن اگر انہوں نے اپنا الزام واپس نہ لیا تو وہ خود کو کلئیر کرانے کے لیے عدالت جائیں گے‘۔ آفریدی کی طرف سے الزامات واپس لینے کے مطالبے پر جاوید میانداد نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ابھی کسی معاملے پر تبصرہ کرنا نہیں چاہتا تاہم کسی سے ڈرنے والا نہیں اور اگر شاہد آفریدی کی جانب سے میچ فکسنگ الزامات پر نوٹس ملا تو اس کا ضرور جواب دونگا۔ جبکہ ایک اخبار نے اپنی ویب سائٹ پر ایک سروے میں ایک سوال پوچھا تھا کہ ’کیا میانداد کی جانب سے آفریدی پر لگایا جانے والا میچ فکسنگ کا الزام درست ہے؟‘۔ اس سروئے میں جواب ہاں‘ یا ’نہیں‘ میں دینا تھا، جس کے جواب لوگوں کی ایک معقول تعداد نے دیے۔ ’ رزلٹ کے مطابق 71 فیصد لوگوں نے شاہد آفریدی کی حمایت کی اور ’نہیں‘ میں جواب دیا جبکہ 29 فیصد کا جواب جاوید میانداد کے حق میں ’ہاں‘ تھا۔

پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیرمین شہریار خان نے اس سال ہونے والے ورلڈ ٹی ٹوئنٹی سے پہلے واضح طور پر کہا تھا کہ شاہد آفریدی کو ٹی ٹوئنٹی ٹیم کی قیادت صرف اس شرط پر سونپی گئی تھی کہ وہ ورلڈ ٹی ٹوئنٹی کے بعد بین الاقوامی کرکٹ کو خیرباد کہہ دیں گے۔ جبکہ شاہد آفریدی نے بھی اس سال بھارت میں ہونے والے ورلڈ ٹی ٹوئنٹی کے بعد بین الاقوامی کرکٹ کو خیرباد کہنے کا اعلان کیا تھا لیکن بعد میں انھوں نے ایک بیان میں اپنی کرکٹ جاری رکھنے کی

خواہش ظاہر کردی تھی۔ کرکٹ کے بعض مبصرین کا یہ کہنا ہے کہ شاہد آفریدی اپنی ریٹائرمنٹ کے بارے میں مسلسل بیانات تبدیل کرتے رہے ہیں جس کی وجہ سے پاکستان کرکٹ بورڈ ان سے خوش نہیں ہے۔ ستمبر 2016 کے بیچ میں پاکستانی میڈیا کے حوالے سے شاہد آفریدی نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ بین الاقوامی کرکٹ کو الوداع کہنے کے لیے انھوں نے پاکستان کرکٹ بورڈ سے خود کہا ہے جو بالکل غلط ہے۔

بقول شاہد آفریدی کہ ابھی ان کی کرکٹ ختم نہیں ہوئی ہے تو پاکستان کرکٹ بورڈ کو چاہیے کہ ان کے لیے کسی الوداعی پارٹی کا انتظام نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ اگلے چند ماہ کے بعد کرکٹ بورڈ کو ان کی ضرورت ہو جبکہ شاید آفریدی ایک اچھا میچ کھیل کر ریٹائرمنٹ لینا چاہتے ہیں۔ پاکستان کرکٹ بورڈ کو بھی سوچنا چاہیے کہ شاہد آفریدی ٹی ٹوئنٹی انٹرنیشنل میں 97 وکٹیں حاصل کرچکے ہیں اور انہیں ٹی ٹوئنٹی انٹرنیشنل 98 میں وکٹوں کی سنچری مکمل کرنے والا پہلا بولر بننے کے لیے صرف تین وکٹیں درکار ہیں، اگر شاہد آفریدی کا یہ ریکارڈ بنتا ہے تو یہ پاکستان کا بھی ریکارڈ ہوگا۔ کم از کم اس ریکارڈ کو حاصل کرنے کے لیے ہی حال ہی میں متحدہ عرب امارات میں پاکستان اور ویسٹ انڈیز کے درمیان ہونے والی ٹی ٹوئنٹی سیریز میں شاہد آفریدی کو چانس دینا چاہیے تھا۔ آخر میں اپنے دونوں مایہ ناز کھلاڑیوں جاوید میانداد اور شاہد آفریدی

سے یہ درخواست ہے کہ اپنے آپس کے اختلافات کو ختم کریں، کیونکہ آپ دونوں جو اس
وقت ایک دوسرے خلاف بیانات دے رہے ہیں، اس سے صرف اور صرف پاکستان
کی بدنامی ہو رہی ہے۔ لیکن اگر دونوں اپنے آپ کو صیح سمجھتے ہیں تو عدالت کا رخ کریں
اور میڈیا میں ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی نہ کریں۔

پاکستان اور خوراک کا عالمی دن

ہر سال 16 اکتوبر کو اقوام متحدہ کے زیر اہتمام 'خوراک کے عالمی دن' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا بنیادی مقصد عالمی سطح پر خوراک کی پیداوار میں اضافہ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان سمیت دنیا بھر میں عالمی خوراک کے مسئلے سے متعلق عوام میں بھوک، ناقص غذا اور غربت کے خلاف جدوجہد میں اتحاد کو مستحکم کرنا ہے اور عام لوگوں میں خوراک کی کمی کے متعلق آگاہی پیدا کرنا ہے۔ اس دن کی مناسبت سے دنیا بھر میں مختلف تقریبات و سیمینار کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔ وکی پیڈیا کے مطابق اگست 2016 تک دنیا کی آبادی سات ارب چالیس کروڑ (7.4 بلین) ہو چکی ہے۔ اقوام متحدہ کے نئے اندازوں کے مطابق 2050 تک دنیا کی آبادی بڑھ کر نو ارب ستر کروڑ (9.7 بلین) تک پہنچ جائے گی۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ آبادی کے عالمی گروتھ ریٹ میں کمی ہوئی ہے جو دس سال قبل 1.24 فیصد تھی جبکہ اب 1.18 فیصد ہے۔ اس وقت پاکستان کی آبادی 20 کروڑ کے قریب ہے جبکہ 2030 تک آبادی 24 کروڑ 40 لاکھ ہونے کا امکان ہے۔ اقوام متحدہ کے نئے اندازوں کے مطابق 2050 تک پاکستان ان ممالک میں شامل ہوگا جن کی آبادی 30 کروڑ سے زائد ہو گی۔

ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں اس وقت تقریبا 98 لاکھ 12 ہزار افراد کو غذا کی کمی کا سامنا ہے۔گلوبل ہنگر انڈیکس نے غذائیت کی کمی کو پانچ حصوں میں بانٹا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔ اگر کسی ملک کے غذائیت کی کمی 9.9 فیصد تک ہے تو اس ملک کی صورتحال 'بہتر' ہے،

2۔ غذائیت کی کمی 10 سے 19.9 فیصد تک ہے تو اس صورتحال کو 'مناسب' کہا جایگا،

3۔ غذائیت کی کمی 20 سے 34.9 فیصد تک ہے تو اس صورتحال کو 'تشویش ناک' کہا جایگا،

4۔ غذائیت کی کمی 35 سے 49.9 فیصد تک ہے تو یہ صورتحال 'خطرناک' کہلائے گی،

5۔ غذائیت کی کمی 50 فیصد یا اس سے زیادہ تو اس صورتحال کو 'خطرناک ترین' کہا جایگا۔

پانچ فیصد سے کم میں 16 ممالک شامل ہیں، 5 فیصد سے 9.9 فیصد تک میں 29 ممالک شامل ہیں، 10 فیصد سے 19.9 فیصد تک میں 23 ممالک شامل ہیں، 20 فیصد سے 34.9 فیصد تک میں 43 ممالک شامل ہیں، 35 فیصد سے 49.9 فیصد تک میں 7 ممالک شامل ہیں، جبکہ 50 فیصد یا اس سے زیادہ میں کوئی ملک شامل نہیں ہے۔

گلوبل ہنگر انڈیکس کے مطابق پاکستان میں 22 فیصد آبادی غذائیت کی کمی کا

شکار ہے جس کا مطلب ہے کہ پاکستان جس کی آبادی تقریبا بیس کروڑ ہےاور اس میں سے چار کروڑ چالیس لاکھ (40.4 ملین) افراد کو غذا کی کمی کا سامنا ہے،تاہم یہ صورتحال ماضی کے مقابلے میں بہتر ہے، رپورٹ میں 118 ممالک کی فہرست جاری کی گئی ہے جس میں پاکستان کا نمبر 107 بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ غذائیت کی کمی کے حوالے سے پاکستان کے لیے صورتحال اب بھی انتہائی تشویش ناک ہے۔ گلوبل ہنگر انڈیکس کے مطابق غذائیت کی کمی کے حوالے سے پاکستان کا اسکور 33.4 ہے جو 2008 میں 35.1 کے قریب تھا۔ تاہم پاکستان کو اب بھی اپنے پڑوسی ممالک کے مقابل اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے کافی موثر اقدامات کی ضرورت ہے کیونکہ بھارت اور بنگلہ دیش کا اسکور بالترتیب 28.5 اور 27.1 ہے جبکہ افغانستان کی صورتحال پاکستان سے بھی بدتر ہے اور اس کا اسکور 34.8 ہے۔ دنیا بھر کی قیادت اس بات پر متفق ہے کہ تک غذائیت کی کمی کو لازمی ختم کرنا ہے، لہٰذا پاکستان سمیت 43 ممالک 2030 اگر 'مناسب' کیٹگری میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور 2030 تک اپنا ہدف پورا کرنا چاہتے ہیں تو انہیں غذائیت کی کمی ختم کرنے کے لیے اپنی رفتار کو بڑھانا پڑے گا۔

عالمی یوم خوراک ایک اہم دن ہے جس پر ہمارے حکمران زیادہ توجہ نہیں دیتے ہیں۔

بہت سی ریسرچ نے ثابت کیا ہے کہ پاکستان میں خاص طور پر صوبہ سندھ میں بچوں کی غذائی ضروریات بین الاقوامی معیار کے مطابق پوری نہیں ہو رہیں ہیں۔

جس کی ایک مثال تھر کا علاقہ ہے جہاں خوراک کی کمی کے باعث رواں سال میں اب تک ہونے والی اموات کی تعداد 700 سے زیادہ ہے۔ ہزاروں حاملہ خواتین بدستور غذائی قلت کا شکار، حکومت پاکستان نے حاملہ خواتین کی غذائیت پر کام ہی نہیں کیا۔ غذائی قلت کے باعث تاحال ہزاروں حاملہ خواتین غذائی قلت کا شکار ہیں ۔اسپتالوں میں بچوں میں سے بڑی تعداد ایسے بچوں کی ہے جن کا پیدائشی وزن ایک کلو تک ہوتا ہے ۔ان بچوں کے وزن کو بڑھانے کے دوران وہ بچ نہیں پاتے ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں ۔ طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ بچوں کو اموات سے بچانے کے لیئے ان کی ماؤں کو دوران حمل اچھی غذا دی جائے ۔تاکہ زچگی کے دوران کم وزن کے بچے پیدا نہ ہوں ۔ جن بچوں کا پیدائشی وزن کم ہوتا ہے انہیں بچانا مشکل ہوتا ہے۔ گذشتہ چار سالوں سے ہزاروں بچوں کی اموات کے باوجود حکومت سندھ نے حاملہ خواتین کی غذائیت کے لیئے صرف عارضی بنیادوں پر پروگرام چلایا تھا جو بند ہو چکا ہے۔

خوراک کی کمی کی ایک بڑی وجہ آبادی میں تیزی سے اضافہ ہے اور یہ بات بجا طور پر درست ہے کہ پاکستان دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جہاں آبادی میں بے انتہا اور تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ اس سنگین مسئلے نے ہماری اقتصادی ترقی کے ثمرات کو بے حد کم کر دیا ہے۔ پاکستان میں زراعت کے نظام میں کسانوں کو ان کے حقوق نہیں ملتے جو غذائی عدم تحفظ بڑھنے کی ایک اہم وجہ ہے۔ ہمارے ہاں

کسانوں کا ہر طرح سے استحصال کیا جاتا ہے، چاہے ان کا حصہ دینے کی بات ہو یا ان سے جبری مشقت لینے کی۔ لاہور میں آئے دن کسان مظاہرے کر رہے ہوتے ہیں۔ کسانوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں، جب تک حکومت کسانوں کے مسائل حل نہیں کرے گی تب تک ان میں کام کرنے کی تحریک پیدا نہیں ہوگی۔ پاکستان کا کسان انتہائی محنتی، جفاکش اور حوصلہ مند ہے، ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم اپنی آنے والی فصلوں خاص طور پر گندم کی بھرپور پیداوار حاصل کریں۔ اس طرح ہم نہ صرف اپنی غذائی ضروریات پوری کرسکیں گے بلکہ عالمی منڈی میں قیمتوں کے عدم توازن کے اثرات کو بھی کم کرسکیں گے۔ پاکستان کی حکومت کو چاہیے کہ وہ سائنسی بنیادوں پر دوسرے ممالک کے کامیاب تجربوں سے استفادہ کرے۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے خصوصی مشیر ڈیوڈ نیبرو کا کہنا ہے کہ آج دنیا میں بہت زیادہ لوگ بھوک کا شکار ہیں، ان کے لیے ہنگامی بنیادوں پر کام کرنا ہوگا اور اس بات کی ضمانت حاصل کرنی ہوگی کہ ان میں سے کوئی بھی دوبارہ بھوک کا شکار نہ ہو۔ خوراک کا بحران صرف ان ممالک کو متاثر نہیں کرتا جہاں لوگ بھوک کا شکار ہیں بلکہ یہ ایک عالمی چیلنج ہے۔ پاکستان میں خوراک میں کمی کی ایک بڑی وجہ غربت کی شرح میں دن بدن اضافہ بھی ہے، مہنگائی کے باعث غریب افراد اپنی آمدنی کا 70 فیصد خوراک پر خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔ پاکستانی عوام ایک ایسے استحصالی اور شرمناک نظام میں زندہ رہنے پر مجبور ہیں، جہاں

اُنہیں آئی ایم ایف، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ملک کے وسائل پر مسلط چند فیصد مافیا نے زندہ درگور کر رکھا ہے۔ نہ علاج کرانے کے لیے پیسے ہیں اور نہ پیٹ بھرنے کا کوئی مستقل سہارا۔ عالمی بینک کی رپورٹ "ورلڈ ڈویلپمنٹ انڈیکیٹر" کے مطابق پاکستان کے 60 فیصد افراد کی آمدن یومیہ دو ڈالر یا دو سو روپے سے بھی کم ہے، جبکہ اکیس فیصد آبادی انتہائی غربت کا شکار ہے۔ انسانی حقوق کمیشن پاکستان نے بھی ملک میں خوراک کی قلت اور اس کے عام لوگوں پر پڑنے والے اثرات پر متعدد بار تشویش کا اظہار کیا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ پاکستانی عوام کو خوراک تک رسائی کا حق آئین نے دیا ہے اور ریاست یہ بنیادی حق عوام کو فراہم کرنے کی پابند ہے۔ محترم شاعر جبار واصف کہتے ہیں:۔

خواب کا ہے شکم سے کیا رشتہ
آنکھ کھلتے ہی بھوک لگتی ہے

دس روپے کی اوقات

دس روپے کا نیا سکہ پیدا ہوا تو اس کے ابا ڈار بہت خوش تھے
دس روپے کا سکہ دس پیسے کے سکے سے ملا تو
طنزیہ پوچھا تیری کیا اوقات تھی؟
دس پیسے کا سکہ بولا تیری قیمت مجھ سے سو فیصد زیادہ ہے
لیکن عرصے تک مجھے دے کر لوگوں کو ایک روٹی، یا
بس میں پانچ کلومیٹر سفر یا پھر ایک کپ چائے کی سہولت حاصل تھی
اب تو بتا کہ تیری کیا اوقات ہے؟
دس روپے کا سکہ شرمندگی سے بولا
اے دس پیسے کے سکے میری اوقات تو تجھ سے بہت کم ہے
روتے ہوئے بولا ہائے ابا ڈار تو نے مجھے کیوں پیدا کیا

آؤ خوشامد کریں اور فائدہ اٹھائیں

حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ ''خوشامد اور تعریف کی محبت شیطان کے دو بڑے داؤ ہیں اور زبان سے بڑھ کر کوئی چیز بھی زیادہ دیر قید رکھے جانے کی حقدار نہیں''۔ بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں جس چیز نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے وہ ہے ''خوشامد''۔ خوشامد پسند یا تو حقیقت سے ناواقف ہوتا یا پھر حقیقت معلوم ہونے کے باوجود وہ اپنی خوشامد کو پسند کرتا ہے۔ خوشامدی شخص کبھی تنقید نہیں کرتا اور اس کی پالیسی جھوٹ پر مبنی باتوں کو بیان کرنا ہوتا ہے اور یہ بیان وہی ہوتا جو اس کا بڑا اس سے سننا چاہتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ خوشامد پسند کے لیے ''خوشامد'' ایک نشہ ہوتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ خوشامدی افراد شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ خوشامد نے ہمارے سماجی اور سیاسی معاشرہ کو انتہائی پستی میں پہنچا دیا ہے۔ آپ جس محکمے میں چاہیں چلے جائیں وہاں اکثر اہم پوزیشنوں پر آپکو نااہل لوگ ملینگے جو صرف اپنے بڑوں کی خوشامد کرنا جانتے ہیں۔

آیئے برطانوی ہندوستان کی ایک ریاست حیدرآباد دکن چلتے ہیں اور وہاں دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں خوشامد کیسے ہوتی تھی۔ آزادی سے پہلے حیدرآباد دکن کے کسی حکمران نواب نے انگریز سرکار کے کسی حکم کے بعد ریڈیو پر اعلان

کروایا کہ کل شام پانچ بجے نواب صاحب ریڈیو پر قوم سے خطاب فرمائیں گے۔ اس دن کے لیے درباریوں کو بتادیا گیا کہ نواب صاحب دربار نہیں لگائیں گے۔ اگلے روز شام چار بجے انگریز سرکار کے ایک نمائندے نے نواب صاحب سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ وائسرائے ہند چاہتے ہیں کہ آپ آج ریڈیو پر قوم سے خطاب نہ فرمائیں۔ انگریز سرکار کا حکم نہ ماننا نواب صاحب کے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا ریڈیو پر فوراً اعلان کیا گیا کہ نواب صاحب آج قوم سے خطاب نہیں کرینگے۔ اگلے دن جب دربار لگا تو دربار شروع ہوتے ہی ایک خوشامدی درباری کھڑا ہوا اور بولا "قبلہ نواب صاحب کل آپکے ریڈیو پر خطاب سے پہلے بندہ اپنے پورے اہل خانہ کے ساتھ ریڈیو کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں جب آپکا خطاب شروع ہوا تو بندہ آپکے ایک ایک جملے پر عش عش کر اٹھا۔ قبلہ نواب صاحب کل جس طرح آپنے اپنی قوم کی نمائندگی کی ہے، تاریخ کے پنوں پر آپکی یہ تقریر سنہری حرفوں سے لکھی جائے گی"۔ برابر میں بیٹھے ہوئے درباری نے آہستہ سے کہا خاموش ہو جاو کل نواب صاحب نے خطاب نہیں فرمایا، یہ سنتے ہی خوشامدی بولا قبلہ نواب صاحب میں جانتا ہوں کل آپنے خطاب نہیں فرمایا لیکن اگر آپ خطاب فرماتے تو ایسا ہی ہوتا جیسا میں نے عرض کیا ہے کیونکہ ہم سب آپکی قابلیت سے واقف ہیں۔ اگر یہ واقعہ آج کے دور میں پیش آتا اور نواب صاحب اپنے اس درباری کا نام پوچھتے تو شاید وہ بتاتا کہ خادم کو صالح ظافر کہتے ہیں۔

سابق بیورو کریٹ اور شہاب نامہ کے خالق قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں
کہ ''خوشامدیوں میں گھرا ہوا انسان شیرے کے قوام میں پھنسی ہوئی مکھی کی طرح بے بس اور معذور ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے اپنے حواس معطل ہو جاتے ہیں اور وہ وہی کچھ دیکھتا، سنتا، بولتا، سونگھتا اور محسوس کرتا ہے جو چاپلوسی ٹٹو چاہتے ہیں۔ خوشامد کروانے والا اس موقع پر ہوا میں ہوتا ہے جب اس کی خوشامد ہو رہی ہوتی ہے۔ اسے اپنے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جب اسے ہوش آتا ہے تب تک خوشامدی اس کو استعمال کر چکے ہوتے ہیں''۔

ایوب خان نے نوجوان ذوالفقار علی بھٹو کو اپنی کابینہ میں وزیر بنایا، بھٹو ایوب خان کو ڈیڈی کہتے تھے جو ایک کھلی خوشامد تھی۔ بعد میں یہ ہی ڈیڈی کہنے والے ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خان کو اقتدار سے باہر نکالا۔ خود بھٹو کی کابینہ میں بہت سارے خوشامدی موجود تھے جو خوشامدی نہیں تھے وہ جلد ہی پیپلز پارٹی چھوڑ گئے، جن میں دوسروں کے علاوہ معراج محمد خان، حنیف رامے اور مختار رانا سرفہرست تھے لیکن بھٹو کو خوشامدیوں نے گھیرا ہوا تھا جس میں سب سے بڑے خوشامدی بھٹو کابینہ کے وزیر اطلاعات مولانا کوثر نیازی تھے۔ مولانا کوثر نیازی نے ذوالفقار علی بھٹو پر ایک تعریفی و توصیفی کتاب لکھی جس کا عنوان ''دیدہ ور'' تھا۔ جنرل ضیاء الحق کو بھٹو نے تین

سینئیر جنرلوں پر فوقیت دی اور فوج کا سربراہ بنایا۔ جنرل ضیاء جو ایک خوشامدی انسان تھا بھٹو کے سامنے بہت تابعدار بنا رہتا تھا، وہ بھٹو کی ہر بات پر 'یس سر' کہا کرتا تھا۔ جنرل ضیاء الحق جب بھٹو سے ملنے کے لیے ان کے کمرے میں جاتا تو اپنا سگریٹ اور لائٹر باہر سیکریٹری کے پاس رکھ کر جاتا تھا۔ چار اپریل 1979 کو قوم نے اس 'دیدہ ور' کا انجام دیکھا جب جنرل ضیاء الحق نے اپنی جان بچانے کے لیےاسے تختہ دار پر لٹکایا تو 'دیدہ ور' کا مصنف کوثر نیازی جنرل ضیاء الحق سے مل چکا تھا۔

ایم کیو ایم کے ان نعروں سے کون واقف نہیں کہ 'قائد کا جو غدار ہے، موت کا حقدار ہے'، یا 'ہمیں منزل نہیں رہنما چاہیے' کل تک یہ نعرے لگانے والوں میں گورنر سندھ عشرت العباد، سابق ناظم کراچی مصطفیٰ کمال، ایم کیو ایم حقیقی کے سربراہ آفاق احمد اور ایم کیو ایم پاکستان کے سربراہ ڈاکٹر فاروق ستار شامل تھے اور الطاف حسین بھی اپنی خوشامد پر خوش تھے لیکن آج یہ سب الطاف حسین کو کھلے عام ملک کا غدار اور را کا ایجنٹ کہہ رہے ہیں، خوشامد پسند الطاف حسین شاید اب بھی ہوش میں نہیں آئے ہیں۔

پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ بھی خوشامدیوں میں گھیرے ہوئے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ انکے بہت سے سینئیر اور سنجیدہ ساتھی انکو چھوڑ چکے ہیں۔ گذشتہ سال سوشل میڈیا پر ان کے ساتھیوں کا کہنا تھا کہ ان میں اور بانی پاکستان میں دس چیزیں مشترک ہیں

لیکن سوشل میڈیا پر اس کی بھرپور مخالفت کی گئی۔ آجکل ان کے ایک چاہنے والے ان کو چودھری رحمت علی' ثابت کر رہے ہیں۔ نواز شریف کے خوشامدی ان کے دوسرے' دور میں انکو قائداعظم ثانی کہنے لگے تھے مگر جب فوجی حکمراں جنرل پرویز مشرف نے ان کو دو مرتبہ ملک بدر کیا تو ان کے سارے خوشامدی دودھ پینے والے مجنوں ثابت ہوئے۔

نواز شریف کے اس تیسرے دور میں انکی کابینہ کا ہر ممبر ان کا ہمدرد کم خوشامدی زیادہ لگتا ہے، کابینہ سے باہر بھی انکی پارٹی کے کافی لوگ انکے خوشامدی ہیں، اس کے علاوہ پختونخوا ملی عوامی پارٹی کے سربراہ محمود خان اچکزئی اور جمعیت علماء اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان اپنے اپنے فاہدے کے لیے ان کے خوشامدی بے رخ رہتے ہیں۔ الیکٹرنک اور پرنٹ میڈیا میں بھی نواز شریف کے لاتعداد خوشامدی موجود ہیں جس میں روزنامہ جنگ کا صالح ظافر سب سے آگے ہے۔ صالح ظافر کو صحافی کہنا صحافی پیشے کی توہین ہے، اس کی لاثانی خوشامد کی وجہ سے نواز شریف کا پورا خاندان جو پہلے ہی کرپشن کی وجہ سے بدنام ہے مزید بدنام ہو رہا ہے۔ صالح ظافر خاصکر نواز شریف اور مریم نواز کی وہ وہ تعریفیں لکھتا ہے جن کا نواز شریف اور مریم نواز کو بھی علم نہیں ہوتا۔ صالح ظافر نے 1999 میں جب نواز شریف کو اٹک جیل منتقل کیا تھا تو نواز شریف اور شہباز شریف پر اپنی ایک رپورٹ میں بہت ہی شرمناک الزامات لگائے

تھے۔ آج نواز شریف صالح ظافر کے بغیر ملکی یا غیر ملکی دورے پر نہیں جاتے کیونکہ نواز شریف اور انکا پورا خاندان خوشامد کے نشے کا عادی ہے، جبکہ خوشامدیوں کی سوچ ہوتی ہے کہ "آؤ خوشامد کریں اور فائدہ اٹھائیں"۔

دو نومبر تلاشی، استعفی یا پھر ناکامی

دو نومبر کو کیا ہوگا؟ بظاہر تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اسلام آباد کا گھیراو کرینگے، اسلام آباد میں کاروبار زندگی بند کرینگے اور وزیر اعظم نواز شریف کے بچوں کا نام پاناما لیکس میں آنے کی وجہ سے انکے خلاف مظاہرہ کرینگے۔ 24 نومبر کو سخاکوٹ ملاکنڈ میں پارٹی کے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ کشتیاں جلا کر اسلام آباد جارہے ہیں، ہمارا مقابلہ کرپشن کے شہنشاہ نواز شریف سے ہے۔ کرپشن ٹولے کے جعلی کھلاڑیوں میں لیزی لوڈ اسفندیار، کرپٹ زرداری، فضل الرحمٰن، اچکزئی، شوباز، امیر مقام، اکرم درانی شامل ہیں۔ دو نومبر کو اسلام آباد میں دس لاکھ افراد جمع ہونگے (نوٹ: دس لاکھ افراد جمع کرنے کا دعوی عمران خان نے 2014 کے دھرنے سے پہلے بھی کیا تھا جس میں وہ ناکام رہے تھے) اور اتنی تعداد میں عوام جمع ہونے کے بعد نواز شریف خود یا تو تلاشی دینگے اور یا مستعفی ہوجائیں گے۔عمران خان نے نواز شریف پر ایک بہت ہی خطرناک الزام یہ بھی لگایا کہ ''جب بھی نواز شریف پر کوئی دباو پڑتا ہے کنٹرول لائن پر ماحول گرم ہوجاتا ہے،وزیر اعظم خود کو اور اپنی کرپشن کو بچانے کے لیے بھارت و اسرائیلی لابی سے اپیلیں کررہے ہیں''۔

حزب اختلاف کی جماعتیں وزیر اعظم نواز شریف کے بچوں کا نام پاناما پیپرز میں آنے کے بعد سے ان سے اپنی پوزیشن صاف کرنے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ تاہم نواز شریف حزب اختلاف کی جماعتوں کا کوئی مطالبہ ماننے کو تیار نہیں۔ پاکستان تحریک انصاف نے اس ضمن میں ملک بھر میں تحریک احتساب بھی شروع کر رکھی ہے۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے دو نومبر 2016 کو اپنے حامیوں کے ساتھ اسلام آباد جا کر اس کو بند کرنے کا اعلان کیا ہوا ہے۔اس سے پہلے بھی 2014 میں عمران خان نے علامہ طاہر القادری کے ساتھ ملکر 14 اگست 2014 کواسلام آباد کا گھیراو کیا تھا اور 126 دن کا دھرنا دیا تھا۔ یہ دھرنا شاید اور چلتا لیکن 16 دسمبر 2014 کو پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر دہشتگردوں نے حملہ کیا جس میں 132 بچوں سمیت 148 افراد مارے گئے جس کی وجہ سے عمران خان نے اپنا دھرنا ختم کردیا تھا۔ اگست 2014 سے دسمبر تک عمران خان کا سارا احتجاج یا اسلام آباد میں دھرنا 11 مئی 20142013 کے انتخابات میں ہونے والی دھاندلی کے خلاف تھا۔

نواز شریف کابینہ کے وزرا جو ماہانہ آٹھ کروڑ روپے سے زیادہ تنخواہ تو سرکاری خزانے سے لیتے ہیں لیکن نوکری نواز شریف اور انکے اہل خانہ کی کرتے ہیں، حسب دستور وفاقی وزیر اطلات پرویز رشید سمیت وفاقی وزرا خواجہ آصف، عابد شیر علی، خواجہ سعد رفیق، ،اسحاق ڈار، احسن اقبال،چوہدری نثار علی خان

محمد زبیر، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف، صوبائی وزیر قانون رانا ثنا اللہ، ممبر قومی اسمبلی دانیال عزیز، سینیٹر نہال ہاشمی، مسلم لیگ ن کے رہنما طلال چوہدری اور طارق فضل چوہدری کنٹینر پر موجود ہیں اور نواز شریف کو بچانے کے لیے صبح سے شام تک کسی نہ کسی صورت میں عمران خان کے خلاف الزامات پر الزامات لگاتے ہیں، سب سے زیادہ شوکت خانم ہسپتال کے مالی معاملات کے بارے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اس میں دھاندلی کیں گیں ہیں، پہلے یہ الزام ممبر قومی اسمبلی دانیال عزیز نے لگائے تھے اب وہی الزام وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار لگا رہے ہیں جبکہ پاناما پیپرز اور شوکت خانم ہسپتال کے مالی معاملات دو علیدہ کیس ہیں، ابھی تو نواز شریف کو پاناما پیپرز کا جواب دینا لازمی ہے۔

نواز شریف کو مزید سیاسی توانائی دینے کے لیے پختونخوا ملی عوامی پارٹی کے سربراہ محمود خان اچکزئی اور جمعیت علماء اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان موجود ہیں، اس کے علاوہ پیپلز پارٹی کے رہنما اور قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے نواز شریف کو عمران خان کی جارحانہ بولنگ سے بچانے کی امید دلائی ہے۔ خورشید شاہ کا کچھ دن پہلے فرمانا تھا کہ عمران خان کا اسلام آباد بند کرنا غیر آئینی ہے۔ جبکہ جاپان میں موجود مسلم لیگ ن کے سیکریٹری اطلاعات مشاہد اللہ خان کا کہنا تھا کہ عمران خان کا اسلام آباد کو

بند کرنے کا اعلان اقدام بغاوت ہے۔ مولانا فضل الرحمان نے کہا ہے کہ پاناما کیس کی سپریم کورٹ میں سماعت کے بعد مظاہرے کا کوئی جواز نہیں، اسلام آباد بند کرنے کا اعلان عوام اور ملک کے ساتھ دشمنی ہے۔وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف اور مولانا فضل الرحمان نے ایک ملاقات کے بعد فرمایا کہ ان کے خیال میں ''اسلام آباد بند کرنے کا اعلان غیر جمہوری اور غیر آئینی ہے۔ تو پھر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نواز شریف کا پاناما پیپرز کا معاملہ لٹکائے رکھنا اور اسپیکر قومی اسمبلی کو اس معاملے میں اپنے حق میں استمال کرنا کیا غیر جمہوری اور غیر آئینی نہیں ہے؟۔

وزیر اعظم نواز شریف اپنے خلاف اس صورت حال کو اپنے انداز سے کنٹرول کرتے ہوئے نظر آئے۔ گذشتہ دنوں وہ کئی کئی گھنٹوں پر مشتمل پے درپے ملاقاتیں کر رہے تھے، پانچ روز میں پانچ بڑے اجلاس ہوئے۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت کے گذشتہ تین سال میں ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ جس وقت ملک کو قومی اتحاد کی ضرورت ہے، ملک سیاسی بحران کی طرف بڑھ رہا ہے، اپوزیشن لیڈر عمران خان نے کشمیر کے مسئلے پر پارلیمنٹ کے دو روزہ مشترکہ اجلاس کا یہ کہہ کر بائیکاٹ کردیا کہ 'میں نواز شریف کو وزیر اعظم نہیں مانتا وہ ایک کرپٹ شخص ہے۔ میں ایک کرپٹ شخص کی بلائی گئی کسی بھی کانفرنس اور مشترکا پارلیمنٹ کے اجلاس میں شرکت کرکے اس کے ہاتھ مضبوط نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کشمیر کی آڑ میں

پاناما پیپرز میں بیان کیے گئے الزامات سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں'۔ نواز شریف اور عمران خان دونوں کا دعویٰ تو یہی ہے کہ وہ کشمیریوں کے ساتھ کھڑے ہیں، کشمیری قوم بھارتی فوج سے لڑ رہی ہے جبکہ نواز شریف اور عمران خان ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ دونوں کے باہمی اختلافات اور ایک دوسرے سے ذاتی طور پر نفرت کشمیریوں سے ہمدردی پر غالب آگئی ہے۔

نیوز ایجنسی روئٹرز کی رپورٹوں کے مطابق ''وزیر اعظم نواز شریف کی حکومت کا پختہ ارادہ ہے کہ اپوزیشن سیاستدان عمران خان کی پاکستان تحریک انصاف کے وہ تمام احتجاجی مظاہرے اور دھرنے ہر صورت میں روک دیے جائیں گے، جن کے ذریعے اسلام کو بند کرانے کی کوشش کی جائے گی جبکہ تحریک انصاف اپنے احتجاج کے ساتھ اسلام آباد میں حکومتی دفاتر اور ٹرانسپورٹ کو بند کرا دینے کا ارادہ رکھتی ہے''۔ پاکستان کے اندر اس وقت سیاسی درجہ حرارت عروج پر ہے، نہ حکومت عمران خان کا کوئی مطالبہ ماننے کو تیار ہے اور نہ ہی عمران خان حکومت کو کوئی رعایت دینے کو تیار ہیں۔ کسی بھی طرح کے پر تشدد یا آئین سے ہٹ کر کوئی بھی عمل ملک کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ دو نومبر کو کیا ہوگا یہ تو دو نومبر کو ہی پتہ چلے گا کہ نواز شریف نے تلاشی دی یا استعفیٰ یا عمران خان کو 2014 کے دھرنے کی طرح پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایک ایسے وقت جب ہمارے سیاست دانوں کو قومی یکجہتی کا مظاہرہ کرنا چاہیے وہ آپس میں لڑ رہے ہیں، کیا اس

طرح ہمارا موجودہ سیاسی نظام باقی رہ پائے گا؟

دہشگردی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے

آپریشن ضرب عضب کے بعد پاکستان میں دہشتگردی میں بہت حد تک کمی آئی ہے اور یہ دعویٰ بھی کیا جارہا ہے کہ دہشتگردوں کی کمر توڑ دی ہے۔ کوئٹہ پولیس کے تربیتی مرکز پر حالیہ دہشتگردی سے صرف ایک روز قبل وزیراعظم نواز شریف نے پاکستان کا دورہ کرنے والی آئی ایم ایف کی مینجنگ ڈائریکٹر کرسٹین لگارڈ کو ایک ملاقات میں بتایا تھا کہ ملک میں دہشت گردوں کے نیٹ ورک توڑ دیے گئے ہیں اور اس وقت بھی پاکستان کے دو لاکھ فوجی دہشت گردی کے خاتمے کے لیے تعینات ہیں۔آٹھ اگست 2016ء کو کوئٹہ کے سول ہسپتال میں خود کش حملہ کیا گیا، جس میں کم از کم 70 افراد کے جاں بحق ہونے کی تصدیق ہوئی تھی، جاں بحق ہونے والوں میں زیادہ تعداد وکلا برادری کے لوگ تھے۔ وزیراعلیٰ بلوچستان نواب ثناء اللہ زہری نے اس واقعہ کا ذمہ دار بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کو قرار دیا تھا۔ تازہ ترین دہشتگردی میں جو 24 اکتوبر کی رات سریاب روڈپر واقع پولیس کے تربیتی مرکز میں تین مسلح دہشت گردوں نے کیا تھا، اس میں 61 اہلکار جاں بحق ہوئے اور100 سے زیادہ زخمی ہوئے ہیں جو زیادہ تر پولیس ٹرینی تھے۔

دہشتگردوں نے اس واقعہ کے بعد اپنی ٹوٹی ہوئی کمر کے ساتھ بڑی شان سے سینہ

ٹھونک کر بتایا کہ ہم داعش ہیں اور یہ دہشتگردی ہم نے کی ہے اور تم ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے، تھوڑی دیر کے بعد بلوچستان کے وزیر داخلہ سرفراز بگٹی نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ کوئٹہ میں پولیس کے تربیتی مرکز پر ہونے والا حملہ "داعش نے نہیں بلکہ لشکر جھنگوی العالمی نے کیا ہے"۔ عام طور پر تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ دہشتگرد ہمیں مار رہے ہیں لیکن ایک سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ دہشتگرد کامیاب کیسے ہوجاتے ہیں۔ آپ اگر آٹھ اگست اور 24 اکتوبر کے واقعات کی چھان بین کرینگے تو نتیجہ میں دہشتگردوں کی کامیابی کے پیچھے ذمہ داروں کی غیر ذمہ داریاں اور لاپرواہیاں ظاہر ہونگیں۔ آٹھ اگست کے سول ہسپتال کے واقعہ میں خودکش حملہ آور اس لیے کامیاب ہوا کہ ہسپتال کے احاطے میں کہیں بھی جیمرز موجود نہیں تھے، حکام نے واقعے کے بعد ہسپتال کے احاطے میں جیمرز لگادیئے، اگر یہ پہلے لگادیئے جاتے تو شاید ہم اتنی بڑی دہشتگردی سے بچ جاتے۔

کوئٹہ میں پولیس کے تربیتی مرکز میں ہونے والی دہشتگردی کے بارے میں بلوچستان کے وزیر داخلہ سرفراز بگٹی نے بتایا حملے کے وقت سینٹر میں 400 زیر تربیت اہلکار موجود تھے۔ جو اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ زیر تربیت اہلکاروں کو ایک شدت پسند نے یرغمال بنایا ہوا تھا اور جیسے ہی سکیورٹی اہلکار اس کمرے میں داخل ہوئے دہشت گرد نے اپنے آپ کو اڑا دیا۔ سرفراز

بگٹی نے سانحہ کوئٹہ کے بعد تربیتی مرکز کی خستہ حال دیواروں کی طرف توجہ دلانے پر نرالی منطق پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ دیوار بنانے کے لیے وزیراعلیٰ کی جیب میں پیسے نہیں پڑے ہوتے۔ جبکہ اس پولیس تربیتی مرکز کی سیکیورٹی کے لیے دیواروں کی مضبوطی کی درخواست گزشتہ ماہ آئی جی نے وزیراعلیٰ سے کی تھی اور اس وقت وزیراعلیٰ بلوچستان ثنااللہ زہری نے دوران تقریب ہی دیواریں تعمیر کرنے کی منظوری کا اعلان کیا تھا لیکن ڈیڑھ ماہ گزرنے کے باوجود بھی اس پر کوئی عملدرآمد نہیں ہوا۔ اگر یہ دیواریں پختہ ہوتی تو شاید تربیتی مرکز میں بھی اتنی بڑی دہشتگردی اتنی آسان نہ ہوتی۔

عالمی برادری نے دہشت گردوں کی جانب سے کوئٹہ میں پولیس ٹریننگ کالج پر حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے 61 افراد کے جاں بحق ہونے پر افسوس اور دکھ کا اظہار کیا ہے۔ جبکہ نواز شریف اور انکی کابینہ کے ارکان کے حواسوں پر اس وقت عمران خان کے دو نومبر کو اسلام آباد بند کرنے کا پروگرام کا چھایا ہوا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ نواز شریف کی کابینہ کے ارکان بغیر یہ سوچ کہ کس وقت کیا بولنا چاہیے وہ جب بھی زبان کھولتے ہیں تو عمران خان کے خلاف بولتے ہیں، اس کی ایک مثال تو وفاقی وزیر دفاع خواجہ آصف کا وہ ٹوئٹ ہے جس میں وہ کہہ رہے تھے کہ ''بھارت نے لائن آف کنٹرول پر حملہ کیا اور کوئٹہ و پشاور میں افغانستان سے حملے کیے گئے جبکہ عمران خان اب اسلام آباد پر حملہ کرنے کی

تیاری کر رہے ہیں، کیا یہ صرف حادثاتی روابط ہیں"۔ عمران خان نے شاید خواجہ آصف کو تو کوئی جواب نہیں دیا البتہ انکے رہنما نواز شریف کے لیے ایک ٹویٹ میں کہا ہے کہ نواز شریف ملک کے لیے سیکیورٹی رسک بن گئے ہیں"۔ اس کے علاوہ چیرمین پاکستان" پیپلزپارٹی بلاول زرداری نے وزیر دفاع خواجہ آصف کی ٹویٹ پر بہت ہی سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ "ایسے موقع پر سیاست کرنا شرمناک ہے اس لیے اپنا ٹویٹ اکاؤنٹ، اپنی وزارت، اپنی حکومت سب ڈیلیٹ کردیں"۔

وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار نے کوئٹہ کے تربیتی مرکز میں ہونے والی دہشتگردی کے بارے کہا کہ لوگ روز جنازے اٹھا کر تنگ آ گئے ہیں۔ عوام میں مایوسی ہے، ناقص سکیورٹی کے ذمہ داروں کو برطرف کر دینا چاہئے، صوبائی حکومت سے اس حوالے سے پوچھوں گا۔ چوہدری نثار دہشتگردوں کے ہر حملے کے بعد پوری پاکستانی قوم پر اپنا اور اپنی حکومت کا ایک احسان ضرور دہراتے ہیں کہ "ملک میں پہلے روزانہ 5 یا 7 دھماکے ہوتے تھے لیکن اب 5 یا 7 ہفتوں کے بعد کوئی دھماکہ ہوتا ہے"۔ اگلی مرتبہ چوہدری نثار کو اپنے احسان کو بڑھاتے ہوئے یہ بھی کہنا چاہیے کہ گذشتہ مرتبہ آٹھ اگست 2016 کو کوئٹہ کے سول اسپتال میں خودکش بم حملے میں 70 افراد جاں بحق اور 120 سے زائد زخمی ہوئے تھے، جبکہ اس تازہ حملے میں جو 24 اکتوبر کی رات سریاب روڈ پر واقع پولیس تربیتی

مرکز میں تین مسلح دہشت گردوں نے کیا تھا اس میں صرف 61 اہلکار جاں بحق ہوئے اور 100 سے زیادہ زخمی ہوئے ہیں جو زیادہ تر پولیس ٹرینی تھے۔اس طرح دیکھا جائے تو جاں بحق ہونے والوں کی تعداد میں بھی کمی واقع ہوئی ہے جو ہماری حکومت کا کارنامہ ہے۔

دہشتگرد ذمہ داروں کی لاپرواہی اور غیر ذمہ داری کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔وزیر اعلیٰ بلوچستان ثناء اللہ زہری کے مطابق کوئٹہ کئی روز سے ہائی الرٹ پر تھا کیونکہ بعض خفیہ ایجنسیوں نے وارننگ دی تھی کہ شہر میں کچھ دہشتگرد داخل ہو چکے ہیں جن میں خود کش بمبار بھی شامل ہیں، اس کے باوجود اتنا بڑا سانحہ ہو جانا عجیب سا لگتا ہے۔اپنی غیر ذمہ داری کا اقرار کرتے ہوئے صوبائی وزیر داخلہ سرفراز بگٹی نے کہا کہ تربیتی مرکز کو سیکیورٹی دینا ہماری ذمہ داری تھی، دہشتگرد حملے کی دھمکی موصول ہونے کے باوجود تربیتی مرکز کو سیکیورٹی نہ دے سکے جس کا کوئی نہ کوئی ذمہ دار ہے۔ بلوچستان حکومت کے ترجمان انوار الحق کاکڑ کا کہنا تھا کہ دہشتگردوں کا نشانہ بننے والے پولیس تربیتی مرکز میں سیکیورٹی کی صورتحال مثالی نہیں تھی، تربیتی مرکز کی سکیورٹی کے انتظامات پر خصوصی توجہ نہیں دی گئی تھی کیوں کہ موجود خطرات کے پیش نظر سیکیورٹی انتہائی سخت اور غیر معمولی ہونی چاہیے۔

مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے، انہیں سکیورٹی انتظامات پر بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ دہشت گرد خواہ کوئی بھی ہوں، داعش، طالبان، کالعدم تنظیمیں یا 'را'، لیکن ہر دہشتگردی کو روکنے کی ذمہ داری حکمرانوں پر آتی ہے جو انہیں پوری کرنی چاہیے کیونکہ دہشتگردی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔

عدلیہ میں نیوٹرل ایمپائرز کا انتظار

عمران خان اکثر اپنے کہے یا اپنے اعلان کردہ پروگراموں سے یوٹرن لے لیا کرتے ہیں اس لیے انہیں یوٹرن خان بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن 6 ستمبر 2016 کو جس دن انہوں نے کراچی کے نشتر پارک میں جلسہ کیا تھا اس دن سے شاید وہ یوٹرن لینا بھول گئے ہیں، کراچی کے جلسے میں انہوں اعلان کیا تھا کہ وہ 24 ستمبر کو رائیونڈ میں جلسہ کرینگے۔ 24 ستمبر کو تو نہیں البتہ 30 ستمبر کو عمران خان نے رائیونڈ کے اڈہ پلاٹ پر جلسہ کرکے اپنے 30 اکتوبر 2011 کے جلسے کی یاد تازہ کردی۔ عمران خان کے اس جلسہ سے پہلے کسی کو امید نہیں تھی کہ اتنا بڑا جلسہ ہوجائے گا۔ جلسے سے پہلے نواز شریف کے درباریوں نے اس جلسے کے بارئے میں بڑی بڑی باتیں کی تھیں، انکا دعوی تھا کہ اڈہ پلاٹ کے جلسے میں چند ہزار ہی لوگ جمع ہوپاینگے لیکن اس جلسے میں شریک ہونے والی نفری کو دیکھ کر جو یقیناً دو لاکھ سے زیادہ تھی نواز شریف اور انکے ساتھیوں پر بوکھلاہٹ طاری ہے۔ ساتھ ہی عمران خان کا پہلے 30 اکتوبر اور بعد میں دو نومبر کو اسلام آباد بند کرنے کے اعلان نے پوری نواز شریف حکومت کو ہلادیا ہے۔ عمران خان نے کہا ہے کشتیاں جلاکر اسلام آباد جارہے ہیں، ہمارا مقابلہ کرپشن کے شہنشاہ نواز شریف سے ہے۔ دو نومبر کا میچ میری زندگی کا سب سے اہم میچ ہے جس میں مد مقابل ٹیم گیارہ جعلی کھلاڑیوں

پر مشتمل کرپشن کا ٹولہ ہے۔

جمرات 27 اکتوبر 2016 کو اسلام آباد ہائیکورٹ کے جسٹس شوکت حسین صدیقی نے اپنے فیصلے میں احتجاج کے خلاف درخواستوں کی سماعت کرتے ہوئے فیصلہ دیا کہ 2 نومبر کو کسی کو بھی اسلام آباد بند کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ احتجاج کے نام پر عوام کے بنیادی حقوق پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ اسلام آباد ہائی کورٹ نے پاکستان تحریک انصاف کو احتجاج اور دھرنوں کے ذریعے شہر کو بند کرنے سے روکتے ہوئے پارٹی کے چیئرمین عمران خان کو 31 اکتوبر کو ذاتی حیثیت میں وضاحت کیلئے طلب کرلیا۔ دوران سماعت جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے ریمارکس دیئے کہ کسی کو کنٹینرز یا دھرنے سے سڑکیں بند کرنے کی اجازت نہیں دیں گے 'لگتا ہے وہ حکومت مفلوج کرنا چاہتے ہیں' امپائر صرف پاکستان کی عدالتیں ہیں، آن گراؤنڈ، آف گراؤنڈ اور اور ریزرو امپائر بھی عدالتیں ہی ہیں، کرکٹ میں رنگی کے اصول نہیں چلنے دیں گے۔

آزادی اظہار، تحریر و تقریر اور نقل و حرکت کی آزادی ہر شہری کا بنیادی حق ہے لیکن اس سے کسی دوسرے شہری کے بنیادی حقوق متاثر نہیں ہونے چاہئیں۔

پہلے پاکستان اور بھارت میں کرکٹ میچوں میں اپنے اپنے امپائر ہوتے تھے، ایک دوسرے کے ممالک میں جیتنا تقریباً ناممکن تھا، بھارت میں امپائر اور ٹیم

دونوں سے لڑنا پڑتا تھا۔ لیکن پھر عمران خان نے اپنے کرکٹ بورڈ سے لڑ کر اپنے ملک میں نیوٹرل ایمپائرز کے ذریعے تاریخ میں پہلی مرتبہ میچ کروائے تھے اور کہا تھا کہ میں کھیلوں گا تو نیوٹرل ایمپائرز کے ساتھ تاکہ کوئی ہماری جیت پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ آج کرکٹ کی دنیا عمران خان کو اس حوالے سے اپنا محسن مانتی ہے کہ عمران خان ہی وہ شخص ہے جس نے کرکٹ میں دھاندلی کرنے والے ایمپائرز کے ساتھ کھیلنے کے بجائے نیوٹرل ایمپائرز متعارف کروائے اور کرکٹ کے کھیل کو وقار اور اعتبار دیا۔ یہ سب بتانے کا مقصد یہ ہے کہ عمران خان کسی ایسے ایمپائر کے فیصلے کو نہیں مانے گا جس کے بارے میں اس کو زرا بھی شبہ ہو کہ وہ ایک نیوٹرل ایمپائر نہیں ہے۔

سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر سید علی ظفر نے کہا کہ ''وہ پاناما لیکس کیس میں ملوث افراد کے خلاف کارروائی کیلئے عمران خان کے مطالبے کی حمایت کرتے ہیں لیکن وہ احتجاجاً اسلام آباد بند کر دیئے جانے کے حق میں نہیں، جو آئین سے بالاتر اقدام ہوگا۔ للہذا عمران خان اپنے احتجاج کو آئینی حدود میں رکھیں۔ علی ظفر کا یہ بھی کہنا تھا کہ اسلام آباد ہائیکورٹ کو ایسا فیصلہ دینے سے گریز کرنا چاہئے تھا کیونکہ تحریک انصاف اس پر عملدرآمد نہیں کرے گی اور عدالت کا وقار داؤ پر لگ جائے گا۔ اسلام آباد ہائیکورٹ کو چاہئے تھا کہ وہ ثالث کا کردار ادا کرتی اور صورتحال سے نمٹنے کا معاملہ

حکومت پر چھوڑ دیا جاتا''۔ لیکن اسلام آباد ہائی کورٹ نے اسلام آباد کی انتظامیہ کو احکامات جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ دو نومبر کو اسلام آباد بند نہیں ہونا چاہیے۔ قبل ازیں عمران خان نے کہا تھا کہ وہ احتجاج کرتے ہوئے اسلام آباد بند کر دیں گے۔

عدالتی فیصلے کے بعد عمران خان کا کہنا تھا کہ میں پاکستان میں انصاف کے اداروں کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم سے جمہوری پرامن احتجاج کا حق چھینا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا 'اس حکم میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جن سے ہم اختلاف کرتے ہیں۔ ہم اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ کیا ہائی کورٹ کے پاس اس حکم کو جاری کرنے کا اختیار ہے۔ کیا ہائی کورٹ رٹ پٹیشن میں انفرادی طور پر کسی شخص کو بلا سکتی ہے؟'۔ تحریکِ انصاف کے رہنما اور معروف وکیل نعیم بخاری نے کہا کہ 'یہ فیصلہ نہیں ایک حکم ہے۔ یہ حکم ہمیں سنے بغیر جاری کیا گیا ہے، ہماری نظر میں یہ حکم اپنے دائرہ اختیار سے باہر نکل کر جاری کیا گیا ہے'۔ اس موقع پر معروف قانون دان بابر اعوان نے کہا کہ 'سپریم کورٹ کا فیصلہ تمام عدالتوں پر محکم ہے اور آئین کے آرٹیکل 10 کے تحت کسی فریق کو سنے بغیر کوئی فیصلہ یا حکم نہیں دیا جا سکتا'۔

جسٹس شوکت عزیز صدیقی سے بڑی معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ پاکستان کے عوام کو

پاکستانی عدالتوں کے ایمپائرز پر اعتبار نہیں ہے، کیونکہ پاکستانی عدالتوں میں بیٹھے ہوئے جج صاحبان نے ہمیشہ جانبدار ایمپائرز کا کردار ادا کیا ہے۔ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو اس بات کی بڑی مضبوط مثال ہیں، سابق آمر جنرل ضیاء الحق نے سپریم کورٹ کے ایمپائرز کی مدد سے ہی ایک منتخب وزیر اعظم کو پھانسی دی تھی اور ان ایمپائرز میں سے ایک ایمپائر جسٹس نسیم حسن شاہ نے اس بات کو تسلیم بھی کیا تھا کہ وہ فیصلہ جانبدارانہ تھا جو جنرل ضیاء الحق نے دباو میں کروایا تھا۔ نواز شریف جو فوجی آمر جنرل ضیاء الحق کی پیداوار ہیں انکے کرپشن پر احتجاج کیا جارہا ہے، ان پر الزام ہے کہ انہوں نے ملکی دولت کو لوٹ کر غیر قانونی طریقے سے ملک سے باہر بھیجا ہے، جس سے انہوں نے لندن میں عالیشان فلیٹ خریدے ہیں اور انکے دو بیٹے حسن نواز اور حسین نواز بڑے کاروبار کررہے ہیں۔ عمران خان کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف آج اربوں روپوں کے مالک ہیں۔ لیکن کیسے؟ یہ پیسہ جائز طریقے سے نہیں کمایا جاسکتا۔ عمران خان مطالبہ کررہے ہیں کہ نواز شریف یا تو تلاشی دیں یا پھر استعفٰی۔ حزب اختلاف کی باقی جماعتیں بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ نواز شریف سے وہی مطالبہ کررہی ہیں جو عمران خان کررہے ہیں۔ تاہم نواز شریف عمران خان یا حزب اختلاف کی جماعتوں کا کوئی بھی مطالبہ ماننے کو تیار نہیں۔

اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد گذشتہ دو دن میں ریاستی تشدد نے ایک

بار پھر ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ (ن) ہر عدالتی فیصلے کے خلاف عمل کرتی ہے چاہے وہ فیصلہ اس کے حق میں ہی کیوں نہ آیا ہو۔ خیر ابھی تو دو نومبر میں چار دن باقی ہیں اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ اس وقت تو خبر یہ ہے کہ سپریم کورٹ پاناما خفیہ دستاویزات کیس پریکم نومبر سے کارروائی شروع کرے گی۔ اب انتظار کیجیے کہ بڑے ایمپائرز کیا فیصلہ دیتے ہیں۔ میں اکثر عمران خان کی سیاست سے اختلاف کرتا ہوں لیکن بڑی ہی معذرت کے ساتھ مجھے اسلام آباد ہائی کورٹ کے ایمپائر جسٹس شوکت عزیز صدیقی کے فیصلے سے جانبداری کی بو آرہی ہے۔ خدا نہ کرے مگر ہو سکتا ہے آنے والی تاریخ میں یہ لکھا ہوا ملے کہ اپنے ریٹائرمنٹ کے بعد جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے بھی جسٹس نسیم حسن شاہ کی طرح اس بات کو تسلیم کیا کہ دو نومبر کے حوالے سے میرا فیصلہ جانبدارانہ تھا۔ کرکٹ کے لیے نیوٹرل ایمپائرز تو عمران خان لے آئے تھے، اب پاکستانی قوم کو عدلیہ میں نیوٹرل ایمپائرز کا انتظار ہے۔

سو لفظوں کی کہانی نمبر 76۔۔۔۔ سرجیکل اسٹرائیک ۔۔۔۔۔۔
حکومت نے لالوکھیت (لیاقت آباد) میں بھارت سے ہجرت کرکے
آنے والوں کو اسی گز کے پلاٹ پر ایک ٹین کی چھت کا کمرہ بنا کر دیا تھا
میں اور شرفو دونوں لالوکھیت میں پیدا ہوئے تھے
بھارت نے پاکستان پر سرجیکل اسٹرائیک کا دعویٰ کیا تو
میں نے شرفو سے پوچھا سرجیکل اسٹرائیک کیا ہوتا ہے
شرفو بولا وہ تو ہم بچپن میں رات کے اندھیرے میں کرتے تھے
ہم لوگوں کی چھتوں پر پتھر پھینک کر بھاگ جاتے تھے
آج بچے لوگوں کی گھنٹی بجا کر بھاگ جاتے ہیں
اس گندی حرکت کو سرجیکل اسٹرائیک کہا جاتا ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 77۔۔۔۔ ماں ۔۔۔۔۔۔
اختر کہہ رہا تھا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ
آپ کے پاس پیسے نہ ہوں تو بھوکے سوئیں
ہمارا خاندان والد، بڑے بھائی، چھوٹی بہن اور میں

والدہ کے انتقال کے بعد والد نے چچا کی شادی کر دی
بڑے بھائی کبھی دیر سے گھر آتے تو ان کو بھوکا سونا پڑتا تھا
چچی روٹی اور سالن اپنے کمرے میں رکھ کر سو جاتی تھیں
ایک دن بڑے بھائی سوتے میں روتے ہوئے امی امی پکار رہے تھے
دوسری صبح ان سے سوتے میں رونے کا سبب پوچھا تو بولے
بچہ رو رو کر ماں کو جب ہی پکارتا ہے جب وہ بھوکا ہوتا ہے

سو لفظوں کی کہانی نمبر 78۔۔۔۔ میں مالک ہوں ۔۔۔۔۔
'گذشتہ ماہ خوشی بھائی نعرہ لگا رہے تھے 'میں مالک ہوں، میں مالک ہوں
میں نے نعرہ کی وجہ پوچھی تو بولے کمپنی میں یونین کے انتخاب تھے
اور میں اپنی ہی کمپنی کی یونین کا بلا مقابلہ صدر بن گیا ہوں
کیوں آپکے سامنے آپکی کمپنی کا کوئی کارکن نہیں کھڑا ہوا؟
بولے کس کی ہمت ہے جو ایسا کرتا
آج دوپہر ایک خبر نشر ہوئی کہ وزیراعظم نواز شریف
اور مسلم لیگ ن کے سربراہ اپنی ہی پارٹی کے بلا مقابلہ صدر منتخب ہو گئے
'بے ساختہ مجھے خوشی بھائی کا نعرہ یاد آیا 'میں مالک ہوں، میں مالک ہوں

سو لفظوں کی کہانی نمبر 79۔۔۔۔ دس روپے کی اوقات ۔۔۔۔۔

دس روپے کا نیا سکہ پیدا ہوا تو اس کے ابا ڈار بہت خوش تھے
دس روپے کا سکہ دس پیسے کے سکے سے ملا تو
طنزیہ پوچھا تیری کیا اوقات تھی؟
دس پیسے کا سکہ بولا تیری قیمت مجھ سے سو فیصد زیادہ ہے
لیکن عرصے تک مجھے دیکر لوگوں کو ایک روٹی، یا
بس میں پانچ کلومیٹر سفر یا پھر ایک کپ چائے کی سہولت حاصل تھی
اب تو بتا کہ تیری کیا اوقات ہے؟
دس روپے کا سکہ شرمندگی سے بولا
ائے دس پیسے کے سکے میری اوقات تو تجھ سے بہت کم ہے
روتے ہوئے بولا ہائے ابا ڈار تو نے مجھے کیوں پیدا کیا

سو لفظوں کی کہانی نمبر 80۔۔۔۔ 30 اکتوبر۔۔۔۔۔۔
عمران خان نے پہلے 30 اکتوبر کو اسلام آباد بند کرنے کا اعلان کیا تھا
سابق وزیر اطلاعات پرویز رشید مردان کے ایک جلسے میں
بہت دبنگ انداز میں کہہ رہے تھے
عمران خان 30 اکتوبر کو اسلام آباد میں نہیں کہیں اور ہونگے
وزیراعظم نواز شریف نے پرویز رشید کو 30 اکتوبر سے
پہلے ایک خبر لیک ہونے پر وزارت سے ہٹادیا

30 اکتوبر کو عمران خان تو بنی گالا اسلام آباد میں ہی موجود تھے
لیکن پرویز رشید کہاں تھے معلوم نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ وزیر اعظم کے لیے پرویز رشید کی قربانی دی گئی ہے
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

لاک ڈاؤن: آؤ اب لوٹ چلیں

گذشتہ دو ماہ سے اور خاصکر 30 ستمبر 2016 سے پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اسلام آباد کو لاک ڈائون کرنے کا اعلان کر رہے تھے۔ چھ ستمبر کو عمران خان نے کراچی میں ایک جلسہ کیا جس میں اتنے ہی لوگ تھے جو عام طور پر کراچی میں ایم کیو ایم کی کارنر میٹنگ میں ہوتے ہیں اور خان صاحب نے پہلی مرتبہ کراچی میں کھل کر الطاف حسین کے خلاف تقریر کی جس کی وجہ الطاف حسین کی 22 اگست کی تقریر تھی۔ لیکن پھر بھی وہ کراچی کے جلسے میں الطاف حسین کے خلاف کم اور وزیراعظم نواز شریف کے خلاف کرپشن کے الزامات اور پاناما لیکس پر زیادہ بولے۔ 30 ستمبر کو عمران خان نے رائیونڈ کے اڈہ پلاٹ پر ایک بڑا جلسہ کیا، اس جلسے میں شرکا کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی۔ عمران خان نے نواز شریف سے مطالبہ کیا کہ یا تو آپ تلاشی دیں یا آپ استعفی دیں ورنہ 30 اکتوبر کو پی ٹی آئی اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کرئے گی لیکن کسی نے ان کو چھیڑا کہ 30 اکتوبر کو اتوار ہے تو انہوں نے اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کے لیے دو نومبر کا اعلان کیا۔ لاک ڈاؤن کا سیدھا سیدھا مطلب ہوتا ہے سب کچھ بند۔

دو نومبر کو کھیلے جانے والا ''اسلام آباد لاک ڈاؤن'' میچ نواز شریف اور

شہباز شریف کی جمہوری حکومتوں نے جمرات 27 اکتوبر کو اسلام آباد ہائیکورٹ کے جسٹس شوکت حسین صدیقی کے ایک متنازہ فیصلے کے بعد ہی شروع کردیا اور خود حکومت نے ہی اسلام آباد کو تقریباً لاک ڈائون کرڈالا۔ جسٹس صدیقی نے احتجاج کے خلاف درخواستوں کی سماعت کرتے ہوئے فیصلہ دیا کہ دو نومبر کو کسی کو بھی اسلام آباد بند کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ عمران خان کو اسلام آباد بند کرنے سے روکتے ہوئے پریڈ گراؤنڈ میں احتجاج کرنے کو کہا گیا تھا، جسکو انہوں نے فوری طور پر مسترد کردیا تھا۔ لیکن حکومت نے فوراہی اس فیصلے کے خلاف جس میں کہا گیا تھا کہ راستے بند نہیں کیے جائینگے، اسلام آباد جانے والے راستے بند کردیے۔ اس کے علاوہ اسلام آباد میں پہلے اور بعد میں پورے پنجاب میں دفعہ 144 کا نفاد کردیا گیا۔ عمران خان کے بنی گالہ کے گھر جانے والے راستے کو طاقت کے زریعے بند کیا گیا اور پولیس اپنے روایتی انداز میں عمران خان کے گھر کی طرف جانے والوں کو روکنے کے لیے بھرپور طاقت کا مظاہرہ کرتی رہی۔ لاہور اور پشاور سے اسلام آباد کی طرف آنے والے راستوں کو کنٹینر لگا کر بند کردیے گئے جسکا اثر کراچی اور پشاور کے درمیان چلنے والے ٹریفک پر بھی براہ راست پڑا۔

اتوار 30 اکتوبر کو نوشہرہ کے علاقے مانکی شریف میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک نے کہا تھا کہ ہمیں بنی گالا

جانے سے دنیا کی کوئی بھی طاقت نہیں روک سکتی، عدلیہ آزاد ہے، عمران خان کو بنی گالا سے نکال کر دکھائیں گے، وفاق نے غیور پٹھانوں کو للکارا ہے،پٹھان تحریک انصاف ہے اور تحریک انصاف پٹھان ہے۔ پرویز خٹک نے کہا کہ نواز شریف سے کہتا ہوں ہمارا حق نہیں دیتے، ہماری بات نہیں سنتے، باغی بنانا چاہتے ہو، باغی بن گئے تو ملک کا حشر نشر ہو جائے گا۔ نواز شریف سے کہتا ہوں، چوہدری نثار سے کہتا ہوں اور شہباز شریف سے کہتا ہوں آپ نے ہمارے راستے بند کر دیئے، ہمیں پاکستان سے کاٹ دیا ہے، پاکستان سے جدا کرو گے تو برا حشر کرکے دکھاؤں گا، تم میرے صوبے میں کیسے آؤ گے، صوبے میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس تقریر کے بعد ایم کیو ایم نے یہ بیان دیا کہ اگر یہ تمام باتیں ایم کیو ایم کے پلیٹ فارم سے کی جاتیں تو شاید اب تک ہم غدار قرار دیے جا چکے ہوتے، جبکہ قومی سطح پر اس تقریر کی مذمت کی گئی ہے، یہ تقریر ایک کھلے تعصب کا اظہار تھا۔

سپریم کورٹ نے اپنے پہلے سے اعلان کردہ یکم نومبر کو پاناما لیکس کے معاملے پر کارروائی کا آغاز کیا۔ سپریم کورٹ نے پاناما پیپرز کی وجہ سے سامنے آنے والے الزامات کے سلسلے میں پاکستان مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف سے کہا کہ وہ پاناما پیپرز کے کمیشن کے لئے اپنے ٹی او آرز عدالت میں جمع کروائیں ۔ عدالت نے الزامات کی تحقیقات کے لئے کمیشن قائم کرنے کا عندیہ بھی دیا جسکو

دونوں فریقین نے تسلیم کیا ہے، عدالت نے یہ بھی واضح کیا کہ کمیشن کا فیصلہ سپریم کورٹ کا فیصلہ سمجھا جائے گا اور فریقین کو لازمی اسے ماننا پڑے گا۔ افسوس عمران خان دو نومبر کا میچ یکم نومبر کو ہی ہار گئے اور یکم نومبر کو تحریک انصاف کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سپریم کورٹ میں اپنا میچ جیت گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اعلان کیا کہ اب دو نومبر کو ہم اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کرنے کے بجائے پریڈ گراونڈ میں یوم تشکر منایں گے۔ اس موقعہ پر قائد حزب اختلاف خورشید شاہ یاد آئے جو کہتے ہیں کہ عمران خان نواز شریف کی بہت مدد کررہے ہیں۔ نواز شریف کے حامیوں کا کہنا ہے کہ جو بات عمران خان نے سات ماہ بعد مانی ہے اگر پہلے ہی مان لیتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا جو ہوا ہے۔ وزیراعظم کے معاون خصوصی ڈاکٹر آصف کرمانی کا کہنا تھا کہ عمران خان یوم پسپائی اور لال حویلی یوم رسوائی منائے گا، پی ٹی آئی کا دھرنا کھایا پیا کچھ نہیں گلاس توڑا بارہ آنے ثابت ہوا۔ وزیر اعظم نواز شریف کی صاحبزادی مریم نواز کا کہنا تھا کہ ملک میں افراتفری اور انارکی پھیلانے کی کوشش ناکام ہو گئی امید ہے شکست خوردہ لوگ اپنی شکست سے سبق سیکھیں گے۔

پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کی جانب سے دھرنا اور احتجاج ختم کرنے کے بعد کافی سیاسی رہنماؤں نے انہیں تنقید کا نشانہ بنایا۔ علامہ

طاہر القادری نے عمران خان کے اس فیصلے پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور یوم تشکر کے سلسلے میں ہونے والے جلسہ میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ تحریک انصاف کے سابق صدر اور سینئر سیاستدان مخدوم جاوید ہاشمی کا کہنا ہے کہ تحریک انصاف کا یہ یوم تشکر نہیں یوم تضحیک ہے، عمران خان قوم کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور خود کو سمجھتے ہیں کہ ان سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں ہے۔ سینئر تجزیہ کاروں نے کہا ہے کہ پی ٹی آئی نے احتجاج میں کم عوامی شرکت کے پیش نظر لاک ڈاؤن مؤخر کیا ہے۔ سوشل میڈیا پر تحریک انصاف کے حامیوں کی اکثریت انکے فیصلے کی حمایت کر رہی ہے جبکہ کچھ اپنی قیادت پر جارحانہ انداز میں تنقید کر رہے ہیں۔ عمران خان سے پوچھا جارہا ہے کہ اگر آپ کو یکم نومبر کو ہی میچ ختم کرنا تھا تو کے پی کے اور دوسرے علاقوں سے آنے والے ہزاروں لوگوں کو امتحان میں کیوں ڈالا گیا، جو نوجوان کھجوریں، چنے، پانی کی بوتلیں ساتھ لیکر آئے تھے وہ ایک عزم اور مقصد کیلئے آئے تھے یہاں یوم تشکر منانے نہیں آئے تھے۔

سینئر تجزیہ کاروں نے پریڈ گراونڈ میں ہونے والے سیاسی میلہ کے سلسلے عمران خان سے پوچھا ہے کہ وہ کس بات پر جشن منا رہے ہیں، کیا وہ اس پانچ دن کے بچے کی ہلاکت کا جشن منا رہے ہیں جسے وہ تحریک کا پہلا شہید قرار دے رہے تھے۔ سوشل میڈیا پر بھی عمران خان سے یہ ہی پوچھا جارہا ہے کہ عمران خان کس

کامیابی پر یوم تشکر منارہے ہیں، کیا وہ اپنے دو کارکنوں کی شیلنگ سے جاں بحق ہونے اور ایک فوجی افسر کی ناگہانی موت کا جشن منارہے ہیں۔ عمران خان نے کیوں حسب سابق یوٹرن لیتے ہوئے اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کرنے کے بجائے یوم تشکر کا اعلان کیا؟ جواب سیدھا سیدھا ہے کہ عمران خان اور پی ٹی آئی کی قیادت اپنے دعوی کے برخلاف عوام کو نہ ہی متحرک کرسکے اور نہ ہی بڑی تعداد میں انکو اسلام آباد لاسکے۔ اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کرنے کے حوالے سے ہلچل صرف پنجاب اور کے پی کے میں تھی، سندھ اور بلوچستان میں عوامی سطح پر اسلام آباد میں ہونے والی سیاسی سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

یوم تشکر کے جلسے میں عمران خان نے جو کچھ کہا وہ پہلے بھی کئی بار کہہ چکے ہیں، جلسے میں شرکا کی تعداد عمران خان کے دعوں کے برعکس بہت کم تھی، یہ ایسی ہی تھی جیسے عام طور پر ماضی میں پی ٹی آئی کے جلسوں میں رہی ہے۔ جلسے میں موجود کارکنوں میں جوش وخروش تو تھا لیکن ان میں سے بعض عمران خان کی جانب سے دھرنے کی کال واپس لیے جانے پر مایوس تھے۔ یوم تشکر میں شرکت کے بعد پی ٹی آئی کے کارکن شاید آپس میں کہہ رہے ہونگے 'لاک ڈاؤن تو ہوا نہیں آؤ اب لوٹ چلیں'۔ اصل جشن تو نواز شریف کو منانا ہے، وہ جانتے ہیں کہ سپریم کورٹ میں اتنی جلد ہی فیصلے نہیں ہوا کرتے۔ موجودہ چیف جسٹس 30 دسمبر کو ریٹائر ہوجاینگے اور تب تک شاید فیصلہ نہ ہوپائے، پاکستان میں عدالتی

فیصلوں میں ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ اصغر خان کیس کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ سپریم کورٹ سے قتل کے ایک ملزم مظہر کو انیس سال بعد انصاف ملتا ہے اور رہا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ بے شک انصاف ہوا بس فرق صرف اتنا ہوا کہ مظہر کو جب رہائی ملی تو اس کو طبعی موت مرے ہوئے دو سال ہو چکے تھے۔ یوم تشکر میں موجود راولپنڈی کی ایک خاتون سمیہ کا کہنا تھا کہ 'پہلے دھرنا دینا تھا اب صرف جلسہ ہو رہا ہے۔۔۔ لیکن کوئی بات نہیں ایک دن عمران خان لیڈر بن ہی جائیں گے'۔

پاکستان کا اصل اقتصادی نقشہ

وزیر اعظم نواز شریف دعوی کر رہے ہیں کہ 'پاکستان کا اقتصادی نقشہ مکمل تبدیل ہو چکا ہے'۔ انکے کہنے کا مطلب یہ کہ انکی تین سالہ حکومت میں پاکستان میں خوشحالی آئی ہے۔ کیا آپ ان کی اس بات سے متفق ہیں؟۔ آیئے معلوم کرتے ہیں کہ پاکستان کے عوام کا اصل اقتصادی نقشہ کیا ہے؟۔

اسلام آباد میں ''لاک ڈاؤن'' میچ ہونا تو دو نومبر کو تھا لیکن وزیر اعظم نواز شریف کے بہت ہی ہونہار وزیر داخلہ چوہدری نثار نے اس میچ کو جمرات 27 اکتوبر کو ہی شروع کردیا، پولیس اور دیگر اداروں کی بھرپور مار دھاڑ کے ساتھ یہ میچ ابھی جاری ہی تھا کہ پہلی نومبر کو سپریم کورٹ نے اپنے ایمپائر ہونے کا اعلان کیا جسکو دونوں فریقوں نے مانا۔ عمران خان نے تو''لاک ڈاؤن'' میچ کا نام تبدیل کرکے دو نومبر کو 'یوم تشکر' مناکر میچ ختم ہونے کا اعلان کردیا، اب گیند سپریم کورٹ کے کورٹ میں موجود ہے۔ اس دوران ہمارے محترم وزیر اعظم منظر سے بلکل غائب رہے، عمران خان کے یوم تشکر کے بعد ان کی سانس بحال ہوئی تو منظر عام پر آئے اور اب وہ کہہ رہے ہیں کہ 'پاکستان کی ترقی مخالفین کو ہضم نہیں ہورہی، دھرنا دینے والے پاکستان کو اندھیروں میں

دھکیلنا چاہتے ہیں، پاکستان میں اقتصادی اور دفاعی ترقی مسلم لیگ (ن) کے دور میں ہوئی۔زرمبادلہ کے ذخائر 23 ارب ڈالرز تک پہنچ چکے ہیں، عالمی سرمایہ کاری کو ترغیب دینے اور مسابقت کا ماحول بنانے کے لئے خصوصی اقتصادی زونز کا قانون بنایا گیا ہے‘۔

وزیر خزانہ اسحاق ڈار بھی فرمارہے ہیں کہ گزشتہ تین برسوں میں حکومت کی اقتصادی کامیابیوں کے باعث بیرونی سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں، چین پاکستان اقتصادی راہداری کے تحت ہونیوالی سرمایہ کاری سے پاکستان میں انفراسٹرکچر میں ترقی کو فروغ حاصل ہوا ہے چین اور پاکستان کے قریبی تعاون سے خطے میں رابطوں کو مزید فروغ حاصل ہوا ہے۔وزیر اعظم اور وزیر خزانہ کے پاس حکومت کی اقتصادی کامیابیوں کا پیمانہ صرف اور صرف چین پاکستان اقتصادی راہداری ہے۔ بدقسمتی سے اس منصوبے پر بھی پاکستان کی کچھ سیاسی جماعتیں انگلیاں اٹھارہی ہیں اور اس کو چین پنجاب اقتصادی راہداری کا نام دیا جارہا ہے۔یہ دینا اب گلوبل ورلڈ کہلاتی ہے اس لیے صرف چین کے نام پر اقتصادی کامیابیوں کا ڈھنڈوراپیٹنا مناسب نہیں۔وزیر اعظم اور وزیر خزانہ یہ تو بتارہے ہیں کہ زرمبادلہ کے ذخائر 23 ارب ڈالرز تک پہنچ چکے ہیں لیکن دونوں یہ نہیں بتاتے کہ ان کے تین سالہ دور حکومت میں کتنا قرض لیا گیا اور مہنگائی کس رفتار سے بڑھی ہے؟۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے

اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے اپنی مالیاتی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ "پاکستان میں مہنگائی دوگنی ہو گئی ہے"۔

اگر وزیر اعظم اور وزیر خزانہ اپنی اقتصادی کامیابیوں کے سراب سے باہر نکل کر دیکھیں تو انکو پتہ چلے گا کہ ستمبر 2016 میں ورلڈاکنامک فورم کے مطابق عالمی مسابقتی 138 ملکوں میں پاکستان 126ویں سے 122ویں نمبر پر تو ضرور آگیا ہے لیکن جنوبی ایشیائی ملکوں میں اب بھی پاکستان آخری نمبر پر ہے۔ بھارت اس فہرست میں 39ویں، سری لنکا ویں اور بنگلہ دیش 106ویں پوزیشن پر ہے۔ رپورٹ میں پاکستان کی ترقی میں 71 کرپشن، ٹیکسوں کی شرح، حکومتی عدم استحکام اور سیاسی افراتفری کو بڑی رکاوٹیں قرار دیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ ہر سال 16 اکتوبر کو یوم خوراک مناتی ہے۔ اس سال ورلڈ فوڈ پروگرام کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کم و بیش نصف پاکستانی مہنگائی میں اضافہ کے باعث خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔ گذشتہ ایک سال میں بھوک و افلاس کا شکار افراد کی تعداد میں 35فیصد اضافہ ہوا ہے، گذشتہ سال یہ تعداد 6 کروڑ کے لگ بھگ تھی جو آج بڑھ کر 7 کروڑ70 لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ غریب آدمی کی قوت خرید تقریباً 50فیصد تک کم ہو گئی ہے۔ عالمی خوراک پروگرام کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان میں ملین ٹن آٹا (سالانہ) استعمال ہوتا ہے۔ جواب نایاب یا کمیاب ہے۔ اقوام متحدہ کی 30 ایک اور رپورٹ کے مطابق پاکستان کے ایک لاکھ

چوبیس ہزار اسکولوں میں اوسطاً صرف دو استاد ہیں، پچاس ہزار اسکول پینے کے پانی اور ہزار بجلی سے محروم ہیں جبکہ پانچ سے نو سال تک کے 32 فیصد بچے اسکول ہی نہیں 66 جاتے۔

گذشتہ ماہ اکتوبر میں آئی ایم ایف کی سربراہ کرسٹین لاگارڈے نے پاکستان کا دورہ کیا تھا۔ آئی ایم ایف کی سربراہ نے غیر مبہم الفاظ میں کہا کہ پاکستان معاشی بحران سے نکل کر دنیا کی ابھرتی ہوئی معیشتوں میں شامل ہوگیا ہے، موجودہ حکومت کی شاندار کامیابی اور پاک چین اقتصادی تعاون بالخصوص اقتصادی راہداری کو پاکستان کے لیے ترقی اور خوش حالی کا اہم منصوبہ قرار دیا۔تاہم آئی ایم ایف کی سربراہ نے پاکستانی معیشت کی ہموار ترقی میں حائل رکاوٹوں کی بھی واضح طور پر نشان دہی کی۔ اس ضمن میں ان کا کہنا تھا کہ کرپشن کا تاثر پاکستان میں بین الاقوامی نجی سرمایہ کاری کی آمد میں ایک بڑی رکاوٹ ہے لہٰذا پاکستان کو کرپشن کے خلاف نتیجہ خیز احتساب کو یقینی بنانا اور معاملات میں مکمل شفافیت کا اہتمام کرنا ہوگا۔آئی ایم ایف کی سربراہ کا کہنا تھا کہ پاکستان کا قرضہ مجموعی قومی پیداوار کے 65 فیصد کے برابر ہوگیا ہے اور اس کا حجم 19 ہزار ارب روپے تک جاپہنچا ہے لہٰذا قرضوں کا بوجھ کم کرنا بہت ضروری ہے۔ انہوں نے بتایا کہ پاکستان میں اس وقت سرمایہ کاری معیشت کے دس فی صد کے مساوی ہے جبکہ دوسری ابھرتی ہوئی معیشتوں میں یہ

تناسب اٹھارہ فیصد تک ہے۔اسی طرح برآمدات کا تناسب پاکستان میں معیشت کا دس فیصد جبکہ دیگر ابھرتی ہوئی معیشتوں میں چالیس فیصد تک ہے۔

آئی ایم ایف کی سربراہ نے مزید کہا کہ ''کرپشن کے باعث سرمایہ کار پاکستان نہیں آتے اور ہر سال 20 لاکھ بے روزگاروں کا اضافہ ہو رہا ہے اور قرضوں پر سود ترقیاتی پروگرام سے بھی زیادہ ہے''۔بقول جناب حسن نثار''زہریلا ترین سچ یہ کہ پاکستان کی معیشت کوئی چاہے بھی تو بہتر ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ جس برتن کا پیندا ہی نہ ہو اسے سمندر بھی نہیں بھر سکتے اور پاکستان کے اقتصادی برتن میں تو چھیدوں کے سوا ہے ہی کچھ نہیں''۔

سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں 40 فیصد، پیپلز پارٹی کے دور میں 50 فیصد اوراب مسلم لیگ (ن) کے دور میں پاکستان کی 60 فیصد زیادہ آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذار رہی ہے۔ان میں سے 20 فیصد روزانہ 200 روپوں سے کم یا بلکل نہیں کما پاتے ہیں اور انکے لیے زندہ رہنا مشکل ہوتا ہے۔۔۔انکے کھانے کا انتظام مختلف این جی او کے دستر خوانوں سے پورا ہوتا اور جو بہت ہی مجبور اور بے کس ہوتے ہیں وہ اپنا کھانا ملک میں موجود لاکھوں کوڑوں کے ڈھیروں سے حاصل کرتے ہیں۔

کپڑوں کے لیے وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے حالیہ بجٹ میں استعمال شدہ کپڑے یا لنڈا بازار کے کپڑوں پر سیلز ٹیکس کی شرح دس فیصد سے کم کرکے آٹھ فیصد کردی ہے اور اس کارنامے پر انہوں نے قومی اسمبلی میں فرمائش کرکے تالیاں بھی بجوایں۔

لاکھوں لوگ اسحاق ڈار کو دعایں دیۓ رہے اور دعاوں میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ اسحاق ڈار اور انکے بچوں کو بھی یہ کھانے اور کپڑۓ نصیب کرۓ۔

وزیر اعظم نواز اشریف اور وزیر خزانہ اسحاق ڈار کو منفی صورت حال کو تسلیم کرنا چاہیے اور بہتر پالیسیوں اور اقدامات کے ذریعے ملک کو ترقی کے راستے پر ڈالنا چاہئے۔

اب تو الیکٹرک یا ویلڈنگ کا کام سیکھ کر دبئ میں بھی نوکری نہیں مل رہی ہے، اس لیے کہ شیخوں کے خود حالات خراب ہیں۔یہ بہت مختصر طور پر "پاکستان کے عوام کا اصل اقتصادی نقشہ " ہے۔آخر میں آپ سے پھر وہی سوال جو میں نے شروع میں کیا تھا کہ وزیر اعظم نواز شریف دعوی کر رہے ہیں کہ 'پاکستان کا اقتصادی نقشہ مکمل تبدیل ہو چکا ہے'۔کیا آپ ان کی اس بات سے متفق ہیں؟۔

عشرت العباد بھی رخصت ہوئے

دو مارچ 1963 کو کراچی میں پیدا ہونے والے سابق گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انتہائی خوش اخلاق، ملنسار، منکسر المزاج اور پر خلوص انسان ہیں۔ وہ گورنر سندھ کی حیثیت سے اقدار کے ایوانوں میں متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کی آخری نشانی تھے جواب رخصت ہو چکے ہیں اوراس کے ساتھ ہی مسلم لیگ (ن) جس کی سندھ میں کوئی سیاسی حیثیت نہیں ہے، اس نے اپنے ایک حامی اسی سالہ بزرگ سابق چیف جسٹس سعیدالزماں صدیقی کو جو دو مرتبہ مسلم لیگ (ن)کے ناکام صدارتی امیدوار بھی رہ چکے ہیں گورنر سندھ مقرر کیا، جو اب سندھ کے گورنر کی حیثیت سے حلف اٹھاچکے ہیں۔ سندھ میں نیا گورنر مقرر کرنے سے پہلے وفاقی حکومت نے نہ تو صوبہ سندھ کی حکمراں پیپلز پارٹی سے مشورہ کیا اور نہ ہی سندھ کی دوسری بڑی سیاسی جماعت ایم کیو ایم سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ ایم کیو ایم پاکستان) نے وفاقی حکومت سے بھرپور شکوہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”ایم کیو ایم صوبہ) سندھ کی دوسری بڑی سیاسی جماعت ہے اور یہ مناسب ہوتا کہ گورنر کی تبدیلی کے فیصلے پر صوبہ کی دوسری بڑی نمائندہ جماعت کو بھی اعتماد میں لیا جاتا، ڈاکٹر عشرت العباد ایم کیو ایم کے نامزد گورنر تھے اور انہوں نے صلاحیت کے ساتھ صوبے کی خدمت کی“ ۔

ڈاکٹر عشرت العباد نے کراچی کے ڈاؤ میڈیکل کالج میں طالب علمی کے زمانے میں آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے ایک کارکن کی حیثیت سے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ وہ 1990 کے عام انتخابات میں ایم کیو ایم کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کی نشست پر کامیاب ہوئے تھے، بعد میں وہ مرحوم وزیراعلیٰ جام صادق علی کی کابینہ میں صوبائی وزیر بھی رہے۔ جون 1992 میں جب کراچی میں ایم کیو ایم کے خلاف فوجی آپریشن شروع ہوا تو ڈاکٹر عشرت العباد منظر سے غائب ہوگئے اور ایک سال کے بعد لندن میں نمودار ہوئے، وہاں انھوں نے سیاسی پناہ حاصل کر لی تھی۔ ایک زمانے میں ڈاکٹر عشرت العباد ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین کے بہت قریب سمجھے جاتے تھے اور جب الطاف حسین نے ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کے کنوینر ڈاکٹر عمران فاروق کو اختلافات کی بنیاد پر کنوینر شپ سے ہٹایا تو انہیں قائم مقام کنوینر مقرر کیا تھا۔ الطاف حسین کے کہنے سے 2002 میں ڈاکٹر عشرت العباد برطانیہ سے پاکستان آئے، انہیں 27 دسمبر 2002 کو اس وقت کے صدر پرویز مشرف نے گورنر سندھ مقرر کیا تھا۔

ڈاکٹر عشرت العباد خان 27 دسمبر 2002 سے 9 نومبر 2016 تک سندھ کے گورنر رہے جو ایک ریکارڈ مدت ہے، یہ مدت 13 سال 10 ماہ اور 13 دن یا 5161 دن پر محیط ہے۔ ڈاکٹر عشرت العباد نے چار پاکستانی صدروں پرویز مشرف، میاں محمد سومرو، آصف

علی زرداری اور ممنون حسین کے ماتحت کام کیا، وہ جب گورنر بنے تو پاکستان کے سب سے کم عمر گورنر تھے، سندھ کے گورنر کی حیثیت سے وہ ایم کیو ایم اور اسٹیبلشمنٹ میں رابطے کا اہم ترین ذریعہ بھی بن گئے تھے، گورنر شپ کے عہدے پر رہتے ہوئے وہ سیاسی توڑ جوڑ کے بھی ماہر ہو گئے تھے۔ مختلف سیاسی حلقے ان سے ایسے خوش تھے کہ پرویز مشرف کے متعین گورنر کو نہ آصف زرداری نے ہٹایا اور نہ ہی نواز شریف نے۔ ڈاکٹر عشرت العباد نے انصار برنی کے ساتھ ملکر صومالی قزاقوں سے پاکستانی اور دوسرے ملکوں کے باشندوں کو رہا کروانے کے لیے جو کامیاب کوششیں کیں، وہ انتہائی قابل تعریف اور انسان دوستی کی بہترین مثال ہے، عالمی سطح پر بھی اُن کو اس کامیابی پر کافی شہرت ملی تھی۔

سابق صدر آصف زرداری نے 2012 میں ڈاکٹر عشرت العباد کو نشان امتیاز دیا تھا۔ نشان امتیاز دینے کی وجہ ڈاکٹر عشرت العباد کی گورنر کی حیثیت سے وہ پیشہ ورانہ خدمات تھیں جو انہوں نے "غیر ملکی سرمایہ کاری، تعلیم، امن و امان کے قیام، فن و ثقافت اور زندگی کے دیگر شعبہ جات" میں سرانجام دیں تھیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شاید یہ ایک سیاسی رشوت تھی کیونکہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ 2010 سے 2013 کراچی کی تاریخ کے بدترین سال رہے ہیں۔ 2012 میں مرکزی بینک کے جاری اعداد و شمار کے مطابق مالی سال 12-2011 میں غیر ملکی سرمایہ کاری کا حجم 68 کروڑ ڈالر رہا تھا جو مالی سال 11-2010 میں ایک

ارب 90 کروڑ ڈالر سے بھی زائد تھا۔ تعلیم کا برا حال تھا 2012 میں آغا خان یونیورسٹی کی ایک تحقیق کے مطابق سندھ کے ستر فیصد پرائمری اسکولوں میں طلبہ کو سارا دن میں صرف پندرہ منٹ پڑھایا جاتا تھا۔ امن وامان کے قیام کے حوالے سے کراچی میں لوٹ مار، بھتہ خوری، لاقانونیت، قتل وغارت گری اور دہشت گردی میں 2012 میں دو ہزار سے زیادہ افراد قتل ہوئے تھے۔ ان حالات میں گورنر ڈاکٹر عشرت العباد کی اپنی پارٹی ایم کیو ایم کراچی کی بدترین امن وامان کی صورتحال پر بھرپور احتجاج کررہی تھی اور حکومت سے علیدگی بھی اختیار کرچکی تھی۔ فن و ثقافت کبھی کراچی کی پہچان ہوا کرتے تھے لیکن 2012 میں نہ فن تھا اور نہ ہی ثقافت، 2012 میں فن اسلحہ چلانے اور ثقافت انسانی قتل کو کہتے تھے۔ ان حالات میں زندگی کے دیگر شعبہ جات زوال پذیر تھے۔ صوبہ سندھ میں انتہائی مخدوش، پریشان کن اور پر انتشار صورتحال کے باوجود ڈاکٹر عشرت العباد کو نشان امتیاز دیا گیا جو سندھ اور خاصکر کراچی میں رہنے والوں کی سمجھ سے باہر تھا۔

کراچی آپریشن کے دوران جب ایم کیو ایم کے گرد گھیرا تنگ ہوا تو الطاف حسین کو احساس ہوا کہ ڈاکٹر عشرت العباد ان سے دور جاچکے ہیں۔ ایک سال قبل الطاف حسین نے نہ صرف انہیں ایم کیو ایم سے نکال دیا تھا بلکہ ان کے ساتھ اپنے سماجی رشتے بھی توڑ لیے۔ بظاہر تو ابھی ڈاکٹر عشرت العباد کو گورنر سندھ کے

عہدے سے ہٹانے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی ، چودہ سال بعد ایسا کیا ہوا کہ انکو اچانک گورنر کے عہدے سے ہٹا دیا گیا، ہوسکتا ہے انکی ایم کیو ایم سے علیدگی کے بعد ان کی اہمیت کم ہوگئی تھی یا اس وجہ سے کہ حال ہی میں پاک سرزمین پارٹی کے چیرمین اور سابق ناظم کراچی مصطفیٰ کمال نے ان پر کرپشن کے الزامات لگائے تھے، جس کے جواب میں انہوں نے بڑی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے مصطفیٰ کمال اور ایم کیو ایم پر الزامات لگائے ۔ اگرچہ بعد میں ڈاکٹر عشرت العباد نے اپنے رویے میں تبدیلی پر افسوس کا بھی اظہار کیا، لیکن شاید اقتدار کے ایوانوں میں ان کے اس کردار کو پسند نہیں کیا گیا اور ڈاکٹر عشرت العباد کو اقتدار کے ایوانوں سے رخصت ہونا پڑا۔ انتظار کیجیے تھوڑے سے عرصے کے بعد سب حقیقت سامنے آجائے گی۔

تین پودے اور نواز شریف

کہتے ہیں جو پودے آپ نے آج لگائے ہیں ضروری نہیں کہ جب وہ مکمل درخت بن جایں تو اس کے پھل آپ کو کھانے کو ملیں یا اس میں سے نکلنے والے کانٹے آپ کو چبھیں، لیکن ایسا ضرور ہوگا کہ آپ کے پھل اور کانٹے دینے والے پودوں کو لگانے کا فائدہ یا نقصان کسی نہ کسی کو ضرور ہوگا۔ ماضی کے حکمرانوں نے اپنے دور اقتدار میں مختلف منصوبے شروع کیے اس مضمون کی حد تک ہم ان منصوبوں کو پودوں سے تشبیہ دیے لیتے تاکہ مضمون کو بہتر انداز میں سمجھا جاسکے۔

نواز شریف 25 دسمبر 1949 کو پیدا ہوئے تھے اور جب بھٹو نے ایٹمی صلاحیت کے حصول کا پودا لگایا تو اس وقت وہ صرف 22 سال ایک ماہ کے تھے۔ 24 جنوری 1972 کا دن پاکستان کی تاریخ کا وہ اہم دن ہے کہ اس روز ملک کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ایک خفیہ اجلاس میں عسکری مقاصد کے لیے ایٹمی طاقت کے حصول کے لیے جدوجہد شروع کرنے کا فیصلہ کیا، اس دن پاکستان نے دنیا کی ایک ایٹمی طاقت بننے کے سفر کا آغاز کیا تھا۔ 18 مئی 1974 کو بھارت نے ایٹمی تجربے کیے تو بھارت کے ساتھ عسکری توازن کے مقابلے کے لیے پاکستان کے ایٹمی پروگرام میں بھی تیزی آگئی۔ مئی 1998 کو بھارت نے یکے بعد دیگرے 3 ایٹمی دھماکے 13

کیے۔اس وقت نواز شریف دوسری مرتبہ پاکستان کے وزیراعظم تھے۔ 28 مئی 1998 کو تین بجے کے بعد چاغی کے سیاہ پہاڑ لرز اٹھے۔ بھارت کے 3 ایٹمی دھماکوں کے جواب میں پاکستان نے 5 کامیاب ایٹمی دھماکے کر دیئے تھے۔ذوالفقار علی بھٹو کا لگایا ہوا ایٹمی پودا جو اب ایک مضبوط درخت بن چکا ہے اس کا پھل جب ملا تو ہر پاکستانی خوش تھا۔ نواز شریف اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہو رہے تھے۔ ایٹمی دھماکوں کے بعد انکی شہرت کا گراف بلند ترین سطح پر تھا۔

گوادر کی بندرگاہ کی تعمیر کا منصوبہ 2002 میں سابق صدر (ر) جنرل پرویز مشرف نے شروع کیا اوران ہی کے دور میں 24 کروڑ ڈالر کی لاگت سے یہ منصوبہ 2007 میں مکمل ہو گیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کے آخری دنوں میں پاکستان میں بڑے پیمانے پر چینی سرمایہ کاری کی باتیں سامنے آنے لگیں تھیں۔ 2013 میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت نے اعلان کیا کہ چینی حکومت نے پاکستان میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔اس منصوبے کو ''چین پاکستان اقتصادی راہداری'' کا نام دیا گیا جو بنیادی طور پر خنجراب کے راستے چین کو گوادر کی بندرگاہ سے ملانے کا منصوبہ ہے۔ 46 ارب ڈالر کے اس معاہدے پر 2015 میں دستخط ہوئے۔ اس منصوبے میں سڑکیں، ریلوے لائن، بجلی کے منصوبوں کے علاوہ متعدد ترقیاتی منصوبے بھی شامل ہیں۔ 13 نومبر 2016 کو وزیراعظم نواز شریف نے گوادر بندرگاہ کا باضابطہ افتتاح کرکے اسے فعال

کر دیا ہے اور پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے کے تحت چین کا پہلا تجارتی جہاز گوادر بندرگاہ سے روانہ ہو گیا۔ سابق صدر پرویز مشرف کے 2002 میں لگائے ہوئے گوادر بندرگاہ کا پودا جو اب ایک تناور درخت بن چکا ہے، نواز شریف اسکا پھل کھا رہے ہیں اور بھرپور سیاسی فائدہ اٹھا رہے ہے۔ بقول نواز شریف پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے سے پورے پاکستان کو فائدہ ہو گا۔

جنرل ضیاء الحق نے 1979 میں بھٹو کو پھانسی دی تھی، بھٹو کی پھانسی کے بعد میں پوری دنیا میں ضیاء الحق کی حکومت کی حمایت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ 1979 میں ہی روس افغانستان میں داخل ہوا تو ضیاء الحق نے اپنی حکومت کو طول دینے کے لیے امریکی حکومت کے کہنے پر امریکی ڈالرؤں کے عوض دہشتگردوں اور غیر ملکی فسادیوں کے ساتھ ملکر روس کے خلاف نام نہاد ڈالر جہاد کیا، جسے کرائے کی جنگ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ہی وہ وقت تھا جب ضیاالحق نے جہاد کے نام پر دہشتگردی کا پودا لگایا تھا۔ روس کے واپس جانے کے بعد امریکہ بھی واپس چلا گیا تو ڈالر جہادیوں کا راتب بند ہو گیا، تو وہ فسادی جو پہلے امریکہ کے پالتو تھے اب وہ ہی امریکہ کو ہی آنکھیں دیکھا رہے تھے۔ امریکہ میں 9/ 11 کا واقعہ ہوا تو وہ سیدھا دوڑا افغانستان چلا آیا کیونکہ اسے 11/9 کے واقعے میں اسامہ بن لادن مطلوب تھا، پھر جب پاکستان کی افواج اور عوام اس جنگ میں اپنی سرزمین کو بچانے کے لیے حرکت میں آئے تو کل کے ڈالر جہادی یا فسادی

پاکستان کی افواج اور پاکستانی عوام کے خلاف طالبان کے نام سے دہشتگردی پر اتر آئے۔ اب تک 60 ہزار سے زیادہ پاکستانی جن میں پاک فوج اور پولیس کے جوان بھی شامل ہیں دہشتگردی کا شکار ہوچکے ہیں۔ جنرل پرویز اشفاق کیانی 2007 سے 2013 تک چھ سال آرمی چیف رہے اور آصف علی زرداری 2008 سے 2013 تک پانچ سال ملک کے صدر رہے، جنرل کیانی اورآصف زرداری دونوں کرپشن میں مصروف رہے ، جس کی وجہ سے طالبان اپنی دہشتگردی میں آزاد تھے۔ جنرل راحیل شریف 29 نومبر 2013 کوآرمی چیف مقرر ہوئے اور اب 29 نومبر 2016 کو ریٹائر ہوجائیں گے۔ نواز شریف ابھی طالبان سے مذاکرات کھیل رہے تھے کہ 15 جون 2014 کو افواج پاکستان نے آپریشن "ضرب عضب" کے نام سے طالبان دہشتگردوں کے خلاف ایک بھرپور آپریشن کا آغاز کیا۔ جنرل راحیل شریف کی قیادت اور بھرپور شمولیت کی وجہ سے آپریشن ضرب عضب کے بعد پاکستان میں دہشتگردی میں بہت حدتک کمی آئی ہے اور یہ دعوی بھی کیا جارہا ہے کہ دہشتگردوں کی کمر توڑ دی ہے، لیکن اس سال پھر دہشتگردی میں اضافہ ہوا ہے جس میں سب سے زیادہ صوبہ بلوچستان متاثر ہوا ہے۔ آخری دہشتگردی خضدار کے علاقے میں 12 نومبر 2016 کو درگاہ شاہ نورانی کے سالانہ میلہ ہوئی جب وہاں دھمال ڈالا جارہا تھا۔ 52 یا اس سے زیادہ لوگ جاںبحق ہوئے اور 100 سے زیادہ زخمی۔ جنرل پرویز مشرف کے زمانے میں

ضیاء الحق کا لگایا ہوا ڈالر جہاد کا پودا تناور درخت بن چکا تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں پودوں کا آپس میں ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے تو عرض ہے کہ اگر آج ہم ایٹمی طاقت نہ ہوتے تو بھارت میں مودی جیسے وزیر اعظم کے دور میں ہمارے ساتھ کچھ بھی کیا جا سکتا تھا یہ ذوالفقار علی بھٹو کا لگایا ہوا ایٹمی پودا ہی تھا جس کی وجہ سے بھارت نے پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کے بعد کبھی بھی پاک بھارت بین القوامی سرحد کو پار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سابق صدر پرویز مشرف کے 2002 میں لگائے ہوئے گوادر بندرگاہ کا پودا جو اب ایک تناور درخت بن چکا تو دوست ملک نے چین نے پاکستان کے ساتھ ایک منصوبہ جسکو ''چین پاکستان اقتصادی راہداری'' کا نام دیا گیا ہے پاکستان کے ساتھ شروع کیا۔ بھارت اس منصوبے کا سخت ترین مخالف ہے اور کسی بھی طرح اس منصوبے پر عملدرآمد کو روکنا چاہتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے 1979 میں جو دہشتگردی کا پودا لگایا تھا اب اس کا پورا پورا فائدہ بھارت اٹھا رہا ہے اور دہشتگردوں کو راتب فراہم کرکے ان سے پاکستان میں مسلسل دہشتگردی کروا رہا ہے۔ نواز شریف پہلے دو پودوں کا پورا پورا سیاسی فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن دہشتگردی کے کانٹوں والے پودے کو ختم کرنے میں وہ ناکام ہیں۔

ہر دہشتگردی کے بعد نواز شریف کی طرف سے ایک مخصوص بیان سامنے آتا ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ 'وہ اس دہشتگردی کی شدید مذمت کرتے ہیں، انہیں جانی نقصان پر بہت افسوس ہوا ہے، مرنے والوں کو اتنے روپے دیئے جائینگے، ہماری عوام اور سیکیورٹی فورسز نے بڑی قربانیاں دے کر امن قائم کیا ہے، ہم کسی کو بھی امن وامان کی صورتحال کو خراب کرنے کی اجازت نہیں دیں گے'۔ وزیراعظم نواز شریف اور پاکستانی سیکورٹی کے ادارے ایک بات سمجھ لیں کہ پاکستان کی 'ایٹمی قوت' اور 'چین پاکستان اقتصادی راہداری' دونوں پاکستان کے لیے بہت ضروری ہیں، ایٹمی قوت ہمارے ملک کی حفاظت کے لیے اور چین پاکستان اقتصادی راہداری ہماری معاشی ترقی کے لیے لہٰذا جب تک پاکستان سے دہشتگردوں اور انکے سہولت کاروں کو ختم نہیں کیا جاتا تب تک ہماری 'ایٹمی قوت' اور 'چین پاکستان اقتصادی راہداری' دونوں خطرے میں ہیں۔ اس لیے نواز شریف کو چاہیے کہ وہ اپنے سیاسی مرشد ضیاءالحق کے لگائے ہوئے دہشتگردی کے پودے کو جو اب ایک تناور درخت ہے جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

صرف آٹھ آنے چرائے تھے

محترم چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان ، بعد سلام عرض ہے کہ آپ نے یکم نومبر کو پاناما پیپرز کی وجہ سے اسلام آباد میں ہونے والے دو نومبر کے "اسلام آباد لاک ڈاؤن" میچ کو جو حکومت پاکستان اور پاکستان تحریک انصاف کے درمیان نواز شریف اور عمران خان کی قیادت میں کھیلا جانا والا تھا، نہ صرف اس میچ کو نہ کھیلے ت پر دونوں ٹیموں کو آمادہ کیا اور الزامات کی تحقیقات کے لیے کمیشن قائم کرنے کا عندیہ بھی دیا، جسکو دونوں فریقین نے تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ کمیشن کا فیصلہ سپریم کورٹ کا فیصلہ سمجھا جائے گا اور فریقین اس کو لازمی مانیں گے۔ یہ آپکا بہت بڑا کارنامہ ہے، جس کی وجہ سے پوری قوم آپکی شکرگذار ہے۔ محترم چیف جسٹس صاحب میں جانتا ہوں کہ سپریم کورٹ میں اتنی جلد ہی فیصلے نہیں ہوا کرتے اور آپ بھی 30 دسمبر 2016 کو ریٹائر ہوجاینگے اور تب تک شاید فیصلہ نہ ہوپائے، پاکستان میں عدالتی فیصلوں میں ایک مدت درکار ہوتی ہے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جب اس سال اپریل میں سنا کہ آپ وزیراعظم نواز شریف کے کہنے سے ایک جوڈیشنل کمیشن تشکیل دینے والے ہیں تو میں نے بھی اس وقت موقعہ سے فائدہ اٹھاکر آپ سے اپنی والدہ کے پاندان سے دو روپے آٹھ آنے چرانے کی تحقیقات کی درخواست کی تھی لیکن شاید وہ

درخواست آپکو ملی نہیں، لہٰذا بجائے اس کے کچھ نیا لکھوں اس پرانی درخواست کو ہی دہرا دیتا ہوں جو مندرجہ ذیل ہے۔

محترم چیف جسٹس صاحب سنا ہے کہ وزیراعظم پاکستان کے کہنے پر آپ ایک جوڈیشل کمیشن تشکیل دینے والے ہیں جو محمد بن قاسم سے نواز شریف تک کا احتساب کرے گا۔ حاشر ابن ارشاد نے اپنے مضمون ''محمد بن قاسم سے نواز شریف تک'' میں ویسے تو بہت کچھ لکھا ہے اس میں سے مختصر یہ ہے کہ'' میں تو کہتا ہوں کہ جہاں اتنا کیا ہے وہاں میاں صاحب تھوڑی اور ہمت کرلیں۔ چونکہ ہمارے نظریاتی بریگیڈ کے مطابق پاکستان اس وقت وجود میں آگیا تھا جب محمد بن قاسم نے سندھ میں قدم رکھا تھا اس لئے اس میں قطعًا کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ کمیشن اپنی تحقیقات کا آغاز سنہ 711 عیسوی سے کرے۔ یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ چچ خاندان کا خزانہ ملتان سے آف شور کوفہ کیسے اسمگل کیا گیا اور اس کے لئے قانونی تقاضے پورے کئے گئے یا نہیں۔ یہ بھی پتہ چلنا چاہئے کہ سومنات کے مندر سے لوٹے گئے خزانے کی کل مالیت کتنی تھی اور غزنی لیجانے سے پہلے اس میں سے کتنے کک بیک دئے گئے تھے۔ اس دوران یہ سراغ بھی مل جائے گا کہ نادر شاہ اور محمد شاہ کے بیچ تخت طاؤس کی ڈیل میں اور کون کون سے سرکاری عمال شامل تھے۔ اس سارے عمل سے ایک دفعہ تاریخ سیدھی ہو جائے گی اور سب بدعنوان لوگوں کو کان ہو جائیں گے۔ کیا ہوا اگر کوئی سوڈیڑھ سو سال اس

کام میں لگ گئے"۔ حاشر ابن ارشاد نے اور بھی بہت کچھ لکھا ہے لیکن میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

جناب یہ بات 1965ء کی جنگ سے پہلے کی ہے جب بھارتی فلمیں ہمارے سینما گھروں میں چلا کرتی تھیں، اس وقت میری امی کے پاندان سے پورے دو روپے آٹھ آنے چرائے گئے تھے۔ اس تحقیقات میں آپکی آسانی کے لیے تھوڑا سا پس منظر بتائے دیتا ہوں۔ بھارتی فلم 'آن' کا پہلا شو دیکھنے کے لیے میں نے امی کے پاندان سے صرف آٹھ آنے چرائے تھے، جس میں سے چھ آنے کا ٹکٹ لیا اور دو آنے کا بن کباب کھایا تھا۔ جب میں فلم دیکھ کر واپس آیا تو امی نے بتایا کہ انکے پاندان سے دو روپے آٹھ آنے چوری ہوگئے ہیں۔ میں نے امی سے پوچھا آج ہمارے گھر کون کون آیا تھا، امی نے بتایا ایک تو ان کے خالا کے بیٹے آئے تھے جو ایوب خان کے حامی ہیں، اللہ ایوب خان کو خوش رکھے کتنا اسمارٹ لگتا ہے اور دوسرے تمارے ابو کے چچازاد بھائی آئے تھے جو فاطمہ جناع کے کچھ زیادہ ہی حامی ہیں، حالانکہ ایوب خان نے پوری قوم کو بتایا ہوا ہے کہ فاطمہ جناع بھارت کی ایجنٹ ہیں۔ ہم نے کہا امی ہمیں تو دونوں پر ہی شک ہے۔

رات کو ابو آئے تو انہوں نے آتے ہی امی سے پوچھا آج آپکے پاندان سے پیسے چوری ہوئے ہیں؟ جواب میں امی نے کہا اچھا تو آپکے چچازاد بھائی نے

قبول لیا کہ انہوں نے میرے پاندان سے دو روپے آٹھ آنے چرائے ہیں۔ مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا کہ وہ لوگ جو فاطمہ جناح کے حامی ہیں چور ہوتے ہیں۔ ابو نے زور سے چیخ کر امی سے کہا، آپکے خالا کے بیٹے جو ایوب خان ڈکٹیٹر کے حامی ہیں انہوں نے سینما سے نکلتے ہوئے آپکے بیٹے کو دیکھا تھا، آپکے دو روپے آٹھ آنے کسی اور نے نہیں آپکے اپنے بیٹے نے چرائے ہیں۔ اگرچہ ہم نے آٹھ آنے چرانے کا اقرار کرلیا تھا لیکن امی اور ابو کو یہ پکا یقین تھا کہ دو روپے آٹھ آنے ہم نے ہی چرائے تھے۔ امی اور ابو اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن میرے بہن اور بھائی ابتک مجھے ہی ان دو روپے آٹھ کا چور سمجھ رہے ہیں۔ لہٰذا محترم جج صاحب آپ سے میری درخواست ہے کہ جب آپ نواز شریف کی آف شور کمپنی اور پرانے گھپلوں کی تحقیقات کریں تو میرے والدین کے ان دو روپے آٹھ آنے کی تحقیقات بھی ضرور کریں جس میں سے میں نے صرف آٹھ آنے چرائے تھے باقی دو روپے کس نے چرائے یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے۔

محترم چیف جسٹس صاحب آخر میں آپ سے یہ بھی درخواست کے جب آپ ریٹائر ہوں تو میرے اس کیس کے بارے اپنے ساتھیوں کو ضرور مطلع کردیں۔ مجھے کوئی جلدی نہیں، بس میرے پوتے کے پوتے کو اگر اس کا نتیجہ مل جائے تو اوپر آپسے ملاقات کرکے آپکا شکریہ ضرور ادا کرونگا۔

نوٹ: یہ مضمون میں اپنے مرحوم چچازاد اور میرے بہت ہی پیارے بھائی صاحب مرحوم سید ناظم حسین کے نام کرتا ہوں کہ جن کا اور میرا بچپن ساتھ ساتھ گزرا تھا۔ اس مضمون میں شامل فلم 'آن' ہم دونوں بھائیوں نے ساتھ ساتھ کراچی کے نیرنگ سینما میں دیکھی تھی۔

بچوں کا عالمی دن اور حقیقت

بچوں سے ہم سب بلا کسی تفریق کے پیار کرتے ہیں، میں اپنے بچوں سے بہت پیار کرتا ہوں اور یقیناً آپ سب بھی اپنے بچوں سے بہت پیار کرتے ہونگے۔ پوری دنیا میں تاریخی حقائق کے مطابق 1950 کے عشرے میں بچوں کے بارے میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ترقی پذیر ممالک کے بچے صحت، تعلیم اور تفریحی سہولتوں سے محروم ہیں۔ 1989 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بچوں کے منظور شدہ حقوق کا اعلان کیا اور 20 نومبر 1990 کو دنیا کے تقریباً 186 ممالک نے بچوں کے عالمی دن کے منظور شدہ حقوق کے مطابق باضابطہ حمایت کرکے 20 نومبر کو بچوں کا عالمی دن قرار دیا۔ بچوں کا عالمی دن ہر سال 20 نومبر کو منانے کیلئے اقوام متحدہ کے بچوں سے متعلق ادارہ یونیسیف ایک خاص عنوان تجویز کرتا ہے جس کا تعلق بچوں کی تعلیم و تربیت اور نشو و نما سے ہوتا ہے۔ دنیا بھر کے ممالک اقوام متحدہ کے بچوں کے لیے تجویز کردہ عنوان کی روشنی میں پروگرام ترتیب دیتے ہیں اور بچوں کا عالمی دن بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں اس دن کی مناسبت سے بچوں کے حقوق کیلئے سرگرم سماجی تنظیموں کے زیراہتمام سیمینارز، واکس اور دیگر تقریبات کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر سال 20 نومبر کو بچوں کے عالمی دن منانے سے دنیا بھر میں بچوں کو ان کے حقوق مل جاتے، کم از کم

میرا جواب 'نہیں' میں ہے۔ آیئے بچوں کے حوالے سے اور بچوں کے عالمی دن کی مناسبت سے کچھ حقیقت پر مبنی باتیں کرتے ہیں۔

یونیسیف کی اس سال جون میں شایع ہونے والی سالانہ رپورٹ کے مطابق غریب بچوں کے پانچ برس کی عمر تک پہنچنے سے قبل مرنے کے امکانات متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے بچوں سے دو گنے ہیں اور 2030 تک کروڑوں بچے ایسی بیماریوں سے مر سکتے ہیں جن سے بچا جا سکتا ہے۔ جبکہ بڑھتی ہوئی عدم مساوات کے باعث غریب لڑکیوں کی کم عمری میں شادی کے امکانات دو گنے سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق گزشتہ کئی دہائیوں سے کم عمر بچیوں کی شادیوں کی شرح میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اس وقت پوری دینا میں عام بچوں کے علاوہ مہاجرین یا تارکین بچوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ یونیسیف کی سالانہ رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا میں قریب 124 ملین بچے ایسے ہیں جو پرائمری یا لوئر سیکنڈری اسکول نہیں جاتے۔ یونیسیف کی سالانہ رپورٹ میں کہا گیا کہ اگرچہ گزشتہ پچیس برسوں کے دوران بچوں کی تعلیم اور صحت کے حوالے سے 'زبردست پیشرفت' ہوئی ہے تاہم اس پیشرفت کی تقسیم مساوی نہیں تھی۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر دنیا کے ہر غریب بچے تک پہنچنے میں کامیابی نہ ہوئی تو اگلے پندرہ برسوں کے دوران 5 سال سے کم عمر کے 69 ملین بچے ایسی بیماریوں کے باعث موت کے منہ میں چلے جائیں گے، جن کا آسانی سے علاج ہو سکتا ہے۔

اقوام متحدہ کے مطابق دنیا کے چھ لاکھ مہاجر بچوں میں سے تین اعشاریہ سات ملین بچے ایسے ہیں جو اسکول جانے اور تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ نصف سے بھی کم تعداد اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کے مختلف علاقوں میں ہونے والی جنگوں اور تشدد آمیز واقعات میں امریکہ، یورپ اور اسرائیلی ریاست کے ہاتھ واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں اور زیادہ تر بچے اور نوجوان ان ہی جنگوں میں ہلاکت اور تشدد کا شکار ہوئے ہیں۔ عراق اور افغانستان، لبنان، صومالی، یمن، سوڈان اور لیبیا کی جنگوں میں بچوں کی وسیع پیمانے پر ہونے والی ہلاکتیں اور تشدد اس حقیقت کی تصدیق ہیں۔جبکہ دنیا بھر میں ہر سال 27 کروڑ 50 لاکھ سے زائد بچوں کو گھریلو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ صرف امریکہ اور بحر الکاہل کے خطوں میں سالانہ 60 لاکھ بچے تشدد کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ہر دس میں سے ایک بچہ جارحیت کا شکار ہوتا ہے۔

سال 2014 میں وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے مرحوم عبدالستار ایدھی نے کہا تھا کہ 'بچوں کا عالمی دن منانے سے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوتا کہ لوگوں میں آگہی پیدا ہو۔ لیکن بچوں کے حقوق پورے کرنے کے لئے ہر دن کام کرنے کی ضرورت ہے'۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان میں بھی بچوں کی

فلاح و بہبود کیلئے کام ہو رہا ہے یا یہ سلسلہ صرف تقریروں تک ہی محدود رہتا ہے؟ کیا ہم بچوں کو ان کی صحت اور تفریح کی بنیادی سہولتیں مہیا کر رہے ہیں یا صرف انہیں ''لالی پاپ'' دی جا رہی ہے؟ کیا ہم چائلڈ لیبر کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں؟ ترقی یافتہ ممالک میں زیر تعلیم بچوں سے مار پیٹ یا ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہیں لیا جاتا کیا ہمارے ہاں بھی یہی صورت حال ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو اس وقت تک ہوتے رہینگے جب تک بچوں کو بنیادی سہولتیں مہیا نہیں کی جاتیں۔ حقیقت یہ کہ ہمارے ملک میں بچوں کے حقوق پورے نہیں ہو رہے ہیں۔ آج بچے دہشت گردی اور جرائم کا شکار ہو رہے ہیں۔ بچوں کو خوراک، چھت، تعلیم و تربیت اور تحفظ جیسے بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔ بچے پھول کی مانند ہوتے ہیں ان سے محبت سے پیش آنا چاہیے، کیا پاکستان کی ریاست اور عوام اس قیمتی سرمائے کی قدر و قیمت سے واقف ہیں؟ اور ان کے بنیادی حقوق پورے کر رہے ہیں؟ گھروں، ہوٹلوں اور دیگر کاروباری مراکز میں کام کرنے والے مجبور اور مظلوم بچوں سے عام لوگ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ سڑکوں پر گاڑی صاف کرنے، کوڑا کرکٹ اٹھانے والے اور بھیک مانگنے والے بچوں کی غذا، صحت اور پڑھائی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ کیا حکومت ان ذمہ داریوں کے لیے کچھ کر رہی ہے؟ جواب صرف اور صرف 'نہیں' ہے۔

ہیومن رائٹس کمیشن پاکستان کی 2014 کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں تیس فیصد

بچے غذائی قلت کا شکار ہیں۔ یونیسیف کی 2015 کی جاری کردہ ایک رپورٹ کے مطابق ہر چودہ میں سے ایک پاکستانی بچہ اپنی پہلی سالگرہ منانے سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے، ہر گیارہواں بچہ اپنی زندگی کے پانچ سال مکمل ہونے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ پاکستانی ذرائع ابلاغ نے رواں سال فروری میں ایک حکومتی رپورٹ شائع کی تھی، جس کے مطابق ملک میں تقریباً 24 ملین بچے اسکول نہیں جاتے۔ آئی ایل او کے ایک سروے کے مطابق پاکستان میں چائلڈ لیبر و جبری مشقت کے شکار بچوں کی تعداد 2014 میں 168 ملین تھی۔ بچے قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں، بچپن سے ہی اگر بچوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تو یقینا ان کا مستقبل روشن ہوگا اور اگر بچپن ہی سے مارپیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ کی جائے تو بچوں کی نہ صرف ذہنی جسمانی نشوونما رک جاتی ہے بلکہ ان کی خود اعتمادی بھی جاتی رہتی ہے۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) کی وفاقی اور صوبائی حکومتیں سڑکوں اور انڈرپاسز کی تعمیر کے ساتھ ساتھ میٹرو اور اورنج لائن پر کئی سو ارب روپے خرچ کر چکی ہیں، لیکن لاہور میں ایسے سرکاری اسکول بھی ہیں جہاں نہ بیت الخلاء ہے اور نہ ہی پانی دستیاب ہے۔ کئی اسکولوں میں فرنیچر نہیں ہے اوران اسکولوں کی بہت سی عمارتیں مخدوش ہیں۔ پاکستان میں بچوں کے عالمی دن کی مناسبت سے، پاکستان کے مختلف ٹی وی چینلز پر ماہرین کی ، باتیں اور تھر میں بھوک، پیاس

اور غربت سے ہلاک ہونے والے بچوں کی خبریں اور مختلف اداروں کے دعوے، ملک میں پولیو سے معذور ہونے والے بچوں کے اعداد و شمار ساتھ ساتھ چلتے رہے اور مرحوم ایدھی صاحب کی بات بھی سمجھ میں آتی رہی کہ بچوں کے حقوق پورے کرنے کے لیے ہر دن کام کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا کے تمام بچوں کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ یہ دعا بھی ہے کہ اگلے سال 20 نومبر کو بچوں کا عالمی دن بچوں کے لیے خوشیوں کا تہوار بنکر آئے۔

میر وسیم اختر کی بلاول سے اپیل

نومبر 2016 کے شروع میں امریکی صدارتی انتخابات کے موقعہ پر مصنف مبشر علی زیدی نے امریکی شہر نیویارک اور پاکستانی شہر کراچی کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے سوشل میڈیا پر لکھا تھا کہ "نیویارک اور کراچی کی کئی چیزوں میں مماثلت ہے۔ کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے، نیویارک امریکا کا۔ کراچی میں قدرتی بندرگاہ ہے، نیویارک میں بھی۔ کراچی ملک کا معاشی مرکز ہے، نیویارک بھی۔ کراچی میں باہر سے لوگ آ کر بس جاتے ہیں، نیویارک میں بھی۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نیویارک بڑے باپ کا چہیتا بیٹا ہے، کراچی یتیم ہے۔ کوئی اس کا والی وارث نہیں"۔ مبشر علی زیدی کی اس بات کی تصدیق اس طرح ہوتی ہے کہ نہ وفاقی اور نہ ہی صوبائی بجٹ میں کراچی کو اس کا جائز حصہ ملتا ہے۔ کراچی ملک کی اقتصادی شہ رگ اور معاشی حب ہے، کراچی کی اقتصادی سرگرمیوں ہی کی وجہ سے پورے ملک کی معیشت کا پہیہ رواں دواں ہوتا ہے، مگر بدقسمتی سے کراچی کو مسلسل اور مکمل طور پر نظر انداز کیا جارہا ہے۔

ملک کو ستر فیصد ریونیو دینے والے شہر کراچی کے ساتھ وفاقی اور صوبائی حکومتیں دشمنوں جیسا سلوک کر رہی ہیں۔ بجٹ میں کراچی کی تعمیر و ترقی

کے لیے اس سے حاصل ہونے والے آمدنی کی بنیاد پر اس کا حصہ ہونا چاہیے مگر وفاق اور سندھ کے بجٹ میں کراچی کو اس کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ہمارے حکمران کھاتے کراچی سے ہیں مگر کراچی کو اس کا حق دینے پر کوئی راضی نہیں۔ سندھ کے حالیہ ترقیاتی بجٹ میں کراچی کے لیے محض 10 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں جو کراچی کے ساتھ کھلا ظلم ہے۔ کراچی کے ساتھ ناانصافی اس طرح ہو رہی ہے کہ کے 4 منصوبہ جس کی لاگت 40 سے 45 ارب روپے تک پہنچ چکی ہے، اس کے لیے صرف 6 ارب روپے مختص کرنا سندھ حکومت کا اس منصوبہ سے عدم دلچسپی کا مظاہرہ ہے۔ کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے مگر بدقسمتی سے تعمیر و ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا ہے اس لیے اگر کراچی شہر کے زیر التواء منصوبے جلد از جلد مکمل نہ کیے گئے تو کراچی کا انفراسٹرکچر مکمل تباہ ہو جائے گا۔

اگر ہم 1934 کے زمانے کا مطالعہ کریں جب سندھ ممبئی کا حصہ تھا تو جو لوگ اس ممبئی کی حکومت کے وزیر تھے، سندھ کی سیاست تب سے آج تک اسی لائن پر چل رہی ہے انہی خاندانوں کی اجارہ داری رہی اور انہی کو منتقل ہوئی۔ ہر دفعہ الیکشن ہوتے رہے، حکومتیں بدلتی رہیں، مگر اسمبلیاں اور اقتدار ان خاندانوں سے باہر نہیں گیا۔ نہ کبھی کسی کا احتساب ہوا اور نہ ہی حقیقی جمہوریت آئی، نہ کبھی گڈ گورننس اور نہ ہی جمہوریت کے نام پر کوئی تبدیلی، نہ ہی وڈیرہ شاہی نظام کا خاتمہ ہوا اور نہ ہی عوام کو کوئی بنیادی سہولیات مہیا ہوئیں۔ یہاں

جمہوریت صرف ایک نعرہ ہے اور جو بھی حکمران بنے سب عوام کو جموریت کے نام پر دھوکا دیکر چلتے بنے۔ذرا سوچیں کروڑوں روپے لگا کر اقتدار میں آنے والا غریب عوام کا نمائندہ کیسے ہو سکتا ہے؟ سندھ میں گذشتہ آٹھ سال سے پیپلز پارٹی کی حکومت ہے، اس کے اصل کرتا دھرتا آصف علی زرداری سے پوچھا جانا چاہیے کہ گذشتہ آٹھ سال میں آپکو روٹیاں کھلانے، آپکی لوٹ مار اور آپکی عیاشیوں کو پورا کرنے والے شہر کراچی کو آپ نے کیا دیا؟ شاید آپکے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو صرف جھوٹ پر مبنی ہوگا۔ اس دو کروڑ عوام کے شہر کراچی کو بڑئے بڑئے بجلی کے بل تو مل رہے ہیں لیکن بجلی بغیر لوڈ شیڈنگ کے نہیں مل رہی، کراچی کا پانی اسمگل کردیا جاتا ہےاس لیے کراچی کے ہر علاقے کے لوگ پانی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے کراچی میں صنعتیں بند ہوئیں جس کی وجہ سے روزگار ملنا مشکل ہوگیا ہے۔ کراچی آپریشن کے باوجود اب تک لوگوں کی جان ومال کا کوئی تحفظ نہیں ہے جس کی بڑی وجہ پیپلز پارٹی کی کرپشن ہے۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) کا چونکہ کراچی میں کوئی وجود نہیں تو اس کو کراچی یا کراچی کے عوام سے کوئی دلچسپی نہیں اور وزیر اعظم پاکستان نواز شریف کئی مرتبہ عملاً اس کا مظاہرہ بھی کرچکے ہیں۔ آصف زرداری اور بینظیر بھٹوکے سپوت نوجوان بلاول زرداری جو اب پیپلزپارٹی کے چیرمین ہیں خاصکر کراچی

کے 'مہاجر' ووٹوں کو جیتنے کے لیے کراچی سے متعلق پارٹی کے بیانیے کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بلاول زرداری شاید اس حقیقت سے واقف نہ ہوں کہ پیپلز پارٹی کے پاس کسی زمانے میں اردو بولنے والے انتہائی مخلص کارکن تھے، 1970 کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کو مہاجروں کے بہت ووٹ ملے تھے اور مہاجروں کے علاقے سے سندھی امیدوار کامیاب بھی ہوئے تھے۔ پیپلز پارٹی کا کراچی میں ووٹ بینک بلاول کے نانا بھٹو صاحب کے زمانے سے ہی کم ہونا شروع ہوا تھا جب انہوں نے 1973 کے آئین میں کراچی کے لوگوں کے لیے کوٹہ سسٹم نافذ کیا، اس کے علاوہ انہوں نے کراچی کو اردو بولنے والوں کے شہر کے نقطہ نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ بھٹو صاحب کی ان غلطیوں کی وجہ سے ہی 1977 میں ان کے خلاف کراچی سے بڑے بڑے جلوس نکالے گئے اور آخرکار انکی حکومت ختم ہو گئی۔

میئر کراچی وسیم اختر چار ماہ کراچی کی جیل میں قید رہنے کے بعد رہا کر دیے گے ہیں، اپنی رہائی کے بعد گذشتہ دنوں ان کی سندھ اسمبلی میں آمد ہوئی تو اسپیکر آغا سراج درانی نے اپنے چیمبر میں ان سے ملاقات کی اور انہیں سندھی ٹوپی اور اجرک کا تحفہ پیش کیا جس پر انہوں نے اسپیکر سندھ اسمبلی کا گرم جوش استقبال پر شکریہ ادا کیا۔ سندھ اسمبلی کے باہر میڈیا سے گفتگو میں میئر کراچی وسیم اختر نے اختیارات دلانے کیلئے پیپلزپارٹی کے چیئرمین بلاول

زرداری سے اپیل کی اور کہاکہ ''بلاول نے میری رہائی کیلئے آواز اٹھائی، شہید ماں کے بیٹے ہیں کراچی کی ترقی کیلئے میری مدد کریں گے''۔ بلدیاتی اداروں کو وہ اختیار دلائے جائیں جو بلاول کے نانا ذوالفقار علی بھٹو نے آئین میں دیے ہیں۔ میئر کراچی کا کہنا تھا کہ اب ٹارگیٹڈ ڈویلپمنٹ کرنی ہوگی، کراچی کا انفراسٹرکچر تباہی پر جاچکا ہے، شہر میں پانی کی تقسیم بھی بہت بڑا چیلنج ہے۔ وسیم اختر نے سندھ اسمبلی میں تمام پارٹیوں کے ساتھ مفاہمت کا بھی ہاتھ بڑھایا اور کہاکہ کراچی سب کا شہر ہے ہمیں ملکر کام کرنا ہے، ان کا کہنا تھا کہ کراچی ترقی کرے گا تو پورا سندھ اور پاکستان بھی ترقی کرے گا

۔ پیپلزپارٹی کے چیئرمین بلاول زرداری اگر واقعی چاہتے ہیں کہ وہ کراچی سے جتیں تو انہیں پہلے کراچی کے 'مہاجروں' کا دل جیتنا ہوگا۔ آج کراچی کے میئر نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اگر وہ کراچی سے متعلق اپنی پارٹی کے بیانیے کو واقعی تبدیل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو میئر کراچی وسیم اختر کی طرف خلوص سے ہاتھ بڑھایں پورا کراچی بغیر جیتے ہوئے انکو مل جائے گا۔

پاکستان میں تعلیم اور چینی کہاوت

اگلے سال 14 اگست 2017 کو پاکستان 70 سال کا ہو جائے گا۔ اگر ہم دنیا پر ایک نظر ڈالیں تو ہم سے بہت بعد میں آزاد ہونے والے ممالک ہم سے بہت آگے جا چکے ہیں، ہمارا پڑوسی اور ہمارا سب سے اچھا دوست ملک چین جو ہم سے بعد میں آزاد ہوا آج زندگی کے ہر شعبے میں ہم سے بہت آگے ہے۔ وہ قوم جو پوری دنیا میں افیونی قوم کے لقب سے مشہور تھی اس نے اپنے قائد ماوزے تنگ اور چو این لائی کی قیادت میں ثابت کر دکھایا کہ اگر کسی قوم کے لیڈرز نیک نیتی سے ملک کی تعمیر میں حصہ لیں تو وہ ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ ستر سال میں ہمارے حکمرانوں نے اپنے عوام کے لیے کچھ نہیں کیا، یہ ہی وجہ ہے کہ آج عام آدمی کی زندگی تلخیوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان کے بچوں کو تعلیم نہیں ملتی، علاج معالجہ نہ ہونے کے برابر ہے، بہت بڑی تعداد کو پانی میلوں سے لانا پڑتا ہے، ابھی تک گھنٹوں لوڈشیڈنگ ہوتی ہے، روزگار کے مواقع نہیں، سستا اور فوری انصاف تو ایک خواب ہے۔ مسائل بہت زیادہ ہیں اس لیے اس مضمون کے زریعے میں صرف ''تعلیم'' کے مسلئے پر بات ہو گی، باقی مسائل پر بھی بات ہو گی لیکن آئندہ۔

حال ہی میں عالمی اقتصادی فورم کی جاری کردہ عالمی مسابقت رپورٹ برائے

کے مطابق 138 ملکوں کی درجہ بندی میں پاکستان کا نمبر 122 ہے یعنی 2016-17 صرف 16 ممالک پاکستان سے نیچے اور 121 ممالک پاکستان سے اوپر ہیں۔ جنوبی ایشیا میں پاکستان واحد ملک ہے جو مائیکرو اکنامک ماحول، صحت اور پرائمری تعلیم کے شعبوں میں بہتری لانے میں ناکام رہا ہے، چنانچہ وہ جنوبی ایشیا میں تعلیم کے شعبے میں بہت پیچھے چلا گیا ہے۔ جنرل پرویز مشرف کے زمانے جب تعلیم پر توجہ دی گئی تو انہوں نے میں ہائر ایجوکیشن کمیشن قائم کیا اور ڈاکٹر عطاالرحمان کو اس کا سربراہ بنایا گیا 2002 ۔ کچھ ہی عرصے میں پاکستان میں تعلیم کے میدان میں کافی تبدیلی محسوس کی گئی اور پاکستان میں زیادہ سائنسدان اور اسکالرز پیدا ہونے کی امید ہوئی۔ کچھ عرصے بعد بھارت میں ہائر ایجوکیشن کمیشن کے اس منصوبے پر ریسرچ ہونے لگی کہ پاکستان تعلیم کے میدان میں کیسے آگے بڑھ رہا ہے۔ افسوس مشرف حکومت کے خاتمے کے بعد ہائر ایجوکیشن کمیشن کو غیر متحرک کردیا گیا اور ڈاکٹر عطاالرحمان کو بھی علیحدہ کردیا گیا، ڈاکٹر صاحب کو علیحدہ کرنے والے اس وقت کے صدر آصف زرداری تھے جن کی تعلیم صرف انٹر ہے۔ تعلیم کسی بھی معاشرے کو آزاد سوچ دینے یا کسی قوم کو غلام بنانے میں سب سے اہم اوزار ہے۔

حال ہی میں شایع ہونے والی اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کا تعلیمی نظام جدید تقاضوں سے 60 سال پیچھے ہے۔ رپورٹ کے مطابق جہاں دنیا

اپنے تعلیمی نظام پر توجہ دیتے ہوئے آگے نکلتی چلی جارہی ہے، وہاں ہم ہر میدان میں تنزولی کا شکار ہیں۔ ہمارے ہاں شرح خواندگی کی بھی کمی ہے اور بین الاقوامی تعلیمی معیارات کے حوالے سے بھی ہم بہت پیچھے ہیں۔ ہمارے ہاں پرائمری سطح پر دی جانے والی تعلیم نئے تقاضوں کے معیار سے 50 سال پیچھے ہے۔ ہمارے ہاں 56 لاکھ بچے ایسے میں جو اسکول ہی نہیں جاتے جبکہ ایک کروڑ 4 لاکھ کے قریب بچے ایسے ہیں جو سیکنڈری اسکول سے آگے نہیں جاپاتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ شہروں اور دیہات میں بسنے والے بچوں کے تعلیمی معیارات میں بھی بہت فرق ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حکومت اپنے اخراجات کا محض تین اعشاریہ گیارہ فیصد تعلیم پر خرچ کرتی ہے۔ اگرچہ دہشتگردی کی کارروائیاں بھی اس رپورٹ کے مطابق ایک وجہ ہیں لیکن بنیادی وجہ پھر بھی حکومت کی عدم توجہ ہے۔

آئین پاکستان کی شق اے۔25 کے مطابق ریاست پانچ سے سولہ سال کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی معیاری تعلیم فراہم کی پابند ہے لیکن اس پر عمل دور دور تک نہیں ہوتا۔ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں ایسے خود غرض اساتذہ بھی موجود ہیں جو استاد کی ملازمت رشوت دیکر حاصل کرتے ہیں تاکہ بغیر کسی کام کے معقول معاوضہ بھی ملے اور بڑھاپے میں پنشن بھی ملے۔ سرکاری اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کو میڈیکل سرٹیفکیٹ جمع کرواکے لمبی رخصت مل جاتی ہے، اگر نہیں تو پھر ساز باز کرکے حاضریاں لگوائی جاتی ہیں۔ کچھ سال پہلے کراچی میں آدم جی

سائنس کالج کے ایک لڑکے نے انٹر کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی، جب اس سے سوال کیا گیا کہ آپکو یہ کامیابی اپنے کالج کی وجہ سے ملی ہے تو اس کا کہنا تھا کہ کالج میں کوئی پڑھاتا ہی نہیں، میں نے تو ایک ٹیوشن سینٹر سے امتحان کی تیاری کی تھی۔ کالج کے پرنسپل اور کچھ اساتذہ بھی وہاں اپنے نمبر بنانے کے لیے موجود تھے، شور تو بہت ہوا لیکن فرق کوئی نہیں پڑا۔

ہمارے ملک میں نجی تعلیمی اداروں کا قطعی یہ مقصد نہیں ہوتا ہے کہ آپکو اچھی تعلیم سے آراستہ کیا جائے بلکہ ان کا واحد مقصد دولت کا حصول ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ سرکاری اداروں سے بہتر ہیں۔ بیکن ہاؤس ایک مشہور تعلیمی ادارہ ہے اور جس کی ایڈمنسٹریٹر یا مینجنگ ڈائریکٹر سابق وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری کی بیگم ہیں۔ ایک ٹی وی پروگرام میں جب قصوری صاحب سے یہ سوال کیا گیا کہ آپکے تعلیمی ادارے میں فیس زیادہ کیوں ہے؟ تو ان کا جواب خالص کاروباری تھا کہ "اگر آپ اپنے بچے کے لیے اچھی تعلیم کا حصول چاہتے ہیں تو پھر پیسے تو خرچ کرنے ہونگے"۔ پاکستان جس کی 60 فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گذار رہی ہے، اس کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ نجی تعلیمی اداروں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلوا سکیں۔ نجی تعلیمی اداروں میں فیسوں اور کتابوں کے اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ ایک عام آدمی اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے سے قاصر ہے۔ یہ ہی وجہ ہے پاکستان میں بہت سارے بچے جو اسکول

نہیں جاپاتے وہ آپکو کسی دوکان، ہوٹل یا موٹر مکینک کی دوکان میں چائلڈ لیبر کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

وزیر اعظم نواز شریف کی حکومت کو جون 2016 میں تین سال پورے ہوگئے ہیں لیکن عام آدمی کو کیا ملا، کچھ نہیں، تعلیم کے شعبے میں کام کرنے والی این جی اوز اور دوسرے ادارے بارہا حکومت کی توجہ تعلیم کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، لیکن شریف حکومت تو اس طرف توجہ دینے کی قائل ہی نہیں۔ نواز شریف یہ سمجھتے ہیں کہ سڑکیں اور پل بنانے سے پاکستان کے سارے مسئلے حل ہوجائینگے۔ نواز شریف نے عوام سے جو وعدے کیے تھے اس میں سے نوے فیصد اب تک پورے نہیں ہوئے ہیں۔ کیا وزیر اعظم نواز شریف 46 ارب ڈالر کے ''سی پیک منصوبے'' کے معاہدئے میں ''تعلیم'' کو شامل کرواسکتے ہیں، شاید ایسا ہونا ممکن نہ ہو کیونکہ سوداگر تعلیم کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ آج چین کا شمار دنیا میں صف اول کے ممالک میں ہوتا ہے۔ چینی دانشور اپنی کہاوتوں اور محاوروں کے لیے خاصے مشہور ہیں۔ ان کی کہاوت ہے کہ ''اگر ایک سال کی منصوبہ بندی کرنی ہے تو مکئی لگاؤ، اگر دس سال کی منصوبہ بندی کرنا چاہتے ہو تو درخت لگاؤ اور اگر صدیوں کی منصوبہ بندی کرنا چاہتے ہو تو اپنے عوام کی تربیت کرو انھیں بہترین تعلیم دو۔ شاید کبھی پاکستان کے حکمرانوں کی سمجھ یہ چینی کہاوت آجائے اور ہمارا ملک سو فیصد تعلیم سے آراستہ ہو۔

مردم شماری سے ڈرتے کیوں ہیں؟

پاکستان کے آئین کی رو سے ملک میں مردم شماری کا عمل ہر دس سال کے بعد ضروری ہے، تاہم پاکستان میں آخری مردم شماری تقریباً 19 سال قبل 1998 میں ہوئی تھی۔ 2011 میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے مردم شماری کے پہلے مرحلے کے سلسلے میں ملک بھر بشمول وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں میں گھروں کا شمار یعنی ''خانہ شماری'' کرنے کا اعلان کیا تھا۔ تاہم بعد میں خانہ شماری کے اعداد وشمار جب کمپیوٹر کے نظام کے ذریعے تجزیے کے عمل سے گزارے تو عملے کی ناتجربہ کاری، نااہلی کے ساتھ عملے کی غیر ذمہ داری اور غیر سنجیدگی کی بنا پر یہ اعداد و شمار مشکوک ہوگئے، جس کے باعث وفاقی حکومت نے خانہ شماری کو ہی ختم کردیا اور مردم شماری بھی منسوخ ہوگئی۔ حکام کے مطابق ملک میں تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے قومی وسائل پر دباؤ بڑھا ہے اور پاکستان توانائی اور پانی کے بحران سے دوچار ہے۔ پاکستان کے الیکشن کمیشن نے 2013 کے آخر میں وزیراعظم نواز شریف کو ایک سمری بھجوائی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ 1998ء کے بعد سے ملک میں مردم شماری نہیں ہوئی اس لیے مشترکہ مفادات کونسل کا اجلاس بلا کر ملک میں مردم شماری کرانے کے فیصلے کی منظوری دی جائے۔ مشترکہ مفادات کونسل میں چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کی موجودگی ضروری ہوتی ہے جہاں وفاق کے متفقہ فیصلے

کیے جاتے ہیں، تاہم اس وقت یہ اجلاس نہ ہو سکا۔ پاکستان میں 1998 میں کی گئی مردم شماری کے مطابق ملک کی مجموعی آبادی 13 کروڑ 23 لاکھ تھی۔ تاہم آج 2016 کے آخر میں سرکاری اور غیر سرکاری اندازوں کے مطابق پچھلے تقریباً انیس سالوں میں پاکستان کی آبادی بڑھ کر بیس کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔

انیس سال پہلے 1998 میں کی گئی مردم شماری کے بعد اب 2018 میں دوسری مردم شماری کی تیاری شروع ہونی چاہیے تھی، کیونکہ مردم شماری کی بنیاد پر ہی ساری منصوبہ بندی اور قومی وسائل کی تقسیم ہوتی ہے، لیکن نہ تو حکومت نے مردم شماری کرائی، اور نہ ہی منصوبہ سازوں نے اس کی اہمیت پر زور دیا، ملک بھر کے سیاستدانوں نے بھی مردم شماری کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور کسی نے بھی مردم شماری کا پرزور مطالبہ نہیں کیا۔ کیا یہ بڑی عجیب بات نہیں ہے کہ گذشتہ 35 برسوں میں صرف ایک بار مردم شماری ہوئی ہے۔ دو ماہ پہلے جنیوا میں حکومت پاکستان کی جانب سے ملک میں نسلی امتیاز کے خاتمے کے لیے کی جانے والی کوششوں کی رپورٹ کے جائزہ، اور اس کے بعد اپنے ریمارکس میں اقوام متحدہ کی کمیٹی نے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان میں جلد از جلد مردم شماری کا بندوبست کیا جائے۔ اقوام متحدہ کی کمیٹی نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی آبادی کی نسلی ترکیب اور ان کی معاشی و معاشرتی صورتحال کی مکمل معلومات مہیا کرے تاکہ کمیٹی ان نسلی گروپوں کی صورتحال اور انھیں دی

جانے سہولیات کے بارے میں درست معلومات حاصل کر سکے۔

پلاننگ کمیشن اور الیکشن کمیشن ماضی میں متعدد بار تازہ ترین مردم شماری کی اہمیت بیان کر چکے ہیں۔ منصفانہ انتخابات کے حوالے سے یہ تجویز بھی دی جا چکی ہے کہ ہے حکومت ہر چار سال بعد مردم شماری کرائے تاکہ آبادی کی صحیح معلومات سامنے آ سکیں، اور پانچ سال بعد ہونے والے عام انتخابات کا انعقاد نئی مردم شماری کے تحت ممکن بنایا جا سکے، جبکہ سپریم کورٹ بھی آئندہ عام انتخابات سے متعلق ایک پٹیشن کی سماعت کے دوران یہ ریمارکس دے چکی ہے کہ مردم شماری کے بغیر 2018 کے عام انتخابات کی کوئی افادیت نہیں ہو گی۔ لیکن بدقسمتی سے ماضی کی کسی حکومت نے مردم شماری جیسے اہم مسئلے پر کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ مردم شماری میں تاخیر کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ افواج پاکستان مردم شماری کے عمل میں مناسب حفاظتی فورس فراہم کرنے کو تیار نہیں اور سپریم کورٹ حکومت سے یہ پوچھ رہی ہے کہ آئین میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ مردم شماری میں افواج پاکستان کی شمولیت لازمی ہے۔ افواج پاکستان کی طرف سے اس عمل میں مدد نہ دینے کی وجوہات بارڈر کی تشویشناک صورتحال، طالبان اور دہشت گردوں کے خلاف جنگ ہے، جبکہ حکومت کی طرف سے یہ بہانہ بار بار دہرایا جا رہا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جاری آپریشن ضرب عضب کے سبب مردم شماری کے تحفظ و نگرانی کے لیے درکار تین لاکھ فوجی فی الحال دستیاب نہیں۔

واضح رہے کہ گیارہ مئی 2013 کو ہونے والے عام انتخابات سے قبل کئی سیاسی جماعتوں اور امیدواروں نے سابقہ حلقہ بندیوں پر شدید احتجاج کیا تھا، جبکہ ان سیاسی جماعتوں کو یہ کبھی نصیب نہیں ہوا کہ مردم شماری کے لیے بھی شدید احتجاج کرتے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ گذشتہ انیس سال میں ملک کی آبادی کئی گنا بڑھ چکی ہے، لہٰذا حکومت کو جلد از جلد مردم شماری کرواکر اس کی بنیاد پر نئی حلقہ بندیاں کرکے آنے والے انتخابات کا انعقاد کرانا چاہیے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ پاکستان میں 1998 کے بعد مردم شماری نہ ہونے کی وجہ سے ملک میں منصوبہ بندی آبادی کے ایک محتاط تخمینے کی بنیاد پر کی جاتی رہی ہے۔ اس لیے ان کے بقول ہمارے ہاں منصوبہ بندی بنیادی حقائق کے مطابق نہیں ہوتی۔ اٹھارویں ترمیم کے بعد قومی مالیتی کمیشن ایوارڈ کے فارمولے میں آبادی شامل ہے، نئی مردم شماری کے نتائج کی بنیاد پر صوبوں کو ملنے والی گرانٹ میں اضافہ ہوگا۔ مردم شماری کے نتائج کے تحت قومی اور صوبائی اسمبلیوں اور بلدیاتی اراکین کے حلقوں کا تعین بھی ہوتا ہے۔ مردم شماری سندھ اور بلوچستان میں خاصہ سنجیدہ معاملہ ہے، سندھ میں ایک عرصے سے شہری اور دیہی علاقوں کے درمیان خاصا تناؤ ہے۔ مختلف قومتیں آباد ہیں جنھیں اپنے تشخص کا شدید احساس ہے۔ بلوچستان کے وزیراعلیٰ ثنا اللہ زہری کا کہنا ہے کہ افغان مہاجرین کے ہوتے ہوئے مردم شماری نہیں ہوسکتی، جبکہ افغان مہاجرین اتنی جلدی جانے والے

نہیں، بلوچستان کے رہنماؤں میر حاصل بزنجو اور اختر مینگل کا کہنا ہے کہ غیر ملکی باشندوں کو مردم شماری کے دائرے میں ہرگز شامل نہیں کرنا چاہیے اور اس بات پر سو فیصد عمل ہونا چاہیے۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت نہ معلوم کیوں مردم شماری کے عمل کو بار بار ٹال رہی ہے۔ مردم شماری کسی بھی بہانے سے ٹلے نقصان عام آدمی کا ہی ہے۔جب یہی نہیں معلوم کہ کس صوبے، کس شہر، کس قصبے، کس دیہات کی کتنی آبادی ہے؟ اور اس میں مردوں، عورتوں، بچوں، جوانوں، بوڑھوں کی تعداد کیا ہے؟ کتنے خاندان ہیں؟ کیسے کیسے گھروں میں رہتے ہیں؟ اور ان کی آمدنی کیا ہے؟ آمدنی کے ذرائع کیا ہیں؟ آبادی کی ضروریات کیا ہیں؟ مستقبل کی منصوبہ بندی کیا ہے؟ تو اقتصادی و بجٹ ترجیحات ہمیشہ فرضی اور جعلی ہونگے۔ 1981 کی مردم شماری کے نتائج کو کراچی کی اس وقت کی قیادت نے تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا اور الزام لگایا تھا کہ کراچی کی آبادی کو کم ظاہر کیا گیا ہے تاکہ اسلام آباد کے حکمران کراچی کو اس کے حصے سے کم ترقیاتی فنڈز دے سکیں۔ موجودہ حکومت کا مردم شماری سے فرار 2018 کے انتخابات مشکوک بنادے گا، وزیر اعظم نواز شریف یہ تو بتایں کہ آپ ''مردم شماری سے ڈرتے کیوں ہیں؟''۔ یاد رکھیں اقتصادی چیلنجوں سے نمٹنے اور مستقبل کی حکمت عملی طے کرنے کے لیے مردم شماری بہت ضروری ہے کیونکہ اسی بنا پر آبادی اور وسائل کا تعین کیا

جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انتخابات کے لیے ووٹر فہرستوں اور حلقہ بندیوں کے لیے بھی یہ اقدام نہایت ضروری ہے۔